علمائے اہلسنت دیوبند پر تین سو اعتراضات کے جوابات پر مشتمل انسائیکلوپیڈیا

دفاعِ اہلِ السنّۃ والجماعۃ

دار العلوم دیوبند اور پاک و ہند کے جید علماء کرام کی تقاریظ کے ساتھ مزین

تصنیف

مولانا ساجد خان نقشبندی

جلد دوم

ناشر:

مکتبہ ختمِ نبوّۃ
محلہ جنگی پشاور 0312-9880001

جمعیۃ اہل السنۃ والجماعۃ

اہل السنّۃ والجماعۃ کی عبارات پر تین سو (۳۰۰) سے زائد اعتراضات کے جوابات پر مشتمل پہلا مکمل انسائیکلوپیڈیا

دفاع اہل السنّۃ والجماعۃ

(جلد ثانی)

مؤلّف

مناظر اہل السنّت

حضرت مولانا ساجد خان نقشبندی حفظہ اللہ

(فاضل جامعہ دار العلوم کراچی مدرس دار العلوم مدنیہ)

باھتمام

مناظر اسلام غازئ اسلام حضرت مفتی ندیم صاحب محمودی حفظہ اللہ

باشتراک

جمعیۃ اہل السنّۃ والجماعۃ

نوجوانان احناف طلباء دیوبند پاکستان

تفصیلات



نام کتاب : دفاع اہل السّنۃ والجماعۃ (جلد ثانی)
مؤلّف : مناظرِ اہل السّنۃ حضرت مولانا ساجد خان نقشبندی حفظہ اللہ
نظر ثانی : مولوی محمّد یونس صاحب (متعلّم درجہ خامسہ)
باہتمام : غازیٔ اسلام حضرت مفتی ندیم محمودی صاحب حفظہ اللہ
کمپیوٹر ورک : عبداللہ رحمانی، پونہ مہاراشٹر الہند
تعداد اشاعت : گیارہ سو (۱۱۰۰)
سنِ اشاعت : جمادی الاخریٰ ۱۴۴۰ھ، مطابق فروری ۲۰۱۹ء
صفحات : 840
شعبہ نشر واشاعت : مکتبہ ختم نبوّت قصّہ خوانی بازار پشاور (03129880001)

فہرست

باب چھارم

علمائے اھلِ سنّت پر خارجیت کا الزام اور اُس کا جواب

بریلوی اور یزید

علمائے اہلِ سنّت پرقادیانیت کاالزام

اعتراضات کے جوابات

باب ہفتم

علمائے اہلِ سنّت پر ہندونوازی کاالزام

باب ہشتم

علمائے اہلِ سنّت پر انگریز نوازی کا الزام

اعتراضات کے جوابات

بابِ نہم

علمائے اہلِ سنّت پر پاکستان مخالفت کا الزام

اعتراضات کا جائزہ

رضاخانیوں کی طرف سے تحریکِ پاکستان کی مخالفت اور مسلم لیگ پر فتوے

تکملہ جلد اوّل

کچھ وضاحتیں
(جلد اوّل کے حوالے سے)

☆☆☆☆

تقریظ

استاذ المناظرین، ترجمان مسلک دیوبند، فاتح رضاخانیت

حضرت مولانا منیر اختر صاحب زید مجدہ

خطیب جامع مسجد فاروقیہ جہانیاں

امیر جمعیۃ اہل السنۃ والجماعۃ پاکستان

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

اہل السنۃ والجماعۃ علمائے دیوبند اور اہل بدعت کے درمیان عبارات اکابر کے حوالے سے پچھلے سو سال میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ مگر عزیزم مولانا ساجد خان صاحب نقشبندی زید لطفہ کی یہ مایہ ناز تصنیف اس تمام لٹریچر میں ایک منفرد مقام اس حیثیت سے رکھتی ہے کہ اب تک تمام چھوٹے بڑے اعتراضات کو مع جوابات یکجا کر کے اتنے منظم (ابواب وفصول) اور مفصل انداز سے ایک مجموعہ کی صورت میں اس سے پہلے منصہ شہود پر نہیں لایا گیا۔

دفاع اہل السنۃ والجماعۃ کی صورت میں عزیزم مولوی ساجد نے پورے مسلک کی طرف سے فرض کفایہ ادا کیا ہے۔ اس مجموعہ کو جتنا پڑھا مولف کے حق میں دل سے دعائیں نکلی۔ اللہ پاک مولف کی اس عظیم کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت سے نوازے اور پوری امت کیلئے اس کا نفع عام فرمادے۔ آمین۔

تقریظ

مناظر اسلام، قاطع شرک و بدعت، حامی توحید وسنت، ترجمان احناف، خطیب شیریں بیاں
مبلغ اسلام، داعی قرآن، حجۃ اللہ فی الارض، رازی دوراں، غزالی زماں، متکلم اسلام
حضرت مولانا محمد الیاس گھمّن صاحب زید مجدہ
امیر عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ
سرپرست خانقاہ حنفیہ مرکز اہل السنۃ والجماعۃ سرگودھا، چیف ایگزیکٹو احناف میڈیا سروسز

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

حضرت مولانا ساجد خان نقشبندی سلمہ اللہ کا شمار ہمارے ملکِ پاکستان کے جید علمائے دین میں ہوتا ہے۔ اللہ تعالی نے شائستہ زبان کے ساتھ ساتھ منجھے ہوئے قلم سے بھی نوازا ہے۔ کئی ایک تحقیقی کتب آپ کے قلم سے نکل چکی ہیں۔ اہل السنۃ والجماعۃ احناف دیوبند کے عقائد ونظریات کا پرچار اور ان پر ہونے والے اعتراضات کے سنجیدگی کے ساتھ اور دلائل کی روشنی میں جوابات دینا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ماشاء اللہ مولانا نقشبندی سلمہ اللہ اس شعبہ میں بخوبی اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

زیرنظر کتاب ''دفاع اہل السنۃ والجماعۃ'' (جلد دوم) مولانا کی تازہ تصنیف ہے۔ اس کتاب میں موصوف نے علماء اہل السنۃ والجماعۃ احناف دیوبند پر ہونے والے 300 سے زاید اعتراضات کے جوابات مؤثر انداز میں دلائل کے ساتھ دئے ہیں۔ کتاب کو 9 ابواب پر تقسیم کیا ہے اور دلنشین ترتیب و انداز بیان کے ساتھ ہر باب کو مزین و مدلل کیا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس موضوع پر یہ کتاب ان شاء اللہ ایک عظیم انسائیکلو پیڈیا ثابت ہوگی۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت اس کتاب کا نفع عام فرمائے، مولانا موصوف کی محنت کو شرف قبولیت سے نوازے اور اس تصنیف کو مخالفین کی طرف سے کئے گئے اعتراضات کو ختم کرنے کا ذریعہ بنادے۔

آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ و علی الہ و اصحابہ اجمعین

محتاج دعا

(مولانا) محمد الیاس گھمن (زید مجدہ)

تاریخ: ۱۰ نومبر ۲۰۱۸

تقریظ

مناظر اسلام،سلطان المناظرین،ترجمان مسلک دیوبند،خطیب اسلام،وکیل صحابہؓ،ضیغم اہلسنت،حامی توحید وسنت،ماحی شرک و بدعت،فاتح رضاخانیت،سیفیت ،لامذہبیت،معتزلیت

حضرت مولانا غازی مفتی محمد ندیم صاحب محمودی زید مجدہ

امیر نوجوانان احناف پاکستان وافغانستان

رئیس جامعہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پشاور

خطیب جامع مسجد ابراہیم علیہ السلام پشاور

مدیر اعلیٰ ماہنامہ ترجمان احناف پشاور

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

امابعد!

علمائے دیوبند صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے رستے پر چلنے والے اس عظیم قافلے کا نام ہے جنکی علمیت ،للٰہیت اور قربانی کی گواہی پوری دنیا دینے پر مجبور ہے ۔تاریخ اس قافلے کی عظمت کو سلام پیش کرتی ہے ۔تاریخ کا ہر ورق ان کی قربانیوں سے بھرا پڑا ہے ۔ ۱۸۵۷ء کے خونی انقلاب کے بعد جب ایک طرف دنیائے کفر اسلامی تہذیب مسخ کرنے کی تگ و دو میں تھی ۔جس پرآشوب دور میں مساجد کے مینارے زمین بوس کردیے گئے تھے ۔جہاں مساجد کے منبر ومحراب شہید کردئے گئے تھے ۔اذان کے نغموں کو خاموش کردیا گیا تھا ۔مدارس کو زمین بوس اور ان میں قال اللہ وقال الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صدائیں بلند کرنے والوں کو خاک وخون میں نہلا دیا گیا تھا ۔

جس وقت ہندوستان میں عیسائیت کی تبلیغ زور وشور سے جاری تھی ۔ارتداد کی مہم عروج پر تھی ۔آزادیٔ مذہب کے نام پر بے دینی کا طوفان امڈ آیا تھا ۔الحاد کے سمندر میں زور وشور کا طوفان تھا ۔جہاں چار لاکھ مسلمانوں کو شہید کرکے ان کی نعشوں کو بے گور وکفن چھوڑ دیا گیا تھا ۔

ایک طرف یہ ناگفتہ بہ حالات ،یہ پرآشوب دور تو دوسری طرف ان مصائب کا جواں مردی سے مقابلہ کرنے والے قافلہ عزیمت کا نام ’’علماء دیوبند‘‘ تھا ۔جنہوں نے ہر میدان میں دشمنوں کا مقابلہ کرکے ان کو شکست سے دوچار کیا ۔

انہی ایام میں جب یہ قافلہ عالم کفر سے برسرپیکار تھا اور ہندوستان کے مسلمان بھی اسی قافلہ عزیمت پر کلی اعتماد کرتے تھے ۔انگریز نے مولوی احمد رضا خان جیسے مولویوں کا فتنہ (فتنہ رضاخانیت) کھڑا کیا ۔جن کا واحد مقصد ان رہبرانِ قوم سے ان کی قوم کے افراد کا مقدس رشتہ کاٹنا ،انہیں ان سے بدظن ومتنفر کرنا تھا ۔ان چند ضمیر فروش مولویوں نے بے دردی سے ان مجاہدین آزادی اور رہبران امت پر کفر وگستاخی

کے بے بنیاد فتوے داغنے کا ناپاک منصوبہ بنانا شروع کر دیا۔اور ان رہبران امت کے صف اول کے چار افراد کو منتخب کرکے ان کی تین کتب سے عبارات میں قطع و برید کرکے اس ناپاک منصوبے کا آغاز کر دیا۔جو آج بری طرح ناکام ہو چکا ہے۔

الحمد للہ علمائے دیوبند نے ہر میدان میں عالم کفر و الحاد اور اہل باطل کے مقابلے کیلئے رجال کار تیار کئے۔جنہوں نے ہر محاذ پر کفر اور باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور ان شاء اللہ تا قیامت کرتے رہیں گے۔

زیر نظر کتاب ''دفاع اہل السنۃ والجماعۃ''اسی سلسلے کا ایک تسلسل ہے۔اس موضوع پر پہلے بھی بہت کچھ لکھا گیا۔لیکن مناظر اہل سنت ،ترجمان علماء دیوبند،قاطع الشرک والبدعۃ،برادر مکرم حضرت مولانا ساجد خان صاحب نقشبندی حفظہ اللہ کی کتاب اس موضوع پر ایک جامع کتاب ہے۔جس میں موضوع سے متعلق ہر بات پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ہر باب میں تحقیقی و الزامی حوالہ جات کا انبار لگادیا گیا ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ اس موضوع پر یہ ایک عظیم الشان انسائیکلو پیڈیا ہے اور اب تک اس موضوع سے متعلق جتنی کتب لکھی گئی ہیں ان سب سے جامع اور مبسوط کتاب ہے تو مبالغہ نہ ہوگا۔

مولانا کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ جس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں اس کا حق ادا کرتے ہیں۔میں نے اس کتاب کا کافی حد تک مطالعہ کیا ماشاء اللہ اپنے موضوع پر ایک مفصل اور لاجواب کتاب ہے۔دیکھنے کے بعد بے اختیار مولانا موصوف کیلئے دل سے دعائیں نکلی۔یقینا مولانا نے اس کتاب میں اہل حق کی طرف سے فرض کفایہ ادا کر دیا ہے۔

فجزاہ اللہ عنا و عن سائر المسلمین

اللہ تعالی اس کتاب کو مولانا موصوف اور ان کے والدین کیلئے ذخیرہ آخرت،اہل حق کیلئے استقامت اور اہل باطل کیلئے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔

آمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

کتبہ

العبد الفقیر محمد ندیم محمودی الحنفی

خاکپائے علمائے دیوبند یک از نوجوانان احناف

۲۹۔۱۰۔۲۰۱۸

تقریظ

وکیل صحابہؓ،سفیر اہلسنت،خطیب شعلہ بیاں،غازی اسلام

حضرت مولانا غازی اورنگزیب فاروقی صاحب زید مجدہ

صدر اہل السنۃ والجماعۃ پاکستان

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

مولانا ساجد نقشبندی زید مجدہ سے مختلف پروگرامات و اجتماعات میں ملاقات رہی ہے۔ماشاءاللہ اللہ رب العزت نے درس وتدریس کے ساتھ ساتھ انہیں تصنیف وتالیف اور تحقیق وتدقیق کا ذوق سلیم بھی عطا فرمایا ہے۔خصوصا موصوف کو اکابر علماء دیوبند اور مسلک حق کے دفاع کیلئے ہمہ تن تیار پایا۔پیش نظر کتاب اسی کا مظہر ہے۔

جس میں مصنف موصوف نے مسلک حق اہل السنۃ والجماعۃ پر ہونے والے مختلف اعتراضات کے جوابات دئے ہیں۔جو تقریبا ایک ہزار سے زائد صفحات پر متجاوز ہو چکے ہیں۔برادر عزیز مولانا محمد عدنان کلیانوی سلمہ کے ذریعہ معلوم ہوا کہ اس سے قبل اس کتاب کی جلد اول بھی چھپ چکی ہے۔جس کا ایک ایڈیشن تھوڑے ہی عرصہ میں اختتام کے قریب ہے۔

جس سے اس کی مقبولیت کا عنداللہ وعندالناس اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔اب دوسری جلد طباعت کے مراحل میں ہے۔مسلسل سفر میں ہونے کی وجہ سے بالاستیعاب تو مسودہ نہ دیکھ سکا تاہم جو دیکھا خوب پایا۔

رب کریم مولانا موصوف کی اس سعی بلیغ کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرما کر اس کے فیض کو عام اور تام فرمائے۔آمین

(مولانا) اورنگزیب فاروقی

4-12-2018

تقریظ

مناظر اسلام ترجمان مسلک دیوبند شیر اہلسنت فاتح رضا خانیت

حضرت مولانا ابو ایوب قادری صاحب زید مجدہ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

قارئین کرام! جب سے دنیا میں ان لوگوں کی آمد ہوئی ہے جو عظمت وتوقیر کے بنائے ہوئے اصولوں کو چھوڑ کر اپنے اصول بناتے ہیں تب سے بگاڑ بھی زیادہ ہوگیا ہے۔انبیاء کرام اور اصحاب کرام علیہم الرضوان اور اولیاء عظام علیہم الرحمۃ کی تعظیم وتکریم کے متعلق اصول شریعت مطہرہ نے بنائے ہیں اور سمجھائے ہیں۔مگر جب سے اہل بدعت کا طبقہ دنیا میں ابھرا ہے تب سے بگاڑ اور فساد کا عروج ہونے لگا۔ اس لئے ضروری ہے کہ فساد و بگاڑ سے امت کو بچانے کیلئے اسی پچھلی طرز اور فکر کو ہی اپنانا چاہئے نہ کہ اس دور کی۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ فتنہ وفساد کا پہلے بھی تصور ملتا ہے مگر جتنا اس دور میں ہے پہلے نہ تھا۔حسن ظن ختم ہوگیا، بدگمانی نے جگہ لے لی،علم وفضل کا پاس ولحاظ نہ رہا، اپنے قائم کردہ نام نہاد اصول اور اسلوب کو بچانا ہی مدنظر رہ گیا۔المختصر خدارا اس امت مرحومہ پر رحم وکرم فرمائے اور مزید بگاڑ سے بچائیے۔میں اپنی بات کو مدلل کرنے کیلئے چند مثالیں عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

(۱) اہل بدعت کے صدر الافاضل نعیم الدین مراد آبادی صاحب اور دیگر فاضلوں بریلویوں نے انبیاء کرام کو بشر کہنے کو کفر قرار دیا۔مگر یہ نہ سوچا کہ صحابہ کرام،اولیاء عظام،فقہاء و متکلمین میں سے بہت سارے اس فتوے کی زد میں آئیں گے۔مگر ناس ہو تعصب کا کہ حق بات کی طرف توجہ ہی نہ دینے دی۔

(۲) یہ اہل بدعت کئی کتب میں تصریح کر چکے ہیں کہ ایک ذرہ کا علم بھی آپ ﷺ کیلئے نہ ماننا کہ آپ کو فلاں شے کا علم نہ تھا یہ گستاخی، بے ادبی، توہین وغیرہ ہے۔تفصیل کیلئے تحفظ عقائد اہلسنت، ذکر عطاء، مقالات بندیالوی وغیرہ جیسی کتب دیکھیں۔اب یہ سب لکھتے وقت یہ نہ سوچا کہ کتنے صحابہ کرام اور تابعین اور امت کے افراد کی تصریحات ہیں کہ آپ ﷺ کو فلاں شے کا علم نہ تھا۔تو یہ فتوے کہاں تک گئے؟

(۳) اسی طرح فیض احمد اویسی اور مفتی امین فیصل آبادی کے رسائل میں یہ تصریح ہے کہ یہ کہنا کہ آپ کو فلاں شے کا اختیار نہیں یا آپ مختار کلی یا اختیار کلی آپ کے پاس نہ تھا وغیرہ گستاخی، بے ادبی ہے۔مگر تفاسیر اور احادیث کے مجموعہ پھر ان کی شروحات ایسی باتوں سے بھری پڑی ہیں کہ آپ کو فلاں شے کا اختیار نہ تھا۔ان تمام باتوں کا ثبوت میری کتاب ''دست وگریبان'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

القصہ یہ لوگ اپنے خود ساختہ اصول بناتے ہیں اور پھر امت پر لاگو کرنے کیلئے جوڑ توڑ شروع کر دیتے ہیں۔حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ اصولِ اسلامی کو اپنے او پر لاگو کریں اور اپنی قطع وبرید سے باز آ کر اپنی اصلاح کریں۔

مگر بعض حضرات ان میں بڑے چالاک ہیں اگر کوئی بات اکابر امت میں سے کوئی کرے تو وہ قابل مواخذہ نہیں اور اگر وہی بات حکیم الامت اور شیخ الھند اور شیخ العرب والعجم یا کوئی اور بزرگ کرے تو قابل ملامت۔یہ دورخی ان کے ہاں عروج پر ہے۔مثال کے

طور پر فیض احمد اویسی نے مثنوی کی شرح لکھی ہے جو کہ تقریبا ۵ جلدوں پر ہے جگہ جگہ مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی بات کی تاویل کرتا ہے اور اگر اس طرح کی ملتی جلتی بات کہیں ہمارے اکابر کی کتب میں نظر آئے تو فورا فتوی داغ دیتا ہے۔ یہ لینے اور دینے کے باٹ مختلف کیوں ہیں؟

اگر یہی طرز اکابر علمائے دیوبند کے بارے میں بھی رکھا جاتا تو آج اتنا بڑا بگاڑ پیدا نہ ہوتا جتنا آج نظر آرہا ہے۔ کیونکہ یہ سب ان کی بے اصولی ہے۔ شاید کوئی یہ سوچے کہ آپ بھی تو ان کیلئے گنجائش نہیں چھوڑتے تو جوابا عرض ہے کہ اس گنجائش کا راستہ انہوں نے خود ہی اپنے لیے بند کیا ہے۔

مثال نمبر ۱: جو اصول انہوں نے بنائے ہیں ہم نے وہی اصول ان پر الٹ دئے ہیں اور ان کے بڑوں کا کافر ہونا 4=2+2 کی طرح دکھایا ہے۔ اس میں ہمارا کیا قصور رہوا؟

مثال نمبر ۲: جو تاویلیں ہوسکتی تھیں وہ انہوں نے خود ہی مسترد کردیں جیسے شامی نے خدا اور سول کو نکاح پر گواہ بنانے پر تاویل کی کہ رسول بعض غیب پر مطلع ہیں اور ہوسکتا ہے کہ یہ بات بھی اسی قبیل سے ہو۔ مگر یہ لوگ اس تاویل کو چلنے نہیں دیتے اور کہتے ہیں کہ ان کو کائنات کے ایک ذرہ سے بھی لاعلم ماننا کفر وگستاخی ہے۔ تو اب ہم تاویل کیا کریں؟

مثال نمبر ۳: جیسے یہ کہتے ہیں کہ انبیاء لباس بشری میں آیئے تو تاویل اگر کوئی کرے کہ چونکہ انبیاء نظر تو انسان ہی آتے ہیں مگر عام لوگوں سے اتنے اعلی اور بالا ہوتے ہیں کہ وہ فرشتوں سے بھی اعلی اور پوری کائنات سے اعلی ہوتے ہیں یہ ہے لباس بشری کا مطلب مگر یہ لوگ خود ہی ایسی تاویل کو نہیں چلنے دیتے بلکہ کہتے ہیں کہ ان کو بشر ماننا ہی جرم، کہنا بھی جرم۔ بشریت تو ایک گھٹیا چیز ہے۔

القصہ تاویل کا راستہ خود مسدود کر کے فتوے کی زد میں آجاتے ہیں اور مووٴلین سے بھی میری گزارش ہے کہ بے جا تاویل کر کے شرک و بدعت کو رعایت نہ دینی چاہئے۔ بہر حال بات چل رہی تھی کہ اگر یہ لوگ وہی اسلوب اپناتے جو اکابر اور بزرگان کیلئے کبھی کبھی اپناتے ہیں، تو پھر جھگڑے اور فساد کا کافی حد تک قلع قمع ہو جاتا۔ مگر یہاں تو جھگڑا ہی پیٹ کا ہے اسے ختم کرنے کی کیا ضرورت ہے؟۔ بہرحال خیر خواہی اور نصیحت کیلئے اپنا فرض بھی ادا کر لینا چاہئے کہ ہوسکتا ہے وللہ در القائل

شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

اور اکابر اسلام پر لگائے جانے والے اتہامات کی وضاحت کر دی جائے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی دکھلا دیا جائے۔ تو برادر مکرم حضرت مولانا ساجد خان نقشبندی زید مجدہم نے اس ضرورت کو بخوبی پورا کیا ہے۔ کتاب دفاع اہل سنت جلد دوم آپ کی خدمت میں حاضر ہے بندہ نے چند مقامات سے دیکھا بہت مفید پایا ہے۔ اللہ تعالی اس کو اپنی بارگاہ میں مقبول فرمائے اور منکرین کیلئے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

محمد ایوب حنفی قادری

۲ر صفر ۱۴۴۰ھ

تقریظ

مناظر اسلام فاتح لامذہبیت

حضرت مولانا محمد نواز حذیفی صاحب زیدمجدہ

مدیر جامعہ ام المومنین سیدہ جویریہ للبنین والبنات

امیر عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ فیصل آباد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ والصلوۃ والسلام علی سید الرسل وخاتم الانبیاء

حق اور اہل حق کے خلاف باطل کے اعتراضات کا سلسلہ بڑے عرصے سے جاری ہے۔ دہریہ رب تعالی کی ذات پر اعتراض کرتا ہے، اور منکر حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر، رافضی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر اعتراض کرتا ہے اور لامذہب فقہ اور فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم پر، ملحد دین کے ثابت شدہ عقائد ونظریات پر اعتراض کرتا ہے اور بدعتی اہل توحید اور اہل السنۃ والجماعۃ پر۔ اس کے مقابلے میں اہل حق دن رات ان معترضین کے اعتراضات کے جوابات دینے میں مشغول ہیں۔

اس سلسلہ کی ایک کڑی محقق العصر حضرت علامہ ساجد خان نقشبندی مدظلہ کی کتاب ”دفاع اہل السنّۃ والجماعۃ“ ہے۔ اللہ رب العزت نے حضرت کو قرآن وسنت اور اس فن کا وافر حصہ عطا فرمایا ہے اس سے پہلے آپ کی تالیف لطیف ”دفاع اہل السنت والجماعت جلد اول“ چھپ کر اہل علم سے داد تحسین وصول کر چکی ہے۔ اور اب اس کتاب کی دوسری جلد چھپنے جارہی ہے۔

اس کتاب میں حضرت موصوف نے اکابر علماء اہل السنۃ والجماعۃ دیوبند کثر اللہ سوادھم پر اہل بدعت کے جدید وقدیم اہم اعتراضات کے جوابات تحریر فرمائے ہیں۔ سچی بات ہے کہ اس موضوع پر اس سے پہلے اس جیسی جامع کتاب میری نظر سے نہیں گزری۔

معترضین چونکہ ہمارے اہل شان اکابر کثر اللہ سوادھم کے متعلق نہایت بے ادبانہ اور گستاخانہ انداز اپنائے ہوئے ہیں۔ اس لئے جواب میں آپ بھی کچھ تلخی محسوس فرمائیں گے۔ اس کو عمل کا ردعمل کہا جاسکتا ہے۔ امید ہے کہ اہل علم وفن اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ اللہ رب العزت حضرت کی اس محنت کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد نواز فیصل آبادی

7/10/2018

تقریظ

داعی اسلام حضرت مولانا نور اللہ رشیدی صاحب زید مجدہ
چیرمین ادارہ تبلیغ اسلام پاکستان، چیف ایڈیٹر ہفت روزہ شمس بری
ایڈیٹر اسلامک ایڈیشن ادارہ صدائے اسلام آباد، ایڈیٹر اسلامک ایڈیشن روزنامہ ضامن
وائس پریزیڈنٹ پنجاب پریس کلب پنڈی ڈیویژن

یاایہا الذین آمنواان جاء کم فاسق بنباء فتبینوا ان تصیبوا قوما بجہالۃ فتصبحوا علی مافعلتم ندمین (سورۃ حجرات ۶)

ترجمہ: اے ایمان والوں کوئی شریر آدمی تمہارے پاس خبر لائے تو خوب تحقیق کروایسا نہ ہو کہ تم نادانی سے کسی قوم پر جا پڑو پھر تم کو اپنے کئے پر پچھتانا پڑے۔

ہمارے اس دور میں (جبکہ ہم قرآنی تعلیمات کو چھوڑ کر اپنی بے تحقیق رائے پر ڈٹے رہتے ہیں) اکثر اختلاف اور جھگڑے رونما ہوتے ہیں۔نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''کفی بالمرء کذبا ان یحدث بما سمع ''یعنی'' آدمی کے جھوٹا ہونے کیلئے یہی بات کافی ہے کہ وہ ہر سنی ہوئی بات کو بیان کرے۔اس قسم کے واقعات سے اسلام اور مسلمانوں کو جو عملی نقصان پہنچا اس کی تلافی اب ممکن نہیں تاہم یہ اللہ تعالی کا فضل ہے کہ اس نے اپنی رحمت خاص قرآن کو محفوظ کر دیا۔اگر ایسا نہ ہوتا تو ان جھگڑوں اور ان کے پیدا کردہ فتنوں میں دین حق گم ہو جاتا اور اللہ کے بندے قیامت تک کیلئے بے آمیز سچائی کو جاننے سے محروم ہو جاتے۔

حاصل یہ نکلا کہ بغیر تحقیق کی باتوں پر یقین کرنے سے غلط فہمی پیدا ہوتی ہے اور غلط فہمی کسی آدمی کو بڑی بڑی کوتاہیوں میں مبتلا کر سکتی ہے حتی کہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک شخص شدید غلط فہمی میں پڑ کر دوسرے کی جان مار ڈالے، حالانکہ یہ دوسرا شخص بالکل بے قصور ہوگا۔وہ ایک آدمی کو بے عزت کرنے پر تل جائے حالانکہ اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے وہ ایسا آدمی ہو کہ اس کے ساتھ نہایت عزت واحترام کا سلوک کیا جائے ۔اس لئے شریعت میں یہ حکم ہے کہ رائے قائم کرنے یا کسی کے خلاف اقدام کرنے سے پہلے اس کے معاملہ کی پوری تحقیق کرو، ایسا ہرگز مت کرو کہ کسی کے خلاف ایک خبر سنو اور فوراً اس کو مان لو اور اس کے خلاف ایک بڑا اقدام کر بیٹھو۔ممکن ہے کہ تحقیق کے بعد تم کو معلوم ہو کہ جو خبر تم کو پہنچی تھی وہ سراسر غلط اور بے بنیاد تھی۔مذکورہ بالا قرآنی ہدایت یہی ہے کہ غلط خبر سننے کے بعد اس وقت تک اسے نہ مانا جائے جب تک براہ راست ذرائع سے اس کی تحقیق نہ کی جائے۔آمد برسر مقصد ''دفاع اہل السنۃ والجماعۃ جلد دوم'' مولف مناظر اہلسنت علمائے دیوبند نوجوان

عالم دین مولانا محمد ساجد خان نقشبندی حفظہ اللہ میں علماء اہل سنت دیوبند پر 80 کے قریب اعتراضات و الزامات کا علمی و تحقیقی انداز میں جوابات دئے گئے ہیں ۔خاص کر:

علمائے دیوبند پر خارجیت کا الزام علمائے دیوبند پر یزید نوازی کا الزام

علمائے دیوبند پر شیعیت نوازی کا الزام علمائے دیوبند پر قادیانیت نوازی کا الزام

علمائے دیوبند پر انگریز نوازی کا الزام علمائے دیوبند پر تحریک پاکستان کی مخالفت کا الزام

جیسے الزامات و اعتراضات کے تحقیقی انداز میں جوابات دئے ہیں اور خدمات علمائے دیوبند پر خوب گفتگو کی ہے ۔لہذا میری التجا اور درخواست ہے کہ جو افراد علمائے دیوبند پر اعتراضات کرتے ہیں ،غلط فہمی کی بنیاد پر یا ضد وعناد و ہٹ دھرمی کی بنیاد پر وہ ضد اور ہٹ دھرمی سے بالاتر ہو کر ضرور اس کا مطالعہ کرے تا کہ امت میں اتحاد و اتفاق کی راہ ہموار ہو جائے ،نیز پیروکار علمائے دیوبند بھی اس کتاب کو بغور مطالعہ میں رکھیں ۔

اللہ کریم سے دعا ہے کہ اس کتاب کو امت مسلمہ کیلئے اتحاد و اتفاق کا ذریعہ بنائے اور مولف کیلئے دنیا و آخرت میں نجات کا ذریعہ بنائے ،آمین

نور اللہ رشیدی

خادم ادارہ تبلیغ اسلام

تقریظ

استاذ العلماء حضرت مولانا عدنان صاحب کلیانوی زید مجدہ
استاذ الحدیث جامعہ انوار القرآن نارتھ کراچی
شیخ الحدیث مدرسہ اصحاب الصفہ نارتھ کراچی
امام وخطیب جامع مسجد گلشن مہران نارتھ کراچی
ڈائریکٹر امیر عزیمت اکیڈمی کراچی
ڈائریکٹر بزم کلیانوی کراچی
رہنما سنی علماء کونسل صوبہ سندھ

دفاع اہل السنت والجماعت۔۔۔۔۔قابل رشک کارنامہ۔۔۔۔۔۔

قدرت کو یہ ڈھنگ نہ جانے کیوں مرغوب ہے کہ وہ کھردرے علاقوں سے خوبصورت اور نفیس لوگ پیدا کرتی ہے۔دور دراز خطوں سے دل کے قریب بسنے والے آدمی اٹھالاتی ہے، ویرانی سے زرخیز دماغ سامنے لاتی ہے، بنجر زمینوں سے شاداب شخصیتیں نمودار کرتی ہے، اور گمنام قصبوں سے نامور افراد کا انتخاب کرتی ہے۔برادر مکرم علامہ ساجد خان نقشبندی بھی ایک ایسے علاقے سے تعلق رکھتے ہیں جو علم وفضل اور قیادت وخطابت کے حوالے سے ہمیشہ غیر معروف رہا ہے۔جی ہاں درّہ آدم خیل اگر اپنے دامن سے مولانا محمد امیر بجلی گھر رحمہ اللہ جیسے روشن ضمیر خطیب کو پیدا نہ کرتا تو شاید یہ خطہ علمی تعارف حاصل نہ کرپاتا۔۔۔۔۔۔اسے اگر ’’انجمن ستائش باہمی‘‘ کا رویہ نہ کہا جائے تو مجھے یہ کہنے میں کوئی عذر نہیں ہے کہ علامہ ساجد خان نے تھوڑے وقت میں بہت کامیابیاں حاصل کیں، نوجوان طلباء اور اپنے وابستگان میں شوق مطالعہ، ڈسپلن، تڑپ اور مسلکی خدمت کا جذبہ پیدا کردیا۔بہت کم لوگوں کو اتنی جلدی یہ کامیابی حاصل ہوتی ہے۔قدرت نے علامہ ساجد خان کو زبان وقلم کی بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے، جن کا اعتراف نہ کرنا بہت بڑا بخل ہے، مناظرے کا میدان ہمارے ملک میں قحط الرجال کا سماں پیدا کررہا تھا، آپ نے اس خلاء کو پُر کرنے کی بھرپور سعی کی۔منبر پر کھڑے ہوکر بولنے والوں کی کمی نہ تھی مگر وہ بولنے والے کم اور دھاڑنے والے زیادہ، نقشبندی صاحب اس میدان میں گرچہ غیر معروف ہیں تاہم آپ کی شیریں اور دلربا گفتگو کا ہر ایک سامع قائل رہتا ہے۔۔۔۔قلم وقرطاس سے آپ کو خصوصی رغبت ہے، اس کم عمری میں ماشاءاللہ اتنی کتابیں لکھ چکے ہیں کہ ان سے ’’علمی حسد‘‘ ہونے لگا ہے۔۔۔۔موضوعات میں بھی تنوع رنگی ہے۔۔۔۔حال ہی میں ماہ مقدس ماہ رمضان کی رخصت ہونے والی ساعتوں میں ان کی نئی علمی وتحقیقی کاوش منظر عام پر آئی جو یقیناً ان کی جواں عمری کی تحقیقات اور محنتوں کا نچوڑ ہے۔۔۔۔۔۔یقین کیجئے! کتاب کی ضخامت دیکھ کر ہی سر چکرانے لگا تاہم جب ورق گردانی کی تو یوں محسوس ہوا کہ علامہ نے سمندر کو کوزے میں بند کردیا ہے۔اپنا مزاج یہ ہے کہ تفسیر وحدیث کے سبق میں کسی بھی آیت وحدیث کے ضمن میں صراحتاً یا اشارتاً کسی بھی فرق باطلہ کی تردید سامنے آئے باذوق طلباء کے

سامنے اس کی ضرورضاحت کرتاہوں اورکبھی تسلی بخش دلائل کیلئے مختلف کتب کی ورق گردانی بھی کرنی پڑتی ہے۔تاہم دفاع اہلسنت والجماعت دفاع اکابراوردفاع اہلسنت کےحوالے سےایک انسائیکلوپیڈیا ثابت ہوچکی ہے۔درجنوں کتابوں کی ورق گردانی سےیہ ایک کتاب کفایت کرےگی جسکابندہ بخوبی مشاہدہ کررہاہے۔

اہل بدعت کاچھوٹا،بڑا،نیا،پرانااعتراض والزام۔۔۔۔انشاءاللہ ہرسوال کامدلل جواب آپ کوضروراس میں ملےگا۔بس فہرست پرنظرڈالئے اوراپنا مطلوبہ جواب حاصل کیجئے۔اس کتاب کی پہلی جلدشائع ہوچکی ہے اوراس وقت آپ کے سامنے دوسری جلد ہے۔اللہ پاک سے دعاہےمولاناموصوف کی ان کاوشوں کواپنی بارگاہ میں قبول ومنظورفرمائیے اورامت مسلمہ کیلئے اس کوتاقیامت نافع بنائے،آمین۔بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

تاثرات

مناظر اسلام، فاتح لامذہبیت ومعتزلیت، خطیب شیریں بیاں
حضرت مولانا مفتی عبد الواحد قریشی صاحب زید مجدہ
مدیر: ادارۃ النعمان
رئیس: دار الافتاء والارشاد مسجد کریمیہ ٹرسٹ
امیر: عالمی اتحاد اہل السنۃ والجماعۃ خیبر پختونخواہ

اللہ تعالی کا ارشاد ہے: والفتنة اشد من القتل ۔
ترجمہ: فتنہ پھیلانا قتل کرنے سے بھی بڑا جرم ہے ۔
سیدنا علی المرتضیٰ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا:
ولعن اخر هذه الامة اولها فلیر تقبوا عند ذالك ریحا حمراء
(جامع ترمذی جلد نمبر ۲ کتاب الفتن ص ۴۵: ط قدیمی کتب خانہ)

ترجمہ: من جملہ اور برائیوں کے میری امت میں جب لوگ بزرگوں کو گالم گلوچ شروع کردیں تو سرخ اندھیاں اور زلزلے وغیرہ ان پر بطور عذاب نازل ہونگے ۔ اللہ تعالی سے کرم اور فضل کا سوال کرنا چاہئے آج کے موجودہ حالات اسی فرمان نبوی ﷺ میں بڑی تفصیل کے ساتھ موجود ہیں ۔ اس وقت علماء حق علماء دیوبند سے جڑا رہنا دنیا وآخرت میں نجات کا سبب ہے ۔ ورنہ تو فتنے اور فساد منہ کھولے انتظار کر رہے ہیں ۔ اسی ضرورت کے پیش نظر سلسلہ نقشبندیہ کے چشم و چراغ ، فاضل نوجوان ، حضرت مولانا ساجد خان حفظه الرحمن من کل شر والشیطان و جزاه الله تعالی خیرا الجزاء الی یوم البعث والمیزان نے ”دفاع اہلسنت“ کے نام سے اپنی کاوش میدان تحریر میں لائی ہے ۔

الحمد للہ! مولانا صاحب اس سے پہلے بھی کئی اہم عنوانات پر قلم اٹھا کر اہل علم سے داد تحسین وصول کر چکے ہیں ۔

بندہ اپنی گوناگوں علمی ،تحریری ،تدریسی ،اور خانقاہی مصروفیات کی بناء پر اس علمی کاوش کو دیکھنے سے قاصر رہا ۔ مگر مولانا نقشبندی دامت برکاتہم کے قلم پر اعتماد کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت اسے نافع بنائے ۔

مفتی عبد الواحد قریشی
۱۴ـ۱۰ـ۲۰۱۸

نوٹ

براہ کرم کتاب شروع کرنے سے قبل ایک دفعہ توجہ سے عرض مؤلّف کے ضمن میں پیش کی گئی معروضات کو اول تا آخر ضرور مطالعہ فرمائیں

دفاع اہل السنۃ والجماعۃ

مؤلف
مناظر اہل سنت
حضرت مولانا ساجد خان نقشبندی حفظہ اللہ
فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی مدرس دارالعلوم مدنیہ

باہتمام: مناظر اسلام غازی اسلام حضرت مفتی ندیم صاحب محمودی حفظہ اللہ
باشتراک
جمعیۃ اہل السّنۃ والجماعۃ
نوجوانان احناف طلباء دیوبند پاکستان

عرضِ مؤلّف

نواب احمد رضا خان کے تکفیری افسانے کی حقیقت

متحدہ ہندوستان میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ اسمعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ سے لیکر شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تک آزادی کی جدو جہد کے ضمن میں تاریخ کا ایک روشن و تابندہ باب رقم ہے ۔انگریز سامراج کے خلاف ان علماء کی قربانیوں سے پاک و ہند کی کتب تاریخ بھری پڑی ہیں ۔جن کا اجمالی تذکرہ آپ اس کتاب میں بھی ان شاء اللہ اپنے مقام پر مطالعہ فرمالیں گے ۔انگریز نے اس ’’جذبہ حریت‘‘ کو ختم کرنے کیلئے دو کام کئے ایک طرف قادیان میں ایک ایسے کذاب و دجال کو پروان چڑھایا جس نے صاف لفظوں میں انگریز حکومت کو رحمت الٰہی اور اس کے خلاف جہاد کرنے کو حرام اور نمک حرامی سے تعبیر کیا۔جبکہ دوسری طرف بریلی کے اندر ایک غیر معروف شخصیت نواب احمد رضا خان بریلوی کو کھڑا کیا جس نے میدان کارساز میں انگریز کی نیندیں حرام کرنے والے ولی الٰہی فکر سے وابستہ علمائے اہل سنت دیوبند کو وہابی اور گستاخان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہہ کر خوب بدنام کیا۔انگریز کا مقصد اس مکروہ سازش سے یہ تھا کہ قادیان کی طرف جانے والے تو جہاد اور انگریز حکومت کے خلاف سیاسی جدو جہد سے یکسر ہی منحرف ہو جائیں گے، جبکہ وہ لوگ جن کو قادیان کی جھوٹی نبوت ہضم نہ ہو یا تو بریلی کے نواب احمد رضا خان کے پروپگینڈے سے متاثر ہو کر ان علمائے حریت سے سوئے ظن میں مبتلا ہونے کے بعد کنارہ کشی اختیار کرلیں گے یا آپس میں اس طرح دست و گریبان ہو جائیں کہ ان کے اتحاد کا شیرازہ بکھر جائے گا۔اور یوں ہمارے خلاف مسلمانوں کا متحدہ محاذ کمزور پڑ جائے گا۔ یہ بات بندہ کسی مفروضے کی بنیاد پر نہیں کہہ رہا بلکہ بریلوی شیخ الحدیث پیر غلام رسول قاسمی، مفتی حزب الاحناف مفتی غلام حسن قادری، بریلوی مناظر اسلام مولانا سعید احمد اسد، صدر جمعیۃ علماء پاکستان صاحبزادہ ابوالخیر کے مشورے و ایماء پر شائع ہونے والی کتاب ’’مسلک ارباب حق‘‘ میں برملا اس تاریخی حقیقت کا اقرار کیا گیا ہے اور احمد رضا خان صاحب کے اس تکفیر بازی کے متعلق صاف کہا:

> ’’دراصل یہ انگریز کے دور میں پھیلایا ہوا فتنہ ہے کہ کسی طرح مسلمانوں میں باہمی اخوت و محبت اور دینی و ملی اتحاد کا شیرازہ بکھر جائے چنانچہ اس وقت کے نصاریٰ اور ہنود کی کوششیں کامیاب ہو گئیں اور آج بھی کسی نہ کسی شکل میں ملی اتحاد کا فقدان ہے‘‘۔
>
> (مسلک ارباب حق ،ص ۲۹۹)

شمشاد حسین رضوی لکھتا ہے:

> ’’۱۸۵۷ء میں تحریک آزادی کے ناکام ہو جانے کے بعد ہندوستان کی سیاست اور قیادت میں پژمردگی سی چھا گئی تھی ۔اس میں سب سے زیادہ نقصان مسلمانوں کا ہوا انگریز حکمرانوں نے نہایت ہی ہوشیاری اور دانشمندانہ طریقوں سے مسلمانوں کو کمزور و ناتواں کرنے کی کوشش شروع کر دی ۔۔۔انگریز اور ان کے ہمنوا ہندوستانی مسلمانوں اور اہلسنت و جماعت کے اکابر علماء کو اپنا کٹر مخالف اور اپنے ناپاک منصوبوں کی تکمیل میں زبردست روڑا تصور کرتے‘‘
>
> (ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا منظر اسلام نمبر، ص ۷۶)

وہ کٹر مخالف اہلسنت علما کون تھے؟ تاریخ کا ادنیٰ طالب بھی اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے ۔بلکہ اب تو وہ سارا ریکارڈ بھی خود انگریز کی طرف سے شایع ہو گیا ہے مزید اس کتاب میں وقتاً فوقتاً اپنے اپنے مقام پر اس کی تفصیل آ رہی ہے ۔

انگریز نے کیا کیا؟ وہ بھی اہل بدعت ہی کی زبانی ملاحظہ ہو:

''اسلام کا ازلی دشمن جو صدیوں سے اسلام کو مٹانے کے درپے تھے اسلام کے ماننے والوں پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے شروع کر دئے اور جگہ جگہ مسلمانوں کا قتل عام ہونے لگا لیکن اس کے باوجود کچھ اسلام کے ماننے والے ایسے تھے جنہوں نے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور اس کو ناکام کیا تب انگریز کے ہوش ٹھکانے لگے کہ مسلمان ایسی قوم ہے جس کو تیر وتفنگ، بندوق وتلوار سے ہم شکست نہیں دے سکتے لہذا ایک ایسی چال چلی کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑادو۔۔۔ جس کیلئے اس نے کچھ نام نہاد مسلمانوں اور مولوی نما تخریب کاروں کو دنیوی مال ومتاع کے عوض خریدا اور دونوں مل کر ایک ساتھ اسلام پر حملہ آور ہوئے اسلام اور اس کے ماننے والوں پر چاروں طرف سے حملے ہونے لگے ہر جانب کفر وشرک کے راگ آلاپنے لگے''۔

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت منظر اسلام بریلی نمبر ص ۱۹۹)

انگریز کا ڈٹ کر مقابلہ کس نے کیا؟ اور وہ کون تھے جنہوں نے مسلمانوں پر کفر کے فتوے داغے؟ تاریخ کا ادنی طالب علم بھی اس بات کو بخوبی جانتا ہے اور اگر نہیں جانتا تو اس کتاب میں یہ سب تفصیل آرہی ہے۔ یہاں اس افتراق وانتشار کیلئے کس نے کس حد تک کام کیا صرف ایک حوالہ نقل کرنا چاہوں گا۔

''مولانا احمد رضا خان ۵۰ سال مسلسل اسی جدوجہد میں منہمک رہے یہاں تک کہ مستقل دو مکتبہ فکر قائم ہوگئے بریلوی دیوبندی یا وہابی''۔

(سوانح حیات اعلیٰ حضرت۔ص:۸)

اور ہر طرف کفر وشرک کے راگ کون انگریز کے کہنے پر الاپ رہا تھا؟ اس پر گھر ہی کی شہادت ملاحظہ ہو:

''عام طور پر امام احمد رضا کے متعلق مشہور ہے کہ وہ مکفر المسلمین تھی''۔

(المیزان کا امام احمد رضا نمبر۔ص:۲۹)

یہ بات صرف مشہور ہی نہیں بلکہ مبنی برحقیقت ہے چنانچہ اسی المیزان میں ہے:

''شمس العلماء حضرت مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ''۔

(المیزان۔ص:۳۹۶)

اور یہی شمس العلماء احمد رضا خان کے متعلق لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت نے ایک دنیا کو وہابی کرڈالا ایسا بدنصیب وہ کون ہے جس پر آپ کا خنجر وہابیت نہ چلا ہو وہ اعلیٰ حضرت جو بات بات میں وہابی بنانے کے عادی ہوں وہ اعلیٰ حضرت جن کی تصانیف کی عصمت غائیہ وہابیت جنہوں نے اکثر علماء اہلسنت کو وہابی بنا کر عوام کالانعام کو ان سے بدظن کرادیا جن کے اتباع کی پہچان یہ ہے کہ وہ وعظ میں اہل حق سنیوں کو وہابی کہہ کر گالیوں کا مینہ برساتے ہیں''۔

(تجلیات انوار المعین۔ص:۴۲)

''دنیا میں شائد کسی نے اس قدر کافروں کو مسلمان نہیں کیا ہوگا جس قدر اعلیٰ حضرت نے مسلمانوں کو کافر بنایا''۔

(تجلیات انوار المعین۔ص:۴۲)

''علماء ربانیین کی تکفیر وتوہین ان کا شعار اور ان کی تضلیل وتفسیق ان کا دثار ہے''۔(تجلیات ص:۶)

اپنے ہی گھر کے ان حوالہ جات کے بعد مزید کسی تحقیق کی ضرورت نہیں رہی۔ یہ حوالہ جات اس بات کا برملا اعلان کر رہے ہیں کہ انگریز کے دور میں انگریز مخالف مسلک کے خلاف اٹھائے گئے بریلی کے اس شدید فتنہ تکفیر کے پیچھے انگریز کی یہ پالیسی کارفرما تھی کہ ''لڑاؤ اور حکومت کرو''۔

ہمارا چیلنج

اگر بقول تمہارے انگریز مخالف علمائے دیوبند نہیں بلکہ نواب احمد رضاخان صاحب تھے۔ تو ہم پوری دنیائے رضاخانیت کو یہ چیلنج کرتے ہیں کہ کوئی غیر جانبدار یا مستند حوالہ پیش کرو جس میں انگریز نے نواب احمد رضاخان کو اپنا باغی یا دشمن کہا ہو۔ یہ چیلنج ان شاء اللہ تا قیامت تم پر ادھار رہے گا۔ اور اسی طرح کا ایک چیلنج ہمیں بھی کرکے دکھاؤ۔ انشاء اللہ اس کی جرات بھی تم کو تا قیامت نہ ہوگی۔

بریلوی محققہ اوشا سانیال کھلے لفظوں میں اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ اہل سنت (بریلوی طبقہ) کے ہر شعبہ پر اس زمانے میں ''انگریز کا نقش'' چھپا ہوا تھا:

''اہل سنت نے جن نئے اداروں کی تشکیل کی جیسے مدارس، رضا کار تنظیمیں، اخبارات و مجلات، اشاعتی ادارے، ان پر انگریزی سامراج کا نقش جما ہوا تھا'' ان کے خدوخال میں ایسی چیزیں شامل تھیں جنہیں انگریزی تنظیمات سے اخذ کیا گیا تھا''۔

(عقیدت پر مبنی اسلام، ص ۸۷، ۸۸)

تکفیر کا فتنہ انگریز کی ایماء پر:

ہمارے انڈونیشیا کے ایک ساتھی محمد ضیاء الدین نے فقیر کے سامنے اللہ کو حاضر و ناظر جانتے ہوئے حلفیہ یہ انکشاف کیا اور اپنا یہ مشاہدہ بیان کیا کہ:

''یہ تقریباً سن 2008 کی بات ہے جب میں انگلینڈ کے اندر یونیورسٹی میں طالب علم تھا، ہمارے ساتھ متعدد عیسائی طالب علم بھی پڑھتے تھے۔ شروع سے ہی مجھے تاریخی کتب کے مطالعہ کا شوق تھا اور اسی وجہ سے ہم BRITISH COUNCIL (برٹش کونسل) کے کتب خانے میں جا کر پرانی اور نایاب کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے جو آج سے قبل تقریباً 500 یا 600 ہجری میں لکھی گئی تھیں۔ اسی سلسلے میں ہم کو کچھ دوستوں سے یہ اطلاع ملی کے کتب خانے کے اندر انگریز کے GENERAL Marquess کے بہت سے خطوط موجود ہیں جو اس نے بطور خبر (ملکہ وکٹوریہ) QUEEN VICTORIA کو لکھے تھے اس وقت جب انگریزی راج ہوا کرتا تھا ہندوستان پر۔ لہٰذا ان کے مطالعہ کی غرض سے ان خطوط کو پڑھا تو انہی خطوط میں سے مجھے اس خط کو دیکھنے کا اتفاق بھی ہوا جس میں انگریزی General نے بطور خوش خبری یہ بات لکھی تھی کے اس نے ملکہ کے حکم کی تابعداری کرتے ہوئے پیسوں کے بل بوتے پر دو ایسے اشخاص کو خرید لیا ہے جو دین اسلام کے اندر تبدیلی کرنے میں اور مسلمانوں کو راستے سے ہٹا کر ان کو اعمال اور کردار دونوں طریقوں سے مفلوج کرنے میں انگریزی سرکاری کی مدد کریں گے۔ یہ بیان کرنے کے بعد اس نے ان دونوں اشخاص کے نام بیان کیے

1. مرزا غلام احمد قادیانی 2. احمد رضا خان آف بریلی

خط کے اختتام پر Queen Victorian کی موم والی اسٹیمپ اور General کے دستخط موجود تھے''۔

چونکہ برٹش کونسل کی لائبریری میں موبائل لیکر جانے کی اجازت نہیں اور کتابوں خاص کر تاریخی مواد کی خستہ حالی کا یہ حال ہے کہ باقاعدہ

دستانے پہن کر چمٹے کے ذریعہ اوراق کو الٹتے پلٹتے ہیں اس لئے اس کی فوٹو کاپی یا تصویر لینا تو ممکن نہیں البتہ جو بھی میرے ساتھ برٹش کونسل جانا چاہے تو میں اسے یہ خط دکھانے کو تیار ہوں بلکہ برطانیہ میں رہائش پذیر کوئی صاحب خود بھی لائبریری کے عملے کو چند سو پونڈ دے کر ان خطوط کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

موصوف کے اس بیان پر دیگر انگریز مورخین کی شہادتیں بھی ہیں جن میں سے چند کو ہم یہاں نقل کر رہے ہیں۔

چنانچہ خود انگریز مورخ سر فرانسس رابنس اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

ان (احمد رضا خان صاحب) کا معمول کا طریقہ کار حکومت کی حمایت کرنا تھا اور جنگ عظیم اول اور تحریک خلافت میں انھوں نے مسلسل حکومت کی حمایت جاری رکھی اور 1921ء میں بریلی میں ترک موالات کے مخالف علماء کی ایک کانفرنس منعقد کی ان کا عوام پر خاطر خواہ اثر تھا لیکن مسلمانوں کے پڑھے لکھے طبقے کی حمایت حاصل نہ تھی۔

(سپیرٹزم امنگ انڈین مسلم ص443، کیمبرج یونیورسٹی 1947)

یہی انگریز مورخ سر فرانسس رابنس اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

The Mashriq of Gorakhpur and all-bashir usually took not of the Pro-Government"Fatwas" of Ahmed Raza Khan.

(The Separation Among India Muslim.Page No. 268)

ترجمہ: مشرق اور البشیر اخبارات میں اکثر احمد رضا خان صاحب کے انگریز کے حق میں دئے گئے فتوے شائع ہوتے رہتے۔

یہی انگریز مورخ لکھتا ہے کہ:

''ایک پڑھے لکھے اور چہیلے شخص احمد رضا خان بریلوی کے ایکشن اور کام ہمارے نتائج کو بہت اچھی طرح پیش کرتے ہیں۔ انہوں نے ایک ہی وقت میں پوری قوت اور زور وشور کے ساتھ برطانوی نو آبادیاتی حکومت کو سپورٹ کیا، جنگ عظیم کے دوران خلافت تحریک، مہاتما گاندھی الائنس کی قوم پرست تحریک کے ساتھ دینے، اور برطانوی حکومت کے خلاف عدم تعاون کی تحریک کی مخالفت کی''۔ (علماء فرنگی محل اینڈ اسلامک کلچر صفحہ ۲۶۳)

The actions of One learned man ,the very influcntional Ahmed Rada Khan (1855,1921)of barielly,present our conlusion yet more Clearly....at the same time he Support the colonial Government loudly and vigorousily through world warl,and through the khilafat Movement when he opposed mahatma Gnadhi allaince with tha nationalist movement and and non-Cooperation with the british.

(Ulam E farange Mehal and Islamic culture page 263)

اب ذرا اسی کتاب کے اینڈکس (فہرست) کی ایک سرخی بھی ملاحظہ فرمالیں:

Khan ahmed Rada of bareilly and Support for the British (Index37,37& 47,58,67,196ulma farangi,·mehal and Islamic Culture page 263)

جناب یاسر لطیف ہمدانی روزنامہ ''ڈیلی ٹائمز'' ۶ جولائی ۲۰۱۴ میں اپنے کالم

Loyalists of the British Empire

میں لکھتے ہیں:

Now let us come to the other side of the Hanafi Sunni coin: the Barelvis. Ahmad Raza Khan Barelvi was principally a supporter of British rule and declared jihad against the British to be unlawful. His fatwa can be found on page 447 of his treatise Al-Mohajat,Al Mohtamanat Fi Ayat-al-Mumtahanat. Francis Robinson, in his book Separatism Amongst Indian Muslims: The politics of UP Muslims 1860-1923 on page 268 confirms the pro-government fatwas of Ahmad Raza Khan Barelvi.

اب ہم حنفی سنیوں کے دوسرے حصے کی طرف نظر ڈالتے ہیں جن کو بریلوی کہا جاتا ہے.احمد رضا خان بریلی بنیادی طور پر برطانوی حکمرانوں کے حامی تھے اور برطانیہ کے خلاف جہاد کو غیر قانونی قرار دیتے تھے.ان کا فتویٰ انہی کی کتاب المؤتمنۃ کے صفحہ 447 پر ہے اور ایسا ہی فتویٰ ان کی ایک اور کتاب میں بھی ہے .فرانسس روبنسن ، اپنی کتاب کے صفحہ ۲۶۸ پر لکھتے ہیں : یوپی کے مسلمانوں کی سن ۱۸۶۰-۱۹۲۳ کی سیاست احمد رضا خان بریلی کے حکومتی فتوے کی تصدیق کرتی ہے۔

ایک اور انگریز مورخ پیٹر ہارڈی (Peter Hardi) اپنی کتاب ''دا مسلم آف برٹش انڈیا'' (The Muslims of British India) کے صفحہ ۱۷۱ پر لکھتا ہے:

For every Alim[scholar[who issued a fatwa that India was Dar-ul-Harb, there would be one who declared that it was Dar-ul-Islam. Deoband represented the first response

ہر وہ عالم جس نے یہ فتویٰ دیا تھا کے ہندوستان دارالحرب ہے اس کے برعکس بہت سے ایسے بھی تھے جنہوں نے یہ بھی کہا کے یہ دار السلام ہے اور دیوبند کے علماء وہ پہلے علماء تھے جنہوں نے اس سے اختلاف کیا تھا.

اب یہی مصنف بریلوی مذہب کے بانی کے بارے میں کیا کہتا ہے وہ بھی ملاحظہ ہو:

Ahmad Raza Khan of Bereily issued fatwa declaring India to be Dar-ul-Islam, making it a sin to associate with infidels[Hindus, against the British".[

احمد رضا خان آف بریلوی نے یہ فتویٰ دیا تھا کے ہندوستان دارالسلام ہے،اس کے خلاف بغاوت کفر ہے.

یہ مورخ مزید لکھتا ہے:

Ahmed Raza Khan had found few individuals who carried onto his mission even after hisdeath. Two of those individuals were Abdul Hamid Badawni and Abdul Majid Badawani.Ahmed Raza Khan has highly praised Abdul Majid Badawani and his brother.

احمد رضا خان کو کچھ افراد ایسے مل گئے جنہوں نے ان کے مشن کو ان کی موت کے بعد بھی جاری رکھا ایسے دو افراد عبد الحمید بدایونی اور عبد الماجد بدایونی تھے۔احمد رضا خان نے ان دونوں بھائیوں کی تعریف کی۔

اب یہی مورخ ان دونوں بھائیوں کے متعلق صفحہ ۲۷۲ پر کیا لکھتا ہے؟ ملاحظہ ہو:

For their activates the brothers.Abdul Hamid and Abdul Majid were well rewarded bythe government. Medals denotation the title of Shams-ul-Ulama dangled from their turbans, while for his anti-Khilafat work Abdul Majid was one of the most rewarded menin the province. At a provisional durbar in 1922,he received from the Harcourt Butler both a robe and a sword of honor. Sadly, Ahmed Raza Khan died in 1921or he would have also been invited to his courtand honored with valuable gifts.When members of Majlis Maeed al-Islam sent their envoy to meet the Viceroy in 1917,who was part of that mission.

ان کی اعلیٰ کارکردگیوں کی بنا پر حکومت کی طرف سے انہیں کافی انعامات سے نوازا گیا۔ان دونوں کو شمس العلما کے خطابات دیئے گئے۔صوبے میں تحریک خلافت کے خلاف کام کرنے پر عبد الماجد بدایونی سب سے زیادہ انعام یافتہ تھا۔ ۱۹۲۲ میں صوبائی دربار میں اپنی خدمات کے صلہ میں انہوں نے ہارکورٹ برٹر سے ایک چغہ اور اعزازی تلوار حاصل کی۔افسوس کہ احمد رضا خان صاحب ۱۹۲۱ میں انتقال کر گئے اگر وہ حیات ہوتے تو انہیں بھی اس تقریب میں شرکت کی دعوت دی جاتی۔اور ان کو بھی ان کی خدمات کے بدلے قیمتی تحائف سے نوازا جاتا۔ ۱۹۱۷ میں مجلس اسلام والوں نے اپنا ایلچی وائسرائے کے پاس بھیجا جو کہ اس مشن کا حصہ تھا۔

آگے یہ،مورخ مزید لکھتا ہے کہ اس وفد میں:

Abdul Majid of Badaun, Wiliyat Hussain of Allahabad, Ahmed Raza Khan of Barielyand the two leading Shia Mujtahids of Lukhnow.

The deputation was to include Shia Mujtahids as well as Wilayat Hussain of Allahabad and Ahmed Raza Khan of Bariely. The Deobandis characteristically

objected to coming in with the Lukhnow lot۔

ایک عبدالماجد بدایونی ایک ولایت حسین اور بریلی کے احمد رضا خان اور لکھنو کے دو شیعہ مجتہد اس وفد میں شامل تھے۔اس کا مقصد یہ تھا کہ لکھنو کے ان شیعہ مجتہدین اور الہ آباد کے ولایت حسین اور بریلی کے احمد رضا خان کو اپنے مشن کیلئے نامزد کیا جائے۔جبکہ دیوبندی حضرات نے اس وفد پر شدید تنقید کی۔

اس سب کے مقابلے میں اب دیوبندی حضرات کی خدمات کا جائزہ بھی اسی مورخ سے سنیں کہ کس طرح علمائے دیوبند نے انگریز غاصب کے خلاف جدوجہد کی اور ہندوستان کی آزادی کیلئے اور عثمانی سلطنت کو بچانے کیلئے اقدامات کئے ہارڈی اپنی اس کتاب کے ص ۱۸۷ پر لکھتا ہے:

Despite Meston's complacency in 1915some Muslims from among the Ulama did engage in fifth column work against the British during the war of 1914-18. A leading alim belong to Deoband Mahmud al-Hassan Shaykh al-Islam [1851-1920]left for the Hijaz in 1915in order to contact Turks. After meeting with Enwar Pasha[1881-1922]and Jamal Pasha[1861-1922]he was detained by Shareef Hussain's men when theyrose in revolt against the Turks and handed over to the British who interred him in Maltabetween 1917-1920.One of his aids Mawlana Ubaidullah Sindi went to Afghanistan and worked with German and Turkish agents there to stir up the tribesmen against the Britishin the North Frontier.

میسٹن کی لاپرواہی کی بناپر ۱۹۱۵ میں مسلمانوں کے علما کے ایک گروہ نے پوشیدہ طور پر برطانوی اقتدار کے خلاف کام شروع کر دیا۔ ۱۹۱۴ تا ۱۹۱۸ کی جنگ کے دوران۔اس باغی گروہ کا سرغنہ دیوبند سے تعلق رکھنے والا شیخ الاسلام محمود حسن تھا۔ ۱۹۱۵ میں وہ حجاز کے سفر پر روانہ ہوئے تاکہ ترکوں کے ساتھ رابطہ کرے مگر انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات کے بعد ان کو حراست میں لے لیا گیا شریف مکہ نے اس دوران ترکوں کی بغاوت کر دی اور محمود الحسن کو برطانیہ کے حوالے کر دیا جس کے بعد انہیں ۱۹۱۷ تا ۱۹۲۰ مالٹا کی جیل میں قید رکھا گیا۔ان کی مدد کرنے والے عبیداللہ سندھی تھے جو کہ افغانستان گئے ہوئے تھے جنہوں نے ترکی اور جرمن نمائندے کے طور پر وہاں کام کیا تاکہ قبائلی لوگوں کو برطانی سامراج کے خلاف بغاوت کیلئے ابھارا جائے۔

محمد خواص خاں نے اپنی کتاب میں یہ حیرت انگریز انکشاف بھی کیا کہ احمد رضا خان نے اپنے مخالفین کو یہ تحریر لکھ کر بھیجی:

’’محترم عثمانی صاحب سے درخواست ہے کہ کیا شاہ اسمعیل شہیدؒ کا حضرت عمرؓ کی سنت پر عمل کرنا جرم ہے؟ آخر ثواب کسے کہتے ہیں۔اب آخر میں محترم کے علم میں اضافہ کیلئے چند اور باتیں درج کی جاتی ہیں۔

۱۔چونکہ ہماری حکومت (یعنی انگریز حکومت۔خواص) ہم پر حد درجہ مہربان اور شفیق ہے۔اور وہابیوں کے خلاف ہماری مدد و

اعانت مالی و دیگر ذرائع سے کرتی ہے اور اس نے نہ صرف ہماری ذمہ داری لے رکھی ہے بلکہ ماہوار زر کثیر ہمیں باقاعدگی سے ادا کرتی ہے لہذا تمام مسلمانوں کو اس کی اطاعت فرض ہے ۔اور وہابیوں نے جو افراط و تفریط ہماری مہربان حکومت کے خلاف مچا رکھی ہے ہم اس کی مسلمانان ہند کے پیشوا کی حیثیت سے پرزور مذمت کرتے ہیں ۔اپنی حکومت الٰہیہ (انگریز حکومت؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ) کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں ۔از احمد رضا خان بریلوی کلمۃ الحق باب ۲ ص ۵۴

(روئیداد مجاہدین ہند ص ۴۷۴)

ما قبل کی تفصیل سے محمد خواص خاں صاحب کی اس بات کی مکمل تائید ہوتی ہے جو کچھ انہوں نے خان صاحب کی کتاب سے نقل کیا ۔غالبا خان صاحب کی دیگر کتابوں کی طرح بریلوی حضرات نے اس کتاب کو بھی ضائع کر دیا ہے ۔

بلکہ حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی مرحوم جن کو بریلوی قیام الملۃ والدین کے لقب سے یاد کرتے ہیں نے صاف احمد رضا خان کو خط لکھا:

''ہم سلطنت کفر (انگریزی حکومت) مٹانے کی فکر میں ہیں تم اس میں ساتھ نہیں دیتے''۔

(حیات اعلیٰ حضرت ،حصہ سوم ،ص ۴۲۱)

ساتھ کیسے دیں فرنگی محلی صاحب؟ کیونکہ خان صاحب تو سلطنت کفر کا ساتھ دینے ہی کے عوض تو نذرانے وصول کررہے ہیں ۔

بہرحال یہ تمام حوالہ جات اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ ''بریلویت'' ایک خالص انگریز کی طرف سے قائم کردہ ''سیاسی تحریک'' تھی جسے مسلمانوں کو دھوکا دینے کیلئے مذہب کا لبادہ اوڑھایا گیا ۔اس کا واحد مقصد کل بھی اور آج بھی گورے سامراج کے خلاف برسر پیکار مسلمانوں کو وہابی و گستاخ کہہ کر بدنام کرنا ہے ۔آج بھی دیکھ لیں دنیا بھر میں جہادی تحریکوں کے سب سے بڑے مخالف آپ کو یہی نظر آئیں گے ۔جبکہ خود جہاد سے کوسوں دور ۔دیوبندیت کے بطلان کے انکشاف نامی کتاب میں تحریک پاکستان کے عنوان کے تحت مصنف نے علمائے دیوبند کے خلاف ہر قسم کی رطب و یابس کتب کے حوالے دئے ۔علمائے دیوبند کے شدید ترین مخالفین کے حوالے دئے ۔حتیٰ کہ بریلوی حضرات علمائے دیوبند کے خلاف مرزائی کتب و مودودی کتب کے حوالے دیتے ہوئے بھی نہیں شرماتے ۔پس جب ہمارے خلاف یہ سب کچھ معتبر ہو سکتا ہے تو ان انگریز مورخین کی شہادتیں جو اس وقت کے سرکاری ریکارڈ کی بنیاد پر ہے تمہارے خلاف کس قاعدے اور اصول سے غیر معتبر ہوں گی؟

نواب احمد رضا خان صاحب کی مزید انگریز نوازی پر تفصیل آپ کو اسی کتاب میں ملے گی ۔ یہاں ہمارا مقصد مختصر طور پر اس بات کو واضح کرنا تھا کہ انگریز نے ماضی اور حال میں اپنا سب سے بڑا دشمن علمائے دیوبند کو تسلیم کیا جسے وہ ''وہابی تحریک'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور خود انگریز کے بقول اس تحریک کے خلاف بریلی کے احمد رضا خان نے ان کا بہت ساتھ دیا ۔علمائے دیوبند کے خلاف بریلی کی طرف سے حسام الحرمین کی صورت میں کھڑا کیا جانے والا تکفیری فتنہ بھی اسی انگریز سازش کا حصہ ہے ۔جو آج پوری طرح ناکام ہو چکا ہے ۔

اب ہم بدنام زمانہ کتاب حسام الحرمین کے مردود ہونے پر انہی کے گھر سے چند اصول بیان کرتے ہیں ۔

نواب احمد رضا خان صاحب کا کذاب ہونا ان کے گھر کے مسلمات کی روشنی میں

فریق مخالف کے ایک داڑھی منڈھے صاحب جو اندھوں میں کانا راجا کے مصداق: ''جواں سال محقق عالم'' (اہل سنت کی حقانیت کا غیر مقلدین سے ثبوت ،ص ۱۵)، ''مجاہد سنیت حضرت مولانا محمد ۔۔۔دام ظلہ العالی'' (الکلمۃ القاطعۃ ،ص ۲۲) اور ''مذہبی دنیا کے گوگل'' (دو ماہی الرضا، مارچ اپریل ۲۰۱۶، ص ۶۳) شمار کئے جاتے ہیں ۔

اور خیر سے بریلی مرکز سے بھی موصوف کو ''مولانا'' کی سند ملی ہوئی ہے ملاحظہ ہو ماہنامہ اعلیٰ حضرت بریلی شریف، ص ۵۴، جنوری ۲۰۱۶ء۔ موصوف نے ایک کتاب: ''اہل سنت کی حقانیت کا غیر مقلدین سے ثبوت'' لکھی ہے۔ جو باہتمام ضیغم اسلام قاطع بدمذہبیت حضرت علامہ پیر سید مظفر حسین شاہ قادری (موصوف کی جہالتوں اور علمی حدود اربعہ کیلئے ہماری طرف سے جاری کردہ ویڈیو ''مظفر حسین شاہ کا آپریشن'' جو کہ پانچ حصوں پر مشتمل ہے کو یوٹیوب پر دیکھا جاسکتا ہے۔ یا پھر ان ہی کے ہم مسلک عامر لیاقت حسین بریلوی نے جو حال ہی میں اپنے پروگرامات میں ان کی حقیقت طشت از بام کی ہے اس کو ملاحظہ فرمائیں) ادارہ تحفظ عقائد اہل سنت و جماعت پاکستان سے شائع ہوئی۔ ہمارے پاس اس کا طبع دوم ہے۔ جس میں اہل بدعت کے ٹبر نے یہ تاثر دیا ہے کہ چونکہ غیر مقلدین دیوبندیوں کے اپنے ہیں اور اب وہ بھی علمائے اہل سنت دیوبند احناف کی تکفیر کرتے ہیں لہذا اس سے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی حقانیت اور حسام الحرمین کا سچا ہونا ثابت ہوگیا۔ چنانچہ اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''لیکن اعلیٰ حضرت کی یہ روشن کرامت ہے کہ احسان الٰہی ظہیر صاحب کے فرقہ غیر مقلد وہابی علماء بھی مسئلہ تکفیر دیوبندیہ میں سیدی اعلیٰ حضرت کی تصدیق کر رہے ہیں''۔

(اہل سنت کی حقانیت کا غیر مقلدین سے ثبوت، ص ۲۹)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''اس طویل اقتباس میں غیر مقلد مولوی نے مولوی قاسم نانوتوی دیوبندی کی عبارت کو ختم نبوت کے منافی قرار دیتے ہوئے ان کا شدید رد کیا ہے اور اس پر جو تبصرہ کیا ہے وہ بھی حقائق پر مبنی اور نہایت پر لطف ہے یہی بات کل تک ہم اہل سنت کہتے تھے اور بالآخر آج دیوبندیوں کے ''ہم مزج'' بھائیوں کو بھی اس مسئلہ میں اہل سنت کی تائید کرنے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا، یوں میرے امام، امام اہلسنت سیدی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت ...کی سچائی روز روشن کی طرح واضح ہوئی''۔ (اہل سنت کی حقانیت کا غیر مقلدین سے ثبوت، ص ۴۱)

ایک عرب نجدی عالم کا حوالہ دینے کے بعد لکھتے ہیں:

''تقی الدین صاحب کے اس اقتباس سے ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک بھی قادیانی انکار ختم نبوت کے متعلق جماعت دیوبندیہ کے نقش قدم پر چلے ہیں اس مسئلہ پر ان کا موقف ایک ہے۔ تحذیر الناس کی تردید پر مشتمل مندرجہ بالا تمام اقتباسات (جن میں مولوی قاسم نانوتوی دیوبندی کو منکر ختم نبوت کہا گیا ہے) اعلیٰ حضرت ..کی حقانیت کا ثبوت ہیں''۔

(اہل سنت کی حقانیت کا غیر مقلدین سے ثبوت، ص ۵۰)

بہر حال قصہ مختصر اس کتاب اور اس کے مندرجہ بالا اقتباسات سے ہمارے سامنے جماعت رضاخانیہ کا یہ اصول آیا کہ اگر کوئی دونوں مخالفین میں سے کسی ایک کی طرف نرم گوشہ رکھنے والے اس کے مخالف کی حمایت اور اپنے حلیف کی مخالفت کردیں تو یہ مخالف کی حقانیت و کرامت کی دلیل ہوتی ہے۔ جیسا کہ بعض متاخرین غیر مقلدین نے اس باب میں علمائے دیوبند کی تکفیر کی جو بقول اہل بدعت بدنام زمانہ کتاب حسام الحرمین کی حقانیت اور اعلیٰ حضرت کی کرامت ہے۔

اس کتاب پر تقریظ لکھنے والے جناب شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی حنیف خان رضوی صدر المدرسین جامعہ نوریہ رضویہ ہیں۔ اس کے علاوہ خلیفہ تاج الشریعہ مفتی اعظم اتراکھنڈ ذوالفقار نعیمی، خلیفہ تاج الشریعہ مفتی راحت خان قادری کی تقاریظ بھی ثبت ہیں۔

یہاں ہم فریق مخالف کے مجاہد سنیت اور اس کے حمایتی ٹبر سے سوال کرنا چاہیں گے کہ آج اگر چند تکفیری غیر مقلدین نے علمائے دیوبند

کی تکفیر کر دی تو یہ تو ہوگئی اعلیٰ حضرت علیہ ما علیہ کی کرامت۔لیکن ان چند غیر مقلدین علماء سے پہلے وہ سینکڑوں غیر مقلد علما و مشائخ جو احناف علمائے دیوبند کو مسلمان سمجھتے تھے اور اس باب میں خان صاحب بریلی پر لعن طعن کرتے تھے تو اسے یہ موصوف کس پر محمول کریں گے؟ علمائے دیوبند کی کرامت پر یا خان صاحب بریلوی کی ملامت پر؟ مثلاً:

✷ غیر مقلد محمد اسحٰق گبرالی ایک مماتی کو جواب دیتے ہوئے لکھتا ہے:

''شیخ التفسیر مولانا اشرف علی تھانوی رحمہم اللہ اور ہم: باقی مولانا تھانویؒ کے بارے میں جو ریمارکس اور اعتراضات بزعم خان صاحب بحوالہ اہل حدیث خان صاحب نے دیئے ہیں ہم کو واللہ ان سے دلی صدمہ پہنچا ہے اور بڑا دکھ ہوا ہے ہم ان کی کتب کے حوالے سے ان کی علمیت اور رجالۃ قدر بخوبی آگاہ ہیں ہم دل سے ان کی قدر و منزلت کے معترف ہیں''۔

(اھداء المذکر،ص ۷۶)

✷ اہلحدیث مناظر مولانا صفی الرحمن مبارکپوری اس بات کا کھلے بندوں اقرار کرتے ہیں کہ خان صاحب بریلوی نے حسام الحرمین میں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر کفریہ عقیدہ کا بہتان لگایا ہے یہ عقیدہ ہرگز ان کا نہ تھا چنانچہ لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت کے نورچشم جناب مصطفی رضا خان صاحب نے اپنے والد بزرگوار سے ورثہ میں جو زبان اور ادب پائی ہے اس کا اثر دوسری جگہوں پر بھی نمایاں ہے احمد رضا خان صاحب نے حسام الحرمین میں مولانا اشرف علی تھانوی پر کافرانہ عقیدہ کا بہتان لگایا''۔

(رزم حق و باطل،ص ۲۰۴)

✷ مولانا ثنا اللہ امرتسری مرحوم لکھتے ہیں:

''مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ حنفی لکھتے ہیں''۔(رسائل ثنائیہ،ص ۳۱۲)

✷ ایک اور مقام پر اکابر دیوبند کے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ حضرات جو کچھ کہتے علی وجہ البصیرت کہتے اور لکھتے ہیں''۔

(فتاویٰ ثنائیہ،ص ۲۶۴،جلد اول)

✷ حکیم محمود احمد غیر مقلد لکھتا ہے:

''سچی بات تو یہ ہے کہ دیوبندی کوئی مسلک ہے نہ فرقہ بلکہ یہ لوگ اہل سنت والجماعت ہیں''۔(علمائے دیوبند کا ماضی،ص ۳۵۵)

✷ مزید لکھتے ہیں:

''اہل توحید ہونے کے ناطے سے ہم دیوبندی حضرات سے خوش دلانہ رابطہ رکھتے ہیں اور اکثر مسائل میں ہمارا موقف ایک ہوتا ہے جو باہم افہام و تفہیم سے حل کرلیا جاتا ہے''۔

(علمائے دیوبند کا ماضی،ص ۱۴)

✷ طالب الرحمن زیدی تکفیری غیر مقلد بھی اس بات کا اعتراف کرتا ہے:

''دیوبندی حضرات کے بارے میں عام اہلحدیث اور اکثر علماء کا بھی یہ نظریہ ہے کہ یہ لوگ موحد ہیں۔جیسا کہ حکیم محمود صاحب دیوبندیوں کے خلاف ''علمائے دیوبند کا ماضی تاریخ کے آئینہ میں'' نامی کتاب لکھتے ہوئے وہ اپنا اور دیوبندیوں کا ناطہ ان الفاظ میں جوڑتے ہیں:

''آج ہم اور دیوبندی ایک دوسرے کے بہت قریب ہیں اور الحمد للہ عقائد میں بھی کوئی ایسا بعد نہیں رہا بلکہ ہمارا اور اس مسلک کا مستقبل بھی دونوں کے اتحاد پر موقوف ہے''۔

(دیوبندیت تاریخ وعقائد،ص ۷)

نام نہاد مجاہد سنیت نے اسی طالب الرحمن ٹبر سے علمائے دیوبند کی تکفیر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اسے خان صاحب بریلی کی کرامت کہا مگر یہی طالب الرحمن خود اقرار کررہا ہے کہ عام غیر مقلد علما وعوامی طبقہ دیوبند کو مسلمان واہل توحید ہی کہتا ہے۔اب جب اکثر غیر مقلد طبقہ دیوبند کو مسلمان ہی جانتا ہے وہ تو کرامت نہ ہوئی اور چند دو ٹکے کے غیر مقلد مولوی اگر علمائے دیوبند کی معاذ اللہ تکفیر کردیں تو اعلیٰ حضرت کی کرامت ہو جائے؟ یہ کرامتیں ناپنے کا کونسا پیمانہ آپ کے ہاتھ لگا ہے؟ ذرا ہمارے علم میں بھی تو اضافہ فرمائیں۔

✷ قاضی محمد اسلم سیف صاحب غیر مقلد لکھتے ہیں:

''مولانا احمد رضا خان بریلوی بانی فرقہ بریلویہ نے''حسام الحرمین'' میں دیوبندیوں کی طرف منسوب کرکے جن غلط مسائل کے بارے میں فتویٰ طلب کیا تھا۔دیوبندی فکر سے تعلق رکھنے والے محقق علماء نے دہلی میں جمع ہو کر منسوب کردہ غلط مسائل کا ایک ایک کرکے رد کیا پھر مکہ اور مدینہ کے علما کے پاس ان کو بھیجا اور انہیں تحریرا مطلع کیا کہ یہ مسائل ہماری طرف غلط منسوب کئے گئے ہیں ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں ۔چنانچہ حرمین کے علمائے کرام اور شیوخ نے مولانا احمد رضا خان بریلوی کو شیطان بصورت انسان قرار دیا اور دھوکہ باز اور فریبی گردانا۔جبکہ علمائے دیوبند کے عقائد کو اہلسنت والجماعت کے عقاید قرار دیا اور سوال وجواب کی صورت میں المہند علی المفند کے نام سے شایع کیا اس لئے کہ حسام الحرمین کا معنی مکہ ومدینہ کی تلوار ہے اور اس (المہند) کا معنی فریب کار پر ہندی تلوار ہے کیونکہ عربوں میں ہندی تلوار سب سے عمدہ تلوار سمجھی جاتی تھی''۔

(تحریک اہل حدیث تاریخ کے آئینہ میں،ص ۳۰۹)

لو جی اس حوالے نے تو خان صاحب بریلی کی کرامت کا سارا بھرکس ہی نکال دیا۔

✷ ڈاکٹر ابو عدنان سہیل غیر مقلد لکھتا ہے:

''بریلوی مکتب فکر والے اپنے مخالفین یعنی دیوبندی واہل حدیث حضرات کی کتابوں میں جو گمراہیاں ثابت کرتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ گناہ کبیرہ ہو سکتی ہیں لہٰذا ان گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے جرم میں بریلوی حضرات انہیں کافر،مرتد اور خارج از اسلام ٹھرانا کیا بعینہ خوارج کا نظریہ نہیں ہے؟''۔

(اسلام میں بدعت اور ضلالت کے محرکات،ص ۳۲۶)

مزید لکھتے ہیں:

''بریلوی مکتب فکر جس فلسفہ تصوف کا داعی اور محافظ ہے اور اولیا تصوف کی جس طرح غیر معمولی پذیرائی اور قدر ومنزلت کرتا ہے دیوبندی حضرات بھی اگر چہ اسی تصوف پر ایمان رکھتے ہیں اور اسے اپنی فکر کا محور بنائے ہوئے ہیں مگر صرف اس جرم میں کہ وہ شریعت کے تقاضوں کو بھی پورا کررہے ہیں بریلوی حضرات نے انہیں اپنا بدترین حریف اور دشمن تصور کرلیا ہے اور عرصہ دراز سے انہیں لعنت ملامت اور نفرت وحقارت کا ہدف بنائے ہوئے ہیں''۔

(اسلام میں بدعت اور ضلالت،ص ۳۲۰)

یاد رہے کہ یہ کتاب سعودی عرب سے چھپی ہے اور اس پر نظر ثانی ڈاکٹر محمد لقمان سلفی نے کی ہے ۔آج اہل بدعت زبیر علی زئی جیسے چنڈو خان غیر مقلد سے دکھاتے ہیں کہ دیکھو اس نے بھی امکان کذب کے مسئلہ کو گمراہی قرار دیا ہے یہ خان صاحب بریلوی اعلیٰ حضرت کی زندہ جاوید کرامت ہے ۔جناب من اگر بعض تکفیری غیر مقلد ''مسئلہ امکان کذب'' کو ''کفر'' قرار دے رہے ہیں اور یہ خان صاحب بریلی کی کرامت ہوگئی تو ماضی میں جو جمہور اکابر غیر مقلد اسی مسئلہ کا اعتقاد رکھتے تھے اور اس باب میں علمائے دیوبند کو حق پر سمجھتے کیا یہ آپ ہی کے اصول سے علمائے دیوبند کی کرامت اور خان صاحب کی بدبختی کی علامت نہ ہوگی ؟ جواب ذرا سوچ سمجھ کر دینا۔مسئلہ امکان کذب کو مندرجہ ذیل کتب غیر مقلدین میں درست کہا گیا ہے :

* خیر الکلام ،ص ۱۳۶۷ از گوندلوی ۔
* الاصلاح ،ص ۲۱۱ ،از گوندلوی ۔
* تصحیح العقائد ،ص ۱۰۷ از رئیس احمد ندوی ۔
* توحید الرحمن ،ص ۱۳۶ از عبداللہ روپڑی ۔
* فتاویٰ اہل حدیث ،ج ۱،ص ۳۹ ۔

بلکہ غیر مقلد عبداللہ روپڑی نے تو اس عقیدہ میں دونوں طرف کے دلائل کا تجزیہ کرنے کے بعد اپنا فیصلہ یہ دیا :

''لازم آتا ہیکہ جھوٹی کلام کرنا بھی اللہ کے لئے عیب نہ ہو چہ جائیکہ اس پر قدرت عیب کی ہو غرض اس قسم کے وجوہ بہت ہیں جو دیوبندیہ کے نظریہ کو ترجیح دیتے ہیں''۔

(توحید الرحمن ص 138 محدث روپڑی اکیڈمی جامعہ اہلحدیث دالگراں چوک لاہور)

مسئلہ امکان کذب پر زبیر علی زئی کے فتووں کی حقیقت جاننے کیلئے ''مجلہ صفدر'' میں زبیر علی زئی کے جواب میں حضرت مولانا رب نواز حنفی صاحب کے مضامین کا مطالعہ کریں جس سے ہم نے بھی استفادہ کیا۔

آج اہل بدعت پھولے نہیں سمارہے ہیں کہ دیکھو زبیر علی زئی وغیرہ نے تحذیر الناس پر حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی تکفیر کر دی ان کا رد کر دیا مگر ماضی کے غیر مقلد اس قسم کی ہذیانات پر لوگوں کو کیسے لتاڑتے ملاحظہ ہو :

* مولانا محمود احمد میر پوری سابق امیر جمعیت اہلحدیث یورپ مشہور بریلوی واعظ شفیع اوکاڑوی کے ایک بیان کہ معاذ اللہ علمائے دیوبند ختم نبوت کے منکر ہیں اور مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ختم نبوت کا انکار کیا ہے کہ جواب میں فرماتے ہیں :

''اور علما کی اس جماعت پر ختم نبوت کا منکر ہونے کا الزام لگا دیا جن کی پیشانیاں ختم نبوت کے تحفظ کیلئے دی جانے والی قربانیوں سے منور ہیں اور جن کے قائدین نے تحریک ختم نبوت میں وہ عظیم کارہائے نمایاں انجام دئے جو تاریخ کا ایک مستقل باب بن چکے ہیں اور جنہیں اوکاڑوی صاحب جیسا کوئی پیشہ ور واعظ ہر گز نہیں مٹا سکتا''۔

(تلخ وشیریں ،ص ۲۱ ناشر مرکزی جمعیت اہلحدیث برطانیہ)

* حضرت مولانا سید فردوس شاہ صاحب قصوری مرحوم جن کا تعلق اہلحدیث مکتبہ فکر سے تھا اکابر علمائے دیوبند کے دفاع پر پوری ایک کتاب ''چراغ سنت'' لکھی ہے ۔جو مکتبہ نذیریہ لاہور سے شائع ہوئی ۔

✷ اسی طرح مولانا محمد یحییٰ شر قپوری غیر مقلد نے بھی پوری ایک کتاب بنام ’’حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ اور دیگر اکابر پر بہتانات اور ان کا تحقیقی جائزہ‘‘ کے نام سے لکھی جسے ’’جمعیت اہلحدیث شر قپور‘‘ نے شایع کیا۔

✷ خود یہ نام نہاد مجاہد سنیت لکھتا ہے کہ لاہور میں دیوبندی بریلوی کے درمیان فیصلہ کن مناظرہ میں مولانا ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد علمائے دیوبند کے ساتھ رہے۔

(ملخصا اہل سنت کی حقانیت کا ثبوت غیر مقلدین کے قلم سے، ص ۲۷)

✷ بریلوی ابوالحسنات قادری لکھتے ہیں:

’’دیوبندی اور وہابی درحقیقت ایک ہی ہیں۔۔۔اندرونی صورت میں ایک اور ملے جلے ہیں۔۔جس سے اہل لاہور پر اظہر من الشمس ہوگیا کہ دیوبندی اور غیر مقلد درحقیقت ایک ہیں‘‘۔

(اہلسنت کی حقانیت کا ثبوت غیر مقلدین کے قلم سے، ص ۲۷)

✷ علامہ احسان الٰہی ظہیر مرحوم خان صاحب بریلوی کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’حرمین شریفین کے علماء سے ان کے خلاف فتوے بھی لئے استفتاء میں ایسے عقائد ان کی طرف منسوب کئے جن سے بری الذمہ تھے۔امام محمد قاسم نانوتوی، علامہ رشید احمد گنگوہی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور مولانا اشرف علی تھانوی وغیرہ کو مسلمان نہیں سمجھتے تھے اور برملا ان کے کفر وارتداد کے فتووں کا اظہار کرتے تھے‘‘۔

(بریلویت ص ۱۹۵ بحوالہ اہلسنت کی حقانیت کا ثبوت، ص ۲۹)

✷ علامہ احسان الٰہی ظہیر شہید مرحوم مزید لکھتے ہیں:

’’جناب احمد رضا ساری زندگی مسلمانوں پر کفر کے فتوے لگانے میں مصروف ومشغول رہے حتی کہ کفر کے فتوے کو ایک معمولی امر تصور کیا جانے لگا اور ان کے اس عمل کی وجہ سے ہندوستان کے مسلمان اختلاف وانتشار کا شکار ہو گئے‘‘۔

(بریلویت، ص ۱۹۵)

✷ مشہور غیر مقلد عالم عطاء اللہ حنیف بھوجیانی لکھتے ہیں:

’’بہت سے مفکرین کا خیال ہے کہ موجودہ قابلیتی بحران کا بڑا سبب مدارس عربیہ کا مروجہ نصاب تعلیم ہے حالانکہ ماضی قریب کے جید علما جن پر برصغیر پاک وہند کو بجا طور پر فخر ہے، ولی اللّہی خاندان اور اس کے متوسلین مولانا نذیر حسین دہلویؒ، نواب صدیق حسن خانؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا محمود الحسنؒ، مولانا محمد شمس الحقؒ، مولانا عبدالجبار غزنویؒ، مولانا محمد حسین بٹالویؒ، مولانا سید محمد انور شاہؒ، مفتی کفایت اللہؒ، حافظ محمد صاحب لکھوی، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا ثناء اللہ مرحوم وغیرہم سب بزرگ اسی نصاب کے تعلیم یافتہ تھے۔ان حضرات کی خدمات علمی واسلامی سے کون انکار کرسکتا ہے؟ اور کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اپنے اپنے درجہ میں انہی کی مساعی محنت، ایثار اور قربانیوں کا فیض ہے جو علوم دینیہ کی تھوڑی بہت رونق نظر آرہی ہے‘‘۔

(الاعتصام اشاعت خاص بیاد مولانا محمد عطاء اللہ حنیف ص ۴۹۰)

قارئین کرام! بار بار اس حوالہ کو پڑھیں یہ اہلحدیث عالم علمائے دیوبند کو پورے ہند کا فخر کہہ رہے ہیں اور برملا اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ ہند کا چپہ چپہ ان کے علوم ومعارف سے منور ہے اور آج جو علم دین کی تھوڑی بہت رونق نظر آرہی ہے وہ بھی انہی اکابر کی برکت ہے۔ یہ

موصوف علمائے دیوبند کی تکفیر کرنے والے زبیر علی زئی کے استاد ہیں۔ بہر حال آج کے چنڈو خانوں اور لاہور کے بریلوی منڈوں خانوں جیسوں نے اگر سورج پر تھوکنے کی کوشش کی تو ان کا اپنا ہی چہرہ لتھڑے گا۔ آسمان ہدایت کے یہ آفتاب کل بھی چمک رہے تھے اور آج بھی ان کی چمک و دمک سے چہار دانگ عالم منور ہوا پڑا ہے۔ اور تا قیامت ان شاء اللہ ان اکابر دیوبند کا یہ فیض چلتا رہے گا۔

مگر ہمارا سوال یہ ہے کہ آج کے دو تین غیر مقلد علماء اہل السنۃ والجماعۃ احناف دیوبند کی تکفیر کر دیں تو اہل بدعت اسے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی جناب احمد رضا خان کی کرامت بنالیں۔ اور یہ جید اکابر اہل حدیث اس بات کا بانگ دہل اعلان کر رہے ہیں کہ حضرات علمائے دیوبند مسلمان موحد ہیں اور خان صاحب بریلوی نے ان پر جو کفر کا فتوی لگایا وہ غلط ہے۔ پھر تمہیں خود بھی اس بات کا اقرار ہے کہ غیر مقلد و دیوبندی ایک ہی ہیں تو اس سب کے بعد تمہارے ہی اصول سے کیا یہ سب ریکارڈ اہل سنت دیوبند کی حقانیت اور جناب احمد رضا خان کی کذابیت کا ثبوت نہ بنے گا؟

بہر حال اب اسی اصول کو سامنے رکھ کر ہم خود بریلوی مکتبہ فکر کے ان علماء کی آراء کو آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جنہوں نے تکفیر کے مسئلہ میں بدنام زمانہ مردود کتاب حسام الحرمین کی تائید نہیں کی اور وہ علمائے اہل سنت دیوبند احناف کو مسلمان جانتے تھے، اور ان کی تکفیر کے قائل بالکل نہ تھے۔ اس کے بعد اہل بدعت ہی کے اصول کی روشنی میں حسام الحرمین کا جھوٹ کا پلندہ ہونا اور خان صاحب بریلوی کا کذاب و خائن ہونا ان کے اپنے ہی گھر کے اصولوں کی روشنی میں ثابت ہو جائے گا۔ سو ملاحظہ ہو:

(۱) علمائے فرنگی محل

پیرزادہ اقبال احمد فاروقی مجددی بریلوی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''قیام الملت والدین حضرت مولانا شاہ عبدالباری فرنگی محلی اہل سنت کے معروف عالم دین، بلند پایہ روحانی پیشوا، فرنگی محل لکھنو کی مذہبی روایات کے امین اور آخری علمی تاجدار تھے''۔

(کلیات مکاتیب رضا، حصہ اول، ص ۳۳)

بعینہ انہی خیالات کا اظہار ماہنامہ معارف رضا سلور جوبلی سالنامہ ۲۰۰۵ کے صفحہ ۱۶۹ پر بھی کیا گیا ہے۔ اب اس قسم کا بلند پایہ عالم علمائے دیوبند کے بارے میں کیا نظریہ رکھتا ہے ملاحظہ ہو:

الحاج محمد یونس باڑی بریلوی لکھتے ہیں:

''ان حضرات عالیہ کے دل صاف تھے، کسی کی دشمنی کی وجہ سے اس کے خلاف فتوی نہ دیتے بلکہ محض اللہ کیلئے۔ مولوی اشرف علی تھانوی کی حفظ الایمان کی گستاخانہ عبارت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی ۔۔۔ نے جب اپنے دوست مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو دکھائی تو انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس میں کفر نظر نہیں آتا۔ اعلیٰ حضرت نے ایک مثال دی پھر بھی انہوں نے نہ مانا۔ اعلیٰ حضرت خاموش ہو گئے اور دوستی و محبت کو برقرار رکھا''۔

(سیرت انوار مظہریہ، ص ۲۹۲)

یہی مولانا عبدالباری صاحب علمائے دیوبند کے بارے میں اپنے اور اپنے اکابر اور علمائے فرنگی محل کا موقف ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

''ہمارے اکابر نے اعیان علمائے دیوبند کی تکفیر نہیں کی ہے اس واسطے جو حقوق اہل اسلام کے ہیں ان کو ان سے کبھی محروم نہیں

رکھا مولوی قاسم صاحب کے نام کے خط وکتابیں ہمارے پاس موجود ہیں''۔

(الطاری الداری: حصہ دوم ص ۱۶ حسنی پریس بریلی)

(کلیات مکاتیب رضا، حصہ دوم، ص ۳۹۰، مکتبہ نبویہ لاہور)

اس حوالے سے معلوم ہوا کہ مولانا عبد الباری فرنگی محلی مرحوم اور ان کا خاندان علمائے دیوبند کو مسلمان سمجھتے تھے۔ اور اس کی وجہ بھی لکھ دی کہ مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خاندان کے دیرینہ تعلقات تھے اور خط وکتابت بھی ہوتی تھی انہی خطوط کو پڑھ کر مولانا عبد الباری صاحب نے یہ اصولی موقف اپنایا۔

اسی طرح حشمت علی رضوی لکھتے ہیں:

''مرتد اشرف علی تھانوی کے مرنے پر جن علمائے فرنگی محل نے علی الاعلان اس مرتد کیلئے جلسہ، فاتحہ خوانی وثواب رسانی و دعائے مغفرت کیا ہو پھر اپنے اس کفری فعل کو اخبار ہمدم میں چھاپ کر شایع بھی کیا ہو''۔

(ستر باادب سوالات، ص ۳۱)

الحمد للہ آپ نے ملاحظہ فرمالیا کہ علمائے فرنگی محل نہ صرف علمائے دیوبند کو مسلمان سمجھتے بلکہ ان کی وفات پر ان کیلئے فاتحہ خوانی، ایصال ثواب اور دعائے مغفرت بھی کرتے اور بڑے فخر سے اسے اخبار میں شایع کر کے صاحب حسام الحرمین کا منہ کالا کرتے رہے۔

کیا انہوں نے رجوع کر لیا تھا؟

بریلوی چونکہ جھوٹ بولنے، حوالہ جات گھڑنے میں یدطولی رکھتے ہیں لہذا یہاں بھی یہ جھوٹ گھڑا گیا کہ مولانا عبد الباری فرنگی محلی مرحوم نے توبہ کر لی تھی۔

چنانچہ مولوی غلام نصیر الدین سیالوی لکھتے ہیں:

''مولانا عبد الباری صاحب نے ان الفاظ سے توبہ کر لی تھی جن کی وجہ سے ان کی تکفیر کی گئی تھی وہ خود فرماتے ہیں کہ اے اللہ میں نے بہت گناہ دانستہ کئے اور بہت سے نادانستہ سب کی میں توبہ کرتا ہوں اے اللہ میری استغفار قبول فرما۔ اے اللہ میں نے جو امور قولاوفعلا وتحریرا وتقریرا کئے جن کو میں گناہ نہیں سمجھتا تھا مولوی احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو کفر یا ضلال یا معصیت ٹھرایا ان سب سے اور ان کی مانند سے محض مولوی صاحب پر اعتماد کر کے توبہ کرتا ہوں اے اللہ تیرے حبیب کی محبت وعظمت کا واسطہ مجھے بخش دے۔ فقیر محمد عبد الباری۔

اخبار ہمدم لکھنو ۲۰ مئی ۱۹۲۱ء''۔

(عبارات اکابر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، حصہ اول، ص ۷۷)

اس کے اگرچہ کئی جوابات دئے جاسکتے ہیں مگر سر دست صرف مظہر اعلی حضرت حشمت علی رضوی کا یہ حوالہ اس جھوٹ کیلئے کافی ہے۔ سیالوی نے توبہ کیلئے ۱۹۲۱ کے اخبار کا حوالہ دیا حالانکہ:

''۱۳۴۲ھ میں حضرت والا (یعنی نعیم الدین مراد آبادی) نے آل انڈیا سنی کانفرنس قائم فرما کر اس کا پہلا سالانہ جلسہ مراد آباد ہی میں منعقد فرمایا تھا۔ اس جلسے میں بھی مولوی عبد الباری صاحب فرنگی محلی و فتح اللہ آزاد لکھنوی و نذیر احمد خجندی بغیر اس کے کہ ان سے توبہ صحیحہ شرعیہ لیجائے یونہی شریک فرمانا اور حضرات علمائے اہلسنت کے دوش بدوش مسند وعظ پر بٹھانا چاہا تھا اس وقت خود

حضرت والا کے پیرزادے حضرت مولانا سید احمد اشرف صاحب کچھوچھوی وحضرت سلطان الواعظین مولانا عبدالاحد صاحب پیلی بھیتی وحضرت مولانا سید محمد آصف صاحب کان پوری وحجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان صاحب ۔۔کو جب اس کی خبر ہوئی تو ان حضرات نے فرمایا جب آپ ان لوگوں سے توبہ صحیحہ شرعیہ نہیں لینا چاہتے ہیں اور ان پر کفر وضلالت کے شرعی الزامات قائم ہیں آپ اسی طرح ان لوگوں کو بھی علماء اہلسنت کے ساتھ بٹھانا اور سنی کانفرنس کا رکن بنانا چاہتے ہیں تو یہ سنی کانفرنس نہ رہے گی یہ تو ندوہ بن جائے گی ۔تو حضرت والا نے مولوی فرنگی محلی کو تار دے دیا کہ تشریف نہ لائے ۔۔۔لیکن اب بائیس برس بعد پھر ایسے لوگوں کو جن کا نمبر ۴۰ ونمبر ۴۲ ونمبر ۴۵ ونمبر ۶۱ میں تذکرہ ہوا ہے بغیر ان سے تجدید اسلام کرائے بغیر ان سے توبہ صحیحہ شرعیہ کی اشاعت کرائے ہوئے پھر سنی کانفرنس لانا چاہتے ہیں یہ ندویت ہے یا نہیں؟''۔

(ستر باادب سوالات ،ص ۱۹ بفرمائش جماعت اہلسنت پیلی بھیت مطبع آواز وطن پریس کانپور)

۱۳۴۲ میں ۲۲ سالہ مزید ڈال دیں تو ۱۳۶۴ بنتا ہے یعنی مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے ۱۳۶۴ تک توبہ نہیں کی تھی ۔لہٰذا ۱۳۶۴ کے بعد کی کوئی مستند شہادت پیش کریں کہ جس میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی نے نہ صرف توبہ کی ہو بلکہ تجدید ایمان بھی کیا ہو اور کسی بند کمرے میں نہیں بلکہ بقول حشمت علی رضوی اسے باقاعدہ شایع کروایا ہو۔

نیز موصوف جس توبہ کا ذکر کر رہے ہیں اس کے بارے میں خود ان کے ہم مسلک پیر صاحب لکھتے ہیں :

''امام احمد رضا اس مجمل ومبہم توبہ نامہ سے مطئمن نہ ہو سکے''۔

(کلیات مکاتیب رضا،حصہ اول ،ص ۳۳)

خود خان صاحب بریلوی لکھتے ہیں:

جن امور سے بودی توبہ شایع کی تھی ان میں یہ اقوال متعلقہ قربانی بھی داخل ہیں پھر اس توبہ کو بھی توڑ دیا اور اب پورا اعناد واستکبار ہے''۔(حیات اعلی حضرت،حصہ سوم ،ص ۴۶۳)

توبہ کا ثبوت بھی اس طرح دیا جائے

یہ بھی یاد رکھیں کہ آپ کے ہاں توبہ صحیحہ شرعیہ اس طرح کروائی جاتی ہے :

''اور اسی رسالہ مبارکہ کے صفحہ ۸۰ میں اسی طرح کے اختلافات کی بنا پر علما بدایوں کو یہ شرعی ہدایت فرمائی گئی یہ وجوہ خمس بلا شبہ بالاجماع کم از کم پانچ حکم لازم کرتی ہیں اول تجدید اسلام دوم جس طرح ان اقوال مردودہ کی اشاعت ہوئی یو ہیں ان سے توبہ کی اشاعت سوم تجدید نکاح چہارم اعادہ حج کہ اس کا وقت عمر ہے نماز روزے جو گئے کہ ان کا وقت بھی گیا پنجم تجدید بیعت''۔

(ستر باادب سوالات ،ص ۳۰،۳۱ از حشمت علی رضوی)

بریلوی فقیہ الہند کی کذب بیانی

یہ ساری تفصیل آپ نے ملاحظہ کر لی اب ذرا بریلوی فقیہ الہند شریف الحق امجدی کی اس کذب بیانی کو ملاحظہ فرمائیں کہ کس طرح اس تاریخی حقائق سے چشم پوشی کر کے جھوٹ بول رہے ہیں:

''مولانا عبدالباری فرنگی محلی کو بھی آپ نے اپنی فہرست میں داخل کر لیا حالانکہ ان کی تکفیر کا کوئی فتوی کبھی کسی سنی عالم نے نہیں دیا

ہے میری سمجھ کام نہیں کرتی کہ میں آپ کی اس چابکدستی کو کون سا نام دوں''۔

(تحقیقات،ص ۵۰)

فقیہ الہند صاحب ! آپ کی سمجھ کام نہیں کررہی تو اس کا علاج کرائیں تا کہ آپ کو حق کا راستہ معلوم ہو۔مگر سمجھ کام کرتی تو بریلوی کیوں ہوتے؟ باقی آپ نے جو چابکدستی دکھائی ہے۔تو اسے ہم سوائے ''جھوٹ''۔''دجل''،''فریب'' کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دے سکتے اسے قبول فرمائیے۔اندازہ لگائیں کہ جب ''فقیہ الہند'' کہلانے والے کی دیانت کا حال یہ ہے تو عام بریلوی انصاف و دیانت کے کس نہج پر ہوگا؟۔

علمائے فرنگی محل پر لاکھوں کروڑوں لعنتیں معاذ اللہ

علمائے دیوبند کی تکفیر نہ کرنے پر علمائے فرنگی محل کو بریلویوں کی طرف سے جو تحفہ ملا وہ بھی ملاحظہ ہو۔بریلوی محب سنت خادم دین قویم مولوی ابوالمسعود محمد عبد العظیم لکھتا ہے:

''عبدالباری وغیرہ اسی طرح نیچری چکڑالوی قادیانی رافضی ان سب پر اللہ و رسول اور اس کے فرشتوں اور اس کے تمام بندوں کی کروڑوں، سنکھوں،پدموں بے شمار لعنتیں''۔

(مصحح دماغ مجنون،ص ۷)

(۲) حضرت مولانا معین الدین اجمیری صاحب مرحوم (سلسلہ خیرآبادی)

بریلوی حجۃ الاسلام حامد رضا بریلوی لکھتا ہے:

''مگر القول الاظہر سے ظاہر و مترشح ہے کہ اوسکے مصنف کے نزدیک حد درجہ کے مفسدین فی الدین گنگوہی تھانوی و نانوتوی دیوبندی مرتدین مسلمان ہیں''۔

(اجلی انوار الرضا،ص ۷)

یہ القول الاظہر انہی حضرت مولانا معین الدین اجمیری صاحب مرحوم کی ہے جو انہوں نے خان صاحب آف بریلی کے خلاف اذان ثانی کے مسئلہ میں لکھی۔

مولوی حسن علی رضوی کو بھی اس بات کا اقرار ہے کہ:

''فی الواقع وہ پہلے گستاخان رسول کی تکفیر کے قائل نہ تھے''۔

(عجائب انکشاف،ص ۵۴)

مگر موصوف اپنی عادت کے مطابق آگے یہ جھوٹ گھڑتے ہیں کہ ان کی بعد میں حامد رضا خان سے خط و کتابت ہوئی اور ملاقات ہوئی جس کے بعد یہ تکفیر کے قائل ہوگئے تھے۔

(ملخصا عجائب انکشاف،ص ۵۵،۵۶)

اول تو یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ حضرت اجمیری صاحب اور بریلی مرکز والوں نے ایک دوسرے کے خلاف خوب کتابیں لکھیں القول الاظہر وغیرہ جس میں احمد رضا خان کا بھرکس نکال دیا گیا ہے۔القول الاظہر کے جواب میں حامد رضا نے اجلی انوار رضا نامی کتاب لکھی اس وقت تو اجمیری صاحب کو اکابر علمائے دیوبند کے کفر کا علم نہ ہوسکا۔آخر یہ خطوط میں کونسی پھکی آپ لوگ ڈالتے ہو کہ فرنگی محلی کو خط لکھا رجوع کرلیا،

اجمیری صاحب کو خط لکھا رجوع کرلیا، حشمت علی رضوی کو خط لکھا رجوع کرلیا۔ یہ رجوع خود رضاخانی اصولوں کے تحت کالعدم ہے۔ آگے ہم ستر باادب سوالات نامی کتاب کے ضمن میں اس مسئلہ پر تفصیلی گفتگو کرنے والے ہیں کہ جب کفر اعلانیہ کیا تو اب توبہ وتجدید نکاح بھی اعلانیہ ہوگا۔ اس لئے محض خطوط کا اور وہ بھی جو آج تک نہ مرسل نہ مرسل الیہ کی زندگی میں چھپے بریلوی اصول کے مطابق کوئی اعتبار نہیں۔ آپ ان کے مرنے کے بعد دعوے ہو رہے ہیں کہ فلاں جگہ خط موجود ہے فلاں جگہ خط موجود ہے۔

جس کتاب میں حسن علی رضوی نے یہ جھوٹ بولا ہے اسی میں یہ اصول لکھا ہوا ہے:

''ہم اوپر بیان کرچکے ہیں کہ ہمارے پاس مجاہد ملت رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تحقیق کی کوئی سبیل نہیں اور ملا انکشاف پر کوئی اعتماد نہیں کیا جاسکتا جو اسی کتاب ''انکشاف حق'' میں سینکڑوں جھوٹ بول رہے ہیں''۔

(عجائب انکشاف، ص ۲۲۸)

تو اجمیری صاحب سے تحقیق کی ہمارے پاس کوئی سبیل نہیں اور حسن علی رضوی میلسی جیسے جھوٹوں کا کائی اعتبار نہیں۔

(۳) اکابر علماء امرتسر

بریلوی محقق عصر حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری جسے مولانا عبد الحکیم شرف قادری بریلوی ''محسن اہلسنت'' (تذکرہ علماء امرتسر ص ۱۵) بریلوی مجاہد ملت عبد الستار خان نیازی ''امانت و دیانت اور تقویٰ وطہارت میں ایک مثالی درجہ رکھتے ہیں'' (ایضاً ص ۱۷) کے القاب سے نوازتے ہیں۔ حکیم موصوف حضرت مولانا مفتی غلام رسول قاسمی صاحب کو اپنے جید علماء میں شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا قاسمی حنفی المذہب اور صوفی مشرب تھے لیکن طبعیت میں تشدد نہ تھا افراط اور تفریط سے بہت زیادہ اجتناب فرماتے تھے، دیوبندی بریلوی جھگڑے کو پسند نہ فرماتے تھے اگرچہ علمائے دیوبند کے بعض مسائل میں آپ کو اختلاف تھا لیکن علمائے دیوبند سے حسن ظن رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ امرت سر میں حضرت مولانا گنگوہی کی تکفیر کا غلغلہ بلند ہوا اور بہت ہی شدت اختیار کرگیا۔ ایسی فضا میں حضرت قاسمی نے جرات سے کام لیکر جلسہ عام میں لوگوں کے اس رویہ کی شدید مذمت کی اور فرمایا کہ

''میں مولوی رشید احمد صاحب کا نہ شاگرد ہوں، نہ استاد، نہ مرید ہوں نہ پیر۔ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں لیکن آخر وہ ایک عالم ہیں اور ایک عالم کی اس طرح توہین وتکفیر ہرگز جائز قرار نہیں دی جاسکتی''۔

مولانا قاسمی کے ان ارشادات کو بہت اچھا اثر ہوا امرت سر کی فضا میں امن وسکون پیدا ہوگیا''۔

(تذکرہ علماء امرتسر ص ۶۴، ۶۵)

اس حوالے سے چند باتیں مترشح ہوئیں:

(۱) علمائے دیوبند کی تکفیر کرنا افراط ہے۔

(۲) علمائے دیوبند کے خلاف جب تکفیر کا غلغلہ بلند ہو تو اس کے خلاف نظریہ قائم کرنا اور نواب احمد رضا خان اور ان کے اذناب کی تغلیط کرنا جرات مندانہ موقف ہے۔

(۳) مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ایک عالم دین ہیں لہذا اس حیثیت سے ان کی توہین وتحقیر کرنا ہرگز جائز نہیں اب ظاہر ہے کہ تکفیر سے بڑی توہین ایک عالم باعمل اور مسلمان مومن کی اور کیا ہوسکتی ہے؟

(۴) تکفیر کی اس فضا کے خلاف کام کرنے اور تکفیر کے مسئلہ کارد کرنے سے فضا میں امن وسکون پیدا ہوتا ہے۔

قارئین کرام! اب انصاف سے فیصلہ فرمائیں کہ حکیم موسیٰ صاحب نے کیا نواب احمد رضا خان کی بدنام زمانہ کتاب حسام الحرمین کی کالک انہی کے منہ پر مل کر اہلسنت علمائے دیوبند کی حقانیت کو تسلیم نہ کر لیا؟

عالم دین کی توہین اور نواب احمد رضا خان صاحب

مفتی غلام رسول قاسمی صاحب کے حوالے سے گزر چکا کہ وہ فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ’’عالم دین‘‘ مانتے تھے۔اب ذرا نواب صاحب کے فتاوی جات کو بھی پڑھ لیں کہ عالم دین کی توہین کرنے والوں پر کیا وہ فتوے لگاتے ہیں:

’’عالم دین کی توہین کھلے منافق کا کام ہے اور فقہ میں ان پر حکم کفر۔حضور اقدس سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ثلثة لا یستخف بحقهم الامنافق بین النفاق ذوالعلم وذوالشیبة فی الاسلام وامام مقسط۔تین آدمیوں کی بے ادبی وتوہین کرنے والا اعلانیہ منافق ہے: صاحب علم، مسلمان بوڑھا اور عادل حاکم۔مجمع الانہر میں ہے: الاستخفاف بالاشراف والعلماء کفر ومن قال للعالم عویلم او لعلوی علیوی قاصدابه الاستخفاف کفر سادات اور علمائے کی توہین کفر ہے، جس نے بے ادبی وگستاخی کی نیت سے کسی عالم کو عویلم (ادنی عالم) یا کسی علوی کو علیوی کہا اس نے کفر کیا‘‘۔

(فتاوی رضویہ، ج ۱۴،ص ۳۸۱،۳۸۲)

اب اس فتوے کی روشنی میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر کفر کے فتوے لگانے والے اور دن رات ان کی توہین کرنے والے بشمول احمد رضا خان صاحب کے بارے میں خود ہی فیصلہ کر لیا جائے کہ وہ کھلے ہوئے منافق اور بے ایمان تھے یا نہیں؟ ہم اگر کچھ عرض کریں گے تو شکایت ہوگی۔

نیز یہی حکیم صاحب اپنے ایک اور عالم مولانا نور احمد پسروری کے بارے لکھتے ہیں کہ جو ان سے بعض لوگ بیعت کرنے آتے تو حضرت تھانوی کی خدمت میں بھیجتے۔(ملخصا ص ۱۰۶)

(۴) مولانا خلیل خان برکاتی بریلوی

مولانا موصوف شاہ اولاد رسول محمد میاں مارہروی یعنی نواب صاحب کے پیرومرشد گھرانے سے بیعت تھے۔(انکشاف حقیقت،ص ۱۵) اسی طرح موصوف محدث کچھوچھوی کے بھی خلیفہ تھے۔

(ملاحظہ ہو: حیات فقیہ اعظم ہند، مکتبۃ المدینہ کراچی)

یعنی بقول نام نہاد مجاہد اہلسنت نواب صاحب بریلی اور مولانا خلیل خان برکاتی دونوں کا ’’جائے مخرج‘‘ ایک تھا۔مولانا خلیل برکاتی نے مولانا حشمت علی رضوی کے بیٹے مشاہد رضا خان مولوی امجد علی رضوی کے بیٹے ضیاء المصطفی رضوی سمیت اٹھارہ رضاخانی علماء سے علمائے دیوبند کی عدم تکفیر پر مناظرہ کیا(انکشاف حق،ص ۴۶) اور انہیں بری طرح علمی طور پر ذلیل ورسوا کیا۔اس تمام مناظرہ کی روئیداد کتاب میں موجود ہے۔انہوں نے یہ پوری کتاب بنام ’’انکشاف حق‘‘ حسام الحرمین کے جواب میں لکھی اور کمال کی لکھی ہے۔پوری کتاب پڑھنے کے لائق

ہے۔ہم صرف ایک دو اقتباس نقل کرتے ہیں:

''فقیر کا موقف بفضلہ تعالی بعد تحقیق صحیح کے اکابر علماء دیوبند یعنی مولوی اشرف علی صاحب مرحوم،مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم وغیرہ کے بارے میں یہ ہے کہ فقیر ان کو کافر ومرتد کہنے کے سخت خلاف ہے کیونکہ امر محقق یہی ہے پھر یوم قیامت کے ہولناک حالات کا اندیشہ اور اپنے دین وایمان کا تحفظ اور حساب کے دن کی سہولت اسی میں ہے احادیث صحیحہ میں فرمایا گیا ہے کہ اس نشان کی زد میں دو میں سے ضرور آئے گا یا وہ جس کو کہا گیا یا جس نے کہا''۔

(انکشاف حق:ص ۳۷،۳۸)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور اکابر دیوبند کی تکفیر کرنے والوں کو نہ تو یوم حساب کا کوئی اندیشہ ہے نہ اپنے دین و ایمان کے تحفظ کی کوئی پرواہ۔

اسی طرح حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات کی توضیح میں لکھتے ہیں کہ:

''ان تصریحات کے بعد کون مسلمان باانصاف یہ کہے گا کہ مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم کا یہ عقیدہ ہے کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آخری نبی نہیں اس کو تو وہ خود صاف صاف تصریح فرما رہے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جو آخری نبی نہ مانے وہ کافر ہے بلکہ اس میں تامل کرے وہ بھی کافر ہے''۔

(انکشاف حق:ص ۱۱۴،۱۱۵)

جامع مسجد بریلی کے امام ومدرس منظر الاسلام کے محدث

مولانا عبد العزیز کے مکان پر فیصلہ

''خود فقیر نے جامع مسجد بریلی کے امام ومدرس منظر الاسلام کے محدث فقیر کے بڑے بھائی مولانا عبد العزیز خان صاحب مرحوم کے مکان پر مولوی ظفر الدین صاحب موصوف کی زبان سے سنا تھا۔ چنانچہ فرمایا تھا کہ علماء دیوبند کی تکفیر صحیح نہیں ان کا یہ عقیدہ نہیں ہے ۔مجھ کو خوب تحقیق ہو چکی ہے کہ ان کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے چنانچہ بھائی صاحب مرحوم سے اس باب میں گفتگو ہوئی یہاں تک کہ بھائی صاحب خاموش ہو گئے اور مولانا موصوف نے بڑے شد ومد کے ساتھ یہی فرمایا کہ تکفیر کا مسئلہ چلے گا نہیں ان حضرات کا ہرگز یہ عقیدہ نہیں ہے جو ہمارا عقیدہ ہے وہی ان کا عقیدہ ہے''۔

(بحوالہ انکشاف حق ۔ص :150۔مقالہ نمبر 12 مصنفہ حضرت مولانا مفتی خلیل احمد خاں صاحب قادری برکاتی ثم البدایونی سرپرست مدرسہ ظفر العلوم بڑھ والی مسجد محلہ سوتھہ بدایوں یوپی باہتمام مولوی قاری فضیل الظفر خاں ناظم مدرسہ ظفر العلوم بڑھ والی مسجد سوتھہ بدایوں یو۔پی ۔اشاعت بار اول ۔جمادی الاولی 1404ھ مطبوعہ جمال پریس دہلی)

مولانا ظفر الدین صاحب بہاری نے اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کے مرید کے پیچھے نماز پڑھی

''بقول مولوی حبیب الرحمن صاحب کے مولانا ظفر الدین صاحب نے مولوی سہیل صاحب کی (جو مولوی اشرف علی صاحب ؒ کے مرید تھے)اقتداء میں نماز بھی ادا کی تھی''۔

(از انکشاف حق ـص :150 مقالہ نمبر 12)

مولانا خلیل خان برکاتی کی توثیق

رضاخانیوں نے اپنی عادت بد کے مطابق جان چھڑانے کیلئے یہ جھوٹ بولا کہ:

''مزید کرتب سازی دیکھئے کہ خلیل احمد خان دیو بندی کی کتاب انکشاف حق کو بھی سنّی کتاب کے طور پر پیش کیا''۔

(ہدیہ ریلویت پت ایک نظر ص ۳۸)

قارئین کرام! دراصل مرزا غلام احمد قادیانی اور نواب احمد رضا خان بریلوی کی ذہنی تربیت چونکہ فرنگیوں نے کی تھی اس لئے ان دونوں اور ان کے متبعین میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔جس طرح مرزائی پھنسنے پر اپنے بڑے سے بڑے مولوی کا انکار کرنے پر نہیں شرماتے یہی حال رضاخانیوں کا ہے،جب پھنسے تو مولوی خلیل خان برکاتی مارہروی کو ہمارے کھاتے میں ڈال دیا۔حالانکہ بقول حسن علی رضوی اس نے ابتدائی تعلیم منظر اسلام بریلی میں حاصل کی پھر خلیل محدث امروہی بریلوی کے پاس پڑھا پھر بدایوں میں انتہائی متعصب ومتشدّد بریلوی بن کر بدایوں میں نمودار ہوا بریلویوں میں اپنا اعتماد پیدا کیا یہاں تک کہ سیّد اولاد رسول محمد میاں مارہروی کا مرید ہوگیا۔(عجائب انکشاف ،ملخصاً ص ۵۰ مجلس اتحاد اسلامی کراچی)

اور مولوی غلام ناگپوری تو صاف لفظوں میں لکھتے ہیں:

''اہلسنت آپ کو مسلمانوں کا ایک بڑا قابل اعتماد۔۔۔دینی پیشوا سمجھتے رہے''۔

(عجائب انکشاف ص ۱۹)

مزید ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''آپ جیسے محقق عالم نے''۔(عجائب انکشاف ص ۵۸)

''آپ جیسا جید عالم جس نے خدمت سنّیت اور اشاعت مسلک حسام الحرمین کیلئے پوری فکر ونظر کے ساتھ زندگی گزاردی''۔

(عجائب انکشاف ص ۷۰)

بریلوی علما اسے اپنا ''جید، قابل اعتماد عالم' مانیں ،وہ عالم جس نے ساری زندگی بریلویت اور حسام الحرمین کی اشاعت کیلئے گزاردی۔ اب جب اس پر حق واضح ہوگیا تو اسے دیوبندیوں کے کھاتے میں ڈال دینا کہاں کا انصاف ہے؟

خود مولانا خلیل خان برکاتی بریلوی اپنا عقیدہ ونظریہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

''فقیر نہ وہابی ہے نہ دیوبندی، یہ بعض جہال کا پروپیگنڈا ہے جس میں دنیاوی ونفسانی اغراض پنہاں ہیں بفضلہ تعالیٰ فقیر کو وہابیت سے کوئی تعلق نہ کبھی رہا نہ کبھی ہے فقیر جملہ وہابیہ کو بدمذہب وگمراہ جانتا ہے نہ ان کی اقتدا میں نماز جائز جانتا ہے البتہ مسئلہ تکفیر کے بارے میں احتیاطاً کفِ لسان کو پسند کرتا ہے''۔

(عجائب انکشاف ص ۶۲)

بریلوی اشرف العلما مولوی اشرف سیالوی کہتا ہے:

''میں نے کہا اپنے اپنے عقیدہ کی تشریح کا حق متعلقہ فریق کو ہوتا ہے دوسرا فریق ان کے متعلق قطعاً یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ تمہارا عقیدہ ہے''۔

(تنویر الابصار،ص ۷)

پس جب برکاتی صاحب خود کہہ رہے ہیں کہ میں نہ وہابی ہوں نہ دیوبندی اور نہ وہابیوں کی اقتدا میں نماز کو جائز سمجھتا ہوں تو اب زبردستی انہیں دیوبندی بنانا پرلے درجے کی حماقت اور ہٹ دھرمی کے سوا اور کچھ نہیں۔

اور مولوی ناگپوری تو یہاں تک لکھتا ہے:

''ہمارا خیال ہے کہ آپ کے دل اندر سے بولتا ہے کہ اعلیٰ حضرت امام بریلوی۔کا مسلک ہی حق اور ناجی ہے''۔

(عجائب انکشاف،ص ۱۷)

یعنی اگر مولوی خلیل خان برکاتی دیوبندی بھی بن جائے تب بھی ہم اس کو دیوبندی نہیں مانتے کیونکہ اندر سے اب بھی وہ بریلوی ہی ہے اور بریلویت ہی کو حق سمجھتا ہے۔

قارئین کرام! ان مولانا خلیل خان برکاتی نے اس دور کے بڑے بڑے بریلوی علما سے مناظرہ کیا اور انہیں شکست فاش دی۔جس کی تفصیلی روئیداد خود مولانا برکاتی صاحب نے اپنی اس کتاب میں درج کی ہے۔اس مناظرہ کا عوام پر کیا اثر ہوا اور بریلوی کس طرح بھاگے؟ خود ایک بریلوی عالم کی زبانی ملاحظہ ہو:

''یوں بھی ہم نے لوگوں کی زبانی اپنے کانوں سے سنا ہے کہ حضرت مجاہد ملت مولانا حبیب الرحمن صاحب دامت برکاتہم القدسیہ حضرت مولانا مشاہد رضا خان صاحب حضرت مولانا اختر رضا خان صاحب آپ کے مقابلہ سے بھاگ گئے ہیں اور بعد میں یہ بھی سن لیا کہ مولانا شمس الدین صاحب اور مفتی رضوان الرحمن صاحب بھی پہلوتہی کر کے نکل گئے اور اب مولانا خلیل احمد صاحب کے مقابلہ پر کوئی نہیں''۔

(عجائب انکشاف،ص ۳۵،۳۶)

اور ابو کلیم صدیق فانی یہ اصول لکھتا ہے:

''آخر عام لوگوں میں جو شہرت ہوئی تو اس کی کوئی بنیاد ضرور ہے۔(ص ۶۳) مشہور محاورہ ہے زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو''۔

(انوار احناف،ص ۶۴)

پس جب لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ یہ مولوی مولانا خلیل خان برکاتی کے سامنے سے بھاگ گئے اور ان کا مقابلہ کرنے والا اب کوئی نہیں تو یقیناً خود آپ ہی کے اصول سے اس کی کوئی نہ کوئی بنیاد ضرور ہے۔اور یہ بات ایسے ہی لوگوں میں مشہور نہیں ہوگئی۔یہاں اس بات پر بھی غور کریں کہ جس آدمی سے مناظرہ کرنے کیلئے اتنے بڑے بڑے بریلوی علما حاضر ہو رہے ہیں اور بھاگ بھی رہے ہوں وہ کوئی معمولی بریلوی عالم ہوگا؟

(۵) سابق چیف جسٹس پیر کرم شاہ الازہری بریلوی

پیر کرم شاہ بریلوی جن کا شمار بریلوی اکابر میں ہوتا ہے۔مورخ بریلویت جناب مولانا عبدالحکیم شرف قادری نے انہیں ''تذکرہ اکابر

اہلسنت'' میں اپنے اکابر میں شمار کر کے ان کا ذکر کیا اور ان کیلئے ''پیر طریقت، رہبر شریعت'' کے لقب منتخب کئے۔ پیر صاحب کے متعلق مولانا امام دین بریلوی رضوی لکھتے ہیں:

''آپ نے اپنے محترم ومکرم زائر کو ایک اعزازی ایوارڈ سے نوازا' یاد رہے کہ یہ ایوارڈ از ہرشریف کے ان فارغین کو دیا جاتا ہے جن کا کارنامہ ملکی وغیر ملکی پیمانہ کا ہوتا ہے چنانچہ اس سے پہلے یہ ایوارڈ پاکستان کے نامور عالم پیر کرم شاہ ازہری کو دیا گیا تھا''۔
(ماہنامہ تحفظ اگست ۲۰۱۰)

اسی طرح نامور بریلوی عالم سید ریاض حسین شاہ نے ان پر ماہنامہ دلیل راہ لاہور نومبر ۲۰۱۱ میں ایک مضمون اس عنوان سے لکھا :''روحانی اور جمالیاتی راہوں میں قابل تقلید رہنما پیر محمد کرم شاہ الازہری''۔ پیر صاحب اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

''حضرت قاسم العلومؒ کی تصنیف لطیف مسمی بہ تحذیر الناس کو متعدد بار غور وتامل سے پڑھا اور ہر بار نیا لطف وسرور حاصل ہوا علماء حق کے نزدیک حقیقت محمدیہ علی صاحبہا الف الف صلاۃ وسلا ما متشابہات سے ہے اور اس کی صحیح معرفت انسانی حیطہ امکان سے خارج ہے لیکن جہاں تک فکر انسانی کا تعلق ہے حضرت مولانا قدس سرہ کی یہ نادر تحقیق کئی شپرہ چشموں کیلئے سرمہ بصیرت کا کام دے سکتی ہے''۔
(خط پیر کرم شاہ)

اس حوالے سے صراحتاً ثابت ہوا کہ اگر کوئی تعصب کی عینک اتار کر تحذیر الناس کو پڑھے تو اسے اس میں ختم نبوت کا انکار نہیں بلکہ حقیقت محمدیہ کی معرفت اور ہر بار پڑھنے پر ایک نیا سرور حاصل ہوگا۔ مگر افسوس کہ اس ''سرمہ بصیرت'' سے احمد رضا خان صاحب جیسے ''شپرہ چشم'' کام نہ لے سکے۔

گر نہ بیند بروز شپرۂ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

پیر صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

''یہ کہنا درست نہیں سمجھتا کہ مولانا نانوتوی عقیدہ ختم نبوت کے منکر تھے کیونکہ یہ اقتباسات بطور عبارۃ النص اور اشارۃ النص اس امر پر بلاشبہ دلالت کرتے ہیں کہ مولانا نانوتویؒ ختم نبوت زمانی کو ضروریات دین سے یقین کرتے تھے''۔
(تحذیر الناس میری نظر میں: ص ۵۸، ضیاء القرآن پبلیشرز)

بریلوی حضرات اپنے اصول کو سامنے رکھتے ہوئے جواب دیں کہ یہ تحریر کیا حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی حقانیت وصداقت کی بین دلیل نہیں؟ الحمد للہ پاکستان کے چیف جسٹس اور بریلوی مسلک کے پیر کرم شاہ ازہری کھل کر اس بات کا اعتراف کر رہے ہیں کہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ختم نبوت کے منکر نہیں۔ یعنی حسام الحرمین میں ان کو منکر ختم نبوت کہنے والے نے سراسر کذب بیانی، دجل وفریب سے کام لیا۔

بریلوی نباض قوم مولوی ابو داؤد صادق ان کے متعلق لکھتے ہیں:

''اہل سنت کو بھولے سے بھی یہ خیال نہیں تھا کہ پیر صاحب کا دیوبندی مودودی وہابی مکتبہ فکر سے بھی کوئی تعلق خاطر ہے۔ اور وہ مولوی مودودی، محمد قاسم نانوتوی، اشرف علی تھانوی اور دیوبندی شیخ الہند مولوی محمود سے بھی متاثر ہیں۔ اور انہیں بطور حجت وسند پیش کر سکتے ہیں''۔

(رضائے مصطفی،ص ۱۴ بابت رجب المرجب ۱۳۹۸)

حسام الحرمین اور نواب احمد رضا خان کی کتب میں دین اسلام کے سب سے بڑے دشمن معاذ اللہ حجۃ الاسلام بانی دارالعلوم دیوبند قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حکیم الامت مجدد دین وملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ٹھرایا گیا مگر بریلویوں کا پیر اور پاکستان کی عدالت کا سب سے بڑا جج ان دونوں اکابر سے متاثر ہے ۔کیا اب بھی بریلوی اصول کے مطابق حسام الحرمین کا بطلان اور نواب احمد رضا خان کا کذاب ہونا ثابت نہیں ہوا؟

نواب احمد رضا خان صاحب علمائے اہل سنت دیوبند کو اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن ختم نبوت کا منکر مانتے حسام الحرمین میں بھی یہی کچھ کہا مگر پیر کرم شاہ اس جھوٹ کو ردیوں کرتے ہیں:

''اس باہمی اور داخلی انتشار کا سب سے المناک پہلو اہل السنۃ والجماعت کا آپس کا اختلاف ہے جس نے انہیں دو گروہوں میں بانٹ دیا ہے. دین کے اصولی مسائل میں دونوں متفق ہیں. اللہ تعالی کی توحید ذاتی اور صفاتی، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم نبوت، قرآن کریم، قیامت اور دیگر ضروریات دین میں کلی موافقت ہے لیکن بسا اوقات طرز تحریر میں بے احتیاطی اور انداز تقریر میں بے اعتدالی کے باعث غلط فہمیاں پیدا ہوتی ہیں اور باہمی سوءظن ان غلط فہمیوں کو ایک بھیانک شکل دے دیتا ہے. اگر تقریر و تحریر میں احتیاط و اعتدال کا مسلک اختیار کیا جائے اور بدظنی کا قلع قمع کر دیا جائے تو اکثر و بیشتر مسائل میں اختلاف ختم ہو جائے اور اگر چند امور میں اختلاف باقی رہ بھی جائے تو اس کی نوعیت ایسی نہیں ہوگی کہ دونوں فریق عصر حاضر کے سارے تقاضوں سے چشم پوشی کیے آستینیں چڑھائے، لٹھ لیے ایک دوسرے کی تکفیر میں عمریں برباد کرتے رہیں''.

(تفسیر ضیاء القرآن، ج ۱،ص ۱۱)

کیا پیر صاحب نے توبہ کرلی تھی؟

بریلوی حضرات سے جب ان حوالوں کا کوئی جواب نہ بن پڑا تو اپنی عادت بد کے مطابق یہ جھوٹ گھڑلیا کہ پیر صاحب نے آخر وقت میں توبہ کرلی تھی ۔اس جھوٹ کے خلاف خود بریلوی میدان میں آئے اور ایک پوری کتاب ''تنقیدی جائزہ مع اہم فتاوی'' مطبوعہ انجمن فکر رضا پاکستان لکھ کر شایع کردی ۔جس میں بیسیوں بریلوی علماء کے اقوال وفتاوی کو شامل کیا گیا کہ پیر صاحب نے توبہ نہیں کی تھی اور آخر وقت تک اسی نظریہ پر قائم و دائم رہے ۔بلکہ صاف اور واضح الفاظ میں پیر صاحب کے متعلق لکھا:

''ہاں اس پہلو سے پیر صاحب لائق تحسین ہیں کہ انہوں نے اپنے ایک سابقہ خط میں یہ بات کھل کر کہی کہ مولانا قاسم نانوتوی ختم نبوت زمانی کے منکر نہیں اور ان پر تحذیر الناس کے حوالے سے انکار ختم نبوت کا الزام درست نہیں اب انہوں نے اپنے نئے رسالہ (تحذیر الناس میری نظر میں) میں بھی نہایت کھل کر مولانا احمد رضا خان کی تردید کی ہے ۔۔۔پیر کرم شاہ صاحب نے اب بھی اپنا فیصلہ مولانا احمد رضا خان کے خلاف دیا''۔

(تنقیدی جائزہ مع اہم فتاوی،ص ۲۷)

بریلوی حضرات جواب دیں کہ کھل کر خان صاحب کی تردید کرنا کیا ان کے اپنے ہی قائم کردہ اصول کی روشنی میں خان صاحب کو کذاب اور حسام الحرمین کو باطل ثابت نہیں کررہا؟ یہ اصول اب تمہارے گلے کی ایسی ہڈی بن چکا ہے جو کہ نہ اگلے بنے نہ نگلے میں دیکھتا

ہوں کہ اس دلدل سے تم لوگ کس طرح خود کو نکالتے ہو۔

یہ حوالہ بھی پڑھتے جائیں:

''لاہور کے ہی ایک معروف عالم مفتی ڈاکٹر محمود احمد ساقی صاحب نے پیر کرم شاہ کے مرنے سے چند ماہ قبل دربار مارکیٹ میں کھڑے ہو کر عرض کیا کہ پیر صاحب! یہ آپ نے کیا گند ڈال دیا ہے؟ (تحذیر الناس اور طلاق ثلاثہ پر وہابی موقف کی حمایت کا) تو پیر صاحب نے فرمایا میں نے گند ڈال دیا ہے آپ میرے مرنے کے بعد اسے صاف کر دینا''۔

(علمی محاسبہ،ص ۳۵۸)

(۶) سائیں توکل شاہ انبالوی

رضاخانی مفتی اعظم ہند مصطفی رضا خان کا خلیفہ اجل مولوی عبد الوہاب قادری لکھتا ہے کہ:

''جس زمانے میں مسئلہ امکان کذب پر آپ (رشید احمد گنگوہی) کے مخالفین نے شور مچایا اور تکفیر کا فتوی شائع کیا سائیں توکل شاہ انبالوی کی مجلس میں کسی مولوی نے امام ربانی (رشید احمد گنگوہی) کا ذکر کیا اور کہا کہ امکان کذب باری کے قائل ہیں یہ سن کر سائیں توکل شاہ نے گردن جھکالی اور تھوڑی دیر مراقب رہ کر منہ اوپر اٹھا کر اپنی پنجابی زبان میں یہ الفاظ فرمائے:

''لوگو تم کیا کہتے ہو میں مولانا رشید احمد صاحب کا قلم عرش کے ورے چلتا ہوا دیکھ رہا ہوں''۔

(تذکرۃ الرشید، جلد دوم،ص ۳۲۲)

نمبر ا۔سائیں توکل شاہ انبالوی ان پڑھ بے علم علمائے دیوبند کے پرستار فضلہ خوار ہیں''۔

(صاعقۃ الرضا علی اعداء المصطفی المعروف مطالعہ بریلویت کی جھلکیاں ڈاکٹر خالد محمود اپنے علم و حواس کے آئینے میں ۔ص:۱۷۲۔۱۷۳۔بزم اعلحضرت امام احمد رضا برانچ یو پی موڑ نارتھ کراچی)

نوٹ: الحمد للہ رضاخانی مولوی نے سائیں توکل شاہ انبالوی کی اس روایت کو درست تسلیم کرتے ہوئے اس بات کا اقرار کیا کہ سائیں توکل شاہ انبالوی علمائے دیوبند کے فضلہ خوار و پرستار تھے۔اب آئیے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ یہ سائیں توکل شاہ انبالوی کون تھا؟۔انبالوی صاحب بریلوی مولوی نور بخش توکلی کا پیر و مرشد تھا نور بخش توکلی نے اپنے اس پیر کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب؛

''تذکرہ مشائخ نقشبند۔ص ۴۸۱ تا ۶۹۲ مطبوعہ مشتاق بک کارنر لاہور''

پر کیا ہے۔پیرزادہ اقبال احمد فاروقی نور بخش توکلی کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ:

''انبالہ میں ان دنوں حضرت سائیں توکل شاہ انبالوی رحمۃ اللہ علیہ روحانیت کی تعلیم کا مرکز تھے مولانا نے حضرت شاہ صاحب کے دست حق پرست پر بیعت کی اور اس نسبت سے آپ توکلی کہلائے''۔

(تذکرہ علمائے اہلسنت و جماعت لاہور۔ص ۲۹۶۔مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور)

مورخ بریلویت عبد الحکیم شرف قادری نے نور بخش توکلی کو اپنے اکابر میں ذکر کر کے لکھا کہ:

''جن دنوں آپ محمڈن سکول انبالہ کے ہیڈ ماسٹر تھے حضرت خواجہ توکل شاہ رحمۃ اللہ تعالی (م ۱۳۱۵ھ/ ۱۸۹۷ء) کے دستِ اقدس پر بیعت ہوئے اور خلافت و اجازت سے سرفراز ہوئے''۔

(تذکرہ اکابر اہلسنت۔ص:۵۵۹ نوری کتب خانہ لاہور)

اب ایسا بزرگ کہہ رہا ہے کہ امکان کذب کے مسئلہ پر فقیہ العصر مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تکفیر نہ کرو کیونکہ یہ ایسے بزرگ ہیں کہ میں ان کا قلم عرش کے ورے چلتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اب ایسے بزرگ کی تکفیر کرنے والا وہ بھی ایک جھوٹے فتوے کی بنیاد پر بھلا اُس سے بڑا بد بخت آدمی کوئی اور ہوسکتا ہے؟

(۷) پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی

بریلوی جامع المعقول والمنقول مولانا عطاء محمد چشتی لکھتے ہیں:

''تکفیر کا فتوی حضورؒ کے مسلک کے خلاف ہے

لیکن یہ بات اعلی حضرت کی شان کے بالکل خلاف ہے کہ کسی مولوی کی تکفیر کا مشورہ دیں۔ مرزا قادیانی علیہ ما علیہ کے سوا اعلی حضرتؒ نے کسی کی تکفیر نہیں کی دیوبندیوں اور بریلویوں میں تکفیر تک اختلاف ہے۔ بعض دیوبندیوں نے آنحضرت ﷺ کی توہین کی (العیاذ باللہ) اور فاضل بریلوی قدس سرہ اور علماء حرمین شریفین نے ان گستاخ دیوبندیوں کی تکفیر کی لیکن سیدنا پیر مہر علی شاہ رضی اللہ تعالی عنہ اس پر خاموش رہے اور کسی کی تکفیر نہیں کی''۔

(سیف العطا ص ۱۱۴)

پیر نصیر الدین گولڑوی بھی لکھتے ہیں:

''حضرت پیر سید مہر علی شاہ قدس سرہ کسی کلمہ گو کو کافر یا مشرک کہنے کے حق میں نہیں تھے اور نہ کبھی آپ نے کسی دیوبندی کو کافر یا مشرک قرار دیا''۔

(راہ ورسم منزلہا، ص ۲۶۶)

جو بریلوی یہ جھوٹ کہتے ہیں کہ پیر مہر علی شاہ صاحب کے سامنے حسام الحرمین پیش ہی نہیں ہوئی وہ سیف العطا کی اس عبارت کو بار بار غور سے پڑھیں کہ حسام الحرمین پر پیر صاحب خاموش رہے اور کسی قسم کی تکفیر نہیں کی۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ حسام الحرمین میں علمائے دیوبند پر جو الزامات نواب احمد رضا خان صاحب نے لگائے ہیں وہ جھوٹ کا پلندہ ہیں۔

نیز اس تاویل کو اور گلو خلاصی کو کہ عقائد معلوم نہ تھے خود نواب احمد رضا خان صاحب بھی تسلیم نہیں کرتے چنانچہ ان سے سوال ہوا:

''جو اشخاص نہ عالم ہیں نہ دیوبند کے تعلیم یافتہ، ان سے بیعت وعقیدت رکھتے ہیں محض اپنی لاعلمی عقائد کی وجہ سے ان کو کافر نہیں سمجھتے اور ان کے عقائد بھی بالکل ایسے نہیں ہیں جن پر تکفیر لازم آتی ہے تو ان کے پیچھے نماز پڑھنی چاہیئے یا تنہا بہتر ہے''

اس کے جواب میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

''(۳) سائل صورت وہ فرض کرتا ہے جو واقع نہ ہوگی دیوبندیوں کے عقائد کفر طشت از بام ہو گئے منکر بننے والے اپنی جان چھڑانے کیلئے انکار کرتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں''۔

(فتاوی رضویہ، ج ۲۹، ص ۲۸۴)

یعنی جو یہ کہتا ہے کہ مجھے دیوبندیوں کے عقائد کا علم نہیں تو خان صاحب کہتے ہیں کہ یہ وہ صورت ہے جو واقع نہ ہوگی کیونکہ دیوبندیوں کے عقائد تو طشت از بام ہیں سب کو معلوم ہے یہ تو محض جان چھڑانے کا بہانہ ہے۔ لہذا بریلوی حضرات اس بہانے کو چھوڑ دیں کہ ہمارے فلاں

فلاں عالم کو چونکہ عقائد کا علم نہ تھا اس لئے تکفیر نہ کی۔

(۸) مولانا فیض رسول صاحب بریلوی اور ان کی ٹیم

بریلوی جامع المعقول والمنقول، حاوی الفروع والاصول، مناظر اسلام، محقق العصر حضرت علامہ عبد المجید سعیدی ان مولوی فیض رسول بریلوی کے متعلق لکھتے ہیں:

''عمدۃ المدرسین، فاضل جلیل، مفخر الاماثل، جناب علامہ فیض رسول صاحب سلمہ ربہ الوہاب تسلیمات مسنونہ وافرہ''۔

(روئیداد مناظرہ حسام الحرمین، ص ۹)

''استاذ العلماء۔۔۔بعد از تسلیمات مسنونہ وافرہ وادعیہ صالحہ کثیرہ''۔

(روئیداد مناظرہ حسام الحرمین، ص ۱۵)

''محترم المقام استاذ الفضلاء''

(روئیداد مناظرہ حسام الحرمین، ص ۱۷)

گویا کہ مولانا فیض رسول کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ خود محقق العصر صاحب کی نظر میں وہ صرف عمدۃ المدرسین، فاضل جلیل ہی نہیں بلکہ ''مفخر الاماثل'' یعنی ان کے ہم عصر جن کے وجود پر فخر کریں جیسی بھاری بھرکم شخصیت ہیں۔ایسی مستند اور صاحب علم شخصیت یعنی مولانا فیض رسول جب کسی مسئلہ پر تحقیق کریں گے یا کوئی رائے دیں گے تو ظاہر سی بات ہے کہ خوب غور وفکر کر کے اس کے بعد ہی کوئی فیصلہ صادر کریں گے۔اور خاص کر جب اس کا تعلق ہو بھی ایمان وکفر اور ناموس رسالت ﷺ کے مسئلہ سے۔اب دیکھیں یہ مستند ترین آدمی ''حسام الحرمین'' کے متعلق کیا نظریہ رکھتا ہے:

''امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی۔۔۔کی مشہور زمانہ اور مقبول عالم کتاب مستطاب ''حسام الحرمین'' شریف کے متعلق کئے گئے معروف مولانا فیض رسول صاحب کے واویلا کی کہانی''

(ٹائٹل پیج روئیداد مناظرہ حسام الحرمین)

گویا کہ ایسا مستند محقق عالم فاضل آدمی حسام الحرمین کو جھوٹ کا پلندہ سمجھ کر اس کے خلاف واویلا کر رہا ہے۔مولوی عبد المجید سعیدی صاحب مزید لکھتے ہیں:

''ہوا یہ کہ موصوف (فیض رسول صاحب) نے مرکز دعوت اسلامی کراچی میں اپنے دور تدریس حضور امام اہل سنت۔۔۔کے اہل تنقیص کے خلاف صادر فرمائے گئے عالم اسلام سے کامل تائید یافتہ (لعنۃ اللہ علی الکاذبین، ساجد)۔۔۔حسام الحرمین شریف سے انحراف کر کے اس کے خلاف علم بغاوت بلند کیا''۔

(روئیداد مناظرہ حسام الحرمین، ص ۶)

یعنی حسام الحرمین کو جھوٹ کا پلندہ قرار دیا اور نواب احمد رضا خان کو علمائے دیوبند کی تکفیر میں کذاب سمجھا۔اسی پر بس نہیں کی بلکہ موصوف جب جامعہ غوثیہ لودھراں گئے تو وہاں چھ سال تک اسی بات کا اعلان کرتے رہے درس گاہ میں درس دیتے رہے۔

(ملخصا روئیداد مناظرہ حسام الحرمین، ص ۷،۶)

گویا موصوف کا یہ صرف ذاتی نظریہ نہ تھا بلکہ اس دوران ان کے شاگرد اور ان سے پڑھنے والے بریلوی طلباء بھی ان کے ساتھ اس امر میں متفق ہو گئے تھے کہ حسام الحرمین غلط ہے اور تکفیر کے باب میں جناب نواب احمد رضا خان صاحب نے دھوکہ دہی سے کام لیا ہے۔

اب وہ بریلوی جو غیر مقلدین کی تائید پر پھولے نہیں سما رہے ہیں ہمیں جواب دیں کہ حسام الحرمین کی بطلانیت اور نواب احمد رضا خان صاحب کی کذابیت پر انہی کے اصول کی روشنی میں اس سے زیادہ واضح، روشن اور صریح ومبین دلیل کیا ہو سکتی ہے؟

لطیفہ: ایک طرف تو عبدالمجید سعیدی صاحب کو اس کا بھی اقرار ہے کہ مولانا فیض رسول صاحب حسام الحرمین کے باغی ہیں یعنی گستاخان رسالت مآب ﷺ کے حمایتی ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ فیض رسول صاحب کی بات مان لینے سے:

''سنیت بلکہ اسلام کی نفی ہوتی ہے''۔(روئیداد مناظرہ حسام الحرمین،ص ۳۳)

مگر دوسری طرف ان کو''سلام مسنون'' بھی کر رہے ہیں اور''ادعیہ کثیرہ'' بہت دعائیں بھی ان کے حق میں مانگ رہے ہیں اب جواب دیں کہ ایسے کافر، گستاخ رسول، اسلام کی نفی کرنے والے کو سلام مسنون کرنا اور اس کے حق میں خیر کثیر کی دعائیں مانگنے والا اور ان کو بڑے بڑے معزز القاب دینے والا کیا خود دائرہ اسلام سے خارج نہ ہوا؟ امید کرتا ہوں کہ سعیدی صاحب جلد سے جلد اس کا جواب فتاوی رضویہ کی روشنی میں مرحمت فرمائیں گے۔

(۹) علمائے رامپور

علامہ عبدالغفار خان صاحب رامپوری سے سوال ہوا:

''سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ بعض عالم لوگ جو لوگوں کی نظروں میں بڑے مقدس معلوم ہوتے ہیں ان کا عقیدہ یہ ہے کہ نعوذ باللہ خدا جھوٹ بول سکتا ہے ایسے عالم کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں اور ایسے عقیدے کے عالم کا فتوی دین میں قابل اعتبار ہے یا نہیں۔ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ امکان کذب باری تعالی مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ یہ بات ان کی قبول کرنے کے لائق ہے یا نہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب واللہ سبحانہ الموفق للصواب

ایسے عالم کے پیچھے نماز تو درست ہے لیکن احتیاطا اس کی اقتدا سے احتراز اولی ہے اس لئے کہ یہ عقیدہ چونکہ بتاویل ہے لہٰذا کفر صاحب عقیدہ میں تامل ہے پس بچنا اس کی اقتدا سے اولی ہوگا اور فتوی ایسے شخص کا بسبب اس عقیدہ کے بے اعتبار نہیں ہے اور یہ قول غلط ہے کہ امکان کذب باری تعالی مسلمانوں کا عقیدہ ہے

(فتاوی ارشادیہ،ص ۱۳۰،۱۳۱،اکبر بک سیلز لاہور)

اس استفتا کا جواب لکھنے والے مولانا ارشاد حسین رامپوری ہیں اور جواب کی تصحیح کرنے والے مولانا عبدالغفار خان صاحب ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس مجموعہ فتاوی کی تحریک اشاعت اسی صاحب نے کی جنہوں نے کتاب''اہل سنت کی حقانیت کا غیر مقلدین سے ثبوت'' لکھی۔ اب دلچسپ صورتحال ملاحظہ ہو کہ علامہ ارشاد حسین رامپوری اور علامہ عبدالغفار خان صاحب رامپوری دونوں نے اس عقیدے کہ:

(۱) اللہ تعالی جھوٹ بول سکتا ہے

(۲) اللہ کیلئے امکان کذب کا ثبوت

کا عقیدہ رکھنے والے کو نہ صرف مسلمان مانا بلکہ اس کی اقتدا میں نماز کو بھی درست کہا۔ اور اس کے صادر کئے گئے فتاوی کو بھی حجت مانا۔ صرف خلاف اولی لکھا مکروہ بھی نہیں۔ یعنی ان دونوں حضرات کے نزدیک ایسا عقیدہ رکھنے والا کافر تو درکنار فاسق بھی نہیں۔ اب ملاحظہ ہو کہ ''اہل سنت کی حقانیت کا غیر مقلدین سے ثبوت'' رسالہ لکھنے والے نے اپنے رسالے کے صفحہ ۶۱ تا ۶۶ پر چند غیر مقلد علماء کے حوالے دئے جنہوں نے مسئلہ امکان کذب کا رد کیا۔ ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ موصوف کا مقصد یہی ہے کہ ان علماء غیر مقلد کا اس مسئلہ کا رد کرنا گویا اعلی حضرت کی حقانیت کو تسلیم کرنا ہے۔ اب اسی اصول کو سامنے رکھ کر جواب دیں کہ رامپور کے ان دو علما کا اس مسئلہ میں حضرت فقیہ العصر مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا تکفیر نہ کرنا اور ان کے پیچھے نماز کو جائز کہنا کیا نواب احمد رضا خان کے جھوٹے ہونے کی دلیل نہیں؟

یاد رہے کہ نواب احمد رضا خان نے حسام الحرمین میں حضرت فقیہ العصر مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر بالفعل وقوع کذب باری تعالی کے جعلی فتوے کی بنیاد پر تکفیر کا فتوی داغا تھا۔ موصوف اس کے مقابلے میں غیر مقلد علما کے اقوال فقط امکان کذب کے رد میں لائے گویا موصوف کے نزدیک ''امکان کذب اور بالفعل خدا تعالی کا جھوٹ بولنا معاذ اللہ ایک ہی چیز ہے''۔ اب نواب احمد رضا خان تو فقیہ العصر مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ فتوی لگاتے ہیں:

ومنهم الوهابية الكذابيه اتباع رشيد احمد النكوهى تقول اولا على الحضرة الصمدية تبعا لشيخ اسماعيل الدهلوى عليه ما عليه بامكان الكذب وقد رددت عليه هذا بانه فى كتاب مستقل سميته سبحن السبوح عن عيب كذب مقبوح (الى قوله) ثم تمادى به الحال فى الظلم والضلال حتى صرح فى فتوى له (قد رايتها بخطه وخاتمه بعينى وقد طبعت مرارا فى بنبئى وغيرها مع ردّها) ان من يكذب الله تعالے بالفعل ويصرح انه سبحٰنه و تعالے قد كذب و صدرت منه هذه العظيمة فلا تنسبوه الى فسق فضلا عن ضلال فضلا عن كفر فان كثير من الائمة قد قالوا بقيله وانما قصارى امره انه مخطئ فى تأويله...اولئك الذين اصمهم الله تعالے و اعمىٰ ابصارهم ولا حول ولا قوة الا بالله العلى العظيم''۔ (ماخوذ: حسام الحرمین، ص ۱۲)

[ترجمہ] تیسرا فرقہ وہابیہ کذابیہ رشید احمد گنگوہی کے پیرو پہلے تو اس نے اپنے پیر طائفہ اسمٰعیل دہلوی کے اتباع سے اللہ عزوجل پر یہ افترا باندھا کہ اس کا جھوٹا ہونا بھی ممکن ہے اور میں نے اس کا یہ بیہودہ بکنا ایک مستقل کتاب میں رد کیا، جس کا نام ''سبحن السبوح عن عیب کذب مقبوح'' رکھا، پھر تو ظلم وگمراہی میں اس کا حال یہاں تک بڑھا کہ اپنے ایک فتوے میں (جو اس کا مہری دستخطی میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا جو بمبئی وغیرہ میں بارہا مع رد کے چھپا) صاف لکھ دیا کہ جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو بالفعل جھوٹا مانے اور تصریح کرے کہ معاذ اللہ، اللہ تعالیٰ جھوٹ بولا اور یہ بڑا عیب اس سے صادر ہو چکا تو کفر بالائے طاق، گمراہی درکنار، فاسق بھی نہ کہو، اس لیے کہ بہت سے امام ایسا کہہ چکے ہیں، اس نے کہا، بس نہایت کار یہ ہے کہ اس نے تاویل میں خطا کی، یہی وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بہرا کیا اور ان کی آنکھیں اندھیں کر دیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

(ماخوذ حسام الحرمین)

سبحان تیری شان! رامپوری علما نے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق یہی کہا کہ ہم ان کی تکفیر اس لئے نہیں کرتے کہ وہ اس عقیدے کو بتاویل کہتے ہیں اور نواب احمد رضا خان اسی بنیاد پر مولانا گنگوہی پر کفر کا فتوی لگا رہے ہیں۔ اور حسام الحرمین کے بارے میں تمام بریلوی علما کا اجماع ہے کہ من شك فى كفره و عذابه فقد كفر لہذا اس مسئلہ میں ان دو علمائے رامپور کی طرف سے حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

کی تکفیر نہ کرنا خود ان کے کفر کو مستلزم ہے ۔اور چونکہ موصوف ہی کی تحریک پر یہ فتوی شایع ہوا جس میں مولانا ارشاد حسین رامپوری کو ’’عمدۃ الفقہاء والمحدثین‘‘ کہا گیا لہذا خود نام نہاد مجاہد سنیت بھی حسام الحرمین کی تکفیر کے گھاٹ اتر گئے ۔الحمدللہ یہ ہوتی ہے حقانیت کہ جیسا ہی تمہارا ناپاک قلم ان علمائے ربانیین کے خلاف اٹھا تو اس ناپاک قلم کے ناپاک چھینٹوں سے تمہارا ہی دامن داغدار ہوا۔دراصل حسام الحرمین دنیا کی واحد ایسی منحوس ومردود کتاب ہے کہ اب تک جو بھی اس کے دفاع وتائید کیلئے اٹھا وہ اپنی ہی تکفیر کر کے لوٹا۔الحمدللہ اس ناپاک کتاب کی جھوٹی حقانیت ثابت کرنے والے اس کی حقانیت کو تو ثابت نہ کرسکے اور نہ ان شاء اللہ تاقیامت ثابت کرسکیں گے مگر اپنے لئے اپنے ہی اصولوں کی روشنی میں جہنم کا پروانہ ضرور حاصل کر بیٹھے اور کیوں نہ ہو کہ جب اللہ کا یہ اعلان ہے کہ میرے ولیوں سے دشمنی کرنے والا گویا مجھ سے دشمنی کرنے والا ہے۔

موصوف کہتے ہیں کہ فتوی وقوع کذب باری تعالی کے مدلل رد کیلئے الاستمداد، مفتی اعظم مصطفی رضا خان کی کشف ضلال دیوبند کا مطالعہ کرو۔ (ملخصا اہلسنت کی حقانیت کا ثبوت غیر مقلدین کے گھر سے،ص ۲۴،ادارہ تحفظ عقائد اہلسنت وجماعت پاکستان)

اب خان صاحب انہی کتب کے بارے میں لکھتے ہیں :

امکان کذب نہ ماننے والے کو کافر کہے ان سب پر ستر ستر اور زائد زائد وجوہ سے کفر لازم ہے ۔جس کی تفصیلیں بحن السبوح وکوکبۃ شہابیہ وکشف ضلال دیوبند شرح الاستمداد وغیرہا میں ہے اس کے پیچھے نماز باطل ہے اور جو پہلے پڑھیں ان کا پھیرنا فرض ہے اور نہ پھیرنا فسق۔

(فتاوی رضویہ ج۲۱ص ۲۸۴)

کشف ضلال اور الاستمداد میں ہے کہ امکان کذب والے کے پیچھے نماز باطل ہے مگر علمائے رامپور کے اس فتوے میں ہے کہ ایسے آدمی کے پیچھے نماز بالکل جائز ہے ۔جناب آپ کے اعلی حضرت کے کذاب ہونے پر اور کتنے حوالے کس کس انداز سے پیش کریں؟

احمد سعید کاظمی لکھتا ہے:

’’اہلِ سنت کہتے ہیں کہ کذب کے تحتِ قدرتِ باری تعالی ہونے سے بندوں کے جھوٹ کی تخلیق اور اس کے باقی رکھنے یا نہ رکھنے پر قدرتِ خداوندی کا ہونا مراد ہے یا یہ مقصد ہے کہ اللہ تعالی بذاتِ خود صفتِ کذب سے متصف ہوسکتا ہے ۔اگر پہلی شق مراد ہے تو اس میں آج تک کسی سنی نے اختلاف نہیں کیا۔ پھر یہ کہنا کہ امکانِ کذب کے مسئلہ میں شروع سے اختلاف رہا ہے،باطل محض اور جہالت وضلالت ہے اور اگر دوسری شق مراد ہو تو اس سے بڑھ کر شانِ الوہیت میں کیا گستاخی ہوسکتی ہے کہ معاذ اللہ !اللہ تعالی کے متصف بالکذب ہونے کو ممکن قرار دیا جائے ۔(۳) اہلِ سنت کے نزدیک ایسا عقیدہ کفرِ خالص ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنْھَا۔

(الحق المبین ص ۷۷ مکتبۃ المدینہ)

جناب یہ خالص کفر ہی آپ کے ان علماء کے نزدیک عین اسلام ہے اور ایسا عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے آپ کے یہ عمدۃ الفقہاء والمحدثین نماز کو بھی جائز سمجھتے ہیں۔

نواب احمد رضا خان صاحب فقیہ العصر مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر اسی وقوع کذب باری تعالی کا جھوٹا الزام لگا کر کہتے ہیں :

’’اور تحقیق یہ ہے کہ ان صریح جلی ملعون کفروں کے ایجاد میں دیوبندی پیش قدم ہیں اور ان کے تسلیم میں وہ اور غیر مقلد سب یکساں وہمدم ہیں کوئی وہابی ان لعین کفروں اور اللہ ورسول کو شدید غلیظ گالیوں پر دیوبندیوں کی تکفیر نہ کرے گا بلکہ اپنی چلتی ساتھ ہی

دے گا اور علمائے کرام دیوبندیوں کو فرما چکے۔ من شك فی كفره وعذابه فقد كفر جو ان کے کفر وعذاب میں شک کرے خود کافر ہے۔۔۔۔ ان غلام احمد القادیانی ورشید احمد ومن تبعه كخليل الانبيتهي واشرفعلی وغیرھم لاشبهة فی کفرھم بلامجال بل لاشبهة فی من شك بل فیمن توقف فی کفرھم بحال من الاحوال

غلام احمد قادیانی ورشید احمد اور جو اس کے پیرو ہوں جیسے خلیل احمد انبیٹھی اور اشرفعلی وغیرہ ان کے کفر میں کوئی شبہہ نہیں، نہ شک کی مجال، بلکہ جو ان کے کفر میں شک کرے بلکہ کسی طرح کسی حال میں انہیں کافر کہنے میں توقف کرے اس کے کفر میں شبہہ نہیں۔

(فتاوی رضویہ جدید، ج۲۹ص ۲۳۹تا۲۴۲)

جناب یہ دونوں علماء شک تو کیا صاف واضح لکھ رہے ہیں کہ ایسا عقیدہ رکھنے والا مسلمان ہے اس کے پیچھے نماز جائز ہے۔ تو اب ان دونوں کے کفر میں کیا شک ہو سکتا ہے؟۔ اب ذرا نواب احمد رضا خان صاحب کا یہ فتوی بھی ملاحظہ ہو:

''جسے یہ معلوم ہو کہ دیوبندیوں نے رسول اللہ ﷺ کی توہین کی ہے پھر ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہے اسے مسلمان نہ کہا جائے گا کہ پیچھے نماز پڑھنا اس کی ظاہر دلیل ہے کہ ان کو مسلمان سمجھا اور رسول اللہ ﷺ کی توہین کرنے والے کو مسلمان سمجھنا کفر ہے اسی لئے علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق دیوبندیوں کو کافر مرتد لکھا اور صاف فرمایا کہ:

من شك فی كفره وعذابه فقد كفر۔ جس نے ان کے کفر وعذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے''۔

(فتاوی رضویہ، ج ۱۴،ص ۳۷۶)

ان علماء رامپور کے سامنے وہ عقیدہ پیش کیا گیا جسے نواب صاحب نے کفر کہا مگر اس کے باوجود بھی انہوں نے نماز کو جائز لکھا۔ لہذا خان صاحب کے اس فتوے کی رو سے یہ دونوں علماء قطعا یقینا جزما کافر ہو گئے معاذ اللہ۔ کیونکہ وہ اس عقیدہ رکھنے والے کو مسلمان سمجھتے ہیں تبھی تو نماز کے جواز کا فتوی دے رہے ہیں۔ اور ان کی تائید وتوثیق کرنے، ان کو اپنا بڑا ماننے کی وجہ سے نام نہاد مجاہد اہلسنت بھی جہنم واصل ہوا۔

مزید ملاحظہ ہو۔ مولانا شاہ وجیہ الدین احمد خان رامپوری صاحب علماء رامپور کا مسلک ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''اکابر علماء دیوبند سے جو لغزشیں ہوئی ہیں ان پر حضرات علماء بریلی نے سخت تشدد اختیار کیا ہے اور لغزشوں کے کرنے والوں کو ہی فقط کافر نہیں کہا بلکہ ان کے کفر میں جو شک کرے اس کو بھی کافر کہا۔ میں پہلے بھی اس بات کا اظہار کر چکا ہوں کہ اس غلو آمیز عموم سے ہندوستان میں کوئی بھی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ میرے نزدیک یہ مبالغہ صحیح نہیں ہے۔

علماء رامپور کا مسلک

میرا مسلک تحریر کے اول حصہ سے ظاہر ہو چکا ہے میرا مسلک وہی ہے جو ارباب حق علما رامپور وغیرہ کا ہے کہ اکابر علماء دیوبند کے الفاظ ضرور کفریہ ہیں لیکن قائل جب اپنی نیت گستاخی کی نہیں بتاتا اور اپنے الفاظ کی تاویل کرتا ہے تو اس نے کفر کا اپنے ذمہ التزام نہیں کیا۔ لزوم کفر اور ہے التزام کفر اور شی ہے''۔

(مسلک ارباب حق،ص ۳۰۰،۳۰۱)

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

(۱) علما دیوبند کے بارے میں یہ کہنا کہ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اس سے ہندوستان کا کوئی بھی مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا۔یعنی گویا کہ سارے ہندوستانی علماء دیوبند کو مسلمان مانتے ہیں لہٰذا اگر یہ قاعدہ بنالیا جائے کہ ان کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہے تو سارے ہندوستانی مسلمانوں کی تکفیر کرنا پڑی گی۔

اب یہ بھی ملاحظہ فرمائیں کہ نواب احمد رضا خان نے علمائے دیوبند کے بارے میں یہی نظریہ اپنایا چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''جو خاص دیوبندی عقائد پر ہو وہ کافر ومرتد ہے، یوں ہی جو ان عقائد پر اپنا ہونا نہ بتائے مگر ان لوگوں کے عقائد کفریہ پر مطلع ہو کر ان کو اچھا جانے یا مسلمان ہی سمجھے جب بھی خود مسلمان نہیں، درمختار ومجمع الانہر وبزازیہ وغیرہا میں ہے:من شك فی کفرہ فقد کفر (جس نے اس کے کفر میں شک کیا وہ خود کافر ہوگیا)''۔(فتاوی رضویہ، ج ۶ ص ۱۴۵)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''دیوبندیوں کے کفر کا پانی ان کے سر سے گزر گیا ہے جس کا حال کتاب مستطاب حسام الحرمین شریف سے ظاہر ہے یہ لوگ اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو شدید گالیاں دے چکے اور ان پر اب تک قائم ہیں، ان علمائے حرمین شریفین نے بالاتفاق نام بنام ان سب کی تکفیر کی اور صاف فرمایا:من شك فی کفرہ وعذابہ فقد کفر جس نے ان کے کفر وعذاب میں شک کیا وہ بھی کافر ہے''۔

(فتاوی رضویہ، ج ۱۴، ص ۳۷۱)

ایک اور فتوی ملاحظہ ہو:

''طوائف مذکورین وہابیہ ونیچریہ وقادیانیہ وغیرہ مقلدین ودیوبندیہ وچکڑالویہ خذلہم اللہ تعالٰی اجمعین ان آیات کریمہ کے مصداق بالیقین اور قطعاً یقیناً کفار مرتدین ہیں، ان میں ایک آدھ اگرچہ کافر فقہی تھا اور صدہا کفر اس پر لازم تھے جیسے نمبر ۲ والا دہلوی مگر اب اتباع واذناب میں اصلاً کوئی ایسا نہیں جو قطعاً یقیناً اجماعا کافر کلامی نہ ہو ایسا کہ من شک فی کفرہ فقد کفر جو ان کے اقوال ملعونہ پر مطلع ہو کر ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے''۔

(فتاوی رضویہ، ج ۱۴، ص ۴۰۲)

پس علمائے رامپور کے نزدیک نواب صاحب نے یہ کہہ کر کہ جو ان علمائے دیوبند کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے گویا تمام مسلمانان ہند کی تکفیر کر دی۔اب ذرا نواب احمد رضا خان صاحب کا یہ فتوی بھی ملاحظہ ہو:

''جمہور ائمہ کرام فقہائے اعلام کا مذہب صحیح ومعتمد ومفتی بہ یہی ہے کہ جو کسی ایک مسلمان کو بھی کافر اعتقاد کرے خود کافر ہے''۔

(فتاوی رضویہ، ج ۱۱، ص ۳۷۹)

نیز فتوی دیتے ہیں:

''مسلمانوں کو کافر ومشرکین کہتے ہیں خود کافر ہیں تو ان پر لازم کہ نئے سرے سے کلمہ اسلام پڑھیں اور اپنی عورتوں سے نکاح جدید کریں''۔

(فتاوی رضویہ، ج ۲۹، ص ۵۶۶)

جب ایک مسلمان کو کافر کہنے والا بھی کافر تو جو سارے ہندوستان کے مسلمانوں کی تکفیر کرے وہ کتنا بڑا کافر ہوگا؟ اس کا فیصلہ تو اہل بدعت

حضرات ہی کریں گے البتہ ساتھ اس کی بھی وضاحت کریں کہ خان صاحب نے نئے سرے سے کلمہ پڑھ کر تجدید نکاح کیا تھا یا اسی طرح دنیا سے رخصت ہو گئے تھے؟

(۲) بہرحال بات بہت دور نکل گئی علمائے رامپور کے اس نظریہ سے دوسری بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ اگرچہ علمائے رامپور نے ان کلمات کو کفریہ مانا (جو ہرگز کفریہ نہ تھے) مگر جب علمائے دیوبند نے ان کی وضاحت کرلی اور ایسا معنی بیان کر دیا کہ جس سے دور دور تک کفر کا شائبہ نہیں نکلتا تو علمائے رامپور نے علمائے دیوبند کی اس تاویل کو قبول کرتے ہوئے تکفیر سے انکار کر دیا۔

یہی علماء رامپور اس بات کا کھلے بندوں اقرار کرتے ہیں کہ:

''دیوبندی تاویلوں کو ہندوستان کے علماء اہل سنت کی بہت بڑی اکثریت نے مانتے ہوئے انہیں کافر نہیں کہا''۔

(مسلک ارباب حق ص ۳۰۳)

کیوں جناب جی اگر چند متشدد غیر مقلد علمائے دیوبند کو معاذ اللہ کافر کہہ دیں تو یہ آپ کے اعلیٰ حضرت کی حقانیت و کرامت بن جائے تو ہندوستان کی بہت بڑی اکثریت نے جن علمائے اہل سنت دیوبند کو کافر نہیں کہا تو کیا یہ علمائے دیوبند کی کرامت اور خان صاحب بریلی کی کذابیت کی دلیل نہیں بنے گی؟

مسئلہ امکان کذب اور نواب احمد رضا خان کا کفر ایک اور انداز سے

بندہ اس مسئلہ پر تفصیل کے ساتھ دفاع اہل السنۃ والجماعۃ جلد اول میں کلام کر چکا ہے۔ مگر یہاں چونکہ فتاوی ارشادیہ کے ضمن میں اس کا ذکر دوبارہ آ گیا ہے لہذا ایک اور انداز سے بندہ اس پر کلام کرے گا جو اس سے پہلے ان شاء اللہ آپ کی نظر سے نہیں گزرا ہو گا۔

نواب احمد رضا خان صاحب اس مسئلہ امکان کذب کے متعلق لکھتے ہیں:

''لاجرم امکان کذب ماننے والا اپنے رب کو واقعی کاذب مانتا ہے اور اس کے کلام نفسی میں کذب موجود بالفعل جانتا ہے اور وہاں فعل و دوام و وجوب متلازم و بوجہ آخر اوضح واز ہر''۔

(فتاوی رضویہ، ج ۱۵، ص ۳۴۶)

اس عبارت میں نواب احمد رضا خان صاحب نے صاف اور واضح انداز میں اس بات کا اقرار کیا ہے کہ جو ''امکان کذب'' کا عقیدہ رکھتا ہے وہ بالفعل اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ جھوٹا مانتا ہے اور اپنے رب کو ''واقعی کاذب'' یعنی حقیقت اور نفس الامر میں معاذ اللہ جھوٹ بولنے والا سمجھتا ہے۔

اب اسی بنیاد پر نواب احمد رضا خان صاحب نے حسام الحرمین میں فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر فتوی لگایا تھا کہ انہوں نے بالفعل اللہ کو جھوٹا کہا اس لئے وہ کافر اور ایسے کافر جو ان کے کفر میں شک کرے ان کو کافر نہ کہے وہ بھی کافر۔ اب نواب احمد رضا خان صاحب کے ان فتاوی کو بھی ملاحظہ فرمالیں کہ جس میں وہ ''امکان کذب یعنی بالفعل اللہ کو جھوٹ بولنے'' والے کو کافر نہیں کہتا:

''اس امام وطائفہ پر صرف ایک مسئلہ امکان کذب میں اٹھتر ۷۸ وجہ سے لزوم کفر کا ثبوت دیا کفر سے کف لسان ہی کیا''۔

(فتاوی رضویہ، ج ۱۵، ص ۲۳۶ و ۲۵۶)

''مسئلہ امکان کذب کے باعث ان پر اٹھتر ۷۸ وجہ سے لزوم کفر ثابت کر کے سبحان السبوح میں بالآخر صفحہ ۸۰ طبع اول پر یہی لکھا کہ حاشاللہ حاشاللہ ہزار ہزار بار حاش للہ میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا، ان مقتدیوں یعنی مدعیان جدید کو تو ابھی تک مسلمان ہی

جانتا ہوں اگر چہ ان کی بدعت وضلالت میں شک نہیں اور امام الطائفہ (اسمعیل دہلوی) کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمیں ہمارے نبی نے اہل لاالہ الااللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے جب تک وجہ کفر، آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہوجائے اور حکم اسلام کے لئے اصلاً کوئی ضعیف ساضعیف محمل بھی باقی نہ رہے فان الاسلام یعلو ولا یعلی علیہ (اس لئے کہ اسلام غالب ہے مغلوب نہیں ہے"۔

(فتاوی رضویہ، ج ۳۰،ص ۳۵۴)

اب دیکھیں موصوف نے اپنے ان دونوں فتاوی میں اس بات کا صاف اور واضح اقرار کیا کہ "مسئلہ امکان کذب" کو وہ کفر نہیں سمجھتے اور ایسا عقیدہ رکھنے والے کو مسلمان سمجھتے ہیں۔مگر دوسری طرف یہی خان صاحب "مسئلہ امکان کذب" کو "بالفعل کذب کے وقوع" سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کو حسام الحرمین میں کفر کہہ چکے ہیں اور کفر نہ ماننے والے کو بھی کافر کہہ چکے ہیں۔اب:

(مسئلہ نمبر ۱) مسئلہ امکان کذب ماننے والے اپنے رب کو واقعی کاذب یعنی جھوٹ بولنے والا مانتا ہے۔(فتاوی رضویہ ،ج ۱۵،ص ۳۴۶)

(مسئلہ نمبر ۲) ایسا عقیدہ رکھنے والا یعنی اللہ تعالیٰ کو کاذب ماننے والا یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولتا ہے کفر کلامی ہے ایسے عقیدہ کو کفر نہ کہنے والا خود کافر ہوجاتا ہے اور ایسا پکا کافر کہ جو کافر نہ مانے وہ بھی کافر۔(حسام الحرمین اور دیگر کتب بریلویہ)

(مسئلہ نمبر ۳) نواب احمد رضا خان کے بقول اس عقید پر ۷۸ وجوہ سے کفر تو لازم آتا ہے مگر میں کافر نہیں کہتا بلکہ ایسا عقیدہ رکھنے والے کو مسلمان ہی مانتا ہوں۔

(فتاوی رضویہ، ج ۱۵،ص ۲۳۶و ۲۵۶)

(فتاوی رضویہ، ج ۳۰،ص ۳۵۴)

لہذا اب مسئلہ نمبر ۲ کے تحت خود نواب احمد رضا خان اپنے ہی فتوے کی روشنی میں ایسے کافر وجہنمی ہو گئے کہ جو اس سب کے بعد بھی ان کے عذاب اور کفر میں شک کرے وہ خود کافر ہے۔

بریلویو! اسے کہتے ہیں کرامت، یہ ہے علمائے ربانیین، پاکان امت، اولیاء امت حضرات علمائے دیوبند کی زندہ کرامت۔ہے کوئی رضاخانی جو اپنے اعلیٰ حضرت کو اپنے دیگر کفریات سمیت اس کفر کے دلدل سے نکالے؟

(۱۰) مولانا ظہور احمد بگوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا ظہور احمد بگوی رحمۃ اللہ علیہ نے مناظرہ سلانوالی جس میں حضرت مولانا منظور نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں مولوی حشمت علی رضوی کو علم غیب کے موضوع پر شرمناک شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا پر" محاکمہ" کے عنوان سے اپنے رسالہ" ماہنامہ شمس الاسلام" میں لکھتے ہیں:

"میں اپنے عقیدہ کے متعلق اعلان کردینا چاہتا ہوں کہ سید المحدثین حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اس مسئلہ میں ہمنوا ہوں۔ علمائے بریلی یا علمائے دیوبند میں سے کسی کی تکفیر کرنے والے کو برا سمجھتا ہوں۔جن مسائل پر یہ حضرات باہم دست وگریبان رہتے ہیں وہ علمی مسائل ہیں عوام کو ایسی موشگافیوں کی قطعاً ضرورت نہیں۔آئیندہ کیلئے شمس الاسلام میں ایسے مسائل پر کوئی تحریر شائع نہ ہوگی جن فرقوں کے کفر پر امت محمدیہ کا اجماع ہے ان کی تردید ہمارے لئے مقدم ہے"۔

(ماہنامہ شمس الاسلام بھیرہ جولائی ۱۹۳۷ بحوالہ فوز المقال فی خلفاء پیر سیال، ج ۴،ص ۵۴۰)

مولانا موصوف علمائے دیوبند کی تکفیر کرنے والے یعنی نواب احمد رضا خان اور ان کے اذناب کو برا سمجھتے ہیں۔

(۱۱) مولانا سید محمد حسین بدایونی

بریلوی محقق ڈاکٹر خوشتر نورانی نے حال ہی میں ان کی ایک کتاب ''مظہر العلماء فی تراجم العلماء والکملاء''بنام ''تذکرہ علمائے ہندوستان'' شائع کی۔نورانی صاحب مصنف کے بارے میں لکھتے ہیں:

''مولانا سید محمد حسین اپنے دور کے باصلاحیت عالم دین،علم نجوم فلکیات کے ماہر،تاریخ گو اور درجنوں کتابوں کے مصنف تھے''۔

(مظہر العلماء،ص ۵۵)

سجان میاں پیلی بھیتی کے خلیفہ حضرت احمد علی شاہ کے مرید و خلیفہ ہوئے اور ان کی وفات کے بعد مولانا ابو القدر بقا حسین نظامی فخری کے خلیفہ ہوئے۔صرف ایک واسطے سے نواب احمد رضا خان کے پیر و مرشد شاہ آل رسول کے شاگرد تھے''۔(ماخوذ مظہر العلماء،ص ۵۸ تا ۶۰)

گویا مجاہد سنیت کی زبانی نواب احمد رضا خان صاحب اور مولانا موصوف دونوں ''ہم مخرج'' تھے۔اس کتاب کی استنادی حیثیت کے بارے میں نورانی صاحب لکھتے ہیں:

''اٹھارویں اور انیسویں صدی کے مشاہیر کا ایسا ہی ایک قدیم اور مستند تذکرہ مظہر العلماء فی تراجم العلماء والکملاء کی بازیافت ہوئی''۔

(کتاب مذکور،ص ۶۸)

مزید لکھتے ہیں:

''مظہر العلماء کے یہ تمام حوالے،تعارف،تذکرے اس کی استنادی حیثیت کو مستحکم کرتے ہیں''۔

(کتاب مذکور،ص ۷۹)

اس کتاب کی رسم اجراء خانقاہ عالیہ قادریہ بدایوں کے سجادہ نشین شیخ عبد الحمید محمد سالم القادری بدایونی نے کی۔یاد رہے کہ کتاب کا مخطوطہ بھی بدایوں کے کتب خانے سے حاصل ہوا۔کتاب کے مصنف مولانا حسین بدایونی بنیادی طور پر اہل بدعت کے مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور اپنی کتاب کے ص ۹۷ پر نواب احمد رضا خان کا تذکرہ بڑی آب و تاب سے کیا۔ان کے دوسرے سفرحج کا ذکر بھی کیا جس میں علمائے دیوبند پر کفر کے فتوے دھوکا دہی سے حاصل کئے گئے۔نیز ان کی کتب میں فتاوی رضویہ اور سبحان السبوح کا تذکرہ بھی کیا جو خاص علمائے دیوبند کے خلاف ہیں۔اور ان کے تذکرے کے آخر میں لکھتے ہیں:

''ردتفضیلیہ وشیعیہ و نیچریہ و وہابیہ واحمدیہ مرزائیہ آریہ وعیسائی و نیز دیگر مباحثے و مناظرے میں کتابیں بہت لکھی ہیں''۔

(مظہر العلماء،ص ۱۰۰)

یہ ساری تفصیل اس بات کی بین دلیل ہے کہ مولانا موصوف دیوبندی بریلوی اختلاف سے اچھی طرح واقف تھے۔لیکن اس کے باوجود جب جب علمائے دیوبند کا تذکرہ کیا تو ان کے کمالات تعریف و توصیف میں خوب انصاف سے کام لیا۔جو اس بات کی بین دلیل ہے کہ مولانا موصوف بھی نواب احمد رضا خان کے تکفیری فتنے سے بالکل بھی متفق نہ تھے اور علمائے دیوبند کے علمی کارناموں اور دین اسلام کی خدمات کے کھلے دل سے معترف تھے۔بحیثیت ایک مورخ ہونے کے چونکہ وہ علمائے دیوبند کے حالات کو خود ملاحظہ کر چکے تھے اس لئے حقائق کی دنیا میں جھوٹ

کے پلندے حسام الحرمین پر ان کا دل مطمئن نہ ہوا۔ مولانا موصوف علمائے دیوبند کی تعریف میں کس طرح رطب اللسان ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

حجۃ الاسلام بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا محمّد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

[۱۸۳۳ء-۱۸۸۸ء]

مولانا محمّد قاسم نانوتوی ابن شیخ اسد علی ابن غلام شاہ ابن محمّد بخش ابن علاء الدین ابن محمّد فتح ابن محمّد ابن مفتی محمّد ابن محمّد عبدالسمیع ابن مولوی ہاشم نانوتوی (شوال ۱۲۴۸ھ، مارچ ۱۸۳۳ء) میں پیدا ہوئے۔ تاریخی نام "خورشید حسین" ہے، علّامۂ عصر، فہامۂ دہر، فاضل متبحّر، مباحث ومناظر، خوش تقریر، محرّر بے نظیر، معقولات کے شیدائی تھے۔ عہدِ طفلی سے ہی ذہین وفطین، طباع، بلند ہمّت، وسیع حوصلہ، جفاکش اور جری تھے، خوشنویسی کا بچپن سے ہی شوق تھا، تحریرِ نظم کا حوصلہ بڑھا ہوا تھا، اپنے کھیل کی باتیں اور اکثر قصّے نظم میں لکھتے اور چھوٹے چھوٹے رسالے نقل کرتے۔ مولوی شیخ نہال احمد نے عربی شروع کرائی، سہارنپور اپنے نانا کے پاس چلے گئے اور وہاں مولوی محمّد نواز سے عربی فارسی کی کتابیں پڑھیں۔ ۱۲۶۱ھ (۱۸۴۵ء) میں بمقام دہلی جناب مولانا مولوی مملوک علی سے شرفِ تلمّذ حاصل کیا۔ مولانا شاہ عبدالغنی محدّث دہلوی سے حدیث شریف پڑھ کر سند حاصل کی۔ بعد تحصیل وتکمیلِ علوم کے مولانا حاجی شاہ امداد اللہ کے مرید وخلیفہ ہو کر فیوضِ ظاہری و باطنی سے بہرہ اندوز ہوئے۔ شاہ صاحب اکثر فرمایا کرتے تھے کہ محمّد قاسم کو خداوند عالم نے میری زبان بنایا تھا، جیسے مولانا جلال الدین رومی کو حضرت شمس تبریز قدس سرّہٗ کی زبان بنایا تھا۔ چنانچہ کتاب "ضیاء القلوب" میں (تحت وصایا) ارشاد فرماتے ہیں:

"ہرکس کہ ازیں فقیر محبّت وعقیدت وارادت دارد مولوی رشید احمد ومولوی محمّد قاسم را کہ جامع جمیع کمالات علومِ ظاہری و باطنی اند بجائے من فقیر بلکہ بمدارج فوق ازمن شمارند اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس شد کہ اوشان بجائے من ومن بمقام اوشان شدم وصحبت اوشاں راغنیمت دانند کہ ایں چنیں کساں دریں زمان نایاب اند واز خدمت ایشاں فیض یاب بودہ باشند۔

اوّل آپ گورنمنٹ کالج دہلی میں عربی مدرّس ہوئے، پھر مطبع احمدی دہلی میں تصحیح وتحشی کتب پر مامور ہوئے۔ جب ۱۲۷۷ھ (۶۱-۱۸۶۰ء) میں حج بیت اللہ کا ارادہ کیا تو وہیں خاندان چشتیہ صابریہ میں حاجی (امداد اللہ مہاجر مکّی) صاحب سے بیعت کی۔ ۱۲۸۵ھ (۶۹-۱۸۶۸ء) میں دوبارہ حج کیا۔ ازاں بعد دہلی میں رہ کر تدریس وتشہیر علومِ دینیات ومعقولات میں مشغول ہوئے۔ آپ کے پاس جس علم کا طالبِ علم آیا اُس کو بے تکلّف سبق پڑھایا اور عجیب وغریب نکات ورموز علمی سمجھائے۔ آپ سے پادری تاراچند کا جو مشہور مباحثہ ہوا اُس میں مخالف کو ساکت کیا۔ ۱۲۹۲ھ (۱۸۷۶ء) میں بمقام چاند پور، ضلع شاہجہاں پور ایک میلہ بنام "خداشناسی" قائم ہوا اور اُس میں جملہ مذاہب کے عالم جمع ہوئے تھے، مولانا صاحب نے ابطالِ شرک وتثلیث واثباتِ توحید کو اس خوبی سے بیان کیا کہ حاضرین بدرجۂ کمال محظوظ ومسرور اور مستفید ومستفیض ہوئے۔ پادری اسکاٹ صاحب، پادری نولس صاحب اور پنڈت دیانند سرسوتی وعلمائے حاضرین جلسہ نے تعظیم وتکریم جیسی کہ چاہیئے کی۔ ۱۲۹۴ھ (۱۸۷۷ء) میں پھر پنڈت دیانند سرسوتی سے وجودِ باریٔ تعالیٰ اور توحید کے بارے میں بحث ہوئی، پنڈت جی لاجواب ہوگئے۔ ایک دفعہ پنڈت صاحب نے استقبالِ قبلہ پر اعتراض کیا، جب آپ حج بیت اللہ سے واپس تشریف لائے تو یہ

ماجرا سنا، معاً رسالہ "قبلہ نما" لکھا، جس کو دیکھ کر مخالف ساکت ہوئے۔ غرض فن مناظرہ میں معروف و مشہور ہوئے۔ ایک مرتبہ پادری صاحب سے تحریفِ اناجیل میں گفتگو ہوئی، پادری صاحب رات میں ہی چلتے بنے۔ آپ کے اشہر تلامذہ میں سے مولوی محمود حسن، مولوی فخر الحسن گنگوہی اور مولوی احمد حسن امروہوی ہیں۔ یوم پنج شنبہ وقت ظہر چہارم شہر جمادی الاولی ۱۲۹۷ھ (۱۵/اپریل ۱۸۸۰ء) میں بعارضۂ ذات الجنب و دق وفات پائی۔

تصنیفات رائقہ (حسب ذیل ہیں):

الدلیل المحکم علی قراءۃ الفاتحۃ للمؤتم (اس کتاب میں موافق آیات واحادیث کے قراءت فاتحۃ الکتاب خلف الامام کا عدم جواز ثابت کیا ہے اور جن احادیث کو مانعین عدمِ جواز پیش کرتے ہیں، اُن کی آپ نے تطبیق کی ہے)۔ اجوبہ اربعین (کامل دو جلد، مطبوعہ در ردّ اہلِ تشیّع)، آبِ حیات، انتباہ المومنین، انتصار الاسلام، قبلہ نما (بحالتِ بیماری پنڈت دیانند سرسوتی کے اعتراض استقبالِ قبلہ کا جواب لکھا)، تحذیر الناس عن انکار اثر ابن عباس (چھ نبیوں کا چھ طبقاتِ ارض میں مثیل ہونا)، تصفیۃ العقائد (جواب نامہ سرسیّد احمد خان) توثیق الکلام، جمالِ قاسمی (یعنی مکتوبات جواب خط سرسیّد احمد خان) حجۃ الاسلام، حق الصریح فی اثبات التراویح، رسالہ تحفہ لحمیہ، فیوض قاسمی، قصائد قاسمی، قبلہ نما، میلہ خداشناسی، مباحثۂ شاہجہاں پور، مصباح التراویح (اس رسالہ میں عقلاً و نقلاً بیس رکعت تراویح کا پڑھنا ثابت کیا ہے)۔
(مظہر العلماء، ص ۳۵۶ تا ۳۵۸)



اللہ اکبر! ایسے جلیل القدر، صاحب علم عالم کو آج بد بخت لوگ معاذ اللہ دین کا سب سے بڑا دشمن کہتے ہیں۔ جس عالم ربانی نے عیسائیوں کے سامنے، ہندوؤں کے سامنے نبی کریم ﷺ کی نبوت کی حقانیت اور دین اسلام کی حقانیت کو ایسا ثابت کیا ہو کہ مخالف بھی عش عش کر کے اس کا ذکر اپنی کتابوں میں کر رہے ہیں۔ آج کچھ بد باطن و سیاہ دل کہتے ہیں کہ وہ عیسائیوں، یہودیوں سے بڑھ کر اسلام کا دشمن تھا۔ الحساب۔۔ یوم الحساب۔ یہ بھونڈی تاویل بھی یہاں نہیں چل سکتی کہ ان صاحب کو عقاید کا علم نہ تھا جس آدمی کو حضرت کے بچپن سے لیکر جوانی اور پھر مرض الوفات تک اتنے تفصیلی حالات و کمالات کا علم ہو جس کو وہ بیان کر رہا ہے اس کے بارے میں کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ ان کے عقائد کا علم نہ تھا؟ ثانیاً حضرت کی تصانیف میں واضح طور پر انہوں نے تحذیر الناس اور اس کے موضوع کو بیان کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس قضیہ سے بخوبی آگاہ تھے مگر تکفیر کے باب میں وہ نواب احمد رضا خان سے متفق نہ تھے۔

یہی مورخ فقیہ العصر سیدنا و مرشدنا حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب مرحوم و مغفور کے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمالیں:

فقیہ العصر حضرت رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

''مولوی، عالم، فاضل، استاذ الاساتذہ، رشید احمد محدث حنفی گنگوہی کے فضل و کمالات کا عام طور پر تمام میں شہرہ ہے۔ اکثر علما کو آپ کی شاگردی کا فخر ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے مرید ہیں۔ حضرت حاجی صاحب کو آپ سے دلی محبت ہے۔ احیا و اتباع سنت نبویہ ﷺ اور اجتناب عن البدعۃ کا آپ کو بڑا اہتمام ہے، بہت سی کتابیں آپ کی تصانیف سے ہیں۔ جن سے لوگ فیض و

فائدہ اٹھارہے ہیں ۔اکثر علمائے حنفیہ فتاوی رشیدیہ کے مسائل اختلافیہ میں لغزش بتاتے ہیں‘‘۔

(مظہر العلماء ص ۱۶۷)

بریلوی حضرات جواب دیں کہ ایسے اوصاف کے حامل جید عالم دین کو کافر کہنے والے کا کیا حکم ہے؟ یہ بہانہ بالکل بھی نہیں چلے گا کہ موصوف کو مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے عقائد کا علم نہ تھا آخری سطر کہ: ’’فتاوی رشیدیہ کے مسائل اختلافیہ میں علمائے احناف لغزش بتاتے ہیں‘‘ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ ان کو ان تمام اختلافات کا بخوبی علم تھا مگر ان کے فضل وکمال کو دیکھ کر وہ تکفیر کے بالکل قائل نہ تھے بلکہ زیادہ سے زیادہ ان مسائل کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی لغزش پر محمول کر رہے ہیں ۔کیا اب بھی اپنے ہی قائم کردہ اصول کے تحت آپ اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے کہ نواب احمد رضا خان صاحب تکفیر کے مسئلہ میں باطل نظریہ پر تھے؟ ۔

(۱۲) پیر سیف الرحمن اور ان کی جماعت سیفیہ

پیر سیف الرحمن اور ان کی جماعت سیفیہ اہل بدعت میں ایک بڑا طبقہ سمجھا جاتا ہے ۔اس جماعت کے بانی پیر سیف الرحمن بھی حسام الحرمین کی تائید نہ کرتے تھے اور علمائے دیوبند کی تکفیر سے گریز کرتے چنانچہ بریلوی نباض قوم مولوی ابو داؤد صادق ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’پیر صاحب سے گزارش ہے کہ وہ دیوبندیوں کا وہابی وگستاخ ہونا اپنے قلم سے لکھ کر شائع کریں اور ’’حسام الحرمین‘‘ ملاحظہ فرما کر اس کی تائید کا اعلان کریں مگر برعکس اس کے ہدایۃ السالکین اور دیگر سیفی لٹریچر میں دیوبندی علماء سے اظہار عقیدت اور ان کی تعریف وستائش کی گئی ہے جس کے باعث پیر صاحب کی شخصیت مشکوک ومتنازعہ ہوگئی ہے‘‘۔

(خطرہ کا سائرن،ص ۳۸)

مزید لکھتے ہیں:

’’پیر صاحب (سیفیوں کے پیرومرشد پیر سیف الرحمن سیفی از ناقل) نے دیوبندی مولوی انور شاہ کشمیری کو ہدایۃ السالکین ص ۹۵ میں ’’علامہ انور شاہ کشمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ‘‘ لکھا جبکہ ان کے خلیفہ خاص مولوی ضیاء اللہ سیفی دیوبندی نے ان کے حسب الارشاد کتاب ’’سیف الرجال‘‘ میں کشمیری صاحب کو امام العصر اور الشیخ الکبیر رحمۃ اللہ علیہ قرار دیا۔ ۔میزائل سیفی صفحہ ۴۸ میں پیر صاحب کے خلیفہ مولوی احمد علی شاہ نے اور فرضیت سلوک میں خواجہ محمد سیفی نے دیوبندی مولوی اشرف علی تھانوی کو حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ لکھا‘‘۔

(خطرہ کا سائرن۔ص: ۱۳۔ ۱۴۔ادارہ رضائے مصطفی چوک دارالسلام گجرانوالہ)

(۱۳) بریلوی مفتی اعظم ہند مفتی مظہر اللہ دہلوی

موصوف ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد کے والد تھے ۔مفتی صاحب علمائے دیوبند کے بارے میں کیا رائے رکھتے ملاحظہ ہو۔ان سے سوال ہوا:

مولوی اسمٰعیل دہلوی،مولانا محمد قاسم نانوتوی (بانی مدرسہ دیوبند) مولوی اشرف علی تھانوی مولوی رشید احمد گنگوہی مولوی خلیل احمد انبیٹھوی وغیرہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس میں جو گستاخانہ عبارتیں لکھی ہیں ان کی وجہ سے ان پر کفر کا حکم لگایا جائے یا نہیں؟

الجواب

''اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں سے جو بعض اقوال صادر ہوئے وہ یقیناً کفر ہیں لیکن اب جبکہ یہ لوگ انتقال کر گئے اور یہ معلوم نہیں کہ توبہ کی یا نہ کی اور ان کی عاقبت کیسی ہوئی ہے اس لئے میرے نزدیک ان کے حق میں سکوت بہتر ہے البتہ جو شخص ان عبارتوں کا قائل ہو یقیناً کافر ہے''۔

(فتاوی مظہریہ،ص ۳۷۴)

موصوف کہتے ہیں کہ چونکہ ہمیں معلوم نہیں کہ ان حضرات نے توبہ کی یا نہیں اس لئے ہم کافر نہیں کہتے بلکہ سکوت بہتر ہے۔مگر دوسری طرف نواب احمد رضا خان کا فتوی ہے کہ:

''یعنی ہم ہر اس شخص کو کافر کہتے ہیں جو کافر کو کافر نہ کہے یا اسکی تکفیر میں توقف کرے یا شک رکھے''۔

(فتاوی رضویہ،ج ۱۵،ص ۵۹۰)

نواب صاحب تو توقف کرنے والے کو بھی کافر کہہ رہے ہیں تو کفر سے سکوت کرنے والے کے کفر کا کیا حال ہوگا؟ یہی مفتی صاحب اس بات کو بھی تسلیم کرتے ہیں کہ:

''لیکن قسام ازل نے اسے سمجھ ہی ایسی عطا فرمائی ہے کہ اس کی سمجھ ہی میں کسی عبارت کے ایسے ظاہری معنی نہیں آتے جو موجب کفر ہیں بلکہ ایسے معنی سمجھ آتے ہیں جو موجب کفر نہیں تو ایسے شخص کی دیانۃً تکفیر نہیں کی جائے گی''۔

(فتاوی مظہریہ،ص ۳۷۵)

یعنی علمائے دیوبند کی عبارات کا کوئی ایسا معنی کردے کہ وہ موجب کفر نہیں تو ایسے شخص کی دیانۃً تکفیر نہیں کی جائے گی حالانکہ نواب صاحب کا نظریہ یہ تھا کہ علمائے دیوبند کی عبارات میں کسی قسم کی تاویل نہیں چل سکتی انہیں ہر حال میں کفریہ معنی پر محمول کرنا لازم ہے اور جو اس میں ادنی تاویل کرے وہ بھی کافر ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ مفتی صاحب کی جو سوانح ''تذکرہ مظہر مسعود'' شایع ہوئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اور بانی تبلیغی جماعت حضرت مولانا الیاس صاحب کے ساتھ ان کے انتہائی قریبی بلکہ دوستانہ مراسم تھے۔اور یہ کس کو معلوم نہیں کہ یہ دونوں صاحبان علمائے دیوبند کے سرخیل ہیں۔ایسے لوگوں سے مراسم رکھنا اس بات کی دلیل ہے کہ مفتی مظہر اللہ دہلوی صاحب علمائے دیوبند کی تکفیر کے قائل نہ تھے۔اس پر مستزاد یہ کہ مفتی صاحب کے بیٹے پروفیسر مسعود صاحب بھی ان علمائے دیوبند کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔چند حوالے ملاحظہ ہوں:

''ایک بار حضرت مفتی حضرت مفتی مظہر اللہ مفتی کفایت اللہ مرحوم کے گھر تشریف لے گئے۔مفتی صاحبؒ موصوف چارپائی بن رہے تھے۔جلدی سے چارپائی پر چادر وغیرہ ڈال دی اور حضرت کو اندر بلالیا۔تھوڑی ہی دیر میں حضرت نے اندازہ لگایا اور مفتی صاحبؒ سے فرمایا۔آئیے جو کام باقی رہ گیا ہے وہ بھی پورا کرلیں اور باتیں بھی کرتے جایں۔مفتی صاحب مرحومؒ نے کچھ تکلف کیا پھر تعجب سے پوچھا۔کیا چارپائی بننا آپ کو بھی آتا ہے؟ پھر دونوں حضرات مل کر بننے لگے حضرت نے ایک خوب صورت ڈیزائن ڈال دیا۔مفتی کفایت اللہ صاحبؒ حیران رہ گئے''۔

(بحوالہ تذکرہ مظہر مسعود۔ص:184)

''مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم کا شمار ہندوستان کے مشہور علماء وفقہاء میں ہوتا تھا۔موصوف دیوبندی مسلکِ فکر سے تعلق رکھتے تھے مگر

تشدد و تعصب سے کوسوں دور ایک عرصہ سیاست میں بھی شریک رہے مگر بعد میں اپنا دامن الگ کر لیا۔فتوی نویسی میں حضرت قبلہ قدس سرہٗ اور حضرت مفتی صاحب اپنے اپنے حلقہ اثر میں اپنی نظیر آپ تھے ۔ دونوں حضرات میں بڑی مماثلات تھیں ۔ اسماء گرامی کی مماثلت علمیت و تفقہہ کی مماثلت تحریر کی پاکیزگی اور رعنائی میں مماثلت قناعت پسندی اور توکل میں مماثلت اسی لیے دونوں ایک دوسرے کا پورا پورا احترام کرتے تھے‘‘۔

(بحوالہ تذکرہ مظہر مسعود ص :461 از پروفیسر مسعود احمد بریلوی)

’’ارتضیٰ حسین المعروف ملا واحدی نے حضرت مفتی صاحبؒ کو قریب سے دیکھا ہے انہوں نے اپنے تاثرات اس طرح قلمبند کئے ہیں ۔مفتی صاحبؒ ہمیشہ میرے پڑوسی رہے اور ان کے دلی تشریف لانے کے بعد سے 1947ء تک میں نے انہیں مسلسل دیکھا اور قریب سے دیکھا علم کی جگہ علم،فراست کی جگہ فراست اور توکل،قناعت،سادگی وضعداری،پابندی سنت کونسی خوبی ہے جو مفتی کفایت اللہ میں نہ تھی‘‘۔

(از تذکرہ مظہر مسعود ص:461 از پروفیسر مسعود احمد)

’’اس میں شک نہیں کہ مفتی صاحبؒ (کفایت اللہ) سلف صالحین کی یادگار تھے چند سال ہوئے کہ دہلی میں مفتی صاحب کا وصال ہوگیا مزار مبارک درگاہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ مہرولی میں مغربی دروازے کے باہر واقع ہے‘‘۔

(تذکرہ مظہر مسعود ص:463)

’’مولانا کی ذات محتاج تعارف نہیں آپ ہندوستان کی مشہور تبلیغی جماعت کے بانی مبانی ہیں اس جماعت کا مرکز بستی نظام الدین (نئی دہلی) میں تھا۔اور اب بھی وہی ہیں ۔مولانا الیاس صاحب وہیں اقامت گزیں تھے ۔مولانا مسجد فتح پوری میں گاہے گاہے تشریف لاتے تھے ۔اور حضرت سے بھی ملاقات فرماتے ۔مولانا حضرت قبلہ کا بڑا احترام فرماتے تھے‘‘۔

(تذکرہ مظہر مسعود ص :463)

’’حضرت قبلہ بھی جب کبھی بستی نظام الدین تشریف لے جاتے تو گاہے گاہے مولانا کے ہاں بھی تشریف لے جاتے خصوصاً علالت کے زمانہ میں عیادت کے لئے ضرور تشریف لے جاتے ۔حضرت مولانا الیاسؒ کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا محمد یوسف مرحوم انکے جانشین ہوئے وہ بھی حضرت کا پورا پورا احترام کرتے تھے چند سال ہوئے وہ ابھی انتقال فرما چکے‘‘۔

(تذکرہ مظہر مسعود ص:463)

اب ذرا نواب صاحب کا فتوی بھی ملاحظہ فرمالیں:

’’مسلمانوں کو سمجھ لینے کو اتنا کافی ہے کہ یہ شخص اور اس کے استاذ دیوبندی ہیں گنگوہی کے شاگرد اور گنگوہی وتھانوی کے مداح،اور یہ وہ ہیں کہ علماء کرام حرمین شریفین نے بالاتفاق نام بنام ان کے کفر کا فتوٰی دیا اور فرمادیا کہ من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے خود کافر ہے،نہ کہ وہ جو انھیں عالم دین جانے اور چنان وچنیں مانے،والعیاذ باللہ واللہ تعالی اعلم

(فتاوی رضویہ ج۸،ص۴۳۸،۴۳۹)

یعنی ان کی مداح سرائی کرنے والا انہیں عالم دین سمجھنے والا بھی کافر ہے ۔تو مفتی مظہر اللہ دہلوی اور ان کے بیٹے نے خان صاحب کے اس نظریہ کو پس پشت ڈال کر نہ صرف ان علمائے دیوبند کو عالم مانا بلکہ ان کا علم تقوی بھی مانا اور ان کا ادب واحترام بھی کیا۔

خان صاحب مزید لکھتے ہیں:

''مگر جب وہ دیوبندیوں کا معتقد ہے تو اسی قدر اس کے کفر کے لئے کافی ہے،فتوٰی علمائے حرمین شریفین میں دیوبندیوں کی نسبت ہے:من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر۔جوان کے کافر ہونے اوران کے عذاب کے بارے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے''۔

(فتاوی رضویہ،ج ۱۴،ص ۵۸۳)

صرف معتقد ہونا کفر کے لیے کافی ہے تو جو ان کی تعظیم وتکریم کرے ان سے میل جول رکھے ان کی عیادت کو جائے اس کے کفر میں کیا شک ہوگا؟

(۱۴) بریلوی مناظر شوکت سیالوی کا اعلان کے علمائے دیوبند کی تکفیر نہ کرنے والے بھی حق بجانب ہیں

مولانا محمد فاروق قادری رضوی اپنے ہم مسلک مناظر اسلام شوکت سیالوی کا ایک مضمون پیر کرم شاہ کی حمایت میں نقل کرتے ہیں اس میں شوکت سیالوی لکھتے ہیں:

''شوکت سیالوی صاحب نے ایک اور مغالطہ دینے کی کوشش کی اور کہا کہ مفتی محمد سعید بابصیل نے تقدیس الوکیل پر تقریظ لکھی لیکن کفر کا فتوی نہیں دیا تقریظ میں آپ نے لکھا کہ میں نے یہ ساری کتابیں دیکھی ہیں۔براہین قاطعہ جو خلیل احمد انبیٹھوی اور رشید احمد گنگوہی نے باہم مل کر لکھی ہے۔اور جس نے صاحب براہین پر اعتراضات کئے ہیں ان کے کلام میں بھی نظر کی ہے پس چونکہ وہ اعتراضات کتب اہل سنت وجماعت سے منقول ومحفوظ ہیں تو بے شک وشبہ حق وصفا معترض کے ساتھ ہے علامہ دستگیر قصوری برحق ہیں لیکن صاحب براہین اور اس کے مویدین ہر چند وہ یقینی کافر نہیں مگر شیطانوں اور اہل زیغ زندیقوں میں سے ہیں انہوں نے فرمایا کہ ان دونوں کو اس کتاب کی تائید کرنے والوں زندیق اور شیطان کا گروہ مانتا ہوں لیکن یقینی کافر نہیں کہتا میں یقین کے اس درجے پر نہیں پہنچ پایا کہ ان پر کفر کا فتوی لگادوں۔اب آپ یہ بات ذہن میں رکھ کر فاضل بریلوی ۔۔۔کی الدولۃ المکیہ کے صفحہ ۸۶ پر متن کے اندر دیکھیں جس میں اعلی حضرت اسی تقریظ کا حوالہ دے رہے ہیں۔فرماتے ہیں۔۔۔۔ہمارے سردار حرم کے علما کے شیخ مفتی شافعیہ مولانا الاجل یعنی محمد سعید ان کے الفاظ یہ ہیں کہ صاحب براہین خلیل احمد انبیٹھوی ،رشید احمد گنگوہی اور اس کے مویدین جو اس کی تائید کرنے والے ہیں وہ شیطان اور اہل زیغ اور زندقہ کے مشابہ ہیں تاہم وہ یعنی کافر نہیں ہیں یعنی میں یقین کے اس درجے کو نہیں پہنچ پایا کہ انہیں کافر کہہ دوں۔اعلیحضرت ۔۔سے پہلے یہ تقریظ لکھی گئی اعلی حضرت علامہ محمد سعید جیسی ہستی کو تو بھولے ہوئے نہیں تھے۔اعلی حضرت تو اپنے فتوی من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر کا اطلاق علامہ محمد سعید شافعی علیہ الرحمۃ پر کیوں نہیں کررہے؟بلکہ آپ نے تو فتوی کے بجائے علامہ محمد سعید کی تکریم میں ان کیلئے سیدنا ومولانا الاجل کے کلمات لکھے اور ان کی عبارت کو اپنی تائید میں لائے۔وقت وصال تک اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علامہ سعید بابصل کی عزت وتکریم کرتے رہے۔اس سے پتہ چلا کہ جسٹس کرم شاہ بھی نانوتوی کی تکفیر نہ کرنے میں حق بجانب ہیں''۔

(علمی محاسبہ،ص ۳۷۶،۳۷۷)

جب حجۃ الاسلام بانی دارالعلوم دیوبند قاسم العلوم والخیرات آیۃ من آیات اللہ حضرت الامام مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تکفیر نہ کرنے میں پیر کرم شاہ صاحب حق بجانب ہیں تو ظاہر سی بات ہے کہ بریلی کے نواب احمد رضا خان تکفیر کے باب میں باطل اور غلطی بلکہ ہٹ دھرمی پر ہیں۔یہی ثابت کرنا ہمارا مقصود تھا۔

(۱۵) نواب احمد رضا خان کے دوست ان کے سردار اور مولانا شیخ سعید بابصیل کے نزدیک بھی علمائے دیوبند کافر نہیں

شوکت سیالوی لکھتے ہیں:

''الدولۃ المکیہ کے صفحہ ۸۶ پر متن کے اندر دیکھیں جس میں اعلی حضرت اسی تقریظ کا حوالہ دے رہے ہیں ۔فرماتے ہیں ۔۔۔ہمارے سردار حرم کے علما کے شیخ مفتی شافعیہ مولانا الاجل یعنی محمد سعید ان کے الفاظ یہ ہیں کہ صاحب براہین خلیل احمد انبیٹھوی ،رشید احمد گنگوہی اور اس کے مویدین جو اس کی تائید کرنے والے ہیں وہ شیطان اور اہل زیغ اور زندقہ کے مشابہ ہیں تاہم وہ یعنی کافر نہیں ہیں یعنی میں یقین کے اس درجے کو نہیں پہنچ پایا کہ انہیں کافر کہہ دوں ۔اعلیحضرت ۔۔سے پہلے یہ تقریظ لکھی گئی اعلی حضرت علامہ محمد سعید جیسی ہستی کو تو بھولے ہوئے نہیں تھے ۔اعلی حضرت تو اپنے فتوی من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر کا اطلاق علامہ محمد سعید شافعی علیہ الرحمۃ پر کیوں نہیں کر رہے؟ بلکہ آپ نے تو فتوی کے بجائے علامہ محمد سعید کی تکریم میں ان کیلئے سیدنا ومولانا الاجل کے کلمات لکھے اور ان کی عبارت کو اپنی تائید میں لائے ۔وقت وصال تک اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی علامہ سعید بابصل کی عزت وتکریم کرتے رہے''۔

(علمی محاسبہ،ص ۳۷۷)

اس سے پتہ چلا کہ نواب احمد رضا خان کے یہ سردار بھی علمائے دیوبند کی تکفیر کے قائل نہ تھے مگر اس کے باوجود نواب صاحب نے ان سے دوستانہ رکھا،ان کو بڑے بڑے القابات دئے لہذا نواب صاحب اپنے ہی فتوے کی رو سے جہنم واصل ہوئے ۔

(۱۶) لاکھوں بریلوی علماء حسام الحرمین سے پھر گئے اور اسے ماننے سے انکار کر دیا مظہر اعلی حضرت حشمت علی رضوی کا دعویٰ

مظہر اعلی حضرت ابوالفتح جناب حشمت علی رضوی اپنے ہی ہم مسلک صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی کو مخاطب کر کے ان کی سنی کانفرنس کا حال یوں بیان کرتے ہیں:

''سنی کانفرنس کے اراکین جو بڑے بڑے مشہور سنی عالم تھے انہوں نے اب یہ روش اختیار کر لی ہے کہ وہابی دیوبندی غیر مقلد رافضی خارجی آغا خانی قادیانی نیچری وغیرہم کسی بدمذہب ومرتد فرقے کے عقائد کفر وضلال کا قطعا رد وابطال نہیں فرماتے ۔بلکہ۔۔۔اللہ عز وجل کا کذب وجہل وظلم وسرقہ وشراب خواری وغیرہ ہر عیب ونقصان سے وجوبا پاک ومنزہ ہونا،حضور اقدس ﷺ کے علم اقدس کا ملک الموت علیہ الصلوۃ والسلام وشیطان ملعون کے علم سے بلکہ اللہ عزوجل کی تمام مخلوقات کے جملہ مجموعی علم سے ازید واوسع ہونا حضور اکرم ﷺ کو انکے چاہنے والے رب کریم کی عطا سے ایسا عظیم ووسیع علم غیب حاصل ہونا جو جملہ ما کان من بدء الخلق وما یکون الی یوم القیامۃ کے ہر ہر ذرے ہر ہر قطرے ہر ہر پتے ہر ہر ریزے کو بھی محیط ہے جو ہر گز بچوں، پاگلوں، جانوروں، چوپائیوں کے علم کے مثل نہیں بلکہ اللہ تعالی کے سارے بندوں کے تمام علوم سے اشرف وافضل واعلی جن میں دیوبندیوں کو اختلاف ہے۔۔۔حضور اقدس ﷺ کو جو قرآن عظیم میں خاتم النبیین فرمایا اس وصف کریم سے اس کے یہی معنی مراد ہونا کہ حضور اقدس ﷺ کے مبعوث ہو جانے کے بعد اب کسی اور کو قیامت تک نبوت نہیں مل سکتی اور حضور اکرم ﷺ سب سے پچھلے نبی ہیں اور جو شخص

حضور انور ﷺ کے بعد کسی اور جدید نبی کو ماننے یا کسی نئے نبی کے پیدا ہونے کو حضور ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے کا منافی اور مخالف نہ ماننے اس کا قطعی یقینی مرتد ہونا جن میں دیوبندیوں، قادیانیوں، بابیوں، بہائیوں، صدیق دیندار کہلانے والے زندیق چن بسویشور اوتار کے مرتد بیدین چیلوں کو اختلاف ہے ۔۔۔۔اب سنی کانفرنس کے مشہور سنی عالم دین کہلانے والے حضرات اراکین نے اس قسم کے تمام مسائل ضروریہ دینیہ ایمانیہ وارشادات قرآنیہ ربانیہ کا بھی تذکرہ قطعا چھوڑ دیا ہے جن میں کسی مسلمان کہلانے والے فرقہ کو اختلاف ہے کیونکہ اس قسم کے ضروری دینی مسائل کو بیان فرمانے سے اندیشہ ہے کہ مسلمان کہلانے والے یہ فرقے ناراض ہوجائیں اور مسلم لیگ کو ووٹ نہ دیں ۔جس کا صاف مطلب یہی ہوا کہ آل انڈیا سنی کانفرنس کے مشہور سنی عالم کہلانے والے اراکین صاحبان نے بھی مسٹر جینا اور مہاراجہ محمود آباد صاحبان سے اسی مسلک ومشرب پر عمل کرنے کا بپتسما پالیا ہے کہ جتنے فرقے مسلمان کہلاتے ہیں وہ سب مسلمان ہیں ان میں باہم ہرگز کوئی تفریق کسی طرح کی تخصیص جائز نہیں ۔۔۔مشہور سنی عالم کہلانے والے اراکین سنی کانفرنس نے بھی اب ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر والے دین اسلام کے عقائد ومسائل بیان فرمانے کو مضر اور نقصاں رساں سمجھ کر ترک فرمادیا ہے کیونکہ ان سے نااتفاقی پھیلتی ہے‘‘۔

(ستر باادب سوالات ص ۹۵ تا ۹۷)

اللہ اکبر!!!! اللہ اکبر!!!! اس سنی کانفرنس میں صرف بریلوی علماء ومشائخ کی تعداد ۵۰۰۰ کے لگ بھگ تھی اور ایک قول کے مطابق ۵۰۰ مشائخ اور ۷۰۰۰ علماء اور عوام کی تعداد تو لاکھوں سے متجاوز۔(تحقیق پاکستان میں علمائے اہلسنت کا کردار ص ۷۶ از شاہ تراب الحق قادری)

گویا سات ہزار بریلوی علماء ومشائخ کا اس بات پر اتفاق واجماع ہوچکا ہے کہ صرف دیوبندی ہی نہیں بلکہ قادیانی ورافضی بھی مسلمان ہیں اور حسام الحرمین کے فتوے کو بیان کرنے پر نااتفاقی پھیلے گی جو مسلمانوں کیلئے نقصان دہ ہے۔

چیلنج!!! چیلنج!!! چیلنج!!!

اب پوری دنیائے رضاخانیت کو چیلنج ہے کہ یا تو ان سات ہزار مشائخ وعلما جس میں اس وقت کے آپ کے تمام اہم اکابر شامل ہیں ۔جن کے ساتھ بقول آپ کے لاکھوں بریلوی تھے انہیں حسام الحرمین اور نواب احمد رضاخان کے دیگر فتاوی جات کی روشنی میں دیوبندیوں کو مسلمان ماننے کی بنیاد پر کافر، زندیق، مرتد، جہنمی تسلیم کریں۔ یا پھر ان کو مسلمان تسلیم کرنے پر نواب احمد رضاخان کو علمائے دیوبند کی تکفیر کرنے پر کذاب، دجال، فراڈی، مسلمانوں میں نااتفاقی پھیلانے والا تسلیم کریں۔اور میرا مشورہ ہوگا کہ یہ دوسرا راستہ ہی آپ کیلئے مناسب ہے کیونکہ اس صورت میں صرف ایک سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔

ہے کوئی رضاخانی محقق ونام نہاد مناظر اور ہائے گستاخی کردی ۔۔ہائے گستاخی کردی ۔۔ہم تو آقا ﷺ کو سب کچھ مانتے ہیں ان کے مقابلے میں کوئی کتنا بڑا ہی کیوں نہ ہو ہم نہیں مانتے ،جو حشمت علی رضوی کی اس کتاب کی موجودگی میں اپنے اکابر بشمول خان صاحب بریلی کو جہنم کا ایندھن بنانے سے روک سکے؟

نام نہاد مجاہد سنیت کی کتاب کی تائید وتوثیق کرنے والے آنکھیں کھول کر دیکھیں کہ آپ کے سات ہزار مشائخ وعلماء کا ۱۹۴۶ ہی میں اس بات پر اجماع ہوچکا تھا کہ نواب احمد رضاخان ایک کذاب، خائن، دھوکے باز آدمی ہے۔اس نے علمائے دیوبند کی تکفیر صرف مسلمانوں میں انتشار پھیلانے اور انگریز کو خوش کرنے کیلئے کی تھی حقیقت میں یہ لوگ مسلمان ہیں۔

(۱۷) بریلوی محدث اعظم سید محمد کچھوچھوی نے دیوبندی امام کی قتداء میں نماز پڑھی جس کی وجہ سے وہ کافر مرتد ہو گیا

مظہر اعلیٰ حضرت حشمت علی رضوی لکھتے ہیں:

''آل انڈیا سنی کانفرنس کے ایک مشہور و معروف نمائندے ہز ہوئی نس محدث اعظم ہند جناب مولوی سید محمد صاحب کچھوچھوی جمعہ مبارکہ ۲۰ رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ کو دھوراجی کاٹھیاواڑ کے دیوبندی مرتدوں کی بنوائی ہوئی نام نہاد فاروقی مسجد میں تشریف لے گئے وہاں اس کے مرتد دیوبندی امام نے خطبہ پڑھا جمعہ پڑھایا جس وقت وہ منبر پر چڑھا اسی وقت ایک سنی مسلمان نے پکار کر اعلان کر دیا کہ بھائیو یہ امام دیوبندی وہابی ہے اس کے پیچھے نماز نہیں ہوسکتی یہ سن کر مسلمان اہل سنت اس مسجد سے باہر چلے گئے حتیٰ کہ مدرسہ مسکینیہ دھوراجی کے صدر المدرسین مفتی عبدالعزیز خان صاحب نعیمی فتحپوری نے بھی جو صف اول میں کچھوچھوی کے متصل ہی بیٹھے ہوئے تھے کچھوچھوی صاحب سے کہا کہ حضرت! یہ امام دیوبندی وہابی ہے یہاں سے تشریف لے چلئے کسی اور مسجد میں سنی امام کی اقتدا کر کے نماز جمعہ ادا کیجئے، جب کچھوچھوی صاحب بالکل ہی خاموش بیٹھے رہے تو خود مفتی صاحب مذکور بھی سنی مسلمانوں کے ساتھ فوراً چلے آئے اور نا گانی شاہ کے تکیہ کی مسجد میں سنی امام کے پیچھے جمعہ ادا کیا۔ مگر کچھوچھوی صاحب نے اس اعلان کے بعد بھی اسی مرتد دیوبندی امام کی اقتدا میں جمعہ پڑھا۔ اس وقت کوئی اکراہ شرعی وخوف صحیح بھی تو ہر گز ایسا نہ تھا جو کچھوچھوی صاحب کیلئے محض نقل کو جائز کر دیتا۔ ارشاد فرمایا جائے کہ مرتد کی اقتدا شرعاً کفر و ارتداد اور ایسا کرنے والا بحکم شریعت مطہرہ کافر و مرتد ہے یا نہیں؟ بغیر اکراہ شرعی کے جو شخص بلانیت نماز محض نقل نماز کسی مرتد کی اقتدا میں کرے وہ سخت اشد فاسق، معلن، حرامکار، مضل ومغوی ہوا یا نہیں؟ جب کچھوچھوی صاحب کا یہ واقعہ اردو گجراتی اشتہارات میں چھپ کر شایع ہو گیا ہے تو شرعاً ان پر اسی طرح اس سے اپنی توبہ صحیحہ شرعیہ کی اشاعت بھی فرض ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(ستر باادب سوالات، ص ۳۲، ۳۳)

اللہ اکبر کبیرا! رضاخانیو! تمہارے اس محدث کچھوچھوی نے ظاہر ہے کہ اس امام کو مسلمان سمجھ کر ہی نماز پڑھی ہوگی۔ اب ایک طرف تمہارے محدث اعظم نے نواب احمد رضا خان کی کتاب کو ماننے سے انکار کر دیا دوسری طرف نواب احمد رضا خان کی تعلیمات کی روشنی میں خود کفر و ارتداد کو اختیار کیا اور اسے مسلمان ماننے والے سارے رضاخانی بھی بقول حشمت علی رضوی مرتد و کافر ہو گئے۔

کیا حشمت علی رضوی نے رجوع کر لیا تھا؟

بدنام زمانہ دشنام باز مولوی حسن علی رضوی بریلوی نے اس فتوے سے جان چھڑانے کیلئے جو جھوٹ بولا وہ بھی ملاحظہ ہو:

''علامہ ابو المحامد سید محمد اشرفی جیلانی محدث اعظم ہند۔۔ پر۔۔ حشمت علی خان۔۔ کے ستر باادب سوالات کے حوالہ سے ایک فتویٰ کفر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کا مختصر و جامع جواب یہ ہے کہ بلا شبہ حضرت۔۔۔ حشمت علی رضوی کے۔۔ محدث کچھوچھوی ۔۔ سمیت متعدد علماء اہلسنت سے چند امور میں اختلاف رہے لیکن الحمد للہ المولیٰ خلوص پر مبنی اور دین حق کی حمایت میں تھے۔ اور الحمد للہ ثم الحمد للہ ہر دو طرف سے رجوع ہو کر مصالحت ہو گئی تھی۔۔ اس کی دستاویز فقیر راقم الحروف کے پاس بھی فوٹو کاپی ہے جس پر ۔۔ مفتی اعظم ہند۔ محدث اعظم۔۔۔ اور شیر بیشہ اہلسنت کے دستخط موجود ہیں، بلکہ اس سلسلہ میں خود۔۔ محدث کچھوچھوی کا ایک اہم

مکتوب گرامی فقیر کے پاس اصل محفوظ ہے۔اور حضرت محدث کچھو چھوی حضرت شیر بیشہ کے ختم چہلم میں شریک ہوئے تھے۔۔۔
محدث اعظم۔۔کاایک فتوی فیصلہ مقدسہ کے صفحہ ۵۵اور ایک صفحہ ۴۴ پر موجود ہے‘‘۔

(محاسبہ دیوبندیت،ج۱،ص۳۵۹،۳۶۰)

حسن علی رضوی نے ستر بادب سوالات سے گلو خلاصی کی ناکام کوشش کی ہے اور جھوٹ بولنے کے بعد بھی اس کتاب سے جان نہیں چھڑا سکتے۔

پہلی بات تو یہ کہ حسن علی رضوی میلسی نے کہا کہ ستر بادب سوالات کے حوالے سے فتوی کفر ثابت کرنے کی کوشش کی۔اس سے عام قاری کو یہ تاثر ملتا ہے کہ شاید کفر کا فتوی دیا نہیں تھا علامہ خالد محمود صاحب زیدمجدہ نے زبردستی کفر کا فتوی ثابت کیا ہے جو صریح جھوٹ ہے۔ثانیا حشمت علی رضوی کا اپنے ہم مسلک علماء سے کئی امور پر کفر وایمان کا اختلاف تھا۔مگر رضوی کہہ رہا ہے کہ بعض امور میں اختلاف تھا۔کفر وایمان کے مسئلہ کو مطلق اختلاف کا عنوان دیا جس سے عام تاثر یہ مل رہا ہے کہ شاید کوئی فروعی اختلاف تھا۔اب اندازہ لگائیں کہ جو حقیقت حال کو بیان کرنے میں اس قدر ہاتھ کے کرتب دکھائے اور الفاظ کے ہیر پھیر سے پورے منظر نامے کو ہی دھندلا کردے ایسا متعصب آدمی اگر کوئی جھوٹا مصالحت نامہ گھڑلے تو کیا بعید ہے؟

ثانیا میلسی نے طوعا وکرہا اس بات کو بہر حال تسلیم کیا کہ دونوں طرف سے اختلاف دین حق کی حمایت میں تھا۔یعنی حشمت علی رضوی نے جو اپنے مولویوں پر کفر کے فتوے لگائے وہ دین حق کی حمایت میں لگائے تھے۔دوسری بات حسن علی رضوی نے یہ بھی تسلیم کیا کہ دونوں طرف سے رجوع ہوگیا تھا۔یعنی محدث کچھو چھوی نے اپنے کفر سے رجوع کرلیا تھا اور حشمت علی رضوی نے اپنے فتوے سے رجوع کرلیا تھا۔

پس پہلے رضاخانی اس بات کو تو تسلیم کریں کہ ان کے محدث اعظم ہند سے کفر کا ارتکاب ہوا تھا اور ان کو اس زمانے میں کافر کہنا واقعی دین حق کی پیروی تھی۔رہی یہ بات کہ رجوع کرلیا تھا تو یہ خود بریلوی مذہب کے اصولوں کی روشنی میں باطل ہے اس لئے کہ حشمت علی رضوی ہی کے حوالے سے گزرچکا کہ رجوع اس طرح ہوگا کہ توبہ،تجدید ایمان،تجدید بیعت کرائی جائے اس توبہ کو باقاعدہ شایع کیا جائے ایسا کچھ بھی نہیں ہوا لہٰذا اس جعلی توبہ نامہ کا کوئی اعتبار نہیں۔

آپ کے حامد رضاخان لکھتے ہیں:

’’کیا آپ توبہ فرمائیں گے۔ہوتو اعلانیہ ہو یہ ضلالت چھاپ کر ملک میں شائع فرمائی گھر کی چار دیواری میں اس کی توبہ نہ ہو بلکہ وہ بھی یونہی چھپ کر شایع ہو رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اذا علمت سیئة فاحدث عندها توبة السر بالسر والعلانیة بالعلانیة ورنہ اشاعت فاحشہ کا گناہ بدستور قائم رہے گا اور گناہ قائم رکھنے کے ساتھ توبہ جمع نہیں ہوسکتی‘‘۔

(سدالفرار،ص ۱۱۸ طبع دوم)

لہٰذا توبہ نامہ،تجدید ایمان اعلانیہ ہوا اس کا ثبوت دیں۔بقول مصطفی رضاخان کہ زندگی میں تو چپ اور مرنے کے بعد شور کے یہ فتوی تو ان کا تھا ہی نہیں۔توان حضرات کی حیات میں تو اس توبہ ومصالحت ورجوع کا کوئی ریکارڈ نہیں اور اب جب ان کی ہڈیاں بھی قبر میں مٹی ہوگئی ہیں حسن علی رضوی کہتا ہے کہ میرے پاس ریکارڈ ہے اگر ریکارڈ تھا تو اسے بروقت سامنے کیوں نہیں لایا گیا؟

اب ان کے مرنے کے بعد تو جو چاہو بنا کر ان کے ذمہ لگا دو کون تصدیق کرنے والا ہے؟۔نیز اگر رجوع ہوتا تو جن جن حضرات کے

پاس یہ کتاب موجود ہے ضرور اس کی وضاحت کرتے مگر ان میں سے کسی نے بھی اس رجوع کا اشارہ تک نہیں کیا۔ بلکہ جن کرم فرما سے ہمیں یہ کتاب ملی ان کے بقول میں تو اسے شایع کروانا چاہتا ہوں مگر مولوی حشمت علی رضوی کی اولاد مجھے اس کی اجازت نہیں دے رہی کہ اس سے انتشار پھیلے گا۔

رہی کچھوچھوی کا خط میلسی کے نام تو کچھوچھوی تو خود مجرم ہے بھلا اس کی بات کا کیا اعتبار؟ عرس میں شرکت بھی رجوع کی دلیل نہیں کیونکہ عرس میں تو آج بھی فساق وفجار آتے ہیں تو اگر کوئی مرتد آجائے تو کونسی بڑی بات ہوگئی؟ اندرا گاندھی کی خواجہ اجمیر کے مزار پر آنے کو بریلویوں نے خواجہ اجمیر کی حقانیت کے طور پر پیش کیا تو کیا پتہ کہ حشمت علی رضوی کی اولاد نے اس لئے کچھ نہ کہا ہو کہ اپنے اباجی کی حقانیت کے طور پر اس کو پیش کرنا ہو کہ دیکھو جس کو مرتد کہا وہی عرس میں شریک۔ یہ بھی ممکن ہے کہ جس طرح ان کی اولاد آج ستر باادب سوالات کو مسلکی تعصب میں شایع نہیں کر رہی اس وقت بھی مسلک میں انتشار کی وجہ سے خاموشی اختیار کی ہو۔ رہی بات فیصلہ مقدسہ پر تصدیق تو فیصلہ مقدسہ تو حشمت علی رضوی کے بھائی کے حق میں جاری ہوا تھا وہ بھی ایک دوسرے مسئلہ کے متعلق جس کا سرے سے کچھوچھوی کی تکفیر سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ بھلا اس پر تصدیق رجوع کی دلیل کیسے ہوگئی؟ یعنی جرم ایک کرے اور مجرم مدعی کے بھائی کے ساتھ کوئی بھلائی کردے تو یہ صلح کی دلیل ہوتی ہے؟ واہ مناظر صاحب واہ کہاں کی مٹی کہاں کا روڑا بھان متی نے یوں کنبہ جوڑا۔

میلسی نے اس بات کا اقرار کیا کہ وہ سارا ریکارڈ میرے پاس محفوظ ہے حالانکہ بریلوی فقیہ الہند شریف الحق امجدی لکھتا ہے:

”ان گنگوہی صاحب پر فرض تھا کہ اگر وہ فتوی ان کا نہیں تھا تو خود اپنی طرف سے تردید شایع کردیتے اہلسنت کے اوپر افتراء کے دفتر لکھ لکھ کر شایع کرتے رہے مگر بقول نیازمندان اپنے اوپر اتنے سنگین بہتان کی تردید نہیں شائع کر سکتے تھے۔ جس میں ان کی آبرو بھی محفوظ رہتی اور ایک انتشار ختم ہوجاتا“۔

(تحقیقات ص ۳۵۲)

پس اگر بقول اہل بدعت حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے تردید شایع نہیں کی اس لئے ان پر فتوی برقرار رہے گا تو حشمت علی رضوی اور نام نہاد محدث اعظم پر بھی اس توبہ نامہ کا شایع کرنا فرض تھا جس سے یہ انتشار ختم ہوتا اور بریلویوں کی آبرو بھی بچ جاتی مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا لہٰذا اب ان کے مرنے کے بعد جو چاہے جھوٹ بنا لو کہ توبہ کی تھی، یہ کیا تھا، وہ کیا تھا۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

یہ فقیہ صاحب میلسی جیسے لوگوں کی مزید مرمت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”رہ گئیں وہ روایتیں جو آپ نے گنگوہی صاحب کی انکار کی لکھی ہیں وہ سب من گڑھت اور جعل ہیں جو آپ لوگوں نے تراش لیا ہے ورنہ کیا سبب ہے کہ دربھنگی صاحب اور بریلوی کے دیوبندیوں نے گنگوہی صاحب کی وہ تحریر بلفظہ شائع نہیں کی اگر واقعی گنگوہی صاحب نے انکار اور بیزاری کی کوئی تحریر لکھی تھی تو اس کا آسان حل یہ تھا کہ اسے شائع کردیا جاتا اور کہہ دیا جاتا کہ اصل تحریر فلاں جگہ محفوظ ہے ان کے مرنے کے بعد یہ دعوی کرنا اور ان کی زندگی بھر خاموش رہنا اس کی غمازی کر رہا ہے کہ یہ سب بلذت عشق بنایا گیا ہے“۔

(تحقیقات ص ۳۵۶)

بہرحال سب ڈرامہ بازی ہے کوئی رجوع نہیں ہوا۔ میلسی صاحب پر تو خود ان کے پیر بھائی عبدالوہاب قادری نے ”حسام الابرار علی

روٴس الاشرار، جماعت رضائے مصطفی کراچی“ میں کفر کے فتوے لگائے تو ان کی بات کا کیا اعتبار؟

آپ کا پیر بھائی آپ کے بارے میں لکھتا ہے:

”مسلمانو! تامل کیجئے اگر میلسی اہل علم سے ہوتا تو اللہ واحد قہار کے قہر و غضب سے ڈرتا یہ ڈرنے کے بجائے بے خوف و نڈر رہو کر قرآن کریم و فرقان عظیم کے خلاف بغاوت کرتا ہے“۔

(حسام الابرار علی روٴس الاشرار، ص ۸۳، ۸۴، جماعت رضائے مصطفی کراچی)

پس خوف خدا سے عاری ایسا شخص اگر اپنا الو سیدھا کرنے کیلئے کوئی جھوٹی دستاویز گھڑ لے تو کیا بعید ہے؟

نیز میلسی کا کہنا کہ حشمت علی رضوی، مصطفی رضا خان، اور کچھوچھوی کے دستخط ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نام نہاد مصالحت نامہ ان تینوں حضرات کے اختلاف کے متعلق تھا لہٰذا اگر بالفرض رجوع ہو بھی گیا تھا تو صرف کچھوچھوی کے باب میں ہوا ہے اس کتاب میں جو باقی علماء پر کفر کے فتوے لگائے نیز جو اصول بیان کئے اس سے تو رجوع نہ ہوا وہ تو ابھی بھی اپنی جگہ پر برقرار ہے۔

میلسی مزید لکھتا ہے:

”فتاوی حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ پر دونوں متفق تھے“۔

(محاسبہ دیوبندیت، جلد اول، ص ۳۶۰)

کچھوچھوی کی الصوارم الہندیہ پر تائید ۱۳۴۳ھ کی ہے اور یہ ستر باادب سوالات میں مذکور واقعہ ۱۳۵۲ھ کا ہے اب میلسی ہی کے اصول کے مطابق:

”گنگوہی صاحب تو وقوع کذب باری تعالی کے قائل کو کافر کہہ رہے ہیں مگر جلدی اور بدحواسی میں اس فتوی کی تاریخ ۱۳۰۷ھ لکھ بیٹھے جبکہ وقوع کذب باری تعالی کا اقرار کا فتوی ۱۳۰۸ھ کا ہے پہلا فتوی اس بعد والے سے منسوخ ہوگیا“۔

(محاسبہ دیوبندیت، جلد اول، ص ۴۸۶، ۴۸۷)

تو جناب آپ کے محدث اعظم نے علمائے دیوبند کو معاذ اللہ کافر ۱۳۴۳ھ میں کہا اور ان کو مسلمان جان کر ان کے پیچھے نماز ۱۳۵۸ھ کو پڑھی۔ لہٰذا بعد والے عمل سے پہلا والا فتوی اور عمل آپ ہی کے اصول کے مطابق منسوخ ہوگیا۔

ایک اور انداز! میلسی صاحب ملاحظہ فرمائیں آپ لکھتے ہیں:

”پانچویں بات یہ کہ وقوع کذب کے قائل گنگوہی صاحب کے نام سے کفر کا یہ شائع شدہ فتوی خود ان پر پڑا وقوع کذب باری تعالی کے قائل بھی وہ اور وقوع کذب کے قائل کو کافر کہنے والے بھی وہ خود ہی ہیں اپنا فتوی اپنے ہی کام آگیا“۔

(محاسبہ دیوبندیت، جلد دوم، ص ۴۸۷)

تو جناب من! دیوبندیوں کو حسام الحرمین اور الصوارم الہندیہ کی بنیاد پر معاذ اللہ کافر مرتد کہنے والے بھی آپ کے محدث اعظم اور پھر ان کے پیچھے نماز پڑھنے والے بھی آپ کے محدث اعظم تو اپنا ہی جاری کردہ کفر کا فتوی اپنے ہی کام آگیا اور اپنے ہی فتوے سے کافر و مرتد ہو گئے۔

نام نہاد مجاہد سنیت اپنے مظہر اعلی حضرت حشمت علی رضوی کا ایک اصول نقل کرتا ہے:

”مولویان وہابیہ دیوبندیہ خود اپنے ہی عین اسلام تقویۃ الایمان کے فتوے سے مشرک و کافر ہو گئے لہٰذا براۃ الابرار کتاب ساری کی

ساری مردود و نامعتبر ہوگئی''۔

(کلمہ حق ش ۹ ص ۵)

''لہذا براۃ الابرار کتاب ساری کی ساری مردود و نامعتبر ہوگئی کیونکہ مشرکوں کی تصنیف ہے''۔(الصوارم الہندیہ۔ص:۱۵۵)

اور حسن علی رضوی کے کفر و ارتداد پر انہی کے پیر بھائی مفتی عبدالوہاب قادری نے ایک کتاب ''حسام الابرار'' لکھی ہے۔لہذا مندرجہ بالا اصول کی روشنی میں محاسبہ دیوبندیت نامی کتاب اور اس میں منسوب یہ جعلی توبہ نامہ خودبخود مردود و نامعتبر ہوگیا کیونکہ تصنیف و توبہ نامہ ایک مرتد کا ہے۔

میلسی صاحب! کان کھول کر سن لیں آپ کی جہالتوں کی بنا پر اگر آپ کو کوئی جواب نہیں دیتا تو اپنی کتب میں زیادہ طرم خان بننے کی کوشش نہ کیا کریں۔ بندہ نے صرف ایک مسئلہ پر آپ کا بھرکس نکال دیا ہے۔اندازہ لگائیں جب بالاستیعاب آپ کا ''بڑا آپریشن'' کرنے بیٹھوں گا تو کیا حال ہوگا؟۔میلسی صاحب آپے سے باہر ہوتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آج کل کے نومولود دیوبندی مصنفین و مناظرین کی علمی تحقیق اور معلوماتی استعداد اتنی ہے کہ نہ انہیں علماء اہلسنت کے عقیدہ و مسلک کا پتہ نہ اپنے اکابر کے خودساختہ گھڑ ہنتر وعقیدہ مسلک کا پتہ''۔

(محاسبہ دیوبندیت، جلد دوم،ص ۴۷۸)

بس بس ۔۔۔میلسی صاحب! آپ کی علمی حدود اربعہ کو بھی بندہ خوب جانتا ہے۔آپ کی علمی اوقات تو یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین اور بریلوی جو عقیدہ علم غیب حضور ﷺ کیلئے ثابت کرتے ہیں وہ بشرط الشئی کے درجہ میں ہے لابشرط الشئی کے درجہ میں ہے یا لاشئی بشرط کے درجے میں ہے جیسے ابتدائی منطقی سوالات کے متعلق میں نے آپ کو فون کیا تو آپ نے جس قسم کی جہالتوں کا مظاہرہ کیا اور لاجواب ہونے پر فون ہی بند کر دیا اس سے ہمیں آپ کی علمی استعداد کا خوب پتہ چل گیا۔قارئین یہ تمام گفتگو نیٹ پر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

دیوبندیوں کو طعنہ دینے والا کہ انہیں اپنے مسلک وعقیدہ کا پتہ نہیں کا اپنا حال یہ ہے کہ اسے رسول اللہ ﷺ کی ناموس،کفر و ایمان کے مسائل کا بھی پتہ نہیں میلسی کی گستاخیوں اور کفر و ارتداد پر خود ان کے پیر بھائی مفتی عبدالوہاب قادری نے ایک ضخیم کتاب ''حسام الابرار'' لکھی ہوئی ہے۔

جعلی فتوے کی تردید شائع کیوں نہیں کی؟

ماقبل میں چند حوالے گزرے ہیں جس میں بریلویوں نے یہ واویلا کیا ہے کہ فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی ہی میں اس جعلی فتوے کی تردید شائع کیوں نہ کی؟ ان کی تردید شایع نہ کرنا ہی اس کے اصل ہونے کی دلیل ہے۔اس کا جواب اگرچہ ہم جلد اول میں دے چکے ہیں مگر یہاں مزید دو نئے حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

حال ہی بریلویوں کی تنظیم نے ورلڈ صوفی فارم کا انعقاد کیا۔جس جماعت نے اس کا انعقاد کیا ان کا دعوی ہے:

''آل انڈیا علما و مشائخ بورڈ ہندوستان میں صوفی سنی مسلمانوں کی سب سے بڑی تنظیم ہے''۔

(جام نور،ص ۸ مئی ۲۰۱۶)

اس میں اس فورم کے اصول وضوابط لکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’جیسے جیسے صوفی فورم کی سرگرمیاں بڑھیں گی داخلی طور پر جنونیوں کا ایک ٹولہ علما و مشائخ بورڈ او رصوفی فارم کی مخالفت میں کھڑا ہو جائے گا اتہامات اور الزامات کی بارش ہوگی، بورڈ کی نیتوں پر حملے ہوں گے اور مشائخ ،علماء، سکالرز او رعوام کو کانفرنس سے روکنے کیلئے ہر ممکنہ کوشش کی جائے گی کیونکہ عادی مجرموں کی طرح یہ مخالفت کرنے کے عادی ہیں، جو اپنے علاوہ ہر ایک مثبت کام کی مخالفت کرتے ہیں ۔ بورڈ اس صورتحال میں کانفرنس کے اختتام تک کسی کا جواب دے کر وقت اور انرجی ضائع نہیں کرے گا کیونکہ عوام ان کی عادات اور فطرت سے خوب واقف ہو چلے ہیں، سوائے ان کے اپنے ٹولے کے کسی اور تنظیم، ادارے، خانقاہوں اور ان سے وابستہ عام پر ان کی مخالفت کا اثر بھی نہیں ہوتا اس لئے بورڈ اپنی پوری توجہ صوفی کانفرنس کو کامیاب کرنے پر رکھے گی‘‘ ۔

(جام نور، ص ۱۱ مئی ۲۰۱۶)

جو اسباب یہاں بیان کیئے گئے ہیں بس یوں سمجھ لیں اسی سبب سے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اگر تردید شایع نہ کی تو کونسا گناہ کرلیا؟

اسی طرح حشمت علی رضوی نے ’’ستر باادب سوالات‘‘ کے نام سے ۷۰ سوالات اپنے صدر الافاضل نعیم الدین مرادآبادی کو بھیجے ساتھ ہی کئی بریلوی اکابر کی تکفیر کی مگر مرادآبادی صاحب کی طرف سے ساری زندگی نہ تو ان الزامات کی کوئی تردید شایع ہوئی نہ ان کا کوئی جواب دیا گیا۔

(۱۸) شاہ احمد نورانی کے والد شاہ عبد العلیم میرٹھی نے بھی وہابیوں کو مسلمان سمجھ کر ان کی اقتدا میں نماز پڑھی

یہی مظہر اعلیٰ حضرت فتوی صادر کرتے ہیں:

’’زکریا مسجد بمبئی کے نجدی وہابی امام احمد یوسف فارسی نے اعلانیہ منبر پر چڑھ کر ابن سعود مردود کے ولی عہد بے بہود کی ثناو تعریف کا گیت گایا، نجدی شیاطین کی دعوت وہابیہ کو حق بتایا۔ مسلمانوں کو نجدی مرتدین کی دعوت خبیثہ پر لبیک کہنے کی طرف بلایا۔ اس کے ان کلمات کفریہ کے رد میں مسلمانان اہلسنت بمبئی کی واحد مذہبی نمائندہ انجمن تبلیغ صداقت نے رسالہ مبارکہ مسمیٰ بنام تاریخی سل الصوارم الصمدیہ علی حلیف الشیاطین النجدیہ شایع فرمایا۔ عامہ مسلمانان اہلسنت کو اس کی اقتدا سے بچایا تو آل انڈیا سنی کانفرنس کے نمائندے اور خود حضرت والا کے وکیل جناب مولوی عبد العلیم صاحب میرٹھی اعلان کرکے زکریا مسجد میں حاضر ہوئے اور اسی نجدی وہابی امام کی اقتدا میں نماز جمعہ ادا کی ۔ فتوی دیا جائے کہ مولوی میرٹھی صاحب کا یہ فعل بحکم شریعت مطہرہ کفر وارتداد ہے یا نہیں ۔ اور خود مولوی میرٹھی صاحب اپنے اس فعل کی بنا پر شرعا عند الفقہاء خارج از اسلام ہوئے یا نہیں؟ اور اگر انہوں نے بغیر اکراہ شرعی ایک کافر کے پیچھے بلا نیت نماز محض نقلِ نماز کی ہو تو وہ سخت اشد فاسق معلن حرام کار مغوی و مضل ہوئے یا نہیں؟ جبکہ مولوی میرٹھی صاحب کا یہ فعل بھی چھپ کر شائع ہوگیا ہے تو ان پر بھی اس فعل سے اپنی توبہ صحیحہ شرعیہ شایع کرنا فرض ہے یا نہیں ۔ بینوا توجروا۔

(ستر باادب سوالات، ص ۳۳)

یہ حوالہ بھی پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ مولانا شاہ احمد نورانی کے والد شاہ عبد العلیم میرٹھی نجدی وہابیوں کو مسلمان سمجھتے اور اس باب میں نواب احمد رضا خان کے فتوے کو تسلیم نہیں کرتے اور بے دھڑک ان کی اقتدا میں نماز جمعہ ادا کرتے ہیں ۔ یہ الگ بات ہے کہ میرٹھی صاحب نواب صاحب کے فتوے کی زد میں ہے ۔ جس کا جواب نعیم الدین صاحب تو اپنی حیات میں نہ دے سکے مگر اب دیکھتے ہیں کہ کون دیتا ہے؟ ۔

(۱۹) بریلوی مناظر سعید اسد فیصل آبادی

فیصل آباد کے بریلوی مناظر مولانا سعید احمد اسد جو اپنے حلقہ میں ''امام المناظرین'' کے نام سے جانے جاتے ہیں ۔ ۱۵ نومبر ۲۰۱۷ کو'' دیوبندی بریلوی اتحاد'' کا غم لیکر متکلم اسلام، غزالی دوراں، رازی زماں حضرت مولانا محمد الیاس گھمن صاحب زیدمجدہ کے پاس سرگودھا مرکز تشریف لائے۔ اس اتحاد میں وہ کتنے مخلص تھے اور کس قسم کے دجل وفریب سے اس دوران انہوں نے کام لیا اور کس طرح شرمناک فرار اختیار کیا اس سب کی تفصیل نیٹ پر دیکھی جاسکتی ہے۔ بہرحال موصوف کو علمائے اہلسنت دیوبند سے جو بنیادی اختلاف تھا اس کو اپنے ہاتھ سے مندرجہ ذیل تحریر کی صورت میں قلم بند کیا:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم

نبی اکرم ﷺ کی ذات بابرکات ایمان کا مدار ہے۔ آپ کی شان اقدس میں ذرہ سی گستاخی بھی انسان کو ایمان کے دائرہ سے باہر نکال دیتی ہے۔ بانی دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا خلیل احمد سہارنپوری اور مولانا اشرف علی تھانوی کی عبارات پر مولانا احمد رضا خان بریلوی۔۔۔ نے فتوی کفر صادر فرمایا وہ بھی اور ان کی ان عبارات کے مویدین بھی اسی فتوی کی زد میں آتے ہیں۔ مالک کائنات ہم سب کو رجوع الی الحق کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

نوٹ: جن کتب میں یہ عبارات موجود ہیں وہ یہ ہیں:

تحذیر الناس، براہین قاطعہ، حفظ الایمان''۔

قارئین کرام! موصوف نے نواب احمد رضا خان کے فتوے کی رو سے فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تکفیر تو کی، مگر ہمارے پوچھنے پر اس کیلئے دلیل براہین قاطعہ پر تقریظ کو بنایا۔ جب ان سے کہا گیا کہ فاضل بریلوی نے اس بنیاد پر ان کو کافر نہیں کہا تو کہا چھوڑو چھوڑو۔

قارئین کرام! نواب احمد رضا خان نے حسام الحرمین میں مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو اس جھوٹے فتوے کی بنیاد پر کافر کہا تھا کہ معاذ اللہ انہوں نے بالفعل اللہ کے جھوٹ بولنے کو جائز لکھا۔ مگر سعید اسد نے اپنی تحریر میں اس فتوے کے ذکر ہی کو گول کر دیا۔ سعید اسد کی یہ تحریر تاقیامت اس بات کی دلیل ہے کہ حسام الحرمین میں نواب احمد رضا خان نے جس فتوے کی بنیاد پر فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی تکفیر کی وہ ایسا جھوٹ ہے کہ دلائل کے میدان میں اسے کسی صورت ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ فریق مخالف کا امام المناظرین سرے سے اس فتوے کے ذکر ہی کو گول کر گیا اور یوں نواب احمد رضا خان کے جھوٹے اور حسام الحرمین کے باطل ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

(۲۰) بریلوی مفتیوں کا حکومت سے معاہدہ

بریلوی رہبر شریعت خلیفہ مفتی اعظم ہند، عبدالوہاب قادری لکھتا ہے:

''اب کچھ عرصہ قبل سنیوں میں چند مولویوں اور مفتیوں نے ایک جدید فرقہ کو جنم دیا جن کے افراد یہ ہیں: دارالعلوم امجدیہ کے مفتی صاحبان۔۔۔ دارالعلوم انوار قادریہ کے مولوی صاحبان اور گروہ کو تقویت پہنچانے والے مفتی مثلا ضیاء المصطفی المعروف محدث کبیر مبارکپوری، مفتی مجیب اشرف ناگپوری، مفتی مظفر حسین بریلی، اور علامہ ازہری بریلی، مفتی غلام مصطفی ملتان، مفتی ابوداؤد گجرانوالہ

،مفتی محمد حسن میلسی ،مفتی عبد القیوم ہزاروی لاہور ،مفتی ظفر اللہ صاحب شر قپوری فیصل آباد وغیر ہم نے اس فرقہ کی خوب آبیاری کی اور پروان چڑھایا

فرقہ جدید کے عقاید

ہم کسی بھی مسلمہ اسلامی فرقہ کو کافر اور اس کے افراد کو واجب القتل قرار دینا غیر اسلامی قابل تعزیر اور قابل نفرت تصور کرتے ہیں‘‘۔

(حسام الابرار علی رؤس الاشرار ص ۳۶،جماعت رضائے مصطفی کراچی)

موصوف نے اپنی اسی کتاب اور ایک اور کتاب اتمام حجت میں اس شق کے متعلق لکھا کہ اس میں ہمارے ان مولویوں نے دیوبندی وہابیوں کو مسلمان مان لیا اور ان کے خلاف کفر کے فتوے کو بھی غیر قانونی قرار دے دیا۔بہر حال خود بریلوی مولوی کی کتاب سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بریلوی مولوی اور مفتی جس میں یہ بڑے بڑے مولوی شامل ہیں حکومت کے سامنے بیٹھ کر معاہدہ کر رہے ہیں کہ دیوبندیوں کو کافر کہنا یا واجب القتل قرار دینا غیر اسلامی ہے،قابل نفرت اور قابل تعزیر جرم ہے ۔یعنی اگر نواب احمد رضا خان آج زندہ ہوتا تو اس قابل نفرت کام جو حسام الحرمین کی صورت میں اس نے انجام دیا پر کوڑوں کا مستحق ہوتا۔

(۲۱) شاہ اویس نورانی ابن شاہ احمد نورانی

مورخہ یکم نومبر کو جامعہ حقانیہ کے مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا سمیع الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو کسی درندہ صفت انسان نے ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محاذ پر حق گوئی اور آسیہ ملعونہ کو رہا کرنے والوں کے نام افشا کرنے پر بے دردی سے چھریاں مار کر شہید کر دیا۔جمعیۃ علمائے پاکستان کے صدر جناب شاہ اویس نورانی اگلے ہی دن باقاعدہ تعزیت کیلئے ہسپتال پہنچے اور ایک بیان اپنی جماعت کے آفیشل فیس بک پیج

www.facebook.com/JupPakistanOfficial/

سے جاری کیا جو مندرجہ ذیل ہے:

’’إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ

جمعیت علماء اسلام(س) کے سربراہ مولانا سمیع الحق جان بحق ۔۔!!

مرکزی ترجمان متحدہ مجلس عمل پاکستان ،سیکرٹری جنرل جمعیت علمائے پاکستان شہزادہ قائد ملت اسلامیہ وقائد اہلسنت مولانا الشاہ محمد اویس نورانی صدیقی صاحب (دامت برکاتہم العالیہ) کی سفاری ہاسپٹل ،بحریہ ٹاؤن ،اسلام آباد آمد۔۔۔

مولانا کے صاحبزادے حامد الحق اور دیگر کارکنان سے دلی رنج کا اظہار اور صبر کی تلقین۔

اللہ کریم مولانا کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے ۔آمین‘‘

کیا نورانی صاحب کو علمائے دیوبند کے عقائد یا حسام الحرمین کا علم نہیں؟ضرور علم ہے اس کے باوجود ان کا یہ بیان ،افسوس کرنا اور حضرت شہید کے حق میں جنت کی دعا کرنا۔اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ حسام الحرمین پر لعنت بھیجنے والے بریلویوں میں سے ہیں۔

(۲۲) جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا عبد الحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ

ان کے بارے میں بریلوی فقیہ الہند لکھتے ہیں:

’’غرض یہ کوئی نئی بات نہیں کہ کسی چیز کی طرف ایک بڑے کا ذہن نہیں گیا اور دوسرے کا چلا گیا۔۔۔دیکھئے مولانا عبد الحئی لکھنوی کو

لے لیجئے ان کے جامع معقول ومنقول ہونے میں کسی کو کلام نہیں‘‘۔(تحقیقات،ص ۲۰۹)

اسی طرح بریلوی حضرات کے ایک اور جامع المعقول والمنقول عبد المجید سعیدی لکھتے ہیں:

’’دیوبندی حضرات خوش فہمی سے سنی عالم دین حضرت مولانا عبدالحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کی کثرت تصانیف کی بناء پر اپنے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں جب کہ ایں خیال است ومحال است وجنوں‘‘۔

(تنبیہات،ص ۱۲۴)

اب یہی جامع المعقول والمنقول اور سنی عالم نے تحذیر الناس کے مسئلہ پر حضرت حجۃ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی مکمل تائید کی چنانچہ حسن علی رضوی میلسی لکھتا ہے:

’’مولوی عبدالحئی صاحب حضور اعلیٰ حضرت کو خواہ کچھ کہیں متکبر سے بڑھ کر کہیں کیونکہ یہ مولوی قاسم نانوتوی کے مسلکی ہم زلف تھے جناب مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ:

’’جس وقت مولانا (قاسم نانوتوی) نے تحذیر الناس لکھی ہے کسی نے ہندوستان بھر میں مولانا کے ساتھ موافقت نہیں کی بجز مولانا عبدالحئی صاحب کے‘‘۔

ثابت ہوا یہ ان کے اپنے ہی تھے‘‘۔

(محاسبہ دیوبندیت، جلد دوم،ص ۲۱۹)

تو جناب ایک ہم مسلک کو تم بڑا، جامع المعقول والمنقول جیسے اعزاز دو اور دوسرے کو کافر کہو یہ کہاں کا انصاف ہے؟ نیز آپ کے اپنے ہی جامع المعقول والمنقول کا خان صاحب بریلوی کو ’’متکبر‘‘ کہنا اور حضرت حجۃ الاسلام نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید کرنا کیا علمائے دیوبند کی زندہ کرامت نہیں؟

(۲۳) بریلوی شیخ الاسلام طاہر القادری

بریلویوں کی ورلڈ صوفی فارم نے اپنے شیخ الاسلام طاہر القادری کے بارے میں یہ فیصلہ شایع کیا:

’’قادری صاحب سے ہزاروں مقتدر علمائے عرب وعجم سے بھی گہرے روابط رہے ہیں اور وہ لوگ ان کے علم وخدمات کے مداح ہیں۔انہیں جمہور اسلام سے خارج کرکے اپنے لئے مصیبت کے نئے دروازے نہ کھولیں‘‘۔

(جام نور،ص ۱۱،مئی ۲۰۱۶)

اب ان شیخ الاسلام کے بارے میں مولوی ابوداؤد صادق ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’اپنی خطابت وشہرت اور ٹی وی و ارباب اقتدار سے تعلقات کے بل بوتے پر اہل حق و اہل باطل سب کو راضی رکھنے کیلئے صلح کلیت کا پروگرام بنایا ’’بریلی وایران اور نجد و دیوبند‘‘ کا اصولی و بنیادی فرق و امتیاز ختم کرکے ان سب کو ’’بھائی چارے‘‘ کی لڑی میں پرونے ’’ایک گھاٹ پر پانی پلانے‘‘ شیعہ، سنی، دیوبندی وہابی کو ایک صف میں کھڑا کرنے اور ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھوانے کا خطرناک ترین منصوبہ بنایا‘‘۔

(خطرے کی گھنٹی،ص ۲۶)

خود یہ بریلوی شیخ الاسلام طاہر القادری لکھتے ہیں:

''میں شیعہ اور وہابی علما کے پیچھے نماز پڑھنا صرف پسند ہی نہیں کرتا بلکہ جب بھی موقع ملے ان کے پیچھے نماز پڑھتا ہوں''۔

(انٹرویو رسالہ دید شنید لاہور ۴ تا ق ۱۹ اپریل ۱۹۸۶ بحوالہ خطرے کی گھنٹی، ص ۲۷)

اس حوالے سے قادری صاحب کے موقف کی مزید وضاحت کیلئے اسی کتاب ''خطرے کی گھنٹی کا مطالعہ کریں''۔ بہر حال یہ دو حوالہ جات اس باب میں صریح ہیں کہ طاہر القادری صاحب علمائے دیوبند کو مسلمان سمجھتے ہیں، اور حسام الحرمین سے بے زار ہیں۔

(۲۴) جبلپوری حضرات بھی دیوبندیوں کو کافر نہیں کہتے

مولوی برہان الحق جبلپوری نواب احمد رضا خان کے معتمد علیہ اور خاص الخاص خلیفہ تھے۔ ان کے اور ان کے والد نے بھی نہ صرف علمائے دیوبند بلکہ تمام فرقہائے ہند کو مسلمان تسلیم کر لیا تھا۔ چنانچہ مولوی حشمت علی رضوی لکھتا ہے:

''مولوی برہان الحق صاحب جبلپوری نے مسلم لیگ کی حمایت میں ایک فتویٰ تحریر فرمایا جس پر انکے والد بزرگوار جناب مولانا عبد السلام صاحب جبلپوری نے اپنے تصدیقی مہر و دستخط ثبت فرمائے اس مہری دستخطی قلمی فتوے میں ہے ''مسلم لیگ تہتر فرق اسلامیہ میں سے کسی ایک فرقے اور جماعت کا ادارہ نہیں نہ اسے ثلث وسبعین ملۃ میں سے کسی ایک ملت کے عقائد و اعمال سے واسطہ ہے۔ مسلم لیگ نے اس وقت تک فرقہ ناجی یا فرق ناریہ کے متعلق اپنے رویے کو کسی طرف مائل نہیں کیا ہے''۔ پھر لکھتے ہیں ''مطلق اسلام کے خلاف بلا استثناء کسی فرقہ وملت کے اعدائے اسلام و مسلمین کی ریشہ دوانیوں کے تار پود بکھیر کر حکومت مسلطہ سے جدید دستورِ اساسی کی ترتیب کے وقت مطلق حقوق اسلام کے تحفظ اور مزاحم اسلام ضوابط وقوانین کی مدافعت واسترداد کیلئے مسلم لیگ نے عملی قدم اٹھایا ہے''۔ ان عبارتوں میں جبلپوری حضرات نے مسلمان کہلانے والے تمام فرق ناریہ کے جملہ مذاہب کفریہ دیوبندیت، رافضیت، نیچریت، قادیانیت وچکڑالویت و آغانیت وغیرہا کو بھی مطلق اسلام کے افراد ٹھہرادیا۔ اب شرعی فتویٰ ارشاد ہو کہ جو شخص مسلمان کہلانے والے مرتدین ومنکرین ضروریات دین کو مطلق اہل اسلام میں شامل اور ان کے جملہ مذاہب کفریہ کو بھی مطلق اسلام کے مصداق میں داخل مانے اس نے ان سب مرتدوں، ضروریات دین کے منکروں کو مسلمان اور ان سب کے قطعی یقینی عقائد کفریہ کو اسلام ٹھہرایا یا نہیں؟ اور اس پر حکم شرعی من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر صادق آیا یا نہیں؟''۔

(ستر باادب سوالات، ص ۳۳، ۳۴)

(۲۵) شیخ المشایخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

بریلوی طبقہ کے شیخ التفسیر والحدیث فیض احمد اویسی لکھتے ہیں:

''فقیر اویسی غفرلہ ان مخلص کلمہ گو حضرات سے اپیل کرتا ہے کہ فقیر کے رسالہ ہذا کو غور سے پڑھنے کے بعد دو گروہوں کو ان مسائل وعقاید پر متفق ہو کر عام پرچار کرنا ہوگا جن پر دونوں گروہوں کے سربراہ متفق ہیں فضلائے دیوبند کے مرکزی پیر ومرشد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور موصوف کو اہلسنت بھی اپنا مقتدر بزرگ تسلیم کرتے ہیں کیونکہ اہلسنت کی بہت سی مقتدر شخصیات کے بھی پیر و مرشد ہیں اگر ان دونوں گروہوں میں جو بھی حاجی صاحب کے عقائد ومعمولات کے خلاف ہوا سے سمجھ لیں وہی فساد کی جڑ ہے''۔

(انعام اللہ، ص ۴)

لیجئے اویسی صاحب نے تو قصہ ہی تمام کر دیا اس سو سال سے اوپر کے مسئلہ کا چند منٹوں میں حل بتا دیا کہ جو آدمی حاجی امداد اللہ مہاجر

مکی رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات وعقاید ونظریات پر نہ ہو وہی ’’فساد کی جڑ‘‘ ہے۔مزید ذرا اویسی صاحب کی اس عبارت کو بھی ملاحظہ فرمائیں:

’’اگر کوئی پیر و مرشد کے خلاف چلتا ہے تو کہا جاتا ہے یہ مرید شیطان کا مرید ہے اس لیے فقیر عوام سے اپیل کرتا ہے کہ روزمرہ کے دیوبندی بریلوی جھگڑوں سے تنگ ہونے کی ضرورت نہیں .... ہم سب ہی بریلوی اقرار بلکہ۔۔۔۔۔ہم لکھ دیتے ہیں کہ ہمیں حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ منظور ہے۔یہی فیصلہ موجودہ دیوبندیوں سے منظور کرالیں اگر وہ مان جائیں تو انشاء اللہ دیوبندی بریلوی جھگڑا ختم ہو جائے گا۔اگر وہ نہ مانیں تو سمجھ لیں کہ یہی ہیں فساد کی جڑ اور ملافی سبیل اللہ فساد‘‘۔(بحوالہ انعام اللہ ص 6 تا ص 7)

سبحان تیری شان!اویسی صاحب کہہ رہے ہیں کہ ہمیں حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ منظور ہے۔اگر حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بات مان لو تو جھگڑا ہی ختم۔تو اب ملاحظہ ہو کہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا اکابر علمائے دیوبند کے بارے میں کیا معمول ونظریہ تھا؟۔

مولانا سید محمد حسین بدایونی صاحب لکھتے ہیں:

’’کتاب ضیاء القلوب میں (تحت وصایا) ارشاد فرماتے ہیں:

’’ہر کس کہ ازیں فقیر محبت وعقیدت وارادت دارد مولوی رشید احمد ومولوی محمد قاسم را کہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند بجائے من فقیر بلکہ بمدارج فوق ازمن شمارند اگرچہ بظاہر معاملہ برعکس شد کہ اوشان بجائے من ومن بمقام اوشان شدم وصحبت اوشاں راغنیمت دانند کہ ایں چنیں کساں دریں زماں نایاب اند واز خدمت ایشاں فیض یاب بودہ باشد‘‘

(مظہر العلماء،ص ۱۱۷)

یعنی

’’نیز جو شخص مجھ سے محبت وعقیدت رکھے وہ مولوی رشید احمد صاحبؒ اور مولوی محمد قاسم صاحبؒ کو جو کمالات ظاہر و باطن کے جامع ہیں میری جگہ بلکہ مجھ سے بلند مرتبہ سمجھے اگرچہ ظاہر میں معاملہ برعکس ہے کہ میں ان کی جگہ پر اور وہ میری جگہ پر ہیں اور ان کی محبت کو غنیمت سمجھے کیونکہ ایسے لوگ اس زمانے میں نہیں پائے جاتے ہیں اور ان کی بابرکت خدمت سے فیض حاصل کرے اور سلوک کے طریقے سیکھے(جو اس کتاب میں ہیں) ان کے سامنے حاصل کرے۔انشاء اللہ بے بہرہ نہ رہے گا۔خدا ان کی عمر میں برکت دے اور معرفت کی تمام نعمتوں اور اپنی قربت کے کمالات سے مشرف فرمائے اور بلند رتبوں تک پہنچائے اور ان کے نور ہدایت سے دنیا کو روشن کرے اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے میں قیامت تک ان کا فیض جاری رکھے‘‘۔

(بحوالہ ضیاء القلوب۔ص:97۔تصنیف شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی ناشر کتب خانہ مجید بیرون بوہڑ گیٹ ملتان)

اللہ اکبر کبیرا!اگر اہل بدعت کے یہ دانت دکھانے کے اور،اور کھانے کے اور نہیں تو آؤ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی اس وصیت کو دل و جان سے قبول کرتے ہوئے اس پر دستخط کر کے اس جھگڑے کو ختم کر دو۔مگر تم ایسا کبھی نہیں کرو گے کیونکہ جس طرح تمہارے امام نواب احمد رضا خان نے اس وصیت کو قبول نہ کر کے ملافی سبیل اللہ فساد کا مظہر اور سارے فساد کی جڑ تھا اسی طرح آج اس کی ذریت اسی مکروہ کام میں ملوث ہے۔

آخر یہ منافقت کب تک؟

ایک طرف تو بریلوی حضرات خود یہ اصول پیش کر رہے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب کے جو نظریات وعقائد ہیں اس پر دستخط کرلو تو جھگڑا ختم۔مگر دوسری طرف جب اکابر علمائے اہلسنت دیوبند کے متعلق حاجی صاحب کی اس وصیت کو پیش کیا جاتا ہے تو بریلوی مفتی خلیل برکاتی

جواب دیتا ہے:

''ہاں وصیت کے عنوان سے شاہ صاحب نے جو کچھ تحریر کیا اسے ہم نے قابل توضیح نہ جانا اور اس عبارت کو ہاتھ نہ لگایا کہ فتنہ خوابیدہ بہ''۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ توضیحات وتشریحات ص ۳۱۱)

اس کا مطلب میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کوڑا کوڑا تھو تھو!! جو عبارت تمہارے مقصد کی ہو اسے قبول نہ کرنا تو کارملا فساد فی سبیل اللہ اور جو تمہارے کام کی نہ ہو اس پر بات کرنا فتنہ وفساد؟ یہ اصول وضابطے کیا تمہارے اباجی کے گھر کی لونڈیاں ہیں کہ جو کرتے رہو کوئی پوچھنے والا نہیں؟ یہی برکاتی خود لکھتا ہے:

''اب بھی اپنے شیخ کی نہ ماننا اور اپنے ہی گن گائے جانا، دنیا وآخرت دونوں میں تباہی و بربادی اور دارین میں ذلیل ورسوا ہونا ہے''۔

(فیصلہ ہفت مسئلہ توضیحات وتشریحات، ص ۵۹)

پس حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس وصیت کو نہ مان کر بلکہ اسے فتنہ وفساد کہہ کر اہل بدعت نے دونوں جہانوں میں ذلت ورسوائی کو اپنا مقدر بنالیا ہے۔

بہر حال قصہ مختصر حوالہ جات کی بھر مار ہے کس کس کو پیش کیا جائے؟ بقول شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ماننے والے کیلئے ایک دلیل بھی کافی ہے اور نہ ماننے والے کیلئے دفتر کے دفتر بھی ناکافی ہیں۔ اب اگر بریلوی حضرات میں انصاف ودیانت رائی کے دانے کے برابر ہے جس کی ہمیں کوئی توقع نہیں تو اپنے ہی قائم کردہ اصول کے تحت حسام الحرمین اور نواب احمد رضا خان کو تکفیر کے مسئلہ میں ضال ومضل مان کر علمائے دیوبند کی اس حقانیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس جھگڑے کو ہمیشہ کیلئے ختم کر دیں۔

تمام بریلوی مسلک کا اس وقت موقف عدم تکفیر ہے

خلیفہ اعلیٰ حضرت مولوی حشمت علی رضوی لکھتا ہے:

''عبارت نمبر ا نے صاف فرمادیا کہ علما بریلی وقت کا مسلک یہی ہے کہ سب مسلمان کہلانے والے اپنے آپس کے جملہ اختلافات کو ذاتی اور فروعی اختلافات اور جھگڑے سمجھ کر ان سب کو بالائے طاق رکھ کر مسلم لیگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر متحد ومتفق ہو جائیں''۔

(ستر باادب سوالات، ص ۹۸)

یہ عبارت اس بات کا بین ثبوت ہے کہ جب بریلوی مولویوں کو اپنا الو سیدھا کرنا ہو تو وہ حسام الحرمین کو تندور میں جھونکنے میں ذرہ بھر دیر نہیں لگاتے۔ مسلم لیگ کی حمایت حاصل کرنے کی خاطر بقول حشمت علی رضوی تمام بریلوی مسلک کا یہی موقف ونظریہ ہوگیا تھا کہ مسلمان کہلانے والے جتنے فرقے ہیں ان کو آپسی اختلافات ذاتی اور فروعی قسم کے ہیں لہٰذا ان سب کو بھول جائیں۔

ان بدبختوں نے کفر کے فتوؤں کو کھیل تماشہ بنایا ہوا ہے۔ جہاں دو روٹیاں تکفیر پر ملیں وہاں کافر کافر جو نہ مانے وہ بھی کافر اور جہاں دو روٹیاں اتحاد پر ملیں تو پھر یہی کفر وارتداد کا اختلاف محض فروعی بن جاتا ہے اور اتحاد، اتحاد کا نعرہ لگ جاتا ہے۔ اس عبارت سے یہ بھی پتہ چلا کہ بریلویوں نے من حیث الجماعۃ اس بات کو تسلیم کیا کہ حسام الحرمین مسلمانوں میں افتراق وانتشار پھیلانے والی کتاب ہے اور اس کے

ہوتے ہوئے مسلمان کبھی بھی اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک جھنڈے تلے جمع نہیں ہو سکتے۔

اب اہل بدعت کا ٹبر جواب دے کہ جس ناپاک کتاب حسام الحرمین کی حقانیت آج غیر مقلدین کے گھر سے ثابت کی جارہی ہے اس کا باطل ہونا تو خود بریلوی علما نواب احمد رضاخان کے مرنے کے چند سالوں بعد ہی تسلیم کر چکے ہیں۔شاید اسی لئے اب اس کی حقانیت غیر مقلدین سے ثابت کی جارہی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ بریلویوں نے حسام الحرمین کو صرف اپنے ذاتی مفادات کیلئے ایک آڑ بنایا ہوا ہے جہاں کفار کی مدد کرنا مقصود ہو اور علمائے دیوبند کو بدنام کرنا ہو تو وہاں حسام الحرمین کا واویلا اور جہاں علمائے دیوبند سے تعاون کی ضرورت پیش آجائے تو انتہائی ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اتحاد اتحاد کی گردان شروع۔ایسے شتر مرغوں کے فتووں کا کوئی بے وقوف ہی اعتبار کرے گا۔

جو بریلوی اپنی سادہ لوح عوام کو بے وقوف بنانے کیلئے حشمت علی رضوی کی ''الصوارم الہندیہ'' کو لئے پھرتے ہیں وہ ذرا انہی حشمت علی رضوی کی ''ستر باادب سوالات'' کے جواہر پاروں سے بھی اپنی عوام کو روشناس کرائیں تاکہ عقل ٹھکانے لگے۔

خان صاحب بریلوی ہی کے خاندان سے حسام الحرمین کے خلاف آواز

نواب احمد رضاخان کا پوتا مولوی توقیر رضاخان نے اپنے داد کی بدنام زمانہ کتاب اور ان کی طرف سے ہند میں پھیلائے جانے والے فتنۂ تکفیر پر مٹی ڈالنے کی اس طرح کوشش کی:

''انڈیا (ممبئی اردو نیوز) ہم ملت کے حق میں کبھی بھی تفرقہ کا شکار نہیں ہونگے،

بریلوی اور دیوبندی کے نام پر ہمیں کوئی لڑا نہیں سکتا،

دہشت گردی پوری دنیا کے لئے ایک لعنت ہے.کوئی بھی مسلمان آتنک وادی ہرگز نہیں ہوسکتا، پوری دنیا میں مسلمانوں کے خلاف ایک منظم سازش چل رہی ہے، آر.ایس.ایس کی ذھنیت والے افسران علماء و زعماء قوم کو آتنکی گردان کر مسلمان اور اسلام کو بدنام کرنا چاہتے ہیں، جب ہمارے قائدین ملت دہشت گردی سے نفرت کرتے ہیں، تو ہم اپنے بچوں کو کیسے دہشت گردی کے لئے چھوڑ سکتے ہیں۔

ان خیالات کا اظہار دارالعلوم دیوبند کے مہمان خانہ میں تشریف لائے نبیرہ امام اہل سنت مولانا توقیر رضا خان نے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مولانا مفتی ابوالقاسم نعمانی سے ملاقات کے بعد صحافیوں کے سامنے کیا، انہوں نے کہا کہ دیوبند آنے کا مقصد صرف اور صرف یہ ھیکہ عقائد میں اختلاف کے باوجود ہم سارے مسلمان سیکولرزم اور جمہوریت کے محافظ ہیں.

دیوبندی اور بریلوی سب مل کر ملک کی ایکتا اور اکھنڈتا کی حفاظت کرینگے، عقائد میں سمجھوتا نا کرکے بھی ہم ملک و ملت کے لئے سارے مسلمان بلا تفریق مسلک کل بھی ایک تھے آج بھی ایک ہیں، انہوں نے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم مفتی ابوالقاسم نعمانی سے گزارش کی کہ ملت اسلامیہ ھند کے لئے ہم سب ایک ہیں، بریلوی یا دیوبندی کے نام پر ہم آپس میں لڑکر دوسروں کو ہمارے اتحاد میں سیندھ لگانے نہیں دیں گے.

انہوں نے کہا کہ مسلم نوجوانوں کو حکومتی اہلکار اور تفتیشی ایجینسیاں جس طرح سے بغیر کسی ثبوت کے پابند سلاسل کر رہی ہیں، ہم سب اس کے خلاف ہمہ وقت سینہ سپر ہیں، شاکر اور اس جیسے جتنے بھی بے گناہ گرفتار کئے گئے ہیں وہ سب میرے اور ہمارے بچے ہیں، اور میں اس یقین

کے ساتھ ہی دیوبند شاکر کے والدہ سے ملنے آیا ہوں کہ شاکر بالکل بےقصور ہے،اسے جلد از جلد رہا کیا جائے،انہوں نے کہا کہ میں ذاتی طور پر آسرائے اسیران ملت مولانا ارشد مدنی کا ملت کی جانب سے شکریہ ادا کرتا ہوں،اورانہیں سلام کرتا ہوں کہ وہ تن تنہا ملت کی میحائی اور آسرائی بحسن وخوبی کررہے ہیں،انہوں نے مہتمم دارالعلوم دیوبند سے کہا کہ ملت اور علماء وزعماء قوم کے مسائل پر جب بھی آنچ آئے گی ہم دوڑ کر آپ کے پاس آئینگے اور مل کر ظلم کے خلاف میدان میں کود ینگے۔

مفتی ابوالقاسم نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اس تاریخی موقع پر مولانا توقیر رضا صاحب کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ دارالعلوم دیوبند ہمیشہ سے دہشت گردی کے خلاف جدوجہد کرتا آیا ہے،۲۰۰۸جب میڈیا اور بھگوا افسران اسلام کو آرتنک کا مذھب اور مسلمانوں کو آتنک واد ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگارہے تھے تب دارالعلوم کے پلیٹ فارم سے ہی اکابرین دیوبند نے بلاتفریق مسلک ایک عہد آفریں دہشت گردی مخالف کانفرنس بلائی جس نے بین الاقوامی میڈیا کا رخ بدل دیا،اور آج بھی ہم اسی طرح آتنک واد کے خلاف لڑرہے ہیں،فرضی طور پر جس طرح سے ہمارے بچوں کو گرفتار کرکے زدوکوب کیا جارہا ہے،ہم دیوبند و بریلوی مسلک کے نمائندے ایک آواز میں حکومت ھند سے مطالبہ کرتے ہیں کہ انصاف کے اس دوہرے رویہ کو بند کرکے اپنے بے مہار افسران پر قدغن لگائیں‘‘۔

(ممبئی اردو نیوز،پیر۹مئی ۲۰۱۶،وروزنامہ صحافت دلی،۹مئی۲۰۱۶)

پاکستان کے تمام علماء بشمول حکومت پاکستان

کا حسام الحرمین کے خلاف اتفاق

حال ہی میں صدر ممنون حسین کی قیادت وسر براہی میں حکومت پاکستان کی طرف سے تمام مسالک کے اتحاد و اتفاق کے ساتھ ایک حکومتی بیانیہ بنام’’پیغام پاکستان‘‘شایع کیا گیا ہے اس کی شق نمبر ۱۳ ہے:

’’عالم دین اور مفتی کا منصبی فریضہ ہے کہ صحیح اور غلط نظریات کے بارے میں دینی آگہی مہیا کرے اور مسائل کا درست شرعی حل بتائے،البتہ کسی کے بارے میں یہ فیصلہ صادر کرنا کہ آیا اس نے کفر کا ارتکاب کیا ہے یا کلمہ کفر کہا ہے یہ ریاست وحکومت اور عدالت کا دائرہ اختیار ہے‘‘۔

(پیغام پاکستان،ص۳۱)

اس کا مسودہ دینی مدارس کے مندرجہ ذیل وفاقوں کی کاوشوں سے وجود میں آیا:

(۱) وفاق المدارس العربیہ
(۲) تنظیم المدارس اہلسنت
(۳) وفاق المدارس السلفیہ
(۴) وفاق المدارس الشیعیہ
(۵) رابطۃ المدارس پاکستان

(پیغام پاکستان،ص ix)

ذیل میں چند بریلوی علماء کے نام ہم لکھ رہے ہیں جنہوں نے اس پیغام پاکستان کی تائید وتوثیق کی ہے:

(۱) مفتی منیب الرحمن،

(۲) سعید اسعد فیصل آبادی،

(۳) حامد رضا،

(۴) الیاس قادری عطاری،

اس کے علاوہ ملک بھر کے مختلف مسالک کے ۱۸۰۰ سے زاید علماء سے اس پر تصدیقات لی گئی ہیں۔گویا پوری قوم بشمول بریلوی مکتبہ فکر نے حسام الحرمین کو دیوار پر دے مارا۔اس مسودے پر دستخط کے بعد بھی اگر بریلوی علماء ومناظرین اپنے سٹیجوں،کتابوں،بیانات،منبروں میں معاذ اللہ علمائے دیوبند کو کافر کہیں تو ان سے بڑا منافق اور کوئی نہیں۔اس لئے کہ اب غیرت کا تقاضہ یہ ہے اور حسام الحرمین کو سچا ثابت کرنے کی صرف ایک ہی صورت بچی ہے کہ بریلوی علماء حکومت پاکستان یا سپریم کورٹ سے اس کی تائید وتوثیق لیں اور یوں اس مسئلہ کو ہمیشہ کیلئے حل کر دیں۔مگر بریلوی مولوی زہر کا پیالہ تو پی لیں گے علمائے دیوبند کے خلاف نہ پارلیمنٹ میں اور نہ ہی سپریم کورٹ میں کوئی درخواست دیں گے کیونکہ انہیں بھی معلوم ہے کہ روئے زمین پر حسام الحرمین سے زیادہ جھوٹی دستاویز اور کوئی نہیں۔

آخری بات

نام نہاد مجاہد سنیت لکھتے ہیں:

”قارئین! آپ نے ملاحظہ کیا کہ مولوی احسان الٰہی ظہیر صاحب نے اعلیٰ حضرت پر اس وجہ سے تنقید کی کہ انہوں نے اکابر دیوبند مولوی قاسم نانوتوی،مولوی خلیل انبیٹھوی،مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی اشرف علی تھانوی کی عبارات کو گستاخانہ قرار دے کر ان کی تکفیر پر علمائے حرمین سے تصدیقات لیں۔لیکن اعلیٰ حضرت کی یہ روشن کرامت ہے کہ احسان الٰہی ظہیر کے فرقہ غیر مقلدین وہابی علماء بھی مسئلہ تکفیر دیوبندیہ میں سیدی اعلیٰ حضرت کی تصدیق کر رہے ہیں“۔

(اہل سنت کی حقانیت کا غیر مقلدین سے ثبوت،ص ۲۹)

کیوں جناب!اگر چند وہابی غیر مقلد علماء نے مسئلہ تکفیر میں آپ کے اعلیٰ حضرت کی تصدیق کر دی تو یہ اعلیٰ حضرت کی کرامت ہوگئی تو ہم نے جو ماقبل میں آپ ہی کے ”ہم مخرج“ علماء واکابر کے حوالے دئے جنہوں نے علمائے دیوبند کی تکفیر نہیں کی تو کیا یہ علمائے دیوبند کی کرامت نہ ہوگی؟ اور اگر نہیں تو کیوں؟

موصوف کے جاری کردہ ایک رسالے میں کاشف اقبال رضاخانی نامی ایک بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

”جہاں تک سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی ...... کے ایمان کی بات ہے تو وہ تمہیں ہم سے الجھنا نہیں چاہیے بلکہ تمہیں اپنے اکابر مثلاً اشرفعلی تھانوی وغیرہ سے مناظرہ مجادلہ کرنا چاہیے جو سیدی اعلیٰ حضرت بریلوی کو ایمان واسلام اور عشق رسول ﷺ کی سند دیئے ہوئے ہیں......تمہارا کفر کا فتویٰ تمہارے اکابر دیوبند پر لگتا ہے اس لیے کہ اگر اعلیٰ حضرت بریلوی مسلمان نہیں تھے تو ان کو مسلمان اور عاشق رسول اور ان کو اپنا امام بنانے کی خواہش مندسب دیوبندی اکابر کافر ہوئے اس لیے کہ ”من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر“ کتب فقہ میں مرقوم ہے“۔

(کلمہ حق:ص ۸۵،۸۶ رشمارہ نمبر ۴)

پس اگر رضاخانیوں کو ہمارے اکابر کے کفر وایمان پر مناظرہ کرنا ہی ہے تو اپنے ان اکابر سے کریں جو علمائے دیوبند کو مومن مسلمان جان رہے ہیں۔ بقول کاشف صاحب تمہارا اکفر خود تم پر لگتا اس لئے کہ بقول تمہارے اگر علمائے دیوبند مسلمان نہیں تو ان کو مسلمان کہنے والے ،عاشق رسول ﷺ کہنے والے، اسلام کے مایہ ناز علما سمجھنے والے کافر ہیں کیونکہ کتب فقہ میں مرقوم ہے کہ جو کسی کافر کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔تو جب شک کرنے والا کافر تو مسلمان کہنے والا تو اکفر ہوگا۔ یہ بھی یاد رہے کہ کاشف صاحب نے یہاں کہیں بھی ''عقائد کا علم نہ تھا'' وغیرہ جیسی الجر پنچر تاویلوں کی قید نہیں لگائی۔

اور مولوی حسن علی رضوی صاحب بھی بغیر کسی الڑتلڑ کے یہ اصول نقل کرتے ہیں:

''مصنف مانچسٹری کو ہزاروں جھک مار کر یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اکابر دیوبند نے اعلی حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی ۔۔۔کی تکفیر نہیں کی اعلی حضرت کو کافر نہیں کہا پس ثابت ہوگیا کہ اعلی حضرت فاضل بریلوی ۔۔کے عقائد واعمال ہرگز ہرگز کفریہ وشرکیہ توہین و تنقیص آمیز نہ تھے''۔

(محاسبہ دیوبندیت، جلد دوم،ص ۳۹۳)

بعینہ یہی جواب ہمارا آپ کی خدمت میں حاضر ہے۔

دو غیر جانبدار شخصیات

مجاہد سنیت تو آج کے متعصب ومتعنت قسم کے غیر مقلد چنڈو خانوں کے حوالے پیش کرکے اپنے خان صاحب کی کرامات کو ثابت کررہے ہیں لیکن آئیے ہم علمائے دیوبند کی کرامت کو ایسی دو شخصیتوں سے ثابت کرتے ہیں جن کے غیر جانبدار ہونے کے گواہ خود بریلوی اکابر ہیں۔

✶ چنانچہ بریلوی فقیہ الہند شریف الحق امجدی لکھتا ہے:

''اب آئے غیر جانبدارانہ شہادتیں نجدیوں کے بارے میں ملاحظہ فرمائیں مولانا ابوالحسن زید صاحب فاروقی دہلوی مقامات خیر میں لکھتے ہیں''۔

(تحقیقات،ص ۱۶۴)

خلیل رانا سعیدی نامی ایک بریلوی لکھتا ہے:

''حضرت شاہ ابوالحسن زید فاروقی دہلوی ۔۔۔۔ان کی شخصیت میں جانبداری شمہ بھر بھی نہ تھی اور ان کی کتب کا جنھوں نے مطالعہ کیا ہے وہ بالضرور اس بات کی تائید کریں گے کہ ان کی تحریروں میں غیر جانبداری اور تحقیق وانصاف جیسے اصولوں کی پیروی جگہ جگہ ملے گی ۔اس لئے آپ پر کسی طرف جھکاؤ کا الزام نہیں دیا جاسکتا''۔

(معارف رضا،ص ۱۵۷ سالنامہ ۲۰۱۶)

بندے نے مولانا ابوالحسن زید فاروقی کی جملہ کتب مثلا:

(۱) مولانا اسمعیل اور تقویۃ الایمان

(۲) مقامات خیر

(۳) بزم خیر از زید

(۴) حضرت مجدد ؒ اور ان کے ناقدین

(۵) علامہ ابن تیمیہ اور ان کے ہم عصر علما

(۶) تبلیغی جماعت کی حقیقت

کا مطالعہ کیا ہے۔اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ حضرت موصوف بہر حال غیر جانبدار تو بالکل بھی نہ تھے البتہ اہل بدعت کی طرف ان کا جھکاؤ ضرور تھا۔حضرت موصوف کتنے ''غیر جانبدار'' تھے اس کا اندازہ ان کی صرف ایک کتاب سے لگا لیں ۔موصوف کا ایک فتوی تبلیغی جماعت جیسی پر امن ،فرقہ ورانہ اختلافات سے پاک ، اہل اللہ کی جماعت کے خلاف ''تبلیغی جماعت کی حقیقت مطبوعہ ادارہ معارف نعمانیہ لاہور'' کے نام سے ایک فتوی کی صورت میں شایع ہوئی ہے ۔جس میں موصوف نے تبلیغی جماعت کے بارے میں کس قسم کی مہذب زبان استعمال کی ہے اس کا اندازہ کتاب کا پیش لفظ لکھنے والے محمد موسیٰ بریلوی کی اس عبارت سے لگا لیں :

''اس مختصر تحریر میں ان نام نہاد مبلغین اسلام کے بارے میں جو مبنی بر حقیقت جملے اور الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کو پڑھتے ہوئے عارف و فاضل مصنف کی رگِ فاروقی متحرک نظر آتی ہے ۔مختلف مواقع پر ارقام فرماتے ہیں : بدنصیب ،کفریہ بات، سب جھوٹ ، ایسے بے دینوں کے فتنہ، اس خواب کو دیکھنے والے بزرگ کا بڑا بزرگ غلام احمد قادیانی ہوا ہے، یہ اللہ کے قول کو رد کر کے کافر ہو رہا ہے، ذالک ھو الخسران العظیم یہ عظیم آفت ہے، اللہ تعالی ان کی گمراہی سے بچائے، گمراہی رائے ونڈ والوں کا عمل بدعت ہے، اس سے اجتناب لازم ہے، امت محمدیہ میں پھوٹ ڈال رہے ہیں ، شر الدواب ملعون ، خناس ۔اور اس دعا کے ساتھ بات کو ختم کرتے ہیں ''اللہ تعالی اپنے بندوں کو اس فتنہ سے محفوظ رکھے''۔

(تبلیغی جماعت کی حقیقت ،ص ۴،۵)

اگر کسی کے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل ہے تو مجھے جواب دے کہ کیا ایسے متعصب اور تھوک ریٹ کے حساب سے کفر کے فتوے بانٹنے والے کو ہم ''غیر جانبدار'' کہہ سکتے ہیں؟

بریلویوں کے یہ دانت اگر محض دکھاوے کیلئے نہیں ہیں تو انہی موصوف نے شیخ الاسلام حضرت علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف اور ان کے رد میں پوری ایک کتاب لکھی ہے اس میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ پر خوب ردوقدح کرنے کے بعد بالآخر یہ لکھتے ہیں :

''علامہ حافظ ابن حجر عسقلانی صاحب فضل و کمال تھے علامہ ابن تیمیہ کے شذوذات اور تفردات سے متنفر تھے ۔انہوں نے رسالہ ''الرد الوافر'' کی تقریظ لکھی اس میں علامہ ابن تیمیہ کے متعلق جو رائے قائم کی ہے نہایت درست اور انصاف پر مبنی ہے تحریر فرماتے ہیں :

مع ذالك فهو بشر يخطئ و يصيب فالذى اصاب فيه وهو الا كثر يستفاد عنه و يترحم عليه بسببه والذى اخطا فيه لايقلد فيه بل هو معذور

(ان تمام فضائل اور علم و کمالات کے ہوتے ہوئے ابن تیمیہ ایک بشر ہیں جو خطا بھی کرتا ہے اور صواب پر بھی رہتا ہے جن مسائل میں وہ صواب پر رہے ہیں وہ زیادہ ہیں ان سے استفادہ کیا جائے اور ان کی وجہ سے ابن تیمیہ کے واسطے رحمت کی دعا کی جائے (رحمۃ اللہ علیہ) اور جن مسائل میں ان سے خطا ہوئی ہے، ان مسائل میں ان کی پیروی نہ کی جائے وہ ان مسائل میں معذور

ہیں۔علامہ ابن حجر عسقلانی کی اس رزین ومتین رائے کا میں قدردان ہوں کسی نے خوب کہا ہے انمہ یعرف الفضل ذووہ دانش وبینش کی قدر خداوندان دانش وبینش ہی کرتے ہیں''۔

(علامہ ابن تیمیہ اوران کے ہم عصر علماص ۱۲۳، ۱۲۴شاہ ابوالخیر اکیڈمی دہلی)

تو جناب من! کیا آپ اپنے اس غیر جانبدار بندے کی شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اس''غیر جانبدار'' رائے سے متفق ہیں؟اور کیا ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں رحمت کی دعا کے قائل ہیں؟

بہرحال اس موقع پر چونکہ بریلوی حضرات نے اپنا مطلب پورا کرنا تھا اس لئے میٹھی میٹھی باتیں کررہے ہیں کہ بڑے غیر جانبدار تھے۔ اگر واقعی ایسا ہے تو ان کے اس نظریہ کو تسلیم کیوں نہیں کرتے؟موصوف اپنے والد کے حوالے سے فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''مرگ مولوی رشید احمد زخمے است کہ مرہم نہ دارد،عالم صالح دیندار دریں وقت حکم عنقا دارد۔ انا للہ و انا الیہ راجعون مردِ این چنیں یک شخص از مردن یک ہزار بردیندارں سخت تر است اللھم لاتجعل مصیبتنا فی دیننا ولا تجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا والسلام''۔

(بزم زید ص ۹۴،۹۵،شاہ ابوالخیر اکیڈمی دہلی)

ترجمہ:(مولانا رشید احمد گنگوہی کے انتقال کی خبرسن کر فرمایا)یہ وہ زخم ہے جس کا مرہم نہیں۔(مقامات خیر،ص۴۰۹)ایسے عالم صالح دیندار اس وقت میں عنقا ہیں۔ان جیسا ایک فرد ایک ہزار دینداروں پر بھاری ہے۔

✷ ایک اور غیر جانبدار صاحب کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حضرت مفتی اعظم ہند۔۔۔کیلئے تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے والد۔۔۔کی حمایت میں انکار کررہے ہیں لیکن حضرت مولانا مفتی مظہر اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اوران کے صاحبزادگان ومولانا مفتی زاہد القادری کے بارے میں تو اس بدگمانی کا تو کوئی موقع ہی نہیں یہ اعلی حضرت،۔۔۔کے مرید ہیں نہ تلمیذ ان کی اس بارے میں رائے ہر قسم کے دباؤ اور حمایت بیجا سے بری ہے''۔

(تحقیقات،ص۱۱۶)

یہ مفتی مظہر اللہ صاحب علمائے دیوبند کے بارے میں کیا رائے رکھتے ملاحظہ ہو۔ان سے سوال ہوا:

''مولوی اسمعیل دہلوی،مولانا محمد قاسم نانوتوی(بانی مدرسہ دیوبند)مولوی اشرف علی تھانوی مولوی رشید احمد گنگوہی مولوی خلیل احمد انبیٹھوی وغیرہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں جو گستاخانہ عبارتیں لکھی ہیں ان کی وجہ سے ان پر کفر کا حکم لگایا جائے یا نہیں؟''

الجواب

''اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں سے جو بعض اقوال صادر ہوئے وہ یقینا کفر ہیں لیکن اب جبکہ یہ لوگ انتقال کرگئے اور یہ معلوم نہیں کہ توبہ کی یا نہ کی اوران کی عاقبت کیسی ہوئی ہے اس لئے میرے نزدیک ان کے حق میں سکوت بہتر ہے البتہ جو شخص ان عبارتوں کا قائل ہو یقینا کافر ہے''۔

(فتاوی مظہریہ،ص ۳۷۴)

موصوف کہتے ہیں کہ چونکہ ہمیں معلوم نہیں کہ ان حضرات نے توبہ کی یا نہیں اس لئے ہم کافر نہیں کہتے بلکہ سکوت بہتر ہے۔تو کیا بریلوی

حضرات اس بات پر ہم سے اتفاق کرتے ہیں کہ ان اکابر کے کفر کے بارے میں وہ آج سے سکوت کریں گے؟

احمد سعید کاظمی صاحب کا ایک دھوکا

اہل بدعت کے غزالی اور رازی احمد سعید کاظمی اس موقع پر ایک مغالطہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اس بحث میں ہمارے مخالفین (حضرات علماء دیوبند) کا ایک آخری سہارا یہ ہے کہ بہت سے اکابر علماء کرام ومشائخ عظام نے علماء دیوبند کی تکفیر نہیں کی جیسے سند المحدثین حضرت مولانا ارشاد حسین صاحب مجددی رام پوری رحمۃ اللہ علیہ اور قبلۂ عالم حضرت سید پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ اسی طرح بعض دیگر اکابر امت کی کوئی تحریر ثبوتِ تکفیر میں پیش نہیں کی جاسکتی۔ اس کے متعلق گزارش ہے کہ تکفیر نہ کرنے والے حضرات میں بعض حضرات تو وہ ہیں جن کے زمانے میں علماء دیوبند کی عباراتِ کفریہ (جن میں التزامِ کفر متیقّن ہو) موجود ہی نہ تھیں جیسے مولانا ارشاد حسین صاحب رام پوری رحمۃ اللہ علیہ۔ ایسی صورت میں تکفیر کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارے مخالفین میں سے آج تک کوئی شخص اس امر کا ثبوت پیش نہیں کرسکا کہ فلاں مسلّم بَیْنَ الْفَرِیْقَیْن بزرگ کے سامنے علماء دیوبند کی عبارات مُتَنَازَعَۃ فِیْہَا پیش کی گئیں اور انہوں نے ان کو صحیح قرار دیا یا تکفیر سے سکوت فرمایا۔ علاوہ ازیں یہ کہ جن اکابر امت مسلّم بَیْنَ الْفَرِیْقَیْن کی عدمِ تکفیر کو اپنی براءت کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے، ممکن ہے کہ انہوں نے تکفیر فرمائی ہو اور وہ منقول نہ ہوئی ہو کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ کسی کی کہی ہوئی ہر بات منقول ہوجائے لہذا تکفیر کے باوجود عدمِ نقل کے احتمال نے اس آخری سہارے کو بھی ختم کردیا۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْد''۔

(الحق المبین، ص ۶۷، ۶۸، مکتبہ المدینہ)

کتاب کا محشی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''جن کا انتقال ۱۳۱۲ھ میں ہوچکا تھا جبکہ کفریہ عبارات پر مبنی کتابوں میں سے بعض تو بعد میں لکھی گئیں یا بعض پہلے لکھی جاچکی تھیں مگر عام نہ ہونے کی بنا پر ان علماء کی نظر سے نہیں گزری۔ اور بعض وہ حضرات ہیں جن کے زمانے میں اگرچہ وہ عبارات شائع ہوچکی تھیں مگر ان کی نظر سے نہیں گزریں، اس لیے انہوں نے تکفیر نہیں فرمائی''۔

(الحق المبین، ص ۶۷)

کاظمی صاحب نے اس مضبوط اعتراض سے محض گلوخلاصی کی ہے کیونکہ:

اولا: یہ کہنا کہ ان میں سے بعض علماء وہ ہیں جن کے زمانے میں یہ عبارات موجود ہی نہ تھیں جیسے مولانا ارشاد حسین رامپوری۔ محض دروغ گوئی یا جان بوجھ کر مغالطہ دینا ہے۔ یہ جھوٹ محشی کو بھی ہضم نہیں ہوا اس لئے حاشیہ میں وضاحت کردی کہ موجود تو تھی مگر عام نہ ہونے کی وجہ سے ان علما کی نظر سے نہیں گزری۔ بہرحال دونوں حضرات ہی اپنے بھولے بھالے لوگوں کو فریب دے رہے ہیں۔ مولانا ارشاد حسین صاحب رامپوری کے سامنے یہ عبارات تھیں بلکہ اس سے متعلق ان سے باقاعدہ فتوی حاصل کیا گیا جیسا کہ ہم نے ماقبل میں نقل کردیا کہ فتاوی ارشادیہ میں امکان کذب کے متعلق جس پر خان صاحب نے کفر کا فتوی دیا مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیکر ان سے فتوی لیا گیا مگر انہوں نے اس عقیدہ والے کے پیچھے نماز کو بلا کراہت جائز کہا۔ اسی طرح سیف العطا کے حوالے سے بھی یہ حوالہ گزر چکا کہ پیر مہر علی شاہ صاحب کو حسام الحرمین کی خبر تھی مگر اس کے باوجود انہوں نے علمائے دیوبند کی تکفیر نہیں کی۔ یاد رہے کہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے ساری زندگی مرزائیوں کے خلاف کام کیا۔ بریلوی حضرات کا یہ کہنا ہے کہ معاذ اللہ مرزا غلام احمد قادیانی کو نبوت کا دروازہ حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دکھایا تھا

،دیوبندی مرزائیوں سے بڑے کافر ہیں العیاذ باللہ تو یہ کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ پیر مہر علی شاہ صاحب کو مرزائیوں کے کفر کا تو علم ہو اور بقول بریلوی حضرات ان سے بھی بڑے کافروں کا علم نہ ہو؟۔پھر پیر صاحب کے جانشین علمائے دیوبند کی تکفیر نہ کرنے کو ان کے حق میں مقام مدح میں لا رہے ہیں اور یہ مدح تب ہی بنے گی جب اس اختلاف کا علم ہو اور پھر بھی تکفیر نہ کی ہو کیونکہ مدح وجودی شے کی ہوتی ہے عدمی کی نہیں۔

ثانیا: نواب احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں:

''وہ مرد نہیں جو ساری دنیا کو مثل ہتھیلی کے نہ دیکھے۔۔۔وہ مرد نہیں جو تمام عالم کو انگوٹھے کے ناخن کی مثل نہ دیکھے''۔

(ملفوظات اعلیٰ حضرت، حصہ اول، ص ۱۳۱)

پس جب خان صاحب کے نزدیک مرد ہونے کی نشانی ہی یہی ہے کہ ساری دنیا کو کف ید کی طرح دیکھے نیز خان صاحب کا عقیدہ تھا کہ لوح محفوظ اولیاء کے پیش نظر ہوتی ہے۔تو اب یہ کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ یہ ان علمائے دیوبند کی عبارات کو ملاحظہ نہیں فرما رہے تھے اس صورت میں تو ان کا ولی ہونا تو بہت دور کی بات ''مرد'' ہونا بھی محل نظر ہوا۔

ثالثا: خود ما قبل میں نواب احمد رضا خان بریلی کے حوالے سے یہ گزر چکا کہ:

''جو اشخاص نہ عالم ہیں نہ دیوبند کے تعلیم یافتہ، ان سے بیعت وعقیدت رکھتے ہیں محض اپنی لاعلمی عقائد کی وجہ سے ان کو کافر نہیں سمجھتے اور ان کے عقائد بھی بالکل ایسے نہیں ہیں جن پر تکفیر لازم آتی ہے تو ان کے پیچھے نماز پڑھنی چاہئے یا تنہا بہتر ہے''

اس کے جواب میں نواب صاحب لکھتے ہیں:

''سائل صورت وہ فرض کرتا ہے جو واقع نہ ہوگی دیوبندیوں کے عقائد کفر طشت از بام ہو گئے منکر بننے والے اپنی جان چھڑانے کیلئے انکار کرتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں''۔

(فتاوی رضویہ، ج ۲۹، ص ۲۸۴)

یعنی جو یہ کہتا ہے کہ مجھے دیوبندیوں کے عقائد کا علم نہیں تو خان صاحب کہتے ہیں کہ یہ وہ صورت ہے جو واقع نہ ہوگی کیونکہ دیوبندیوں کے عقائد تو طشت از بام ہیں سب کو معلوم ہے یہ تو محض جان چھڑانے کا بہانہ ہے۔لہٰذا بریلوی حضرات اس بہانے کو چھوڑ دیں کہ ہمارے فلاں فلاں عالم کو چونکہ عقائد کا علم نہ تھا اس لئے تکفیر نہ کی۔

رابعا: بدعتیوں کے مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضا خان صاحب لکھتے ہیں:

''اولاً اتنا عظیم اخبث گندا کفر کہ آج تک کسی ہندو، مجوسی، آریہ، یہودی نے بھی نہ بکا ہوگا کہ اس کا معبود جھوٹا کذاب ہے، گنگوہی صاحب کی نسبت شائع ہو اس کے رد ہوں اس پر گنگوہی صاحب کی تکفیریں ہوں اور گنگوہی صاحب ۱۵ برس جئیں اور اصلا انکار نہ کریں کوئی عاقل اسے قبول کرسکتا ہے؟ اگر اس میں ایک حرف کا بھی ان کی اصل تحریر سے فرق ہوتا جس سے ان پر اتنا موٹا کفر آتا چیخ پڑتے ، اشتہار پر اشتہار شائع کرتے کہ مجھ پر افترا ہے ،میرے اصل فتوے میں یہ تھا اس کو یوں بنالیا ہے نہ کہ سارا فتوی ۔اتنے خبیث کفر کا کہ کسی پادری یا آریہ سے بھی اس کی نظیر نہ ملے گنگوہی صاحب کے نام سے شائع ہو اس پر رد ہوں، تکفیریں ہوں پندرہ برس چپ رہیں اور اسی خاموشی کو لئے ہوئے شہر خموشاں چل بسیں''۔

(الاستمداد، حصہ دوم، ص ۶۶)

ہمارا بھی یہی مطالبہ ہے کہ معاذ اللہ اگر علمائے دیوبند نے ایسا کفر بولا کہ جو آج تک کسی عیسائی، یہودی،، آریہ، مجوسی کے منہ سے بھی نہ نکلا

اس پر کفر کے فتوے شایع ہوئے، اشتہارات شایع کئے گئے۔ اس بنیاد پر ایسا اختلاف ہوگیا کہ دیوبندی معاذ اللہ دنیا کے سب سے بڑے کافر بن گئے ایسے کافر کہ ان سے جسم چھو جائے تو وضو مستحب اور پیر مہر علی شاہ صاحب کو اس سب کاروائی کی کوئی خبر ہی نہ ہو؟ اس کو کیسے تسلیم کرلیا جائے؟ پیر صاحب کی زندگی میں تو کسی کو جرات نہ ہوئی یہ کہنے کی کہ پیر صاحب کے سامنے حسام الحرمین اب تک پیش نہ ہوئی اور اب ان کے مرنے کے بعد دعوے کئے جارہے ہیں کہ ان کے سامنے تو کفر کا فتوی پیش ہی نہیں ہوا تھا۔

خامسا: بریلوی فقیہ الہند شریف الحق امجدی حضرت فقیہ العصر مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب جھوٹے فتوی کے متعلق لکھتا ہے:

''اس فتوی پر پورے ملک میں کہرام مچ گیا میرٹھ، بمبئی، پٹنہ، احمد آباد، گجرات سے اس کارد چھپا مگر ان پتھر کے دلوں پر کوئی اثر نہ ہوا اور مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ لڑنے بھڑانے کی مہم میں کوئی کمی نہیں آئی''۔

(تحقیقات، ص ۲۳۲، ۲۳۳)

جب ایک جعلی فتوے سے پورے ملک میں کہرام مچ گیا تو جو کتب مطبوعہ ہیں اس سے کس قدر کہرام مچا ہوگا؟ لہٰذا یہ بہانہ نہیں چلے گا کہ فلاں کو علم نہ تھا۔ تمہارے اکابر نے خود لکھا ہے کہ ان عبارات سے پورے ملک میں کہرام مچ گیا تھا۔ جس مسئلہ کا پورے ملک کو پتہ ہو اور عام مسلمان اس پر لڑ بھڑ رہے ہیں تو یہ کیسے یقین کرلیا جائے کہ ان پیشوایان بریلویہ جو علم غیب سے بھی متصف ہوں کو اس اختلافات کا علم نہ ہو؟

اسی طرح سید محمد عبد الرحمن قادری لکھتا ہے:

''جو مضامین سالہا سال سے چھاپ چھاپ کر تمام ملک بلکہ عرب و عجم میں شائع کئے جائیں وہ موافق مخالف سب کے سامنے پیش ہوئے''۔

(ظفر الدین الطیب بحوالہ دیوبندیوں سے لاجواب سوالات، ص ۲۵۸)

جو عبارات موافق مخالف سب پر پیش ہوئیں حتی کہ بقول اتنی عام ہوئیں کہ تمام ملک تو کجا عرب و عجم میں شائع ہو کر آجائیں۔ اس کے بارے میں یہ کہنا کہ فلاں کو علم نہ تھا محض گلو خلاصی نہیں تو اور کیا ہے؟ فلاں کیا بھنگ کے نشہ میں تھے جو ؏

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

غلام نصیر الدین سیالوی کی تاویل

موصوف اس قسم کے حوالہ جات سے جان چھڑانے کیلئے یہ نرالا اصول لائے ہیں کہ چونکہ فلاں عالم کا شاگرد اور فلاں عالم کا بیٹا علمائے دیوبند کو کافر کہتا ہے معاذ اللہ لہٰذا اس عالم کا بھی وہی عقیدہ ہوگا کیونکہ شاگردوں اور بیٹوں نے استاد اور باپ سے ایسا ہی موقف لیا ہوگا تبھی تو اس کے قائل ہیں۔

''مولانا غلام مہر علی صاحب مدظلہ مولانا غلام محمد گھوٹوی صاحب کے بالواسطہ شاگرد ہیں تو وہ ان کے مذہب کے بارے میں سرفراز سے بہتر جانتے ہیں''۔

(عبارات اکابر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، حصہ اول، ص ۵۱)

ایک مقام پر لکھتے ہیں:

''مولانا دیدار علی شاہ محدث الوری کا نظریہ الرشید والے کی نسبت ان کی اولاد امجاد بہتر جانتی ہے''۔

(عبارات اکابر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، ص ۶۱)

راقم کے نزدیک یہ سیالوی صاحب کی ہٹ دھرمی ہے یا جہالت۔اس لئے کہ علی الاطلاق اس قاعدے واصول کو اگر تسلیم کرلیا جائے کہ''جو نظریہ شاگرد اور اولاد کا ہوگا وہی استاذ اور والد کا ہوگا'' تو اس سے کئی خرابیاں لازم آئیں گی۔مثلاً اس اصول کی روشنی میں حضرت آدم علیہ السلام کا وہی نظریہ ماننا پڑے گا جو قابیل کا تھا، حضرت نوح علیہ السلام کو اسی نظریہ پر ماننا پڑے گا جو کنعان کا تھا، یزید کے بارے میں یہی تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ تربیت اسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ملی تھی۔العیاذ باللہ۔

اور دلچسپ بات تو یہ کہ حشمت علی رضوی بریلوی، مفتی احمد یار گجراتی بریلوی، اور آپ کے دیگر اکابر دیوبندی اساتذہ کے شاگرد رہے ہیں پھر انہیں بھی دیوبندی تسلیم کریں؟ نیز ہم نے پیر مہر علی شاہ ہی کی اولاد و جانشینوں، علماء رامپور کے جانشیوں ہی سے ان کا نظریہ پیش کیا۔کیا آپ اسے تسلیم کرنے کو تیار ہیں؟

حقانیت اسے کہتے ہیں

نام نہاد مجاہد سنیت آج قلم اٹھاتا ہے اور غیر مقلد علماء کے حوالے دیکر یہ واویلا کرتا ہے کہ دیکھو یہ اعلی حضرت کی کرامت ہے کہ ان لوگوں نے بھی علمائے دیوبند کو کافر کہا معاذ اللہ۔خان صاحب کی اس کرامت کا حال تو آپ ماقبل میں دیکھ ہی چکے ہیں۔اب علمائے دیوبند کی کرامت کا ایک اور ثبوت ملاحظہ ہو۔بندہ نے اپنے اکثر مضامین میں اس دعوے کو بار بار دھرایا ہے کہ یہ اکابر علمائے دیوبند کے ولی اللہ ہونے کی ایک اور بہت بڑی دلیل ہے کہ جس بدبخت نے بھی ان کے خلاف قلم اٹھایا اس نے اپنا منہ ہی سیاہ کیا۔اسی دعوے پر ایک دلیل ملاحظہ ہو کہ''حسام الحرمین کی حقانیت'' لکھنے والا یہ نام نہاد مولانا اور مجاہد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک سنت داڑھی سے بالکل محروم ہے اور شیو کراتا ہے۔اب آئے جس نام نہاد مفتی بریلی کے فتوے کی رو سے یہ علمائے دیوبند کو کافر کہتا ہے۔اس مفتی نے خود اس مجاہد سنیت کا کیا حال کیا ہوا ہے ادنی نمونہ ملاحظہ ہو:

جدول ان سزاؤں وعیدوں مذمتوں کی جو داڑھی منڈانے کتروانے والوں کے حق میں آیات واحادیث ونصوص مذکورہ سے ثابت ہیں

۱۔اللہ ورسول کا نافرمان ہیں ۲۔شیطان لعین کے محکوم ہیں ۳۔سخت احمق ہیں

۴۔اللہ ان سے بیزار ۵۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیزار ہیں ۶۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسی صورت دیکھنے سے کراہت آتی ہے

۷۔یہودی صورت ہیں ۸۔نصرانی وضع ہیں فرنگیوں سے مشابہ ہیں ۹۔مجوس کے پیرو ہیں ۱۰۔ہندوؤں کی صورت مشرکین کی سیرت ہیں ۱۱۔مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گروہ سے نہیں ۱۲۔انہیں اپنے ہم صورتوں نصاری و یہود و مجوس وہنود کے گروہ سے ہیں

۱۳۔واجب التعزیر ہیں شہر بدر کرنے کے قابل ہیں ۱۴۔مبدلین فطرت ہیں مغیر خلق اللہ ہیں **۱۵۔زنانے مخنث ہیں** ۱۶۔خدا کے عہد شکن ہیں ۱۷۔ذلیل وخوار ہیں ۱۸۔گھنونے قابل نفرت ہیں ۱۹۔مردود الشہادت ہیں ۲۰۔پورے اسلام میں داخل نہ ہوئے ۲۱۔ہلاکت میں ہیں مستحق بربادی ہیں ۲۲۔دین کے بے بہرہ آخرت میں بے نصیب ہیں

۲۳۔عذاب الہی کے منتظر ہیں ۲۴۔اللہ عزوجل کو سخت دشمن ومبغوض ہیں ۲۵۔صبح ہیں تو اللہ کے غضب میں شام ہیں تو اللہ کے

غضب میں ۲۶۔قیامت کے دن ان کی صورتیں بگاڑی جائیں گی ۲۷۔اللہ ورسول کے ملعون ہیں دنیا وآخرت میں ملعون ہیں اللہ وملائکہ وبشر سب کی ان پر لعنت ہے فرشتوں نے ان کی لعنتی ہونے پر آمین کہیں ۲۸۔اللہ تعالیٰ ان پر نظر رحمت نہ فرمائے گا ۲۹۔وہ بہشت میں نہ جائیں گے ۳۰۔اللہ عزوجل انہیں جہنم میں ڈالے گا۔

(لمعۃ الضحیٰ فی اعفاء اللحی۔ص:60-58۔مکتبہ فیضان مدینہ کراچی)

اندازہ لگائیں جس آدمی سے اللہ اور اس کا رسول ﷺ بیزار ہوں، صبح شام اللہ کے غضب میں گرفتار ہو، جس پر اللہ نے لعنت کی ہو اور اس لعنت پر فرشتوں اور ساری مخلوق نے آمین کہی ہو، جو آخرت میں بدنصیب ہو، جس کی مردود صورت ہی قیامت میں بگاڑ دی جائے گی ایسے قطعی لعنتی کو آج رضاخانیوں نے اپنا قائد ومجاہد بنایا ہوا ہے۔ جو خود نبی کریم ﷺ کے گروہ سے نکل گیا ایسا بدبخت آدمی آج کہتا ہے کہ معاذ اللہ علمائے دیوبند کافر ہیں!!!۔

قصہ مختصر بریلی کے اس نواب احمد رضا خان کے فتووں سے تو تم خود جہنم کے مستحق ہو دنیا وآخرت کے ملعون ہو تو ہمارے منہ کیوں لگتے ہو؟ اس کے فتووں سے پہلے اپنا ایمان تو ثابت کرو اس کے بعد کسی اور کے ایمان کی فکر کرنا۔ جس آدمی کے فتووں پر ان کے اپنے مسلک کا عمل نہ ہو اس آدمی کے بارے میں آج ہمیں یہ سبق دیا جارہا ہے کہ اس کا فتویٰ مانو کیونکہ نہ ماننے والا بھی کافر۔ فیاللعجب۔

حسام الحرمین کا بطلان بریلوی وضع کردہ اصول سے

بریلوی شیخ الحدیث مفتی غلام فرید ہزاروی لکھتا ہے:

”مجھے عطیہ محمد سالم مذکور کی دیانت اور ذہانت پر شدید افسوس ہوا کہ مسجد نبوی شریف کا مدرس وخطیب ہو کر اس نے اس قدر جہالت و حماقت کا ثبوت دیا ہے طرفہ تماشہ یہ کہ شرعی عدالت کا جج ایسے شخص کو بنایا گیا ہے جو قضا شرعی کے تقاضوں سے بالکل بے خبر اور جاہل ہے۔ کیا اس قاضی کو یہ بھی معلوم نہیں کہ جب تک فریقین کا بیان نہ سن لیا جائے کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا جاسکتا۔ کیا اس قاضی کا فرض نہ تھا کہ ”البریلویہ“ کو پڑھنے کے بعد اور اس کی تصدیق کرنے اور مولف کی مداح سرائی سے قبل فاضل بریلوی اور ان کے ہمرکاب رفقاء و اکابر علماء اہلسنت بریلوی کی اصل کتابوں کا مطالعہ کرلیتے اور پھر کوئی رائے قائم کر کے فیصلہ دیتے۔ اس سے قبل ہی رائے قائم کرلینا اور جلدی میں فیصلہ دینا تو یہی ظاہر کرتا ہے کہ وہ نام نہاد قاضی ہیں اور درحقیقت وہ عہدہ وقضاء کے لائق ہی نہیں تھے“۔

(النجدیت،ص ۲۰)

قارئین کرام! مفتی صاحب نے اس اصول میں واضح طور پر اس امر کو تسلیم کیا کہ جب تک دوسرے فریق کو بلا کر آپ نے نہ سنا ہو اس کے خلاف فیصلہ کرنا جہالت، حماقت اور اصول قضاء وافتاء کی خلاف ورزی ہے۔

اسی طرح علماء بدایوں نے اذان ثانی کے مسئلہ پر مدینہ منورہ سے فتویٰ منگایا جو نواب احمد رضا خان اور ان کی ذریت کے خلاف تھا۔ اس فتوے پر نواب احمد رضا خان صاحب کے بیٹے حامد رضا خان خوب سیخ پا ہوئے اور کہا کہ اصولی بات یہ ہے کہ ہم دونوں فریق اپنا اپنا مدعا بالتفصیل لکھ کر علمائے حرمین کے پاس بھیجیں اس کے بعد دیکھیں وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ یہ کوئی طریقہ نہیں کہ تم یک طرفہ طور پر اپنا اور ہمارا نظریہ لکھ کر وہاں سے من مانا فتویٰ حاصل کرلو۔ اصل عبارت ملاحظہ ہو:

”جو صاحب عرب شریف سے فتویٰ لینا چاہیں بات پوری پیش کرے جسے دین مراد نہ ہو حق کی تحقیق سے غرض نہ ہو، صرف ہار جیت

مقصود ہواس کا حساب اللہ واحد قہار پر ہے انشاء اللہ العزیز مولی تعالی ایسے کو راہ نہ دے گا اور جن کو دین منظور ہے حق کی سچی تحقیق منظور ہے وہ ہم سے فرمائیں ہم اپنے سوالات کا عربی ترجمہ کردیں اور ان میں جہاں جہاں حوالے دئے ہیں وہاں ان کا خلاصہ مضامین لکھ دیں اور یہ حضرات اگر کوئی اور سوال اضافہ کرنا چاہیں بڑھالیں اگر اس کی رو سے ہمیں کوئی سوال اضافہ کرنا ہو ہم کردیں یوں باتفاق فریقین سوالات حرمین طیبین کو جائیں اس کے بعد دیکھئے جواب کیا ملتا ہے۔اہل ایمان خدا لگتی کہئے جو ہم نے کہا عین انصاف ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو وجہ بتائے کیوں نہیں اور اگر ہے اور ضرور ہے تو اس کے خلاف کیوں عمل ہو؟ پھر وہاں سے جو جواب آئے اگر ہمارے یا آپ کے سوالات میں بعض کا جواب رہ گیا یا ناصاف ہو یا کسی جواب میں ہمیں یا آپ کو کچھ کہنا ہو تو وہ پھر ہمارے اور آپ کے اتفاق سے سوال مزید کر کے بھیجا جائے یہاں تک کہ حق بعونہ تعالی ہر پہلو سے روشن ہوجائے۔اور ہمارے جتنے بھائی سنی علما ہمارے خلاف رائے رکھتے ہوں سب کے اتفاق رائے سے ان سوالات کی کاروائیاں ہوں کہ ہر ایک کو اپنے دلائل اور خیالات کے ظاہر کرنے کا پورا موقع ملے۔ہم وعدہ کرتے ہیں اس پسندیدہ طریقہ پر اگر حق ہمارے خلاف پر ظاہر ہوتو سب سے پہلے اس کو قبول کرنے والے ہم ہونگے''۔

(مسئلہ اذان کا حق نما فیصلہ،ص ۹،۸)

اللہ اکبر کبیرا!سنی مسلمانو! خدا لگتی کہئے کیا علمائے اہل سنت دیوبند کے خلاف فتوی لینے کیلئے بھی حرمین سے اسی ''انصاف پسندانہ اصول'' کا مظاہرہ کیا گیا تھا یا نہیں؟ کیا دونوں فریق نے باہم رضامندی سے اپنی عبارات وحوالہ کا ترجمہ کر کے اتفاق رائے سے وہ عبارات حرمین بھیجی تھیں اور جب وہاں سے جواب آیا تو کیا مزید قیل وقال کیلئے علمائے حرمین سے رابطہ کیا گیا؟

اگر نہیں اور یقینا نہیں تو ماننا پڑے گا کہ نواب احمد رضاخان صاحب نے اپنے بیٹے کے بتائے ہوئے اس اصول سے روگردانی کر کے انصاف و دیانت کا خون کر کے دھوکا کیا۔یہی وجہ ہے کہ جب شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الشہاب الثاقب'' لکھ کر بریلوی علماء کے دجل وفریب کو واضح کیا اور ببانگ دہل اعلان کیا کہ علمائے حرمین سے جو بعض تائیدات لی گئی ہیں وہ دھوکا دہی پر مبنی ہیں۔تو اس کے بعد ساری زندگی نواب احمد رضاخان بریلوی اور اس کی ذریعت کو دوبارہ علمائے حرمین سے ان عبارات کے متعلق رجوع کرنے کی جرات نہ ہوئی بلکہ اپنی اس حرکت پر اتنا ذلیل ورسوا ہوا کہ آخر عمر میں باوجود خواہش کے کہ مدینہ میں مروں مدینہ منورہ جانے کی ہمت نہ ہوئی۔

مفتی غلام فرید ہزاروی لکھتا ہے:

''عطیہ صاحب کو ہمارا چیلنج ہے وہ مرد میدان بنیں اور سامنے آ کر ہمارے عقائد بنیادی کو اسلام سے متصادم ثابت کریں اور کسی پاکستانی عدالت میں کریں اور ثابت کرلیں تو پچاس ہزارروپے انعام حاصل کریں ورنہ عدالت خداوندی میں حاضری اور جواب دہی کا خیال کر کے صدق دل سے اپنے غلیظ عقائد سے توبہ کرلیں اور آخرت کے خسران سے محفوظ ہوجائیں''۔

(النجدیت،ص ۲۱)

یہی چیلنج پوری رضاخانیت کو ہماری طرف سے ہے کہ اگر وہ اپنے دعوے میں سچے ہیں تو ہماری ان کتب کے خلاف پارلیمنٹ یا سپریم کورٹ سے رجوع کریں۔بصورت دیگر اپنے غلیظ عقائد سے سچی توبہ کریں اور آخرت کے عذاب وخسران سے محفوظ ہوجائیں۔

* * * *

مسئلہ تکفیر اور اہل بدعت کا منافقانہ رویہ

قارئین کرام! حق بات یہ ہے کہ اہل بدعت نے صرف اپنے مسلکی تعصب، ضد وہٹ دھرمی میں اس تکفیر کے فتنہ کو عشق رسالت ﷺ کا نقاب اڑایا ہوا ہے۔ یہ نعرے محض لوگوں کو دھوکا دینے کیلئے لگائے جاتے ہیں کہ چونکہ معاذ اللہ علمائے دیوبند نے نبی اکرم ﷺ کی گستاخی کی ہے لہذا ہم ان کو کسی صورت مسلمان تسلیم نہیں کر سکتے بلکہ ہمارے ماں باپ میں سے بھی کوئی ایسا کرتا تو ہم اسے بھی معاف نہ کرتے چنانچہ بریلوی غزالی اور رازی احمد سعید کاظمی لکھتا ہے:

”علماء اہل سنت پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے علماء دیوبند کو کافر کہا، رافضیوں، نیچریوں، وہابیوں، بہایوں حتیٰ کہ ندویوں، کانگریسیوں، لیگیوں بلکہ تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا۔ گویا بریلی میں کفر کی مشین لگی ہوئی ہے جس کے نشانے سے کوئی مسلمان نہیں بچ سکا۔ اس کے جواب میں بجز اس کے کیا کہا جائے کہ {سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ} سو کسی مسلمان کو کافر کہنا مسلمان کی شان نہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے کا وبال کافر کہنے والے پر عائد ہوتا ہے۔ میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ علماء بریلی یا ان کے ہم خیال کسی عالم نے آج تک کسی مسلمان کو کافر نہیں کہا۔۔۔ مسئلہ تکفیر میں ہمارا مسلک ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ جو شخص بھی کلمہ کفر بول کر اپنے قول یا فعل سے التزام کفر کرلے گا تو ہم اس کی تکفیر میں تامل نہیں کریں گے۔ خواہ وہ دیوبندی ہو یا بریلوی، لیگی ہو یا کانگریسی، نیچری ہو یا ندوی۔ اس بارے میں اپنے پرائے کا امتیاز کرنا اہل حق کا شیوہ نہیں“۔

(الحق المبین، ص ۲۲ تا ۲۷)

یہ محض ہاتھی کے دکھانے کے دانت ہیں۔ اس لئے کہ وہ بریلوی جو محض چار دیوبندی علماء کی چند سطروں کی عبارتوں کو لئے پھرتے نہیں تھکتے کہ دیکھو ان پر فتوی کفر دیا گیا لہذا اب ہر حال میں ان کو کافر مانو، دیکھو انہوں نے گستاخی رسول ﷺ کر دی اب ہر جگہ ان پر ردوقدح، دشنام بازی، تکفیر بازی کا میدان گرم کرو۔ لیکن جب ان کے سامنے انہی کے ان علماء کے فتوے پیش کر دئے جائیں جس میں انہوں نے اپنے ہم مسلک علماء پر کفر وارتداد کے فتوے لگائے اور انہیں گستاخ رسول ﷺ کہہ کر کافر قرار دیا تو منہ چھپائے پھرتے ہیں۔

ہم ذیل میں چند بریلوی فتاوی جات اور ان میں کافر قرار دئے گئے علما پیش کر رہے ہیں ان پر بھی وہی فرد جرم عائد کی گئی جو علمائے دیوبند پر بریلی کی طرف سے عائد کی گئی۔ جواب دیں کہ کیا کبھی کسی بریلوی نے اپنے سٹیج پر اپنے ان ”گستاخ، مرتد مولویوں“ کا رد کیا ہے؟ اگر نہیں اور یقینا نہیں تو ہم یہ فیصلہ کرنے میں حق بجانب ہیں کہ ان کی تکفیر کا یہ فتنہ محض منافقت، مسلکی تعصب، ضد، ہٹ دھرمی کی بنیاد پر ہے۔

(۱) ستر باادب سوالات دینیہ ایمانیہ

یہ کتاب مظہر اعلی حضرت ابوالفتح خلیفہ احمد رضا خان جناب حشمت علی رضوی کی وہ کتاب ہے جس نے پوری بریلویت کا بھرکس نکال دیا۔ یہ کتاب جماعت اہل سنت پیلی بھیت کی فرمائش پر لکھی گئی اور مطبع آواز وطن پریس کانپور سے شایع ہوئی۔ ناشر میں رشید حسن خان قادری ناظم کتب خانہ اہلسنت محلہ بھورے خان پیلی بھیت یوپی لکھا ہوا ہے۔ حشمت علی رضوی صاحب نے چہار ذی قعدۃ ۱۳۶۴ ہجری کو اس کا مسودہ لکھا اور محرم الحرام ۱۳۶۵ ہجری میں اس کا مبیضہ تیار کیا گیا۔ بڑی تقطیع کے ۱۱۱ صفحات پر یہ کتاب مشتمل ہے۔ اس کتاب میں موصوف نے اپنے محدث اعظم ہند سید احمد کچھوچھوی، بریلوی قائد اہلسنت شاہ احمد نورانی کے والد شاہ عبد العلیم میرٹھی، بریلوی امیر ملت پیر جماعت علی شاہ، خلیفہ اعلی حضرت برہان الحق جبلپوری اور ان کے والد پر کھلم کھلا کفر ارتداد کا فتوی لگایا۔ نیز نواب احمد رضا خان کے پیر ومرشد جناب سید آل رسول

مارہروی کے متعلق بھی اپنے مسلک صدرالافاضل نعیم الدین مرادآبادی کا ایک تائیدی کفر وارتداد کا فتوی نقل کیا۔اس کتاب میں آل انڈیا سنی کانفرنس اوراس کے ناظم بریلوی صدرالافاضل خلیفہ اعلی حضرت محشی کنزالایمان جناب مولانا نعیم الدین مرادآبادی سے مسلم لیگ وتحریک پاکستان کی حمایت پر ۷۰ زبردست سوالات نواب احمد رضاخان صاحب کے فتاوی واصول کی روشنی میں کیئے گئے۔ یہ سوالات اتنے زبردست تھے کہ پوری آل انڈیا مسلم لیگ ان کے جوابات سے عاجز رہی۔اور بقول مصنف بجائے جواب دینے کے ہمیں احمق،امت مسلم کا دشمن اور کانگریسی کے فتووں سے نوازا گیا۔

کتاب کے ہر ہر صفحہ پر بریلوی مسلک کا جنازہ مصنف نے پڑھا ہے۔کیونکہ لکھنے والا بھی معمولی آدمی نہیں اور جن کے خلاف لکھی گئی ہے وہ بھی معمولی لوگ نہیں۔اس کتاب میں اپنے اکابرعلماء پر وہی الزام لگائے گئے ہیں جو یہ لوگ علمائے دیوبند پر لگاتے ہیں۔اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ بریلوی حضرات یا تو اپنی صفائی پیش کرتے یا پھر دونوں فریقوں میں سے کسی ایک کے بارے میں کفر وارتداد کا فتوی تسلیم کرکے ان سے اعلان برأت کا اظہار کیا جاتا اور اپنی کتابوں،جلسے جلوسوں میں اس قضیہ کا بھرپور ذکر کرکے اس کا رد کیا جاتا۔مگر حیرانگی کی بات یہ ہے کہ حشمت علی رضوی صاحب کی وفات کے بعد اس کتاب کو بالکل غایب کردیا گیا۔علمائے اہلسنت دیوبند میں سے اس کتاب کا حوالہ سب سے پہلے حضرت مولانا نور محمد مظاہری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''رضاخانیوں کی کفر سازیاں'' میں دیا۔ہمیں جب اس کتاب کا علم ہوا تو حضرت مولانا طاہر حسین گیاوی صاحب زیدمجدہ سے کتاب کے حصول کیلئے رابطہ کیا گیا مگر حضرت کی طرف سے جواب ملا کہ ہم نے سارا کتب خانہ چھان مارا مگر کتاب نہیں مل رہی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے کوئی کتاب غایب کرگیا ہے۔

ہماری معلومات کے مطابق یہ کتاب اس وقت پاک وہند میں صرف دو جگہ پر موجود ہے ایک ہندوستان میں معروف بریلوی عالم یسین اختر مصباحی اور دوسرا نسخہ مفتی منیب الرحمن صاحب کے مدرسے کی لائبریری میں۔ہم نے جناب یسین اختر مصباحی صاحب سے کتاب کیلئے رابطہ کیا تو انہوں نے صاف انکار کردیا اور کہا کہ ہمارے بڑوں سے یہ کتاب جب ہمیں ملی تو ہم سے حلف لیا گیا کہ آگے کسی کو منتقل نہیں کرنی لہذا آپ جتنی بڑی سفارش لے آئیں کتاب نہیں مل سکتی۔یہی جواب مفتی منیب الرحمن کے مدرسے سے بھی ملا۔پھر پتہ چلا کہ لاہور کے ایک صاحب جو اپنے مسلک میں مجاہد سنیت کے نام سے جانتے جاتے ہیں ان کے پاس اس کا ایک نسخہ موجود ہے ان سے کسی ذرائع سے رابطہ کیا گیا تو ان کی طرف سے بھی قیل وقال کیا گیا۔

اسی طرح حشمت علی رضوی گروپ کے ایک بریلوی سے جب ہم نے کہا کہ اس کتاب کو بھی شایع کیا جائے تو انہوں نے کہا کہ میں نے مظہر اعلی حضرت کے خاندان والوں کو بڑا کہا کہ اس کو بھی شایع کریں مگر وہ کہتے ہیں کہ نہیں اس سے انتشار پھیلے گا۔

بہرحال بڑی تگ ودو کے بعد محترم ومکرم قاری ابوذر رشیدی صاحب زیدمجدہ کے توسط سے ہندوستان ہی کے ایک حشمتی گروپ کے بریلوی (نام اس لئے ظاہر نہیں کیا جارہا کہ ان سے ابھی دیگر بھی کئی اہم کتب وصول کرنا باقی ہے) سے اس کا ایک نسخہ مل ہی گیا۔اوراب الحمدللہ یہ نسخہ پوری آب وتاب کے ساتھ عنقریب چھپنے والا ہے۔

سوال یہ ہے کہ آخر بریلوی حضرات نے اس کتاب کی عام اشاعت کے بجائے اسے قریب المفقود کیوں کردیا؟اوراسے آگے منتقل کیوں نہیں کرتے؟بقول یاسین اختر مصباحی صاحب اس میں ہمارے بڑوں کے اختلاف کو ذکر کیا گیا ہے اس لئے اس کی عام اشاعت مناسب نہیں۔بہت خوب دیوبندی بریلوی کے اختلاف پر تو ساری زندگی کھپادی کہ عشق رسالت ﷺ کا معاملہ ہے اور یہی بات جب

اپنوں کے بارے میں آئی تو یہ دورنگی؟

کیا اپنی اس دورنگی کا کوئی جواب ان کے پاس موجود ہے؟ نیز مولانا نعیم الدین مراد آبادی صاحب نے ساری زندگی ان سوالات کے جوابات نہیں دیئے مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر تو یہ اعتراض کے کفر کا فتوی کوئی معمولی نہ تھا کہ اس کا جواب نہ دیا۔علمائے دیوبند سے تو شکوہ کہ فلاں کتاب کا جواب نہ دیا فلاں کتاب کا جواب نہ دیا۔تو آخر مراد آبادی صاحب نے کس مصلحت کے تحت اس کتاب کا جواب نہیں دیا؟ کیا ان پر اوران کی جماعت پر کفر وارتداد کا فتوی کوئی معمولی چیز تھا جس پر خاموش بیٹھے رہے؟

(۲) مسلم لیگ، مسٹر جناح وعلامہ اقبال کے خلاف لٹریچر کو غائب کر دیا گیا

بریلوی حضرات نے مسلم لیگ کی رکنیت کے حرام ہونے اور مسلم لیگ کے سربراہ مسٹر محمد علی جناح کے کفر وارتداد، گمراہیوں، ضلالتوں پر مندرجہ ذیل کتب لکھیں:

(۱) ستر باادب سوالات

(۲) تجانب اہل السنۃ

(۳) مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری

(۴) احکام نوریہ شرعیہ برمسلم لیگ

(۵) الجوابات السنیہ علی زھاء السوالات اللیگیہ

(۶) قہر القاہر علی لکفار اللیاڈر

(۷) الدلائل القاہرہ

اس کے علاوہ فتاوی حشمتیہ، فتاوی حامدیہ، فتاوی مصطفویہ میں بھی اس قسم کے فتاوی جات موجود ہیں۔اسی طرح شاعر مشرق علامہ اقبال کو مندرجہ ذیل کتب میں کافر، مرتد، گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لکھا گیا:

(۱) تجانب اہل السنۃ

(۲) تنقیدات اقتدار برنظریات اقبال

(۳) الکلمات القاطعہ

مگر اس سب کے باوجود بعض بریلوی اکابر دھڑلے سے مسلم لیگ کی حمایت کرتے رہے۔بجائے ان فتاوی پر عمل کرنے کے اس تمام لٹریچر کو بھی غائب کر دیا گیا اور آج ڈھونڈنے پر بھی یہ کتب آپ کو نہیں ملیں گی۔اب سننے میں آیا ہے کہ ہندوستان کے بریلویوں نے ''تجانب اہل السنۃ'' کو دوبارہ شایع کر دیا ہے مگر کیا پاکستان کے بریلوی اس کی جرات کریں گے؟

آخر کیا وجہ ہے کہ ایک کفر مسلم لیگ اور مسٹر جناح بولے علامہ اقبال بولے تو وہ تو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت بن جائے، وہ قائد اعظم ،قلندر لاہور، شاعر مشرق، حکیم الامت بن جائے اور دیوبندی کسی صورت برداشت نہیں؟ آپ کی نام نہاد عدالت کے ایک ہی الزام کے دو ملزموں کے ساتھ یہ امتیازی سلوک کس قاعدے وقانون کے تحت ہو رہا ہے؟ یہ منافقت اور دورنگی آخر کب تک چلتی رہے گی؟

(۳)شاہ احمد نورانی اورتراب الحق قادری کافر ہیں جوان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔دارالعلوم امجدیہ اوردیگر بریلوی مفتیوں کافتوی

قارئین کرام! اس وقت فقیر کے سامنے بریلوی مفتی اعظم ہند مولوی مصطفی رضاخان کے خلیفہ مفتی عبد الوہاب خان قادری کی دوکتابیں ''اتمام حجت''اور''ہدایت المسلمین'' ہے۔اس کتاب میں اس مفتی نے بریلویوں کی باہمی چپقلش کاپردہ فاش کرتے ہوئے حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں۔ اس کتاب کے اہم اقتباسات آپ کے سامنے پیش کریں ہم یہاں اس موقع پر بریلوی حضرات سے گزارش کریں گےکہ جن لوگوں کو آپ اپنا قائدو رہبر مانے ہوئے ہیں ان پرکفر وگستاخی کےفتوے خود آپ کے مدارس اورمفتیوں کی طرف سے جاری ہوچکے ہیں تو آخر وہ کونسی مجبوری ہےکہ ان کافروں کواپنا رہبر تسلیم کرکے آپ خود بھی کفر کاارتکاب کررہے ہیں؟

شاہ احمد نورانی اوران کی سیاسی جماعت والے کافر ہیں جوان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر دارالعلوم امجدیہ والوں کافتوی

مفتی صاحب انکشاف کرتے ہیں کہ:

''علامہ شاہ احمد نورانی اوران کی جماعت''جمعیۃ العلماء پاکستان'' کے بارے میں تکفیری فتوی دارالعلوم امجدیہ سے جاری کیا گیا''۔

{اتمام حجت ص ۱۸،مطبوعہ بزم اعلیحضرت امام احمد رضا،فروری ۲۰۰۴}

اس فتوی پرمفتیان دارالعلوم امجدیہ اوران کے ساتھ تراب الحق صاحب کی تصدیق موجود ہے۔یہ فتوی دارالعلوم امجدیہ عالمگیر روڈ کراچی سے ۲ شعبان ۱۴۲۳ھ ۹اکتوبر ۲۰۰۲ کو جاری ہوا آگے مولوی عبدالوہاب صاحب لکھتے ہیں کہ:

''عزیزان گرامی! سیاسی جماعتوں میں''جمعیت العلماء پاکستان''جوایک مدت مدیدوعرصہ بعید سے پاکستان میں سیاسی پلیٹ فارم پرکام کررہی ہے جس کے مرکزی صدرعلامہ شاہ احمد نورانی ہیں۔اس دارالعلوم امجدیہ کےفتوے میں نام نہاد رہنماؤں کے بھاری بھرکم کلمات میں علامہ شاہ احمد نورانی پربھی وہی حکم لگایا گیا جوگستاخان رسالت پرلگایا،اس حکم کی زدمیں وہ سارے لوگ جوعلامہ شاہ احمد نورانی کومسلمان مانتے اوررہنما جانتے ہیں سب کی تکفیر کی گئی اوران کے کفر میں شک کرنے والوں کوبھی کافر کہا گیا''۔

{اتمام حجت ص ۲۰،۲۱مطبوعہ بزم اعلیحضرت امام احمد رضا،فروری ۲۰۰۴}

جوفتوی گستاخان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پرلگایا گیاوہی شاہ احمد نورانی پرلگایا گیاہےتو آخر یہ منافقت کیوں اورشاہ نورانی کے ساتھ بھی وہی رویہ کیوں نہیں جوگستاخان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے؟

بریلوی مولوی شاہ تراب الحق قادری بھی کافر ہے دارالعلوم امجدیہ کافتوی

اس کتاب میں یہ انکشاف کیا گیا کہ ۹ فروری ۲۰۰۱ کوحکومت کی کوششوں سےمختلف مکاتب فکر کے علماء کے درمیان ایک ضابطہ اخلاق پرسمجھوتہ کیا گیامندرجہ ذیل علماء نے اس ضابطہ اخلاق پردستخط کئے

(۱) حضرت مولاناسلیم اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(محدث اعظم پاکستان وصدر وفاق المدارس العربیہ)

(۲)　مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ

(۳)　شاہ تراب الحق　(۴)　حاجی حنیف

(۵)　عباس کمیلی　(۶)　حسن ظفر نقوی

(۷)　عبدالرحمن سلفی　(۸)　محمد سلفی۔

اس ضابطہ اخلاق کی دو شقیں ان الفاظ میں تھیں:

(۱)　''ہم کسی بھی مسلمہ اسلامی فرقہ کو کافر اور اس کے افراد کو واجب القتل قرار دینا غیر اسلامی قابل تعزیر اور قابل نفرت فعل تصور کرتے ہیں''

(۲)　''انتظامیہ کو چاہئے کہ ایسے اجتماعات منعقد کرائے جن سے تمام مکاتب فکر کے علماء بیک وقت خطاب کر کے ملی یکجہتی کا عملی مظاہرہ کریں''

اس ضابطہ اخلاق کا عکس کتاب کے ''صفحہ نمبر ۲۷'' پر دیا گیا ہے۔کسی بریلوی نے ایک استفتاء ان الفاظ میں اس ضابطہ اخلاق کے متعلق دارالعلوم امجدیہ کے پاس بھیجا:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ
اگر کوئی یہ لکھ دے کہ ہم کسی مسلمہ اسلامی فرقہ کو کافر اور اس کے افراد کو واجب القتل قرار دینا غیر اسلامی قابل تعزیر اور قابل نفرت فعل تصور کرتے ہیں اور یہ کہ انتظامیہ کو چاہئے کہ وہ ایسے اجتماعات منعقد کرائے جن سے تمام مکاتب فکر کے علماء بیک وقت خطاب کر کے ملی یکجہتی کا عملی مظاہرہ کریں اور یہ کہ مختلف مکاتب فکر کے متفقات اور مشترکہ عقائد کی تبلیغ اور نشر واشاعت کا اہتمام کیا جائے۔
ایسے شخص کے بارے میں کیا حکم ہے یہ سنی ہے یا نہیں' آیا ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز' قرآن وحدیث اور اکابر اہلسنت بالخصوص امام اہلسنت سیدی اعلیحضرت ۔۔۔اس بارے میں کیا فرماتے ہیں جلد جواب عطا فرمائیں اور عند اللہ ماجور ہوں۔
(سائل فرحان رضا قادری پتہ میرپور خاص سندھ)

{اتمام حجت ص ۲۱،۲۲ مطبوعہ بزم اعلیحضرت امام احمد رضا، فروری ۲۰۰۴}

دارالعلوم امجدیہ والوں نے اس کا ایک تفصیلی اور روایتی جواب دیا ہم اس کا آخری حصہ نقل کرتے ہیں جس میں اس ضابطہ اخلاق پر دستخط کرنے والوں پر واضح طور پر کفر کا فتوی لگایا گیا ہے:

''اگر ان عقائد سے مطلع ہونے کے باوجود ان کو مسلمان سمجھتا ہے تو خود مسلمان نہیں کیونکہ علمائے عرب وعجم نے اس شخص کے بارے میں فرمایا من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر لہٰذا مذکورہ بالا عقیدہ رکھنے والا شخص مسلمان نہیں ہوسکتا' ایسے عقائد رکھنے والا یا ان کو صحیح ماننے والا امام جو اوپر لکھے گئے خواہ وہ کسی مصلی پر امامت کرے اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی' ایسا امام کسی بھی مسجد کا امام ہو خواہ وہ مسجد نبوی شریف ہو خواہ مکہ شریف میں' مسجد الحرام شریف کا امام ہو خواہ وہ جامعہ ازہر شریف کا امام ہو کہیں کا بھی امام ہو حکم شرع وہی رہے گا' جو ہم نے بیان کیا' اور ہم نے اوپر جو عقائد ونظریات بیان کئے ہیں وہ عقائد جس کسی کے بھی ہوں یا جو ایسے عقائد رکھنے والوں کی حمایت وتائید کرے گا' اس کے پیچھے بھی نماز نہ ہوگی خواہ وہ کسی جگہ کا امام ہو' حکم شرع سب کیلئے ایک ہے خواہ

وہ عجمی ہو یا عربی۔
عطاء المصطفیٰ اعظمی ۳ ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ ۲۶ جون ۲۰۰۱ء۔

{اتمام حجت، ص ۲۵، ۲۶ مطبوعہ بزم اعلیحضرت امام احمد رضا، فروری ۲۰۰۴}

اس فتوے میں واضح طور پر دار العلوم امجدیہ والوں نے شاہ تراب الحق قادری اور حاجی حنیف طیب کی تکفیر کی اور واضح طور پر فتوی دیا کہ ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی اس فتوے کا عکس کتاب کے صفحہ نمبر ۲۸ پر دیا گیا ہے۔

اس فتوے پر تبصرہ کرتے ہوئے بریلوی مفتی عبدالوہاب کہتا ہے کہ:

''دار العلوم امجدیہ نے تراب الحق کو ان وجوہ مذکورہ پر کافر قرار دیا اور لکھ دیا'' جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے''۔

{اتمام حجت، ص ۳۲ مطبوعہ بزم اعلیحضرت امام احمد رضا، فروری ۲۰۰۴}

تراب الحق قادری کو شیطان نے گمراہ کردیا یہ شخص کجرو ہے

قارئین کرام مفتی عبدالوہاب قادری تراب الحق کی ایک گستاخی کہ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے سسر اور داماد کے الفاظ استعمال کرنے کی تائید کی ہے جس کی وجہ سے وہ گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹھرا کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے کہ:

''مگر برا ہو شیطان مردود کا' کہ اس نے بڑے بڑے عبادت گزاروں کو گمراہ کردیا۔ تراب الحق کی اس کجروی میں ان کے نام نہاد یارو مددگار مفتیوں نے ان کو ہلاکت میں ڈال دیا''۔

{اتمام حجت، ص ۵۷ مطبوعہ بزم اعلیحضرت امام احمد رضا، فروری ۲۰۰۴}

تراب الحق قادری جاہل اور کذاب ہے

اس مسئلہ پر مزید بحث کرتے ہوئے مفتی عبدالوہاب تراب الحق کی ایک تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

''مقرر بیچارہ بے علم ہے اس کو معلوم ہی نہیں کہ مقرر جلسہ میں کیا تقریر کررہا ہے جب علم ہی نہ تھا تو کسی مسلمان پر بہتان لگانا کیا تمہارے دین میں شرط اول ہے؟ کہ کذب وافتراء سے کام لیا اور مسلمانوں کو بدنام کرنا ہی تم پر فرض عین ہے''۔

{اتمام حجت، ص ۵۸ مطبوعہ بزم اعلیحضرت امام احمد رضا، فروری ۲۰۰۴}

تراب الحق صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا گستاخ تبرا باز

یہ مفتی تراب الحق کی مزید گستاخیوں اور گمراہیوں سے پردہ اٹھاتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''یہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کی شان میں سراپا گستاخی اور توہین ہے' یہی تبرا ترابی ایمان کی جان ہے' اور ترابیوں کی پہچان ہے۔۔۔تراب الحق صاحب کو اللہ واحد قہار کا بھی خوف نہیں۔۔۔اس امر سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب الٰہی کو دعوت دے رہے ہیں''۔

{اتمام حجت، ص ۶۴ مطبوعہ بزم اعلیحضرت امام احمد رضا، فروری ۲۰۰۴}

تراب الحق کے مرید اللہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پیران پیر کے گستاخ

بریلوی آج ہر جگہ سادہ لوح عوام کو گمراہ کرنے کیلئے حضرت پیران پیر کے نام پر لوگوں سے روٹیاں اور حلوے کی رکابیاں مانگتے پھرتے ہیں مگر در پردہ ان کے دل میں اولیاء اللہ کیلئے کس قدر بغض بھرا ہوا ہے اس کی صرف ایک مثال ملاحظہ فرمائیں جس کا گواہ خود گھر کا بھیدی ہے:

''تراب الحق کے نائب مکرم المعروف مولوی اکرام نے معین آباد میں دیواروں سے نوچ کر پھنکوا دئے، جن میں اسم جلالت اور اسم رسالت (ﷺ) کا بھی لحاظ نہ رکھا گیا، اسی طرح کسی گماشتہ تراب الحق نے کورنگی اور لانڈھی کے علاقہ سے پوسٹر نچوا کر پھینک دئے، یہ سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالی عنہ کی جیتی جاگتی عداوت کا ثبوت دیا، مولوی اکرام معین آباد والے نے اس جلسہ کی مخالفت میں محکمہ پولیس میں ایک درخواست ''جماعت اہلسنت'' کے پیڈ پر لکھ کر دی اور جلسہ جشن ولادت سیدنا غوث الاعظم کو سبوتاژ کرانے کی کمال کوشش میں کوئی کسر باقی نہ رکھی''۔

{اتمام حجت، ص ۷۷ مطبوعہ بزم اعلیحضرت امام احمد رضا، فروری ۲۰۰۴}

دار العلوم امجدیہ کے مفتی نبی ﷺ کو اپنے جیسا سمجھتے ہیں

''مفتی ضیاء المصطفی صاحب اغلب حضور اکرم سید عالم ﷺ کو معاذ اللہ اپنی طرح ہی سمجھتے ہیں''۔

{اتمام حجت، ص ۱۰۲ مطبوعہ بزم اعلیحضرت امام احمد رضا، فروری ۲۰۰۴}

ہم پر تو رضاخانی آئے دن فتووں کی گولہ باری کرتے ہیں کہ نبی ﷺ کو بشر کہہ کر تم نے نبی ﷺ کو معاذ اللہ اپنے جیسا تسلیم کر لیا کیا یہاں بھی وہ اپنے اس نام نہاد عشق رسالت کا ثبوت دیتے ہوئے اسی طرح کا فتوی ایک عدد اپنے مفتیوں پر لگانے کی جرات کریں گے؟؟ رب کعبہ کی قسم ہر گز نہیں اس لئے کہ منافقت کا دوسرا نام ہی ''بریلویت'' ہے علمائے دیوبند پر زبانیں دراز کرنے پر ہی ان کو روٹیاں ملتی ہیں اور غیرت و جرات کا ثبوت دیتے ہوئے اپنوں ہی پر اسی قسم کی زبان دراز کرنے پر روٹیوں کی جگہ اپنے عوام سے جوتیاں نذرانیں میں ملیں گی۔

شاہ احمد نورانی اس کی جماعت جمعیت علمائے پاکستان کے کارکنوں تراب الحق قادری اور اس کو مسلمان ماننے والوں کی بیویوں اور بچوں کا شرعی حکم

مفتی عبدالوہاب احمد رضا خان کی کتاب کے حوالے سے مرتد کا حکم نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ:

''مسلمانو! یاد رکھو کہ اگر کوئی مسلمان کافر ہو جائے اس کو مرتد کہتے ہیں، اس کی بیوی اس پر حرام ہو جاتی ہے، اس عرصہ کفر میں صحبت سے جو بچہ پیدا ہو گا وہ حرامی ہو گا، ایسی صورت میں بطور عادت کلمہ پڑھنا مفید نہیں جب تک اپنے کفر سے توبہ نہ کرے اور اپنے کفر سے توبہ کرے اور تجدید اسلام کرنے کے ساتھ ساتھ تجدید نکاح بھی کرے''۔

{اتمام حجت، ص ۲۶۲ مطبوعہ بزم اعلیحضرت امام احمد رضا، فروری ۲۰۰۴}

ما قبل میں ہم نے ثابت کر دیا کہ شاہ احمد نورانی اس کی جماعت تراب الحق یہ سب کافر اور گستاخ ہیں پس معلوم ہوا کہ احمد رضا خان کے فتوے کی رو سے اس کفر کے دوران شاہ احمد نورانی تراب الحق قادری ان دونوں کی تنظیموں کے کارکنوں رہنماؤں نے جتنی بار بھی اپنی بیویوں سے صحبت کی وہ خالص زناء تھا اور اس زناء کی صورت میں ان کی جو اولاد ہوئی وہ بھی سب حرامی اسی طرح اب تک جو بریلوی ان لوگوں کو مسلمان مان رہے ہیں وہ بھی سب کافر زانی اور ان کی اولاد حرامی گویا بریلویت نہ ہوئی زانیوں اور حرامیوں کی کھیپ ہو گئی رضاخانیوں کو

اگر یہ باتیں بری لگ رہی ہیں تو عرض ہے کہ آپ کے رضاخان نے یہ عبارت ہمارے لئے لکھی تھی مگر کسے معلوم تھا کہ مظلوموں کی آہیں یوں تم لوگوں کے سر پر پڑیں گی۔اس لئے یا اگر بے ہو دگی ہے تو پہلے خان صاب کی کتابوں کو آگ لگاؤ۔

اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ ان فتاوی کو اہل بدعت عام کرتے۔سر بازارا اپنے ان ملاؤں کے کفر کو جس پر اپنے ہی گھر سے رجسٹری ہو چکی تھی بیان کرتے مگر انہوں نے مولوی عبدالوہاب کی کتاب ہی کو غایب کر دیا ہمیں پہلی بار کراچی کے ایک پرانے کتب خانے کے کسی کونے کھدرے میں یہ کتاب ملی۔اس کتاب کی دیگر نسخوں کیلئے سر توڑ کوشش کی مگر کامیابی نہ ہوسکی مصنف کی طرف سے بھی جواب ملا کہ کتاب ان کے پاس نہیں۔مگر الحمدللہ ایک دن ایک کباڑ والے سے اس کے نسخے کافی تعداد میں مل گئے جنہیں منہ مانگی قیمت پر خرید کر ساتھیوں میں تقسیم کیا گیا۔

یہ کہاں کا قانون ہے کہ اپنے خلاف کتب چھپیں تو انہیں آنکھوں کا سرمہ بنانے کے بجائے کباڑ کی نظر کر دیا جائے؟

(۴) بریلوی اشرف العلماء اشرف سیالوی

بریلوی مناظر اعظم،اشرف العلماء جناب اشرف سیالوی صاحب نے ایک کتاب ''تحقیقات'' کے نام سے لکھی۔جس میں نبی اکرم ﷺ کے بارے میں یہ نظریہ پیش کیا گیا کہ آپ کو چالیس سال کے بعد نبوت ملی۔اب اس کے خلاف رضا خانیوں نے مندرجہ ذیل کتب شایع کی:

(۱) تنبیہات از عبدالمجید سعیدی
(۲) نبوت مصطفی ﷺ ہر آن ہر لحظہ (دو جلدیں) از محمد عرفان قادری
(۳) سندیلوی کا چیلنج منظور ہے از عبدالمجید سعیدی
(۴) محاکمہ عطائیہ کا منصفانہ جائزہ از مفتی نذیر احمد سیالوی
(۵) مسئلہ نبوت عند الشیخین از عبدالمجید سعیدی
(۶) تصریحات (دو جلدیں) از مفتی نذیر احمد سیالوی
(۷) نبوت مصطفی ﷺ از نذید احمد سیالوی

ان کتب میں یہ بات کہی گئی کہ اشرف سیالوی صاحب نے نہ صرف نبی اکرم ﷺ کی کھل کر گستاخی کی ہے۔بلکہ آپ ﷺ کی نبوت کا بھی انکار کیا ہے،اور اس بنا پر کافر و مرتد بھی ہو گیا ہے۔

پروفیسر عرفان قادری نے سیالوی کے متعلق یہ انکشاف کیا کہ:

> ''مولوی صاحب! پھر آپ نے صرف اس بات پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس سے بھی مکروہ عبارت لکھی کہ ''اسی طرح نبی مکرم ﷺ ،الخ استغفر اللہ یعنی آپ نے بڑی دیدہ دلیری اور بے باکی سے سید المرسلین حضرت محمد ﷺ کے عالم ارواح میں نبی ہونے اور بقول آپ کے عالم اجساد میں تقریبا چالیس سال تک نبی نہ ہونے کا موازنہ حکم خداوندی کے مطابق جانوروں سے بھی بدتر کفار بلکہ کفار کے سرداروں کے کفر سے کر دیا یعنی بقول آپ کے جس طرح عالم ارواح میں تو وہ مومن تھے لیکن عالم اجساد میں آکر کافر ہو گئے اسی طرح رسول اللہ ﷺ عالم ارواح میں نبی تھے لیکن عالم اجساد میں آکر نبی نہ رہے
>
> وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

مولوی صاحب! آپ نے یہ کیسی منحوس تشبیہ پیش کی ہے؟۔۔۔۔ یہ جملہ لکھتے وقت آپ کے ہاتھوں میں مجبور و بے بس و بے زبان و بے جان قلم بھی یقیناً تڑپ رہا ہوگا، اس کا کلیجہ بھی پھٹ رہا ہوگا، وہ بھی زبان حال سے رو رو کے آپ سے التجا کر رہا ہوگا کہ یہ بھیانک جملہ نہ لکھیں جس سے اہل اسلام کے دل بری طرح گھائل ہو جائیں گے لیکن شاید خود ساختہ علمیت کے نامعقول نشہ میں مدہوش آپ عظمت مصطفی ﷺ کے خلاف ایک سنگین جارحیت کا ارتکاب کر گئے"۔

(نبوت مصطفی ﷺ ہر آن ہر لحظہ ص ۶۳)

علمائے دیوبند پر تو ان کا بڑا اعتراض یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے علم کو معاذ اللہ گدھے اور جانوروں سے تشبیہ دے دی مگر یہاں خود اقرار کر رہے ہیں کہ ہمارے مولوی نے نبی اکرم ﷺ کی صفت علم نہیں بلکہ ذات کو جانوروں سے بھی بدتر کافروں سے تشبیہ دی مگر نہ تو اس پر کسی قسم کا کفر کا فتوی لگا، نہ بائیکاٹ، نہ تجدید ایمان و نکاح کا مطالبہ، نہ جلسے جلوسوں سٹیجوں پر اس کا رد۔ بلکہ سیالوی کے مرنے کے بعد اس کی خدمات پر بریلویوں نے خصوصی نمبر شایع کئے۔

یہ منافقت کیوں؟ یہ دورنگی کیوں؟

(۵) بریلوی امام المناظرین پروفیسر سعید اسد

بریلوی امام المناظرین پروفیسر سعید احمد اسد نے نبوت کے مسئلہ میں اپنے استاد اشرف سیالوی کی مکمل تائید کی جس کی بنا پر اس کے اپنے بھائی ابوالخیر محمد حبیب امجد نے اس کے خلاف ایک کتاب "نبی اکرم ﷺ پہلے نبی بھی ہیں اور آخری نبی بھی ہیں" لکھی۔ اس کے علاوہ بریلوی شیخ الحدیث والتفسیر علامہ مفتی نذیر احمد سیالوی نے "خاتم النبیین کا معنی اور علامہ محمد سعید احمد اسعد کے مغالطہ کا ازالہ" لکھی۔ عبد المجید سعیدی نے "اعلان رجوع" نامی کتابچہ لکھا۔ جس میں اسے بھی اپنے استاد کی تائید کرنے پر گستاخ رسول ﷺ کہا گیا۔ سعید اسد کی اپنی جماعت تحریک لبیک (جس کی طرف سے انہیں فیصل آباد کا ٹکٹ بھی مل گیا تھا جو واپس لے لیا گیا) کے امیر مولوی خادم حسین رضوی نے انہیں نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا منکر کہا۔ جس کو اشرف جلالی نے بھی میڈیا پر آ کر بیان کیا۔ (اس سب کی تفصیل میری کتاب "تحریک لبیک اور علامہ خادم حسین رضوی کی حقیقت" میں ملاحظہ فرمائیں) خود سعید اسد کا اقرار بھی موجود ہے کہ میرے ہم مسلک پیر مظفر حسین شاہ میرے خلاف سب سے زیادہ کتابیں شایع کروانے والا ہے خادم حسین رضوی نے میرے جلسوں پر پابندی لگوائی۔

اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ بریلوی طبقہ اگر اپنے عشق رسالت ﷺ کے دعووں میں سچا ہوتا تو اس کے خلاف کھل کر کفر کے فتوے صادر کئے جاتے، اس کا اسی طرح تقریراً و تحریراً رد کیا جاتا جس طرح علمائے دیوبند کے رد کو اپنا سب سے اول فرض منصبی سمجھتے ہیں سعید اسد کا رد بھی اسی طرح کرتے۔ مگر منافقت کی انتہا تو دیکھیں یہ لوگ ان سب گستاخیوں کے باوجود بھی اسے آج بھی "امام المناظرین" کے بھاری بھر کم القابات سے یاد کرتے ہیں۔

(۶) پیر افضل قادری

فیض آباد دھرنے کے دوران پیر افضل قادری نے کہا کہ جس طرح دو خدا نہیں ہو سکتے تو کسی جماعت میں دو امیر بھی نہیں ہو سکتے۔ اس

پر بریلوی کنز العلما اشرف آصف جلالی نے پیر افضل قادری پر کفر کا فتوی لگایا کہ یہ الفاظ کفریہ ہیں۔مگر ان سطور کے لکھے جانے تک پیر افضل قادری نے نہ تو توبہ کی اور نہ ہی خادم حسین رضوی نے عشق رسالت ﷺ کا بھرم رکھتے ہوئے اسے جماعت سے معزول کیا۔

جلالی کے مدرسے کے ناظم تعلیمات نے جو دو رسائل افضل قادری کے خلاف لکھے جو آگے اس کتاب میں آپ مطالعہ فرمالیں گے اس میں کہا کہ ہم نے پیر افضل قادری کے اس قول کو کفریہ شرکیہ کہا ہے پیر افضل قادری کو کافر نہیں کہا لزوم کفر ہوا ہے التزام کفر نہیں۔حالانکہ یہ بھی جہالت ہے بریلویوں نے لزوم کفر کی ایک تعریف یہ کی کہ قائل کو اس کلمہ کے کفریہ ہونے کا علم نہ ہو اور جب اسے اس کا کفر بتادیا جائے اور وہ توبہ کرنے کے بجائے اپنے کفر پر ڈٹ جائے تو یہ التزام کفر ہو جاتا ہے اور ایسے کافر کو کافر نہ کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔اشرف جلالی نے کھل کر اس قول کے کفر ہونے کو بیان کیا۔جلالی کے مدرسے کے ناظم تعلیمات نے پیر افضل قادری گروپ کی طرف سے ہونے والی تمام تاویلات کارد کیا۔مگر بجائے توبہ کرنے کے پیر افضل قادری نے میڈیا پر آ کر باقاعدہ اپنے اس قول پر جلالی کو مناظرے کا چیلنج دیا۔لہذا اب یہ لزوم کفر نہیں بلکہ التزام کفر ہوگیا۔لہذا اب اس کے قائل کو کافر نہ کہنے والے بلکہ الٹا اس کو اپنی جماعت کا سرپرست بنانے والے اپنے ہی فتاوی واصول کی روشنی میں ایسے کافر ہوئے کہ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔تجدید ایمان ونکاح لازم ورنہ صحبت خالص زنا اور اولاد ولد الحرام۔

مگر حرام ہو جو کسی ایک جلسہ جلوس میں آپ نے پیر افضل قادری کے خلاف کوئی بیان سنا ہو۔

(۷) دعوت اسلامی ،الیاس عطاری معتبر

الیاس عطاری اور اس کے بیٹے کے خلاف پیر سندھی محمد حنیف نے ایک کتاب ’’مولانا الیاس عطار صاحب مدظلہ اور دعوت اسلامی حقائق و معلومات کے اجالے میں مولانا الیاس صاحب مدظلہ کل اور آج قول وفعل میں تضاد کیوں؟‘‘ لکھی۔اس کتاب پر بریلوی ضیغم اہلسنت علامہ حسن علی رضوی خلیفہ گورداسپوری ومصطفی رضا خان کی تصدیق موجود ہے۔

الیاس عطاری کے بیٹے حاجی بلال عطاری نے سنڈے میگزین ۲۴ اپریل ۲۰۰۵ میں اپنے مضمون میں یہ لکھ دیا کہ: ’’آپ ﷺ وحی کی وجہ سے عام مسلمانوں سے ممتاز ہیں‘‘ اس پر ان صاحب کتاب نے یہ فتوی داغ دیا کہ:

’’یہ تحریر گستاخانہ عصمت انبیاء پر حملہ بلال رضا قادری عطاری ولد مولانا محمد الیاس عطار صاحب امیر دعوت اسلامی کی ہے۔اللہ تعالی ایسے گندے کفریہ عقیدے سے اپنی پناہ میں رکھے‘‘۔

(مولانا الیاس عطار صاحب مدظلہ اور دعوت اسلامی حقائق ومعلومات کے اجالے میں مولانا الیاس صاحب مدظلہ کل اور آج قول وفعل میں تضاد کیوں، ص۲۶)

مصنف کے بقول انہوں نے فون اور تحریر ہر اعتبار سے ان کو اس کفر سے توبہ ورجوع کا کہا مگر وہ اس کیلئے تیار نہ ہوئے۔اس کے علاوہ بریلی مرکز سے تصدیق شدہ کتاب ’’ابلیس کا رقص‘‘ نیز گوجرانوالہ سے ’’مکتوب بنام ابوداؤد‘‘ شائع ہوئی جس میں الیاس عطاری کو گستاخ،گمراہ وغیرہ کہا گیا۔پیر افضل قادری کی طرف سے الیاس عطاری کو ناموس رسالت ﷺ کا سب سے بڑا غدار کہا گیا۔اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ بریلوی اپنے ان مرتدین وگستاخان رسول ﷺ مولویوں اور جماعتوں کا کھل کر رد کرتے ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سلام کلام کو حرام بتاتے مگر

منافقت کی انتہا دیکھو کہ ان کتابوں کو ہی سرے سے غائب کر دیا گیا۔ یہ تو بس اللہ کا کرم ہے بندہ کے ہاتھوں اس طرح کی کتب لگ جاتی ہیں ان کا بس چلے تو شاید مجھے بھی مار کر ان کتب کو ضائع کرنے کا پروگرام بنالیں ۔لیکن اس منافقت پر آخر کب تک پردہ ڈالا جائے گا؟

(۸) پیر محمد چشتی اور سیفی جماعت

پشاور کے بریلوی شیخ الحدیث پیر محمد چشتی کا اپنے ہی ہم مسلک پیر سیف الرحمن کے ساتھ اختلاف ہوا دونوں طرف سے گستاخی رسول ﷺ اور کفر وارتداد کے کھلے فتوے لگے ۔ابھی حال ہی میں چشتی کے شاگردوں کا جو حضرت مفتی ندیم صاحب محمودی مدظلہ العالی کے ساتھ علم غیب کے موضوع پر یادگار مناظرہ ہوا اس میں بھی ان چشتیوں نے سیفیوں کو کھلم کھلا مرتد کہا۔

کفر وارتداد کے ان تمام فتووں کا ریکارڈ آپ مولوی ابو داود صادق کی کتاب ''خطرے کا سائرن'' اور متکلم اسلام حضرت مولانا الیاس گھمن صاحب زید مجدہ کی کتاب'' فرقہ سیفیہ کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' میں ملاحظہ کر سکتے ہیں ۔مگر نتیجہ کیا نکلا؟ بجائے اصول پسندی اور عشق رسالت ﷺ کا حقیقی ثبوت دیتے ہوئے ان دونوں جماعتوں کو جہنم کا کنفرم ٹکٹ دیتے الٹا ان کتب وریکارڈ ہی کو ہمیشہ کی طرح ضایع کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

(۹) بدایونی ورامپوری علماء

نواب احمد رضا خان کا اپنے ہم مسلک بدایونی ورامپوری علماء کے ساتھ مسئلہ اذان ثانی پر اختلاف ہوگیا۔ بدایونی ورامپوری علماء کا تمام امت مسلمہ کی طرح یہ نظریہ تھا کہ یہ اذان ثانی منبر کے سامنے دی جائے جبکہ نواب صاحب نے ایک نیا مسئلہ گھڑا کہ یہ بدعت ہے اور اسے مسجد کے باہر دی جائے ۔یہ فروعی اختلاف اس حد تک بڑھا کہ نواب صاحب اور ان کے بیٹوں کی طرف سے بدایونی علماء پر ۲۰۲۵ کفری الزامات لگا دئے گئے کہ یہ اپنا اقوال کفریہ کی روشنی میں اپنے اوپر اس قدر کفر لازم کر چکے ہیں ۔حشمت علی رضوی صاحب لکھتے ہیں:

''رسالہ مبارکہ مسمیٰ بنام تاریخی ''سد الفرار علی الصید الضرار''صفحہ ۸۵،۸۶،۸۷ سے ظاہر کہ بدایوں و بریلی کے درمیان اختلافات کی ایک اہم ترین بنایہ بھی تھی کہ مدرسہ خرما بدایوں (اصل نام مدرسہ قادریہ تھا۔ساجد) سے حضور اقدس سید عالم ﷺ کی شان اقدس میں معاذ اللہ بیوفا کا لفظ شائع کیا گیا تھا (ملاحظہ ہو رسالہ شمس العلوم جلد ۲ نمبر ۳ ص ۸) جس پر سد الفرار میں یہ احکام شرعیہ صادر فرمائے گئے کہ **بے شک اس کا لکھنے والا کافر مرتد ہوگیا بے شک اس کی عورت اس کے نکاح سے نکل گئی بے شک جو اس میں اس کا ساتھ دے یا اس کا یہ ملعون قول ملعون نہ جانے یا اسے علمی مضمون بنا کر علمی رسالے میں شائع کرے اس پر بھی قطعا یہی احکام ہیں ۔کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی توہین کو پسند کیا اچھا جانا یا کم از کم برا نہ جانا۔ یو ہی جو اس قائل یا اشاعت کنندہ راضی شوندہ سے اس کا یہ حال جانکر کفار مرتدین کا سا برتاؤ نہ کرے حضور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی ایسی سخت توہین پر انکی رعایت کرے ان پر تشنیع اور ان کی شقاوت کی اشاعت کو ناگوار نہ رکھے وہ بھی انہی کی طرح لعنت وعذاب کا مستحق ہے۔الٰہی تیرے غضب سے تیری پناہ**''۔

(ستر باادب سوالات،ص ۳۰)

اسی سد الفرار سے مزید حوالہ جات ملاحظہ ہو کہ علماء بدایوں پر کیا کیا فتوے لگائے گئے:

(۱) اللہ،انبیاء وملائکہ پر مدرسہ خرما کے حملے۔(سد الفرار،ص ۱۳۸)

(۲) اللہ تعالی پر حملے۔(ایضا ص ۱۴۱)

(۳) مدرسہ خرما میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صریح گالی۔(ایضاص ۱۴۴)
(۴) مدرسہ خرما میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے قدری۔(ایضاص ۱۴۷)
(۵) مدرسہ خرما میں دیدار الٰہی کی سخت توہین۔(ایضاص ۱۴۹)
(۶) مدرسہ خرما میں لاکھوں آئمہ کی تکفیر۔(ایضاص ۱۵۱)
(۷) مدرسہ خرما میں دین سے تمسخر۔(ایضاص ۱۵۷)
(۸) آدم علیہ الصلوۃ والسلام اور جنت سے مدرسہ خرما کی گستاخی۔(ایضاص ۱۵۵)
(۹) اللہ و رسول کے ساتھ مدرسہ خرما کی گستاخیاں۔(ایضاص ۱۶۰)
(۱۰) اللہ عزوجل اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خرمائی حملے۔(ایضاص ۱۶۷)
(۱۱) اللہ و رسول و قرآن و اسلام معظمان دینی پر مدرسہ خرما کی بعض باقی زبان درازیاں۔

(ایضاص ۱۷۰)

(۱۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خرمائی سخت سخت حملے۔(ایضاص ۱۷۲)

غرض کہاں تک لکھوں جناب حامد رضا خان ہی کی زبانی کے علماء بدایوں (مولانا عبد المقتدر بدایونی وٹبر) نے پونے دوسو اقوال کفر کا صدور ہوا:

''یہ مدرسہ خرما کے اقوال سے پونے دوسو قول کا انتخاب ہے''۔

(سد الفرار، ص ۱۸۷)

ہم نے ''سد الفرار'' طبع دوم ۲۰۰۹ ناشر دار العلوم رضائے خواجہ اجمیر شریف سے یہ حوالے نقل کئے ہیں۔

مگر کیا علماء بدایوں نے توبہ کر لی؟ اور کیا ان کا اسی طرح رد کیا جاتا رہا جس طرح علمائے دیوبند کا کیا گیا؟ نہیں ہرگز نہیں بلکہ الٹا اس کتاب ''سد الفرار'' ہی کو غائب کر دیا گیا۔

اس موقع پر بدایونی علماء جو آج اپنی نسبت نواب احمد رضا خان کی طرف جوڑتے ہیں ذرا جواب دیں کہ اپنے اعلیٰ حضرت کے اس فتوے کی روشنی میں آپ آج اپنے آباؤ اجداد کی حلالی اولاد یں ہیں یا۔۔۔۔۔۔۔

ناراض نہ ہوں یہ غلاظت آپ ہی کے اعلیٰ حضرت کی ہے ہم تو صرف ناقل ہیں۔

حشمت علی رضوی مولانا عبد القدیر و عبد الماجد بدایونی کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''آپ کے یہاں کے متوسل خاص آپ کے بڑے بھائی صاحب کے شاگرد و غلام باختصاص افتخار الحق ہتکی مقتدری نے ایک ملعون کفر نامہ بنام حامض الاسنان چھاپا ہے جس سے ظاہر ہے کہ جہاں بھر میں نہ ایسا اخبث کافر نہ ایسا اجہل خاسر ہیں''۔

(پشت خار در افتخار ص ۳)

وہ کفریات کیا ہیں ملاحظہ ہو:

(۱) آقا محمد خدا کے خدا

(۲) خدا ہر جاہل سے کہیں اجہل مطلق

(۳) اللہ کی سب حمدیں باطل

(۴) نبی کا علم اللہ سے زائد

(ملخصا ص ۴،۵)

کہاں ہیں وہ ظالم بریلوی جو کہتے ہیں کہ العیاذ باللہ دنیا کے سب سے بڑے گستاخ دیوبندی ہیں۔ یہ تمہارا مولوی لکھ رہا ہے کہ جتنا خبیث کفر ہمارے لوگوں نے لکھ کر شایع کیا ہے اس سے اکفر و اخبث کفر آپ کو کہیں اور نہیں ملے گا۔

عجب طرفہ تماشہ

اس سب کے باوجود بھی تماشہ ملاحظہ ہو:

آپ (مولانا عبد المقتدر بدایونی) کی وفات پر خود حجۃ الاسلام حضرت مولانا حامد رضا خان صاحب قدس سرہ جو اس کتاب ''سد الفرار'' کے لکھنے کے ذمہ دار ہیں اور آپ کے ساتھ مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مصطفی رضا خان بریلوی قدس سرہ جو دونوں اعلی حضرت امام بریلوی قدس سرہ کے صاحبزادے ہیں حضرت مولانا عبد المقتدر کے سوئم اور ان کی قبر پر فاتحہ خوانی کیلئے تشریف لے گئے''۔

(عجائب انکشاف، ص ۲۲۹)

یعنی جن کو کافر، مرتد، بے دین، گستاخ رسول ﷺ لکھا اسی کی قبر پر فاتحہ خوانی کیلئے چلے گئے اور خود کافر مرتد جہنمی ہو گئے۔ مصنف کتاب اس تضاد بیانی سے یوں جان چھڑانے کی کوشش کرتا ہے کہ سد الفرار میں تو کسی پر کفر کا فتوی لگا ہی نہیں تھا وہ تو سب انشا کی قبیل سے تھا۔

(ملخصا عجائب انکشاف، ص ۲۲۹، ۲۳۰)

یہی تو ہم ثابت کرنا چاہ رہے ہیں کہ اتنے بڑے بڑے کفر بکنے کے بعد بھی بقول تمہارے کوئی کفر نہیں۔ صرف اس لئے کہ مولوی تمہارا اپنا ہے۔ یہی منافقت ہم دکھانا چاہتے ہیں کہ علمائے دیوبند کے پیچھے تو لٹھ لیکر پڑے ہوئے ہو اور اپنے مولویوں کیلئے پتھر ہضم لکڑ ہضم۔

بدایونی علماء کیلئے بریلوی زبان وقلم کی غلاظتیں

اپنے ہی ہم مسلک بدایونی علماء کیلئے کس قدر گھٹیا زبان وقلم کا مظاہرہ کیا گیا ہے اس کے چند ادنی نمونے ملاحظہ ہوں۔ حشمت علی رضوی لکھتا ہے:

''نیز اسی اپنے نئے بگڑے ہوئے چمر تو حیدی سے پوچھئے اگر زید عمرو بکر خالد کالا چور کسے باشد تیری جورو بیٹی ماں بہن سے زنا کرلے تو تو راضی ہے یا نہیں نہیں تو کیوں وہ سب تیرے خدا ہی تو ہیں خدا کے فعل پر اعتراض کیسا؟ اور اگر راضی ہے تو اس کا اعلان چھاپ دے بلکہ جورو وغیرہا کے ہاتھوں پر جلی قلم سے 'وقف فی سبیل الشیطان'' لکھ کر بازاروں میں گشت دے'۔

(پشت خار در افتخار ص ۱۹)

''اگر ولید بلید یزید کالا چور کسے باشد تیرے ساتھ ہی کچھ کرنا چاہے تو کیا فوراً نہ جھک جائے گا سجدہ شکر میں نہ گریگا کہ تیرے خدا نے تجھے نوازا۔ اگر نہیں تو تیرے برابر ناشکرا کافر کون؟ اور اگر ہاں تو اپنی پشت کی طرف وہی ''الوقف فی سبیل الشیطان'' کا بلا لگوا کر

بازاروں گلیوں میں گشت کر"۔

(پشت خار در افتخارص ۱۹)

"دنیا بھر کی رنڈیوں خانگیوں کا جن سے رات دن چکلوں اور گھروں میں زنا ہو رہا ہے وہ سب ان نو گرفتار کی ماں ہیں"۔

(پشت خار در افتخارص ۱۹)

"یوہیں لواطت کی کثرت ہے اور جن کے ساتھ ہو رہی ہے کیا سب تیرے عین نہیں تو ہر جگہ تو ہی مفعول ہے رات دن تو ہی مدخول ہے"۔

(پشت خار در افتخارص ۲۰)

"جو کچھ تو اپنی جورو سے کر رہا ہے اپنی اماں سے کر رہا ہے"۔

(پشت خار در افتخارص ۲۰)

تیری توحید ذلیل سے تیرا منہ اور پاخانہ کا مقام ایک نہیں ہے؟ ضرور ایک ہے۔تو تو اپنے پاخانے کے مقام سے کھاتا بولتا ہے اور اپنے منہ سے گوبر کرتا ہے"۔

(پشت خار در افتخارص ۲۰)

گالیوں کی مشین گن

مردہ ،بیل ،گدھا ،سور ،کتا ،اپنے ہاتھوں اپنے گھر گھروندا کرنے والا جہنم کا مستحق ،خرافات ،ہذیان بکنے والا ،القائے شیطان والا ،جھوٹا ،نا قابل خطاب ،نطفہ شیطان ،ولد الزنا ،الو کا پٹھا ،گدھے کا بچہ ،کتے کا پلا ،سور کا جنا ،جس کی جورو ،بیٹی ،ماں ،بہنوں سے لوگ رات دن زنا کرتے ہیں ،خود اس کے ساتھ لاکھوں فاسق لواطت کر رہے ہیں ،وہ خود اپنی ماں سے زنا کرتا ہے ،اپنے پاخانہ کے مقام سے کھاتا بولتا ہے ،اپنے منہ سے گوبر کرتا ہے ،بے ایمان مخنث ،لومڑی صفت ،بھگوڑا ،بھٹے میں بیٹھا ،دور سے غزغز کرنے والا ،تھان پر بندھا ،ڈھینچوں ڈھینچوں چیخنے والا کفر کی لید ،ہگ کر عالم میں گند پھیلانے والا ،بوزنگا ،بدعقل ،بوجھ بجھکڑ ،اجہل مفتری ،کذاب ،دغاباز ،کتا بول لدا گدھا ،دجال گمراہ"۔

(پشت خار در افتخارص ۲۲)

پوری دنیائے رضاخانیت کو چیلنج

ہم پوری دنیائے رضا خانیت کو چیلنج کرتے ہیں کہ چودہ سو سال کی تاریخ میں کسی عالم کسی عام مسلمان تو در کنار کسی کافر بے ایمان کی کوئی کتاب کا حوالہ بتاو جس میں اپنے مخالف کے حق میں اتنی غلیظ ،گندی اور گھٹیا گالیاں چھاپ کر اس پر فخر کیا گیا ہو کہ ہم نے اگلے کا منہ بند کر دیا۔

بدایونی علماء کی طرف سے حشمت علی رضوی کو ترکی بہ ترکی جواب

دوسری طرف بدایونی علماء کی طرف سے حشمت علی رضوی کی خدمت میں جو سوغات بھیجی گئی اس کا بھی ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

"آیات و احادیث کا منکر ،بے ایمان ،مخنث ،خاصیت رد باہ صفت معرکہ سے پشت دکھا کر بھگانے والا ،بھٹے ہی میں بیٹھا بیٹھا ،دور ہی سے غزغز کر انگور کھٹے ہیں یا ابلق گدھے کی طرح تھان ہی پر ڈھینچوں ڈھینچوں کفر و شرک و الحاد و ارتداد و زندقہ و نفاق ،کی لید ہگ ،عالم میں گند پھیلانے والا ،ہاتھی کے پیر کی تحریر کے معناء ہرن کا چکی کا پاٹ پیر میں باندھ کر کودنا سمجھنے والا پیر ،بوجھ بجھکڑ ،

اپنے ہی مصنف حامض الاسنان کی معمولی سے معمولی عبارت اوراس کا ادنی سے ادنی سوال تک نہ صحیح پڑھ اور نہ سمجھ سکنے کی قابلیت رکھنے والا، اجہل الجہلا ءمفتری، کذاب، دغاباز، مورد آیت کمثل الحمار اصفارا، مصدر حدیث یکون فی آخرالزمان دجالون کذابون یضلونھم ویضلونکم ۔۔۔اس کافر کو چاہئے کہ اپنا منہ توے کی سیاہی سے کالا کرے گدھے پر سوار ہو پرانی جوتیوں کا ہار گلے میں ڈال کر چوک سے گزرتا محلہ درمحلہ پھرتا بایں ہئیت کہ پیچھے پیچھے لونڈے تالیاں یہ کہتے ہوئے پیٹتے چلیں کہ بھڑ وا بے بھڑوا۔۔''۔

(پشت خار درافتخار، ص ۲۰، ۲۱)

قارئین کرام! ایسوں کو تیسا۔علمائے دیوبند ساری زندگی اپنی شرافت اور عالی ظرف کی وجہ سے ان کی گالیوں پر منہ بند کئے رکھے اور معاملہ اللہ پر چھوڑ بیٹھے۔مگر علمائے دیوبند کے خلاف غلیظ قلم استعمال کرنے والوں کو ان کے اپنے ہی گھر میں وہ وہ صلواتیں اپنے حق میں سننے کو ملیں کہ ساری زندگی یاد رکھا ہوگا۔

(۱۰) دارالعلوم امجدیہ والے کافر، شاہ تراب الحق قادری، حسن علی رضوی میلسی، بریلوی محدث اعظم ضیاء المصطفی، مفتی عبدالقیوم ہزاروی یہ سب کافر ہیں

بریلوی مفتی اعظم ہند مصطفیٰ رضاخان کے خلیفہ بریلوی غوث زماں، مجدد دوراں، تاجدار رضویت مقتدائے اہلسنت، ماہر شریعت، مہر طریقت، ضیغم مصطفیٰ، مظہر مصطفی رضا، حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالوہاب خان قادری اپنے ہی مولویوں پر یوں چڑھائی کرتا ہے:

''دارالعلوم امجدیہ کے مفتیوں نے تراب الحق کی تکفیر کی اور ایسی تکفیر کی کہ جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے مسلمان سمجھنا تو بڑی بات ہے جو ان کے کافر ہونے میں شک کرے وہ بھی کافر ہے، اب سوال پیدا ہوتا ہے یہ حکم مسلمانوں کو دیا گیا؟ دریافت طلب یہ امر ہے کہ مفتیان دارالعلوم امجدیہ مسلمان ہیں یا نہیں اگر مسلمان ہیں تو تراب الحق کو سینہ سے لگانا اپنا حکم بنانا بربنائے اسلام ہے یا کفر؟ اگر مسلمان سمجھا تو کافر، یا کافر جان کی تعظیم کی تو کافر ٹھرے، اور کافر سمجھ کر اپنا حکم مانا اور ناظم تعلیم بنایا تو بھی کافر ٹھرے، علاوہ ازیں اپنی مجالس اور محافل کی شمع بنانا ان کے پیچھے مسلمانوں کو نمازیں پڑھوانا اور مسلمانوں کی نمازیں برباد کرنا، نیز جلسہ وجلوس میں صدر بنانا یہ سب امور تعظیم وتوقیر سے ہیں اور کافر کی تعظیم درحقیقت کفر کی تعظیم ہے چنانچہ مفتیان اور مولوی صاحبان سب کافر ہو گئے کہ ان کے حال وقال سے خوب واقف ہیں''۔

(حسام الابرابر علی رؤس الاشرار، ص ۴۷، جماعت رضائے مصطفی کراچی)

''حضور ﷺ کی نسبت سے داماد وخسر (معاذاللہ) کہنا بلاشبہ جائز البتہ توہین کی نیت سے کہے گا تو کافر ہو جائے گا، اگر یہ حق ہے تو تراب الحق صاحب کہتے ہیں کہ توہین کی نیت نہ ہو وہ بھی گستاخی ہے اور جو گستاخ ہے وہ کافر ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر دارالعلوم امجدیہ والوں کا قول حق وصحیح ہے تو تراب الحق ایک مسلمان کو گستاخ رسول ٹھرا کر خود کافر ہو گئے اور تراب الحق کا قول درست ہے تو دارالعلوم امجدیہ والے بمعہ اپنے ہمنواؤں کے سارے کافر ہو گئے''۔

(حسام الابرابر علی رؤس الاشرار، ص ۵۰، جماعت رضائے مصطفی کراچی)

''افسوس ہزاروی صاحب (مفتی عبدالقیوم ہزاروی) کی علمیت وقابلیت پر کہ وہ سیدالانبیاء، حبیب کبریا ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی پر خود مصر اور دوسروں کو گستاخی پر جری کرتے اور ابھارتے ہیں۔حالانکہ آج گئے گزرے دور اور پر آشوب زمانہ میں بھی ان الفاظ مکروہہ کو شریف اور مہذب حضرات باعث ننگ وعار جانتے ہیں، مگر پھر بھی ہزاروی کی آنکھ نہ کھلی حملہ کیا تو کس پر جو سید

العلمین محبوب رب العلمین حبیب کبریا نبی الانبیاء وسید الرسل وختم المرسلین سیدنا وسندنا وحبیبنا ومولینا محمد ﷺ جو اللہ مالک ومختار کو سب سے زیادہ محبوب ہیں اور ہزاروی کو اس کی اتنی بھی سمجھ نہ آئی‘‘۔

(حسام الابرابرعلی رؤس الاشرار ص ۶۸،۶۹، جماعت رضائے مصطفی کراچی)

حسن علی رضوی میلسی کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’جو الفاظ اہانت و دشنام کیلئے رائج ہوں وہ تمہارے دین جدید کبیری میں نبی الانبیاء سید الاصفیاء ماحی ذنوب والخطا احمد مجتبی محمد مصطفی ﷺ کیلئے معاذ اللہ خاکش بدہن قطعا جائز ہی نہیں بلکہ بے کراہت جائز ہیں، پھر بھی اپنے کو مسلمان کہتے نہیں شرماتے، ایسی گستاخی تو کوئی کافر بھی نہ کرے گا‘‘۔

(حسام الابرابرعلی رؤس الاشرار ص ۷۵، جماعت رضائے مصطفی کراچی)

’’میلسی صاحب! اب تو تم بھی فقہائے کرام کے فتاوی سے نہیں بچ سکتے کہ تم نے بھی صاف صاف لکھ دیا کہ یہ کریہہ لفظ قطعا جائز اور حقیقت واقعی کا اظہار ہے۔ اب تم اپنے معاملہ میں فیصلہ کرو کہ تمہارے کافر ہونے میں بھی کوئی شک باقی ہے۔ تم سارے فرقہ جدیدہ ترابی اور کبیری اور ان پر پرستار مقتیوں مولویوں اور تمام حمایتیوں کو بلالو اور اپنا مسلمان ہونا ثابت کرو‘‘۔

(حسام الابرابرعلی رؤس الاشرار ص ۷۶، جماعت رضائے مصطفی کراچی)

’’اس سے صاف ظاہر ہے کہ میلسی جی کا نفس جب گستاخی پر ابھارتا ہے تو حقیقت واقعی رشتوں کو ڈھال بنا کر سرکار ابد قرار حضور پر نور شافع یوم النشور شہنشاہ دو عالم مالک رقاب الامم احمد مجتبی محمد مصطفی ﷺ کو تسکین قلب کیلئے العیاذ باللہ گالیاں دے لیتے ہیں‘‘۔

(حسام الابرابرعلی رؤس الاشرار ص ۷۹، جماعت رضائے مصطفی کراچی)

شاہ تراب الحق قادری، مفتی ضیاء المصطفی، مفتی غلام غوث ہزاروی، دار العلوم امجدیہ، اختر رضا خان ازہری، حسن علی رضوی میلسی بریلوی نے نبی اکرم ﷺ کیلئے خسر اور داماد کے الفاظ کو جائز کہا تو اب ان کے متعلق فتوی دیتے ہیں:

’’اور ان الفاظ کو خاکش بدہن حضور اکرم ﷺ کیلئے معاذ اللہ ان کا استعمال جائز لکھتے ہیں۔ صدر الشریعہ کے حکم شریعت کے مطابق جو بھی اس لفظ کے استعمال کو جائز بتائیں وہ کافر و مرتد قرار پاتے ہیں اور ایسے مرتد کہ ان کی توبہ بھی مقبول نہیں اگرچہ کوئی ان الفاظ کو استعمال کرنے میں بہ نیت استخفاف کا حیلہ تراشے مگر الفاظ کی تشریح تو ان الفاظ میں سخت گستاخی اور شدید اہانت ثابت کرتی ہے اور جو نیت کو بھی درمیان میں حارج نہیں کرتے اور اعلانیہ ان الفاظ کے استعمال کو حضور اکرم ﷺ کے لئے معاذ اللہ جائز قرار دیتے ہیں وہ بھی کافر و مرتد ہیں جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر اور ان کی توبہ بھی مقبول نہیں‘‘۔

(حسام الابرابرعلی رؤس الاشرار ص ۱۹۳، جماعت رضائے مصطفی کراچی)

یہ بعینہ اسی قسم کا فتوی ہے جو بریلوی علمائے دیوبند کے متعلق دیتے ہیں۔ اب انصاف کا تقاضہ تو یہ ہے کہ بریلوی حضرات اپنے ان علماء سے علی الاعلان برات کا اظہار کرتے اور اسی قسم کی غلیظ زبان اپنی کتب و سٹیجوں پر ان کیلئے استعمال کرتے جو علمائے دیوبند کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ مگر ان بدبختوں سے انصاف و دیانت کا خون کرتے ہوئے ان کتابوں ہی کو غایب کرنا شروع کر دیا اور اب اس قسم کی کتب شاید بڑی مشکل سے کسی کباڑ والے سے ہی ملے۔

(۱۱) پیر جماعت علی شاہ کافر و مرتد ہے

مظہر اعلیٰ حضرت ابو الفتح شیر بیشہ اہل سنت حشمت علی رضوی فتوی دیتے ہیں:

''کل پنجشنبہ ۲۶ صفر المظفر ۱۳۶۵ھ اخبار الفقیہ مورخہ ۲۱، ۲۸ جنوری ۱۹۴۶ء آیا اس کے صفحہ ۸، ۹ پر آل انڈیا سنی کانفرنس کے امیر ملت وصدر الصدور پیر صاحب علی پور کا دستخطی فرمان مبارک مطبوع پایا اس میں انہوں نے مسلم لیگ کو بڑی جماعت اہل اسلام بتایا اور اس سے الگ رہنے والوں کو صاف صاف کافر بنایا اور مرتد اکفر پیر نیچر سر سید علی گڑھی کو تین مرتبہ سر سید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اعلیٰ خالص اسلامی لقب وخطاب بھنٹا یا اور اس کے کھلے ہوئے کفریات قطعیہ وارتدادات یقینیہ کو اس کی آثار الصنادید کے دوشعروں سے چھپایا اللہ تبارک وتعالیٰ کو شہید وبصیر اور اس کے پیارے محبوب ﷺ کو حاضر وناظر مانتے ہوئے کونوا قوامین بالقسط شھدآء اللہ پر عمل کرتے ہوئے جلد فتوی شرعیہ صادر فرمائیں کہ سر سید احمد خان اپنے ان قطعی یقینی کفریات خبیثہ والحادات بئیسہ کے سبب جو کتاب مبارک فتاوی الحرمین شریف وکتاب مستطاب المعتمد المستند ورسالہ مبارکہ باب العقائد والکلام میں مفصلا مذکور ہیں بحکم شریعت مطہرہ یقینا قطعا ایسا کافر ومرتد ہے یا نہیں اور جو اس کے کفریات پر اطلاع شرعی پانے کے بعد بھی اس کے کافر ومرتد ہونے میں شک رکھے یا اس کو کافر ومرتد کہنے میں توقف کرے وہ بھی شرعا بے شک وبلاشبہ کافر ومرتد ہے۔ نیز جو شخص ایسے مرتد اکفر کو رحمۃ اللہ علیہ لکھ کر شائع کرے اور جب علمائے اسلام اس کی ناپاک کتاب تہذیب الاخلاق کے کفریات ملعونہ پر توجہ دلائیں تو وہ اس کفریات پر توجہ نہ کرے نہ انہیں دیکھے بلکہ اس کے محض دوشعروں کو پڑھ کر اس کت کفر وارتداد پر پردہ ڈالے ایسا شخص بھی بحکم شریعت مطہرہ خود کافر ومرتد ہے یا نہیں اور ایسے شخص کو آل انڈیا سنی کانفرنس کا صدر الصدور بنانا آل انڈیا سنی کانفرنس کی طرف سے اس کے امیر ملت ہونے کا اعلان شائع کرنا شرعا حرام قبیح اور مسلمانوں کا اضلال فضیح ہے یا نہیں اور ایسا شخص جس آل انڈیا سنی کانفرنس کا صدر اعلیٰ وامیر ملت ہو اس میں شریک ہونا ممبر بننا اس کی اعانت وامداد کرنا بھی بحکم شریعت مطہرہ سخت حرام ہے یا نہیں بینوا توجروا۔

(ستر باادب سوالات، ص ۱۱۲)

ہمارا یہاں اہل بدعت جماعت رضاخانیہ سے صرف ایک ہی سوال ہے کہ جو سوالات آپ کے حشمت علی رضوی نے اپنے صدر الافاضل نعیم الدین مراد آبادی سے کیئے بس منافقت کو چھوڑئے اور سیدھا سیدھا بغیر لگی لپٹی اس کا جواب دے دیجئے۔ مگر تم ایسا کبھی نہیں کروگے۔

(۱۲) جبلپوری حضرات بھی کافر ہیں

مولوی برہان الحق جبلپوری نواب احمد رضا خان کے معتمد علیہ اور خاص الخاص خلیفہ تھے۔ ان کے اور ان کے والد پر بھی نواب احمد رضا خان ہی کے خلیفہ حشمت علی رضوی نے کفر کا فتوی صادر کیا۔ ملاحظہ ہو:

''مولوی برہان الحق صاحب جبلپوری نے مسلم لیگ کی حمایت میں ایک فتوی تحریر فرمایا جس پر انکے والد بزرگوار جناب مولانا عبد السلام صاحب جبلپوری نے اپنے تصدیقی مہر ودستخط ثبت فرمائے اس مہری دستخطی قلمی فتوے میں ہے ''مسلم لیگ تہتر فرق اسلامیہ میں سے کسی ایک فرقے اور جماعت کا ادارہ نہیں نہ اسے ثلث وسبعین ملۃ میں سے کسی ایک ملت کے عقائد واعمال سے واسطہ ہے۔ مسلم لیگ نے اس وقت تک فرقہ ناجی یا فرق ناریہ کے متعلق اپنے رویے کو کسی طرف مائل نہیں کیا ہے''۔ پھر لکھتے ہیں: ''مطلق اسلام کے خلاف بلا استثناء کسی فرقہ وملت کے اعدائے اسلام ومسلمین کی ریشہ دوانیوں کے تار پود بکھیر کر حکومت مسلطہ سے جدید دستور اساسی کی ترتیب کے وقت مطلق حقوق اسلام کے تحفظ اور مزاحم اسلام ضوابط وقوانین کی مدافعت واسترداد کیلئے

مسلم لیگ نے عملی قدم اٹھایا ہے‘‘۔ان عبارتوں میں جبلپوری حضرات نے مسلمان کہلانے والے تمام فرق ناریہ کے جملہ مذاہب کفریہ دیوبندیت ،رافضیت ،نیچریت ،قادیانیت وچکڑالویت وآغانیت وغیرہا کو بھی مطلق اسلام کے افراد ٹھرادیا۔اب شرعی فتوی ارشاد ہوکہ جو شخص مسلمان کہلانے والے مرتدین ومنکرین ضروریات دین کو مطلق اہل اسلام میں شامل اوران کے جملہ مذاہب کفریہ کو بھی مطلق اسلام کے مصداق میں داخل مانے اس نے ان سب مرتدوں ،ضروریات دین کے منکروں کو مسلمان اوران سب کے قطعی یقینی عقائد کفریہ کو اسلام ٹھرایایا نہیں؟اوراس پر حکم شرعی من شک فی کفرہ وعذابہ فقد کفر صادق آیایا نہیں؟‘‘۔

(ستر باادب سوالات ،ص ۳۳،۳۴)

ہماراسوال

اہل بدعت سے ہمارا صرف یہی سوال ہے کہ علمائے دیوبند اگراس وجہ سے مطعون ہیں کہ ان پر تمہارے مولویوں نے کفر کے فتوے لگائے ہیں جن کا ماننا ضروری ہے ۔اگر علمائے دیوبند معاذ اللہ اس لئے ہر کافر سے بدتر کافر ہیں کہ انہوں نے اللہ ورسول ﷺ کی توہین کی اسی لئے ان کے پاس بیٹھنا حرام،ان کی کتب پڑھنا حرام،ان کو سلام وکلام کرنا حرام،مرجائیں تو جنازے پر جانا حرام،عیادت حرام،اتحاد حرام ،نکاح حرام ان کا رد کرنا ہر فرض سے اہم فرض تو تمہارے یہ علماء

(۱) آل انڈیا سنی کانفرنس کے پانچ ہزار علماء

(۲) پیر جماعت علی شاہ

(۳) عبد العلیم میرٹھی

(۴) محدث اعظم سید محمد کچھوچھوی

(۵) علما بدایوں ورامپور

(۶) اشرف سیالوی

(۷) غلام نصیر الدین سیالوی ابن اشرف سیالوی

(۸) احمد علی سندیلوی

(۹) عبد الرزاق بھترالوی

(۱۰) سعید احمد اسد فیصل آبادی

(۱۱) پیر افضل قادری

(۱۲) الیاس عطاری

(۱۳) حاجی بلال رضا قادری

(۱۴) پیر سیف الرحمن وجماعت سیفیہ

(۱۵) پیر محمد چشتی بمع ٹبر

(۱۶) پیر کرم شاہ بھیروی بمع ٹبر

(۱۷) شاہ احمد نورانی

(۱۸) شاہ تراب الحق قادری

(۱۹) سارا دار العلوم امجدیہ

(۲۰) اختر رضا خان ازہری

(۲۱) ضیاء المصطفیٰ

(۲۲) حسن علی رضوی

(۲۳) مفتی غلام سرور قادری

(۲۴) برہان الحق جبلپوری

(۲۵) ان کے والد عبد السلام جبلپوری

یہ سب وہ لوگ ہیں کہ جن کا نام لے لے کر اسی فرد جرم کو عائد کر کے ان کو وہی سزا سنائی گئی جو علمائے دیوبند کو سنائی گئی۔ تو آخر کیا وجہ ہے کہ جماعت بریلویہ اپنے ہی جید علما کی طرف سے جاری کردہ ان کفر کے فتوے کو حسام الحرمین کا درجہ دینے کو تیار نہیں؟ آخر کس قاعدے واصول کی بنا پر علمائے دیوبند کے خلاف تو آپ کے فیصلے معتبر اور ایسے معتبر کہ ان سے اختلاف کرنے والا بھی کافر اور اپنے علما کے خلاف صادر کئے گئے فتووں کو ایسے چھپایا جا رہا ہے جیسے حیض کے چھیتڑے؟

بریلویوں کی بریلویوں پر چوٹ

ورلڈ صوفی فارم نے اپنے ہی ہم مسلک بریلویوں پر کیا ہی خوب چوٹ کی کہ:

”رہا بعض علما سے ان کے علمی وفکری اختلافات کا مسئلہ تو پاک وہند کا کوئی نامور عالم اس فعل سے مستثنیٰ نہیں (الا ماشاء اللہ) بے شمار علماء کے آپسی اختلافات ہیں، بلکہ ان اختلافات کی وجہ سے لاتعداد علما نے ایک دوسرے کو صلح کلیت، ندویت، ضلالت، فسق یہاں تک کہ تکفیر کے تمغے سے بھی سرفراز کیا ہے۔ ایسے سنگین چارجز کے ساتھ متہم اور مشکوک علماء اہل سنت کے مقتدی، ہادی، فقیہ، قلم کار، صحافی اور دانشور بنے رہ سکتے ہیں تو پروفیسر طاہر القادری ان الزامات کے ساتھ صوفی کانفرنس میں خطاب کیوں نہیں کر سکتے؟“۔

(جام نور ص ۱۰، مئی ۲۰۱۶)

اہل بدعت جواب دیں کہ ہم نے ماقبل میں حوالہ جات کے ڈھیر لگا دئے کہ جن میں آپ کے اکابر پر آپ ہی کے اکابر سے تکفیر جیسے سنگین چارجز لگائے گئے ہیں۔ ان سب کے باوجود یہ ”کافر، گستاخان رسول ﷺ“ آپ کے اکابر، ہادی، مشائخ ہو سکتے ہیں تو بالفرض اگر بریلی کی اسی بے قابو تکفیری مشین گن سے اکابر دیوبند پر تکفیر کے گولے برس گئے تو اس کے باوجود علمائے دیوبند کیوں ہادی اسلام نہیں ہو سکتے؟

بریلوی مولوی کا اقرار کہ ہمارے علماء دیوبندیوں سے بھی بڑے گستاخ و کافر ہیں

مفتی عبد الوہاب قادری بریلوی اپنے گستاخ مولویوں کو مخاطب کر کے برملا اس بات کا اعتراف کرتا ہے:

”تم بھی سب دیوبندیوں کو گستاخ رسول ﷺ کا مجرم ثابت کر کے ان کو کافر کہتے ہو اور اگر دیکھا جائے تو تم جیسے سارے آدمی صورت

ان سے بھی بدتر ہیں۔دلیل درکار ہوتو حاضر ہے مولوی حسین احمد صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا گنگوہی۔۔۔فرماتے ہیں کہ جو الفاظ موہم تحقیر حضور سرور کائنات علیہ السلام ہوں اگرچہ کہنے والے نے نیت حقارت نہ کی ہومگر ان سے بھی کہنے والا کافر ہوجاتا ہے''۔

(بحوالہ لطائف رشیدیہ،الشہاب الثاقب،ص۵۷)

کیوں میلسی جی! ہوش آیا دیکھو دیوبندیوں کا امام بانی رشید احمد گنگوہی حضور اکرم سید عالم ﷺ کی شان اقدس میں وہ لفظ جو موہم تحقیر ہو اگرچہ قائل کی نیت میں حقارت نہ بھی ہو جب بھی کہنے والا کافر ہوجاتا ہے،تم اپنا منہ آئینہ میں دیکھ کر شرماؤ''۔

(حسام الابرار علی رؤس الاشرار،ص۵۷،جماعت رضائے مصطفی کراچی)

یعنی دیوبندیوں کے نزدیک تو نبی اکرم ﷺ کی شان میں کوئی ایسا لفظ جس میں گستاخی کا ایہام ہو وہ استعمال کرنا بھی ناجائز ہے اور اے بریلوی مولویو! تم اس قسم کے الفاظ کو نبی اکرم ﷺ کی شان میں استعمال کرنے کو بے دھڑک جائز کہتے ہو کچھ تو شرم کرو۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''اس ظالم نے تو دیوبندیوں کو بھی مات کردیا،ان کو بھی گستاخی میں پیچھے چھوڑ دیا''۔

(حسام الابرار علی رؤس الاشرار،ص۹۰،جماعت رضائے مصطفی کراچی)

ایک اور مقام پر اپنے محدث کبیر کے متعلق لکھتا ہے:

''یہ رشید احمد گنگوہی کا کلام ہے کہ جو الفاظ موہم تحقیر حضور سرور کائنات ﷺ ہوں اگرچہ کہنے والے کی نیت حقارت نہ ہومگر کہنے والا کافر ہوجائے گا اور اپنے امام محدث کبیر کو دیکھئے وہ یہ جانتا ہے اور اقرار کررہا ہے کہ لفظ داماد وسسر اہانت و دشنام کیلئے بھی رائج ہیں پھر حضور پرنور شافع یوم النشور ﷺ کیلئے (العیاذ باللہ تعالی) خاکش بدہن بے کراہت جائز لکھتا ہے،اسی کی پیروی میں تم بھی سرگرم عمل ہو،معلوم ہوا کہ تم لوگ دیوبندیوں سے بھی زیادہ گستاخ ہو،دیوبندی تو لفظ موہم تحقیر کو کفر مانتے ہیں تم لوگ صراحۃ اہانت اور دشنام جان کر بھی العیاذ باللہ خاکش بدہن بے کراہت جائز مانتے ہو کیا یہی تمہاری مسلمانی اور سنیت کا مشعر ہے''۔

(حسام الابرار علی رؤس الاشرار،ص۱۴۹،جماعت رضائے مصطفی کراچی)

اللہ رے انصاف!!! جب تم یہ تسلیم کرتے ہو کہ ہمارے یہ مولوی ہمارے نزدیک دیوبندیوں سے بھی بڑے گستاخ و کافر ہیں تو آخر یہ کہاں کا انصاف ہے؟ یہ کہاں کا عشق ہے؟ کہ ان کے خلاف تو تمہاری زبانیں گنگ ہوں،منہ کو تالے لگے ہوئے ہوں،آنکھوں پر پٹیاں باندھی ہوں اور دوسری طرف صبح شام عاشقان رسول ﷺ علمائے دیوبند کے خلاف زبان درازی کرتے ہو۔

پس پتہ چلا کہ عشق رسالت ﷺ کا نعرہ محض بہانہ ہے۔نہ ان کو نبی اکرم ﷺ کے عشق سے کوئی تعلق نہ ناموس سے،یہ تو خود اس کے گستاخ ہیں تو نام کس منہ سے لیتے ہیں؟۔

اس منافقت اور دورنگی کا اظہار خود بریلوی مولوی نے بھی کیا ہے کہ ہمارا فتوی مخالفین کیلئے کچھ اور ہوتا ہے اور اپنوں کیلئے کچھ اور چنانچہ لکھتا ہے:

''اب سنی کہلانے والے مفتیوں میں ایسے بھی مفتی ہیں کہ جب ان کے گھر کا مسئلہ ہوگا ہرگز فتوی نہ دیں گے''۔

(حسام الابرار علی رؤس الاشرار،ص۴۵،جماعت رضائے مصطفی کراچی)

''جب کہ ایک عام مسلمان نے وہی استفتاء کیا تو وہی کفر پھر اسلام بن گیا،یہ دورنگی چال۔۔۔کہ جب کسی امر قبیح و شنیع پر زید وعمر کے نام

پر استفتاء کیا جاتا ہے تو جواب کفر اور موہم کفر ملتا ہے، اور جب معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو اپنا مولوی ہے تو وہی کفر پھر اسلام بن جاتا ہے، یہی طریقہ اہلسنت علماء نے اپنایا ہے اور اپنے کو اہلسنت بھی کہتے ہیں''۔

(حسام الابرار علی رؤس الاشرار ص ۱۳۰، جماعت رضائے مصطفی کراچی)

یہ طرفہ تماشہ اور تکفیر کا ڈرامہ اب بند کرو

بریلوی مناظرین، محققین، مصنفین، خطباء، عوام اور پیر اپنے بھولے، جاہل ولاعلم بریلوی طبقہ کو یہ دھوکا بھی دیتے رہے کہ یہ دیوبندی وہابی تو معاذ اللہ ہر وقت نبی کریم ﷺ کی گستاخیاں کرتے ہیں۔ ہمارا مسلک عشق رسالت ﷺ کا مسلک ہے۔ ہمارے مسلک میں کسی سنی عالم دین نے آج تک نبی کریم ﷺ کی گستاخی نہیں کی۔ ان کے اس مکروہ مکر و فریب اور جھوٹ کا پردہ چاک ہوگیا ہے۔ اور خود بریلوی مولوی چیخ رہے ہیں کہ ہمارے مولوی دیوبندیوں سے بھی بڑے گستاخ ہیں معاذ اللہ۔

وہ مولوی جو علمائے دیوبند کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ کفر کا فتوی کوئی معمولی فتوی تو نہیں ہے، گستاخی کا الزام کوئی معمولی الزام تو نہیں ہے اگر یہ لوگ توبہ کرلیتے، رجوع کرلیتے تو کونسا آسمان گر جاتا؟۔ یہی سوال تم اب اپنے ان مولویوں سے کرو کہ تم گونگے شیطان بننے کے بجائے اگر اپنی ان کفریات، ضلالات، سے توبہ کرلیتے، تجدید ایمان ونکاح اور تجدید بیعت کرلیتے تو کونسا آسمان گر جاتا؟ کیوں امت کو اس تفرقہ میں ڈال کر خود جہنم کے ایندھن بن گئے؟

علمائے دیوبند شروع دن سے چیخ رہے ہیں کہ ان دین فروشوں کے فتوؤں کا کوئی اعتبار نہیں۔ ان کے ہاں ٹکے ٹکے پر کفر کا فتوی ملتا ہے جس کی بدترین مثال علمائے بدایوں سے ان کا اختلاف ہے کہ مسئلہ اذان ثانی کے ایک فرعی مسئلہ پر اختلاف شروع ہوا اور اس اختلاف کو اس قدر بڑھا دیا گیا کہ علمائے بدایوں پر دو سو سے زاید کفر کے فتوے لگا دئے گئے۔

مجھے حیرت ہے کہ آج علمائے دیوبند کو اس بات پر مطعون کیا جاتا ہے کہ ان پر کفر کے فتوے لگے اس لئے توبہ کریں۔ مگر یہ فتوے تو خود بریلویوں کے صف اول کے اکابر نے بھی ایک دوسرے پر لگائے تو آخر اس کا کیا ہوا؟ اگر علمائے دیوبند اس لئے مبغوض کے ان پر فتوے لگے تو تم کونسے دودھ کے دھلے ہوئے ہو؟ بلکہ دلچسپ بات تو یہ کہ خود خان صاحب کی زندگی میں خان صاحب اور ان کی اولاد پر کفر کے فتوے ان کے اپنے اکابر نے لگائے۔ چنانچہ بریلوی حجۃ الاسلام حامد رضا خان لکھتے ہیں:

''میں جانتا ہوں کہ نیچری خیال کے لوگ نیز دیگر مرتدین جن پر علمائے حرمین طیبین نے حکم کفر دیا۔ اس پر حسب عادت تمسخر کریں گے۔ دیکھئے ایک فرعی مسئلہ اور یہ احکام۔ وہ دیکھو کفر کا چھینٹا چلا۔ وہ دیکھو یہ کیا۔ وہ کیا۔ اس لئے ان مسخروں کے نزدیک کفر کرنا عیب نہیں۔ کفر کو کفر کہنا عیب ہے۔ ادھر کچھ مریدین ومعتقدین ان کے متعلقین الٹے بگڑیں گے کہ ہیں ہیں حضرت کی شان اور یہ احکام۔ ان پہلے مسخروں کے تمسخر سے تو کچھ کام نہیں انشاء اللہ ایک دن آنے والا ہے کہ ہم ان پر ہنسیں گے ۔۔۔۔ مگر ان خوش اعتقادوں سے معروض للہ غصے کی نہیں بدی۔ یہ دیکھئے کہ کافر کس نے کہا ہم نے یا انہوں نے اس طرف سے بلا وجہ محض ہم کو منہ بھر کر کافر کہا مدعی الوہیت ونبوت بتایا''۔

(سد الفرار، ص ۱۳۶، طبع دوم)

جناب من! اگر معاذ اللہ فلاں اور چنیں وچناں مرتد ہیں تو آپ بھی اسی لائن میں لگے ہوئے ہیں اور اسی رستے پر گامزن ہیں۔ اور خیر سے یہ

بھی اقرار کرلیا کہ ہمارے لوگ بلاوجہ کفر کے فتوے لگاتے ہیں۔ یہی بات جب ہم کہیں تو پتہ نہیں آپ کو کیوں سمجھ نہیں آتی؟۔ یاد رہے کہ جس وقت یہ کفر وارتداد کے فتوے بریلی والوں پر لگ رہے تھے نواب احمد رضا خان زندہ تھے لہٰذا وہ بھی ان مرتدین میں شامل ہیں۔ اور یہ فتوے لگانے والے کوئی معمولی لوگ نہ تھے بریلوی اشرفی سید محمد جیلانی ان دونوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''فقیر اشرفی ''سدالفرار'' کی اشاعت جدیدہ کو منفی طور پر نہیں لے رہا، بلکہ سواد اعظم کی نئی نسل کیلئے فقہی اختلاف میں اکابرین کے مابین دلائل و براہین کا طریق تحقیق وگیرائی سے کس قدر مملو ہوتا تھا طالبان کیلئے روشن مثال ہے''۔

(سدالفرار، ص ۸ ب، طبع دوم)

تو جناب من! نواب احمد رضا خان بمع اہل وعیال ان پر یہ کفر وارتداد کا فتویٰ لگانے والے کوئی معمولی لوگ نہیں بلکہ آپ ہی کے ''اکابر'' ہیں۔ اور فتویٰ بھی کوئی ہوائی فائر نہیں بلکہ آپ کے جیلانی کے بقول تحقیق و دلائل سے ایسا مملو (بھرا) ہوا کہ نئی نسل کیلئے روشن مثال ہے۔

بہر حال قصہ مختصر اس ساری بحث سے نتیجہ یہ نکلا کہ بریلی فرقہ کے ہاں نہ تو کفر کے فتووں کا کوئی معیار رہے، نہ گستاخی کی کوئی حدود، اور نہ کفر کے فتووں کو تسلیم کرنا کوئی ضروری ہے۔ ان کے نزدیک معیار صرف ان کی ذاتی سوچ ونظریہ ہے۔ ان کی نظر میں جو اچھا ہے وہ کتنا ہی بڑا کفر کیوں نہ کرلے معاف ہے اور جوان کو اچھا نہیں لگتا جو ان کے حلوے مانڈے بند کرائے وہ ایسا کافر وگستاخ کہ اسے مسلمان ماننے والا بھی کافر۔ اگر بریلی کے ان فتووں کو تسلیم کرلیا جائے تو دنیا میں کوئی بھی مسلمان نہیں رہتا کیونکہ اپنے سوا تو انہوں نے ساری دنیا کو پہلے ہی کافر قرار دے دیا تھا۔ اپنی دانست میں یہ خود پوری دنیا میں واحد مسلمان تھے اور پھر اپنے اوپر فتوے لگا کر خود اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو اسلام سے خارج کردیا، تو پیچھے مسلمان بچا کون؟ ان کی یہ فتویٰ بازی صرف اور صرف علمائے دیوبند کے بغض وحسد میں ہے اور یہ قیامت تک اسی حسد میں جل جل کر کوئلہ ہوجائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس جماعت حقہ اکابر علمائے دیوبند کو یونہی دن دگنی رات چگنی ترقی عطا کرتا رہے گا۔ ان شاء اللہ۔

ان یحسدونی فانی غیر لائمھم
اگر یہ لوگ مجھ سے حسد کرتے ہیں تو میں ان کو ملامت نہیں کرتا

قبلی من الناس اھل الفضل قد حسدوا
اس لئے کہ مجھ سے پہلے بھی اہل فضل کے ساتھ حسد کیا گیا

فدام لی ولھم مابی ومابھم
چنانچہ ہمیشہ میرے لئے فضل اور ان کیلئے حسد رہا

ومات اکثرھم غیظا بما یجد
اور ان میں سے اکثر اس گھٹن کی وجہ سے مرگئے جو وہ (حسد) پارہے تھے

انا الذی یجدونی فی صدورھم
میں وہ شخص ہوں کہ میرے دشمن مجھے اپنے سینوں میں (جما ہوا) پاتے ہیں

لا ارتقی صدرا منھا ولا ارد
کہ نہ اوپر ہوتا ہوں ان سے لوٹ کر نہ نیچے جاتا ہوں

الغرض علمائے اہلسنت دیوبند پر ان کی یہ فتوی بازی صرف اس بنیاد پر ہے کہ علمائے دیوبند نے قرآن وسنت کی روشنی میں حقیقی، صاف و شفاف چودہ سو سال پہلے والے اسلام کو پیش کیا۔انہوں نے دین کے نام پر دین فروشی پر قدغن لگائی۔انہوں نے دین کو بچانے کیلئے دین دشمنوں اور عالمی طاقتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چمن مصطفوی ﷺ کی آبیاری کی۔علمائے دیوبند کا صرف یہی قصور ہے کہ وہ حقیقی اسلام کے علمبردار ہیں، وہ عالم کفر کے سامنے جھکنے کو تیار نہیں۔جن کا نظریہ یہ ہے:

فلست بمبتاع الحیاۃ بذلۃ ولامرتق من خشیۃ الموت سلما

میں ذلت کے بدلے زندگی خریدنے والا نہیں اور نہ موت کے خوف سے بچاؤ کی سیڑھی پر چڑھنے والا ہوں۔

جو ظاہر ہے کفر اور ان کے گماشتوں کو کسی صورت قابل قبول نہیں لہٰذا ان کو بدنام کرنے کیلئے ''فتنہ تکفیر'' کھڑا کیا گیا۔مگر الحمدللہ آج یہ فتنہ تکفیر بری طرح پاک وہند میں ناکام ہو چکا ہے جس کی قدرے تفصیل ہم اپنی کتاب کی جلد اول کے عرض مولف میں کر چکے ہیں۔

میں نے وہاں بھی بانگ دہل یہ کہا تھا:

''ہم پچھلے کئی برس سے اپنے مخالفین کے سامنے یہ چبھتا ہوا سوال رکھ رہے ہیں کہ الحمد للہ علمائے دیوبند نے جن کو ختم نبوت کا منکر سمجھا ۱۹۵۳ء، ۱۹۷۴ء، میں ان کے خلاف بھر پور تحاریک چلائیں، دس ہزار نوجوانوں کا خون اس مقدس مشن کے لیے پیش کیا ،بہاولپور (متحدہ ہندوستان) پھر پاکستان کی پارلیمنٹ، ساؤتھ افریقہ کی کورٹ پھر رابطہ عالم اسلامی کے پلیٹ فارم سے ان کو کافر قرار دلوایا۔آج کسی قادیانی کی یہ جرأت نہیں کہ علمائے دیوبند کے ہوتے ہوئے اپنا لٹریچر آزادانہ طور پر شائع کر سکے، اپنے اجتماعات کرا سکے، کسی قادیانی کو کسی مسلمانوں کے قبرستان میں دفنایا جا سکے، یہی حال روافض کا بھی ہے ان کے خلاف بھی بھر پور تحریک چلائی گئی۔اب بقول رضاخانیوں کے اگر معاذ اللہ علمائے دیوبند قادیانیوں سے بھی بڑھ کر گستاخ ہیں تو آخر کیا وجہ ہے کہ آج تک آپ نے ہمارے خلاف ۱۹۳۵, ۱۹۵۳, ۱۹۷۴, ۱۹۸۳ یا انجمن سپاہ صحابہ کے طرز پر کوئی تحریک نہیں چلائی ؟ کیا وجہ ہے کہ آج بھی ہمارے تبلیغی اجتماعات پوری آب وتاب کے ساتھ منعقد ہو رہے ہیں، ہمارا لٹریچر کھلے عام مارکیٹ میں فروخت ہو رہا ہے، ملک میں کوئی مذہبی قانون ہم سے صلاح مشورے کے بغیر نہیں لایا جا سکتا۔آپ کوئی ایک مثال پیش کر سکتے ہیں کہ کسی دیوبندی کی قبر معاذ اللہ اس بنیاد پر اکھاڑی گئی ہو کہ یہ اکابر علمائے دیوبند سے عقیدت رکھتا تھا، کوئی ایک عوامی احتجاجی تحریک کی مثال دے سکتے ہیں جو علمائے دیوبند کے عقائد کے خلاف چلائی گئی ہو، کسی ایک عدالتی مقدمے کی مثال پیش کر سکتے ہیں جو اس بنیاد پر دائر کیا گیا ہو کہ زوجین میں سے کوئی ایک دیوبندی ہے اس لیے معاذ اللہ نکاح فسخ کیا جائے؟

کیا یہ سب اس بات کا کھلا ثبوت نہیں کہ عوام کے سامنے آپ کے اس وہابی ڈرامے کا ڈراپ سین ہو چکا ہے، عوام نے آپ کی الزام تراشیوں کو یکسر مسترد کر دیا ہے۔

اگر آج سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر بقول آپ کے ناموس رسالت ﷺ کے قانون کو معاذ اللہ کالا قانون کہہ دے تو اسے قتل کر دیا جاتا ہے اور آپ قاتل کو کندھوں پر بٹھا دیتے ہیں کہ دیکھو مارنے والا عاشق رسول ﷺ ہے مگر یہ دیوبندی جو آپ کے ہاں معاذ اللہ سب سے بڑے گستاخان رسول ﷺ ہیں آپ کے سامنے دندناتے پھرتے ہیں ان کے بارے میں آپ کی غیرت کہاں چلی گئی ؟ خدا کی قسم ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ ہمارے سامنے کوئی گستاخ رسول آجائے تو اس کے جسم کے پہلے ۲۹۵ ٹکڑے کریں گے اس کے بعد سوچیں گے کہ ۲۹۵ بھی ایک قانون ہے اس کے لیے، جو چاہے آزما کر دیکھ لے،

جو جان چاہو تو جان دیں گے
جو مال چاہو تو مال دیں گے
لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ
نبی کا جاہ و جلال دے دیں

حیرت ہے کہ آج اگر یوٹیوب پر معاذ اللہ نبی ﷺ کی شان میں کوئی گستاخانہ فلم شائع ہوتی ہے تو اسے بند کروانے کے لیے ٹرین مارچ کا ڈرامہ شروع ہوجاتا ہے مگر علمائے دیوبند کے بارے میں یہ خاموشی در پردہ اس بات کا اقرار ہے کہ آپ بھی خوب جانتے ہیں کہ علمائے دیوبند معاذ اللہ گستاخان رسول ﷺ نہیں۔لیکن کیا کریں اگر اس باسی کڑے کو وقتاً فوقتاً ابال نہ دیں تو ہمیں مسجد میں خطیب کون رکھے گا، مدرسہ میں مدرس کون رکھے گا، آخر گیارہویں کی کھیر کس کے گھر جائے گی؟ مردے کا تیجہ، جوڑا، مصلی کس کے حصے میں آئے گا؟

ہم اب بھی بانگ دہل کہتے ہیں کہ آپ کو اصل اعتراض حفظ الایمان، تحذیر الناس، براہین قاطعہ، نامی کتابوں اور مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب ایک جعلی فتوے پر ہے تو سن لیجیے ہم ان کتابوں کو اپنے لیے سرمایہ آخرت سمجھتے ہیں ہم چیخ چیخ کر کہتے ہیں کہ ہم ان کتابوں کے مندرجات سے متفق ہیں ان کتابوں میں قرآن و حدیث کی ترجمانی کی گئی ہے، ان کتابوں میں نبی کریم ﷺ کی ناموس کا تحفظ کیا گیا ہے، آپ علیہ السلام کی شان بیان کی گئی ہے ہمارے مخالفین میں ہے ایسا کوئی مرد مجاہد جو اس بنیاد پر ہمارے خلاف کوئی قانونی کارروائی کرے؟

فھل من مبارز

بنتے ہو وفادار تو وفا کرکے دکھاؤ
کہنے کی وفا اور ہے کرنے کی وفا اور ہے

آج ایک دفعہ پھر میں کہتا ہوں کہ ابھی حال ہی میں آسیہ ملعونہ کی رہائی پر تحریک لبیک کے سرپرست اعلی پیر افضل قادری نے یہ فتوی جاری کیا کہ یہ جج کافر و گستاخ ہوچکے ہیں ان کا کوئی نوکر، کوئی ڈرائیور، کوئی خانساما، کوئی گارڈ ان کو قتل کرکے غازی ممتاز قادری کے ساتھ جا ملے۔

اگر جج ایک ملعونہ کو رہا کردیں تو واجب القتل اور یہ دیوبندی تمہارے سامنے صبح و شام دندناتے پھرتے ہیں اور تمہارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگی۔کیوں؟ اس لئے کہ تمہیں بھی پتہ ہے کہ امت مسلمہ نے نواب احمد رضا خان کے جھوٹے و جعلی فتوے کو اس کے منہ پر دے مارا۔آج نہ صرف پوری قوم بلکہ پوری ملت اسلامیہ ان علمائے دیوبند کو مسلمان اور اسلام کا حقیقی خادم سمجھتی ہے۔ان کے خلاف اس قسم کے فتوے دینا اپنی جان کو خطرے میں ڈالنا ہے۔

الحمد للہ بندہ عاجز کا تعلق بھی اسی جماعت حقہ اہل السنۃ والجماعۃ سے ہے۔میں نے اپنے ان اکابر کو پڑھا ہے۔ان اکابر کی مجالس اختیار کرنے والوں کی صحبت اختیار کی ہے۔مجھے اپنے ان اکابر کے سچے پیروکار اسلام ہونے کا ''حق الیقین'' ہے۔میں درسگاہ، اور سٹیج پر کئی دفعہ اپنے اس نظریہ کا اعلان کرچکا ہوں کہ:

''میں کوئی پیدائشی دیوبندی ہونے کی وجہ سے دیوبندی نہیں ہوں خدا کی قسم میں نے ان اکابر کی سیرت وسوانح کو

کھنگالا، ان کی تاریخ کوٹٹولا ہے، ان کے جانشینوں کی صحبتوں سے استفادہ کیا ہے جس کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اگر یہ اکابر اپنے اس ورع تقویٰ للہیت، علم، جدو جہد، لازوال وانمول قربانیوں کے بعد بھی جنت کے حقدار نہیں تو آخر جنت میں کس نے جانا ہے؟ مجھے اپنے ان اکابر کی حقانیت کا اتنا یقین ہے کہ رب کعبہ کی قسم اگر آسمان سے بھی یہ آواز آجائے کہ یہ علماء حق پر نہیں تھے تو میرا جواب یہی ہوگا کہ: ''لعنۃ اللہ علی شرکم''۔

ہمارے آئمہ اصول کی کتب میں یہ مسئلہ مذکور ہے کہ ہر وہ آیت یا حدیث جو ہمارے آئمہ کے خلاف ہو ہم اسے تسلیم نہیں کریں گے کیونکہ لازمی بات ہے کہ یہ آیت یا حدیث یا تو منسوخ ہے یا مرجوح جس کا علم ہمیں نہیں اسی واسطے ہمارے آئمہ نے اس آیت و حدیث پر عمل بھی نہیں کیا۔ پس یہی اصول، نظریہ و موقف میرا اپنے ان اکابر رحمۃ اللہ علیہم کے بارے میں ہے''۔

یہ اکابر وعلماء اولیاء اللہ تھے، خدائی فوج تھے محبوبان خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ لہٰذا دشمنان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ان کا دفاع کرنا اپنی آخرت سنوارنا ہے کہ یہ دین اسلام کیلئے ڈھال ہیں ان کی مضبوطی دین اسلام کی مضبوطی ہے۔ اسی جذبے کے تحت محض اللہ پاک کی توفیق اور اساتذہ ووالدین کی دعاؤں اور ان اکابر کی باطنی توجہات کی برکت سے بندہ نے ''دفاع اہل السنۃ والجماعۃ'' کے عظیم کام کی ابتداء کی اور عرصہ دو سال میں اس عظیم کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا۔ اس سلسلے کی کڑی کی پہلی جلد منظر عام پر آچکی ہے۔ پاک وہند کے جید علما کی طرف سے اس پر انتہائی مسرت کا اظہار کیا گیا، ڈھیروں دعاؤں سے نوازا گیا، جو یقینا میرے لئے دنیا میں باعث فخر اور آخرت میں سبب نجات ہے۔

الحمدللہ یہ جلد اول کئی متذبذب ذہنوں کیلئے تسکین کا سامان بنا اور کئی مشکوک دلوں کیلئے یقین کا باعث بنا۔ کئی حضرات نے اپنے تاثرات زبانی و قلمی انداز میں بندے تک پہنچائے۔ سب کا یہاں نقل کرنا ممکن نہیں صرف ایک واقعہ نقل کر رہا ہوں جو حضرت مولانا عبدالاحد قاسمی صاحب مدظلہ العالی نے تحریرا بھیجا آپ فرماتے ہیں:

> ''اصل کتاب کو ابھی تک ترس رہے ہیں۔ لیکن خوش قسمتی کہ میرے پاس اس کتاب کا مسودہ موجود تھا۔ جو مولانا ساجد صاحب نے تقاریظ کیلئے بھجوایا تھا۔ الحمدللہ خوب استفادہ کیا ابھی کچھ روز قبل اجین کے مولانا انیس مصطفی مصباحی (مسلکا بریلوی ہیں اور بریلی و مبارکپور کے تعلیم یافتہ ہیں لیکن غیر جانبدار تحقیقات کی وجہ سے بحمد اللہ خان صاحب کے تکفیری مشن سے علیحدہ ہوچکے ہیں اور مزید تحقیقات کے لئے دور دراز کے اسفار کرکے علماء دیوبند کے دروازے کھٹکھٹاتے رہتے ہیں) ناچیز کے پاس تشریف لائے اور دو روز قیام کیا۔ اس دوران ناچیز نے انہیں بہت سی عبارات اور چیزیں دکھلائی، بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اگر کوئی ایسی کتاب مل جائے جس میں بریلوی علماء کے اعتراضات کے جوابات میں انہی کی ویسی ہی عبارتیں پیش کی گئی ہوں تو میرے یقین میں مزید اضافہ ہوجائے گا۔ ناچیز کو اچانک مولانا ساجد صاحب کی دفاع اہلسنت کے مسودے کا خیال آیا اور انیس مصطفی صاحب کو نکال کر دیدی۔ موصوف نے دوزانوں بیٹھے بیٹھے ہی مسودے کے تقریبا پچاس صفحات پڑھ ڈالے اور اتنے خوش ہوئے کہ خوشی میں اپنی کئی نایاب کتب ناچیز کو ہدیہ کردی اور فرمانے لگے اب آئیگا مزا۔ سچ ہے ذلک فضل اللہ''۔

اسی سلسلے کی یہ دوسری جلد اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ پاک اس کا نفع بھی عام کرے اور اسے راہ حق سے بھٹکے ہوؤں کیلئے باعث ہدایت و ذریعہ نجات بنائے۔

اللہ پاک سے دعا ہے کہ مجھے مرتے دم تک امیر المجاہدین، امام الاولیاء حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ، شہید فی سبیل اللہ حضرت شاہ اسمعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ، حجۃ الاسلام بانی دارالعلوم دیوبند قاسم العلوم والخیرات امیر المومنین فی عقیدۃ ختم النبوۃ حضرت مولانا محمد قاسم صدیقی نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، فقیہ العصر، حامی توحید وسنت حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، محدث کبیر حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ، حکیم الامت مجدد دین وملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، فاتح رضاخانیت حضرت مولانا منظور احمد نعمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، امام اہلسنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے عقائد ونظریات پر کاربند رکھے۔ قیامت کے دن انہی کے ساتھ میرا حشر کرے، انہی کی جماعت کے ساتھ مجھے نبی اکرم احمد مجتبیٰ محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ہاتھوں سے جام کوثر پینے کی توفیق بخشے۔ اور جنت میں اس متبرک جماعت کا پڑوس (جنت الفردوس) عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ! ناسپاسی ہوگی اگر اس دفعہ میں پھر سرمایہ اہلسنت، غازی اسلام، مناظر اسلام حضرت مولانا مفتی محمد ندیم صاحب محمودی زیدمجدہ کا شکریہ ادا نہ کروں جن کی شفقتوں اور محبتوں سے میری گردن ہمیشہ جھکی رہتی ہے۔ اور جن کی ذاتی دلچسپی سے یہ مجموعہ منصہ شہود پر آرہا ہے۔ ساتھ ہی اپنے پیارے دوست محترم محمد یاسر بھائی اور محمد شفیق جرال بھائی کا بھی خصوصی شکریہ جو بندے کی کتب کی اشاعت میں خصوصی دلچسپی رکھتے ہیں اور اب تک زرکثیر صرف کرکے راقم کی کتب کو سینکڑوں کی تعداد میں چھپوا چکے ہیں۔

مکتبہ ختم نبوت محلہ جنگی قصہ خوانی بازار پشاور کے ذمہ داران کا بھی انتہائی مشکور ہوں کہ اس انحطاط کے دور میں ان کی علم دوستی کی بدولت یہ کتاب آپ کے ہاتھوں میں موجود ہے۔ ساتھ ہی ساتھ حضرت مولانا عدنان صاحب کلیانوی زیدمجدہ کا شکریہ ادا نہ کرنا بھی مروت کے خلاف ہوگا جن کی کاوشوں سے ملک کے کونے کونے تک میری کتب پہنچتی ہیں۔ اور بندے کی کتب کو عوام تک پہنچانے کیلئے ایسی تگ ودَو خالصۃً لوجہ اللہ کرتے ہیں کہ گویا یہ ان کی اپنی کتب ہوں۔

ساتھ ہی اپنے انتہائی مخلص وجانثاران دوست وبرادران حضرت مفتی عبد الرحیم صاحب زیدمجدہ ومفتی احسان احمد صاحب زیدمجدہ کے احسانات کا شکریہ کن الفاظ میں ادا کروں جو دامے، درہمے، سخنے زندگی کے ہر موڑ پر میرے دست وبازو بنے ہوئے ہیں۔ یقینا ایسے مخلص ساتھیوں کا ساتھ اللہ عزوجل کی طرف سے بہت بڑے فضل کا ثبوت ہے۔

ہونہار شاگرد عزیزم مولوی یونس متعلم درجہ خامسہ دارالعلوم مدنیہ کو بھی اللہ جزائے خیر دے جنہوں نے پروف ریڈنگ جیسے مشکل مرحلے کو اپنے ذمہ لیا اور باحسن خوبی اسے سرانجام دیا۔ انڈیا کے حضرت مولانا عبد اللہ رحمانی صاحب زیدمجدہ کا بھی خصوصی شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنہوں نے کتاب کی سیٹنگ اور فہرست بنانے کی ذمہ داری لی اور باحسن خوبی اس کو سرانجام دیا۔

ساجد خان نقشبندی

۱۹/ جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ

دفاع
اہل السنۃ والجماعۃ

باب چہارم

علمائے اہل سنت پر ”خارجیت“ کا الزام اور اس کا جواب

مؤلف

مناظر اہل سنت

حضرت مولانا ساجد خان نقشبندی حفظہ اللہ

باہتمام

حضرت مفتی محمد ندیم صاحب محمودی

شعبہ نشر و اشاعت

جمعیۃ اہل السنۃ والجماعۃ پاکستان

باب چہارم

دیوبندیت اور خارجیت

اس عنوان کے تحت رضاخانی لکھتا ہے کہ:" دیوبندیت درحقیقت خارجیت ہی کا دوسرا نام ہے" (دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف،ص ۹۶)

ماقبل کی طرح اس عنوان کے تحت بھی اس رضاخانی نے جتنے جھوٹ بولے اور جس مکر وفریب اور جہالت کا مظاہرہ کیا اور جو جو الزامات لگائے ترتیب واران کے منہ توڑ جوابات ملاحظہ فرماتے جائیں۔

(اعتراض ۱۰۳:) امام حسین کا ذکر عشرہ محرم میں منع ہے۔نعوذ باللہ

دیوبندی مولوی رشید احمد گنگوہی رقمطراز ہیں کہ ذکر شہادت (امام حسین) کا ایام عشرہ محرم میں کرنا بمشابہت روافض کے منع ہے۔(فتاوی رشیدیہ،ص ۱۲۰) ایام محرم میں (حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کی کتاب) سر الشہادتین کا پڑھنا منع ہے حسب مشابہت مجالس روافض کے (فتاوی رشیدیہ،ص ۱۲۰) محرم میں ذکر شہادت حسین علیہ السلام کا کرنا اگرچہ بروایت صحیحہ ہوں سبیل لگانا شربت پلانا یا چندہ سبیل یا شربت میں دینا یا دودھ پلانا سب نادرست تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہیں۔(فتاوی رشیدیہ،ص ۱۲۰)

(اعتراض ۱۰۴:) امام حسین کا غم کرنا حرام ہے۔نعوذ باللہ

سوال: غم کرنا امام حسینؓ کا شرعا جائز ہے یا نہیں؟ الجواب: غم اس وقت تک جب آپ شہید ہوئے تمام عمر غم کرنا کسی کے واسطے شرع میں حلال نہیں۔(فتاوی رشیدیہ،ص ۵۶۳)

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف،ص ۹۶۔دیوبندی مذہب،ص ۲۱۴۔۲۱۵)

جواب: کوئی ان رضاخانیوں سے پوچھے کہ آخر آج تک کسی سنی عالم نے ان باتوں کو"خارجیت" میں شمار کیا ہے؟ محض نرے دعوے اور عنوانات قائم کرنے سے تو کوئی چیز خارجیت نہیں بن جاتی۔نیز فتاوی رشیدیہ میں حضرت امام حسینؓ کے نام کے ساتھ"رضی اللہ تعالی عنہ" لکھا ہوا ہے اس محرف نے دیوبندی مذہب سے کاپی پیسٹ مارتے ہوئے اسے"علیہ السلام" کردیا۔آپ مکمل سوال وجواب ملاحظہ فرمائیں:

"**سوال**: یوم عاشورہ کو یوم شہادت حضرت امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ گمان کرنا واحکام ماتم ونوحہ وگریہ وزاری وبے قراری کے برپا کرنا اور گھر گھر مجالس شہادت منعقد کرنا اور رواعظین کو بھی بالخصوص ان ایام میں شہادت نامہ یا وفات نامہ بیان کرنا خاص کر روایات خلاف وضعیہ سے اور سامعین کو بھی ان امور میں ہر سال کوشش ہونی کہ اس کے مثل وعظ میں نہیں ہوتی ہرگز اور خاص ایام مذکورہ ہی میں ایصال ثواب وصدقات کرنا اور تعین آب وطعام بھی مثل شربت ہے یا کھچڑا ہے اور ہر غنی اور فقیر کو اس کا لینا اور تبرک جاننا اور جو غنی اور سید اس کو نہ لیوے تو مطعون کریں اور برا جانیں اور فی الجملہ ریا کو اس میں بہت دخل ہوتا ہے تو ایسی صورت میں امید ثواب ہوسکتی ہے یا نہیں اور یہ کل امور بدعات ومعصیت میں ہیں یا نہیں؟

جواب: ذکر شہادت کا ایام عشرہ محرم کرنا بمشابہت روافض کے منع ہے اور ماتم نوحہ کرنا حرام ہے فی الحدیث نہی عن المراثی (حدیث

میں ہے کہ آپ ﷺ نے مرثیوں سے منع فرمایا) اور خلاف روایات بیان کرنا سب ابواب میں حرام ہیں تقسیم صدقات تخصیص ان ایام کی کرنا اگر یہ جانتا ہے کہ آج ہی زیادہ ثواب ہے تو بدعت ضلالہ ہے علی ہذا التخصیص کسی طعام کو کسی یوم کے ساتھ کرنا لغو ہے اور صدقہ کا طعام غنی کو مکروہ اور سید کو حرام ہے اس پر طعن کرنا فسق ہے ۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم

(فتاوی رشیدیہ، ص ۱۱۹، ۱۲۰)

سوال: کتاب ترجمہ سر الشہادتین یا دیگر کتب شہادت خاص شہادت کی رات کو پڑھنا کیسا ہے حسب خواہش نمازیان مسجد یا کسی کے مکان پر؟

جواب: ایام محرم میں سر الشہادتین کا پڑھنا منع ہے حسب مشابہت مجالس روافض کے۔

سوال: محرم میں عشرہ وغیرہ کے روز شہادت کا بیان کرنا مع اشعار بروایت صحیح یا بعض ضعیفہ بھی و نیز سبیل لگانا اور چندہ دینا اور شربت دودھ بچوں کو پلانا درست ہے یا نہیں؟

جواب: محرم میں ذکر شہادت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرنا اگرچہ بروایات صحیحہ ہو یا سبیل لگانا شربت پلانا یا چندہ سبیل اور شربت میں دینا دودھ پلانا سب نادرست اور تشبیہ روافض کی وجہ سے حرام ہیں ۔فقط (فتاوی رشیدیہ، ج ۱، ص ۱۲۰)

سوال: مجلس مقرر کرنا جیسے شہادت امام حسین یا وفات نامہ وغیرہ خاص کر روز عاشورہ میں بوجہ غم کے مجلس مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں ارقام فرمادیں؟

جواب: غم کی مجلس تو کسی کے واسطے درست نہیں کہ حکم صبر کرنے کا اور غم کے رفع کرنے کا ہے تعزیت اسی لئے کیا جاتا ہے تو اس کے خلاف غم پیدا کرنا خود معصیت ہوگا اور شہادت حسین کا ذکر مجمع میں کرکے سو اس کے مشابہت روافض کی بھی ہے اور تشبہ ان کا حرام ہے لہذا عقد مجلس غم کسی کا درست نہیں ۔فقط واللہ اعلم تعالیٰ ۔(فتاوی رشیدیہ، ج ۲، ص ۵۶۲ کتاب الحظر)

قارئین کرام ! اس ساری تفصیل کے بعد اب اس رضاخانی سے کوئی پوچھے کہ پورا سال چھوڑ کر صرف محرم کے ایام میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے مرثیہ پڑھنا، مجالس منعقد کرنا حلال و حرام کا فرق کئے بغیر سبیلیں لگانا وغیرہ جن کی تفصیلات سوالات میں موجود ہیں نہ کرنے والوں کو لعن طعن و ملامت کرنا اگر حرام بدعت ناجائز و معصیت نہیں تو کیا عین اسلام ہے؟ ان بدعات کو "بدعات" کہنے والوں کو خارجی کہنا رافضیت نہیں تو اور کیا ہے؟ ان امور کو جائز سمجھنے والا سنی نہیں بلکہ رافضی ہے ۔رضاخانیوں کے امام نواب احمد رضا خان صاحب اگرچہ در پردہ رافضی تھے مگر سنیوں کو خوش کرنے کیلئے تقیہ کرتے ہوئے کیا فتوی دیا تھا ملاحظہ ہو:

"شہادت نامے نثر یا نظم جو آج کل عوام میں رائج ہیں اکثر روایات باطلہ اور بے سروپا سے مملو اور اکاذیب و موضوعہ پر مشتمل ہیں۔ ایسے بیان کا پڑھنا سننا وہ شہادت نامہ ہو خواہ کچھ اور مجلس میلاد مبارکہ میں ہو خواہ نہیں مطلقا ناجائز و حرام ہے خصوصا جبکہ وہ بیان ایسے خرافات کو متضمن ہو جس سے عوام کے عقائد میں زلل آئے کہ پھر تو اور بھی زیادہ زہر قاتل ہے ایسے وجوہ پر نظر فرما کر امام حجۃ الاسلام محمد غزالی قدس سرہ المکی صواعق محرقہ میں فرماتے ہیں قال الغزالی وغیرہ یحرم علی الواعظ وغیرہ روایۃ مقتل الحسن و الحسین و حکایاتہ الخ (واعظ پر امام حسن و حسین کی شہادت کے واقعات و حکایات پڑھنا حرام ہے) ۔۔۔یوں ہی جبکہ اس سے مقصود غم پروری و تصنع حزن ہو تو نیت بھی شرعا نامحمود شرع مطہر نے غم میں صبر و تسلیم اور غم موجود کو حتی

المقدور دل سے دور کرنے کا حکم دیا ہے نہ کہ غم معدوم بتکلف وزورلانا نہ کہ بتصنع وزور بنانا نہ کہ اسے باعث قربت وثواب ٹھہرانا یہ سب بدعات شیعہ وروافض ہے جس سے سنی کو احتراز لازم ۔حاشااللہ اس میں کوئی خوبی ہوتی تو حضور پرنور سید عالم ﷺ کی وفات اقدس کی غم پروری سب سے زیادہ اہم وضروری ہوتی ۔۔۔عوام مجلس خوانی اگرچہ بالفرض صرف روایات صحیحہ بروجہ صحیح پڑھیں بھی تاہم ان کے حال سے آگاہ ہے خوب جانتا ہے کہ ذکر شہادت شریف پڑھنے سے ان کا مطلب یہی تصنع رونا بتکلف رلانا اور اس رونے رلانے سے رنگ جمانا ہے اس کی شناعت میں کیا شبہ ہے؟ ۔ہاں اگر خاص بنیت ذکر شریف حضرات اہل بیت طہارت ﷺ علی سیدہم وعلیہم بارک وسلم ان کے فضائل جلیلہ ومناقب جمیلہ روایات صحیحہ سے بروجہ صحیح بیان کرتے اور اس کے ضمن میں ان کے فضل جلیل صبر جمیل کے اظہار کو ذکر شہادت مبارک بھی آجاتا غم پروری وماتم انگیزی کے انداز سے کامل احتراز ہوتا تو اس میں حرج نہ تھا مگر ہیہات ان کے اطوار ان کے عادات اس نیت خیر سے یکسر جدا ہیں ذکر فضائل شریف مقصود ہوتا تو کیا ان محبوبان خدا کی فضیلت صرف یہی شہادت تھی بے شمار مناقب عظیمہ اللہ عزوجل نے انہیں عطا فرمائے انہیں چھوڑ کر اسی کو اختیار کرنا اور اس میں طرح طرح سے بالفاظ رقت خیز ونوحہ نما ومعانی حزن انگیز وغم فزا بیان کو سعتیں دینا انہیں مقاصد فاسدہ کی خبریں دے رہا ہے غرض عوام کیلئے اس میں کوئی وجہ سالم نظر آنا سخت دشوار ہے‘‘۔

(فتاویٰ رضویہ قدیم، ج ۱۰، ص ۶۲ کتاب الحضر والاباحۃ)

بحر العلوم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تو صرف محرم میں ان مجالس کو ناجائز و بدعت کہا مگر رضاخانیوں کے یہ امام صاحب تو عوام کیلئے ہر حال میں ان مجالس کو ناجائز وحرام کہہ رہا ہے اور کمال تو یہ ہے کہ فرما رہے ہیں اگر روایات صحیحہ سے بھی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے شہادت کے واقعات کا ذکر کیا جائے تب بھی جائز نہیں ۔اب ہے کسی معترض رضاخانی بدعتی میں یہ جرات کہ اپنے امام احمد رضاخان صاحب کو ’’امام الخوارج‘‘ کہے اور لقب دے؟ اور مولانا احمد رضاخان صاحب امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے غم کو بھی ناجائز کہہ رہے ہیں اور فرما رہے ہیں کہ اس میں کوئی ثواب ہوتا تو نبی کریم ﷺ کی وفات کا غم منانا سب سے بڑھ کر ہوتا مگر دوسری طرف یہ رضاخانی معترض ترجمان لکھتا ہے:

’’ان عبارات سے ثابت ہوا کہ سرکار امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا غم اور ذکر کرنا دیوبندی مذہب میں جائز نہیں اور یہ خارجیت ہی کا کرشمہ ہے وگرنہ علمائے اہل سنت کے سینوں میں سانحہ کربلا کی داستان غم کبھی فراموش نہیں ہوسکتی‘‘۔

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف، ص ۹۷)

اس معترض کا یہ فتویٰ سیدھا خان صاحب بریلوی کی قبر پر لگتا اب میں دیکھتا ہوں کہ کس بریلوی صاحب میں یہ جرات ہے کہ وہ اپنے امام احمد رضاخان صاحب کو اپنے ہی اصول کی رو سے اس خارجیت کے دلدل سے نکالے ۔دیدہ باید ۔نیز معترض نے اپنی عادت بد کے مطابق خوب خوب دھوکا دیا ہے اس لئے کہ سانحہ کربلا کا غم سینے میں ہونا دل کا اس پر غمگین ہونا اور بات ہے جو ہر عاشق اہل بیت ؓ کا وطیرہ ہے مگر اس غم کے اظہار کیلئے مجالس غم منعقد کرنا ہرگز شعار اہلسنت نہیں ۔

اسی طرح انڈیا کے بریلوی عالم مولانا یسین اختر مصباحی صاحب نواب احمد رضاخان صاحب کے پیر ومرشد شاہ آل رسول کے حوالے سے لکھتے ہیں:

’’حضرت شاہ ابوالحسن نوری علیہ الرحمۃ بیان فرماتے ہیں کہ میرے دادا اور مرشد سید شاہ آل رسول احمدی علیہ الرحمۃ ماہ محرم الحرام میں

شیعہ فرقے کی بدعتوں تعزیہ داری اور مرثیہ خوانی کے ارتکاب سے منع کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ایک روز میں نے اپنے مرشد حضور اچھے میاں رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے دلی میں اپنے استاذ محترم شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کو دیکھا ہے کہ ماہ محرم الحرام میں دس دن حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالی عنہما کی شہادت کا بیان فرماتے تھے اور دسویں دن صبح سے زوال کے وقت تک شہادت کے فضائل بیان کرتے کھانا تقسیم کیا کرتے تھے۔حضور والا (حضور اچھے میاں رضی اللہ عنہ) نے سن کر ارشاد فرمایا کہ بہت اچھا اور بہتر کیا کرتے تھے لیکن اگر ان کی مجھ سے ملاقات ہوتی تو میں ان سے کہتا خاص اس مہینے میں ایسا اہتمام مناسب نہیں ہے بس مختصر یہ کھانے پر فاتحہ کر کے کسی دوسرے مہینے میں ایسا اہتمام و وعظ کہا کریں اس لئے کہ اب اس طرح کی محفلیں منعقد کرنا رافضیوں کا طریقہ ہے اور اس ماہ میں زیادہ اہتمام کرنا رفض کا دروازہ کھولنا ہے آنے والی نسلیں اپنی بزرگوں کے حالات سن کر گمان کرسکتی ہیں کہ وہ شیعہ تھے جو تقیہ کئے ہوئے تھے"۔

(جہان مفتی اعظم ص ۲۰۶ شبیر برادرز لاہور)

آگے یہ رضاخانی معترض لکھتا ہے:

"پھر جو تشبہ روافض کا بہانہ ہے تو روافض بظاہر خدا کو ایک مانتے ہیں رسول کو مانتے ہیں ان کے تشبہ کی وجہ سے ان سب سے انکار کر دیا جائے گا"۔(ص ۹۷)

یہ بھی جہالت ہے اس لئے کہ اولا تو روافض جس طرح اللہ و رسول ﷺ کو مانتے ہیں عام مسلمان اہلسنت اس طرح تسلیم نہیں کرتے۔ثانیا علماء نے لکھا ہے کہ تشبہ سے مراد کفار و فساق کے شعار میں مشابہت ہے اور محرم الحرام میں یہ مجالس منعقد کرنا روافض ہی کا شعار ہے جیسا کہ نواب احمد رضا خان صاحب کے پیر و مرشد کے حوالے سے گزر چکا ہے لہذا اس سے منع کیا جائے گا۔

آخر میں ہم اس رضاخانی سے سوال کریں گے حضرت امام گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پر تو معاذ اللہ آپ نے خارجیت کا فتوی لگا دیا مگر نواب احمد رضا خان صاحب کے پیر و مرشد کیلئے آپ کی طرف سے کیا فتوی جاری ہوگا؟ جو کہتے ہیں کہ اگر میں امام شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے ملتا تو انہیں اس ماہ میں مجالس شہادت منعقد کرنے سے منع کر دیتا۔ہم فتوے کے منتظر رہیں گے۔

(اعتراض ۱۰۵:) امام حسین کی سبیل کا پانی حرام اور سودی روپے سے ہندوؤں کی پیاؤ کا پانی جائز۔نعوذ باللہ

محرم میں۔۔۔سبیل لگانا شربت پلانا یا چندہ سبیل یا شربت میں دینا یا دودھ پلانا سب نادرست اور تشبہ روافض کی وجہ سے حرام ہیں (فتاوی رشیدیہ ص ۱۲۰) دیوبندی مذہب میں سرکار امام حسین رضی اللہ عنہ کی سبیل کا پانی حرام مگر سودی روپے سے ہندوؤں کے پیاؤ سے پانی جائز ہے۔**سوال:** ہندو جو پیاؤ پانی کی لگاتے ہیں سودی روپیہ صرف کر کے مسلمانوں کو اس کا پانی پینا درست ہے یا نہیں؟ **الجواب:** اس پیاؤ سے پانی پینا مضائقہ نہیں (فتاوی رشیدیہ ص ۵۶۲)

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۹۷، دیوبندی مذہب ص ۲۱۳)

جواب: فقیہ العصر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے اس فتوے میں محرم کی سبیل کے پانی کو حرام نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ اس سبیل کے لگانے کو بوجہ تشبیہ روافض فعل حرام کہہ رہے ہیں اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ پانی بھی حرام ہوا الا یہ کہ اس میں مال حرام لگایا ہوا ہو۔چنانچہ فتاوی رشیدیہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''ایصال ثواب بلا قید طعام وایام کے مندوب ہے اور قید وتخصیص یوم کی اور تخصیص طعام کی بدعت ہے۔ اگر تخصیص کے ساتھ ایصال ثواب ہو تو طعام حرام نہیں ہوتا گو اس تخصیص کی وجہ سے معصیت ہوتی ہے''۔ (فتاوی، ج۱ص ۱۵۶)

معلوم ہوا کہ تخصیص خواہ محرم گیارہویں تیجہ وغیرہ کی ہو یہ گناہ کبیرہ ناجائز تو ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ اس سے طعام وشراب بھی حرام ہو یہ محض بریلوی حضرات کا پروپگینڈہ ہے جو کہتے ہیں کہ ہم ان کھانوں کو بھی حرام کہتے ہیں ہم تخصیص کی وجہ سے اس فعل کو حرام اور اس کے کھانے اور شرکت کو گناہ کہتے ہیں۔

پھر جس طرح آج کل روڈ بند کر کے روڈ پر کھڑے ہو کر زبردستی لوگوں سے چندہ وصول کیا جاتا ہے حلال وحرام کی کوئی تمیز نہیں کی جاتی جیسا کہ مشاہدہ ہے تو اس میں تو اگر تشبہ روافض نہ بھی ہو تب بھی عموماً آج کی سبیلیں حرام ہی ہوتی ہیں۔ اگر کوئی بریلوی صاحب اعتراض کرے کہ اگر کوئی اپنے پاک مال سے یہ سبیل لگانا چاہے تب بھی جائز نہ ہوں گی؟ تو اس کا جواب ہے کہ بالکل تشبہ روافض اور عوام کالانعام کو جواز کا موقع فراہم کرنے کی وجہ سے تب بھی جائز نہیں ہوں گی اور اس کی دلیل ہمیں خود جناب نواب احمد رضا خان صاحب کی کتاب سے ملتی ہے چنانچہ وہ جائز تعزیہ جس میں کسی قسم کی بدعات خرافات نہ ہوں کے متعلق لکھتے ہیں:

''مگر اب ایسی نقل بھی اہل بدعت سے ایک مشابہت اور تعزیہ داری کی تہمت کا خدشہ اور آئندہ اپنی اولاد یا اہل اعتقاد کیلئے ابتلائے بدعات کا اندیشہ ہے اور حدیث میں آیا اتقوا مواضع التہم اور وارد ہوا ہے من کان یومن باللہ والیوم الآخر فلا یقف مواقف التہم لہذا روضہ اقدس حضور سید الشہدا کی ایسی تصویر بھی نہ بنائے''۔

(فتاوی رضویہ قدیم، ج۱۰ص ۳۶)

باقی جو ہندوؤں کی پیاؤ کے حوالے سے جو اعتراض نقل کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہندوستان دارالحرب تھا تالیفات رشیدیہ میں اس پر پورا ایک فتوی حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ کا موجود ہے اور دارالحرب میں کافر سے ''سود'' لینا بھی جائز ہے جب سود لینا جائز ہے تو اس کے سودی پیسے کے پانی پینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

''ولا ربوا... بین المسلم والحربی فی دارالحرب.. قولہ علیہ السلام لا ربوا بین المسلم والحربی فی دار الحرب ولان مالھم مباح فی دارھم فبای طریق اخذہ المسلم اخذ مالا مباحا''۔

(ہدایہ، ج۳ص۹۰، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

نواب احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں:

''یہاں کے ہندو وغیرہ جتنے کفار ہیں ان میں نہ کوئی ذمی ہے کہ سلطنت اسلام میں مطیع الاسلام وجزیہ گزار ہو کر رہے نہ مستامن ہیں کہ بادشاہ اسلام سے کچھ دنوں کیلئے امان لیکر دارالاسلام میں آئے اور جو کافر ذمی نہ ہو نہ مستامن ہو سوا غدر و بدعہدی کے کہ مطلقا ہر کافر سے بھی حرام ہے باقی اس کی رضا سے اس کا مال جس طرح ملے جس عقد کے نام سے ہو مسلمان کیلئے حلال ہے''۔ (فتاوی رضویہ قدیم ،ج۷،ص ۱۰۵)

ایک اور فتوی ملاحظہ ہو:

''کفار ہنود کو ہزار دو ہزار یا کم زیادہ کا دو مہینہ کے وعدہ پر قرض کپڑا فروخت کیا کپڑا دیتے وقت اس سے یہ ظاہر کر دیا گیا کہ اگر دو مہینے کے وعدہ پر روپیہ نہ ادا کیا تو میں تجھ سے فی صد ایک ہزار نفع زیادہ لونگا یا یوں کہہ دیا جائے کہ مثلا دو مہینے کے وعدے پر اس

کپڑے کی قیمت سو روپے ہے اور اگر اس وعدے پر روپے نہ آئیے تو ایک سو ایک روپے ہوں گے یہ اس لئے کہ کفار مسلمانوں کے روپوں کا وعدہ پر ادا کرنے کی فکر نہیں رکھتے جائز ہوگا یا ناجائز۔(۲) نوٹ سو روپیہ کے مثلاً روپیہ یا بارہ آنہ زیادتی پر یعنی ایک سو ایک یا ایک سو بارہ آنے پر ایک مہینے کے بعد واپس روپیہ لینا کر کے دئے گئے وہ نوٹ تو اس کے کام میں آ گئے مگر مہینہ ہونے پر وہ بدلے میں روپیہ نہ دے اور نوٹ دے تو لینا جائز ہے یا روپیہ ہی لینا چاہئے۔بینوا توجروا۔

الجواب: یہاں کے کفار سے ایسی شرط جائز ہے۔۔۔اور اگر مسلمان کو سو روپیہ کا نوٹ قرض دیا اور شرط کرلی کہ مہینہ بھر بعد بارہ آنے یا ایک پیسہ زائد لونگا تو حرام اور سود ہے۔۔۔اور اگر سو روپیہ کا نوٹ مسلمان کے ہاتھ اس کی مرضی سے ایک سو ایک یا ایک سو دس روپیہ کو مہینہ بھر کے وعدہ پر بیچا تو حلال ہے"۔

(فتاوی رضویہ قدیم،ج ۷،ص ۱۰۵)

نواب احمد رضا خان صاحب بریلوی کہہ رہے ہیں کہ ہندوستان کے ہندو کا مال خواہ سود کی صورت میں ہو یا کسی اور طرح ہر اعتبار سے حلال ہے بلکہ اس مجدد صاحب نے تو مسلمانوں کیلئے بھی سود کا دروازہ کھول دیا کہ سو روپے کا نوٹ زائد مالیت پر بیچ سکتے ہیں استغفر اللہ۔حالانکہ نوٹ جو رائج الوقت ہے اس پر یہ عبارت درج ہوتی ہے"بینک دولت پاکستان سو روپیہ حامل ہذا کو مطالبہ پر ادا کرے گا حکومت پاکستان کی ضمانت سے جاری ہوا"اس سے معلوم ہوا کہ یہ نوٹ مال نہیں بلکہ اس سونے چاندی کی جو حکومت وقت کی تحویل میں ہے کی رسید ہے۔ اگر کسی نوٹ پر یہ عبارت نہ ہو تو اس کی کوئی حیثیت نہیں آپ لاکھ بولیں کہ یہ سو کا نوٹ ہے لے لو مگر اس کے بدلے آپ کو کوئی دو آنے کی چیز بھی نہ دے گا۔یہی وجہ ہے کہ جب حکومت نوٹ پر موجود اس ضمانت کو ختم کردے تو اس کی ردی کی بھی حیثیت نہیں رہتی۔چنانچہ حال ہی میں حکومت پاکستان نے جو پانچ روپے کے نوٹ کی ضمانت ختم کی ہے تو اب اسے کوئی ردی والا ردی کے عوض میں بھی لینے کو تیار نہیں۔مگر بریلی کے یہ مجدد دوراں ومجتہد زماں اسے عام مال دیگر عوام کو اسے زائد قیمت پر بیچنے کی تلقین کررہے ہیں۔یاد رہے کہ نواب صاحب کے اس کے فتوے کو آج پوری دنیا کے مسلمانوں نے رد کردیا ہے اور اس پر عمل نہیں ہو رہا نوٹ پر جو زائد نفع لیا جاتا ہے اسے سود ہی شمار کیا جاتا ہے۔اب ہم پر اعتراض کرنے کے بجائے بریلوی معترض کو چاہئے کہ اپنے اس اعلیٰ حضرت کا غم کرے جو نہ صرف ہندوؤں سے سود لینے کو حلال کہہ رہا ہے بلکہ مسلمانوں کیلئے بھی سودی معاملات کی راہ ہموار کررہا ہے۔معاذ اللہ۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کی نیاز کرنے والے کافر ہیں

مولانا عبد الباری فرنگی محلی کی استنادی حیثیت آپ عرض مولف کے ضمن میں پڑھ چکے ہیں ان کے متعلق بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک فتوی دیا۔وہ فتوی کیا تھا؟

بریلوی محب سنت خادم دین قویم مولوی ابو المسعو محمد عبد العظیم لکھتا ہے:

"فرنگی محلی صاحب نے فتوی دیا کہ جتنے لوگ امام عالی مقام علیہ الرضوان کی نیاز کا شربت یا کھانا کرتے ہیں سب کافر ہیں اور ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام۔ملاحظہ ہو فتاوی مولوی عبد الباری مطبوعہ مطبع یوسفی فرنگی محل،ص ۲۹۴،سطر ۱۰"۔

(مصحح دماغ مجنون،ص ۹)

رضا خانیو! علمائے حق پر زبان طعن دراز کرنے کے بجائے اپنی چارپائی کے نیچے جھاڑو پھیرو اور اپنے اصولوں سے اس قسم کے

خارجیوں کی خارجیانہ سوچ سے قوم کو آگاہ کرو ہم نے بدعت کہہ دیا تو تم کو تکلیف اور تمہارا یہ مولوی کفر کہہ رہا ہے اور لکڑ ہضم پتھر ہضم کچھ شرم ہوتی ہے کچھ حیاء ہوتی ہے۔

(اعتراض ۱۰۶:) سرکار امام حسین کا روضہ حرام بنا ہوا ہے۔ نعوذ باللہ

سوال: اور بعض تمثیلا کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ اور حضرت امام حسین علیہ السلام اور مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے روضے پختے بنے ہوئے ہیں یہ کیسے درست اور جائز ہوئے؟

الجواب: قبور (انبیاء و اولیاء) پر گنبد اور فرش بنانا ناجائز اور حرام ہے بنانے والے اور جو اس فعل سے راضی ہوں گناہ گار ہیں (فتاوی دار العلوم دیوبند، ج ۱ ص ۹۲)

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۹۷، دیوبندی مذہب ص ۲۱۶)

جواب: اس فتوے کی تفصیل ہم جلد اول میں کر چکے ہیں۔ باقی یہ بات بالکل حق ہے کہ کسی معظم ہستی خواہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ ہی کیوں نہ ہوں کی قبر مبارک کو پختہ کرنا یا اس پر مزار بنانا جائز نہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

"قال نهى رسول الله ﷺ ان يجصص القبر و ان يبنى عليه و ان يقعد عليه

(مسلم، ج ۱ ص ۳۱۲، مشکوۃ، ج ۱ ص ۱۴۸، ترمذی، ج ۱ ص ۱۲۵)

آنحضرت ﷺ نے قبر کو پختہ بنانے اور اس پر عمارت بنانے اور اس پر بیٹھنے سے منع کیا ہے علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

"والبناء عليه فان كان في ملك البانى فمكروه و ان كان فى مقبرة مسبلة فحرام نص عليه الشافعى والاصحاب قال الشافعى فى الام و رايت الآئمة بمكة يامرون بهدم مايبنى و يويد الهدم بقوله ولا قبرا مشرفا الا سويته

(شرح مسلم، ج ۱ ص ۳۱۲)

قبر پر عمارت بنانا سو اگر وہ جگہ عمارت بنانے والے کی ملک میں ہے تو مکروہ ہے اور اگر عام مقبرہ میں ہے تو حرام ہے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اصحاب نے صراحت کے ساتھ اس کو بیان کیا ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الام میں تحریر فرمایا کہ میں نے مکہ مکرمہ میں آئمہ کو قبروں پر عمارت کو ڈھانے کا حکم دیتے ہوئے دیکھا اور ولا قبرا مشرفا والی حدیث اس کی تائید کرتی ہے۔

اسی طرح حضرت ثمامہ تابعی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں:

"قال كنا مع فضالة بن عبيد بارض الروم برودس فتوفى صاحب لنا فامر فضالة بقبره فسوى ثم قال سمعت رسول الله ﷺ يامر بتسويتها"۔

(مسلم، ج ۱ ص ۳۱۲، نسائی، ج ص ۲۲۱، ابوداود، ج ۲ ص ۱۰۵)

ہم فضالہ بن عبید (المتوفی ۵۳ھ) کے ساتھ روم کی سرزمین رودس کے مقام پر تھے کہ ہمارا ایک ساتھی فوت ہوگیا حضرت فضالہ رضی اللہ عنہ نے اس کی قبر کو (عام قبروں کے ساتھ) برابر کرنے کا حکم دیا پھر ارشاد فرمایا کہ میں نے جناب نبی اکرم ﷺ سے سنا ہے کہ آپ ﷺ

نے قبروں کو برابر کرنے کا حکم دیا ہے۔

اسی طرح مولوی محمود احمد رضوی بریلوی اسی حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ اس میں قبروں پر مزارات کی ممانعت ہے:

''مزارات اولیاء کرام وعلماء قدست اسرارہم پر عمارت کی بنیاد باوصف حدیث مسلم وابو داود ونسائی ومسند احمد عن جابر رضی اللہ عنہ نہی النبی ﷺ ان یقعد علی القبر و ان یجصص و ان یبنی علیہ جس میں صراحتاً اس کی ممانعت ارشاد ہوئی ہے''۔

(مذاکرہ علمی ص ۲۴،۶۲، ادارہ تعلیمات رضویہ لاہور)

پس اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ فتاوی دارالعلوم دیوبند کا فتوی عین حدیث رسول ﷺ کے مطابق ہے اب اسے گستاخی پر محمول کرنا دراصل انکار حدیث ہے۔

بریلوی مفتی اعظم ہند مفتی مصطفی رضا خان صاحب کے پیر و مرشد ابوالحسن نوری صاحب فرماتے ہیں:

''قبر کی بدعات کے سلسلے میں حضرت نوری۔۔۔فرماتے ہیں کہ قبر کچی رکھنا اور اونٹ کے کوہان کی شکل پر بنانا سنت ہے قبر کی لمبائی میت کے قد کے برابر اور چوڑائی نصف قد کے برابر اور گہرائی قد آدم کی مقدار رکھیں اور میت کو پیٹھ کے بل نہ لٹائیں بلکہ سیدھے پہلو پر لٹائیں اور اس کی پیٹھ پر مٹی کا پشتہ لگادیں تا کہ ہر پہلو قبلہ رو رہے یہ طریقہ مسنون ہے جسے ہندوستانیوں نے بالکل ترک کر دیا''۔

(جہان مفتی اعظم، ص ۲۰۷)

نوٹ: فتاوی دارالعلوم دیوبند میں حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' لکھا ہوا ہے مولوی غلام مہر علی نے دیوبندی مذہب میں یہاں ''علیہ السلام'' لکھ دیا ہے اور معترض صاحب نے بھی مکھی پر مکھی مارتے ہوئے سرقہ کرتے وقت اصل کتاب کی طرف مراجعت کرنا بھی گنوارا نہ کی۔

(اعتراض ۱۰۷:) امام حسین ظاہر و باطن کے اندھے تھے۔نعوذ باللہ

دیوبندی مولوی حسین علی آف واں بچھراں لکھتے ہیں کہ: جس نے اس حکم کے خلاف کیا مثال اس کی اس شخص کی ہے جو فکر سے نہ چلے بلکہ اپنے اباواجداد کے طریقے پر خلاف راہ ہدایت سوا سوچنے کے چلے جدھر اس کا منہ آجائے ادھر ہی چلا جائے اور جو دوسرا شخص جو اس کے مقابلے میں بشرا حکیما ہو کر نہیں چلتا بلکہ سویا چلتا ہے اور علی وجہہ ہو کر یعنی جدھر منہ آجائے ادھر نہیں چلتا بلکہ صراط مستقیم دیکھ کر چلتا ہے ان دونوں شخصوں میں کون اھدی ہوگا

کورکورانہ مرد در کربلا
تانیفتی چوں حسین اندر بلا

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۹۸، دیوبندی مذہب ص ۲۱۷،۲۱۸)

جواب: اول بات تو وہی کہ بلغۃ الحیر ان ہماری معتبر کتاب نہیں۔

ثانیا: اس شعر پر یہ عنوان قائم کرنا پرلے درجے کی بد دیانتی و جہالت ہے اس شعر میں کہیں ایسا نہیں لکھا ہے کہ معاذ اللہ امام حسین

علیہ السلام ظاہر و باطن کے اندھے تھے یہ عنوان دراصل خود معترض کی امام حسین رضی اللہ عنہ سے دلی بغض کی علامت ہے۔اس شعر کا مطلب صرف اتنا بنتا ہے:

''تو بالکل اندھا بن کر کسی مصیبت زدہ مشکل وادی کی طرف نہ چل پڑ تا کہ امام حسین کی طرح کسی مشکل میں نہ گر پڑے''۔

یہاں اندھا معاذ اللہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو نہیں بلکہ مخاطب کو کہا جا رہا ہے کہ بنا سوچے سمجھے یا محض سادگی میں کسی طرف نہ نکل پڑ ورنہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاؤ گے اس کو عام فہم مثال سے یوں سمجھیں جیسے مولانا نقی علی خان اپنے بیٹے نواب احمد رضا خان صاحب کو بولے:

''بیٹا سڑک دھیان سے پار کرنا اندھوں کی طرح نہ چلنا ورنہ کہیں فلاں کی طرح کسی حادثے کا شکار نہ ہو جاؤ''

تو اب کوئی عقل منداس کا یہ مطلب لے گا کہ مولانا نقی علی خان صاحب اپنے بیٹے کو ظاہر و باطن کا اندھا کہہ رہے ہیں؟ بلکہ وہ تو ایک آزمایش اور حادثے سے بچنے پر تنبیہ کر رہے ہیں تو اس شعر میں بھی معاذ اللہ امام حسین رضی اللہ عنہ کو ظاہر و باطن کا اندھا نہیں کہا جا رہا بلکہ مصائب کے اسباب سے بھی بچنے پر تنبیہ کی جا رہی ہے۔

لطیفہ: کتاب میں ''واؤ' صاف نہیں لکھا گیا شعر میں اصل لفظ ''مرؤ'' ہے واو کے ساتھ مگر یہ علم سے عاری واو کو صاف نہ ہونے کی وجہ سے دال سمجھ رہا ہے اور شعر میں ''مرذ'' کا لفظ لکھ کر شعر کا ستیاناس کر رہا ہے جس آدمی کو اشعار کے الفاظ نہ لکھنے آتے ہوں وہ اسے خاک سمجھے گا۔

موصوف کی خدمت میں گزارش ہے کہ ذرا اپنے گھر کی بھی خبر لیں مفتی محمد راشد نظامی بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا جو سب سے زیادہ مصیبت زدہ بے کس تر اور زار و نالاں تر تھیں سیدنا امام حسن وحسین رضی اللہ تعالی عنہما کے چہروں کی طرف دیکھتی اور اپنی یتیمی اور ان فرزندوں کی نامرادی پر روتی تھیں''۔

(سیرت فاطمۃ الزہرا ص ۱۲۸، مکتبہ حاجی نیاز احمد خان ملتان)

آپ لوگ حسنین کریمین کو معاذ اللہ ''نامراد'' کہہ دو تب بھی عاشق اہل بیت اور بلغتہ الحیر ان میں مصیبت میں گرفتار ہونے پر بھی اعتراض۔

(اعتراض ۱۰۸:) یزید پلید کی تعریف وتوصیف کے حوالے سے اعتراضات

معترض صاحب بریلوی لکھتے ہیں:

''کچھ عرصہ قبل لاہور سے ایک کتاب رشید ابن رشید شائع ہوئی جس پر متعدد دیوبندی علماء کی تصدیقات موجود ہیں ان مصدقین میں مفتی محمد شفیع دیوبندی، عبد الستار تونسوی دیوبندی وغیرہ شامل ہیں اس کتاب کے ٹائٹل پر لکھا ہوا ہے: ''امیر المومنین سیدنا یزید رضی اللہ عنہ ''، نعوذ باللہ پھر کتاب مذکور میں سرکار امام حسین کے متعلق بے شمار مقامات پر بکواس کی گئی ہے''۔

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۹۸، ۹۹)

کتاب رشید ابن رشید کی حقیقت

رشید ابن رشید کتاب کا مصنف ''ابو یزید محمد دین بٹ'' ایک ناصبی یزیدی اور مشہور ناصبی محمود عباسی کا معتقد ہے۔ اس کا نہ تو علماء دیوبند سے کوئی تعلق ہے نہ اس کا شمار اکابر علماء دیوبند میں ہوتا ہے۔ اور یہ بھی صریح کذب بیانی ہے کہ اس کتاب کی تصدیق ان پر تقاریظ علماء دیوبند نے لکھی ہیں۔ دراصل بقول ابو یزید کے جب کتاب لکھی تو ایک خط مختلف علماء کو بھیجا ان علماء نے جو خط کا جواب دیا تو اسے کتاب کے آخر میں لگا دیا چنانچہ ابو یزید لکھتا ہے:

''ہم نے موجودہ علماء کرام سے ایک سوالنامہ کے ذریعہ جو جوابات حاصل کئے ہیں ان کا مطالعہ قارئین کرام کیلئے یقیناً سبق آموز ثابت ہوگا وہ سوال جو علماء کرام سے دریافت کیا گیا ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم مکرمی جناب مولانا صاحب دام ظلکم اسلام علیکم ورحمۃ اللہ عرض خدمت اقدس میں یہ ہے کہ آپ عالم دین متین اور وارث انبیاء ہیں بدیں وجہ جب بھی کوئی مسئلہ درپیش وجہ نزاع بنا تو مجھ جیسے لوگوں کو آپ کی طرف رجوع کرنا پڑا اب جبکہ ایک مسئلہ درپیش آپ کا فرض عین ہے کہ آپ نائب رسول اللہ ﷺ کی حیثیت سے آنحضور صلعم کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے کہ میری ایک بات بھی اگر جانتے ہو تو دوسروں تک پہنچا دو فرمان نبوی ص کے مطابق آنحضور صلعم کی عدم موجودگی میں مجھ جیسے افراد کی صحیح رہنمائی فرماتے ہوئے اپنی رائے سے آگاہ فرمادیں مسئلہ وجہ نزاع یہ ہے کہ ہمارے اپنے سنی بھائی شیعوں کی پیروی اور کوفی پروپگینڈا سے متاثر ہو کر امیر المومنین یزیدؒ کو نعوذ باللہ فاجر و فاسق بلکہ کافر تک کہہ دیتے ہیں لیکن میرے خیال میں قرآن کریم اور احادیث نبوی ص کی روشنی میں درج ذیل دلائل کو پیش نظر رکھتے ہوئے امیر المومنین صحیح العقیدہ مسلمان تھے:

(۱) من قال لا الہ الا اللہ فدخل الجنۃ

(۲) امیر المومنین یزیدؒ نے مسلمان ہونے کی حیثیت سے جہاد میں حصہ لیا اور بڑے بڑے اجل صحابہ کرامؓ ان کے ماتحت جہاد میں لڑتے رہے اور حدیث مغفور میں امیر کی حیثیت سے شامل تھے۔

(۳) آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کی جو پہلی فوج قیصر کے شہر قسطنطینیہ پر جہاد کرے گی اس کیلئے مغفرت ہے (صحیح بخاری)

(۴) بڑے بڑے اجل صحابہ کرامؓ مثل عبد اللہ بن عباسؓ عبد اللہ بن عمرؓ عبد اللہ بن جعفرؓ نے امیر المومنین یزیدؒ سے خلافت کی بیعت کی تھی اس کے علاوہ یہ فرمان الٰہی بھی اس کی تائید کرتے ہیں جو کوئی لڑے اللہ کے راستہ میں وہ مارا جائے یا غالب آجائے پس البتہ دیں گے ہم اس کو ایک اجر زیادہ سورۃ نسآء آیت ۷۵ اس کے علاوہ سورہ نسآء آیت ۹۵،۹۶ اور سورہ ۹ صف آیت ۴ ملاحظہ فرماویں۔ میرا عقیدہ ہے کہ ان دلائل کی روشنی میں امیر یزیدؒ یقیناً جنتی ہیں میں آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ پھر ان فرامین خدا اور رسول ص کے ہوتے ہوئے امیر موصوف کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے براہ کرم جواب سے جلد مطلع فرما کر شکریہ کا موقعہ دیں آپ کا بیحد ممنون ہوں گا۔

والسلام السائل ابو یزید بٹ

(رشید ابن رشید،ص ,337 تا339 ،لنڈا بازار لاہور)

اس کے بعد ان علماء سے منسوب خط پیش کئے لہذا یہ رضا خانیوں کا صریح دھوکا وجھوٹ ہے جو کہتے ہیں کہ اس کتاب پر تقریظ لکھی یا تصدیق کی جب کتاب ان کے سامنے پیش ہی نہیں کی گئی تو تقریظ وتصدیق کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔رضا خانیوں نے جو مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا نام لیا تو وہ تصدیق نہیں بلکہ ابو یزید کے اس سوال کا جواب ہے چنانچہ ابو یزید خود لکھتا ہے:

''حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ العالی کراچی میرے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

(الجواب) یزیدؓ کے بارے میں علماء محققین کے نزدیک سکوت احوط ہے علماء محققین یزیدؓ کو مومن جانتے ہیں اس کو کافر نہ سمجھنا چاہئے۔

فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم بندہ محمد شفیع عفی عنہ''۔

(رشید ابن رشید،ص 365,366)

اول جب خود مصنف کہہ رہا ہے کہ''میرے سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں'' تو اس کو کتاب کی تقریظ وتصدیق پر محمول کرنا کیا اسی دھوکا منڈی کا ثبوت نہیں جو نواب احمد رضا خان صاحب نے حسام الحرمین کی صورت میں مکہ ومدینہ میں سجائی تھی؟

ثانیا: جواب کی دوسطروں میں تضاد بیانی ہی اس کے جعلی اور محرف ہونے کی گواہی دے رہی ہے اس لئے کہ پہلی سطر میں محققین کا قول یہ نقل کررہے ہیں کہ ان کے بارے میں سکوت احوط ہے اور دوسری عبارت میں محققین کا قول ان کے مومن ہونے کا نقل کررہے ہیں جب مومن کہہ دیا تو پھر سکوت (خاموشی رکھو نہ مومن کہو نہ کافر) اختیار کرنے کا کیا معنیٰ؟

ثالثا: جواب میں یزید کے نام پر''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کی علامت بھی مصنف ابو یزید کی خباثت ہے اس ظالم نے پوری کتاب میں جہاں یزید کا نام لکھا اس پر''رضی اللہ عنہ'' لکھ دیا چنانچہ اسی کتاب میں لکھتا ہے:

''سیدنا حسینؓ نے جناب امیر معاویہؓ سے فرمایا تھا کہ میں''یزیدؓ'' سے بہتر ہوں اس لئے خلافت میرا حق ہے اور سیدنا معاویہؓ نے جواب دیا تھا کہ برخوردار یزیدؓ امت محمدیہ ص کے انتظامی امور میں تم سے بہتر ہے''۔(رشید ابن رشید،ص 199)

اب جواب دیں کیا پوری زندگی میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ یا امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کو''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کہا؟ ہر گز نہیں مگر اس ظالم نے ان کی گفتگو میں یزید کے نام پر رضی اللہ عنہ کی علامت لگادی۔تو کیا اب امام حسین وامیر معاویہ پر بھی کوئی فتویٰ ہے؟

یہی ناصبی مقدمہ ابن خلدون کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''جب یزیدؓ سے بداعمالیاں آزادانہ ہونے لگیں''۔(رشید ابن رشید،ص 196)

علامہ ابن خلدون صاف لکھ رہے ہیں کہ یزید سے بداعمالیاں سرزد ہونے لگیں مگر یہ ظالم اس پر بھی''یزیدؓ'' لکھ رہا ہے لہذا مفتی صاحب کے خط میں جو یزید پر رضی اللہ کی علامت لگی ہوئی ہے وہ اس بے ایمان کی اپنی زیادتی ہے علماء دیوبند اس کے ذمہ دار نہیں۔

رابعا: خود مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی شفیع صاحبؒ اپنی کتاب میں یزید کے متعلق لکھتے ہیں:

(۱) ''یزید کا فسق وفجور بھی اس وقت تک کھلا نہیں تھا''۔

(شہید کربلا ص ۱۳، دارالاشاعت کراچی)

(۲) ''یزید اور اس کے امراء وحکام نے شیطان کی پیروی کو اختیار کررکھا ہے اور رحمن کی اطاعت کو چھوڑ بیٹھے ہیں اور زمین میں فساد پھیلا دیا حدود الٰہیہ کو معطل کر دیا اسلامی بیت المال کو اپنی ملک سمجھ لیا اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام کر ڈالا اور حلال کو حرام ٹھرا دیا''۔

(شہید کربلا ص ۵۷،۵۸)

(۳) ''بعض روایات میں ہے کہ یزید شروع میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل پر راضی تھا اور ان کا سر مبارک لایا گیا تو خوشی کا اظہار کیا اس کے بعد جب یزید کی بدنامی سارے عالم اسلام میں پھیل گئی اور وہ سب مسلمانوں میں مبغوض ہوگیا تو بہت نادم ہوا۔۔۔ یزید کی یہ زد و پشیمانی اور بقیہ اہل بیت کے ساتھ بظاہر اکرام کا معاملہ محض اپنی بدنامی کا داغ مٹانے کیلئے تھا یا حقیقت میں کچھ خدا کا خوف اور آخرت کا خیال آ گیا یہ تو علیم خبیر ہی جانتا ہے مگر یزید کے اعمال اور کارنامے اس کے بعد بھی سب سیاہ کاریوں ہی سے لبریز ہیں مرتے مرتے بھی مکہ مکرمہ پر چڑھائی کیلئے لشکر بھیجے ہیں اسی حال میں مرا ہے''۔(شہید کربلا ص ۸۸)

اس کتاب میں تفصیل کے ساتھ امام حسین رضی اللہ عنہ کی حقانیت اور مظلومیت کو بیان کیا گیا اور یزید اور اس کے حکام کے ظلم و جبر کی تفصیل بیان کی گئی اس کتاب میں اسی (۸۰) دفعہ سے بھی زیادہ یزید کا نام آیا مگر کہیں بھی ان کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' کی علامت موجود نہیں جو رشید ابن رشید میں یزید کے نام پر اس علامت کے جعلی ہونے کا بین ثبوت ہے۔

مولانا عبد الستار تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں یہ کہنا کہ انہوں نے بھی کتاب کی تصدیق کی سیاہ جھوٹ ہے بلکہ انہوں نے تو یزید بٹ کی سوچ ہی کو خلاف شریعت قرار دیا ہے ابو یزید کا سوال یہ تھا کہ میں یزید کو قطعی جنتی مانتا ہوں اس کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اہل سنت کے نزدیک ہر وہ شخص جنتی ہے جس کے متعلق بہشتی ہونے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما گئے ہیں اس کے سوا کیلئے قطعی فیصلہ کرنا خلاف شریعت ہے''۔

(رشید ابن رشید ص ۳۶۹)

کتنا صریح دھوکا ہے کہ ان کے اس موقف کو غلط رنگ اور جھوٹ بول کر تقریظ باور کرایا جارہا ہے ان حضرات کی اصل عبارات اسی لئے رضاخانی ترجمان نے پیش نہیں کی ہیں کہ کہیں ڈھول کا پول نہ کھل جائے۔

مولانا عبد الستار تونسوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیعہ مناظر اسمٰعیل گوجر کے سامنے اپنا اور اہل سنت کا نظریہ یوں بیان کرتے ہیں:

''یزید کے متعلق یہ خوف نہ کھائیں کہ یہ اہل سنت کا امام و پیشوا ہے یہ ہماری کتابوں میں لکھا ہے دیکھئے اہل سنت کے عقائد کی کتاب نبراس (شرح عقائد نسفی) کے ص ۵۵۳ پر لکھا ہے:

واتفقوا علی جواز اللعن علی من قتله او امر به و اجازه و رضی بہ ترجمہ اور ہمارے علماء ان لوگوں پر لعنت کرنے کے جواز پر متفق ہیں جنہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کیا یا امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا یا امام حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کی اجازت دی اور ان کے قتل پر راضی وخوش ہوئے اور اس کے بعد اسی نبراس کے ص ۵۵۴ پر ہے: لعنة الله علیه و علی اعوانه و انصاره ترجمہ اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو یزید پر اور اس کے معاونین اور مددگاروں پر جنہوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے میں اس کی امداد کی دیکھئے مولوی اسمٰعیل صاحب اگر یزید اہل سنت کا امام ہوتا تو ہم اس کے متعلق یوں لکھتے''۔

(مناظرہ باگڑ سرگانہ ص ۲۱۶، تنظیم اہل سنت پاکستان)

یہ حوالہ ان حضرات کیلئے بھی درس عبرت ہے جو شیعت کے رد کا بہانہ کر کے یزید کی حمایت کرتے ہیں ۔

الحمدللہ! ہم نے اکابر علماء دیوبند کا یزید کے متعلق موقف انہی کی کتابوں سے ثابت کر دیا بریلوی مناظر مفتی حنیف قریشی دیوان محمدی پر سعید احمد کاظمی کے مضمون کے متعلق لکھتے ہیں :

''علامہ سعید کاظمی ۔۔نے دیوان محمدی پر تقریظ سرے سے لکھی ہی نہیں بلکہ آپ سے منسوب ایک مضمون کہ جس میں انہوں نے دیوبندیوں کو وحدۃ الوجود پر اعتراض کا جواب دیا تھا خواجہ یار محمد فریدی ۔۔۔کے متبعین میں سے کسی نے کتاب کے شروع میں چھاپ دیا ہے علامہ کاظمی شاہ صاحب کی طرف سے اس مضمون کی نسبت بھی مشکوک ہے خود کاظمی شاہ صاحب ۔۔۔کی کسی کتاب میں یہ مضمون درج نہیں''۔

(مناظرہ گستاخ کون،ص ۵۶۴)

جب رضاخانیوں کے دربار کے سجادہ نشینوں کی طرف سے شائع شدہ کتابوں پر ان کے اپنے مولوی کا مضمون مشکوک ہو سکتا ہے تو کسی ناصبی خارجی یزیدی کی کتاب میں علماء دیوبند سے منسوب تحریرات ،مضامین وخطوط مشکوک کیوں نہیں ہو سکتے ؟

مولانا اسحٰق سندیلوی

یزید کی حمایت میں بعض اہل بدعت بنوری ٹاؤن کے سابقہ استاذ مولانا اسحٰق سندیلوی کی ایک کتاب کو بھی پیش کرتے ہیں ان صاحب کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بلاشبہ انہوں نے اس سلسلہ میں ایک کتاب لکھی بلکہ موصوف تو حضرت علی ومعاویہ رضی اللہ تعالی عنہما کی جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غلطی پر سمجھتے ہیں ان کی اس غلط روش کے خلاف اہل السنت ہی کے اکابر میں سے مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دو جلدوں میں مایہ ناز کتاب ''خارجی فتنہ'' لکھی ۔اس کتاب پر بنوری ٹاؤن کے ترجمان رسالہ بینات میں حضرت مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کا تبصرہ شائع ہوا جس میں اس کتاب کی مکمل تائید کی گئی اور مولانا اسحٰق سندیلوی صاحب کو اصلاح کی دعوت دی گئی بجائے اصلاح کے سندیلوی صاحب اس قدر دل برداشتہ ہوئے کہ بنوری ٹاؤن ہی سے استعفی دے دیا۔لہذا ان صاحب کا نہ تو بنوری ٹاون سے تعلق رہا اور نہ بنوری ٹاون نے ان کی اس کتاب کی تائید کی مکمل تفصیل کیلئے مولانا قاضی مظہر حسین صاحب کی کتاب ''کشف خارجیت'' کا مطالعہ کریں۔لہذا سندیلوی صاحب کا حوالہ پیش کرنے والے انصاف و دیانت کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے یہ پس منظر بھی بیان کریں ۔

یزید اور اکابر علمائے دیوبند

اس کے بعد بریلوی معترض نے دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ،ص۹۹ ،۱۰۰ پر مماتی مولوی مولانا حسین نیلوی صاحب کی کتاب ''مظلوم کربلا'' اور مولانا عطاء اللہ بندیالوی صاحب مماتی کی کتاب ''واقعہ کربلا'' کے حوالے دئے جو کہ قطعا ہمارے لئے حجت نہیں ۔ان حضرات کا اہل السنۃ والجماعۃ احناف دیوبند سے کوئی تعلق نہیں ۔نیز ،ص ۱۰۱ پر اپنے ہی ہم مسلک عالم کی کتاب ''وفا سے جفا تک'' کا حوالہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف دیا یہ بھی ہمارے لئے حجت نہیں ۔اہل بدعت خاص کر معترض کی قبیل کے لوگ جھوٹ اور الزام تراشی میں ید طولی رکھتے ہیں اس لئے ان کی کسی کتاب کسی بات کا کوئی اعتبار نہیں ۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یزید کے متعلق اکابر اہل السنۃ دیوبند کا موقف مختصرا پیش کر دیا جائے تفصیل کیلئے آپ میری کتاب ''کردار

یزید'' کا مطالعہ کر سکتے ہیں ۔

دراصل پاکستان وہندوستان میں یزیدی ناصبی فتنے کی آبیاری رافضی محمود احمد عباسی نے سرآغاخان کے مشورے پر کی اور ''خلافت معاویہ ویزید'' جیسی بدنام زمانہ کتاب لکھ کر اس فتنے کو زندہ کیا۔ان کے بعد ان کے شاگردوں اور معتقدین نے اس فتنے کو تحریری شکل میں خوب پھیلایا۔ہمارا کراچی شہر خاص کر کیماڑی کا علاقہ ان یزیدیوں کا مرکز رہا۔اس وقت بھی ان کا اکثر لٹریچر کراچی ہی سے شائع ہو رہا ہے۔الحمدللہ ہر باطل فتنے کی طرح اس فتنے کا بھی علمائے اہل السنت والجماعت دیوبند نے بھرپور طریقے سے تعاقب کیا۔چنانچہ اساطین دیوبند کی طرف سے محمود عباسی کی اس کتاب کے خلاف مندرجہ ذیل کتب منصہ شہور پر جلوہ گر ہوئیں:

(۱) شہید کربلا اور یزید: از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

الحمدللہ اس کتاب نے اس فتنے پر وہ کاری ضرب لگائی کہ خود محمود عباسی صاحب کو لکھنا پڑا:

''آج کے دور انحطاط میں اس بحث کی بے لاگ تحقیق وریسرچ پر قاسمی صاحب غیظ وغضب میں جامہ سے باہر ہو کر فضول اور لایعنی اعتراضات کی بھر مار شروع کر دیں یا دارالعلوم سے کچھ اس قسم کی آوازیں سنائیں دینے لگیں جو لکھنو کے امام باڑہ غفران مآب کے کسی ذاکر کی زبان سے نکلتی ہیں تو یہ کیا جائے تعجب ہے''۔

(تحقیق مزید،ص ۳۲۸ مکتبہ محمود لیاقت آباد کراچی)

گویا اس ظالم کے نزدیک امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا دفاع کرنا امام باڑے کے ذاکر کا مذہب ہے۔اب انصاف پسند قارئین فیصلہ فرمائیں کہ خود یزیدی ٹولہ ہمیں اپنا مخالف کہہ رہا ہے اور اس باب میں ہمیں شیعوں کا ہمنوا کہہ رہا ہے معاذاللہ مگر ان متعصب بدعتیوں کے تعصب کو دیکھئے کہ ہمیں یزیدیوں کی صف میں کھڑا کر رہے ہیں معاذاللہ۔

(۲) حادثہ کربلا کا پس منظر: از شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

(۳) خارجی فتنہ (دو جلدیں) از مولانا قاضی مظہر حسین صاحب چکوالی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۴) تلخیص سیدنا علی وحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما: سید نفیس الحسینی رحمۃ اللہ علیہ

یہ وہ کتابیں ہیں جو خاص کر محمود عباسی اور اس کے یزیدی ٹولے کے خلاف لکھی گئی ہیں۔آج بھی یزیدیوں کی طرف سے تازہ شائع شدہ لٹریچر کا محاسبہ حضرت مولانا عبدالجبار سلفی دیوبندی لاہوری مدظلہ العالی اپنے رسالے ''حق چار یار'' میں کرتے رہتے ہیں۔اسی طرح قاری محمد ضیاء الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ''یزید اکابر علماء اہل سنت دیوبند کی نظر میں'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں اکابر علمائے دیوبند کے موقف یزید کے فسق اور امام عالی مقام حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے موقف کے حق ہونے کو پیش کیا گیا۔اس رسالے کو اب جدید اضافوں کے ساتھ میاں رضوان نفیس شاہ صاحب مدظلہ العالی نے دوبارہ ترتیب دیا ہے اور ۳۰۸ صفحات کی کتاب کی صورت میں ''شاہ نفیس اکیڈمی لاہور'' سے شائع کرایا ہے اس کتاب میں حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے لیکر موجودہ دور کے حضرت قاری محمد حنیف جالندھری صاحب مدظلہ العالی تک ۹۰ سے زاید اکابر علمائے دیوبند کی تحریرات وتقریظات کو شامل کیا گیا ہے جو سب یزید کے فسق پر متفق ہیں گویا ''المہند علی المفند'' کے بعد یزید کے فسق پر اہل سنت کی یہ دوسری اجماعی دستاویز ہے۔

بریلوی اور یزید

یزید اکابر تابعین ولی اللہ میں سے تھا۔معاذ اللہ

مولوی عبدالسمیع رامپوری بریلوی لکھتا ہے:

''حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ صحابی تھے ان کا بیٹا یزید تابعی تھا طبقہ وسطی تابعین میں یعنی جس طبقہ میں حسن بصری اور ابن سیرین ہیں یہ اسی طبقہ میں تھا''۔

(انوار ساطعہ،ص ۱۷،ضیاء القرآن پبلی کیشنز)

اس کتاب پر نواب احمد رضا خان بریلوی کی تقریظ بھی موجود ہے۔تم یزید کو حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے طبقہ کا تابعی کہو تو کوئی بات نہیں اپنا یہ عقیدہ بھی تو لوگوں کے سامنے لاؤ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے:

خير القرون قرني ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم

بہترین لوگ میرے صحابہ ہیں پھر تابعین پھر تبع تابعین

تو تمہارے مذہب میں تو معاذ اللہ یزید کا درجہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد ہے۔

یزید سے فسق ثابت نہیں

بریلوی شیخ الحدیث حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا قول نقل کرتے ہیں:

''امام غزالی لکھتے ہیں کیا یزید پر لعنت کرنا جائز ہے کیونکہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ کو قتل کیا ہے یا قتل کا حکم دیا ہے؟ میں کہتا ہوں کہ یہ بات بالکل ثابت نہیں''۔

(شرح مسلم،ج ۱ص ۶۳۰)

یزید کیلئے رحمت کی دعا کرنا مستحب ہے

بریلوی شیخ الحدیث مولانا غلام رسول سعیدی علامہ حلبی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''امام غزالی سے پوچھا گیا جو شخص صراحتہ یزید پر لعنت کرے کیا وہ فاسق ہے؟ اور کیا یزید کیلئے دعا رحمت صحیح ہے؟ امام غزالی نے جواب دیا جو شخص اس پر لعنت کرے گا وہ فاسق وگناہگار ہوگا کیونکہ مسلمانوں پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے اور ہمیں جانوروں پر بھی لعنت کرنے سے منع کیا گیا ہے اور حدیث شریف کے بموجب مسلمان کی عزت کعبہ سے زیادہ ہے یزید کا اسلام صحیح ہے اور یہ صحیح نہیں ہے کہ اس نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا امر کیا یا ان کے قتل پر راضی ہوا اور جو چیز صحیح نہیں ہے اس کا گمان کرنا بھی جائز نہیں کیونکہ مسلمان کے ساتھ بدگمانی جائز نہیں ہے اور جب حقیقت حال معلوم نہیں تو یزید کے ساتھ حسن ظن کرنا واجب ہے علاوہ ازیں قتل کرنا کفر نہیں ہے معصیت ہے اور اس کیلئے رحمت کی دعا کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے''۔

(شرح مسلم،ج ۳ص ۶۲۲ فرید بک سٹال لاہور)

اسی طرح اہل بدعت کے مستند عالم مفتی عبد الغفار خان رامپوری صاحب لکھتے ہیں :

''احیاء علوم الدین میں تحریر ہے :''کیا یزید پر لعنت جائز ہے ؟ اس لئے کہ وہ حسینؓ کا قاتل ہے یا ان کے قتل کا حکم دیا ہے (؟) ہم کہتے ہیں یہ بالکل ثابت نہیں ہے پس اس کو قاتل کا قتل کا حکم دینے والا کہنا جائز نہیں ، چہ جائیکہ لعنت بھیجنا''۔

(فتاوی ارشادیہ ص ۱۳۵ اکبر بک سیلز لاہور)

رضاخانیو! امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ یزید کو نہ صرف مسلمان بلکہ رحمۃ اللہ علیہ اور کعبہ سے زیادہ ان کی عزت بتارہے ہیں اور یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ یزید کے متعلق جتنی بھی فسق کی باتیں ہیں تو یہ درست نہیں اور اس کو تمہارا شیخ الحدیث اور مفتی اعظم نقل کر رہا ہے ۔تو اب اگر غیرت ہے تو لگاؤ ان پر بھی معاذ اللہ خارجیت کا فتوی ۔ یہ قول اگر خوانخواستہ کوئی دیوبندی اختیار کر لیتا تو رضاخانی آسمان سر پر اٹھالیتے کہ'' گستاخ اہل بیت ہیں''،'' خارجی ہیں''۔مگر امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر چونکہ عوام سے روٹیاں لینی ہیں اس لئے دیکھنا اب منہ پر تالا لگ جائے گا۔ یاد رہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ موقف جمہور کے خلاف ہے اور ہم بھی اس سے متفق نہیں تفصیل آگے آ رہی ہے ۔

(اعتراض ۱۰۹:) مولانا عبداللہ شہید رحمۃ اللہ علیہ خطیب لال مسجد پر یزید پلید کی حمایت کا الزام

مشہور خارجی یزیدی عظیم الدین کی کتاب حیات سید نا یزید میں مولوی عبداللہ (دیوبندی) خطیب مسجد اسلام آباد جو تائیدی خط چھپا ہے اس میں مولوی عبداللہ نے اپنا اور دیوبندی شیخ القرآن مولوی غلام خان کا یزیدی ہونا اور تقیہ کرنا بدیں الفاظ نقل کیا ہے ۔۔۔قاضی مظہر حسین دیوبندی لکھتے ہیں کہ عباسیت اور یزیدیت کے اثرات دیوبندی حلقوں میں سرایت کر رہے ہیں ۔

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۱۰۰۔۱۰۱)

آج سے کافی عرصہ پہلے اس اعتراض کا جواب ''قہر حق'' نامی رسالے میں شائع ہوا تھا بندہ اسی جواب کو یہاں نقل کر رہا ہے ۔

بریلوی رسالے کے ایک دجال ۔۔۔۔۔ اور کلین شیو لعنت کا مستحق (احمد رضا خان نے داڑھی مونڈھنے والے کے متعلق ملفوظات میں یہی لکھا ہے) لاہور کا رہنے والا ٹریفک پولیس ۔۔۔رضوی رافضی ۔۔۔ نے اپنے بدنام زمانہ رسالے ''کلمہ حق'' کے شمارے نمبر ۴ میں حیدرآباد سے شائع ہونے والے ایک رسالے کے حوالے سے یہ الزام مولانا عبداللہ مرحوم خطیب لال مسجد اسلام آباد پر لگایا ہے کہ وہ ہمیشہ یزید کی حمایت کرتے اور اہل بیت کی تنقیص کرتے تھے، وہ کراچی اور لاہور سے ناصبیوں اور یزیدیوں کی کتابیں منگوا کر تقسیم کیا کرتے تھے ۔ یہ آنمرحوم پر الزام نہیں بلکہ مولانا مرحوم کا یزیدی ہونا، خود انہی کے خطوط اور تحریرات سے، مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ بھی اپنے ماہنامہ 'حق چار یارؓ' میں حتمی دلائل کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں''۔(ملخصا کلمہ حق)

پہلی بات تو یہ کہ جب ہم مولوی اقتدار خان نعیمی، یا ابو الخیر حیدرآبادی، یا طاہر القادری کا کوئی حوالہ ان رضاخانیوں کے سامنے پیش کریں تو فوراً سیخ پا ہو جاتے ہیں کہ ہمارا معتبر عالم نہیں تو جواب طلب امر یہ ہے کہ'' محمد موسی بھٹو'' جس کے رسالے کا حوالہ پیش کیا گیا سنی مسلک میں اس کا کیا مقام ہے؟ اور کیا اس شخص کا تعلق ہمارے اکابر سے ہے؟ اگر اس قسم کے لوگوں کے حوالے حجت ہیں تو اقتدار، ابو الخیر، اور طاہر القادری کے حوالے حجت کیوں نہیں؟ تم نے خود ابو الخیر کی ایک بات کے متعلق لکھا کہ یہ اس کی بکواس ہے تو اگر جمعیت علماء اسلام کے ایک ذمہ دار آدمی کی بات بھی بقول تیرے بکواس ہو سکتی ہے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ یہ محمد موسی بھٹو حیدرآبادی کی بکواس ہے ۔

پھر محمد موسیٰ صاحب کی دیانت کا اندازہ اس بات سے لگالیں کہ وہ کسی اور کا مضمون بعینہ اپنے نام پر شائع کرتے ہیں جس پر جتنا بھی افسوس کرلیا جائے کم ہے۔حقیقت یہ ہے کہ یہ مضمون مولوی سعید خان اسلام آبادی کا ہے اسی نے یہ اعتراضات کئے تھے اور اسی وقت حضرت مولانا عبداللہ صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ۱۱ سال تک رہنے والے مفتی ریاض صاحب مدظلہ العالی جو جامعہ فریدیہ اسلام آباد کے نائب مفتی تھے نے جواب دیا(آج کل حضرت آسٹریلیا میں مقیم ہیں) ہم مفتی صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا جواب آپ کے سامنے بعینہ نقل کر دیتے ہیں :

جواب مفتی ریاض صاحب، سابق نائب مفتی دارالافتا، جامعہ فریدیہ، اسلام آباد:

دینی حلقوں اور اکابر علما کے ہاں مولانا شہید رحمہ اللہ کی جو حیثیت تھی اور اللہ نے ان سے جو اپنے دین کا کام لیا' وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں، ان کے متعلق اکابر علماء کے خیالات بہت سے رسالوں کتابوں میں چھپ چکے اور ان پر کئے گئے بزرگوں کے تحریری اعتماد کو انکی سوانح عمری میں بھی جمع کیا گیا ہے، اس سب مواد کی موجودگی میں میرے کسی لمبے چوڑے جوابات کی چنداں ضرورت نہیں، لیکن میں پھر بھی چند ضروری باتیں عرض کر دیتا ہوں۔

اعتراض: مولانا عبداللہ مرحوم خطیب لال مسجد اسلام آباد ہمیشہ یزید کی حمایت کرتے اور اہل بیت کی تنقیص کرتے تھے:

حقیقت میں یہ اعتراض مولانا مرحوم پر محض بہتان ہے، اور لگانے والے کو ہی مشکوک بنا رہا ہے۔مولانا مرحوم کا یزید کے بارے میں موقف وہی اعتدال والا اور اہل السنت والجماعت والا تھا، اسکی شہادت میں مولانا کا وہ خطبہ ہی کافی ہے جو وہ جمعہ کی نماز کے بعد پڑھا کرتے تھے۔قارئین اس سے انکے مسلک کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

"وقال علیه السلام فی سیدنا معاویه رضی الله عنه، اللهم اجعله هادیامهدیا اوهدبه، وصلی الله علی جمیع الصحابة والتابعین خصوصاً علی ازواج النبی صلی علیه وسلم وعلی بناته الاربعة زینب و رقیه وام کلثوم وفاطمة وعلی سیدالشهدآء حمزة وعلی سیدی الشباب اهل جنة الحسن والحسین رضی الله عنهم----"

میں نے پورا خطبہ درج نہیں کیا، (پورا خطبہ حیات شہید اسلام :ص ۲۴۳ تا ۲۴۵ پر ملاحظہ فرمائیں ۔از مدنی) جسمیں اور بہت سی حدیثیں ہیں، شاید عام لوگوں کے لیے اہل بیت کے بارے میں جمعہ کے خطبے میں یہ پڑھنا ممکن بھی نہ ہو جو وہ ساری زندگی پڑھتے رہے۔کیا کوئی انصاف پسند اور باہوش آدمی اس خطبہ کو پڑھنے کے بعد یہ کہہ سکتا ہے کہ مولانا شہید اہل بیت کی تنقیص کیا کرتے تھے؟۔کیا یزید کا حامی اور اہل بیت کی تنقیص کرنے والا کوئی آدمی ان جملوں کو ہر جمعہ اپنے خطبہ کا حصہ بنانا گوارہ کرسکتا ہے؟

اس خطبہ سے تو تمام صحابہ، اہل بیت اور حضرت معاویہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ اظہار محبت اور انکے بارے میں اعتدال پسندی اور انکے بارے میں افراط وتفریط سے بچ کر چلنے کا درس ملتا ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ جو آدمی اہل بیت کا مخالف ہو، اسکی زبان سے اہل بیت کی تعریف نہیں ہوسکتی، بلکہ وہ یزید کی تعریف میں ہی رطب اللسان رہتا، اگر تعریف نہیں تو کم از کم اسکا تذکرہ تو ضرور کرتا۔مجھے الحمداللہ گیارہ سال تک جامعہ میں پڑھانے اور مولانا شہید کی مجالس میں اٹھنے بیٹھنے کا موقع ملا، جس کی بنا پر میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میں نے اہلبیت کی تعریف تو ہمیشہ سنی، یزید یا یزیدی لشکر کی تعریف کبھی نہیں سنی، مذکورہ بہتان تو حب علی کے پردے میں بغض معاویہ کا مظاہرہ ہے۔کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ ایک آدمی یزیدی ہو کر بھی یزید کے بارے میں خاموش رہتا ہے اور اہل بیت کی تعریف ہر جمعہ اپنے خطبہ میں کرتا ہے، ایسا

آدمی تو اپنے آپ کو یزیدی کہے تب بھی کوئی ماننے کو تیار نہیں ہوگا۔کیا مولانا شہید پر ناصبی یزیدی ہونے کاالزام لگانا حقیقت کو جھٹلانے کے مترادف نہیں ہے؟

لال مسجد میں نماز پڑھنے والے اور اہل علاقہ جانتے ہیں کہ مولانا اہل بیت کے کتنے مداح تھے،اس سلسلے میں بہت سے واقعات بھی پیش آتے رہتے تھے، جن میں مولانا مرحوم کے اہل بیت کے بارے میں وعظ سن کر اسلام آباد کے مشہور ہسپتال پمز کے ایک رافضی ڈاکٹر کا رافضیت سے تائب ہونے کاواقعہ مشہور ہے۔

اعتراض: مولاناشہید کراچی اور لاہور سے ناصبیوں یزیدیوں کی کتابیں منگوا کرتقسیم کیا کرتے تھے۔

معلوم نہیں معترض کس کتاب کی بات کر رہے ہیں،میرے سمیت جامعہ فریدیہ کا کوئی بھی پرانا استاد حلفا کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے کبھی بھی مسجد یا مدرسہ میں یزید کے حق میں کوئی کتاب یا پمفلٹ تقسیم ہوتے نہیں دیکھا۔ ہاں لال مسجد کے باہر ہر مسلک کے لوگ اپنے اپنے پمفلٹ تقسیم کرتے تھے اور کرتے ہیں،جسکو روکنا مولانا کے بس میں نہیں اور نہ اسکی ذمہ داری لال مسجد کی انتظامیہ پر آتی ہے۔اگر باہر کسی نے کوئی اس طرح کی کتاب تقسیم کی تھی تو اس الزام کو مولانا شہید پر تھوپنا، یا یہ کہنا کہ مولانا خود یہ کرواتے تھے،کہاں کا انصاف ہے؟۔

اعتراض: مولانا مرحوم کا یزیدی ہونا،خود انہی کے خطوط اور تحریرات سے،مولانا مظہر حسین رحمہ اللہ بھی اپنے ماہنامہ ُحق چار یارُ میں حتمی دلائل کے ساتھ ثابت کر چکے ہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ مولانا مرحوم کا مولانا مظہر حسین کے ساتھ شروع میں اختلاف رہا تھا جو کہ بعد میں دور ہوگیا تھا۔اس اختلاف کی وجہ یہ بنی تھی کہ جامعہ کے ایک استاد نے کربلا کے موضوع پر ایک کتاب لکھی جس پر مولانا مظہر حسین کو اختلاف تھا اور انہوں نے مولانا عبداللہ شہید سے یہ مطالبہ کیا کہ اس استاد کو جامعہ سے فارغ کر دیا جائے،اس پر مولانا تیار نہیں تھے کیونکہ اس کتاب میں کوئی ایسی بات نہیں لکھی گئی تھی جو ہمارے اکابر کے مسلک کے خلاف ہو، یا جس سے وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا ہو یا فاسق وفاجر بن گیا ہو۔محض دونوں کے درمیان اس اختلاف کی بنیاد پر مولانا مرحوم کو ناصبی یزیدی قرار دے دینا ناانصافی اور بہت بڑا الزام ہے۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ دونوں عالم دین تھے علماء کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف ہونا کوئی عجیب بات نہیں،اور یہاں اختلاف بھی کفر اسلام یا حلال حرام کے مسئلہ پر نہیں تھا بلکہ بنیادا ایک غلط فہمی تھی۔اس ناراضگی کو دور کرنے کے لیے دونوں کے درمیان بعد میں بھی خط وکتابت چلتی رہی،اور مولانا قاضی صاحب رحمہ اللہ سے ملاقات کے لیے بھی جاتے، یہاں تک کہ ایک دفعہ جیل میں بھی جا کر ان سے ملاقات کی،اور شہادت کے ایام میں بھی ملاقات ہوتی رہی،مولانا جب بھی ان سے مل کر آتے تو ہمارے سامنے اسکا تذکرہ ضرور کرتے تھے،جن سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ مولانا کی غلط فہمی دور ہوگئی تھی،مزید مولانا عبداللہ رحمہ اللہ کی سوانح عمری میں مولانا فیاض خان سواتی ابن مولانا عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ جنکا مولانا مظہر حسین رحمہ اللہ کے ساتھ انتہائی گہرا اور قریبی تعلق تھا ُ کا مولانا عبداللہ شہید رحمہ اللہ کے بارے میں لکھے گئے مضمون پڑھنے سے بھی دونوں بزرگوں کے درمیان قلبی تعلق کا پتا چل سکتا ہے۔

مفتی صاحب کا جواب یہاں ختم ہوا۔مزید اتمام حجت کیلئے فقیر یہاں مولانا عبدالعزیز ابن مولانا عبداللہ صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ سے ہونے والی گفتگو من وعن پیش کر رہا ہے:

مولانا۔۔۔۔عبدالعزیز بات کر رہا ہوں۔۔۔

فقیر: جی۔۔کیسی طبعیت ہے۔۔۔خیریت سے ہیں ٹھیک ہیں۔۔۔؟

مولانا۔۔۔جی الحمد للہ۔۔۔

فقیر: میں نے آپ سے ایک بات پوچھنی تھی۔۔۔

مولانا۔۔۔جی۔۔۔۔

فقیر: یہاں پر کچھ ہمارے علاقے میں اہل بدعت۔۔یہ پروپگینڈا کررہے ہیں کہ آپ کے والد مولانا عبداللہ شہید صاحب۔۔۔وہ یزید کے متعلق کتابیں منگواتے تھے۔۔۔اور اس سلسلے میں انہوں نے ''بیداری مئی ۲۰۱۰ کا شمارہ ہے۔۔۔۔یہ ہے شمارہ۔۔۔محمد موسیٰ۔۔کوئی محمد موسیٰ بھٹو ہے۔۔۔۔تو آپ اس سلسلے میں کیا کہتے ہیں۔۔۔کہ وہ لوگ شور کررہے ہیں۔۔۔کہ معاذ اللہ آپ کے والد یزیدی وغیرہ ہیں۔۔۔تو کیا آپ کے علم میں ایسی کوئی بات ہے۔۔۔کہ مولانا عبداللہ صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ یزید کی حمایت میں کتابیں وغیرہ منگوایا کرتے تھے۔۔۔

ع:۔۔۔یہ پروپگینڈا ہے سارا۔۔۔۔۔۔

فقیر: جی مولانا عبدالعزیز صاحب بات کررہے ہیں۔۔۔؟

ع:۔۔۔جی۔۔۔جی۔۔۔

فقیر: معذرت چاہتا ہوں لائن کٹ گئی تھی میری۔۔۔اچھا آپ۔۔۔یعنی یہ اس سب کو پرپگینڈا کہہ رہے ہیں۔۔۔تو ان حضرات کو کوئی پیغام دینا چاہیں گے۔۔۔جو یہ جھوٹا پروپگینڈا کررہے ہیں۔۔۔یہ بیداری مئی ۲۰۱۰ کا، رسالہ ہے محمد موسیٰ بھٹو۔۔ان کو اگر آپ کوئی پیغام دینا چاہیں جو اس طرح کا پروپگینڈا کررہے ہیں۔۔آپ کے والد صاحب کے خلاف۔۔۔

ع:۔۔۔دیکھیں میں اس بارے میں یہی پیغام دینا چاہوں گا۔۔کہ اس وقت مسلم امہ کے مسائل ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ۔۔۔بڑھ کر ہیں کہ ہم ان بحثوں میں پڑیں۔۔اور یہ بلاوجہ مولانا کے خلاف پروپگینڈا ہے۔۔۔کہ مولانا ایسی کتابیں فروخت کرتے تھے۔۔۔یا لال مسجد میں تقسیم کیا کرتے تھے۔۔۔اگر ایسا ہوتا تو یزید کے حق میں مولانا کی کوئی تقریر ہوتی۔۔۔لیکن قطعا ایسا نہیں۔۔ہے کہ مولانا کی کوئی تقریر اس حوالے سے کوئی پیش کرسکے۔۔۔۔یا مولانا کا کوئی رسالہ لکھا ہوا ہو۔۔۔یا مولانا ایسی کتابیں تقسیم کرتے تھے۔۔یہ سب پروپگینڈا ہے۔۔۔

فقیر: اچھا جی بڑی مہربانی ہم نے یہی وضاحت آپ سے پوچھنی تھی۔۔کیونکہ وہ شور کررہے ہیں۔۔۔۔مولانا ایسے تھے۔۔۔

ع:۔۔۔دیکھیں اگر ایسا ہوتا تو کوئی میری تقریر ہوتی۔۔۔علامہ غازی کی کوئی تقریر ہوتی۔۔۔میری تقریر ہے؟؟؟؟؟؟ مولانا عبداللہ شہید کی کوئی تقریر ہے؟؟؟؟۔۔۔۔تو بہر حال۔۔۔اس کے کفر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔۔۔لیکن اس کیلئے۔۔۔کہ اس کے حق میں کوئی تقریر ہے۔۔۔یا ان کے حق میں کتابیں لکھنا۔۔۔یا تقسیم کرتے تھے۔۔۔یہ غلط ہے۔۔۔۔۔پروپگینڈا ہے۔۔۔

فقیر: بس۔۔۔حضرت ہم نے کہا کہ چلیں آپ سے ایک وضاحت لے لیں۔۔۔تاکہ یہ ریکارڈ پر ایک بات آجائے۔۔۔کہ جو شر پسند ایسی باتیں کررہے ہیں۔۔۔

ع:۔۔۔جی۔۔۔جی۔۔۔یہ وہ لوگ ہیں۔۔۔جن کا کوئی اور مقصد نہیں ہے۔۔۔بلاوجہ ایسے مسائل پیدا کررہے ہیں۔۔۔۔کوئی کام تو ہے نہیں۔،۔۔۔دین کا کوئی کام تو ہے نہیں۔۔۔۔

فقیر: بالکل بالکل۔۔۔اچھا جی بڑی مہربانی۔۔۔آپ ہمیں دعاؤں میں خصوصی طور پر یاد رکھیں۔

یہاں مولانا عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے صاف طور پر اس بات کا رد کیا کہ میرے والد اور استاد معاذ اللہ یزید کے حمایتی تھے یا یزید کے حق میں کتابیں تقسیم کرتے تھے، اور مولوی نصیر الدین سیالوی لکھتا ہے کہ:

''مولانا غلام مہر علی صاحب مدظلہ مولانا غلام محمد گھوٹوی صاحب کے بالواسطہ شاگرد ہیں تو وہ ان کے مذہب کے بارے میں سرفراز سے بہتر جانتے ہیں''۔

(عبارات اکابر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ: حصہ اول،ص ۵۱)

تو مولانا عبدالعزیز صاحب مدظلہ العالی مولانا عبداللہ صاحب شہید کے بلاواسطہ شاگرد ہیں وہ ان کا مذہب۔۔۔۔۔سے زیادہ جانتے ہیں۔
ایک اور جگہ سیالوی لکھتا ہے کہ:

''مولانا دیدار علی شاہ محدث الوری کا نظریہ الرشید والے کی نسبت ان کی اولاد امجاد بہتر جانتی ہے''۔(ایضا:ص ۶۱)

تو دجا۔۔۔۔۔مولانا عبداللہ صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ سعید خان اسلام آبادی اور محمد موسیٰ بھٹو حیدرآبادی کے مقابلے میں ان کی اولاد و امجاد زیادہ بہتر جانتی ہے۔

باقی ''حیات سیدنا یزید رحمۃ اللہ علیہ'' پر تقاریظ یا مولانا عبداللہ صاحب کا خط اسی طرح جعلی ہے جس طرح ''رشید ابن رشید'' نامی کتاب پر جعلی تقاریظ ہیں اور جس طرح احمد سعید کاظمی کی تقریظ بقول تمہارے دیوان محمدی پر جعلی ہے۔اور اس کتاب پر مولانا عبداللہ صاحب کا خط نقل کیا گیا ہے اور خط کا تو ویسے بھی آپ کے مذہب میں کوئی اعتبار نہیں (ملفوظات حصہ دوم،ص ۲۳۵)۔

آگے۔۔۔۔۔نے اپنی جہالت اور خباثت کا مظاہرہ کرتے ہوئے قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ یزیدی فتنہ دیوبندیت میں پھیل رہا ہے۔تو اگر بعض جاہل و ناواقف لوگ اپنی جہالت و کم فہمی کی وجہ سے اس فتنے میں مبتلا ہو رہے ہیں تو اس میں ''مسلک'' کا کیا قصور؟ کل کو اگر۔۔۔۔۔۔رضا خانی کی الٹی عقل سے کوئی۔۔۔۔۔کا عیسائی یا ہندو بھائی مسلمانوں کو شراب پیتا ہوا یا زنا کرتا ہوا دیکھے تو وہ یہ اعتراض کرنے لگ جائے کہ اسلام میں معاذ اللہ زنا اور شراب کو فروغ مل رہا ہے تو کیا۔۔۔۔۔اس سلسلے میں اسلام کو قصوروار ٹھہرائیے گا؟ تف ہے تیری جہالت اور تعصب پر۔تیرے مذہب کا۔۔۔۔۔احمد یار گجراتی لکھتا ہے کہ:

''فی زمانہ بہت سے سنی کہلانے والے ''بزرگ'' بغض معاویہ کی بیماری میں گرفتار ہیں۔اہل دل حضرات اس حالت پر خون کے آنسو روتے ہیں''۔

(امیر معاویہؓ پر ایک نظر:ص ۱۳، قادری پبلشرز لاہور)

تمہارا۔۔۔۔۔گجرات کہتا ہے کہ ''سنی کہلانے والے بزرگ'' اور میلسی میں رہنے والا تیرا رضا خانی۔۔۔۔مولوی حسن علی رضوی ''بزرگ'' کی تشریح ''نبی و رسول،صحابی و ولی'' سے کرتا ہے۔

(وصایا شریف:ص ۴۵)

اب کر!!! اپنے اس۔۔۔۔پر بھی اسی طرح کی بکواس جو کہتا ہے کہ معاذ اللہ صحابہ اور ولی بھی بغض معاویہ میں مبتلا ہیں۔پہلے اپنے گھر کا گند صاف کر پھر کہیں اور اپنی۔۔۔۔کا مظاہرہ کرنا،فی الحال تیری طبعیت صاف کرنے کیلئے یہ چند حوالے اور مختصر جواب دیا ہے اگر پھر بھی افاقہ نہ ہو تو تیرے جیسوں کی خدمت کیلئے ہم ہر وقت تیار رہتے ہیں۔

(جواب یہاں ختم ہوا)

(اعتراض ۱۱۰:) سرکار علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے متعلق دیوبندی امام کی بکواس

جناب امیر کی مجلس میں اعلانیہ فسق ہوتا اور آپ اس کو مطلقا روا رکھتے تھے روکنا اور منع کرنا تو درکنار آپ اس کو بیان کرنا فخر خیال فرماتے تھے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیر ان باتوں کو بہت ذوق وشوق سے دیکھتے تھے ورنہ یہ کیونکر فرماتے کہ وہ عورتیں بلند چھاتیوں والی ہیں یا پست سینوں والی اسی جملہ کا کسی شاعر نے شعروں میں کیا خوب ترجمہ کیا ہے شاعر کہتا ہے

حیاء وشرم کا پردہ اٹھایا شرم کینوں نے
مجلس نقابیں کھول دیں پردہ نشینوں نے
کیا عہد اطاعت نورسیدہ نازنینوں نے
سلائے ہاتھ ابھری چھاتیوں والی حسینوں نے
جو شرماتے تھے گھر میں مجلسوں میں بے نقاب آئے
جو گھوٹ رات میں کرتے تھے دن میں بے نقاب آئے

افسوس! جناب امیر نے خلافت کی طمع میں ان ناگوار اور خلاف شرع باتوں کا کچھ بھی خیال نہ آیا اور اعلانیہ ظلم وفسق ہوتے دیکھ کر فخریہ اپنے کلام معجز نظام میں درج فرمایا جس خلافت کی ابتداء ان امور منہیہ سے ہو اس کے عواقب کا حال ظاہر ہے''۔

(النجم خلافت نمبر بابت ۲۱ اپریل ۱۹۳۴ ص ۲۱)

جواب: النجم کا خلافت نمبر باوجود تلاش و بسیار کے ہم کو اب تک دستیاب نہ ہوسکا۔ اس لئے قرین قیاس یہی ہے کہ ماقبل کی طرح معترض نے یہاں پر بھی دجل وفریب کا مظاہرہ کیا کوئی ادنی مسلمان بھی حضرت مولا علی المرتضی کرم اللہ وجہہ الکریم کے بارے میں اس طرح کا عقیدہ نہیں رکھ سکتا چہ جائیکہ امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کی ہذیان لکھیں۔ یہ ساری گفتگو یا تو یزید پلید کے متعلق ہورہی ہے۔ یا پھر کسی رافضی کو اسی کے مذہب کے مسلمات کی رو سے الزامی جواب دیا جارہا ہے۔ حضرت امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ خود لکھتے ہیں:

> ''اگر حضرت علی حضرات خلفائے ثلاثہ کو دشمن دین اور ظالم جانتے یا ان کی خلافت کو ناجائز سمجھتے جیسا کہ مذہب شیعہ کا بیان ہے تو ہرگز ممکن نہ تھا کہ حضرت علی کا جیسا دیندار اور دلاور ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا''۔

(ابو الآئمہ کی تعلیم ص ۴۲ ادارہ تحفظ ناموس اہل بیت کراچی)

امام اہلسنت یہاں خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ''دیندار'' اور ''دلاور'' لکھ رہے ہیں پھر ان کے متعلق اس قسم کی ہذیان کیسے لکھ سکتے ہیں؟ اسی طرح انہوں نے اپنی کتاب ''سیرت خلفائے راشدین'' میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو چوتھا خلیفہ راشد لکھا اور ص ۲۰۸ تا ۲۴۳ ان کی سیرت ،فضائل وکارناموں کو بیان فرمایا اور آپ کی فضیلت پر دس احادیث نقل کی تو کس طرح کہا جاسکتا ہے کہ حضرت امیر کے بارے میں وہ مندرجہ بالا مضمون لکھیں جس کا تصور ایک ادنی مسلمان بھی نہیں کرسکتا۔

مولوی غلام مہر علی بریلوی کی طرف سے علمائے اہلسنت پر خارجیت کا الزام اور اس کا جواب

مولوی غلام مہر علی صاحب نے اپنی بدنام زمانہ کتاب دیوبندی مذہب کے ص ۵۳،۶۷،۷۱ پر بڑا واویلا کیا کہ مسلمانوں پر ''شرک'' اور ''بدعت'' کے فتوے ''خارجیوں'' نے لگائے ہیں۔انتہی

ہمیں مولوی صاحب کی اس بات سے تو انکار نہیں مگر اس کی آڑ میں معترض نے روایتی تلبیس سے کام لیتے ہوئے یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ جو بھی کسی پر شرک یا بدعت کا فتوی لگائے گا تو وہ معاذ اللہ'' خارجی'' ہوگا۔یعنی کوئی دل کھول کر شرک کرے نت نئی بدعات ایجاد کرے دین کا حلیہ بگاڑ دے مگر اس کو کچھ نہ کہنا کیونکہ ایسے لوگوں کو کچھ کہنا خارجیوں کا وطیرہ ہے۔مولوی مذکور کی اس منطق کو ماننے سے تو چودہ صدیوں کے علمائے اہلسنت کو معاذ اللہ خارجی ماننا پڑے گا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے روح المعانی ج ۹ ص ۴۳ پر لکھا کہ آج کئی لوگوں نے ذات الانواط کی طرح شرک کے اڈے بنا رکھے ہیں۔علامہ رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی مقبروں کی تعظیم کو کافروں کا طریقہ کہا۔تفسیر کبیر،ج ۳،ص ۵۷۳،علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شرح مسلم ج ۱ ص ۲۰۱ پر یہی بات لکھی،مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بتوں اور شیطانوں سے مدد مانگنے کو شرک اور کفر کہا اور لکھا کہ یہ مسلمانوں میں بھی پھیل رہا ہے مکتوب نمبر ۴۱،حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جاہل مسلمانوں کی طرف سے مزارات پر کئے جانے والے افعال کو شرک کی جیتی جاگتی تصویر اپنی کتاب الفوز الکبیر میں کہا،حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے عبد النبی نام رکھنے کا شرک فی التسمیہ کہا تفسیر عزیزی،ج ۱،ص ۱۶۳۔

سید احمد کبیر رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے اولیاء اللہ سے مانگنے کو شرک کہا (البرہان المؤید،ص ۱۴۴) انہوں نے شرک کی مندرجہ ذیل اقسام لکھیں شرک فی العلم شرک فی الاستعانہ (تذکار بگویہ،ص ۱۰۸،۱۱۵) معترض کے دادا پیر و مرشد جناب پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی لکھتے ہیں:

''اے صاحب مزار میر افلاں کام سر انجام دو تو بتوں کے پجاریوں سے مشابہت پیدا ہو جائے گی''۔(اعلائے کلمۃ اللہ،ص ۶۷)

پیران پیر حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں لان الاشتغال بغیر الله عز و جل شرك اس کے ترجمہ میں شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: ''زیرا کہ مشغول شدن بغیر خدا وطلب کردن آنز اشرک است''۔(شرح فتوح الغیب،ص ۲۹۲ مقالہ ۵۳)

یعنی کہ غیر خدا کے ساتھ مشغول ہونا اور اس سے مانگنا شرک ہے۔نواب احمد رضا خان صاحب نماز میں کسی کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے ایک دانہ تسبیح بڑھانے والے کے متعلق فتوی دیتے ہیں: ''یخشی علیہ امر عظیم یعنی اس پر شرک کا اندیشہ ہے''۔(احکام شریعت ص ۱۷۸ حصہ دوم)

خائن صاحب یہ فتوی امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے نقل کر رہے ہیں۔اب معترض جواب دیں کیا یہ سب بھی حروراء کے ''دارالتوحید'' کے ممبران اور مسلمانوں کو مشرک بنانے کے ٹھیکیدار اور خارجی تھے؟اور لیجئے آخر میں آپ کے مرشد گھرانے کے ایک معتبر فرد کا حوالہ نقل کر رہا ہوں جس سے طبعیت صاف ہو جائے گی پیر نصیر الدین گولڑوی صاحب اپنے ہم مسلک مولانا اشرف سیالوی صاحب کو چیلنج دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''لمحہ فکریہ: کیاسیالوی صاحب اس وقت پاکستان بھر میں موجود سنی بریلوی کہلانے والے تمام لوگوں اور بالخصوص عوام کی گارنٹی دے سکتے ہیں کہ ان کے عقائد میں جراثیم شرک نہیں؟ ہمارے نیم خواندہ مقررین وخطباء نے جوخوش اعتقادی و بے جانیازمندی کا نیاماحول پیدا کر رکھا ہے اور جس طرح سٹیج پر نفع وضرر اور قضاء وقدر کے مسائل بزرگان دین سے برملا وابستہ کئے جاتے ہیں کیا اس ماحول میں ذاتی وعطائی اور اسنادی حقیقی ومجازی کا فرق ومفہوم عوام کے ذہن میں ہے؟ تو خدارا مجھے بتائے کہ اس بدعت و شرک کی چلتی ہوئی آندھی میں اگرسختی نہ کی جائے تو کیا کیا جائے''۔

(لطمۃ الغیب،ص ۵۳،۵۴)

جہاں تک معترض بدعت کے فتووں کارونارو رہے ہیں تو میں اس باب میں زیادہ تفصیل میں جانے کے بجائے صرف ایک کتاب کا حوالہ نقل کر دیتا ہوں

''امام احمد رضااور رد بدعات ومنکرات از یاسین اختر مصباحی رضوی کتاب گھر دہلی''

یہ کہاں کا انصاف ہے کہ علمائے دیوبند کسی پر بدعت کا فتوی لگائیں تو اسے خارجیت پر محمول کر دیا جائے اور نواب احمد رضا خان بدعت کے فتوے جاری کریں تو اس پر مقالہ لکھ دیا جائے کہ دین کا بہت بڑا کام کیا ہے آپ نے۔

مولوی غلام مہر علی صاحب لکھتے ہیں کہ خارجیوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر بدعتی ہونے کا الزام لگایا کیا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بدعتی تھے؟ ہرگز نہیں (دیوبندی مذہب،ص ۵۳،ملخصا)

ہم بھی اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ بالکل حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تو کیا کوئی بھی صحابی معاذ اللہ بدعتی نہ تھے وہ تو آسمان ہدایت کے درخشاں ستارے تھے جن کی روشنی میں سنت کے متوالوں نے ''راہ سنت'' تلاش کر کے اس ''نور سنت'' سے فیضیاب ہوئے۔بھلا رشد و ہدایت کے یہ ستارے کس طرح بدعتی ہو سکتے ہیں؟ جن کا عقیدہ یہ تھا:

''لو ترکتم سنۃ نبیکم لکفرتم (ابو داود) لوگو! اگر تم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو ترک کر دیا تو قریب ہے کہ کفر میں چلے جاو۔ یہ تو وہ صحابہ ہیں جن کی مدح سرائی خود قرآن ان الفاظ میں کرتا ہے:

اولئك هم المومنون حقا

اولئك هم الفائزون

اولئك هم الراشدون

اولئك هم المتقون

اولئك هم الصادقون

اولئك حزب الله

انہیں معاذ اللہ بدعتی کہنا تو پرلے درجے کی شقاوت قلبی ہے۔مگر معترض صاحب لوگوں کو دھوکا مت دو آپ کی جماعت کے شیخ الحدیث والتفسیر فیض ملت جناب مولانا فیض احمد اویسی صاحب نے ایک کتاب لکھی:

”بدعات صحابہ“

یہ کتاب ان کے اپنے مکتبے سیرانی کتب خانہ محکم الدین سیرانی روڈ بہاولپور سے شائع ہوئی۔

مسلمانو! تم بتاؤ کیا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین معاذ اللہ بدعتی تھے؟ نواب احمد رضا خان صاحب نے جہاں کہیں بھی بدعت کا ترجمہ کیا وہاں عموما ترجمہ ”بدمذہب“ سے کیا مثلا فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۵۳ ۴، ملفوظات حصہ چہارم، ص ۲۷ ۲، ۱۷ ۲، تمہید ایمان ص ۶ وغیرھا یہاں تین حوالے اس لئے دئے کہ اس میں خاص حدیث میں آئے ہوئے بدعت کے لفظ کا ترجمہ خائن صاحب نے ”بدمذہبی“ سے کیا اب خان صاحب کے اس ترجمے کی رو سے اویسی صاحب کے رسالے کا ترجمہ بنتا ہے:

”صحابہ کی بدمذہبیاں“

معاذ اللہ عشق صحابہ رضی اللہ عنہم کا ڈھونگ رچانے والو! تمہارے چہرے سے یہ نقاب نوچ لیا گیا ہے اور ساری دنیا نے اس نقاب کے پیچھے چھپے تمہارے خارجی زدہ چہرے کو دیکھ لیا ہے۔

معترض صاحب! خارجیوں والی نشانیاں آپ کی جماعت میں پائی جاتی ہیں اور الزام ہم پر ۴۱ ہجری کو جب خارجیوں کے ایک امیر حوثرہ کو ابن عوف نے قتل کیا تو حوثرہ کے ماتھے پر سجدے کا نشان پڑا ہوا تھا۔ (الکامل فی التاریخ، ج ۳، ص ۱۱) اور آج ہر کوئی ملاحظہ کرسکتا ہے کہ ہری پگڑی والے بھائی گرم چمچوں سے اپنے ماتھے پر نشان لگا کر اس سرداری کی تقلید کر رہے ہیں۔

معترض صاحب اپنی کتاب کا انتساب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی طرف کر کے قوم کو دھوکا مت دو حالانکہ انہی عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور میں جمعہ کی اذان ثانی امام کے سامنے منبر کے پاس دلوانے کا آغاز کیا اور آپ کے امام احمد رضا خان صاحب ساری زندگی اس فعل کو بدعت کہتے رہے۔ آپ کے پیر بھائی اور مرشد گھرانے کے چشم و چراغ پیر نصیر الدین گولڑوی صاحب انہی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قبیلہ کے متعلق لکھتے ہیں:

> ”حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا اس حال میں کہ آپ تین قبیلوں کو ناپسند فرماتے تھے وہ تین قبیلے یہ ہیں بنی ثقیف، بنی حنیفہ، بنی امیہ“۔

(نام و نسب، ص ۶۰)

اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تعلق بنو امیہ سے تھا تو بتائیے اس روایت کی زد میں کون آیا؟ حالانکہ علامہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی صحت سے انکار کیا ہے (مستدرک حاکم ج ۴، ص ۷ ۸ ۴ کتاب الفتن والملاحم)

یہی پیر گولڑوی صاحب لکھتے ہیں:

> ”بدعات کا سلسلہ اگرچہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور امارت میں شروع ہوگیا تھا۔ الخ

(نام و نسب، ص ۵۱۹)

معترض صاحب حقیقت یہ ہے کہ آپ ہی وہ خارجی ہیں جو اُس زمانہ میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بدعتی ہونے کا الزام لگاتے اور اس زمانے میں بھی لگا رہے ہو معاذ اللہ۔

علامہ محمد اظہر محمود اظہری بریلوی مذہب کے خارجی ہونے کا انکشاف یوں کرتے ہیں:

''بعض اہل سنت کہلانے والے علماء ومشائخ اور پروفیسر دانستہ یانادانستہ رافضیت وخارجیت کے ملغوبہ کو اہل سنت کا نام دینے کی سعی نامشکور کررہے ہیں۔اپنے وجدان،ذوق اورحب آوارہ کو اہل سنت کی اجتماعی سوچ قرار دے کر عوام میں پذیرائی حاصل کررہے ہیں''۔(ضرب حیدری،ص۸۰)

اسی طرح محمد یونس شاہ کاظمی بریلوی لکھتے ہیں:

بریلوی مکتبہ فکر میں ایسے لوگ پیدا ہوگئے کہ پہلے تردید روافض کے ضمن میں اپنے بزرگوں کی کتابوں سے مستفید ہوا کرتے تھے مگر پھر انہوں نے اپنے موقف میں مزید زور پیدا کرنے کیلئے عباسی وغیرہ خارجیوں کی کتابوں کا مطالعہ شروع کردیا جسکے نتیجہ میں کوا ہنس کی چال چلنے کے شوق میں اپنی چال بھی بھول گیا۔حق تو یہ تھا کہ یہ لوگ خارجیوں کی پیش کردہ ان عبارات کی حقیقت تلاش کرتے جو انہوں نے خانوادہ رسول علیہ الصلوات والسلام کی توہین واہانت کرنے کیلئے جمع کررکھی تھیں الٹا انہیں مبنی برصداقت سمجھ بیٹھے''۔(نسب رسول،ج۱،ص۴۰،کاظمی پبلیکیشنز)

مزید موصوف لکھتے ہیں:

''خارجیوں کے عقائد اپنانے والے سنی نما خارجیوں تک پہنچانا چاہتے ہیں''۔

(نسب رسول،ج۱،ص۹۹)

اس کے علاوہ موصوف نے اپنی اس کتاب میں بریلوی پیر نصیر الدین گولڑوی ص۹۱،۹۲ بریلوی شیخ الحدیث غلام رسول سعیدی، ص۲۲۶،۲۶۰،۲۶۲،کو خارجیوں اور یزیدیوں کا نمائندہ کہا ہے۔اس کتاب کے مصنف کے بارے میں صائم چشتی لکھتے ہیں:

''حضرت علامہ صاحبزادہ پیر سید محمد یونس شاہ کاظمی صاحب مدظلہ العالی میرے تعارف کے ہرگز محتاج نہیں کیونکہ آپ ملک کی جانی پہچانی شخصیت ہیں،آپ آستانہ عالیہ قادریہ محمد نگر شریف کڑیانوالہ کے سجادہ نشین بھی ہیں اور شہنشاہ بغداد حضور غوث الثقلین حضرت جناب نقیب الاشرف سید یوسف شاہ گیلانی دامت برکاتہم العالیہ کے خلیفہ مجاز بھی''۔(نسب رسول،ج۱،ص۷)

صائم چشتی کی تعریف وتوصیف آگے بریلوی اکابر کے قلم سے آرہی ہے۔

پھر حضرت کی علمیت کا اندازہ لگائیں کہ خارجیوں کی تاریخ بتانے کیلئے کسی پروفیسر حمید الدین کی بی اے تاریخ اسلام کا حوالہ دے رہے ہیں کیوں جناب بزعم خویش

''مناظر اسلام،شہرہ آفاق خطیب،عربی کے رواں قلم ادیب،اور اردو میں عقائد حقہ کی بے باک نقیب نامور مدرس اور معروف جہاں مناظر''(دیوبندی مذہب،ص۸)

آپ کو:

''البدایه والنهایه،تاریخ طبری،الکامل فی التاریخ،الفرق بین الفرق،الاباضیه فی کتب التاریخ،فتوح البلدان،انساب الاشراف،مجموعة الوثائق السیاسیه،اخبار الطوال،تاریخ الاسلام للذهبی ﷫،تاریخ الخلفاء،الملل والنحل،تاریخ الامم والملوك،معجم البلدان،تاریخ دولة العلمیه العثمانیه،تاریخ ابن خلدون،تاریخ ابن خلکان،تاریخ خلیفه بن خیاط،تاریخ دمشق،وغیرہا میں کچھ نہ ملا؟ جو کسی پروفیسر کی بی اے کلاس میں داخلہ لینا پڑا؟

بہر حال علمائے دیوبند کو معاذ اللہ خارجی کہنا انتہائی حد تک شر انگیزی ہے عقائد کی جو کتب داخل نصاب ہیں اور ان میں جہاں خارجیت کا رد ہے وہاں علمائے دیوبند نے بھرپور طریقے سے خارجیوں کا رد کیا ہے۔اسی طرح ان کے درس میں جا کر بیٹھ جاؤ یا ان کی شروحات و کتب پڑھ لو ان میں خارجی عقائد کو اہلسنت کے مقابل ذکر کر کے رد ملے گا۔راقم الحروف جب دارالعلوم کراچی میں زیر تعلیم تھا تو حضرت استاجی مولانا محمود اشرف عثمانی صاحب زید مجدہ خارجیوں کا ایسا مدلل رد کرتے کہ اس کا عشر عشیر بھی آپ کو نصیب نہ ہوا ہوگا۔باہر تو چلو آپ کہہ سکتے ہیں کہ عوام کے ڈر سے خارجیت کا رد کیا حالانکہ خارجیوں کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والا ادنی طالب علم بھی جانتا ہے کہ خارجیوں نے کبھی بھی اپنے عقائد کی تبلیغ وتشہیر میں کسی خوف کو آڑ نہیں بننے دیا خون خواری قتل و غارت گری تو ان کا شیوہ رہا ہے ان کی مٹھی بھر جماعتوں نے بھی مضبوط سے مضبوط حکومت کی ناک میں دم کیا ہوا تھا۔پھر جماعت رضاخانیہ جیسی شر ذمۃ قلیلۃ کا کسی کو کیا خوف؟ مگر چلو ایک منٹ کیلئے مان لیتے ہیں مگر دارالعلوم کراچی کے دارالحدیث میں تو کسی کا خوف نہ تھا جہاں چار سو طلباء استاذ کے ایک اشارے پر جان لٹانے کو تیار بیٹھے ہوں تو یہ کیسے تسلیم کرلیا جائے کہ معاذ اللہ علمائے دیوبند اگر خارجی ہوں تو اس بہترین ماحول میں خارجیت کی تبلیغ کرنے کے بجائے اس کا رد کرتے۔

مولانا اشرف سیالوی صاحب لکھتے ہیں:

''وہ تو مولانا اشرف تھانوی صاحب کی گستاخی پر رد کر رہے ہیں وہ خود کیسے گستاخی کر سکتے ہیں؟''۔(مناظرہ جھنگ،ص ۱۴۸)

پس یہی اصول ہم آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں جب ہم خود سرا و اعلانیا خارجیت کا رد کر رہے ہیں تو خود کیسے خارجی ہو سکتے ہیں؟ خوارج کے ایک فرقے ''ازارقہ'' کے مندرجہ ذیل عقائد تھے:

''نافع سے الگ ہونے والوں کے ہاں نکاح کرنا ان کا ذبیحہ کھانا حرام ان کی شہادت قبول نہیں ان سے علم دین حاصل کرنا ناجائز ان کے بچوں کو قتل کرنا جائز یہ کفار عرب کی طرح فی الحقیقت کافر ہیں''۔(الکامل لابن الاثیر،ج ۳،ص ۲۵۵)

نجدہ خارجیوں کے عقائد تھے کہ:

''شراب نوشی میں حد کی سزا نہیں دی جاسکتی عورت پر نظر ڈالنے والا مشرک ہے''۔

(الفرق بین الفرق،ص ۵۳)

خارجیوں کا سب سے بڑا بنیادی عقیدہ اپنے مخالفین کی علی العموم تکفیر کرنا تھا اسی طرح براۃ القعدہ،محنۃ تکفیر،استعراض ان کے عقائد کا بنیادی حصہ تھے۔اب جواب دیں ان میں سے کس عقیدے کو اہل سنت دیوبند نے اپنایا؟ البتہ اگر ہم سے پوچھو تو ہم بتا سکتے ہیں کہ اہل بدعت رضاخانیوں نے اپنے مخالفین پر اسی قسم کے فتوے لگائے جس طرح خارجی لگاتے۔پھر تاریخ میں خارجیوں کے مندرجہ ذیل فرقوں کا ذکر ملتا ہے:

''(۱)ازارقہ (۲) صفریہ(۳)اباضیہ(۴) البیہسیہ (۵) العوفیہ(۶) العجاردہ(۷) الحازمیہ(۸) میمونیہ(۹) الخلفیہ (۱۰)الحمرایہ (۱۱)الصلتیہ (۱۲)الاطرافیہ(۱۳)الثعالبہ(۱۴)المعبدیہ

اب جواب دیں کس قدیم وجدید مورخ نے ''الدیوبندیہ'' کا شمار بھی خارجی فرقے میں کیا؟ خارجی آیت تحکیم سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی تکفیر کرتے ہیں جبکہ علمائے اہل سنت نے ''سپاہ صحابہ'' کے نام سے دفاع صحابہ کی ایک تاریخ رقم کر دی ہے۔خارجی حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ برحق تسلیم نہیں کرتے مگر علمائے دیوبند نے پاکستان میں ''حق چار یار'' کا نعرہ متعارف کروایا آج اس نعرے

کے مخالفین آپ ہی کے گھر سے نکل رہے ہیں۔ دیکھئے آپ کے مولوی کس طرح اس کا اقرار کر رہے ہیں:

''مولانا قاضی مظہر حسین چکوالی نے حق چار یار کے نعرے کا پرچار کیا اور نعرہ خلافت حق چار یار کی ترویج و اشاعت میں بہت کردار ادا کیا اور قاضی صاحب مکتبہ فکر دیوبند سے تعلق رکھتے تھے وہ خود لکھتے ہیں ہم خلافت راشدہ اور حق چار یار کا ڈنکا بجا رہے ہیں اور حق تعالی کی نصرت سے حق چار یار کے اعلان حق کی گونج نہ صرف پاکستان بلکہ بیرون ملک میں بھی پھیل رہی ہے (موعودہ خلافت راشدہ ص۶)۔''

(روئیداد مناظرہ مابین حضور مفکرِ اسلام امام اہلسنت پیر سید عبد القادر جیلانی اور مولوی عابد جلالی، ص۸،۷)

اس سب کے باوجود معاذ اللہ علمائے دیوبند کو خارجی کہنا علم و دیانت کا جنازہ نہیں تو اور کیا ہے؟ مگر جن مولویوں کو شاہ ولی اللہ و شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کو وہابی کہتے ہوئے حیاء نہ آئے جن کا قلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بدعتی کہتے ہوئے نہ ٹوٹے تو وہ آج ہمیں خارجی کہہ دے تو کونسی بڑی بات ہوگئی؟

جو لوگ نعرہ رسالت کے جواب میں ''محمد رسول اللہ'' کہنے کا صرف اس لئے انکار کردیں کہ یہ دیوبندی کہتے ہیں (روئیداد مناظرہ ص۸) تو ان کیلئے کونسا مشکل ہے کہ اہل سنت دیوبند کے بغض میں وہ ان کو بدنام کرنے کیلئے خارجی کہتے پھریں۔

کیا عبد اللہ بن سبا موحد تھا؟

مولوی غلام مہر علی بریلوی نے ایک اور عجیب بات لکھی:

''خارجی مذہب کے پلید کاروبار یعنی مسلمانوں کو بدعتی اور مشرک کہنے کی بنیاد حضرت امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانہ میں نام نہاد موحد عبد اللہ بن سبا نے رکھی تھی سبائی مولویوں نے امیر المومنین پر بدعتی ہونے کا فتوی لگا کر آپ کو شہید کرادیا''۔

(دیوبندی مذہب، ص۵۳)

اسی طرح ص۱۷ پر لکھتا ہے: ''خارجی مذہب عبد اللہ ابن سبا یہودی نے تجویز کیا''

پہلی گزارش تو یہ ہے کہ عبد اللہ ابن سبا یہودی رافضی کو ''خارجی'' کہنا ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ اس لئے کہ خوارج کا خروج تو واقعہ تحکیم کے وقت ہوا جب اشعث بن قیس تحکیم کے متن کو سنانے بنو تمیم کے گروہ پر پہنچا تو سب سے پہلے عروہ بن ادیہ نے غصہ میں آکر کہا: ''تحکمون فی امر اللہ الرجال؟ لاحکم الا للہ''۔

(الکامل، ج۳، ص۲۷۶، تاریخ یعقوبی، ج۲، ص۱۹۰، الکامل للمبرد، ص۵۷۸)

اس کے بعد حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کے لشکر کا ایک بڑا گروہ ان سے الگ ہو کر مقام حروراء چلا گیا جن کی تعداد لگ بھگ بارہ ہزار تھی۔ ابتدائی طور پر انہوں نے شیث ابن ربعی تمیمی کو جنگ کا امیر اور عبد اللہ ابن الکوا کو نماز کا امام بنایا۔ اس کا تعلق قبیلہ بکر بن وائل سے تھا اور یہی خوارج کا پہلا امیر تھا ۸۰ ہجری میں مرا جبکہ شیث بن ربعی کا تعلق بنو تمیم سے تھا جو کہ صدیقی دور خلافت میں نبوت کی جھوٹی دعویدار سجاح تمیمیہ کا موذن رہ چکا تھا۔

جبکہ عبد اللہ بن سبا وہ یہودی تھا جس نے مدینہ آکر تقیہ کا لبادہ اوڑھ کر سب سے پہلے رافضی عقائد کا پرچار کیا۔ خارجیوں اور عبد اللہ بن سبا

کے عقائد میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔مولوی صاحب کا تاریخی مطالعہ چونکہ بی اے سے آگے نہیں اس لئے ہم ان ہی کے ہم مسلک جناب احمد رضا مکیش کی اردو کی تاریخ اسلام کا حوالہ نقل کر دیتے ہیں:

''سبایہ عبداللہ بن سبا کے پیروکار کہلاتے ہیں جس نے حضرت علیؓ سے کہا تھا کہ آپ آپ ہی یعنی آپ ہی خدا ہیں حضرت علیؓ نے اس کو مدینے کی طرف جلاوطن کر دیا تھا کہتے ہیں کہ یہ یہودی تھا اور اپنی یہودیت کے زمانے میں یوشع بن نون کو موسیٰ علیہ السلام کا وصی کہا کرتا تھا۔جیسا کہ وہ حضرت علیؓ کے بارے میں کہتا تھا کہ وہ آنحضرت ﷺ کے وصی ہیں۔یہ سب سے پہلا شخص ہے جس نے اس عقیدے کا اظہار کیا کہ حضرت علیؓ کی امامت کا قائل ہونا فرض ہے''۔

(منہاج السنۃ ج ا ص ۷، الملل والنحل)

(جبکہ خارجی حضرت علیؓ کو کھلم کھلا کافر کہتے معاذ اللہ ابن سبا نے سب سے پہلے یہ عقیدہ پیش کیا کہ حضرت علیؓ شیخین سے افضل ہیں معاذ اللہ لسان المیزان، ج ۳ ص ۲۹۰۔ساجد)۔

ابن سبا حضرت علیؓ کو وصی رسول اللہ سمجھتے تھے اور پہلے کے تینوں خلفائے راشدین کو منصب خلافت کے غاصب خیال کرنے لگے اس فرقہ کے لوگ معاویہؓ اور بنوامیہ کے ساتھ پہلے تین خلفاء پر بھی تبرا کرنا کارثواب سمجھنے لگے یہ لوگ شیعان علی کہلائے اور بعد میں شیعہ مذہب کے پیرو مشہور ہوئیے۔

خوارج یا خارجی جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور ان کے پیرؤوں اور ساتھیوں کو مرتد اور واجب القتل خیال کرتے تھے اور شخصی خلافت کے بجائے جمہوری شورائی حکومت قائم کرنا اور از روئے دین لازم سمجھنے لگے تھے۔انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کیلئے شورش، فساد، بغاوت اور قتل کے حربے اختیار کئے اس لئے عامۃ المسلمین کی نگاہوں سے جلد ہی گر گئے''۔

(تاریخ اسلام، ج ۲۔ص ۳۶۶)

غرض سبائی اور رافضی دو الگ الگ تحریکیں تھیں۔احمد رضا مکیش نے یہ تسلیم کیا کہ عوام میں خارجیوں کو اتنی پذیرائی نہ مل سکی یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ معاذ اللہ علمائے دیوبند خارجی نہیں ورنہ عوام میں کبھی انہیں اتنی مقبولیت نہ ملتی۔آج مدارس، خانقاہیں، مساجد، تصنیف وتالیف سب سے زیادہ اسی جماعت حقہ کی ہیں۔خود علمائے بریلوی علمائے دیوبند کی شایع کردہ کتب اپنے مدارس میں پڑھانے پر مجبور ہیں فتاوی رضویہ اٹھا کر دیکھ لو حاشیہ پر جگہ جگہ علمائے دیوبند کی چھاپی ہوئی کتب کے حوالہ جات ملیں گے۔پاکستان کے دو صوبوں پر دیوبندی حکومت کر چکے ہیں۔پاکستان میں کوئی دینی تحریک علمائے دیوبند کی حمایت کے بغیر کامیاب نہیں ہوسکتی یہ سب عوامی پذیرائی کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

پھر عبداللہ بن سبا جیسے مشرک جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خدائی کا عقیدہ رکھتا ہو اسے معاذ اللہ ''موحد'' کہنا بھی عجیب منطق ہے کیا اہل بدعت کے ہاں جو جتنا بڑا مشرک ہو وہ اتنا ہی بڑا موحد ہوتا ہے؟ اگر مخلوق کیلئے خدائی کا دعوی کرنے والا بھی موحد ہوسکتا ہے تو شرک آخر کس بلا کا نام ہے؟ پھر نہ معلوم کہ مولوی صاحب کو ''موحد'' کے لفظ سے ایسی کیا چڑ ہے کہ بار بار اسے خارجیت کہہ رہے ہیں حالانکہ نواب احمد رضا خان صاحب بریلوی نے الامن والعلی میں نبی اکرم ﷺ کو:

''رأس الموحدین نبی ﷺ سردار موحدین ہیں''۔(الامن والعلی ص ۲۴۲)

لکھا۔اب صغری کبری ملائیں حضور ﷺ موحد اور موحد ہونا خارجیت تو نتیجہ العیاذ باللہ کیا نکلے گا؟

پھر یہ کہہ کر شور مچانا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو ''بدعتی'' کہہ کر شہید کر دیا گیا یہ بھی تاریخ کو مسخ کرنا ہے اس لئے کہ بلوائیوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی مقدس ذات پر دیگر بھی کئی گھٹیا الزامات لگائے تھے مثلاً آپ پر اقربا پروری، بیت المال کو ذاتی مال سمجھنا وغیرہ۔اسی طرح آپ کی شہادت کی بنیادی وجہ وہ خط بنا جو آپ رضی اللہ عنہ کے غلام سے برآمد ہوا جس میں حاکم مصر محمد بن ابوبکر کی معزولی اور قتل کا العیاذ باللہ فرمان تھا۔اسی خط نے باغیوں کو اس قدر مشتعل کر دیا کہ انہوں نے اول مدینہ اور پھر آپ کے گھر کا محاصرہ کر کے آپ رضی اللہ عنہ کو انجام کار شہید کر دیا۔اناللہ وانا الیہ راجعون۔

خارجی اپنے لئے کونسا نام پسند کرتے؟

مولوی مذکور نے یہ بھی لکھا:

''خارجیوں نے اپنے لئے اہل التوحید کے لفظ کو مخصوص کیا''۔(دیوبندی مذہب ص ۵۳)

جس سے مولوی صاحب کا مقصد توحید کے لفظ سے عوام کو برگشتہ کرنا ہے حالانکہ فقیر کے مطالعہ کی حد تک خوارج نے اپنے لئے ''الشراۃ'' کا لفظ پسند کیا یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنی جانوں کو اطاعت الٰہی یا حصول جنت کیلئے اللہ کی راہ میں بیچ ڈالا۔بالفرض اہل توحید ہی رکھا ہوتو اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ اب جو موحد ہوگا وہ خارجی ہوگا جیسے تم بدعتیوں نے اپنا نام سنی رکھا ہوا ہے اور اس سے اصل سنیوں کا بدعتی ہونا لازم نہیں آتا۔مرزائی اپنی جماعت کو جماعت احمدیہ اور خود کو احمدی کہتے ہیں اور آپ کے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں:

''مسجد زاہد احمدی پر درود''۔

(حدائق بخشش،حصہ دوم،ص ۳۶)

تو کیا اس سے واقعی مرزائی احمدی ہوگیے؟اور کیا نواب احمد رضا خان صاحب مرزائی احمدی زاہد و مسجد پر سلام بھیج رہے ہیں؟وہ بھی لاکھوں کی تعداد میں۔بہرحال گفتگو کافی طویل ہوگئی میں اس شعر پر اس بحث کو یہیں ختم کرتا ہوں:

ستم گر اگر تجھ سے امید کرم ہوگی جنہیں ہوگی
ہمیں تو دیکھنا ہے کہ تو ظالم کہاں تک ہے

آج سے کافی عرصہ پہلے خوارج کے متعلق چند احادیث اہل بدعت نے تبلیغی جماعت پر چسپاں کرنے کی کوشش کی جس کا جواب راقم الحروف نے دیا تھا افادہ عام کیلئے اب اسے کتاب میں بھی شامل کیا جارہا ہے۔

خوارج کے متعلق احادیث تبلیغی جماعت پر چسپاں کرنے کا منہ توڑ جواب

بشکریہ مولانا ساجد خان صاحب نقشبندی

ناقل محمد سعد حنفی، رضاخانی اعتراضات کے جوابات گروپ

ان تینوں احادیث میں کہیں بھی نہ تو تبلیغی جماعت کا ذکر ہے اور نہ ہی اشارہ بلکہ صاف طور پر جس جماعت اور گروہ کا ذکر تھا رضاخانیوں نے خداخوفی سے بے پرواہ ہو کر محض تعصب میں اس جماعت کا نام نہیں لیا اور تحریف کا ثبوت دیتے ہوئے اسے زبردستی تبلیغی جماعت پر چسپاں کر دیا احادیث کے مکمل حوالے اور عربی عبارات بھی اسی لئے نہیں دئے گئے کہ کوئی اصل حوالوں کی طرف مراجعت نہ کر لے اور یوں ہمارا دجل وفریب ساری دنیا پر آشکارا نہ ہو جائے جن کے مجدد صاحب مکہ ومدینہ میں جھوٹ بولنے سے نہ شرمائے وہ اگر پاکستان میں بیٹھ کر نبی کریم ﷺ کی احادیث پر جھوٹ بولنے لگ جائیں تو کیا بعید ہے۔

رضاخانیوں سے میرا سوال یہ ہے کہ

ان احادیث میں جس گروہ کا ذکر ہے وہ گروہ بریلوی رضاخانی ہے۔پس جس اصول اور جن دلائل سے تم لوگ اپنے آپ کو اس حدیث سے مستثنیٰ کرو گے ان شاء اللہ انہی دلائل سے ہم تبلیغی جماعت کو مستثنیٰ کر دیں گے

ما کان جوابکم فھو جوابنا

دوسری بات:

اس رضاخانی نے پہلی حدیث جو بخاری جلد دوم سے دی اس پر باب ہی یہی ہے کہ:

باب قتال (قتل) الخوارج۔۔۔

رضاخانیوں کو شرم نہیں آتی کہ وہ خوارج کے متعلق احادیث کو تبلیغی جماعت پر چسپاں کرتے ہیں ہم اگر شرک کے رد میں قرآنی آیات پیش کریں تو یہ لوگ چیخنے لگ جاتے ہیں کہ کافروں کے بارے میں نازل شدہ آیاتیں ہم پر چسپاں نہ کرو اور خود یہ دجل وفریب۔اگر رضاخانیوں میں ذرا بھی غیرت ایمانی ہے تو کسی مسلم بین الفریقین شارح حدیث سے ثابت کر دیں کہ اس جماعت سے خوارج نہیں بلکہ مستقبل میں تبلیغی جماعت مراد ہے۔۔۔

باقی اس حدیث کا مطلب تفصیل سے محسن بھائی لکھ چکے ہیں اس لئے مزید وضاحت کی ضرورت نہیں البتہ ایک بات جس سے رضاخانی کو بطور شرارت بعض لوگوں کو اپنی جہالت کی وجہ سے مغالطہ ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ یہ جماعت آخری زمانے میں نکلے گی تو وہ زمانہ کونسا ہے؟ تو خود بخاری کے حاشئے میں اس کا جواب علامہ کرمانی نے دے دیا ہے کہ اس آخری زمانے سے مراد خلافت راشدہ کا آخری زمانہ ہے یعنی حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے دور میں یہ گروہ پورے آب وتاب کے ساتھ نکلے گا اور ایسا ہی ہوا ملاحظہ ہو حاشیہ بخاری باب قتل الخوارج ص ۱۰۲۴ غرض اس سے قیامت کا آخری زمانہ نہیں بلکہ خلافت راشدہ کا آخری زمانہ ہے۔

تیسری بات:

یادرہے کہ یہ حدیث بخاری کے باب من رایا (اثم من رای) بقرأۃ القرآن او تاکل بہ او فجر بہ (فخر بہ) حدیث نمبر ۵۰۵۷ پر بھی ہے ۔اس صورت میں یہ حدیث کسی خاص جماعت کے ساتھ متعلق نہیں ہوگی بلکہ ہر وہ شخص جو ریاکاری کیلئے یا محض پیٹ کیلئے قرآن پڑھتا پڑھاتا ہے وہ اس حدیث کا مصداق ہوگا۔جیسا کہ ملاعلی قاری حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وھی ان القراۃ اذا کانت لغیر اللہ ھی للریاء او تاکل بہ او نحو ذالك

(عمدۃ القاری،ج ۱۳،ص ۵۹۴)

اور کون نہیں جانتا کہ آج رضاخانیوں نے قرآن کو پیٹ پوجا کا ذریعہ بنایا ہوا ہے تیجے کے نام پر چالیسویں کے نام پر برسی کے نام پر فلاں ختم تو فلاں ختم کے نام پر لوگوں کی جیبیں ٹٹولتے ہیں قرآن کے ذریعہ کھاتے تو ہیں مگر اس کے احکام سے بغاوت کرتے ہیں ۔اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ شارحین حدیث نے باب کی اسی حدیث کی شرح میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے واقعہ کا ذکر کیا کہ انھوں نے تو ایک جگہ قرآن سے دم کیا اور مال لیا تو کیا وہ بھی اس حدیث کا مصداق ہیں تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ انھوں نے قرآن پڑھنے پر مال نہیں لیا بلکہ دم وغیرہ کرنے پر لیا۔(ملاحظہ ہو عمدۃ القاری) پس اگر یہ حدیث تبلیغی جماعت کے ساتھ خاص ہوتی تو اس واقعہ کو ہرگز ذکر نہ کیا جاتا اور نہ اس کا جواب دیا جاتا بلکہ صاف کہہ دیا جاتا کہ اس حدیث کا مصداق اس دور کا کوئی بھی شخص یا گروہ نہیں بلکہ مستقبل میں آنے والی ایک تبلیغی جماعت ہے۔

چوتھی بات:

علامہ عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ:

من کان یدعو الی بدعۃ قوتل حتی یوتی علیہ او یرجع الی اللہ و ان لم یدع یصنع ما صنع عمر رضی اللہ تعالی و یسجن و یکرر علیہ الضرب حتی یموت

(عمدۃ القاری،ج ۱۳،ص ۵۹۴،دارالحدیث ملتان)

جو شخص بدعت کی طرف بلائے اس سے قتال کیا جائے یہاں تک کہ اس کو قابو کرلو یا وہ شخص توبہ کرلے اگر باز نہ آئے تو اس کے ساتھ وہی کیا جائے جو حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے بدعتی کے ساتھ کیا کہ اس کو جیل خانے میں قید کرکے مسلسل مارا جائے یہاں تک کہ مرجائے۔

لیجئے رضاخانی تو یہ حدیث ہمارے خلاف استعمال کرتے لیکن ہم نے حوالہ دے دیا کہ اس سے مراد بدعتی یعنی رضاخانی ہیں آج ساری دنیا جانتی ہے کہ بریلوی بدعت کے سب سے بڑے ٹھیکے دار ہیں۔

مشکوۃ شریف کی حدیث میں بدترین خیانت

رضاخانی نے اپنے استدلال میں جو دوسری حدیث مشکوۃ پیش کی ہے اس میں اس قدر کھلی تحریف کی ہے کہ شیطان بھی شرما جائے آپ پوری حدیث ملاحظہ فرمائیں:

عن شریك شھاب قال کنت اتمنی ان القی رجلا من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسالہ

عن الخوارج فلقيت ابا هريرة في يوم عيد في نفر من اصحابه فقلت له هل سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يذكر الخوارج...

شریک بن شہاب فرماتے ہیں کہ مجھے بڑی خواہش تھی کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کسی سے ملاقات کروں اور ان سے ''خواج'' کے متعلق پوچھوں ...الخ

قارئین کرام غور فرمائیں حدیث میں صاف طور پر ''خوارج'' کا لفظ تھا مگر رضاخانیوں نے اس عبارت کو بالکل ہضم کر دیا تف ہے ایسی دیانت پر کیا یہی عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔؟ کیا تمھیں نبی کی احادیث میں تحریف کرتے ہوئے ذرا حیاء نہیں آتی؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ جس نے مجھ پر جان بوجھ کر جھوٹ بولا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

حدیث کی عبارت ہی اس پر دال ہے کہ یہ حدیث خوارج کے لئے ہے اور خوارج کون تھے اس کے متعلق سعد بھائی تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ رہا حدیث میں آخری زمانے میں یہ گروہ نکلے گا تو اس کے متعلق بھی واضح کیا جا چکا ہے کہ اس آخری زمانے سے مراد خلافت راشدہ کا آخری زمانہ ہے۔

باقی رہا گنجا ہونا تو اس کے متعلق سعد بھائی فتاوی شامی کے حوالے سے لکھ چکے ہیں کہ گنجا ہونا سنت میں سے ہے نیز اسی مشکوۃ کے حاشیہ پر اشعۃ اللمعات کے حوالے سے لکھا ہے کہ

ليس ذالك لذم الحلق فانه من شعائر الله ونسكه سمة عباد الصالحين و قد كان امير المومنين على رضى الله تعالى عنه يحلق و يداوم على هذا (مشکوۃ ص ۳۰۸)

یہاں ان کی نشانی گنجا ہونا بطور ذم کے نہیں اس لئے کہ حلق (گنج) کروانا تو شعائر اللہ میں سے ہے اور اللہ کے نیک بندوں کی نشانیوں میں سے ہے اور تحقیق امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہمیشہ حلق کروایا کرتے تھے۔

غور فرمائیں حلق شعائر اللہ میں سے اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی سنت میں سے ہے اگر گنجا ہونا خارجی ہونے کی علامت ہے تو بریلویوں کا یہ فتوی حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ پر بھی لگتا ہے گویا معاذ اللہ وہ بھی خارجی ہوئے اور خارجی حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے دشمن تھے لہٰذا اس حدیث سے حلق کی مذمت بیان کر کے گویا رضاخانیوں نے معاذ اللہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی مذمت کی ہے اب خود فیصلہ فرمالیں کہ خارجی کون ہے۔؟

مرقات شرح مشکوۃ میں ملا علی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ سيماهم التحليق کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جس طرح آدمی کا سر جب گنجا ہوتا ہے تو بالوں سے بالکل صاف ہو جاتا ہے اسی طرح خارجیوں کا باطن بھی ایمان سے بالکل صاف تھا۔

غرض کسی نے بھی اس لفظ کو اپنے ظاہر پر محمول نہیں کیا بلکہ ہر شارح نے اس کی کوئی نہ کوئی تاویل کی نیز یہ رضاخانی ملاں بتائے کہ سیماھم التحلیق میں ''خاص نشانی...الخ''، میں ''خاص'' کس لفظ کا ترجمہ ہے۔؟

خوارج کے متعلق دارالعلوم دیوبند کا فتوی

اب ہم آخر میں خوارج کے متعلق علمائے اہل سنت دیوبند کے علمی مرکز دارالعلوم دیوبند کا فتوی پیش کر رہے ہیں جس سے ہر آدمی بآسانی

اندازہ لگاسکتا ہے کہ خوارج کے متعلق ہمارا مسلکی نظریہ کیا ہے؟

سوال#58015

آج کل فیس بک، انٹرنیٹ پر زید حامد نظامی شخص خوب اس بات کو پھیلا رہے ہیں کہ خوارج لوگ سر منڈے ہوں گے، شلوار ٹخنوں سے اوپر باندھیں گے اور مشرق سے نکلیں گے وغیرہ وغیرہ، یعنی زیادہ تر دوسرے لفظ میں یہ شو (ظاہر) ہو رہا ہے کہ خوارج جیسے دیوبندی ہوں۔ خوارج کے بارے میں اور زید حامد کے بارے میں بتائیں اور ان کے لیے جو بھی احادیث ہوں وہ بھی؟

Published on: 28 Mar, 2015

جواب#58015

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضراتِ اکابر علمائے دیوبند اور ان کے متبعین حقیقی اہل سنت والجماعت ہیں اور فرقۂ خوارج کا اہل سنت والجماعت میں شامل نہ ہونا بالکل ظاہر ہے جو شخص دیوبندی حضرات کو خوارج سمجھتا یا قرار دیتا ہے وہ شخص خوارج کے عقائد نیز حدیث وسیر سے ناواقف ہے، یا پھر جان بوجھ کر دجل وتلبیس اور مکروفریب سے کام لیتا ہے، کبھی کبھی سر منڈانا اور ٹخنوں سے اوپر ازار مبارک رکھنا تو خود حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور جاں نثار صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے، کیا زید حامد نظامی ان سب حضرات کو نعوذ باللہ خوارج میں سے سمجھتا ہے، اللہ پاک اس کو اور اس کے اعوان وانصار کو ہدایت نصیب فرمائے۔ آمین

واللہ تعالیٰ اعلم

دارالافتاء،

دارالعلوم دیوبند

رضا خانیت اور توہین اہل بیت

(۱) حضرت فاطمۃ الزہرآء رضی اللہ تعالی عنہا کی شان میں گستاخی نعوذ باللہ

قارئین کرام! عورت کے کئی درجے ہیں عورت کبھی ماں ہوتی ہے کبھی بہن کبھی بیوی عورت کا لفظ سب پر یکساں استعمال ہوتا ہے تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ اس اطلاق میں اور نظر نظر میں فرق ہے انسان جس نظر سے بیوی کو دیکھتا ہے اس نظر سے بیٹی کو نہیں کوئی غیرت منداور شریف انسان بیوی کے حسن و جمال کا تصور بیٹی میں تلاش نہیں کرتا۔حضرت حوآء حضرت آدم علیہ السلام کی نظر میں بہت حسین دکھائی گئی اور صحیح ہے کہ مرد کو اس حسن کی تلاش بیوی ہی میں کرنی چاہئے نہ کہ بیٹی میں۔اب مولانا احمد رضا خان کے خلیفہ مولوی ابوالحسنات قادری کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

''جب حق سبحانہ وتعالی نے آدم وحوآء کو بہشت میں متمکن فرمایا تو اس روز فردوس اعلی کے باغیچوں میں گلگشت فرماتے ہوئے حضرت حوآء کی طرف مخاطب ہو کر یوں کہا کہ اللہ تم سے زیادہ حسین اور رنیک دوسرا پیدا ہی نہیں فرمایا حق سبحانہ وتعالی نے روح الامین کو حکم دیا کہ جب آدم وحوآء جب فردوس کی گلگشت سے واپس آئیں تو ہمارے حبیب مکرم ﷺ کی لخت جگر سیدہ کی زیارت کراؤ''۔

(اوراق غم،ص ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

ہوسکتا ہے کہ کوئی بدعتی اس موقع پر کہے کہ یہاں نسوانی حسن نہیں بلکہ مطلق حسن کی تعریف فرمارہے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر مطلق حسن ہوتا تو روح الامین کو حضور ﷺ کا چہرہ دکھانے کا حکم ہوتا آپ ﷺ سے بڑھ کر حسین وجمیل کون ہوگا؟

آہ! وہ فاطمہ سیدہ زہرآء رضی اللہ تعالی عنہا جگر گوشہ رسول ﷺ جن کی حیاء کا یہ عالم تھا کہ وصیت کی کہ میرا جنازہ رات کو نکلے مبادا کہیں کسی غیر مرد کی نظر نہ پڑ جائے اور دوسری طرف یہ طرز عمل؟۔

(۲) حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی زندگی نامرادوں والی زندگی تھی۔معاذ اللہ

مفتی راشد نظامی بریلوی صاحب لکھتے ہیں:

''حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالی عنہا جو سب سے زیادہ مصیبت زدہ،بےکس تر اور زار و نالاں ترتھیں سیدنا امام حسن وحسین رضی اللہ تعالی عنہما کے چہروں کی طرف دیکھتی اور اپنی یتیمی اور ان فرزندوں کی نامرادی پر روتی تھیں''۔

(سیرت فاطمۃ الزہرآء،ص ۱۲۸)

(۳) امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا چہرہ خاک میں مل گیا۔معاذ اللہ

بریلوی صدرالافاضل مولانا نعیم الدین صاحب لکھتے ہیں:

''مصطفی کے لاڈلے امام حسین (رضی اللہ تعالی عنہ) مجھی پر جان دے گئے میری ہی وجہ سے ذبح کئے گئے میرے پیچھے ان کا تن نازنین (آہ) جو سید انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام کا بوسہ گاہ تھا گھوڑوں کی سموں سے روندا گیا استخوان اقدس سرمہ ہوگئیں نرگس نیم خواب

نے خاک پر بستر کیا گلاب کی پتیاں خاک میں مل گئیں''۔

(حیات صدر الافاضل،ص۱۱۸فرید بک سٹال لاہور)

تقویۃ الایمان پر اعتراض ہوتا ہے کہ مٹی میں ملنے والا ہوں یہاں امام حسین علیہ السلام کو گلاب سے تشبیہ دے کر ان کو خاک میں ملا دیا خدا تمہاری جماعت کو خاک آلود کرے۔

(۴) سیدہ زینب وسکینہ رضی اللہ عنہا دربدر ٹھوکریں کھائیں گے۔نعوذ باللہ

بریلوی مولوی جناب صاجزادہ ابوالحسن لکھتا ہے:

''سکینہ یتیم ہوجائے گی بے سہارا ہوجائے گی اور بے سہارا ہوجائے گی ہائے اباجی میرے سر پر شفقت کا ہاتھ کون پھیرے گا میں روؤں گی تو چپ کون کرائے گا مدینہ کون پہنچائے گا ہائے بابا میں روتی مرجاؤں گی ٹھوکریں کھاتی پھروں گی اباجی آپ کے بعد مجھے بیٹی کہہ کر کون پکارے گا مجھے سینے سے کون لگائے گا اور مجھے اپنی گود میں کون بٹھائے گا''۔

(خاک کربلا،ص ۲۱۳ چشتی کتب خانہ جھنگ بازار لائلپور)

یہ جہاں ایک طرف بی بی سکینہ پر تہمت ہے وہاں تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت علیہم السلام کی بدترین گستاخی ہے کیا اہل بیت اور صحابہ کرام میں کوئی ایسا نہ تھا جو بی بی کے سر پر دست شفقت پھیرتا؟ اس عبارت کی سنگینی پر خود مولانا محمد علی نقشبندی بریلوی یوں چیخا:

''یہ سب باتیں اور مکالمہ بازی افتخار الحسن صاحب کی اختراعی ہے اگر بنظر انصاف دیکھا جائے تو بہت سی گستاخیوں سے بھری پڑی ہے''۔

(میزان الکتب،ص ۶۳۸ مکتبہ نوریہ لاہور)

(۵) بی بی فاطمہ کی بدترین توہین

''میرا بچھڑا حسین بس کروکہیں قبر نہ پھٹ جائے اور مجھے کفن پھاڑ کر باہر نہ آنا پڑے گا''۔(خاک کربلا،ص ۱۳۴)

قبر میں آدمی کے جسم پر صرف کفن ہی ہوتا ہے اور بی بی رضی اللہ عنہا کی طرف اس کے پھاڑنے کی نسبت کی جارہی ہے استغفر اللہ۔

(۶) سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بغیر چادر کے۔نعوذ باللہ

''آپ بیمار عابد کے سر پر ہاتھ پھیر کر اٹھے مڑ کر دیکھا تو وہاں کوئی اور ہی منظر بنا ہوا تھا سیدہ زینب کے سر سے چادر اتری ہوئی تھی بال بکھرے ہوئے تھے''۔

(شہید ابن شہید،ص ۳۱۵ چشتی کتب خانہ جھنگ فیصل آباد از صائم چشتی)

محمد علی نقشبندی بریلوی اس پر لکھتے ہیں:

''سیدہ زینب کر سر سے چادر اتری ہوئی اوران کے بال بکھرے ہوئے تھے کیا خاندان رسالت کی عظیم شاہزادی کا یہ عمل قرآن کریم اور احادیث نبویہ کے صراحۃ خلاف نہیں ہے؟''۔

(میزان الکتب،ص ۶۳۴)

پیرزادہ اقبال فاروقی صاحب بریلوی انہی صائم چشتی بریلوی کے متعلق لکھتے ہیں:

''صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ۔۔۔صائم چشتی وقت کے ان اہل قلم وسخن کے زمرہ کے فرد ہیں جو اپنی زندگی کو ہزاروں سال تک کھینچ کر لے جاتے ہیں وہ اپنی تحریروں کی روشنیوں میں صدیوں تک زندہ رہے ہیں۔صائم چشتی کو اہل بیت سے محبت ہے اور بے پناہ محبت ہے۔۔۔ایک خارجی ابویزید محمد دین بٹ کی بدنام زمانہ کتاب رشید ابن رشید سے کبیدہ خاطر ہوکر شہید ابن شہید لکھی تو مقام حسین کے ترجمانی کا حق ادا کر دیا''۔

(مجالس علماء،ص ۱۲۳ تا ۱۲۷ مکتبہ نبویہ لاہور)

مندرجہ بالا گستاخانہ عبارت اسی شہید ابن شہید سے لی گئی ہے۔

(۷)احمد رضا خان صاحب حضرت مولا علیؓ کی شکل وصورت میں معاذ اللہ

جناب الیاس عطاری صاحب لکھتے ہیں:

''میری عمر اس وقت تیرہ برس تھی میری سوتیلی والدہ کا ذہنی توازن خراب ہوگیا تھا۔۔۔میرے والد صاحب میری والدہ کو زنجیروں میں جکڑ کر جوں توں پیلی بھیت سے بریلی شریف لائیے والدہ محترمہ مسلسل گالیاں بکے جارہی تھیں۔۔۔والدہ بدستور گرج کر بولیں بڑے آئے بہتری کرنے والے جو چاہتی ہوں وہ بہتری کردوگے؟ فرمایا ان شاءاللہ عزوجل والدہ نے کہا:

''مولا علی مشکل کشا کرم اللہ وجہہ الکریم کا دیدار کروادو''

یہ سنتے ہی اعلی حضرت نے اپنے شانہ مبارک سے چادر اتار کر اپنے چہرہ مبارک پر ڈالی اور معا (یعنی فورا) ہٹالی اب ہماری نظروں کے سامنے اعلی حضرت۔۔۔نہیں بلکہ مولا علی مشکل کشا اپنا نورانی چہرہ چمکاتے ہوئے کھڑے تھے ہماری بوڑھی والدہ نہایت سنجیدگی کے ساتھ جلووں میں گم تھیں میں نے اور والدہ محترمہ نے خوب جی بھر کر جاگتی آنکھوں سے مولا علی مشکل کشا کرم اللہ وجہہ الکریم کی زیارت کی پھر مولا علی مشکل کشانے اپنی چادر مبارک اپنے چہرے پر ڈال کر ہٹائی تو اب اعلی حضرت ہمارے سامنے متبسم کھڑے تھے''۔

(بریلوی سے مدینے سمیت ۱۲ رضوی حکایات،ص ۱۲ تا ۱۶)

(فیضان اعلی حضرت،ص ۴۲۴)

اس گستاخانہ اور جھوٹی حکایت پر عنوان لگایا گیا ہے:

''مشکل کشا کا دیدار'' معاذ اللہ

(۸)حضرت علیؓ کے دل میں دیگر صحابہؓ کیلئے کینہ وبغض تھا معاذ اللہ

مولانا منظور او جھیانوی المعروف مفتی احمد یار گجراتی نعیمی صاحب لکھتے ہیں:

''جن جنتی لوگوں کے دلوں میں جو کینہ وغیرہ تھے وہ یہاں دور کر دئے جاویں گے جیسے حضرت علی وامیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہما وغیرہ حضرات''۔

(نورالعرفان،ص ۳۱۸ سورۃ الحجرات ۴۷ نعیمی کتب خانہ لاہور)

(۹) گولڑہ کے مفتی کا اہل بیت پر زنا کا الزام معاذ اللہ

بریلوی جامع المعقول والمنقول امام المناطقہ مولانا عطا محمد چشتی گولڑہ کے مفتی کے متعلق لکھتے ہیں:

''قارئین کرام! غور فرمائیں کہ یہ نام نہاد مفتی اہل بیت رسول ﷺ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر زنا کی تہمت لگاتا ہے''۔

(سیف العطا،ص ۶۰،استاذ العلمائ اکیڈمی خوشاب)

استغفراللہ! کیا اب بھی کوئی شک باقی رہ گیا کہ دراصل یہی حضرات اہل بیت کے دشمن اور چھپے ہوئے خارجی ہیں۔

(۱۰) حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی گستاخی

مولوی شمس بریلوی لکھتا ہے:

''مسلمانوں کے مظلوم خلیفہ (حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ۔ساجد) کو یہودیوں کے قبرستان میں جگہ ملی''۔(مرقع شہادت،ص ۴۲)

(۱۱) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنے سے انکار کردیا معاذ اللہ

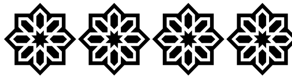
''حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور حضرت علی (کرم اللہ وجہہ) کو اپنے پاس بلایا اور ان کا دایاں ہاتھ اپنے بائیں پر رکھ کر فرمایا کہ اے علی رضی اللہ عنہ اقرار اور عہد کرو کہ کتاب اللہ وسنت رسول اللہ اور ہر دو خلفاء کے موافق معاملات خلافت سرانجام دو گے آپ نے فرمایا کہ میں یہ عہد نہیں کرسکتا''۔(مرقع شہادت،ص ۲۵)

خلاصہ کلام مولوی سید اشتیاق حسین شاہ بریلوی جیلانی لکھتا ہے:

> ''ہمارا سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ دورحاضر کے بعض (نام نہاد) علماء اہلسنت بھی اچانک خارجیت وناصبیت کی لپیٹ میں آگئے ہیں۔ان کی تقریروں اور تحریروں سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ناصبیت کے مہلک اور زہریلے اثرات آہستہ آہستہ ان کے رگ وپے میں سرایت کرتے جارہے ہیں اور عنقریب یہ لوگ بغض سادات کی کامل تصویر بن کر سامنے آنے والے ہیں''۔

(سیف القادری علی عنق الناصبی،ص ۱۴)

جب تم خود ناصبی اور گستاخان اہل بیت ہوتو دوسروں پر اس قسم کی سوقیانہ الزام تراشی کرتے ہوئے حیا نہیں آتی؟



دفاع
اہل السنۃ والجماعۃ
باب پنجم
علمائے اہل سنت پر "شیعیت" کا الزام اور اس کا جواب

مؤلف
مناظر اہل سنت
حضرت مولانا ساجد خان نقشبندی حفظہ اللہ

باہتمام
غازی اسلام حضرت مفتی ندیم صاحب محمودی حفظہ اللہ
شعبہ نشر و اشاعت
جمعیۃ اہل السنۃ والجماعۃ (پاکستان)

باب پنجم

دارالعلوم دیوبند اور ردِّ شیعیت

از: مولانا محمّد قاسمی

ہندوستان میں اکثر مسلم سلطنتیں اور مغلیہ حکومت کے سربراہان اہل السنّۃ والجماعۃ تھے، البتہ ملک میں کہیں کہیں شیعہ حکومتیں یا ریاستیں بھی قائم ہوئیں، جن میں جون پور کی شرقی سلطنت (۱۳۹۴ء تا ۱۴۷۹ء) اور فیض آباد و لکھنؤ کی اودھ حکومتیں (۱۷۲۲ء تا ۱۸۵۸ء) زیادہ نمایاں ہوئی ہیں۔ ایران کے شیعی صفوی حکومت نے ہمایوں بادشاہ کو پناہ دی اور اسے ہندوستان کی حکومت دوبارہ دلانے اور سوری بادشاہ کو شکست دینے میں بھرپور تعاون دیا۔ اس کے بعد سے شاہانِ مغلیہ کے ایران کے ساتھ اچھے مراسم رہے اور اس کی وجہ سے شیعی عناصر کا حکومت میں عمل دخل رہا۔ خصوصاً اورنگ زیب عالم گیرؒ کے انتقال کے بعد جب مغلیہ حکومت کمزور پڑنے لگی تو ان شیعی عناصر نے حکومت کی باگ دوڑ اپنے ہاتھ میں لے لی اور بادشاہ ان کے ہاتھوں کٹھ پتلی بنے رہے۔ لال قلعہ میں تعزیہ داری اور شہزادوں کا اس میں پوری دل چسپی سے حصہ لینا یہ سب کچھ شیعی اقتدار کا ثمرہ تھا۔ شیعی عناصر معتمد بادشاہوں کا تختہ پلٹنے حتیٰ کہ ان کی ایذاء و قتل کی سازشوں میں بھی شریک رہے۔ شیعوں کے دورِ عروج میں ان کے خلاف زبان کھولنا کچھ آسان نہیں تھا۔ عام مسلمانوں کا عالم یہ تھا کہ بڑے بڑے سنّی جاگیر داران شیعہ عناصر کی دار و گیر کے خوف سے اہلِ تشیع ہونے کا اعلان و اظہار کر دیا تھا۔

اس ماحول میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتنہ کا ادراک کر لیا تھا اور "اِزالۃُ الخفاء فی خلافۃِ الخُلَفاء" اور "قرۃُ العینین فی تفضیل الشیخین" کے ذریعہ اہل السنّۃ والجماعۃ کے موقف کو دلائل و براہین کے ساتھ پیش فرمایا اور دشمنانِ صحابہ پر ضرب کاری لگائی۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد آپ کے فرزند و جانشین حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے "تحفۂ اثنا عشریہ" لکھ کر روافض کے سامنے ایک ایسا چیلنج کھڑا کر دیا جس کا علمی جواب ان کے پاس نہ تھا۔ ان کوششوں کی وجہ سے ان حضرات کو شیعوں کے مظالم کا نشانہ بننا پڑا۔

ہندوستان سے شیعی اثرات کا ازالہ

دارالعلوم ایک ایسے وقت میں قائم ہوا جب کہ انگریزوں نے لکھنؤ کی شیعی حکومت کا ۱۸۵۷ء میں الحاق کر کے اس کا وجود مٹا دیا تھا، لیکن اودھ کی شیعی حکومت اور سلطنتِ مغلیہ میں ان کے گہرے اثرات کی وجہ سے ان کے مذہبی عقائد کی چھاپ پورے ہندوستان پر پڑ گئی تھی۔ پورے ہندوستان میں شیعی عقائد اور ان کے مشرکانہ رسوم اس طرح غیر شیعہ مسلمانوں کے دل و دماغ میں رچ بس گئے تھے کہ اگر ان کو صحیح طور پر کلمۂ شہادت بھی ادا کرنا نہ آتا ہو؛ مگر وہ تعزیہ داری اور اس کے ساتھ عقیدت مندی کا والہانہ جذبہ سینوں میں موجزن رکھتے تھے اور اس کو اپنے مسلمان ہونے کی سند سمجھتے تھے۔ سنی مسلمانوں کی مسجدوں میں تعزیے رکھے رہتے تھے اور ان کے محلوں میں چبوترے بنے ہوتے۔ محرّم کے مہینے میں سنّی مسلمان بڑی عقیدت سے تعزیہ اٹھاتے۔ حیرت ناک بات یہ تھی کہ شیعہ اتنے بڑے ملک میں سنّیوں کے مقابل میں مٹھی بھر تھے؛ لیکن کروڑوں اہل السنّۃ والجماعۃ مسلمانوں کے دلوں میں شیعوں نے اپنے سارے عقائد

ومراسم، جذبات وخیالات کی چھاپ ڈال دی تھی اور پورے ہندوستان کو شیعیت کے رنگ میں رنگ دیا تھا۔

ایسے نازک حالات میں جب کہ ہندوستان میں بیرونی حملوں سے مسلمانوں کے دین و ایمان کو بچانے کی کوششیں جاری تھی، دارالعلوم دیوبند کے اکابرین نے شیعیت اور سبائیت کے فتنہ سے بھی مسلمانوں کو محفوظ رکھنے کی سعیِ بلیغ کی۔حضرت شاہ ولی اللہؒ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان جانشینوں نے ناموسِ صحابہؓ کے دفاع اور مسلمانوں کے عقائد واعمال کی اصلاح میں نہایت وقیع اور گراں قدر خدمات انجام دیں۔حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی "ہدیۃ الشیعہ" اور "اَجوِبہ اربعین" جس میں اس فرقہ کے ذریعہ اٹھائے گئے سوالوں کا بھرپور جواب دیا گیا ہے۔اسی طرح حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی "ہدایۃ الشیعہ" طبع ہوئی، اس میں شیعی پروپیگنڈوں کا بہت مسکت جواب لکھا گیا۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے عملی طور پر تعزیہ داری اور دیگر شیعی رسوم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کا بیڑا اٹھایا۔اس کی ابتدا قصبہ دیوبند ہی کی ایک مسجد سے ہوئی۔حضرت نانوتوی اور ان کے ایک مرید حاجی محمد یاسین عرف دیوان جی نے اعلان کر دیا کہ اب تعزیہ نہیں اٹھے گا، قصبہ کے شیوخ مرنے مارنے پر آمادہ ہو گئے؛ لیکن دیوبند کے اہلِ حرفہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ کھڑے ہو گئے، پھر بالآخر مخالفین مغلوب ہو گئے اور تعزیہ کے ڈھانچہ کو توڑ کر پھینک دیا گیا۔قصبہ کے دوسرے محلوں کے مسلمانوں کو بھی احساس ہوا کہ علمائے حق تعزیہ داری کی مشرکانہ رسم کے مخالف ہیں تو انھوں نے بھی اسے سنجیدگی سے سوچا اور اپنے اپنے محلوں کی مسجدوں سے تعزیوں کے ڈھانچے نکال کر باہر پھینک دیے۔اس طرح قصبہ دیوبند کے سنّی مسلمانوں کے دلوں سے اس مشرکانہ عقیدہ کے جراثیم دور ہوئے۔حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے متعدد خطوط میں شیعوں کے پیدا کردہ شکوک اور ان کی خرافات کا پردہ فاش کیا ہے۔ایسے خطوط اکثر فارسی زبان میں ہیں اور کچھ خطوط اردو میں بھی ہیں جو آپ کے مجموعۂ مکاتیب "فیوض قاسمیہ" میں شامل ہیں۔حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے سادات کے متعدد گھرانے شیعیت سے تائب ہو کر سنی ہوئے۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ عملی جدوجہد کے میدان میں آئے۔آپ نے ریاست بھاولپور میں شیعوں سے لوہا لیا اور انھیں شکست فاش دی۔ردِ شیعیت میں آپ کی بلند پایہ تصنیف "ہدایاتُ الرشید فی اِفحام العنید" ہے جو پونے نو سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور اس موضوع کی مدلل اور مفصل ترین کتابوں میں شمار کی جاتی ہے۔شیعوں کے ساتھ مناظروں کے تجربہ سے دیگر علمائے حق کو روشناس کرانے کے لیے آپ نے ایک دوسری کتاب "مطرقۃ الکرامہ" لکھی۔حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دوسرے شاگرد حضرت مولانا رحیم اللہ بجنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شیعوں کے رد میں اہم علمی کارنامہ انجام دیا۔ردِ شیعیت سے متعلق انھوں نے کئی علمی یادگاریں چھوڑیں۔

بعد کے دور میں شیعیت اور سبائیت کے رد میں نمایاں خدمات انجام دینے والوں میں امام اہل السنّۃ والجماعۃ حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی سرِفہرست ہے۔حضرت مولانا لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اہم موضوع کے ہر ہر گوشے سے متعلق اس قدر معلومات فراہم کر دیں کہ اس باب میں ان کا کوئی ہم پلہ نظر نہیں آتا۔آپ نے مناظروں اور تقاریر کے ذریعہ شیعی ایوانوں میں زلزلہ برپا کر دیا اور تاعمر شیعیت کے خلاف شمشیرِ براں بنے رہے۔دیگر علمائے دیوبند خصوصاً حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے ساتھ بھرپور تعاون کیا۔

دارالعلوم نے صرف رسمی تعلیم پر اکتفاء نہیں کیا؛ بلکہ پورے مسلم معاشرہ کے اعمال وعقائد کی اصلاح کا بیڑا بھی اٹھایا۔قیامِ دارالعلوم کے کچھ عرصہ بعد ہی علمائے حق نے بدعات وخرافات اور مشرکانہ رسوم وعقائد کے خلاف جو چومکھی لڑائی چھیڑی، اس جنگ میں علمائے حق کے ایک حریف شیعہ بھی تھے۔علمائے دیوبند کی انھیں مخلصانہ تبلیغی واصلاحی کوششوں سے آہستہ آہستہ سنّی مسلمانوں سے شیعی اثرات دور ہوئے اور انھوں نے شیعی رسوم وخرافات سے توبہ کی۔

ناموسِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا دفاع

علمائے دارالعلوم دیوبند تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی عظمت کے قائل ہیں، البتہ ان میں باہم فرقِ مراتب ہے تو عظمتِ مراتب میں بھی فرق ہے؛ لیکن نفس صحابیت میں کوئی فرق نہیں؛ اس لیے محبت وعقیدت میں بھی فرق نہیں پڑسکتا پس "الصَّحابۃُ کُلُّھُمْ عَدُوْلٌ" اس مسلک کا سنگ بنیاد ہے۔صحابۂ کرام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خیر القرون میں ہیں اور پوری امت کے لیے معیارِ حق ہیں۔علمائے دیوبند انھیں غیر معصوم ماننے کے باوجود ان کی شان میں بدگمانی اور بدزبانی کو جائز نہیں سمجھتے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں اس قسم کا رویہ رکھنے والے کو حق سے منحرف سمجھتے ہیں۔علمائے دیوبند کے نزدیک ان کے باہمی مشاجرات میں خطا وصواب کا تقابل ہے، حق وباطل اور طاعت ومعصیت کا نہیں، اس لیے ان میں سے کسی فریق کو تنقید وتنقیص کا ہدف بنانے کو جائز نہیں سمجھتے۔علمائے دیوبند حضراتِ شیخین کی تفضیل کے قائل ہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی عظمت واحترام کے قائل ہیں، لیکن بدقسمتی سے ہندوستان میں انگریزوں کی سازش سے ایسی صورتِ حال پیدا ہوئی کہ شیعوں کی طرف سے حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی شان عالی میں تبرّا (نفرت) بازی کی جانے لگی اور اس کی وجہ سے شیعہ سنّی کشیدگی پھیلنے لگی۔اس نازک دور میں تبرا باز شیعوں کے جواب میں حضرات علمائے دیوبند نے تحریکِ مدحِ صحابہ رضی اللہ عنہم شروع کی۔حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ علمائے کرام نے اس میں سرگرم حصہ لیا۔حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مقامِ صحابہ رضی اللہ عنہم پر کامیاب مضامین لکھے اور جب وقت کی سیاسی آندھیوں نے قافلۂ اسلام کی صفِ اول پر یلغار کی تو حضرت مدنی نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے معیارِ حق ہونے پر وہ مباحث تحریر فرمائے، جو عصر حاضر کا سرمایۂ فخر ہیں۔

قیامِ پاکستان کے بعد اس موضوع پر مستقلاً تنظیم اہل السنۃ والجماعۃ، تحریک اہلِ سنّت وغیرہ ناموں سے مختلف جماعتیں قائم ہوئیں، جن میں سید نورالحسن شاہ بخاری، مولانا عبدالستار تونسوی، علّامہ دوست محمّد قریشی اور ان کے رفقائے کار نے قابل قدر کام کیا، جب کہ حضرت مولانا سیّد عطاءاللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ، قاضی احسان احمد شجاع آبادی اور مولانا قاضی مظہر حسین وغیرہ حضرات نے تحریک مدحِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور شیعیت کو دندان شکن جواب دیا۔ان بزرگوں کے علاوہ مولانا ولایت حسین رئیس دیورہ صوبۂ بہار، مولانا محمّد شفیع سنگھتروی، مولانا لطف اللہ جالندھری، مولانا یوسف لدھیانوی وغیرہ علمائے دیوبند نے بھی اس محاذ پر گراں قدر خدمات انجام دیں۔

۱۹۷۹ء میں جب خمینی کے زیر قیادت ایران میں انقلاب آیا اور شیعی حکومت قائم ہوئی۔شیعی حکومت نے زبردست پروپیگنڈا کے ذریعہ اسے اسلامی انقلاب کا نام دیا اور ملّتِ اسلامیہ کے بیشتر افراد اس پروپیگنڈہ کی زد میں آگئے۔پورے عالم اسلام خصوصاً برِصغیر میں ایرانی انقلاب کو صالح اسلامی انقلاب سمجھا جانے لگا۔اس صورتِ حال کو دیکھ کر علمائے دیوبند میدان میں آگئے اور انھوں نے ایران کے اس نام نہاد

اسلامی انقلاب کی قلعی کھول کر رکھ دی۔اس سلسلہ میں خاص طور سے حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”ایرانی انقلاب،امام خمینی اور شیعیّت“ نے ایرانی انقلاب کا خیر مقدم کرنے والوں کی آنکھیں کھول دیں اوران کے سامنے حقیقت بے نقاب ہو کر آ گئی۔

علمائے دیوبند کا یہ قابلِ فخر کارنامہ ہے کہ انھوں نے برِّ صغیر کو شیعوں کے ہمہ گیر اثرات سے پاک کیا اور اہل السنّۃ والجماعۃ کے عقائد وافکار کی حفاظت واشاعت کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔علمائے دیو بند نے کتابوں،فتاویٰ اور بیانات کے ذریعہ امتِ مسلمہ کی بھرپور رہنمائی فرمائی اوراب بھی حسبِ ضرورت الحمدللہ یہ سلسلہ جاری ہے۔دارالعلوم میں تخصّصات میں داخل طلبہ کو دیگرادیان وفرق کے ساتھ شیعیّت کے سلسلہ میں بھی محاضرات پیش کیے جاتے ہیں۔

ردشیعیّت میں علمائے دیو بند کی تصنیفی خدمات

(۱) ہدیۃ الشیعہ ،حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۲) الاجوبۃ الکاملۃ فی الاسئلۃ الکاملۃ ،حضرت نانوتویؒ (۳) اجوبہ اربعین در ردِّ روافض، افادات حضرت نانوتویؒ ،مرتب: صوفی عبدالحمید خان سواتی (۴) ہدایۃ الشیعہ ،حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (۵) ہدایات الرشید الی اِفحام العنید ،حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ (۶) مطرقۃ الکرامۃ فی مرآۃ الامامۃ ،حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ (۷) اِبطالُ اصولِ الشیعہ ،حضرت مولانا حکیم محمد رحیم اللہ بجنوریؒ (۸) الکافی للاعتقاد فی الصافی ،حضرت مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوریؒ (۹) المنار رسائل السنّۃ والشیعہ ، حضرت مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوریؒ (۱۰) ارشاد الثقلین ،حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی (۱۱) دفع المجادلہ عن آیات المباہلہ ،حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ (۱۲) عثمان ذوالنورین ،حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ (۱۳) فتنۂ رفض ،حضرت مولانا محمد منظور احمد نعمانیؒ (۱۴) ایرانی انقلاب خمینی اور شیعیت ،حضرت مولانا محمد منظور احمد نعمانی (۱۵) شیعہ اثنا عشری اور عقیدۂ تحریفِ قرآن ،حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ (۱۶) شیعہ سنّی اختلافات : حقائق کے آئینہ میں ،مولانا محمد منظور نعمانیؒ (۱۷) شیعہ سنّی اختلافات اور صراط مستقیم ،حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی (۱۸) اسلام اور شیعہ مذہب ،مولانا امام علی دانش قاسمی لکھیم پوری (۱۹) محاضراتِ ردشیعیت ،مولانا محمد جمال میرٹھی (۲۰) حضرت معاویہؓ اور تاریخی حقائق ،حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی (۲۱) اکابرِ صحابہ اور شہدائے کربلا پر افتراء ،مولانا عبدالرشید نعمانیؒ (۲۲) حقیقتِ شیعہ ،مولانا عبد الرشید نعمانیؒ (۲۳) برأتِ عثمان ،مولانا ظفر احمد عثمانی (۲۴) ارشاد الشیعہ ،مولانا سرفراز خان صفدر (۲۵) ازالۃ الشک فی مسئلۃ فدک ، مولانا عبدالستار تونسوی (۲۶) شان حضرت فاروق اعظمؓ ،مولانا عبدالستار تونسوی (۲۷) شان سیدنا عثمان بن عفّان ،مولانا عبدالستار تونسوی (۲۸) شان حیدر کرار ،مولانا عبدالستار تونسوی (۲۹) خمینیت : عصرِ حاضر کا عظیم فتنہ ،مولانا حبیب الرحمن اعظمی (۳۰) شیعیت قرآن وحدیث کی روشنی میں ،مولانا حبیب الرحمن اعظمیؒ (۳۱) شیعہ مذہب دین ودانش کی کسوٹی پر ،مولانا محمد عاشق الٰہی بلندشہریؒ (۳۲) واقعۂ کربلا اور اس کا پس منظر ،مولانا عتیق الرحمن سنبھلی (۳۳) عقائد الشیعۃ ،مفتی محمد فاروق میرٹھیؒ (۳۴) شیعہ مذہب تاریخ کے آئینے میں ،حضرت مولانا محمد جمال استاذ دارالعلوم دیوبند۔

(ماہنامہ دارالعلوم ،شمارہ 12 ، جلد: 97 ،صفر 1435 ہجری مطابق دسمبر 2013ء)

☆☆☆☆

شیعہ بریلوی گٹھ جوڑ

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، قرۃ العینین جیسی شہرۂ آفاق کتابیں لکھ کر ہندوستان میں شیعیت کے خلاف مؤثر قلمی جہاد کا آغاز کیا نجف علی خان نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شیعیت کُش تحریک سے پریشان ہو کر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پہونچے اتروا کر ہاتھ بیکار کر دیے تاکہ وہ کوئی کتاب یا مضمون نہ لکھ سکیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اُن کے جانشین حضرت شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ دہلی کی مسندِ علم و عرفان پر جلوہ افروز ہوئے۔ دہلی کی جامع مسجد کے منبر پر رونق افروز ہونے والے خطیب آتش نوا کی شعلہ بیانی، بے باکی، جرأتِ ایمانی اور آتش نوائی کا بے باکانہ منظر دیکھنے کے لیے پورا دہلی امنڈ آتا۔

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے شیعیت کے ردّ میں ”تحفہ اثناء عشریہ“ لکھی، جو شیعیت کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوئی۔ اس کتاب نے شیعوں پر سکتہ طاری کر دیا۔ شیعہ سردار میر اشرف علی نے دس ہزار روپے عراق کے شیعہ مجتہدین کو بھیجا کہ اس کا جواب لکھیں، مگر دنیائے شیعیت آج تک جواب سے عاجز ہے۔ شیعوں نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مکان ضبط کر لیا، ان کے قتل تک کی سازش کی، ایک طوائفہ کو راضی کیا جو عاشقانہ اشعار پڑھتی تھی، حتیٰ کہ اس خبیثہ نے دہلی کی جامع مسجد میں رقص تک کر دیا۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد ان کے خلیفہ امیر المومنین سیّد احمد شہید، ان کے داماد حضرت علامہ عبد الحیؒ، ان کے بھتیجے حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہم ایک انقلابی اصلاحی تحریک لے کر اٹھے، جن کی تحریکِ وعظ و نصیحت پر لاکھوں لوگوں نے تعزیے توڑ ڈالے، سنّی مسلمان ہوئے، اپنی بدعات سے توبہ کی، اسی پس منظر میں آپ اندازہ کر لیں کہ شیعہ کو جتنی نفرت اس خاندان سے ہو سکتی تھی اور کسی سے نہیں۔ لہٰذا اپنے پرانے مکر جس سے وہ ہمیشہ سنّیوں کو دھوکہ دیتا رہا یعنی تقیہ کی آڑ میں چور دروازے سے خاموشی کے ساتھ اہل سنت کی صفوں میں داخل ہو کر اپنے مکر و فریب سے اہل السنّت کے اتّحاد کو پارہ پارہ کر دیا اور وہ جنگ جو دلائل کی بنیاد پر یہ لوگ ہار چکے تھے اب الزام تراشی اور پروپیگنڈہ کی بنیاد پر اپنے زخموں کا مداوا کر رہے تھے۔

اس مکروہ سازش کیلئے بریلی کے مولانا احمد رضا خان صاحب کا انتخاب کیا گیا اس مقالہ میں ہم اسی عنوان سے مولانا احمد رضا خان کے مسلکی و خاندانی پس منظر کا جائزہ لیں گے۔

(۱) اہل تشیّع کی مستند ترین کتاب ”الجامع الکافی“ میں ہے:

”انّ الائمّۃ علیہم السّلام یعلمون علم ما کان وما یکون وانّہ لا یخفی علیہم الشئ صلاۃ اللہ علیہم۔“ (اصولِ کافی: ۱/ ۴۴۲)

ترجمہ: ائمہ علیہم السلام ما کان و ما یکون کا علم رکھتے ہیں پھر اُن پر کوئی بھی چیز مخفی نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی صلاۃ و سلام ہو اُن پر۔

احمد رضا خان صاحب کی کتابوں میں جگہ جگہ آپ کو یہ عقیدہ اس وضاحت کے ساتھ ملے گا کہ اس پر کسی دلیل کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ احمد رضا خان بریلوی کی تو ایک کتاب کا نام ہی ”اللؤلؤ المکنون فی علم البشیر ما کان و ما یکون“ ہے۔

(۲) شیعہ حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ اقدس اور صفاتِ نبوی کا مظہر اتمّ کہتے ہیں اور ان کے نزدیک مصطفیٰ اور مرتضیٰ ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں، ایران کا مشہور شیعی شاعر شاہ نعمت اللہ کرمانی کہتا ہے :

مصطفیٰ را مرتضیٰ دان مرتضیٰ را مصطفیٰ
خاک در چشم دو بیناں دغا باید زدن

شیعہ حضرات ائمہ کو خدائی اختیارات کے مالک سمجھتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ سب چیزیں اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام پر اہل السنّت میں پھیلائی جاتی تو کوئی بھی اسے قبول نہ کرتا، لہٰذا احمد رضا خان بریلوی نے تقیہ کا سہارا لے کر بڑے شاطرانہ طریقہ سے ان تمام شیعی عقائد کو حضور ﷺ کے نام پر پھیلانے کی کوشش کی، احمد رضا خان بریلوی لکھتا ہے کہ :

''حضور پرنور سیّدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اقدس وانور سیّد عالم ﷺ کے وارث کامل و نائب تام وآئینہ ذات ہیں کہ حضور پرنور ﷺ مع اپنی جمیع صفاتِ جمال وجلال وکمال وافضال کے ان میں متجلّی ہیں۔ جس طرح ذاتِ عزت احدیت مع جملہ صفات ونعوت جلالت آئینہ محمدی ﷺ میں تجلّی فرماہے۔''

(فتاویٰ افریقہ: ص۹۷، مکتبۂ غوثیہ کراچی)

خان صاحب نے اس عبارت کے آخر میں لکھا :

''کفانا الکافی فی الدّارین و صلّی اللہ و سلّم علی سیّد الکونین والہ وصحبہ وغوث الثقلین۔''

یہ ''الکافی'' کیا ہے؟؟؟؟ یہ شیعوں کی کتاب ''اصولِ کافی'' ہے، جسے دونوں جہاں میں اپنے لیے خان صاحب اور اپنے اس عقیدہ کے لیے کافی قرار دے رہے ہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ عربی زبان میں لفظ ''صحبہ'' ہم نشین ساتھی دوست کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس کی جمع اصحاب ہوتی ہے، اہل السنت والجماعت جو رسول اللہ ﷺ پر درود وسلام میں آپ کی آل کو شامل کرتے ہیں تو عموماً آپ کے تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ''والہ واصحابہ اجمعین'' کے الفاظ کہہ کر تمام صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو شامل کر لیتے ہیں، لیکن چونکہ شیعہ سوائے دو چار کے تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معاذ اللہ کافر سمجھتے ہیں، اس لیے احمد رضا خان کا اپنا شیعی عقائد بیان کرتے ہوئے جمع کو چھوڑ کر صرف ''صحبہ'' لکھنا بھی بہت کچھ بتا رہا ہے۔

جہاں تک غوثِ اعظم غوث الثقلین کی اصطلاح کی بات ہے تو اگرچہ بریلوی بے وقوف بناتے ہیں کہ اس سے مراد شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ہیں، مگر حقیقت میں ان کے ہاں غوثِ اعظم جس کے لیے یہ ساری خدائی اختیارات ثابت ہو رہے ہیں وہ کون ہے؟ ملاحظہ فرمائیں :

''پھر مولا علی کو غوثیتِ کبریٰ عطا ہوئی اور امام محترمین رضی اللہ عنہما وزیر ہوئے، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے درجہ بدرجہ امام عسکری تک یہ حضرات مستقل غوث ہوئے۔''

(ملفوظات: ۱/ ۱۱۵)

جب غوثیتِ کبریٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہے تو ان کے علاوہ غوثِ اعظم اور کون ہوسکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ سارے شیعی عقائد اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام پر پھیلائے جائیں تو کون سنّی اسے قبول کرے گا۔ اس لیے احمد رضا خان رافضی نے بڑی چالاکی اور ہوشیاری سے حضور علیہ

السلام اور حضرت جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا نام استعمال کر کے وہ تمام عقائد ان کے لیے مانے جو شیعہ اپنے ائمّہ کے لیے ثابت کرتے ہیں۔

(۳) چند مزید عقائد ملاحظہ ہو :

خدا کہتے نہیں بنتی جدا کہتے نہیں بنتی
اسی پر اس کو چھوڑا ہے وہی جانے کہ کیا تم ہو

(حدائق بخشش: ۲/ ۱۰۴، مدینہ پبلشنگ کراچی)

تم میں ہے ظاہر خدا تم پہ کروڑوں درود

(حدائق بخشش: ۱/ ۱۶)

اٹھا دو پردہ دکھا دو چہرہ کہ نورِ باری حجاب میں ہے

(حدائق بخشش: ۱/ ۸۰)

ان اشعار میں حضور ﷺ کیلئے انہی خدائی اختیارات کا عقیدہ گھڑا ہے جو شیعہ کا حضرت علیؓ کیلئے ہے۔

(۴) حضرت ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :

''وکذا من مفتریات الشیعة حدیث ناد علیّا مظهر العجائب تجده عونًا لك فی النوائب نبوتك یا محمّد بولایتك یا علیّ۔''

(موضوعاتِ کبریٰ: ص ۲۶۶، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

ترجمہ: اور اسی طرح اہلِ تشیّع کی افتراء پردازیوں میں سے قابلِ مذمّت وہ من گھڑت حدیث ہے (جو ان کے ہاں دعائے سیفی کہلاتی ہے) یعنی نادِ علیّ۔۔۔۔الخ۔

مگر دوسری طرف احمد رضا خان اس جعلی حدیث اور خالص شیعہ نظریہ کی تعریف و توصیف میں یوں رطب اللّسان ہے :

''اسی جواہرِ خمسہ کی سیفی میں وہ جواہر دار سیف خونخوار جسے دیکھ کر وہابیت بے چاری اپنا جوہر کرنے کو تیار وہ کیا یعنی کہ نادِ علی کہ ایمان طائفہ پر شرک جلی جواہرِ خمسہ میں ترکیب دعائے سیفی میں فرمایا۔۔۔۔

''نادِ علیّا مظهر العجائب تجده عونًا لك فی النوائب کل همٍّ وغمٍّ سینجلی بولایتك یا علیّ یا علیّ یا علیّ۔''

(الامن والعلیٰ: ص ۴۵، اکبر بک سیلز، لاہور)

نوٹ: اگر کسی سنّی کی کتاب میں نادِ علی کا وظیفہ ہو تو یقیناً اسے کسی ''رافضی'' کی دسیسہ کاری میں شمار کیا جائے۔ جو حضرات روافض کی تاریخ پر نظر رکھتے ہیں ان سے یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ انھوں نے سنّیوں کی کتابوں میں کیا کیا گل کھلائے ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے مولوی محمد علی صاحب بریلوی کی کتاب ''میزان الکتب'' کا مطالعہ کریں۔

(۵) شیعہ مذہب کی بنیادی کتاب ''اصولِ کافی'' کے مصنف ابو جعفر یعقوب کلینی رازی نے اپنی اس کتاب میں ایک باب جو ''کتابِ الحجّہ'' کے نام سے ہے ان الفاظ میں شروع کیا ہے :

باب فیہ ذکر الصحیفة والجفر والجامعة ومصحف فاطمة علیھا السلام۔

اس باب میں حضرت علی کے صحیفے، الجفر، الجامعہ اور مصحفِ فاطمہ کا ذکر کیا جائے گا۔
(''اصولِ کافی''، ابوجعفر یعقوب کلینی رازیؔ: ص ۲۳۹ مطبوعہ تہران)

فیھا کلّ حلالٍ و حرامٍ و کل شیئ یحتاج الیہ الناس۔

اس میں ہر حلال اور ہر حرام چیز کا بیان ہے اور ہر وہ چیز جس کی لوگوں کو ضرورت پڑسکتی ہے اس کا ذکر ہے۔
(''اصولِ کافی''، ابوجعفر یعقوب کلینی رازیؔ: ص ۲۳۹ مطبوعہ تہران)

پھر اس کے آگے وہ مزید لکھتا ہے کہ:

''جفر چمڑے کی ایک کتاب ہے جس میں تمام انبیاء و اوصیاء کا علم درج ہے۔'' (''اصولِ کافی''، ابوجعفر یعقوب کلینی رازیؔ: ص ۲۴۰ مطبوعہ تہران)

اور یہ ''جفر'' و ''جامعہ'' کیا چیزیں ہیں؟ اس کی تشریح ملّا چلپیؔ نے ''کشف الظّنون'' میں اس طرح کی ہے:

''الجفر عبارت عن لوح القضاء والّذی ھو عقل الکلّ و الجامعة لوح القدر الّذی ھو نفس الکلّ وقد ادّعٰی طائفة ان الامام علیؓ ابن ابی طالب وضع الحروف الثمانیةو العشرین علیٰ طریق البسط الاعظم فی الجفر.... وھٰذا علم تورثه اھل البیت ومن ینتمی الیھم ویأخذ منھم من المشائخ الکاملین و کانوا تکتمونه عن غیر ھم کلّ الکتمان و قیل لایقف علی ھٰذا الکتاب حقیقة الّا مھدی المنتظر خروجه فی اٰخر الزّمان۔''
(کشف الظّنون، ملّا چلپیؔ: ۱/۵۹۱ طبع بیروت)

''قضاء کی تختی کو ''جفر'' کہتے ہیں اور قدر کی تختی کو ''جامعہ۔ لوحِ قضاء عقلِ کل ہے اور لوحِ قدر خود کل ہے اور ایک فرقہ (یعنی اہلِ تشیّع) کا دعویٰ ہے کہ امام علی ابن ابی طالب نے اٹھائیس حروفِ تہجی کو بسط الاعظم کے طریقہ پر ایک جلد میں مرتب کیا اور یہ ''جفر'' کا علم ہے جو اہلِ بیت میں اور جو ان کے ہم اعتقاد (یعنی شیعہ) ہیں ان میں وراثتاً چلا آتا ہے۔ مشائخ کاملین یہ علم انہی سے حاصل کرتے ہیں اور وہ اپنے لوگوں (اہلِ تشیع) کے علاوہ اسے ہر ایک سے مکمل طور پر چھپاتے رہے ہیں اور یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ ''جفر'' کی اس کتاب کی حقیقت کو ''مہدی منتظر'' کے علاوہ کوئی اور نہیں جان سکتا۔''

خان صاحب بریلوی کی علمِ جفر سے غیر معمولی دلچسپی اور اس میں مہارت و تکمیل کی تمنّا اس قدر شدید تھی ۱۳۲۴ھ میں ''حسام الحرمین'' کا فراڈ کرنے کے لیے حجاز گئے تو مدینۂ منورہ پہنچنے کے بعد اس نام نہاد عاشقِ رسول کو روضۂ انور پر ہمہ وقت حاضری اور زیادہ سے زیادہ صلاۃ و سلام پیش کرنے کی تمنا اور کوشش کے بجائے ہر گھڑی یہی دھن اور اس بات کی لگن تھی کہ کسی طرح اس مقدس شہر میں کوئی ماہر ''جفر داں'' مل جائے جس سے وہ اس فن کی تکمیل کرسکیں۔ خان بریلوی خود فرماتے ہیں:

''اس تین مہینے کے قیام میں میں نے خیال کیا کہ یہ شہر کریم تمام جہاں کا مرجع وملجا ہے، اہلِ مغرب بھی یہاں آتے ہیں ممکن ہے کوئی صاحب ''جفر داں'' مل جائے کہ ان سے اس فن کی تکمیل کی جائے۔'' (ملفوظات: ۲/ ۱۲۷، فرید بک اسٹال، لاہور)

ما قبل میں کشف الظنون کے حوالہ سے یہ بات گزر چکی ہے کہ ''جفر'' ایک ایسا علم ہے کہ جو شیعہ میں وارثاً چلا آرہا ہے، شیعہ اپنے سوا ہر ایک سے اس علم کو پوری طرح چھپاتے ہیں، لہٰذا خان صاحب جس ''جفر داں'' کی تلاش میں تھے وہ لازماً کوئی کٹر شیعہ عالم ہی ہوگا اور خان صاحب کو بھی اپنی شیعیت پر اس قدر پختہ یقین تھا کہ وہ اس علم کے حصول کے لیے باقاعدہ ''جفر داں'' کی تلاش میں پھرنے لگے۔ خان افغانی کو اس علم پر کس قدر وثوق تھا اس کا اندازہ مندرجہ ذیل ملفوظ سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے :

''غرض جفر سے جو جواب نکلے گا ضرور حق ہوگا کہ علم اولیائے کرام ہے، اہلِ بیتِ عظام کا ہے، امیر المومنین علی مرتضیٰ کا ہے رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔''

(ملفوظات: ۲/ ۱۵۰)

اور خان صاحب کی ذرا اس عبارت پر بھی غور فرمائیں :

(۶) ''امیر المؤمنین ابو الائمۃ الطّاہرین سیدنا علیؓ کرّم اللّٰہ تعالیٰ وجہہ۔'' (خالص الاعتقاد۔ ۳۷، حامد اینڈ کمپنی لاہور)

''الائمۃ الطّاہرین'' کی اصطلاح بہت حد تک حقیقتِ حال کو واضح کررہی ہے۔

شیعوں کا عقیدہ ہے کہ :

(۷) ''وكان امير المومنين كثيرًا مايقول آنا قسيم الله بين الجنّة والنّار۔'' (اصولِ کافی، کتاب الحجۃ: ص ۱۷۷)

امیر المومنین (حضرت علیؓ) اکثر یہ فرمایا کرتے تھے: ''میں ہی جنّت دوزخ تقسیم کرنے والا ہوں۔''

ملاحظہ فرمائیں اس عقیدہ کی خان افغانی نے کس طرح تائید کی :

سیدنا مولیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے فرمایا: ''أنا قسیم النّار۔'' (الامن والعلیٰ: ص ۹۷)

(۸) شیعہ کا ولایت کے بارے میں عقیدہ ہے کہ: ''إنّ الارض لا تخلو من الحجّۃ۔'' مطلب دنیا حجت یعنی امام سے خالی نہیں رہ سکتی۔

عن أبي حمزة قال قلت لأبي عبدالله تبقى الارض بغير امام؟ قال لو بقيت الارض بغير امام لساخت۔ (اصولِ کافی: ص ۱۰۴)

ابو حمزہ سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادق سے عرض کیا کہ کیا زمین بغیر امام کے باقی رہے گی؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اگر زمین بغیر امام کے باقی رہے گی تو دھنس جائے گی۔

ٹھیک یہی عقیدہ غوث کے نام سے خان صاحب افغانی نے پیش کیا:

''بغیر غوث کے زمین وآسمان قائم نہیں رہ سکتے۔'' (ملفوظات: ۱/ ۱۱۵)

(۹) شیعہ کا ولایت کے بارے میں ایک عقیدہ ''الولایۃ التکوینیۃ'' ہے جس کے بارے میں خمینی لکھتا ہے کہ: فأنّ للامام مقامًا

محمودًا و درجۃً سامیۃً وخلافۃً تکوینیۃً تخضع لولا یتھا و میطرتھا جمیع ذرّات الکون۔"(الحکومۃ الاسلامیۃ:ص ۵۲)

یہ عقیدہ خان افغانی کے بیٹے اور ان کی کتاب کے شارح مصطفی رضا خاں نے کس طرح بیان کیا ملاحظہ ہو:

"امام کو وہ مقام محمود اور بلند درجہ اور ایسی تکوینی حکومت حاصل ہوتی ہے کہ کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کے حکم و اقتدار کے سامنے سرنگوں اور تابع فرمان ہوتا ہے۔"

ائمۂ کرام فرماتے ہیں: "اولیاء میں ایک مرتبہ اصحاب التکوین کا ہے جو چیز جس وقت چاہتے ہیں فوراً ہوجاتی ہے، جسے کُن کہا وہی ہوگیا۔"

(شرح الاستمداد: ص ۶، برکاتِ مدینہ، کراچی)

محبوبِ سبحانی ظلّ رحمانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ رافضیوں کا عقیدہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"ان الامام یعلم کلّ شیئ ما کان ومایکون من امر الدّنیا و الدّین فی عدد الحصیٰ وقطر الأمطار وورق الشجر۔"

(غنیۃ الطالبین: ۱/ ۱۸۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی)

(ان رافضیوں کا عقیدہ ہے کہ) امام صاحب کو ایسا علم ہوتا ہے کہ جو چیز پچھلے زمانے میں ہو چکی ہے اور آئندہ ہونے والی ہوتی ہے چاہے دنیا کے متعلق ہو اور چاہے دین کے متعلق ہر ایک کو جانتا ہے یہاں تک کہ سطحِ زمین پر جس قدر ٹھیکریاں (کنکریاں) ہیں اور جتنے بارش کے قطرے پڑتے ہیں اور درختوں کے پتّوں کی تعداد بھی اس کو معلوم ہوتی ہے۔

بعینہٖ یہی عقیدہ احمد رضا خان بریلوی اور اس کے متبعین کا انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے لیے ہے۔

(۱۰) شیعہ کا عقیدہ ہے کہ:

"أنّ الامامیّۃ یعتقدون انّ الامام المعصوم یعلم مافی بطن الحامل وماوراء الجدار۔"

(تاریخ اسلام للذہبی: ۴۵/ص ۸۶، تاریخ الخلفاء: ص ۳۸۷)

ترجمہ: کہ امامیہ جو شیعہ ہیں وہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ امامِ معصوم وہ حاملہ کے پیٹ میں کیا ہے اُس کو بھی جانتے ہیں اور دیوار کے پیچھے کیا ہے اُس کو بھی جانتے ہیں۔

بعینہٖ یہی عقیدہ احمد رضا خان کا نبی کریم ﷺ کے متعلق تھا، بلکہ احمد یار گجراتی بریلوی اور عمر اچھروی بریلوی نے تو اس پر دلائل بھی دینے کی کوشش کی، تفصیل "اساسِ بریلویت" میں پڑھیں۔

(۱۱) اہل السنّت کے متعلق شیعہ کا یہ عقیدہ ہے:

"وقتیکہ قائم علیہ السّلام ظاہر می شود پیش از کفّار ابتداء بہ سنّیاں خواہد کرد باعلماء ایشاں خواہد کشت۔" (حق الیقین: ص ۱۳۸)

جس وقت امام مہدی علیہ السّلام ظاہر ہوں گے تو وہ کافروں سے جنگی کارروائی شروع کرنے سے پہلے ابتداء سنّیوں خصوصاً ان کے علماء سے کریں گے اور ان سب کو قتل کرکے نیست و نابود کردیں گے۔

احمد رضا خان نے بھی انگریز کافر کے حق میں فتوے دیے، ان کی مخالفت میں چلنے والی ہر تحریک کی مخالفت کی، مگر دوسری طرف ساری زندگی اہل السنّت خصوصاً اہل السنّت دیوبند کو کافر و مرتد بناتے رہے۔

مولانا معین الدّین اجمیری جن کا تعارف مدنی میاں بریلوی ان الفاظ میں کراتے ہیں:

''شمس العلماء مولانا معین الدین اجمیری۔۔۔۔مولانا مرحوم مولانا فضل حق خیر آبادی کی تحریکِ آزادی کے ممتاز رہنما تھے۔''(المیزان کا امام احمد رضا نمبر: ص۳۹۶)

یہ شمس العلماء احمد رضا خان صاحب بریلوی کے متعلق لکھتے ہیں :

''خلقت آپ کی فضیلت سے بے حد نالاں ہے وہ کہتی ہے کہ دنیا میں شاید کسی نے اس قدر کافروں کو مسلمان نہیں کیا ہوگا جس قدر اعلیٰ حضرت نے مسلمانوں کو کافر بنایا، مگر درحقیقت یہ وہ فضیلت ہے جو سوائے اعلیٰ حضرت کے کسی کے حصہ میں نہیں آئی۔''

(تجلّیاتِ انوارِ معین: ص ۷۳)

مزید لکھتے ہیں :

''اعلیٰ حضرت۔۔۔۔جنھوں نے اکثر علمائے اہل السنّت کو وہابی بنا کر عوام کالانعام کو ان سے بدظن کر دیا، جن کے اتباع کی پہچان یہ ہے کہ وہ وعظ میں اہلِ حق سنّیوں کو وہابی کہہ کر گالیوں کا مینھ برساتے ہیں۔''(تجلیاتِ انوار المعین: ص ۹۲)

(۱۲) حضرت شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیعہ کا ایک نظریہ یہ لکھا کہ وہ اپنی کنیزوں (باندیوں، لونڈیوں) کی شرمگاہ اپنے دوستوں اور مہمانوں کو عاریۃً دینے کو بہت بڑی ثواب کی چیز اور اطاعت سمجھتے ہیں اور اس بے غیرتی پر فخر کرتے ہیں۔

(تحفہ اثناء عشریہ فارسی: ص ۳۶۷)

یہی عقیدہ احمد رضا خان بریلوی کا بھی تھا، چنانچہ ان کے سوانح نگاروں نے لکھا کہ ایک سیّد صاحب احمد رضا خان سے ملنے تشریف لائے تو بے دھڑک مکان کے اندر گھس گئے اور زنان خانہ میں چلے گئے، احمد رضا خان کے گھر کی مستورات پر نظر پڑی تو سخت شرمندہ ہوئے، احمد رضا خان دوڑتے ہوئے آئے اور انھیں اپنے ساتھ اپنے کمرے کی طرف لے گئے اور سیّد صاحب کو کہنے لگے :

''(اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ)''حضرت! یہ سب تو آپ کی باندیاں ہیں، آپ آقا اور آقا زادہ ہیں۔''(المیزان کا امام احمد رضا نمبر: ص ۳۷۰)

اپنے گھر کی عورتوں کو ایک غیر مرد کی باندیاں قرار دے کر اس پر خوشی کا اظہار کرنا اور اسے باعثِ فخر و اطاعت سمجھنا کیا اسی شیعہ عقیدہ کا اظہار نہیں، جس کا ذکر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ اثناء عشریہ میں کیا؟

(۱۳) شیعہ ائمّہ کے بارے میں امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد نقل کرتے ہیں :

''امّا علمت انّ الدّنیا والاٰخرۃ لامام یضعھا حیث یشاء ویدفعھا الی من یشاء۔''

(اصولِ کافی: ص ۲۵۹)

کیا تم کو یہ بات معلوم نہیں کہ دنیا و آخرت سب امام کی ملکیت ہے، وہ جس سے چاہے لے لے اور جسے چاہے دے دے۔

احمد رضا خان بریلوی نے اپنے متبعین میں یہی عقیدہ حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نام پر پھیلایا، چنانچہ لکھتے ہیں :

''(اللہ تعالیٰ نے) تمام اہلِ زمانہ کے کاموں کی باگیں اسے سپرد فرمائیں اور اجازت فرمائی کہ جسے چاہیں عطا کریں جسے چاہیں منع فرمادیں۔''
(خالص الاعتقاد:ص۴۹)

(۱۴) احمد رضا خان کے شیعہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس نے جس خاندان مارہرہ میں جاکر بیعت کی اور اپنے پیری مریدی کا سلسلہ جوڑا وہ بھی در پردہ شیعہ تھا مگر تقیہ کی آڑ میں سنّی بنا پھر رہا تھا۔

جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی کا ''پیر خانہ'' مارہرہ ضلع ایٹہ جوکہ عوام النّاس کے نزدیک خالص اہل السنّت والجماعت مشائخ کا خاندان ہے اور وہاں کی خانقاہ برکاتیہ ''سنّی خانقاہ'' کے نام سے معروف ہے۔ اس خانقاہ برکاتیہ کے شیوخ میں سے ایک اہم ہستی شاہ اچھے میاں آل احمد مارہرویؒ اور ان کے برادر زادہ یعنی احمد رضا خان صاحب کے پیر و مرشد شاہ آل رسول برکاتی مارہروی نے چونکہ دہلی جاکر شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے درسِ حدیث لیا تھا اور ان کا شمار شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلامذہ میں ہوتا ہے۔ اس لیے عام طور پر لوگوں کے نزدیک اس خانقاہ کے مشائخ کا ''سنّی العقیدہ'' ہونا ایک طے شدہ بات ہے۔ مگر اسی ''مارہرہ شریف'' کے مشائخ کے ''خاندانِ برکات کی تاریخ''، میں اس بات کا اعتراف کیا گیا ہے کہ

''شاہ حمزہ مارہرویؒ کو لکھنؤ کے شیعہ حکمراں نواب آصف الدّولہ نے مبلغ چار سو پچاس روپے کا ایک روزینہ یعنی وظیفہ برائے اخراجات درگاہ شاہ برکت اللہ و شاہ عبدالجلیل و شاہ جلال صاحب جاری کیا تھا، جو اس وقت کے لحاظ سے ایک خطیر رقم تھی، یہ وظیفہ انھیں اور ان کی اولاد کو برابر ملتا رہا۔ اس کے علاوہ نواب آصف الدولہ نے خانقاہ خرچ کے لیے علیحدہ سے مزید ایک سو روپے کا وظیفہ منظور کیا تھا، یہ دونوں وظیفے ان کی اولاد کو تا اختتام ریاست اودھ واجد علی شاہ اختر کے زمانہ آخر تک ملتے رہے تھے۔''
(ملاحظہ ہو: تاریخ خاندانِ برکات: ص ۲۲، سیّد شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہروی، مطبوعہ برکاتی پبلشرز ۱۲۳/ چھا گلہ اسٹریٹ کھارادر کراچی نمبر ۲)

''تاریخ خاندانِ برکات'' کے مؤلف شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی اس ضمن میں مزید لکھتے ہیں کہ :

''جب شاہ حمزہ مارہروی کی وفات کے بعد شاہ اچھے میاں آل احمد مارہروی کا دور آیا تو نواب آصف الدولہ والیٔ لکھنؤ نے ۱۱۹۸ھ میں دیہات صورت پور بیلی پرگنہ مارہرہ بصیغہ آل تمغا و رحمت پور و ہسورہ خوردہ احد پور پرگنہ بلرام بصیغہ جاگیر خرچ خانقاہ حضرت کے ''نذر'' کیے۔ جن میں سے اکثر کی زمینداری و معافیداری متوّلیانِ مابعد نے قریب کے زمانہ میں بیع و رہن کر کے تلف کر ڈالی اور بعض کی معافیداری (واجد علی شاہ والیٔ اودھ کی معزولی کے بعد) گورنمنٹ نے ضبط کر لی۔'' (تاریخ خاندان برکات: ص ۲۴، سیّد شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہروی، ۱۹۳۹ء)

جہاں تک اہلِ تشیّع کی افتادِ طبع کی بات ہے تو کوئی بھی مخلص شیعہ بقائمیٔ ہوش و حواس کسی سنّی بزرگ کی عقیدت میں گرفتار نہیں ہوسکتا تا آنکہ اُسے اس بات کا یقینِ کامل نہ ہو کہ وہ بزرگ حقیقت میں اندر سے ''مخلص شیعہ'' ہے اور بطورِ مصلحت خود کو تقیہ کی نقاب میں پوشیدہ کیے ہوئے ہے، ورنہ غور طلب بات یہ ہے کہ اگر شیعہ نواب آصف الدولہ کو ''سنّی بزرگوں'' سے اتنی ہی عقیدت تھی تو اس نے اپنے قلمرو ''بہرائچ''، میں مشہور بزرگ ''سید سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ اور درگاہ'' پر اس طرح کی عنایت کیوں نہ کی؟ کیا اس کی سنّی رعایا میں سیّد صاحب کے

عقیدت مندوں کی تعداد کم تھی؟

لہٰذا معلوم ہوا کہ اس داد و دہش کے پس منظر میں حق بہ حق دار رسید کے خیال کے علاوہ شیعی معتقدات کی بالواسطہ تشہیر و تبلیغ میں معاونت کا احساس اور جذبہ بھی کارفرما تھا۔

بہر نوع! یہ محض الزام تراشی نہیں ہے کہ ''مارہرہ شریف'' کے خاندانِ برکاتیہ کے مشائخ کا رجحان شیعیت کی طرف تھا، ان لوگوں کی در پردہ شیعی ذہنیت کا اندازہ ''تاریخ خاندانِ برکات'' کے مرتب شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہرویؒ کے اس بیان سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ خان صاحب بریلوی کے پیر و مرشد سید آلِ رسول برکاتی مارہروی کے بڑے بھائی سید آل امام جُمّا میاں کی اولاد جو مارہرہ کے محلہ پختہ باغ میں سکونت پذیر ہے وہ اپنی اصل کی طرف لوٹ چکی ہے اور سب کی سب آج بھی کٹر شیعہ ہیں۔انھوں نے اپنے خاندان کے دیگر افراد کے علی الرّغم انتہائی جرأت مندی کا ثبوت دیتے ہوئے تقیہ کا زنار لبادہ اتار پھینکا ہے اور اب وہ اپنے اصل ''آبائی مذہب'' پر بہ بانگِ دُہل عمل پیرا ہیں۔(ملاحظہ ہو: تاریخ خاندانِ برکات: ص ۳۷) شاہ حمزہ مارہرویؒ کے عرس کے انعقاد کی ذمہ داریاں شروع ہی سے ان کے سپرد رہی ہیں، درمیان میں انھوں نے کچھ عرصے کے لیے عرس کمیٹی کو خیر آباد کہہ دیا تھا مگر بقول صاحب کتاب ''تاریخ خاندانِ برکات'' سید اولادِ رسول محمد میاں برکاتی قادری مارہروی ۱۸۹۸ء میں دوبارہ یہ ذمہ داری انہی آل امام جُمّا میاں کی شیعہ اولاد کے سپرد کر دی گئی تھی اور اب پھر انھوں نے اس کام سے کنارہ کشی اختیار کر لی ہے۔اس لیے اب انعقادِ عرس کی ذمہ داریاں محمد میاں برکاتی کے والد ماجد جناب اسماعیل حسن برکاتی مارہروی کے سپرد اور سارا انتظام ان کی اولاد کے زیرِ کنٹرول ہے۔

(تاریخ خاندانِ برکات: ص ۲۳، سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہروی)

اس خاندان کی شیعی نظریات سے قربت اور اس میں اہلِ تشیّع کے معتقدات کے اثر و نفوذ کا پتہ اس بات سے بھی چل جاتا ہے کہ قصبہ بلگرام ضلع ہردوئی میں محلہ ''سید واڑہ''، جو اہلِ تشیّع کا گڑھ کہلاتا تھا اور بڑی نامی گرامی شیعہ ہستیاں یہاں کی خاک میں پیدا ہوئیں، کیا ہی بات معنیٰ خیز نہیں کہ جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی کے پیر و مرشد سید آل رسول برکاتی مارہروی کا نکاح بلگرام کے اسی ''سید واڑہ'' کے باشندہ سید منتجب حسین بدلے زئی کی صاحبزادی نثار فاطمہ سے ہوا تھا اور پھر سید آل رسول برکاتی مارہروی کی تیسری صاحبزادی رحمت فاطمہ جو انہی نثار فاطمہ کے بطن سے پیدا ہوئی تھیں ان کی شادی اپنے ماموں زاد بھائی سید محمد حیدر ابن سید دلدار حیدر ابن سید منتجب حسین سے ہوئی تھی۔اسی طرح سید آل رسول مارہروی کے صاحبزادہ شاہ ظہور حسن (ولادت ۱۲۲۹ھ) کی پہلی شادی اکرام فاطمہ دختر دلدار حیدر ابن سید منتجب حسین سے ہوئی تھی، ان کے علاوہ بھی اس خاندان کی زیادہ تر رشتہ داریاں صوبہ گجرات کے جام نگر، بڑودھ، پالن پور، جونا گڑھ اور گائکواڑ کے مشہور و معروف شیعہ خاندانوں میں تھیں۔(ملاحظہ ہو: تاریخ خاندانِ برکات: ص ۴۱ سے ۴۴ تک) چنانچہ برکاتی خاندانی نسبی اعتبار سے بھی شیعوں سے ہم رشتہ اور معاشرتی اثرات و رجحانات کے مطابق ان کے افکار و نظریات کا ہمنوا تھا۔۔۔! عام طور پر شیعہ، سنّی نکاحوں کے نتیجہ میں پیدا شدہ اولاد ذہنی اعتبار سے اعتقادی بے راہ روی کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی تو ایسی صورت میں ان لوگوں کی اولاد اور نسلوں کا کیا حال ہوگا جو پہلے سے خود بھی تقیہ بردار شیعہ یا اُن کی نسل تھے، ایسے خاندانوں کے خالص شیعی گھرانوں میں نکاح اور ان سے سماجی روابط اور قربتِ ماحول نے ان کے در پردہ شیعی عقائد و نظریات کو کیا کچھ جلا نہیں بخشی ہوگی۔۔۔؟

غرض احمد رضا خان ایک کٹر شیعہ تھا، مگر سختی سے تقیہ کیا ہوا تھا ورنہ پورے ہندوستان کے مشائخ کو چھوڑ کر ایک شیعہ خاندان میں بیعت

ہونے کا کیا مطلب؟

احمد رضا خان نے بڑی چالاکی سے شیعہ عقائد و بدعات کو عشق کے نام پر اپنے ماننے والوں میں پھیلایا۔علم غیب، حاضر ناظر،مختارِکل، نور و بشر ان تمام عقائد کا ماخذ شیعہ کتب ہی تو ہیں ۔شیعہ نے اگر اذان میں ''علی ولی اللہ'' کا اضافہ کیا تو احمد رضا خان نے اذان میں صلاۃ وسلام کا اضافہ کر دیا، اگر شیعہ نے امام حسین کے نام پر دس محرم الحرام کو تعزیہ کے جلوس نکالے اس نے گھوڑے، مزارات کی شبیہات ، جھنڈے لگائے تو یہی سب کام احمد رضا خان کے ماننے والوں نے بارہ ربیع الاوّل کو جشن عید میلاد کے نام پر نکال کر رافضیوں کو ان کی بدعات کا جواز فراہم کیا۔ابھی حال ہی میں جب رافضیوں نے تعلیم القرآن راولپنڈی پر حملہ کیا اور اہلِ سنّت شیعوں کے ان جلوسوں پر پابندی کے لیے متحد ہوئے تو شیعہ نے ایک ہی مطالبہ رکھا کہ ہم جلوس بند کرنے کے لیے تیار ہیں،مگر میلاد کے جلوس بھی بند ہوں اور بریلوی،شیعہ دونوں اپنے جلوسوں کے نام پر متحد ہو گئے ۔

اگر شیعہ کے مذہب میں مزارات کو پوجا جاتا ہے تو یہی سب کام بریلوی مذہب میں بھی ہوتا ہے،اگر شیعہ مذہب میں تیجہ، چالیسواں، برسی اہلِ بیت و بزرگوں کے نام پر ہوتا ہے تو یہی سب کچھ بریلوی مذہب میں بھی ہوتا ہے،غرض شیعہ مذہب کی کوئی ایسی بدعت کا نام بتا دیں جس کی نظیر اس بریلوی مذہب میں نہ ہو، یہ دونوں فرقے ایک ہی شجرۂ خبیثہ سے تعلق رکھتے ہیں،اس پر ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ہمیشہ آپ کو یہ دونوں فرقے اہلِ السنّت والجماعت کے خلاف متّحد نظر آئیں گے ۔غرض احمد رضا خان بریلوی نے اہل السنّۃ ہی کے ایک گروہ کو الگ کر کے اپنا متبع بنا کر ان میں شیعیت کے جراثیم کو داخل کیا، یہی وجہ ہے کہ بریلوی اپنے اس ''امام'' کے لیے وہی عقائد رکھتے ہیں جو شیعہ اپنے ''اماموں'' کے لیے رکھتے ہیں ۔ چنانچہ شیعہ کا یہ بنیادی عقیدہ ہے کہ ان کے ائمہ بچپن ہی سے امامت کے مقام پر فائز ہوتے ہیں،یہی عقیدہ بریلویوں کا اپنے امام احمد رضا خان بریلوی کے لیے ہے،ملاحظہ ہو :

(۱۵) عبدالمبین نعمانی احمد رضا خان کے بچپن کا ایک واقعہ لکھتا ہے :

''ابھی تقریباً ساڑھے تین برس کی عمر ہے ایک نیچا کرتہ پہنے باہر سے دولت خانہ کی طرف چلے جارہے تھے کہ سامنے سے کچھ بازاری عورتوں (طوائفوں) کا گزر ہوا ان پر نظر پڑتے ہی ''ساڑھے تین برس کے امام نے''۔۔۔الخ۔''

(المیزان کا امام احمد رضا نمبر: ۲۳۲)

غور فرمائیں ''ساڑھے تین برس کے امام نے'' کا جملہ آخر کس عقیدہ کی چغلی کھا رہا ہے؟ (۱۶) شیعہ کا اپنے ائمہ کے بارے میں یہ دوٹوک فیصلہ ہے :

''الامام مطہر من الذنوب ومبرء من العیوب ۔۔۔فہم معصوم مؤیّد موَفق مسدّد قد امن من الخطاء والزلل والعثار یخصّہ اللّٰہ لذالک لیکون حجّۃ علی عبادہ وشاہدہ علی حلقہ۔'' (اصول کافی: ۱۲۲-۱۲۱)

''امام ہر طرح کے گناہوں اور عیبوں سے مبرا اور پاک ہوتا ہے، وہ ہر قسم کے عیب سے پاک اور صاف ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی خاص تائید و توفیق اس کے ساتھ ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس کو سیدھا رکھتا ہے، وہ غلطی سے بھول اور لغزش سے محفوظ و مامون ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ معصومیت کی اس نعمت کے ساتھ اس کو مخصوص کرتا ہے تاکہ وہ اس کے بندوں پر اس کی حجّت ہو اور اس کی مخلوق پر شاہد ہو۔''

امام معصوم کا یہی نظریہ بریلویوں کا اپنے امام احمد رضا خان بریلوی کے لیے ہے، ملاحظہ ہو بریلوی محدثِ اعظم ہند کا نظریہ :

''۔۔۔۔ہم کو اور ہمارے ساتھ سارے علمائے عرب وعجم کو اعتراف ہے کہ ۔۔۔۔اعلیٰ حضرت کی زبان وقلم نقطہ برابر خطا کرے اس کو ناممکن فرمادیا۔''

(المیزان بمبئی کا امام احمد رضا نمبر: ص ۲۹۸)

(۱۷) شیعہ حضرات کا یہ عقیدہ ہے کہ ہمارے ائمہ کا مقام انبیاء علیہم السلام سے بڑھ کر ہے، ملّا باقر علی لکھتا ہے:

''مرتبۂ امامت بالاتر از مرتبۂ پیغمبر است۔'' (حیات القلوب: ۳/ ۲)

اور خمینی لکھتا ہے :

''انّ لائمتنا مقام لایقررہ ملك مقرّب ولا نبی مرسل۔''

(الحکومۃ الاسلامیۃ: ۵۲)

بعینہٖ یہی عقیدہ بریلویوں کا احمد رضا کے متعلق ہے، چنانچہ جمعیت علماء پاکستان کے صدر مولانا ابوالخیر زبیر حیدرآبادی بریلوی لکھتا ہے :

''اعلیٰ حضرت کے عقیدت مند ایسے بھی ہیں جو معاذ اللہ ثم معاذ اللہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کو حضور اکرم ﷺ سے بھی بڑھ کر اور اعلیٰ سمجھتے ہیں۔''

(مغفرتِ ذنب: ص ۴۸، رکن الاسلام پبلی کیشنز، حیدرآباد)

(۱۸) شیعہ حضرات کا بنیادی عقیدہ تحریفِ قرآن کا ہے، وہ اس قرآن کو محرّف مانتے ہیں، ان کا ملّا باقر علی لکھتا ہے:

''وعندی انّ الاخبار من ھٰذا الباب متواترۃ معنی وطرح جمیعھا یوجب رفع الاعتماد عن الاخبار رأسا بل ظنّی انّ الاخبار فی ھٰذا الباب لایقصر عن اخبار الامانۃ فکیف یثبتونھا بالخبر۔

(مرأۃ العقول: ص ۵۳۷)

''میرے نزدیک تحریفِ قرآن کی روایتیں اپنے معنیٰ میں متواتر ہیں اور ان تمام روایتوں کو ترک کرنے اور بے اعتبار سمجھنے سے پورا متن حدیث بے اعتبار ہو جائے گا، بلکہ جہاں تک مجھے علم ہے تحریفِ قرآن کی روایتیں مسئلۂ امامت کی روایتوں سے کم نہیں، اگر روایاتِ تحریف کا اعتبار نہ کیا جائے تو پھر مسئلۂ امامت جو کہ روایات ہی سے ثابت ہے کیسے ثابت ہوگا؟''

احمد رضا خان نے اگرچہ قرآن کی آیتوں میں لفظاً بھی تحریف کی، مگر اہل السنّت کو دھوکہ دینے کے لیے اور تقیہ کی وجہ سے کھلم کھلاّ تحریف کا اقرار تو نہ کیا مگر اس کے لیے ایک اور چال چلی کہ کنزالایمان کے نام سے ترجمۂ قرآن کا تحریف شدہ ترجمہ لکھا، اس ترجمہ کی معنوی تحریف کی تفصیل تو آپ ''نورِ سنّت کے کنزالایمان نمبر'' میں ملاحظہ فرمائیں البتہ یہاں ایک اور بات کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں، اسی کنزالایمان ترجمہ کے متعلق بریلویوں نے لکھا :

''علمِ قرآن کا اندازہ اگر صرف اعلیٰ حضرت کے اس ترجمہ سے کیجیے جو اکثر گھروں میں موجود ہے اور جس کی کوئی مثال سابق نہ عربی زبان میں ہے نہ فارسی میں ہے اور نہ اُردو میں اور جس کا ایک ایک لفظ اپنے مقام پر ایسا ہے کہ دوسرا لفظ اس جگہ پر لایا نہیں جاسکتا جو بظاہر محض ترجمہ ہے مگر درحقیقت وہ قرآن کی صحیح تفسیر اور اُردو میں قرآن ہے۔'' (المیزان کا امام احمد رضا

نمبر:۲۴۵)

غور فرمائیں قرآن تو معجزہ ہے، اس کا تو دنیا کے تمام بلغاء کو یہ چیلنج ہے کہ

''فأتوا بسورۃٍ من مثلہ''

مگر یہاں یہ باور کرایا جارہا ہے کہ''اردو زبان میں قرآن'' لکھا گیا ہے، اگر چودہویں صدی کا ایک عجمی اپنی زبان میں قرآن لکھ سکتا ہے تو صحابہ رضی اللہ عنہم جو فصحاء و بلغاء کے سردار تھے وہ عربی زبان میں قرآن کیوں نہیں لکھ سکتے؟ شیعہ نے کیا کہا تھا کہ معاذ اللہ اس قرآن میں بہت کچھ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی طرف سے ملا دیا، غور فرمائیں ان کے لیے درپردہ کیسے راہ ہموار کی گئی کہ اگر اردو میں قرآن لکھنا ممکن ہے تو عربی میں یہ کمال کیوں نہیں سرانجام دیا جاسکتا ہے۔ میرے بھولے بھالے بھائیو! ذرا سوچو! سنّیت کی آڑ میں تمہارے ساتھ کیسا مذموم کھیل کھیلا جارہا ہے مگر تمہیں خبر بھی نہیں!

یہی احمد رضا خان اپنے ایک چیلے سیّد محمد کچھوچھوی کے بارے میں فرماتے ہیں :

''امام احمد رضا۔۔۔۔کے ترجمہ کا ابتدائی حصّہ دیکھ کر فرمایا تھا کہ شہزادے اُردو میں قرآن لکھ رہے ہو۔'' (جامِ نور کا محدثِ اعظم نمبر:۶،۲۸، ومقدمہ تفسیر اشرفی:۱/ ۱۵؛ بحوالہ جام نور کا محدثِ اعظم نمبر:۵۷)

العیاذ باللہ! اگر آج اُردو میں قرآن لکھا جاسکتا ہے، یہ عجمیوں کا کمال بن سکتا ہے تو کل کو شیعہ یہ کہہ دے کہ ابوبکر وعمر نے بھی مدینہ میں بیٹھ کر عربی میں فصیح وبلیغ قرآن لکھ کر امت کے سامنے پیش کردیا تو آپ کس منہ سے ان کی بات ردّ کرسکیں گے؟

(۱۹) آپ ذرا احمد رضا خان کے خاندان کے افراد کے ناموں پر صرف نظر ڈال لیجیے :

''کاظم علی خان (پردادا)
رضا علی خان (دادا)
نقی علی خان (والد)
مہدی علی خان (نقی علی خان کے بہنوئی)
حسینی خانم (احمد رضا کی والدہ)
حسنین رضا خان (احمد رضا خان کے بھتیجہ و داماد)
مصطفائی بیگم (احمد رضا خان کی بیٹی)
کنیز حسن (احمد رضا خان کی بیٹی)
کنیز حسین (احمد رضا خان کی بیٹی)
کنیز حسنین (احمد رضا خان کی بیٹی)
مرتضائی بیگم (احمد رضا خان کی بیٹی)
حسین رضا خان (بھتیجہ و داماد)
مجتبائی بیگم، مقتدائی بیگم (پوتیاں)

جعفر علی خان (کاظم علی خان کے بیٹے)
تقی علی خان (کاظم علی خان کے بیٹے)

غور فرمائیں! کیا ہندوستان کے کسی معروف سنّی گھرانے کے افراد کے نام بھی کبھی آپ نے اسی ترتیب پر شیعوں کے ناموں پر پڑھے یا سنے؟ جواب ہوگا، بالکل نہیں۔ فیضانِ اعلیٰ حضرت ص (۱۰۹) پر احمد رضا خان کے موجود سجّادہ نشین تک پورا شجرۂ نسب دیا گیا ہے، کہیں بھی آپ کو شیعہ حضرات کی طرف سے رکھے جانے والے ان ناموں کے مقابلے میں ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم کا نام نظر نہیں آئے گا۔

سیّد ظہیر الدین خان قادری بریلوی نوری انہی ناموں کو دیکھ کر اپنے بریلویوں کو مشورہ دیتا ہے :

''اسی طرح اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے خاندان شریف کا ذکر قلم بند کرتے ہوئے حیاتِ اعلیٰ حضرت کے مصنف نے سخت ٹھوکر کھائی ہے، انھوں نے شجرۂ نسب اس طرح لکھا ہے: ''احمد رضا بن تقی علی بن رضا علی بن کاظم علی (حیاتِ اعلیٰ حضرت :ص ۲)'' چونکہ حسنِ اتفاق یا سوئے اتفاق سے نقی علی رضا علی کاظم علی جیسے نام سنیوں میں رائج نہیں، بلکہ عموماً شیعہ حضرات ہی کے یہاں اس طرح کے نام ہوتے ہیں۔ کوئی بھی شخص شک میں پڑ سکتا ہے کہ کیا معاذ اللہ! اعلیٰ حضرت شیعہ خاندان کے پروردہ تھے؟؟؟؟ لہٰذا بہتر یہ تھا کہ شجرۂ نسب نہ دیا جاتا، آئندہ ہر سوانح نگار اس امر کو ذہن میں رکھے اور والد، دادا، پردادا کے نام پیش ہی نہ کرے یا پھر صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم یا اولیائے کرام رحمہم اللہ میں سے چند حضرات کے ایسے ناموں کی نشاندہی کی جائے تا کہ شیعیت کا الزام نہ ڈالا جا سکے۔''

(علمائے اہلِ سنّت سے روحِ اعلیٰ حضرت کی فریاد :ص ۳، مطبوعہ کانپور)

(۲۰) ذرا شیعہ حضرات کا یہ عقیدہ ملاحظہ فرمالیں :

''ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا صفتِ خدا نہیں بلکہ صفتِ محمد و آلِ محمد علیہم السّلام ہے اور ان ذواتِ قدسیہ کو حاضر و ناظر کہنا ایمان ہے کفر نہیں۔'' (جلاء العیون: ۲ / ۸۳)

''محمد و آلِ محمد علیہم السّلام ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔۔۔۔خدا کو ہر جگہ حاضر ناظر کہنا بے دینی ہے۔'' (جلاء العیون: ۲ / ۸۵)

اب ذرا بریلوی حکیم الامّت احمد یار گجراتی کا عقیدہ بھی ملاحظہ ہو :

''ہر جگہ میں حاضر و ناظر ہونا خدا کی صفت ہرگز نہیں۔۔۔۔خدا کو ہر جگہ میں ماننا بے دینی ہے، ہر جگہ میں ہونا تو رسولِ خدا ہی کی شان ہو سکتی ہے۔'' (جاء الحق:ص ۱۶۸۔ ۱۶۲)

اب ذرا اعلیٰ حضرت کو بھی پڑھ لیں :

''سوال: خدا کو ہر جگہ حاضر ناظر کہنا کیسا ہے؟ الجواب: اللہ عزوجلّ جگہ سے پاک ہے، یہ لفظ بہت بُرے معنیٰ کا احتمال رکھتا ہے اس سے احتراز (بچنا) لازم ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ: ۱۴ / ۶۴۰، بحوالہ کفریہ کلمات کے بارے میں سوال و جواب :ص ۵۷۲، از الیاس عطّاری، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ، کراچی)

(۲۱) شیعہ حضرات اپنے ائمہ اور نبی کریم ﷺ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ نور ہیں اور یہی ذواتِ مقدسہ مکّۂ معظّمہ میں لباسِ بشریت میں تشریف لائے۔

(جلاء العیون: ۲ / ۶۲)

یہی عقیدہ احمد رضا خان بریلوی اور اس کے ماننے والوں کا ہے کہ نبی حقیقت میں نور ہیں لباس بشریت میں آئے۔

(۲۲) علمِ غیب خاصۂ خداوندی ہے، مخلوق سے نفیِ علمِ غیب کی آیات و احادیث کے متعلق شیعہ کہتا ہے :

”جن آیات میں نفی کی گئی ہے وہ ذاتی علم ہے یعنی میں بالذات علم الغیب نہیں رکھتا بلکہ اللہ نے بتایا ہے، دوسرے کُل علم یہ اللہ کا ہے میرے پاس جزء علم ہے، تیسرے بطور انکسار اور چوتھی میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں الغیب جانتا ہوں لہٰذا دعویٰ کی نفی سے قلم الغیب کی نفی نہیں ہے۔“ (جلاء العیون: ۲ / ۷۵، از باقر مجلسی)

اب مفتی احمد یاد گجراتی کو بھی پڑھ لیں :

”جن آیات و احادیث یا اقوالِ فقہاء میں حضور علیہ السّلام کے علم غیب کی نفی ہے اُن میں یا تو ذاتی علم مراد ہے یا تمامی معلومات یعنی ربّ تعالیٰ کی معلومات کے برابر عطائی علم کی نفی ہے۔“ (جاء الحق: ۹۵)

”اس آیت کی چار توجیہیں مفسّرین نے کی ہیں: اوّلاً یہ کہ علمِ غیب ذاتی کی نفی ہے، دوّم یہ کہ کُل علم کی نفی ہے، تیسرے یہ کہ کلام تواضع و انکسار کے طور پر بیان فرما دیا گیا ہے، چہارم یہ کہ آیت کے معنیٰ یہ ہیں کہ میں دعویٰ نہیں کرتا کہ میں غیب جانتا ہوں یعنی دعوئ علمِ غیب کی نفی ہے نہ کہ علمِ غیب کی۔“ (جاء الحق: ص ۹۶)

ان موضوعات پر آپ رضا خانیوں اور رافضیوں سے گفتگو کر لیں دونوں کا عقیدہ، مزاج اور طرزِ استدلال آپ کو ایک ہی ملے گا۔

(۲۳) بریلوی محدثِ اعظم پاکستان سردار احمد کا مُرید دار العلوم محمدیہ رضویہ قادریہ گجرات کا مہتمم شیعوں کے عقائد کے بارے میں لکھتا ہے کہ وہ ائمہ کے بارے میں عقیدہ رکھتے ہیں :

”وہ خداوندی صفات و اختیارات کے بھی حامل ہیں اور عالم ما کان و ما یکون میں کوئی چیز اُن سے مخفی نہیں، اُن کو اختیار ہے کہ جس چیز یا جس عمل کو چاہیں حلال یا حرام قرار دے دیں، کائنات کے ذرّہ ذرّہ پر اُن کو کُن فیکونی اقتدار حاصل ہے، دنیا اور آخرت ان کی ملکیت ہے جس کو چاہیں دے دیں اور بخش دیں، اُن کی موت اُن کے اختیار میں ہوتی ہے، ظاہر ہے کہ ائمہ کے بارے میں سب کچھ ماننے کے بعد نہ صرف عقیدۂ ختم نبوت ختم اور بے معنیٰ ہو جاتا ہے۔“

(سنّی شیعہ بھائی بھائی کیسے؟: ص ۶۰)

کیا یہی تمام عقائد رضا خانیوں کے نہیں؟ معلوم ہوا کہ احمد رضا خان رافضی نے یہ تمام عقائد شیعوں سے مستعار لے کر اہل السنّت میں پھیلائے، یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ان عقائد سے ختمِ نبوت کا انکار ہوتا ہے تو احمد رضا خان نے یہ عقائد پھیلا کر اپنے بھائی مرزا غلام احمد کادیانی کے لیے راہ ہموار کی۔

(۲۴) نہ صرف عقائد بلکہ بدعات کے معاملہ میں بھی احمد رضا خان نے تقیہ کی آڑ میں شیعیت کے لیے راہ ہموار کی، شیعہ تعزیہ میں جلوس نکالتا ہے، ماتم کرتا ہے اس کے مقابلہ میں احمد رضا اور اس کے ماننے والوں نے میلاد اور اس کے جلوس کا مطالبہ کیا تا کہ شیعہ کے جلوس پر اعتراض ہو تو فوراً میلاد کے جلوس پر سوال اٹھے، چنانچہ راولپنڈی میں تعلیم القرآن کے سانحہ کے بعد جب ماتمی جلوس پر پابندی کا مطالبہ اٹھا اور حکومت سنجیدہ نظر آئی تو فوراً شیعہ نے کہا کہ پھر میلاد کے جلوس پر بھی پابندی ہو اور بریلوی پوری طرح میدان میں آ گئے، چنانچہ شیعہ کو بچا لیا گیا۔ اذان میں اگر اُس نے ”علی ولی اللہ“ کا اضافہ کیا تو اِس نے ”صلاۃ و سلام کا“ دلیل پوچھو تو جواب ملے ”منع کہاں ہے تم

درود کے منکر ہو۔'' چنانچہ یہی بہانہ شیعہ نے بنایا کہ ''منع کہاں ہے تم علی کی ولایت کے منکر ہو۔'' اسی پر دیگر بدعات کو قیاس کر لیں۔
پاکستان میں جب بھی دیو بندی شیعہ تنازعہ کھڑا ہوا تو آپ کو بریلوی شیعہ اسٹیج پر اُن کی حمایت میں کھڑے ملیں گے۔

(۲۵) شیعہ حضرات کے دل میں ام المومنین اماں عائشہ طیبہ طاہرہ عفیفہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں جو بغض، کینہ، حسد ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں، معروف شیعہ عالم ملا باقر مجلسی لکھتا ہے کہ :

''جب ہمارا بارہواں امام آئے گا تو عائشہ کے گناہوں کے سبب ان کو ان کی قبر سے نکال کر حد جاری کرے گا۔'' (حیات القلوب اردو: ۲ / ۹۰۲، امامیہ کتب خانہ لاہور) استغفر اللہ۔

مقبول دہلوی رافضی لکھتا ہے کہ :

''عائشہ فاحشہ مبیّنہ کی مرتکب تھیں۔'' (قرآن مترجم: ص ۸۴۰، افتخار بک ڈپو) معاذ اللہ۔

اسی طرح غلام حسین نجفی رافضی لکھتا ہے کہ :

''عائشہ امریکن میم اور یورپین لیڈی کی طرح تھیں۔'' (حقیقت فقہ حنفیہ: ص ۶۴، جامعۃ المنتظر ماڈل ٹاؤن لاہور)۔ العیاذ باللہ نقل کفر کفر نہ باشد۔

مولانا احمد رضا خان بریلوی نے تقیہ باز کٹر شیعہ ہونے کی وجہ سے اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق فاحشہ مبیّنہ اور امریکن میم و یورپین لیڈی کے اسی رافضی تصور کو اپنے اشعار میں اس طرح بیان کیا:

قصیدہ در مناقب شریفہ امّ المومنین صدّیقہ رضی اللہ عنہا

تنگ و چست ان کا لباس اور وہ جوبن کا ابھار مسکی جاتی ہے قبا سر سے کمر تک لے کر
یہ پھٹا پڑتا ہے جوبن مرے دل کی صورت کہ ہوئے جاتے ہیں جامہ سے بروں سینۂ و بر

(حدائق بخشش: ۳ / ۳۷، کتب خانہ اہلسنت ریاست پٹیالہ)

یعنی اماں عائشہ رضی اللہ عنہا اتنا تنگ و چست لباس پہنتی تھیں کہ قبا (قمیص) سر سے کمر تک بالکل کھینچی ہوئی تھی۔ گویا ایسا چست لباس کہ ابھی پھٹا کہ ابھی پھٹا اس چست لباس میں ان کے سینے کے ابھار کپڑوں سے باہر ہوئے جاتے تھے، جس کی خوبصورتی دیکھ کر میرا دل بھی ان کی قمیص کی طرح پھٹا جا رہا تھا۔ استغفر اللہ، العیاذ باللہ، نقلِ کفر کفر نہ باشد۔

یا اللہ، گواہ رہ! اماں جی میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اس لیے کہ کوئی بیٹا یہ پسند نہیں کرتا کہ اس کی ماں کو جو گالیاں دی جائیں اسے سرِ عام اس طرح بیان کرے، وہ گالیاں جس کو نوکِ قلم پر لاتے ہوئے ہاتھوں پر لرزہ طاری ہے، قلم بار بار ساتھ دینے سے انکار کر رہا ہے، جسے سمندر میں ڈال دیا جائے تو اس کی غلاظت سے سمندر کڑوا ہو جائے، آسمان دیکھ لے تو پھٹ جائے، جس کے تعفّن سے زمین پر جن وانس، چرند و پرند کے دَم گھٹنے کو ہے۔ خدا کی قسم! اگر سادہ لوح عوام کو ان تقیہ باز رافضی اور نام نہاد اہل السنّت کا اصل چہرہ دکھانا مقصود نہ ہوتا تو میں کبھی ان غلیظ عبارات و اشعار کو نوکِ قلم پر نہ لاتا۔

کون اماّں عائشہ؟ ہاں ہاں! وہ اماّں عائشہ رضی اللہ عنہا جن کے مقدّس گھر میں مدفون ہونے کے لیے دروازہ کے باہر حضرت عمر فاروق

رضی اللہ عنہ کی میت بھی اور سیدنا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی میت بھی اجازت طلب کرتی ہے ۔۔۔کون امّاں عائشہ؟ ہاں ہاں !!!!وہ امّاں عائشہ رضی اللہ عنہا جن کے گھر کے صحن میں ایک طرف افضل النّاس بعد الانبیاء صدیق اکبر اور دوسری طرف مرادِ رسول عمر فاروق رضی اللہ عنہ آسودۂ خاک ہیں ۔۔۔کون امّاں عائشہ؟ ہاں ہاں !!!!وہ امّاں عائشہ رضی اللہ عنہا جن کے گھر سے بروزِ قیامت نبیوں کا سرتاج ﷺ اور آیت من آیات اللہ سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السّلام جلوہ افروز ہوں گے ۔۔۔کون امّاں عائشہ؟ ہاں ہاں !!!! وہ امّاں عائشہ رضی اللہ عنہا جن کے گھر کو ربّ نے زمین ہی پر جنت کا ٹکڑا بنا دیا مابین بیتی ومنبری روضۃ من ریاض الجنۃ ۔۔۔کون امّاں عائشہ؟ ہاں ہاں !!!!وہ امّاں عائشہ رضی اللہ عنہا جن کے گھر پر روز آنہ ستر ہزار فرشتے درود وسلام پڑھنے کے لیے نازل ہوتے ہیں ۔۔۔کون امّاں عائشہ؟ ہاں ہاں !!!!وہ امّاں عائشہ رضی اللہ عنہا جن کے گھر میں اللہ کے محبوب نے آخری سانس لی ۔۔۔کون امّاں عائشہ؟ ہاں ہاں !!!!وہ امّاں عائشہ رضی اللہ عنہا جن کے گھر کو ربّ نے اپنے محبوب ﷺ کی آخری آرام گاہ کے لیے منتخب کرلیا ۔۔۔کون امّاں عائشہ؟ ہاں ہاں !!!!وہ امّاں عائشہ رضی اللہ عنہا جن کے گھر کو نبی کریم ﷺ کے جسمِ اطہر سے مس ہونے والے آخری پانی جذب کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ۔۔۔کون امّاں عائشہ؟ ہاں ہاں !!!!وہ امّاں عائشہ رضی اللہ عنہا جن کے گھر کے در و دیوار جبرئیل علیہ السّلام اور وحی الٰہی کے نزول کے شاہد و ناظر ہیں ۔۔۔کون امّاں عائشہ؟ ہاں ہاں !!!! وہ امّاں عائشہ رضی اللہ عنہا جن کے گھر کے صحن کی وہ مٹی جو نبیِّ اکرم ﷺ کے جسم مبارک کو چھو رہی ہے عرش سے بھی افضل و اکرم ہے ۔

یارو!!!! مکان کی عزت مکین سے ہوتی ہے !!!!اور جس ہستی کے گھر کا یہ مقام و رتبہ ہو وہ ذاتِ مقدّسہ خود عزت ، رفعت ، عظمت ، بلندی اور پاکیزگی کے کس مقام مرتبہ پر فائز ہوگی اس کا فیصلہ خود کرلو !!!! مگر ہائے ! اس ذاتِ مقدّسہ کے بارے میں ایک ظالم کہتا ہے کہ جب بارہواں امام آئے گا تو اسے زندہ کرکے اس کے کرتوتوں کے سبب اس پر حد جاری کرے گا، معاذ اللہ ! اور دوسرا بے ایمان کہتا ہے کہ مسلمانوں کی ماں عائشہ ٹیڈی اور ایسا تنگ و چست لباس پہنتی کہ ان کے ابھرے ہوئے سینے دیکھ کر عاشقوں کا دل پھٹ جاتا ایسے بے ایمانوں کے خلاف میں آواز اٹھاؤں !!!! میں درد کے مارے چیخوں !!!! میں صدائے احتجاج بلند کروں !!!! تو مجھے کہتا ہے کہ چپ ہو جا !!!! فرقہ واریت نہ پھیلا !!!! نہ، نہ، خدا کی قسم ! ماں کو سرِ عام گالیاں دی جائے، اس پر فخر کیا جائے !!!! اس بے حیائی پر بے غیرت بیٹا تو چپ رہ سکتا ہے غیرت مند بیٹا نہیں !!!! جا تجھے بے غیرتی مبارک !!!! مجھے غیرت مبارک !!!!

ان اشعار سے رضاخانیوں کی گلوخلاصی کی ناکام کوشش

تاویل نمبر ۱: حدائقِ بخشش حصہ سوّم اعلیٰ حضرت کا نہیں ہے ۔

جواب : یہ حصّہ احمد رضا خان بریلوی ہی کا ہے، چنانچہ ڈاکٹر حامد علی بریلوی لکھتے ہیں :

”آپ کا تخلص رضاؔ تھا آپ کا نعتیہ دیوان ”حدائقِ بخشش“ کے نام سے تین حصّوں میں شائع ہو چکا ہے اور تین چار ایڈیشن نکل چکے ہیں ۔“ (المیزان امام احمد رضا نمبر : ص ۷۴۴)

پروفیسر مسعود احمد جو کہ ماہرِ رضویات شمار کیے جاتے ہیں اور رضاخانی تو انہیں اس صدی کا مجدّد بھی کہتے ہیں لکھتے ہیں :

”اب تک دیوانِ حدائقِ بخشش کو مولانا بریلوی کے سارے کلام کا مجموعہ سمجھا جاتا ہے مگر یہ صحیح نہیں ۔۔۔“ (حیات مولانا احمد رضا خان : ص ۱۵۵)

آگے لکھتے ہیں :

”مولانا بریلوی کے انتقال کے بعد بدایوں سے حدائق بخشش حصّہ سوئم کے نام سے ایک مجموعہ شائع ہوا ہے، جس میں مولانا بریلوی کا اردو، فارسی اور عربی کلام شامل ہے۔“(حیات مولانا احمد رضا خان: ص ۱۵۲)

مولانا مصطفیٰ رضا خان ابن مولانا احمد رضا خان کے خلیفہ علّامہ عبد الستار ہمدانی صاحب کی کتاب میں واشگاف الفاظ میں یہ گلہ موجود ہے:

”حدائق بخشش تین حصّوں پر مشتمل ہے تیسرے حصّہ کی اشاعت کسی بے بنیاد عارض کی وجہ سے رکی ہوئی ہے۔۔۔۔حدائق بخشش تیسرے حصّہ کی عدم اشاعت کا کوئی مطلب سمجھ میں نہیں آتا جب کہ امام احمد رضا خان کی شاعرانہ عظمتوں کا صحیح اظہار اسی تیسرے حصّہ سے ہوتا ہے۔۔۔۔معاف کیجیے گا میں علمائے کرام کا مخالف نہیں ہوں، ہم انھیں انتہائی ادب واحترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور انھیں زمین پر نزولِ رحمتِ الٰہی کا سبب جانتے ہیں، لیکن ہمارے علماء شعر کو بھی فقہ کے پیمانے پر ناپتے ہیں جب کہ شاعری میں بہت ساری رعایتیں اور سہولتیں ہوتی ہیں جو بات ہم نثر میں نہیں کہہ سکتے نظم میں اس کا اظہار آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔۔۔۔حدائق بخشش حصّہ سوّم میں کوئی شرعی قباحت نہیں جس قباحت کا اقرار واعلان کیا جارہا ہے وہ خالص ذہن کی پیداوار ہے جس قصیدے کے اشعار پر اعتراض کیے گئے ہیں ان اعتراضات کی کوئی حقیقت نہیں اگر اُسی وقت اہلِ فن سے رجوع کیا جاتا تو بات قطعی آگے نہیں بڑھتی۔“(عرفانِ رضا در مدح مصطفی: ص ۱۹، الاعظمیہ پبلی کیشنز لاہور)

اس حوالے کے بعد ان لوگوں کو یقیناً ڈوب مرجانا چاہیے جو حدائق بخشش حصّہ سوّم کو احمد رضا خان کی شاعری کا مجموعہ تسلیم کرنے سے منکر ہیں، نیز بریلوی مولوی کی یہ عبارت ”ہمارے علماء شعر کو بھی فقہ کے پیمانے پر ناپتے ہیں جب کہ شاعری میں بہت ساری رعایتیں اور سہولتیں ہوتی ہیں جو بات ہم نثر میں نہیں کہہ سکتے نظم میں اس کا اظہار آسانی سے کیا جاسکتا ہے“ ان تقیہ باز رافضیوں کی دلی سیاہی کا منہ بولتا ثبوت ہے، کیا کوئی رضا خانی مجھے یہ اجازت دیتا ہے کہ میں یہی اشعار اس کی ماں کے متعلق نثر میں نہیں نظم میں کہوں؟ کچھ تو شرم کرو!!!!

تاویل نمبر ۲ : کتاب تو احمد رضا خان کی ہے مگر یہ اشعار ان کے نہیں۔

جواب : یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، پوری کتاب ان کی ہو اور چند مخصوص اشعار کسی اور کے ہیں آخر اس پر دلیل کیا ہے اور اس کا ثبوت کیا ہے؟ اس مجموعہ کے مرتّب مولوی محبوب علی خود لکھتا ہے کہ میں نے یہ اشعار فاضل بریلوی کی :

”پرانی قلمی بوسیدہ بیاض سے نہایت احتیاط سے نقل کیے۔“(ماہنامہ سنّی لکھنؤ ذوالحجّہ ۱۳۷۴ھ)

اسی طرح لکھتے ہیں :

”مجھے اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کچھ کلام جواب تک چھپا نہیں ہے بڑی کوشش و جانفشانی سے بریلی شریف وسرکار مارہرہ مطہرہ پیلی بھیت و رامپور وغیرہ وغیرہ مختلف مقامات سے دستیاب ہوا جو آج برادرانِ اہل سنّت کی خدمات میں ”حدائق بخشش حصّہ سوّم“ کی شکل وصورت میں پیش کر رہا ہوں۔“(حدائق بخشش حصّہ سوّم: ص ۱۰، فیصلہ مقدّسہ: ص ۴، دار النور لاہور)

یہ محبوب علی رضوی کوئی معمولی آدمی نہیں ہمعروف بریلوی مولوی مشتاق نظامی اسی محبوب رضوی کے متعلق لکھتا ہے :

”محبوب ملّت، شیخ طریقت، مفتی بمبئی، عالم باعمل حضرت مولانا الحاج محمد محبوب علی خان قادری۔“(سوانح شیر بیشہ سنت: ص ۸، النوریہ الرضویہ پبلشنگ کمپنی لاہور)

مولوی مصطفیٰ رضا خان صاحب لکھتے ہیں کہ مولوی محبوب علی نے :

”اعلیٰ حضرت قدّس سرّہ کا انھیں منقبتِ سیدنا عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا میں لکھنا سمجھا اعلیٰ حضرت کا سمجھ کر ان پر اعتماد کر کے انھیں اسی جگہ ثابت رکھا اور اسے اعلیٰ حضرت کے علم و ادب و تقدّس و حمیّت و غیرت کے منافی نہ جانا اور شعراء کی شاعری کی طرح سمجھ کر اور اعلیٰ حضرت کے علم و عمل پر بھروسہ کر کے اسے جائز جان کر یہی رہنے دیا۔“ (فیصلہ مقدسہ: ۳۵)

استغفر اللہ! خود بیٹا اقرار کر رہا ہے کہ مرتّب نے ان اشعار کو احمد رضا خان ہی کا سمجھا ان کی غیرت و حمیّت کے خلاف نہ جانا اور شعراء کی شاعری کی طرح ان کے علم و عمل پر بھروسہ کر کے اسے جائز جان کر ان اشعار کو یہی رہنے دیا۔ الولد سرلأ بیہ بیٹے کو بھی معلوم تھا اور مرید بھی جانتا تھا کہ میرا باپ اور پیر خالص رافضی ہے اس کا تو اماں جی کے متعلق عقیدہ یہی ہے اس لیے ان گندے اشعار کو اعلیٰ حضرت کی غیرتِ علم و عمل کے منافی نہ جانتے ہوئے یہی رہنے دیا۔ یہاں ”علم و عمل“ کے لفظ پر بار بار غور کریں، گویا جناب احمد رضا خان صاحب کا اماں جی کے متعلق کل ”علم“ یہی تھا جن کو ان اشعار میں بیان کیا اور ”عمل“ بھی یہی تھا، گو یا یہ گالیاں صرف ان اشعار کی صورت میں نہ دی گئی تھیں، ان کا تو روز کا عمل و معمول ہی یہی تھا، کیا اب بھی اس آدمی کے رافضی ہونے میں کوئی شک رہ جاتا ہے؟؟؟؟

تاویل نمبر ۳ : ”کتاب بھی ان کی ہے اشعار بھی ان کے ہیں مگر یہ اشعار کسی اور جگہ کے ہیں، کاتب نے یہاں لکھ دیے۔“

جواب : بریلویوں کے پاس یہ سب سے آسان نسخہ ہے کہ جب کسی کفر و گستاخی سے جان چھڑانی ہو تو کہہ دو کہ کاتب وہابی تھا کاتب بد مذہب تھا اس نے یہ حرکت کی، گویا ان نامرادوں کو پورے پاک و ہند میں اپنی کتابیں چھاپنے کے لیے بزعمِ خود صحیح العقیدہ کوئی کاتب دستیاب نہیں ہوتا۔ اگر یہ کاتب کی غلطی ہے تو آخر وہ کاتب کہاں ہے؟؟؟؟ اس کے خلاف کیا تادیبی کاروائی کی گئی؟؟؟؟

پروفیسر مسعود کے ابا حضور مفتی مظہر اللہ دہلوی اس کو کاتب کی غلطی ہی تسلیم نہیں کرتے ملاحظہ ہو

”میرے نزدیک زید بھی ان ناپاک الزام سے بری ہے اور کاتب بھی۔“

(فتاویٰ مظہری: ص ۴۰۳، ادارہ مسعودیہ ناظم آباد کراچی)

آپ کا مفتی اعظم دہلوی تو لکھتا ہے کہ کاتب بھی اس الزام سے بری ہے تو ہم آپ کو سچا جانیں یا آپ کے مفتی اعظم کو!!!! نیز ما قبل میں یہ حوالہ گزر چکا ہے کہ اس حدائق بخشش حصہ سوم کے تین چار ایڈیشن نکل چکے ہیں، آپ کوئی ایک ایسا ایڈیشن بتاؤ جس میں کاتب کی اس غلطی کو درست کر دیا گیا ہو بلکہ مفتی مظہر اللہ دہلوی تو یہاں تک لکھتا ہے :

”اہل سنّت کی نظروں سے یہ اشعار یقیناً گزرے، لیکن انھوں نے خاموشی اس لیے اختیار کی کہ ان کو بھی پتہ تھا کہ یہ اشعار ہرگز اعلیٰ حضرت کے نہیں ہیں ۔۔۔ بلکہ کاتب کی غلطی ہیں ۔۔۔ اگر میری اس بات کو نہیں مانو گے تو صرف محبوب علی پر کیوں طعن و تشنیع؟ پھر سب اہل سنّت پر کرو جو اس گناہ میں برابر کے شریک ہیں کہ اشعار پڑھ لینے کے بعد بھی انھوں نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔“ (فتاویٰ مظہری: ص ۳۹۲، ادارہ مسعودیہ نظام آباد کراچی)

پروفیسر مسعود صاحب کے والد صاف لفظوں میں اس بات کا اقرار کر رہے ہیں کہ یہ اشعار نام نہاد اہلِ سنّت کی نظروں سے گزرے ہیں اور انھوں نے اس پر خاموشی اختیار کی اس لیے یا تو کاتب اور مرتّب کو معاف کرو یا سب کو اس گناہ میں شریک تسلیم کرو یعنی اگر میں نے چوری کر لی تو کیا ہوا کل تم نے بھی تو کی تھی۔ ان گندے اشعار پر رضا خانیوں کی خاموشی اور بے حسی کو اس انداز میں بیان کرنا اس بات کی کھلی دلیل

ہے کہ یہ اشعار کسی کاتب یا بدمذہب کی کارستانی نہیں بلکہ ان رضاخانیوں کا امّ المومنین کے بارے میں وہ اجماعی اور جماعتی سطح کا عقیدہ ہے جس کو یہ تقیہ کے سبب اپنے دل میں چھپائے بیٹھے ہیں اور جس کی ترجمانی ان کے سربراہ و بانیٔ مذہب جناب احمد رضا خان بریلوی نے اپنے ان اشعار کی صورت میں کی۔

مجھے کوئی بتائے کہ اگر آج یہی اشعار کوئی مولوی احمد رضا خان کی بیٹی یا بیوی ۔۔۔۔ یا کسی بریلوی ملّاں کی بہو بیٹی کے بارے میں لکھ کر کسی اخبار یا رسالے یا کتاب میں شائع کردے ۔۔۔ تو کیا بریلوی آسمان سر پر نہ اٹھائیں گے ۔۔۔؟؟؟؟؟ کہ ہائے ہائے گستاخی کردی ۔۔۔۔ یا تینتیس (۳۳) برس تک خاموش اور بے حس رہیں گے ۔۔۔؟؟؟؟؟ مگر افسوس! امّ المومنین کی گستاخی پر خاموشی، کیا سنّیوں کی غیرت و حمیّت مرچکی ہے ۔۔۔؟؟؟؟؟

اگر کل کو کوئی کہے :

’’میں نے احمد رضا خان کی بیوی کو بازارِ حسن میں مذکورہ صورت میں دیکھا اور مست ہوگیا یا سردار احمد کی والدہ یا امجد علی اعظم گڑھی کی ہمشیرہ یا مولوی حشمت علی رضوی کی بیٹی یا ابوالبرکات و ابوالحسنات کی والدہ یا نعیم الدین مراد آبادی کی بیٹی یا عبدالحامد بدایوانی کی بیوی یا سعید کاظمی کی بیٹی یا احمد یار گجراتی، یا مصطفی رضا خان کی بہن، مولوی الیاس قادری یا مفتی مظہر اللہ دہلوی کی بہنوں بیٹیوں اور بیویوں کو اس حالت میں دیکھا کہ ۔۔۔۔ ان تمام بریلوی ملّاؤں کی ماں، بہنوں، بیٹیوں کو سینہ تان کر بازارِ حسن میں گھومتے ہوئے میں نے دیکھا اور میں عاشق ہوگیا ۔۔۔ تو بریلوی اس کو برداشت کریں گے ۔۔۔۔ اور یہ بے ایمان تینتیس (۳۳) برس تک اس وجہ سے خاموش اور بے حس رہیں گے کہ یہ تو کاتب کی غلطی ہے کوئی مسلمان اس قسم کی بکواس کسی کی ماں بہن کے بارے میں کیسے کرسکتا ہے ۔۔۔؟؟؟؟؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو تمام کائنات کے سردار کی زوجۂ محترمہ کی اس توہین پر مجرمانہ خاموشی کیوں ۔۔۔؟؟؟؟؟ رضاخانیوں کی غیرت کہاں مرگئی تھی ۔۔۔؟؟؟؟؟ اور اس بے حمیّتی پر عاشق رسول ﷺ ہونے کا دعویٰ کیسا ۔۔۔؟؟؟؟؟

یہی نہیں شقاوتِ قلبی کا اندازہ تو اس سے لگائیں کہ یہی مفتی مظہر اللہ دہلوی اپنے اعلیٰ حضرت کے دفاع میں ناموسِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا سودا اس طرح اپنے فتوے میں کرتے ہیں:

’’۔۔۔۔ اب کون سا اشکال باقی رہ گیا جس کی وجہ سے یہ کہا جائے کہ اس معمولی غلطی کو جو شرعاً قابل گرفت بھی نہیں، ان کی ذاتِ کریمہ (یعنی حضرت امّ المومنین رضی اللہ عنہا ۔۔۔ از ناقل) معاف نہ فرمائے گی اور فرض کیجیے کہ وہ معاف نہ فرمائیں گی تب بھی مسلمانوں کو اس سے کیا علاقہ کہ یہ معاملہ ایک خطا کار بچّہ کا اور ایک مشفقہ ماں کا ہے۔‘‘

(فتاویٰ مظہری: ص ۳۸۸، ادارہ مسعودیہ ناظم آباد کراچی)

قارئین کرام! غور فرمائیں، کتنی بڑی گستاخی ہے کہ اے مسلمانو! اگر مولوی احمد رضا خان نے یہ بکواس کر بھی دی تو تم کو کیا تکلیف ہے؟ یہ سمجھو کہ ایک خطا کار بچّہ اور مشفقہ ماں کا معاملہ ہے وہ معاف کردیں گی، معاف کیجیے گا مفتی صاحب! یہ مولوی احمد رضا خان جیسے نتھو خیرے کی ماں کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ سوا ارب مسلمانوں کی ماں کا معاملہ ہے، حضرت عمر فاروق، عثمان غنی و علی اور تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ماں کا معاملہ ہے، غور فرمائیں! کل کو اگر کوئی بد بخت اس سے بھی بڑی بڑی گالیاں ازواجِ مطہّرات کو دے اور جواب میں کہے

کہ تمہارا کیا کام؟ میں اور میری مشفقہ ماں جانے ۔۔۔۔اور دلیل میں یہ فتویٰ دے تو رضاخانیوں کے پاس سوائے منہ کالا کرنے کے اور کیا رہ جائے گا!!!!

حقیقت یہ ہے کہ یہ اشعار نہ صرف مولانا احمد رضاخان کے اپنے ہیں، بلکہ تمام رضاخانیوں کا عقیدہ امّ المؤمنین کے بارے میں یہی ہے، ان لوگوں کو یہ تاویلات کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ جب علمائے اہل السنّت والجماعت دیوبند کی نظروں سے یہ اشعار گزرے اور ان اشعار کے خلاف احتجاج بڑھنے لگا (انوارِ رضا:ص ۵۴۴) عوام اٹھ کھڑی ہوئی (انورِ رضا :ص ۵۴۴) اور اس احتجاج میں ایک مسلمان قتل ہو گیا (المیزان کا امام احمد رضا نمبر:ص ۴۳۶) اور جب مطالبہ کیا جانے لگا کہ اس کتاب کو شائع کرنے والے مولوی محبوب علی رضوی کو امامت سے معزول کیا جائے (انوارِ رضا: ۵۴۴) تو آخر کار رضاخانیوں نے خاموشی اور بے حسی کا قفل توڑا اور مولوی محبوب علی رضوی کی امامت بچانے کے لیے سارا ملبہ نامعلوم کاتب کے سر ڈال کر مولوی صاحب کی طرف سے طوعاًو کرہاً توبہ شائع کرائی گئی۔

تاویل نمبر ۴: یہ کتاب اگر احمد رضاخان کی ہوتی تو ان زندگی میں شائع ہوتی۔

جواب: یہ کتاب احمد رضاخان ہی کی ہے ما قبل میں ناقابل تردید دلائل گزر چکے ہیں اور ان کی زندگی ہی میں مرتّب ہوئی۔ چنانچہ سرورق پر صاف ۱۳۲۵ھ لکھا ہوا ہے اور شائع بھی احمد رضاخان کی وفات کے صرف دو سال بعد ہوئی ہے۔ رہی یہ بات کہ جو کتاب احمد رضاخان کی زندگی میں شائع نہ ہوئی ہو وہ احمد رضاخان ہی کی نہیں تو اس طرح تو احمد رضاخان کی آدھی سے بھی زائد کتب سے ہاتھ دھونا پڑے گا، احمد رضاخان کی کتابوں کی جو خیالی فہرست رضاخانیوں نے شائع کی ہے ان میں سے آدھی سے زائد کتب آج تک کسی کو دیکھنا نصیب نہ ہوئیں، میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاتا صرف فتاویٰ رضویہ کی مثال دیتا ہوں کہ رضاخانیوں کے نزدیک احمد رضاخان کا سب سے بڑا کارنامہ اس کی فتاویٰ رضویہ ہے یہ بھی اس کی زندگی میں مکمل شائع نہ ہوا، بلکہ اس کی وفات کے کئی سال بعد تک اس کی صرف پانچ جلدیں شائع ہوئی تھیں اور بقول مفتی اقتدار خان نعیمی کے کہ اس کتاب کی کئی جلدیں تو دیمک کی خوراک کی نظر ہو گئی ہیں، تو کیا اب ان کتب کے انکار کی بھی رضاخانی جرأت کریں گے؟؟؟؟

تاویل نمبر ۵: کتاب بھی احمد رضاخان کی ہے اشعار بھی انہی کے ہیں مگر اشعار امّاں عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعلق نہیں بلکہ ان گیارہ مشرکہ بازاری عورتوں کے متعلّق ہیں، جن کا ذکر بخاری ومسلم میں ہے۔

جواب: یہ تاویل بھی باطل ہے اس لیے کہ آپ حضرات اس بات پر بھی غور فرمائیں کہ اشعار میں ''ان'' کا لفظ ہے جو تعظیم کے لیے ہے اور آخر میں ''قبا'' کا لفظ ہے جو واحد ہے، اگر ان گیارہ مشرکہ عورتوں کے بارے میں یہ کلام ہوتا تو آخر میں ''قبائیں'' جمع کا صیغہ ہوتا، مگر ایسا نہیں خود اشعار اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ شعر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے متعلّق ہیں۔ پھر مزید غور فرمائیں کہ اس پورے قصیدے کی ''ردیف'' ایک ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ تمام اشعار ایک ہی قصیدے کے ہیں، مزید یہ کہ مذکورہ گستاخانہ اشعار کے متّصل بعد ہی یہ اشعار ہیں :

تن اقدس پر لباس آیۂ تطہیر کا ہو
سورۂ نور ہو سر پر گہر آمان معجز!
یا حمیراء کا تن اقدس پر گلگوں جوڑا

(حدائق بخشش: ص ۳۷)

نمبر ۱: کیا بازاری عورتیں ''تن اقدس'' والی ہوتی ہیں؟

نمبر ۲: اور کیا یہ آیتِ تطہیر ان مشرکہ عورتوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی؟

نمبر ۳: اور کیا سورۂ نور کی آیتِ برأت کا مصداق یہی عورتیں تھیں؟

نمبر ۴: اور کیا ''یا حمیراء'' کہہ کر ان مشرکہ عورتوں کو پکارا جاتا تھا؟ ؏

حضرت تمہاری چال بھی کتنی عجیب ہے
رکھتے کہیں پاؤں پڑتا کہیں پہ ہے

بالفرض بریلوی حضرات کی اس تاویل کو اگر تسلیم کرلیا جائے کہ یہ اشعار حضرت امّ المومنین رضی اللہ عنہا کے متعلق نہیں تھے بلکہ امّ زرع مشرکہ کے متعلق تھے تو بھی نہ صرف حضرت امّ المومنین رضی اللہ عنہا کی شدید گستاخی ہے، بلکہ حضور ﷺ کی بھی شدید گستاخی ہے کہ مسلم شریف جلد دوم ص ۲۸۷، میں حضور ﷺ کا یہ قول موجود ہے کہ

''کنت لکِ کأَبی زرع لأمّ زرع ۔''

ترجمہ: میں تیرے لیے ایسا ہوں جیسے ابوزرع ام زرع کے لیے۔

یہاں نبیؑ کریم ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو امِّ زرع سے تشبیہ دی اور اسی امِّ زرع کے بارے میں مولوی احمد رضا خان یہ گستاخانہ اشعار کہہ رہے ہیں بتاؤ! جس عورت کو امّ المومنین سے تشبیہ دی جارہی ہو کیا اس خاتون کے بارے میں اس قسم کی فحش گوئی کرنا درست ہے ؟؟؟؟ معذرت کے ساتھ میں اگر کہوں کہ مولوی احمد رضا خان کی بیٹی ایسی ہے۔۔۔۔ جیسے لاہور کی کوئی طوائف۔۔۔۔ مولوی الیاس قادری کی بیوی کے سینے کے ابھار اس طرح ابھرے ہوئے ہیں۔۔۔۔ جیسے فلاں عورت کے، جس کی وجہ سے میرا سینہ پھٹا جارہا ہے۔۔۔۔ بتائیے! یہ بکواس ہم نے مولوی احمد رضا خان یا مولوی الیاس قادری کی بیٹی یا بیوی کے متعلق نہیں کی، بلکہ اس قسم کی عورت سے تشبیہ دی تو کیا یہ ان کی شدید توہین نہیں۔۔۔۔؟؟؟؟ تو پھر جس خاتون کو سرورِ کائنات ﷺ اپنی محبوب زوجۂ محترمہ رضی اللہ عنہا سے تشبیہ دیں۔۔۔۔ آخر اس کے بارے میں اس قسم کے آوارہ ذہن اشعار کہنا کہاں کی شرافت ہے؟؟؟؟

اس سے بڑھ کر اس صورت میں محمد مصطفی ﷺ کی شدید گستاخی ہے یعنی امِّ زرع کا جو واقعہ حدیث میں آیا اس کو مولوی احمد رضا خان ان اشعار میں پیش کر رہے ہیں گویا یہ سب الفاظ کہ۔۔۔۔ اس کے سینے۔۔۔۔ اس کے ابھار۔۔۔۔ اس کے پاجامے۔۔۔۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ! نقل کفر کفر نہ باشد محمد مصطفی ﷺ بیان کر رہے ہیں اور مولوی احمد رضا خان ان کو اشعار میں ڈھال رہے ہیں۔۔۔۔ استغفر اللہ۔۔۔۔ غور فرمائیں! پہلے تو صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گستاخی کی بات تھی، اس تاویل کی صورت میں معاذ اللہ حضور ﷺ کی کتنی بدترین گستاخی ان رافضیوں نے کردی!!!! غور فرمائیں۔۔۔۔!!!!

یہاں ایک سوال ہوسکتا ہے کہ جب احمد رضا خان اتنا بڑا شیعہ تھا تو اُس نے شیعہ کے خلاف کیوں لکھا، اُس کی کتاب ''ردّ الرفضہ'' کے نام سے ہے جس میں شیعہ کی تکفیر ہے۔

یہ سوال اُن حضرات کے ذہنوں میں آسکتا ہے جو شیعہ مذہب کی نفسیات سے واقف نہ ہوں۔ دراصل تقیہ نام ہی اس چیز کا ہے کہ دھوکہ اور

دجل کا ہر حربہ استعمال کرکے سنّیوں کو دھوکہ دیا جائے، مسلک کے لیے تقیہ کی آڑ میں کفر کا ارتکاب کرنے سے بھی گریز نہ کیا جائے۔ شیعوں کی یہ تکفیر تقیہ پالیسی پر عمل کرنے کا حصّہ تھا تا کہ بھولے بھالے سنّیوں کو یہ یقین دلایا جائے کہ جو آدمی خود شیعہ کی تکفیر کر رہا ہو وہ شیعہ کیسے ہوسکتا ہے اور یہ وار نشانہ پر بھی لگا، اس موقع پر بس کاشفِ مکائد روافض حضرت شاہ عبداللہ العزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا حوالہ دینا چاہوں گا وہ لکھتے ہیں :

''شیعہ مذہب کا ایک مکر یہ ہے کہ اُن کے علماء اپنے آپ کو تقیہ کی آڑ میں بظاہر مسالکِ اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) میں سے کسی ایک کا پیروکار بتاتے ہیں اور سختی سے اس پرکار بند رہتے ہیں یہاں تک کہ وہ سنّیوں کے مدارس میں استاذ لگ جاتے ہیں اور ترقی کرتے کرتے صدر مدرّس کے عہدہ تک پہنچ جاتے ہیں، اسی مسلک کو پڑھتے پڑھاتے ہیں، اسی کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں یہاں تک کہ لوگ اُن کو اپنا مقتدا و پیشوا ماننے لگ جاتے ہیں اور اس کے بعد پھر وہ رفتہ رفتہ سنّی عوام میں رفض (شیعیّت) کے جراثیم پھیلانے شروع کر دیتے ہیں۔'' (تحفۂ اثنا عشریہ فارسی: ص ۵۲ ملخصاً، کتب خانہ اشاعتِ اسلام مٹیا محل، دہلی)

یہی کام احمد رضا بریلوی نے کیا، خود کو کٹر حنفی سنّی ظاہر کیا اور اپنی سنّیت و حنفیت کا بھرم قائم کرنے کے لیے بظاہر اسی پر فتوے بھی دیتا رہا اور روافض کی تردید بھی کی، مگر درپردہ وہ سنّیوں میں شیعہ عقائد و تعلیمات کو پھیلاتا رہا جس کی قدرے تفصیل ما قبل میں گزر چکی ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس آدمی کا سب سے سیاہ کارنامہ اہل السنّت والجماعت میں تفریق پیدا کرنا ہے۔ بریلویت کے نام سے ایک معتد بہ گروہ کو اہل السنت والجماعت سے کاٹ کر روافض کی طرف لے جانا اور انھیں آپس میں ہمیشہ کے لیے دست و گریباں کر دینا اُس کا وہ کارنامہ ہے جو اس سے پہلے کوئی شیعہ نہ کرسکا، اس کا اقرار خود بریلویوں کو بھی ہے، چنانچہ قاری احمد علی پیلی بھیتی لکھتے ہیں :

''مولانا احمد رضا خان صاحب پچاس سال مسلسل اسی جد و جہد میں منہمک رہے یہاں تک کہ مستقل دو مکتبۂ فکر قائم ہوگئے بریلوی اور دیوبندی یا وہّابی۔'' (سوانح حیات اعلیٰ حضرت از شاہ مانا میاں: ص ۸، امین برادرس آرام باغ، کراچی)

مسلسل پچاس سال محنت کرکے فاضل بریلوی نے جو ''بریلوی فرقہ بنایا اس کا اعتقاد و مسلکی مزاج کیا ہے خود بریلوی محقق اسلام و شیخ الحدیث مولانا محمد علی نقشبندی بانی جامعہ رسولیہ شیرازیہ لاہور کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں :

''موجودہ دور کے بعض سنّی مصنّفین و واعظین کا جائزہ لینا اشدّ ضروری ہے کیوں کہ اُن کی تصنیفات اور وعظ ایسی باتوں سے بھرے پڑے ہیں جو مسلک شیعیت کی تائید و ترجمانی کرتی ہے۔'' (میزان الکتب: ص ۵۷۹، ناشر مکتبہ نوریہ حسینیہ بلال گنج، لاہور، بارِ دوم فروری ۲۰۰۹ء)

بریلوی عالم افتخار الحسن زیدی کی کتاب ''خاکِ کربلا'' کے متعلق لکھتے ہیں :

''محرّم الحرام کے دوران ہمارے کچھ سنی واعظین شہادت کے موضوع پر ایسا دردناک سماں باندھتے ہیں کہ شیعہ ذاکرین کو بھی پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔'' (میزان الکتب: ص ۵۸۰)

آگے لکھتے ہیں :

''ان غیر محتاط واعظین نے مسلک اہلِ سنّت کی حقّانیت کو سخت نقصان پہنچایا۔'' (میزان الکتب: ص ۵۸۰)

زیدی صاحب لکھتے ہیں کہ :

''اگر آپ کو آسمان سے جبرئیل بھی روکتا تو نہ رکتے (کربلا کی طرف سفر کرنے سے)۔'' (خاکِ کربلا:ص ۲۱۳)

مولوی محمد علی صاحب لکھتے ہیں :

''یہ بات انھوں نے محض واعظانہ رنگ اور قصّہ خوانی کے انداز میں لکھ دی ہے جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ایمان کے لیے خطرہ ہے۔''

(میزان الکتب:۵۸۵)

صاحبزادہ سیدافتخار الحسن زیدی صاحب بریلوی نے سیدہ صغریٰ کو سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی قرار دے کر بچّی ہونے کی وجہ سے ان کا مدینہ میں ٹھہرنا لکھا اور وہاں مدینہ طیبہ میں اُن کی آہ وفغاں ،فریادیں ، دہاڑیں وغیرہ لکھیں حالانکہ یہ سب من گھڑت اور جھوٹی کہانیاں ہیں،اس واقعہ اور قصّہ پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ الحدیث مولوی محمد علی بریلوی لکھتے ہیں کہ :

''صاحبزادہ صاحب نے اس دردناک انداز سے لکھا کہ شیعہ ذاکر بھی اسے پڑھ کر آنسو بہانا شروع کردیں۔''

آگے لکھتے ہیں :

''واقعہ کربلا کے بیان میں سنّی واعظین اور شیعہ ذاکرین دونوں کا مقصدِ واحدہ رلانا پٹانا ہے۔'' (میزان الکتب : ۵۸۶)

آگے لکھتے ہیں :

''اس واقعہ کو جس طرح صاحبزادہ صاحب نے تحریر کیا ہے بشرطیکہ کوئی ثقہ عالم نہ ہو تو بغیر ماتم کیے نہ رہ سکے۔'' (میزان الکتب:ص ۵۹۷)

یہی واقعہ مفتی حبیب سیالکوٹی بریلوی نے بھی نقل کیا ہے جس پر بریلوی زعماء کی تقریظیں ہیں،اس پر تبصرہ کرتے ہوئے بریلوی بزرگ لکھتے ہیں کہ :

''آج کل کے سنّی واعظین کے محرّم کی تقریروں کی کامیابی کے لیے سیدہ صغریٰ بنت حسین کا من گھڑت واقعہ زینت بنا ہوا ہے۔'' (میزان الکتب:ص ۵۹۸)

''خلاصہ صغریٰ بچّی تھی جس کو امام عالی مقام بچّی ہونے کی وجہ سے چھوڑ گئے تھے وہ ہر وقت روتی رہتی ،ہر کوفہ جانے والے کو اپنا درد سناتی ،اپنی داستان پیش کرتی ، وہاں جانے کی تمنّا کرتی اور ایسے درد بھرے الفاظ کہتی کہ ہر سننے والا رونے لگتا اور کہتی یہاں مجھ غریب کا پوچھنے والا کوئی نہیں ،میں اکیلی غموں کے پہاڑ میں پھنسی ہوئی ہوں وغیرہ وغیرہ یعنی مدینہ منورہ میں جس قدر صحابہ کرام اور اہلِ بیت کے افراد تھے اُن میں کسی کو اس بچّی پر ترس نہ آتا نہ اس کا کوئی پرسانِ حال ہوتا۔۔۔الخ۔'' (میزان الکتب:۶۰۲)

اگر یہ واقعہ سچّا ہے تو پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت پر بدگمانی اور بداعتمادی ہوگی،جو بریلوی علماء ثابت کرنے کے لیے کوشاں ہیں۔افتخار الحسن بریلوی کے متعلق بریلویوں کے جید عالم لکھتے ہیں کہ :

''افتخار الحسن نے اپنی اس کتاب میں جو کربلا کی دسویں رات کا واقعہ نقل کیا ہے اس میں نوحہ خوانی اور مرثیہ خوانی کے ذریعہ خوب رلانے پٹانے کی کوشش کی ہے۔'' (میزان الکتب: ص ۶۱۸)

حالانکہ ابو داؤد شریف میں نوحہ کرنے والوں اور روالیوں پر لعنت کی گئی ہے اور نبیؐ پاک ﷺ نے مرثیوں کے لکھنے سے بھی منع فرمایا ہے، مگر شیعہ حضرات کو یہ بات قبول نہیں اور یہ بناسپتی سنّی جو کہ شیعہ ہیں یہ نوحے اور مرثیوں پر کتابیں لکھ رہے ہیں، فیا اسفا! یہی واقعہ بڑی دلسوزی اور رنگینی کے ساتھ بریلوی عالم مولوی نوری قصوری نے ''باراں تقریراں'' میں اور مولوی شمس بریلوی جو کہ ''منظر الاسلام'' میں استاذ تھا اس نے ''مرقعِ شہادت'' میں اور مولوی صائم چشتی بریلوی نے بھی ''شہید ابن شہید'' میں نقل کیا ہے تا کہ اس کو پڑھنے والوں میں غم حسین رضی اللہ عنہ پیدا کیا جائے اور رونے رلانے کی فضا قائم ہو۔ بریلوی شیخ الحدیث نے حق گوئی کرتے ہوئے اس جید بریلوی بزرگ صائم چشتی کے بارے میں لکھ دیا :

''صائم چشتی کی ایک اور تصنیف ''مشکل کشا'' ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی سوانح پر لکھی گئی ہے، اس کتاب میں صائم چشتی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق انہی عقائد و نظریات کا پرچار کیا ہے جو رافضیوں کے ہیں۔''

(میزان الکتب: ص ۶۳۱)

آگے لکھتے ہیں :

''شہید ابن شہید خاکِ کربلا کی طرح من گھڑت داستانوں اور حدودِ شرعیہ کو پامال کرنے والے جملوں سے اٹی پڑی ہے۔''

بریلوی بزگ صائم چشتی نے ''شہید ابن شہید'' میں یہاں تک لکھ دیا :

''سیّدہ زینب کے سر سے چادر اتری ہوئی تھی، بال بکھرے ہوئے ۔۔۔۔صابروں کا امام بھی یہ منظر دیکھ کر تڑپ کر رہ گیا، حوصلہ کر کے آگے بڑھے، بہن کی گری ہوئی چادر کو اٹھایا علی کی بیٹی کا سر ڈھانپ دیا، جناب سکینہ کو گود میں لیا۔۔۔۔ فرمایا بیٹی سکینہ ! اٹھو، جلدی کرو، آخری ملاقات کرلو، آخری بار بابا کے سینہ سے تو لپٹ جاؤ۔''

(شہید ابن شہید: ص ۳۱۶-۳۱۵)

اس پر تبصرہ کرتے ہوئے بریلوی عالم لکھتے ہیں :

''سیدہ زینب کے سر سے چادر اتری ہوئی اور اُن کے بال بکھرے ہوئے تھے۔'' کیا خاندانِ رسالت کی عظیم شہزادی کا یہ عمل قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ کے صراحتاً خلاف نہیں ۔۔۔۔گویا صائم فیصل آبادی اس بے بنیاد عبارت سے سیّدہ زینب رضی اللہ عنہا کو قرآن و حدیث کے احکام کے خلاف عمل کرنے والی ثابت کرنا چاہتا ہے۔'' (میزان الکتب: ص ۶۳۴)

آگے لکھتے ہیں :

''سکینہ کو گود میں لینا۔۔۔۔امام عالی مقام کی طرف انھیں منسوب کرنا کس قدر بے باکی اور گستاخی ہے ۔۔۔۔سیّدہ سکینہ کوئی بچّی نہیں کہ انھیں سینہ سے لپٹ جانے کا کہا جائے، انھیں بچّی کہنا اور گود میں لینے کی بات کرنا قطعاً من گھڑت ہے، آپ شادی شدہ ہیں اور ان کے خاوند عبداللہ بن حسین یہ دونوں (میاں بیوی) واقعہ کربلا میں موجود تھے۔'' (میزان

الکتب:۵ ۶۳)
سیّدہ سکینہ کو سینہ سے لگانے والی بات افتخار الحسن زیدی نے بھی اپنی کتاب ’’خاکِ کربلا‘‘ میں لکھی۔ یہ پورا واقعہ نقل کرکے بریلوی شیخ الحدیث نے یہ فیصلہ دیا کہ :

’’یہ سب باتیں اور مکالمہ بازی افتخار الحسن صاحب کی اختراعی ہیں، اگر بنظرِ انصاف دیکھا جائے تو بہت سی گستاخیوں سے بھری پڑی ہیں۔‘‘

(میزان الکتب:ص ۶۳۸)

آگے لکھتے ہیں :

’’ایسے بے اصل واقعات کو رقّت آمیز لہجے میں رلانے کے انداز سے بیان کرکے وہ سنّیت کی نہیں بلکہ شیعیت کی خدمت کرنے کے کیوں در پے ہیں۔‘‘(میزان الکتب:ص ۶۴۰)

مولوی محمد علی نے تحقیق سے یہ ثابت کیا کہ امام حسین رضی اللہ عنہ کے پاس کربلا میں بھی سواری اونٹ تھے اور مدینہ سے چلتے وقت بھی، نہ کہ گھوڑے۔

آگے لکھتے ہیں :

’’افسوس ہے ایسے سنّی واعظین وخطباء پر جو اہلِ تشیّع کے لیے گھوڑے ذوالجناح کا ثبوت اپنی تقاریر میں پیش کرتے ہیں۔‘‘

پھر آگے لکھتے ہیں :

’’ہمارے سنّی حضرات در پردہ شیعوں کے گھوڑا نکالنے کی تائید کرکے اُن کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔‘‘(میزان الکتب:۶۶۴)

جب کہ بریلوی علماء نے گھوڑے پر بڑا زور دیا ہے، دیکھیے کتاب ’’شہادتِ نواسۂ سیّد الابرار‘‘ تاکہ ذوالجناح ثابت ہو جائے۔امام مسلم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو بیٹوں کا قصہ بریلوی مولوی محمد شفیع اوکاڑوی نے ’’شامِ کربلا‘‘ میں اور مفتی جلال الدین امجدی بریلوی نے ’’خطباتِ محرّم‘‘ میں لکھا ہے اور صدر الافاضل نعیم الدین مراد آبادی بریلوی نے ’’سوانح کربلا‘‘ میں لکھا ہے، اس پر تبصرہ محمد علی صاحب کرتے ہیں :

’’امام مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے صاحبزادوں کا واقعہ بھی من جملہ ان واقعات من گھڑت میں سے ہے جسے رلانے اور لوگوں کو دہاڑیں مار مار کر آنسو بہانے کے لیے واعظین اپنے وعظوں میں، ذاکرین اپنے خطاب میں غیر محتاط مصنف اپنی تصنیفات میں ذکر کرتے ہیں۔‘‘(میزان الکتب:۶۸۰)

بریلوی مسلک کی ریڑھ کی ہڈی ابو الحسنات قادری ہیں، انھوں نے ’’اوراقِ غم‘‘ میں قصّۂ شہادتِ امام پاک بھی لکھا ہے، اس کتاب کے متعلق بھی بریلوی بزرگ کی سنیے :

’’اوراقِ غم میں بہت سی باتیں واعظانہ رنگ میں لکھ دیں جو عقائد اہلِ سنّت کو مجروح کرتی ہیں۔‘‘(میزانِ الکتب: ص ۷۲)

بریلوی عالم ابوالحسنات قادری نے اپنی کتاب اوراقِ غم میں یہ لکھا ہے کہ :

''امام حسین رضی اللہ عنہ نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ قاسم یعنی اپنے بھتیجہ کے ساتھ اپنی دختر کا نکاح کر دیا۔ ''(ملخصاً از اوراقِ غم:ص ۲۴۹)

''ابتداء شیعہ ذاکرین نے پیسے بٹورنے کی خاطر رونے پیٹنے کے واقعات گھڑے پھر زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ من گھڑت واقعات کتابوں میں لکھے جانے لگے، انہی واقعات میں سے ایک واقعہ قاسم کی میدانِ کربلا میں شادی کا واقعہ بھی ہے، اسی طرح ہر آنے والے نے من گھڑت واقعات میں مزید اضافہ کیا اور بات کا بتنگڑ بنا دیا، پھر شیعوں کی کتابوں مثلاً فاضل کاشفی سے جھوٹے واقعات اہلِ واعظین اسی غرض کے پیشِ نظر بیان کرنے اور لکھنے شروع کر دیے اور یوں ان نادانوں نے نادانستہ شیعوں کے اصول کو مضبوط کرنے میں بہت کردار ادا کیا اور خوب دنیا کمائی ۔ ان سنّی واعظین نے مسلک اہلِ سنّت کو نقصانِ عظیم پہنچایا، شیعہ ذاکرین کی جگہ اب ان سنّی واعظین نے لے لی۔''

(میزان الکتب:ص ۷۲۹)

قارئین کرام! آپ کو اچھی طرح معلوم ہوگا کہ اس دور میں ماتمی جلوس اور نوحہ خوانی و مرثیہ خوانی وغیرہ تمام بُرے کاموں کی اعانت بریلوی حضرات کر رہے ہیں اور یہ بات صرف ہم ہی نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ ان کے ہم مسلک مولوی محمد علی نے بھی اس بات کا اقرار کیا ہے اور اس پر کئی ثبوت بھی پیش کیے ہیں اور ستم بالائے ستم یہ ہے کہ ان بریلویوں نے یہاں تک بھی لکھنا شروع کر دیا کہ ''غمِ حسین میں رونے کا ثواب ذبح اسماعیل علیہ السّلام پر جو سیدنا ابرہیم علیہ السّلام کو ملا تھا اتنا ملتا ہے۔'' (اوراقِ غم)، معاذ اللہ۔ تو پھر کیوں نہ سارا مسلک ہی غم کی تصویر بنے، یہ سب مہربانی اُن رضاخانی حضرات کی ہے، حالانکہ شریعت مطہّرہ تو صبر کا حکم دیتی ہے نہ کہ ماتم تعزیہ و ذوالجناح کا۔ ہمیں آفتاب کے چمکنے سے زیادہ اس بات پر یقین ہے کہ امام عالی مقام (سیّد شباب اہل الجنّۃ کے مصداق) سے یا اُن کے گھر والوں سے کسی قسم کے غیر شرعی کام کا صدور رہوا ہو اور نہ ہی اُن حضرات کی بابت ہمیں یہ تسلیم ہے، بلکہ انھوں نے میدانِ کربلا میں صبر و تحمّل اور حوصلہ کا مظاہرہ کر کے انسانیت کو صبر کا عملی نمونہ دکھایا۔

مگر رضاخانی حضرات کو یہ باتیں قبول نہیں، اس پر دلیل یہ ہے کہ بریلوی عالم علاّمہ مقبول احمد رضوی شاہ دیول گجرات سے اپنے رسالہ'' سنّی شیعہ بھائی بھائی کیسے؟'' میں لکھتے ہیں کہ'' ہمارے کئی نوجوان ساتھیوں کو گلہ ہے کہ بریلوی شیعہ و سنّی میں فرق نہیں کرتے۔''

تو پھر ہم اُن لوگوں کو دعوت دیں گے کہ

''آؤ! ہمارے ساتھ چلو، یہاں بحمد اللہ فرق ہے اور ہم آپ کو سنّتِ طیّبہ والی پاکیزہ و مطہّر زندگی سمجھائیں گے نہ کہ رسومات و بدعات والی۔''

اللہ ہم سب کو رسم و رواج اور بدعات و خرافات سے بچائے، آمین۔

ڈاکٹر اوشا سانیال جنھوں نے بریلوی مسعودِ ملّت پروفیسر مسعود و یٰسین اختر مصباحی صاحب (یٰسین اختر مصباحی صاحب نے ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مدینہ یونیورسٹی مدینۂ منورہ میں تعلیم حاصل کی۔۔۔۔ یہ بات حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی زبانی محترم عبداللہ الہندی نے راقم سے روایت کی) کے زیرِ سرپرستی بریلوی تحریک اور اس کے بانی مولانا احمد رضا خان صاحب پر مقالہ لکھا، اس میں وہ اعتراف

کرتی ہیں کہ :

''مولانا احمد رضا خان کے بعض عقائد ونظریات شیعیت سے ماخوذ تھے۔سنجیدگی سے غور وخوض کرنے کی ضرورت ہے اگرچہ ماخوذ کے لفظ کا استعمال یہاں بہت مناسب معلوم نہیں ہوتا،تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ رسالت کے تعلق سے مولانا احمد رضا خان اور اہلِ سنّت (بریلوی) کا تصور شیعی اصولوں سے کافی قریب ہے۔''

(برطانوی ہندوستان میں عقیدت پر مبنی اسلام اور سیاست:ص ۲۳۳،کتاب محل لاہور)

ڈاکٹرنی صاحبہ نے اس امر کو بھی تسلیم کیا ہے کہ :

''مولانا احمد رضا خان صاحب کے پیر ومرشد گھرانے ''مارہرہ شریف'' کا شجرۂ نسب شیعوں کے ''زیدی فرقہ'' سے ملتا ہے۔''(برطانوی ہندوستان میں عقیدت پر مبنی اسلام اور سیاست:ص ۱۱۶،کتاب محل لاہور)

بہر حال یہ تمام تر حقائق وشواہد اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی اور اُن کا خاندان ''شیعہ'' تھا،جنہیں انگریز ہندوستان میں اہل السنّت والجماعت کے ٹکڑے کرنے اور ہندوستان میں روافض کے سب سے بڑے دشمن ''خاندانِ ولی اللّٰہی'' کو بدنام کرنے کے لیے سنّیت کا لبادہ پہنا کر سامنے لائے تھے اور تاریخ گواہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب اور ان کے متّبعین روزِ اول سے اہل السنّت اور خاندانِ ولی اللّٰہی کی مخالفت اور اُن کی تکفیر میں پیش پیش ہیں۔

آمدم برسرِ مطلب :

شیعہ حضرات کا ایک بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر واجب ہے کہ جنّتیوں کو جنّت میں ڈالے اور دوزخیوں کو دوزخ میں وہ اُن کو معاف نہیں کر سکتا ورنہ وعدۂ الٰہی کے خلاف اور قولِ ربّانی کا کذبِ محض ہونا لازم آئے گا جو قبح اور عیب ہے اور اللہ تعالیٰ عیب سے پاک اور قبائح پر قادر نہیں۔

چنانچہ شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ شیعہ کے مکائد کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

ترجمہ: ''شیعہ کہتے ہیں کہ اہل السنّت اللہ تعالیٰ پر ظلم کی تجویز کرتے ہیں،اُن کا اعتقاد ہے کہ اگر خداوند تعالیٰ بے گناہ بلکہ فرمانبردار مومن کو دوزخ میں ڈال دے اور اُس کو ہمیشہ عذاب کرے تو روا ہے مگر قرآن میں ہے کہ حق تعالیٰ ایسا نہ کرے گا(شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیعہ کے اس الزام کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں) اس امر کا جوابِ اول معلوم ہو چکا ہے کہ باریٔ تعالیٰ سے اہل السنّت کے نزدیک ظلم ممکن نہیں ہے،اس لیے کہ سب مخلوقات اس کی پیدائش وملک میں ہیں جو چاہے کرے اور باوجود اس کے عذاب کا جائز رکھنا اور بات اور عذاب کرنا بات۔''(تحفۂ اثنا عشریہ فارسی:ص ۳۰،کید سوّم،کتب خانہ اشاعتِ اسلام مٹیا محل دہلی)

یعنی جب ساری مخلوق ہی اللہ کی ملک ہے تو ظلم کیسا؟ بالفرض ظلم کا تصوّر کرلو تو یہ تو تب ہوگا جب اللہ انھیں واقعی جہنّم میں ڈالے ہم تو صرف قدرت کی بات کر رہے ہیں،کسی امر پر قادر ہونا اور بات ہے اور بالفعل اس کا کرنا اور بات ہے،ایک اور مقام پر شیعہ کا رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

’’شیعہ کہتے ہیں کہ اہل السنّت قبائح کا باریٔ تعالیٰ سے ظاہر ہونا جائز رکھتے ہیں یعنی زنا اور چوری کو خدا کی پیدائش اور اس کے ارادہ سے جانتے ہیں شیطان اور انسان کی طرف حوالہ نہیں کرتے اور یہ جائز رکھنا حق تعالیٰ کی کمالِ بے ادبی ہے۔(شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جواب دیتے ہیں کہ) یہ نہیں جانتے کہ اہل السنّت کا مذہب یہ ہے کہ جو کام بہ نسبت انسان و شیطان کے قبیح ہیں اور اُن پر مواخذہ ہوتا ہے باریٔ تعالیٰ کی نسبت اُن میں کوئی قباحت نہیں اور بہت ظاہر ہے کہ حسن و قبح دونوں اضافی امر ہیں اپنے منسوب الیہ کے اختلاف سے مختلف ہوتے ہیں، اصل قباحت یہ ہے کہ ہم باریٔ تعالیٰ کی نسبت بعض چیزوں کو اچھا جانیں اور بعض کو برا، پھر اس میں مشکل میں پڑیں۔‘‘(تحفہ اثنا عشریہ:ص۲۹)

غرض اہل السنّت کا عقیدہ صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنّتیوں سے جنّت کا وعدہ فرمایا ہے اور جہنّمیوں کو جہنّم کی وعید سنائی ہے وہ اپنے وعدہ اور وعید کے مطابق ہی کرے گا مگر یہ اُس پر واجب (لازم) نہیں یعنی وہ اس پر قادر ہے کہ اپنی رحمت سے دوزخی کو جنّت میں ڈال دے اور عدل سے جنّتی کو جہنّم میں ڈال دے لیکن وہ ایسا نہیں کرے گا۔

شیعہ نے کہا کہ اللہ ایسا کرنے پر قادر ہی نہیں اور انھوں نے اہل السنّت کو بدنام کرنے کے لیے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ یہ لوگ اللہ کے لیے کذب کے قائل ہیں، قبائح کے صدور کو مانتے ہیں، اللہ کو عیب دار بتاتے ہیں، ظلم، زنا، چوری وغیرہ پر قادر جانتے ہیں۔

اہل السنّت والجماعت علمائے دیوبند بھی اہل السنّت کے اسی عقیدہ پر کاربند ہیں، جب کہ ان کے مقابلہ میں مولانا احمد رضا خان صاحب اور اُن کی جماعت نے اپنے آباء واجداد یعنی روافض کے عقیدہ کو اپنایا اور اہل السنّت کو بدنام کرنے کے لیے وہی گُر اپنائے جو اِن سے پہلے ان کے روافض اکابر اپنا چکے تھے، چنانچہ مولانا احمد رضا خان صاحب اسی عقیدہ کی بنیاد پر لکھتے ہیں :

’’وہّابی ایسے کو خدا کہتے ہیں ۔۔۔۔جس کا سچّا ہونا کچھ ضرور نہیں جھوٹا بھی ہوسکتا ہے ایسے کہ جس کی بات پر اعتبار نہیں، نہ اُس کی کتاب قابل استناد نہ اُس کا دین لائق اعتماد، ایسے کو جس میں ہر عیب و نقص کی گنجائش ۔۔۔۔بہکنا، بھولنا، سونا، اونگھنا، غافل رہنا، ظالم ہونا حتیٰ کہ مرجانا سب کچھ ممکن ہے، کھانا پینا، پیشاب کرنا، پاخانہ پھرنا، ناچنا تھرکنا، نٹ کی طرح کلا کھیلنا (بازیگر کی طرح کلا کاری دکھانا)، عورتوں سے جماع کرنا، لواطت جیسی خبیث بے حیائی کا مرتکب ہونا حتیٰ کہ مخنث کی طرح خود مفعول بننا کوئی خباثت کوئی فضیحت اس کی شان کے خلاف نہیں، وہ کھانے کا منہ اور بھرنے کا پیٹ اور مردی اور زنی کی علامتیں بالفعل رکھتا ہے۔۔۔۔سبّوح قدوس نہیں خنثیٰ مشکل ہے یا کم سے کم اپنے آپ کو ایسا بنا سکتا ہے، یہی نہیں بلکہ اپنے آپ کو جلا بھی سکتا ہے، ڈبو بھی سکتا ہے، زہر کھا کر یا اپنا گلا گھونٹ کر، بندوق مار کر خودکشی بھی کرسکتا ہے، اس کے ماں، باپ، جورو، بیٹا سب ممکن ہے۔‘‘(فتاویٰ رضویہ قدیم: ۱/ ۷۹۱، سنّی دارالاشاعت علویہ رضویہ، ڈجکوٹ روڈ فیصل آباد، فتاویٰ رضویہ جدید: ۱۵/ ۵۴۵، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

یہ سب مغلّظات اور الزام تراشیاں کس بنیاد پر؟؟؟؟ صرف اس لیے کہ تم نے اللہ کو خلفِ وعید پر قادر مان لیا جو قبیح ہے تو اللہ جب اس قبیح پر قادر رہے تو ان قبائح پر بھی قادر ہوگا، نعوذ باللہ من سوء الفہم۔

ایک اور مقام پر اس خالص علمی اور علمِ کلام کے مسئلہ کو مندرجہ ذیل گھناؤنے انداز میں پیش کرتا ہے:

’’اگر تمہارا ساختہ خدا عورت کی قدر سے گھٹ رہا تو اور بھی گیا گزرا ہوا، عورت قادر ہے کہ زنا کرائے تو تمہارے امام

اور تمہارے پدرِ تعلیم کے کلیہ سے قطعاً واجب کہ تمہارا خدا بھی زنا کرا سکے ورنہ دیوبند میں چکلہ والہ فاحشات اُس پر قہقہے اڑائیں گی کہ نکھٹّو تو ہمارے برابر بھی نہ ہوسکا پھر کاہے پر خدائی کا دم مارتا ہے؟ اب تو آپ کے خدا میں فرج بھی ضرور ہوئی ورنہ زنا کاہے میں کرا سکے گا۔ تعجّب تھا کہ خدا کے لیے آلہ مردی ہو تو اس کے مقابل عورت کہاں سے آئے گی، اندام زنی ہو تو اس کے لائق اُسے مرد کہاں سے ملے گا کہ اس کی ہر چیز نامحدود و بے انتہا ہو گی یوں تو ایک خدائن ماننی پڑے گی جو اس کی وسعت رکھے اور ایک بڑا ڈبل خدا ماننا ہو گا جو دوسری ہوس بھر سکے۔''

(اللہ جھوٹ سے پاک ہے: ص ۱۶۲-۱۶۱، نوری کتب خانہ لاہور)

''ایک رنڈی فاسقوں کی محفل میں رقص کرتی ہے، لحظہ لحظہ کس قدر اپنی جہتیں بدلتی ہے اگر ان کا معبود یوں ہی نہ گھوم سکا تو رنڈی سے بھی گیا۔'' (اللہ جھوٹ سے پاک ہے: ص ۱۶۳)

ان اقتباسات کو پڑھ کر یوں محسوس ہو رہا ہے کہ مولانا احمد رضا خان صاحب ''بریلی کے اُس بازار'' میں بیٹھ کر کتاب تصنیف فرما رہے ہیں، ویسے بھی فاضل بریلوی اور اُن کے خاندان کے طوائفوں کے ساتھ کافی شناسائی تھی تفصیل کے لیے ''مجلہ نورِ سنت کراچی کا کنزالایمان نمبر'' میں راقم کا مضمون ''تعارف صاحب کنزالایمان'' پڑھیں۔ فاضل بریلوی کی کتب میں ان مغلّظات کو دیکھ کر اُن کے خلیفہ اور بریلوی صدرالافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی صاحب کو بھی یہ کہنا پڑا کہ :

''حضور آپ کی کتابوں میں وہّابیوں، دیوبندیوں اور غیر مقلّدوں کے عقائدِ باطلہ کا ردّ ایسے سخت الفاظ میں ہوا کرتا ہے کہ آج کل جو تہذیب کے مدعی ہیں وہ چند سطریں دیکھتے ہی حضور کی کتابوں کو پھینک دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کتابوں میں تو گالیاں بھری ہیں۔''

(فیضانِ اعلیٰ حضرت: ص ۲۷۵، بشیر برادرز لاہور، حیات صدرالافاضل: ۴۹، فرید بک اسٹال لاہور)

بریلوی حضرات کہتے ہیں کہ دراصل مولانا محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے یک روزی میں لکھا ہے کہ اگر خدا کو کذب پر قادر نہ مانو تو خدا کی قدرت انسان سے گھٹ جائے گی کہ انسان تو کذب پر قادر ہو اور خدا نہ ہو تو اعلیٰ حضرت نے جواب میں لکھا کہ انسان تو ان فواحش پر بھی قادر ہے تو پھر خدا کو بھی قادر مانو۔

بریلویوں کے مکر کے جواب میں سردست صرف اتنا ہی عرض کرنا چاہوں گا کہ خود فاضل بریلوی نے لکھا کہ :

''یہ قضیہ بے شک حق تھا کہ جس پر انسان قادر ہے اُس سب اور اس کے علاوہ نامتناہی اشیاء پر مولیٰ عزوجل قادر ہے۔'' (اللہ جھوٹ سے پاک ہے: ص ۱۵۰)

اگر اس قضیہ کی بنیاد پر یہ الزام تراشی اور گھناؤنے عقائد شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیے جا رہے ہیں تو اس کو تو فاضل بریلوی نے بھی تسلیم کیا ہے، ان کے متعلق حکم شرعی کیا ہے؟؟؟؟

بہر حال مولانا احمد رضا خان صاحب نے اپنے اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لیے بدنام زمانہ کتاب ''سبحان السبّوح عن عیب کذب مقبوح'' لکھی۔ پاکستان میں اس کتاب سمیت چند مزید رسائل کو فاضل بریلوی کی طرف منسوب کر کے ''اللہ جھوٹ سے پاک ہے'' کے نام سے نوری کتب خانہ لاہور نے جناب مولانا عبدالحکیم شرف قادری (شیخ الحدیث جامعہ نظامیہ لاہور) کے مقدمہ کے ساتھ شائع کی۔

فاضل بریلوی نے اپنی عادت کے مطابق اپنے اذناب کے ذریعہ اس کتاب کے متعلّق یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ کوئی اس کا جواب نہیں لکھ سکتا، یہ کتاب لاجواب ہے۔ اللہ پاک جزائے خیر عطا فرمائے مولانا عبدالواحد تھانوی فاروقی حنفی رحمۃ اللہ علیہ کو کہ جنھوں نے بروقت اس پروپیگنڈے کا نوٹس لیا اور سبحان السبّوح کا منہ توڑ جواب ”تنزیہ الالہ السبّوح عن نقصان العجز والقبوح“ کے نام سے ۱۳۲۱ھ میں لکھ کر مطبع انصاری دہلی سے شائع کی۔

مولان احمد رضا خان صاحب کی وفات ۱۳۴۰ھ میں ہوئی، گویا اس کتاب کی اشاعت سے بعد ۱۹ رسال تک حیات رہے، مگر نہ تو فاضل بریلوی اور نہ ہی اُن کے اذناب میں سے کسی کو اس کا ردّ کرنے کی جرأت ہوئی، مگر تعجّب ہے مولانا عبدالحکیم شرف قادری صاحب کی ڈھٹائی پر کہ وہ خدا خوفی سے بے پرواہ ہو کر یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ :

”کچھ ایسا ہی حال امام احمد رضا بریلوی کی تصنیفِ جلیل سبحان السبّوح اور دیگر رسائل مبارکہ کا ہے کہ آج تک کسی کو اُن کا جواب دینے کی ہمت نہ ہو سکی۔“ (اللہ جھوٹ سے پاک ہے: ص ۱۶)

حالانکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مولانا عبدالواحد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب سمیت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی اسی موضوع پر کتاب ”الجہد المقل“ کا جواب لکھنے اور ردّ کرنے کی آج تک کسی رضاخانی کو جرأت نہ ہو سکی۔



معترضین کے اعتراضات

رضاخانی معترض نے ”دیوبندیت کی شیعیت نوازی“ کا عنوان لگا کر یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی کہ معاذ اللہ علمائے دیوبند اور شیعیت آپس میں ایک ہیں۔اس پر ہم سر دست انہی معترض صاحب کی کتاب سے مواد سرقہ کرنے والے ایک اور رضاخانی کا تبصرہ نقل کر دیتے ہیں:

”اہل حق پر شیعیت کا الزام کوئی نئی بات نہیں بلکہ خارجی و دیگر گمراہ فرقوں کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ جب دلائل کے میدان میں بے بس و ناکام ہو جاتے ہیں تو پھر اہل حق کو شیعہ کہہ کر بدنام کرنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں“۔(رد اعتراضات ص ۱۴)

شیعہ نواز علمائے دیوبند نہیں معاذ اللہ، بلکہ بریلوی طبقہ ہے چنانچہ تبسم شاہ بخاری بریلوی اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کرتا ہے:

”ادھر ہمارے سنی بھائی اتنے متاثر ہوئے کہ خمینی صاحب کا نام جپنے لگے، کھو کھلے اسلامی دعووں پر یقین کر لیا لیکن افسوس کہ اندر کی تاریکیوں اور غلاظتوں کو جھانک کر دیکھنے کیلئے ان بیچاروں کے پاس نہ بصارت ہے نہ بصیرت ہمیں اپنے سنی بھائیوں سے سخت شکوہ ہے“۔

(دیوبندیوں سے لاجواب سوالات، ص ۵۱۷)

مفتی سلیم استاذ جامعہ رضویہ منظر اسلام بریلی لکھتا ہے:

”گزشتہ کئی دہائیوں سے ردو طرد کا ہدف وہابیت، دیوبندیت رہا۔نیز ادھر چند برسوں سے ہم آپس ہی کے اختلاف و انتشار میں الجھے رہے۔جسکا تشویش ناک نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اہل سنت و جماعت میں انتہائی خاموشی اور چابکدستی کے ساتھ رافضیت اور شیعیت نے اپنے پیر پسارنا شروع کر دئے حتی کہ جماعت اہل سنت کے کئی مشہور و معروف عالم دین اور دانشور حضرات رافضیوں کی طرف محبت و الفت کی پینگیں بڑھانے لگے، ان کے ساتھ مشترکہ اجلاس منعقد ہونے لگے، ان سے دوستیاں گانٹھی جانے لگیں، ان کے ساتھ کھایا پیا جانے لگا، حد یہ کہ ان کے زیر اثر کچھ صحابہ کرام کے تعلق سے انہیں کی بولی بولی جانے لگی“۔

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت، ص ۵، جولائی اگست ۲۰۱۸)

رضاخانی جی یہ رافضی ہونے والے کوئی معمولی بریلوی نہیں بلکہ جید بریلوی علما و دانشور ہیں۔بریلوی شیخ الاسلام طاہر القادری کے رسالے میں ذرا اس عبارت کو بھی ملاحظہ کریں:

”ڈاکٹر طاہر القادری انقلابی فکر کے اعتبار سے امام خمینی سے بہت مشابہت رکھتے ہیں۔ان کے دینی، سیاسی اور معاشرتی نظریات بے حد واضح، روشن، ہمہ گیر اور ابد آشنا ہیں۔خمینی کی طرح طاہر القادری وسیع المشرب، حوصلہ مند، متقی، محب محمد ﷺ و آل محمد ﷺ، دشمن فرقہ پرستی اور نقیب مواخات و مساوات محمدی ﷺ ہیں“۔

(ماہنامہ منہاج القرآن فروری ۲۰۰۱، ص ۱۶۶)

بریلوی خطیب افتخار الحسن زیدی خمینی کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتا ہے:

”ایران کے عظیم مذہبی راہنما اور اسلامی انقلاب کے ممتاز قائد جناب خمینی صاحب نے جو مرتد کے قتل کا فتوی دیا ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے“۔

(گستاخ رسول ﷺ کی سزا، ص ۷)

ایک شیعہ ان بدعتیوں کی شیعہ نوازی کا بھانڈا یوں پھوڑتا ہے

شیعہ محمد حسین نجفی لکھتا ہے:

''صدیوں سے ہمارا یہ خطہ پاکستان محبت محمد و آل محمد علیہم السلام کا گہوارا چلا آ رہا ہے، سنی بریلوی اور شیعہ حضرات مل کر مجالس محرم الحرام وایام مسرت میلاد النبیؐ، ۳ شعبان نوروز کے جشن مناتے تھے، دراصل عزاداروں کی کل رونقیں اور سوگواروں کا بے پناہ ہجوم بریلوی اہلسنت کے مخلصانہ تعاون کا مرہون منت ہے سب لوگ آنحضرت ﷺ کی خلقت نورانی، علم غیب حاضر ناظر استمداد کے مسائل پر متفق تھے''۔

(رسوم الشیعہ ص ۳۳ ادارہ جامعۃ الثقلین خانیوال روڈ ملتان)

اور بریلوی شیخ الاسلام طاہر القادری ایک امام باڑے میں یہ نعرے لگواتا ہے:

''شیعہ سنی اتحاد زندہ باد۔''۔ (حب علی ص ۳۰)

نوٹ: طاہر القادری کا حوالہ اسی اصول کے تحت دیا گیا ہے جس اصول کے تحت معترض صاحب نے مماتیوں کے حوالے علمائے دیوبند کے خلاف دئے۔

رضاخانی معترض لکھتا ہے:

''آج دیوبندی مذہب کی تنظیم نام نہاد سپاہ صحابہ کافر کافر شیعہ کافر جو نہ مانے وہ بھی کافر کے نعرے لگا کر باآور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ عظمت صحابہ کرام کے پاسبان ہم ہیں''۔

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۱۰۳)

جواب: حقیقت یہ ہے کہ رضاخانی معترضین علمائے اہل سنت کے بغض وعناد میں اندھے ہو چکے ہیں ورنہ سپاہ صحابہ موجودہ اہل السنت والجماعت تو وہ جماعت و تنظیم ہے جس کی رد شیعیت پر خدمات کا اعتراف خود چراغ گولڑہ پیر نصیر الدین نصیر گولڑوی صاحب نے بھی کیا ہے ملاحظہ ہو:

''میں آج بھی وہی بات کہتا ہوں کہ تکفیری فتووں کی اشاعت اور کافر کافر کے نعروں کی تکرار اور آئے دن کے تشدد آمیز اقدامات چھوڑ کر آداب اکابر اور عدم گستاخی سلف صالحین کے موضوع پر ایک فارمولہ طے کرنا چاہئے جس سے ہمیشہ کیلئے جھگڑا ختم ہو سکے البتہ صحابہ کرام اور خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عظمت و توقیر اور ان کی خدمات جلیلہ کی اشاعت کیلئے ''سپاہ صحابہ'' کی کوششیں لائق صد تحسین ہیں''۔

(لطمۃ الغیب، ص ۳۰۰، ۳۰۱ مطبوعہ مہریہ نصیریہ اسلام آباد)

(اعتراض ۱۱۱:) صحابہ کرام کو کافر کہنے والا سنّی مسلمان ہی رہتا ہے نعوذ باللہ

دیوبندی مذہب کے امام رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:

جو شخص صحابہ کرام میں سے کسی کی تکفیر کرے۔۔۔ وہ اپنے اس گناہ کبیرہ کے سبب سنت جماعت سے خارج نہ ہوگا''۔ (دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف، ص ۱۰۳، دیوبندی مذہب، ص ۵۱۰، سفید وسیاہ، ص ۴۸)

جواب: پہلے وہ عبارت ملاحظہ فرمائیں جس میں کتابت کی غلطی ہے(کوکب اوکاڑوی صاحب کی نقل کردہ عبارت):
''جوشخص صحابہ کرام میں سے کسی کی تکفیر کرے وہ ملعون ہے،ایسے شخص کو امام مسجد بنانا حرام ہے اور وہ اپنے اس گناہ کبیرہ کے سبب سنت جماعت سے خارج نہ ہوگا۔''

(فتاویٰ رشیدیہ ص ۱۴۱/۲ مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ،سنہری مسجد دہلی،۱۳۵۲ھ)

اعتراض

اب اس عبارت پر کوکب اوکاڑوی صاحب کا اعتراض ملاحظہ فرمائیے۔چناچہ وہ لکھتے ہیں:
غور فرمائیے کہ صحابہ کرام میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لے کر آخری صحابی تک سب شامل ہیں اور فقہاء اہل سنت نے تصریح فرمائی ہے کہ کسی صحابی کی تکفیر کرنے والا شخص،اہل سنت سے خارج ہے بلکہ حضرات ابو بکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی شان میں تبرا کرنے والا بلا شبہ کافر ہے،مگر گنگوہی صاحب کے نزدیک کسی بھی صحابی کو کافر کہنے والا،کافر تو کیا،سنت جماعت سے بھی خارج نہیں ہوتا۔فیا للعجب۔

{سفید وسیاہ صفحہ 47 تا48}

جواب

قارئین محترم! حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صحابہ کرام کی تکفیر کرنے والے یعنی ''شیعہ حضرات''اہل سنت سے بھی خارج ہیں اور مسلمان بھی نہیں ہیں۔جیسا کہ آپ آگے ملاحظہ فرمائیں گے۔جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت میں کتابت کی غلطی ہے اور اصل میں جملہ یہ ہے کہ ''سنت جماعت سے خارج ہوگا''،جس کی تصیح کردی گئی اور اس کا ذکر اوکاڑوی صاحب نے بھی کیا۔لیکن انہوں نے اس تصحیح پر یہ اعتراض کیا کہ علماء دیوبند نے گنگوہی صاحب کو اعتراض سے بچانے کے لیے نئی طباعت سے یہ فتویٰ نکال دیا۔اوکاڑوی صاحب کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

''ادارہ اسلامیات،لاہور نے''تالیفات رشیدیہ''کے نام سے فتاویٰ رشیدیہ مبوب کو ۱۹۸۷ء میں شائع کیا ہے اور گنگوہی صاحب کا یہ فتویٰ شائع نہیں کیا۔اُنہوں نے ایسا کیوں کیا؟ ظاہر ہے کہ اس فتویٰ سے گنگوہی صاحب پر شدید اعتراض وارد ہوتا ہے اور اس اعتراض کا جواب علمائے دیوبند کے پاس نہیں ہے،لیکن علمائے دیوبند یاد رکھیں کہ نئی طباعت میں اس فتویٰ کو نکال دینے سے گنگوہی پر اعتراض ختم نہیں ہوگا۔

{سفید وسیاہ صفحہ 47 حاشیہ}

قارئین اس عبارت میں بھی اوکاڑوی صاحب نے صریح جھوٹ بولا ہے۔ادارہ اسلامیات والوں نے حضرت گنگوہی کا یہ فتویٰ نکالا نہیں بلکہ اس میں موجود کتابت کی غلطی کی تصحیح کی ہے۔اوکاڑوی صاحب کی اس عبارت کو پڑھ کے لگتا ہے کہ وہ بینائی کی دولت سے بھی محروم ہیں یا پھر انہوں نے یہ بات قارئین کو مزید الجھانے کے لیے کہی ہے اور عوام کو علماء اہل سنت سے بدظن کرنے کے لیے ایک نیا شوشا چھوڑا ہے۔

قارئین کرام! عبارت میں کتابت کی غلطی کا ہوجانا کوئی انہونی بات نہیں۔ورنہ اسی فتاویٰ رشیدیہ میں آگے جا کر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے شیعہ کے کفر کا فتویٰ دیا ہے۔اگر اوکاڑوی صاحب کی بینائی کی دولت ٹھیک ہے تو وہ اسے بھی دیکھ لیں۔آئیے حضرت گنگوہی کا شیعہ کے بارے میں کفر کا فتویٰ ایک بریلوی عالم کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

مشہور بریلوی مناظر اشرف سیالوی صاحب کے صاحبزادے جناب نصیر الدین سیالوی صاحب، امام اہلسنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:

سرفراز صاحب سے ایک سوال یہ ہے کہ شیعوں کے بارے میں تمہارا بھی فتویٰ ہے کہ وہ کافر ہیں اور بریلوی حضرات کا بھی یہی فتویٰ ہے بلکہ ایک دیوبندی تنظیم نے تو نعرہ لگا رکھا ہے کہ ''کافر کافر شیعہ کافر'' جگہ جگہ دیواروں پر طہارت خانوں پر لکھا ہوا ہے۔شیعہ کافر ہیں اور رشید احمد گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں سوال وجواب ملاحظہ ہو۔

سوال: جو عورت شیعہ رافضی کے تحت میں ہو بعد ظہور رفض کے بخوشی خاص رہ چکی ہو پھر رفض یا دوسری شئی کو حیلہ قرار دے کر بلا طلاق علیحدہ ہوجائے اور سنی سے نکاح کرے تو یہ نکاح بلا طلاق شیعہ کے کیا حکم رکھتا ہے اور اولاد سنی کی اگر رافضی ہوجائے تو وہ سنی کے ترکہ سے محروم الارث ہوگی یا نہیں۔

جواب: جس کے نزدیک رافضی کافر ہے وہ فتویٰ اول سے ہی بطلان نکاح کا دیتا ہے۔اس میں اختیار زوجہ کا کیا اعتبار ہے۔پس جب چاہے علیحدہ ہو کر عدت کے بعد نکاح دوسرے سے کرسکتی ہے۔بندہ یہی مذہب رکھتا ہے رافضی اولاد کو ترکہ سنی سے نہیں ملے گا۔

(فتاویٰ رشیدیہ جلد نمبر 3 صفحہ نمبر 25 بحوالہ عبارات اکابر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ صفحہ نمبر 39 تا 40)

قارئین محترم! حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتوے اور جناب نصیر الدین سیالوی صاحب کی اس عبارت سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ ہم شیعہ کو کافر سمجھتے ہیں۔لہٰذا یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ گئی کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اول عبارت میں کتابت کی غلطی ہے ورنہ وہ بھی بلا شک شیعہ کو کافر سمجھتے ہیں اور شیعوں کے خلاف ایک کتاب ''ہدیۃ الشیعہ'' بھی لکھ چکے ہیں۔ہوسکتا ہے کہ اوکاڑوی صاحب اب بھی ضد کر کے بیٹھے ہوں کہ میں نہیں مانتا۔تو ہم ان کی خدمت میں ایک دو باتیں عرض کر دیتے ہیں۔

قارئین محترم بریلویوں کے اعلیٰ حضرت کے خلیفہ ابو الحسنات قادری نے اپنی مشہور کتاب ''اوراق غم'' میں حضرت آدم علیہ السلام کے لیے یہ جملے استعمال کیے گئے:

''وہ آدم جو سلطان مملکت بہشت تھے وہ آدم جو متوج بتاج عزت تھے آج شکار تیر مذلت ہیں''۔

{اوراق غم صفحہ نمبر 2 طبع اول ۱۳۴۸ھ مطبوعہ منظور عام سٹیم پریس بازار پیسہ اخبار سٹریٹ لاہور}

اس عبارت پر اہل سنت کی طرف سے احتجاج یقینی امر تھا کہ اس میں صراحتاً حضرت آدم علیہ السلام کی توہین کی گئی تھی۔اب بریلوی حضرات بجائے اس کے، جس طرح وہ ہم پر صبح وشام گستاخی اور کفر کے فتوے لگاتے ہیں ایک فتویٰ اس عبارت کے لکھنے والے پر بھی لگاتے اور اس عبارت کو بھی کفریہ قرار دیتے۔لیکن انہوں نے اس کے جواب میں تاویل سے کام لیا اور کہا کہ اس عبارت میں کتابت کی غلطی ہوگئی ہے۔حالانکہ ان کے نزدیک تو صریح عبارت میں تاویل جائز نہیں۔لیکن جب اپنی باری آئی تو انہوں نے فوراً تاویل سے کام لیا اور سارا قصور کاتب کے ذمہ لگا دیا حالانکہ کتابت کی غلطی صرف اتنی ہی ہوسکتی ہے کہ کوئی حرف کتابت کے دوران چھوٹ گیا ہو یا غلط لکھا گیا ہو

۔لیکن پورا جملہ ہی کتابت کی غلطی کی نذر ہو جائے ایسا نہیں ہوتا۔لیکن آپ دیکھیے ۔اگلے ایڈیشنز میں اسی کتاب کو جب چھاپا گیا تو عبارت کیا بنائی گئی ۔

''وہ آدم جو سلطان مملکت بہشت تھے وہ آدم جو متوج بتاج عزت تھے آج مصائب میں مبتلا ہیں ۔

{اوراق غم صفحہ نمبر 11 ،ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہورسن اشاعت جنوری 2008}

قارئین دیکھیں پہلی عبارت میں جملہ تھا:

''آج شکار تیر مذلت ہیں''

اور دوسری اشاعت میں جملہ اس طرح کر دیا گیا:

''آج مصائب میں مبتلا ہیں''

تو پورا جملہ صرف اپنے مولوی کو بچانے کے لیے کتابت کی غلطی کہہ کر بدل دیا گیا۔اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں صرف ایک حرف کتابت کی غلطی سے زائد لکھا گیا ہے اور خود حضرت گنگوہی کی اسی کتاب میں صاف شیعوں کے کفر کا فتویٰ موجود ہے لیکن یہ پھر بھی یہاں کتابت کی غلطی نہیں مانتے ۔اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی اسی عبارت کو لے کر ان پر اپنے دل کی بھڑاس نکالتے ہیں ۔تو پتہ چلا کہ بریلوی حضرات میں ''عدل'' نام کی کوئی چیز نہیں ۔انہیں صرف یہ بات بتائی گئی ہے کہ سنی دیوبندیوں کی کسی عبارت میں کفر اور گستاخی نہ بھی ہو تو بھی تم نے ہر حال میں اُس کو غلط ہی کہنا ہے،اور اپنے کسی عالم کی کسی عبارت میں چاہے صاف گستاخی بھی ہو تو اس کو'' کتابت کی غلطی کا بہانہ کہہ کر'' یا کوئی اور تاویل کر کے کفر سے بچانا ہے ۔کیوں اوکاڑوی صاحب یہ کیسی دورخی اور دوغلی پالیسی ہے؟

(بحوالہ سفید وسیاہ پر ایک نظر،از مولانا ابوایوب قادری زید مجدہ)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واضح فتوی

''سوال: رافضی یعنی شیعہ کافر ہیں، یا فاسق ؟

جواب: اس میں اختلاف ہے، راجح بندہ کے نزدیک، کفر یہاں کے روافض کا ہے''۔

(باقیات فتاوی رشیدیہ،ص ۱۹)

اجملی ہذیانات

مولوی اجمل سنبھلی نے اس کے جواب میں جو علمی شگوفے چھوڑے ہیں وہ بھی ملاحظہ فرمائیں کیونکہ کسی صاحب نے بڑے طمطراق سے کہا ہے کہ اس دیوبندی تاویل کا رد ''ردسیف یمانی''،میں ملاحظہ ہو ۔

اعتراض: کتابت کی غلطی ہوتی تو تصحیح ہو جاتی ایک مرتبہ ہوتی دوسری بار تیسری بار تصحیح کیوں نہ کی ۔(ردسیف یمانی ملخصا،ص ۱۰۴)

جواب: ممکن ہے کہ کسی کی نظر اس طرف نہ گئی ہو اور اب کی بار تالیفات رشیدیہ میں اس کی تصحیح کر دی تو کیا تم مان گئے؟ بلکہ تصحیح کو الٹا تحریف کا نام دے دیا شرم کرو۔ملفوظات کے ایک نہیں بیسیوں حوالے ہم آپ کو دکھا سکتے ہیں جس میں آپ کہتے ہو کہ کتابت کی غلطیاں ہیں

مگر وہ طبع اول سے اب تک جوں کی توں موجود ہے بلکہ بقول دعوت اسلامی کے اس کا اصل نسخہ تو اب دستیاب ہی نہیں یہی غلطیوں والا نسخہ ہر جگہ موجود ہے۔

اعتراض: اسی عبارت میں لفظ کبیرہ اس بات کو بتلاتا ہے کہ مولوی رشید احمد گنگوہی کے نزدیک ایسا شخص فاسق و فاجر ہے۔(ملخصا رد سیف یمانی ص ۱۰۴)

جواب: واقعی کسی نے سچ کہا کہ نواب احمد رضا خان جاہلوں کے پیشوا تھے خدا کے بندے کفر سب سے بڑا ''کبیرہ'' ہے۔امام ذہبی کی ''کتاب الکبائر'' اگر کبھی دیکھنے کی توفیق ملی ہو تو اس نے سب سے پہلا کبیرہ ''شرک وکفر'' کو قرار دیا ہے۔اب اس کے نزدیک امام ذہبی معاذ اللہ کفر و شرک کو صرف فسق سمجھتے ہیں۔اللہ عقل دے ان لوگوں کو۔

شرح عقائد میں ہے:

''والکبیرۃ المطلقۃ ھی الکفر اذلا ذنب اکبر منہ''

اور کبیرہ مطلقہ کفر ہے اس لئے کہ اس سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔

اعتراض: مولوی اشرف علی نسلی مشرک کی نجات کے قائل ہیں۔سوال: ایک شخص مشرک ہے اور اس کے بزرگوں سے بت پرستی کا سلسلہ چلا آتا ہے نہ اس کو خدا کا ثبوت پہنچا نہ کسی نبی آنے کی خبر ہوئی نہ اس کو کسی سے ہدایت ہوئی کہ خدا ایک ہے کہ جس کی وہ عبادت کرتا ہے اور وہ اسی حالت میں مر گیا اس کا حکم شرعی کیا ہے؟

اس کے جواب میں مولوی اشرف علی صاحب لکھتے ہیں:

الجواب: اس شخص کو اگر کبھی کسی اہل حق کے کہنے سے یا خود کسی خیال کے آنے سے اپنے طریقہ میں شبہ پڑا ہو اور پھر بھی تحقیق کی فکر نہ کی ہو تب تو اس پر مواخذہ ہوگا۔۔اور اگر محض خالی الذہن رہا تو علماء کا اس میں اختلاف ہے غزالی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ اس کی نجات کے قائل ہیں۔

جس گروہ کے اکابر مشرک کی نجات کے قائل ہوں وہ اگر صحابہ کی تکفیر والے کو اہلسنت سے خارج نہ جانیں تو کیا بعید ہے؟۔(ملخصا ص ۱۰۵،۱۰۶)

جواب: اگر موصوف اس مسئلہ سے جاہل ہوں تو اس میں ہمارے اکابر کا کیا قصور؟ واقعتہ اس مسئلہ میں علمائے اسلام کا اختلاف ہے کہ جس کو دین حق کی دعوت نہیں پہنچی کیا وہ مخلد فی النار ہے یا نہیں؟ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے چونکہ صرف امام غزالیؒ کا نام لیا ہے اس لئے ہم انہی کے حوالے پر اکتفاء کرتے ہیں۔علامہ غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ کی وسعت رحمت سے امید ہے کہ جو نصاری مشرک لوگ روم و ترکی کے دور دراز علاقوں میں رہتے ہیں اور ان تک حق کی دعوت نہیں پہنچی ان شاء اللہ قیامت کے دن یہ بھی اللہ کی رحمت کے سایہ میں ہونگے۔

قال الغزالی: بل اقول ان اکثر النصاری الروم والترك فی ھذا الزمان تشملھم الرحمة ان شاء الله اعنی الذین ھم فی اقاصی الروم الترك ولم تبلغھم الدعوۃ فانھم ثلاثه اصناف: صنف لم یبلغھم اسم محمد ﷺ اصلا فھم معذورون۔

(فیصل التفرقۃ بین الاسلام والزندقہ ص ۸۴ مطبوعہ دمشق طبع اول الفصل الحادی عشر)۔
اب جواب دیں کہ امام غزالی پر بھی کوئی فتوی ہے؟

(اعتراض ۱۱۲:) سبِّ شیخین رضی اللہ عنہما کفر نہیں۔نعوذ باللہ

دیوبندی مفتی عزیز الرحمن لکھتے ہیں کہ صحیح قول محققین کا ہے کہ سب شیخین (سرکار ابو بکر صدیق وسرکار فاروق اعظم کی توہین وتنقیص) وانکار خلافت خلفاء کفر نہیں (فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج۱،ص ۷۷) دیوبندی مفتی ظفر احمد عثمانی لکھتے ہیں کہ حضرات صحابہ اور شیخین کی سب وشتم سے کفر لازم نہیں آتا (امداد الاحکام، ج۱،ص ۱۴۴ طبع کراچی) مفتی عزیز الرحمن لکھتے ہیں کہ روافض جو سب شیخین کرتا ہے ان کے (حکم) کفر میں ۔۔۔محققین علماء عدم تکفیر کے قائل ہیں (فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج ۷،ص ۴۶۴) واضح ہو کہ سب شیخین ۔۔۔عند المحققین وہ فسق و بدعت ہے کفر نہیں ہے (فتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۷،ص ۴۶۳) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت جو غالی شیعہ ہیں اور صحابہ کرام پر تبرا کرتے ہیں کیا یہ کافر ہیں (اشرف علی تھانوی نے) فرمایا محض تبرا پر تو کفر کا فتوی مختلف فیہ ہے (افاضات الیومیہ، ج ۷،ص ۲۶۵)

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۱۰۴، دیوبندی مذہب ص ۵۱۰،۵۱۱)

جواب: راقم الحروف کے پاس جو فتاوی دارالعلوم دیوبند ہے اس کی جلد نمبر ۱ میں صفحہ نمبر ۷۷ نہیں خدا جانے معترض نے کس ایڈیشن سے یہ حوالہ نقل کیا بہر حال بندہ اس سے متعلق تمام فتاوی جات یہاں نقل کر دیتا ہے۔

فتوی نمبر ۱

یہ ظاہر ہے کہ اگر وہ شخص سنی ہوتا تو غلاۃ روافض کو جن کا اعتقاد حد کفر کو بالیقین پہنچا ہوا ہے اور بالاتفاق اہل سنت وہ کافر ہیں کافر کہنے اور ملعون کہنے میں اس کو کیا تامل ہوتا پس جبکہ وہ شخص اس امر میں اہل سنت و جماعت کی موافقت نہیں کرتا تو ضرور وہ شخص شیعہ اور رافضی ہے یا رافضیوں کا طرف دار ہے۔بہر حال لائق امام بنانے کا نہیں ہے''۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج ۳،ص ۹۵،۹۶ باب الامامۃ والجماعۃ، دارالاشاعت کراچی)

فتوی نمبر ۲

''سوال ۷۲۹: فرقہ امامیہ جو رافضی کہلاتے ہیں ان کے پیچھے اہل سنت کی نماز ہو سکتی ہے یا نہیں اگر غلطی سے ان کے پیچھے عید کی نماز پڑھ لی ہو تو اس کو لوٹا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: رافضی کے پیچھے سنی کی نماز نہیں ہوتی اس نماز کا اعادہ چاہئے اور عید الفطر کی نماز کا اعادہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ اہل سنت کی جماعت بعد میں ہو ورنہ تنہا عید کی نماز نہیں ہو سکتی''۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج ۳،ص ۱۰۳)

فتوی نمبر ۳

''سوال نمبر ۹۰۵: رافضی جو اصحاب ثلاثہ کو برا کہتا ہو اور حضرت علیؓ کو اچھا کہتا ہو اس کے پیچھے نماز ہوتی ہے کیا؟ اگر نماز پڑھ لی تو دہرانا چاہئے کیا؟

الجواب: رافضی سب شیخین کرنے والے کے پیچھے نماز صحیح نہیں ہے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں اگر پڑھ لی ہو تو دہرانا چاہئے''۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج ۳، ص ۱۴۸، ۱۴۹)

فتوی نمبر ۴

(شیعہ) کے پیچھے سنی کی نماز نہیں ہوتی چونکہ عقائد ان کے بعض ایسے ہوتے ہیں جو موجب کفر ہیں لہذا اس صورت میں نماز کا نہ ہونا امر یقینی ہے اور اگر شیعہ غالی نہ ہو تب بھی احتیاط لازم ہے کہ عقیدہ امر مخفی ہے اور سب شیخین سے جو عند البعض کفر ہے اور قذف عائشہؓ جو بالاتفاق کفر ہے کوئی شیعہ خالی نہیں ہوتا''۔(فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج ۳، ص ۲۰۳)

خلاصہ بحث: ان تمام حوالہ جات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ اہل السنۃ والجماعۃ علمائے دیوبند کا روافض کے بارے میں عقیدہ یہی ہے کہ وہ اپنے کفریہ عقائد کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔

معترض کے حوالہ جات پر ایک نظر:

امداد الاحکام کی پوری عبارت اس طرح ہے:

''عالم کی سب وشتم سے کفر لازم نہیں آتا کیونکہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ حضرات صحابہ اور شیخین کی سب وشتم سے کفر لازم نہیں آتا (فتاوی شامی ج ۳ باب الردۃ)''

(امداالاحکام، ج ۱، ص ۱۴۴ مکتبہ دارالعلوم کراچی)

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے آگے حوالہ دیا کہ میں یہ مسئلہ شامی کے حوالے سے نقل کر رہا ہوں اگر معترض کو کوئی اعتراض ہے تو علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ پر کرے لیکن چونکہ ایسا کرنے کی ہمت نہیں لہذا علمائیے دیوبند کا نام لیکر اکابر احناف کو بدنام کرنے کی مذموم کوشش کر رہا ہے۔اس کے بعد جو فتاوی دارالعلوم دیوبند کا فتوی پیش کیا وہ مکمل اس طرح ہے:

''**سوال:** ایک شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح ایک مرد شیعی کے ساتھ جس کے عقائد باطل ہیں یعنی افک حضرت عائشہؓ کا قائل ہے اور سب شیخین کرتا ہے الی غیر ذالک اس لڑکی کے باپ نے یہ خیال کر کے کہ مرد شیعی مسلمان نہیں اس وجہ سے نکاح صحیح نہیں ہوا اپنی لڑکی کا نکاح دوسرے شخص سنی سے کر دیا ہے نکاح ثانی صحیح ہے یا نکاح اولی باقی ہے؟

الجواب: روافض جو سب شیخین کرتا ہے ان کے کفر میں اختلاف ہے بعض فقہاء نے ان کی تکفیر کی ہے اور محققین علماء عدم تکفیر کے قائل ہیں لیکن جو روافض افکِ صدیقہؓ کے قائل ہیں وہ باتفاق کافر ہیں اسی طرح بعض دیگر عقائد روافض غالیہ کے مثلا یہ کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے وحی کے پہنچانے میں غلطی کی یا حضرت علیؓ خدا تھے وغیرہ وغیرہ یہ عقائد باتفاق اہل سنت کفر ہیں درمختار میں ہے:

فی البحر عن الجوھر ۃمعزیاً للشھید من سب شیخین او طعن فیھا کفر ولا تقبل توبتہ و بہ اخذ

الدبوسی و ابو اللیث و هو المختار للفتوی انتهی و جزم به الاشباه و اقره المصنف (الی ان قال)لکن فی النهر و هذا لا وجود له فی اصل الجوهرة و انما وجد علی هامش بعض النسخ فالحق بالاصل مع انه لارتباطها قبله انتهی

(درمختار ج ۳ص ۴۰۴، ۴۰۵)

قال الشامی تحت قوله لکن فی النهر الخ و اذا کان کذالك فلا وجه للقول بعدم قبول توبته من سب الشیخین بل لم ثبت ذالك عن احد من الآئمة فیها اعلم (الی ان قال)علی ان الحکم علیه بالکفر مشکل ثم قال فی اخر کلامه تحت القول المذکور نعم لاشك فی تکفیر من قذف السیدة عائشه رضی الله تعالی عنها او انکر صحبة الصدیق و اعتقد الالوهیة فی علی او ان جبریل غلط الوحی او نحو ذالك من انه الکفر الصریح المخالف للقرآن الخ (۴۰۵،۴۰۶)

پس صورت مسولہ میں نکاح اول جو ایسے غالی شیعہ سے ہوا ہے صحیح نہیں ہوا بلکہ باطل ہوا اور دوسرا نکاح صحیح ہے“۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند، ۷، ص ۴۶۳، ۴۶۴ کتب خانہ امدادیہ)

ہمارے فتاوی میں جو بات لکھی گئی اس کا ایک ایک لفظ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے سے ثابت ہے مجھے سمجھ نہیں آرہی ہے کہ معترض جان بوجھ کر دھوکا دینا چاہ رہے ہیں یا انہیں یہ عربی عبارات پڑھنے کی صلاحیت ہی نہیں ۔بہر حال اس کے بعد جو فتوی پیش کیا وہ مکمل اس طرح ہے:

”سوال: عورت اہل سنت و جماعت کا نکاح کہ جس کے والدین بھی اہل سنت و جماعت ہوں شیعہ مرد کے ساتھ کہ جس کے باپ داد بھی شیعہ ہوں جائز ہے یا نہیں؟

(۲) یہ نکاح عورت مرد مذکورہ بالا کے بارہ میں مولوی نکاح خواں اور حاضرین مجلس پر تعزیر شرعی کا کچھ خوف ہے یا نہیں اگر ہے تو کیا حکم ہے؟

جواب: قال فی رد المحتار و بهذا ظهر ان الروافض ان کان ممن یعتقد الالوهیة فی علی رضی الله تعالی عنه او ان جبریل غلط فی الوحی او کان ینکر صحبة الصدیق رضی الله تعالی عنه او یقذف السیدة الصدیقه رضی الله تعالی عنها فهو کافر المخالفة للقواطع المعلومة من الدین ضرورة بخالف ماذا یفضل علیا او یسب الصحابة فانه مبتدع لا کافر الخ (۲۹۰)

اس عبارت سے واضح ہوا کہ رافضی اگر منکر قطعیات ہے جیسے قائل ہونا افک اور قذف حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کا تو قطعا کفر ہے نکاح اس کا سنیہ مسلمہ سے درست نہیں بالکل باطل ہے لان الاختلاف الملة مانع عن صحة النکاح کذا فی الکتب الفقه اور واضح ہو کہ سب شیخین کو بھی اگر چہ بعض فقہاء نے کفر کہا ہے لیکن عند المحققین وہ فسق و بدعت ہے کفر نہیں لیکن اگر سب شیخین کے ساتھ حضرت صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی صحبت کا انکار ہو جو کہ نص قطعی سے ثابت ہے یا حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کے افک کا قائل ہو تو بالاتفاق کافر ہے اور تبرا گو غالبا حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کے قذف و افک کے بھی قائل ہوتے ہیں اور اس سے خوش ہوتے ہیں لہذا ایسے رافضی

کے کفر میں کچھ خفا نہیں اور نکاح اس کا سنیہ مسلمہ سے درست نہیں ہے اور جن لوگوں نے باوجود علم کے نکاح پڑھا گواہ ہوئے اور وکیل ہوئے وہ فاسق ہوئے توبہ کریں اور مابین الزوجین یعنی مابین شوہر رافضی اور زوجہ سنیہ مسلمہ تفریق کرادیویں یہی ان کیلئے کفارہ ہے''۔
(فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج ۷، ص ۴۶۲، ۴۶۳)

الحاصل: قارئین کرام! غور فرمایا کہ معترض صاحب نے کس قدر بددیانتی اور بے ایمانی کا ثبوت دیتے ہوئے علمائے دیوبند اہل سنت کے موقف ونظریہ کو توڑ مروڑ کر ادھوری عبارت نقل کر کے اس میں بھی کانٹ چھانٹ کر کے عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کی۔ مندرجہ بالا تفصیلی فتاوی جات سے یہ بات بالکل عیاں ہوگئی کہ دارالعلوم دیوبند''روافض''کو علی العموم''کافر''سمجھتا ہے ان کی امامت اور ان سے کئے گئے نکاح کو''باطل''قرار دیتا ہے۔

ہاں دیانت وانصاف کا ثبوت دیتے ہوئے سب شیخین کے متعلق کفر وعدم کفر فقہاء کے دونوں اقوال کو نقل کیا اور خود محققین احناف کی پیروی کرتے ہوئے عدم تکفیر کے قول کو اختیار کیا وہ بھی بلا دلیل نہیں بلکہ فتاوی شامی کی واضح اور بے غبار عبارت اپنی تائید میں پیش کی۔

معترض کو اگر خدا سے شرم نہیں تو کم از کم عوام ہی سے شرم کر لیتا کہ کل کو اگر اس کی یہ بددیانتی وخیانت واضح ہوجائے گی تو اس کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟ علمائے دیوبند نے اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کی بلکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت نقل کی کیا علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی روافض کے ساتھ کوئی گٹھ جوڑ ہے؟ معاذ اللہ۔

سب شیخین اور فقہاء کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ورحمۃ اللہ علیہم

ماقبل کی تفصیل سے یہ معلوم ہوگیا کہ سب الشیخین کے بارے میں فقہائے احناف کے دو قول ہیں ایک تکفیر کا دوسرا عدم تکفیر کا یہی قول ثانی محققین علمائے احناف اور علمائے دیوبند احناف کا ہے۔ اب ملاحظہ فرمائیں اس قول پر فقہائے احناف کے اقوال۔

حوالہ نمبر ۱

أَقُولُ: نَعَمْ نَقَلَ فِي الْبَزَّازِيَّةِ عَنِ الْخُلَاصَةِ أَنَّ الرَّافِضِيَّ إِذَا كَانَ يَسُبُّ الشَّيْخَيْنِ وَيَلْعَنُهُمَا فَهُوَ كَافِرٌ، وَإِنْ كَانَ يُفَضِّلُ عَلِيًّا عَلَيْهِمَا فَهُوَ مُبْتَدِعٌ.اهـ.

وَهَذَا لَا يَسْتَلْزِمُ عَدَمَ قَبُولِ التَّوْبَةِ. عَلَى أَنَّ الْحُكْمَ عَلَيْهِ بِالْكُفْرِ مُشْكِلٌ، لِمَا فِي الِاخْتِيَارِ اتَّفَقَ الْأَئِمَّةُ عَلَى تَضْلِيلِ أَهْلِ الْبِدَعِ أَجْمَعَ وَتَخْطِئَتِهِمْ وَسَبُّ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَبُغْضُهُ لَا يَكُونُ كُفْرًا، لَكِنْ يُضَلَّلُ إلخ. وَذَكَرَ فِي فَتْحِ الْقَدِيرِ أَنَّ الْخَوَارِجَ الَّذِينَ يَسْتَحِلُّونَ دِمَاءَ الْمُسْلِمِينَ وَأَمْوَالَهُمْ وَيُكَفِّرُونَ الصَّحَابَةَ حُكْمُهُمْ عِنْدَ جُمْهُورِ الْفُقَهَاءِ وَأَهْلِ الْحَدِيثِ حُكْمُ الْبُغَاةِ. وَذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْحَدِيثِ إِلَى أَنَّهُمْ مُرْتَدُّونَ. قَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ: وَلَا أَعْلَمُ أَحَدًا وَافَقَ أَهْلَ الْحَدِيثِ عَلَى تَكْفِيرِهِمْ، وَهَذَا يَقْتَضِي نَقْلَ إِجْمَاعِ الْفُقَهَاءِ. وَذَكَرَ فِي

الْمُحِيطِ أَنَّ بَعْضَ الْفُقَهَاءِ لَا يُكَفِّرُ أَحَدًا مِنْ أَهْلِ الْبِدَعِ. وَبَعْضُهُمْ يُكَفِّرُونَ الْبَعْضَ، وَهُوَ مَنْ خَالَفَ بِبِدْعَتِهِ دَلِيلًا قَطْعِيًّا وَنَسَبَهُ إِلَى أَكْثَرِ أَهْلِ السُّنَّةِ، وَالنَّقْلُ الْأَوَّلُ أَثْبَتُ وَابْنُ الْمُنْذِرِ أَعْرَفُ بِنَقْلِ كَلَامِ الْمُجْتَهِدِينَ. نَعَمْ يَقَعُ فِي كَلَامِ أَهْلِ الْمَذْهَبِ تَكْفِيرُ كَثِيرٍ وَلَكِنْ لَيْسَ مِنْ كَلَامِ الْفُقَهَاءِ الَّذِينَ هُمُ الْمُجْتَهِدُونَ بَلْ مِنْ غَيْرِهِمْ، وَلَا عِبْرَةَ بِغَيْرِ الْفُقَهَاءِ، وَالْمَنْقُولُ عَنِ الْمُجْتَهِدِينَ مَا ذَكَرْنَا اهـ وَمِمَّا يَزِيدُ ذَلِكَ وُضُوحًا مَا صَرَّحُوا بِهِ فِي كُتُبِهِمْ مُتُونًا وَشُرُوحًا مِنْ قَوْلِهِمْ: وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ مَنْ يُظْهِرُ سَبَّ السَّلَفِ وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ أَهْلِ الْأَهْوَاءِ إِلَّا الْخَطَّابِيَّةِ. وَقَالَ ابْنُ مُلْكٍ فِي شَرْحِ الْمَجْمَعِ: وَتُرَدُّ شَهَادَةُ مَنْ يُظْهِرُ سَبَّ السَّلَفِ لِأَنَّهُ يَكُونُ ظَاهِرَ الْفِسْقِ، وَتُقْبَلُ مِنْ أَهْلِ الْأَهْوَاءِ الْجَبْرُ وَالْقَدَرُ وَالرَّفْضُ وَالْخَوَارِجُ وَالتَّشْبِيهُ وَالتَّعْطِيل

وَقَالَ الزَّيْلَعِيُّ أَوْ يُظْهِرُ سَبَّ السَّلَفِ يَعْنِي الصَّالِحِينَ مِنْهُمْ وَهُمُ الصَّحَابَةُ وَالتَّابِعُونَ، لِأَنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ تَدُلُّ عَلَى قُصُورِ عَقْلِهِ وَقِلَّةِ مُرُوءَتِهِ، وَمَنْ لَمْ يَمْتَنِعْ عَنْ مِثْلِهَا لَا يَمْتَنِعُ عَنِ الْكَذِبِ عَادَةً، بِخِلَافِ مَا لَوْ كَانَ يُخْفِي السَّبَّ اهـ وَلَمْ يُعَلِّلْ أَحَدٌ لِعَدَمِ قَبُولِ شَهَادَتِهِمْ بِالْكُفْرِ كَمَا تَرَى. نَعَمِ اسْتَثْنَوْا الْخَطَّابِيَّةَ لِأَنَّهُمْ يَرَوْنَ شَهَادَةَ الزُّورِ لِأَشْيَاعِهِمْ أَوْ لِلْحَالِفِ، وَكَذَا نَصَّ الْمُحَدِّثُونَ عَلَى قَبُولِ رِوَايَةِ أَهْلِ الْأَهْوَاءِ فَهَذَا فِيمَنْ يَسُبُّ عَامَّةَ الصَّحَابَةِ وَيُكَفِّرُهُمْ بِنَاءً عَلَى تَأْوِيلٍ لَهُ فَاسِدٍ. فَعُلِمَ أَنَّ مَا ذَكَرَهُ فِي الْخُلَاصَةِ مِنْ أَنَّهُ كَافِرٌ قَوْلٌ ضَعِيفٌ مُخَالِفٌ لِلْمُتُونِ وَالشُّرُوحِ بَلْ هُوَ مُخَالِفٌ لِإِجْمَاعِ الْفُقَهَاءِ كَمَا سَمِعْتَ. وَقَدْ أَلَّفَ الْعَلَّامَةُ مُنْلَا عَلِيٌّ الْقَارِي رِسَالَةً فِي الرَّدِّ عَلَى الْخُلَاصَةِ، وَبِهَذَا تَعْلَمُ قَطْعًا أَنَّ مَا عُزِيَ إِلَى الْجَوْهَرَةِ مِنَ الْكُفْرِ مَعَ عَدَمِ قَبُولِ التَّوْبَةِ عَلَى فَرْضِ وُجُودِهِ فِي الْجَوْهَرَةِ بَاطِلٌ لَا أَصْلَ لَهُ وَلَا يَجُوزُ الْعَمَلُ بِهِ، وَقَدْ مَرَّ أَنَّهُ إِذَا كَانَ فِي الْمَسْأَلَةِ خِلَافٌ وَلَوْ رِوَايَةً ضَعِيفَةً، فَعَلَى الْمُفْتِي أَنْ يَمِيلَ إِلَى عَدَمِ التَّكْفِيرِ، فَكَيْفَ يَمِيلُ هُنَا إِلَى التَّكْفِيرِ الْمُخَالِفِ لِلْإِجْمَاعِ فَضْلًا عَنْ مَيْلِهِ إِلَى قَتْلِهِ وَإِنْ تَابَ، وَقَدْ مَرَّ أَيْضًا أَنَّ الْمَذْهَبَ قَبُولُ تَوْبَةِ سَابِّ الرَّسُولِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَكَيْفَ سَابُّ الشَّيْخَيْنِ. وَالْعَجَبُ مِنْ صَاحِبِ الْبَحْرِ حَيْثُ تَسَاهَلَ غَايَةَ التَّسَاهُلِ فِي الْإِفْتَاءِ بِقَتْلِهِ مَعَ قَوْلِهِ: وَقَدْ أَلْزَمْتُ نَفْسِي أَنْ لَا أُفْتِيَ بِشَيْءٍ مِنْ أَلْفَاظِ التَّكْفِيرِ الْمَذْكُورَةِ فِي كُتُبِ

الْفَتَاوَى، نَعَمْ لَا شَكَّ فِي تَكْفِيرِ مَنْ قَذَفَ السَّيِّدَةَ عَائِشَةَ - رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهَا - أَوْ أَنْكَرَ صُحْبَةَ الصِّدِّيقِ، أَوْ اعْتَقَدَ الْأُلُوهِيَّةَ فِي عَلِيٍّ أَوْ أَنَّ جِبْرِيلَ غَلِطَ فِي الْوَحْيِ، أَوْ نَحْوُ ذٰلِكَ مِنَ الْكُفْرِ الصَّرِيحِ الْمُخَالِفِ لِلْقُرْآنِ، وَلٰكِنْ لَوْ تَابَ تُقْبَلُ تَوْبَتُهُ، هٰذَا خُلَاصَةُ مَا حَرَّرْنَاهُ فِي كِتَابِنَا تَنْبِيهُ الْوُلَاةِ وَالْحُكَّامِ، وَإِنْ أَرَدْتَ الزِّيَادَةَ فَارْجِعْ إِلَيْهِ وَاعْتَمِدْ عَلَيْهِ فَفِيهِ الْكِفَايَةُ لِذَوِي الدِّرَايَةِ.

(فتاوی شامی، ج۶ص ۳۷۷،۳۷۸ باب المرتد مطلبهم فی سب الشیخین، دار العالم الکتب الریاض)

ترجمہ: بزازیہ میں خلاصہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ روافض جب حضرت ابو بکر صدیق ؓ وعمر ؓ کو سب کرے یا معاذ اللہ ان کو لعنت کرے تو وہ کافر ہے اور اگر حضرت علی ؓ کو ان پر فضیلت دے تو وہ بدعتی ہے یہ اس کو مستلزم نہیں ہے کہ ان کی توبہ قبول نہ ہو۔ علاوہ ازیں ان پر کفر کا حکم لگانا مشکل ہے کیونکہ اختیار میں ہے کہ تمام اہل بدعت کو گمراہ قرار دینے پر آئمہ کا اتفاق ہے اور کسی ایک صحابی کو سب کرنا اور اس سے بغض رکھنا کفر نہیں البتہ گمراہی ہے اور فتح القدیر میں ہے کہ وہ خوارج جو مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو مباح سمجھتے ہیں اور صحابہ کو کافر کہتے ہیں جمہور فقہاء اور محدثین کے نزدیک وہ باغیوں کے حکم میں ہیں اور بعض محدثین کا یہ نظریہ ہے کہ وہ مرتد ہیں ابن منذر نے کہا میرے علم میں کسی نے ان محدثین کی تکفیر میں موافقت نہیں کی اور یہ فقہاء کے اجماع کی نقل کا تقاضہ کرتا ہے۔ اور محیط میں یہ مذکور ہے کہ بعض فقہاء اہل بدعت میں سے کسی کی تکفیر نہیں کرتے اور یہ وہ اہل بدعت ہیں جن کی بدعت کسی دلیل قطعی کے خلاف ہو انہوں نے اس کو اکثر اہل سنت کی طرف منسوب کیا ہے اور پہلی نقل زیادہ ثابت ہے اور ابن منذر مجتہدین کے کلام کی نقل کے زیادہ جاننے والے ہیں۔ ہاں اہل مذہب کے کلام میں بکثرت تکفیر ہے لیکن یہ ان فقہاء کا کلام نہیں ہے جو مجتہدین ہیں بلکہ غیر مجتہد فقہاء ہیں اور غیر مجتہد کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور مجتہدین سے وہی منقول ہے جس کا ہم نے ذکر کیا۔ اس چیز کی زیادہ وضاحت اس بات سے ہوتی ہے کہ تمام متون اور شروح میں لکھا ہوا ہے کہ جو لوگ سلف صالحین کو علی الاعلان سب کریں ان کی شہادت مقبول نہیں ہے اور خطابیہ کے علاوہ اہل ہوآء کی شہادت مقبول ہے اور ابن الملک نے شرح المجمع میں لکھا ہے جو لوگ سلف کو علی الاعلان سب کریں ان کی شہادت مردود ہے کیونکہ وہ فسق معلن ہے۔ اور اہل ہوآء میں سے جبریہ قدریہ رافضیہ خوارج مشبہ اور معطلہ کی شہادت مقبول ہے۔ علامہ زیلعی نے کہا ہے کہ جو شخص سلف صالحین یعنی صحابہ اور تابعین کو علی الاعلان گالیاں دے اسکی شہادت غیر مقبول ہے کیونکہ اس قسم کا انسان عادۃً جھوٹ سے باز نہیں آتا بخلاف اس شخص کے جو خفیہ طور پر سب (گالیاں) کرتا ہو، ان میں سے کسی نے ان کی شہادت قبول نہ کرنے کی یہ وجہ نہیں بتائی کہ یہ کافر ہیں جس طرح انہوں نے خطابیہ کا استثناء کیا ہے کیونکہ جھوٹی قسم کھانے کو حلال سمجھتے ہیں۔ اسی طرح محدثین نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ اہل ہوآء کی شہادت مقبول ہے یہ حکم ان لوگوں کے متعلق ہے جو اپنی تاویل فاسد کی بناء پر تمام صحابہ کو سب کرتے ہیں اور ان کی تکفیر کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ خلاصہ میں جو لکھا ہوا ہے کہ حضرت ابو بکر ؓ وعمر ؓ کو سب کرنے والا کافر ہے یہ قول ضعیف ہے متون اور شروح کے مخالف ہے بلکہ تمام فقہاء کے اجماع کے مخالف ہے۔ ملا علی قاری ؒ نے خلاصہ کے رد میں ایک رسالہ لکھا ہے۔ اس وضاحت سے یہ معلوم ہو گیا کہ جوہرہ نیرہ کی طرف جو یہ منسوب ہے کہ ان کی توبہ قبول نہیں ہے یہ عبارت بالفرض جوہرہ نیرہ میں ہو بھی تو باطل ہے اور اس پر عمل کرنا

جائز نہیں ۔ یہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ اگر کسی مسئلہ میں اختلاف ہو خواہ وہ کسی روایت ضعیفہ کی بناء پر ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ وہ تکفیر نہ کرنے میں اس روایت کی طرف میلان کرے پس یہاں اس کی تکفیر کی طرف کیسے میلان کیا جائے گا جو اجماع کے مخالف ہے چہ جائیکہ اس طرف میلان کیا جائے کہ اس کو قتل کر دیا جائے خواہ اس نے توبہ کر لی ہو۔ اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ مذہب یہ ہے کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کو سب کرے (معاذ اللہ) اس کی توبہ بھی قبول ہے تو حضرات شیخین کو سب کرنے والے کی توبہ کیونکر مقبول نہیں ہوگی ۔ صاحب البحر پر تعجب ہے کہ انہوں نے انتہائی تساہل سے کام لے کر اس شخص کے قتل کا فتوی دیا حالانکہ انہوں نے یہ کہا تھا کہ میں نے اپنے اوپر یہ لازم کیا ہے کہ کتب فتاوی میں جو الفاظ تکفیر مذکور ہیں میں ان پر فتوی نہیں دوں گا۔

ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ جو شخص حضرت سیدہ عائشہؓ پر قذف کرے وہ کافر ہے یا جو حضرت ابو بکر صدیقؓ کی صحابیت کا انکار کرے وہ کافر ہے یا جو حضرت علیؓ کو خدا مانے وہ کافر ہے جو وحی لانے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو غلطی پر جانے وہ بھی کافر ہے۔ لیکن اگر یہ لوگ توبہ کر لیں تو ان کی توبہ مقبول ہوگی ۔ یہ اس بحث کا خلاصہ ہے کہ جس کو تفصیل کے ساتھ ہم نے اپنی کتاب ''تنبیہ الولاۃ والحکام'' میں بیان کیا ہے اگر یہ تفصیل پڑھنا چاہو تو اس کی طرف رجوع کرو۔

یہاں فتاوی شامی کی عبارت کا ترجمہ ختم ہوا۔

رضاخانیو! علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ساب الشیخین کی تکفیر کو قول ضعیف صاحب خلاصہ کا تفرد اور مخالف جمہور بلکہ مخالف اجماع قرار دیا ہے۔ اور یہ بھی لکھا کہ اس قول کے خلاف حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے پورا ایک رسالہ قلمبند کیا ہوا ہے۔ صحیح مذہب جو متون اور شروحات ہے وہ یہی ہے کہ شیخین کو ساب کرنے والا کافر نہیں نہ اس کی تکفیر کی جائے گی اگر چہ یہ شدید فسق اور بدعت ہے۔ الحمد للہ راقم الحروف نے ''تنبیہ الولاۃ'' کا بھی مطالعہ کیا ہوا ہے اس میں بھی اس مسئلہ کو بڑے شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ حنفیہ کے اسی مفتی بہ قول کو دارالعلوم دیوبند نے اختیار کیا اس سے جہاں پختگی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند کا مسلک حنفیت پر کاربند ہونے کا پتہ چل رہا ہے وہی رضاخانیوں کا مذہب حنفیت سے کھلا اعتزال بھی سامنے آگیا جن کے نزدیک معاذ اللہ مفتیان حنفیہ ایسے فتوے دیتے ہوں جس سے شیعیت کے ساتھ گٹھ جوڑ ثابت ہوتا ہو ان کو خود کو حنفی باور کراتے ہوئے کچھ تو شرم کرنی چاہئے۔ جس مسلک کے مناظرین اور ترجمانوں کو فتاوی شامی کے مسائل تک کا علم نہ ہو اس مسلک کے عام لوگ علم و تحقیق کے کس منہج پر ہوں گے اس کا اندازہ لگانا کوئی مشکل کام نہیں۔ واقعی کسی نے سچ کہا تھا کہ مولانا احمد رضا خان صاحب جاہلوں کے پیشوا تھے۔

حوالہ نمبر ۲

ملا علی قاری حنفیؒ لکھتے ہیں:

ثم بسط الامام الكلام على نفي تكفير ارباب الانام من اهل القبلة ولو من اهل البدعة دلالة على ان سب الشيخين ليس بكفر كما صححه ابو الشكور السالمي في تمهيده و ذالك لعدم ثبوت مبناه و عدم تحقيق معناه فان سب المسلم فسق كما في حديث ثابت هو حديث مسلم سباب المسلم فسوق و قتاله كفر و حينئذ يستوى الشيخان و غيرهما في الحكم ولانه لو فرض ان احدا قتل الشيخين بل

والختنین بوصف الجمع لایخرج عن کونہ مسلما عند اھل السنۃ والجماعۃ ومن المعلوم ان السب دون القتل نعم لو استحل السب والقتل فھو کافر لامحالۃ وعلی تقدیر بثبوت الحدیث فیجب ان یوول کما اول الحدیث من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر''۔

(شرح فقہ الاکبر،ص۲۱۱دارالبشائر بیروت)

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ نے اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے پر تفصیل سے کلام کیا ہے خواہ وہ اہل معصیت ہوں یا اہل بدعت اور امام اعظم کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابوبکر وعمرؓ کو سب کرنا کفر نہیں، چنانچہ عبدالشکور سالمی نے اپنی تمہید میں اس قول کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ اس تکفیر کا مبنی ثابت نہیں ۔مسلمان کو سب کرنا فسق ہے جیسا کہ حدیث میں ہے اور اس لحاظ سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور دوسرے مسلمان مساوی ہیں ۔بلکہ اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ کسی شخص نے حضرت ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو معاذ اللہ قتل کردیا بلکہ حضرت عثمان وعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی قتل کردیا تب بھی وہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک اسلام سے خارج نہ ہوگا۔اور مسلمانوں کو سب کرنا تو قتل کرنے سے کم درجے کا گناہ ہے ۔ہاں اگر کوئی شخص حلال سمجھ کر قتل یا سب کرے تو وہ لامحالہ کافر ہوگا اور بالفرض اس پر کوئی حدیث ہوتی تو لازم ہے کہ اس میں تاویل کی جائے جیسا کہ حدیث میں تاویل کی جاتی ہے کہ جو جان بوجھ کر نماز ترک کردے تو وہ کافر ہوگیا۔

لیجئے ملاعلی قاری حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کہہ دیا کہ شیخین (صدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو سب (برا بھلا) کرنے والوں کی تکفیر نہ کرنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب ہے ۔اب قارئین کرام خود فیصلہ کریں کہ کیا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا بھی شیعوں کے ساتھ کوئی تانا بانا ملتا ہے معاذ اللہ؟

الحمدللہ فقہاء ومتکلمین دونوں کا نظریہ ہم نے پیش کردیا کہ ساب الشیخین کی تکفیر نہیں کی جائے گی جن بعض فقہاء نے تکفیر کا قول نقل کیا ہے وہ ضعیف ہے بلکہ راقم کہتا ہے کہ ان بعض کا مقصد بھی تکفیر نہ تھا بلکہ انہوں نے یہ تغلیظا وتشدیدا کہہ دیا چنانچہ علامہ عبد العزیز فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ بعض فقہاء کی طرف سے یہی توجیہ نقل کرتے ہیں:

''ان التکفیر تھدید وتغلیظ ولیس محمولا علی ظاھرہ''۔

(نبراس،ص۵۷۲ نوریہ رضویہ لاہور)

جن علماء نے تکفیر کی وہ تہدید تغلیط (ڈرانے دھمکانے) پر محمول ہے اس کا ظاہر معنی مراد نہیں (کہ واقعۃً تکفیر کے قائل ہیں)

لیجئے اب تو اجماع ہوگیا اور کوئی ضعیف قول بھی اس مسئلہ کے خلاف نہ رہا کہ ساب الشیخین کفر نہیں ۔اگر رضاخانی مناظر دیگر کتب مذہب نہیں کم ازکم شرح عقائد زمانہ طالب علمی میں ڈھنگ سے پڑھ لیتا تو آج اس جہالت کا شکار نہ ہوتا۔

اب آخر میں اتمام حجت کیلئے بندہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کا فتویٰ بھی نقل کردیتا ہے:

''واضح ہو کہ جو فرقہ شیعہ کہ منکر ضروریات دین ہو یعنی مثلاً حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کو خدا کہتا ہو یا نبوت حضرت علی کرم اللہ وجہہ وشراکت نبوت آنجنابؓ کا قائل ہو یا ان کو افضل من الرسل تسلیم کرتا ہو یا حضرت عائشہؓ کی شان مبارک میں قذف کرتا ہو یا سب وشتم وقتل شیخین یعنی خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ وخلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کو حلال جانتا ہو وفرقہ شیعہ بلاشک کافر ومرتد ہے اور جو گروہ حسد او عداوتا بخیال جاہلانہ صحابہ کرامؓ خصوصاً خلیفہ اول وثانی کی شان مبارک میں گستاخی کرتا ہے یعنی طعن وطنز سب وشتم روا رکھتا ہے لیکن اس کو حلال نہیں جانتا وہ گروہ اہل تشیع ہمارے محققین فقہاء کرام ومدققین علماء عظام کے نزدیک کافر تو نہیں ہے

لیکن افسق الفسقہ وافجر الفجرۃ ہے"۔(فتاوی مہریہ،ص ۲۴۴)

(اعتراض ۱۱۳:) شیعہ کافر نہیں

یہ عنوان قائم کر کے معترض لکھتا ہے:

شیعہ تبرائی پر (کے متعلق)۔۔محققین ۔۔۔یہ کہتے ہیں کہ ان کو مبتدع فاسق کہا جاوے اور کافر نہ کہا جاوے ۔۔۔(جو) محض تبرائی ہیں وہ کافر نہیں ہیں۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند،ج ۷،ص ۴۶۱)

محققین ۔۔۔شیعہ تبرا گو اور منکر خلافت خلفاء ثلاثہ کو کافر نہیں کہتے (فتاوی دارالعلوم دیوبند،ج ۱،ص ۷۷۷) دیوبند کے مفتی شفیع رقمطراز ہیں کہ تبرا کرنے والے شیعہ (کے متعلق) بھی صحیح قول یہ ہے کہ کافر نہیں فاسق ہیں (فتاوی دارالعلوم دیوبند،ج ۲،ص ۵۰۴) رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں کہ بندہ بھی ان (شیعہ) کی تکفیر نہیں کرتا (فتاوی رشیدیہ،ص ۲۶۴) روافض خوارج کو بھی اکثر علماء کافر نہیں کہتے حالانکہ وہ شیخین (سرکار ابو بکر صدیق وسرکار فاروق اعظم رضی اللہ تعالی عنہما) وصحابہ کو اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین کو کافر کہتے ہیں (فتاوی رشیدیہ،ص ۱۶۵)

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف،ص ۱۰۴،۱۰۵)

جواب: رضاخانی معترض نے ایک دفعہ پھر بد دیانتی کا ثبوت دیا ہے۔ما قبل میں ہم فتاوی دارالعلوم دیوبند ہی کے حوالے سے ذکر کر چکے ہیں کہ وہ روافض جو کفریہ عقائد رکھتے ہیں بالاتفاق کافر ہیں ان سے نکاح باطل ہے۔ہاں وہ شیعہ جو محض تبرا (گالم گلوچ توہین سب) کرتے ہیں محققین فقہائے احناف کے ہاں وہ کافر نہیں اور یہی علمائے دیوبند کا موقف ہے۔اس کی تفصیل ما قبل میں گزر چکی ہے۔معترض کو کوئی اعتراض ہے تو فقہائے احناف پر اعتراض کرے ہم تو صرف ناقل ہیں۔البتہ آج کل عموما اثنا عشریہ شیعہ عقائد کفریہ رکھتے ہیں لہذا آج کل کے تبرائی کافر ہوں گے۔پاکستان کے ممتاز دیوبندی ادارے جامعہ بنوری ٹاون نے ایک خصوصی نمبر بینات کا "خمینی اور اثنا عشریہ کے بارے میں متفقہ فیصلہ" شائع کیا جس میں پاک وہند کے تمام نامور علمائے دیوبند نے شیعہ کی تکفیر کا فتوی دیا۔اسی طرح حضرت علامہ علی شیر حیدری شہید رحمۃ اللہ علیہ نے شیعہ اثنا عشریہ کے کفریہ عقائد پر مشتمل ایک مجموعہ "فتوی امام اہلسنت مع تائید علمائے اہل سنت" شائع کیا جس میں دارالعلوم دیوبند سے لیکر پاکستان کے ہر قابل ذکر دارالافتاء کی مہر تصدیق ثبت ہے۔جسے خلافت راشدہ اکیڈمی خیر پور سندھ سے شائع کیا گیا۔

مسئلہ صرف اصولی ہے جو علمائے دیوبند نے نقل کیا کہ ایسا شیعہ جو کسی قسم کا کفریہ عقیدہ نہ رکھتا ہو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلفائے ثلاثہ پر فضیلت دیتا ہو یا صحابہ کو معاذ اللہ برا بھلا کہتا ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ ایسا شخص سخت قسم کا بدعتی ہے مگر کافر نہیں یہ حنفی مذہب کا متفقہ فیصلہ ہے۔تو معترض فقہائے احناف پر اپنے دل کی بھڑاس نکالے علمائے دیوبند کا اس میں کیا قصور ہے؟ دراصل بات یہ ہے کہ معترض کو ابھی تک علمائے احناف کی کتب پڑھنے کی توفیق ہی نہیں ملی اس کی کل کائنات فتاوی رضویہ ہے اس میں چونکہ تبرائی کو بھی کافر کہا گیا ہے تو اس نے جہاں تبرائی پر محض بدعتی ہونے کا فتوی دیکھا جھٹ سے اس پر شیعیت کا الزام لگا دیا۔حالانکہ مولانا احمد رضا خان صاحب کا شیعہ تبرائی کو کافر کہنا اس کے "رافضی" ہونے کی ایک اور دلیل ہے (جس کی تفصیل باب کے شروع میں گزر چکی ہے) وہ اس طرح کہ سنیوں کو تو یہ دھوکا لگے گا

کہ دیکھو فاضل بریلوی شیعہ حضرات کا کتنا سخت مخالف تھا کہ تبرائیوں کی بھی تکفیر کر دی بڑا پکا سنی نکلا،مگر جب دوسری طرف یہی سنی دیکھے گا کہ اکابر احناف نے ایسے شیعہ کی تکفیر نہیں کی تو یہ ایسے احناف فقہاء کو مائل بتشیع سمجھے گا اوران سے بدظن ہوگا کیونکہ فاضل بریلوی نے تو شیعہ تبرائی کی تکفیر نہ کرنے والوں کو بھی شیعہ کا ساتھی کہہ دیا۔اب دیکھیں فاضل بریلوی نے تقیہ کی آڑ میں کتنا بڑا کھیل کھیلا ایک سنی کو اپنے علمائے حقہ سے بدظن کر دیا۔یہی وہ چیز ہے جسے میں آپ حضرات کے سامنے رکھنا چاہ رہا ہوں کہ اس کی ”رد الرفضہ“ سے دھوکا نہ کھائیں اندرون خانہ سب ملے ہوئے ہیں۔

اس پر ایک اور انداز سے دلیل ملاحظہ ہو کہ کسی بھی معتبر شیعہ عالم سے پوچھ لیں وہ ”سپاہ صحابہ“اہل السنت والجماعت دیو بند کو تو اپنا کھلا دشمن قرار دے گا ان کے فتوے لالا کر میڈیا پر دکھائے گا کہ دیکھو یہ تکفیری ہمیں کافر کہتے ہیں۔مگر آج تک کسی قابل ذکر شیعہ ذاکرو عالم نے فاضل بریلوی کی ”رد الرفضہ“ کا حوالہ نہ اپنی کسی کتاب میں دیا نہ کسی جلسے میں جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ رد الرفضہ محض سنیوں کو دھوکا دینے کیلئے روافض نے اپنے امام نواب احمد رضاخان صاحب سے جاری کروایا تھا۔ورنہ کیا وجہ ہے کہ آج تک کسی شیعہ نے اس فتوے کی بنیاد پر بریلوی حضرات کو اپنا دشمن نہیں مانا۔معاذ اللہ اگر علمائے دیو بند روافض کو مسلمان سمجھتے یا ان کا آپس میں گٹھ جوڑ ہوتا تو شیعہ بریلویوں کے بجائے دیو بندیوں کی گود میں بیٹھے ہوئے ہوتے،دیو بندی قائدین و کارکنان کو شہید کرنے کے بجائے علمائے بریلویہ کو مارتے۔

روافض خارج از اسلام ہیں جن علماء نے ان کی تکفیر نہیں کی وہ ان کے عقائد پر مطلع نہ تھے حکیم الامت مجدد دین و ملت حضرت شاہ اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ شیعہ اثناء عشری مسلمان ہیں یا خارج از اسلام اور ان کے ساتھ مناکحت اور ان کا ذبیحہ حلال ہے یا نہیں ان کے جنازہ کی نماز پڑھنا اپنے جنازہ میں شریک کرنا درست ہے یا نہیں نیز اگر وہ کسی مسجد کی تعمیر کیلئے چندہ دینا چاہیں تو لیا جائے یا نہیں؟

الجواب واللہ الموفق للصواب

شیعہ اثنائے عشری قطعاً خارج از اسلام ہیں ہمارے علماء سابقین کو چونکہ ان کے مذہب کی حقیقت کما ینبغی معلوم نہ تھی بوجہ اس کے کہ یہ لوگ اپنے مذہب کو چھپاتے ہیں اور کتابیں بھی ان کی نایاب تھیں لہذا بعض محققین نے بناء بر احتیاط ان کی تکفیر نہیں کی تھی۔مگر آج ان کی کتابیں نایاب نہیں رہیں اور ان کے مذہب کی کیفیت منکشف ہوگئی اس لئے تمام محققین ان کی تکفیر پر متفق ہو گئے ہیں۔ضروریات کا انکار قطعاً کفر ہے اور قرآن شریف ضروریات میں سب سے اعلی وارفع چیز ہے اور شیعہ بلا اختلاف،کیا ان کے متقدمین کیا متاخرین سب کے سب تحریف قرآن کے قائل ہیں (اس کے بعد حضرت نے تحریف قرآن کے متعلق ان کا عقیدہ لکھا۔ساجد)الختصر شیعوں کا کفر بر بنائے عقیدہ تحریف قرآن محل تردد نہیں،علاوہ اس کے دوسرے وجوہ کفر بھی ہیں مثلاً بدا،قذف ام المومنین وغیرہ کے مگر ان میں کچھ تاویل کی گنجائش ہے۔لہذا شیعوں کے ساتھ مناکحت قطعاً ناجائز اور ان کا ذبیحہ حرام اور ان کا چندہ مسجد میں لینا ناروا ہے۔ان کا جنازہ پڑھنا ان کو اپنے جنازہ میں شریک کرنا جائز نہیں ان کی مذہبی تعلیم کی کتابوں میں یہ ہے کہ سنیوں کے جنازہ میں شریک ہو کر یہ دعا کرنا چاہئے کہ یا اللہ ان کی قبر کو

آگ سے بھر دے اور ان پر عذاب نازل کر فقط واللہ اعلم۔
(امداد الفتاوی، ج ۴ ص ۵۸۶، ۵۸۷ مکتبہ دارالعلوم کراچی، مسائل شتیٰ)

نوٹ: ہمارے جو بعض علماء نواب احمد رضاخان صاحب کی تکفیر کرتے ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہمارے اکابر پر نواب صاحب کے عقائد منکشف نہیں ہوئے تھے بوجہ ان کی کتب نایاب یا ان کی طرف مراجعت نہ کرنے کی وجہ سے۔واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے اس واضح اور دوٹوک فتوے کے بعد اب مزید کسی اور حوالے کی ضرورت نہیں بالفرض ہمارے جن اکابر نے شیعہ کی تکفیر نہیں کی تو وہ اس وجہ سے نہیں کی کہ ان کے سامنے روافض کے کفریہ عقائد نہ تھے۔

فتاوی دارالعلوم دیوبند سے جو فتوی اس معترض نے نقل کیا وہ بھی ادھورا اور کاٹ پیٹ کر نقل کیا مکمل فتوی ملاحظہ ہو:

''شیعہ تبرائی پر تہمت سے علماء کا فتوی کفر ہے لیکن محققین حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ ان کو مبتدع فاسق کہا جاوے اور کافر نہ کہا جاوے کہ کافر نص قطعی کا منکر ہوتا ہے لہٰذا جو روافض حضرت صدیقہؓ کے افک والوہیت حضرت علیؓ وغیرہ عقائد کفریہ کے قائل ہیں وہ باتفاق کافر ہیں اور جو ایسے نہیں ہیں محض تبرائی ہیں وہ کافر نہیں ہیں لیکن نکاح سے احتیاط کیجاوے کہ عورت سنیہ کا نکاح ان سے نہ کیا جاوے اور اگر ہوگیا تو اولاد کو ولد الزنا نہ کہیں گے نسب اولاد کا والد سے ثابت ہوگا''۔
(فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج ۷، ص ۴۶۱، ۴۶۲)

جو فتوی معترض نے ادھورا نقل کیا اس میں بھی شیعہ کو واضح طور پر کافر لکھا ہے مگر تبرائی کو علمائے احناف کی پیروی میں فاسق و مبتدع کہا مگر اس سے بھی نکاح سے ممانعت کا فتوی دیا غور فرمائیں کس طرح فتوے کو ادھورا نقل کر کے اس ظالم نے پیش کیا۔ پھر جو فتاوی رشیدیہ کا حوالہ دیا وہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی نہیں بلکہ ملفوظ ہے اس پر عنوان قائم ہے: ''ملفوظات'' پورا ملفوظ اس طرح ہے:

''جو لوگ شیعہ کو کافر کہتے ہیں ان کے نزدیک تو اس کی نعش کو ویسے ہی کپڑے میں لپیٹ کر داب دینا چاہئے اور جو لوگ فاسق کہتے ہیں ان کے نزدیک ان کی تجہیز و تکفین حسب قاعدہ ہونا چاہئے اور بندہ بھی ان کی تکفیر نہیں کرتا''۔ (تالیفات رشیدیہ، ص ۲۴۱)

حضرت فقیہ العصر رحمۃ اللہ علیہ یہاں ایک سائل کا جواب دے رہے ہیں اور سوال مذکور نہیں ممکن ہے کہ یہ سوال تبرائی شیعہ کے متعلق ہو باقی رافضی کافر ہے یا نہیں تو یہ ہم حضرت کے فتاوی ہی سے نقل کر دیتے ہیں:

''**سوال:** جو عورت سنیہ رافضی کے تحت میں بعد ظہور رفض کے بخوشی خاطر رہ چکی ہو پھر رفض یا دوسری شے کو حیلہ قرار دے کر بلا طلاق علیحدہ ہو جائے اور سنی سے نکاح کر لیوے تو یہ نکاح بلا طلاق شیعہ کے کیا حکم رکھتا ہے اولاد سنی کو اگر رافضی ہو جائے تو پدر سنی کے ترکہ سے محروم الارث ہوگی یا نہیں؟

جواب: جس کے نزدیک رافضی کافر ہے وہ فتوی اول سے ہی بطلان نکاح کا دیتا ہے۔ اور اس میں اختیار زوجہ کا کیا اعتبار ہے پس جب چاہے علیحدہ ہو کر عدت کر کے نکاح دوسرے سے کر سکتی ہے اور جو فاسق کہتے ہیں ان کے نزدیک یہ امر ہرگز درست نہیں کہ نکاح اول صحیح ہو چکا ہے۔ **اور بندہ بھی اول مذہب رکھتا ہے**۔ فقط واللہ اعلم علی ہذا رافضی اولاد سنی کو ترکہ سنی سے نہ ملے گا''۔
(تالیفات رشیدیہ، ص ۳۸۳)

ماقبل میں یہ فتوی بریلوی مناظر مولانا غلام نصیر الدین سیالوی کے حوالے سے پیش کیا جا چکا ہے اور خود بریلوی نے اس سے یہ استدلال

کیا کہ علمائے دیوبند روافض کو کافر کہتے ہیں۔

شیعہ کے متعلق بریلوی مفتی اعظم کا فتوی

بریلوی مفتی اعظم سید الفقہاء مفتی دیدار الوری فتوی دیتا ہے:

''فتوی نمبر ۱۴۹: سوال شیعہ مذہب کی مسجد کا کیا حکم ہے؟

الجواب: مسجد شیعہ کا اور اہل تسنن کا ایک ہی حکم ہے کیونکہ شیعہ بمطابق مذہب صحیح فاسق ہیں''۔

(فتاوی دیداریہ، ج۱ص ۳۸۱ مکتبہ العصر گجرات)

اس فتوے کے بعد یقینا معترض کی طبیعت صاف ہوگئی ہوگی۔

(اعتراض ۱۱۴:) شیعہ سے نکاح جائز ہے

روافض کے کفر میں خلاف ہے جو علماء کافر کہتے ہیں بعض نے اہل کتاب کا حکم دیا ہے۔۔۔درصورت اہل کتاب ہونے کے عورت رافضیہ سے مرد سنی کا نکاح درست ہے جو ان کو فاسق کہتے ہیں (جن میں خود گنگوہی صاحب شامل ہیں فتاوی رشیدیہ، ص ۲۶۴۔ بریلوی۔لعنۃ اللہ علی الکاذبین، ساجد) ان کے نزدیک شیعہ سے نکاح ہر طرح درست ہے (فتاوی رشیدیہ، ص ۱۷۰)

مولوی اشرف علی تھانوی کا فتوی بمع سوال ہدیہ قارئین ہے:

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ سنی المذہب عورت بالغہ کا نکاح زید شیعہ مذہب کے ساتھ برضائے شرعی باپ کی تولیت میں ہوگیا۔۔۔دریافت طلب یہ امر ہے کہ سنی و شیعہ کا بہ تفرق مذہب نکاح جیسا کہ ہندوستان میں شائع ہے عند الشرع صحیح ہوتا ہے یا نہیں الخ

الجواب: چنانچہ نکاح منعقد ہوگیا لہذا اولاد سب ثابت النسب اور صحبت حلال ہے۔

(امداد الفتاوی، ج ۲ص ۲۲۵)

مفتی محمد شفیع دیوبندی اور مفتی عزیز الرحمن تبرائی شیعہ سے نکاح درست بتلاتے ہیں۔

(فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج ۲، ص ۴۰۵، فتاوی دارالعلوم دیوبند، ج ۷، ص ۲۵۰)

رشید احمد گنگوہی رافضیہ عورت کا مرد سنی سے نکاح جائز بتلاتے ہیں۔

(تذکرۃ الرشید، ج ۱ص ۱۶۶)

دیوبندی مولوی عبد القادر آزاد نے بھی شیعہ سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ اور اس کا جواز اپنے دیوبندی مفتی کفایت اللہ دہلوی سے بھی بیان کیا ہے۔

(انٹرویو روزنامہ جنگ لاہور یکم مئی ۱۹۹۷)

مفتی کفایت اللہ دہلوی نے لکھا ہے کہ:

شیعہ لڑکی کے ساتھ سنی مرد کا نکاح درست ہے (کفایت المفتی ج ۱ص ۲۷۸)

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۱۰۵، ۱۰۶، دیوبندی مذہب ص ۷۶)

جواب: معترض نے ایک دفعہ پھر موروثی دھوکا دہی سے کام لیا ہے۔ ہم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، فتاوی دارالعلوم دیوبند، حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی امداد الفتاوی کے حوالے سے ماقبل میں حوالے نقل کر آئے ہیں کہ روافض شیعہ دائرہ اسلام سے خارج ہیں ان سے نکاح کسی صورت جائز نہیں باطل محض ہے ہاں مبتدع سے نکاح تو ہو جاتا ہے مگر احوط نہ کرنا ہے۔اس کے بعد اس اصولی موقف کو چھوڑ کر عبارات کو کانٹ چھانٹ کر، ان کو سیاق وسباق سے کاٹ کر قطع و برید کے کرتب دکھا کر اور مفہوم بگاڑ کر پیش کرنا کونسی دیانت وعلامتِ سنیت ہے؟ فتاوی رشیدیہ کا مکمل فتوی اس طرح ہے:

''**سوال**: روافض یا خوارج کو کافر کہنا جائز ہے یا نہیں اور ان کے ساتھ عقد نکاح وغیرہ کرنا جائز ہے یا نہیں مکروہ تحریمی ہے یا تنزیہی حرام ہے یا غیر حرام اور عندالتقوی کیا ہے؟

جواب: روافض کے کفر میں خلاف ہے جو علماء کافر کہتے ہیں بعض نے اہل کتاب کا حکم دیا ہے بعض نے مرتد کا پس درصورت اہل کتاب ہونے کے عورت رافضیہ سے مرد سنی کا نکاح درست ہے اور عکس اس کے ناجائز اور بصورت ارتداد ہر طرح ناجائز ہوگا اور جو ان کو فاسق کہتے ہیں ان کے نزدیک ہر طرح درست ہے مگر ترک بہر حال اولی ہے۔فقط واللہ اعلم تعالیٰ''۔

(فتاوی رشیدیہ ص ۲۲۰ کتاب الایمان والکفر)

اس میں صاف تصریح ہے کہ جو شیعہ کو مرتد کہتے ہیں ان کے نزدیک نکاح سرے سے ہوا ہی نہیں اور جو فاسق کہتے ہیں ان کے نزدیک ہو تو جاتا ہے مگر ترک بہر حال اولی ہے۔ یہ جو معترض نے بریکٹ میں لکھا کہ فاسق کہنے والوں میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں یہ موصوف کی بددیانتی ہے مذکورہ فتوے میں ایسا کچھ نہیں جو صفحہ نمبر دیا اس کی وضاحت ماقبل میں ہم کر چکے ہیں۔حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے فتوے میں بھی دھوکا دہی سے کام لیا گیا مکمل فتوی ملاحظہ ہو:

''کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ ہندہ سنی المذہب عورت بالغہ نکاح زید شیعی مذہب کے ساتھ برضائے شرعی باپ کی تولیت میں ہو گیا اس نکاح کو عرصہ گزر گیا یہاں تک کہ ہندہ کے بطن سے زید کی اولاد بھی ہوئی اب ہندہ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ <u>**شیعہ سبیہ**</u> کافر ہیں اس لئے نکاح کا اعتقاد نہیں ہوتا اور یہ جماع بحکم زنا ہوتا ہے پس ہندہ اسی علم کے وقت سے مباشرت سے محترزہ ہے اور چاہتی ہے کہ نکاح فیما بین الزوجین فسخ ہو جائے۔علمائے شریعت غراء سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ سنی وشیعہ کا بتفریق مذہب نکاح جیسا کہ ہندوستان میں شائع ہے عندالشرع صحیح ہوتا ہے یا نہیں اور عورت بوجہ جہالت مسئلہ یا شیعی مرد کے تقیہ ہے آپ کو سنی ظاہر کرنے کی بنا پر اگر شیعہ کے نکاح میں چلی جائے تو مسئلہ سے واقف ہونے <u>**یا خاوند شیعہ کے خیالات تشیع اور تبرا اور سب الشیخین**</u> علی الاعلان ظاہر ہونے پر اپنے نفس کو اس کی زوجیت سے نکالنے کی مجاز ہے یا نہیں نیز اسی حالت میں پیدا ہونے والی اولاد پر کیا حکم لگا یا جائے گا؟

الجواب: فی الدر المختار و تعتبر الکفائۃ دیانۃ ای تقوی فلیس فاسق کفوا لصالحۃ و فیہ لو زوجوھا برضاھا ولم یعلموا بعدم الکفائۃ ثم علموا الاخیار لہ الا اذا شرطوا الکفائۃ او اخبرھم بھا وقت العقد فزوجوھا علی ذالك ثم ظھر انہ غیر کفو کان لھم الخیار ونوا الجیۃ فلیحفظ۔

روایت اولی کی بنا پر یہ نکاح غیر کفو سے ہوا ہے اور لم یثبت کون السب کفرا اور روایت ثانیہ کی بنا پر جب زوجہ اور اولیاء دونوں نکاح غیر

کفو پر رضامند ہوں نکاح لازم ہوجاتا ہے اور غیر کفو ہونے کا علم نہ ہو جب بھی نکاح ہوجاتا ہے البتہ تصریحا کفائۃ شرط ٹھری تھی یا زوج نے زبان سے تصریحا خبر دی تھی کہ میں سنی ہوں اس صورت میں نکاح باوجود انعقاد کے لازم نہیں ہوا لیکن لابد للفسخ من وجود قاض شرعی اور باقی سب صورتوں میں حق فسخ نہیں ہے۔ اور چونکہ نکاح منعقد ہوگیا لہٰذا اولاد سب ثابت النسب اور صحبت حلال ہے واللہ اعلم"۔

(امداد الفتاوی، ج ۲،ص ۲۵۱،۲۵۲)

سوال میں صاف صراحت ہے کہ یہ فتوی تبرائی کے متعلق پوچھا گیا ہے جو بدعتی ہے ورنہ رافضی کے کفر پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا تفصیلی فتوی ماقبل میں گزر چکا ہے اسی مذکورہ بالا فتوے سے متصل یہ فتوی بھی ہے جو معترض کو نامعلوم نظر کیوں نہ آیا:

"اگر وہ رافضی عقائد کفر رکھتا ہے جیسے قرآن مجید میں کمی بیشی کا قائل ہونا یا حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگانا یا حضرت علیؓ کو خدا ماننا یا یہ اعتقاد رکھنا کہ جبریل علیہ السلام غلطی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی لے آئے تب تو کافر ہیں اور اس کا نکاح سنیہ سے صحیح نہیں ہے اور محض تبرائی کے کفر میں اختلاف ہے علامہ شامی نے عدم کفر کو ترجیح دی ہے۔ (جلد ۳ ص ۴۵۳) مگر اس کے بدعتی ہونے میں کچھ شک نہیں تو اس صورت میں گو وہ کافر نہ ہوگا مگر بوجہ فسق اعتقادی کے سنیہ کا کفو نہ ہوگا اور غیر کفو مرد سے نکاح کرنے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر لڑکی نابالغ ہے اور نکاح کیا ہے باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے تب تو نکاح صحیح ہی نہ ہوگا اور اگر باپ دادا نے کیا ہے اور واقعات سے معلوم ہوا کہ طمع زر سے کیا ہے اور لڑکی کی مصلحت پر نظر نہیں کی جیسا سوال میں مذکور ہے تب بھی نکاح صحیح نہ ہوگا اور اگر منکوحہ بالغ ہے تو اگر اس نے خود اپنا نکاح کرلیا ہے اور ولی عصبہ راضی نہ تھے تب بھی نکاح صحیح نہ ہوا اسی طرح اگر ایسے ولی نے کردیا اور وہ منکوحہ راضی نہیں یعنی زبان سے انکار کردیا تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوا یہ صورتیں تو عدم جواز نکاح کی ہیں اور اگر لڑکی نابالغ ہے اور نکاح کیا ہے باپ دادا نے اور لڑکی کی مصلحت سمجھ کر کیا ہے کسی طمع وغیرہ کے سبب نہیں کیا یا لڑکی بالغ ہے اور نکاح خود کیا اور ولی عصبہ کی رضا سے کیا ہے یا اس کا کوئی ولی عصبہ ہے یا اس کا کوئی ولی عصبہ ہے ہی نہیں یا لڑکی بالغ ہے اور ولی نے اس کی اجازت سے کردیا تو ان صورتوں میں ان علماء کے نزدیک نکاح صحیح ہوجائے گا جو تبرائی کو کافر نہیں کہتے اور یہ سب تفصیل اس وقت ہے کہ نکاح کے وقت اس کا رفض معلوم ہوا ور اگر اس وقت اپنے کو سنی ظاہر کیا اور بعد نکاح کے رفض ثابت ہوا تو جس صورت میں وہ محض بدعتی ہے تو اگر منکوحہ بالغہ ہے اور وہ اور اس کا ولی عصبہ دونوں راضی ہیں تو نکاح کے فسخ کا حق حاصل ہوگا اور اگر ولی سے اجازت نہیں لی گئی تو ولی کو حق فسخ ہے۔ جس کی ایک شرط قضاء قاضی مسلم ہے۔ اور اگر منکوحہ صغیرہ ہے تو بعد بالغ ہونے کے اگر راضی ہے تب بھی نکاح صحیح رہے گا اور اگر راضی نہ ہوئی تو اس کو حق فسخ حاصل ہوگا جس طرح شرط اوپر مذکور ہوئی"۔

(امداد الفتاوی، ج ۲،ص ۲۵۳،۲۵۴)

قربان جاؤں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت پر کتنا جامع اور مانع فتوی دیا ہے۔

تذکرۃ الرشید کے حوالے میں بھی بددیانتی کا ثبوت دیا گیا ہے وہاں صاف مذکور ہے کہ جن کے نزدیک ان کا حکم مرتدین کا ہے ان کے نزدیک نکاح نہیں ہوتا اور جو فاسق کہتے ہیں ان کے نزدیک بھی مناسب نہیں۔

اس کے بعد جو روزنامہ جنگ کے حوالے سے مولانا عبدالقادر آزاد صاحب خطیب بادشاہی مسجد لاہور کا حوالہ دیا ہے تو معترض نے اپنی کتاب کے سرورق پر جلی الفاظ میں لکھا ہوا ہے:

"مستند کتب دیوبندیہ کے حوالہ جات سے مزین"

تو جواب دے کہ جنگ اخبار کا شمار مستند کتب دیوبندیہ میں کس نے اور کب کیا؟ ثانیا آنجناب کے مسلک کے ہاں اخبارات کی خبریں معتبر نہیں ہوتی چنانچہ مولانا حسن علی رضوی صاحب کی کتاب کا حوالہ ما قبل کسی اعتراض کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

''یہ کہاں ضروری ہے کہ اخبارات کی خبر سو فیصد درست ہوتی ہے یہاں بھی رپورٹر یا نامہ نگار بیان دینے والے کی مرضی کے خلاف ان سے منسوب کر کے بہت کچھ لکھ دیتے ہیں''۔ (قہر خداوندی، ص ۵۴)

یاد رہے کہ جب خود پھنستے ہیں تو کہتے ہیں کہ اخبار کا حوالہ معتبر نہیں لیکن جب علمائے دیوبند کو بدنام کرنا ہو تو یہی اخبارات گویا معاذ اللہ وحی الہی بن جاتے ہیں۔ عجیب دوغلا معیار ہے ان لوگوں کا۔ ثالثا مولانا عبد القادر صاحب ہمارے اکابر میں سے نہیں لہذا بالفرض ایسا کوئی بیان ان کا ہو بھی تو مسلک کیلئے حجت نہیں۔

کفایت المفتی کے حوالے سے بھی ہمیشہ کی طرح بد دیانتی کا ثبوت دیا گیا ہے ملاحظہ ہو مکمل عبارت:

''ایک شیعہ لڑکا سنی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ اگر سنی قاضی یا پیش امام نکاح پڑھانے سے انکار کرے اور کوئی شیعہ پڑھا دے تو کیا حکم ہے؟ شیعہ تفضیلی ہے جو حضرت علیؓ کو باقی خلفاء پر فضیلت دیتے ہیں عالگیری جلد دوم ص ۲۴۶ میں یہ عبارت ہے الرافضی اذا کان یسب الشیخین او یلعنہا والعیاذ باللہ فھو کافر و ان کان یفضل علیا کرم اللہ وجھہ علی ابی بکر الصدیق لا یکون کافرا الا انما ھو مبتدع اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ سے سنی کا نکاح درست نہیں ہے؟

جواب (۳۱۵) شیعہ اگر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کو دوسرے صحابہ پر فضیلت دیتا ہے بس اس کے علاوہ اور کوئی بات اس میں شیعیت کی نہیں تو یہ کافر نہیں ہے اور ایسے شیعہ کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر شیعہ غلطی وحی یا الوہیت علی یا افک صدیقہؓ کا قائل ہو یا قرآن مجید میں کمی بیشی ہونے کا معتقد ہو صحبت صدیق کا منکر ہو تو ایسے شیعہ کے ساتھ سنی لڑکی کا نکاح منعقد نہیں ہوتا اور چونکہ شیعوں میں تقیہ کا مسئلہ شائع اور معمول ہے اس لئے یہ بات معلوم کرنی مشکل ہے کہ فلاں شیعہ قسم اول سے ہے یا قسم دوم سے اس لئے لازم ہے کہ شیعوں کے ساتھ مناکحت کا تعلق نہ رکھا جائے''۔ (کفایت المفتی، ج ا، ص ۲۸۹ دار الاشاعت کراچی)

ملاحظہ فرمائیں کس قدر بد دیانتی کا ثبوت دیا ہے معترض نے حضرت تو صاف ان سے مناکحت کو ناجائز کہہ رہے ہیں مگر اس ظالم نے آدھی عبارت نقل کر کے کتنا ظلم کیا۔ یاد رہے کہ پاکستان میں عموما روافض اثناء عشری ہیں جو عقائد کفریہ کے حامل ہیں جیسا کہ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی ما قبل میں گزر چکا ہے لہذا ان سے نکاح باتفاق جائز نہیں ان کے احکام مرتدین کے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(اعتراض ۱۱۵:) رشید گنگوہی کا شیعہ کی عیادت کرنا اور اس کی برکت سے عذاب میں تخفیف

گنگوہ کا ایک شخص شیعہ مذہب مر گیا اور میں نے اسے خواب میں دیکھا فوراً اس کے ہاتھ کے دونوں انگوٹھے میں نے پکڑ لئے وہ گھبرا گیا اور پریشان ہو کر بولا جلدی پوچھو جو پوچھنا چاہو مجھے تکلیف ہے میں نے کہا اچھا یہ بتاؤ کہ مرنے کے بعد تم پر کیا گزرا اور اب کس حال میں ہو اس نے جواب دیا عذاب الیم میں گرفتار ہوں حالت بیماری میں مولانا رشید احمد صاحب دیکھنے تشریف لائے تھے جسم کے جتنے حصہ پر مولوی صاحب کا ہاتھ لگا بس اتنا جسم تو عذاب سے بچا ہے باقی جسم پر بڑا عذاب ہے اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ (تذکرۃ الرشید، ج ۲، ص ۳۲۴)

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف، ص ۱۰۶)

جواب: اول تو یہ خواب منشی امیر حسن صاحب گنگوہی مرحوم کا ہے ان کو خواب آیا اور بیان کر دیا ان کے خواب کے ہم ذمہ دار نہیں؟
ثانیا: عذاب میں تخفیف حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت ہے اس کا منکر کوئی معتزلی تو ہوسکتا ہے صحیح العقیدہ مسلمان نہیں۔
ثالثا: حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اگر اس کی عیادت کیلئے گئے تھے تو یقینا اس کو دین حقہ کی دعوت دینے گئے ہوں گے اور اس نیت سے کہ ان کی دلجوئی ہو جائے شاید اس حسن سلوک سے اپنا عقیدہ درست کرلیں۔اس میں کیا شرعی قباحت ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ ابن ابی جیسے منافق کی وفات پر اپنا جبہ مبارک اس کے کفن کے لئے دیا۔
رابعا: اس خواب سے یہ تو معلوم ہوا کہ علمائے دیوبند اور شیعوں کو آپس میں کوئی گٹھ جوڑ نہیں ورنہ شیعہ کو ''عذاب الیم'' نہیں بلکہ ''تنعیم'' میں دیکھتا۔

بریلوی چراغ گولڑہ جناب پیر نصیر الدین گولڑوی صاحب لکھتے ہیں:

''ہمارے پاس ہر مکتبہ فکر اور ہر شعبہ زندگی کے ساتھ تعلق رکھنے والے لوگ ہندو وسکھ وہابی سنی شیعہ چوہڑا کو سیاسی اور مذہبی رہنما غرض ہمہ قسمی مخلوق خدا آتی ہے اور ہم سب سے ملتے بھی ہیں اور سب کے ساتھ بااخلاق سلوک بھی کرتے ہیں بلکہ مختلف مسالک کے لوگ بھی مجھے اپنے ہاں بلاتے ہیں اور میں بھی کبھی کبھی ان کی مجالس میں جاتا ہوں شیعہ لوگ مجھے بڑے شوق سے مدعو کرتے ہیں امام عالی مقام کا مرثیہ پڑھتا ہوں شان اہل بیت رضی اللہ عنہم بیان کرنا ہمارے ایمان اور روح کی خوراک ہے''۔
(لطمۃ الغیب، ص ۲۸۱،۲۸۲)

کیوں جناب آپ کے اکابر شیعہ کی مجالس میں جا کر مرثیہ خوانی کریں تب بھی ہٹے کٹے سنی اور ہمارے اکابر اگر کسی بیمار شیعہ کے پاس انسانیت کے ناطے چلے جائیں تو گٹھ جوڑ خدا آپ کو ہدایت عطا فرمائے۔

(اعتراض ۱۱۶:) تعزیہ کی اجازت اور اہل تعزیہ کی نصرت

اس عنوان کے تحت موصوف معترض نے ملفوظات ج ۳ ص ۲۹۰ ج ۴ ص ۲۰۲ ج ۸ ص ۱۱۴،۱۱۵ کے حوالے دئے ہیں۔حالانکہ یہ بات بالکل بھی قابل اعتراض نہ تھی وہاں عام حالات میں مطلقا تعزیہ کی اجازت نہ دی گئی تھی بلکہ مسئلہ یہ تھا کہ ہندوؤں نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ کوئی اب ہمارے ہوتے ہوئے تعزیہ نہیں نکالے گا تعزیہ والے چونکہ تعداد میں کم تھے تو انہوں نے سنیوں سے مدد طلب کی اور حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے تعزیہ داروں کی نصرت کی اجازت دے دی اس واسطے کہ وہ سمجھ رہے تھے کہ اس وقت ہندو شیعہ کے مقابلے میں نہیں آیا وہ تو شیعہ کو بھی مسلمان ہی سمجھتا ہے اور تعزیہ کو اسلام،اگر تعزیہ بند کر دیا تو یہ تاثر ملے گا کہ ہندو کا مذہب غالب آگیا اور مسلمانوں کی ایک مذہبی رسم کو بند کر دیا گیا تو اب مقابلہ کفر بواح اور بدعت کا ہے لہٰذا انہوں نے اھون البلیتین پر عمل کرتے ہوئے اہل کفر کے مقابلے میں اہل بدعت کی نصرت کا فتوی دیا۔

حال ہی میں اس کی مثال خود بریلوی گھر سے سامنے آئی جب بریلوی مناظر پروفیسر سعید اسد صاحب حضرت متکلم اسلام مولانا الیاس گھمن صاحب زید مجدہ کے پاس آئے تو ان کا درد دل بقول ان کے یہی تھا کہ اس وقت سوشل میڈیا پر ملحدین نے اسلام،شعار اسلام،قرآن، مقدس شخصیات پر کھلم کھلا تبرا بازی اور گستاخی کا بازار گرم کیا ہوا ہے لہٰذا ان کفار کے مقابلے میں اب ہمیں ایک ہونا چاہئے تو معترض صاحب جواب دیں کیا وہ یہاں ''دیوبندی بریلوی کا گٹھ جوڑ'' کا کوئی عنوان لگانا پسند کریں گے؟

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں جب ہندوستانی حکومت نے مسلم پرسنل لاء ختم کرنے کا اعلان کیا تو ہمیشہ کی طرح دین اسلام کے احکامات کے تحفظ کیلئے علمائے دیوبند میدان میں اترے اور حضرت حکیم الاسلام قاری طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت پر ایک کنونشن کا انعقاد کیا گیا۔ تو رضاخانیوں اہل بدعت نے باقاعدہ اہل سنت کو درخواست دے کر اس کنونشن میں شرکت کی اور اس موقع پر مفتی عبدالباقی صاحب جبلپوری خلیفہ مولانا نواب احمد رضاخان صاحب نے بیان میں کہا:

''اسٹیج پر جو چہرے نظر آرہے ہیں ان کے ساتھ ہمارے سنگین اختلافات کل بھی تھے اور آج بھی ہیں لیکن اس کے باوجود ہم صرف اس جذبے میں آج یہاں دوش بدوش بیٹھے ہیں کہ حکومت ہند کو یہ باور کرادیں کہ مسلم پرسنل لآء کے تحفظ کیلئے جہاں دیوبند اور لکھنو سینہ سپر ہیں وہاں بریلی نے بھی سر سے کفن باندھ لیا ہے''۔

(عرفان مذہب ومسلک، ص ۸۲)

معترض رضاخانی صاحب علمائے دیوبند کو معاذ اللہ خارجی، شیعہ، قادیانی، ہندو سب سمجھتا ہے تو جب اس کے اکابر ان سب کے باوجود ایک مسلم پرسنل لاء بچانے کیلئے ان کے دوش بدوش بیٹھ کر چل سکتے ہیں ان کے کنونشن کی نصرت واعانت کی جاسکتی ہے تو اگر اسی جذبے کے تحت ہزاروں اختلافات کے ہوتے ہوئے ہندو کے مقابلے میں تعزیہ کی نصرت کا فتوی جاری کردیا جائے کہ کہیں ہندو یہ نہ سمجھ لے کہ انہوں نے اسلام کو مغلوب کردیا تو آخر اس میں کونسی قباحت ہے؟

تعزیہ بنانا جائز ہے

نواب احمد رضاخان فاضل بریلوی نے تو یہ فتوی دیا ہے:

''تعزیہ بنانا جائز ہے ہرگز کوئی مسلمان اس کی پرستش نہیں کرتا نہ اسے معبود سمجھتا ہے یہ مسلمانوں پر شدید بدگمانی ہے اور بدگمانی حرام ہے''۔

(فتاوی رضویہ قدیم، ج۶، ص ۱۸۶)

لیجئے جناب من اس فتوے میں آپ کے اعلی حضرت نے نہ صرف تعزیہ کو جائز بلکہ اسے بنانے والوں کو بھی مسلمان کہا تو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس فتوے کی رو سے مسلمانوں کے ایک جایز کام میں نصرت کا فتوی دیا تو آپ کو آخر تکلیف کیا ہے؟

بریلوی مشایخ تعزیہ داری کے جواز میں رطب اللسان

اور آپ کے شاہ سید فتح محمد قادری چشتی صاحب تو کہتے ہیں:

''تعزیہ داری سے سرکار عالی مقام سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی یاد تازہ رہتی ہے ہم تعزیہ کا تعزیہ کی وجہ سے احترام نہیں کرتے بلکہ اس نسبت کی وجہ سے احترام کرتے ہیں جو روضہ مبارک سید الشہداء کی طرف کی جاتی ہے۔۔۔۔میاں تعزیہ داری جناب سید الشہداء کے روضہ مبارک کی نقل ہے اس کی جتنی عزت کی جائے کم ہے اگر تعزیہ نہیں بنایا گیا ہو اور اس کے بنانے کیلئے مجھ سے پوچھا جائے تو میں ہرگز اجازت نہیں دوں گا کیونکہ اس کا احترام کماحقہ نہیں ہوسکے گا اور اگر تعزیہ بن گیا تو جہاں تک ہوسکے گا اس کا احترام کروں گا''۔

(فتح محمد، ص ۱۲۱، ۱۲۲ ایجوکیشنل پریس پاکستان چوک کراچی)

کیوں جناب اتنی متبرک و یادگار امام حسین علیہ السلام کو ہندو ختم کرنا چاہتے تھے اسی کو بچانے کیلئے حضرت نے یہ فتوی دیا اب اپنے ان ہی اکابر کی روشنی میں آپ کا خارجی ہونا ثابت ہو رہا ہے یا نہیں؟ ہوسکتا ہے کہ موصوف کہیں کہ ہم اس کتاب کو نہیں مانتے تو جناب اس کتاب کا مقدمہ لکھتے ہوئے آپ کے مولانا جمیل احمد نعیمی ناظم تعلیمات دارالعلوم نعیمیہ اس کی ثقاہت و استناد کو یوں بیان کرتے ہیں:

''اس تفصیل کو پیش کرنے کی غرض و غایت صرف اور صرف یہی ہے کہ ناظرین کتاب ہذا کو معلوم ہوجائے کہ کتاب کے مضامین صحت و صداقت پر مبنی ہیں اور کسی ایسے شخص کے قلم کی آویزش نہیں جو گاہے گاہے سرراہ شاہ صاحب کی صحبت سے فیض یاب ہوا ہو اور جس کی تحریر تحقیق طلب ہو حقیقت تو یہ ہے کہ کتاب میں جو کچھ لکھا گیا ہے شاہ صاحب کی ذات والاصفات اس سے کہیں بالاتر ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب نہیں ایک مشعل راہ ہے''۔ (فتح محمد ص ۱۲،۱۳)

مفتی اعظم کا فتوی

اسی قسم کا سوال جب بریلوی مفتی اعظم محمد مسعود دہلوی صاحب سے کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا:

''اہل شیعہ وحدانیت اور رسالت کے اقرار میں شامل اہل اسلام کے ہیں فقط ہر سہ خلیفہ کے منکر ہیں اس لئے مقابل اہل شرک کے بحالت غلبہ و شورش اہل ہنود موافقت اور شراکت اہل شیعہ درست اور جائز ہوئی اور موجب کسی گناہ کا نہ ہوا اور ایسے ہی حدیث شریف سے ثابت ہے''۔

(فتاوی مسعودی ص ۵۸۱ طبع اول)

معترض صاحب یہی فتوی آپ کے مفتی اعظم صاحب نے دیا اور مزے کی بات یہ کہ اسے حدیث سے ثابت شدہ فرمارہے ہیں تو اب اپنے مفتی اعظم پر کیا فتوی ہے؟

(اعتراض ۱۱۷:) رافضی شیعہ کا ذبیحہ حلال ہے

سوال: ذبیحہ رافضی کے ہاتھ جائز ہے یا نہیں؟ الجواب: شیعہ کے ذبیحہ کی حلت میں علمائے اہل سنت کا اختلاف ہے راجح اور صحیح یہ ہے کہ حلال ہے۔ (امداد الفتاوی، ج ۳ ص ۶۰۸)

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۱۰۷، دیوبندی مذہب ص ۷۷)

جواب: یہاں پر بھی موروثی بے ایمانی کا ثبوت دیا گیا ہے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کا روافض کے کفر پر ان کے ذبیحہ کی حرمت پر تفصیلی فتوی ماقبل میں گزر چکا ہے۔ یہاں جس شیعہ کے ذبیحہ کو حلال کہہ رہے ہیں وہ اس شیعہ کا ذبیحہ ہے جو کافر نہیں بدعتی ہے چنانچہ ان کا مکمل فتوی اس طرح ہے:

''شیعہ کے ذبیحہ کی حلت میں اہل سنت کا اختلاف ہے راجح اور صحیح یہ ہے کہ حلال ہے قال الشامی و کیف ینبغی القول بعدم حل ذبیحۃ مع قولنا یحل ذبیحۃ الیہود والنصاری ج ۵ ص ۱۸۹ واللہ اعلم (امداد الفتاوی، ج ۳ ص ۶۰۸)

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے فتاوی شامی کی جو عبارت یہاں ذکر کی وہ دلیل ہے اس بات پر کہ ان کی مراد یہاں شیعہ سے بدعتی شیعہ ہے کیونکہ علامہ شامی کی یہ عبارت ''جبریہ'' کے متعلق ہے اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے جبریہ کو اہل بدعت میں شمار کر کے ان کے ذبیحہ کو حلال قرار

دیا ہے۔

(اعتراض ۱۱۸:) رافضی کا ہدیہ قبول کرنا درست ہے

رشید احمد گنگوہی رقمطراز ہیں کہ رافضی کا ہدیہ دعوت کھانا ۔۔۔درست ہے (فتاوی رشیدیہ ،ص ۵۴۳)۔(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ،ص ۱۰۸)

جواب: ایک دفعہ پھر پورا فتوی نقل نہیں کیا گیا ملاحظہ ہو مکمل فتوی:

''رافضی کا ہدیہ دعوت کھانا گو درست ہے مگر حضور نماز جنازہ اوران سے محبت نادرست ہے اس لئے دعوت وغیرہ بھی نہ کھانی چاہئے کہ اس سے محبت بڑھتی ہے۔

(تالیفات رشیدیہ ،ص ۴۷۳)

صاف آخر میں لکھا کہ نہ کھانا ہی بہتر ہے کہ اس سے محبت بڑھتی ہے مگر یہ نامراد اس کو نقل نہیں کرتا رہی بات کھانے کی تو اگر وہ چیز حلال ہے تو بدعتی و کافر کی طرف سے ہدیہ کی ہوئی چیز کھانا جائز ہے۔

(اعتراض ۱۱۹:) بانی دیوبند نے شیعہ کی نماز جنازہ پڑھائی

حضرت نے آ کر عرض کیا کہ حضرت نماز جنازہ آپ پڑھا دیں ۔۔۔حضرت والا نے معذرت فرمائی کہ آپ لوگ شیعہ ہیں اور میں سنی ،اصول نماز الگ الگ ہیں آپ کی جنازہ کی نماز مجھ سے پڑھوانے میں جائز کب ہو گی شیعوں نے کہا حضرت بزرگ ہر قوم کا بزرگ ہی ہوتا ہے آپ تو نماز پڑھا ہی دیں حضرت نے ان کے اصرار پر منظور فرمالیا جنازہ پر پہنچ گئے ۔۔۔نماز کیلئے عرض کیا گیا تو آگے بڑھے اور نماز (جنازہ) شروع کی۔(سوانح قاسمی ،ج ا ص ۱۷ حاشیہ)

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ،ص ۱۰۸)

جواب: معترض رضاخانی جس طرح اس عبارت کو کاٹ پیٹ کر پیش کیا اور جس طرح حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت کو چھپا کر غلط رنگ دینے کی کوشش کی اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے آخر ان لوگوں کو شرم و حیاء کب آئے گی؟ مکمل عبارت ملاحظہ ہو:

''جب حضرت نانوتویؒ مباحثہ شاہجہانپور کیلئے روانہ ہوئے تو شاہجہانپور کے قریب کسی گاؤں کے چند غریب سنیوں (نے جو مقامی شیعوں کے اثرات میں دبے ہوئے بے بس تھے۔کیونکہ زمیندارہ شیعوں ہی کا تھا) حضرت کو لکھا کہ جاتے یا آتے حضرت والا اس گاؤں کو اپنے قدوم سے عزت بخشیں اور انہیں کچھ پندونصیحت فرمادیں۔تاکہ ہمارے لئے صلاح و فلاح اور تقوی کا باعث ہو۔حضرت والا نے بخوشدلی ان کی دعوت منظور فرمالی جیسا کہ غرباء کی دعوت پیشگی بطوع و رغبت قبول فرمانے کی عادت تھی۔اور جاتے یا آتے ہوئے اس گاؤں میں اترے شیعوں میں اس سے کھلبلی مچی۔فکر یہ تھی کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے وعظ کا اثر شیعوں پر ہو جائے اور شیعوں کے دباؤ کی تنظیم ٹوٹ جائے تو انہوں نے ان متوقعہ اثرات کی کاٹ کیلئے لکھنو سے چار شیعہ مجتہد تاریخ مقررہ پر لائے اور پروگرام یہ طے پایا کہ مجلس وعظ میں چاروں کونوں پر یہ چاروں مجتہد بیٹھ جائیں اور چالیس اعتراضات منتخب کر کے دس دس اعتراض چاروں پر بانٹ دئے گئے کہ اثناء وعظ میں اس طرح کئے جائیں کہ اول فلاں سمت کا مجتہد دس اعتراض کرے اس سے حضرت نمٹے تو دوسرے کونہ کا ،اور پھر اس طرح تیسرے اور چوتھے کونہ کا۔اس

طرح وعظ نہ ہونے دیا جائے۔انہی اعتراضات وجوابات میں وقت ختم کر دیا جائے۔اب غیبی مدد اور حضرت والا کی کرامت کا حال سنئے کہ حضرت نے وعظ شروع فرمایا جس میں گاؤں کی تمام شیعہ برادری بھی جمع تھی اور وہ وعظ اسی ترتیب سے اعتراضوں کے جواب پر مشتمل شروع ہوا جس ترتیب سے اعتراضات لیکر مجتہدین بیٹھے تھے۔گویا ترتیب کے مطابق جب کوئی مجتہد اعتراض کرنے کیلئے گردن اٹھاتا تو حضرت اسی اعتراض کو نقل کر کے خود جواب دینا شروع فرماتے۔یہاں تک کہ وعظ پورے سکون کے ساتھ پورا ہو گیا اور شیعوں کے ان مقررہ شبہات کے مکمل حل سے گاؤں کے شیعہ اس قدر مطمئن اور منشرح ہوئے کہ اکثر نے توبہ کر لی اور سنی ہو گئے۔

مجتہدین اور مقامی شیعہ چودہریوں کو اس میں اپنی انتہائی سبکی اور خفت محسوس ہوئی تو انہوں نے حرکت مذبوحی کے طور پر اس شرمندگی کو مٹانے اور حضرت والا کے اثرات کا ازالہ کرنے کیلئے یہ تدبیر کی کہ ایک نوجوان لڑکے کا فرضی جنازہ بنایا اور حضرت سے آکر عرض کیا کہ حضرت نماز جنازہ آپ پڑھا دیں پروگرام یہ تھا کہ جب حضرت دو تکبیریں کہہ لیں تو صاحب جنازہ ایک دم اٹھ کھڑا ہو اور اس پر حضرت کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کیا جائے۔۔۔حضرت والا نے معذرت فرمائی کہ آپ لوگ شیعہ ہیں اور میں سنی،اصول نماز الگ الگ ہیں آپ کی جنازہ کی نماز مجھ سے پڑھوانے میں جائز کب ہوگی شیعوں نے کہا حضرت بزرگ ہر قوم کا بزرگ ہی ہوتا ہے آپ تو نماز پڑھا ہی دیں حضرت نے ان کے اصرار پر منظور فرمالیا جنازہ پر پہنچ گئے۔مجمع تھا حضرت ایک طرف کھڑے ہوئے تھے کہ چہرے پر غصہ کے اثرات دیکھے گئے۔آنکھیں سرخ تھیں اور انقباض چہرہ سے ظاہر تھا۔نماز کیلئے عرض کیا گیا تو آگے بڑھے اور نماز شروع کی۔دو تکبیریں کہنے پر جب طے شدہ جنازہ میں حرکت نہ ہوئی تو پیچھے سے کسی نے ''ہونہہ'' کے ساتھ صاحب جنازہ کو اٹھ کھڑے ہونے کی سنکار دی۔مگر وہ نہ اٹھا۔حضرت نے تکبیرات اربعہ پوری کر کے اسی غصہ کے لہجہ میں فرمایا کہ''اب یہ قیامت کی صبح سے پہلے نہیں اٹھ سکتا'' دیکھا گیا تو مردہ تھا۔شیعوں میں رونا پیٹنا پڑ گیا اور بجائے حضرت والا کی سبکی کے خود ان کی سبکی اور سبکی ہی نہیں سبکی موت آگئی۔اس کرامت کو دیکھ کر باقی ماندہ شیعوں میں سے بھی بہت سے تائب ہو کر سنّی ہو گئے''۔

(سوانح قاسمی،ج ا ص ۷۰،۷۱ حاشیہ)

دیکھا اللہ نے حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت کو ظاہر کرنا تھا اور اس کی برکت سے کئی شیعہ کو توبہ کی توفیق دینی تھی۔حضرت والا کی اس تکوینی و مصلحانہ کاروائی میں کوئی شرعی قباحت نہ تھی اگر واقعہ کو مکمل ذکر کر دیا جاتا تو معترض کو بھی معلوم تھا کہ اعتراض نہیں بنتا اس لئے عبارت میں سے اصل حصہ ہی کو نکال کر دھوکا دہی کی مذموم کوشش کی اللہ اس کو ہدایت دے۔آمین۔

(اعتراض ۱۲۰،۱۲۱:) دیوبندی علماء کا شیعہ کا جنازہ پڑھنا،شیعہ کا جنازہ پڑھنا واجب ہے

اس عنوان کے تحت معترض نے روزنامہ نوائے وقت،جنگ وغیرہ اخبارات کے حوالے دئے جو خود ان کے مسلک کے ہاں معتبر نہیں۔باقی جو کفایت المفتی کا حوالہ دیا اس میں صاف یہ عبارت ہے:

''اگر وہ رافضی ایسے عقیدہ کا تھا کہ اس پر حکم کفر جاری نہیں ہوتا تھا''

(کفایت المفتی،ج ا ص ۲۸۸،۲۸۹ بحوالہ دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۱۰۹)۔

معلوم ہوا کہ حضرت کا یہ فتوی بدعتی اور فاسق شیعہ کے متعلق ہے نہ کہ کافر رافضی کے متعلق۔

اور بدعتی کی نماز جنازہ کے متعلق ہماری عقائد کی کتب میں مصرح ہے:

و یصلی علی کل بر و فاجر اذا مات علی الایمان للاجماع لقوله علیه السلام لا تدعوا الصلوۃ علی من مات من اهل القبلة

اور نماز جنازہ پڑھی جائے گی ہر نیک و بد (مسلمان) کی جبکہ وہ ایمان پر مرا ہو اجماع کی وجہ سے اور نبی ﷺ کے فرمان کی وجہ سے اہل قبلہ میں سے اس شخص کی نماز جنازہ پڑھنی نہ چھوڑو جو مر جائے۔ (شرح عقائد)

اذا لم یود الفسق او البدعة الی حد الکفر

جب تک (اس کا) فسق و بدعت کفر کی حد تک نہ پہنچ جائے۔ (شرح عقاید)

اس کے بعد جو فتاوی رشیدیہ کا حوالہ دیا اس میں بھی خیانت کی اور اپنی طرف سے بریکٹ میں (شیعہ) کا لفظ ڈال دیا اصل عبارت یوں ہے:

''سوال: تعزیہ داروں اور مرثیہ خوانوں اور بے نمازیوں کی جنازہ کی نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: یہ لوگ فاسق ہیں اور فاسق کی جنازہ کی نماز واجب پس ضرور پڑھنا چاہئے۔ (فتاوی رشیدیہ، ص ۲۵۶)

معلوم ہوا کہ یہ سوال صرف تعزیہ داروں، مرثیہ خوانوں اور بے نمازیوں کے متعلق تھا اور یہ ضروری نہیں کہ یہ کام صرف عقائد کفریہ رکھنے والے شیعہ ہی کرتے ہوں ما قبل میں نواب احمد رضا خان صاحب کا حوالہ گزر گیا کہ تعزیہ داری صحیح العقیدہ مسلمان کرتے ہیں ان کے پیر کا حوالہ گزر گیا کہ تعزیہ داری تو اتنا مقدس کام ہے کہ ہم سے اس کی تعظیم کا حق بھی ادا نہیں ہوسکتا۔

اب ذرا اپنے گھر کا حال بھی دیکھ لیں۔

رضا خانیوں کا دیوبندی امام کی اقتداء میں نماز پڑھنا

ایم کیو ایم کے رہنما عمران فاروق کی نماز جنازہ اسعد تھانوی دیوبندی نے پڑھائی نماز جنازہ میں سنی تحریک کے شکیل قادری، مطلوب اعوان، آفتاب قادری نے شرکت کی''۔

(روزنامہ محشر کراچی، جانباز، نوائے وقت، ۷ نومبر ۲۰۱۰)

ان لوگوں کے ہاں تو معاذ اللہ دیوبندی شیعوں سے بھی بڑے کافر ہیں استغفر اللہ تو دیوبندی امام کے پیچھے نماز جنازہ پڑھنے پر بھی آپ کو کوئی اعتراض ہے یا نہیں؟

بریلوی مفتی اعظم مفتی منیب الرحمن حضرت مولانا قاری حنیف جالندھری دیوبندی کی اقتداء میں نماز ادا کرتے ہوئے

یہ تصویر اس وقت کے وزیر داخلہ عبد الرحمن ملک نے اپنے آفیشل ٹویٹر اکاؤنٹ سے جاری کی تھی۔



شیعہ بریلوی میں اتحاد پر اتفاق، مفتی منیب الرحمن صاحب اور شاہ تراب الحق سے تعزیت

''دہشت گردی کے خلاف مل کر کام کریں گے، عباس کمیلی، مفتی منیب الرحمن، شاہ تراب الحق میں اتفاق۔ شیعہ سنی اتحاد کیلئے لائحہ عمل ترتیب دینے پر اتفاق۔ مفتی منیب الرحمن نے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ جعفریہ الائنس پاکستان کے وفد کے شکر گزار ہیں کہ تعزیت کیلئے ہمارے مدرسے میں تشریف لائے۔ علامہ شاہ تراب الحق قادری اور علامہ عباس کمیلی کے درمیان اتوار کو علامہ شاہ تراب الحق قادری کی رہائش گاہ پر ہونے والی ملاقات میں شیعہ سنی اتحاد کیلئے لائحہ عمل ترتیب دینے پر اتفاق کیا گیا ہے۔ علامہ عباس کمیلی کی قیادت میں سانحہ داتا دربار پر علامہ شاہ تراب الحق سے تعزیت کی اور شہداء کیلئے فاتحہ خوانی کی''۔

(روزنامہ جنگ کراچی، ۵ جولائی ۲۰۱۰)

اس خبر کے بعد اگر معترض صاحب میں رائی کے دانے کے برابر انصاف کا مادہ ہے تو ایک کتاب اس عنوان سے بھی لکھے ''شیعہ بریلوی گٹھ جوڑ''۔

شیعہ سے اتحاد تم کرو اور الزام ہمیں دیتے ہو؟ شرم۔۔۔شرم۔۔۔شرم

(اعتراض ۱۲۲:) شیعہ کی بنائی مسجد میں نماز اور اپنی مسجد میں شیعہ کا جنازہ جائز

شیعہ مسجد لوجہ اللہ بنا دے تو وہ مسجد ہے ثواب مسجد کا (نماز کا) اس میں ہوگا۔ (فتاوی رشیدیہ ص ۵۲۳) تعمیر و مرمت مسجد میں شیعہ و کافر کا

روپیہ لگانا درست ہے (فتاوی رشیدیہ،ص ۵۲۳) گنگوہی کے نزدیک شیعہ کا لوجہ اللہ عمل قابل اعتماد ہے ۔اہل اسلام کی مساجد کی طرح شیعہ کی بنائی مساجد میں نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے ۔مگر طوائف کی بنائی ہوئی مسجد میں نہ پڑھنے کا اس صفحہ کتاب مذکور پر فتوی دیتے ہیں ۔
(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف،ص ۱۱۰)

جواب: ماقبل میں رضاخانی مفتی اعظم اور بانی حزب الاحناف لاہور والوں کا فتوی گزر چکا ہے کہ شیعہ فقط فاسق ہیں ان کی مسجد کا حکم سنیوں کی مسجد کے حکم جیسا ہے ۔نیز نواب احمد رضاخان صاحب کا فتوی بھی ماقبل میں گزر چکا ہے کہ شیعہ سے سودی پیسہ لینا بھی جائز ہے ۔تو اگر شیعہ کا سود بھی بقول آنجناب کے مسلمانوں کیلئے پاک حلال وطیب ہے تو شیعہ کے پیسوں سے بنی ہوئی مسجد پر آپ کو کیا اعتراض ہے؟ ۔ہم پہلے بھی جلد اول میں معترض صاحب کی جہالت کو واضح کر چکے ہیں کہ موصوف کتب فتاوی کی شد بد سے بھی واقف نہیں یہاں پر اعتراض کرنا بھی ان کی جہالت اور مسائل شرعیہ سے ناواقفی کی علامت ہے اس لئے کہ کافر اگر ثواب وتقرب کی نیت سے مسجد میں رقم وقف کرنا چاہے تو اس کا یہ وقف درست ہے اور مسجد میں اس مال کو لگانا جائز ہے:

’’شَرْطُ وَقْفِ الذِّمِّيِّ أَنْ يَكُونَ قُرْبَةً عِنْدَنَا وَعِنْدَهُمْ كَالْوَقْفِ عَلَى الْفُقَرَاءِ أَوْ عَلَى مَسْجِدِ الْقُدْسِ‘‘
(فتاوی شامی ج ۴،ص ۳۴۱)

وَقْفُ الذِّمِّيِّ عَلَى الْمَسْجِدِ

اخْتَلَفَ الْفُقَهَاءُ فِي وَقْفِ الذِّمِّيِّ عَلَى الْمَسْجِدِ، فَذَهَبَ الْجُمْهُورُ إِلَى صِحَّتِهِ لِعُمُومِ أَدِلَّةِ الْوَقْفِ، وَمَنَعَهُ الْمَالِكِيَّةُ.

(الموسوعۃ الفقہیہ الکویتیہ،ج ۷۳،ص ۲۲۲)

یہ الگ بات ہے کہ اس وقف کا ثواب نہ ہوگا ۔رہی بات طوائف کی تو چونکہ اس کا مال بالکل ناجائز وحرام ہے اس کو کسی صورت کار خیر میں نہیں لگا سکتے حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے اگر اس کی حرمت کا فتوی دے دیا تو کونسی غلط بات کہہ دی؟ دراصل معترض کو اس فتوے سے یہ تکلیف اس لئے ہوئی کہ ان کے امام احمد رضاخان صاحب ہر وقت طوائف کے ہاں میلاد پڑھنے کے چکر میں لگے رہتے اور حیلے بہانے سے طوائف کے مال کو پاک کرنے کی فکر میں لگے رہتے چنانچہ ان کا ایک فتوی ملاحظہ ہو:

’’طوائف جس کی آمدنی صرف حرام پر ہے اس کے یہاں میلاد شریف پڑھنا اور اس کی اسی حرام آمدنی کی منگائی ہوئی شیرینی پر فاتحہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس مال پر فاتحہ کرنا حرام ہے مگر جب کہ اس نے مال بدل کر مجلس کی ہو اور یہ لوگ جبکہ کوئی کار خیر کرنا چاہتے ہیں تو ایسا ہی کرتے ہیں اس کیلئے شہادت کی حاجت نہیں ۔(احکام شریعت،ص ۱۶۵ ضیاء القرآن پبلیکیشنز)

نواب احمد رضاخان صاحب کا طوائفوں سے کتنا گہرا تعلق تھا کہ یہ معلوم ہے کہ طوائفیں عموما میلاد پڑھتے وقت ایسا ہی کرتی ہیں اور ان کے اس حیلے پر کسی شہادت کی بھی ضرورت نہیں ۔اب حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا فتوے کی رو سے چونکہ نواب صاحب اور ان کے متبعین کا یہ کاروبار بند ہوتا تھا اس لئے موصوف ناراض ہو رہے ہیں کہ طوائف کے خلاف فتوی کیوں دیا؟

(اعتراض ۱۲۳:) شیعہ دیوبندی بھائی بھائی

حضرت (حسین احمد) مدنی نے اصلاح بین المسلمین و دفع شر کے واسطے امروہہ میں شیعہ سنی کے درمیان مناظرہ بند کرانے کیلئے مجمع عام سے خطاب فرمایا۔۔۔کیا تمہارا ایمان تمہارا اسلام اور تمہاری غیرت ان مناظروں کی اجازت دیتی ہے۔۔۔حضرت مدنی کی موثر اور پرجوش تقریر سے جانبین کے آنسو چھوٹ پڑے۔۔۔مجادلے اور مقاتلے کی فضاء صلح وآشتی سے بدل گئی ایک دوسرے سے بغل گیر ہو کر شیعہ سنی (نام نہاد سنی حقیقتاً دیوبندی) بھائی بھائی بن گئے"۔(سوانح عمری المدنی،ص ۲۰۶)

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف،ص ۱۱۰)

جواب: سوانح عمری المدنی بالکل غیر معروف کتاب ہے راقم نے آج تک اس کا نام بھی نہیں سنا اگرچہ عدم علم عدم شیئ کو مستلزم نہیں لیکن تلاش بسیار کے باوجود بھی اب تک دستیاب نہ ہوسکی۔بالآخر آج مورخہ ۱۱۳ پریل ۲۰۱۵ بروز منگل مفتی مجاہد صاحب زید مجدہ کے توسط سے بعد نماز مغرب معترض مولوی کاشف اقبال صاحب بریلوی سے رابطہ کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ کوئی انڈیا کے عالم کی لکھی ہوئی کتاب ہے۔ہم نے مصنف کا نام پوچھا تو کہا نام مجھے یاد نہیں۔ابھی سفر پر ہوں اگلے ہفتے فون کر کے بتانا تو بتاؤں گا۔

(بعد میں بارہا کوشش کی گئی موصوف سے رابطہ کرنے کی مگر رابطہ نہ ہوسکا)

لہذا جب تک کتاب کی استنادی حیثیت سامنے نہ ہو ہم اس حوالے پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہیں۔البتہ اس واقعہ کی اصل صورتحال ہم خود حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے نقل کر دیتے ہیں:

"(امروہہ) اترنے کا سبب بعد میں معلوم ہوا کہ شیعوں اور سنیوں میں مناظرہ کی قرارداد پہلے سے ہو چکی تھی اور اس بناء پر اہل امروہہ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کو تکلیف دی تھی کیونکہ مولانا موصوف کو شیعوں کے مذہب سے بہت زیادہ واقفیت تھی اور ان سے مناظرہ کی بھی بہت کامل مہارت تھی مولانا مرحوم نے متعدد کتابیں شیعوں کے رد میں لکھی تھی اور مختلف مقامات میں کامیاب مناظرے بھی کئے تھے۔مگر چونکہ خلافت کی تحریک اس وقت زوروں پر تھی اور عام فضاء مسلمانوں میں خصوصا اور تمام ہندوستان میں عموما اتفاق اور اتحاد قائم کرنے کی متقاضی تھی اس لئے عام اہل شہر مناظرہ کے خلاف تھے اور مناظرہ کے بانیوں وغیرہ پر سخت سے سخت اعتراض کرتے تھے اس لئے سنجیدہ حضرات چاہتے تھے کہ مناظرہ نہ ہو مگر کوئی کھل کر روکنے پر آمادہ نہیں ہوتا تھا ورنہ اس کی جماعت کی بدنامی ہوگی اس لئے چاہتے تھے کوئی قومی تحریک کا حامی شخص بیچ میں پڑ کر مناظرہ رکوادے۔میں امروہہ میں اس سے پہلے کئی مہینہ رہ چکا تھا اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کا مخلص خادم اور مرید بھی تھا۔اس لئے حضرت موصوف اور دیگر احباب نے ضروری سمجھا کہ اسی کو اتار لیا جائے اور اسی کو درمیان میں ڈالا جائے تاکہ پھر کسی کو حرف گیری اور اعتراض کا موقع ہاتھ نہ آئے بالآخر مجھ کو مجبور کیا گیا اور میں نے حاضر ہو کر تقریر بڑے مجمع میں کی جس کی وجہ سے اشتعال ٹھنڈا ہوا۔میں نے ہر دو فریق سنیوں اور شیعوں کو سمجھایا اور وقت کی نزاکتوں کو دکھلا کر زوردار اپیل کی کہ کوئی اس قسم کی کاروائی اس زمانے میں مناسب نہیں ہے جس سے افتراق کی خلیج میں وسعت ہو۔ضروری ہے کہ اتحاد و اتفاق کو مضبوط کیا جائے میں نے کربلا شریف اور بغداد اور عراق کے انگریزی مظالم دکھلائے نیز مکہ معظمہ مدینہ منورہ اور دیگر مقامات مقدسہ کی قیامت خیز واقعات بھی دکھلائے اور شیعوں اور سنیوں دونوں کو ملامت کی۔بہرحال اس طویل تقریر کا فریقین اور عوام پر اچھا اثر ہوا فریقین سمجھ گئے اور معاملہ رفع

دفع ہوگیا اس کے بعد میں روانگی کا انتظام کر ہی رہا تھا کہ دہلی سے ڈاکٹر انصاری مرحوم کا تار آگیا کہ حضرت شیخ الہند کا وصال ہوگیا انا اللہ وانا الیہ راجعون''۔

(نقش دوام حصہ دوم،ص ۲۶۷)

محترم قارئین کرام! درج بالا تحریر حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنے ہاتھوں سے لکھی ہوئی تحریر ہے۔جس میں امروہہ کا پورا واقعہ حضرت نے وضاحت کے ساتھ بیان فرمادیا۔اب آپ حضرات ہی انصاف فرمائیں کہ اس پورے واقعہ میں نہ تو سنی شیعہ بھائی بھائی بن گئے،ایسا کوئی لفظ ہے اور نہ ہی یہاں فریقین کا مسلم اور غیر مسلم ہونا بیان کیا گیا ہے۔حالات کی نزاکت کے پیش نظر حضرت مدنی ؒ نے فریقین کو سمجھایا کہ مناظرہ بازی سے باز آجاو انگریز ان حالات سے غلط فائدہ نہ اٹھا جائے۔اور حالات کی سنگینی کے پیش نظر تو عیسائیوں سے بھی معاہدہ کیا جاسکتا ہے جیسا کہ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ منورہ میں حالات کے پیش نظر کیا تھا۔

(بحوالہ حقیقی دستاویز،ص ۲۷۶، ۲۷۷)

اب ذرا ایک نظر اپنے گھر پر بھی کرلیں۔

شیعہ سنی اتحاد مولانا شاہ احمد نورانی کی قیادت وصدارت میں

''مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کے ساتھ میرے قریبی تعلق کا اہم ترین دن وہ تھا جب اسلام آباد کے ایک ہوٹل میں مولانا سمیع الحق صاحب کی دعوت پر تمام مکاتب فکر کے علماء شیعہ سنی اتحاد کے سلسلے میں اکھٹے ہوئے تھے۔اس نشست کو نتیجہ خیز بنانے اور اس کے تمام فیصلوں کو علمی جامہ پہنانے کیلئے اللہ تعالی نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی کہ میں مولانا شاہ احمد نورانی کا نام صدارت کیلئے پیش کردوں۔اس کیلئے پہلے سے نہ کہیں مشورہ ہوا تھا اور نہ کوئی تجویز سامنے آئی تھی۔یہ ضرورت اسی وقت محسوس ہوئی اور اس کیلئے وہ مجھے موزوں ترین شخص نظر آئے۔شاہ صاحب نے اس کیلئے بڑی معذرتیں پیش کیں اور وہ دور سے اٹھ کر میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ میں تمہارا نام صدارت کیلئے پیش کرتا ہوں۔بالآخر تمام شرکائے مجلس کے اصرار پر وہ اس ذمہ داری کو قبول کرنے پر آمادہ ہوگئے۔اس سے دینی جماعتوں کے ایک دوسرے سے قریب آنے کے راستے کھل گئے اور ملی یکجہتی کونسل کی صورت میں ہماری قومی تاریخ کے نئے باب کا آغاز ہوا''۔

(قائد تحریک نظام مصطفی الشاہ احمد نورانی،ص ۳۵۴)

شیعہ بریلوی بھائی بھائی

اب ذرا اپنے گھر کی بھی خبر لو بریلوی شیخ المشائخ خواجہ حسن نظامی دہلوی فرماتے ہیں:

''میں بیمار نہ ہوتا تو شیعہ کانفرنس میں باوجود سنی کے بن بلائے آجاتا،تاہم یہ خط بھیج کر اپنے جذبات ظاہر کرتا ہوں میں شیعہ جماعت کے سیاسی حقوق کا پرانا حامی ہوں اور مذہبی اور تاریخی حقوق کیلئے سینہ سپر ہو کر پچاس برس سے شیعہ جماعت کی خدمت کررہا ہوں اس لئے میں آپ کی کانفرنس کو لبیک کہتا ہوں''۔

(تحریک پاکستان اور مشائخ عظام،از محمد صادق قصوری بریلوی،ص ۷۷)

(اعتراض ۱۲۴:) دیوبندی مولوی کے مرنے پر دیوبند کا ماتم کدہ بن جانا

مولوی رشید احمد گنگوہی کے مرنے پر دیوبند ماتم کدہ بن گیا مولوی محمود الحسن (صحیح نام محمود حسن، ساجد) نے مرثیہ میں لکھا:

جہاں تھا خندہ وشادی وہاں ہے نوحہ وماتم (مرثیہ ص ۲ کلیات شیخ الہند ص ۶)

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۱۱۰، ۱۱۱)

جواب: اس شعر پر اس قسم کا جاہلانہ اعتراض کرنا کسی نواب احمد رضا خان صاحب بریلوی ہی کے پیروکار کا کارنامہ ہوسکتا ہے۔ اگر موصوف کم سے کم اردو کی لغت فیروز اللغات ہی دیکھ لیتے تو انہیں اس میں ''ماتم کدہ'' کے معنی یہ مل جاتے:

''ماتم کدہ: غم کا گھر، سوگ کا گھر، وہ گھر جس میں کوئی مصیبت یا غمی ہوگئی ہو''۔

(فیروز اللغات، ص ۱۱۷۹)

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مطلب رافضیوں والا جاہلانہ ماتمی رسم مراد نہیں بلکہ اردو لغت، محاوروں اور اشعار میں مستعمل لفظ مراد ہے کہ وہ جگہ جہاں میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے خوشیاں وشادمانی تھی اب وہ جگہ غم اور سوگ کی جگہ بن گیا ہے۔ اگر جاہل معترض کو وقت ملے تو اردو لغت میں ''ماتم پرسی'' کا معنی بھی ضرور دیکھ لے کہیں مستقبل میں اس لفظ کے استعمال پر بھی تشیع کا الزام نہ لگادے۔

ہمارے قومی اخبارات وغیرہ میں بھی آپ نے پڑھا ہوگا کہ جب کوئی بڑا المناک واقعہ ہوتا ہے تو اسے ماتم کدہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اردو اشعار میں یہ غم کے استعارہ میں مستعمل ہے چند اشعار ملاحظہ ہو:

ماتم کدہ جہاں میں جوں شمع   رو رو کے جگر بہا گئے ہم

(میر حسن)

مرنے کے بعد کوئی پشیماں ہوا تو کیا   ماتم کدہ جو گور غریباں ہوا تو کیا

(ذکی کاکوروی)

(اعتراض ۱۲۵:) دیوبندی مولوی کی قیادت میں ماتمی جلوس

اس عنوان کے تحت معترض نے کسی غیر معروف اخبار کوہستان ملتان ۲۹ نومبر ۱۹۶۸ کا حوالہ دیا کہ مولوی اجمل خان جمعیت علمائے اسلام کی قیادت میں سینہ کوبی کرتے ہوئے جنرل ایوب خان کے خلاف جلوس نکلا۔ اور یہ حوالہ دیا بھی اپنے سے بھی بڑھ کر جھوٹے مولوی غلام مہر علی کی کتاب دیوبندی مذہب ص ۵۱۵ سے یعنی چور کی صداقت کا گواہ ایک اور چور۔ ان اخباری خبروں کے متعلق ہم کئی دفعہ گزارشات کر چکے ہیں۔

بریلویوں کا شیعوں کے ساتھ جلسے جلوس

(۱) سنی اتحاد کونسل کے سربراہ حامد رضا اور مجلس وحدت المسلمین (شیعہ) کا مشترکہ لبیک یا رسول اللہ کانفرنس (روزنامہ ایکسپریس کراچی ۱۷ مارچ ۲۰۱۴)

(۲) جشن آزادی گلگت بلتستان کے موقع پر وحدت المسلمین کے زیر اہتمام دفاع وطن کنونشن کا انعقاد۔ علامہ ناصر عباس، امین شہیدی

اور صاحبزادہ حامد رضا (بریلوی ابن فضل کریم بریلوی) سربراہ سنی اتحاد کونسل نے خطاب کیا۔

(روزنامہ ایکسپریس ۲۴ نومبر ۲۰۱۳)

(۳) ۵ جنوری ۲۰۱۴ روزنامہ جنگ ص ۳ پر یہ اشتہار شائع ہوا

لبیک یارسول اللہ لبیک یا حسین

قومی امن کنونشن بیاد شہدائے پاکستان نظریہ پاکستان کے محافظ فرزندان اسلام و پاکستان سنی شیعہ میدان عمل میں

سنی اتحاد کونسل پاکستان مجلس وحدت المسلمین پاکستان

(۴) شیعہ سنی مل کر تاریخ کا بے مثال جشن میلاد منائیں گے قومی امن کنونشن ناصر جعفری، امین شہیدی، حامد رضا، طارق محبوب (بریلوی) اور دیگر کا خطاب۔

(روزنامہ جنگ کراچی ۶ جنوری ۲۰۱۴)

(۵) اتحاد ملت کانفرنس مجلس وحدت المسلمین اور سنی اتحاد کونسل کے رہنماؤں کا خطاب۔ (جنگ ص ۱۷، ۳ فروری ۲۰۱۴)۔

معترض صاحب شیعوں کے ساتھ مل کر جشن جلوس اور اہل سنت کے خلاف اتحاد آپ لوگ کریں اور الزام ہم پر؟ راقم الحروف کے پاس ایک ایسی ویڈیو بھی ہے جو اب نیٹ پر بھی دستیاب ہے جس میں دہشت گرد تنظیم سنی تحریک کا وفد شاہد غوری کی سربراہی میں مجلس وحدت المسلمین کے ساتھ مل کر علمائے دیوبند کے خلاف مشترکہ لائحہ عمل طے کرنے کیلئے بیٹھا ہوا ہے۔ اس میں وحدت المسلمین کے علامہ محسن رضا نقوی کہتا ہے ہم میں اور سنیوں میں (یعنی بریلویوں میں) کوئی اختلاف نہیں ہماری تو آپس میں باقاعدہ رشتہ داریاں ہیں اور شادیاں ہوتی ہیں یہ تو تکفیریوں (سپاہ صحابہ) نے آ کر تلخیاں اور نفرتیں ڈالی ہیں اور بریلوی سر ہلا ہلا کر ان کی تائید کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو ویڈیو اس لنک پر:

www.facebook.com/AllamaSajidKhanNaqshbandi/
videos/1981577768584069/

رضائے مصطفی کی ذرا اس خبر پر بھی نظر کرم ہو:

''۲۶ مئی ۲۰۱۴ روزنامہ نوائے وقت وغیرہ کی اشاعت میں ایک تصویر میں دکھایا گیا ہے کہ شاہ محمد اویس نورانی امیر جماعت الدعوۃ حافظ محمد سعید و دیگر رہنما مزار قائد پر کانفرنس کے دوران ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے یکجہتی کا اظہار کر رہے ہیں۔ ۲۵ مئی کے روزنامہ نوائے وقت کی اشاعت میں لکھا ہے کہ منصورہ میں ملی یکجہتی کونسل کے مرکزی عہدیداران کے اجلاس کے بعد صدر ابوالخیر ڈاکٹر محمد زبیر میڈیا سے گفتگو کر رہے ہیں۔ لیاقت بلوچ، ساجد علی نقوی، پیر سیف اللہ خالد، مولانا عبدالروف فاروقی، مولانا عبدالمالک، قیصر شریف، مولانا سید محفوظ مشہدی و دیگر بھی موجود ہیں۔ اسی طرح آج کل صاحبزادہ حامد رضا اور صاحبزادہ حامد سعید کاظمی مجلس وحدت المسلمین کے قائدین کے ساتھ پروگراموں میں نظر آرہے ہیں۔ صاحبزادہ محمد عثمان نوری کی بھی بدعقیدہ لوگوں سے میل جول کی خبریں آتی رہتی ہیں''۔ (رضائے مصطفی ص ۲۳ جون ۲۰۱۴)

شیعہ حضرات کے ساتھ تو اتحاد کی پینگیں آپ بھی بڑھا رہے ہیں اس پر کوئی تبصرہ کرنا پسند کریں گے؟ صاحبزادہ حامد رضا صاحب کی توثیق بھی ذرا ملاحظہ ہو:

''اپنے عالی قدر صاحبزادہ مولانا حامد رضا رضوی زید علمہ وفضلہ واطال اللہ عمرہ''۔
(رضائے مصطفی، ص ۱۴ مئی ۲۰۱۳)

جمعیت علماء پاکستان کے مولانا عبد الستار خان نیازی بریلوی کی علامہ ساجد نقوی شیعہ کی اقتدا میں نماز پڑھنے کا خود بریلوی اقرار

''غالباً (عبدالستار) نیازی کی وجہ سے صد فیصد لوگ سنی بن گئے ہوں گے کیونکہ آپ کی ساجد نقوی کے پیچھے اور دیگر دیوبندیوں کے پیچھے نماز پڑھنے سے اہلسنت کو بڑی ترقی ملی ہوگی''۔

(ماہنامہ کنز الایمان لاہور اگست ۱۹۹۴ ص ۲۹)

دیوبندی مولویوں کی شیعیت نوازی پر مزید حوالہ جات

اس عنوان کے تحت کچھ مزید حوالہ جات معترض نے نقل کئے ہیں ترتیب وار جواب ملاحظہ ہو۔

(اعتراض ۱۲۶:) حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے شیعہ کی مجلس میں شرکت کی اور ان کا پیش کردہ حلوہ کھایا (ملخصا دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف، ص ۱۱۱)

جواب: ہم آپ کے سامنے یہ پورا واقعہ پیش کرتے ہیں جس سے ان حضرات کی دھوکا دہی کھل کر سامنے آجائے گی:

''اسی پور قاضی ہی کے شیعوں کے متعلق مولانا طاہر صاحب نے اپنے والد ماجد حافظ محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ روایت نقل کی ہے کہ سیدنا الامام الکبیر جس زمانے میں پور قاضی پہنچے تھے تو اتفاقاً یہ محرم کا مہینہ تھا۔ حضرت والا کی تشریف آوری کی خبر پور قاضی کے شیعوں کو ہوئی تو ایک وفد ان کے سربرآوردوں کا خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور یہ خواہش کی کہ ماتم کی مجلس میں شریک ہو کر قاضی پور کے شیعوں کو ممنون فرمایا جائیے۔ خلاف توقع بجائے انکار کے حضرت نے فرمایا میری ایک شرط بھی منظور کیجائے تو میں اس مجلس میں شریک ہوسکتا ہوں جو شرط پیش کی گئی اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیعوں کے ساتھ حضرت والا کے قلبی تعلق کا کیا حال تھا؟ شرط یہ تھی کہ اسی مجلس میں جو کچھ عرض کروں اسے سن لیا جائے۔ وفد نے اس شرط کو تو منظور کر لیا مگر اسی کے ساتھ ان کی طرف سے مزید مطالبہ پیش ہوا کہ آپ کے وعظ سے پہلے مجلس ہوگی اس میں حلوا بھی تقسیم ہوتا ہے وہ بھی آپ کو قبول کرنا پڑے گا۔ آپ نے اس اضافہ کو بھی مان لیا اور حسب وعدہ ماتم کی مجلس میں حاضر بھی ہوئے، حلوا جو دیا گیا اسے بھی لے لیا، جب شیعوں کی پیش کردہ شرائط پوری ہوگئی تب ماتم کی اسی مجلس میں حضرت والا نے کھڑے ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مشہور وصیت:

ترکت فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی میں تم میں دو بھاری چیزوں کو چھوڑتا ہوں اللہ کی کتاب اور اپنی اولاد۔

پر ایک مفصل اور مبسوط تقریر فرمائی۔ سننے والے خلاصہ یہ بیان کرتے تھے کہ ہدایت کیلئے حضرت والا نے فرمایا علم دو ہی چیزوں کیلئے ضرورت ہے۔ علم کیلئے تو اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت پاک میں نسلی مناسبت کی وجہ سے عمل کی صلاحیت نسبتاً زیادہ ہونی چاہئے الغرض ماتم کی اس مجلس میں اسی اجمال کی تفصیل کچھ ایسے رنگ میں کی گئی کہ **بجائے ماتم کہ وہ تبلیغ کی مجلس ہوگئی**۔ روایت کے آخر میں مولانا

طاہر صاحب نے اپنے والد ماجد کا حوالہ دیتے ہوئے یہ اطلاع دی کہ **اس وعظ کے بعد بہت سے لوگوں نے توبہ کی**''۔

(سوانح قاسمی، ج ۲،ص ۶۶،۶۷)

یہ تھی اصل صورتحال حضرت امامنا الکبیر شیخ قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو اس مجلس میں شرکت کی تو تبلیغ کی نیت سے شرکت کی تھی۔ شیعی خرافات کو جواز فراہم کرنے کیلئے نہیں اور اللہ نے اس کا اثر یہ دکھلایا کہ کئی شیعوں کو توبہ کرنے کی توفیق ملی۔ مجھے لگتا ہے کہ یہی بات معترض کو بے چین کرگئی کہ ہماری برادری سے لوگ نکل کر سنی کیوں بن گئے؟ ماقبل میں پیر نصیر الدین گولڑوی صاحب کا حوالہ گزر چکا کہ وہ شیعہ کی مجالس میں شرکت کرتے رہتے ہیں۔ نیز میرا معترض سے سوال ہے کہ اگر کوئی کسی باطل گروہ کے کسی پروگرام میں اس نیت سے شرکت کرے کہ وہاں حق بات کہے گا اور وہ حضرات سننے کو بھی تیار ہوں تو اس میں کیا شرعی قباحت ہے؟ دلائل سے واضح کریں۔

جہاں تک حلوہ کی بات ہے تو اس کے متعلق کتاب میں وضاحت موجود ہے کہ:

''حلوہ لینا ثابت ہے کھانا ثابت نہیں اور ہو بھی نہیں سکتا جو ذرا سے مشتبہ مال سے بھی اجتناب کر لینے کے عادی تھے وہ اس حلوے کو کیسے کھاسکتے تھے؟ یہ قبول حلوہ محض تبلیغ کلمہ حق کی ضرورت سے کیا گیا جبکہ شیعوں نے کلمہ حق سننے میں قبول حلوہ کی شرط لگادی تھی یعنی اس کے بغیر وہ کلمہ حق سننا نہیں چاہتے تھے پس حضرت نے اس قبول حلوہ کو ادائے فرض کے مقدمہ کی حیثیت سے گوارا فرمایا''۔ (سوانح قاسمی ،ج ۲،ص ۶۸)

مگر معترض کا دجل اور خدا خوفی سے بے نیازی ملاحظہ ہو کہ کس طرح غلط مفہوم دے کر جھوٹ بولے جارہے ہیں کہ:

''دیوبندیوں کو حلوہ چاہئے خواہ اس میں زہر ہی کیوں نہ ہو ان کے معدے بڑے مضبوط ہیں ہر چیز لکڑ پتھر وغیرہ سب ہضم ہوجاتے ہیں''۔

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ،ص ۱۱۳)

اس پر ہم صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ لکڑ ہضم پتھر ہضم کی صلاحیت کس کے معدے میں تھی اس کیلئے نواب احمد رضا خان صاحب کی وہ آخری وصیت ملاحظہ فرمالیں جس میں وہ مرتے وقت بھی درجن بھر کھانوں کی فرمائش کر رہے ہیں۔

(اعتراض ۱۲۷:) مولوی غلام جیلانی نے کہا کہ تعزیہ کی ہرگز توہین نہیں کرنی چاہیئے اس پر امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا نام مبارک آگیا۔

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ،ص ۱۱۴)

جواب: یہ بھی اس معترض کی ڈھٹائی ہے مولوی غلام جیلانی ہرگز ہمارے اکابر میں سے نہیں ہیں موصوف تو نواب وزیر الدولہ کا استاد تھا اور ارواح ثلاثہ میں ان کا واقعہ اسی ضمن میں نقل کیا گیا کہ مولانا عبد القادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد نے انہیں چپ کروادیا جب انہوں نے تعزیہ کی تعظیم کی دلیل یہ دی کہ اس پر امام حسین رضی اللہ تعالی عنہ کا نام لیا جاتا ہے تو طالب علم نے کھڑے ہو کر ادب سے پوچھا کہ پھر گائے کا کیا کریں اسے بھی دفنادیں اس پر تو اللہ کا نام لیا جاتا ہے؟ اس پر مولوی جیلانی مبہوت ہو کر رہ گئے (ملخصا ارواح ثلاثہ)

نوٹ: آگے پھر اخبارات اور محمود عباسی ناصبی کی کتاب کا حوالہ دیا جس پر ہم اس ہٹ دھرم آدمی کو سوائے ۔۔شرم۔۔شرم اور کیا کہہ سکتے ہیں؟

(اعتراض ۱۲۸:)حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ابن سعود کی طرف سے مزارات گرائے جانے پر طرفداری کی

(دیوبندیت کے بطلان کاانکشاف،ص ۱۱۵)

جواب: بالکل صحیح طرف داری کی۔انہوں نے ایک جائز کام کیا۔بدعات کو ڈھایا۔کیارد بدعات کی طرفداری نہیں تو کیا آپ لوگوں کی طرح حمایت کی جائے؟ ماقبل میں حوالہ گزر چکاہے کہ قبروں پر پختہ عمارتوں کو گرانے کاحکم خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے ملتا ہے۔

(اعتراض ۱۲۹:)انورشاہ کاشمیری کوصحابی قرار دے دیا گیا

(دیوبندیت کے بطلان کاانکشاف،ص ۱۱۵)

جواب: پوری عبارت ملاحظہ ہو:

''صرف اگلوں کی بعض خصوصیات مرئی شکل میں آپ کی صورت میں نظر نہ آئیں بلکہ اپنی پاکیزہ صفات کے اعتبار سے آپ کی زندگی سابقین اولین کا بھی ایک پرتو تھی حسب روایت مولانا احمد رضا صاحب آپ کی وفات کے بعد جب مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری ڈابھیل وارد ہوئے تو طلباء کے اصرار پر کہ حضرت شاہ صاحب سے متعلق کوئی تقریر فرمائیں،سنا ہے کہ خصوصی اجتماع میں بخاری یہ کہہ کر کہ میاں حضرت شاہ صاحب کے اوصاف اور فضائل کے بارے میں مجھ سے کیا سننا چاہتے ہو؟ مختصراً اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ صحابہ کا معصوم کارواں چلا جارہا تھا یہ حضرت ان میں پیچھے رہ گئے تھے خود بھی دھاڑیں مار مار کر روئے اور اہل جلسہ کو بھی رلایا ڈھلی ڈھلائی معصومیت جس طرح آپ کے وجود میں منتقل ہوگئی تھی اس کے پیش نظر بخاری کا یہ تبصرہ بڑا جاندار اور وقیع ہے''۔

(نقش دوام،ص ۱۲۵،شاہ بک ڈپو دیوبند)

اس عبارت میں حضرت محدث کبیر انورشاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کوکہیں بھی معاذ اللہ صحابی نہیں کہا گیا بلکہ صحابہ کا کارواں تھا کے لفظ ہیں اور ظاہر ہے کہ صحابہ کے کارواں میں صرف صحابہ تو نہ تھے تابعین وغیرہ بھی تھے تو حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی جانثاری، للٰہیت دین،تقوی و پرہیز گاری کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ گویا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے فیض کے نور سے منور تھے۔

(اعتراض ۱۳۰:)صحابہ کی سی صورتیں

امی جی مولانا(الیاس دیوبندی) پر بہت شفیق تھیں۔فرمایا کرتی تھیں کہ اکثر مجھے تجھ سے صحابہ کی خوشبو آتی ہے۔۔۔تیرے ساتھ مجھے صحابہ کی سی صورتیں چلتی پھرتی نظر آتی ہیں۔(مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت،ص ۵۲)

(دیوبندیت کے بطلان کاانکشاف،ص ۱۱۶)

جواب:اس کی وضاحت آگے ہی موجود ہے:

مولانا محمد الیاس صاحب ؒ میں ابتداء سے صحابہ کرام ؓ کی والہانہ شان کی ایک اداء اور ان کی دینی بے قراری کی ایک جھلک تھی''۔(مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت،ص ۵۲)

یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں جو دین کی تبلیغ کی تڑپ اور جذبہ تھا آپ رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کا پرتو تھے آپ میں شروع ہی سے دین کی تبلیغ ونشر واشاعت کاایک جذبہ تھا جس نے ساری زندگی آپ کو بے قرار رکھا اور آج اسی تڑپ اور جذبے کی عملی صورت پوری دنیا میں ''دعوت وتبلیغ'' کے نام سے ہمارے سامنے موجود ہے۔ہماری کتب میں اگر کہیں کسی کیلئے ''صحابہ کی سی شان'' کے لفظ ہیں تو وہاں بھی مراد یہ ہے کہ وہ معاذ اللہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نہ تھے بلکہ ''ان کی سی'' تشبیہ وتمثیل کے الفاظ ہیں کہ جس طرح ان کے دل میں اس دین کی تڑپ کار دین کا جذبہ اور دین کیلئے ہر قسم کی قربانی موجزن تھی یہی حال ہمارے اکابر کا تھا۔

(اعتراض ۱۳۱:) دیوبندی مولوی کو صحابی قرار دیتے ہوئے

دیوبندی حضرات اپنے مولویوں کو صحابی قرار دیتے ہیں چنانچہ ایک دیوبندی نے یہ لکھا ہے کہ ایک اعرابی نے دیوبندی مولوی کو دیکھ کر کہا یا اھل المدینۃ ما رائیتم ابا ھریرۃ فھذا ابو ھریرۃ (رد اعتراضات،ص ۲۸۷)

جواب: یہاں پر بھی موروثی خیانت اِعلیٰ حضرتی کا مظاہرہ کیا گیا ہے پوری عبارت اس طرح ہے:

''عاشق سید دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حافظ الحدیث حضرت درخواستی جب مسجد نبوی میں بیٹھ کر حدیث محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درس شروع کردیتے ہیں تو ایک مصری اٹھ کر کہتا ہے: کہا یا اہل المدینۃ ما رائیتم ابا ھریرۃ فھذا ابو ھریرۃ

اے مدینہ والو! ابو ہریرہؓ کو تم نے نہیں دیکھا لیکن آج ابو ہریرہؓ کے اس غلام کی شان دیکھ لو جس طرح حضرت ابو ہریرہؓ آنکھیں بند کرکے (یعنی زبانی حدیث سنانے والے حافظ الحدیث) حدیث پڑھا کرتے تھے اس طرح یہ بھی حدیث پڑھتے ہیں''۔

(عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علمائے دیوبند،ص ۲۸۷)

دیکھا کتنا بڑا دھوکا دیا عبارت کی وضاحت نیچے ہی موجود ہے کہ معاذ اللہ حضرت ابو ہریرہؓ نہیں بلکہ ان کے غلام ہیں اور مقصود صرف یہ تھا کہ جس طرح حضرت ابو ہریرہؓ کے اپنے بے پناہ حافظے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثیر احادیث یاد تھیں آج ان کے حافظے کی مثالیں سن کر حیرت ہوتی ہے تو اس زمانے میں ان کے ایک ادنیٰ غلام کے حافظے کی حالت دیکھ لو کیا ہے۔

جناب الیاس عطاری صاحب لکھتے ہیں:

''میری عمر اس وقت تیرہ برس تھی میری سوتیلی والدہ کا ذہنی توازن خراب ہوگیا تھا۔۔۔میرے والد صاحب میری والدہ کو زنجیروں میں جکڑ کر جوں توں پیلی بھیت سے بریلی شریف لائیے والدہ محترمہ مسلسل گالیاں بکے جارہی تھیں۔۔۔والدہ بدستور گرج کر بولیں بڑے آئے بہتری کرنے والے جو چاہتی ہوں وہ بہتری کردو گے؟ فرمایا ان شاء اللہ عزوجل والدہ نے کہا:

''مولا علی مشکل کشا کرم اللہ وجہہ الکریم کا دیدار کروادو''

یہ سنتے ہی اعلیٰ حضرت نے اپنے شانہ مبارک سے چادر اتار کر اپنے چہرہ مبارک پر ڈالی اور معاً (یعنی فوراً) ہٹالی اب ہماری نظروں کے سامنے اعلیٰ حضرت۔۔۔نہیں بلکہ مولا علی مشکل کشا اپنا نورانی چہرہ چمکاتے ہوئے کھڑے تھے ہماری بوڑھی والدہ نہایت سنجیدگی کے ساتھ جلووں میں گم تھیں میں نے اور والدہ محترمہ نے خوب جی بھر کر جاگتی آنکھوں سے مولا علی مشکل کشا کرم اللہ وجہہ الکریم کی زیارت کی پھر مولا علی مشکل کشا نے اپنی چادر مبارک اپنے چہرے پر ڈال کر ہٹائی تو اب اعلیٰ حضرت ہمارے سامنے متبسم کھڑے تھے''۔

(بریلوی سے مدینے سمیت ۱۲ رضوی حکایات،ص ۱۲تا۱۶)

(فیضان اعلی حضرت،ص ۴۲۴)

اس گستاخانہ اور جھوٹی حکایت پر عنوان لگایا گیا ہے:

''مشکل کشا کا دیدار'' معاذ اللہ

کیوں جناب احمد رضا خان صاحب تو جب چاہیں خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ بن جائیں تو یہ ان کی کرامت اور شان اور اگر ہمارے اکابر کے ساتھ صحابہ کی سی صورتیں چلتی ہوئی کسی کو نظر آجائیں تو اعتراض؟

ذرا اپنے گھر کا حال بھی ملاحظہ ہو:

نواب احمد رضا خان صاحب کو دیکھ کر صحابہ کی زیارت کا شوق کم ہو گیا معاذ اللہ

مولانا حسنین رضا صاحب لکھتے ہیں:

''تقوی کا عالم یہ تھا کہ میں نے بعض مشائخ کو یہ کہتے سنا کہ ان کو دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی زیارت کا شوق کم ہو گیا''۔

(وصایا شریف،ص ۲۴ طبع اول)

نواب احمد رضا خان کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ کی زیارت کا لطف آگیا معاذ اللہ

''زہد و تقوی کا یہ عالم کہ میں نے بعض مشائخ کو یہ کہتے سنا کہ ان کو دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی زیارت کا لطف آگیا''۔

(وصایا شریف،ص ۷ پروگریسو بکس لاہور)

نواب احمد رضا خان صاحب صحابیت کے درجات پر

اعتراض کرنے والے اہل بدعت ذرا ایک نظر ان حوالہ جات پر بھی کر لیں:

بریلوی ابو الکلام مولانا محمد اللہ یار اشرفی قادری لکھتے ہیں:

''اعلی حضرت شاہ احمد رضا بریلوی کا شمار ایسے ہی یگانہ روزگار مصلحین امت میں ہوتا ہے جنکے ایمان افروز واقعات و کارناموں سے قرون اولیٰ (صحابہ کرام) کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہوتی ہے''۔(انوار رضا کا تاجدار بریلی نمبر ۲۰۰۳ص ۳۶۳)

بریکٹ میں ''صحابہ کرام'' کے الفاظ ہمارے نہیں قادری صاحب کے ہیں۔اسی طرح بریلوی پیر طریقت صاحبزادہ محمد عتیق الرحمن صاحب مرکزی صدر جمعیت علمائے جموں وکشمیر لکھتے ہیں:

''انکا تقوی وطہارت اور سنت و شریعت پر پابندی دیکھ کر صحابہ کی زندگیاں یاد آتی ہیں''۔

(انوار رضا کا تاجدار بریلی نمبر ۲۰۰۳،ص ۱۱)

بریلوی مولوی اور نبوت کے درجات

آپ کے شیخ الاسلام سید محمد میاں مدنی مفتی مصطفی رضا خان صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:

''وہ نفوس قدسیہ والے جنکی محفل میں بیٹھنے سے رسول کریم کی محفل میں بیٹھنے کا اجر ملے گا جن سے مصافحہ کرنے سے نبی کریم سے مصافحہ کرنے کا ثواب حاصل ہوتا ہے جس کے پیچھے نماز پڑھنے والے کی یہ شان ہوگی گویا اس نے نبی کریم کی اقتداء کی جن کا چہرہ دیکھیں تو نبی کریم کا چہرہ یاد آجائے۔

(استقامت مفتی اعظم نمبر،ص ۱۲۴،مئی ۱۹۸۳)

کہئے جناب ہم پر تو آپ کا اعتراض کہ صحابہ سے معاذ اللہ ملا دیا یہاں آپ کے مولوی صاحب کو نبی کریم ﷺ سے ملایا جارہا ہے کوئی اعتراض ہے آپ کو؟

مولانا نذیر حسین دہلوی بریلویوں کو صحابی معلوم ہوتے ہیں معاذ اللہ

خواجہ غلام فرید چاچڑاں غیر مقلد مولوی نذیر حسین دہلوی کے متعلق فرماتے ہیں:

''قطب الموحدین حضرت خواجہ محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ حضور لوگ مولوی نذیر حسین کو غیر مقلد اور وہابی کہتے ہیں وہ کیسے آدمی تھے آپ نے فرمایا کہ سبحان اللہ وہ تو ایک صحابی معلوم ہوتے ہیں''۔(مقابیس المجالس:ص ۷۹۶)

اس کتاب کی استنادی حیثیت ہم جلد اول میں بیان کر چکے ہیں۔

(اعتراض ۱۳۲:) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کا الزام

جس طرح شیعہ حضرات امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ پر حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی گستاخی کا الزام لگاتے ہیں اسی طرح یہی کام دیوبندی بھی کرتے ہیں دیوبندی مولوی لکھتا ہے:

قاضی وصی الدین جو شہر میں کئی حیثیتوں سے معزز شخص تھے ایک دن حضرت والا کو منشی صفدر کے پاس لے گئے اور کہا کہ آپ اپنے شبہات ان سے حل کرا لیجیے۔انہوں نے کہا کہ میرے شبہات تاریخی واقعات ہیں ان کو کون حل کرسکتا ہے پھر انہوں نے حدیث پڑھی من سبّ اصحابی سبّنی و من سبّنی سبّ اللہ اور یہ ثابت ہے کہ **حضرت معاویہ حضرت علی کی شان میں گستاخی کیا کرتے تھے** حضرت والا نے فوری جواب دیا **کہ یہ تو غیر صحابی کیلئے ہے۔۔۔چاہے کوئی اور سزا مراد ہو پر یہ سزا ہرگز مراد نہ ہوگی**''۔(اشرف السوانح،ج ۱،ص ۷۴)

(رد اعتراضات،ص ۲۸۶)

جواب: نامکمل عبارت نقل کر کے اس آدمی نے دو طرح سے دھوکا دیا:

پہلا یہ کہ دیوبندی مولوی یہ کہتا ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کیا کرتے تھے۔

دوسرا دھوکا یہ دیا کہ دیوبندی مولوی کے نزدیک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کوئی اور سزا ملے گی مگر یہ والی نہیں ملی گی۔یہ دونوں اعتراضات خط کشیدہ عبارت سے دینے کی کوشش کی گئی۔اب مکمل حوالہ ملاحظہ ہو:

''اسی طرح کانپور میں کاکوری کے ایک بہت معزز اور باوجاہت رئیس تھے جن کا نام منشی صفدر حسین تھا ایسے آن بان کے تھے کہ کسی سے ملنے جلنے بھی نہ جاتے تھے اور ہمیشہ اپنے مکان کے سہ منزلہ حصہ پر رہتے تھے اور وہاں سے بہت کم اترتے تھے۔بڑے دماغ دار تھے۔وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی نسبت نعوذ باللہ بہت بدگمانی رکھتے تھے اور اپنی مجلس میں خلاف شان کلمات کہتے رہتے تھے۔قاضی

وصی الدین جوشہر میں کئی حیثیتوں سے معزز شخص تھے ایک دن حضرات والا کو منشی صفدر کے پاس لے گئے اور کہا کہ آپ اپنے شبہات ان سے حل کرا لیجئے۔ انہوں نے کہا کہ میرے شبہات تاریخی واقعات ہیں ان کو کون حل کرسکتا ہے پھر انہوں نے حدیث پڑھی من سب اصحابی سبنی ومن سبنی سب اللہ اور یہ ثابت ہے کہ حضرت معاویہ حضرت علی کی شان میں گستاخی کیا کرتے تھے حضرت والا نے فورا جواب دیا کہ یہ تو غیر صحابی کیلئے ہے۔ **اس کی مثال ہے جیسے کوئی بادشاہ یوں کہے کہ اگر کوئی ہمارے شہزادوں کو آنکھ بھر کر دیکھے گا تو ہم اس کی آنکھیں نکلوالیں گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ شہزادے بھی آپس میں لڑیں گے تو ان کی بھی یہی سزا ہوگی۔ چاہے کوئی اور سزا مراد ہو پر یہ سزا ہرگز مراد نہ ہوگی**۔ بلکہ مطلب یہ ہوگا کہ اگر کوئی غیر شخص تیز نظر سے دیکھے گا تو اس کیلئے یہ سزا ہوگی۔ جب ان کا ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا تو اپنی شرم کو اتارنے کیلئے ایک ہندو بنگالی بابو سے جو اس وقت وہاں بیٹھے ہوئے تھے طعن کے طور پر کہنے لگے کہ دیکھئے بابو صاحب ہمارے علما ذہانت سے کام لیتے ہیں۔ حضرت والا نے فرمایا اور غالبا پکار کر فرمایا تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ غباوت سے کام لیا کریں۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

(اشرف السوانح، ج۱، ص ۹۲، ۹۳)

ملاحظہ فرمایا اول یہ کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں معاذ اللہ گستاخی کیا کرتے تھے یہ کسی دیوبندی مولوی کا قول نہیں بلکہ اس شیعہ کا اعتراض ہے۔ اور ثانیا کوئی اور سزا ہو یہ نہ ہوگی یہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نہیں کہا جارہا بلکہ اس بادشاہ کے شہزادوں کے متعلق کہا جارہا ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ تو وہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرنے گئے تھے مگر اس عقل کے الٹے کو مجنوں نظر آتی ہے لیلی نظر آتا ہے اندھے کو دن میں بھی رات کا اندھیرا نظر آتا ہے، اسے اس میں گستاخی نظر آرہی ہے۔

مولانا اشرف سیالوی صاحب لکھتے ہیں:

''وہ تو مولانا اشرف تھانوی صاحب کی گستاخی پر رد کر رہے ہیں وہ خود کیسے گستاخی کرسکتے ہیں؟''۔ (مناظرہ جھنگ، ص ۱۴۸)

پس یہی اصول ہم آپ کے سامنے پیش کررہے ہیں جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وہاں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرنے گئے تھے تو خود کیسے گستاخی کرسکتے ہیں؟

اہل بدعت بریلویہ کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی شان میں گستاخی

بریلویوں کی معروف گدی گولڑہ کے چشم و چراغ پیر نصیر الدین گولڑوی نے ایک کتاب ''نام ونسب'' لکھی راقم کے پاس اس کا طبع سوم 2001ء کا ایڈیشن ہے۔ جسکے صفحہ 514 پر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کی شان میں وارد احادیث کا انکار کیا گیا ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہ کو بدعات کا رائج کرنے والا (ص:519) کہا گیا۔ اس کے علاوہ ان کے نہ صرف کاتب وحی ہونے کا انکار اس کتاب میں کیا گیا بلکہ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے نامناسب رویہ اختیار کرنے جیسے دیگر کئی سنگین الزامات لگائے گئے۔

اسی طرح بریلوی مورخ احمد رضا مکیش نے اپنی کتاب ''تاریخ اسلام'' میں حضرت عثمان غنی و حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالی عنہما پر اتنی گھناؤنی الزام تراشی کی کہ کتاب کے نئے ایڈیشن میں ناشر کو بھی یہ کہنا پڑا:

''اس کتاب میں مصنف کا انداز بعض مواقع پر انتہائی جارحانہ تھا اور بسا اوقات وہ مسلمہ شخصیات کے بارے میں انتہائی سخت

زبان استعمال کر گئے تھے‘‘۔

(تاریخ اسلام تحریف شدہ ایڈیشن، ج1ص 24 مکتبہ اعلیٰ حضرت لاہور)(۱)

آگے چلئے مختار جاوید منہاس بریلوی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مملکت اسلامیہ کے دو ٹکڑے کرنے اور عیسائی حکمرانوں سے حد درجہ متاثر ہونے والے دیگر کئی سنگین الزامات لگائے ہیں۔معاذ اللہ

(ملاحظہ ہو: میں زہر ہلاہل کو کیسے کہوں کند؟ ص: 11,12، تحریک حسن عمل پاکستان لاہور)

بریلوی امام العلماء قاضی محمد برخوردار ملتانی بریلوی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بدعہد حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے متمنی بلکہ ساعی اور ان کی شہادت پر خوشیاں منانے والے جیسے سنگین اور گھٹیا الزام تراشی کی ہے۔

(غوث اعظم ص: 176,182,185 مطبوعہ زاویہ پبلشرز لاہور بار اول 2012)

اس کتاب کی اشاعت کے محرک بریلوی مجاہد ملت ظہور احمد چشتی گولڑوی ہیں جبکہ ناشرین نے کہا ہے کہ وہ عقائد و نظریات کے حوالے سے دار العلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف بالخصوص ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری کے دامن سے وابستہ ہیں۔

(ملاحظہ ہو: غوث اعظم ص: xiii۔ عنوان: عرض ناشر)

پنڈی کا نام نہاد رضاخانی مناظر حنیف قریشی کا بیان ہمارے پاس موجود ہے جس میں وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعارف انتہائی عامیانہ وگستاخانہ انداز میں کرتے ہوئے بار بار ’’No Mavia،No Mavia‘‘ کا اعلان کر رہے ہیں۔معاذ اللہ۔

اسی طرح اس کے خلاف مولوی غفران سیالوی بریلوی کا پورا جمعہ کا خطاب نیٹ پر موجود ہے کہ مفتی حنیف قریشی نے یہ کہا کہ معاویہ علی بھائی بھائی کہنا جائز نہیں۔معاذ اللہ

طاہر القادری کا ایک بیان ہمارے پاس موجود ہے جو ہماری فیس بک پیج

Www.FaceBook.com/RazaKhaniFitna

پر بھی دیکھی جا سکتی ہیں اس میں یہ ضال مضل کہتا ہے کہ میں نے دس محرم الحرام کو لوگوں کو دیکھا کہ بد بخت امیر معاویہ کے فضائل بیان کر رہے ہوتے ہیں ایسے لوگ خارجی ہیں ایسے ملاؤں سے پرہیز کریں لوگ ان کو جوتی مار کر مسجدوں سے نکال دیں۔معاذ اللہ۔

حویلیاں ضلع ہزارہ کی خانقاہ محبوب آباد کا متولی اور سجادہ نشین محمود شاہ محدث ہزاروی اپنے ایک اشتہار میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بکواس کی کہ معاذ اللہ ’’منافق اور اور مکہ میں مرنے کے ڈر سے ایمان لایا تھا‘‘ اس کے علاوہ بھی اس میں اس قدر بکواسات کی گئی ہیں جو یہاں نقل کرنا راقم کیلئے ممکن نہیں۔

خود رضاء الحسن بریلوی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف اپنے مسلک کی اس سازش اور کھلم کھلا تشیع کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

۱۔ ادارہ پاکستان شناسی لاہور والے باباجی ظہور الدین خان امرت سری نے ستمبر 2010 میں ’’البلاغ‘‘ پر پروفیسر علامہ سید محمد سلیمان اشرف بہاری چھاپی تو اس کے شروع میں ڈاکٹر وحید عشرت کا دیباچہ شامل کیا اس میں انہوں نے حضرت معاویہ کے متعلق کئی طرح کی سست باتیں لکھ کر ان کے کردار کو داغ دار کرنے کی کوشش کی۔

۲۔ پیر ہارون الرشید (موہڑہ شریف کوہ مری ضلع راولپنڈی) نے اپنی دعا کے دوران حضرت سیدنا ومولانا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو "منافق" کہا۔ (العیاذ باللہ)

۳۔ قاری ظہور احمد فیضی نے "شرح خصائص علی" میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مردود ومطرود اقوال بیان کئے ہیں۔

۴۔ شیخ الاظلام ڈاکٹر طاہر القادری کا بیداری شعور کے سلسلے میں کئے ہوئے ایک خطاب کا ایک چھوٹا سا حصہ ہم تک پہنچا ہے اس میں ضمناً انہوں نے جناب معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب بیان کرنے والوں کو فتنہ گر ملا یزیدی ٹولہ خارجی الذہن حب اہل بیت کے مخالف وغیرہ قرار دیا ہے۔

۵۔ ملا برخوردار ملتانی کی کتاب غوث اعظم حال ہی میں زاویہ پبلی شرز لاہور سے چھپی ہے۔......مصنف نے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں ایسے حیاء سوز وظلمت آمیز جملے لکھے ہیں جنہیں پڑھ کر کسی بھی سچے مسلمان کا ایمان زخمی ہو جاتا ہے۔

۷۔ سید مزمل حسین شاہ نے ایک مقام پر تقریر کی جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر بڑا ہی بے باک طعن کیا جس پر حاضرین میں سے نعرہ بلند ہوا "معاویہ پر لعنت" (اعوذ باللہ) مزمل حسین شاہ نے فوری طور پر اسے منع کیا مگر چند لمحے گزرنے کے بعد اس لعین شخص کا ذکر ان الفاظ میں کیا "میں اپنے عزیز کو داد دیتا ہوں اس کے اپنے جذبات تھے"۔

مولانا مفتی شوکت سیالوی صاحب (خانیوال) نے چند سال قبل ڈیرہ غازی خان میں ایک تقریر کی تھی جس میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں بے احتیاطی سے کئی باتیں نکل گئیں۔

(بحوالہ سیدنا امیر معاویہ، ص:6 تا 11 مطبوعہ لاہور)

آگے چلئے بریلویوں کے پیر طریقت صوفی مسعود احمد لاثانی سرکار جو بقول خود پانچ سو سے زائد مزارات وآستانوں کی نمائندہ جماعت تنظیم مشائخ کے امیر ہیں کے ترجمان رسالے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی گستاخی ان الفاظ میں کی جاتی ہے:

"حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنا جانشین نامزد کر کے اسی اصول دین کی خلاف ورزی کی تھی"۔

(ماہنامہ لاثانی انقلاب انٹرنیشنل، دسمبر 2010، ص:8)

بریلوی حکیم الامت احمد یار گجراتی حضرت امیر معاویہ وشیر خدا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی شان میں سوء ادبی کرتے ہوئے انہیں آپس میں کینہ پرور لکھتا ہے۔ معاذ اللہ:

"یعنی جنتی لوگوں کے دلوں میں جو کینہ وغیرہ تھے وہ یہاں دور کر دئے جاویں گے جیسے حضرت علی وامیر معاویہ رضی اللہ عنہما وغیرہ حضرات"۔

(نور العرفان حاشیہ کنز الایمان، ص: 38۔ نعیمی کتب خانہ گجرات)

۸۔ تبسم شاہ بخاری لکھتا ہے:

"ہم اہل سنت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا احترام صحابی ہونے کی حیثیت سے کرتے ہیں اور تمام صحابہ زندہ باد مگر جہاں تک سیاستِ امیر معاویہ کا تعلق ہے تو یہ مولا علی مشکل کشا سے کھلم کھلا دشمنی ہے"۔

(دیوبندیوں سے لاجواب سوالات، ص ۴۵۸)

معاذاللہ یہ کہنا کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سیاست حضرت علی کی کھلم کھلا دشمنی پر مبنی تھی کس قدر کاتب وحی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی ہے۔ان چھپے ہوئے رافضیوں کو پہچانیں۔حیرت ہے کہ تبسم صاحب اگلے ہی صفحہ پر خان صاحب بریلی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اور جو ان کا احترام نہیں کرتے دراصل وہ سنی ہیں ہی کب؟ وہ تو پھر دیوبندی وہابی ہی کہلائیں گے''۔(دیوبندیوں سے لاجواب سوالات،ص ۴۵۹)

اگر خان صاحب احمد رضا خان کا ادب و احترام نہ کرنے والے سنی نہیں ہیں بلکہ معاذاللہ تمہارے بقول مرتد و گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو جو حضرت مولا علی رضی اللہ عنہ کا کا دشمن ہو جس کی سیاسی زندگی ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کھلم کھلا دشمنی پر مبنی ہو کیا وہ سنی رہ سکتا ہے؟ کیا خان صاحب بریلی کا مقام حضرت علی سے بڑھ گیا؟ غور فرمائیں اس بد بخت نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر کتنا سنگین تبرا کیا۔

نوٹ: تبسم شاہ کی علمی اوقات معلوم کرنے کیلئے فون کال پر میری ان سے جو اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ پر گفتگو ہوئی ہے وہ نیٹ پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

(اعتراض ۱۳۳:) عمر بھیگی بلی بن گئے

مولوی طارق جمیل حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کے بارے میں یوں گویا ہوتے ہیں کہ: حضرت عمر ایسے بھیگی بلی بنے سن رہے ہیں۔(بیانات جمیل،ج ۲ص ۸۳)۔

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف،ص ۱۱۷)

جواب: ہم پہلی جلد میں بھی واضح کر چکے ہیں کہ بیانات جمیل نامی کتاب نہ تو حضرت مولانا طارق جمیل صاحب زید مجدہ کی کتاب ہے نہ ہماری کوئی مستند کتاب لہذا اس کے دیئے گئے کسی حوالے کے ہم ذمہ دار نہیں۔البتہ اس اعتراض کا جواب کچھ عرصہ پہلے راقم الحروف نے کراچی کے مولوی مظفر حسین شاہ کو ایک تقریر میں دیا تھا بندہ اسی کو یہاں نقل کر دیتا ہے:

''بھیگی بلی ہماری لغت کی کتابوں میں بطور محاورہ مستعمل ہے جس کا ایک معنی 'عاجز ہونا'' بھی کیا گیا ہے تو اگر اس معنی پر اس محاورے کو محمول کرلیا جائے تو آخر اس میں کونسی گستاخی ہے؟ اگر آپ کہتے ہو کہ نہیں ہم نے ہر حال میں لغوی معنی گستاخی والا نکالنا ہے تو آپ کے پیر کرم شاہ ازہری نے جمال کرم ج ا ص ۱۰۵ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو 'خواجہ'' کہا ہے۔اور فیروز اللغات میں خواجہ کا معنی ''ہیجڑا'' لکھا ہوا ہے استغفراللہ۔

اسی طرح نواب احمد رضا خان صاحب ملفوظات حصہ اول،ص ۱۳۵ میں فرماتے ہیں کہ اللہ کو 'میاں'' کہنا درست نہیں،کیونکہ میاں کا ایک معنی ''شوہر'' اور ایک معنی ''دلال'' بھی آتا ہے۔اب اسی نواب صاحب کے والد جناب مولانا نقی علی خان صاحب اپنی کتاب الکلام الاوضح ص ۴۳۷ پر اللہ کو 'میاں'' کہہ رہے ہیں۔

حدیث میں ہے 'صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: 'مسلم باب من لقی اللہ بالایمان و ھو غیر شاك :فاتیت ھذا الحائط فاحتفست کما یختبط الثعلب میں اس دیوار کے اندر گھسا اور ایسے سکڑ کے گھسنے لگا جیسے لومڑی گھستی ہے۔اسی طرح مسند

ابی داود میں ہے کہ صحابی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا:

نھانی عن ثلاث عن الالتفات فی الصلوۃ کالتفات الثعلب. نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تین چیزوں سے منع فرمایا نماز میں ادھر ادھر دیکھنے سے جیسا کے لومڑی دیکھتی ہے۔

اب یہاں لومڑیوں کا ذکر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے ہورہا ہے تو کیا ان پر بھی کوئی فتوی ہے؟ غرض اس قسم کی چیزیں صرف سمجھانے کیلئے یا بطور محاورات کے استعمال کی جاتی ہیں۔ان کے حقیقی معنی مراد نہیں ہوتے۔

(اعتراض ۱۳۴:) فعل صحابہ حجت نہیں

مولوی الیاس گھمن، مولوی عمران صفدر نے کہا کہ فعل صحابی کو حجت نہ ماننا رافضیت ہے دوسری طرف محمود الحسن نے کہا باقی فعل صحابہ وہ کوئی حجت نہیں (تقاریر شیخ الہند ص ۵۹) مولانا سرفراز خان صفدر نے کہا فہم صحابی حجت نہیں (سماع الموتی ص ۵۹) (ملخصا رد اعتراضات، ص ۲۹۵)۔

جواب: یہاں بھی اس معترض نے دھوکا دینے کی کوشش کی حضرت متکلم الاسلام مولانا الیاس گھمن صاحب زید مجدہ اور مولانا عمران صفدر صاحب کی یہ بات غیر مقلدین کے نظریہ کے پیرائے میں ہے جو مطلقا صحابہ کے قول و فعل کو حجت نہیں مانتے اور یہ یقینا رافضیت ہے لیکن حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ کہا کہ فعل صحابی حجت نہیں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کے مقابلے میں کہا اور یہ یقینی بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کے مقابلے میں صحابی کا قول و فعل حجت نہیں۔ چنانچہ ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

وَالْحَاصِلُ أَنَّ قَوْلَ الصَّحَابِيِّ حُجَّةٌ فَيَجِبُ تَقْلِيدُهُ عِنْدَنَا إذَا لَمْ يَنْفِهِ شَيْءٌ آخَرُ مِنْ السُّنَّةِ
(فتح القدیر ج ۲، ص ۶۸ باب الجمعۃ)

خلاصہ کلام یہ کہ صحابی کا قول حجت ہے پس ہمارے نزدیک اس کی پیروی لازم ہے۔جب تک سنت سے کوئی چیز اس کی نفی نہ کرے۔

چنانچہ تقریر ترمذی کی پوری عبارت اس طرح ہے:

> ”باب المنی یصیب الثوب: چونکہ آپ سے ہمیشہ عمل غسل یا فرک ثابت ہے اور یہ کہیں ثابت نہیں کہ آپ نے کبھی ملوث کپڑے سے نماز ادا کی ہو۔اس لئے حنفیہ و جمہور نجاست کے قائل ہیں۔شوافع طاہر کہتے ہیں قال ابن عباس المنی بمنزلۃ المخاط یہ ایک صحابی کا قول حنفیہ پر حجت نہیں ہوسکتا“۔
>
> (تقاریر شیخ الہند، ص ۴۳، تالیفات اشرفیہ لاہور)

پس عبارت کے سیاق و سباق سے بالکل واضح ہوگیا کہ یہاں حنفیہ پر فعل صحابی حجت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فعل کے مقابلے میں بولا جارہا ہے کیونکہ ماقبل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہمیشہ منی کو غسل یا فرک کا ثبوت دیا جارہا ہے اور اس سے استدلال کیا جارہا ہے منی کے ناپاک ہونے پر اور اس کے مقابلے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول پیش کیا گیا کہ وہ منی کو رینٹھ کی طرح سمجھتے تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل کے مقابلے میں) صحابی کا قول حنفیہ پر حجت نہیں۔

رضاخانی فیض احمد اویسی رفع الیدین کے متعلق لکھتا ہے:

> اگر فعل حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا تسلیم بھی کیا جائے تو شہادت نفی بالاستغراق پر مقبول نہیں کیونکہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہمیشہ

خلوت اور جلوت اور سفر وحضر اور جمیع مجالس میں صحبت نہ تھی۔" (رفع یدین ص ۲۵،مکتبہ اویسیہ بہاولپور)

(اعتراض ۱۳۵:) دیوبندی بزرگ صحابہ سے افضل ہیں معاذ اللہ عزوجل

دیوبندیوں کے امام مولوی اسمعیل دہلوی نے اپنے بعض دیوبندی وہابی بزرگوں کو صحابہ کرام علیہم الرضوان اجمعین سے افضل قرار دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ: بعض بزرگوں کو بعض صحابہؓ پر بے شک افضیلت ثابت ہے (صراط مستقیم،ص ۸۲)

(رد اعتراضات،ص ۲۸۸)

جواب: پوری عبارت ملاحظہ فرمائیں:

"اگر چہ صحابی ہونے کے لحاظ سے باقی امت مصطفویہ (علی اماھما الصلوۃ والسلام) کی بہ نسبت صحابہ کبار میں سے ہر ایک کیلئے فضیلت ثابت ہے لیکن ہدایت کے پھیلانے اور دین متین کے رواج دینے اور عند اللہ قرب کے مرتبوں پر کامیاب ہونے میں امت کے بعض بزرگوں کو بعض صحابہ پر بے شک افضیلت ثابت ہے لیکن جس طرح کے اس فرزند پر اپنے باپ کی تعظیم لازم ہے جو علم وہنر میں اپنے باپ سے بڑھا ہوا ہے ان بزرگوں پر بھی صحابہ کی تعظیم واجب ہے حدیث شریف میں ہے فان من ورائکم ایام الصبر فمن صبر فیھن کان کمن قبض علی الجمر للعامل فیھن اجر خمسین رجلا یعملون مثل عملہ قالوا یا رسول اللہ اجر خمسین منھم قال اجر خمسین منکم یعنی تمہارے پیچھے صبر کے دن ہیں پس ان میں صبر کرنے والا چنگاڑے کو پکڑنے والے کی مانند ہوگا ان دنوں میں (نیک عمل) کرنے والے کو اس جیسے پچاس عاملوں کا اجر ملے گا لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ انہی میں سے پچاس عمل کرنے والوں کا اجر آپ نے فرمایا نہیں تم میں سے پچاس کا ثواب اس کو ملیگا"۔

(صراط مستقیم،اردو،ص ۸۱،۸۲ ادارۃ الرشید دیوبند)

حضرت کی مراد بالکل واضح ہے کہ بعض صحابہ سے بعض اعمال میں امت کے بعد والے بزرگ بڑھ سکتے ہیں لیکن یہ صرف جزئی فضیلت ہے جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی آپس میں جزئی فضیلتیں تھیں کوئی کس فضیلت میں بڑا ہوا تھا کوئی کس فضیلت میں۔آگے حضرت نے حدیث سے استدلال بھی پیش کیا۔اگر معترض اس کو رافضیت اور توہین صحابہ سمجھتا ہے تو ذرا ایک نظر ادھر بھی ملاحظہ ہو اور فتوی لگائے:

فَقَالَ لَهُ أَبُو حَنِيفَةَ: كَانَ حَمَّادٌ أَفْقَهَ مِنَ الزُّهْرِيِّ، وَكَانَ إِبْرَاهِيمُ أَفْقَهُ مِنْ سَالِمٍ، وَعَلْقَمَةُ لَيْسَ بِدُونِ ابْنِ عُمَرَ فِي الْفِقْهِ، وَإِنْ كَانَتْ لِابْنِ عُمَرَ صُحْبَةٌ، أَوْ لَهُ فَضْلُ صُحْبَةٍ، فَالْأَسْوَدُ لَهُ فَضْلٌ كَثِيرٌ، وَعَبْدُ اللَّهِ هُوَ عَبْدُ اللَّهِ۔

ابوحنیفہ نے کہا حماد زہری سے فقہ میں افضل تھے اور ابراھیم سالم سے اور علقمہ (تابعی) ابن عمر رضی اللہ عنہ (صحابی رسول) سے فقہ میں کم نہ تھے اگر چہ حضرت ابن عمر کیلئے شرف صحابیت ثابت ہے لیکن علقمہ کو بھی بہت سے فضائل حاصل تھے۔

(شرح مسند ابی حنیفہ للملا علی القاری،ص ۷۳ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یہاں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عجیب بات کہی کہ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب کی وجہ سے عبارت میں کچھ تغیر کر دیا۔یعنی عبارت تو

یوں چل رہی ہے کہ حماد رحمۃ اللہ علیہ زہری سے فقہ میں افضل ہیں اور حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ حضرت سالم رحمۃ اللہ علیہ سے فقہ میں افضل ہیں۔اب آگے یوں ہونا چاہئے تھا کہ حضرت علقمہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے فقہ میں افضل ہیں لیکن صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ فقہ میں علقمہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ سے کم نہیں۔یعنی مقصود وہی ہے جو پچھلی عبارت میں تھا۔مگر مقام صحابیت کو دیکھ کر الفاظ بدل دئے۔تو جناب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر کیا فتوی ہے؟۔علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تو صاف واضح الفاظ میں لکھتے ہیں:

وَأَمَّا سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ - رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ - فَهُوَ وَإِنْ كَانَ أَفْضَلَ مِنْ أَبِي حَنِيفَةَ مِنْ حَيْثُ الصُّحْبَةِ، فَلَمْ يَكُنْ فِي الْعِلْمِ وَالِاجْتِهَادِ وَنَشْرِ الدِّينِ وَتَدْوِينِ أَحْكَامِهِ كَأَبِي حَنِيفَةَ، و قد يوجد فى المفضول ما لا يوجد فى الفاضل۔

اور سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحیثیت صحابی تو ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے افضل تھے لیکن علم، اجتہاد، دین کی نشر و اشاعت، اور احکام میں ابو حنیفہ جیسے نہ تھے۔اور بعض اوقات مفضول میں ایسی چیز پائی جاتی ہے جو فاضل میں نہیں ہوتی۔

(فتاوی شامی، جلد ا ص ۱۵۰، دار العالم الکتب الریاض)

جو بات حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے کہی کہ دین کی ترویج نشر و اشاعت میں بعض بزرگان دین بعض صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بڑھ سکتے ہیں لیکن اس سے صحابہ کی عمومی فضیلت پر کوئی حرف نہ آئے گا اس کی مثال علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی صورت میں دے دی۔اب جناب علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ پر کیا فتوی لگائیں گے؟

خواجہ محمد احسان مجددی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے والد کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''پھر حضرت مخدوم نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! آپ نے امت کی طرف سے اپنے آپ کو کس طرح فارغ کر لیا حضور مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اب تک تو ہم مع صحابہ کے امت کی طرف متوجہ تھے ہزار سال کے عرصہ میں جس قدر اولیاء پیدا ہوئے ان میں سے کسی کو بھی ساری امت کے کارخانے کو برداشت کی طاقت نہ تھی کہ ہم اس کے حوالے کرتے اور بارگاہ حقیقی میں جلوت گزیں ہوتے اب یہ فرزند ایسا ہوا ہے کہ اب ہم ساری امت کا دنیاوی اور اخروی کارخانہ اس کے اور اس کے فرزندوں کے سپرد کر کے فراغ دلی سے اپنے پروردگار کی بارگاہ میں خلوت اختیار کریں گے۔یہ کلیہ قاعدہ ہے کہ ہر پیغمبر اولو العزم ہزار سال تک خلقت کی طرف متوجہ رہتا ہے بعد ازاں جب اور پیغمبر آجاتا ہے تو پھر پہلا پیغمبر بارگاہ خداوندی میں خلوت گزیں ہوتا ہے اس امت کیلئے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ہزار سال تک امت کی طرف متوجہ رہنا لازم تھا اور بعد ازاں کوئی ایسا پیغمبر اولو العزم ہوتا جو آپ کا قائم مقام ہوتا کیونکہ گزشتہ زمانے میں انبیاء کرام کی بعثت اور ہدایت کا یہی دستور چلا آیا ہے کہ بعد نبی پہلے نبی کے دین کی ترجمانی کرتا ہے اور اسے مضبوط بناتا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبی کا پیدا ہونا ناممکن ہے اس واسطے **اس امت میں علمائے امت کو بنی اسرائیل انبیاء کا سا مرتبہ دیا گیا ہے** تاکہ دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت کریں اور تقویت دیں''۔

(الروضۃ القیومیہ، ج ا، ص ۱۱۷، ۱۱۸، مکتبہ نبویہ لاہور)

اس کتاب کو ترتیب دینے والے پیرزادہ اقبال احمد فاروقی صاحب مدیر جہان رضا ہیں۔کوئی فتوی؟ جناب آپ تو صحابہ سے برتری کا رونا رو رہے ہیں مگر یہاں آپ کے بڑے تو اس امت کے لوگوں کو ''انبیاء'' کا مرتبہ فراہم کرنے کو تیار ہیں۔

(اعتراض۱۳۶:) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا کی مزید بدترین گستاخی

پرسوں شب گھر میں ایک عجیب خواب دیکھا دیکھا کہ مدینہ منورہ کی مسجد قبا میں حاضر ہیں وہیں جناب (تھانوی) کی چھوٹی بیوی صاحبہ بھی ہیں۔ یہ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوئیں انہوں نے دریافت فرمایا رسول اللہ ﷺ کی تصویر دیکھو گی؟ انہوں نے بڑے اشتیاق کے ساتھ کہا کہ ضرور اتنے میں کسی نے کہا یہ تو حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں۔ اب یہ بڑے غور اور حیرت سے ان کی طرف دیکھ رہی ہیں کہ صورت شکل وضع و لباس چھوٹی بیوی صاحبہ (یعنی تھانوی کی چھوٹی بیوی) کا ہے یہ حضرت صدیقہ کیسے ہوگئیں۔ اتنے میں پھر کسی نے کہا کہ نہیں یہ حضور ﷺ کی بہو ہیں اب یہ اپنے دل میں اور بھی حیرت کر رہی ہیں کہ حضور ﷺ کی تو کوئی صاجزادہ ہی نہ تھی تو بہو کیسی؟ اتنے میں پھر آواز آئی کہ ہر کلمہ گو حضور ﷺ کی اولاد ہے۔۔۔

معاذ اللہ کہاں وہ اماں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور کہاں دیوبندیوں کا بے ڈھنگا حکیم تھانوی کی بیوی؟ مگر ان کے عقیدے کی شقاوت ملاحظہ کریں کس قدر بے باکی سے تھانوی کی بیوی کو اماں عائشہ قرار دے رہے ہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

(رد اعتراضات،ص ۳۰۰،۳۰۱)

جواب: یہ ایک خواب کا واقعہ ہے اور خواب میں کسی کو بھی کسی بزرگ ہستی کی صورت میں دیکھا جاسکتا ہے ہم نے خوابوں سے متعلق جلد اول میں تفصیل سے وضاحت کر دی۔

اس کی تعبیر خود کتاب میں موجود ہے کہ:

''کسی کا حضرت عائشہؓ کہنا اشارہ ہے وراثت فی بعض الاوف کی طرف''(حکیم الامت،ص ۵۰۰)

ذرا اپنے گھر کا حال بھی ملاحظہ ہو

جناب الیاس عطاری صاحب لکھتے ہیں:

''میری عمر اس وقت تیرہ برس تھی میری سوتیلی والدہ کا ذہنی توازن خراب ہوگیا تھا۔۔۔ میرے والد صاحب میری والدہ کو زنجیروں میں جکڑ کر جوں توں پیلی بھیت سے بریلی شریف لائیے والدہ محترمہ مسلسل گالیاں بکے جارہی تھیں۔۔۔ والدہ بدستور گرج کر بولیں بڑے آئے بہتری کرنے والے جو چاہتی ہوں وہ بہتری کردو گے؟ فرمایا ان شاء اللہ عزوجل والدہ نے کہا:

''مولا علی مشکل کشا کرم اللہ وجہہ الکریم کا دیدار کروادو''

یہ سنتے ہی اعلی حضرت نے اپنے شانہ مبارک سے چادر اتار کر اپنے چہرہ مبارک پر ڈالی اور معا (یعنی فورا) ہٹالی اب ہماری نظروں کے سامنے اعلی حضرت۔۔۔ نہیں بلکہ مولا علی مشکل کشا اپنا نورانی چہرہ چمکاتے ہوئے کھڑے تھے ہماری بوڑھی والدہ نہایت سنجیدگی کے ساتھ جلووں میں گم تھیں میں نے اور والدہ محترمہ نے خوب جی بھر کر جاگتی آنکھوں سے مولا علی مشکل کشا کرم اللہ وجہہ الکریم کی زیارت کی پھر مولا علی مشکل کشا نے اپنی چادر مبارک اپنے چہرے پر ڈال کر ہٹائی تو اب اعلی حضرت ہمارے سامنے متبسم کھڑے تھے''۔

(بریلوی سے مدینے سمیت ۱۲ رضوی حکایات،ص ۱۲تا۱۶)

(فیضان اعلی حضرت،ص ۴۲۴)

اس گستاخانہ اور جھوٹی حکایت پر عنوان لگایا گیا ہے:

"مشکل کشا کا دیدار" معاذ اللہ

کیوں جناب کہاں وہ بے ڈھنگا احمد رضا خان اور کہاں خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔ آنجناب کے مجدد دین وملت حالت بیداری میں صحابی رسول ﷺ بن جائے تو کرامت اور حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کی زوجہ محترمہ اگر کسی کو خواب میں صحابیہ رسول ﷺ کی صورت میں نظر آجائے تو اعتراض؟ یہ کیا دوغلی پالیسی ہے؟

ایک کرسچن الیاس عطاری کی مریدنیوں کو دیکھ کر کہتی ہے:

ان کا سنتوں کے سانچے میں ڈھلا کردار اور چہرے سے تقدس کا جھلکتا نور دیکھ کر مجھے ان میں عجیب کشش محسوس ہوئی انہیں دیکھ کر مجھے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا یاد آجاتیں"۔

(۲۵ کرسچن کا قبول اسلام۔ص ۱۲)

کیوں جناب کہاں طیبہ طاہرہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور کہاں ٹی وی موویاں دیکھنی والی الیاس عطاری کی بے ڈھنگی مریدنیاں؟ بقول آپ کے یہ تھوڑی کہا ہے کہ وہ مریدنی حضرت مریم کی طرح ہیں لیکن سوال یہ ہے کہ اگر بی بی مریم کی طرح نہیں ہیں تو بی بی مریم یاد کیوں آئیں؟ رہی یہ بات کہ جس وقت یہ کہا اس وقت کرسچن تھی تو ہم نے کرسچن کی بات نہیں کی الیاس عطاری کی مریدنی بننے کے بعد کونسا موحدہ ہوگئیں؟ استدلال تو الیاس عطاری کو اسے اپنی حمایت میں نقل کرنے پر ہے الیاس عطاری کو اس پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ وہ اسے اپنے حق میں درست سمجھتے ہوئے نقل کر رہا ہے لہذا اس کی تائید اس کو حاصل ہوئی۔

تمہارے الیاس قادری نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے شاہ عالم سے کہا:

"شاہ عالم! تمہیں اپنے اسباق رہ جانے کا بہت افسوس تھا لہذا تمہاری جگہ تمہاری صورت میں تخت پر بیٹھ کر میں روزانہ سبق پڑھا دیا کرتا تھا"۔

(تذکرہ صدر الشریعہ، ص ۳۸، ۳۹ مکتبۃ المدینہ)

اگر حضور ﷺ شاہ عالم کی صورت میں عالم خواب میں نہیں عالم بیداری میں آجائے تو یہ شاہ عالم کی عظمت اور خواب میں حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شکل میں کوئی آجائے تو گستاخی؟ یا للعجب کچھ تو شرم وحیاء کرو۔ اپنے مولوی کے یہ اشعار بھی پڑھو اپنے پیر کے بارے میں:

"تفسیر والضحی ہے تجلی فرید کا
تصویر مصطفی ہے نظارا فرید کا

(دیوان محمدی، ص ۱۷۴)

وہی جلوہ جو فاراں پر ہوا احمد کی صورت میں
اسی جلوے کو پھر عریاں کیا مٹھن کی گلیوں میں

(دیوان محمدی، ص ۱۹۱)

جو محمد میں فنا ہو کے محمد نہ بنے

کیوں اسے دار پر لٹکائیں شریعت والے

(دیوان محمدی ،ص ۱۹۶)

اگر رتی برابر شرم وحیاء ہے تو لگا ؤ اپنے اس مولوی پر بھی کوئی فتوی ۔

(اعتراض ۱۳۷:) سنی تحریک کے کرتوت بجواب سپاہ صحابہ کے کرتوت

اس کے بعد موصوف نے ماہنامہ حق چار یار کے چند حوالہ جات پیش کیئے اس وقت ماہنامہ ہمارے پیش نظر نہیں اگر ایسی کوئی بات ہو بھی تو ایک انتظامی امور پر اختلاف کی وجہ سے ہوگی معترض کو پہلے اپنے گھر کی خبر لینی چاہیئے ۔

(۱) سنی تحریک پر شاہد غوری گروپ قابض ہے ثروت اعجاز قادری جرات مندانہ فیصلہ کرتے تو آج سنی تحریک تباہی کے دہانے پر نہ پہنچتی بلال قادری کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم سنی تحریک کو بھتہ اور قبضہ مافیا سے آزاد کرائیں گے ۔ان خیالات کا اظہار سنی تحریک کے سکھر سٹی کے کنوینر مولانا شہزاد خرم قادری نے ایک ہنگامی اجلاس سے کیا ۔دریں اثناء سنی تحریک خیر پور کی ضلعی قیادت ضلعی کنوینر وحید شہزاد مولانا شاہد جمال قاسمی ،طاہر قادری ،اور کلیم قادری نے اپنے ضلعی دفتر میں ہنگامی پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ سنی تحریک کے سربراہ ثروت اعجاز قادری شاہد غوری کی بلیک میلنگ میں آ کر غلط فیصلے کر رہے ہیں ہم سنی تحریک کو بھتہ مافیا اور قبضہ مافیا سے آزاد کرائیں گے ۔

(روزنامہ دنیا کراچی ،ص ۱۱،نومبر ۱۳، ۲۰۱۳)

(۲) سنی تحریک میں دھڑا بن گیا علماء سے تنظیم بچانے کی اپیل موجودہ قیادت کی کوئی تنظیمی و قانونی حیثیت نہیں علامہ خضر الاسلام، ۱۳ اپریل کو سپریم کونسل نے ثروت اعجاز قادری کو کابینہ سمیت معطل کر دیا ۔۔لیکن خود ساختہ قائدین دھونس دھاندلی کے ذریعہ تا حال اپنی کرسیوں پر براجمان ہیں موجودہ قیادت اوچھے ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہے ہم موجودہ قیادت کو متنبہ کرتے ہیں کہ آج کے بعد ہمارے کسی ساتھی کو کچھ ہوا تو اس کی ذمہ دار موجودہ قیادت ہوگی ۔بلال سلیم گروپ ۔(روزنامہ ایکسپریس ۱۲دسمبر ۲۰۱۳)

(۳) سنی تحریک میں اختلاف شدید ناراض گروپ منظم ہونے لگا ۔(امت ۲۶ نومبر ۲۰۱۳)

(۴) سنی تحریک کے ٹارگٹ کلر نے ۱۰ قتل کا اعتراف کر لیا بھتہ خوری اور ٹارگٹ کلنگ کیلئے الگ ٹیمیں بنا رکھی تھیں بھتہ سے انکار کرنے والوں کی فہرست بنائی جاتی پھر قتل کر دیا جاتا ۔(امت ،۱۹فروری ۲۰۱۵)

(۵) رینجرز کا سنی تحریک کے مختلف دفاتر پر چھاپا بھاری غیر قانونی اسلحہ برآمد کئی افراد گرفتار ۔(روزنامہ جسارت و ایکسپریس ۱۲ ستمبر ۲۰۱۱)

(۶) حساس اداروں نے دہشت گرد جماعتوں کے خلاف کاروائی کیلئے حکومت سے اجازت طلب کر لی سنی تحریک شامل ۔(روزنامہ جنگ ۸ جولائی ۲۰۱۱)

(۷) مری سے سنی تحریک کے ٹارگٹ کلرز گرفتار ثروت اعجاز قادری کا احتجاج مرکز سے ٹارگٹ کلنگ اور بھتہ خوری پر ہر ماہ ۳۰ ہزار روپے ملتے ہیں گرفتار کارکنان کا انکشاف ۔(روزنامہ ایکسپریس ،۲۲، ۲۳ ستمبر)



دفاع اهل السنّة والجماعة

باب ششم

علمائے اہل سنت پر ”قادیانیت“ کا الزام اور اس کا جواب

مؤلف

مناظر اہل سنت

حضرت مولانا ساجد خان نقشبندی حفظہ اللہ

باہتمام

حضرت غازی مفتی ندیم صاحب زید مجدہ

شعبہ نشر و اشاعت

جمعیۃ اہل السنۃ والجماعۃ

باب ششم

علمائے اہلِ سنّت پر ’’قادیانیت نوازی‘‘ کاالزام اوراس کاجواب

معترض موصوف خداخوفی سے بےنیاز ہوکر لکھتے ہیں:

’’آج دیوبندی ردقادیانیت کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں جوکہ صریح ان کی دھوکہ دہی ہے اس لئے کہ اکابردیوبند نے قادیانیت نوازی کاپوراپوراثبوت دیا ہے۔اب ہم اس کو بالدلائل ثابت کریں گے۔انشاء اللہ تعالیٰ‘‘۔

(دیوبندیت کے بطلان کاانکشاف،ص۱۲۱)

اب اس کے مقابلے میں ذراایک نظراس تاریخ پربھی ڈال لیں اور انصاف سے جواب دیں کہ کیامعاذ اللہ قادیانیت نواز اس طرح رد قادیانیت کرتے ہیں؟

علماءدیوبنداورتحفظ عقیدۂ ختم نبوّت

علمائے دیوبندکی جانب سے قادیانیوں کے خلاف کچھ فتویٰ جات

قادیانیوں کے خلاف پہلافتویٰ:

مرزاغلام احمدقادیانی نے جب پر پرزے نکالے۔جماعت سازی کے لئے ۱۳۰۱ھ مطابق ۱۸۸۴ء میں لدھیانہ آیا تو مولانا محمد لدھیانویؒ،مولاناعبداللہ لدھیانویؒ اورمولانامحمداسمٰعیل لدھیانویؒ نے فتویٰ دیاکہ مرزاغلام احمدقادیانی مجدّدنہیں بلکہ زندیق اورملحد ہے۔

(فتاویٰ قادریہ ص۳)

اللہ رب العزت کاکرم تودیکھئے! سب سے پہلے دیوبندمکتبہ فکرکے علمائے کرام کی جماعت کومرزاغلام احمدقادیانی پرکفرکافتویٰ دینے کی توفیق ہوئی۔یہ مولانامحمدلدھیانویؒ معروف احرار رہنمامولاناحبیب الرحمن لدھیانویؒ کے دادا تھے۔ان حضرات کافتویٰ مرزاقادیانی کے کفرکوالمنشرح کرنے کے لئے کھڑے پانی میں پتھرپھینکنے کے مترادف ہوا۔اس کی لہریں اٹھیں۔حالات نے انگڑائی لی پھر:

لوگ ملتے گئےاورکارواں بنتاگیا

یہ اس زمانہ کی بات ہے جب مولانامحمدحسین بٹالوی وغیرہ مرزاقادیانی کی کتب پرمثبت رائے کااظہارکررہے تھے۔۱۸۹۰ء میں انہوں نے بھی مرزاقادیانی کے خلاف فتویٰ دیا۔مرزاقادیانی نے انگریزکے ایماپررسائل وکتب شائع کیں۔ہندوستان کے علمائے کرام حسب ضرورت اس کی تردیدمیں کوشاں رہے۔قارئین کویہ جان کرخوشی ہوگی کہ باضابطہ فتویٰ مرتب کرکے متحدہ ہندوستان کے تمام سرکردہ جید علمائے کرام سے فتویٰ لینے کی سعادت بھی اللہ تعالیٰ نے دیوبندکونصیب فرمائی۔

دارالعلوم دیوبندکے مدرس مولانامحمدسہولؒ نے ۱۲؍صفر۱۳۳۱ھ کوفتویٰ مرتب کیاکہ:

۱......مرزاغلام احمدقادیانی مرتد،زندیق،ملحداورکافرہے۔

۲......یہ کہ اس کے ماننے والوں سے اسلامی معاملہ کرنا شرعاً ہر گز درست نہیں۔مسلمانوں پر لازم ہے کہ مرزائیوں کو سلام نہ کریں۔ان سے رشتہ ناتہ نہ کریں۔ان کا ذبیحہ نہ کھائیں۔جس طرح یہود، ہنود، نصاریٰ سے اہل اسلام مذہباً علیحدہ رہتے ہیں۔اسی طرح مرزائیوں سے بھی علیحدہ رہیں۔جس طرح بول و براز، سانپ اور بچھو سے پرہیز کیا جاتا ہے۔اس سے زیادہ مرزائیوں سے پرہیز کرنا شرعاً ضروری اور لازمی ہے۔

۳......مرزائیوں کے پیچھے نماز پڑھنا ایسے ہے۔جیسے یہود و نصاریٰ اور ہندو کے پیچھے نماز پڑھنا۔

۴......مرزائی مسلمانوں کی مساجد میں نہیں آسکتے۔مرزائیوں کو مسلمانوں کی مساجد میں عبادت کی اجازت دینا ایسے ہے۔جیسے ہندوؤں کو مسجد میں پوجا پاٹ کی اجازت دینا۔

۵......مرزا غلام احمد قادیانی، قادیان (مشرقی پنجاب ہندوستان) کا رہائشی تھا۔اس لئے اس کے پیروکاروں کو''قادیانی''یا''فرقہ غلامیہ''بلکہ جماعت شیطانیہ ابلیسیہ کہا جائے۔

اس فتویٰ پر دستخط کرنے والوں میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد حسنؒ، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ، مولانا عبدالسمیع، حضرت مفتی عزیز الرحمن دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا اعزاز علی دیوبندیؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمن ایسے دیگر اکابر علمائے کرام شامل تھے جن کا تعلق دیوبند، سہارنپور، دہلی، کلکتہ، ڈھاکہ، پشاور، رام پور، راولپنڈی، ہزارہ، مراد آباد، وزیر آباد، ملتان اور میانوالی وغیرہ سے تھا۔آپ اس سے اندازہ کر سکتے ہیں کہ کتنا وقیع اور جاندار فتویٰ تھا۔آج سو سال کے بعد جبکہ قادیانیت کا کفر عیاں وعریاں ہے۔بایں ہمہ اس فتویٰ میں ذرہ برابر زیادتی کرنا ممکن نہیں۔ان اکابر نے سوچ سمجھ کر اتنا جاندار فتویٰ مرتب کیا۔اس میں تمام جزئیات کو شامل کر کے اتنا جامع بنا دیا کہ ایک صدی گزرنے کے باوجود اس کی آب وتاب وجامعیت جوں کی توں باقی ہے۔

اس کے بعد ۱۳۳۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے ایک فتویٰ جاری ہوا جس میں قادیانیوں سے رشتہ ناتہ کو حرام قرار دیا گیا تھا۔یہ فتویٰ حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب کا مرتب کردہ ہے۔اس پر دیوبند سے حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ، حضرت مولانا رسول خانؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندہلویؒ، حضرت مولانا گل محمد خانؒ، سہارنپور سے مظاہر العلوم کے مہتمم حضرت مولانا عنایت الٰہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت مولانا عبدالرحمن کامل پوریؒ، حضرت مولانا عبداللطیفؒ، حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ، تھانہ بھون سے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ، رائے پور سے حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، دہلی سے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ، غرض کلکتہ، بنارس، لکھنؤ، آگرہ، مراد آباد، لاہور، امرتسر، لدھیانہ، پشاور، راولپنڈی، ملتان، ہوشیار پور، گورداسپور، جہلم، سیالکوٹ، گوجرانوالہ، حیدر آباد دکن، بھوپال، رام پور، وغیرہ سے سینکڑوں علمائے کرام کے دستخط ہیں۔اس فتویٰ کا نام''فتویٰ تکفیر قادیان''ہے۔یہ کتب خانہ اعزازیہ دیوبند سے شائع ہوا۔

قادیانیوں کے خلاف مقدمات

حضرات علمائے دیوبند کی مساعی جمیلہ کے صدقے پوری امت کے تمام مکاتب فکر قادیانیوں کے خلاف صف آرا ہو گئے تو پورے متحدہ ہندوستان میں قادیانیوں کا کفر امت محمدیہؐ پر آشکارا ہوا۔یوں تو ہندوستان کی مختلف عدالتوں نے قادیانیوں کے خلاف فیصلے دیئے۔

ماریشس تک کی عدالتوں کے فیصلہ جات قادیانیوں کے خلاف موجود ہیں۔لیکن سب سے زیادہ جس مقدمہ نے شہرت حاصل کی اور جو ہر عام وخاص کی توجہ کا مرکز بن گیا وہ "مقدمہ بہاولپور" ہے۔علمائے بہاولپور کی دعوت پر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ، حضرت مولانا ابوالوفا شاہجہانپوریؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ ایسے اکابر علمائے دیوبند نے بہاولپور ایسے دورافتادہ شہر آ کر کیس کی وکالت کی۔اس مقدمہ کی ۱۹۲۶ء سے لے کر ۱۹۳۵ء تک کارروائی چلتی رہی۔اس مقدمہ میں جج نے قادیانیت کے کفر پر عدالتی مہر لگا کر قادیانیت کے وجود میں ایسی کیل ٹھونکی جس سے قادیانیت بلبلا اٹھی۔سپریم کورٹ کے تمام فیصلوں کی بنیاد یہی فیصلہ ہے جس کی کامیابی میں فرزندان دیوبند سب سے نمایاں ہیں۔فالحمدللہ اوّلاً وآخراً۔

قادیانیت کا جماعتی سطح پر احتساب

فرد کا مقابلہ فرد اور جماعت کا مقابلہ جماعت ہی کر سکتی ہے۔چنانچہ مارچ ۱۹۳۰ء کو لاہور میں انجمن خدام الدین کے سالانہ اجتماع میں جو حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کی دعوت پر منعقد ہوا تھا۔ملک بھر سے پانچ سو علمائے کرام کے اجتماع میں امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ نے حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو "امیر شریعت" کا خطاب دیا اور قادیانیت کے محاذ کی ان پر ذمہ داری ڈالی۔اس وقت قادیانیت کے خلاف افراد اور اداروں کی محنت میں دارالعلوم دیوبند کا کردار قابل رشک تھا۔ندوۃ العلماء لکھنؤ کے بانی حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ تو گویا تکوینی طور پر محاذ ختم نبوت کے انچارج تھے۔قادیانیوں کے خلاف ان کا اور مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ کا وجود ہندوستان کی دھرتی پر درۂ عمرؓ کی حیثیت رکھتا تھا۔اب جماعتی سطح پر قادیانیوں کے احتساب کے لئے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی ڈیوٹی لگی۔آپ نے مجلس احرار اسلام ہند میں مستقل شعبہ تبلیغ قائم کر دیا۔جمعیۃ علمائے ہند اور دارالعلوم دیوبند کی پوری قیادت کا ان پر اس سلسلہ میں بھرپور اعتماد تھا۔حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ ایسے مقبولانِ بارگاہِ الٰہی نے سرپرستی سے سرفراز فرمایا۔

قادیان کانفرنس

اللہ رب العزت کے فضل وکرم سے مجلس احرار اسلام ہند نے ۲۰، ۲۱، ۲۲/اکتوبر ۱۹۳۴ء کو قادیان میں کانفرنس کا انعقاد کیا۔اس میں ان اکابر ملت نے قادیانیت کا مقابلہ کیا۔فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیاتؒ، حضرت مولانا عنایت علی چشتیؒ، ماسٹر تاج الدین انصاریؒ، حضرت مولانا رحمت اللہ مہاجر مکیؒ وغیرہ ان سب حضرات نے قادیان میں رہ کر قادیانیت کو ناکوں چنے چبوائے۔اللہ تعالیٰ کے کرم کے فیصلوں کو دیکھئے کہ یہ سب حضرات خانوادۂ دیوبند سے تعلق رکھتے تھے۔اس کانفرنس میں علمائے کرام نے ملک کے چپہ چپہ میں قادیانی عقائد وعزائم کی قلعی کھولنے کی ایک لہر پیدا کر دی۔

قادیان سے ربوہ تک

مختصر یہ کہ ان اکابر کی قیادت میں امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور "مجلس احرار اسلام" کے سرفروشوں نے اپنی شعلہ بار خطابت کے ذریعے انگریز اور انگریز کی ساختہ پرداختہ قادیانی نبوت کے خرمن خبیثہ کو پھونک ڈالا۔تا آنکہ ۱۹۴۷ء میں انگریزی اقتدار رخت سفر باندھ کر رخصت ہوا تو برصغیر کی تقسیم ہوئی اور پاکستان منصہ شہود پر جلوہ گر ہوا۔اس تقسیم کے نتیجہ میں قادیانی نبوت کا منبع خشک ہو گیا اور قادیان کی منحوس بستی دارالکفر اور دارالحرب ہندوستان کے حصہ میں آئی۔قادیانی خلیفہ اپنی "ارض حرم" اور "مکۃ المسیح" (قادیان) سے برقعہ

پہن کر فرار ہوا اور پاکستان میں ربوہ (اب چناب نگر) کے نام سے نیا دارالکفر تعمیر کرنے کے بعد شاہوار نبوت کی ترکتازیاں دکھانے اور پورے ملک کو مرتد کرنے کا اعلان کرنے لگا۔

قیام پاکستان کے بعد

قادیانیوں کو یہ غلط فہمی تھی کہ پاکستان کے ارباب اقتدار پر ان کا تسلط ہے۔ ملک کے کلیدی مناصب ان کے قبضے میں ہیں۔ پاکستان کا وزیر خارجہ ظفر اللہ خان خلیفہ قادیان (حال ربوہ) کا ادنیٰ مرید ہے۔ اس لئے پاکستان میں مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت کا جعلی سکہ رائج کرنے میں انہیں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ ان کی امید افزائی کا خاص پہلو یہ بھی تھا کہ ’’احرار اسلام‘‘ کا قافلہ تقسیم ملک کی وجہ سے بکھر چکا تھا۔ تنظیم اور تنظیمی وسائل کا فقدان تھا اور پھر ’’احرار اسلام‘‘ ناخدایان پاکستان کے دربار میں معتوب تھے۔ اس لئے قادیانیوں کو غرہ تھا کہ اب حریم نبوت کی پاسبانی کے فرائض انجام دینے کی کسی کو ہمت نہیں ہوگی۔ لیکن وہ یہ بھول گئے تھے کہ حفاظت دین اور ’’تحفظ ختم نبوت‘‘ کا کام انسان نہیں کرتے خدا کرتا ہے اور وہ اس کام کے لئے خود ہی رجال کار بھی پیدا فرما دیتا ہے۔

مجلس تحفظ ختم نبوت

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ان کے رفقاء قادیانیوں کے عزائم سے بے خبر نہیں تھے۔ چنانچہ جدید حالات میں قادیانیت کے خلاف کام کرنے کا لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے ملتان کی ایک چھوٹی سی مسجد ’’مسجد سراجاں‘‘ (۱۹۴۹ء) میں ایک مجلس مشاورت ہوئی۔ جس میں امیر شریعتؒ کے علاوہ مجاہد ملت حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ، خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا عبدالرحمن میانویؒ، مولانا تاج محمودؒ اور مولانا محمد شریف جالندھریؒ شریک ہوئے۔ غور وفکر کے بعد ایک غیر سیاسی تبلیغی تنظیم ’’مجلس تحفظ ختم نبوت‘‘ کی بنیاد رکھی گئی اور اس کا ابتدائی میزانیہ ایک روپیہ یومیہ تجویز کیا گیا۔ چنانچہ صدر المبلغین کی حیثیت سے فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیات صاحبؒ کو، جو قادیان میں شعبہ تبلیغ احرار اسلام کے صدر تھے۔ ملتان طلب کیا گیا۔ ان دنوں مسجد سراجاں ملتان کا چھوٹا سا حجرہ مجلس تحفظ ختم نبوت کا مرکزی دفتر تھا۔ وہی دار المبلغین تھا۔ وہی دار الاقامہ تھا۔ وہی مشاورت گاہ تھی اور یہی چھوٹی سی مسجد اس عالمی تحریک ’’مجلس تحفظ ختم نبوت‘‘ کا ابتدائی کنٹرول آفس تھا۔ شہید اسلام حضرت زیدؓ کے بقول: ’’وذلك فى ذات الاله وان يشاء يبارك على اوصال شلو ممزع‘‘

حق تعالیٰ شانہ نے اپنی قدرت کاملہ سے اس نحیف وضعیف تحریک میں ایسی برکت ڈالی کہ آج اس کی شاخیں اقطار عالم میں پھیل چکی ہیں اور اس کا مجموعی میزانیہ لاکھوں سے متجاوز ہے۔

قیادت باسعادت

’’مجلس تحفظ ختم نبوت‘‘ کو یہ سعادت ہمیشہ حاصل رہی ہے کہ اکابر اولیاء اللہ کی قیادت وسرپرستی اور دعائیں اسے حاصل رہی ہیں۔ حضرت اقدس رائے پوریؒ آخری دم تک اس تحریک کے قائد وسرپرست رہے۔ ان کے وصال کے بعد حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ، حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ، حضرت مولانا عبداللہ درخواستیؒ اور حضرت مولانا خان محمد صاحبؒ خانقاہ سراجیہ کندیاں۔ اس کے سرپرست ہیں ’’مجلس تحفظ ختم نبوت‘‘ کے بانی اور امیر اول امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ تھے۔ امیر شریعتؒ کی وفات ۱۹۶۱ء میں ہوئی۔ خطیب

پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ ان کے جانشین مقرر ہوئے۔ان کے وصال کے بعد حضرت مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھریؒ کو امارت سپرد کی گئی۔ان کے وصال کے بعد مناظر اسلام مولانا لال حسین اخترؒ امیر مجلس ہوئے۔مولانا لال حسین اخترؒ کے بعد عارضی طور پر فاتح قادیان حضرت مولانا محمد حیات صاحبؒ کو مسند امارت تفویض ہوئی۔مگر اپنے ضعف وعوارض کی بناء پر انہوں نے اس گراں باری سے معذرت کا اظہار فرمایا۔یہ ایک ایسا بحران تھا کہ جس سے اس عظیم الشان تحریک کی پیش قدمی رک جانے کا اندیشہ لاحق ہوگیا تھا۔لیکن حق تعالیٰ شانہ کا وعدہ حفاظت دین یکا یک ایک ایسی ہستی کو اس منصب عالی کے لئے کھینچ لایا جو اپنے اسلاف کے علوم وروایات کی امین تھی اور جس پر ملت اسلامیہ کو بجا طور پر فخر حاصل تھا۔میری مراد شیخ الاسلام حضرت العلامہ مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ سے ہے۔

تحفظ ختم نبوت اور رد قادیانیت' امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی وراثت وامانت تھی اور اس کا اہل علوم انوری کے وارث حضرت شیخ بنوری سے بہتر اور کون ہوسکتا تھا؟ چنانچہ حضرت امیر شریعت قدس سرہ کی امارت خطیب پاکستان مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ کی خطابت' مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری نور اللہ مرقدہ کی ذہانت' مناظر اسلام مولانا لال حسین اخترؒ کی رفاقت' حضرت شیخ الاسلام مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کی بلندئ عزم نے نہ صرف مجلس تحفظ ختم نبوت کی عزت وشہرت کو چار چاند لگا دیئے۔بلکہ ان حضرات کی قیادت نے قصر قادیانی پر اتنی ضرب کاری لگائی کہ قادیانی تحریک کے بانی مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر کذب وافتراء کی آئینی مہر لگ گئی۔

غیر سیاسی جماعت

''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کا مقصد تاسیس' عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت اور امت مسلمہ کو قادیانی الحاد سے بچانا تھا۔اس کے لئے ضرورت تھی کہ جماعت خارزار سیاست میں الجھ کر نہ رہ جائے۔ چنانچہ جماعت کے دستور میں تصریح کردی گئی کہ جماعت کے ذمہ دار ارکان سیاسی معرکوں میں حصہ نہیں لیں گے۔کیونکہ سیاسی میدان میں کام کرنے کے لئے دوسرے حضرات موجود ہیں۔اس لئے ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کا دائرہ عمل دعوت وارشاد' اصلاح وتبلیغ اور رد قادیانیت تک محدود رہے گا۔اس فیصلے سے دو فائدے مقصود تھے۔

۞ ایک یہ کہ: ''جماعت تحفظ ختم نبوت'' کا پلیٹ فارم تمام مسلمانوں کا اجتماعی پلیٹ فارم رہے گا اور عقیدہ ختم نبوت کا جذبہ اہل اسلام کے اتحاد واتفاق اور ان کے باہمی ربط تعلق کا بہترین ذریعہ ثابت ہوگا۔''

۞ دوم یہ کہ: ''مجلس تحفظ ختم نبوت'' کا ارباب اقتدار سے یا کسی اور سیاسی جماعت سے تصادم نہیں ہوگا۔اور امت مسلمہ کا اجتماعی عقیدۂ ختم نبوت اطفال سیاست کا کھلونا بننے سے محفوظ رہے گا۔''

امام العصر علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

1857 کی جنگ آزادی میں برطانوی سامراج کے خلاف جہاد اور اسکی فرضیت پر علماء امت نے متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں کو مجتمع کیا' فرضیت جہاد پر مسلمانان ہند کی اطاعت سے انگریز سامراج تڑپ اٹھا۔مرزا کے کھڑا کرنے کا بنیادی مقصد اور غرض وغایت ہی یہ تھی کہ یہ مار آستین فرضیت جہاد کے خلاف محاذ کھڑا کردے۔ یہی وہ پس منظر تھا کہ مرزا قادیانی نے جب اپنے آپ کو گورنمنٹ برطانیہ کا خود کاشتہ پودا قرار دیا تو اسلام دشمن قوتوں نے اس کو بھرپور تقویت دینے کی ٹھان لی اور فتنہ قادیانیت کھڑا ہوا۔

اس طوفان بدتمیزی کو دیکھ کر وقت کے دینی علماء امت گھروں اور مسجدوں میں نہیں بیٹھے بلکہ میدان میں اتر کر طاغوت سے نبرد آزما

ہوئے ۔اکابر امت اسلام مخالف قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہوئے ۔برصغیر کے ناموَر علماء کرام کے دستخط کروا کر قادیانیوں کے کفر پر مہر ثبت کر دی ۔اسی دوران ملت اسلامیہ کے دو عظیم سپوتوں زہے نصیب کہ دونوں عدیم النظیر شخصیات کا تعلق کشمیر سے تھا نے مرزائیت ،قادیانیت کو چاروں شانے چت کر دیا۔پہلی عدیم النظیر شخصیت امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ مسند تدریس پر رونق افروز ہو کر عالم اسلام کو علم دین کی روشنی سے منور کر دیا،قادیانیت کے خلاف آخری سانس تک برسر پیکار رہے اور ناموس رسالت کا جھنڈا چار دانگ عالم بلند کیا۔امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ علم حدیث میں عدیم النظیر محدث تھے،علوم فقہ میں فقیہ اعظم،اتباع شریعت میں صلحائے سلف کا نمونہ تھے،تو معرفت الٰہی میں جنید وقت اور شبلی عصر،ان کا وجود شریعت کے لئے موجب تقویت تھا۔اسلامی دنیا نے اس قدر وسیع العلم اور باعمل علما بہت کم پیدا کئے ہیں،امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اگر ایک طرف اپنے معاصرین میں تبحر علمی کے لحاظ سے عدیم النظیر تھے تو دوسری جانب زہد و تقوی میں بھی ان کی ذات بے مثل تھی،وہ ایک باکمال مفسر،محدث اور فلسفی تھے،آدمی میں ایک کمال کا ہونا بھی کم نہیں ہوتا،مگر ان کی دستار کمال میں متعدد لعل آویزاں تھے،حقیقت یہ ہے کہ ان کے وجود سے علمی دنیا میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا تھا، تشنگان علوم کی جس کثیر تعداد نے اس بحر العلوم سے سیرابی حاصل کی وہ اپنی مثال آپ ہے،مشرق وسطی سے لیکر چین تک ان کے فیضان علم کا سیلاب موجیں مارتا رہا،اور ہند و بیرون ہند کے ہزاروں تشنگان علوم نے اس سے اپنی پیاس بجھائی،غیر منقسم ہندوستان،عرب،ایران، عراق،افغانستان،چین،مصر،جنوبی افریقہ،انڈونیشیا اور ملیشیا میں بکثرت آپ کے تلامذہ پھیلے ہوئے ہیں ۔امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب قادیانی فتنہ کھڑا ہوا تو چھ مہینے تک مجھے نیند نہیں آئی اور یہ خطرہ لاحق ہو گیا کہ کہیں یہ فتنہ دین محمدی کے زوال کا باعث نہ بن جائے،مگر ہماری جہد مسلسل کے بعد چھ ماہ کے بعد دل مطمئن ہو گیا کہ دین محمدی باقی رہیگا اور یہ فتنہ خود بخود ختم ہو جائے گا۔

تحصیل احمد پور شرقیہ ریاست بہاولپور میں ایک شخص مسمی عبدالرزاق مرزائی ہو کر مرتد ہو گیا اس کی منکوحہ غلام عائشہ بنت مولوی الٰہی بخش نے سن بلوغ کو پہنچ کر 24 جولائی 1926 کو فسخ نکاح کا دعوی احمد پور شرقیہ کی مقامی عدالت میں دائر کر دیا جو 1931 تک ابتدائی مراحل طے کر کے پھر 1932 میں ڈسٹرکٹ جج بہاولپور کی عدالت میں بغرض شرعی تحقیق واپس ہوا۔آخر کار 7 فروری 1935 کو فیصلہ بحق مدعیہ صادر ہوا۔ بہاولپور ایک اسلامی ریاست تھی،اس کے والی نواب جناب صادق محمد خاں خامس عباسی مرحوم ایک سچے مسلمان تھے ۔اس مقدمہ کی پیروی اور امت محمدیہ کی طرف سے نمائندگی کے لئے سب کی نگاہ ۔امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ پر پڑی ،مولانا غلام محمد صاحب کی دعوت پر اپنے تمام تر پروگرام منسوخ کر کے امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ بہاولپور تشریف لائے تو فرمایا کہ جب یہاں سے بلاوا آیا تو میں ڈابھیل کے لے بارکاب تھا مگر میں یہ سوچ کر یہاں چلا آیا کہ ہمارا نامہ اعمال تو سیاہ ہے ہی شاید یہی بات مغفرت کا سبب بن جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جانبدار بن کر بہاولپور آیا تھا،اگر ہم ختم نبوت کی حفاظت کا کام نہ کریں تو گلی کا کتا بھی ہم سے اچھا ہے ۔ان کے تشریف لانے سے پورے ہندوستان کی توجہ اس مقدمہ کی طرف مبذول ہو گئی،بہاولپور میں علم کی موسم بہار شروع ہو گئی ۔ اس سے مرزائیت کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی ۔انہوں نے بھی ان حضرات علماء کی آہنی گرفت اور احتسابی شکنجے سے بچنے کیلئے ہزاروں جتن کئے ۔۔امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کے ایمان افروز اور کفر شکن بیانات ہوئے ۔مرزائیت بوکھلا اٹھی ۔امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ جلال و جمال کا حسین امتزاج تھے،جمال میں آ کر قرآن وسنت کے دلائل دیتے تو عدالت کے در و دیوار جھوم اٹھتے اور جلال میں آ کر مرزائیت کو للکارتے تو کفر کے ایوانوں میں زلزلہ طاری ہو جاتا،مولانا ابوالوفا شاہجہان پوری نے اس مقدمہ میں مختار مدعیہ

کے طور پر کام کیا۔ایک دن عدالت میں ۔امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے جلال الدین شمس مرزائی کو للکار کر فرمایا کہ اگر چاہو تو میں عدالت میں یہیں کھڑے ہو کر دکھا سکتا ہوں کہ مرزا قادیانی جہنم میں جل رہا ہے مرزائی کانپ اٹھے۔مسلمانوں کے چہروں پر بشاشت چھا گئی اور اہل دل نے گواہی دی کہ عدالت میں انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ علیہ نہیں بلکہ حضور سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا نمائندہ بول رہا ہے۔

امام العصر علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ اس فیصلہ کے لیے اتنے بے تاب تھے کہ بیانات کی تکمیل کے بعد جب بہاولپور سے جانے لگے تو مولانا محمد صادق مرحوم سے فرمایا کہ اگر زندہ رہا تو فیصلہ خود سن لوں گا اور اگر فوت ہو جاؤں تو میری قبر پر آ کر یہ فیصلہ سنا دیا جائے۔ چنانچہ مولانا محمد صادق نے آپ کی وصیت کو پورا کیا۔آپ نے آخری ایام علالت میں دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ وطلبہ اور دیگر بہت سے علماء کے مجمع میں تقریر فرمائی تھی،جس میں نہایت دردمندی و دل سوزی سے فرمایا تھا۔وہ تمام حضرات جن کو مجھ سے بلاواسطہ یا بالواسطہ تلمذ کا تعلق ہے اور جن پر میرا حق ہے کہ میں ان کو خصوصی وصیت اور تاکید کرتا ہوں کہ وہ عقیدہ ختم نبوت کی حفاظت و پاسبانی اور فتنہ قادیانیت کے قلع قمع کو اپنا خصوصی کام بنائیں اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی شفاعت فرمائیں،ان کو لازم ہے کہ ختم نبوت کی پاسبانی کا کام کریں۔

یہ مقدمہ حق و باطل کا عظیم معرکہ تھا۔جب 7 فروری 1935 کو فیصلہ صادر ہوا تو مرزائیت کے صحیح خدوخال آشکارا ہو گئے۔بلاشبہ پوری امت جناب محمد اکبر خان جج صاحب مرحوم کی مرہون منت ہے کہ انہوں نے کمال عدل وانصاف محنت وعرق ریزی سے ایسا فیصلہ لکھا کہ اس کا ایک ایک حرف قادیانیت کے تابوت میں کیل ثابت ہوا۔قادیانیوں نے اپنے نام نہاد خلیفہ مرزا البشیر کی سربراہی میں سرظفر اللہ مرتد سمیت جمع ہو کر اس فیصلہ کے خلاف اپیل کرنے کی سوچ و بچار کی لیکن آخر کار اس نتیجہ پر پہنچے کہ فیصلہ اتنی مضبوط اور ٹھوس بنیادوں پر صادر ہوا کہ اپیل بھی ہمارے خلاف جائے گی۔اللہ رب العزت کی قدرت کے قربان جائیں،کفر ہار گیا،اسلام جیت گیا۔ایک دفعہ پھر جاء الحق وزھق الباطل کی عملی تفسیر اس فیصلہ کی شکل میں امت کے سامنے آ گئی اور مرزائی فبھت الّذی کفر کا مصداق ہو گئے،اس تاریخ ساز فیصلہ نے چار دانگ عالم میں تہلکہ مچا دیا۔مرزائیوں کی ساکھ روز بروز گرنا شروع ہو گئی۔

امام العصر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کو قدرت نے قادیانیت کے خلاف سراپا تحریک بنا دیا تھا۔آپ نے اپنے شاگردوں کی ایک مستقل جماعت کو قادیانیت کے خلاف تحریری وتقریری میدان میں لگا یا تھا۔حضرت مولانا بدر عالم میرٹھیؒ،حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ،حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ،حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ،حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ،حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ،حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ،مولانا غلام اللہ خانؒ ایسے جید علمائے امت جنہوں نے قادیانیت کو ناکوں چنے چبوائے۔یہ سب حضرت کشمیریؒ کے شاگرد تھے۔دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث پر بیٹھ کر اس مردِقلندر نے اس فتنہ عمیاء قادیانیت کے خلاف محاذ قائم کیا۔جسے دیانت دار مورخ سنہرے حروف سے لکھنے پر مجبور رہے۔

تصنیفی خدمات

علماء دیوبند نے منکرین ختم نبوّت کے وساوس وشبہات کی رد میں جس قدر کتابیں لکھی ہیں،غالباً کسی مُلحدانہ تحریک پر اتنی کتابیں ورسائل نہیں لکھیں،ان اکابر نے فتنہ انکار ختم نبوت سے متعلق ہر مسئلہ پر گراں قدر علمی وتحقیقی کتابیں تالیف کر کے امت مسلمہ کی ایمان

واسلام کی حفاظت وصیانت کا بھرپور حق ادا کیا، اور منکرین کے تمام وساوس و دجل وفریب کو طشت از بام کیا۔ یہاں چند کتب کا تذکرہ کرتا ہوں:

1 = اَلشہاب، شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
2 = اَلقادیانی والقادیانیۃ، مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ
3 = ایمان وکفر، مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ
4 = اَلقولُ المحکم، مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
5 = اَئمہ تلبیس، مولانا ابوالقاسم رفیق دلاوری رحمۃ اللہ علیہ
6 = ایمان کے ڈاکو، ایضا
7 = خاتم النبیین، امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ
8 = اکفارُ الملحدین، ایضا
9 = تحیّۃ الاسلام، ایضا
10 = ختم النبوت فی القرآن، مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ
11 = ختم النبوت فی الحدیث، ایضا
12 = ختم النبوت فی الاثار، ایضا
13 = ختم نبوت اور بزرگان امت، مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ
14 = ختم نبوت اور نزول عیسی علیہ السلام، مولانا عبدالرشید رحمۃ اللہ علیہ
15 = اَلخطاب المليح فی تحقیق المهدی والمسیح، مولانا الشیخ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ
16 = عقیدۃ الاسلام، امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ
17 = حیات عیسی علیہ السلام، مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
18 = اَلمتنبی القادیانی، مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ
19 = رئیس قادیان، مولانا ابوالقاسم دلاوری رحمۃ اللہ علیہ
20 = دین مرزا، مولانا مرتضی حسن چاندپوری رحمۃ اللہ علیہ
21 = شرائط نبوت، مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
22 = دعاوی مرزا، ایضا
23 = نزول عیسی، مولانا بدر عالم میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ
24 = مسکُ الختام فی ختم النبوۃ خیر الانام، مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ
25 = مولانا نانوتوی پر مرزائیوں کا الزام، ایضا

26=مسلمان کون کافر کون، ایضا

27=مرزا کی آسان پہچان، مولانا عبد الرحیم اشعر رحمۃ اللہ علیہ

28=کفر و اسلام کی حدود، مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

29=اسلام اور مرزائیت، مولانا عتیق الرحمن رحمۃ اللہ علیہ

30=ترک مرزائیت، مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ

31=عقیدۃ الاُمّۃ فی معنیٰ ختم النبوۃ، از علامہ خالد محمود دامت برکاتہم

32=حقیقت مرزائیت، مولانا عبد الکریم رحمۃ اللہ علیہ

33=فتنۂ قادیانیت، مولانا یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ

34=اسلام اور مرزائیت، مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

35=کفریات مرزا، مولانا حافظ نور محمد مظاہری رحمۃ اللہ علیہ

36=مُغلظات مرزا، ایضا

37=مسیح علیہ السلام مرزا کی نظر میں، مولانا لال حسین اختر رحمۃ اللہ علیہ

38=آئینہ قادیانی، مولانا عبد الرحمن مونگیری رحمۃ اللہ علیہ

39=قادیانیت، مولانا ابو الحسن ندوی رحمۃ اللہ علیہ

40=علامات قیامت اور نزول مسیح علیہ السلام، مفتی رفیع عثمانی دامت برکاتہم

41=ہدایۃ المُعتدی، مولانا عبد الغنی خان رحمۃ اللہ علیہ

42=لطائف الحکم فی أسرار نزول عیسیٰ ابن مریم، مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ

43=مسئلہ ختم نبوّت علم و عقل کی روشنی میں، مولانا اسحق سندیلوی

44=أشد العذاب، مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمۃ اللہ علیہ

45=أول السبعین، ایضا

46=صحیفۃ الحق، ایضا

47=ثانی السبعین، ایضا

48=تحفہ قادیانیت، مولانا یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ

49=ألاربعین 40 احادیث عقیدۂ ختم نبوّت پر، مولانا مفتی شفیع رحمۃ اللہ علیہ

50=قادیانیت پر غور کرنے کا سیدھا راستہ، مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

یہ چند کتب کا تذکرہ بطور مثال کیا گیا، جو صرف اکابر علماء دیوبند نے تحریر کیں، اور اس باب میں صرف علماء دیوبند کی لکھی ہوئی تمام کتب کا احاطہ بھی دشوار ہے۔ حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب زید مجدہ نے مرزائیت کے خلاف تمام لٹریچر کو ''احتساب قادیانیت'' کے نام سے ٦٦

جلدوں میں جمع کر دیا، الحمدللہ ختم نبوت پرکسی زبان میں اتنا تفصیلی کام کبھی نہیں ہوا، اس کو ایک لڑی میں پرونے کا اعزاز بھی علمائے دیوبند کو ہی حاصل ہوا۔

أللّٰهم تقبّل جهودهم وجزاهم خير الجزاء وأدخلهم دار السلام

علمائے اہلسنت دیوبند کی فتنہ قادیانیت کے خلاف جدو جہد خود سرکار کی زبانی

منیر تحقیقاتی رپورٹ کو ہم اگر چہ مستند نہیں مانتے اس پر تفصیلی کلام آگے چل کر ہم کریں گے۔ مگر بریلویوں نے اسے ایک مستند عدالتی فیصلے کے طور پر علمائے اہلسنت کے خلاف پیش کیا۔ آئیے بریلویوں کی اسی مستند دستاویز کی رو سے علمائے دیوبند کی طرف سے قادیانیت کے خلاف اٹھائے جانے والے اقدامات کا ایک جائزہ پیش کر رہے ہیں۔

قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ سب سے پہلے علمائے دیوبند نے کیا

''احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ سب سے پہلے یکم مئی ۱۹۴۹ کو پنڈ داد خان کے ایک احراری جلسہ میں کیا گیا اس کے بعد سے احرار کے تمام جلسہ ہائے عام میں صرف احمدی ہی تقریر کا موضوع بن گئے''۔ (تحقیقاتی رپورٹ، ص ۳۵)

اہل بدعت یہ کریڈٹ اپنے لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں مگر ان کی محبوب رپورٹ تو کہہ رہی ہے کہ یہ کام سب سے پہلے علمائے دیوبند نے کیا۔

علمائے دیوبند قادیانیوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے

احرار کے ایک جلسہ میں مرزائیوں کے خلاف نعرے لگے: مرزائیت مردہ باد، سرظفراللہ مردہ باد، مرزا بشیر احمد مردہ باد اب ان نعروں پر رپورٹ کیا تبصرہ کرتی ہے خود ملاحظہ فرمائیں:

''اس میں شک نہیں کہ احراری لیڈر اور رکن ہماری مملکت اسلامی اور اس کے امن و امان کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور احمدیوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ان کا ظاہری مقصد تو احمدیوں کے خلیفہ اور سرظفراللہ خان کو بدنام کرنا ہے لیکن ان کا اندرونی مقصد یہ ہے کہ ہمارے ملک میں بدنظمی اور لاقانونیت پیدا کریں''۔

(تحقیقاتی رپورٹ، ص ۷۸)

قادیانیوں کی مخالفت علمائے دیوبند کی زندگی کا سب سے بڑا مقصد

''پہلا شخص جس نے خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم کی توجہ قادیانی تحریک کی سنگینی کی طرف مبذول کروائی وہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی تھا قادیانیت کی مخالفت اس شخص کی زندگی کا واحد مقصد معلوم ہوتا ہے اور وہ جہاں کہیں بھی جاتا ہے اپنے ساتھ ایک بڑا چوبی صندوق لے جاتا ہے جس میں احمدیوں کا اور احمدیوں کے خلاف لٹریچر بھرا ہوا ہوتا ہے''۔

(تحقیقاتی رپورٹ، ص ۱۹۵)

جلسوں میں کھلم کھلا مرزائیت کا ردّ

اس کے بعد احرار نے ۷ دسمبر ۱۹۴۹ کو نوشہرہ ورکاں میں اہل السنۃ والجماعۃ کے نام سے ایک جلسہ عام منعقد کیا جس میں مولوی غلام اللہ خان نے یہ کہا کہ مرزا غلام احمد دجال تھا جس کو انگریز نے مسلمانوں کے اتحاد توڑنے کی غرض سے پیدا کیا تھا۔قادیانی لوگ خصوصاً چوہدری ظفر اللہ خان پاکستان اور ملت مسلمہ کو سخت نقصان پہنچا رہے ہیں اور قادیان کیلئے کشمیر کو فروخت کرنے کی تیاری کر رہے ہیں"۔

(تحقیقاتی رپورٹ،ص ۳۶)

حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری کا جرات مندانہ اعلان

سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے بارہا کہا کہ اگر مرزا غلام احمد نے ان کی زندگی میں نبوت کا دعوی کیا ہوتا تو وہ ان کو اپنے ہاتھوں سے قتل کر دیتے"۔

(تحقیقاتی رپورٹ،ص ۴۳)

قادیانیوں کی مخالفت ہرگز ترک نہ کرے گا

''لہذا جب تک بخاری کو عام جلسوں میں شرکت سے منع نہ کر دیا جائے یا اسے کوئی اور شخص نہ بتا دیا جائے جسے وہ برسر عام گالیاں دے کر اپنا شوق پورا کرے۔وہ ہرگز احمدیوں کے خلاف اپنے معمول کو ترک نہ کرے گا بلکہ اس سے بھی بدتر رویہ اختیار کرے گا"۔

(رپورٹ،ص ۵۷)

اگرچہ رپورٹ کے مرتبین نے یہاں مرزائیت نوازی کے تحت حضرت شاہ جی پر گالیوں کا الزام لگا کر اپنے تعصب کا اظہار کیا لیکن اس سے حضرت شاہ جیؒ کی قادیانیت کی مخالفت کے حوالے سے بہت کچھ روشنی پڑتی ہے۔

مرزائی زندیق ہیں

سرگودھا کے احرار نے ۲۴،۲۵ مارچ کو سرگودھا میں ''استحکام پاکستان احرار کانفرنس'' کے مشتہرہ کے نام سے ایک کانفرنس منعقد کی یہ کانفرنس مولوی محمد عبد اللہ احراری تاجر کتب سرگودھا کی تنظیمی کوششوں سے ہوئی اس جلسے کے ممتاز مقررین مولوی عبد الرحمن میانوی،مولوی محمد علی جالندھری اور سید عطاء اللہ شاہ بخاری تھے،مولوی محمد علی جالندھری نے اپنی تقریر کے دوران کہا کہ مرزائی زندیق ہیں اور شرع اسلامی کی رو سے زندیق واجب القتل ہیں"۔۔۔۔۔(عطاء اللہ شاہ بخاری نے یہ نعرے لگوائے)مرزائیت مردہ باد۔سر ظفر اللہ مردہ باد مرزا بشیر احمد مردہ باد"۔

(تحقیقاتی رپورٹ،ص ۷۰،۷۱)

غرض یہ مختصر حوالہ جات یہاں نقل کر دئے تفصیل کیلئے تو آپ رپورٹ کا تفصیلی مطالعہ فرمائیں۔

حال ہی میں حکومت پاکستان نے ختم نبوت کے ایک قانون میں کچھ احمقانہ ترمیم کی جس پر اہلیان پاکستان کی طرف سے سخت ردعمل سامنے آیا پارلیمنٹ میں اس ترمیم کے خلاف سب سے پہلی آواز جمعیت علمائے اسلام کے سینیٹر حافظ حمد اللہ دیوبندی نے اٹھائی جس کے بعد حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب نے اسلام آباد ہائی کورٹ میں اس کے خلاف ایک پٹیشن داخل کی جس کا تفصیلی فیصلہ:

W.P.no.3847 & 4093/2017

کے نام سے آیا اس میں جسٹس شوکت صدیقی صاحب نے ختم نبوت کیلئے علمائے دیوبند کی خدمات کو یوں بیان کیا:

Maulana Allah Wsaya,Petitioner in W.P.No> 3862/2017, is a renowned religious scholar ,author of many famuos books on different subjects of islam and has delivered umpteen lectures on " Aqida -e- Khatm -e- Nubawat", which subject/issue has been the focus of his work.. He has also written several books on the belief in the finality of the prophethood of Hazrat Muhammad ﷺ which include "Aina-e-Qadianiat", Parliament mein Qadiani Shikast" and "Tehreek-e-Khatm-e-Nubawat 1953"

(pg num: 2)

ترجمہ: مولانا اللہ وسایا صاحب جو کہ پٹیشنر تھے ایک معروف مذہبی سکالر اور مختلف موضوعات پر کئی مشہور کتب کے مصنف ہیں۔انہوں نے حضور ﷺ کی ختم نبوت کے موضوع پر مختلف کتب لکھیں ہیں جس میں آئینہ قادیانیت، پارلیمنٹ میں قادیانی شکست اور تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ شامل ہیں۔

مگر دوسری طرف ختم نبوت کے نام پر سیاسی دھرنا دیکر حکومتی املاک کو جلانے اور کئی افراد کے قتل کرنے والی ''تحریک لبیک یارسول اللہ'' بھی اس کیس میں فریق بنی مگر شرمناک بات یہ کہ وہ ایک دن بھی اس کیس کی پیروی کرنے عدالت نہیں گئی ملاحظہ ہو جج کے الفاظ:

W.P.No.3896/2017 was filed by Tehreek Labbaik Ya Rasool Allah through its member of markazi majlis -e- Shura however, subsequently no one apeared before this court to pursue the matter.

(Pg no 2,3)

(ایک پٹیشن) تحریک لبیک یارسول اللہ کی مرکزی مجلس شوری کے ممبران کی طرف سے بھی داخل کرائی گئی مگر ان کی طرف سے کورٹ میں اس کیس کو چلانے کیلئے کوئی بھی حاضر نہ ہوا۔

علمائے دیوبند کی قادیانیوں کے خلاف جدوجہد بریلوی مولویوں کی زبانی

مولوی محمد امین بورانی بریلوی لکھتا ہے:

''تحریک تحفظ ختم نبوت کے نام سے ایک جماعت تشکیل دی گئی جس کا صدر خلیفہ اعلی حضرت مجاہد ملت حضرت حضرت علامہ ابوالحسنات محمد احمد قادری علیہ الرحمۃ کو بنایا گیا جبکہ مشہور دیوبندی عطاء اللہ بخاری اس کے ناظم مقرر ہوئے جن کی قیادت میں پورے ملک میں تحریک ختم نبوت چلائی گئی جس میں تمام مکاتب فکر کے علماء وعوام نے بھرپور طریقے سے شرکت کی ،مشترکہ جلوسوں کا اہتمام بھی ہوا، اجلاس بھی ہوئے ،ایک دوسروں کی مساجد میں جا کر تقاریر بھی کی گئیں، ایک ساتھ گرفتاریاں بھی دیں۔۔۔۔ پھر جب ۱۹۷۴ میں منکرین ختم نبوت قادیانیوں

نے دوبارہ سر اٹھایا تو پھر تحریک تحفظ ختم نبوت مشترکہ طور پر چلائی گئی اور اس وقت دیوبندی مولوی بنوری (حضرت علامہ یوسف بنوری ؒ ۔ساجد) کو اس تحریک کا صدر اور اہلسنت کے مولانا محمود احمد رضوی صاحب علیہ الرحمۃ کو ناظم مقرر کیا گیا ان کی سربراہی میں بھرپور طریقے سے تحریک چلی، ایوان کے اندر قائد اہلسنت علیہ الرحمۃ، ازہری، مفتی محمود، پروفیسر غفور احمد، مولانا عبد الحق (والد مولانا سمیع الحق) وغیرہم نے تحریک ختم نبوت چلائی اور مشترکہ طور پر جدوجہد کر کے اس فتنہ قادیانیت کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دلوا کر ۹۰ سالہ اس فتنہ کو دفن کیا''۔

(عہد رواں کی ایک عبقری شخصیت، ص ۱۰۹، ۱۱۰)

مرزائیوں کی طرف سے علمائے دیوبند کے رد کا ذکر

مرزائی مورخ لکھتا ہے:

''جہاد کی بناء پر جماعت احمدیہ پر انگریز کے آلہ کار ہونے کا خیال پیدا کرنے والے دماغ دارالعلوم دیوبند کی اس سیاسی تحریک کی طرف منسوب ہوتے ہیں جس کے بانی مشہور عالم مولوی محمود الحسن صاحب (۱۸۵۱۔۱۹۲۰) تھے جنہوں نے ۱۹۱۵ میں تشدد اور جارحیت کی پالیسی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ہندوستان کی قائم شدہ حکومت کا تختہ الٹنے کیلئے ایک انقلابی پروگرام تجویز کیا''۔

(تاریخ احمدیت، ج ۳، ص ۱۱۷ مطبوعہ ربوہ)

اس حوالے میں خود مرزائیوں نے اس بات کا اقرار کیا کہ ہماری جماعت پر انگریز کا آلہ کار ہونے کا جو عمومی خیال عوام میں پایا جاتا ہے اس میں سارا ہاتھ دارالعلوم دیوبند اور خاص کر انگریز کے باغی حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

قادیانیوں سے الجھنا ہی دیوبندیوں کا خاصہ ہے بریلویوں کا اقرار

آج یہ معترض معاذ اللہ علمائے دیوبند پر قادیانیت نوازی کا الزام لگا رہے ہیں لیکن ان کے بڑے تو یہ کہتے پھرتے کہ ہمارے علماء قادیانیوں کے خلاف کام ہی اس لئے کر رہے ہیں کہ وہ دیوبندیوں سے پڑھ کر آئے ہیں ملاحظہ ہو:

''ایک مرتبہ کسی نے حضرت خواجہ اللہ بخش تونسوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جا کر کہا کہ حضرت پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ چونکہ دیوبندی علماء سے فارغ التحصیل ہیں اس لئے اب وہ مولویوں کی طرح قادیانیوں سے الجھ رہے ہیں ورنہ اولیاء کو مناظروں سے کیا واسطہ؟''

(سیرت حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑہ شریف، ص ۱۱۷ از محمد حبیب القادری، اکبر بک سیلز لاہور)

اس ساری تفصیل کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ پاک و ہند کی تاریخ عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کیلئے علمائے دیوبند کے درخشاں خدمات سے روشن و منور ہے حتی کہ حکومتی جج، سرکار، خود بریلوی علماء اور مرزائی مورخین نے علمائے دیوبند کی اس شاندار تاریخ کو بانگ دہل بیان کیا۔ اس سب کے باوجود آج انہیں معاذ اللہ مرزائی نواز کہنا یا تو تاریخ سے جہالت ہے یا پھر اسی پرلے درجے کی شقاوت قلبی اور تعصب کا شاخسانہ ہے جو ہر بریلوی معترض کو اپنے امام نواب احمد رضا خان صاحب کی کتب سے ورثہ میں ملا ہے۔ اللہ پاک ان گمراہانِ قوم کو راہ حق کی طرف ہدایت دے۔

آمین۔

اعتراضات کے جوابات

(اعتراض ۱۳۸:) مرزا قادیانی نے جو توہین حضرت عیسیٰ علیہ السلام و اہل بیت کی اس کی تاویل کرلو اور اس کو برا نہ کہو۔ اشرف تھانوی

سوال اور ایک امر یہ ہے کہ مرزا نے حضرت مسیح اور حضرت علی کی او پر طعن و تشنیع بہت کی ہے اور آخر میں یہ فقرہ لکھ دیا ہے کہ میں نے تو اپنے عیسیٰ کو جو نبی تھے یا حضرت علی وحسین کو جو ہمارے ہیں نہیں کہا ہے۔۔۔۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

جواب: گو مناظرین کی ایسی عادت ہے مگر قرآن مجید کی ایک آیت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر قبیح ہے وہ آیت یہ ہے لقد سمع الله قول الذین قالوا ان الله فقیر و نحن اغنیاء۔۔۔۔ اگر کسی نے ایسا کہا ہے اس کی تاویل کریں مقصود الزام ہے۔

(بوادر النوادر، ص ۴۴۲)

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف، ص ۱۲۱)

جواب: ہم آپ کے سامنے بوادر النوادر کی پوری عبارت پیش کرتے ہیں:

سوال اور ایک امر یہ ہے کہ مرزا نے حضرت مسیحؑ اور حضرت حسینؓ اور حضرت علیؓ کی او پر طعن و تشنیع بہت کیا ہے۔ اور آخر میں یہ فقرہ لکھ دیتا ہے کہ میں نے تو اپنے عیسیٰ کو جو نبی تھے یا حضرت حسینؓ و علی انکو جو ہمارے ہیں نہیں کہا ہے چونکہ عیسائیوں نے ہمارے حضرت کو اور شیعوں نے ہمارے خلفاء ثلاثہ کو بہت برا کہا ہے اس وجہ سے ہم نے بھی ان کی مسلمہ وموضوعہ بصفات موصوفہ بخیال ان کے کہا ہے۔ آیا ایسا پیرایہ اور حیلہ کر کے حضرت حسین وعلی ومسیح علیہم السلام پر کسی قدر حملہ جائز ہے یا قطعی ناجائز ہے۔ اگر کوئی الزام ان پر دیا جاوے تو اس کی کیا صورت ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے مقابلے میں بحق مسیحؑ علماء سلف وخلف نے ایسا حملہ کیا ہے اور علماء اہلسنت نے بمقابلہ شیعان کے برتاؤ کیا ہے یہ کہاں تک صحیح ہے؟

جواب: گو مناظرین کی ایسی عادت ہے مگر قرآن مجید کی ایک آیت دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر قبیح ہے وہ آیت یہ ہے لقد سمع الله قول الذین قالوا ان الله فقیر و نحن اغنیاء اس کا شان نزول مفسرین میں مشہور ہے کہ حضور ﷺ نے صدقات کی ترغیب فرمائی تھی جس پر یہود نے یہ بات کہی یہ یقینی ہے کہ ان کا یہ عقیدہ نہ تھا بلکہ محض الزام کے طور پر یہ کہا تھا کہ حضور کی ترغیب سے (نعوذ باللہ) اللہ تعالی کا حاجت مند ہونا لازم آتا ہے مگر انہوں نے اس قضیہ شرطیہ کو صورۃ حملیہ کہا ہے اللہ تعالی نے اس کی تقبیح فرمائی۔ گو انکا بطور قضیہ شرطیہ کے کہنا بھی بوجہ لزوم تکذیب حضور ﷺ کے قابل قبیح ہے مگر اس مقام پر اس کا ذکر نہیں فرمایا، صرف امر اول کی تقبیح پر اکتفا فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کا پیرایہ قبیح ہے اگر کسی نے ایسا کیا اس کی تاویل کریں گے کہ مقصود الزام ہے اور کہیں گے کہ انہوں نے آیت میں غور نہیں کیا ہوگا اور خاص کر جب یہ کہنا مخالفین کی زبان سے اپنے بزرگوں کو برا بھلا کہلانے کا سبب بنجاوے اس صورت میں تو دوسری وجہ بھی ممنوع ہونے کی پائی جاوے گی۔ قال تعالیٰ ولا تسبّوا الّذین یدعون من دون الله فیسبّوا الله عدوًا

بغیر علم اور سلف کے کلام میں ایسے عنوانات نظر سے نہیں گزرے۔(بوادر النوادر، ص ۴۴۲، ادارہ اسلامیات لاہور)

قارئین کرام! ملاحظہ فرمایا کہ کتنا بڑا افراڈ اس رضاخانی نے کیا حضرت تھانویؒ نے قطعاً نہیں کہا کہ مرزا قادیانی کی گستاخیوں کی تاویل کرو وہ تو سائل کے مطلق سوال کے بعض لوگ اس طرح کے پیرائے کو اختیار کرتے ہیں کہ باطل کے مزعومہ شخصیات جن کے متعلق ان کے مزعومہ عقائد ہوتے ہیں حالانکہ اسلام جب ان شخصیات کا ذکر کرتا ہے تو ان عقائد کو شرک وکفر کہتا ہے تو ان کے مزعومہ شخصیات کہ جو ایسے صفات سے متصف ہیں جو مخالف اسلام ہے ان کا ذکر اس پیرائے میں کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ تو جواب میں مطلق اور عمومی انداز میں بعض مناظرین کے متعلق کہہ رہے ہیں کہ ایسا کرتے ہیں اور اس کو بھی قبیح سے تعبیر کر رہے ہیں اور اس پر قرآن کی دو آیات پیش کی اور جو صحیح العقیدہ مناظر اس طرح کرے تو اس کے متعلق حسن ظن کے طور پر کہہ رہے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ اس کے پیش نظر یہ آیت نہ ہو، یا کوئی اور تاویل کرلو۔ جواب میں شروع سے آخر تک مرزا قادیانی اور اس کی گستاخانہ عبارات کا کوئی ذکر ہی نہیں، نہ کنایۃً نہ صراحۃً رہی بات سائل کی کہ اس نے مرزا قادیانی کی طرف سے توجیہ پیش کی تو یہ درست نہیں مرزا نے کہیں بھی عیسائیوں کے موہومہ یا شیعوں کے موہومہ حسینؓ کو گالیاں نہ دیں بلکہ حقیقی نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی توہین کی ہے، تفصیل کے لئے فاتح قادیان حضرت مولانا لال حسین اختر صاحب کا رسالہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام مرزا قادیانی کی نظر میں'' مندرجہ احتساب قادیانیت جلد اول، ص ۱۶۴ تا ۲۰۸ مطالعہ کریں)

(اعتراض ۱۳۹:) مرزا قادیانی کے کفر پر مطلع ہو کر بھی اسے مسلم ماننے والے دیانۃً مسلمان ہی ہیں

ایک مولوی صاحب نے قادیانی فرقہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت والا سے (تھانوی اشرف علی) سے عرض کیا کہ بعض مسلمان بھی قادیانی کو کافر نہیں سمجھتے اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے، فرمایا نہ سمجھنے کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ وہ یہ کہیں کہ ان کے یہ عقائد ہی نہیں جن کی بنیاد پر ان کو کافر کہا جاتا ہے اور ایک یہ کہ یہ عقائد ہیں مگر پھر بھی وہ کافر نہ کہے تو اب ایسا سمجھنے والا شخص بھی کافر ہے جو کفر کو کفر نہ کہے، مگر احکام قضا میں کافر ہے باقی احکام دیانت میں خدا کو معلوم ہے شاید اس کے ذہن میں کوئی وجہ بعید ہو۔(افاضات الیومیہ، ج۹ص ۲۹)

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف، ص ۱۲۱، ۱۲۲، دیوبندی مذہب، ص ۴۹۸)

جواب: جہالت اور بریلویت دونوں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے اس ملفوظ میں یہ کہیں نہیں فرمایا کہ قادیانیوں کے کفر پر مطلع ہو کر بھی اسے ان کفریات میں سچا ماننے والا مسلمان ہے معاذ اللہ۔ وہ تو یہ کہہ رہے ہیں کہ مطلع ہونے کے بعد بھی کافر نہ کہنے والا بھی کافر ہے اور احکام کفر و ارتداد اس پر جاری ہوں گے۔ ہاں احکام دیانت کا معاملہ خدا کے سپرد اس سے مراد ارد و والا دیانت نہیں کہ یارا ایمانداری اور دیانتداری سے یہ کام کرنا، بلکہ اصطلاحی معنی مراد ہیں یعنی اس دنیا میں قضاءً یعنی احکام دنیا کے اعتبار سے تو اس پر حکم کفر جاری ہوگا۔ باقی دیانۃً یعنی اللہ کے ہاں بھی وہ کافر ہے یا نہیں ہوسکتا ہے اس کے پاس کوئی تاویل بعید ہو تو اس کی خبر اللہ ہی کو ہے۔ یہ مراد ہے۔ جس جاہل کو احکام قضاء اور احکام دیانت کا فرق معلوم نہ ہو وہ بنا پھرتا ہے مناظر۔

معترض نے اگر ہدایہ کتاب الطلاق میں قضاءً و دیانۃً فیمابینہ وبین اللہ تعالیٰ کے الفاظ اور ان کے معنی کسی اچھے استاد سے پڑھے ہوتے تو اس جہالت کا ارتکاب نہ کرتا، صرف ایک مسئلہ عرض کرتا ہوں کہ کسی نے اپنی بیوی کو انت طالق غداً کہا تو جیسے ہی اگلے دن کی طلوع فجر آئے گی تو اس کے پہلے جزء ہی میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن اگر متکلم نے غداً سے کل کے کسی مخصوص وقت کو مراد لیا ہو تو دیانۃً تو

اس کی مراد کا مابینہ و بین اللہ اعتبار ہوگا مگر قضاء اس کو تسلیم نہیں کیا جائے گا اور قاضی طلوع فجر ہی سے طلاق کا حکم دے گا۔اب اس رضاخانی کے فتوے کے مطابق صاحب ہدایہ نے اس مخصوص جو وقت عند المتکلم ہے میں طلاق نہ ہونے کو دیانۃً مان کر معاذ اللہ کیا حرامکاری کی اجازت دی؟ ظالمو! کچھ تو عقل کو ہاتھ لگاؤ اس قسم کے جاہلانہ اعتراضات کرنے سے پہلے یہ تو سوچ لیا کرو کہ کل کو ان کے جوابات بھی کوئی دے سکتا ہے۔

اسی قسم کا ایک مسئلہ جناب معترض کے اعلی حضرت بھی بیان کرتے ہیں چنانچہ علامہ مفتی فیض الرسول قادری صاحب لکھتے ہیں:

سیدی اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ جس نے بخوشی جان بوجھ کر بقائمی ہوش وحواس کلمہ کفر بولا وہ ہمارے نزدیک قطعی طور پر کافر ہے۔۔۔۔رہا یہ مسئلہ کہ کیا وہ اس کلمہ کے ساتھ عند اللہ کافر ہو جائے گا یا نہیں، تو ایک قول یہ ہے کہ نہیں ہوگا جب دلی ارادہ نہ پایا جائے کیونکہ تصدیق کا محل دل ہے یہی وہ حکایت ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے جبکہ عام علماء کرام اور جمہور فقہاء نے کہا ہے کہ وہ کافر ہو جائے گا اگرچہ دلی طور پر عزم نہ پایا جائے کیونکہ وہ دین کے ساتھ کھیلنے والا ہے اور یہ یقیناً کفر ہے۔(فتاوی رضویہ ج ۲۷ ص ۱۸۱)

(بحوالہ متاع کارواں، مارچ ۲۰۱۷ء ص ۲۶)

آپ کے بڑے جناب مفتی مظہر اللہ دہلوی علمائے دیوبند کے بارے میں لکھتے ہیں:

”لیکن قسام ازل نے اسے سمجھ ہی ایسی عطا فرمائی ہے کہ اس کی سمجھ ہی میں کسی عبارت کے ایسے ظاہری معنی نہیں آتے جو موجب کفر ہیں بلکہ ایسے معنی سمجھ آتے ہیں جو موجب کفر نہیں تو ایسے شخص کی دیانۃ تکفیر نہیں کی جائے گی“۔

(فتاوی مظہریہ، ص ۳۷۵)

اب اہل بدعت علمائے دیوبند کو معاذ اللہ مرزائیوں سے بھی بڑا کافر سمجھتے ہیں مگر مفتی صاحب کہتے ہیں کہ ان کی عبارات کی تاویل کرنے والے کو دیانۃ کافر نہیں کہیں گے۔اب بریلوی جواب دیں کہ ان کے پاس اس فتوے کا کیا جواب ہے؟ جو جواب وہ اس کا دیں وہی ہماری طرف سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے متعلق قبول کر لیں۔

(اعتراض ۱۴۰:) جو مرزا قادیانی کے کفر پر مطلع ہو کر بھی بوجہ تاویل اس کو کافر نہ کہے اس میں کچھ حرج نہیں اور وہ کافر نہیں

سوال: مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوی مسیحیت اور مہدیت سے واقف ہو کر بھی اگر کوئی شخص مرزا کو مسلمان سمجھتا ہے تو کیا وہ شخص مومن کہلا سکتا ہے؟

جواب: مرزا قادیانی کے عقائد وخیالات باطلہ اس حد تک پہنچے ہوئے ہیں کہ ان سے واقف ہو کر کوئی مسلمان مرزا کو مسلمان نہیں کہہ سکتا البتہ جس کو علم اس کے عقائد باطلہ کا نہ ہو یا تاویل کرے وہ کافر نہ کہے تو ممکن ہے بہرحال بعد علم عقائد باطلہ مرزا مذکور کو کافر کہنا اسکا ضروری ہے اسکو اور اس سے اتباع کو جن کا عقیدہ مثل اس کے ہو مسلمان نہ کہا جاوے وہ مسلمان نہ تھا جیسا کہ اس کی کتب سے ظاہر ہے باقی یہ کہ جو شخص بہ سبب کسی شبہ یا تاویل کے کافر نہ کہے اس کو بھی کافر نہ کہا جاوے کہ موقع تاویل میں احتیاط عدم تکفیر میں ہے۔(فتوی مفتی عزیز الرحمن دیوبندی) فتاوی دار العلوم دیوبند، ج ۱ ص ۷۵)

(دیوبندیت کے بطلان کاانکشاف،ص ۱۲۲،دیوبندی مذہب ص ۶۹۹)

جواب: اس کے جواب میں ہم بریلوی حضرات ہی کے اعلیٰ حضرت کو پیش کر دیتے ہیں جو جواب بریلوی حضرات اپنے اعلیٰ حضرت کی طرف سے دیں وہی ہماری طرف سے دارالعلوم دیوبند کے اس فتوے کے حق میں قبول کرلیں۔علامہ مفتی فیض الرسول قادری بریلوی لکھتے ہیں:

''سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کلمات دہلوی کے بارے میں فرماتے ہیں: صریح گستاخی ہے،صریح سب و دشنام ہے،کھلی گستاخی ہے ،اس میں کوئی تاویل کی جگہ بھی نہیں ہے،واللہ واللہ ان گالیوں کی رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ہوئی اور انہیں ایذاء پہنچی۔پھر آخر میں حاشیہ میں فرمایا: اس (یزید) خبیث سے ظلم فسق و فجور متواتر مگر کفر متواتر نہیں۔اور ان حضرت (دہلوی) سے یہ سب کلمات کفر اعلیٰ درجے تواتر پر ہیں (فتاوی رضویہ ج ۱۵،ص ۱۹۷، ۲۰۳) نیز المعتقد میں دہلوی کے بارے میں فرمایا: اس نے نہ توبہ کی،نہ پچھتایا ،نہ ڈرا نہ استغفار کی۔سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے المعتقد میں اس کی تصدیق فرمائی مگر اس کے باوجود تکفیر دہلوی سے سکوت فرمایا۔اسی طرح المعتمد میں ہے کہ ایک شخص نے کہا ہر صاحب فندق دیوث ہے اگرچہ نبی مرسل ہو (معاذ اللہ) مگر اس کے باوجود سیدی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے قائل کی تکفیر نہیں فرمائی''۔

(متاع کارواں،مارچ ۲۰۱۷،ص ۲۷)

(اعتراض ۱۴۱:) تھانوی کو مرزا قادیانی کے کفر کی تحقیق نہ ہوئی تھی

اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ خاص مرزا (قادیانی) کی نسبت مجھ کو پوری تحقیق نہیں کہ کوئی وجہ قطعی کفر کی ہے یا نہیں (امداد الفتاوی،ج ۵،ص ۳۸۶)

اگر دیوبندی اس کو اولیت پر محمول کریں تو فتوی پر تاریخ ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۲۵ سے اتنا بہر حال ثابت ہے کہ مرزا قادیانی پر کفر کا فتوی سب سے پہلے علماء اہل سنت نے دیا اور یہ دیوبندی اس کے اس وقت موافق وحامی تھے۔

(دیوبندیت کے بطلان کاانکشاف،ص ۱۲۳)

جواب: جب معترض کو یہ اقرار ہے کہ یہ فتوی اولیت پر محمول ہے تو پھر بے شرمی کا اظہار کرتے ہوئے اس پر اعتراض کرنا چہ معنی دارد؟ ہم آگے ان شاء اللہ بتائیں گے کہ مرزا قادیانی نے ایک دم اپنی کفریات کا اظہار نہیں کیا بلکہ رضاخانیوں کی طرح اس پر منافقت دورنگی اور تقیہ کی چادر چڑھائی ہوئی تھی اس لئے علماء نے تکفیر میں اولاً احتیاط کی جس کو ان کے عقائد کفریہ کا یقینی علم تھا چنانچہ اس مندرجہ بالا فتوے کے دو سال بعد ہی یعنی ۱۳۲۷ھ کا یہ فتوی اسی امداد الفتاوی میں موجود ہے:

''مرزا کے بعض اقوال حد کفر تک پہنچے ہوئے ہیں''۔(امداد الفتاوی ج ۲ ص ۲۴۹)

ایک اور فتوی ملاحظہ ہو ۱۳۳۰ھ کا:

''زید مرزا غلام احمد قادیانی کا مرید ہوگیا ہے اور اس کی بی بی اہل سنت کے عقیدے پر قائم ہے،اس صورت میں نکاح شرعاً قائم رہا یا نہیں اور اہل سنت کے عقیدہ والی صبیہ کا نکاح مرزا غلام احمد قادیانی عقیدہ والے کے ساتھ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: اس مرید سے پوچھنا چاہئے کہ وہ مرزا کے تمام اقوال کا معتقد ہے یا نہیں،اگر وہ اقرار کرے کہ وہ تمام اقوال کا معتقد ہے تو

یہ شخص مسلمان نہیں رہا‘‘۔

(امداد الفتاویٰ، ج ۲ ص ۲۴۲)

اسی طرح کسی نے مرزا قادیانی کے اقوال بھیجے اور حکم طلب کیا تو آپ نے فتویٰ دیا:

’’جو مسلمان ایسے عقائد بالاختیار کرے جن میں بعض یقینی کفر ہیں وہ محکم مرتد ہے اور مرتد کا نکاح مسلمان عورت سے اور اسی طرح مرتدہ کا نکاح مسلمان مرد سے صحیح نہیں اور نکاح ہو جانے کے بعد اگر عقائد کفریہ اختیار کرے تو نکاح فسخ ہو جائے گا‘‘۔

(امداد الفتاوی، ج ۲، ص ۲۵۱)

ایک اور فتوی پڑھو:

’’میرے نزدیک قادیانی عورت سے نکاح باطل ہے، جب ان کا کفر مسلم ہے اور مرتد بحکم کتابی نہیں ہوتا اس لئے اہل کتاب میں داخل نہیں کر سکتے اور لاہوری گو مرزا کو نبی نہ کہیں لیکن اس کے عقائد کفریہ کو کفر نہیں کہتے کفر کو کفر نہ سمجھنا یہ بھی کفر ہے، لیکن اگر کوئی شخص مسیلمہ کذاب کو نبی نہ مانتا ہو مگر اس کے عقائد کو بھی کفر نہ کہتا ہو تو کیا اس شخص کو مسلمان کہا جائے گا؟‘‘۔

(امداد الفتاویٰ، ج ۲ ص ۲۵۱)

ملفوظات کا حوالہ خود اس رضاخانی نے دیا جس میں تھا کہ مرزا کے اقوال کفریہ پر مطلع ہونے کے باوجود بھی اس کو کافر نہ کہنا کفر ہے۔ اگر ابتداءً حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ نے کہہ دیا کہ مجھے اس کے کفر قطعی کا علم نہیں تو اس میں کون سی قرآن وسنت کی مخالفت ہے، نواب احمد رضا خان مرزا کے بارے میں لکھتا ہے:

’’اس کی تحریرات یہاں نہیں ملتیں‘‘۔ (السوء العقاب، ص ۶)

جب کتابیں ہی دستیاب نہیں تو رد خاک کیا ہوگا؟ تو اگر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی بوجہ ان کی کتب نہ ملنے کے ابتداءً کفر کی تحقیق نہ ہو سکی تو آخر اس میں شرعی قباحت کیا ہے؟ نواب احمد رضا خان نے ختم نبوت پر جو پہلی کتاب لکھی ’’جزاء اللہ عدوہ بابا ءختم النبوۃ‘‘ اس میں کہیں بھی مرزائی عقائد کا رد نہیں کیا، بلکہ اپنی خباثت باطنی کی وجہ سے علماء دیوبند پر تبرا کیا کہ معاذ اللہ وہ ختم نبوت کے منکر ہیں، حالانکہ اسی کتاب کے آخر میں دار العلوم دیوبند اور حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی درج ہے کہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ مانے آپ کی خاتمیت کا منکر ہو وہ کافر ہے۔ بہر حال اس سے معلوم ہوا کہ نواب احمد رضا بھی ابتداءً مرزے کو ختم نبوت کا منکر نہیں سمجھتا تھا۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا کے رد میں دو رسائل تحریر کئے: ’’الخطاب الملیح فی تحقیق المھدی‘‘ اور ’’قلعۂ قادیان‘‘ ملفوظات اور فتاوی میں جو مرزا کے اقوال کا رد ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ باقی یہ بھی کذب بیانی ہے کہ مرزا پر کفر کا فتوی سب سے پہلے علماء بریلوی نے لگایا ما قبل میں اس کی وضاحت ہو چکی ہے۔ اور یہ بھی اس کا جھوٹ ہے کہ معاذ اللہ علماء دیوبند اس وقت اس کے موافق وحامی تھے؟ کفر کا فتوی جس وقت مرزا پر نہیں لگا تھا اس وقت بھی علماء دیوبند اسے ضال مضل ہی سمجھتے تھے۔

(اعتراض ۱۴۲:) قادیانیوں سے نکاح جائز ہے

اس عنوان کے تحت جو فتوی اس آدمی نے دیا وہ مکمل ملاحظہ ہو:

''**سوال:** مناکحت باہم ایسے مرد وعورت کی کہ ایک ان میں سے سنی حنفی اور دوسرا مرزا غلام احمد قادیانی کا معتقد اور متبع ہو اور ان کے جملہ دعاوی اور الہامات کی تصدیق کرتا ہو جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ دونوں یا ایک ان میں سے نابالغ ہو تو بولایت والدین جو ایسے ہی مختلف العقیدہ ہوں کیا حکم ہے امید ہے کہ تشریح وبسط سے جواب مدلل مرحمت ہو۔ بینوا توجروا۔

الجواب: مرزا کے بعض اقوال حد کفر تک پہنچے ہوئے ہیں مگر یہ ممکن ہے کہ اس کا کوئی معتقد خاص اس قول کی خبر نہ رکھتا ہو اس لئے مرزا کا معتقد ہونا اس کو مستلزم نہیں کہ خاص اس کفر کا بھی معتقد ہو پس اگر یہ مرزائی جوان مرد ہو یا عورت بالخصوص اس قول کفری کا بھی معتقد ہو تو اس کا نکاح مسلمان مرد یا عورت سے نہیں ہوسکتا لیکن اگر یہ مرزائی بالغ ہے تو خود کا عقیدہ دیکھا جاوے گا اور گر نابالغ ہے تو اس کے ماں باپ کا عقیدہ دیکھا جاوے گا یعنی اگر ماں باپ دونوں مرزائی ہوں گے تو اس نابالغ کو مرزائی قرار دیں گے اور اگر ایک بھی غیر مرزائی ہو تو اس کو غیر مرزائی قرار دے کر یہ حکم مذکورہ ثابت نہ کریں گے اور یہ مرزائی خاص کسی ایسے امر موجب کفر کا معتقد نہیں تو مبتدع ہے اور سنی حنفی کا دیانت میں کفو نہیں پس اگر یہ عورت ہے تو مرد سنی حنفی کا نکاح اس سے درست نہیں ہے اور اگر یہ مرد ہے اور عورت سنیہ حنفیہ ہے تو اگر یہ عورت بالغ ہے اور اس کی اجازت سے نکاح ہوا ہے تو نکاح ہوگیا اور اسی طرح اگر نابالغ ہے اور باپ دادا نے کردیا تب بھی ہوگیا اور اگر باپ دادا کے سوا کسی اور نے کیا یا باپ دادا کچھ شفیق یا خیر خواہ نہیں ہیں تو سوال میں اس کی تصریح ہونے سے جواب دیا جائے گا''۔ (امداد الفتاوی، ج ۲ ص ۲۴۹)

قارئین کرام! رضاخانی کا قائم کردہ عنوان دیکھیں اور پھر فتوے کو پڑھیں اس میں یہ کہیں لکھا ہوا ہے کہ قادیانیوں سے نکاح جائز ہے؟ معاذ اللہ۔ حضرت حکیم الامت کے تفصیلی فتاویٰ اور اس فتوے کی ابتداء میں بھی وضاحت کے ساتھ لکھا ہوا ہے کہ مرزائیوں قادیانیوں سے نکاح جائز نہیں کہ وہ کافر مرتد ہیں، ہاں کوئی ایسا شخص ہے جو مرزا کے کسی قول کفر پر مطلع واقف نہیں تو اب وہ مسلمان ہے مگر ہے بدعتی تو اس صورت میں نکاح ہوا یا نہیں اس کی تفصیل مندرجہ بالا فتوے میں موجود ہے، یاد رہے کہ اس میں صرف نکاح ہونے کی بات ہو رہی ہے نکاح پر دوام کی نہیں چنانچہ اس شخص کو جو مرزا کے عقائد کفریہ کو نہیں جانتا اسے بتایا جائے گا اگر مرزا پر لعنت بھیجتا ہے تو پھر تو ٹھیک ہے لیکن اگر ان عقائد کو صحیح مانتا ہے تو اب یہ بھی مرتد ہوگیا اور اب بوجہ ارتداد نکاح باقی نہ رہا۔

اہل بدعت کے غزالی دوراں جناب احمد سعید کاظمی بریلوی لکھتا ہے:

''مسئلہ تکفیر میں ہمارا مسلک ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ جو شخص بھی کلمہ کفر بول کر اپنے قول یا فعل سے التزام کفر کرلے گا تو ہم اس کی تکفیر میں تامل نہیں کریں گے خواہ وہ دیوبندی ہو یا بریلوی لیگی ہو یا کانگریسی، نیچری ہو یا ندوی۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایک لیگی نے کلمہ کفر بولا تو ساری لیگ کافر ہوگئی یا ایک ندوی نے ایک التزام کفر کیا تو معاذ اللہ سارے ندوی مرتد ہوگئے۔ ہم اور ہمارے اکابر بارہا اعلان کیا کہ ہم کسی دیوبندی یا لکھنو والے کو کافر نہیں کہتے ہمارے نزدیک صرف وہی لوگ کافر ہیں جنہوں نے معاذ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ومحبوبان ایزدی کی شان میں صریح گستاخیاں کیں اور باوجود تنبیہ شدید کے انہوں نے اپنی گستاخیوں سے توبہ نہیں کی''۔ (الحق المبین ص ۳۲، ۳۳)

تو رضاخانی جی آپ تو معاذ اللہ قادیانیوں اور دیوبندیوں کا گٹھ جوڑ بتا رہے ہیں انہیں گستاخان رسول ﷺ بتلا رہے ہیں مگر آپ کا مولوی کہتا ہے کہ ہم سب دیوبندیوں کی تکفیر نہیں کرتے وہ مسلمان ہیں صرف وہ (معاذ اللہ) کافر ہیں جنہوں نے یہ گستاخیاں کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو

دیوبندی کافر نہیں تو رضاخانی مذہب میں ان سے نکاح بھی درست تو حضرت تھانویؒ بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ اگر کوئی ایسا شخص ہے کہ اسے مرزا کے اقوال کفریہ کا علم نہیں اور اس سے نکاح کر دیا گیا تو نکاح ہو گیا کہ وہ مسلمان ہے ہاں عقائد کفریہ مرزائیہ کا معتقد ہے تو نکاح نہ ہوا اور بعد نکاح معتقد ہوا تو اب نکاح برقرار نہ رہا۔کسی رضاخانی میں غیرت ہے تو حضرت تھانویؒ کے اس فتوے کو غلط ثابت کرے اور منہ مانگا انعام وصول کرے ورنہ اپنی جہالت کا ماتم کرے۔

(اعتراض ۱۴۳:) فقیہ العصر حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مرزا کی تکفیر

معترض نے کتاب کے صفحہ ۱۲۴ پر" رشید احمد گنگوہی کا مرزا قادیانی کو مرد صالح قرار دینا" اور صفحہ ۱۲۵ پر عنوان" رشید احمد گنگوہی کا مرزا قادیانی کی تکفیر نہ کرنا" کا عنوان قائم کر کے اعتراض کیا کہ حضرت گنگوہیؒ نے مرزا قادیانی کی تکفیر نہیں کی ہم اس کا تفصیلی جواب نقل کرتے ہیں۔

جواب: قارئین کرام! بعض اہل بدعت کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا قادیانی پر کفر کا فتوی نہیں لگایا اور اس سلسلے میں مولانا رفیق دلاوری صاحب مرحوم کی مندرجہ ذیل عبارت کو اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں:

"جن حضرات نے فتوائے تکفیر سے اختلاف کیا ان میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب چشتی گنگوہی جو ان دنوں علمائے حنفیہ میں نہایت ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور اطراف و اکناف ملک کے حنفی شائقین علم حدیث اس فن کی تکمیل کیلئے ان کے چشمہ فیض پر پہنچ کر تشنگی سعادت سے سیراب ہو رہے تھے سب سے پیش پیش تھے۔انہوں نے علمائے لدھیانہ کے فتوائے تکفیر میں ایک مقالہ لکھ کر قادیانی صاحب کو ایک مرد صالح قرار دیا۔۔الخ"

(رئیس قادیان: ص ۳۷۲، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت)

جواب: قارئین کرام حقیقت یہ ہے کہ تعصب انسان کو سوچنے سمجھنے اور تحقیق کی صلاحیت سے محروم کر دیتی ہے۔قارئین کرام قادیانیت کا مطالعہ کرنے والوں پر یہ بات مخفی نہ ہوگی کہ مرزا قادیانی نے یک دم نہ تو مجدد ہونے کا دعوی کیا نہ مہدویت کا نہ مسیح کا اور نہ نبوت کا بلکہ سب سے پہلے اس نے خود کو لوگوں میں ایک مناظر اور عیسایت و آریت کا رد کرنے والے اسلام کا درد دل رکھنے والے شخص کی صورت میں متعارف کرایا اور اس سلسلے میں" براہین احمدیہ" لکھنے کا اعلان کیا یہ کتاب مرزا قادیانی کی اولین تصنیف ہے اس کتاب میں نہ تو اس نے مسیح ہونے کا دعوی کیا نہ نبوت کا انکار کیا بلکہ شد و مد کے ساتھ حیات مسیح کا اثبات کیا البتہ کہیں کہیں اپنے الہامات کا تذکرہ بھی کیا۔علماء لدھیانہ کی تکفیر اور مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا مرزا کی تکفیر سے انکار اسی دور کی بات ہے۔

علماء لدھیانہ نے مرزا قادیانی کی دعاوی اور اس کی کتاب براہین احمدیہ کا تنقیدی نظر سے جائزہ لیا اور اللہ پاک نے ان کو یہ شرف دیا کہ مرزا قادیانی کے خلاف سب سے پہلے کفر کا فتوی انہی علماء لدھیانہ نے دیا چنانچہ یہی مولانا رفیق دلاوری صاحب لکھتے ہیں کہ:

"جس روز قادیانی صاحب لدھیانہ میں قدوم فرما ہوئے، مولوی محمد، مولوی عبد اللہ اور مولوی اسمٰعیل صاحبان نے کتاب براہین کا نظر غائیہ سے مطالعہ کیا اس میں کلمات کفریہ کی بڑی کثرت و فراوانی پائی اس کے بعد شہر میں اعلان کر دیا کہ یہ شخص مجدد نہیں بلکہ زندیق اور خارج از اسلام ہے اور فتوے چھپوا کر گرد و نواح کے شہروں میں روانہ کئے کہ یہ شخص مرتد ہے۔آئندہ کوئی شخص اس کی کتاب نہ خریدے (فتاوی

قادریہ،ص ۳)''۔(بحوالہ رئیس قادیان ص ۳۷۱)

یہ مولوی محمد اور مولوی عبداللہ کون تھے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

''مولوی عبداللہ کے بھائی مولوی محمد صاحب نے جو مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی سابق صدر مرکزی مجلس احرار اسلام لاہور کے جد امجد یعنی دادا صاحب اور مولوی زکریا صاحب کے والد تھے''۔(رئیس قادیان ۳۷۰)

الحمدللہ مرزا قادیانی کی تکفیر کا سب سے پہلا اعزاز علمائے دیوبند کو حاصل ہوا مگر برا ہو تعصب کا کہ اس پہلو کو سامنے نہیں لاتے بہرحال علماء لدھیانہ کی اس تکفیر کے بعد وہ محتاط علماء جو مرزا قادیانی کے عقائد کے بارے میں تردد میں تھے وہ مولانا گنگوہی رحمۃاللہ علیہ کے پاس گئے اور انہیں دونوں طرف کی صورتحال بتائی مولانا گنگوہی رحمۃاللہ علیہ نے اب تک چونکہ خود مرزا قادیانی کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا تھا اس لئے دونوں طرف کی صورتحال دیکھنے کے بعد علماء نے فتوی تکفیر میں جس احتیاط اور ذمہ داری کا درس دیا ہے اس پر عمل کرتے ہوئے مرزا قادیانی کی تکفیر سے بوجہ احتیاط انکار کیا اور اس سلسلے میں اپنا محتاط موقف علماء لدھیانہ کو بھیجا جس کے چند اقتباسات مندرجہ ذیل ہیں:

''گو کتاب براہین احمدیہ کے بعض اقوال میں کچھ خلجان ہوتا ہے مگر تھوڑی سی تاویل سے اس کی تصحیح ممکن ہے۔لہٰذا آپ جیسے اہل علم سے بہت تعجب ہے کہ ایسے امر متبادر المعانی کو دیکھ کر تکفیر وارتداد کا حکم فرمایا اگر تاویل قلیل فرما کر اس کو اسلام سے خارج نہ کرتے تو کیا حرج تھا؟ تکفیر مسلم کوئی ایسا سہل امر نہیں کہ ذرا سی بات پر کسی کو جھٹ کافر کہہ دیا جائے''۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو: رئیس قادیان:ص ۳۷۲،۳۷۳)

گویا مولانا گنگوہی رحمۃاللہ علیہ کے نزدیک علماء لدھیانہ نے براہین کی جن عبارات کو کفریہ قرار دیا اس میں تاویل کی گنجائش تھی اور فقہاء کا یہ قاعدہ ہے کہ اگر کسی کی بات میں ۹۹ احتمالات کفر کے ہوں ایک احتمال اسلام کا تو اسلام کے احتمال کو ترجیح دیجائے گی۔اس اصول کو مولوی احمد رضا خان صاحب نے ''تمہید ایمان'' میں نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ اس کی مثالیں دے کر اس کی توضیح بھی کی ہے۔تو اگر مولانا گنگوہی رحمۃاللہ علیہ نے محتاط علماء کا رویہ اختیار کرتے ہوئے اس دور میں مرزا قادیانی کی تکفیر سے انکار کیا تو کیا گناہ کیا؟۔

غرض مولانا گنگوہی رحمۃاللہ علیہ کا تکفیر سے انکار اسی سبب پر تھا کہ انہوں نے اب تک بالاستیعاب مرزا کی کتابوں کا مطالعہ نہیں کیا تھا اور نہ اس کے دعاوی پر پوری طرح باخبر تھے چنانچہ علماء لدھیانہ مسئلہ کی تصفیہ کے لئے خود دارالعلوم پہنچے اور ایک مجلس مذاکرہ تشکیل پائی جس میں حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃاللہ علیہ نے علمائے لدھیانہ کو جواب دیا کہ:

''آپ قریب الوطن ہونے کی وجہ سے اس کے تمام حالات سے بخوبی واقف ہیں اس کی تکفیر سے منع نہیں کرتے۔اس کے علاوہ آپ نے اس شخص کی کتاب براہین احمدیہ پڑھی ہے اور میں نے اور مولانا رشید احمد صاحب نے اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا۔

(رئیس قادیان:ص ۳۷۹،۳۸۰)

اس حوالے سے واضح طور پر ثابت ہوا کہ مولانا گنگوہی رحمۃاللہ علیہ کا تکفیر سے انکار کسی غرض کی بناء پر نہیں تھا بلکہ مرزا کے عقائد پوری طرح ان کے سامنے نہیں آئے تھے اور اس موقعہ پر علماء محتاطین کا جو رویہ ہونا چاہئے مولانا گنگوہی نے وہی اختیار کیا، چنانچہ مولانا رفیق دلاوری صاحب لکھتے ہیں کہ:

''مولانا گنگوہی نے خدانخواستہ کسی نفسانی،غرض کی بناء پر فتوائے تکفیر کی مخالفت نہیں کی تھی بلکہ اصل یہ ہے کہ قادیانی صاحب اس

وقت تک اپنے پورے رنگ میں ظاہر نہیں ہوئے تھے''۔(رئیس قادیان:ص ۳۸۰)

پھر مرزا کی طرف سے بھی بار بار یہ اعلان کیا جارہا تھا کہ میرے عقائد وہی ہیں جو مسلمانوں کے ہیں اور مجھ پر جو الزامات لگائے جارہے ہیں وہ درست نہیں جامع مسجد دہلی میں مولوی عبدالجبار کے ساتھ مرزا کی جو گفتگو ہوئی اس میں اس نے صاف اقرار کیا کہ میں نبوت کا مدعی نہیں اور ان تمام امور کا قائل ہوں جو اسلامی عقائد میں داخل ہیں (رئیس قادیان:ص ۳۳۸)

مرزا کے اسی منافقانہ رویہ سے بہت سے علماء اس کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم کرنے سے عاجز تھے مگر چونکہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہندوستان میں ایک مرکزی حیثیت رکھتی تھی اس لئے علماء لدھیانہ نے اپنے فتوے کی تائید مولانا سے حاصل کرنا ضروری سمجھا علماء لدھیانہ کے اصرار پر مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو حکم بنایا چنانچہ اس کی تفصیل میں مولانا رفیق دلاوری صاحب لکھتے ہیں:

''بہرحال مولانا گنگوہی نے فرمایا کہ مولانا محمد یعقوب ہم سب میں بڑے ہیں، جو کچھ یہ فرمائیں گے مجھے بسر وچشم قبول ہوگا مولوی محمد صاحب نے مولانا محمد یعقوب کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ نے قادیانی کے متعلق جو جو رائے کل ظاہر فرمائی تھی کیا آپ اس کو تحریر میں لاسکیں گے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں میں لکھ دوں گا کہ قادیانی کے الہام، اولیاء اللہ کے الہامات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے لیکن بالفعل کاروبار جلسہ کی وجہ سے میں عدیم الفرصت ہوں دو تین روز کے بعد لکھ کر روانہ کردوں گا۔ علماء لدھیانہ دیوبند سے مراجعت فرما ہوئے۔ دو تین دن کے بعد مولانا محمد یعقوب نے ایک فتوی اپنے ہاتھ سے لکھ کر بذریعہ ڈاک لدھیانہ بھیج دیا جس کا مضمون یہ تھا کہ ''یہ شخص میری دانست میں لامذہب معلوم ہوتا ہے اس شخص نے اہل اللہ کی صحبت میں رہ کر فیض باطنی حاصل نہیں کیا معلوم نہیں اس کو کس روح کی اویسیت ہے مگر اس کے الہامات اولیاء اللہ کے الہامات سے کچھ مناسبت اور علاقہ نہیں رکھتے''۔

(رئیس قادیان:ص ۳۸۰)

اس فتوے میں مولانا یعقوب صاحب نے صاف طور پر مرزا قادیانی ''کو لامذہب'' کہا اور حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ پہلے یہ فیصلہ دے چکے تھے کہ جو مولانا کا فیصلہ ہوگا وہی میرا مگر یہ فتوی بھی ابتدائی دور کا ہے بعد میں جب مرزا قادیانی صاحب پوری طرح اپنے اصل رنگ میں آئے اور مسیحیت ونبوت کا دعوی کیا تو مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے صاف طور پر اس شخص کی تکفیر کا فتوی دیا۔ مولانا رفیق دلاوری صاحب لکھتے ہیں کہ:

''حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور تمام دوسرے اکابرامت جو قادیانی کی تکفیر سے پہلوتہی کرتے اور لوگوں کو اس سے منع کرتے تھے، آئیندہ چل کر اس کو مرتد اور خارج از اسلام قرار دینے لگے''۔(رئیس قادیان:ص ۳۸۱)

مجھے اہل بدعت کی دیانت پر افسوس ہوتا ہے اور رہ رہ کر یہ خیال آتا ہے کہ آخر یہ لوگ یوم حساب کو کیوں بھول گئے؟ کیوں ان کے دلوں سے یہ بات نکل گئی کہ ایک دن مرنا ہے اور اللہ کو جواب دینا ہے؟

قارئین کرام! غور فرمائیں ''رئیس قادیان'' کا صفحہ نمبر ۳۷۲ کا حوالہ تو بڑے زور وشور سے دیا جارہا ہے مگر اسی کتاب کا ص نمبر ۳۸۱ ان کو نظر نہیں آتا جو ان کے اعتراض کی بیخ کنی کررہا ہے کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ اہل بدعت کا یہ اعتراض تعصب کی بناء پر نہیں بلکہ غلط فہمی کی بناء پر تھا؟ یہ کیا دجل وفریب ہے کہ کسی مسئلہ کی وضاحت پر ۸ صفحات کے طویل مضمون کو چھوڑ کر اپنی مطلب کی صرف تین سطریں پیش کرکے لوگوں کو دھوکہ دیا جائے الحساب یوم الحساب۔

مرزا قادیانی کے متعلق حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتوے کا ذکر مولانا خلیل احمد سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی عقائد کی مستندترین کتاب

"المہند علی المفند"، میں کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"ہم اور ہمارے مشائخ سب کا مدعی نبوت ومسیحیت قادیانی کے بارے میں یہ قول ہے کہ شروع شروع میں جب تک اس کی بدعقیدگی ہمیں ظاہر نہ ہوئی بلکہ یہ خبر پہنچی کہ وہ اسلام کی تائید کرتا ہے اور تمام مذاہب کو بدلائل باطل کرتا ہے تو جیسا کہ مسلمان کو مسلمان کے ساتھ زیبا ہے ہم اس کے ساتھ حسن ظن رکھتے اور اس کے بعض ناشائستہ اقوال کو تاویل کر کے محمل حسن پر حمل کرتے رہے اس کے بعد جب اس نے نبوت ومیسحیت کا دعوی کیا اور عیسی مسیح کے آسمان پر اٹھائے جانے کا منکر ہوا اور اس کا خبیث عقیدہ اور زندیق ہونا ہم پر ظاہر ہوا تو ہمارے مشائخ نے اس کے کافر ہونے کا فتوی دیا قادیانی کے کافر ہونے کی بابت ہمارے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا فتوی تو طبع ہو کر شائع بھی ہو چکا ہے"۔

(المہند علی المفند: ص ۸۵، ۸۶ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے اس فتوی تکفیر کے بعد مرزا قادیانی کی توپوں کا رخ پوری طرح آپ کے خلاف ہوگیا اور وقتاً فوقتاً آپ کے خلاف اشتہار بازی کی گئی جس میں گالم گلوچ کر کے خوب دل کی بھڑاس نکالی گئی چنانچہ مرزا قادیانی نے ۲۶ شوال ۱۳۱۰ھ کو ایک اشتہار "مباہلہ" کیلئے شائع کیا جس میں ان لوگوں کو مباہلے کی دعوت دی گئی تھی جو مرزا قادیانی کو کافر کہتے ہیں ان علماء میں "مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ" کا نام بھی لکھا گیا۔

(ملاحظہ ہو مجموعہ اشتہارات: ج ۱ص ۴۲۰ تا ۴۲۵ مطبوعہ الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ)

اسی طرح مرزا قادیانی نے ایک اشتہار خاص حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کر کے شائع کیا جس کا عنوان یہ تھا:

"میاں رشید احمد گنگوہی وغیرہ کی ایمانداری پرکھنے کیلئے جنہوں نے اس عاجز کی نسبت یہ اشتہار شائع کیا کہ یہ شخص کافر اور دجال اور شیطان ہے اور اس پر لعنت اور سب وشتم کرتے رہنا ثواب کی بات ہے اس اشتہار کے وہ سب مکفر مخاطب ہیں جو کافر اور اکفر کہنے سے باز نہیں آتے خواہ لدھیانوی ہیں یا امرتسری یا غزنوی یا بٹالوی یا گنگوہی۔۔الخ"۔

(مجموعہ اشتہارات: ج ۲ص ۱۱۷ الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ)

مورخ مرزائیت دوست محمد شاہد نے بھی اپنی کتاب میں اس بات کا اقرار کیا کہ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک آدمی کو صرف اس لئے کافر کذاب و دجال لکھا کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ آدمی مرزا غلام احمد قادیانی ہے۔ (تاریخ احمدیت، ج ۳ص ۱۴۱، مطبوعہ ربوہ)

غرض ان تمام حوالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوئی کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جب تک مرزا کے عقائد پر مطلع نہ تھے انہوں نے تکفیر سے انکار کیا مگر جب مرزا کے عقائد کھل کر ان کے سامنے آئے تو انہوں نے زور وشور سے نہ صرف مرزا صاحب کی تکفیر کی بلکہ اس فتوے کو بصورت اشتہار بھی شائع کروایا کسی کے عقائد پر پوری طرح مطلع نہ ہو کر اس کی تکفیر سے انکار یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔

بریلوی ذرا اپنے گھر کی خبر لیں

اب ذرا ہم بریلویوں کو ان کی کتب کی بھی کچھ سیر کروالیں پیر غلام فرید چاچڑاں صاحب کے متعلق بریلوی استاد العلماء (فیضان اعلی حضرت، ص ۳۲۹) مولوی فیض احمد اویسی لکھتے ہیں کہ:

ادھر چاچڑاں (ریاست بہاولپور) کے مشہور شیخ طریقت اور صوفی شاعر خواجہ غلام فرید چشتی بھی ابتداء میں مرزا صاحب کے متعلق

بہت حسن ظن رکھتے تھے۔۔۔اس پر خواجہ صاحب نے اپنے جواب میں اعانت فی الدین کا وعدہ کرتے ہوئے مرزا صاحب کی شان میں تعریفی کلمات تحریر فرمائے۔۔۔جب علماء نے مرزا صاحب کے خلاف لکھنا شروع کیا تو خواجہ صاحب نے فرمایا یہ شخص حمایت دین پر کمر بستہ ہے علماء تمام مذاہب باطلہ کو چھوڑ کر اس نیک آدمی کے پیچھے کیوں پڑ گئے حالانکہ وہ اہل سنت والجماعت سے ہے اور صراط مستقیم پر ہے۔

(مہر منیر: ص ۲۰۴،۲۰۵،مطبوعہ پنڈی ۱۹۹۴)

نواب احمد رضا خان بریلوی نے مرزا قادیانی کی تکفیر نہیں کی بریلی سے قادیانی کی تکفیر کا پہلا فتوی ۱۳۱۵ھ میں جاری ہوا

ڈاکٹر مجید اللہ قادری نواب احمد رضا خان بریلوی کے صاحبزادہ جناب حامد رضا خان بریلوی کے متعلق لکھتے ہیں:

''آپ نے اور بھی کئی کتابیں لکھیں جن میں ''الصارم الربانی علی اسراف القادیانی''(۱۳۱۵ھ) بہت مشہور ہوئی جو آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف لکھی تھی جس میں **آپ نے مرزا غلام احمد کو مدلل دلائل سے دین سے خارج ثابت کیا۔قادیانیوں کو پہلی مرتبہ بریلی سے اس قسم کے فتوی کا سامنا** ہوا۔یہ کتاب ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۶ء میں مطبع حنفیہ پٹنہ سے شائع ہوئی تھی ردقادیانیت میں یہ پہلا مدلل رسالہ شائع ہوا تھا''

(مقدمہ خطبہ صدارت آل انڈیا سنی کانفرنس مراد آباد،ص ۴)

اس عبارت میں بریلوی محقق خود اقرار کر رہا ہے کہ قادیانیوں کو خارج از اسلام یعنی کافر جس فتوے میں کہا گیا وہ احمد رضا خان کا فتوی نہیں بلکہ ان کے بیٹے کا ایک رسالہ تھا جو ۱۳۱۵ ہجری میں لکھا گیا۔جبکہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ۱۳۱۰ ہجری یعنی اس سے پانچ سال پہلے ہی مرزا قادیانی کے دجال اور کافر ہونے کا فتوی صادر کر چکے تھے۔اس سب کے باوجود رضا خانیوں کو یہ کہتے ہوئے شرم نہیں آتی کہ ہمارے امام احمد رضا خان نے مرزا قادیانی پر سب سے پہلے کفر کا فتوی لگایا تھا اور مولانا گنگوہی تو اس کو مسلمان سمجھتے تھے معاذ اللہ۔

(اعتراض ۱۴۴):اشرف علی تھانوی مرزا قادیانی کی دہلیز پر

یہ عنوان قائم کر کے اس معترض نے لکھا:

دیوبندی حکیم الامت اشرف علی تھانوی نے اپنی کتاب ''احکام اسلام عقل کی نظر میں'' مرزا قادیانی کی کتابوں کی عبارتیں اپنے نام سے شائع کی ہیں گویا تھانوی صاحب مرزا قادیانی کے فیض یافتہ ہیں۔مزید تفصیلات جاننے کے لئے شائقین ماہنامہ القول السدید میں شائع مضمون تھانوی قادیانی کی دہلیز پر کا مطالعہ کریں۔

(دیوبندیت کے بطلان انکشاف،ص ۱۲۶)

جواب: بڑے بڑے بے شرم و بے حیا اس دنیا میں گزرے ہوں گے مگر اس صفت میں دنیا کا بڑے سے بڑا بے شرم و بے حیاء بھی رضا خانی قوم کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔دراصل حضرت حکیم الامت مجدد دین وملت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ اعتراض سب سے پہلے قادیانیوں نے کیا رضا خانیوں نے انہی کا مواد سرقہ کر کے اپنے نام سے شائع کر دیا تو گویا اس باب میں مرزائیوں کے فیض یافتہ بریلوی

رضا خانی مرزائی نکلے نہ کہ علمائے دیوبند۔ اللہ پاک جزائے خیر دے مفکر اسلام حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی کو کہ انہوں نے اس اعتراض کا وہ مدلل جواب دیا تھا کہ ساری زندگی مرزائیوں کو دوبارہ یہ پروپیگنڈہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی ہم وہ جواب من و عن حضرت کی لاجواب کتاب ”مرزا غلام احمد قادیانی اپنی عادات ،پیشن گوئیوں اور کردار کے آئینہ میں ص ۲۸۹ تا ۳۵۲ من وعن نقل کر رہے ہیں۔ملاحظہ ہو۔

عقل کو گم کرنے والے سنسنی خیز انکشافات

برأت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اللہ خیر اما یشرکون اما بعد......

قادیانیوں نے حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”المصالح العقلیہ“ میں بعض عبارات کو مرزا غلام احمد قادیانی کی عبارات سے لفظاً لفظاً ملتے پایا تو انہوں نے دعویٰ کیا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ عبارات مرزا صاحب کی پانچ کتابوں سے لی ہیں،اور یقیناً انہی سے لی ہیں۔

ان کے دوست محمد شاہد نے ۵ رمئی اور ۷ رمئی ۱۹۸۳ء کے الفضل ربوہ میں پہلی بار یہ انکشاف کیا اور پھر ان کے ہفت روزہ لاہور نے اس مضمون کو اپنے اہتمام سے شائع کیا اور دعویٰ کیا کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مضامین مرزا صاحب کی کتابوں سے لئے ہیں اور یہ بھی الزام لگایا کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کہیں نہیں لکھا کہ یہ مضامین انہوں نے کسی اور مصنف سے لئے ہیں۔

دوست محمد شاہد کے اس الزام نے عوام میں ایک عجیب پریشانی پیدا کردی کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر اور شہرہ آفاق عالم نے مرزا غلام احمد کی عبارات کو کیوں اپنا ظاہر کیا ہے مگر ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی جب ہم نے دیکھا کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب کے مقدمہ میں صاف لکھ دیا ہے کہ انہوں نے اپنی اس کتاب میں بعض مضامین کسی اور کتاب سے لئے ہیں،اس میں چونکہ بہت سی باتیں غلط بھی تھیں اور کچھ مضامین صحیح تھے۔اس لئے مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کا نام ذکر نہ کیا تا کہ اس میں لوگوں کی غلط رہنمائی کا گناہ ان پر نہ آئے۔لیکن یہ صاف لکھ دیا کہ کچھ مضامین آپ نے کسی اور کتاب سے لئے ہیں۔اور آپ نے یہ بات کسی معرض خفا میں نہیں رکھی۔

المصالح العقلیہ کے اس مقدمہ میں اس کتاب کے بارے میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ الفاظ ملاحظہ فرمائیے۔اور یہ فیصلہ آپ خود کریں کہ دوست محمد شاہد کا یہ الزام کہ حضرت تھانوی نے کہیں نہیں لکھا کہ مضامین انہوں نے کسی اور مصنف سے لئے ہیں کہاں تک صحیح ہے۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی اس کتاب میں لکھتے ہیں۔

> ”احقر نے غایت بے تعصبی سے اس میں بہت سے مضامین کتاب مذکورہ بالا سے بھی جو کہ موصوف بصحت تھے لے لئے اور اس میں احکام مشہورہ کی کچھ کچھ وہی مصلحتیں مذکور ہوں گی جو اصول شرعیہ سے بعید نہ ہوں اور افہام عامہ کے قریب ہوں مگر یہ مصلحتیں نہ سب خصوص ہیں نہ سب مدار احکام اور نہ ان میں انحصار ہے۔“
>
> (المصالح العقلیہ ،ص ۱۴۔۱۵)

ہم نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ تصریح دیکھی تو قادیانی خیانت کا پردہ اچانک چاک ہوگیا۔وہ حیرت جاتی رہی جو دوست محمد

شاہد قادیانی کے مذکورہ سابقہ مضمون سے پیدا ہوئی تھی مگر اس پر حیرت ضرور ہوئی کہ دوست محمد قادیانی کو اتنا صریح جھوٹ بولنے اور مغالطہ دینے کی جرات کیسے ہوئی کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی قسم کا حوالہ دیئے بغیر دوسروں کی عبارات کو اپنا ظاہر کیا ہے۔ اگر وہ یوں کہتے کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کے مصنف کا نام نہیں لیا جہاں سے بعض عبارات انہوں نے لی ہیں تو بیشک انہیں اس سوال کا حق پہنچتا تھا لیکن اس حوالے کا سرے سے ذکر نہ کرنا اور لوگوں کو یہ تاثر دینا کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے غلام احمد کی یہ عبارات بغیر کسی قسم کا حوالہ دیئے اپنے نام سے پیش کر دی ہیں قادیانیوں کی کھلی خیانت اور ان کے صریح جھوٹ کی ایک نئی مثال ہے۔ جو لوگ خدا پر جھوٹ باندھتے ہوئے نہ شرمائیں ان کے لئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر جھوٹ باندھنا کوئی بعید از عقل بات نہ تھی۔

ہم نے ماہنامہ ''الرشید'' ساہیوال کی اگست ۱۹۸۳ء کی ایک اشاعت میں دوست محمد شاہد سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ اس غلط بیانی کی بر سر عام معافی مانگیں مگر افسوس کہ انہیں اس کی توفیق نہ ہوئی، البتہ ان کے ایک ایڈووکیٹ محمد شبیر ہرل نے ہفت روزہ لاہور کی ۲۷/اگست کی اشاعت میں دوست محمد صاحب کی اس خیانت کو حق بجانب ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ ہم نے ہفت روزہ خدام الدین لاہور کی ۱۶/ستمبر ۱۹۸۳ء کی اشاعت میں عذر گناہ بدتر از گناہ کے عنوان سے اس کا پورا تعاقب کیا۔ قادیانیوں کے دو پہلوان دوست محمد اور محمد شبیر ہرل چت گرے تو ان کی طرف سے بورے والا کے عبدالرحیم بھٹہ، ہفت روزہ لاہور کی ۲۹/اکتوبر کی اشاعت میں سامنے آئے اور ایک ایسا مضمون لکھا جو تضاد بیانی، حیرت سامانی اور بوکھلاہٹ میں اپنی مثال آپ ہے اور اس لائق نہیں کہ اس کی تردید کرنے کی کہیں ضرورت محسوس ہو۔

یہ قادیانی مضمون نگار اگر یہ کہتے کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اس مقدمہ کتاب میں صرف ایک کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ حالانکہ ان کی کتاب المصالح العقلیہ میں مرزا صاحب کی ایک کتاب سے نہیں ان کی پانچ کتابوں کے اقتباسات ہیں تو پھر بھی کوئی بات تھی اور ہمارے ذمہ ہوتا کہ ہم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے کوئی جواب گزارش کریں۔ مگر افسوس کہ دوست محمد قادیانی نے اپنے اس انکشاف کی خشتِ اول ہی کچھ ایسی ٹیڑھی رکھی تھی کہ اس پر جو دیوار بنتی گئی ٹیڑھی ہی بنتی گئی۔ یہاں تک کہ عبداللہ ایمن زئی نے اس پر ایک رسالہ ''کمالاتِ اشرفیہ'' لکھ مارا، اس طنز آمیز نام سے کتاب کی خوب اشاعت کی ایمن زئی صاحب نے بھی کہیں یہ ذکر نہ کیا کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب کے مقدمہ میں لکھ دیا ہے کہ انہوں نے اس کتاب کے بعض مضامین کسی دوسری کتاب سے لئے ہیں۔ اگر وہ یہ بات لکھ دیتے تو ان کی یہ نشان دہی ''مذہبی دنیا میں زلزلہ'' کیسے بنتی اور وہ اپنے اس رسالہ کو ''عقل کو گم کر دینے والے انکشافات'' کیسے کہتے۔ اس کی انہیں کوئی راہ نہ ملتی تھی۔

تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیئے

افسوس کہ یہ لوگ ایک ہی لکیر پیٹتے رہے کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مضامین مرزا صاحب کی پانچ کتابوں سے بغیر کسی قسم کا حوالہ دیئے اپنی کتاب میں نقل کئے ہیں۔ ہم نے ان قادیانی مضمون نگاروں کے ہر مضمون پر ان کا نوٹس لیا اور انہیں اس غلط بیانی اور خیانت سے رجوع کرنے کی دعوت بھی دی مگر افسوس کہ ان حضرات نے کہیں بھی اپنی اس خیانت پر پریشانی کا اظہار نہ کیا اور نہ انہیں اپنی اس علمی خیانت سے توبہ کی توفیق ہوئی۔

آئیے اب ہم اصل موضوع پر کچھ حقائق عرض کرتے ہیں۔

عقلی حکمتیں مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ایک نہایت بلند پایہ اور راسخ فی العلم عالم دین تھے،ان کے ہاں احکام دین کی یہ مصلحتیں نہ منصوص ہیں اور نہ مدار احکام، بلکہ وہ تو یہ چاہتے تھے کہ لوگ اس قسم کے مباحث میں نہ پڑیں لیکن وہ انہیں اس سے روکنے پر قادر نہ تھے، مجبوراً انہوں نے ایک صحیح سمت رخ موڑا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے وہ مضامین جو ان کے نزدیک اصول شریعت کے خلاف نہ تھے لے لئے اور اس کتاب کے مؤلف کا نام نہ بتایا کہ اس کی نشاندہی پر لوگ اس کتاب کی طرف نہ دیکھیں جو تمام تر رطب و یابس سے پر تھی۔اور عامۃ الناس کو اس کا دیکھنا سخت مضر تھا۔مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

’’غرض اس میں کوئی شک نہ رہا کہ اصل مدار ثبوت احکام شرعیہ وفرعیہ کا نصوص ہیں لیکن اسی طرح اس میں بھی شبہ نہیں کہ باوجود اس کے پھر بھی ان احکام میں مصالح اور اسرار بھی ہیں اور اگر مدار ثبوت ان احکام کا ان پر نہ ہو جیسا کہ اوپر مذکور ہوا،لیکن ان میں خاصیت ضرور ہے کہ بعض طبائع کے لئے ان کا معلوم ہو جانا احکام شرعیہ میں مزید اطمینان پیدا کرنے کے لئے ایک درجہ میں معین ضرور ہے گو اہل یقین راسخ کو اس کی ضرورت نہیں۔‘‘(المصالح العقلیہ ص ۱۳)

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت سے یہ واضح ہے کہ انہوں نے اس ایک کتاب سے مضامین اس لئے نہیں لئے کہ مولانا کو خود ان کی ضرورت تھی یا وہ انہیں کسی درجہ میں علم ومعرفت کا سرمایہ سمجھتے تھے، بلکہ محض اس لئے کہ ان کے بیان سے وہ علم ویقین کے ضعفاء کو کسی درجہ میں کچھ تسلی دے سکیں،حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس تصریح کے باوجود جناب عبداللہ ایمن زئی،حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس آبِ حیات کا متلاشی بتلا رہے ہیں۔جو ہندوستان کے کئی راہ گم کردہ لوگوں کے لئے زہر ثابت ہو چکا تھا۔یہ جانتے ہوئے کہ حضرت مولانا جیسے راسخین فی العلم کے ہاں ان مضامین عقلیہ کا کچھ وزن نہیں وہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اس ’’چشمۂ فیض‘‘ سے سیراب ہوتا یوں پیش کرتے ہیں ان کے مندرجہ ذیل پانچ نکات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس نکتے پر غور فرما رہے تھے کہ خنزیر کو حرام قرار دینے کا عقلاً کیا جواب ہے،اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں جو لٹریچر تخلیق ہوا اور بڑے بڑے علماء ومفسرین نے اس مسئلے پر جو کچھ لکھا وہ سب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں تھا مگر انہوں نے یہ سارا سرمایہ معرفت ایک طرف رکھ دیا اور مرزا صاحب نے اپنی کتاب میں حرمت خنزیر کے جو اسباب بیان کئے تھے وہ اپنی کتاب میں نقل کر دیئے۔(ایضاً ص ۱۶)

(۲) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کی تصنیف کے وقت غور فرما رہے تھے کہ نماز پنجگانہ میں کیا حکمتیں ہیں اسی دوران میں’’ان کی نظر سے مرزا صاحب کی مذکورہ کتاب گزری‘‘اس میں بیان کردہ حکمتیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس قدر پسند آئیں کہ لفظ بہ لفظ اپنی کتاب میں نقل فرما دیں۔‘‘(ایضاً ص ۱۶)

(۳) حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کتاب کے لئے اس موضوع پر غور وفکر اور مطالعہ فرما رہے تھے تلاش وتحقیق کے دوران مرزا صاحب کی کتاب’’نسیم دعوت‘‘انہیں ملی انہوں نے یہ کتاب پڑھی اور محسوس کیا کہ انسانی قویٰ کے استعمال کے جو طریقے مرزا صاحب نے قرآن شریف پر تدبر’’ کرنے کے بعد بیان کئے ہیں ان سے بہتر نکات بیان نہیں کئے جا سکتے۔‘‘(ایضاً ص ۱۶)

(۴) روح اور قبر کے تعلق کے بارے میں صدیوں تک علماء اور حکماء اسلام نے بحث کی اور آ کر یہی نتیجہ نکالا کہ قبر کے ساتھ روح کا تعلق کچھ نہ کچھ ضرور ہوتا ہے۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر بھی یہی مسئلہ تھا۔۔۔اسی دوران میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر سے مرزا صاحب کی ایک تقریر گزری۔۔۔۔۔۔مرزا صاحب کی تقریر کی ساری عبارت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب میں پیش کر لی۔(ایضاً ص ۲۰)

(۵) حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نکاح اور طلاق کی حکمتوں پر غور فرما رہے تھے۔مرزا صاحب اپنی کتاب آریہ دھرم میں نکاح وطلاق کی حکمتوں پر بحث کر چکے تھے۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب کا مطالعہ کیا اور اس سے استفادہ کیا،مولانا مغفور مرزا صاحب کی بحث کو پڑھ کر اسے اپنے رنگ میں اور اپنے الفاظ میں بیان کر سکتے تھے۔۔۔مگر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو خراج تحسین ادا کرنا پڑتا ہے،کہ انہوں نے دھوکہ فریب سے کام لینے کی بجائے مرزا صاحب کی یہ ساری بحث مرزا صاحب ہی کے الفاظ میں اپنی کتاب کی زینت بنا دی۔

ان پانچوں اقتباسات کا حاصل یہ ہے کہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان مسائل میں واقعی ضرورت مند تھے اور مرزا صاحب کی کتابوں میں ان کی مشکل کا حل موجود تھا اور انہوں نے اپنی یہ مشکل مرزا صاحب کی کتابوں سے ہی حل کی جناب عبداللہ ایمن زئی نے یہ عبارات لکھتے ہوئے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس جملہ کو چھوا تک نہیں جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی اس کتاب کے مقدمہ میں لکھ چکے تھے اور اس سے پوری حقیقتِ حال سے پردہ اٹھتا تھا۔وہ جملہ یہ ہے۔

''اہل یقین راسخ کو اس کی ضرورت نہیں لیکن بعض ضعفاء کے لئے تسلی بخش اور قوت بخش بھی ہے۔۔۔الخ''

اب آپ ہی غور کریں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو ان مضامین عقلیہ کو کوئی علم وعرفان کا موضوع قرار نہیں دے رہے ہیں۔ضعفاء ایمان کے لئے محض ایک تسلی کا سامان کہہ رہے ہیں اور عبداللہ ایمن زئی صاحب ہیں کہ خلاف مراد متکلم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو ان مضامین میں تحقیق حق کا جویا بتلا رہے ہیں۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو غور وفکر میں ڈوبا ہوا،ظاہر کر رہے ہیں اور لکھ رہے ہیں اب جو شخص حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقدمہ کو پڑھے گا اور پھر ایمن زئی صاحب کی ان عبارات کو دیکھے گا وہ بلا تامل کہے گا کہ ایمن زئی صاحب نے ان عبارات میں حق وانصاف کا خون کیا ہے،اور کچھ بھی خدا کا خوف نہیں کیا،جو بات حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف ضعفاء ایمان کے لئے تسلی کا سامان بتائی تھی اسے ایمن زئی نے خود حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے راسخ فی العلم کے لئے سرمایہ یقین ٹھہرایا ہے۔سبحانک ھذا بہتان عظیم یہ کھلی خیانت نہیں تو اور کیا ہے؟

عقلی حکمتیں اور روحانی معارف

عبداللہ ایمن زئی نے یہ جانتے ہوئے کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک احکام اسلامی کی مصلحتوں اور حکمتوں کا علم سرے سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور نہ وہ اسے کسی پہلو سے روحانی معارف میں جگہ دیتے ہیں مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب المصالح العقلیہ کو روحانی معارف کی کتاب سمجھ لیا ہے۔ایمن زئی صاحب یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو سرے سے ہی ان کے خلاف تھے،انہیں محض ضعیف الاعتقاد لوگوں کے لئے سامان تسلی سمجھتے تھے۔کاش کہ ایمن زئی صاحب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عبارت ہی مقدمہ میں دیکھ لیتے۔

''ہمارے زمانہ میں تعلیم جدید کے اثر سے جو آزادی طبائع میں آ گئی ہے اس سے بہت سے لوگوں کو ان مصالح کی تحقیق کا شوق

پیدا ہوگیا ہے اور گو اس کا علاج تو یہی تھا کہ ان کو اس سے روکا جائے ۔'' (المصالح العقلیہ ص ۱۴)

اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں ان کی یہ کتاب کوئی روحانی معارف کی کتاب نہ تھی، انہوں نے ادنیٰ سمجھ والوں کے لئے احکام اسلام کی یہ چند مصلحتیں ذکر کی ہیں تا کہ عوام کو ان میں رغبت ہو ۔ افسوس کہ ایمن زئی صاحب نے انہیں روحانی معارف کا خزانہ یا قرآن مجید کی کوئی بہت بڑی تفسیر سمجھ لیا اور ثابت کرنے کی کوشش کی اور کہا کہ دیکھو مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا جب جلیل القدر عالم مرزا صاحب سے روحانی معارف کا سبق لے رہا ہے ۔ ایمن زئی صاحب لکھتے ہیں ۔

''لاکھوں انسانوں کے پیشوا حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی مشہور و معروف کتاب **احکام اسلام عقل کی نظر** میں، ایک ایسی پر معارف تصنیف ہے جس کے اسرار و معارف مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی مختلف اور متعدد کتابوں سے نقل کئے گئے ہیں ۔ (کمالات اشرفیہ ص ۵)

پھر ایمن زئی صاحب یہ بھی لکھ گئے :

''اپنے زمانے کا اتنا بڑا عالم جس نے لاکھوں انسانوں کو علم دین پڑھایا، وہ اپنی کتاب احکام اسلام عقل کی نظر میں لکھتے ہوئے اتنا بے بس ہوگیا کہ روحانی معارف بیان کرنے کے لئے اسے مرزا صاحب کی کتابوں کا سہارا لینا پڑا''۔ (ایضاً ص ۵)

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو اپنی اس کتاب کو روحانی معارف کا خزانہ بالکل نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ صراحت کر رہے ہیں کہ راسخ العلم اہل یقین کو اس کی کوئی ضرورت نہیں صرف ضعفاء اسلام کے لئے اس میں کچھ تسلی کا سامان ہے مگر ایمن زئی صاحب ان کی کتاب پر عقیدت کا وہ حاشیہ چڑھا رہے ہیں جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین میں بھی کسی کو آج تک نہیں سوجھا ہوگا۔ یہ اس لئے نہیں کہ انہیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت ہے بلکہ اس لئے کہ وہ اپنے اس اظہار سے مرزا غلام احمد کے بارے میں اپنے بیمار ذہن کو کچھ تسکین دینا چاہتے ہیں ۔

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں غیر مسلموں کی نقول

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب میں احکام اسلام کی بعض حکمتیں غیر مسلموں سے بھی نقل کی ہیں ۔ آپ ایک مقام پر ایک جرمن مقالہ نویس سے اسلام کے حفظ صحت کے اصولوں میں ایک حکمت ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں ۔

''اسلام نے صفائی اور پاکیزگی اور پاکبازی کی صاف وصریح ہدایات کو نافذ کر کے جرائم ہلاکت کو مہلک صدمہ پہنچایا ہے غسل اور وضو کے واجبات نہایت دور اندیشی اور مصلحت پر مبنی ہیں غسل میں تمام جسم اور وضو میں ان اعضاء کا پاک ہونا ضروری ہے جو عام کاروبار یا چلنے پھرنے میں کھلے رہتے ہیں ۔ منہ کو صاف کرنا اور دانتوں کو مسواک کرنا، ناک کے اندرونی گرد و غبار وغیرہ کو دور کرنا یہ تمام حفظ صحت کے لوازم ہیں اور ان واجبات کی بڑی شرط آب رواں کا استعمال ہے جو فی الواقع جراثیم سے پاک ہوتا ہے ۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے لحم خنزیر اور بعضے ممنوع جانوروں کے اندر امراض ہیضہ وٹائی فائیڈ بخار وغیرہ کا خطرہ دریافت کرلیا تھا۔

(المصالح العقلیہ ص ۲۹۸ منقول از اخبار وکیل ۱۸ جون ۱۹۱۳ء ۶۶۲)

عبداللہ ایمن زئی کیا اس جرمن مقالہ نویس کو قرآنی معارف کا سرچشمہ کہیں گے؟ کہ مولانا تھانوی جیسا بڑا عالم احکام اسلام کی ایک حکمت اس غیر مسلم سے نقل کر رہا ہے ۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جرمنی کے ڈاکٹر کوخ کی بھی ایک تحریر احکام اسلام کے مصالح عقلیہ میں پیش کی ہے ۔ ہم اس کا بھی ایک اقتباس یہاں پیش کرتے ہیں ۔

’’جس وقت مجھ کو نوشادر کا داء الکلب کے لئے تیر بہدف علاج ہونا دریافت ہوگیا ہے اس وقت سے میں اس عظیم الشان شخص کی خاص طور پر قدر ومنزلت کرتا ہوں۔اس انکشاف کی راہ میں مجھ کو انہیں کے مبارک قول کی شمع نور نے روشنی دکھائی۔میں نے ان کی وہ حدیث پڑھی جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس برتن میں کتا منہ ڈالے اس کو سات مرتبہ دھولو چھ مرتبہ پانی سے ایک مرتبہ مٹی سے۔ یہ حدیث دیکھ کر مجھ کو خیال آیا کہ محمد جیسے عظیم الشان پیغمبر کی بات میں فضول گوئی نہیں ہوسکتی،ضرور اس میں کوئی مفید راز ہے اور میں نے مٹی کے عنصروں کی کیمیائی تحلیل کر کے ہر ایک عنصر کا داء الکلب میں الگ استعمال شروع کیا آخر میں نوشادر کے تجربہ کی نوبت آتے ہی مجھ پر منکشف ہوگیا کہ اس مرض کا یہی علاج ہے۔

(المصالح العقلیہ ص ۳۰۲ منقول از اخبار مدینہ بجنور ۹ مارچ ۱۹۱۷ء)

ان مثالوں سے واضح ہے کہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃاللہ علیہ نے احکام اسلام کے مصالح عقلیہ بیان کرنے میں کچھ مضامین غیر مسلموں سے بھی لئے ہیں۔ڈاکٹر موریس فرانسیسی، مسٹر آرنلڈ وہائٹ، مسٹر ایڈورڈ براؤن کی تحریرات کے ساتھ ساتھ آپ نے گورو بابانانک سے بھی کچھ باتیں نقل کی۔ یہ کوئی دینی سند یا قرآن وحدیث کی تفسیر نہیں جو غیر مسلموں سے نقل کی جارہی ہے۔مباحث عقلیہ میں غیر مسلموں سے کوئی بات لے لینا ہرگز کسی پہلو سے ممنوع نہیں،کوئی پڑھا لکھا شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃاللہ علیہ نے اس جرمن مقالہ نویس یا ڈاکٹر کوخ سے یا ان دوسرے غیر مسلم مضمون نگاروں سے روحانی معارف حاصل کئے ہیں۔اب آپ اگر ان غیر مسلموں میں مرزا غلام احمد سے بھی کچھ باتیں مباحث عقلیہ میں لے لیں تو اس سے یہ نتیجہ کیسے نکل آیا جو ایمن زئی صاحب ان الفاظ میں نکال رہے ہیں۔

’’راقم تو اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ اگر علامہ تھانوی جیسے عالم بے بدل اور لاکھوں مسلمانوں کے روحانی پیشوا نے روحانی علم مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے چشمہ علم ومعرفت سے حاصل کیا تو پھر اس زمانے میں علم دین اور روحانیت کا سرچشمہ تو مرزا صاحب ہوئے۔(کمالات اشرفیہ ص ۴۸)

محترم! اگر آپ اپنی اس عبارت کا یہ آخری جزء یوں لکھتے تو آپ کی دیانتداری کسی درجہ میں لائق تسلیم ہوتی اور پھر ہم اس کا بھی کچھ جواب عرض کرتے۔

’’مسلمانوں کے روحانی پیشوا نے روحانی علم جرمنی کے غیر مسلم مستشرق، جرمنی کے ڈاکٹر کوخ، بابانانک اور مرزا غلام احمد قادیانی کے چشمۂ علم ومعرفت سے حاصل کیا ہے۔‘‘

ایمن زئی صاحب کا اس مقام پر صرف مرزا غلام احمد کو ذکر کرنا ان کے رازدروں کا پتہ دے رہا ہے۔اوپر کی عبارت میں خط کشیدہ الفاظ اگر ہم نے اس لئے لکھا ہے کہ واقعۃً حضرت تھانوی رحمۃاللہ علیہ ے مرزا غلام احمد کی کتابوں سے کوئی بات نہیں لی اور محض الفاظ اور عبارات کے ملنے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت تھانوی رحمۃاللہ علیہ نے یہ مضامین واقعی غلام احمد کی کتابوں ہی سے لئے ہیں۔علمی اور منطقی پہلو سے کسی طرح صحیح نہیں۔آئندہ ہم اس پر تفصیل سے بات کریں گے۔ یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃاللہ علیہ کی اس کتاب کا موضوع سرے سے روحانی معارف نہیں۔ یہ سب مباحث عقلیہ ہیں جو اس کتاب میں پائے جاتے ہیں اور ان میں غیر مسلم کی بات لے لینی بھی کسی پہلو سے محل کلام نہیں۔مولانا تھانوی رحمۃاللہ علیہ کی اس کتاب میں احکام اسلام کی ہزاروں عقلی مصلحتیں مذکور ہیں۔ان میں سے جو باتیں مرزا غلام احمد کے ساتھ مشترک ہیں وہ مولانا تھانوی رحمۃاللہ علیہ کی بیان کردہ کل مصالح عقلیہ کا ۱۰۰/ا حصہ بھی نہیں جس کا دل چاہے گن کر دیکھ لے

اورموازنہ کرلے اور پھراس پر قادیانیوں کے اس دعوے کو بھی منطبق کرے کہ یہ سب روحانی معارف مرزا غلام احمد سے ہی ماخوذ ہیں۔ہم بطوراصول تسلیم کرتے ہیں کہ مصالح عقلیہ کے اخذ کرنے میں ماخوذ منہ کا مسلمان ہونا شرط نہیں حکمت کی بات مومن کی اپنی متاع گمشدہ ہے۔جہاں سے اسے ملے وہ اسی کی ہے۔الحکمۃ ضالۃ المومن حیث وجدھا ھو احق بھا۔

ایمن زئی صاحب کی عقیدت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے صرف لفظی ہے۔جناب عبداللہ ایمن زئی گو اپنے آپ کو قادیانی نہیں کہہ رہےلیکن ان کی سطرسطر راز دروں پردہ کا پتہ دے رہی ہے۔حضرت تھانوی ؒ کی عقیدت میں بھی وہ رطب اللسان ہیں لیکن ان کی ایک بات پر بھی وہ پورا یقین کرنے کے لئے تیار نہیں۔مولانا تھانوی کی وہ کون سی بات ہے جسے ایمن زئی صاحب تسلیم نہیں کررہے۔وہ حضرت تھانوی ؒ کا بیان ہے کہ انہوں نے یہ مضامین ایک کتاب سے لئے ہیں۔

’’احقر نے غایت بے تعصبی سے اس میں بہت سے مضامین کتاب مذکورہ بالا سے جوکہ موصوف بصحت تھے لے لئے ہیں‘‘۔(احکام اسلام عقل کی نظر میں ص۱۶)

ایمن زئی صاحب نے کمالات اشرفیہ کے ص۷،ص۱۶،ص۲۰،ص۲۷،ص۳۳ پر جولکھا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا صاحب کی پانچ کتابوں (اور وہ بھی مرزا غلام احمد کی نہیں) سے یہ لئے ہیں۔اب آپ ہی بتائیں کہ جوشخص حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی بات کا اعتبار نہیں کرتا وہ کہاں تک ان کا معتقد ہوسکتا ہے۔سو ایمن زئی صاحب کی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت محض ایک لفظی کھیل ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حوالہ میں مصنف کا نام کیوں نہیں لیا

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں یہ حوالہ تو دیا کہ انہوں نے اس کے بعض مضامین ایک کتاب سے نقل کئے جس میں رطب ویابس ہرطرح کے مضامین تھے جومضامین ان کے ہاں روبصحت تھے انہوں نے ان میں سے بہت سے مضامین لے لئے۔لیکن یہ سوال باقی رہا کہ اس کتاب کا مصنف کون تھا اور یہ کہ حضرت تھانوی ؒ نے اس کا نام کیوں نہیں لیا؟

اس کا جواب معلوم کرنے سے پہلے آپ اس مصنف کے بارے میں حضرت تھانوی ؒ کی رائے معلوم کرلیں اور پھرخود سوچیں کہ آپ کے لئے ان کا نام لینا مناسب تھا یا نہ تھا؟ اورآپ نے اس کا نام نہ لے کرمسلمانوں کے ساتھ اورخود اس مصنف کے ساتھ خیرخواہی کی ہے یا بدخواہی؟

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حکیم الامت تھے ان کے ہرعمل میں دینی حکمت جھلکتی ہے وہ ایک کم علم اور کمزورفکرآدمی کا تعارف کراکراس کے غلط افکار کی اشاعت میں حصہ دار بننا نہیں چاہتے تھے اور جو باتیں ان کے قلم سے صحیح نکلیں انہیں بفوائے حدیث ضائع جانے دینا بھی نہیں چاہتے تھے کہ حکمت کی بات مومن کی گمشدہ چیز ہے جہاں سے بھی ملے وہ اسے لے لے۔اس نازک مرحلہ پرحضرت حکیم الامت ایک بیچ کی راہ پر چلے،کتاب کا ذکر کردیا کہ انہوں نے کچھ باتیں ایک کتاب سے لی ہیں۔جس کا مصنف علم وعمل کی کمی کے باعث اس کتاب میں رطب ویابس لے آیا ہے اوراس کتاب کا نام نہ لیا کہ لوگ اس کے غلط مندرجات سے گمراہ نہ ہوں اور نہ مصنف کا نام لیا تاکہ اس کی مزید رسوائی نہ ہو۔حکیم الامت اس نازک موڑ پرایک ایسی راہ چلے ہیں جوان کے پیروں کے لئے واقعی ایک نمونہ ہے۔کوئی غیرمحتاط عالم

ہوتا وہ کبھی نہ اس سلامتی سے اس منجدھار سے باہر نکلتا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب اور اس کے مصنف کے بارے میں جو رائے تحریر فرمائی ہے اسے ہم یہاں نقل کئے دیتے ہیں اس کی روشنی میں اس کتاب اور اس کے مصنف کا نام ذکر نہ کرنے میں جو دینی حکمت تھی وہ خود آپ کے سامنے آجائے گی، آپ لکھتے ہیں۔

”چنانچہ اس وقت بھی ایک ایسی کتاب ہے جس کو کسی قلم نے لکھا ہے مگر علم وعمل کی کمی کے سبب تمام تر رطب و یابس اور غث و سمین سے پر ہے۔ ایک دوست کی بھیجی ہوئی میرے پاس دیکھنے کی غرض سے رکھی ہے اس کو دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوا کہ ایسی کتابوں کا دیکھنا تو عامہ کو مضر ہے مگر عام مذاق کے بدل جانے کے سبب بدوں اس کے کہ اس کا دوسرا بدل لوگوں کو بتلایا جاوے اس کے مطالعے سے روکنا بھی خارج من القدرۃ ہے اس لئے اس کی ضرورت محسوس ہوئی کہ ایک ایسا مستقل ذخیرہ ان مضامین کا ہو جو ان مفاسد سے مبرا ہو۔ ایسے لوگوں کے لئے مہیا کیا جاوے تاکہ اگر کسی کو ایسا شوق ہو تو وہ اس کو دیکھ لیا کریں۔ کہ اگر موروث منافع نہ ہوگا تو دافع مضار تو ہوگا (البتہ جس طبیعت میں مصالح کے علم سے احکام الٰہیہ کی عظمت و رفعت کم ہو جاوے یا وہ ان کو مدار احکام سمجھنے لگے کہ ان کے انتفاء سے احکام کو منتفی اعتقاد کرے یا ان کو مقصود بالذات سمجھ کر دوسرے طریق سے ان کی تحصیل کو بجائے اقامت احکام کے قرار دے لے جیسا کہ اوپر بھی ان مضار کی طرف اجمالاً اس قول میں اشارہ بھی کیا گیا ہے۔ ”چنانچہ بعض اوقات یہ مذاق مضر بھی ہوتا ہے۔“

تو ایسے طبائع والوں کو ہرگز اس کی اجازت نہیں ہے۔ احقر نے غایت بے تعصبی سے اس میں بہت سے مضامین کتاب مذکورہ بالا سے بھی جو کہ موصوف بصحت تھے لے لئے ہیں اور اس میں احکام مشہورہ کی کچھ کچھ وہی مصلحتیں مذکورہ ہوں گی جو اصول شرعیہ سے بعید نہ ہوں اور افہام عامہ کے قریب ہوں، مگر یہ مصلحتیں نہ سب منصوص ہیں نہ سب مدار احکام ہیں اور نہ ان میں انحصار ہے“۔ (المصالح العقلیہ ص ۱۴/ ۱۵)

یہ عبارت خود بول رہی ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب یا اس کے مصنف کا نام کیوں نہیں لیا۔ افسوس کہ قادیانی مضمون نگار اس بات کو پا نہ سکے اور انہوں نے مصنف کا نام نہ لکھنے کی یہ وجہ اپنی طرف سے تصنیف کی۔

”اگر حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں مرزا صاحب کا نام یا ان کی کسی کتاب کا نام درج کر دیتے تو متعصب اور تنگ نظر لوگ ان کی جان کے دشمن ہو جاتے اور ان کی کتاب کو نذر آتش کر دیتے۔ یقین ہے کہ انہیں اپنے وطن (تھانہ بھون) کو بھی خیرباد کہنا پڑتا، اس لئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فتنہ وفساد سے بچنے کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا کہ مرزا صاحب کا حوالہ دیئے بغیر ان کے بیان کردہ معاف اپنی کتاب میں درج کر دیئے۔ (کمالات اشرفیہ ص۴۶)

جواباً گزارش ہے کہ مصنف کا نام نہ لکھنے کی اگر یہی وجہ ہوتی اور حقیقت میں فیض حاصل کرنا پیش نظر ہوتا تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ چلتے چلتے مصنف پر یہ تبصرہ ہرگز نہ کرتے جاتے کہ موصوف علم وعمل کی کمی کے باعث رطب و یابس میں فرق کرنے کے لائق نہیں۔ مولانا کے الفاظ صاف بتا رہے ہیں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اس کی کوئی عظمت نہ تھی اور نہ ہی حضرت ؒ نے اس سے کوئی اکتساب فیض کیا تھا، انہوں نے اس کا نام محض اس لئے نہ لیا کہ اسے مزید بے آبرو نہ کیا جائے نہ اس کتاب کی غلط اشاعت سے اپنے اوپر کوئی گناہ کا بار لیا جائے۔

کم علم اور بے عمل آدمی کے کلام میں اسرار حکمت کہاں

رہا یہ سوال کہ ایک کم علم اور بے عمل آدمی کے کلام میں یہ اسرار حکمت کہاں سے آ گئے؟ جواباً گزارش ہے کہ یہاں علم سے مراد

کتاب وسنت کاعلم ہے اور مصنف مذکورکوکم علم اسی پہلو سے کہا گیا ہے، رہے عقلی مباحث اور خیالی باتیں تو ان میں بعض دفعہ ان پڑھ لوگ بھی بڑی دور کی بات کہہ جاتے ہیں ۔فلسفہ اور حکمت پر لکھنے والے غیر مسلموں میں بھی بہت گزرے ہیں، اس سے کوئی تاریخ کا طالب علم انکار نہیں کرسکتا۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب کا موضوع کوئی علمی معارف نہ تھے محض عقلی باتیں تھیں، جوضعفاء ایمان کوکسی درجہ میں تسلی دیں ایسی بعض باتیں اگرکسی کم علم اورکم عمل شخص پر بھی کھل جائیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں ۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی کم علم آدمی علماء سلف کی تحریروں میں غوروفکر کرتے کرتے اور ان سے اس قسم کا سرمایہ دانش اکٹھا کرتے کرتے بات سے بات نکالنے میں اس درجہ کامیاب ہوجائے کہ اس کے بعض مضامین جوروبصحت ہوں اوراصول شرعیہ سے نہ ٹکراتے ہوں وہ بعض راسخ فی العلم اہل یقین کو پسند آجائیں اور وہ انہیں اپنے الفاظ میں بدلنے کی محنت کئے بغیر انہیں ان کے اپنے لفظوں میں ہی نقل کردیں اور سرقہ کے الزام سے بچنے کے لئے محض اتنا کہہ دیں کہ انہوں نے بعض مضامین کسی اورکتاب سے لئے ہیں ۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس کتاب سے مضامین مذکورہ لئے ہیں اس کا مصنف اسی قبیل کا شخص معلوم ہوتا ہے اور یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مضامین ہرگز ہرگز مرزاغلام احمدکی کتابوں سے نہیں لئے ان کا ماخذ صرف ایک کتاب ہے نہ کہ مرزا صاحب کی پانچ کتابیں ۔کشتی نوح ،آریہ دھرم، اسلامی اصول کی فلاسفی ،نسیم دعوت اور برکات الدعا۔ان پانچ کتابوں کے کچھ مضامین بھی توکسی ایک کتاب سے ہی ماخوذ ہوسکتے ہیں ۔

عبارات ملنے سے کیاضروری ہے کہ وہ انہی کتابوں سے لی گئی ہوں؟

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جلیل القدر عالم دین کی کتاب میں مرزا غلام احمد کی کتابوں کی بعض طویل عبارات کامن وعن پایا جانا ہمیں اس باب میں زیادہ غوروفکر اورتحقیق وتفحص پر مجبور کرتا ہے ۔عبارات ملنے سے کیایہ ضروری ہے کہ وہ مرزاصاحب کی ہی کتابوں سے لی گئی ہوں؟ کیااس میں کسی اوراحتمال کی گنجائش نہیں کیاانسانی عقل وہ تجربہ یہاں کسی اوراحتمال کو جگہ نہیں دیتے ؟ کیایہ نہیں ہوسکتا کہ کسی اور مصنف سے مرزاصاحب نے اپنی پانچ کتابوں سے یہ اقتباسات بلاحوالہ دئیے اپنی کتاب میں لئے ہوں اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں اس مصنف کی اصل کتاب سے لیاہو؟ مرزاصاحب کی ان کتابوں کو دیکھا بھی نہ ہو؟ ان سب احتمالات کے ہوتے ہوئے ایک ہی رٹ لگائے جانا کہ حضرت تھانویؒ نے ضرور یہ مضامین مرزاصاحب کی کتابوں سے ہی لئے ہیں انہیں عقل کوگم کردینے والے انکشافات کے نام سے عوام کے سامنے لانا قادیانی علم کلام ہی ہوسکتا ہے کسی صاحب دیانت عالم کوایسا کہنے کی کبھی جرات نہیں ہوسکتی ۔

قادیانی حضرات کہتے ہیں کہ یہ سب احتمالات عقلی ہیں اورایسے موضوعات میں محض امکان کوئی وزن نہیں رکھتا۔صرف اسی احتمال کو اہمیت دی جاسکتی ہے جو ناشی عن الدلیل ہو۔ہم جواباً کہیں گے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جب واشگاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ انہوں نے یہ اقتباسات ایک کتاب سے لئے ہیں (نہ یہ کہ پانچ کتابوں سے) تو کیایہ دلیل اس احتمال کو جگہ نہیں دیتی کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے واقعی کوئی اورکتاب تھی ۔اس ناشی عن الدلیل احتمال کو کلیۃً نظرانداز کرنااوراس پراصرارکرنا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مضامین لازماًمرزاصاحب کی کتابوں سے ہی لئے محض ضدنہیں تو اورکیاہے؟

دوست محمد شاہد،محمد شبیر ہرل اورعبداللہ ایمن زئی میں کچھ بھی تحقیق کا پاس ہوتا وہ اس کتاب کی ضرورتلاش کرتے جس میں انہیں مرزا

صاحب کی کتابوں کے پانچ اقتباسات ایک ہی کتاب میں مل جاتے مگر افسوس کہ انہیں اس کی توفیق نہ ہوئی۔حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کو صحیح مانا جائے کہ انہوں نے یہ مضامین واقعی ایک کتاب سے لئے ہیں تو پھر ان دو احتمالات میں سے ایک کو ضرور اپنی جگہ دینی ہوگی اور تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ عبارات یقیناً مرزا صاحب کی کتابوں سے نہیں لیں۔کسی دوسری ایک کتاب سے لی ہیں۔

ہم نے دوست محمد شاہد کے اس انکشاف کا مطالعہ کیا اور پھر ایمن زئی صاحب کی کتاب زلزلہ فگن دیکھی تو اس یقین سے چارہ نہ رہا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے قطعاً یہ مضامین مرزا صاحب کی کتابوں سے نہیں لئے اس پر ہم ہفت روزہ خدام الدین لاہور کی ۱۶ ستمبر ۱۹۸۳ء کی اشاعت میں اس عنوان کے تحت لکھا تھا۔

صورت حال کا صحیح جائزہ

قادیانیوں نے اس بحث میں اب تک جتنے مضمون لکھے ہیں ان میں سے کسی میں حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی دیانت اور نیت پر کوئی الزام نہیں لگایا گیا۔معلوم ہوتا ہے کہ ان کی صدق مقالی پر انہیں بھی عمومی اتفاق رہا ہے اور واقعی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس صدی کے مجدد دکھائی دیتے ہیں۔

مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ المصالح العقلیہ کے مقدمہ میں تصریح کرتے ہیں کہ انہوں نے کئی مضامین ایک ایسی کتاب سے نقل کئے ہیں جس میں بیشتر باتیں غلط تھیں۔مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس ایک کتاب کے سوا اور کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا،معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس ایک ہی ایسی کتاب تھی جس سے آپ نے اپنی پسند کی بعض باتیں لے لیں اور انہیں عام عقل کے قریب پایا۔

دوسری طرف یہ بات بھی ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب المصالح العقلیہ میں مرزا صاحب کی پانچ کتابوں کی عبارات ملتی ہیں۔سوال یہ ہے کہ حضرت تھانویؒ اپنے مقدمہ میں اگر ایک کتاب کا ذکر کرسکتے تھے تو پانچ کتابوں کا ذکر کرنے میں انہیں انکار کی کیا وجہ ہوسکتی تھی؟ کوئی نہیں! سو ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ آپ کے سامنے واقعی ایسی ایک کتاب تھی جیسا کہ آپؒ نے بیان کیا نہ کہ پانچ۔تاہم یہ حقیقت ہے کہ المصالح العقلیہ میں مرزا صاحب کی پانچ کتابوں کی عبارات موجود ہیں۔جو انہوں نے مرزا صاحب کی کتابوں سے نہیں کسی ایک کتاب سے لی ہیں۔

تینوں مضمون نگار اپنے کسی مضمون میں اس تعارض کو حل نہیں کرپائے۔نہ انہوں نے کوئی اور خارجی حوالے پیش کئے ہیں کہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مضامین واقعی مرزا صاحب کی پانچ کتابوں سے ہی اخذ کئے ہیں۔ فمن ادعی فعلیہ البیان۔

رفع تعارض

رفع تعارض کے لئے تمام عقلی احتمالات سامنے لائے جاتے ہیں۔ یہاں رفع تعارض اس صورت میں ہوتا ہے کہ کسی اور کتاب کو مرزا صاحب اور حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ میں واسطہ بنایا جائے اور سمجھا جائے کہ اس کتاب میں مرزا صاحب کی پانچوں کتابوں کے مضامین بلاحوالہ منقول ہوں گے اور مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب سے وہ مضامین اپنی کتاب میں لئے ہوں گے رفع تعارض کے لئے سب احتمالات کو دیکھنا ہوتا ہے راقم الحروف نے اگر اس رفع تعارض کے لئے ایسا عین ممکن ہے اگر ان قادیانیوں کو اس طرف توجہ دلائی ہے تو کوئی گناہ نہیں کیا۔معلوم ہوتا ہے کہ جناب محمد شبیر ہرل علمی مضامین اور تاریخی تحقیقات کے کوچہ میں کبھی بھول کر بھی نہیں گزارے ورنہ وہ کبھی

اسے عذر گناہ بدتر از گناہ کا عنوان نہ دیتے۔"

قادیانی حضرات ہمارے اس بیان پر بہت سیخ پا ہوئے ہیں لیکن علمی طور پر وہ ان دو احتمالات کی راہ بند نہ کر سکے، ہمارے پیش کردہ احتمال ناشی عن الدلیل تھے اور قادیانیوں کو انہیں قرار واقعی جگہ دینی چاہئے تھی مگر وہ تو اسی نشہ میں ڈوبے ہوئے تھے کہ انہوں نے واقعی عقل کو گم کر دینے والے انکشافات کئے ہیں ہم کہیں گے کہ ان سے عقل واقعی گم ہوئی ہے۔ جنہوں نے اور طرف سوچنا ہی چھوڑ دیا ہماری نہیں نہ ان کی جنہوں نے صورتحال کا صحیح جائزہ لیا اور آخر کار وہ اپنے اس دعوی پر آ گئے کہ کتاب بھی پیش کرو۔ جن سے دونوں نے یہ مضامین لئے ہوں۔

قادیانیوں کو نصف صدی بعد یہ انکشاف کیوں ہوا

حضرت مولانا تھانویؒ کو دنیا سے رخصت ہوئے تقریباً نصف صدی سے زائد عرصہ ہو چکا ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قادیانیوں نے اب اس مسئلہ کو کیوں اٹھایا اور نصف صدی اس پر کیوں خاموش رہے؟ اگر یہ بات اس وقت اٹھائی جاتی جب حضرت تھانویؒ کے وہ احباب وخلفاء موجود تھے جو اپنے وقت میں اس کا جواب دے سکتے تھے۔ وہ حضرت تھانویؒ سے بھی بہت قریب کا تعلق رکھتے تھے وہ فوراً بتا دیتے کہ حضرت تھانویؒ نے کس ایک کتاب سے یہ اقتباسات لئے ہیں۔ لیکن قادیانیوں نے یہ بات اس وقت اٹھائی جب حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، محدث العصر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب سہارنپوری، حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ایک ایک کر کے جا چکے تھے۔ جونہی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی وفات ہوئی قادیانی یہ انکشاف لے کر سامنے آ گئے کہ شاید اب اس دور کا کوئی شخص نہ ملے جو حضرت تھانویؒ کی اس تالیف کا پس منظر سامنے لا سکے۔

قادیانیوں کی یہ اتنی طویل خاموشی خود اس بات کا پتہ دیتی ہے کہ انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی عبارات مرزا صاحب کی کتابوں سے نہیں لیں لیکن محض اس امید پر کہ اب شاید اس دور کا کوئی آدمی نہ رہا ہو، جو صورت واقعہ کی عینی شہادت دے سکے وہ اچانک یہ انکشاف سامنے لے آئے۔

اہل اسلام کی طرف سے جوابی کارروائی

ہم نے دوست محمد شاہد کے اس انکشاف کو پڑھتے ہی مذکورہ احتمالات جو ناشی عن الدلیل تھے پیش کر دیئے تھے تاکہ وہ اس ایک کتاب کی تلاش کریں جہاں سے مرزا صاحب اور مولانا تھانویؒ دونوں نے یہ اقتباسات لئے ہیں۔ لیکن بجائے اس کے کہ ہماری اس درخواست پر کچھ عمل کیا جاتا، عبداللہ ایمن زئی نے کمالات اشرفیہ کے نام سے ایک رسالہ اس میں لکھ مارا اور وہی لکیر پیٹتے رہے کہ کچھ بھی ہو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مضامین صرف مرزا صاحب کی کتابوں سے ہی لئے ہیں۔

دوست محمد شاہد تو اس مذکورہ انکشاف کے بعد سامنے نہیں آئے ممکن ہے انہیں وہ کتاب مل گئی ہو جہاں سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اقتباسات لئے تھے، لیکن ان کی جماعت کے محمد شبیر ہرل اور عبدالرحیم بھٹہ (بورے والا کے) اس پر برابر مصر رہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ "کسب فیض" مرزا صاحب کی کتابوں سے ہی کیا ہے دوست محمد شاہد کو چاہئے تھا کہ اگر انہیں وہ کتاب مل گئی تھی تو وہ اپنے

ان ساتھیوں کو بھی اس کا پتہ دے دیتے۔

ہم نے ان قادیانی مضمون نگاروں کا پورا تعاقب کیا اور اس کے مبلغ و مورخ سب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے اور ہم نے انہیں یہ اصولی بات سمجھائی کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اس کتاب کے مقدمہ میں جس کتاب کا حوالہ دیا ہے وہ ایک کتاب ہے اور حضرت نے یہ باتیں سب اسی کتاب سے لی ہیں نہ کہ مرزا صاحب کی پانچ کتابوں سے اور انہیں (قادیانیوں کو) حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بات کو سچ جاننا چاہئے اور حضرت کا دیا ہوا حوالہ ذکر کرنے کے بغیر اپنے اس انکشاف کو آگے نہ پھیلانا چاہئے کیونکہ پھر یہ ایک انکشاف نہ ہوگا ایک خیانت ہوگی۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اصل ماخذ کی نشاندہی

یہ کتاب مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک ہم عصر ''مولوی محمد فضل خان'' کی کتاب ہے جو موضع چنگا بنگیال تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی کا رہنے والا تھا انگریز حکومت کے بہت قریب تھا۔ ایک مجلس کی طلاق ثلاثہ کے بارے میں اس نے جولکھا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ غیر مقلد تھا اور کئی غیر مقلد (جیسے حکیم نورالدین بھیروی، مولوی عبدالکریم سیالکوٹی مرزا غلام احمد کے پیروؤں میں شامل تھے یہ غیر مقلد فضل محمد خاں بھی مرزا غلام احمد کا معتقد تھا فلسفہ وحکمت کے پیرائے میں لکھنے کی اسے اچھی مشق تھی یہاں تک کہ مرزا صاحب بھی اس سے بہت استفادہ کرتے تھے اور حکیم نورالدین بھی اس سے اس کی کتابیں بڑی عقیدت مندی سے لیتے تھے۔ مرزا غلام احمد کی پانچوں کتابوں کی عبارات اس کی کتاب ''اسرار شریعت'' میں مختلف مواقع پر من وعن موجود ہیں۔ ان مباحث میں نہ جائیں اس مؤلف نے مرزا صاحب کی کتابوں سے یہ مضامین لئے ہیں یا مرزا صاحب نے اس کے مسودات سے یہ مضامین نقل کئے ہیں یا دونوں نے اپنے سے پہلے کی کسی کتاب سے لئے ہیں سردست ہم اس پر بحث نہیں کرتے اس وقت صرف حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی براۃ پیش نظر ہے کہ حضرت نے یہ مضامین مرزا غلام احمد کی کتابوں سے نہیں لئے اس ایک کتاب سے لئے ہیں۔ اور اس کتاب کا نام اسرار شریعت ہے۔

کتاب اسرار شریعت کا تعارف

اسرار شریعت تین ضخیم جلدوں میں ایک اردو تالیف ہے۔ مؤلف نے شریعت کے جملہ مسائل و احکام کو عقلی اور فطری استناد مہیا کرنے کی ایک بھرپور کوشش کی ہے۔ ناپختہ علم کے باعث جا بجا ٹھوکریں بھی کھائی ہیں اور کئی بے بنیاد باتیں بھی کی ہیں۔ تاہم اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف مذکور نے اس عظیم مہم کو سرانجام دینے میں تیرہ سو سال کے علماء اسلام اور فلاسفہ حکمت کی کتابوں کا بھی کچھ مطالعہ کیا ہوگا۔ یہ کاوش ان کی پوری زندگی کا نچوڑ معلوم ہوتی ہے۔ اس کتاب میں ضمنی طور پر بعض مسائل شریعت کو ہی عقل کے ڈھانچے میں نہیں ڈھالا گیا۔ بلکہ جملہ مسائل شریعت کو باب وار عقلی اور فطری استناد مہیا کیا گیا ہے۔ سو اس باب میں یہ کتاب اصول کی حیثیت رکھتی ہے۔ بڑی جامع اور ضخیم کتاب ہے۔ مرزا صاحب نے اپنی پانچ کتابوں میں جہاں یہ بحثیں کی ہیں۔ ان کی ان کتابوں کا موضوع مسائل شریعت کا فطری جائزہ نہیں ماسوائے ایک کتاب کے (اسلامی اصول کی فلاسفی) باقی سب کتابوں کے موضوع دوسرے ہیں۔ مرزا صاحب نے ان میں ضمناً یہ عقلی مباحث ذکر کئے ہیں کتابوں کے نام خود ان مختلف موضوعات کا پتہ دے رہے ہیں۔ کشتیٔ نوح، وآریہ دھرم، برکات الدعا، نسیم دعوت وغیرہ سو اس میں شک نہیں کہ کتاب اسرار شریعت اس موضوع کی ایک اصولی کتاب ہے اور مرزا صاحب کی کتابیں ضمناً کہیں کہیں ان عقلی

مباحث کو لے آئی ہیں۔اسرارشریعت تین جلدوں کی ایک ضخیم کتاب ہے جسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مؤلف کے کم ازکم پندرہ بیس سال اس کتاب کی تالیف میں لگے ہوں گے۔مؤلف نے اس کے سرورق پر لکھا ہے:

''یہ کتاب صرف میری طبع زاد یا خیالات کا نتیجہ نہیں بلکہ اسلام میں تیرہ سو سال سے اس زمانہ تک جو بڑے بڑے مشہور ومعروف روحانی فلاسفر اور ربانی علماء کرام گزرے ہیں اکثر مسائل کے اسرار وفلاسفیاں ان کی تقاریر مقدمہ سے بھی اخذ کی گئی ہیں۔الغرض اسلامی تائید کے لئے اردو زبان میں جامع بے نظیر اس فن میں یہی ایک کتاب شائع ہوئی ہے اور اسلامی علوم کے اسرار بیان کرنے میں بحرمحیط ہے۔''

اہل علم اور اہل قلم پر مخفی نہیں کہ تیرہ سو سال کے بڑے بڑے علماء کی کتابوں کو کھنگالنا، ان کے خلاصے نکالنا اور ان پر غور وفکر کرنا اور پھر انہیں اپنے الفاظ میں باب وار لانا اور تین ضخیم جلدوں پر ایک بحرمحیط پیش کرنا کوئی ایسا کام نہیں جو چار پانچ سال کی پیداوار ہو۔یہ عظیم کام پندرہ بیس سال سے کم کسی طرح اس نہج پر ترتیب نہیں پاسکتا۔یہ مؤلف کی پوری زندگی کا حاصل ہوگا۔تاہم مؤلف اس کتاب میں حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ، امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شیخ سرہندی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جیسے حکماء اسلام کے پیرایہ بیان تک نہیں پہنچ سکے ورنہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ نہ کہتے کہ اس کتاب کے بہت سے ایسے مضامین بھی ہیں جو شیرازہ شریعت سے منطبق ہوتے کہیں نظر نہیں آتے، معلوم ہوتا ہے کہ مصنف اپنی اس علمی کاوش میں کامیاب نہیں ہوسکا۔اس کی وجہ بظاہر یہی معلوم ہوتی ہے کہ مرزا غلام احمد سے وابستگی کے بعد اس کے اس علمی سفر میں کافی روک آگئی تھی اور اس سے بہت سے ایسے مضامین بھی صادر ہوئے جن میں کوئی فکری اور علمی جھلک نہیں پائی جاتی اس کتاب (اسرارشریعت) کا یہ تعارف آپ کے سامنے آچکا ہے اس کے ان انکشافات کا بھی کچھ مطالعہ فرمائیں۔اب ہم بھی چند انکشافات ہدیہ قارئین پیش کرتے ہیں۔

انکشاف نمبر ا

مرزا غلام احمد کی وفات ۱۳۲۶ھ میں ۶۸ سال کی عمر میں ہوئی، اسرارشریعت ۱۳۲۷ھ میں شائع ہوئی۔ظاہر ہے کہ مرزا غلام احمد کی زندگی میں ہی کتاب نے ترتیب پائی ہے اور جونہی کتاب شائع ہوئی قادیانی سربراہ حکیم نورالدین نے بیس کتابوں کا آرڈر دیدیا اور اسے عام تقسیم کیا۔قادیانیوں کی یہ اس قسم کی کارروائی پتہ دیتی ہے کہ قادیانی حلقے اس کتاب کی اشاعت سے پہلے اس کتاب سے اچھی طرح واقف تھے اور انہیں اس کی اشاعت کا شدید انتظار تھا ورنہ کسی کتاب کا اشتہار دیکھ کر انسان پہلے وہ کتاب منگاتا ہے اسے صحیح پائے تو مزید نسخوں کا آرڈر دیتا ہے۔اسرارشریعت جلد دوم کے آخری صفحہ پر مؤلف مولوی محمد فضل خاں صاحب لکھتے ہیں:

''علامہ حکیم نورالدین صاحب امام فرقہ احمدیہ نے کتاب اسرارشریعت کا اشتہار دیکھتے ہی محض از راہ امداد اسلامی بیس نسخے خریدنے کا خط خاکسار کو لکھا اور بعد طبع سالم قیمت پر بیس نسخے خرید لئے۔۔۔''

یہ خط کب لکھا گیا؟ کتاب کی طباعت سے پہلے، کتاب چھپنے پر سالم قیمت پر بیس کتابیں خرید لی گئیں۔۔۔کتاب کب شائع ہوئی ۱۳۲۷ھ میں۔۔۔۔۔۔۔۔ظاہر ہے کہ یہ خطبہ کتاب کی اشاعت سے ایک دو سال پہلے لکھا گیا ہوگا۔ان دنوں کتابوں کے اشتہار ان کی اشاعت سے کافی پہلے نکلتے تھے۔خود مرزا غلام احمد قادیانی کی کتاب براہین احمدیہ کا اشتہار اس کے چھپنے سے کتنا پہلے نکلا تھا؟ سو اس میں شک نہیں کیا جاسکتا ہے کہ حکیم نورالدین صاحب کا یہ خط خود مرزا صاحب کی زندگی میں لکھا گیا ہے اور متبادر یہی ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کے ایماء

سے ہی لکھا گیا ہوگا۔ ہاں جس وقت مؤلف نے مذکورہ بالا نوٹ لکھا اس وقت حکیم نورالدین بیشک جماعت کے امام بن چکے تھے۔اگر یہ خط واقعی مرزا صاحب کے ایماء سے لکھا گیا تھا تو ظاہر ہے کہ مرزا صاحب اس کتاب کی اشاعت سے پہلے اس سے اچھی طرح باخبر تھے اور اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ مسودہ یا مؤلف کی بعض تحریرات خطوط کی شکل میں مرزا صاحب کی نظر سے گزری ہوں اور مؤلف نے مرزا صاحب کی علمی امداد کے لئے یہ انہیں بھیجی ہوں۔

انکشاف نمبر ۲

حکیم نورالدین صاحب سے زیادہ کون مرزا غلام احمد کے قریب ہوگا اور ان سے زیادہ کس کی مرزا صاحب کی کتابوں پر نظر ہوگی؟ انہوں نے کتاب اسرار شریعت اتنے شوق سے منگائی بھی اور پڑھائی بھی۔اور اس میں بعض لمبے لمبے مضامین کو مرزا صاحب کی کتابوں سے لفظ بہ لفظ ملتے بھی پایا ہوگا مصنف نے ان عبارات کے آگے مرزا صاحب کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔اس پر حکیم نورالدین صاحب اور ان کے حلقے کے لوگ برابر خاموش رہے اور کسی نے یہ بات نہ اٹھائی کہ اس کے بعض مندرجات مرزا صاحب کی پانچ کتابوں کے مندرجات سے ہو بہو ملتے ہیں۔حکیم صاحب یا ان کے کسی ساتھی نے یہ آواز کیوں نہ اٹھائی؟ اور عقل کو گم کردینے والا جو انکشاف آج نصف صدی بعد مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف ہوا وہ اسی وقت مولوی محمد فضل خاں آف گوجرخاں کے خلاف کیوں نہ ہوسکا اس پس منظر میں جھانکنے کی شدید ضرورت ہے۔

اس کا ایک ہی جواب ہے جو قرین قیاس ہے وہ یہ کہ اس وقت مولوی محمد فضل خاں زندہ تھے جو اس بات پر واضح طور پر کہہ سکتے تھے کہ مرزا غلام احمد نے ان مضامین کا کسب فیض خود ان سے کیا ہے اور یہ کہ یہ مرزا صاحب کی عادت تھی کہ اپنی کتابوں کے دوران تصنیف وہ وقت کے دیگر اہل قلم سے قلمی امداد لیتے تھے۔اگر اس بات کے کھلنے کا ڈر نہ تھا تو بتلایئے حکیم نورالدین صاحب اور ان کے احباب اس پر کیوں بالکل خاموش رہے؟ اور پوری جماعت پون صدی تک اس پر خاموش کیوں رہی؟۔۔۔آئندہ ہم ان اقتباسات کو جو دوست محمد شاہد یا عبداللہ ایمن زئی نے مرزا غلام احمد اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات کی تقابلی مطالعہ میں پیش کئے ہیں ہم مولوی محمد فضل خاں اور مرزا غلام احمد کی تقابلی عبارات میں پیش کریں گے۔

انکشاف نمبر ۳

یہ گمان نہ کیا جائے کہ مولوی محمد فضل خاں نے ان مضامین پر مرزا غلام احمد کا حوالہ اس لئے نہ دیا ہوگا کہ عام لوگ ان کے مخالف نہ ہوجائیں۔ یہ وہ توجیہ ہے جو عبداللہ ایمن زئی نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اختیار کی ہے۔

ایمن زئی صاحب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''انہوں نے مرزا صاحب کی کتابوں کے صفحات نقل کرتے ہوئے ان کی کتب کے حوالے کیوں درج نہیں کئے۔۔۔اگر حضرت تھانویؒ اپنی کتاب میں مرزا صاحب کا نام یا ان کی کسی کتاب کا نام درج کردیتے تو متعصب اور تنگ نظر لوگ ان کی جان کے دشمن ہوجاتے اور ان کی کتاب کو نذر آتش کردیتے۔'' (کمالات اشرفیہ ص ۴۵،۴۶)

ممکن ہے قادیانی مضمون نگار مولوی محمد فضل خاں کے بارے میں بھی یہی توجیہ اختیار کریں۔جواباً عرض کریں گے۔ یہاں ایسا

کوئی احتمال سرے سے نہیں ہے ۔مولوی محمد فضل خاں نے اس کتاب اسرار شریعت میں بعض مضامین مرزا غلام احمد کے دوسرے ساتھیوں سے لئے ہیں اور انہیں ان کا حوالہ دے کر اپنی کتاب میں جگہ دی ہے ۔۔۔غلامی کی فلاسفی، پر مولوی محمد علی لاہوری کا ایک پورا مضمون مصنف نے اپنی اس کتاب کی دوسری جلد کے ص ۲۶۵ پر دیا ہے جو ص ۳۲۹ تک پھیلتا چلا گیا ہے ۔مضمون کے آخر میں لکھا ہے ۔

''حقیقت غلامی کا مضمون رسالہ ریولو آف ریلیجنز مؤلفہ علامہ مولوی محمد علی سے لیا گیا ہے ۔''

(اسرار شریعت، جلد نمبر ۲ ص ۳۲۹)

مؤلف نے ایک مقام پر مرزا غلام احمد کا بھی نام لیا ہے اور انہیں ایسے الفاظ سے ذکر کیا ہے جسے دیندار مسلمان کسی طرح پسند نہیں کرتے لیکن مؤلف نے کسی مخالفت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مرزا صاحب کا نام واضح طور پر لیا ہے ۔حکیم نورالدین صاحب کا حوالہ بھی ایک جگہ دیا ہے ۔

(اسرار شریعت جلد دوم ص ۳۸۰)

مرزا غلام احمد کے بارے میں موصوف لکھتے ہیں ۔

''مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مرحوم اور ان کے حلقہ کے لوگ حضرت عیسیٰؑ کو فوت شدہ مانتے اور ان کے نزول بروزی وظہور مہدی وخروج دجال کے قائل ہیں ۔''(اسرار شریعت جلد ۳ ص ۳۷۶)

آنحضرت ﷺ کے معراج کے متعلق مؤلف مذکور جمہور مسلمانوں کے متفقہ عقیدے کے خلاف واشگاف لفظوں میں لکھتا ہے اور اسے یہ فکر لاحق نہیں ہوتی کہ لوگ کیا کہیں گے ۔موصوف لکھتے ہیں ۔

''درحقیقت یہ سیر کشفی تھا جو بیداری سے اشد درجہ پر مشابہ ہے ۔۔۔ یہ سفر اس جسم کثیف کے ساتھ نہیں تھا ۔''(ایضاص ۳۶۱)

ان تصریحات کے ہوتے ہوئے اس احتمال کو قطعاً کوئی راہ نہیں کہ مؤلف نے عامۃ الناس کے دباؤ کے تحت ان اقتباسات کو مرزا صاحب کے نام سے نہ لکھا ہوگا ۔۔۔حق یہ ہے کہ اس نے یہ مضامین مرزا صاحب کی کتابوں سے نہیں لئے نہ اسے دوسروں کی محنت کو اپنے نام سے پیش کرنے کا شوق تھا، اگر وہ مولوی محمد علی لاہوری کا مضمون اس کے نام سے پیش کرنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا تو مرزا صاحب کی باتیں ان کے نام سے پیش کرنے میں اسے کیا خوف محسوس ہوسکتا تھا؟ ۔سو یہ واضح ہے کہ اس نے یہ عبارات مرزا صاحب سے نہیں لیں ۔بلکہ اس کے برعکس مرزا صاحب نے یہ مضامین مولوی محمد فضل خاں سے لئے ہیں ۔

انکشاف نمبر ۴

ممکن ہے قادیانی کہیں کہ مرزا صاحب ملہم ربانی تھے اور مولوی محمد فضل خاں ایک عام مؤلف اور دونوں ایک زمانے کے تھے ۔سو قرین قیاس یہ ہے کہ مولوی محمد فضل خاں نے مرزا صاحب سے مضامین لئے نہ کہ مرزا صاحب نے مولوی محمد فضل خاں سے جواباً گزارش ہے کہ مولوی محمد فضل خاں بھی اپنی جگہ مدعی الہام تھے اور اپنے آپ کو مرزا صاحب سے کم نہ سمجھتے تھے ایک مقام پر لکھتے ہیں ۔

''کئی ایام سے میں اسی مضمون بعث اخروی کو مرتب کر رہا ہوں، پرسوں دوپہر کے وقت لکھتے ہوئے مجھ پر نیند غالب آگئی اور بین النوم والیقظہ مجھ پر ایک حالت طاری ہوئی جس کو میری روح اور جسم دونوں نے یکساں محسوس کیا اور مجھے معلوم ہوا کہ حشر اجسام ضرور ہوگا اور قبر وحشر میں عذاب وثواب روح وجسم دونوں پر وارد ہوگا ۔۔۔لیکن اس اجمال کی تفصیل

منکشف نہیں ہوئی‘‘۔

(ایضا جلد نمبر ۳ ص ۴۹۰)

مؤلف جب خود اس روحانی مقام کے مدعی ہیں کہ ایسی کیفیات ان پر اجمالاً منکشف ہوتی ہے تو ظاہر ہے کہ انہیں مرزا صاحب کی کتابوں سے ان اقتباسات کو بلاحوالہ لینے کی قطعاً کوئی ضرورت نہ تھی۔ سوقرین قیاس یہی ہے کہ خود مرزا صاحب نے ہی ان سے قلمی استفادہ کیا ہے۔ ورنہ ان کی جماعت کے لوگ اسرار شریعت کے ان مندرجات پر ضرور سوال اٹھاتے۔

ایک سوال

یہ بات کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے مولوی محمد فضل خاں کے قلمی مسودات سے یا ان کے خطوط سے یہ مضامین لئے ہوں تبھی لائق تسلیم ہو سکتی ہے کہ مرزا نے کبھی اپنی کتابوں کے دوران تالیف وقت کے دوسرے اہل علم سے بھی کبھی مدد مانگی ہو اور انہیں کہا ہو کہ وہ اپنی کتابوں میں ان کے مضامین کو بھی حسب موقع جگہ دیں گے اور اس طرح اسلام کی ایک مشترکہ خدمت ہوگی۔

جواباً عرض ہے کہ ہاں مرزا غلام احمد کی واقعی عادت تھی کہ وہ وقت کے دیگر اہل علم سے علمی مدد مانگتے اور انہیں برملا کہتے تھے کہ وہ اسے اپنی کتابوں میں حسب موقع جگہ دیں گے۔ سو یہ کیا ممکن نہیں کہ مرزا صاحب نے مولوی محمد فضل خانصاحب سے بھی اسی قسم کی مدد مانگی ہو اور یہ اقتباسات مولوی محمد فضل خاں کے ہوں جنہیں مرزا صاحب نے اپنی پانچ کتابوں میں حسب موقع پھیلا دیا ہو۔

انکشاف نمبر ۵

مرزا غلام احمد قادیانی کی عام عادت تھی کہ وہ اپنی کتابوں کے دوران تالیف وقت کے دوسرے اہل علم سے مدد مانگتے تھے۔ اس سلسلے میں ہم مرزا صاحب کے ہی چند خطوط پیش کرتے ہیں جو انہوں نے مولوی چراغ علی صاحب (متوفی ۱۸۹۵ء) کو لکھے تھے۔ ڈاکٹر مولوی عبدالحق صاحب آنریری سکریٹری انجمن ترقی اردو سلسلہ مطبوعات انجمن اردو پاکستان نمبر ۱۹۲ میں چند ہم عصر کے نام سے مولوی چراغ علی صاحب کے ذکر میں لکھتے ہیں۔

> ’’جس وقت ہم مولوی صاحب مرحوم کے حالات کی جستجو میں تھے تو ہمیں مولوی صاحب کے کاغذات میں سے چند خطوط مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مرحوم کے بھی ملے جو انہوں نے مولوی صاحب کو لکھے تھے۔ اور اپنی مشہور اور پرزور کتاب براہین احمدیہ کی تالیف میں ان سے مدد طلب کی تھی‘‘۔

(چند ہم عصر ص ۴۸ ناظم پریس کراچی طبع ۱۹۵۰ء)

مرزا غلام احمد قادیانی کے دوسروں سے کسب فیض کرنے کے بارے میں یہ ایک غیر جانبدار شہادت ہے مولوی عبدالحق صاحب کا مرزا غلام احمد کے نام کے ساتھ مرحوم لکھنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ مولوی عبدالحق صاحب قادیانی اختلافات میں جمہور علمائے اسلام کے ساتھ نہ تھے اور مرزا صاحب کی تکفیر نہ کرتے ہوں گے۔ سو انکی یہ شہادت ایک غیر جانبدار شہادت ہے جسے تسلیم کیا جانا چاہئے ممکن ہے اسی طرح کے خطوط مرزا صاحب نے مولوی محمد فضل خاں کو بھی لکھے ہوں۔

اب ہم یہاں مرزا صاحب کے چار خط نقل کرتے ہیں جو آپ نے مولوی چراغ علی صاحب کو لکھے معلوم نہیں اس قسم کے اور کتنے

لاتعداد خطوط ہوں گے جو مرزا صاحب نے وقت کے دیگر اہل علم کو لکھے ہوں گے۔

مرزا غلام احمد قادیانی کا خط بنام مولوی چراغ علی صاحب

آپ کا افتخار نامہ محبت آمود ورود لایا۔ اگرچہ پہلے سے مجھ کو بہ نیت الزام خصم اجتماع براہین قطعیہ اثبات نبوت و حقیقت قرآن شریف میں ایک عرصہ سے سرگرمی تھی۔ مگر جناب کا ارشاد موجب گرم جوشی و باعث اشتعال شعلہ حمیت اسلام علی صاحبہ السلام ہوا اور موجب از دیاد تقویت و توسیع حوصلہ خیال کیا گیا کہ جب آپ سا اولو العزم صاحب فضیلت دینی و دنیوی تہہ دل سے حامی ہو اور تائید دین حق میں دلی گرمی کا اظہار فرمادے تو بلا شائبہ ریب اس کو تائید غیبی خیال کرنا چاہیئے۔ جزاکم اللہ نعم الجزاء

ماسوا اس کے اگر اب تک کچھ دلائل یا مضامین آپ نے نتائج طبع عالی سے طبع فرمائے ہوں وہ بھی مرحمت ہوں۔۔۔(مرزا صاحب یہاں وہ مضامین مانگ رہے ہیں جو کہیں چھپے ہوئے نہیں۔ مولوی صاحب کے اپنے طبعزاد اور ان کی اپنی فکر کا نتیجہ ہوں، مرزا صاحب یہاں انہیں اپنے مضامین میں جگہ دینا چاہتے ہیں اسی طرح اگر مرزا صاحب نے مولوی محمد فضل خاں سے علمی مدد مانگی ہو یا ان کے قلمی مسودوں سے استفادہ کیا ہو تو یہ بالکل قرین قیاس ہے کوئی تعجب کی بات نہیں۔

یہ حقیقت ہے کہ مرزا صاحب وقت کے دوسرے اہل علم سے اپنے مضامین میں ضرور مدد لیتے تھے اور لکھتے تھے)۔مضمون مبارک سے ممنون فرمادیں۔

مرزا غلام احمد کا ایک اور خط مولوی چراغ علی صاحب کے نام

(یہ خط ۱۹ فروری ۱۸۷۹ء کا ہے)

فرقان مجید کے الہامی اور کلام الٰہی ہونے کے ثبوت میں آپ کا مدد کرنا باعث ممنونی ہے نہ موجب ناگواری، میں نے بھی اسی بارہ میں ایک چھوٹا سا رسالہ تالیف کرنا شروع کیا ہے۔ خدا کے فضل سے یقین کرتا ہوں کہ عنقریب چھپ کر شائع ہو جائے گا۔ آپ کی اگر مرضی ہو تو وجوہات صداقت قرآن جو آپ کے دل پر القاء ہو(قرآن مجید کی صداقت پر مولوی چراغ علی کے دلائل اپنے رسالہ میں مختلف مواقع پر درج کرنا مرزا صاحب کے ذوق تصنیف کا پتہ دے رہا ہے، مضامین القاء تو ہوں مولوی چراغ علی کے دل میں اور چھپیں مرزا غلام احمد کے نام سے سلطان القلم کا یہ عجیب ذوق تصنیف ہے) میرے پاس بھیج دیں تاکہ اسی رسالہ میں حسب مواقع اندراج پا جائے یا سفر ہند میں۔۔۔ لیکن جو براہین (جیسے معجزات وغیرہ) زمانہ گزشتہ سے تعلق رکھتے ہوں ان کا تحریر کرنا ضروری نہیں کہ منقولات مخالف پر حجت قویہ نہیں آسکتیں جو نفس الامر میں خوبی اور عمدگی کتاب اللہ میں پائی جائے یا جو عند العقل اس کی ضرورت ہو وہ دکھلانی چاہیئے۔ بہرصورت میں اس دن بہت خوش ہوں گا کہ جب میری نظر آپ کے مضمون (دوسروں کے مضمونوں کا انتظار اور ان کی طلب میں یہ لجاجت اور عاجزی آج تک کسی ایسے شخص کے کلام میں نہیں دیکھی گئی جو آسمانی امامت کا مدعی اور الہامی علوم کا دعویدار ہو۔ مرزا صاحب کی یہ عاجزی یا وقت کے ان اہل علم کے سامنے ہوتی تھی جن سے انہیں علمی مدد ملتی ہو یا انگریزوں کے سامنے جن کے مراحم خسروانہ مرزا صاحب کے شامل حال ہوتے تھے) پر پڑے گی آپ بمقتضاء اس کے کہ الکریم اذا وعد وفی مضمون تحریر فرماویں لیکن کوشش کریں کہ کیف ما اتفق مجھ کو اس سے اطلاع ہو جائے۔

مرزا غلام احمد کا ایک اور خط بنام مولوی چراغ علی

(یہ خط ۱۰ مئی ۱۸۷۹ء کا ہے)

کتاب (براہین احمدیہ) ڈیڑھ سو جز ہے جس کی لاگت تخمیناً نو سو چالیس روپے ہے اور آپ کی تحریر ملحق ہو کر اور بھی زیادہ ضخامت ہو جائے گی۔

مولوی عبد الحق صاحب ان خطوط کو نقل کرنے کے بعد اپنی رائے ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں اور یہ رائے ہماری رائے کے بہت قریب ہے۔

''ان تحریروں سے ایک بات یہ ثابت ہوتی ہے کہ مولوی صاحب مرحوم نے مرزا صاحب مرحوم کو براہین احمدیہ کی تالیف میں بعض مضامین سے مدد دی ہے۔'' (چند ہم عصر ص ۵۰)

ایک دفعہ حکیم نور الدین نے مرزا صاحب کو بڑے سخت پیرایہ میں کہا تھا کہ تم نے براہین احمدیہ میں عیسیٰ بن مریم کے دوبارہ آنے کا عقیدہ اس طرح کیوں لکھ دیا ہے تو مرزا صاحب نے جواب دیا کہ آپ کو کیا پتہ کہ براہین لکھتے کون کون سے قلم میرے ساتھ چلے اور وہ قلم کن کن کے تھے۔

اس انکشاف کے بعد اس بات کے جاننے میں کوئی دقت نہیں رہی کہ مولوی محمد فضل خان کے بعض مضامین شائع ہونے سے پہلے مرزا صاحب کی کتابوں میں اس طرح نقل کئے گئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے۔

حرمت خنزیر سے متعلق ایک یادداشت

مرزا صاحب حرمت خنزیر پر بحث کرتے ہوئے اسلامی اصولوں کی فلاسفی میں یہ بھی لکھ گئے ہیں کہ حرمت خنزیر اسلام کی خصوصیات میں سے ہے جو پہلی شریعتوں میں نہ تھی (ملاحظہ ہو اسلامی اصولوں کی فلاسفی بحث حرمت خنزیر) حالانکہ قرآن شریف نے ہی خنزیر کو حرام قرار نہیں دیا اس سے پہلے توراۃ میں بھی اس کی حرمت بیان کی گئی تھی جس طرح مسلمان یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسلامی اصول کی فلاسفی دیکھو کہ خنزیر جیسے نجاست خور اور بے غیرت جانور کو حرام کیا گیا۔ یہودی بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ اصول تمہارے ہاں ہی کارفرما نہیں ہمارے ہاں بھی اس طرح کارفرما ہے۔ تورات میں ہے''اور سؤر تمہارے لئے اسی سبب سے ناپاک ہے کہ اس کے پاؤں تو چرے ہوئے ہیں پر وہ جگالی نہیں کرتا تم نہ ان کا گوشت کھانا اور نہ ان کی لاش کو ہاتھ لگانا۔''

(کتاب مقدس استثناء باب ۱۴ آیت ۶، ۷، ۸)

ظاہر ہے کہ اس صورت میں اسے وجوہ حرمت خنزیر میں تو ذکر کیا جاسکتا ہے تقابلی جلسہ مذاہب میں نہیں جلسہ مذاہب میں وہی بات ہوتی ہے جو اور کسی مذہب میں نہ ہوتا کہ اپنے مذہب کا امتیاز ظاہر کیا جاسکے۔ معلوم نہیں مرزا غلام احمد قادیانی نے حرمت خنزیر کا یہ مسئلہ جلسہ مذاہب میں کیسے پیش کر دیا۔ ہوسکتا ہے کہ بعد میں یہ اس مضمون میں لکھ لیا گیا ہو، اور اس میں اسرار شریعت سے استفادہ کیا گیا ہو۔

مرزا صاحب نے اسے جن الفاظ میں پیش کیا ہے اس میں بہت سی عبارت کی غلطیاں بھی ہیں مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں:

''یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور اور نیز بے غیرت اور دیوث ہے۔''

اس میں''اور'' کے بعد''نیز'' کا لفظ لائق غور ہے۔''اور'' کا بھی وہی معنی ہے جو''نیز'' کا ہے۔ مرزا صاحب سے اس قسم کی غلطیاں بہت

ہوتی تھیں پھر مرزا صاحب کے یہ الفاظ بھی ہم نے دیکھے ہیں۔

''غذاؤں کا بھی انسان کی روح پر ضرور اثر ہے۔''

ذہن اس طرف گیا کہ عبارت یوں ہونی چاہئے ''غذاؤں کا بھی انسان کی روح پر ضرور اثر ہوتا ہے''۔ مرزا غلام احمد کی اور تحریرات بھی ہم نے دیکھی ہیں۔ اس قسم کی غلطیاں ان سے متصور تھیں معلوم ہوتا ہے ان کے روحانی خزائن میں کئی قلم چلتے تھے۔

ہوسکتا ہے کہ یہ عبارت انہوں نے کسی اور صاحب قلم سے لی ہے اور اسے اپنا بنانے کے لئے کہیں کہیں الفاظ بدلے ہوں اور اسی کوشش میں ان سے یہ غلطیاں صادر ہوئی ہوں۔

اب مولوی فضل خاں اور مرزا غلام احمد کی ایک ہی عبارت دو کتابوں میں دیکھئے۔

مولوی محمد فضل خاں کی کتاب اسرار شریعت (جس کے مسودہ سے مرزا صاحب نے یہ مضامین لئے)	مرزا غلام احمد کی اسلامی اصولوں کی فلاسفی
اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور، بے غیرت و دیوث ہے اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانون قدرت یہی چاہتا ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہو۔ کیونکہ یہ بات ثابت شدہ اور مسلم ہے کہ غذاؤں کا اثر بھی انسان کی روح پر ضرور ہوتا ہے۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بدی ہوگا۔ جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے ہی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصیت حیاء کی قوت کو کم کر دیتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے۔ (اسرار شریعت جلد ۲، ص ۳۳۶، ۳۳۷)	اس بات کا کس کو علم نہیں کہ یہ جانور اول درجہ کا نجاست خور، اور نیز بے غیرت اور دیوث ہے اب اس کے حرام ہونے کی وجہ سے ظاہر ہے کہ قانون قدرت یہی چاہتا ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بدن اور روح پر بھی پلید ہی ہو۔ کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ غذاؤں کا بھی انسان کی روح پر ضرور اثر ہے۔ پس اس میں کیا شک ہے کہ ایسے بد کا اثر بھی بد ہی پڑے گا جیسا کہ یونانی طبیبوں نے اسلام سے پہلے ہی یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس جانور کا گوشت بالخاصیت حیاء کی قوت کو کم کر دیتا ہے اور دیوثی کو بڑھاتا ہے۔ (اسلامی اصول کی فلاسفی ص ۲۵)

یہ دونوں مصنف ایک دور کے ہیں جو مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے قریباً ربع صدی پہلے ہوئے مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جیسا کہ وہ اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھ آئے ہیں کہ انہوں نے بعض مضامین ایک کتاب سے لئے ہیں۔ یہ مضمون اسرار شریعت سے لیا ہے۔ خواہ مخواہ کہے جانا کہ انہوں نے یہ مضامین مرزا صاحب کی کتابوں سے ہی لئے ہیں یہ منہ زوری اور سینہ زوری ہے۔ اسرار شریعت میں ''اور نیز'' کے الفاظ نہیں۔ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت میں بھی یہ الفاظ ہیں ان کی عبارت اسرار شریعت کے مطابق ہے، اس میں:

''کیونکہ یہ بات ثابت شدہ اور مسلم ہے کہ غذاؤں کا اثر بھی انسان کی روح پر ضرور ہوتا ہے۔'' (ص ۳۳۶)

مولانا تھانویؒ کی عبارت بھی یہی ہے لیکن مرزا صاحب نے اسے اس طرح لکھا ہے۔

''کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ غذاؤں کا بھی انسان کی روح پر ضرور اثر ہے۔''

اب آپ ہی فیصلہ کریں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ اقتباس اسرارشریعت سے لیا ہوگا یا مرزا غلام احمد کی کتابوں سے اور عبداللہ ایمن زئی کی اس غلط بیانی کی بھی دل کھول کر داد دیں۔وہ لکھتا ہے:

''مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ''ہم ثابت کر چکے ہیں'' حضرت تھانویؒ نے ان الفاظ کو اس طرح تبدیل کر دیا ہے کہ ''یہ بات ثابت شدہ اور مسلم ہے''۔دیکھئے کیا یہ الفاظ اسرارشریعت کے نہیں؟ اب ایمن زئی صاحب کا یہ کہنا ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ الفاظ بدلے ہیں۔کس قدر کھلا جھوٹ ہے۔جو قادیانیوں کو ہی زیب دیتا ہے۔

اسرارشریعت کی عبارت اصل معلوم ہوتی ہے مباحث عقلیہ میں اپنے خیالات اور نتائج فکر سے استدلال نہیں کیا جاتا یہاں امور مسلمہ پیش کیے جاتے ہیں۔مولوی محمد فضل خاں کا یہ کہنا کہ یہ بات ثابت شدہ اور مسلمہ ہے۔ایک وزن رکھتا ہے اور مرزا صاحب کا یہ کہنا کیونکہ ہم ثابت کر چکے ہیں۔یہ محض ان کا ایک اپنا نتیجۂ فکر ہے جس کو عام مباحث عقلیہ میں جگہ نہیں دی جا سکتی۔

دونوں عبارتوں کو غور سے دیکھو دونوں میں زیادہ صحیح اور موقعہ کے مطابق اسرارشریعت کی عبارت ملے گی۔معلوم ہوتا ہے کہ یہی اصل عبارت ہے۔مرزا غلام احمد کی عبارت اس میں چند غلطیاں ملا کر مرتب ہوئی ہے اسرارشریعت کا مرزا صاحب کی وفات کے ایک سال بعد چھپنا اس سے اس احتمال کی نفی نہیں ہوتی کہ مرزا صاحب کی نظر سے اسرارشریعت کے کچھ حصے بصورت مسودہ بطریق خط وکتابت نہ گزرے ہوں گے خصوصاً جب کہ مؤلف اسرارشریعت قادیان سے بہت قریب کا تعلق رکھتے تھے۔دونوں عبارتیں خود بول رہی ہیں کہ اصل کونسی عبارت ہوگی۔پھر کس نے کس سے لیا ہوگا؟۔

مرزا صاحب نے اس عبارت میں ایک اور بے ڈھب اضافہ کیا ہے اور وہ قانون قدرت کے الفاظ ہیں ان پر غور کیجئے۔

''اب اس کے حرام ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ قانون قدرت یہی چاہتا ہے کہ ایسے پلید اور بد جانور کے گوشت کا اثر بھی بدن پر پلید ہو''۔یہ عبارت اسرارشریعت میں ان خط کشیدہ الفاظ کے بغیر ہے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں بھی اس طرح ہے مگر مرزا غلام احمد کی عبارت میں یہ الفاظ زائد ہیں۔آپ ان الفاظ پر غور کریں اور ان کے بغیر عبارت کو آگے پیچھے سے پڑھ کر دیکھیں کہ یہ الفاظ جلی طور پر زائد اور بعد میں ملائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔

ایک پڑھا لکھا آدمی یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ اسرارشریعت کی عبارت یقیناً پہلے کی ہے۔گو چھپی بعد میں ہو اور مرزا صاحب کی عبارت اس میں چند غلطیوں کا اضافہ ہے گو وہ چھپی پہلے ہو اور مرزا صاحب نے اس کے مسودات سے اکتساب فیض کیا ہو جیسا کہ ان کی عادت تھی کہ وہ معاصر اہل قلم سے علمی امداد لیا کرتے تھے۔

کچھ بھی ہو یہ کوئی علمی معارف یا قرآن کریم کی کوئی عمیق تفسیریں نہیں جو ان مصنفین پر ہی کھلی ہوں بلکہ یہ وہ باتیں ہیں۔جو ان دونوں نے قبل از اسلام کے یونانی طبیبوں سے لی ہیں اور دونوں عبارات میں اس کا واضح اعتراف موجود ہے۔اب اگر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی یہ عبارات اسرارشریعت سے لے لیں تو اس میں کیا اعتراض ہے؟ یہ وہ باتیں ہیں جو کافروں سے بھی لی جا سکتی ہیں اور اس پر کسی کو تعجب نہ ہونا چاہئے۔ہاں یہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کمال دیانت ہے کہ انہوں نے اپنی کتا کے مقدمہ میں صاف لکھ دیا کہ انہوں نے بعض مضامین ایک کتاب سے لئے ہیں۔

عبداللہ ایمن زئی کا ایک اور جھوٹ

ایمن زئی صاحب حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

''اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں جو لٹریچر تخلیق ہوا اور بڑے بڑے علماء ومفسرین نے اس مسئلے پر جو کچھ لکھا وہ سب حضرت تھانوی ؒ کی نظر میں تھا، مگر انہوں نے یہ سارا سرمایہ معرفت ایک طرف رکھ دیا اور مرزا صاحب نے اپنی کتاب میں حرمت خنزیر کے جو اسباب بیان کئے تھے وہ اپنی کتاب میں نقل کر دیئے۔ (کمالات اشرفیہ، ص ۷)

ایمن زئی صاحب نے خط کشیدہ الفاظ میں یہ دعویٰ کیا ہے کہ مولانا نے اس موضوع پر پہلے لکھے گئے لٹریچر کو بالکل درخور اعتنا نہیں سمجھا اور مرزا صاحب کی عبارت کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے۔ ہم نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب پھر اس مقام سے دیکھی۔ آپ نے اسرار شریعت کی عبارت نقل کرنے کے بعد اس موضوع پر پھر اور مواد بھی فراہم کیا ہے اور اسرار شریعت کی عبارت میں جو کمی رہ گئی تھی اسے دیگر مصنفین کی عبارات سے پر کیا ہے بقول ایمن زئی صاحب اسے یوں سمجھئے کہ مرزا صاحب کی عبارت میں جو کمی رہ گئی تھی وہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مخزن الادویہ سے پوری کی ہے۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

''صاحب مخزن الادویہ فساد گوشت خوک (خنزیر) اور اس کی حرمت کے وجوہ ذیل تحریر کرتے ہوئے ظاہر فرماتے ہیں کہ اس جانور کا گوشت فطرت انسانی کے برخلاف ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

''گوشت خوک مولد خلط غلیظ است، ومورث حرص شدید وصداع مزمن وداء الفیل اوجاع مفاصل وفساد عقل وزوال مروت و غیرت وحمیت وباعث فحش است واکثرے از فرق غیر اسلامی آن رامے خورند وقبل ظہور نور اسلام گوشت آن را در بازارے فروختند وبعد ازاں در مذہب اسلام حرام وبیع آں ممنوع وموقوف گردید بسار کثیف و بدہیت است۔''

نیز اس کا گوشت کھانے سے انسان پر فوراً سوداوی امراض حملہ آور ہوتے ہیں''۔ (المصالح العقلیہ)

ناظرین غور فرمائیں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسروں کی تحقیقات کیا یکسر نظر انداز کی ہیں یا انہیں بھی اپنی اس کتاب میں نقل کیا ہے؟۔

تاثیر دعا

مولوی محمد فضل خاں نے اسرار شریعت میں حقیقت دعا وقضا پر ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے اور بات اس طرح واضح کی ہے گویا وہ اصولی طور پر دعاء وقضا کی حقیقت سمجھا رہا ہے۔ مرزا غلام احمد کا اس موضوع پر سرسید احمد خاں سے واسطہ پڑا تھا۔ اس نے اس میں عمومی پیرایہ ترک کر کے سرسید کو مخاطب بنایا ہے۔ اسرار شریعت مباحث عقلیہ کے موضوع کی ایک اصولی کتاب ہے اور ایسی کتابوں کا پیرایہ بیان عام ہوتا ہے ایسی کتابوں میں خاص افراد سے خطاب نہیں اب آپ دونوں کو کتابوں کو دیکھیں اور خود فیصلہ کریں کہ اصل عبارت کون سی ہوگی اور اسے کس نے بدل کر اپنے خاص موضوع میں پیش کیا ہے۔ کچھ بھی ہو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ عبارات اسرار شریعت سے لی ہیں اور یہ بات ان کے دیئے حوالے کے عین مطابق ہے۔ مرزا صاحب کی کتابوں سے انہوں نے انہیں نقل نہیں کیا۔ مرزا صاحب نے یہ مواد مولوی محمد فضل خاں سے لیا ہے۔

برکات الدعاء مرزا غلام احمد	اسرار شریعت مولوی محمد فضل خاں
اگرچہ دنیا کی کوئی خیر وشر مقدر سے خالی نہیں تاہم قدرت نے اس کی حصول کے لئے ایسے اسباب مقرر کر رکھے ہیں جن کے صحیح اور سچے اثر میں کسی عقل مند کو کلام نہیں مثلاً اگر مقدر کا لحاظ کر کے دوا کا کرنا نہ کرنا درحقیقت ایسا ہی ہے جیسا کہ دعا یا ترک دعا مگر کیا سید صاحب یہ رائے ظاہر کر سکتے ہیں کہ مثلاً علم طب سراسر باطل ہے اور حکیم حقیقی نے دواؤں میں بھی کچھ بھی اثر نہیں رکھا۔۔۔ خدا تعالیٰ اس بات پر تو قادر تھا کہ تربد اور سقمونیا اور سنا اور حب الملوک میں تو ایسا قوی اثر رکھیں کہ ان کی پوری خوراک کھانے کے ساتھ ہی دست چھوٹ جاتے ہیں یا مثلاً سم الفار اور بیش اور دوسری ہلاہل زہروں میں وہ غضب کی تاثیر ڈالدی کہ ان کا کامل قدر شربت چند منٹوں میں ہی اس جہاں سے رخصت کر دے لیکن اپنے برگزیدوں کی توجہ اور عقد ہمت اور تضرع کی بھری ہوئی دعاؤں کو فقط مردہ کی طرح رہنے دے جن میں ایک ذرہ بھی اثر نہ ہو۔ کیا یہ ممکن ہے کہ نظام الہی میں اختلاف ہو اور وہ ارادہ جو خدا تعالیٰ نے دواؤں میں اپنے بندوں کی بھلائی کے لئے کیا تھا وہ **دعاؤں** میں مرعی نہ ہو۔ نہیں نہیں ہرگز نہیں جو خود سید صاحب دعاؤں کی حقیقی فلاسفی سے بے خبر ہیں اور ان کی اعلیٰ تاثیروں پر ذاتی تجربہ نہیں رکھتے اور ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایک مدت تک ایک پرانی اور سالخوردہ مسلوب القویٰ دوا کو استعمال کرے اور پھر اس کو بے اثر پا کر اس دوا پر عام حکم لگا دے کہ اس میں کچھ بھی تاثیر نہیں۔	اگرچہ دنیا کی کوئی خیر وشر مقدر سے خالی نہیں تاہم قدرت نے اس کی حصول کے لئے اسباب مقرر کر رکھے ہیں جن کے صحیح اور سچے اثر میں کسی عقل مند کو کلام نہیں مثلاً اگرچہ مقدر پر لحاظ کر کے دوا کا کرنا نہ کرنا درحقیقت ایسا ہی ہے جیسا کہ دعا یا ترک دعا مگر کیا کوئی یہ رائے ظاہر کر سکتا ہے کہ مثلاً علم طب سراسر باطل ہے اور حکیم حقیقی نے دواؤں میں بھی کچھ بھی اثر نہیں رکھا جب کہ خدا تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ تربد اور سقمونیا اور سنا اور حب الملوک میں تو ایسا قوی اثر رکھے کہ ان کی پوری خوراک کھانے کے ساتھ ہی دست چھوٹ جاتے ہیں یا مثلاً سم الفار اور بیش اور دوسری ہلاہل زہروں میں وہ غضب کی تاثیر ڈالدی کہ ان کا کامل قدر شربت چند منٹوں میں ہی اس جہان سے رخصت کر دے تو پھر کیونکر یہ امید کی جائے کہ خدا تعالیٰ اپنے برگزیدوں کی توجہ اور عقد ہمت اور تضرع کی بھری ہوئی دعاؤں کو فقط مردہ کی طرح رہنے دے جن میں ایک ذرہ بھی اثر نہ ہو۔ کیا یہ ممکن ہے کہ نظامِ الہی میں اختلاف ہو اور وہ ارادہ جو خدا تعالیٰ نے دواؤں میں اپنے بندوں کی بھلائی کے لئے کیا تھا وہ **دواؤں** میں مرعی نہ ہو۔ جو شخص دواؤں کی اعلیٰ تاثیر پر ذاتی تجربہ نہ رکھتا ہو اور استجابت دعاء کا قائل نہ ہو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی ایک مدت تک ایک پرانی اور سال خوردہ اور مسلوب القویٰ دوا کو استعمال کرے اور پھر اس کو بے اثر پا کر اس دوا پر عام حکم لگا دے کہ اس میں کچھ بھی تاثیر نہیں۔
(برکات الدعاء ص ۴)	(اسرار شریعت جلد ا ص ۲۴۵)

دونوں عبارتوں کے آخری کشیدہ الفاظ پر غور کیجئے اسرار شریعت کی عبارت میں کاتب کی غلطی سے دعا کی بجائے دوا کا لفظ لکھا گیا جب کہ مرزا صاحب کی عبارت میں لفظ دعا لکھا ہوا ہے۔ اب آپ ہی بتائیں غلطی پہلے ہوتی ہے یا اصلاح اسرار شریعت کی عبارت اگر مرزا صاحب کی کتاب سے ماخوذ ہوتی تو اس میں یہ غلطی نہ ہوتی اس قسم کی غلطیاں عام طور پر پہلی تحریر میں ہی ہوتی ہیں اور زیادہ تر وہیں ہوتی ہیں جہاں کاتب قلمی

مسودوں سے لکھ رہے ہوں غلطیوں کی اصلاح بعد میں ہوتی ہے، مرزا غلام احمد کی عبارت اصلاح شدہ ہے اور اس میں اسرار شریعت کے کتابت شدہ مسودہ کو ہی درست کیا گیا ہے۔۔۔ حقیقت حال کچھ بھی ہو اس میں شبہ نہیں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا غلام احمد کی پانچ کتابوں سے عبارات نہیں لیں۔ جیسا کہ ایمن زئی کا دعویٰ ہے بلکہ ایک کتاب سے لی ہیں۔ اور وہ اسرار شریعت ہے۔ اس میں مرزا صاحب کی پانچوں کتابوںکی زیر بحث عبارات موجود ہیں۔ اس میں کوئی شخص اختلاف کرے کہ ان دو میں سے پہلا لکھنے والا کون ہے۔ بیشک اسے اس اختلاف کا حق ہے ہم اس میں دخل نہیں دیتے لیکن اپنی رائے ہم نے عرض کر دی ہے۔ یہ بات ہر شبہ سے بالا تر ہے کہ حضرت تھانویؒ نے مرزا غلام احمد کی کتابوں سے کوئی عبارت نہیں لی۔ اسی ایک کتاب سے آپ نے یہ عبارات لی ہیں اور آپ نے اسی ایک کتاب کا حوالہ دیا ہے۔

نماز پنجگانہ کی عقلی حکمتیں

اسرار شریعت مولوی محمد فضل خاں	کشتیٔ نوح مرزا غلام احمد
الغرض پنجگانہ نمازیں کیا ہیں وہ تمہارے مختلف حالات کا فوٹو ہے۔ تمہاری زندگی کے لازم حال پانچ تغیر ہیں جو تم پر وارد ہوتے اور تمہاری فطرت کے لئے ان کا وارد ہونا ضروری ہے جن کی تفصیل حسب ذیل ہے۔ پہلے جب کہ تم مطلع کئے جاتے ہو کہ تم پر ایک بلا آنے والی ہے مثلاً جیسے تمہارے نام عدالت سے ایک وارنٹ جاری ہو یہ پہلی حالت ہے جس نے تمہاری تسلی اور خوش حالی میں خلل ڈالا کیونکہ اس سے تمہاری خوشحالی میں زوال آنا شروع ہوا۔ اس کے مقابل پر نماز ظہر متعین ہوئی جس کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے۔ (اسرار شریعت ج ا ص ۱۰۷)	پنجگانہ نمازیں کیا چیز ہیں وہ تمہارے مختلف حالات کا فوٹو ہے۔ تمہاری زندگی کے لازم حال پانچ تغیر ہیں جو بلا کے وقت تم پر وارد ہوتے اور تمہاری فطرت کے لئے ان کا وارد ہونا ضروری ہے (ا) پہلے جب کہ تم مطلع کئے جاتے ہو کہ تم پر ایک بلا آنے والی ہے مثلاً جیسے تمہارے نام عدالت سے ایک وارنٹ جاری ہوا یہ پہلی حالت ہے جس نے تمہاری تسلی اور خوش حالی میں خلل ڈالا سو یہ حالت زوال کے وقت سے مشابہ ہے کیونکہ اس سے تمہاری خوشحالی میں زوال آنا شروع ہوا۔ اس کے مقابل پر نماز ظہر متعین ہوئی جس کا وقت زوال آفتاب سے شروع ہوتا ہے۔ (کشتیٔ نوح ص ۶۳، ۶۴)

مرزا صاحب کی عبارت میں ان الفاظ پر غور کیجئے:۔

''تمہاری زندگی کے لازم حال پانچ تغیر ہیں جو بلا کے وقت تم پر وارد ہوتے ہیں۔''

بلا کے وقت۔ کے یہ الفاظ اسرار شریعت میں نہیں ہیں۔ اسرار شریعت میں پنجگانہ نمازوں کا جو نقشہ دیا گیا ہے۔ اس میں پانچویں نماز (نماز فجر) کو بلا کا وقت نہیں نجات کا وقت بتلایا گیا ہے۔ چار وقت بلا کے تھے اور یہ پانچواں اجابت کا۔ مرزا صاحب نے بھی پانچویں نماز کو نجات کا وقت بیان کیا ہے۔ یہ عبارت کہ پانچ تغیر بلا کے وقت تم پر وارد ہوتے ہیں بعد میں بدلی ہوئی معلوم ہوتی ہے سیاق وسباق سے ملتی عبارت وہی ہے جو اسرار شریعت میں دی گئی ہے۔ مرزا صاحب نے اسے نقل کرنے میں جو اضافے کئے سب زائد عبارتیں معلوم ہوتی ہیں۔

مولوی محمد فضل خان صاحب نے اس کے بعد اپنی تائید میں کچھ ارشادات نبوی اور بعض اطباء کے اقوال بھی درج کئے ہیں انہیں

دیکھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ احادیث اور اقوال مولوی صاحب کے مضمون کا جزو ہیں مرزا صاحب کی کتاب میں یہ موجود نہیں ہیں۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ مرزا صاحب نے اپنی کتاب کشتی نوح میں اسرار شریعت کے مسودے سے حسب خواہش تلخیص کی ہے۔مرزا صاحب نے اسرار شریعت کی جو عبارت چھوڑ دی ہے اسے ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

''آنحضرت ﷺ نے زوال کی ساعت کی نسبت فرمایا ہے کہ اس میں آسمان کے دروازے کھلتے ہیں اس لئے میں پسند کرتا ہوں کہ اس وقت میرا کوئی عمل آسمان کی طرف صعود کرے فرمایا رات کے فرشتوں سے پہلے دن کے فرشتے آسمان کی طرف صعود کرتے ہیں اور دن کے فرشتوں سے پہلے رات کے فرشتے صعود کرتے ہیں۔اس وقت کے تغیرات کے آثار جو جسم انسانی پر ظاہر ہوتے ہیں طبیبوں نے اپنی طبی کتابوں میں بیان فرمائے ہیں چنانچہ مفرح القلوب شرح قانونچہ میں لکھا ہے۔۔۔الخ ''۔(ص ۱۰۴)

اب عبداللہ ایمن زئی کی ان سطور پر بھی غور کرو جب خدا کا خوف نہ رہے تو انسان اس قسم کے جھوٹ سے بھی پرہیز نہیں کرتا۔ایمن زئی صاحب لکھتے ہیں:

''بیان کردہ حکمتیں حضرت تھانوی کو اس قدر پسند آئیں کہ لفظ بہ لفظ اپنی کتاب میں نقل فرمادیں البتہ اتنا کیا کہ مرزا صاحب کی بیان کردہ حکمتوں کی مزید تشریح کے لئے ارشادات نبوی، شرح وقایہ اور اطباء کے اقوال درج کردیئے۔''

(کمالات اشرفیہ ص ۱۶)

اسرار شریعت کی وہ عبارات جو مرزا صاحب نے چھوڑ دیں ان میں واقعی کچھ ارشادات نبوی اور کچھ اقوال اطباء موجود ہیں۔حضرت تھانویؒ کی عبارت میں بھی یہ ارشادات نبوی اور اقوال اطباء موجود ہیں۔اس سے یہ حقیقت نصف النہار کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ حضرت تھانویؒ نے یہ مضامین اسرار شریعت سے لئے ہیں نہ کہ مرزا صاحب کی کتابوں سے۔اسرار شریعت اور المصالح العقلیہ کی عبارات ایک دوسرے کے مطابق ہیں اور مرزا غلام احمد کی تلخیص کچھ مختلف ہے۔دونوں (مولوی محمد فضل خان اور حضرت مولانا تھانویؒ) کی عبارات میں وہ پورے مضامین موجود ہیں۔اب کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے یہ مضامین مرزا غلام احمد کی کتابوں سے لئے ہیں۔ایمن زئی صاحب نے غلط کہا ہے کہ مولانا تھانویؒ نے شرح وقایہ اور اطباء کے اقوال اپنی طرف سے درج کئے ہیں۔اقوال اطباء اسرار شریعت سے ماخوذ ہیں اور شرح وقایہ کا تو اس عبارت میں سرے سے کوئی ذکر ہی نہیں ایمن زئی صاحب کو اس میں شرح وقایہ کا نام لانے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟۔معلوم ہوتا ہے کہ وہ غلطی سے شرح قانونچہ کو شرح وقایہ پڑھ رہے ہیں شاید وہ شرح قانونچہ کو شرح وقایہ پڑھتے رہے ہوں۔

نماز عصر کی بحث میں ایمن زئی صاحب نے حضرت مولانا تھانویؒ کی عبارت کو مرزا صاحب کی عبارت کے بالمقابل نقل کرتے ہوئے معلوم نہیں یہ طنز کیوں حذف کر دیا ہے۔

''صریح نظر آتا ہے کہ اب غروب نزدیک ہے جس سے اپنے کمالات کے زوال کے احتمال قریب پر استدلال کرنا چاہئے۔اس روحانی کے مقابل نماز عصر مقرر ہوئی۔''

(کمالات اشرفیہ ص ۱۸)

ایمن زئی صاحب نے خط کشیدہ فقرہ شاید اس لئے حذف کر دیا ہے کہ یہ عبارت مرزا صاحب کی عبارت کے مقابل ایک سی دکھائی دے اور وہ کہہ سکیں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لفظ بہ لفظ مرزا صاحب سے نقل کی ہے۔ اس لئے اس فقرے کا حذف کرنا ضروری تھا۔

اسرار شریعت	کشتیٔ نوح
خدا تعالیٰ نے تمہارے فطری تغیرات میں پانچ نمازیں تمہارے لئے مقرر کی ہیں اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ نمازیں خاص تمہارے نفس کے فائدے کے لئے ہیں۔ پس اگر تم چاہتے ہو کہ ان بلاؤں سے بچتے رہو اور پنجگانہ نمازوں کو ترک نہ کرو کہ وہ تمہارے اندرونی اور روحانی تغیرات کا ظل ہیں۔ نمازیں آنے والی بلاؤں کا علاج ہیں تم نہیں جانتے کہ نیا دن چڑھنے والا کسی قسم کی قضا و قدر تمہارے لئے لائے گا پس تم قبل اس کے جو دن چڑھے اپنے مولا کی جناب میں تضرع کرو کہ تمہارے لئے خیر و برکت کا دن چڑھے۔ (خاتم اولیاء اسرار شریعت جلد ا ص ۱۰۷)	اور خدا تعالیٰ نے تمہارے فطری تغیرات میں پانچ حالتیں دیکھ کر پانچ نمازیں تمہارے لئے مقرر کیں اس سے تم سمجھ سکتے ہو کہ یہ نمازیں خاص تمہارے نفس کے فائدے کے لئے ہیں پس اگر تم چاہتے ہو کہ ان بلاؤں سے بچتے رہو اور پنجگانہ نمازوں کو ترک نہ کرو اور وہ تمہارے اندرونی اور روحانی تغیرات کا ظل ہیں۔ نمازیں آنے والی بلاؤں کا علاج ہیں، تم نہیں جانتے کہ نیا دن چڑھنے والا کسی قسم کی قضا و قدر تمہارے لئے لائے گا۔ پس قبل اس کے جو دن چڑھے تم اپنے مولا کی جناب میں تضرع کرو کہ تمہارے لئے خیر و برکت کا دن چڑھے۔ (کشتیٔ نوح ص ۶۵))

ان دونوں عبارتوں میں اختلاف الفاظ کا جائزہ لیجئے۔ انسانی زندگی کے یہ پانچ تغیرات ہی اس کی پانچ حالتیں ہیں جن میں پانچ نمازیں مقرر کی گئی ہیں۔ تغیر حالت بدلنے کو ہی کہتے ہیں اور یہ پانچ تغیرات پانچ حالتیں ہی ہیں۔ پانچ تغیرات میں پانچ حالتیں بالکل بے معنی بات ہے۔

اسرار شریعت میں ہے: ''خدا تعالیٰ نے تمہارے فطری تغیرات میں پانچ نمازیں تمہارے لئے مقرر کی ہیں'' ص ۱۰۶۔

اور مرزا غلام احمد کی عبارت یہ ہے:

''خدا نے تمہارے فطری تغیرات میں پانچ حالتیں دیکھ کر پانچ نمازیں تمہارے لئے مقرر کیں''۔ کشتیٔ نوح ص ۶۵ یہاں بآسانی سمجھا جاسکتا ہے کہ اصل عبارت کون سی ہے اور نقل کون سی۔ فطری تغیرات میں پانچ حالتیں وہی کہہ سکتا ہے جو تغیر کے معنی حالت بدلنا نہ جانے۔ اصل عبارت اپنی جگہ پوری طرح واضح اور صحیح ہے اور مرزا صاحب کی عبارت واقعی ایک بدلی عبارت معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح اس عبارت کے آخری حصہ میں مرزا غلام احمد کے الفاظ ''پس قبل اس کے جو دن چڑھے تم اپنے مولیٰ کی جناب میں تضرع کرو'' کا مولوی محمد فضل خاں کے الفاظ ''پس تم قبل اس کے جو دن چڑھے اپنے مولیٰ کی جناب میں تضرع کرو'' سے مقابلہ کرو لفظ تم کو مقدم لانے میں جو زور ہے وہ پچھلی عبارت سے پوری طرح ہم آہنگ ہے۔ مرزا صاحب کی عبارت اسی میں ایک تبدیلی معلوم ہوتی ہے۔

اب بتائیے چور کون نکلا؟۔

پھر اس فقرہ کو اس کے سیاق میں دیکھئے۔

’’نمازیں آنے والی بلاؤں کا علاج ہیں ۔‘‘اسرار شریعت

اور مرزا غلام احمد کے اس فقرہ پر بھی غور کیجئے ۔’’نمازوں میں آنے والی بلاؤں کا علاج ہے ۔‘‘ جس سیاق وسباق میں اس مضمون پر بحث کی گئی ہے وہ مختلف حالتوں کا بیان ہے اس کے پیش نظر اسرار شریعت کا فقرہ صاف طور پر نظر آرہا ہے اور مرزا صاحب کا پیرایہ یہاں وہ وزن نہیں رکھتا معلوم ہوتا یہاں وہ نماز کی تعریف کر رہے ہیں پنجگانہ نمازوں کی تعریف نہیں کر رہے ۔حالانکہ موضوع وہی تھا۔سو بات وہی صحیح ہے جو اسرار شریعت کے مصنف نے کہی ہے کہ نمازیں آنے والی بلاؤں کا علاج ہیں ۔

مولوی محمد فضل خاں نے جہاں اس بات کو ختم کیا ہے وہاں خاتم اولیاء کا حوالہ دیا ہے ۔مرزا غلام احمد نے جہاں یہ بات ختم کی ہے وہاں کوئی حوالہ نہیں دیا۔اس سے یہ بات عیاں ہے کہ مولوی محمد فضل خان نے یہ مضمون خاتم اولیاء سے لیا ہے ۔مرزا صاحب سے نہیں افسوس کہ مرزا صاحب نے اسے خاتم الاولیاء یا اسرار شریعت کا حوالہ دئیے بغیر نقل کیا ہے ۔اب آپ ہی بتائیں عبارت چور کون نکلا۔

صورتحال کچھ بھی ہو یہ ہمارا اصل موضوع نہیں ہاں یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے عبارت زیر بحث اسرار شریعت سے لی ہے ۔مرزا غلام احمد کی کتاب کشتئ نوح سے نہیں ۔اختلافی الفاظ میں مولانا تھانوی کی عبارت اسرار شریعت کے موافق ہے کشتی نوح کے موافق نہیں ۔اس تقابلی مطالعہ سے دوست محمد شاہد یا ایمن زئی صاحب کا یہ دعویٰ کہ مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ عبارات مرزا غلام احمد کی کتابوں سے ہی لی ہیں اعلانیہ طور پر غلط ٹھہرتا ہے ۔اور قادیانی الزامات کی عمارت دھڑام سے نیچے آگرتی ہے ۔

قویٰ انسانی کا استعمال

عبداللہ ایمن زئی نے کمالات اشرفیہ ص ۲۰ پر یہ عنوان قائم کیا ہے اور لکھا ہے:

’’حضرت مولانا تھانوی ؒ اپنی کتاب کے لئے اس موضع پر غور وفکر اور مطالعہ فرمارہے تھے ۔تلاش وتحقیق کے دوران مرزا صاحب کی کتاب نسیم دعوت انہیں ملی ۔انہوں نے یہ کتاب پڑھی اور محسوس کیا کہ انسانی قویٰ کے استعمال کے جو طریقے مرزا صاحب نے قرآن شریف پر تدبر کرنے کے بعد بیان کئے ہیں ان سے بہترین نکات بیان نہیں کئے جاسکتے چنانچہ انہوں نے مرزا صاحب کی کتاب کا اقتباس پسند فرمایا اور اپنی کتاب کو اس سے آراستہ فرمالیا‘‘۔(کمالات اشرفیہ ص ۲۰)

سابقہ الزامات کی طرح یہ الزام بھی بالکل بے وزن ہے ۔حضرت مولانا تھانوی ؒ نے مرزا صاحب کی کتاب سے یہ اقتباس لیا نہ اس سے اپنی اس کتاب کو آراستہ کیا۔یہ مضمون بھی آپ نے اس کتاب کے مقدمہ میں ذکر کیا تھا۔یہی عبارت نہیں ۔حضرت تھانوی ؒ پیچھے کئی عنوانات سے اس کتاب کے مضامین کو آگے لارہے ہیں ہم دونوں کے عنوانات درج ذیل کرتے ہیں ۔

(۱) برتن میں مکھی پڑنے سے اس کو اس میں ڈوبادے کر نکالنے کی وجہ۔

(اسرار شریعت جلد ۲ ص ۳۶۷)

(۲) پانی اور برتن میں سانس لینا و پھونکنا منع ہونے کی وجہ۔۔۔۔۔ص ۳۶

(۳) انسان کے لئے گوشت کھانا کیوں جائز ہوا؟۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ص ۳۶۹

(۴) گوشت وتر کاری کھانے سے انسان کے روحانی اخلاق کیسے پیدا ہوتے ہیں ۔۔۔ص ۳۶۹

(۵) انسان میں قوت غصبیہ وحلم وغیرہ کی حکمت ۔۔۔۔۔ص ۳۷۰

حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب کے عنوانات بھی یہی ہیں:

(۱) برتن میں مکھی پڑنے سے اس کو اس میں غوطہ دے کر نکالنے کی وجہ۔

(احکام اسلام عقل کی نظر میں ص ۲۲۰)

(۲) پانی اور برتن میں سانس لینا و پھونکنا منع ہونے کی وجہ۔۔۔۔ص ۲۲۵

(۳) انسان کے لئے گوشت کھانا کیوں جائز ہوا؟۔۔۔۔۔ص ۲۲۱

(۴) گوشت ترکاریاں کھانے سے انسان کے روحانی اخلاق کیسے پیدا ہوتے ہیں ۔۔۔ص ۲۲۲

(۵) انسان میں قوت غصبیہ وحلم وغیرہ کی حکمت ۔۔۔۔ص ۲۲۳

آپ نے دیکھا یہ عنوانات کس طرح ہو بہو ایک دوسرے کے مطابق آرہے ہیں۔ پانچویں نمبر کا عنوان ہے جس کے تحت وہ عبارت درج ہے جسے ایمن زئی مرزا صاحب کی کتاب سے لیا گیا اقتباس کہہ رہے ہیں جب حضرت تھانویؒ کے پچھلے چار عنوانات اسرار شریعت سے منطبق چلے آرہے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی مرزا صاحب کا موضوع نہیں تو اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ حضرت نے یہ مضامین اسرار شریعت سے لئے ہیں نہ کہ غلام احمد سے اور ایمن زئی کا یہ کہنا کہ مرزا غلام احمد صاحب کی کتاب سے لئے ہیں اس میں کسی طرح کا کوئی وزن نہیں رہتا۔ پھر ان دونوں کتابوں (مولوی محمد فضل خاں اور حضرت تھانویؒ کی کتابوں) کے مذکورہ پانچویں عنوان کو جو مناسبت ان کے چوتھے عنوان سے ہے وہ بتا رہی ہے کہ مولوی محمد فضل خاں کا یہ مضمون اپنے ماقبل سے مسلسل اور مربوط ہے اور یہ صورت اس بات کی شاہد ہے کہ مضمون اسرار شریعت میں اصل ہے نسیم دعوت میں نہیں۔ اب اسے مرزا صاحب کی کتاب نسیم دعوت میں دیکھئے انہوں نے یہاں کوئی ایسے عنوانات نہیں دیئے البتہ پیرابندی ضرور کی ہے جو ایک مضمون کو دوسرے سے جدا کرتی ہے۔ ہم ان پیرایہ جات کے ابتدائی الفاظ درج کرتے ہیں۔

''کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ہم نے اس جگہ انجیل کی تعلیم کا ذکر نہیں کیا''۔ (نسیم دعوت ص ۷۰)

علاوہ اس کے یہ بھی سخت غلطی ہے کہ انجیل کی تعلیم کو کامل کہا جائے ۔۔۔ص ۷۱

اب دیکھو آیت میں دونوں پہلوؤں کی رعایت رکھی گئی ہے۔۔۔۔۔ص ۷۲

اب ہم آریہ مذہب میں کلام کرتے ہیں ۔۔۔۔ص ۷۲

وہ عبارت جو اسرار شریعت اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں مشترک ہے وہ مرزا صاحب کے مندرجہ بالا پیراجات میں سے دوسرے کے تحت دی گئی ہے کہ ''یہ بھی سخت غلطی ہے کہ انجیل کی تعلیم کو کامل کہا جائے''۔

اب جو شخص ان تینوں کتابوں کو دیکھے اسے اس یقین سے چارہ نہ رہے گا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب اس کے عنوانات اور سیاق وسباق اسرار شریعت سے ملتے جلتے ہیں نہ کہ مرزا صاحب کی کتاب نسیم دعوت سے۔

اب عبداللہ ایمن زئی کے کہنے پر کیسے باور کرلیا جائے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مضمون زیر بحث مرزا صاحب کی کتاب نسیم دعوت سے لیا ہے۔

پھر مرزا صاحب کی عبارت میں یہ جملہ بھی لائق غور ہے۔

''اگر انسان میں خدا نے ایک قوت حلم اور نرمی اور درگذر اور صبر کی رکھی ہے تو اسی خدا نے اس میں ایک قوت غضب اور خواہش انتقام کی بھی رکھی ہے''۔(کمالات اشرفیہ ص ۲۱)

اب اسے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب میں دیکھئے:

''اگر خدا نے انسان میں ایک قوت حلم اور نرمی اور درگزر اور صبر۔۔۔الخ''۔

(از کمالات اشرفیہ ص ۲۱)

اب آئیے دیکھیں کہ یہ جملہ اسرار شریعت میں کس طرح ہے اور پھر آپ ہی فیصلہ کریں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اسرار شریعت سے لیا ہے یا نسیم دعوت سے۔اسرار شریعت میں یہ جملہ اس طرح ہے۔

''اگر خدا نے انسان میں ایک قوت حلم اور نرمی اور درگزر اور صبر کی رکھی ہے''۔

(اسرار شریعت ص ۳۷۰)

اب بھی کیا کسی پڑھے لکھے آدمی کو یہ کہنے کی ہمت ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مرزا صاحب کی کتاب نسیم دعوت سے یہ اقتباس لیا ہوگا۔

جہاں تک اسرار شریعت اور نسیم دعوت کے تقابلی مطالعہ کا تعلق ہے اسرار شریعت کی عبارت اپنے محل اور سیاق وسباق میں خوب چسپاں دکھائی دیتی ہے اور ذہن گواہی دیتا ہے کہ اصل عبارت یہیں کی ہے اور مرزا صاحب نے اسے جس محل میں سمویا ہے وہاں اسے تکلف سے چسپاں کیا گیا ہے۔پس اس میں کوئی شک نہیں رہ جاتا کہ مرزا صاحب نے اسرار شریعت کے مسودے سے کسی نہ کسی طرح استفادہ کیا ہے۔یہ علیحدہ بات ہے کہ ان کی علمی قابلیت مولوی فضل خاں کی قابلیت کے برابر نظر نہیں آتی۔

پھر ایمن زئی نے کمالات اشرفیہ ص ۲۲ پر مرزا صاحب کا ایک نو سطری اقتباس درج کیا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ:

''مرزا صاحب کی جو عبارت حضرت تھانویؒ نے حذف کر دی ہے وہ یہ ہے''۔(کمالات اشرفیہ ص ۲۲)

جواباً عرض ہے کہ یہ نو سطریں اسرار شریعت میں جہاں سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ یہ عبارت لے رہے ہیں نہیں ہیں۔ وہاں عبارت اسی طرح ہے جیسے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے پیش کی ہے۔اب بجائے اس کے کہ ایمن زئی اقرار کریں کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے واقعی مرزا صاحب کی نسیم دعوت سے یہ اقتباس نہیں لیا۔الٹا یہ دعوے کر رہے ہیں کہ حضرت تھانویؒ نے ان نو سطروں کو حذف کر دیا ہے انہیں اگر یہ الزام کسی پر لگانا ہی تھا تو مولوی محمد فضل خان پر لگاتے نہ کہ حضرت تھانویؒ پر۔ایمن زئی صاحب کی اس جسارت پر ہمیں حیرت ہوتی ہے۔

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

(اعتراض ۱۴۵): پارلیمنٹ میں علماء دیوبند نے مرزائیوں کی مخالفت نہیں کی

رضاخانی نے ایک اور الزام لگایا کہ:

’’۳۰ جون ۱۹۷۴ءکو جب قومی اسمبلی آف پاکستان میں قادیانیوں کوغیرمسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد پیش کی گئی تو دو دیوبندی علماء نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا،ایک مولوی غلام غوث ہزاروی اور دوسرے مولوی عبدالحکیم آف صوبہ سرحد۔

(دیوبندیت کے بطلان کاانکشاف ص۱۲۶)

جواب: یہ بھی رضاخانی کے کالے جھوٹوں میں سے ایک جھوٹ ہے۔مولانا غلام غوث ہزاروی رحمۃاللہ علیہ نے پارلیمنٹ کی کارروائی کے دوران مرزا قادیانی کےخلاف پورامحضر نامہ پیش کیا تھااورقومی اسمبلی میں اپنی تقریر میں کہا:

’’بہر شکل ہم نے ایک بل پیش کیا ہے جس بل میں ہم نے تحریک کی ہے کہ ان کوغیرمسلم اقلیت قرار دیاجائے اور ربوہ کوکھلا شہر قرار دیا جائے اور ان کوکلیدی آسامیوں سے دور کیا جائے‘‘۔(قومی اسمبلی کی روائیداد سرکاری،ج۱۹ص۷)

مکمل بیان ص ۷ تا ۱۷ پرملاحظہ فرمائیں،اس بیان میں صاف صراحت ہے کہ اس بل کی تحریک میں یہ شامل تھے۔

علامہ اقبال اوررضاخانیت

موصوف مزید گل افشانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’قادیانیت اور دیوبندیت کابقول ڈاکٹر علامہ محمد اقبال سرچشمہ ایک ہے(اقبال کے حضور،ص۲۶۱)مگر آج یہ لوگ اس فیلڈ کے ہیرو بنے پھرتے ہیں‘‘۔

(دیوبندیت کے بطلان کاانکشاف،ص۱۲۷)

جواب:اولاً گزارش ہے کہ یہ کتاب یا تحریر علامہ اقبال مرحوم کی نہیں ہے نہ انہوں نے اس پرنظر ثانی کی ہے۔بلکہ اس کی حیثیت ملفوظات کی سی ہے۔چنانچہ خود مرتب اور جامع نذیر نیازی صاحب لکھتے ہیں:

’’یہاں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ حضرت علامہ کے حضور راقم الحروف کی نشستوں اور گفتگوؤں کی اس روئیداد کی حیثیت دراصل ایک روز نامچہ کی ہے جو کبھی باقاعدہ اور کبھی بے قاعدہ کئی کئی دنوں کے بعد لکھا گیا‘‘۔

(اقبال کے حضور،ص ۷ طبع دوم،وص ج،طبع دوم)

پس جب یہ علامہ اقبال مرحوم کی اپنی ذاتی تحریر نہیں بلکہ نیازی صاحب نے اپنے حافظے پر اعتماد کر کے ان کے ملفوظات کوجمع ومرتب کیا وہ بھی کئی کئی دنوں کے بعد تو اس پر اعتماد بالکلیہ ممکن نہیں خاص کر ان تحریرات کی روشنی میں جس میں خود اقبال نے علمائے دیوبند کی زوروشور سے حمایت کی ہو بلکہ ان سے علمی استفادہ کیا ہو۔ایک طرف تو بقول معترض اقبال کی نظر میں دیوبندیت اور قادیانیت کا سرچشمہ ایک ہے مگر دوسری طرف اقبال یہ بھی فرماتے ہیں:

’’ارباب دیوبند ہوں،یا علماء کی کوئی دوسری جماعت میرے دل میں ان کی جذبہ آزادی،ان کی انگریز دشمنی،اور دین کیلئے غیرت وحمیت کی بڑی قدر ہے‘‘۔

(اقبال کے حضور،ص ۲۹۵ طبع دوم)

آگے مزید فرماتے ہیں:

''دیوبند ایک ضرورت تھی اس سے مقصود ایک روایت کا تسلسل ۔۔۔وہ روایت جس سے ہماری تعلیم کا رشتہ ماضی سے قائم ہے یہ ضرورت پوری ہوئی اور یوں بھی اس کا پورا ہونا ضروری تھا''۔

(اقبال کے حضور،ص ۲۹۶ طبع دوم)

اسی طرح ایک جلسہ میں فرماتے ہیں:

''میں آپ کی اس تجویز سے پورے طور پر متفق ہوں کہ دیوبند اور لکھنو کے بہترین مواد کو برسر کار لانے کی کوئی سبیل نکالی جائے''۔

(کلیات مکاتیب اقبال، ج ۲،ص ۵۹۲)

کیا یہ اپنے ہی دعوے سے انحراف نہیں؟

ثانیا: جامع نیازی صاحب نے خود اس کے حاشیہ پر وضاحت کی کہ اس سے مراد مسلک دیوبند نہیں بلکہ اس زمانے میں ''دیوبند اور وہابیت'' ایک اصطلاح کے طور پر متعارف ہوگئی تھی اور وہ یہ تھی کہ جو لیگ کا مخالف اور کانگریس کا حامی ہو تو اسے دیوبندی یا وہابی کہہ دیا جاتا ان کی اصل عبارت یہ ہے:

''اختلاف اور انتشار کے اس تکلیف دہ زمانے میں جب مسلمان الگ الگ حلقوں میں بکھر گئے تھے بعض الفاظ نے اصطلاحات کی شکل اختیار کرلی تھی اور ان کا اطلاق صرف خاص خاص افراد یا حلقوں پر ہوتا۔وہابیت یا دیوبند کانگریس کے طرفدار علماء اور ان کے عقیدت مندوں پر''۔

(اقبال کے حضور،طبع اول،ص ۲۶۲ وطبع دوم،ص ۲۷۵)

اور اس وقت چونکہ اقبال کا حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ''مسئلہ قومیت'' پر شدید اختلاف چل رہا تھا جس کی تفصیل آگے ان شاء اللہ اپنے مقام پر آرہی ہے تو شاید اسی اختلاف سے مغلوب ہوکر لیگ مخالف علماء جنہیں وہ اپنی اصطلاح میں ''دیوبند'' سے پکارتے ہیں کے متعلق اس قسم کے الفاظ نکل گئے ہوں ۔لیکن بعد میں اقبال نے اس سے رجوع کرلیا تھا جیسا کہ آگے ان شاء اللہ مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور اقبال کے اس اختلاف کے ضمن میں تفصیل آرہی ہے۔

اسی کتاب میں ایک مقام پر اقبال دیوبند سے اپنی توقعات کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''دیوبند کی دینی عصبیت سے بڑی بڑی توقعات تھیں''۔(اقبال کے حضور،ص ۲۷۸ طبع دوم)

پھر معترض نے عبارت نقل کرنے میں بھی بدترین خیانت کی ہے کیونکہ مکمل عبارت کے شروع میں اس طرح ہے:

''حضرت علامہ نے فرمایا''قادیان اور دیوبند اگرچہ ایک دوسرے کی ضد ہیں''۔

(اقبال کے حضور،ص ۲۶۱ طبع اول)

کیوں جناب آپ کا اصل مقصد تو قادیانیت اور دیوبندیت کو معاذ اللہ ایک ثابت کرنا تھا مگر آپ کے ممدوح علامہ اقبال تو واشگاف انداز میں کہہ رہے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں اب ہم آپ کو اپنے دعوے میں سچا مانیں یا اقبال مرحوم کی عدالت کو ساقط قرار دیں؟

مفتی اقتدار خان نعیمی علامہ اقبال کے بارے میں لکھتے ہیں:

''سنی یہ کہہ کر خوشیاں منالیتے ہیں کہ اقبال نے وہابیوں کو برا کہا اور وہابی یہ سمجھ کر دل بہلاوا کرلیتے ہیں کہ بریلویوں کو برا کہا مگر

حقیقت یہ ہے کہ اقبال نے سب کو برا کہا اقبال کسی کا مخلص نہیں''۔

(تنقیدات اقتدار برنظریات اقبال،ص ۴۹)

کیا آپ کتاب کے ان مندرجات سے بھی متفق ہیں؟

بریلوی علماء تحریک بالاکوٹ کے عظیم جہاد کو تسلیم نہیں کرتے مگر اقبال واشگاف الفاظ میں کہتے ہیں:

''تحریک جہاد کا ایک مرحلہ وہ تھا جو بالاکوٹ میں ختم ہوا''۔(اقبال کے حضور،ص ۳۲۶)

اس کتاب میں اقبال نے اگرچہ قادیانیت کی بھی مخالفت کی اور اس سے ان کی اس تحریک کے متعلق سوچ بھی سامنے آجاتی ہے مگر ساتھ میں یہ پہلو بھی افسوس ناک ہے کہ میر افضل قادیانی کے بارے میں ذرا نیازی صاحب اور اقبال صاحب کی گفتگو ملاحظہ ہو:

''رفتہ رفتہ اکابر سلسلہ سے ربط وضبط بڑھا تو تو عقیدۃً بھی احمدیت قبول کرلی حتی کہ ان کا شمار جماعت کے سربرودہ افراد میں ہونے لگا''۔(ص ۲۲)

اب اسی قادیانی کے بارے میں کہتے ہیں:

''میر افضل علی مرحوم''۔(اقبال کے حضور،ص ۱۹)''میر صاحب مرحوم''(ص ۲۴)

کیوں جناب کسی مرزائی قادیانی کو''مرحوم''لکھنا کیا آپ کے ہاں قادیانیت نوازی میں شمار ہوگا یا نہیں؟اور کیا آپ اس سے متفق ہیں؟اگر نہیں تو ہمارے بارے میں ان کی رائے حجت کیسے ہوگئی؟کتاب کے ص ۱۷ تا ۲۸ پہلی مجلس ہی قادیانیوں کے ساتھ اتحاد کی گفت و شنید پر مشتمل ہے اور جس طرح کا نرم رویہ اور نرم انداز سے ان کے متعلق گفتگو کی گئی کیا معترض اس سے متفق ہے؟۔اسی کتاب کے ص ۴۰ طبع دوم پر ۱۸۵۷ کے بعد مسلمانوں کو سنبھالنے کا اعزاز علامہ اقبال کی طرف سے سرسید کو دیا گیا اور انہیں باقاعدہ مرحوم لکھا گیا ہے اور کہا''کہ سرسید ہماری نشاۃ ثانیہ کی تمہید ہے''۔جبکہ آپ کے اعلیٰ حضرت تو سرسید کو مرتد کہتے ہیں:مولانا احمد رضا صاحب ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''عرض:بعض علی گڑھ ہی کو سید صاحب کہتے ہیں۔ارشاد:وہ تو ایک خبیث مرتد تھا۔''

(ملفوظات اعلیٰ حضرت،مطبوعہ لکھنؤ ج 3 ص 71)

مگر علامہ اقبال ان کے بارے میں اسی کتاب میں فرماتے ہیں:

''سرسید کی ذات بڑی بلند تھی بڑی ہمہ گیر افسوس ہے مسلمانوں کو پھر ویسا کوئی رہنما نہیں ملا''۔(اقبال کے حضور،ص ۴۱ طبع دوم)

معترض صاحب اسی کتاب میں ذرا اس پر بھی غور کریں اور یہ بھی بتائیں کہ کیا آپ اس سے متفق ہیں؟ یا آپ کو کتاب میں صرف وہی باتیں اچھی لگتی ہیں جو علمائے دیوبند کے خلاف ہوں:

''متکلمین نے بھی ایک طرح سے یہودیوں کی پیروی کی ہے متکلمین کا خیال تھا کہ انسان موت کے ساتھ ہی برزخ میں چلا جاتا ہے اور برزخ کا زمانہ موت سے لیکر روز حشر تک ممتد ہے متکلمین کی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے زمانے کی حقیقت پر غور نہیں کیا''۔

(انوار اقبال،ص ۱۰۰)

اور ذرا اقبال کا بریلویت شکن یہ ملفوظ بھی اسی من پسند کتاب سے ملاحظہ فرمالیں:

''حضرت علامہ نے خود ہی فرمایا کہ ''ہم نے آنکھ کھولی تو لایعنی روایات، بدعات اور توہمات کا زور تھا لیکن ہمارے دیکھتے ہی دیکھتے وہابی تحریک پھیل گئی بخاری اور مسلم کی اشاعت ہونے لگی اور صورت حال بہت کچھ بدل گئی''۔

(اقبال کے حضور ص ۱۴۵ طبع دوم ۲۰۰۸)

اسی کتاب کے مرتب نیازی صاحب لکھتے ہیں:

''مولانا دیدار علی مرحوم خطیب مسجد وزیر خان اس (حزب الاحناف) کے صدر قرار پائے مولانا مرحوم بھی اپنے عقائد میں بڑے متشدد تھے یہ زمانہ چونکہ سلطان ابن سعود کی زبردست مخالفت اور موافقت کا تھا اس لئے لاہور میں تکفیر کا اچھا خاصہ اکھاڑا قائم ہوگیا تھا۔ احناف کے نزدیک ہر وہابی کافر تھا۔ مولانا دیدار علی مرحوم بہت بڑے مکفر تھے۔ ان کی تکفیر سے شاید ہی کوئی شخص بچا ہو۔ اقبال کافر، ظفر علی کافر، کچلو کافر، جس پر مولانا ظفر علی خان مرحوم نے کہا

کچلو مری مسجد میں جو آجائے تو کافر

پھر جب مولانا ظفر علی خان بھی کافر ٹھہرائے گئے تو وہ کہاں چوکنے والے تھے انہیں غصہ آگیا اور حسب معمول فرمایا: پال کے آم کی جو چوسی ہوئی گٹھلی کا ہے صوف

یا کہ ہے قبلہ دیدار علی کی داڑھی''۔

(اقبال کے حضور ص ۲۷۴ طبع دوم)

کہئے جناب یہ آپ کے مسلک کے ایک مستند ترین آدمی ہیں کتاب کے جامع انہیں مکفر المسلمین کہہ رہے ہیں اور علامہ اقبال کی تکفیر کرنے والوں میں ان کا شمار کر رہے ہیں۔ اگر آپ اس کے جواب میں کہیں کہ نیازی صاحب نے جھوٹ اور غلط بیانی سے کام لیا ہے تو ہماری طرف سے جواب سیدھا سادہ سا ہے کہ پھر جو آپ نے عبارت نقل کی اس کی کیا دلیل ہے کہ انہوں نے علامہ اقبال کی طرف اس کی جھوٹی نسبت نہیں کی ہوگی؟

اب ذرا حقیقت بھی ملاحظہ فرمالیں کہ خود اقبال مرحوم کی نظر میں علماء اہل السنت دیوبند کا کیا مقام تھا اور اس کا صلہ بریلوی علماء نے اقبال کو کیا دیا؟

علماء اہل السنۃ والجماعۃ اقبال کی نظر میں

شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ.....اقبال کی نظر میں

۱۔ مجدد الف ثانی، عالمگیر اور مولانا شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیھم نے اسلامی سیرت کے احیاء کی کوشش کی۔ مگر صوفیا کی کثرت اور صدیوں کی جمع شدہ قوت نے اس گروہ احرار کو کامیاب ہونے نہ دیا۔ (اقبال کا ذہنی ارتقاء ص ۷۶ ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار)

۲۔ اگر ہم حق پر ہیں تو خدا ہماری حمایت کرے گا۔ اور اگر ہم ناحق پر ہیں تو ہم فنا ہوجائیں گے...... ہندوستان میں مجدد الف ثانی حضرت عالمگیر غازی اور شاہ اسماعیل دہلوی نے یہی کام کیا اور ہمارا مقصد صرف اسی کام کو جاری رکھنے کا ہے اور کچھ نہیں۔

(مقالات اقبال:ص:١٧٨)

اقبال رحمۃ اللہ علیہ.....حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقلّد

٣۔ میں مثنوی مولانا روم کے سلسلہ میں مولانا اشرف علی تھانوی کا مقلد ہوں۔

(مقالات اقبال:ص:١٨٠)

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ.....اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں

٤۔ معارف میں حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کا ایک خط شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے طرفہ کا ایک مقبول عربی شعر لکھا ہے۔کیا آپ یہ بتانے کی زحمت گوارا کر سکتے ہیں کہ یہ خط مالٹا سے کون سی تاریخ کو لکھا گیا۔

(مکتوب بنام مولانا سید سلمان ندوی از اقبال نامہ حصہ اول:ص:٩٥)

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا احترام.....اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ

٥۔ مولانا سید حسین احمد مدنی کی حمیت دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدتمند سے پیچھے نہیں ہوں۔

(اقبال کا ذہنی ارتقاء:ص:٢٠٥)

حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا مقام.....اقبال کے نزدیک

٦۔ اسلام کی ہر پانچ سو سالہ تاریخ مولانا سید انور شاہ کشمیر کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے۔

(بحوالہ بیس بڑے مسلمان:ص:٣١٧٥ از مولانا عبد الرشید ارشد)

٧۔ مشہور حدیث لاتسبوا الدھر فان الدھر ھو اللہ میں ''دھر'' بمعنی TIME کا جو لفظ آیا ہے اس کے متعلق مولوی سید انور شاہ صاحب (کاشمیری) سے جو دنیائے اسلام کے جید تر محدثین وقت میں سے ہیں میری خط وکتابت ہوئی۔۔۔الخ۔۔۔

(صحیفۂ اقبال نمبر:حصہ اول:ص:٢٨٤)

٨۔ حضرت انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

مخدوم ومکرم حضرت قبلہ مولانا! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

مجھے ماسٹر عبد اللہ صاحب سے ابھی معلوم ہوا ہے کہ آپ انجمن خدام الدین کے جلسہ میں تشریف لائے ہیں اور ایک دو روز قیام فرماویں گے میں اسے اپنی بڑی سعادت تصور کروں گا اگر آپ کل شام اپنے دیرینہ مخلص کے ہاں کھانا کھائیں۔جناب کی وساطت سے حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب،قبلہ عثمانی،حضرت مولوی شبیر احمد صاحب اور جناب مفتی عزیز الرحمن صاحب کی خدمت میں بھی یہی التماس ہے۔مجھے امید ہے کہ جناب میرے اس عریضہ کو شرف قبولیت بخشیں گے آپ کو قیام گاہ سے لانے کیلئے سواری یہاں سے بھیج دی جائے گی۔

مخلص محمد اقبال

(کلیات مکاتیب اقبال،ج ٢،ص ٥٨٠ اردو اکادمی دہلی)

یہی مکتوب اقبال نامہ،ص ۲۵۷،حصہ دوم میں بھی ہے نہ جانے معترض کو یہ مکتوب نظر کیوں نہیں آیا؟!اکابر علمائے دیوبند کی ایسی تکریم کرنے والے کے متعلق کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ معاذ اللہ ان علمائے دیوبند اور مرزائیت کے سرچشمہ کو ایک ہی سمجھتے ورنہ تو اس الزام میں خود اقبال بھی ملوث پائے جائیں گے۔

۹۔ مفتی اقتدار خان نعیمی بریلوی لکھتے ہیں:

''اقبال انوار شاہ کشمیری کے بہت بڑے مداح تھے اس کو ملا زادہ ضیغم لولابی (علاقہ لولاب کا جواں شیر) کا لقب دیا''۔

(تنقیدات اقتدار،ص ۴۹)

سیّد ندوی رحمۃ اللہ علیہ.....اقبال کے ہاں

۱۰۔ علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی کے کون ہے؟۔

(اقبال نامہ: حصہ اول:ص:۱۶۶)

۱۱۔ مولانا شبلی کے بعد آپ (مولانا ندوی) استاذ الکل ہیں۔(اقبال کا ذہنی ص ۸۷)

شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ کا مرتبہ.....اقبال کی نظر میں

۱۲۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاری اسلام کی چلتی پھرتی تلوار ہیں۔

(بحوالہ ہفت روزہ چٹان لاہور سالنامہ:۱۹۶۳:ص ۱۷)

علماء دیوبند.....اور اقبال

۱۳۔ ارباب دیوبند ہوں یا علماء کی کوئی اور جماعت، میرے دل میں ان کے جذبۂ آزادی، ان کی انگریز دشمنی اور دین کیلئے غیرت وحمیت کی بڑی قدر ہے۔

(اقبال کے حضور:ص:۲۹۱)

ہر معقول پسند مسلمان دیوبندی ہے.....فرمانِ اقبال

۱۴۔ یہی وجہ ہے کہ جب علامہ اقبالؒ سے پوچھا گیا کہ دیوبندی کیا کوئی نیا مذہب ہے؟ فرمایا نہیں۔ ہر معقول پسند دیندار کا نام دیوبندی ہے۔(مسلک علماء دیوبند ص:۷۸: از مولانا قاری محمد طیبؒ قاسمی صاحب)

علامہ اقبال.....بریلویوں کی نظر میں

نوٹ: یہ مضمون مجلہ نور سنت سے لیا گیا ہے جس میں بندہ نے مزید حوالہ جات کا بھی اضافہ کر دیا ہے

بارش ہوتے وقت آسمان سے بوندوں کا گرنا جس تیزی سے ہوتا ہے شاید اس سے کئی زیادہ تیزی سے ہمارے برصغیر کے اہل بدعت کے ہاں تکفیر کی بارش ہوتی ہے۔بس ذرا سا اختلاف ہوا جھٹ فتویٰ جھڑ دیا۔کوئی اصول؟ کوئی قانون؟ نہ بھائی۔اس کی کیا ضرورت

ہے۔اصول وقانون جانیں اصولی۔؟ ان کا کیاواسطہ؟

نہ معلوم علامہ اقبال نے کونسی ایسی غلطی کی تھی جسکی سزا بریلوی حضرات نے انہیں تکفیر کی صورت میں دی۔زیرنظر مضمون میں ہم اہل بدعت کی عبارات پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے علامہ اقبال مرحوم پر تکفیر کے گولے برسا کر اپنے دل کی بھڑاس کس طرح نکالی ہے؟

ایک بریلوی مولوی صاحب نے لکھ دیا کہ:

''فلسفی و نیچری ڈاکٹر اقبال کی زبان پر ابلیس بول رہاہے''۔

(تجانب اہلسنت ص ۳۴۰)

فلسفی و نیچری ڈاکٹر اقبال صاحب نے اپنی فارسی واردو نظموں میں دہریت اور الحاد کا زبردست پروپیگنڈا کیا ہے کہیں اللہ عزوجل پر اعتراضات کی بھرمار ہے کہیں علماء شریعت وآئمہ طریقت پر حملوں کی بوچھاڑ ہے کہیں سیدنا جبرئیل امین وسیدنا موسیٰ کلیم وسیدنا عیسیٰ علیھم الصلاۃ والسلام کی تنقیص وتوہینوں کا انبار ہے کہیں شریعت محمدیہ علی صاحبھا الصلوٰۃ واحکام مذہبیہ وعقائد اسلام پر تمسخر واستہزاء وانکار ہے۔کہیں اپنی زندیقیت وبے دینی کا فخر ومباحات کے ساتھ کھلا اقرار ہے''

(تجانب اہلسنت:ص:۳۳۵)

علامہ اقبال کی تکفیر کرتے ہوئے دیدار علی صاحب نے فتوی دیا تھا کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ڈاکٹر اقبال سے ملنا جلنا ترک کر دیں ورنہ سخت گناہ گارہوں گے۔

(ذکر اقبال ص ۱۲۹ از عبدالمجید سالک)

اقبال سے متعلق بریلوی نقطہ نظر آپ نے پڑھ لیا کہ اکابر اہل بدعت نے اقبال کو کس نظر سے دیکھا۔ماضی بعید میں اقبال سے متعلق جونقطۂ نظر اہل بدعت کا تھا ماضی قریب میں اسے دوبارہ دہرا کر بریلوی حضرات نے یہ واضح کر دیا وہ اب تک اسی موقف پر قائم ہیں۔

نواب احمد رضا خان کے مسلک ومذہب کے حکیم الملّۃ صاحب یعنی مفتی احمد یار بدایونی بریلوی حضرات کے ہاں بہت اونچے مقام کے حامل ہیں۔ان کے صاحبزادہ اور جانشین مفتی اقتدار احمد گجراتی نے حال ہی میں ایک رسالہ بنام''تنقیدات اقتدار برنظریات اقبال'' لکھ کر اقبال کے خلاف استعمال ہونے والی زنگ آلود تکفیری مشین نئے سرے سے مرمت کرا کر جس انداز سے استعمال کی ہے۔اس سے اہل بدعت کے اقبال سے متعلق نئے خیالات بھی ظاہر ہوجاتے ہیں۔علامہ اقبال کے اشعار کو نقل کر کے جو تبصرہ انہوں نے کیا ہے ہم صرف وہی تبصرہ نقل کر دیتے ہیں۔

گستاخ اقبال

صاحبزادہ اقتدار صاحب لکھتے ہیں:

''طلب ہو خضر کو جس کی وہ جام ہے تیرا

اس مصرعہ میں حضرت خضرؑ اللہ کے نبی کی توہین کی گئی ہے خواجہ نظام الدین کا درجہ ان سے بڑا ظاہر کیا گیا ہے۔''

(تنقیدات برنظریات اقبال:ص ۱۴)

ہندو پرست.....اقبال

مزید لکھتے ہیں:

''اس شعر سے ہندو پرستی ظاہر ہوتی ہے''۔(ص ۱۴)

نبیوں کا گستاخ.....اقبال

ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اس میں اللہ تعالیٰ کے نبیوں کی گستاخی کی گئی ہے''۔(ص ۱۴)

انگریز نواز.....اقبال

یہ بھی لکھتے ہیں کہ:

''رہا یہ کہنا کہ اقبال نے ساری عمر انگریز نوازی کی تو یہ اگر چہ تاریخی اعتبار سے درست ہے جیسا کہ اقبال کی سوانحات اور تعلیم و تربیت یا شکل و لباس اور بہت سے اشعار سے ظاہر ہے''۔

(تنقیدات برنظریات اقبال:ص۱۶)

بارگاہ خداوندی میں سخت بے باک.....اقبال

ایک جگہ یہ بھی لکھتے ہیں:

''یہ جذباتی کیفیت کا ہی نتیجہ ہے کہ بارگاہ رب تعالیٰ کے احترام کا خیال بھی نہیں رکھا جاتا چنانچہ اقبال کے شکوے کے کثیر اشعار سخت بے باکی کے علاوہ دیگر اشعار میں بڑی سخت کلامی پائی جاتی ہے''۔

(تنقیدات برنظریات اقبال:ص ۲۱)

رب تعالیٰ کا گستاخ.....اقبال

ایک جگہ لکھتا ہے:

''شوخ و بے پرواہ کتنا خالق تقدیر بھی

اس شعر میں بھی سراسر رب تعالیٰ جل مجدہ کی گستاخی ہے کیونکہ شوخ کے معنی اردو لغت میں ہیں۔بے حیا۔اکڑباز۔شرارتی۔خالق تقدیر رب کریم ہے اس کی پاک ذات کیلئے ایسے جملے استعمال کرنا بہت بے باکانہ ہیں''۔

(تنقیدات برنظریات اقبال:ص ۲۲)

اقبال کی بُری زبان

یوں بھی لکھتے ہیں:

''یہ رب تعالیٰ کی گستاخی والے اشعار ہیں کوئی کس طرح نقل کرسکتا ہے شکوہ اقبال میں اس سے بھی زیادہ بری زبان استعمال کی گئی ہے''۔

(تنقیدات برنظریات اقبال:ص ۲۳)

انگریز سے متاثر.....اقبال

''ان کا پورا گھریلو معاشرہ چال ڈھال طرز لباس بود باش پوری طرح فرنگیت اور ان کی انگریزیت سے متاثر نظر آتا ہے''۔

(تنقیدات برنظریات اقبال:ص۲۶)

معراج کی گستاخی.....اور اقبال

ایک مقام پر تحریر کرتے ہیں:

''یہ نظریہ اور سبق معراج کی گستاخی کے علاوہ آیت قرآنیہ کی تعلیم کے بھی خلاف ہے''۔(تنقیدات برنظریات اقبال:ص۲۶)

مسلمان کی تعریف.....اور اقبال

''اقبال نے کسی بھی مسلمان کی تعریف وثناء نہیں کی نہ معلوم اس میں کیا راز تھا''۔

(تنقیدات برنظریات اقبال:۲۸)

''قلم کی تلواریں تو مسلمانوں کے خلاف اقبال نے چلائیں''۔

(تنقیدات برنظریات اقبال:ص ۳۳)

اقبال کا کلام گمراہی پھیلا رہا ہے

ایک جگہ یوں تحریر کرتے ہیں:

''یہ اقبال کا اردو کلام ہے جو عام مشہور ہے جس کو پڑھ کر قوم گمراہ ہو رہی ہے اور غیر مسلم اسلام سے متنفر''۔

(تنقیدات برنظریات اقبال:ص ۳۹)

اقبال کا کلام باطل کا اول حملہ

کچھ یوں گوہر افشانی کرتے ہیں:

''گویا کہ اقبال صاحب نے علماء وصوفیاء کے خلاف اسلام اور تعلیم اسلام کے خلاف مسلمانوں کو بھڑکانے کیلئے پورا ایک مستقل دیوان لکھ ڈالا ابھی مزید اشعار موجود ہیں۔گویا اقبال کا سارا تفکر اور محرم رازی اس میں تھی کہ قوم کو علماء صوفیاء علم مدرسہ اور اسوۂ حسنہ سے متنفر اور دور کیا جائے اقبال کا زیادہ کلام اسی قسم کا ہے اور یہی باطل کا حملہ اول ہے''۔

(تنقیدات برنظریات اقبال:ص ۴۳)

اقبال کے نزدیک ''عبادت'' شیطانی تعلیم

یہ بھی رقم فرماتے ہیں۔:

''اقبال کے نزیک اولیاء اللہ اور مسلمانوں کا صبح اور تہجد کا ذکر وفکر اور خانقاہوں میں بیٹھ کر عبادت الٰہی کرنا شیطان کی تعلیم ہے اور ابلیس کا حکم اور وسوسہ ہے واہ واہ کیا الٹی گنگا ہے''۔(ص ۴۸)

اقبال اکبر بادشاہ کے روپ میں

''جو باتیں اقبال کے کلام سے ظاہر ہو رہی ہیں بالکل وہی باتیں اکبر بادشاہ کے دین الہی کے عقائد میں تھیں۔اکبر بادشاہ بھی علمائے حق اور اولیاء کا دشمن فقہ احادیث وتفسیر کا مخالف اور دنیوی علوم نجوم فلکیات وطب کا حامی بالکل اسی روپ میں اقبال ہے''۔

(ص ۴۸)

اقبال نبوت کی شان کا منکر

''اقبال تو نبوت کی شان کے بھی منکر ہیں''۔(تنقیدات برنظریات اقبال:ص ۵۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق کفریہ الفاظ

''یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔اور ان کی نبوت کو بے قوت یعنی کمزور لاغر بے رونق۔منحوس۔نقصان دہ اور برگ حشیش افیم کے پتے کے کفریہ الفاظ کہے گئے۔اسی طرح کتاب روح اسلام ص ۱۳۸ پر اقبال ایک مضمون میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بزدل عورت کہا''۔

(تنقیدات برنظریات اقبال:ص ۵۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گستاخی

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گستاخی اس طرح کی گئی ہے باقیات اقبال ص ۱۶۴ پر ہے۔

طور پر تو نے جو اے دیدۂ موسیٰ دیکھا
وہی کچھ قیس نے دیکھا پس محمل ہو کر

شان کلیمی کی کتنی عظیم بے ادبی ہے کہ کس کے برابر کھڑا کیا گیا ہے یہ تھا اقبال کے ایک سو بارہ اشعار کا مجموعہ کلام جس میں اقبال نے سب ایمانیات سے دشمنی کا اظہار کیا ہے''۔

(تنقیدات برنظریات اقبال:ص ۵۲)

اسلام کا دشمن.....اقبال

''آپ نے دیکھ لیا کہ اقبال کے دل میں اسلام کی ہر چیز کی کتنی دشمنی ہے''۔(ص ۵۶)

نبوت کی گستاخی

''یہ وہی قلم ہے جو ابھی ابھی علماء صوفیاء کو جاہل بے نصیب کہہ چکا ہے اور نبوت کی گستاخی کر چکا ہے''۔

(تنقیدات برنظریات اقبال:ص ۵۸)

حدیث کا منکر اقبال

''اقبال سخت قسم کے منکر حدیث تھے''۔(تنقیدات برنظریات اقبال:ص ۷۴)
''اقبال منکر حدیث تھے''۔(تنقیدات برنظریات اقبال:۷۵)

اقبال....اور نماز

''اقبال صاحب مسجد میں نماز نہ پڑھتے تھے۔ بلکہ گھر میں پڑھتے تھے۔لیکن کتنی پڑھتے تھے تو ان کے مداحین کے مضامین سے صرف صبح شام یا تہجد کی نمازوں کا ذکر ملتا ہے۔۔۔اہل قرآن بھی صرف دو فرض نمازیں ہی مانتے ہیں اور پڑھتے ہیں''۔
(تنقیدات برنظریات اقبال:۷۵)

اقبال.....اکثر نمازیں چھوڑ دیتے تھے

''یہ فقرہ کہ فجر کی نماز بہت کم چھوڑتے تھے بتارہا ہے کہ باقی نمازیں اکثر چھوڑ دیتے تھے حالانکہ ترک نماز مشابہ کفر ہے اور پھر گندی میلی دھوتی بنیان میں نماز اور بدن پونچھنے والا تولیہ سر پر ڈال کر نماز پڑھ لینا شرعاًاس طرح نماز ہی نہیں نیز منہ دھونے اور نہانے سے گھبرانا بھی شرعا گناہ کبیرہ ہے۔ ہر مومن مسلمان نمازی کو پانچ وقت وضو میں منہ دھونا پڑتا ہے۔کیا اقبال صاحب بے وضو نماز پڑھتے تھے؟۔۔
(تنقیدات برنظریات اقبال:ص ۷۶)

دوقومی نظریہ کا مخالف.....اقبال

''ڈاکٹر اقبال قومیت کی بنیاد وطن کو سمجھتے تھے نہ کہ دین کو اور اسی کی حمایت میں یہ نظم لکھی تھی۔ سارے جہاں سے اچھا ہندوستان ہمارا''۔
(تنقیدات برنظریات اقبال:ص ۸۴)

اقبال اور بارگاہ رسالت کی حاضری

''اقبال نے کبھی بھی بارگاہ رسالت میں حاضری نہ دی ہمیشہ کوئی نہ کوئی رکاوٹ پیدا ہوتی رہی۔تبصرہ مگر لندن پیرس جرمنی۔۔۔کے بیسوں سفر کیئے مگر کوئی رکاوٹ نہ بنی بلکہ سفر انگلستان کا عشق تو اس حد تک تھا کہ ہر رکاوٹ کو توڑنے پر کمر بستہ رہتے۔مکہ مکرمہ مدینہ منورہ جانے کی خواہش ایسی کمزور تھی کہ ذراسی رکاوٹ کا بہانہ بھی اس خواہش کو سرد کر کے رکھ دیتا اور باوجود دوستوں کے کہنے بلکہ پیش کش کرنے کے بعد بھی سفر حجاز مقدس میں ٹال مٹول کر دی جاتی۔۔۔ایک دفعہ موسلینی نے پرزور پیش کش کی تھی کہ ہم سارا خرچ دیتے ہیں تم حج کرآؤ مگر اقبال صاحب ٹال گئے اور حج وعمرہ وزیارت بارگاہ کیلئے کبھی نہ گئے اور خود بھی غریب نہ تھے بلکہ اپنے زمانہ کے لکھ پتی رئیس تھے''۔
(تنقیدات برنظریات اقبال:ص ۸۵وص ۸۶)

اقبال کی کفریات کا خلاصہ بریلی قلم سے

محمد راحت خان قادری بانی وناظم اعلی دارالعلوم فیضان تاج الشریعہ مولوی ابوالطیب داناپوری کے حوالے سے علامہ اقبال کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ڈاکٹر اقبال صاحب نے اپنی فارسی اور اردو نظموں میں دہریت اور الحاد کا زبردست پروپگینڈہ کیا ہے ۔کہیں اللہ عز و جل پر اعتراضات کی بھرمار ہے کہیں علمائے شریعت و ائمہ طریقت پر حملوں کی بوچھار ہے ۔کہیں سیدنا جبریل امین و سیدنا موسیٰ کلیم اللہ و سیدنا عیسیٰ مسیح اللہ علیہم الصلوۃ والسلام کی تنقیصوں تو ہینوں کا انبار ہے ۔کہیں شریعت محمدیہ علی صاحبہا وآلہ الصلوۃ والتحیہ واحکام مذہبیہ و عقائد اسلامیہ پر تمسخر واستہزا اور انکار ہے کہیں اپنی زندیقیت و بے دینی کا فخر ومباہات کے ساتھ کھلا اقرار ہے ۔(تجانب اہل السنت عن اہل الفتنۃ ص:۴۷۵)''۔

(الکلمات القاطعہ ،ص ۹۰ مطبوعہ المکتب النور بریلی شریف)

اس کتاب پر تقریظ وتصدیق شہزادہ حضور صدر الشریعہ علامہ مفتی بہاء المصطفی قادری صدر المدرسین مرکز الدراسات الاسلامیہ جامعۃ الرضا بریلی شریف ،حضرت علامہ مفتی ابو الحسن قادری بانی وسربراہ جامعہ تاج الشریعہ بریلی، مجاہد سنیت حضرت مولانا محمد میثم عباس قادری رضوی پاکستان ثبت ہے ۔

اقبال کے بارے میں بریلوی حضرات کی رائے ہم نے بلا تبصرہ من وعن نقل کر دی ۔تاکہ کسی صاحب کو یہ اعتراض نہ رہے کہ ہم نے کھینچ تان کر مضمون بگاڑنے کی کوشش کی ہے ۔میں مسلمانوں کے دل سے انصاف چاہتا ہوں ۔خدا لگتی کہنا کہ کیا اقبال کی عبارات سے کشید کر کے صاحبزادہ اقتدار نے جو بارگاہ خداوندی، دربار نبوت ﷺ میں گستاخی کے فتوے لگائے ہیں اور انہیں گستاخ ،منکر حدیث، ہندو پرست، باطل وغیرہم ثابت کرنے کی کوشش کی ہے وہ کس حد تک صحیح ہیں؟

اگر اقبال واقعی ایسا تھا جیسا کہ بریلوی محققین نے لکھا تو سوال ہے کہ اس کو مسلمان کہنے والا مسلمان رہ سکتا ہے؟

(اعتراض ۱۴۶): نسلی مرزائی اہل کتاب ہیں اور ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے

دیوبندی مذہب کے مفتی اعظم کفایت اللہ دہلوی کا ایک فتوی بمع سوال کے ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے

''**سوال:** جو شخص احمدی فرقہ المعروف مرزائی فرقہ سے تعلق رکھنے والا ہو خواہ مرزا آنجہانی کو نبی مانتا ہو یا مجدد اور ولی وغیرہ اس کے ہاتھ کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام؟

جواب: اگر یہ شخص خود مرزائی عقیدہ اختیار کرنے والا ہے یعنی اس کے ماں باپ مرزائی نہ تھے تو یہ مرتد ہے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست نہیں لیکن اگر اس کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک مرزائی تھا تو یہ اہل کتاب کے حکم میں ہے اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے ۔

(کفایت المفتی ،ج ۱ ص ۲۱۳ طبع کراچی)(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۱۲۷)

جواب: بندہ اس کا جواب کافی عرصہ پہلے ایک مقالے کی شکل میں دے چکا ہے جس کو یہاں نقل کر رہا ہوں ۔

کافی عرصہ پہلے ایک بریلوی فورم پر یہ اعتراض دیکھا تھا مگر کچھ ناگزیر وجوہات کی بناء پر اس اعتراض کا جواب تیار کرنے میں دیر ہوگئی ۔بریلوی میاں کا اس مسئلہ پر اعتراض کرنا ان کی جہالت کا ثبوت ہے اور کیوں نہ ہو جن کے اعلحضرت کو غسل اور تیمم کے مسائل کا پتہ نہ تھا افسوس کے جس دار الافتاء کی کل میراث ہی ''فتاوی رضویہ'' ہو تو ان کی ذریت ناپاک سے اسی قسم کے جاہلانہ اعتراض کی توقع کی جا سکتی ہے ۔مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس مسئلہ کی اصل تحقیق یہ ہے کہ ''نسلی مرزائی'' کا ذبیحہ حلال ہے یا حرام اس میں دو قول ہے:

(۱) مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

’’اگر یہ شخص خود مرزائی عقیدہ اختیار کرنے والا ہے یعنی اس کے ماں باپ مرزائی نہ تھے تو یہ مرتد ہے اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست نہیں، لیکن اگر اس کے ماں باپ یا ان میں سے کوئی ایک مرزائی تھا تو یہ اہل کتاب کے حکم میں ہے اور اس کے ہاتھ کا ذبیحہ درست ہے۔

ان کا استدلال ’’الدر المختار‘‘ کے اس جز سے ہے:

لا تحل ذبیحۃ غیر کتابی من وثنی و مجوسی و مرتد و جنی و جبری لو ابوہ سنیا ولو ابوہ جبریا حلت اشیائہ لانہ صار کمرتد قنیۃ

قال ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ: عن ابی علی انہ تحل ذبیحۃ المجبرۃ ان کان اباءھم مجبرۃ فانھم کاھل الذمۃ و ان کان اباءھم من اھل العدل لم تحل لانھم بمنزلۃ المرتدین۔

{شامی ج ٦ ص ۲۹۸}

ان عبارات کا مطلب بعینہ وہی ہے جو مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فتوے میں بیان کیا فرق صرف اتنا ہے کہ وہاں فرقہ مرزائیہ کا نام تھا اور ان عبارات میں فرقہ ’’جبریہ‘‘ کا نام ہے (یہ ایک گمراہ تھا)۔اب بتائے ان علماء کے بارے میں کیا فتوی ہے بریلوی دارالافتاء کا بینوا وتوجروا۔

(۲) اس مسئلہ میں دوسرا قول دیگر علماء کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

قادیانی اپنے کفر کو اسلام کے لبادے میں پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسا شخص زندیق ہوتا ہے۔زندقہ ارتداد سے بڑھ کر ہے اس لئے جس طرح مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں اسی طرح ان کا ذبیحہ بھی حلال نہیں۔

یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس اختلاف کی بنیاد اہل کتاب کی تعریف کے اختلاف پر ہے۔جن حضرات نے اہل کتاب کی تعریف یہ کی ہے:

کل من یومن بنبی و یقر بکتاب {موسوعۃ الفقھیہ ج ۷ ص ۱۴۰}

اس تعریف کی بناء پر نسلی مرزائی اہل کتاب میں شامل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ بھی رسول اللہ ﷺ کو نبی مانتے ہیں (البتہ خاتم النبیین ﷺ نہیں مانتے) اور قرآن مجید کو بھی مانتے ہیں۔اس تعریف کی وجہ سے نسل قادیانی اہل کتاب کے حکم میں آجانے کی وجہ سے ان کے ذبیحہ کو حضرت مفتی صاحب نے حلال فرمایا۔

جبکہ دوسرے حضرات نے تعریف یہ کی ہے کہ:

و ان کان متدینا ببعض الادیان والکتاب المنسوخۃ ،خص باسم الکتابی، کالیھودی والنصرانی ...و ان کان مع اعترافہ بنبوۃ النبی ﷺ ،اظھارہ شعائر الاسلام یبطن عقائد ھی کفر بالاتفاق خص باسم الزندیق۔

{شرح المقاصد ج ۵ ص ۲۲۷}

یعنی اگر اس شخص نے کوئی سا دین اختیار کیا ہو اور منسوخ کتاب کی طرف اپنی نسبت کرتا ہو تو اس کو کتابی کے نام کے ساتھ مختص کرتے ہیں جیسے یہودی اور نصرانی اور اگر رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا اقرار اور شعائر اسلام کے اظہار کرنے کے باوجود باطن میں ایسے عقائد رکھتا ہو جو بالاتفاق کفر ہیں تو اسے زندیق کا نام دیا جاتا ہے۔

اس تعریف کی لحاظ سے چونکہ قادیانی ختم نبوت کا انکار کرنے کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہوگیا اور کسی منسوخ شدہ کتاب کی طرف نسبت نہیں کرتا اس لئے وہ اہل کتاب میں شامل نہیں اور عقائد کفریہ کی وجہ سے زندیق ہے، لہٰذا ان کا ذبیحہ کسی صورت بھی حلال نہیں ہوسکتا۔ چونکہ اس بارے میں اکثر اہل علم کا قول مطلقا قادیانی کے زندیق ہونے کا ہے اس لئے فتوی اسی پر ہے کہ ہر طرح کے قادیانی کا ذبیحہ حرام ہے۔ تاہم مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی بالکل بلا دلیل نہیں جیسا کہ واضح ہو چکا ہے۔

البتہ جس شخص نے دائرہ اسلام سے نکل کر قادیانیت اختیار کرلی ہے وہ بالاتفاق مرتد و کافر اور زندیق ہے، اس کا ذبیحہ بالاتفاق ناجائز ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ دہلوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

(بریلوی اکابر کی نظر میں)

پروفیسر مسعود اپنے والد بریلوی مفتی اعظم ہند مفتی مظہر اللہ دہلوی کے مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’جس کسی سے اختلاف رائے رکھتے وہ اخلاص کی بنیاد پر ہوتا اس لئے ہمیشہ ذاتیات سے بالاتر ہوتا یگانگت و محبت کو ہر حالت میں قائم رکھتے اس سلسلے میں ایک واقعہ یاد آیا جو حضرت نے سنایا تھا **دہلی کے مشہور عالم و فقیہ محمد کفایت اللہ مرحوم** اور حضرت قبلہ قدس سرہ کے درمیان بعض مسائل پر اختلاف رائے رہا ہے مگر اختلاف کبھی بنائے مخاصمت نہیں بنا جس کو اللہ وسعت علم سے نوازتا ہے ان کو وسعت قلبی بھی عطا فرماتا ہے۔ **یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کا انتہائی احترام کرتے تھے**، آپس میں ملاقاتیں بھی ہوتیں چنانچہ ایک مرتبہ حضرت قبلہ مفتی صاحب مرحوم کے یہاں تشریف لے گئے، دستک دی خادم آیا اندر اطلاع ہوئی مگر مفتی صاحب ذرا تاخیر سے تشریف لائے ؏

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

حضرت قبلہ سے مصافحہ ہوا اندر تشریف لے گئے حضرت نے دیکھا کہ کچھ بان کے ٹکڑے صحن میں بکھرے پڑے ہیں سمجھ گئے کہ مفتی صاحب چارپائی بن رہے تھے چنانچہ حضرت نے دریافت فرمایا تو مفتی صاحب نے حقیقت حال بیان فرمائی کہ وہ چارپائی بن رہے تھے، حضرت نے فرمایا یہ تو میں بھی بن لیتا ہوں لائیے ہم دونوں بنتے ہیں چنانچہ چارپائی نکالی گئی اور ان دونوں جلیل القدر علماء (رحمہما اللہ تعالیٰ) نے چارپائی بنی‘‘۔

(تذکرہ مظہر مسعود، ص ۲۳۷۔۲۳۸)

آپ کے اکابر حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کی چارپائیاں بنائیں، انہیں عالم فقیہ تسلیم کرے، انہیں احترام دے اور تم ان پر سنگین الزامات لگاؤ کچھ تو شرم کرو۔

بریلوی مسعود ملت پیروفیسر مسعود مزید لکھتا ہے:

’’مفتی محمد کفایت اللہ مرحوم کا شمار ہندوستان کے مشہور علماء و فقہاء میں ہوتا تھا، موصوف دیوبندی مسلک فکر سے تعلق رکھتے تھے مگر

تشدد و تعصب سے کوسوں دور ایک عرصہ سیاست میں بھی شریک رہے مگر بعد میں اپنا دامن الگ کرلیا فتوی نویسی میں حضرت قبلہ قدس سرہ اور حضرت مفتی صاحب اپنے اپنے حلقہ اثر میں اپنی نظیر آپ تھے، دونوں حضرات میں بڑی مماثلت تھی اسماء گرامی کی مماثلت علمیت وتفقہ کی مماثلت تحریر کی پاکیزگی و رعنائی میں مماثلت قناعت پسندی اور توکل میں مماثلت اسی لئے دونوں ایک دوسرے کا پورا پورا احترام کرتے تھے ۔ارتضیٰ حسین المعروف ملا واحدی نے حضرت مفتی صاحب کو قریب سے دیکھا ہے انہوں نے اپنے تاثرات اس طرح قلم بند کئے ہیں:

''مفتی صاحب ہمیشہ میرے پڑوسی رہے اور ان کے دلی تشریف لانے کے بعد سے ۱۹۴۷ء تک میں نے انہیں مسلسل دیکھا، اور قریب سے دیکھا، علم کی جگہ علم، فراست کی جگہ فراست اور مومنانہ فراست، توکل، قناعت، سادگی، وضعداری، پابندی سنت، کونسی خوبی ہے جو مفتی کفایت اللہ میں نہ تھی''۔(کتاب مذکور ص ۳۱۴)

پروفیسر صاحب مزید لکھتے ہیں:

''حضرت مفتی صاحب شاہ جہاں پور کے رہنے والے تھے، مگر زندگی کا بیشتر حصہ شاہ جہاں آباد میں گزرا۔مولوی امین الدین مرحوم نے شاہی مسجد سنہری (چاندنی چوک) میں مدرسہ امینیہ قائم کیا تھا، ابتداء میں مولانا انورشاہ کشمیری اس کے صدر مدرس تھے، ان کے بعد مفتی کفایت اللہ مرحوم اس کے صدر ہوئے، کچھ عرصہ بعد یہ مدرسہ کشمیری گیٹ منتقل ہوگیا اور ابتک وہیں ہے۔

مدرسہ امینیہ نے علم دین کی بڑی خدمت کی، حضرت مفتی صاحب کے تلامذہ پاک وہند میں پھیلے ہوئے ہیں، فارغ التحصیل طلباء بھی آپ کے درس میں شریک ہوتے تھے، اس سے مفتی صاحب کی تبحر علمی اور تدریسی صلاحیت کا علم ہوتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب، حضرت قبلہ قدس سرہ کا بڑا احترام فرماتے تھے، مسجد فتح پوری میں رمضان المبارک اور عیدین کے سلسلے میں حضرت کی صدارت میں رویت ہلال کمیٹی کا جلسہ ہوا کرتا تھا۔ مفتی صاحب اس میں برابر شرکت فرماتے تھے، تقسیم ہند کے بعد جب بعض ناعاقبت اندیش حضرات نے علیحدہ کمیٹی بنانا چاہی تو مفتی صاحب نے سختی سے مخالفت فرمائی اور تاحین حیات اسی قدیم کمیٹی کے اجلاس میں شرکت فرماتے رہے۔۔۔

آخری ایام میں جب مفتی صاحب علیل ہوئے تو انہوں نے تین وصیتیں فرمائیں جس میں دو یہ تھیں کہ ''میری نماز جنازہ حضرت امام صاحب مسجد فتح پوری پڑھائیں'' اور دوسری یہ تھی کہ میری تربت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے کے باہر وہاں بنائی جائے جہاں زائرین جوتیاں اتارتے ہیں۔'' ان وصایا سے حضرت مفتی صاحب کی حضرات اہل اللہ سے محبت اور کمال تعلق کا اظہار ہوتا ہے اس میں شک نہیں کہ مفتی صاحب سلف صالحین کی یادگار تھے، چند سال ہوئے کہ دہلی میں مفتی صاحب کا وصال ہوگیا، مزار مبارک درگاہ حضرت خواجہ قطب الدینؒ (مہرولی) میں مغربی دروازے کے باہر واقع ہے۔(تذکرہ مظہر مسعود ص ۴۶۱ تا ۴۶۳)

رضاخانیو! کچھ شرم وحیاء کی رتی برابر ہے تو ڈوب مروتم اس عظیم ہستی پر اعتراض کررہے ہو جس کی عظمت کے گن تمہارے اکابر گارہے ہیں۔

(اعتراض ۱۴۷): مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات

صفحہ نمبر ۱۲۷ تا ۱۲۹ سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کے حوالے سے اعتراض کیا کہ حضرت رائے پوری مرزا کو مستجاب الدعوات سمجھتے اور ان کے پیچھے نماز پڑھتے (معاذ اللہ) یہاں بھی اس معترض نے واقعات کو سیاق وسباق سے کاٹ کر توڑ مروڑ کر پیش کیا اور دھوکہ دینا چاہا۔ یہ واقعات حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے بالکل ابتدائی ایام کے ہیں جب انہوں نے بیعت کے لئے سفر اختیار کیا اور اپنی باطنی اصلاح کا آغاز کیا۔ اللہ کی شفقت شامل حال تھی کہ ان کے دام تزویر میں پھنسنے کے بجائے اللہ نے آپ کو حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں پہنچا دیا، جن کی نظر کیمیا نے آپ کو ولایت کا وہ چراغ بنا دیا کہ اصلاح باطن کے لئے چاروں عالم سے پروانے اس شمع کی گرد جمع ہونے لگے۔

معترض کی یہ کاروائی ایسے ہی ہے جیسے کوئی بے ایمان حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا واقعہ اسلام لانے سے قبل کا پیش کر دے کہ تم کس منہ سے ان کو خلیفہ ثانی کہتے ہو وہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان کے دشمن تھے اور ان کو شہید کرنے کے لئے گھر سے نکلے تھے۔

ذرا اپنے گھر کا حال بھی ملاحظہ ہو بریلوی صدر الافاضل نعیم الدین مراد آبادی کے والد مولوی معین الدین حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت تھے۔

(حیات صدر الافاضل ص ۲۱)

معترض کے نزدیک تو حجۃ الاسلام معاذ اللہ ختم نبوت کے منکر تھے مگر آپ کے اکابر ان کو ولی اللہ مان کر ان کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں ان کو نہ صرف نماز کا امام بلکہ ولایت کا امام مان رہے ہیں اگر کوئی رضا خانی کہے کہ جی ان کو حجۃ الاسلام کے عقائد کا علم نہ تھا تو اگر حضرت رائے پوری نے مرشد کی تلاش میں مرزائیوں کے عقائد سے پوری طرح واقف نہ ہو کر ان کو دعا کا کہہ دیا یا ان کے پیچھے بعض نمازیں پڑھ لیں تو کون سا آسمان گر گیا؟

بریلوی قطب مدینہ ضیاء الدین مدنی کے والد مرزائی تھے

''۱۹۷۳ء میں آپ نے حکیم محمد موسیٰ امرتسری کو ایک انٹرویو میں بتایا کہ ''میرے والد مرزا غلام احمد قادیانی کے عقائد ونظریات سے متفق ہو گئے تھے''۔

(رضائے مصطفی، نومبر ۲۰۰۹، ص ۱۲)

معترض کو لگتا ہے کہ بزرگان دین کے واقعات وحالات پڑھنے کی کبھی توفیق نہیں ملی ورنہ ان کو علم ہوتا کہ حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ ولایت کے درجے پر فائز ہونے سے پہلے سود خور تھے۔ حضرت حبیب بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ ڈاکو تھے، اور تو اور حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ وابو بکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ حضرت عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے دور میں ولایت کے آفتاب تھے مگر جب اللہ نے امتحان میں ڈالا تو ایک عیسائی عورت پر عاشق ہو گئے اور کئی سال تک حالت ارتداد میں ان کے خنزیر چراتے رہے۔ حضرت بغدادی وشبلی اس حالت کو دیکھ دیکھ کر روتے، اللہ نے کرم فرمایا اور دوبارہ ہدایت دی اسلام لائے اور پھر سے مقام ولایت پر فائز ہوئے۔ شکر ہے کہ یہ رضا خانی مناظر اس دور میں نہ تھے ورنہ ان بزرگوں کی سود خوری اور ارتداد پر بھی معاذ اللہ ایک عدد کتاب لکھ دیتے۔ اس مختصر تمہید کے بعد اب مکمل واقعات ملاحظہ ہوں۔

دوسرا باب (۲)

بے چینی اور روحانی انجذاب، مرشد کا انتخاب اور رائے پور کی حاضری

اے شہِ عشّاق شیریں داستاں باز گو از بے نشاں من نشاں
صرف ونحو و منطقم را سوختی آتش عشقِ خدا افروختی (۱)

(حاشیہ ۱: یہ وہ اشعار ہیں جو اپنے مرضِ وفات میں حضرت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مرشد حضرت شاہ محمّد آفاق صاحبؒ کی یاد میں پڑھا کرتے تھے، پہلے شعر کے پہلے مصرعہ میں اپنے مرشد کے نام کی رعایت سے "اے شہِ آفاق" تھا یہاں اس میں خفیف سی ترمیم کر دی گئی ہے، ۱۲)۔

بے چینی اور طلب:

حصولِ یقین، ترقّی روحانی اور کامیابی کے راستہ کی ابتدا اکثر بے چینی، اضطراب اور اندرونی طلب اور سوال سے ہوتی ہے، مردانِ خدا اور کاملین راہ کی سوانح اور حالات میں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ حضرت کے چچازاد بھائی مولوی سعید اللہ صاحب فرزند مولانا کلیم اللہ بڑے ذہین اور ذی استعداد عالم تھے، وہ عرصہ تک مانگرول میں شیخ صاحب مانگرول کے مصاحب رہے تھے، وہاں مختلف الخیال لوگوں کی صحبت، طبیعت کی تیزی اور غلط ماحول کے اثر سے ان کی طبیعت میں اضطراب پیدا ہوگیا تھا، فرماتے تھے کہ ان کی صحبت سے میری طبیعت متأثر ہوئی اور بعض مرتبہ شکوک پیدا ہونے لگے۔

فرماتے تھے کہ جس زمانہ میں شکوک کا حملہ ہوتا تھا، صحابۂ کرام کے حالات پڑھ کر بڑا اطمینان پیدا ہوتا، یقین ہوجاتا کہ یہ لوگ حق پر تھے اور اسلام اللہ تعالیٰ کا مقبول دین ہے۔ حضرت کی زندگی میں صحابۂ کرام کے حالات کا اثر اخیر تک رہا، انھیں کے حالات کو اپنا مرشد سمجھتے تھے ان کتابوں کو اپنا بڑا محسن مانتے تھے جن کے ذریعہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی عظمت کا نقش اور اسلام کی حقّانیت کا یقین پیدا ہوا، (غالباً اسی جذبہ کے ماتحت حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سے صحابۂ کرام کے حالات لکھنے کی فرمائش کی، جس کی تعمیل "حکایاتِ صحابہؓ" کی مقبول و مشہور کتاب کی شکل میں ہوئی)۔

انھیں دنوں میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مجاہدین کے حالات کا کوئی مجموعہ کہیں سے مل گیا، (غالباً سوانح احمدی تھی، حضرت اکثر مولوی محمّد جعفر صاحب تھانیسری کی کتاب اور ان کا تذکرہ فرماتے تھے)۔ ان حضرات کے ایمان افروز حالات پڑھ کر اور ان کے اخلاص اور قوتِ ایمانی کو دیکھ کر قلب کو تقویت اور سکینت حاصل ہوئی۔

وجدانی یقین اور شرحِ صدر:

اس زمانہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کے دعوے اور دعوت کا بڑا غلغلہ تھا، پنجاب میں خاص طور پر مسلمانوں کی کم بستیاں اس چرچے اور تذکرہ سے خالی تھیں، ان کی کتابیں اور رسائل اور مسلمانوں میں پڑھے جاتے تھے اور ان پر بحث وگفتگو کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ حضرت کے وطن کے قریب ہی بھیرہ ہے، وہاں کے ایک عالم جو حضرت کے خاندانی بزرگوں کے شاگرد بھی تھے، حکیم نورالدّین مرزا صاحب کے خاص

معتقدین اور معاونین میں سے تھے اور ان کی نصرت اور رفاقت کے لیے مستقل طور پر قادیان میں سکونت پذیر تھے، مرزا صاحب کے عنداللہ مقبول اور مستجاب الدّعوات ہونے کا ان کے معتقدین اور حلقۂ اثر میں عام چرچا تھا، حضرت نے مرزا صاحب کی تصنیفات میں کہیں پڑھا تھا کہ ان کو خدا کی طرف سے الہام ہوا ہے کہ اجیب کلّ دعائك الّا فی شرکائك (میں تمہاری تمام دعائیں قبول کروں گا، سوا ان دعاؤں کے جو تمہارے شرکت داروں کے بارے میں ہوں)۔حضرت نے مرزا صاحب کو اسی الہام اور وعدہ کا حوالہ دے کر افضل گڑھ سے خط لکھا، جس میں تحریر فرمایا کہ میری آپ سے کسی طرح کی بھی شرکت نہیں ہے، اس لیے آپ میری ہدایت اور شرح صدر کے لیے دعا کریں، وہاں سے مولوی عبدالکریم صاحب کے ہاتھ کا لکھا ہوا جواب ملا کہ تمہارا خط پہونچا، تمہارے لیے خوب دعا کرائی گئی، تم بھی کبھی اس کی یاد دہانی کر دیا کرو۔حضرت فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں ایک کا کارڈ تھا، میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد ایک کارڈ دعا کی درخواست کا ڈال دیتا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ" مولوی احمد رضا خاں صاحب نے ایک دفعہ مرزائیوں کی کتابیں منگوائی تھیں اس غرض سے کہ ان کی تردید کریں گے، میں نے بھی دیکھیں، قلب پر اتنا اثر ہوا کہ اس طرف میلان ہوگیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ سچّے ہیں"۔(ملفوظات مرتّبہ مولوی علی احمد صاحب مرحوم مجلس ۸ر جمادی الثانی ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۷ء، کوٹھی صوفی عبدالحمید صاحب لاہور)۔

اکثر فرماتے تھے کہ جب کبھی اس طرح کی کشمکش پیدا ہوتی اور طبیعت میں شدّت سے اس کا تقاضا پیدا ہوتا کہ حق کیا ہے؟ تو میں دو رکعت نفل پڑھ کر الحاح کے ساتھ دعا کرتا، طبیعت اس طرف سے سرد ہو جاتی اور قلب میں ایک سکون پیدا ہو جاتا، کبھی کبھی فرماتے تھے کہ میرے مالک کا یہ بڑا فضل ہے کہ بغیر دلائل کے حق واضح ہوتا گیا، (روایت مولانا عبدالوحید صاحب، اس قسم کے تجربات اور عارضی اثرات اولیائے کاملین اور اصحابِ علم ویقین کو زمانۂ سابق میں بکثرت پیش آئے ہیں، بالآخر اللہ تبارک وتعالیٰ جو مربّی حقیقی اور حکیم مطلق ہے یقین ومعرفت کے اعلیٰ درجہ پر پہونچایا۔ان ذاتی تجربات اور درمیانی اثرات کے بعد جو یقین اور اذعان حاصل ہوتا ہے وہ بڑا محکم اور بے تکلّف ہوتا ہے، اس قسم کے واقعات کا ذکر حضرت رحمۃ اللہ علیہ احسانِ خداوندی کے طور پر اور یہ ثابت کرنے کے لیے فرماتے تھے کہ مربّیٔ مطلق اور ہادیٔ برحق صرف وہی ذات ہے۔اور دلائل کا راستہ طویل پُر پیچ اور نازک ہے، محفوظ و بے خطر راستہ وجدانی یقین اور شرحِ صدر کا ہے الله يجتبى اليه من يشآء ويهدى اليه من ينيب)۔

انجذاب الی اللہ:

بریلی وغیرہ کے قیام کے دوران طبیعت کی بے چینی اپنے ماحول اور مشاغل سے بے اطمینانی کی کیفیت اور قلبی کشمکش اور زیادہ بڑھ گئی، اس زمانہ میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "المنقذ من الضلال" کا اردو ترجمہ جو "لکچر امام غزالیؒ" کے نام سے چھپا تھا کہیں مل گیا، اس کتاب میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی سرگزشت سنائی ہے کہ کس طرح مدرسہ نظامیہ کی صدر مدرّسی اور علمی شہرت ومقبولیت کے بام عروج پر پہنچنے کے باوجود ان کے دل میں کھٹک پیدا ہوئی اور اس کا بڑی شدّت سے احساس ہوا کہ وہ جو کچھ پڑھ پڑھا رہے ہیں، وہ محض لفّاظی اور لسّانی ہے اور جس کو دینی مشغلہ سمجھ رہے ہیں وہ محض دنیاداری اور دنیا طلبی ہے، یقین کا سررشتہ ان کے ہاتھ سے چھٹا ہوا ہے اور وہ حقیقی علم ومعرفت کی دولت سے محروم ہیں، اس احساس کا ان پر اتنا غلبہ ہوا کہ ان کی زبان بند ہوگئی، اشتہا بالکل مفقود ہوگئی اور صحت جواب دے گئی،

درس وتدریس کا سلسلہ ان کو ملمّع سازی معلوم ہونے لگا اور طبیعت یکسر اس سے اچاٹ ہوگئی، یہ کیفیت اتنی بڑھی کہ وہ اس سب علمی جاہ ومنزلت کو لات مار کر یقین کی تلاش میں بغداد سے پیادہ پا نکل کھڑے ہوئے اور بالآخر عرصہ کی صحرا نوردی اور مجاہدہ کے بعد یقین کی دولت سے مالا مال ہوئے اور ان کو نظر آیا کہ صحیح راستہ صوفیائے کرام کا راستہ ہے، جو اپنی سیرت واخلاق میں نبوّت کے پرتو کامل ہیں، ان حالات وماحول اور اس قلبی کیفیت میں جس سے آپ دو چار تھے، اس کتاب نے ایک رہبر کامل کا کام دیا اور اسی ''یوسف گم گشتہ'' کی تلاش میں لگ جانے کا فیصلہ کر دیا جس کی تلاش کے لیے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے سفر کیا تھا اور جس کے بغیر علم بے معنیٰ اور زندگی بے حاصل معلوم ہوتی تھی۔

افضل گڑھ کے قیام کے دوران میں یہ بے چینی اور ذہنی اور قلبی کشمکش اور زیادہ بڑھ گئی، وہیں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکّی رحمۃ اللہ علیہ کی مثنوی ''تحفۃ العشّاق'' کہیں سے مل گئی، فرماتے تھے کہ اس نے طبیعت میں اور بے چینی اور عشق کی شورش پیدا کر دی، چھ مہینے تک یہ معمول رہا کہ قبرستان چلا جاتا اور روتا رہتا۔

حضرت شاہ عبد الرّحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قدموں میں:

اس وقت حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا آفتاب رشد وہدایت اپنے پورے عروج پر تھا اور وہی شیخ الکلّ کی حیثیت رکھتے تھے، حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کے مطالعہ نے اور ورودِ محبّت اور اتباعِ سنّت کی دولت رکھنے والے سلسلوں سے فطری مناسبت نے انھیں کے سلسلہ کے مشائخ کی طرف رجوع ہونے کا مشورہ دیا۔

اس زمانہ میں حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے ممتاز خلیفہ حضرت شاہ عبد الرحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے دورے مشرقی پنجاب میں ہوا کرتے تھے، حضرت کے چند مریدین سے بھی آپ کی ملاقات ہو چکی تھی، آپ نے افضل گڑھ سے حضرت مولانا عبد الرّحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں خط لکھا اور عرض کیا کہ میں بیعت کے واسطے آپ کی خدمت میں حاضر ہونا چاہتا ہوں، حضرت نے جواب میں تحریر فرمایا ''کہ حدیث میں آتا ہے ''المستشار مؤتمن'' میں آپ کو لکھتا ہوں کہ میں کوئی چیز نہیں ہوں، آپ میں تو طلب ہے مجھ میں یہ بھی نہیں، آپ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کی طرف رجوع کریں۔'' حضرت فرماتے تھے کہ میں یہ خط پڑھ کر پھڑک گیا کہ اخلاص اور بے نفسی اس کو کہتے ہیں، حضرت ایک مرتبہ پانی پت جاتے ہوئے گنگوہ میں حضرت مولانا کی زیارت کر چکے تھے، آپ کی جلالتِ شان اور آپ کے علوِ منزلت سے ناواقف نہیں تھے۔ پانی پت میں بعض دہقانی مریدوں کا بدعات سے تنفر اور ان کی پختگی اور استقامت دیکھ کر آپ کی تاثیرِ صحبت اور قوتِ نسبت کے معتقد بھی ہو گئے تھے، لیکن قلبِ سلیم نے یہ فیصلہ کیا کہ ایک ایسے مرجع خلائق وشہرۂ آفاق شیخ کی خدمت میں جو اپنی عمر وصحت کے آخری مرحلہ پر ہے اور جو اپنے وقت کے نامور ترین علماء اور مشائخ کا مرجع بنا ہوا ہے، مجھ جیسا مبتدی اور نو وارد طالب کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے اور کس طرح اپنی اصلاحِ باطن اور تربیت کی طرف شیخ کی خصوصی توجہات مبذول کر سکتا ہے، اگر آپ میں حبِّ جاہ وترفّع کا جذبہ ہوتا تو آپ شیخ المشائخ کو چھوڑ کر اس کے خلفاء منتسبین کی طرف متوجّہ نہ ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ خاص رہبری اور آپ کا اخلاص تھا کہ آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ یہاں علوِ سند اور قلّتِ وسائط کا سوال نہیں ہے، حقیقی نفع اور مناسبت کا سوال ہے، اس لیے آپ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ مجھے حضرت شاہ عبد الرّحیم صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ ہی کا دامن پکڑنا ہے اور انھیں کے قدموں میں رہنا ہے، آپ نے پھر حضرت کو خط لکھا اور عرض کیا کہ مجھے معلوم ہے آپ کو جو کچھ ملا حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے ملا، مگر میرا رجحان آپ کی طرف ہے، میری طرف سے اگر مہمان داری کی فکر ہے تو میرے حقوق

حضرت کے ذمہ نہیں ہیں، میں اپنے قیام وطعام کا خود ذمہ دار ہوں، حضرت شاہ عبدالرّحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہ خط دیکھ کر بہت خوش ہوئے، لوگوں کو یہ خط دکھایا اور فرمایا، دیکھو یہ ہیں طالب۔

رائے پور میں:

آپ رائے پور حاضر ہوئے (۱)۔ اور بیعت کی درخواست کی، حضرت نے فرمایا جلدی کیا ہے، استخارہ کرلو، چونکہ آپ کو گھر جانا تھا فرمایا گھر ہو آؤ پھر بیعت کرلینا، جب آپ وطن کو روانہ ہوئے

---

(۱) حاشیہ: حضرت نے رائے پور حاضر ہونے کا سنہ تعیّن کے ساتھ ذکر نہیں فرمایا لیکن کئی موقعوں پر حضرت کی خدمت میں چودہ سال رہنے کا تذکرہ فرمایا، حضرت رائے پوری قدس سرّہٗ کی وفات ۱۳۳۷ھ میں ہوئی، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ رائے پور پہلی بار ۱۳۲۲ھ یا ۱۳۲۳ھ کے شروع میں حاضر ہوئے ہوں گے اور ۱۳۲۳ھ سے مستقل قیام رہا)

تو حضرت شاہ عبدالرّحیم صاحب رحمۃ اللہ علیہ گنگوہ حاضر ہونے کے لیے روانہ ہو رہے تھے، حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند حکیم مسعود احمد صاحب کا ولیمہ تھا۔

ذکر کی تلقین اور مکان کی واپسی:

حضرت نے وطن جا کر یکسوئی کے ساتھ کچھ پڑھنے کو فرما دیا، آپ نے ڈھڈیاں پہونچ کر گاؤں سے باہر ایک مسجد میں کسی ایک "اسم" کا ذکر شروع کیا، اس زمانہ کی حلاوت ولذت، یکسوئی، ماسوی اللہ سے انقطاع اور اللہ تعالیٰ کے افضال والطاف کو ہمیشہ بڑی لذّت سے یاد فرماتے تھے، فرماتے تھے کہ جو بات اس زمانہ میں حاصل ہوئی پھر حاصل نہیں ہوئی، فرماتے تھے کہ دیکھا جو کچھ دیکھا، پایا جو کچھ پایا، وہیں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی۔

رائے پور کا عزم اور قادیان کا سفر:

ڈھڈیاں سے فارغ ہو کر رائے پور کا عزم کیا تو واپسی کے لیے کرایہ نہ تھا اور گھر میں بھی نہ تھا، آپ کے بھائی عبدالعزیز صاحب مرحوم کے پاس ایک بکری تھی، اسی کو فروخت کر کے وہ روپیے انکو دیے، فرمایا کہ ہم نے تو نیّت کرلی تھی کہ پیدل ہی رائے پور چل جائیں گے، مگر بھائی نے احسان کیا اور ہم جلد ہی رائے پور پہونچ گئے۔

رائے پور کا قصد فرمایا تو آپ کے چچازاد بھائی مولوی سعیداللہ صاحب کے بیٹے مولوی امام الدّین نے جو بیمار تھے فرمائش کی کہ راستہ میں ہمیں حکیم نورالدّین صاحب کو دکھاتے چلو، والد صاحب کے شاگرد حافظ روشن دین ساتھ تھے، آپ کے ایک ساتھی مولوی صدّیق صاحب نے جو اہلِ حدیث تھے اور آپ کے ساتھ دہلی میں اکٹھے رہے تھے، حکیم صاحب سے آپ کا ذکر کیا تھا اور تعارف کرایا تھا کہ آپ کے استادوں کے خاندان میں سے ہیں۔ حکیم نورالدّین صاحب نے لکھا بھی تھا کہ تم یہاں ایک مرتبہ مرزا صاحب کے پاس آجاؤ، غرض آپ قادیان گئے اور سات آٹھ روز حکیم صاحب ہی کے مہمان رہے، ایک مرتبہ راقم سطور کے اس سوال پر کہ حکیم صاحب مخلص تھے؟ آپ نے

قادیان کے سفر کا تذکرہ کرتے ہوئے تفصیل سے اس کا قصّہ سنایا، ارشاد فرمایا:

"مولوی عبدالرحمٰن صاحب کے والد امام الدّین جب بیمار ہوئے تو مجھ سے کہا کہ مجھے حکیم نورالدّین کے پاس لے چلو، میں لے گیا، عصر کے بعد ان کی عام مجلس ہوا کرتی تھی، قسم قسم کے لوگ آئے، پوچھتے پاچھتے رہے، جب تنہائی ہوئی تو میں نے پوچھا کہ آپ جو کہتے ہیں کہ حق صرف ہمارے ہی پاس ہے اور باقی سب باطل ہیں اور قرآن ان کے دلوں میں نہیں اترا ہے تو اس کی کیا دلیل ہے کہ آپ ہی حق پر ہیں اور دوسرے باطل پر؟ انھوں نے کہا کہ ہمیں انوار نظر آتے ہیں اور کہا کہ مجھے تو مرزا صاحب نے فرمایا تھا کہ آریوں اور عیسائیوں کے ردّ میں ایک کتاب لکھو، میں نے لکھی! (۱) (حاشیہ: کتاب نورالدّین مراد ہے)۔ میرا سلوک تو اسی میں طے ہوگیا، تو میں نے کہا کہ انوار تو دوسروں کو بھی نظر آتے ہیں حتیٰ کہ ہندوؤں کو بھی، وہ خاموش ہو گئے، تھوڑی دیر کے بعد کہا کہ ہم سے مکالمۂ باری ہوتا ہے، اس پر میں خاموش ہوگیا، کیونکہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ دوسروں کو مکالمۂ باری ہوتا ہے یا نہیں، میں چونکہ رائے پور سے ہو کر گیا تھا، میں نے اتنا کہا کہ تم حق پر ہو یا نہ ہو، بہر حال جس شخص کو میں دیکھ کر آیا ہوں وہ ضرور باطل پر نہیں ہے، یقیناً حق پر ہے۔ میں حضرت کو قرآن مجید پڑھتے بھی دیکھا تھا، تہجّد میں طویل تلاوت فرماتے تھے، کبھی رو رہے ہیں، جب عذاب کا ذکر آتا تو رو رو کر استغفار پڑھ رہے ہیں، ہاتھ جوڑ رہے ہیں، اسی طرح جب آیاتِ رحمت کا ذکر آتا تو خوش ہو رہے ہیں اور سکوت ہے، میں نے سمجھا کہ یہ بھی غلط ہے کہ دوسروں کے دلوں میں قرآن نہیں اترا، اگر میں نے حضرت کو دیکھا نہ ہوتا تو میں تو قادیانی بن گیا ہوتا۔" (۲) (حاشیہ: ملفوظات مرتّبہ مولوی علی احمد صاحب مرحوم مجلس ۲۵ر جمادی الاوّل ۷۶ ۱۳ھ/ ۱۹۵۶ء کوٹھی صوفی عبدالحمید صاحب لاہور)۔

حکیم صاحب کی مجلس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا میں دیکھتا تھا کہ کچھ کچھ وقفہ کے بعد وہ بڑے درد سے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ اس طرح پڑھتے تھے کہ دل کھنچتا تھا، مجھے خیال ہوتا کہ ان کو ایسی رقّت اور اِنابت ہوتی ہے، یہ کیسے ضلالت پر ہو سکتے ہیں؟ مگر اسی کے ساتھ دل میں آتا تھا کہ میں جس اللہ کے بندے کو دیکھ کر آیا ہوں اگر اللہ تعالیٰ رحمٰن ورحیم ہے اور یقیناً ہے تو اس کو ضلالت میں نہیں چھوڑ سکتا، اس سفر میں مرزا صاحب سے بھی ملاقات ہوئی، فرماتے تھے میں ان کے امام کے پیچھے بھی نماز پڑھتا تھا اور اپنی الگ بھی پڑھ لیتا تھا۔

دوبارہ رائے پور میں:

قادیان سے آپ کے ہمراہی وطن کو واپس ہوئے اور آپ نے سہارنپور کا قصد فرمایا، جہاں سے علیٰحدہ ہونا تھا وہاں سے سہارنپور کا ٹکٹ لے کر بقیہ رقم انھیں کو دے دی، سارا راستہ کھانا کھانے کی نوبت نہیں آئی، جب سہارنپور پہونچے تو کھانا کھایا، دو چار وقت گذر چکے تھے، سہارنپور سے نہ ملے اور پیدل ہی رائے پور روانہ ہو گئے، منہ کا مزا سخت تلخ تھا، راستہ میں ایک مسجد میں ذرا سی دیر کے لیے آرام فرمایا تو ایک آدمی نے آکر پوچھا کہ میاں کہاں جاؤ گے؟ فرمایا: میاں مسافر ہیں، اِدھر سے آئے ہیں اُدھر کو جائیں گے، تم سے کیا؟ آخر حضرت کی خدمت میں بخیریت پہونچ گئے۔ حضرت نے ذکر کی کیفیت اور اثر پوچھا، آپ نے کسرِ نفسی سے فرمایا، حضرت میں تو غبی ہوں اپنے اندر کچھ نہیں پاتا، پھر کیفیت عرض کی، فرمایا الحمد للہ، اسی حاضری میں بیعت سے مشرّف ہوئے اور قیام کا ارادہ فرمالیا۔

حضرت نے دریافت فرمایا کہ مولوی صاحب آپ کے پیچھے کتنے لوگ ہیں؟ فرمایا والدہ، بیوی (۱) اور دو بھائی اور دو بہنیں، فرمایا یہ تو بڑا کنبہ ہے، ہمارا تو جی چاہا تھا کہ ہم آپ اکٹھے رہتے، عرض کیا کہ حضرت سب کے ہوتے ہوئے بھی میرا کوئی نہیں ہے، میں تو یہ نیّت لے کر آیا تھا کہ ساتھ ہی رہوں گا۔ (**حاشیہ: رائے پور ہی کے زمانۂ قیام میں اہلیہ کے انتقال کی اطّلاع ملی، آپ نے اطّلاعی خط حضرت کی خدمت میں پیش کیا، حضرت نے کچھ ایسے کلمات فرمائے جن سے مترشح ہوتا تھا کہ حکمتِ الٰہی یہی ہے اور اللہ تعالیٰ کسی دوسرے کام کے لیے یکسو بنانا چاہتا ہے، خود آپ پر رائے پور حاضری کی مسرّت اس حزن پر غالب تھی**)۔

فرمایا کہ ایک مرتبہ موقع دیکھ کر عرض کیا کہ حضرت، قادیانی انوار کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کو نماز وغیرہ میں بہت حالات اور کیفیات پیش آتے ہیں اور گریہ وخشیّت کا غلبہ ہوتا ہے اس کا کیا سبب ہے؟ حضرت سنبھل کر بیٹھ گئے اور جوش سے فرمایا: مولوی صاحب سنو! وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى (۱) (**حاشیہ: آیت کا مفہوم یہ ہے کہ ضلالت کی صورت میں بھی جو لوگ مجاہدے اور محنت میں لگے رہتے ہیں ان کے لیے بھی ایسی صورتیں اور آثار ظاہر ہوتے ہیں جن سے ان کو اپنے مسلک کی تائید اور اس پر اطمینان حاصل ہوتا ہے اور وہ اس میں اور زیادہ پختہ ہو جاتے ہیں، اسی کا نام قرآن مجید کی اصطلاح میں استدراج بھی ہے، اسی لیے محض کشوف وانوار اور کیفیات وآثار حقّانیت اور مقبولیت کا معیار نہیں ہے، اصل معیار کتاب وسنّت اور مسلکِ سلف سے مطابقت ہے**)۔

حضرت کچھ اس کی تشریح فرمانا چاہتے تھے میں نے کہا حضرت بس میں سمجھ گیا، اس کے بعد پھر اس مسئلہ میں کبھی کوئی کھٹک نہیں ہوئی۔

تیسرا باب (۳)

رائے پور کا قیام، مجاہدہ وریاضت، تربیت وتکمیل

صدق واخلاص ودرستی باید وعمر دراز
تا قرین حق شود صاحب قرانے در قرن

حکیم سنائی

رائے پور کا قیام: رائے پور کے قیام میں آپ نے اس عالی ہمّتی، جفاکشی اور مجاہدہ سے کام لیا، جن کے واقعات اب صرف اولیائے متقدّمین کے تذکروں اور تاریخوں میں ملتے ہیں اور جو انھیں لوگوں کا حصّہ ہے جن کی استعداد وجوہر نہایت عالی، عزم وارادہ نہایت قوی اور طلب نہایت صادق ہوتی ہے، جن کے خمیر میں روزِ ازل سے عشق کا مادّہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو انھیں اس راہ کے اعلیٰ ترین مقامات اور کمالات پر پہنچا کر ان سے ہدایت اور تربیتِ خلق کا کام لینا ہوتا ہے۔

حضرت نے فرمایا کہ میں رائے پور پہنچ کر سارا دن باغ میں پھرتا رہا کہ میں کس درخت کے پتّے کھا کر گذارہ کرسکتا ہوں، آپ نے بعض اوقات کسی درخت کا نام بھی لیا کہ اس کو منتخب کیا تھا، کبھی آپ کی باتوں سے یہ بھی معلوم ہوتا کہ آپ نے توت کے پتّے کھائے تھے، فرماتے کہ الحمد للہ اس کی بہت کم نوبت آئی، کیونکہ حضرت نے اپنے خادم میاں جی معزّ الدّین سے فرما دیا تھا کہ ان کے کھانے وغیرہ کا خیال رکھنا۔

رائے پورکا وہ دور بڑے مجاہدہ اور جفاکشی کا تھا اور یہ سب ان لوگوں کی تکمیل حال کے لیے تھا جن کی ترقی و پختگی اللہ تعالیٰ کو منظور تھی،لنگر کی روٹی اتنی موٹی اور کچّی ہوتی تھی کہ بغیر پانی یا چھاچھ کے حلق سے نہیں اترتی تھی،اخیر زمانہ میں اکثر فرماتے تھے کہ یہ ریاح کا مرض اور ضعفِ معدہ اسی وقت سے ہے،فرماتے تھے کہ ایک روز روٹی جلی ہوئی تھی،حاجی جانی مطبخ کے مہتمم تھے،میں نے کہا حاجی جی روٹی جلی ہوئی ہے،کہا کہ اچھا کل جلی ہوئی نہ ہوگی،اگلے روز ایک طرف جلی ہوئی اور دوسری طرف کچّی تھی۔حاجی جانی سے جب دوسری مرتبہ کہا کہ روٹی کچّی ہے تو حاجی صاحب نے کہا کہ میاں اگر روٹی کھانے آیا ہے تو کہیں اور چلا جا،مجھے ڈر ہوا کہ کہیں یہ حضرت سے نہ کہہ دیں،میں اپنے کو بڑی ملامت کی اور دل میں کہا،ارے آیا ہے تو اپنے نفع کی خاطر اور پھر نخرے کرتا ہے اور یہ عہد کیا کہ آئندہ کبھی کچھ نہیں کہوں گا،پھر کبھی کوئی شکایت نہیں کی۔چودہ سال تک کبھی باسی،کبھی کچّی،کبھی سوکھی روٹی کھائی اور نام نہیں لیا،مولانا محمّد منظور صاحب نعمانی نے خود حضرت کے حوالہ سے لکھا ہے:۔

”فرماتے تھے کہ مسلسل دس سال ایسے گذرے ہیں کہ ہم لوگوں کو جو طالبین کی حیثیت سے خانقاہ میں رہتے تھے،ایک دن میں صرف ایک روٹی مکئی کی ملتی تھی اور وہ بھی درمیان سے بالکل کچّی ہوتی تھی،جو صاحب پکانے والے تھے انھیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ روٹی سکی یا نہیں سکی،سالن یا دال ترکاری کا کوئی سوال ہی نہیں تھا،گاؤں سے کسی دن چھاچھ آجاتی تو کھانے پینے کے لحاظ سے ہم خانقاہ والوں کے لیے گویا وہ عید کا دن ہوتا۔فرماتے تھے اس علاقہ (یوپی) کے ہمارے ساتھی تو وہی ایک روٹی آدھی آدھی کرکے دونوں وقت کھاتے تھے،لیکن میں پنجاب کا رہنے والا تھا،اس لیے ایک ہی وقت میں کھالیتا تھا اور دوسرے بس اللہ کا نام۔“

فرمایا کہ سوکھی روٹی کھانے کی وجہ سے میرے پیٹ میں درد رہنے لگا اور گڑگڑاہٹ ہوتی تھی،خیال آیا کہ حضرت سے عرض کروں گا کہ خادم سے فرمادیا جائے کہ روٹی اچھی طرح سینک دیا کرے،پھر خیال آیا کہ اگر حضرت نے فرمایا کہ مولوی صاحب جہاں پکی روٹی ملتی ہو وہاں چلے جاؤ تو پھر کیا ہوگا،خودبخود دل میں خیال آیا تو سونٹھ پیس کر استعمال کی،استعمال کے بعد جب ایک مرتبہ استنجے گیا تو ایک بڑا سا جونک ایسا کیڑا نکلا،میرا خیال ہوا کہ شاید آنت باہر آگئی ہے مگر دیکھا تو کیڑا تھا،اس وقت ڈر گیا،بعد میں مفردات میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ سونٹھ کی ایسی ہی خاصیت ہے۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ کبھی شفقتاً اپنے دسترخوان پر جب کبھی حضرت شیخ الہند یا حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری تشریف لاتے تو بلاتے کہ تم بھی کھانا کھالو،میں اپنے وقت پر جو کچھ باسی مل جاتا تھا کھالیتا تھا اور سختی سے معذرت کرتا تھا،حضرت شدّت سے اصرار فرماتے کہ مولانا میں آپ کے نفع کے لیے کہہ رہا ہوں،حضرت کی تعمیل ارشاد میں ان حضرات کے ساتھ بیٹھ کر کچھ کھالیتا،اسی طرح جب چائے کی پتّی بچ جاتی میں اس کو سکھالیتا،جو گڑ رکھے رکھے پرانا اور خراب ہوجاتا،میں اس کا شربت پکا کر اس کا شیرہ چائے میں ڈال کر اس سے روٹی کھالیتا تاکہ جلدی لیٹ جاؤں اور حضرت کے اٹھنے سے پہلے ایک بجے حاضر ہوجاؤں۔

رہائش کے لیے حافظ یوسف علی صاحب کے چھپّر میں جہاں ان کی گھوڑی بندھتی تھی،ان کی اجازت سے ایک طرف صاف کرکے اس پر اپنا بستر لگا دیا۔ایک گھورے (کوڑے کرکٹ کے ڈھیر) پر ایک پھٹا ہوا کمبل ملا تھا،اس کو دھو کر وہاں بچھا دیا،یہی بستر تھا اس کو اتنی تہیں دیں کہ اس کے سوراخ بند ہوگئے۔چودہ سال تک یہی بستر رہا،یہی جائے نماز۔خانقاہ میں اس وقت ایک ہی لالٹین تھی وہ حضرت کے حجرہ میں رہتی،دوسری لالٹین تھی ہی نہیں۔

رائے پور میں سانپوں اور بچھوؤں اور حشرات الارض کی کثرت ہے، فرماتے تھے کہ میں ایک ٹوٹا ہوا بانس اٹھا لیتا، وقتاً فوقتاً اس کو بجاتا رہتا تھا کہ کوئی کیڑا یا سانپ نہ آئے، الحمد للہ کہ سوائے ایک مرتبہ کے گھنٹہ مجبور رہ آیا، کبھی کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ (روایت مولوی عبدالوحید صاحب و دیگر اصحاب)

ایک مرتبہ فرمایا کہ سردی کا موسم تھا، میرے پاس کوئی کپڑا اوڑھنے بچھانے کا نہیں تھا، شام کو مغرب سے لے کر عشاء تک وضو کے لیے جہاں پانی گرم ہوتا تھا وہیں بیٹھا رہتا تھا اور اپنا وظیفہ پڑھتا رہتا تھا، پھر نمازِ عشاء کے بعد مسجد کے دروازے بند کر کے مسجد کی چٹائی میں اپنے کو لپیٹ لیتا تھا، مگر اس میں بھی پاؤں اور سر کی طرف سے ہوا آتی تھی، پھر تھوڑی دیر اس چٹائی میں رہ کر اس سے باہر نکل آتا تھا اور ذکر شروع کر دیتا اور ساری رات ذکر کی گرمی سے گذارتا۔ اسی طرح سارا موسم سردی کا ختم ہو گیا، مگر نہ میں نے کسی سے ذکر کیا اور نہ کسی پر ظاہر ہوا۔ فرماتے تھے کہ سردی تو اس طرح گذر گئی، مگر اس کے بعد کوئی سردی ایسی نہیں آئی جس میں کم از کم ایک رضائی نئی نہ آئی ہو۔ (روایت حضرت شیخ الحدیث)

ذکر کا انہماک:

ذکر میں شدت سے انہماک تھا، رات میں بہت کم سونے کی نوبت آتی، فرماتے تھے کہ نزلہ کے زور کی وجہ سے ایک رومال رکھ لیتا اور ذکر شروع کرتا، رطوبت کی وجہ سے وہ تَر ہو جاتا۔ (روایت مولانا محمدؒ منظور نعمانی)

شیخ سے تعلّق ومحبّت، خدمت وفنائیت:

حضرت والا کو اپنے شیخ سے وہ عاشقانہ اور والہانہ تعلّق تھا جس کو مناسبت اور ترقّیٔ باطن میں ہزار اذکار اور ریاضتوں سے زیادہ دخل ہے، اس کی کیفیت یہ تھی کہ ؎

انبساطِ عید دیدن روئے تو عید گاہِ ما غریباں کوئے تو

ذکر کے علاوہ حضرت کی خدمت میں مشغولیت رہتی تھی، ایک مرتبہ فرمایا کہ حضرت کو لٹا کر بدن دباتا تو دیر کے بعد حضرت فرما دیتے کہ جاؤ مولوی صاحب آرام کرو، میں کواڑ بند کر کے اپنی جگہ آجاتا، پھر خیال آتا کہ کوئی مکھی منہ پر بیٹھ کر نہ ستاتی ہو، پھر دبے پاؤں آکر دیکھتا، اسی طرح آتا جاتا رہتا، یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو جاتا۔ (روایت مولانا سعید احمد صاحب ڈونگوی)۔ فرمایا کہ کبھی حضرت کی خدمت میں بے وضو حاضر نہیں ہوا اور ہر وقت باوضو رہتا تھا۔ حضرت اکثر شفقت اور محبّت کا برتاؤ فرماتے ہیں، کبھی ہاتھ جوڑ کر عرض کرتا کہ میں تو اپنی اصلاح کے لیے آیا ہوں اور حضرت کی شفقتیں ایسی ہیں کہ جن سے شبہ ہوتا ہے کہ کہیں میں نااہل نہ سمجھا جارہا ہوں اور مجھے ناکارہ سمجھ کر یہ شفقتیں ہو رہی ہوں، اس پر حضرت جواب میں فرماتے، نہیں مولوی صاحب، میں تمھاری طرف سے بے خبر نہیں ہوں، اکثر یہ بھی ہوتا کہ بلا کسی قصور کے ڈانٹ دیا کرتے، پھر دیکھتے کہ مجھ پر اس ڈانٹ کا کوئی اثر تو نہیں ہوا، مگر الحمد للہ مجھ پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ (روایت مولوی عبدالوحید صاحب)۔

رائے پور کی مشغولیت:

آپ کا رائے پور کا قیام ایک ایسے عاشق خادم اور ایک ایسے صادق طالب کا قیام تھا، جس نے اپنے نفس کی اصلاح حصولِ مقصود کے

لیے مجاہدہ اور شیخ کی خدمت کے سوا دنیا کی کسی غرض اور کسی مطلب سے واسطہ ہی نہیں رکھا تھا، یہ پورا زمانہ اپنی ہستی کو مٹانے اور اپنے کو بھول جانے میں اس طرح گذرا کہ سوائے اس خدمت اور مجاہدہ کے جس کا حال اللہ کو معلوم ہے اور کبھی کبھی خدّام کی تربیت اور اصلاح کے لیے آپ کسی بات کا ذکر فرما دیتے اور اُن کو معلوم ہو جاتا، نہ اُس زمانہ کی کوئی یادگار ہے اور نہ کوئی تاریخی دستاویز، آنے والوں کو بعض اوقات آپ کی طرف توجّہ بھی نہیں ہوتی تھی اور بہت سے لوگ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے تھے کہ آپ حضرت کے ایک مخلص خادم اور خانقاہ کے ایک ذاکر شاغل درویش ہیں، ایک مرتبہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ملاقات پر آپ سے فرمایا کہ میں تو رائے پور حضرت شاہ عبدالرّحیم صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں، آپ مجھے یاد نہیں، فرمایا حضرت میں آپ کو کیا یاد رہ سکتا تھا، میری وہاں کوئی حیثیت اور امتیاز نہیں تھا، شاید آپ کو یاد ہو کہ حضرت کی خدمت میں ایک خادم بار بار آتا تھا، بدن پر ایک کمری ہوتی تھی اور تہبند باندھے ہوئے، فرمایا ہاں! کچھ یاد تو آتا ہے، فرمایا میں وہی ہوں۔ (روایت مولانا لطیف الرّحمٰن صاحب کاندھلوی مرحومؒ)۔

گمتھلہ کا قیام:

حضرت نے کچھ عرصہ کے لیے اپ کو گمتھلہ بھیج دیا، (گمتھلہ ضلع انبالہ میں راجپوت زمینداروں کا ایک قصبہ ہے۔ حضرت مولانا شاہ عبدالرّحیم صاحب کی ایک صاحبزادی وہیں بیاہی ہوئی تھیں)۔ فرماتے تھے کہ مجھے مدرّس بنا کر گمتھلہ بھیجا، مجھے حضرت کی جدائی بہت ہی شاق تھی، یہ بھی فکر ہوئی کہ حضرت کسی وجہ سے یہاں سے علاحدہ فرمانا چاہتے ہیں، لیکن میری درخواست کے باوجود حضرت نے حکماً اصرار سے بھیجا، فرمایا کہ مولانا ایک وقت ہوتا ہے کہ ماں اپنے بچّے کو سینہ سے چمٹاتی ہے، پھر ایک وقت اس کی طلب کے باوجود اس کو اپنے سے علٰیحدہ رکھتی ہے، کچھ عرصہ کے بعد واپس بلالیا، (روایت حضرت شیخ الحدیث)

قرب واختصاص:

یوں تو حضرت کی جوہر شناس نگاہ نے آپ کے خط کے انداز ہی سے پہچان لیا تھا کہ اللہ نے اخلاص اور طلبِ صادق کا جوہر عطا فرمایا ہے، پھر ملاقات پر پورا اندازہ ہوگیا کہ محبّت کی چنگاری اور اطاعت و انقیاد کا وہ مادّہ ہے جو اس زمانہ میں نایاب اور عام طور پر عنقا ہے، لیکن آپ کی خدمت، شیخ سے تعلّق قلبی، مجاہدہ، جفاکشی و بےنفسی سے قرب و اختصاص روز بروز بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ اکثر اہم خدمتیں آپ سے متعلّق ہوگئیں، امامت بھی آپ کے سپرد ہوئی جس میں حضرت کے ضعف اور غلبہء ریاح کی وجہ سے خاص رعایت کرنی پڑتی تھی، سفر حضر میں معیّت و رفاقت لازمی ہوگئی، حضرت پر کمال اتّباعِ سنّت سے کسی چیز کو اپنی مِلک میں رکھنا بہت گراں تھا، آپ اپنے کپڑوں کو بھی مولانا کی مِلک میں کر دیا کرتے تھے اور آپ کی مِلک بنا کر استعمال کیا کرتے تھے، باوجود اس کے حضرت نے آپ کو کلیۃً مختار بنا دیا تھا، مگر آپ کبھی ان کو استعمال نہیں کرتے تھے، فرماتے تھے کہ ایک دفعہ جمعہ کو نہر پر کپڑے دھونے گیا، ایک ہی جوڑا کپڑوں کا تھا، اسی کو دھویا اور سکھا کر پہن لیتا، اس دن سوکھنے میں ذرا دیر ہوگئی، جمعہ کا وقت ہوگیا، جمعہ میں ہی پڑھایا کرتا تھا، حضرت میرے انتظار میں تھے، جب حاضر ہوا فرمایا، مولانا کہاں رہ گئے تھے؟ میں نے سکوت کیا، دوبارہ پھر دریافت فرمایا، میں نے سکوت کیا، بار بار اصرار سے دریافت فرمایا تو عرض کیا، حضرت کپڑے نہیں سوکھے تھے، اس لیے حاضری میں دیر ہوگئی، حضرت نے غصّہ سے فرمایا، آپ کے پاس میرے کپڑے موجود نہیں ہیں؟ اُن کو کیوں نہیں استعمال کرتے، کیا اُن کو آگ لگانا ہے؟ مجھے اس سے تکلیف ہوتی ہے، اس کے باوجود کبھی حضرت کے

کپڑے پہننے کی جرأت نہیں ہوئی۔ (روایت مولوی عبدالوحید صاحب)۔

حضرت شاہ عبدالرّحیم پنجاب کے طویل دورے فرمایا کرتے تھے اور مہینوں کا سفر ہوا کرتا تھا، جگہ جگہ قیام فرماتے، رُشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہتا، حضرت ہر جگہ ہمرکاب رہتے اور حضرت کی تمام ضروریات کا اہتمام فرماتے۔ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے حضرت سے ایسی مناسبت ہوگئی تھی کہ جو چیز حضرت کے قلب پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وارد ہوتی، وہی چیز میرے قلب پر وارد ہوتی اور جو چیز میرے قلب پر وارد ہوتی حضرت کے قلب پر اس کا ورود ہوجاتا۔ (روایت مولوی عبدالجلیل صاحب)۔

اصلاح وتکمیل حال: حضرت فرماتے تھے کہ رائے پور ہی کے زمانۂ قیام میں ایک مرتبہ ساری رات عجیب کیفیت رہی، دوسری رات بھی اسی طرح گذری، تیسری رات ایک قطرۂ نور قلب پر وارد ہوا، حضرت نے فرمایا اب تمھارے دل میں جو رجحان وتقاضہ پیدا ہو اس کو من جانب اللہ سمجھو اور اس پر عمل کرو۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ میری خدمت کی وجہ سے تمھارا بڑا حرج ہوا ہے، اگر میرے بعد یکسو ہو کر اپنے کام میں لگ جاؤ گے تو نقد ذائقہ چکھ لوگے۔ (روایت مولوی عبدالجلیل صاحب)۔

سفرِ حج: حضرت شاہ عبدالرّحیم صاحب رائے پوری نے ۱۳۲۸ھ (۱۹۱۰ء) میں سفرِ حج کا عزم فرمایا تو آپ ہمرکاب تھے، یہ سفر ادائے فریضۂ حج اور ایک مقبول بارگاہ کی ہمرکابی میں دربار میں حاضری کی سعادت اور اس کے برکات کے علاوہ آپ کی باطنی ترقیات، شیخ کی رضا اور محبّت کے حصول اور اس کے قرب واختصاص کا خاص ذریعہ ثابت ہوا، اس بابرکت سفر میں آپ کی اطاعت وانقیاد، بے نفسی وقربانی اور شیخ کے ساتھ سچّے تعلّق کے مزید جوہر کھلے، اس سفر میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا موقع فراہم کردیا جس سے خدّام اور رفقاء کے حلقہ میں آپ کا امتیاز وانفرادیت کھل کر سامنے آگئی۔ ایک مرتبہ فرمایا:

> "میں ہمیشہ اس بات کے لیے فکرمند رہتا تھا کہ حضرت مجھ سے راضی ہیں یا نہیں؟ اکثر اس سلسلہ میں دعا بھی کیا کرتا تھا کہ یا اللہ! میرے حضرت مجھ سے راضی ہوجائیں، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک ایسا موقع مرحمت فرمایا، جس سے مجھے بھی اطمینان ہوا کہ ان شاء اللہ حضرت مجھ سے راضی ہوں گے۔ صورت یہ ہوئی کہ سفرِ حج میں حضرت کے ہمراہ آپ کے صاحبزادہ حافظ عبدالرّشید صاحب بھی تھے، ان کو راستہ میں اسہال شروع ہوگیا اور ضعف اتنا بڑھ گیا کہ اٹھنے بیٹھنے کی طاقت بھی نہ رہی، چونکہ اسہال مسلسل جاری تھے، اس لیے میں اپنے کو ان کی خدمت کے لیے مخصوص کرلیا تھا۔ جب صاحبزادہ کو اسہال ہوتا تو میں صاف کردیتا تھا اور پاخانہ اپنے ہاتھ سے اٹھا کر سمندر میں ڈال دیتا۔ انھیں دنوں میں حضرت نے مجھے لٹھے کا کپڑا مرحمت فرمایا تھا کہ اس کے ٹکڑے پھاڑ کر پہلے صفائی کردیا کرو، میں ان ٹکڑوں سے صفائی کرتا پھر ان کو دھو کر پاک کرلیتا، اس کے بعد ان ٹکڑوں کو جمع کرکے سی لیا۔ اسی طرح میں خدمت کرتا رہا، یہاں تک کہ صاحبزادہ کا انتقال ہوگیا، (مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ نے تذکرۃ الخلیل میں حضرت مولانا (شاہ عبدالرّحیم) رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں حافظ عبدالرّشید صا-حب کی علالت کے واقعہ کا تذکرہ کیا ہے، لکھا ہے کہ "مدینۂ منوّرہ سے ینبوع ہوکر جہاز میں سوار ہوئے، عدن کے قریب عبدالرّشید مرحوم راہی عالم قدس ہوئے۔" صہ ۱۶۴) ۔ حضرت اس خدمت سے بہت خوش ہوئے، اکثر اپنی خوشنودی کا اظہار بھی بڑے اہتمام سے فرماتے، میں نے عرض کیا کہ حضرت جس طرح میری تعریف فرماتے ہیں مجھے بہت ہی شرمندگی ہوتی ہے، اس پر حضرت نے فرمایا کہ اب ان شاء اللہ آپ کے سامنے یہ ذکر نہ کروں گا۔" (روایت

مولوی عبدالوحید صاحب)۔

اس خدمت ومجاہدہ اور اس محبّت وعاشقانہ ادا سے حضرت کے دل میں آپ کی جو وقعت ومحبّت پیدا ہوئی ہوگی اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے جس اعزاز وامتیاز اور جس اعتماد واختصاص سے سرفراز فرمایا اس میں آپ کی اس خود شکنی کو بہت دخل ہے۔

(از سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ: صہ ۵۴ تا ۷۳)

یہ تھی ساری حقیقت یہ کتنا کھلا دجل ہے کہ آدمی کے سابقہ عقائد کو سامنے لا کر اسے بدنام کیا جائے؟ شکر ہے کہ یہ بدبخت لوگ زمانہ نبوی ﷺ میں نہ تھے ورنہ اس زمانے میں بھی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار نبی کریم ﷺ کے قتل کا ارادہ کرنے والوں میں کرتے اور شائد اسلام لانے والے صحابہ رضی اللہ عنہم کے کفر وشرک پر معاذ اللہ کتب لکھتے۔

مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کیلئے بعد از وفات دعا

بریلوی معترض تو حضرت رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کو معاذ اللہ قادیانی ثابت کرنے پر تلا ہوا ہے مگر بریلوی محقق عصر حکیم محمد موسیٰ امرتسری ان کی وفات کے بعد ان کیلئے دعا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ جو اسی سال لاہور میں فوت ہوئے اور راقم آثم نے عند ربہ مرضیا (۱۳۸۲ھ) ان کی تاریخ کہی تھی''۔

(تذکرہ علمائے امرتسر ص ۹۲، والضحیٰ پبلیشرز لاہور)

جواب دیں جناب آپ کے اکابر کے ہاں تو وہ رب کے پاس جا کر ''مرضیا'' ہو گئے مگر آپ ان کے اسلام پر مطمئن وراضی نہیں۔ اب اپنے مولویوں پر بھی کوئی فتویٰ؟

(اعتراض ۱۴۸:) مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور تکفیر مرزا

معترض نے ص ۱۲۹ اور ص ۱۳۰ پر مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ کے حوالے سے نقل کیا کہ انہوں نے مرزا قادیانی کی تکفیر نہیں کی۔ اس سلسلے میں اول گزارش تو یہ ہے کہ مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ حضرت حکیم الامتؒ کے خلیفہ مجاز نہ تھے۔ ثانیاً دراصل مرزا قادیانی اور اس کے متبعین نے ابہام اور التباس کے زور سے اس تحریک کو ایسا چیستان اور معمہ بنا کر پیش کیا کہ لوگ الجھن سے گھبرا کر تحقیق سے بچنے لگے اور دیگر اسلامی فرقوں کی طرح اس کو بھی ایک اسلامی فرقہ سمجھنے لگے اور یہ گمان کر لیا کہ یہ اختلاف گویا علمائے اسلام کا آپسی فروعی اختلاف ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ قادیانیوں نے تبلیغ اسلام کے نام سے کچھ تگ ودو بھی شروع کی ہوئی تھی۔ ترکیب چل گئی بہت سے افراد پر صحیح حالات کا انکشاف تو نہ ہوا حسن ظن کی بناء پر تائید دین کے خیال سے مسلمانوں کو متاثر کرنے کی غرض سے قادیانی جماعتیں ان قدر افزائیوں کی تشہیر کرتی رہیں کہ گویا مسلمانوں کے سرکردہ ان کے مداح اور موید ہیں۔ (قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ ص ۷۰)

حضرت مولانا عبدالماجد دریا آبادی صاحب مرحوم نے بھی قادیانی مذہب کا کماحقہ مطالعہ نہ کیا تھا ان کے زیر مطالعہ صرف لاہوری جماعت کی تفسیر رہی اور ظاہر ہے کہ لاہوری جماعت مرزا کو نبی نہیں مانتی اور ان کے اقوال کو موول جانتی ہے یا شطیحات پر محمول کرتی ہے۔ چنانچہ مولانا عبدالماجد دریا آبادی کا موقف بھی یہی تھا کہ مرزا قادیانی کے اس قسم کے اقوال کو شطیحات پر محمول کیا جائے۔ اس سلسلے

میں حضرت حکیم الامتؒ کے ساتھ خط وکتابت بھی جاری رہی ۔لیکن جب علمائے دیوبند نے اس سلسلے میں بار بار تنبیہ کی اور اس طرف توجہ دلائی تو انہوں نے آخری عمر میں رجوع فرمالیا۔ چنانچہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی مدظلہ العالی لکھتے ہیں:

''مولانا ابوالحسن علی ندوی کے بیان کے مطابق اپنی وفات سے تین چار سال پہلے مولانا نے اس سے رجوع کرلیا تھا اور مولانا ندوی سے بڑھ کر مستند بیان کس کا ہوسکتا ہے؟''۔(وہ جو بیچتے تھے دوائے دل ص ۲۲۴)

ذرا اپنے گھر کی بھی خبر لے لیں:

''حضرت خواجہ حسن نظامی دہلویؒ درگاہ حضرت محبوب الٰہیؒ کے سجادہ نشین تھے اور حضرت اعلیؒ سیدنا مہر علی شاہؒ کے مرید تھے پہلے مرزائیوں کے بارے میں نرم رویہ رکھتے تھے مگر حضرت اعلی کا فتوی ملاحظہ کرنے کے بعد اپنے رسالہ منادی میں اپنی تحریروں کے ذریعہ مرزائی تکفیر کا اعلان کیا''۔(ضیائے مہر ص ۱۷۷)

(اعتراض ۱۴۹:) مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم پر مرزائیت کا الزام

مرزائی کے پیچھے نماز پڑھی

اس سلسلے میں معترض نے آزاد کی کہانی ص ۲۱۳، ۲۱۴ کا حوالہ دیا کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے مرزا عبدالکریم قادیانی کے پیچھے نماز پڑھی''۔

(ملخصا دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۱۲۹، ۱۳۰)

جواب: یہاں بھی مثل سابق معترض نے دھوکے سے کام لیا۔ دراصل مولانا آزاد مولانا خیرالدین دہلوی کے بیٹے تھے جو کٹر بدعتی عقائد کا مالک ایک بدعتی پیر تھا۔مولانا ابوالکلام آزاد کو اللہ تعالی نے فطرت سلیمہ کے قریب طبعیت عطافرمائی تھی اس لئے والد کے ان مشرکانہ عقائد ونظریات اور بدعتی رسومات سے بیزار ہوگئے اور حق کی تلاش میں مختلف مذاہب ومسالک کا مطالعہ شروع کردیا۔

اولا سرسید کے افکار سے متاثر ہوئے جوں جوں تحقیق بڑھتی گئی سرسید کے افکار کا بطلان اور اس تحریک کی پشت پر فرنگی سازش کا نقشہ آپ پر واضح ہوتا گیا۔قادیان کا یہ سفر بھی اسی حق کی جستجو اور تلاش کے دور کا ہے جب آپ کے عقائد وافکار جو وراثۃ آپ کو ملے تھے میں انقلاب آگیا تھا چنانچہ خود فرماتے ہیں:

''پنجاب میں قادیان بھی گیا مرزا غلام احمد قادیانی کے دعاوی اور بعض رسالے دیکھ چکا تھا طبیعت میں ہر نئی بات کے تجسس اور واقفیت کا شوق تھا خیال ہوا کہ انہیں بھی دیکھنا چاہئے''۔

(آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی ص ۲۵۴)

اس سفر کے دوران اپنی مذہبی سوچ کے متعلق وہ خود لکھتے ہیں:

''میرے خیالات اس وقت سرسید کی تقلید پر مبنی تھے اس لئے ان کے مشن (قادیانی مشن از ناقل) سے مجھے کوئی دلچسپی نہ تھی''۔

(آزاد کی کہانی ص ۲۵۷)

لیکن اللہ نے پھر اس کے بعد آپ کی دستگیری فرمائی حضرت امیر المومنین سید احمد شہیدؒ مجاہد کبیر حضرت شاہ اسمعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک سے متاثر ہوئے اور انہی کی تحریک کو اپنا مشن بنالیا جس کی برکت سے اللہ نے آپ کو بھی سیاست کا''امام الہند'' کے لقب سے نوازا۔

پس جو آدمی ابھی حق کی طرف پہنچنے کے ارتقائی منازل طے کر رہا ہو اس کے حق تک پہنچنے سے پہلے کے حالات کو نقل کر کے اعتراض کرنا یقیناً رضاخانی سوچ ہی کا کرشمہ ہوسکتا ہے۔حضرت سلمان فارسیؓ جب حق کی تلاش میں نکلے تو مجوسیت سے توبہ کر کے یہودی مذہب قبول کیا اس کے بعد عیسائی مذہب اپنایا اور آخر میں اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی اور اسلام کی نعمت سے نوازا۔

اب کوئی بے ایمان اسلام سے پہلے کی ان کی زندگی کو موضوع سخن بنا کر طعن شروع کر دے تو اس سے بڑی شیطینیت کیا ہوگی؟ حقیقت میں قصور مولانا ابو الکلام آزادؒ کا نہیں بلکہ ان کلاب الدنیا پیروں فقیروں کا ہے جنہوں نے دین کو اپنی نفسانی خواہشات کیلئے استعمال کیا۔جس پر انکی اپنی اولاد بھی راضی نہیں۔شائد یہ علمائے حقہ کی کرامت ہے بلکہ بریلوی اصول کے تحت تو علمائے دیوبند کی حقانیت کی دلیل ہے کہ چوٹی کے بریلوی اکابر خیر الدین دہلوی کا بیٹا اپنے باپ کے مذہب سے تائب ہو کر حق کے راستے کی طرف روانہ ہوگیا۔

(اعتراض ۱۵۰):ابو الکلام آزاد پر مرزا قادیانی کے جنازے میں شرکت کا الزام

اس کے بعد معترض نے اعتراض کیا کہ مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم نے معاذ اللہ مرزا غلام احمد قادیانی کے جنازے میں شرکت کی۔

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف،ص ۱۳۲،۱۳۳)

جواب: یہ بات بھی بالکل بے بنیاد اور جھوٹا الزام ہے حضرت مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم اپنی زندگی ہی میں اس جھوٹ کی تردید کر چکے ہیں۔چنانچہ مولانا ابو الکلام آزاد کے پرائیویٹ سیکریٹری جو دس سال مولانا کی خدمت میں رہے اور ان کے شب و روز کے سفر کے ساتھی رہے مولانا کی طرف سے خطوط لکھنے کے بھی مجاز تھے مولانا غلام رسول مہر مرحوم کے استفسار کے جواب میں لکھتے ہیں:

”میں آپ کے گزشتہ خط کا جواب دے چکا ہوں حضرت مولانا ان دنوں بہت مصروف ہیں پھر ادھر کانگریس میں جانا ہے اس کے بعد پارلیمنٹ شروع ہے غرض کہ مصروفیت ہی مصروفیت ہے۔جونہی وہ کچھ لکھ دیں گے آپ کی خدمت میں بھیج دوں گا۔ضرورت تحریر یہ ہے کہ مولوی عبد المجید سالک صاحب نے کوئی کتاب ”یاران کہن“ لکھی ہے جس میں بعض بے بنیاد باتیں مولانا کے متعلق درج ہیں۔مثلاً یہ کہ ان (قادیانیوں) کی کتب سے بہت متاثر تھے یا جنازہ کے ساتھ قادیان گئے وغیرہ۔دیانت کا تقاضہ یہ ہے کہ خود سالک صاحب اس کی تردید کر دیں،وکیل میں مرزا غلام احمد کی وفات پر جو مقالہ افتتاحیہ چھپا تھا وہ منشی عبد المجید پھور تھلوی کا لکھا ہوا تھا مولانا کا اس اداریہ سے کوئی تعلق نہ تھا“۔

(افادات آزاد،ص ۹۷)

عبد المجید سالک نے جو باتیں یاران کہن میں لکھیں وہ اس کا ذاتی مشاہدہ نہ تھا بلکہ مرزائی روایت تھی چنانچہ مولانا ابو الکلام آزاد کی جب تردید چٹان میں شائع ہوئی تو جواب میں رجوع کا جو خط عبد المجید سالک نے چٹان کو بھیجا اس میں یہ الفاظ ہیں:

”مجھے یاد پڑتا ہے احمدیوں نے ایک دو موقعوں پر بعض رواداری اور ہمدرد احمدیوں کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مولانا کے متعلق لکھا ہے کہ مولانا نے مرزا صاحب کے انتقال پر ہم سے ہمدردی کا اظہار کیا اور جب مرزا صاحب کا جنازہ قادیان لے جایا جا رہا تھا تو مولانا ابو الکلام امرتسر سے بٹالہ تک اس کے ساتھ گئے“۔

(چٹان ۲۰ فروری ۱۹۵۶ بحوالہ افادات آزاد،ص ۹۹)

پس جب یہ الزام لگانے والا خود کہہ رہا ہے کہ اس بات کا راوی ایک مرزائی ہے تو اس کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟ لیکن چونکہ معاملہ اہل

السنۃ والجماعۃ دیوبند کو بدنام کرنے کا ہے اس لئے سب کچھ جائز ہے ۔ نیز سالک صاحب کا یہ کہنا ”مجھے جہاں تک یاد پڑتا ہے“ کہ الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں یہ مرزائی روایت بھی پوری طرح یاد نہیں ۔ بہر حال قصہ جو بھی ہو جس کی طرف یہ الزام منسوب ہے جب وہ خود اس کی تردید کر رہا ہے اور واقعہ لکھنے والا عبدالمجید سالک بھی کہہ رہا ہے:

”ہوسکتا ہے کہ ان امور میں میرے حافظہ نے میرا ساتھ نہ دیا ہو اور حضرت مولانا ہی کے ارشادات درست ہوں جس کی بنیاد پر آپ نے شورش صاحب کو مکتوب لکھا بہر حال مجھے یاران کہن میں بیان کردہ واقعات کی صحت پر اصرار نہیں اور میں آپ کی تردید کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہوں“۔

(چٹان بحوالہ افادات آزاد ص ۹۹)

تو اب اس وضاحت اور سالک صاحب کے رجوع کے بعد اس کی کوئی استنادی حیثیت نہ رہی ۔ محمد اجمل خان صاحب مولانا حفظ الرحمن سیوہارویؒ کے خط کے جواب میں لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا کو یہ سن کر بے حد تعجب ہوا یہ باتیں غلط ہیں مولانا اپنی زندگی کے کسی حصہ میں مرزا غلام احمد کی تحریرات سے متاثر نہیں ہوئے نہ انہوں نے کوئی مضمون لکھا اور نہ وہ جنازے کے ساتھ گئے وکیل میں جو نوٹ نکلا تھا وہ کپورتھلہ کے ایک صاحب مسٹر عبدالمجید کا تھا ۔ مولانا کو خاص طور پر افسوس اس بات کا ہوا کہ سالک صاحب نے عجیب بے بنیاد بات لکھی ہے ۔ آپ اسے شائع کر سکتے ہیں“۔

(افادات، ص ۱۰۰)

خود مرزائیوں کا اقرار کے مولانا ابوالکلام آزاد ہمارے ساتھ نہیں:

”اخبار زمیندار ۲۶ جون ۱۹۳۶ میں مولانا موصوف کے دو مکتوب شائع ہوئے جن میں آپ نے احمدیت کی مخالفت فرماتے ہوئے مجدد دین اور حدیث کی ضرورت ہی سے انکار فرما دیا ذرا مولانا ابوالکلام آزاد کے ارشادات ملاحظہ فرماویں ۔ پہلے مکتوب میں فرماتے ہیں:

باقی رہا مرزا (غلام احمد قادیانی) صاحب کے دعاوی تو میں نہیں سمجھتا کہ کوئی شخص جس نے اسلام کے اصول ومبادیات کو سمجھا ہے اور عقل سلیم سے بے بہرہ نہیں یہ دعاوی ایک لمحہ کیلئے بھی تسلیم کر سکتا ہے“۔

(قادیان جماعت لاہوری کا اخبار پیغام صلح لاہور ج ۲۴ نمبر ۲۴ مورخہ ۳ جولائی ۱۹۱۶)

یہ رضاخانی تو مرزائیوں سے بھی بڑے بے ایمان معلوم ہوتے ہیں کہ مرزائی تو مولانا ابوالکلام آزاد کو اپنا مخالف بتلا رہے ہیں اور معترض اور اس کا ٹبر آزاد کی یاری ان کے ساتھ بتا رہے ہیں یعنی مدعی سست گواہ چست ۔

(اعتراض ۱۵۱): احمدی کی شرکت اشاعت اسلام میں مضر نہیں

دیوبندی مذہب کے امام الہند مولوی ابوالکلام آزاد سے سوال ہوا کہ احمدی گروہ کی شرکت اشاعت اسلام میں مضر ہے یا نہیں مولوی ابوالکلام آزاد اس کا جواب لکھتے ہیں کہ:

”اگر اشاعت اسلام کا کام ہر فرقہ اپنا فرض سمجھتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہر فرقہ اس میں شریک نہ ہو۔۔۔اس طرح تمام اہل قبلہ متحد ومتفق ہو جائیں گے گویا ایک ہی خاندان کے فرزند اور ایک ہی شجر محبت واخوت کے برگ و بار ہیں“۔

(ہفت روزہ الہلال کلکتہ ۱۴ جنوری ۱۹۱۴ ص ۲۵،۲۶ بحوالہ دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۱۳۱)

جواب: ممکن ہے کہ یہ اس زمانے کا بیان ہو کہ آپ پر ابھی مرزا قادیانی کے دعاوی واضح نہ ہوئے ہوں ہم نے ماقبل میں لاہوری مرزائی رسالے کے حوالے سے زمیندار کا حوالہ پیش کر دیا کہ آپ نے مرزا قادیانی کے دعاوی کے متعلق واضح فرمایا کہ ایک لمحے کیلئے بھی اسے تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ اقبال کے حضور کے شروع میں اقبال سے پہلی مجلس میں بھی مرزائیوں کو اپنے ساتھ شامل کرنے پر طویل بحث و مباحثہ موجود ہے۔ کیا موصوف اس حوالے سے بھی کوئی اعتراض پیش کریں گے۔

بریلوی مولوی انیس عالم سیوانی بریلوی اپنے مولویوں اور مدارس کے متعلق لکھتے ہیں:

''زیر نظر رسالہ آئینہ صلح کلیت ان حضرات کی خدمت میں پیش ہے جو پچھلے آٹھ دس سالوں سے کھلم کھلا اس بات کیلئے کوشاں ہیں کہ مسلمانان اہلسنت اور بدمذہب فرقوں (وہابیہ، دیابنہ، قادیانیہ، روافض وغیرہ) کے درمیان دوریاں اور نفرتیں کم ہوجائیں بنام مسلمان سب لوگ متحد ہوجائیں مشترکہ جلسے جلوس ہوں کلمہ خوانی کے نام پر اتحاد قائم ہو۔۔۔۔۔ابتداء اس طرح کی حرکتیں مولانا عبید اللہ اعظمی، مولانا ادریس بستوی نائب ناظم جامعہ اشرفیہ مبارکپور کی طرف سے سرزد ہوئیں۔۔۔اس میں سب سے بڑا دخل جامعہ اشرفیہ کے ذمہ داروں کا رہا ہے''۔

(آئینہ صلح کلیت، ص ۸، بزم رضائے خواجہ ممبئی)

جی جناب معترض صاحب! یہ حرکتیں ہم نہیں بلکہ آپ کے لوگ کر رہے ہیں اور آپ کے مستند علماء اور مدارس اس میں شامل ہیں امید کرتا ہوں کہ آپ اس حوالے سے ضرور لب کشائی کریں گے۔ اگرچہ آپ لوگوں کی سابقہ دوغلی پالیسی دیکھ کر ہمیں اس کی قطعا امید نہیں۔

(اعتراض ۱۵۲): عقیدہ حیات مسیح یہودی اور صابی من گھڑت کہانی ہے

اس عنوان کے تحت معترض نے تفسیر الہام الرحمن ص ۲۴۰ کے حوالے سے الزام لگایا کہ مولانا عبید اللہ سندھیؒ عقیدہ حیات عیسیٰ علیہ السلام کے منکر تھے۔ معاذ اللہ۔

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۱۳۱)

اس اعتراض کا جواب کافی عرصہ پہلے ''قہر حق'' نامی رسالے میں شائع کیا گیا تھا اسی کو یہاں نقل کیا جارہا ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ پر انکار حیات عیسیٰ علیہ السلام کے الزام کا جواب

ایڈووکیٹ محمد قاسم نقشبندی

لاہور کے ایک رضاخانی نے اپنے رسالے نام نہاد کلمہ حق کے شمارہ ۷: ص ۸۹،۹۰ پر یہ اعتراض کیا ہے کہ مولانا عبید اللہ سندھی نے اپنی تفسیر ''الہام الرحمن'' میں حیات عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا ہے اور مولانا محمد لدھیانوی مرحوم نے حیات عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنے والے کو کافر کہا اب دیوبندی یا تو مولانا کے فتوے کو غلط ٹھرائیں یا مولانا عبید اللہ سندھی کی تکفیر کریں (ملخصا) معاذ اللہ۔

الحمد للہ! ہمیں نہ تو مولانا لدھیانوی کے فتوے کی تغلیط کی ضرورت ہے نہ امام انقلابؒ کی تکفیر کی البتہ۔۔۔۔۔رضوی پہلی فرصت میں صبح شام سو سو بار اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کا وظیفہ پڑھ کر پانی پر دم کرکے پیئے تاکہ اندر سے رضاخان بریلوی باہر نکلے اس کے بعد فوراً اپنے

دماغ کا علاج کروائے ۔پہلی بات تو یہ کہ اس اعتراض کا جواب ہمارے علماء کئی سال پہلے دے چکے ہیں اس لئے بجائے ان جوابات کا جواب دینے کے دوبارہ اس اعتراض کو دہرا کر انتہائی ڈھیٹ پن اور بے شرمی کا مظاہرہ کیا ہے یہ بات ہم نہیں کہہ رہے ہیں ضیغم رضاخانیت حسن علی رضوی اپنے مجموعہ مغلظات میں لکھتا ہے کہ:

''یہ ڈھٹائی اور بے شرمی ہے کہ کٹے ہوئے اعتراضات اور پٹے ہوئے سوالات پھر کئے جا رہے ہیں''۔

(برق آسمانی:ص ۱۴۲)

اس کے بعد بندہ عرض کرتا ہے کہ اس جاہل نے پہلا دجل تو یہ کیا کہ ''الہام الرحمن'' کو مولانا عبید اللہ سندھیؒ کی تفسیر کہا حالانکہ اس جاہل کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ یہ مولانا کی اپنی تصنیف یا تفسیر نہیں بلکہ ''موسی جار اللہ'' کی تالیف ہے جس کے متعلق ان کا دعوی ہے کہ یہ حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی ''املائی تفسیر'' ہے ۔غلام مرتضی ایک غیر مقلد کے یہ کہنے کہ حضور فرماتے ہیں حی علی الصلوۃ ۔حی علی الفلاح کے بعد بھی دعا قبول ہوتی ہے (حزب الرسول ص ۵۰) بڑے سیخ پا ہوئے کہ یہ جھوٹ ہے حزب الرسول میں حضور نے کیسے فرمادیا (ملخصا کلمہ حق شمارہ ۴:ص ۳۱) تو جاہل یہ حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی تفسیر نہیں بلکہ ان کے شاگرد کی تالیف ہے ۔جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی اپنی کتاب نہیں تو اب ہم پر حجت نہیں یہ بات میں نہیں کہہ رہا بلکہ ضیغم رضاخانیت حسن علی رضوی اپنے مجموعہ مغلظات میں لکھتا ہے کہ:

''حدائق بخشش حصہ سوم کسی بھی سنی عالم کے نزدیک ہرگز معتبر و قابل حجت نہیں ۔کیوں اس لئے کہ حصہ سوم نہ تو سارے کا سارا سیدی اعلیحضرت ۔۔کے اشعار مبارکہ کا مجموعہ ہے نہ یہ اعلحضرت نے خود شائع فرمایا نہ آپ کی حیات طیبہ میں کسی نے لیا''۔

(قہر خداوندی:ص ۲۱۵)

اب ۔۔۔ثابت کرے کہ یہ تفسیر مولانا سندھیؒ نے خود شایع کی یا مولانا سندھیؒ کی حیات میں کسی مستند آدمی نے اس کتاب کو مستند کہا ہو۔دوسری بات مولانا سندھیؒ کے یہ شاگرد یعنی موسی جار اللہ اور ایک دوسرے شاگرد عبد اللہ لغاری ہمارے لئے قطعا حجت نہیں اور نہ ہی یہ کوئی معتبر لوگ ہیں ۔چنانچہ حضرت صوفی عبد الحمید خان سواتیؒ لکھتے ہیں کہ:

''مولانا عبید اللہ سندھی کی طرف منسوب اکثر تحریریں وہ ہیں جو املائی شکل میں ان کے تلامذہ نے جمع کی ہیں ۔مولانا کے اپنے قلم سے لکھی ہوئی تحریرات اور بعض کتب نہایت دقیق و عمیق اور فکر انگیز ہیں اور وہ مستند بھی ہیں ۔لیکن املائی تحریروں پر پورا اعتماد نہیں کیا جاسکتا ۔اور بعض باتیں ان میں غلط بھی ہیں جن کو ہم املا کرنے والوں کی غلطی پر محمول کرتے ہیں مولانا کی طرف ان کی نسبت درست نہ ہوگی''۔(مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے علوم و افکار:ص ۷۸)

یہ حوالہ کلمہ حق شمارہ ۶ میں ۔۔۔۔نے بھی دیا ہے ۔لہٰذا ان املائی تفاسیر میں جو بھی قرآن وسنت کے خلاف بات ہوگی اسے یا تو ان دونوں کی ذاتی خیالات کہا جائے گا یا اسے کاتب کی غلطی تصور کیا جائے گا ۔حضرت سواتیؒ مزید لکھتے ہیں کہ:

''پوری کتاب من وعن مولانا سندھیؒ کی طرف منسوب کرنا بڑی زیادتی ہوگی ۔اور اس کو اگر علمی خیانت کہا جائے تو بجا ہوگا کچھ باتیں اس کی مشتبہ اور غلط بھی ہیں جن کے مولانا سندھیؒ قائل نہیں تھے ۔اور نہ وہ باتیں فلسفہ ولی اللہی سے مطابقت رکھتی ہیں''۔

(عبید اللہ سندھیؒ کے علوم و افکار:ص ۶۸)

توم ۔۔۔رضوی صاحب انکار حیات عیسیٰ علیہ السلام بھی انہی غلط اور مشتبہ باتوں میں سے ایک بات ہے ۔اسی طرح ان کے ایک اور شاگرد عبد اللہ لغاری کی املائی تفسیر ''المقام المحمود'' بھی ہے جو گمراہیوں اور غلط عقائد کا مجموعہ ہے جس سے نیچریت صاف چھلکتی ہے اس کی

نسبت بھی حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف کرنا ہر گز درست نہیں۔حضرت سواتی صاحبؒ نے عبید اللہ سندھیؒ کے علوم وافکار:ص ۸۴ پر اس املائی تفسیر کو بھی غیر مستند مانا۔اور پھر یہ دونوں غیر مستند املائی تفاسیر تضادات کا مجموعہ ہے ایک ہی تفسیر میں ایک جگہ کچھ لکھا جبکہ دوسری تفسیر میں اسی مقام کی تفسیر بالکل الٹ لکھی گئی ہے لہٰذا اذا تعارضا تساقطا۔یہ تضاد وتعارض بھی اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ ان کتابوں کے مولفین نے خود اپنی ذہنی اختراعات کو ان کتابوں میں شامل کیا یا بعد کے لوگوں کی تدلیسات ہیں۔اگر می۔۔۔رضوی مطالبہ کرے تو انشاء اللہ ہم ان تضادات کی کئی مثالیں پیش کردیں گے فی الحال تو صفحات کی تنگی آڑے آرہی ہے۔

۔۔۔نے جو عبارت الہام الرحمن کی نقل کی ہے اس کے متعلق ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ یہاں موسیٰ جار اللہ کو حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا منشاء سمجھنے میں غلطی ہوئی وہ یوں کہ دراصل حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رفع الی السماء کا انکار نہیں فرمارہے ہیں بلکہ حضرت علیؓ کے رفع السماء پر اس آیت سے روافض کے استدلال کا رد کر رہے ہیں جسے شاگرد نے اپنی غلط فہمی کی بنیاد پر حیات عیسیٰ علیہ السلام کی نفی پر محمول کر کے اسے یہاں اپنے الفاظ میں نقل کر دیا ہماری اس توجیہ کا قرینہ خود عبارت میں موجود ہے وہ اس طرح کہ موسیٰ جار اللہ حضرت سندھیؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ اس آیت سے مع الجسد رفع الی السماء کا استدلال وعقیدہ فتنہ شہادت عثمانؓ کے بعد اس وقت وجود میں آیا جب خوارج نے حضرت علیؓ کو شہید کر دیا۔اور حفاظتی نکتہ نظر سے حضرت علیؓ کی قبر کو عوامی نظروں سے پوشیدہ رکھنا پڑا۔اور یہ استدلال وعقیدہ ان لوگوں کی ذہنی اختراع کا نتیجہ تھا جو یہودی وصابی تھے۔اگر اس پہلو سے عبارت کا جائزہ لیا جائے تو ظاہر ہے کہ حضرت علیؓ کے رفع الی السماء کی روایات کے ناقل وہی لوگ تھے جو یہودی وصابی تھے ورنہ ایک عام مسلمان کی طرف سے بھی اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا کہ وہ اسلام کے ایک متفقہ عقیدے کو یہودیوں کا عقیدہ قرار دے پھر عبید اللہ سندھیؒ جیسی شخصیت سے تو ہر گز اس کا تصور ممکن نہیں۔

مولانا عبید اللہ سندھیؒ کے مایہ ناز شاگرد اور عقیدہ حیات عیسیٰ علیہ السلام

حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے ان دو شاگردوں کے علاوہ قریبا حضرت سندھیؒ کے تمام قابل اعتماد شاگرد حیات عیسیٰ علیہ السلام کے قائل تھے جن میں پیش پیش حضرت شیخ القرآن مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں جن کو حضرت سندھیؒ نے بچپن میں ہی اپنی تربیت میں لے لیا تھا اور خود اپنے ہاتھ سے فراغت کی سند عطا کی بعد میں حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ سے نکاح بھی کیا گویا حضرت سندھی رحمۃ اللہ علیہ حضرت لاہوری کے استاد ہونے کے ساتھ ساتھ سوتیلے والد بھی تھے۔حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''حیات مسیح کے بارے میں مولانا عبید اللہ سندھی وہی عقیدہ رکھتے تھے جو دوسرے علماء دیوبند کا ہے۔مگر افسوس کہ موسیٰ جار اللہ اپنی بات مولانا سندھی کے نام سے کہہ کر لوگوں کو مغالطہ دے رہا ہے۔مولانا سندھی کے نظریات وعقائد وہی ہیں جو میں نے حاشیہ قرآن میں لکھ دئے ہیں''۔

(خدام الدین کا احمد علی لاہوریؒ نمبر:ص ۲۰۶)

اس حاشیہ تفسیر کا کیا مقام ہے علامہ خالد محمود صاحب کی زبانی سنئے:

''مولانا احمد علی صاحبؒ نے حضرت شاہ ولی اللہ اور مولانا عبید اللہ سندھی کی تعلیمات کی روشنی میں قرآن پاک کا ایک مختصر اور جامع حاشیہ تحریر فرمایا آپ نے اس میں سورت سورت اور رکوع رکوع کے عنوان خلاصے اور مقاصد نہایت ایجاز اور سادہ زبان میں ترتیب دئے جہاں جہاں مضمون ایک موضوع پر جمع دکھائے دئے ان کو موضوع دار اور طویل اور مفصل فہرست اپنے حاشیہ قرآن

سے بطور مقدمہ شامل فرمائی عصری تقاضہ تھا کہ اختلاف سے ہر ممکن پرہیز کیا جائے اس لئے آپ نے ترجمہ قرآن پر ہر مسلک کے علماء کی تائید حاصل کی آپ کی پوری کوشش تھی کہ قرآن پاک کا ایک مجموعہ حاصل قوم کے سامنے رکھ سکیں۔آپ جب یہ مسودے تیار کر چکے تو انہیں لیکر دیوبند پہنچے۔دیوبند میں ان دنوں محدث کبیر حضرت مولانا سید انور شاہ شیخ التفسیر حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا دور دورہ تھا۔آپ نے یہ سب مسودات ان حضرات کے سامنے رکھ دئے اور بتایا کہ انہوں نے یہ قرآنی محنت مولانا عبید اللہ سندھی ؒ کی تعلیمات کی روشنی میں سرانجام دی ہے مولانا سندھی ؒ پر چونکہ سیاسی افکار غالب تھے اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ خالص دینی نقطہ نظر سے بھی اس قرآنی خدمت کا جائزہ لیا جائے اگر اکابر دیوبند اس کی تصدیق فرمادیں تو وہ اسے شائع کر دیں گے وگرنہ وہ یہ مسودات یہی چھوڑ جائیں گے پھر ان کی انہیں کوئی حاجت نہیں ہوگی۔

اکابر نے ان کی تصدیق کی اور حضرت شیخ التفسیر مرکز دیوبند سے تصدیق لے کر لاہور واپس ہوئے اس ترجمے اور تحشیے کی نہ صرف اشاعت کی بلکہ درس وتدریس میں بھی قرآن کریم کا ذوق ہزاروں مسلمانوں کے دل ودماغ میں اتار دیا''۔

(خدام الدین کا شیخ التفسیر امام احمد علی لاہوری نمبر :ص۲۰۶)

ایسی مستند تفسیر کے مقابلے میں موسی جار اللہ اور عبد اللہ لغاری کی کیا حیثیت ہے؟ حضرت لاہوری کے علاوہ حضرت سندھی ؒ کے دیگر قابل اعتماد شاگرد مثلا: خواجہ عبد الحئی فاروقی (تفسیر الفرقان فی معارف القرآن :ج ۱:ص ۶۸۳ ،مولانا سلطان محمود صاحب ؒ (ضرورت رسالت: حصہ دوم)،مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی ؒ (قصص القرآن جلد چہارم :ص ۱۱۹) نے بھی حیات عیسیٰ علیہ السلام کو مندرجہ بالا حوالوں میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا،اب مولوی نصیر الدین سیالوی ہی کی زبانی:

''اگر سرفراز کی بات صحیح ہوتی تو حضرت گھوڑوی کے تلامذہ کو یہ بات معلوم ہوتی اور ان سے مخفی نہ رہتی''۔

(عبارات اکابر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ :ج ۱:ص ۵۱)

تو اگر سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا عقیدہ وہی ہوتا جو۔۔۔۔صاحب ثابت کرنا چاہتے ہیں تو یقیناً ان کے شاگردوں کو بھی یہ بات معلوم ہوتی اور اس عقیدے کا اظہار کرتے نہ کہ اس کے خلاف بیان کرتے۔

حیات عیسیٰ علیہ السلام پر حضرت سندھی ؒ کی اپنی تصریح

''فائدہ دوم! امام ولی اللہ دہلوی ؒ ''تفہیمات الٰہیہ'' میں فرماتے ہیں کہ مجھے اللہ تعالی نے بذیعہ الہام سمجھایا ہے کہ تجھ پر دو جامع اسموں کا نور منعکس ہوا ہے۔اسم مصطفوی اور اسم عیسوی علیہما الصلوت والتسلیمات تو عنقریب کمال کے افق کا سردار بن جائے گا اور قرب الٰہی کی اقلیم پر حاوی ہو جائے گا۔تیرے بعد کوئی مقرب الٰہی ایسا نہیں ہوسکتا جسکی ظاہری وباطنی تربیت میں تیرا ہاتھ نہ ہو۔یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں''۔

(رسالہ عبیدیہ اردو ترجمہ محمودیہ :ص ۲۷)

یہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے واضح طور پر نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ لکھا یہ تالیف ان کے آخری ایام ۱۳۳۹ھ کی ہے لہٰذا ان کی اپنی اس تحریر کے ہوتے ہوئے کسی غیر معتبر املائی تفسیر کی کوئی حیثیت نہیں۔

الزامی جواب

امام انقلاب حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ پر یہ اعتراض کوئی نیا اعتراض نہیں اور اس اعتراض کے جواب میں علمائے حق کی طرف سے کافی کچھ لکھا جاچکا ہے جس سے ہم نے بھی استفادہ کیا رسالے کی صفحات کی تنگی کی وجہ سے ہم نے انتہائی مختصر جواب دیا۔اب چند الزامی جوابات بھی سن لیں۔می۔۔۔نے جوعبارت پیش کی اس میں یہ امکان بھی ہے کہ یہ کسی کاتب کی غلطی ہو وصایا شریف اور حدائق بخشش کے متعلق بریلوی کہتے ہیں کہ کاتب بدمذہب وہابی تھا اس نے یہ حرکت کی تو ہم بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ کاتب کوئی بدمذہب رضاخانی تھا اسی نے یہ حرکت کی۔ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ عبارت کسی بدمذہب کی تدلیس ہو چنانچہ مولوی حنیف قریشی کا چیلہ امتیاز رضاخانی لکھتا ہے کہ:

''ملفوظات کے ذریعہ صاحب ملفوظ پر طعن نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اکثر صوفیاء سے منسوب ملفوظات میں رطب و یابس کی بھرمار ہے ان کی کوئی تاریخی اور یقینی حیثیت بھی نہیں''۔

(حاشیہ گستاخ کون:ص ۵۳۰:مطبوعہ پنڈی)

اور املائی کتب کی حیثیت بھی ملفوظات کی طرح ہی ہوتی ہے،اسی طرح مولوی محبوب لکھتا ہے کہ:

''شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبد العزیز صاحب کی تصنیفات وتحریرات سنیوں کو اسماعیل دہلوی اور دوسرے وہابیوں کے ذریعہ سے ان کے تغیر وتبدل کے بعد پہنچیں''۔

(کلمہ حق ۷:ص ۳۶)

تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس املائی تفسیر میں بھی کسی کی طرف سے تغیر وتبدل کا احتمال ہے اور احمد رضاخان اور سیالوی لکھتے ہیں کہ:

اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال ۔

(الامن والعلی:عبارات اکابر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ)

اور ایسا ہوجانا کوئی نئی بات نہیں چنانچہ شرح فقہ اکبر کے جو نسخے بیروت یا مصر سے چھپے ہیں اس میں ہے:

''لو کان عیسیٰ حیا ما وسعه الا اتباعی''

(شرح فقہ الاکبر:ص ۲۲۹۔دار الفکر وص ۳۲۵ دار البشائر بیروت)

کی عبارت لکھی ہوئی ہے ۔مرزائی اسی قسم کے نسخوں سے استدلال کرتے ہیں کہ دیکھو ملا علی قاریؒ بھی وفات عیسیٰ علیہ السلام کے قائل ہیں اس کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ یہ کاتب کی غلطی ہے یا تدلیس ہے مرزائیوں کی راہ پر چل کر یہی کام۔۔۔۔نے کیا تو جو جواب شرح فقہ اکبر کی اس عبارت کا مرزائیوں کو۔۔۔۔دے وہی ہماری طرف سے الہام الرحمن کے جواب میں کلمہ باطل کے حاشیہ پر لکھ لے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وفات عیسیٰ علیہ السلام فروعی مسئلہ ہے اعلی حضرت فاضل بریلی

نواب احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں:

''قادیانی صدہا وجہ سے منکر ضروریات دین تھا اور اس کے پس ماندے حیات و وفات عیسیٰ رسول اللہ علی نبینا لاکریم وعلیہ صلوات اللہ والتسلیمات اللہ کی بحث چھیڑتے ہیں جو ایک فرعی سہل خود مسلمانوں میں ایک نوع کا اختلافی مسئلہ ہے جنکا اقرار یا انکار کفر تو درکنار ضلال بھی نہیں''۔

(الجراز الدیانی ص ۵ مطبوعہ مصطفی فاؤنڈیشن لاہور بحوالہ کلمہ حق ص ۲۴ شمارہ ۹)

یہ کلمہ حق وہ رسالہ ہے جس کی تحقیق میں معترض صاحب کتاب بریلوی شامل ہیں اور ان کا یہی باب مضمون کی شکل میں بھی اس رسالے میں شائع ہو چکا ہے۔اب غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنے اعلیٰ حضرت پر بھی قادیانیت نوازی کا الزام لگائیں۔

حیات عیسیٰ علیہ السلام عجمی خیال وعقیدہ ہےعلامہ اقبال مرحوم پر بریلوی الزام

اسی کلمہ حق رسالے میں لکھا گیا:

''میرے نزدیک مہدی،مسیحیت اور مجددیت کے متعلق جو احادیث ہیں وہ ایرانی اور عجمی تخیلات کا نتیجہ ہیں عربی تخیلات اور قرآن کی صحیح سپرٹ سے اس کا کوئی سروکار نہیں''۔

(مکاتیب اقبال حصہ دوم ص ۲۳۰،۲۳۱،مرتبہ شیخ عطا محمد بحوالہ نظریہ پاکستان ص ۲۴۹ مولف چودھری حبیب احمد ادارہ نظریہ پاکستان فیصل آباد طبع اول ۱۹۶۹)

اب اہل بدعت ہی کی زبانی ہم کہتے ہیں:

''ڈاکٹر اقبال صاحب (جنہوں نے مہدی و مسیح علیہما السلام کے متعلق احادیث کے بارے میں یہ کہا کہ قرآن کی صحیح سپرٹ سے انکا کوئی سروکار نہیں) سمیت مذکورہ حضرات پر کیا حکم شرعی لازم آتا ہے؟ آپ کی مبنی پر انصاف رائے کا انتظار ہے''

(کلمہ حق ص ۱۷،شمارہ ۹)

(اعتراض ۱۵۳):دیوبندی اکابر کا اقرار حصول نبوت کیلئے تاریخی اقدامات کرنا (حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ پر الزامات)

موصوف معترض لکھتے ہیں:

قاسم نانوتوی کے پوتے قاری طیب نے اپنے دادا کی تعلیم کو مزید واضح کیا کہ ختم نبوت کا یہ معنی لینا کہ نبوت کا دروزہ بند ہوگیا یہ دنیا کو دھوکہ دینا ہے۔۔۔ختم نبوت کے معنی قطع نبوت نہیں بلکہ کمال نبوت اور تکمیل نبوت کے ہیں''۔

(خطبات حکیم الاسلام،ج ۲،ص ۴۹ طبع ملتان)

مزید لکھتے ہیں:

حضور کی شان محض نبوت ہی نہیں نکلتی بلکہ نبوت بخش بھی نکلتی ہے کہ جو بھی نبوت کی استعداد پایا ہوا فرد آپ کے سامنے آیا نبی ہوگیا۔

(آفتاب نبوت،ص ۸۲)

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف،ص ۱۳۳،۱۳۴)

جواب: خطبات حکیم الاسلام کا پورا مضمون اس طرح ہے:

''خاتم النبیین کا مطلب حاصل تو یہ نکلا کہ (نبی میں) صبر ہو،سخاوت ہو،چونکہ آپ خاتم الانبیاء ہیں اس واسطے اخلاق میں بھی خاتم الاخلاق ہیں کہ اخلاق کا وہ درجہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نہیں دیا گیا جو آپ ﷺ کو دیا گیا،علم کا جو درجہ دوسرے انبیاء کو دیا گیا اس سے دوگنا چوگنا

آپ ﷺ کو دیا گیا، آپ ﷺ کا جو مقام علم ہے وہ مقام دوسرے انبیاء علیہم السلام کو نہیں دیا گیا، جو مقام آپ ﷺ کے احوال کا ہے وہ دوسرے انبیاء کو نہیں دیا گیا۔۔۔اس لئے اور انبیاء علیہم السلام فقط نبی تھے آپ ﷺ فقط نبی نہیں تھے بلکہ خاتم النبیین تھے اور خاتم النبیین کا مطلب یہ ہے کہ نبوت علم اور اخلاق کے جتنے مراتب ہیں وہ سب آپ کی ذات بابرکات پر ختم ہو چکے ہیں۔آپ ﷺ سارے کمالات کے منتہیٰ ہیں۔آپ ﷺ کی ذات بابرکات پر آ کر سب کمالات کی انتہاء ہوگئی تھی گویا اب کوئی درجہ نبوت کا باقی نہیں رہا تھا کہ آپ کے بعد کوئی نبی آئے اور اس درجہ کو لیکر چلا جائے اور تبلیغ کرے۔آپ کی ذات بابرکات کے اوپر سارے مراتب ختم کر دئے گئے، اس لئے آگے نہ نبوت کی ضرورت تھی اور نہ شریعت کی ضرورت تھی تو آپ ﷺ کا دین خاتم الادیان تھا آپ ﷺ کی لائی ہوئی کتاب خاتم الکتب تھی آپ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت خاتم الشرائع تھی اور آپ ﷺ کی ذات خاتم الانبیاء تھی تو ختم نبوت کی وجہ سے ہر چیز کا انتہائی مقام آپ ﷺ کو عطا کیا گیا تھا، علم کا اخلاق کا، اور سارے کمالات کا، کیونکہ نبوت ختم ہو چکی تھی اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں تھا''۔

(خطبات حکیم الاسلام، ج ۱، ص ۱۲۱، ۱۲۲)

اللہ اکبر! کتنے وضاحت و صراحت کے ساتھ آپ ﷺ کی ختم نبوت کو ایک اچھوتے انداز میں بیان کیا جا رہا ہے۔آگے حضرت خود ہی ایک اشکال پیش کرتے ہیں کہ جب نبوت سب سے بڑی رحمت ہے اور آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں تو نبوت بند کیوں ہوگئی عقل کا تقاضہ تو یہ ہے کہ آپ کے بعد معاذ اللہ ہزاروں نبی آئے (یاد رہے کہ یہ مرزائیوں کا بہت مضبوط عقلی اعتراض ہے) اسی اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''جواب حاصل یہ ہے کہ ختم نبوت کے معنی قطع نبوت کے نہیں کہ نبوت قطع ہوگئی اور دنیا سے منقطع ہوگئی بلکہ ختم نبوت کے معنی تکمیل نبوت کے ہیں یعنی نبوت کامل ہوگئی اور ہر چیز کے کامل ہونے کے بعد کوئی درجہ باقی نہیں رہتا کہ وہ آئے اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے رات کا وقت ہے اور سارے ستارے چمکنے شروع ہوئے، غروب کے بعد ایک چمکا، دوسرا، تیسرا، ہزار لاکھ کروڑ دس کروڑ۔۔۔حتی کہ سارا آسمان جگمگا اٹھا آسمان ستاروں سے بھرا ہوا ہے اور چاند بھی نکلا ہوا ہے تو چاند ستارے تو نور پھیلا رہے ہیں لیکن رات نہیں جاتی دن نہیں ہوتا، رات کی رات رہتی ہے، سب نے مل کر کتنی روشنی دی مگر رات موجود ہے اور رات نہیں جاتی آفتاب کے آنے کا جب وقت ہوا تو ابھی نکلا نہیں تھا صرف پو پھٹی تھی کہ بس صبح صادق نے اطلاع دے دی کہ آفتاب آ رہا ہے، بس خبر آئی تھی کہ اندھیرا غائب ہونا شروع ہوا اور دنیا میں چاندنا ہو گیا ایک ہی ستارے نے (یعنی سورج نے) آ کے سارے جہاں کو چمکا دیا یعنی وہ تو لاکھوں کروڑوں مل کر روشنی ڈال رہے تھے، مگر رات کو زائل نہیں کر سکے، دھکا نہیں دے سکے رات کی رات ہی رہی اور ایک ستارہ ایسا نکلا کہ اس نے آ کر ساری رات کو دھکیل دیا، پورے عالم میں چاندنا ہو گیا۔اگر آفتاب یوں کہے کہ انا خاتم الانوار میں نے سارے انوار کو ختم کر دیا سارے انوار میری ذات پر ختم ہیں میرے آنے کے بعد اب کسی ستارے کی ضرورت نہیں اور نہ اب کوئی نیا ستارہ آنے والا ہے اس لئے کہ میں اتنا کامل نور لیکر آیا ہوں کہ اب کسی ستارے کی حاجت نہیں، جو موجود تھے ان کا بھی نور ماند پڑ گیا، ان کے نور بھی غائب ہو گئے اور اب وہ نمایاں ہونے کے قابل نہیں ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آفتاب نے ستاروں کا نور چھین لیا ہے وہ تو منور ہیں مگر آفتاب کی تیزی اور چمک کے سامنے ان کی چمک ماند ہے وہ نظر نہیں آتے ایسے وقت میں آفتاب یوں کہے انا خاتم الانوار کہ میں ہوں خاتم انوار سارے انوار اور ساری چمکیں مجھ پر ختم ہوگئی ہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اب نور کا کوئی ایسا درجہ باقی نہیں ہے کہ کوئی اور ستارہ آئے اور نور پھیلائے اب مغرب کے وقت تک میں اکیلا ہی کافی ہوں کسی

ستارے کے آنے کی ضرورت، ہاں یہ دن ہی ختم ہوجائے اور جہاں ہی ختم ہوجائے تو یہ الگ بات ہے لیکن جب تک یہ دن موجود ہے کسی ستارے کی حاجت نہیں ہے اس لئے کہ انوار میری ذات کے او پر ختم ہو گئے ۔تو کیا آفتاب کے انا خاتم الانوار کہنے کا یہ مطلب ہوگا کہ نور ختم ہوگیا؟ نور مٹ گیا؟ دنیا سے اندھیرا چھا گیا؟ یا یہ مطلب ہوگا کہ نور کے ختم ہونے کا کہ نور کے مراتب ختم ہو گئے کامل ہو گئے ۔۔۔اب کسی دوسرے ستارے کے آنے کی ضرورت نہیں دوسرے چمک کی حاجت نہیں ہے ۔تو ختم انوار کے معنی قطع انوار کے نہیں بلکہ تکمیل انوار کے ہیں کہ نور کامل ہوگیا اور اب کسی اور نور کی ضرورت نہیں ہے۔

آفتاب نبوت کا طلوع: اسی طرح سمجھ لیجئے کہ نبوت ایک آسمان ہے سب سے پہلے نور کا ستارہ حضرت آدم علیہ السلام کا چمکا اور اس نے آگے نور پھیلایا اس کے بعد نوح علیہ السلام کے نور کا ستارہ چمکا، پھر حضرت ہود علیہ السلام، پھر حضرت صالح علیہ السلام کا اور (ثم ارسلنا رسلا تترا) پھر پے در پے انبیاء علیہم السلام آنے شروع ہوئے ،ابراہیم علیہ السلام آرہے ہیں ،موسیٰ علیہ السلام آرہے ہیں ۔پھر موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہزاروں پیغمبر بنی اسرائیل میں سے آرہے ہیں گو یا آسمان نبوت ستاروں سے بھر گیا مگر دنیا میں چاندنا نہ ہوا یعنی دن نہ نکلا رہی رات کی رات ۔پھر فاران کی چوٹیوں سے صبح صادق علیہ السلام کا طلوع ہوا اس نے خبر دی کہ آفتاب نبوت آنے والا ہے ابھی آیا نہیں تھا خبر آئی تھی کہ دنیا میں چاندنا پھیلنا شروع ہوگیا،ستارے گل ہونا شروع ہو گئے اور آفتاب نے نکلتے ہی اعلان کیا کہ اب میں آچکا ہوں ،اب کسی ستارے کی حاجت نہیں ہے میرا نکلنا ہی کافی ہے ۔ پوری دنیا کیلئے اب کافی ہوں ،نبوت ختم ہوگئی یعنی مراتب میری ذات پر منتہیٰ ہو گئے ،کامل ہو گئے مزید نبوت کو پھیلانے کی اب کوئی وجہ باقی نہیں اور اب کسی کو نبی بنا کر نہیں لایا جائے گا اب میری نبوت غروب آفتاب تک کام کرے گی ۔ یہاں تک کہ صبح قیامت طلوع ہوجائے اور یہ دن ختم ہوجائے اس کے بعد اللہ کو اختیار ہے دنیا بنائے یا نہ بنائے یا سب کو جنت میں رکھے ۔مگر جب تک یہ دنیا قائم ہے ۔میں آفتاب نبوت ہوں میرا انور کافی ہے ۔میرے بعد بڑے بڑے لوگ آئیں گے مگر ان کے راستے سے بھی میری نبوت کا نور چمکے گا۔

انوار نبوی ﷺ کے ظہور کی صورتیں: محدثین آئیں گے تو ان کے راستے سے میری نبوت کا نور ظاہر ہوگا،فقہاء آئیں گے ابوحنیفہ،مالک ،شافعی رحمہم اللہ وغیرہ ان سب کے اندر سے میرے انوار ظاہر ہوں گے خود ان کا کوئی نور نہیں ہوگا سب سے میری نبوت کا نور چمکے گا کسی طبقے سے میرے علم کا نور نمایاں ہوگا کسی طبقے سے میرے اخلاق کا نور نمایاں ہوگا کسی طبقے سے میرے زہد وقناعت کا نور نمایاں ہوگا سب میرے انوار کو ظاہر کریں گے اور ایک میری نبوت قیامت تک کافی ہوگی اس کیلئے آئینے آتے رہیں گے ان میں سے وہ نور چھنتا رہے گا چمکتا رہے گا دنیا کو روشنی ملتی رہے گی نبوت کی اس لئے ضرورت نہیں کہ نبوت کے سارے درجات میرے او پر ختم ہو گئے تو یہاں ختم نبوت کا یہ معنی لینا کہ نبوت کا دروازہ بند ہوگیا یہ دنیا کو دھوکا دینا ہے بلکہ نبوت مکمل ہوگئی اور وہی کام دے گی قیامت تک ۔۔۔نہ یہ کہ نبوت منقطع ہوگئی اور دنیا میں اندھیر پھیل گیا، نہ علم رہا نہ اخلاق رہے،تو یہ معنی نہیں کیا گیا اس لئے دھوکہ میں نہ پڑا جائے ختم نبوت کے معنی قطع نبوت کے نہیں بلکہ کمال نبوت اور تکمیل نبوت کے ہیں ۔آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں یعنی آپ ﷺ پر مراتب نبوت ختم ہو گئے ہیں ۔اب جتنے بھی مجدد آئیں گے محدث آئیں گے آئمہ آئیں گے صلحا وشہدا آئیں گے اور مجاہدین آئیں گے ۔۔۔سب کے اندر ایک ہی نور کام کرے گا سب پیکر ہوں گے اور ان سب پیکروں سے ایک ہی نور ظاہر ہوگا ۔تو گویا ایک ذات اللہ نے ایسی پیدا کی کہ اس کے انوار و برکات سے پچھلوں کو نبوتیں ملتی گئیں اگلوں کو ولایتیں ملتی چلی گئیں پہلے نبی بنتے گئے بعد والے ولی بنتے چلے گئے تو ولایت بھی وہیں سے چلی نبوت بھی وہیں سے چلی ۔تو اللہ کی طرف

سے آپ ﷺ ایک نکتہ خیر ہیں کہ پچھلے انبیا کی نبوتیں درحقیقت آپ ﷺ کی نبوت سے مستفیض ہیں آپ ﷺ کی نبوت سے فائدہ اٹھاتے رہے اور بعد میں آنے والے لوگ آپ ﷺ کے کمالات سے ولی مجدد اور محدث بنتے چلے گئے“۔

(خطبات حکیم الاسلام، ج،ص ۱۲۴)

سیاق وسباق کے ساتھ مسئلہ بالکل نکھر گیا۔حضرت نے کتنے پرزور دلائل سے حضور ﷺ کی ختم نبوت کو ثابت کیا معترض نے ادھوری عبارت نقل کرکے انتہائی دجل سے کام لیا جو عبارت اس نے نقل کی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ معاذ اللہ نبوت منقطع نہیں ہوئی نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا تو نئے نبی آئیں گے معاذ اللہ بلکہ ان عبارت کو سیاق وسباق کے ساتھ ملا کر صاف یہ مطلب نکلتا ہے کہ نبوت کے جو انوارات اور کمالات تھے وہ دنیا سے ختم نہیں ہوگئے وہ منقطع نہیں ہوگئے بلکہ حضور ﷺ کی ختم نبوت کے برکت سے وہ کمالات وانوارات مختلف صورتوں میں آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔

آفتاب نبوت کی عبارت میں بھی بدترین دجل کا مظاہرہ کیا گیا ہے،حضرت تو یہاں حضور ﷺ کی امامت کی بات کررہے ہیں آپ کے امام الانبیاء ہونے کو ثابت کررہے ہیں اور آپ ﷺ کو نبوت میں اصل الاصول ثابت کررہے ہیں کہ چونکہ آپ ﷺ اول النبیین بھی ہیں اس لئے تمام انبیا کی نبوت آپ ﷺ ہی کا فیض ہے اس پر آفتاب ونجوم کی مثال دینے کے بعد فرماتے ہیں:

> ”حضور کی شان محض نبوت ہی نہیں نکلتی بلکہ نبوت بخش بھی نکلتی ہے کہ جو بھی نبوت کی استعداد پایا ہوا فرد آپ کے سامنے آگیا نبی ہوگیا اور اسی طرح نور نبوت آپ ہی سے چلا اور آپ ہی پر لوٹ کر ختم ہوگیا اور یہی شان خاتم کی ہوتی ہے کہ اسی سے اس کے وصف خاص کی ابتدا بھی ہوتی ہے اور اسی پر انتہا بھی ہوجاتی ہے“۔

(آفتاب نبوت،ص ۸۲ ادارہ اسلامیات)

آگے پھر وہ دلائل دئے ہیں جس سے آپ ﷺ کا اول النبیین ہونا ثابت ہوتا ہے۔تو اس سے مراد یہ نہیں کہ معاذ اللہ آپ ﷺ کے بعد بھی نبی آئیں گے بلکہ مقصود یہ ہے کہ آپ ﷺ سے پہلے جو نبوت کے مقام پر پہنچا آپ ﷺ ہی کے فیض سے پہنچا اور چونکہ آپ کے آنے پر نبوت کا یہ سلسلہ کمال کو پہنچ گیا لہٰذا اب کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں اور آپ ﷺ کے بعد کوئی نیا نبی نہیں آئے گا۔



بریلویت اور قادیانیت نوازی

نوٹ: یہ تمام حوالہ جات ما قبل میں بریلوی اصولوں کو سامنے رکھ کر پیش کئے جا رہے ہیں۔

نبوت جاری ہے معاذ اللہ

مولوی حیدر اللہ خان درانی بریلوی لکھتا ہے:

''حدیث لانبی بعدی کے معنی: ہاں حدیث لانبی بعدی صحیح ہے لیکن اس کے معنی علماء کے نزدیک یہی ہیں کہ آنحضرت ﷺ کے بعد کوئی نبی تشریعی نہیں آئے گا جو تحریم و تحلیل کے متعلق کوئی جدید شریعت بجز شریعت نبوی ﷺ لائے''۔

(عقیدہ ختم نبوت، ج ۳، ص: ۲۹۵)

یہی دعوی مرزا غلام احمد قادیانی کا تھا چنانچہ وہ کہتا ہے:

''پس ہم نبی ہیں ہاں یہ نبوت تشریعی نہیں جو کتاب اللہ کو منسوخ کرے اور نئی کتاب لائے ایسے دعوی کو تو ہم کفر سمجھتے ہیں''۔

(ملفوظات، ج ۱۰، ص ۱۲۷ مطبوعہ ربوہ)

مرزا قادیانی کی خدمات کو خراج تحسین

بریلوی فدائے ملت مولوی حبیب بریلوی انتہائی پرزور طریقے سے اسلام کیلئے مرزا غلام احمد قادیانی کی خدمات کو یوں بیان کرتا ہے:

''مسلمانوں کو بہکانے کیلئے عیسائیوں نے دین حقہ اسلام اور اس کے بانی ﷺ پر بے پناہ حملے شروع کر دئے جن کا جواب دینے والا کوئی نہ تھا، آخر زمانے نے تین آدمی ان کے مقابلے کیلئے پیدا کئے۔۔۔مسلمانوں میں سرسید نے سپر سنبھالی اور ان کے بعد مرزا غلام احمد اس میدان میں اترے۔۔۔۔مذہبی حملوں کا جواب دینے میں البتہ سرسید کامیاب نہ ہوئے۔۔۔اس وقت مرزا غلام احمد میدان میں اترے اور انہوں نے مسیح پادریوں اور آریا اپدیشکوں کے مقابلے میں اسلام کی طرف سے سینہ سپر رہنے کا تہیہ کرلیا، میں مرزا صاحب کے ادعائے نبوت وغیرہ کی قلعی کھول چکا ہوں، لیکن بقول یہ کہ۔ع

عیب می جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

مجھے یہ کہنے میں ذرا باک نہیں کہ مرزا صاحب نے اس فرض کو نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے ادا کیا اور مخالفین اسلام کے دانت کھٹے کر دئے۔اسلام کے متعلق ان کے بعض مضامین لاجواب ہیں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ مرزا صاحب اپنی کامیابی سے متاثر ہو کر نبوت کا دعوی نہ کرتے تو ہم انہیں زمانہ حال میں مسلمانوں کا سب سے بڑا خادم مانتے لیکن افسوس کہ جس کی ابتدا اچھی تھی انتہا وہ نہ رہی جو ہونا چاہئے تھی''۔ (ملخصا)

(تحریک قادیان، ص ۱۶۹ بحوالہ ختم نبوت، ج ۱۰، ص ۴۳۷، ۴۳۹)

ظلی نبوت کا مرزائی عقیدہ

پیر جماعت علی شاہ کے رسالے میں ظلی نبوت کی اصطلاح استعمال کی گئی شاید اسی سے متاثر ہو کر مرزا قادیانی نے ظلی نبوت کا دعوی کیا

ملاحظہ ہو:

''آنحضرت ﷺ کی سچی تعلیم اور اضافہ برکات سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوسکتا ہے کہ جو شخص آپ کی کامل اتباع کرتا ہے اسے خداوند تعالیٰ ظلی نبوت کے انوار سے منور فرما کر دین محمدی کی حمایت کیلئے مامور کرتا ہے اور ایسے بزرگ ہر زمانے میں موجود رہے ہیں اور رہیں گے جن کو آنحضرت نے علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل فرمایا ہے''

(انوار صوفیہ ستمبر ۱۹۰۷ ص ۱۲، ۱۳ اوتردید نبوت قادیانی ص ۲۲۱ بحوالہ عقیدہ ختم نبوت ج ۱۵ ص ۴۶۴، ۴۶۵)

نوٹ: چونکہ بریلوی حضرات ہر کام میں نقل مار اور چور ہیں اس لئے علمائے دیوبند کی طرف سے احتساب قادیانیت کے طرز پر نقل اور چوری مارتے ہوئے اپنے لوگوں کی قادیانی کے خلاف تحریروں کو ایک مجموعے ''عقیدہ ختم نبوت'' کے نام سے کئی جلدوں پر شائع کروایا اور اس میں اضافہ جاری ہے یہ تمام حوالہ جات بریلویوں کی اسی مستند مجموعہ سے لئے گئے ہیں۔

بروزی وظلی نبوت کا مرزائی ورضاخانی تصور

مرزا غلام احمد قادیانی لکھتا ہے:

''جب کہ میں بروزی طور پر آنحضرت ﷺ ہوں اور بروزی رنگ میں تمام کمالات محمدی مع نبوت محمدیہ میرے آئینہ ظلیت میں منعکس ہیں تو پھر کون سا الگ انسان ہوا جس نے علیحدہ طور پر نبوت کا دعویٰ کیا''

(ایک غلطی کا ازالہ، ص ۱۰)

مرزا قادیانی نے یہ عقیدہ نواب احمد رضا خان سے لیا ہے بریلویوں کا بعینہ یہی عقیدہ پیران پیر حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کیلئے ہے۔ ملاحظہ ہو:

''حضور پر نور سیدنا غوث اعظم، حضور اقدس وانور سید عالم ﷺ کے وارث کامل ونائب تام وآئینہ ذات ہیں کہ حضور پر نور ﷺ مع اپنی جمیع صفات (جس میں نبوت بھی شامل ہے) جمال وجلال وکمال وافضال کے ان میں متجلی ہیں''۔

(فتاوی افریقہ، ص ۹۷)

مرزا قادیانی کے پیچھے کیوں پڑ گئے وہ تو صراط مستقیم پر ہے

بریلوی استاذ العماء فیض احمد گولڑوی چشتی لکھتا ہے:

''صوفی شاعر حضرت خواجہ فرید چشتی رحمۃ اللہ علیہ بھی ابتداء میں مرزا صاحب کے متعلق بہت حسن ظن رکھتے تھے خواجہ صاحب ۱۸۴۰ میں پیدا ہوئے اور حضرت قبلہ عالم قدس کے قادیانی معرکہ لاہور کے قریب ایک سال بعد ۱۹۰۱ء میں انتقال فرما گئے۔ مرزا صاحب نے انہیں دعوت نامہ بھیجا تھا کہ بروئے الہام الٰہی میں تبلیغ دین کے کام پر مامور ہوا ہوں آپ میری اعانت فرمائیں اس پر خواجہ صاحب نے اپنے جواب میں اعانت فی الدین کا وعدہ کرتے ہوئے مرزا صاحب کی شان میں تعریفی کلمات تحریر فرمائے آپ کے ملفوظات اشارات فریدی میں مذکور ہے کہ جب علماء نے مرزا صاحب کے خلاف لکھنا شروع کیا تو خواجہ صاحب نے فرمایا یہ شخص حمایت دین پر کمر بستہ ہے علماء تمام مذاہب باطلہ چھوڑ کر ایک نیک آدمی کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں حالانکہ وہ اہل سنت والجماعت سے ہے اور صراط مستقیم پر ہے''۔

(مہر منیر، ص ۲۰۴،۲۰۵)

مرزائی خلیفہ کو سلام و اکرام

پیر مہر علی شاہ صاحب مرزا قادیانی کے اول نائب حکیم نورالدین کے خط کے جواب جو ۲۰ فروری ۱۹۰۰ میں آیا تھا یوں اس کے القاب لکھ کر جواب دیا:

''معظمی ومکرمی جناب مولوی نورالدین صاحب وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ''۔

(سیف چشتائی، ص ۳۵۶)

مرزائیوں کیلئے اللہ کی رحمت وسلامتی کی دعائیں تم کرو، معزز ومکرم تم جانو اور اعتراض ہم پر؟

بریلویوں کا سید ولد آدم سید الانس والجان

ہر مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ سید الانس والجان سید ولد آدم علیہ السلام ہیں۔ انسانوں اور جنات کے سردار بلکہ تمام کائنات کے سردار نبی کریم ﷺ ہیں مگر بریلویوں کا عقیدہ ہے کہ یہ لقب ان کے مذہب کے بانی جناب نواب احمد رضا خان صاحب کا ہے چنانچہ نواب صاحب کے ایک مرید ان کو یہ لقب دیتے ہیں:

''حضرت سید ولد آدم علیہ السلام وسید الانس والجان روحی فداہ''۔

(فتاوی رضویہ، ج ۱۷، ص ۱۷۷)

اگر یہی القاب مرزائی اپنے مرزا قادیانی کو معاذ اللہ دے دیں تو اصولاً رضا خانیوں کو ناراض نہیں ہونا چاہئے یہ تعلیم تو انہیں تمہاری کتب سے ملیں گی۔

بریلوی اور مرزائی عقائد میں مماثلت

مرزا کا بیٹا مرزا بشیر احمد لکھتا ہے:

''بیان کیا مجھ سے میاں عبد اللہ صاحب سنوری نے کہ ایک دفعہ یہ ذکر تھا کہ یہ جو چہلم کی رسم ہے یعنی مردے کے مرنے سے چالیسویں دن کھانا کھلا کر تقسیم کرتے ہیں، غیر مقلد اس کے بہت مخالف ہیں اور کہتے کہ اگر کھانا کھلانا ہو تو کسی اور دن کھلا دیا جائے، اس پر حضرت نے فرمایا کہ چالیسویں دن غرباء میں کھانا تقسیم کرنے میں یہ حکمت ہے کہ یہ مردے کی روح کے رخصت ہونے کا دن ہے، پس جس طرح لڑکی کو رخصت کرتے ہوئے کچھ دیا جاتا ہے اسی طرح مردے کی روح کی رخصت پر بھی غرباء میں کھانا دیا جاتا ہے، تا کہ اسے اس کا ثواب پہنچے، گویا روح کا تعلق اس دنیا سے پورے طور پر چالیس دن میں قطع ہوتا ہے''۔

(سیرت المہدی ج ۱ ص ۱۶۷،۱۶۸)

بریلوی مناظر غلام مہر علی آف چشتیاں نے اپنی کتاب ''دیوبندی مذہب''، مطبوعہ تنظیم اہلسنت کے ص ۵۰۲ سے ۵۰۸ پر یہ کوڑھ مغزی کی ہے کہ مرزائی بھی علم غیب اور حاضر و ناظر شیخ سدو کے بکرے کی نیاز کے منکر ہیں اور یہی عقائد دیوبندیوں کے بھی ہیں لہذا اس اصول سے دیوبندی مرزائی معاذ اللہ ایک ہیں۔ پس اسی اصول سے بریلوی بھی چالیسواں کرتے ہیں اور مرزائی بھی لہذا یہ دونوں ایک ہی ہیں۔

اسی اصول کے تحت یہ عقیدہ بھی ملاحظہ ہو کہ بریلوی نبی کیلئے علم غیب کا ہونا ضروری مانتے ہیں یہی عقیدہ مرزا غلام احمد قادیانی کا تھا چنانچہ وہ لکھتا ہے:

''قرآن بجز نبی بلکہ رسول ہونے کے دوسروں پر علوم غیبیہ کا دروازہ بند کرتا ہے جیسا کہ آیت لا یظھر علی غیبہ احدا الامن ارتضی من رسول سے ظاہر ہے پس مصفی غیب پانے کیلئے نبی ہونا ضروری ہوا''۔

(حاشیہ ایک غلطی کا ازالہ بحوالہ تاریخ احمدیت، ج ۳ ص ۱۹۴)

پیر مہر علی شاہ اولا مرزا قادیانی کے حامی تھے

مرزائی مورخ لکھتا ہے:

''پیر صاحب (گولڑوی)۔۔۔انہیں حضرت مسیح موعود سے ابتداء ایک گونہ عقیدت بھی تھی چنانچہ ۱۸۹۴۔۹۷ کی بات ہے کہ ان کے ایک مرید بابو فیروز علی صاحب اسٹیشن ماسٹر گولڑہ نے (جو بعد از اں حضرت اقدس کی بیعت میں داخل ہو گئے) جب ان سے حضور کی بابت رائے دریافت کی تو انہوں نے با تامل جواب دیا'' امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض مقامات منازل سلوک میں ایسے ہیں کہ وہاں اکثر بندگان خدا پہنچ کر مسیح ومہدی بن جاتے ہیں بعض ان کے ہمرنگ ہو جاتے ہیں یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ شخص منازل سلوک میں اس مقام پر ہے یا حقیقتا وہی مہدی ہے جس کا وعدہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت سے کیا ہے مذاہب باطلہ کے واسطے یہ شخص شمشیر براں کا کام کر رہا ہے اور یقینا تائید یافتہ ہے''۔

(تاریخ احمدیت، ج ۳ ص ۱۳۳،۱۳۴)

علمائے دیوبند کو بدنام کرنے کیلئے بریلوی مرزائی کتب کے حوالے دیتے ہیں کہ دیکھو اپنی تائید میں مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو پیش کر دیا یہ حوالہ اسی اصول کے تحت دیا گیا ہے۔

ختم نبوت کے منکر اور قادیانی بریلویوں کے نزدیک مسلمان ہیں معاذ اللہ

مظہر اعلی حضرت ابو الفتح جناب حشمت علی رضوی اپنے ہی ہم مسلک صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی کو مخاطب کر کے ان کی سنی کانفرنس کا حال یوں بیان کرتے ہیں:

''سنی کانفرنس کے اراکین جو بڑے بڑے مشہور سنی عالم تھے انہوں نے اب یہ روش اختیار کر لی ہے کہ وہابی دیوبندی غیر مقلد رافضی خارجی آغا خانی قادیانی نیچری وغیرہم کسی بدمذہب ومرتد فرقے کے عقائد کفر وضلال کا قطعا رد وابطال نہیں فرماتے ۔بلکہ ۔۔۔اللہ عزوجل کا کذب وجہل وظلم وسرقہ وشراب خواری وغیرہ ہر عیب ونقصان سے وجوبا پاک ومنزہ ہونا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اقدس کا ملک الموت علیہ الصلوۃ والسلام وشیطان ملعون کے علم سے بلکہ اللہ عزوجل کی تمام مخلوقات کے جملہ مجموعی علم سے ازید واوسع ہونا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو انکے چاہنے والے رب کریم کی عطا سے ایسا عظیم ووسیع علم غیب حاصل ہونا جو جملہ ما کان من بدء الخلق وما یکون الی یوم القیامۃ کے ہر ہر ذرے ہر ہر قطرے ہر ہر پتے ہر ہر ریزے کو بھی محیط ہے جو ہرگز بچوں، پاگلوں، جانوروں، چوپائیوں کے علم کے مثل نہیں بلکہ اللہ تعالی کے سارے بندوں کے تمام علوم سے اشرف و افضل واعلی جن میں دیوبندیوں کو اختلاف ہے ۔۔۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو قرآن عظیم میں خاتم النبیین فرمایا اس وصف کریم

سے اس کے یہی معنی مراد ہونا کہ حضور اقدس ﷺ کے مبعوث ہوجانے کے بعد اب کسی اور کو قیامت تک نبوت نہیں مل سکتی اور حضور اکرم ﷺ سب سے پچھلے نبی ہیں اور جو شخص حضور انور ﷺ کے بعد کسی اور جدید نبی کو ماننے یا کسی نئے نبی کے پیدا ہونے کو حضور ﷺ کے خاتم الانبیاء ہونے کا منافی اور مخالف نہ مانے اس کا قطعی یقینی مرتد ہونا جن میں دیوبندیوں، قادیانیوں، بابیوں، بہائیوں، صدیق دیندار کہلانے والے زندیق چن بسویشور اوتار کے مرتد بیدین چیلوں کو اختلاف ہے ۔۔۔اب سنی کانفرنس کے مشہور سنی عالم دین کہلانے والے حضرات اراکین نے اس قسم کے تمام مسائل ضروریہ دینیہ ایمانیہ وارشادات قرآنیہ ربانیہ کا بھی تذکرہ قطعا چھوڑ دیا ہے جن میں کسی مسلمان کہلانے والے فرقہ کو اختلاف ہے کیونکہ اس قسم کے ضروری دینی مسائل کو بیان فرمانے سے اندیشہ ہے کہ مسلمان کہلانے والے یہ فرقے ناراض ہوجائیں اور مسلم لیگ کو ووٹ نہ دیں ۔جس کا صاف مطلب یہی ہوا کہ آل انڈیا سنی کانفرنس کے مشہور سنی عالم کہلانے والے اراکین صاحبان نے بھی مسٹر جینا اور مہاراجہ محمود آباد صاحبان سے اسی مسلک ومشرب پر عمل کرنے کا بپتسما پالیا ہے کہ جتنے فرقے مسلمان کہلاتے ہیں وہ سب مسلمان ہیں ان میں باہم ہرگز کوئی تفریق کسی طرح کی تخصیص جائز نہیں ۔۔۔مشہور سنی عالم کہلانے والے اراکین سنی کانفرنس نے بھی اب ساڑھے تیرہ سو برس پیشتر والے دین اسلام کے عقائد ومسائل بیان فرمانے کو مضر اور نقصان رساں سمجھ کر ترک فرمادیا ہے کیونکہ ان سے نااتفاقی پھیلتی ہے"۔

(ستر باادب سوالات ص ۹۵ تا ۹۷)

اس سنی علماء کانفرنس میں پانچ ہزار بریلوی علماء ومشایخ شامل تھے گویا ان پانچ ہزار کے نزدیک معاذ اللہ قادیانی اور منکرین ختم نبوت مسلمان ہیں اور انہیں کافر کہہ کر امت مسلمہ میں تفریق ڈالنا جائز نہیں ۔استغفر اللہ! اس سب کے باوجود بھی یہ کہتے ہوئے آپ لوگوں کو شرم نہیں آتی کہ پارلیمنٹ میں ہم نے مرزائیوں کو کافر قرار دلوایا؟



دفاع
اہل السنّۃ والجماعۃ

باب ہفتم

علمائے اہل سنت پر ''ہندونوازی'' کا الزام اور اس کا جواب

مؤلف
مناظر اہل سنت
حضرت مولانا ساجد خان نقشبندی حفظہ اللہ

باہتمام
حضرت غازی مفتی ندیم صاحب زید مجدہ
شعبہ نشر واشاعت
جمعیۃ اہل السنۃ والجماعۃ

باب ھفتم

علمائے اہل سنت پر ”ہندونوازی“ کاالزام اوراس کاجواب

(اعتراض ۱۵۴): کرشن ورام چندر کی نبوت اور ہندومذہب کی صداقت

اس عنوان کے تحت معترض نے افادات قاسمی اورسوانح قاسمی سے ایک اقتباس نقل کیا ہے ہم اصل کتاب سے وہ مکمل مضمون نقل کررہے ہیں۔

”ہمارا یہ دعوی نہیں کہ اورمذاہب اورادیان بالکل ساختہ اور پرداختہ بنی آدم ہیں بطورجعلسازی ایک دین بنا کر خدا کا نام لگا دیا،نہیں ۔دومذہبوں کوتو یقینا ہم دین آسمانی سمجھتے ہیں ایک دین یہود اور دوسرا دین نصاری۔ ہاں اتنی بات ہے کہ بوجہ تحریف بنی آدم کے رائے کی آمیزش بھی ان دونوں دینوں میں ہوگئی ہے ۔باقی رہا دین ہنود اسکی نسبت اگر چہ ہم یقینا نہیں کہہ سکتے کہ اصل سے یہ دین بھی آسمانی ہوگی، یقینا یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ یہ دین اصل سے جعلی ہے، خدا کی طرف سے نہیں آیا۔کیونکہ اول تو قرآن شریف میں یہ ارشاد ہے ان من امۃ الاخلا فیھا نذیر جسکے یہ معنی ہیں کہ کوئی امت یعنی گروہ عظیم ایسی نہیں جس میں کوئی ڈرانے والا نہ گزرا ہو۔پھر کیونکر کہہ دیجئے کہ اس ولایت ہندوستان میں جو ایک طویل وعریض ولایت ہے کوئی ہادی نہ پہنچا ہو۔کیا عجب کہ جس کو ہندو مذہب اوتار کہتے ہیں اپنے زمانے کے نبی یا ولی یعنی نائب نبی ہوں ۔دوسرے قرآن شریف میں یہ بھی ارشاد ہے منھم من قصصنا علیك ومنھم لم نقصص علیك جسکا حاصل یہ ہے کہ بعض انبیاء کا قصہ تو ہم نے تجھ سے بیان کر دیا ہے اور بعضوں کا قصہ بیان نہیں کیا۔سوکیا عجب ہے کہ انبیاء ہندوستان بھی انہی نبیوں میں سے ہوں جن کا تذکرہ آپ سے نہیں کیا گیا ہے۔ یہ بات کہ اگر ہندوؤں کے اوتار انبیاء واولیاء ہوتے تو دعوی خدائی نہ کرتے ادھر افعال ناشائستہ مثل زنا چوری وغیرہ ان سے سرزد نہ ہوتے ،حالانکہ اوتاروں کے معتقد یعنی ہندو ان دونوں باتوں کے معتقد ہیں جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ دونوں باتیں بے شک ان سے سرزد ہوئیں۔سو اس شبہ کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف دعوی خدائی نصاری نے منسوب کر دیا ہے اور دلائل عقلی ونقلی اس کے مخالف ہیں ایسے ہی کیا عجب کہ سری کرشن اور سری رام چندر کی طرف یہ دعوی بدروغ منسوب کر دیا ہو جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بدلالت آیت قرآنی اور نیز بدلالت آیت انجیل اپنے بندے ہونے کا مقر اور معترف تھے اور پھر وہی کام مدت العمر میں کیا جو بندگی کو سزاوار ہیں دعوی خدائی پر نہیں بھبتے یعنی نماز ،روزہ ادا کیا، زبان سے عجز ونیازی کرتے رہے، جب کہا اپنے آپ کو ابن آدم کہا اور بندہ قرار دیا۔اس پر ان کے ذمہ تہمت دعوی خدائی لگا دی گئی ۔ایسے ہی کیا عجب ہے کہ سری کرشن اور سری رام چندر کی نسبت تہمت خدائی لگا دی ہو۔علی ہذا القیاس جیسے حضرت لوط اور حضرت داود علیہما السلام کی نسبت باوجود اعتقاد نبوت یہود ونصاری نے تہمت شراب خوری ،اور زنا کاری لگاتے ہیں اور ہم ان کو عیوب سے بری سمجھتے ہیں ،ایسے ہی کیا عجب کہ سری کرشن اور رام چندر بھی عیوب مذکورہ سے مبرا ہوں اوروں نے ان کے ذمہ یہ تہمت زنا وارقہ لگا دی ہو“۔

(مباحثہ شاہجہاں پور،ص۳۰تا۳۲ مطبع مجتبائی دہلی)

قارئین کرام! انصاف سے فیصلہ کریں آخر اس میں ایسی کونسی بات ہے جو معترض کو معاذ اللہ ہندونوازی لگی؟

حضرت امکان کے درجے میں ایک بات کررہے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ ہندو مذہب بالکل جعلی مذہب ہو اور یہ بھی امکان ہے کہ کوئی آسمانی مذہب ہو، اور ہندو جس کو اوتار کہتے ہیں ممکن ہے کہ وہ کوئی انبیاء یا اولیا ہوں، اس پر پھر دو آیات پیش کی پھر خود ہی اعتراض کرتے ہیں کہ جب آسمانی مذہب ہے اور ان کے مقدس اوتار کے بارے میں انبیاء یا اولیاء ہونے کا امکان ہے تو انہوں نے خدائی کا دعوی کیوں کیا اور ان سے افعال ناشائستہ کیوں صادر ہوئے؟ تو جواب میں کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ بعد کے ماننے والوں نے یہ سب تحریفات کی ہوں جیسا کہ یہود ونصاری نے اپنے انبیاء کے ساتھ کیا۔ اگر معاذ اللہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہندو مذہب کی صداقت پر یقین رکھتے تو ساری زندگی ان سے مناظرے کیوں کرتے؟ اسی صفحہ پر وہ لکھتے ہیں:

''ہمارا یہ دعوی ہے کہ اس زمانے میں سوائے اتباع دین محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کسی طرح نجات متصور نہیں اس زمانے میں یہ دین سب کے حق میں واجب الاتباع ہے''۔

(مباحثہ شاہجہاں پور، ص ۳۲)

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بات کی تائید خود بریلوی حکیم الامت کے قلم سے

بریلوی حکیم الامت مولانا منظور اوجھیانوی المعروف مفتی احمد یار گجراتی نعیمی صاحب لکھتے ہیں:

''عیسائی یہودی مسلمان سب ان (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کی تعظیم کرتے ہیں ہندو بھی انہیں کرشن مان کر احترام کرتے ہیں''۔
(نور العرفان، ص ۳۳۸ سورہ نمل)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''سارے اہل کتاب اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے ہیں اور ہند کے مشرک انہیں کرشن کا نام دے کر تعریفیں کرتے ہیں''۔ (نور العرفان ص ۸۱۴)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''مجھ سے خود ایک مذہبی ہندو نے کہا کہ جنہیں تم ابراہیم کہتے ہو انہیں ہم کرشن جی کہتے ہیں اور حضرت اسمعیل کو ارجن''۔
(نور العرفان، ص ۳۷۱ سورہ مریم آیت ۵۰ پارہ ۱۶)

لو جی معترض صاحب! قصہ ہی ختم حضرت حجۃ الاسلام نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ایک امکان کے درجے میں بات کی تھی کہ رام اور کرشن اپنے وقت کے نبی یا اولیاء ہوسکتے ہیں مگر مفتی احمد یار گجراتی صاحب نے تو صاف وضاحت کردی کہ ''کرشن چندر'' اور ''ارجن'' یہ اولوالعزم انبیاء یعنی حضرت ابراہیم و اسمعیل علیہما السلام ہیں۔ اب جواب دیں کہ ہندو مذہب کی صداقت کو مفتی احمد یار گجراتی صاحب تسلیم کررہے ہیں یا ہم؟

مزید حوالہ جات

خواجہ غلام فرید صاحب کہتے ہیں:

''اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ سری کرشن جی اور رام چندر صاحب فقیر اور درویش تھے یا نہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تمام اوتار اور رشی لوگ اپنے وقت کے پیغمبر اور نبی تھے''۔ (مقابیس المجالس ص ۳۸۸)

فاضل بریلوی حضرت مرزا مظہر جانان رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

’’اس میں ہندوؤں کے دین کو محض بر بنائے ظن وتخمین دین سماوی گمان کرنے کی ضرورکوشش فرمائی ۔۔۔بلکہ معارف و مکاشفات وعلوم نقلی وعقلی میں ان کا یدطولی مانا‘‘ (احکام شریعت،ص ۲۰۷)

اب جواب دیں حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ جنہیں آپ بھی اپنے اکابر میں سے مانتے ہیں وہ ہندو مذہب کو دین سماوی شمار کر رہے ہیں اور اس بات کے قائل ہیں کہ ہندوؤں کو معارف وعلوم اور کشف غیبیہ میں یدطولی حاصل ہے اب کیا حضرت مرزا صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر بھی اس قسم کی سوقیانہ خامہ فرسائی کرنے کی جرات کریں گے جس طرح اکابر اہلسنت دیوبند پر کرتے ہیں؟

(اعتراض ۱۵۵): کانگریس اشتراک پر اعتراض

(اعتراض) ہندو مذہب کی کانگریس میں دیوبندی مولوی شامل

اس عنوان کے تحت اس نے بوادر النوادر، بیس بڑے مسلمان، ص ۱۸،ص ۴۸۳، تاریخ دار العلوم دیوبند،ص ۳۸۵،۳۴۷ کے نامکمل حوالے کاٹ چھانٹ کر دئے ۔

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف،ص ۱۵۴،۱۵۳)

مگر کسی ایک حوالے میں بھی یہ صراحت نہیں کہ کوئی دیوبندی اکابر میں سے کانگریس میں رہا ہو۔ باقی ان تمام حوالہ جات یا کانگریس کے ساتھ اتحاد کے دیگر حوالہ جات کا اصولی جواب یہ ہے کہ ان جاہلوں کو اتنا بھی علم نہیں کہ کسی قومی مفاد میں کسی جماعت کے ساتھ سیاسی اتحاد اور چیز ہے اور اس کا نظریہ اپنا کر اس میں شمولیت اختیار کرنا اور چیز ہے ۔تحریک آزادی کیلئے اکابر علمائے دیوبند نے اس وقت کے حالات کے پیش نظر کانگریس کے ساتھ اتحاد کیا اس سے نہ ہمیں کل انکار تھا نہ آج اور نہ اس میں کوئی شرعی واخلاقی قباحت ہے ۔بلکہ وقت نے ثابت کر دیا کہ مکمل ہند کی آزادی اور متحدہ ہند کی آزادی کا مطالبہ ہی حق بجانب تھا۔

معترض سے ہم پوچھتے ہیں کہ آپ کے نزدیک کانگریسی بڑے کافر ہیں یا معاذ اللہ علمائے دیوبند؟ تو کیا وجہ ہے کہ علمائے دیوبند کے ساتھ تو ’’متحدہ مجلس عمل‘‘ کی صورت میں سیاست کے مزے جائز، تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳، ۱۹۷۴ کا اتحاد جائز، نظام مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتحاد جائز ،تحریک تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا اتحاد جائز، حدود آرڈیننس کا اتحاد جائز، جب یہ سب اتحاد جائز ہیں تو آخر کانگریس کے ساتھ اتحاد کفر وشرک کیوں؟ ہم آگے ان شاء اللہ بیان کریں گے کہ تحریک خلافت کانگریس کے ساتھ مل کر چلائی گئی جس میں کئی بریلوی اکابر شریک تھے آخر ان کے خلاف آپ کا قلم کیوں نہیں چلتا؟

معترض اور ان کی جماعت آج میڈیا پر بیٹھ کر عوام کو دھوکا دیتے ہیں کہ ہم نے تو مسلم لیگ کا ساتھ دیا تھا ہمارے تمام اکابر مسلم لیگ کے ساتھ تھے لیکن مسٹر محمد علی جناح صاحب کی اسی مسلم لیگ کے بارے میں آپ کے مفتی اعظم ہند مفتی مصطفی رضا خان صاحب بریلی لکھتے ہیں:

> ’’مسلم لیگ جہاں تک ہمیں معلوم ہے وہ اب چند روز سے کانگریس سے جدا ہوئی ہے جبکہ کانگریس اپنے نشہ کامیابی میں مخمور تھی اور اس نے نہایت بری طرح ان بعض افراد کو جنہوں نے مسلم لیگ نام رکھ لیا ہے بعض مطالبات کو ٹھکرا دیا۔۔۔جب کانگریس کا نشا ہرن ہوگا اور وہ مسلم لیگ کے ان مطالبات کو مان لے گی تو مسلم لیگ پھر کانگریس میں منضم ومدغم ہو جائے گی‘‘۔
>
> (فتاوی مصطفویہ،ص ۵۰۰)

مسلم لیگ جسے آج کے اہل بدعت نے مقدس گائے بنایا ہوا ہے وہ اگر کانگریس سے اتحاد کرلے تو تمہاری زبانوں کو تالے لگ جائیں قلم کی سیاہی سوکھ جائے اور علمائے حق پر اعتراض کرتے ہو کہ کانگریس سے اتحاد کیوں کیا؟

حیات محمد علی جناح جس کے حوالے علمائے دیوبند کے خلاف مفتی حنیف قریشی صاحب نے اپنی کتاب آزرکون میں دیئے ہیں اس میں رئیس جعفری صاحب لکھتے ہیں:

''جناح جو ہندو مسلم اتحاد کا پیامبر سمجھا جاتا تھا''۔(ص ۲۱، شیخ نذیر کتب خانہ بمبئی)

اس پیامبر کو تم نے ولی اللہ قائداعظم محمد علی جناح بنایا ہوا ہے اور شیخ العرب والعجم رحمۃ اللہ پر اپنی خباثت قلمی کا اظہار کرتے ہو۔آخر قلم کی تقدیس کو منافقت و دورنگی کی نب چڑھا کر کیوں رکھا ہوا ہے؟

اسی طرح ۱۹۳۷ کے صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات میں جناح نے کانگریس سے اتحاد کیا:

''انتخابات کے دوران مسلم لیگ پھر کانگریس کی طرف جھکی اس نے بغیر کسی شرط اور سودے کے کانگریس کا ساتھ دیا مسلم لیگ کے رہنماؤں اور کارکنوں نے دوسری جماعتوں کے مقابلے میں کانگریس کے امیدواروں کی حمایت کی''۔

(حیات محمد علی جناح ص ۲۰۷، شیخ نذیر کتب خانہ بمبئی)

پیر جماعت علی شاہ صاحب بریلوی کہتے ہیں:

''ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان اور تیس کروڑ ہندو میرے ساتھ ہیں''۔

(سیرت امیر ملت ص ۵۹۸)

تم تیس کروڑ ہندوؤں کو ساتھ ملنے کی بونگیاں مارو تو کوئی مسئلہ نہیں اور حضرت جی کی کرامت بن جائے، اور ہم ایک کانگریس کو ساتھ ملالیں تو اعتراض؟ شرم۔۔۔۔شرم۔۔۔شرم۔۔۔

نواب احمد رضا خان صاحب کا کانگریس کی حمایت میں فتوی

مولانا عبدالعزیز لدھیانوی صاحب نے کانگریس کی حمایت میں پانچ سو علماء سے فتاوی جات حاصل کیئے اور اسے ''نصرۃ الابرار'' کے نام سے شائع کیا اس میں مولانا احمد رضا خان صاحب کا فتوی بھی موجود ہے ملاحظہ ہو:

''سوال نمبر ۳: جماعت قومی مسمیٰ نیشنل کانگریس جو ہندو وغیرہ سکنائے ہند کے واسطے رفع تکلیف وجلب منافع دنیاوی چند سال سے قائم ہوئی ہے ان کا اصل اصول یہ ہے کہ بحث انہی امور میں جو کل جماعتہائے ہند پر ہوں اور ایسے امر کی بحث سے گریز کیا جائے جو کسی ملت و مذہب کی مضر ہوں۔۔۔ایسی جماعت میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں؟ (نصرۃ الابرار ص ۱۳)

اس کے جواب میں نواب صاحب بریلی لکھتے ہیں:

''جب معاملات دنیاوی میں شریک ہونا ہندو سے بموجب آیت اور حدیث مذکورہ جواب دوم درست ہوا تو اس مجلس میں شریک ہونا کیونکر منع ہو؟۔(نصرۃ الابرار، ص ۱۴)

یاد رہے کہ پروفیسر مسعود نے نہ صرف نصرۃ الابرار کو تسلیم کیا بلکہ نواب صاحب کی اس پر تائید کو بھی تسلیم کیا چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''جب محدث بریلوی سے فتوی لیا گیا تو انہوں نے مسلمانوں کی شرکت کو ایسے شرائط کے ساتھ مشروط کر دیا''۔

(محدث بریلوی ص ۶۰)

اللہ تعالی نے گاندھی جی کو مذکر بنا کر بھیجا (معاذ اللہ) مولوی عبد الماجد بدایونی بریلوی

مظہر اعلیحضرت جناب حشمت علی رضوی بریلوی لکھتا ہے:

''عبد الماجد بدایونی نے دہلی جلسہ میں کہا: اللہ تعالی نے ان گاندھی کی طرف اشارہ کر کے تمہارے لئے مذکر بنا کر بھیجا ہے''۔

(رسائل رضویہ، ج ۲، ص ۱۸۴ حامد اینڈ کمپنی لاہور)

بریلوی عالم کا فتوی گاندھی مذکر مبعوث من اللہ معاذ اللہ

بریلوی محب سنت خادم دین قویم مولوی ابو المسعود محمد عبد العظیم لکھتا ہے:

''سب سے بڑھ کر گاندھی جسے میاں عبد الماجد بدایونی نے مذکر مبعوث من اللہ کہا''۔

(مصحح دماغ مجنون، ص ۵، مطبع نادری بریلی)

تمام بدایونی بریلوی علماء نے گاندھی جی کو اپنا قائد مانا

مورخ بریلویت جناب مولانا عبد الحکیم شرف قادری صاحب لکھتے ہیں:

''گاندھی نے تحریک خلافت میں شریک ہو کر قائدانہ پوزیشن حاصل کر لی تھی''۔

(تذکرہ اکابر اہلسنت، ص ۲۰۳)

اب اسی صفحہ پر اپنے مسلک کے مجاہد ملت مولانا عبد الحامد بدایونی کے متعلق لکھتے ہیں:

''تحریک خلافت شروع ہوئی تو مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے لکھنو سے مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی کو حضرت مولانا شاہ عبد المقتدر بدایونی کی خدمت میں بدایوں بھیجا انہوں نے مہمانوں کی خوب خاطر مدارت کی اور اپنے خاندان کے تمام افراد کو عموما اور مولانا عبد الحامد بدایونی اور مولانا عبد الماجد بدایونی کو حکم دیا کہ انگریزی استعمار کے خاتمے کیلئے علی برادران اور ان کے رفقاء کے ساتھ دیں پیر و مرشد کے حکم کے مطابق مولانا عبد الماجد بدایونی اور مولانا عبد الحامد بدایونی نے ہندوستان کے گوشہ گوشہ میں جا کر تحریک خلافت کا پیغام پہنچایا''۔

(تذکرہ اکابر اہلسنت، ص ۲۰۳)

جس تحریک کا قائد گاندھی جی ہوں (یہ بھی اس زمانے میں مسلم لیگ کا پروپگنڈا تھا ورنہ حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہ تھا۔ساجد) آپ کے اکابر اس تحریک کا پیغام لیکر ملک کے گوشہ گوشہ میں پہنچائیں تو بقول آپ کے ہندو نواز آپ ہوئے یا ہم؟

بریلوی علامہ زماں فاضل اجل کانگریس کا صدر

مولانا عبد الحکیم شریف قادری صاحب ''علامہ زماں فاضل اجل مولانا غلام محمد گھوٹوی (تذکرا اکابر اہلسنت ص ۳۳۵) کے متعلق لکھتے ہیں:

''مولانا غلام محمد گھوٹوی ابتدائی نیشنل کانگریس ملتان ڈویژن کے صدر تھے''۔

(تذکرہ اکابر اہلسنت،ص ۳۳۷)

گاندھی جی ہمارا امام و پیشوا ہے بریلوی امام الہند

مولوی حشمت علی رضوی صاحب امام الہند مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے متعلق لکھتے ہیں:

''گاندھی کو اپنا امام، پیشوا اور رہنما بنا دیا ہے''۔(رسائل رضویہ،ج ۲،ص ۱۸۴)

بریلوی فتویٰ بازی

بریلوی فرید ملت جناب فریدالدین صاحب فتوی دیتے ہیں:

''اس وقت کفر و اسلام کا مقابلہ ہے قائداعظم ایک مسلمان ہے اور اسلام کا نمائندہ ہے جبکہ گاندھی کافر ہے اور کفر کا نمائندہ ہے اس لئے اس موقع پر قائداعظم کا ساتھ دینا اسلام کا ساتھ دینا ہے اور گاندھی کا ساتھ دینا دانستہ یا نادانستہ طور پر کفر کا ساتھ دینا ہے''۔

(تذکرہ اکابر اہلسنت،ص ۳۷۷)

ماقبل میں مفتی مصطفی رضاخان صاحب کا حوالہ گزر چکا کہ مسلم لیگ نے کانگریس کا ساتھ دیا کچھ عرصہ کیلئے الگ ہوئی ہے لیکن دوبارہ اس میں مدغم ہوجائے گی لہذا اس فتوے کی رو سے نہ صرف مسلم لیگ بلکہ تحریک خلافت اور کانگریس کا ساتھ دینے والے یہ سارے بریلوی اصاغر و اکابر کفر کے نمائندے بن گئے لہذا ہندو نوازی ہم نے نہیں تمہارے فتوے سے تم ہی نے کی ہے۔

کانگریس سے مسلم لیگ کا اتحاد جائز ہے

مولانا عبدالستار خان نیازی جسے بریلوی اپنے اکابر میں سے مانتے ہیں کا بیان ملاحظہ ہو:

''لاہور ۱۱ مارچ مولانا عبدالستار خان نیازی ایک بیان میں فرماتے ہیں کہ اس مرحلہ پر پنجاب میں لیگ کانگریس ایک ہو کا نعرہ میری سمجھ سے بالاتر ہے، مسلم لیگ کانگریس باعزت سمجھوتہ کیلئے ماضی میں ہمیشہ آمادہ رہی اور اب بھی آمادہ ہے''۔

(نوائے وقت ۱۳ مارچ ۱۹۴۶ بحوالہ تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء،ص ۶۴۹،۶۵۰)

اس کتاب کے حوالے بریلوی مولوی نے ہمارے خلاف دئے ہیں پس اگر یہ ہمارے خلاف حجت ان کی نظر میں بن سکتی ہے تو ان کے خلاف تو بدرجہ اولی بنے گی باقی اس کتاب کی حقیقت ہم اپنے مقام پر کھولیں گے(انشاءاللہ) سردست میرا سوال یہ ہے کہ بقول نیازی صاحب ماضی حال مستقبل میں جب مسلم لیگ کانگریس کے ساتھ سمجھوتے کیلئے تیار ہے آپ کو اس پر کوئی اعتراض نہیں تو علمائے دیوبند کے ساتھ اتحاد اور سمجھوتے پر تکلیف کیوں ہے؟

اسی طرح ماہر رضویات پروفیسر مسعود صاحب لکھتے ہیں:

''محمد علی جناح اور ڈاکٹر اقبال جیسے مفکرین ہندو مسلم اتحاد کیلئے کوشش کر رہے تھے''۔

(محدث بریلوی،ص ۹۳)

ہمارا سیدھا سا سوال ہے کہ مسٹر جناح اور علامہ اقبال مرحوم اگر ہندو مسلم اتحاد کیلئے کوشش کریں تو اس کو تم نے مقدس گائے بنایا ہوا ہے

اورعلمائے دیوبند یہ کام کریں تو ہندونوازی کہلائے یہ دورنگی کیوں؟

اکابر بریلویہ کا کانگریس سے اتحاد

ڈاکٹر غلام یحیی صاحب صدر شعبہ علوم اسلامیہ ہمدرد یونیورسٹی دہلی لکھتے ہیں:

''بعض علمائے حق جس میں بدایوں اور فرنگی محلی لکھنو کے علماء پیش پیش تھے ان تحریکوں کا ساتھ دیا **اوراس طرح گاندھوی سیاست کی تائید کی** ۔امام احمد رضا قادری نے ایسے علماء کا تعاقب کیا جو سنی علماء امام احمد رضا قادری کے قلم کا نشانہ بنے ان میں مولانا عبد الماجد بدایونی اور مولانا عبد الباری فرنگی محلی بطورخاص قابل ذکر ہیں ۔مولانا عبد الباری فرنگی محلی مولانا ابوالکلام آزاد اور مسٹر گاندھی کے ہم نوا تھے''۔

(امام احمد رضا کے افکار ونظریات ص ۱۱۳ کتاب محل لاہور)

جناب من!اس میں گاندھوی سیاست اور گاندھی کی ہم نوائی کرنے والوں کو علمائے حق اور سنی علماء کہا جارہا ہے تم گاندھی کی تائید کرو پھر بھی الحق اور سنی اور ہم اگر اتحاد کریں تو ہندونواز کوئی شرم ہوتی ہے کوئی حیاء ہوتی ہے۔۔۔۔!!!

اس کتاب کا پیش لفظ بریلوی ماہر رضویات پروفیسر مسعود احمد نے لکھا ہے اور پورازور ڈاکٹر صاحب کی جرات اور تحقیق کی تعریف میں لگایا ہے۔

دیگر بریلوی مشایخ کی کانگریس کی حمایت

مجاہد ملت صدر المشایخ حضرت مولانا پیر فضل عثمان مجددی (تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۳۸۴) کے متعلق مولانا عبد الحکیم صاحب لکھتے ہیں:

''تحریک خلافت کے سلسلے میں مولانا محمد علی جوہر اور دوسرے لیڈروں نے افغانستان کا دورہ کیا تو آپ نے پورا پورا تعاون کیا''۔

(تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۳۸۵)

بریلوی شیخ الاسلام مولانا حسن جان نے تحریک خلافت میں دس ہزار کا چندہ دیا۔

(تذکرہ اکابر اہلسنت ص ۴۴۹)۔

اور ماقبل میں حوالہ گزر چکا کہ تحریک خلافت میں گاندھی جی کو قائدانہ حیثیت حاصل تھی لہذا یہ سب گاندھی جی کو اپنا قائد ماننے والے تھے۔

کانگریس سے اتحاد اہل بدعت کے اصولوں کی روشنی میں

یسین اختر مصباحی صاحب اپنے حجۃ الاسلام مولانا حامد رضا خان صاحب کا فتوی نقل کرتے ہیں:

''میں لیگ کی شرکت کو بحالت موجودہ کہ اس کے اندر بہت سے گمراہ بددین شریک ہیں نظر استحسان سے نہیں دیکھتا اور اس بناء پر میں نے آج تک اس کی شرکت کی اجازت نہیں دی مگر اس کے ساتھ جو لوگ اس میں خالص سنی رضوی شریک ہو گئے ہیں ان پر سخت حکم دینے کو بھی اچھا نہیں سمجھتا کہ جب ان کی شرکت کسی شرعی نقطہ نظر سے ہو تو تکفیر کیا معنی؟ تفسیق و تضلیل کا بھی شرعا حکم نہیں دیا جاسکتا''۔

(عرفان مذہب ومسلک،ص۹۰)

بریلوی اصطلاح میں بد دین سے مراد مسلمانان ہند (دیوبندی، اہلحدیث) ہوتے ہیں جنہیں یہ ہندوؤں سے بھی بدتر کافر سمجھتے ہیں معاذ اللہ جب وہ مسلم لیگ میں شامل ہیں اور ان کی شمولیت کے بعد بھی اگر کوئی بریلوی اس جماعت میں اخلاص کے ساتھ شریک ہو جائے تو نہ اس پر حکم کفر نہ فسق وفجور، تو اگر کوئی سنی دیوبندی جماعت شرعی نقطہ نظر سے اخلاص کے ساتھ استخلاص وطن کیلئے کسی ہندو جماعت کے ساتھ اتحاد کرلے (جو آپ کے نزدیک حکم گمراہی میں بد دینوں سے کم درجہ ہیں) تو ان پر فتوے کس اصول سے؟ یہ اتحاد کیوں ناجائز؟ اور اس پر اس خاص مسلک یا فرقہ کی ''نوازی'' کا الزام کیوں؟ جواب دیں حامد رضا خان صاحب کے فتوے کی رو سے ہم معترض کو جاہل و ظالم مانیں یا معترض کے فتوے کی رو سے ہم حامد رضا کو بد دین نواز مانیں؟

نیز حامد رضا خان صاحب کے اس فتوے کی رو سے تو کل کو اگر کوئی مرزائیوں کی کسی جماعت میں شامل ہو جائے تو اس پر بھی کوئی فتوی نہیں لگایا جاسکتا۔

معترض کے صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی فتوی دیتے ہیں:

''جہاں کفار کا غلبہ ہو یا وہ حاکم یا والی ہوں اور مجانبت کلیہ اور انقطاع تام سے مسلمانوں کے ضرر کا اندیشہ ہو وہاں ان کے ساتھ ایسے امور میں شرکت جو ممنوع نہیں ہیں اور ان سے اسلام و اہل اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچتا جائز ہے۔قلب کفر وکفار کی محبت سے فارغ ہونا چاہیئے''۔

(فتاوی صدر الافاضل بحوالہ عرفان مسلک ومذہب،ص۸۷)

اب کانگریس سے اتحاد میں مسلمانوں کا فائدہ تھا یا مسلم لیگ سے اس پر تو بحث کی جاسکتی ہے مگر اس فتوے سے اتنا تو معلوم ہوا کہ فی نفسہ اگر کوئی کافروں (ہندوؤں) سے اشتراک کرنا چاہے تو وہ جائز ہے اس سے ہندو نوازی ثابت نہیں ہوتی تو آخر جمعیت علمائے ہند کے کانگریس کے ساتھ اشتراک پر آپ کو کیا تکلیف ہے؟

رضاخانی رئیس التحریف جناب ارشد القادری صاحب کہتے ہیں:

''اسٹیج پر جو چہرے نظر آرہے ہیں ان حضرات کے ساتھ ہمارے سنگین اختلافات کل بھی تھے اور آج بھی ہیں لیکن ان کے باوجود ہم صرف اس جذبہ میں آج یہاں دوش بدوش بیٹھے ہوئے ہیں کہ حکومت ہند کو یہ باور کرادیں کہ مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کیلئے جہاں دیوبند اور لکھنو سینہ سپر ہیں وہاں بریلی نے بھی سر سے کفن باندھ لیا ہے''۔

(ماہنامہ قاری دہلی شمارہ جون ۱۹۸۶ ماہنامہ حجاز دہلی شمارہ محرم الحرام ۱۴۱۱ھ ۱۹۹۰ بحوالہ عرفان مذہب ومسلک،ص۸۲)

اگر حکومت ہند کو کسی مسئلہ کی اہمیت باور کرانے کیلئے دیوبندیوں کے جلسوں میں ان کے دوش بدوش بیٹھا جاسکتا ہے تو حکومت انگلیشیہ کو آزاد ہندوستان کی اہمیت بتلانے کیلئے کانگریس کے ساتھ شانہ بشانہ کیوں نہیں چلا جاسکتا؟ جواب قرآن وحدیث اور فقہ حنفی کی روشنی میں عنایت کریں۔

پوری جماعت رضائیہ کو ہمارا چیلنج

قرآن کی وہ آیت نبی کریم ﷺ کا وہ فرمان یا فقہ حنفیہ کا وہ جزئیہ پیش کریں جس کی رو سے دیوبندیوں کے ساتھ تو شانہ بشانہ بیٹھنا جائز ہو

مگر کانگریس کے ساتھ حرام وناجائز ہو۔انشاءاللہ یہ مطالبہ تاقیامت معترض اور ان کی جماعت پر ادھار رہے گا۔

خواجہ حسن نظامی بریلوی اور ہندومسلم اتحاد

ڈاکٹر یحییٰ انجم صاحب لکھتے ہیں:

''خواجہ حسن نظامی کی ذات کئی وجوہ سے یگانہ روزگار تھی۔۔۔خواجہ حسن نظامی اس لئے بھی مشہور تھے کہ وہ ہندوستانی مسلمانوں کے مرکز عقیدت شیخ المشائخ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمۃ والرضوان (۷۲۵ھ) کی عظیم الشان خانقاہ کے سجادہ نشین تھے۔۔۔خواجہ حسن نظامی اپنی تحریروں کی روشنی میں گوناگوں خصوصیات کی حامل شخصیت کے مالک تھے۔ہندومسلم اتحاد اور گنگا جمنی تہذیب کے دلدادہ ہونے کے سبب۔۔۔خواجہ حسن نظامی کی شخصیت صحیح معنوں میں ہندومسلم اتحاد کا سنگم تھی''۔

(امام احمد رضا کے افکار ونظریات،ص ۱۳۰،۱۳۱)

بے حیاء باش ہر چہ خواہی کنند

مسلمانوں نے آنکھیں بند کر کے کانگریس وگاندھی کا ساتھ دیا

مولوی مبارک حسین مصباحی بریلوی لکھتا ہے:

''یہ وہ وقت تھا کہ غیر منقسم ہندوستانی مسلمانوں کی کل تعداد ۱۰ کروڑ تھی اور ان میں اہل سنت وجماعت کی تعداد ۹ کروڑ تھی۔باقی ایک کروڑ میں دیوبندی،قادیانی،رافضی اور نیچری تھے۔آزادی ہند کے موقع پر کانگریس سب سے بڑی سیاسی قوت تھی۔مسلمانوں نے آنکھیں بند کر کے کانگریس کا ساتھ دیا۔بلکہ گاندھی جی کی حمایت واعانت میں اس حد تک بڑھے کہ طاق حرم میں بھی کانگریس کی شمع روشن کرنے لگے''۔

(جام نور محدث اعظم نمبر،ص ۱۰۲،اپریل ۲۰۱۱)

علمائے دیوبند کے بارے میں اہل بدعت کہتے ہیں کہ مسلمان ہی نہیں (یہ الگ بات ہے کہ جب اپنا الو سیدھا کرنا ہوتو یہی علمائے دیوبند دین کے خیر خواہ بن جاتے ہیں)ادھر بقول آنجناب کے خام خیال میں ۹ کروڑ بریلوی تھے اور ان سب نے کانگریس کی بڑھ چڑھ کر معاونت کی بلکہ گاندھی جی کی حمایت میں ہر سفید وسیاہ کو جائز کر دیا تو گاندھی نواز و کانگریسی ہم نہیں علمائے وعوام بریلویہ ہیں۔

علامہ فضل حق خیر آبادی ہندومسلم اتحاد کے داعی

حکیم برکاتی صاحب مرحوم نے انگریز سے آزادی کیلئے مولانا فضل حق خیر آبادی کے جو نکات لکھے ہیں ان میں سے ایک نکتہ یہ تھا:

''ملک میں ہندوؤں کی اکثریت ہے ان کی متعدد ریاستیں بھی ہیں باغی فوج میں ان کی تعداد زیادہ ہے۔دہلی میں شہری آبادی کی اکثریت بھی ہندوؤں پر مشتمل ہے اور عام طور پر ہندوؤں کا انداز فکر یہ ہے کہ اس جنگ میں اگر فتح ہوئی تو پھر وہی مسلمانوں کی سلطنت آجائے گی ہمیں کیا ملے گا،پھر انگریزوں کے ملازمین مخبر اور بہی خواہ مسلمانوں اور ہندوؤں میں افتراق انگیزی کے درپے ہیں اور کوئی نہ کوئی حیلہ ایسا ڈھونڈ رہے ہیں کہ ہندومسلم فساد ہو جائے تاکہ یہ تحریک ضعیف ہو جائے،اس لئے ہندومسلم اتحاد کے جدوجہد کی ضرورت ہے اور ایسی مستقل بنیادیں تلاش کرنے کی ضرورت ہے جس پر ہندومسلم اتحاد استوار کیا جائے''۔

(مولانا فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون،ص ۲۸،۲۹)

جناب جی آپ کے امام حریت ہندو مسلم اتحاد نہ کرنے والوں کو انگریز کا ہی خواہ، فسادی اور انگریز کا مخبر کہہ رہے ہیں۔

گاندھی جی تمام مسلمانوں اور ہندوؤں کے واحد لیڈر تھے

بریلوی استاذ العلماء مولانا فیض احمد گولڑوی لکھتے ہیں:

''مہاتما جی تمام ہندوؤں اور مسلمانوں کے مشترکہ اور واحد لیڈر تھے''۔

(مہر منیر، ص ۲۷۳)

کانگریس سے اتحاد ہندو نوازی مگر نریندر مودی ہندو کی سربراہی میں صوفی کانفرنس عین اسلام یاللعجب!

صوفی نریندر مودی اور مشائخ بریلویہ کیلئے لمحہ فکریہ!!!!

قارئین کرام! رضاخانی مذہب دین سے بے بہرہ اور علماء و پیران سوء کا وہ جتھہ ہے جسے متحدہ ہندوستان میں انگریز نے اپنے سیاسی مفادات کیلئے پروان چڑھایا اور اس وقت سے لیکر اب تک ہر ایک اسلام دشمن نے اسے اپنے سیاسی مفادات کیلئے استعمال کررہا ہے۔اس جتھہ کی سب سے خاص بات یہ ہے کہ اسے اپنا الو سیدھا کرنے کیلئے حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہنے، حالات کے بدلنے کے ساتھ ہی اپنا نظریہ بدلنے میں اس گروہ کے لوگوں کو ذرا بھی شرم محسوس نہیں ہوتی۔ماضی میں جب شریف مکہ نے انگریزوں کا ساتھ دیا اور بعض لوگوں نے حج کے اسقاط کا فتوی دیا تو مولوی مصطفی رضاخان ابن مولانا احمد رضاخان نے کھل کر اس فتوے کا رد کیا مگر جب آل سعود کی حکومت آئی تو خود اسی مفتی مصطفی رضاخان نے تنویر الحجہ کے نام سے حج کے حرام ہونے کا اور حج پر جانے والوں کو بے وقوف، گستاخوں کے حمایتی ہونے کا فتوی دے کر اپنی دورنگی کا بھرپور اظہار کیا۔ابتداء میں جب تحریک پاکستان اٹھی تو اس کی بھرپور مخالفت کی محمد علی جناح اور مسلم لیگ پر کفر کے فتوے لگائے مگر جب پاکستان بن گیا تو تحریک پاکستان میں شامل نہ ہونے والوں پر کفر کے فتوے لگانے شروع کردئے، اور آج یہ تحریک پاکستان کے سب سے بڑے چیمپئن بنے ہوئے ہیں۔ماضی میں جب جہاد افغانستان کو امریکا کی حمایت حاصل تھی تو یہ لوگ طالبان کیلئے چندے کرتے اس گروہ کے سیاسی قائد مولانا شاہ احمد نورانی طالبان کو بریلوی مسلک کا کہتے، مگر اب جب حالات نے پلٹا کھایا تو یہی طالبان ان کی نظر میں اس وقت سب سے بڑے دہشت گرد و خارجی ہیں۔

اسی طرح جب علماء دیوبند نے ہندوؤں کے ساتھ مل کر انگریز کو اس خطے سے نکالنے کا لائحہ عمل بنایا تو انگریز کی ایماء پر اس سیاسی اتحاد کی کھل کر مخالفت اس گروہ نے کی ماضی میں ہندووں اور ان سے اتحاد کے متعلق رضاخانیوں کے پیر و مرشد کے جو فتاوی تھے ان میں سے چند کے نمونے آپ نے ماقبل میں ملاحظہ کرلئے اور آگے مزید بھی ملاحظہ کرلیں گے۔

لیکن اب جب حالات نے پلٹا کھایا تو رضاخانیوں کو بھی ان فتاوی کو اپنے پیروں تلے روندنے اور نیا عقیدہ اپنانے میں ذرا بھی شرم و عار محسوس نہ ہوئی چنانچہ حال ہی میں رضاخانیوں نے ۲۰۱۶ میں آل انڈیا علماء مشائخ بورڈ کے زیر اہتمام نئی دلی کے رام لیلا میدان میں عالمی صوفی کانفرنس کا انعقاد کیا جس میں 40 مما لک سے رضاخانیوں کو بلانے کے علاوہ پاک و ہند سے بھی بریلوی علماء و مشائخ کو بڑی تعداد میں مدعو کیا گیا۔اس کانفرنس کا افتتاح گجرات فسادات کے مسلم دشمن سیاست دان بھارتی وزیر اعظم نریندر مودی سے کروایا گیا اور خصوصی خطاب

کروایا گیا یہ کانفرنس انہی کی سربراہی میں منعقد ہوئی۔

ہندوستان کے ایک کالم نگار غوث سیوانی اس کانفرنس کے متعلق لکھتے ہیں:

''یوں تو بظاہر اس کانفرنس کا انعقاد آل انڈیا علماء مشائخ بورڈ نامی تنظیم کررہی ہے مگر اس کی نگرانی خود وزیر اعظم نریندر مودی کی نظر ہے اور اس کے انتظامات کی ذمہ داری انہوں نے انٹیلی جنس کے سابق بیورو آئی پی کے ڈائریکٹر آصف ابراہیم جو ان کے مشیر ہیں کو سونپ رکھی ہے''۔

(ہفت روزہ نئی دنیا،ص11،8تا14فروری2016)

''اندر کی خبر یہ بھی ہے کہ پیسے کے لین دین میں گڑبڑی کے سبب اندرون خانہ اختلافات پیدا ہوگئے ہیں جنہیں پیسے نہیں ملے ہیں اب وہ اس کے خلاف لوگوں کو بھڑکانے کا کام کررہے ہیں''

(ہفت روزہ نئی دنیا،ص11،8تا14فروری2016)

''بریلوی مسلمانوں کو عام مسلمانوں سے الگ کیا جائے تاکہ اس کا سیاسی فائدہ بی جے پی کو آئیندہ چند مہینوں کے اندر ہونے والے پانچ ریاستوں کے انتخابات میں مل سکے''۔

(ہفت روزہ نئی دنیا،ص11،8تا14فروری2016)

انٹرنیشنل صوفی کانفرنس سے آخر کیا حاصل کرنا چاہتا ہے سنگھ پریوار؟

تحریر:غوث سیوانی،نئی دہلی

وزیر اعظم نریندر مودی مسلمانوں کے بیچ خانہ جنگی کرانے میں کامیاب ہوجائینگے؟ کیا وہ تصوف کو بھی اپنی سیاست کا ہتھیار بنا پائینگے؟ کیا وزیر اعظم کے ہاتھ پر کچھ صوفی نما حضرات کی ''بیعت'' سے عام مسلمان فریب میں آجائینگے؟ کیا اسلام کا جمالیاتی چہرہ تصوف بھی اب جنس بازار بن جائے گا؟ کیا نریندر مودی کچھ مولویوں کے سہارے ''دین الٰہی'' قائم کرنا چاہتے ہیں؟ اس قسم کے سوالات ان دنوں عام طور پر سننے میں آرہے ہیں کیونکہ آئندہ 17 مارچ سے شروع ہونے والی چارروزہ انٹرنیشنل صوفی کانفرنس کا وزیر اعظم نریندر مودی ''وگیان بھون'' میں افتتاح کرنے والے ہیں، جس کا انعقاد خود بی جے پی کے خفیہ واعلانیہ تعاون سے ہورہا ہے۔اس سے قبل تال کٹورہ اسٹیڈیم میں دہشت گردی مخالف کانفرنس ہوئی جس میں دہشت گردی پر کم اور وہابیوں پر زیادہ حملے کئے گئے اور ایک صاحب نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ ''ہم آر ایس ایس سے ہاتھ ملا کر وہابیوں کا ملک سے خاتمہ کردیں گے۔'' وہابیوں سے اختلاف کوئی نئی بات نہیں ہے، دیوبندی اور بریلوی علماء کی تحریروں اور تقریروں کے اقتباسات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے نظریات سے کس قدر اختلاف کرتے تھے اور اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا فاضل بریلوی کی تحریریں بھی موجود ہیں جن میں وہابی نظریات کو شدت کے ساتھ مسترد کیا گیا ہے مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اس اختلاف کے سبب کسی نے دشمنان اسلام کے ساتھ ہاتھ ملانے کی بات کی ہو مگر آج حالات یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ سنگھ پریوار کے تعاون سے مسلمانوں کے جلسے ہورہے ہیں اور ان میں جو باتیں کہی جارہی ہیں وہ خود مسلمانوں کے لئے ہلاکت خیز ہیں۔ دہشت گردی مخالف کانفرنس کے روح رواں مولانا شہاب

الدین رضوی نے ''First Post'' کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ ''یہ آر ایس ایس کے لوگ ملک سے محبت کرتے ہیں،ملک کے لئے کام کرتے ہیں اور وہابی ملک کے خلاف حرکتیں کرتے ہیں اور ہمیشہ سے باہر کے سعودی عربیہ کی طرف دیکھتے ہیں ہم آر ایس ایس یا ایکس وائی زیڈ کوئی بھی جو ملک سے محبت کرتا ہے،اس کے ساتھ کام کر سکتے ہیں لیکن ملک کے غداروں کے ساتھ کام نہیں کر سکتے۔''اس بیان سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ کانفرنسیں مسلمانوں کو کس جانب لے جارہی ہیں اور ان کا مقصد کیا ہے؟ یہ نظریہ صرف ایک شخص کا نہیں ہے بلکہ دوسرے بہت سے لوگوں کا بھی ہے۔سنگھ پریوار کی سرپرستی میں انٹرنیشنل صوفی کانفرنس کے انعقاد کی تیاریوں میں مصروف مولانا محمد اشرف کچھوچھوی نے Mail Today سے بات کرتے ہوئے کہا کہ ''وہابیت نے امن پسند اسلام کو ایک شدت پسندانہ نظریے میں تبدیل کر دیا ہے۔وہابی نظریہ غیر اسلامی ہے اور ہم اسے شکست دے کر رہیں گے۔''مولانا نے جو باتیں کہیں ہیں ان میں کس قدر سچائی ہے؟اس سوال سے قطع نظر یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ کوئی نئی بات نہیں کہہ رہے ہیں،اس قسم کی سوچ رکھنے والے بڑی تعداد میں موجود ہیں اور ہندوستانی مسلمانوں کی اکثریت غیر وہابی ہے مگر اصل سوال یہ ہے کہ اس سے مقابلے کا جو راستہ اپنایا جارہا ہے کیا وہ درست ہے؟وہابیوں سے نفرت کی قیمت پر آر ایس ایس سے محبت کا عہد و پیمان خود مسلمانان ہند کے لئے کس قدر فائدہ مند ہے؟ ظاہر ہے کہ صوفیہ کے نام لیوا مسلمانانِ ہند کو جس ہلاکت خیز راستے پر لے جارہے ہیں اس کا انجام خود انھیں بھی نہیں پتہ۔یہاں یہ بتادینا برمحل ہوگا کہ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ دشمنان اسلام سے اس قدر نفرت کرتے تھے کہ انگریزی حکومت کے تحت آنے والے کورٹ کو 'عدالت' (عدل کا مقام) کہنے سے منع کیا کرتے تھے۔اسی طرح آپ لفافے پر ڈاک ٹکٹ لگاتے تو شاہ برطانیہ کے تاج والا حصہ الٹا کر دیتے یعنی ڈاک ٹکٹ الٹا لگایا کرتے تھے،مگر انھوں نے ایک دشمن سے مقابلے کے لئے دوسرے دشمن سے ہاتھ نہیں ملایا۔کس قدر حیرت کی بات ہے کہ آج انھیں کا نام لے کر اسلام دشمن سنگھ پریوار سے رشتۂ محبت استوار کیا جارہا ہے اور صوفیہ کرام کی پیروی کا دم بھرنے والے دشمنان اسلام کے آلۂ کار بن رہے ہیں۔ہم نہیں سمجھ سکتے کہ آر ایس ایس سے عہد وفا باندھنے والے اور اس کی مدد سے کانفرنسوں کا انعقاد کرنے والے یہ کام کس حکمت عملی کے تحت کر رہے ہیں؟ ہم تو بس یہ جانتے ہیں کہ زہر عشق کی ناکامی میں کھایا جاتا ہے یا غصے میں،مگر یہ پہلا موقع ہے جب اندھی دشمنی میں کوئی زہر کھا کر خودکشی کا اعلان کر رہا ہے۔آخر یہ کیسی اندھی دشمنی ہے کہ خود کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام ''اشداء علی الکفار'' کا پیروکار بتانے والے ابوجہل کی نظریاتی ذریت کا ساتھ دینے کو تیار بیٹھے ہیں۔یہ طریقہ نہ علماء کا ہوسکتا ہے اور نہ صوفیہ کا۔یہی سبب ہے کہ مخلص علماء کی ایک جماعت اس طریقہ کار کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی ہے جن میں کچھوچھہ کے سادات سے لے کر مولانا یٰسین اختر مصباحی جیسے دانشور تک شامل ہیں۔کچھوچھہ کے علماء اور مشائخ کے بارے میں کہا جارہا ہے کہ وہ اس کانفرنس کی حمایت میں نہیں ہیں اور وہ اس میں شرکت سے گریز کر رہے ہیں۔یہاں تک کہ مولانا سید محمد اشرف کچھوچھوی کے بھائی پیر طریقت مولانا محمود اشرف کے بارے میں بھی کہا جارہا ہے کہ وہ اس میں شریک ہونے کو تیار نہیں۔ویسے ان دنوں میڈیا میں بہت سے علماء کے بیانات کانفرنس کی مخالفت میں آرہے ہیں۔ظاہر ہے کہ ان حضرات کے سامنے کانفرنس کے پیچھے کے سیاسی کھیل کا انکشاف ہونے لگا ہے۔

کیا مودی کو مسلمانوں پر بھروسہ نہیں؟

میڈیا میں جو خبریں آرہی ہیں ان کے مطابق وزیر اعظم نریندر مودی، کانفرنس کے جس سیشن کا آغاز کرینگے وہ 17 مارچ کو وگیان بھون میں منعقد ہوگا؟ جب کہ عام جلسہ 20 مارچ کو رام لیلا میدان میں ہوگا۔جس پروگرام میں وزیر اعظم شریک ہونگے اس میں عام مسلمان

شامل نہیں ہونگے، صرف کچھ خاص لوگوں کو شامل ہونے کی اجازت ہوگی جس میں سرکاری افسران بھی ہونگے، اور جس جلسے میں عام مسلمانوں کو شرکت کی دعوت دی جارہی ہے، اس میں وزیراعظم شریک نہیں ہونگے، آخر ایسا کیوں کیا جارہا ہے؟ کیا وزیراعظم کو مسلمانوں پر بھروسہ نہیں ہے؟ کیا انھیں لگتا ہے کہ اگر ان کے پروگرام میں عام مسلمان شریک ہونگے تو ان کی سلامتی خطرے میں پڑ جائے گی؟ جب پروگرام کی تمام تیاریاں خود وزیراعظم کے لوگ کررہے ہیں اور ان کی مشنری پروگرام کے ایک ایک پہلو پر نظر رکھے ہوئے ہے تو پھر عام مسلمانوں سے دوری کا مطلب صرف یہی سمجھ میں آتا ہے کہ نریندر مودی کو مسلمانوں پر بھروسہ نہیں ہے۔ ویسے اگر وہ تصوف کے نام پر بھیڑ اکٹھی کروا رہے ہیں تو انھیں اس کا نظارہ کرنے رام لیلا میدان ضرور جانا چاہئے اور انھیں مسلمانوں پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ مسلمانوں نے نہ تو بابائے قوم مہاتما گاندھی کو قتل کیا تھا اور نہ ہی سابق وزراء اعظم اندرا گاندھی وراجیو گاندھی کی سیکورٹی کے لئے خطرہ بنے تھے تو نریندر مودی کے لئے کیسے خطرہ بن سکتے ہیں؟ خون خرابہ اور تشدد صوفیوں کا کام نہیں، کوفیوں کا کام ہے۔ وزیراعظم شک کرنا چھوڑیں اور اعتماد کرنا سیکھیں۔

کانفرنس کی تیاریاں

وزیراعظم نریندر مودی کی سرپرستی میں ہونے والی چار روزہ انٹرنیشنل صوفی کانفرنس کی تیاریاں مہینوں سے چل رہی ہیں اور انٹیلی جینس بیورو کے سابق چیف اور وزیراعظم کے مشیر آصف ابراہیم اس کی نگرانی کررہے ہیں جب کہ مولانا محمد اشرف کچھوچھوی اور ان کے کچھ ساتھی ملک بھر سے مسلمانوں کو اس میں جمع کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ علماء ومشائخ بورڈ اپنی کانفرنس میں مسلمانوں کی بھیڑ جمع کرنے کے لئے شب وروز ایک کئے ہوئے ہے۔ راجدھانی دلی سے لے کر ملک کے گاؤں گاؤں تک میٹنگیں ہورہی ہیں اور لوگوں کو دلی لانے کے لئے زادسفر کا انتظام کیا جارہا ہے۔ مسجدوں میں اعلانات ہورہے ہیں اور مدرسوں کے اساتذہ کو بھیڑ جمع کرنے کے کام پر لگایا جارہا ہے۔ ریلوے ٹکٹ بک کئے جارہے ہیں اور بسوں کا انتظام کیا جارہا ہے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ انٹرنیشنل صوفی کانفرنس کو کامیاب بنانے کے لئے مودی سرکار ملک بھر سے خصوصی ٹرینیں چلائے۔ اسی کے ساتھ دنیا بھر میں پھیلے ہندوستانی سفارت خانوں کو کہہ دیا گیا ہے کہ وہ ''مشائخ'' کو دنیا بھر سے لاکر اس کانفرنس میں جمع کریں۔ اعلان کیا گیا ہے کہ اس کانفرنس میں دنیا کے لگ بھگ بیس ملکوں سے اہل تصوف جمع کئے جائینگے۔ کانفرنس کی تیاری کے سلسلے میں مولانا محمد اشرف کچھوچھوی کے بیانات اردو اور انگریزی اخباروں میں مختلف آرہے ہیں۔ انھوں نے ایک انگریزی میگزین کو انٹرویو دیتے ہوئے مانا ہے کہ ان کے ساتھ وزیراعظم مودی کا دفتر ہے اور وزیراعظم کے مشیر معاملات کی نگرانی کررہے ہیں مگر اردو کے ایک اخبار کو انھوں نے کہا کہ سرکاری مدد بس پروٹوکول کی حد تک ہے۔ اس بیچ ایسی خبر بھی ہے کہ لوگوں کی بھیڑ جمع کرنے کے لئے بعض غیر اخلاقی طریقوں کا بھی استعمال کیا جارہا ہے۔ ایک انکشاف یہ ہوا ہے کہ علامہ اختر رضا خاں ازہری کے خط کا استعمال کرکے ان کے مریدین کو انٹرنیشنل صوفی کانفرنس میں لانے کی کوشش کی جارہی ہے، جب کہ وہ خود اس کانفرنس میں نہیں آرہے ہیں۔

مولانا یٰسین اختر مصباحی کا نظریہ

سنی بریلوی علماء میں دانشور اور صاحب فہم وفراست بزرگ عالم دین مولانا یٰسین اختر مصباحی نے اپنے کچھ حالیہ مضامین میں سنگھ پریوار کے زیرسایہ ہونے والی انٹرنیشنل صوفی کانفرنس کی سخت مخالفت کی ہے۔ ''صوفی سیمینار وکانفرنس سے متعلق چند معروضات'' کے عنوان سے

ان کا ایک مضمون اخبارات میں شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے مانا ہے کہ سیاسی پارٹیاں مسلمانوں کو اپنے دام فریب میں پھنسانے کے لئے علماء ومشائخ کو دانہ ڈالتی ہیں اور خود انھیں خریدنے کی کوششیں بھی ہوئی ہیں۔ انھوں نے لکھا ہے کہ پی وی نرسمہا رراؤ کے دور اقتدار میں انھیں خریدنے کی کوشش کی گئی تھی اور حال ہی میں علماء ومشائخ بورڈ کی طرف سے بھی ان سے رابطہ قائم کیا گیا تھا مگر وہ اس کانفرنس میں شرکت کے لئے تیار نہیں ہوئے۔ انھوں نے کانفرنس پر ہونے والے کروڑوں کے خرچ پر بھی سوال اٹھایا ہے کہ یہ کہاں سے آرہا ہے؟ وہ کانفرنس کے مقاصد پر شکوک وشبہات کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ''سیاسی پارٹیاں جس کو قریب کر کے اس سے کچھ کام لینا چاہتی ہیں، اس کے مزاج ومعیار کو سامنے رکھ کر ہی کوئی بات کرتی اور تجویز پیش کرتی ہیں۔ مقدس شخصیات کے لئے کوئی تقدس نما عنوان تیار کرتی ہیں اور پھر انھیں اپنے دام فریب کا شکار بناتی ہیں۔ جسے فریب خوردہ لوگوں کو سمجھنے میں کافی دیر ہو جاتی ہے۔ اور آنکھ تب کھلتی ہے جب کسی دلدل میں پھنس چکے ہوتے ہیں۔'' مولانا یٰسین اختر مصباحی کا ایک مضمون بہ عنوان ''تصوف وصوفیا کا سیاسی استعمال نا قابل قبول'' شائع ہوا ہے جس میں انھوں نے آرایس ایس کے بارے میں مختلف حوالوں سے ثابت کیا ہے کہ وہ کس قدر خطرناک تنظیم ہے اور وہ کسی بھی طرح مسلمانوں کی خیر خواہ نہیں ہو سکتی۔ ان مضامین کی اشاعت کے بعد ان مولویوں کو بھی عقل آجانی چاہئے جو آرایس ایس کو دیش بھکت تنظیم قرار دے رہے ہیں اور اس کے ساتھ ہاتھ ملا کر وہابیوں سے لڑنے کی بات کر رہے ہیں۔

اقتدار کے لئے تصوّف کو ''جنس بازار'' نہ بنایا جائے

شاندار انٹرنیشنل صوفی کانفرنس پر کتنا خرچ کیا جائے گا؟ یہ اخراجات کہاں سے آرہے ہیں؟ کون اسپانسر کر رہا ہے؟ اس میں کالا دھن استعمال کیا جارہا ہے یا سفید؟ ان سوالوں سے قطع نظر یہ بات اہم ہے کہ اس پر جس قدر خرچ کیا جارہا ہے، اس میں ایک ایسی یونیورسٹی کا قیام عمل میں آسکتا ہے جس میں تصوف پر تحقیق کا کام لگاتار ہو سکے یا مختلف زبانوں میں ایسے کئی ٹی وی چینل لانچ کئے جاسکتے ہیں جو نظریاتِ تصوف کی اشاعت پر کام کرسکیں مگر کسی یونیورسٹی کے قیام یا تصوف کی اشاعت سے سیاسی عزائم پورے نہیں ہو سکتے۔ تصوف ہمیشہ سے اقتدار کا مخالف رہا ہے مگر آج ایسا لگتا ہے کہ اسی کو حصولِ اقتدار کا ذریعہ بنایا جارہا ہے۔ روحانیت اور مادہ پرستی میں ہمیشہ ٹکراؤ رہا ہے مگر آج اسی کو ''جنس بازار'' بنایا جارہا ہے۔ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ (کچھوچھہ شریف) نے روحانیت کے لئے سمنان (ایران) کا تخت وتاج چھوڑ دیا تھا اور گدڑی پہن کر نکل پڑے تھے مگر آج انھیں کے بعض نام لیوا معمولی مادی فائدے کے لئے روحانیت ومعرفت کو اہل اقتدار کے ہاتھوں بیچنے پر تلے ہوئے ہیں۔ ممکن ہے وہ اس کی قیمت پر کچھ حاصل بھی کرلیں مگر وہ مخدوم علیہ الرحمہ کی روح کو ناراض کر دینگے اور عام مسلمانوں کا اس سے جو نقصان ہوگا سو الگ ہے۔ جب امام حسین نے ظالم کی بیعت سے انکار کر دیا تھا اگر چہ اس کے لئے انھیں اپنی اور اپنے اہل خاندان کی جان کی قربانی دینی پڑی تھی تو پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی مسلمان، ظالموں اور قاتلوں کی جماعت سے ہاتھ ملائے۔

سنگھ پریوار کی حکمت عملی

آرایس ایس نظریاتی اعتبار سے ایک شدت پسند مسلم مخالف جماعت ہے۔ وہ دیش بھکتی کے راگ الاپتی ہے مگر دنگے کرا کر اس نے ملک کا جو نقصان کیا ہے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ وزیر اعظم نریندر مودی اسی کے پروردہ ہیں اور ان کی امیج بھی ایک سخت گیر ہندتوادی

کی رہی ہے، ایسے میں اگر کسی کو لگتا ہے کہ وہ صرف وہابیوں کے مخالف ہیں اور سنی بریلوی مسلمانوں کے ہمدرد ہیں تو وہ خود فریبی میں مبتلا ہے۔ اصل میں سنگھ پریوار کانٹے سے کانٹا نکالنے کی حکمت علمی اپنائے ہوئے ہے۔ جس طرح خلافت عباسیہ کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لئے منگولوں نے شیعہ۔سنی اختلافات کا فائدہ اٹھایا تھا اور پھر دونوں کو تاراج کیا تھا، اسی طرح آج سنگھ پریوار بھی مسلمانوں کی مسلکی عصبیت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے انھیں سلفی۔صوفی کے نام پر لڑانا چاہتا ہے اور چند ناعاقبت اندیش جانے انجانے میں اس کا آلہ کار بن رہے ہیں۔ مسلمان اگر آج وقت رہتے خبردار نہیں ہوئے اور دشمن کی چال کو نہیں سمجھا تو ناقابل تلافی نقصان اٹھانا پڑے گا کیونکہ

وہ دور بھی دیکھا ہے تاریخ کی نظروں نے
لمحوں نے خطا کی تھی صدیوں نے سزا پائی

(بصیرت فیچرس)

مولوی اشرف میاں کچھوچھوی اور دیگر بریلوی علماء ومشائخ نریندر مودی کے ساتھ صوفی کانفرنس میں







نریندرمودی صاحب کی تقریراُن کے یوٹیوب آفیشل پیج پرجا کر دیکھی جاسکتی ہے ہم نیچے اس کالنک دے رہے ہیں

https//:www.youtube.com/watch?v=4_hvkZE79Ec

بھارت ماتا کی جے کے نعرے بھی لگ رہے ہیں۔

عجیب لطیفہ

نریندرمودی نے اپنے اس بیان میں بطورتعریف مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا حسین احمد مدنی ؒ کی تعریف کی کہ انہوں نے مذہب کی بنیاد پر تقسیم کو رد کر دیا تھا اور ہند کی آزادی میں ان کا بہت بڑا کردار تھا۔مگرکسی بریلوی کو اس کے رد کی ہمت نہ ہوئی ۔ یہ ان کی عجیب منافقت ہے کہ ہندوستان میں بیٹھ کر ہند کی آزادی غلط،مدنی کی تعریفیں اور پاکستان میں بیٹھ کر ہند کی تقسیم کی تعریفیں ۔

معروف بریلوی عالم دین یسین اختر مصباحی اس صوفی کانفرنس سے پہلے بھی کانگریس کے ساتھ آپ کے علماء ومشائخ کے تعلقات کا ذکر چکے ہیں ان کے مضمون کا کچھ حصہ ہم آپ کے سامنے پیش کررہے ہیں :

نئی دہلی......کانگریسی وزیراعظم،مسٹرنرسمہاراؤ کے دَورِحکومت میں 6دسمبر(1992ء)وہ،اَلمناک تاریخ ہے جس میں بابری مسجد کی شہادت کا حادثہ،رونما ہوا۔اوراس کاذِمّہ دار،عام طور پر،سَنگھ پریوار(بھاجپا،وِشو ہندو پَریشد،بَجرنگ دَل وغیرہ)کوسمجھاجاتاہے۔بیشترسیاسی حلقے ،نرسمہاراؤ کی غفلت وکوتاہی،یادرپردہ سازِش،یاخاموش کردارکوبھی اس کاذِمّہ دارمانتے ہیں۔اورمسلمانانِ ہند،بلاتکلّف وتوقّف،ان دونوں(سَنگھ پریوارونرسمہاراؤ)ہی کو شہادتِ بابری مسجد کامُجرم،گردانتے ہیں۔ اِسی لئے اِن دونوں(سَنگھ پریوارونرسمہاراؤ) سے مسلمانوں کی ناراضی،اپنے شباب پرتھی۔جس کاسلسلہ،اب تک جاری ہے۔نرسمہاراؤلابی کو،اِس کی سخت فکر،لاحق ہوئی کہ مسلمانوں کی شدید ناراضی،کانگریسی کشتی کولے ڈوبے گی۔ 1996ء کاپارلیمانی اِلیکشن،اس کے لئے موت وزیست کاسوال تھا۔اور کچھ ایسا ہی ہُوا بھی کہ مسلمانوں نے 1996ء کے پارلیمانی اِلیکشن میں کانگریس کوایسا سبق سکھایاکہ مدتوں،وہ سبق،اسے یاد،رہےگا۔1999ء کی بات ہےکہ دہلی کی ایک ملاقات میں جب مسٹرملائم سنگھ یادو،صدرسماج وادی پارٹی سے،مَیں کچھ مسلم مسائل پرگفتگو کررہاتھا تو دَورانِ گفتگو،انھوں نے ایک موقع پرکچھ جھلاّ کر،کہاکہ:ہم سے ہی ساراحساب،آپ لیں گے؟ کانگریس سے حساب نہیں لیں گے؟ میں نے بَرجستہ اوربلاتکلّف جواب دیاکہ:لےلیاہےاس سےحساب۔جبھی تو سڑک پرگھوم رہی ہے۔اب اس سےاورکیاحساب لیں؟ ملائم سنگھ نے بات کارُخ بدل کر،

دوسری بات،شروع کردی۔

کانگریس کی نرسمہا راوَ لابی نے 1995ء میں پورے ملک کا سَروے کرایا کہ: ہندوستانی مسلمانوں کا کون سا طبقہ،اکثریت میں ہے؟ سَروے کا مقصد،یہ تھا کہ: اس اکثریتی طبقہ کو رام کر کے 1996ء کا پارلیمانی الیکشن کسی طرح،جیت لیا جائے۔سَروے رپورٹ میں بتایا گیا کہ: ملک میں "بریلوی خانقاہی" مسلمانوں کی تعداد،اَسّی (80) فی صد ہے۔بَس پھر کیا تھا،کروڑوں روپے کا بجٹ،مختص ہو گیا کہ اس اکثریتی طبقے کے کےبعض،زیرِ دام آنے والے مذہبی حضرات کی خدمت میں مختلف ناموں اور مختلف طریقوں سے نذرانہ،شکرانہ کی شکل میں کچھ،پیش کرنے اور اپنی بات،آگے بڑھانے کا سلسلہ،شروع کیا جائے۔

رابطہ کی خدمت،انجام دینے کے لئے ایک پہنچے ہوئے مَہاشے جی،منتخب ہوئے کہ بااثر مذہبی حضرات سے رابطہ کر کے انھیں کانگریس کے حق میں رام کریں۔اس رابطہ کا سلسلہ،کہاں سے اور کیسے شروع ہوا؟ اور کیا کیا مَراحل،پیش آئے؟ یہ تو اندرونی بات ہے،جسے متعلقہ افراد ہی جانتے ہوں گے۔لیکن! باضابطہ،مُہم،شروع ہونے سے پہلے،ایک روز ایسا ہوا کہ: لگ بھگ مئی جون 1995ء میں ایک نمائندہ خصوصی،میرے آفس (مٹیا محل،دہلی) میں تشریف لائے۔اور تھوڑی دیر،مسلم مسائل پر گفتگو کرنے کے بعد،انھوں نے ارشاد فرمایا کہ: کسی اطمینان کی جگہ چلتے ہیں تا کہ تفصیل سے کچھ گفتگو ہو سکے۔چنانچہ،وہ مجھے لے کر،پرگتی میدان (نئی دہلی) پہنچے اور وہاں ایک جگہ بیٹھ کر،تمہیدی گفتگو کرنے کے بعد،انھوں نے فرمایا کہ: "اہلِ سنّت کی کوئی مضبوط و متحرک،ہندوستان گیر تنظیم نہیں ہے۔جب کہ دیوبندیوں کی جمعیۃ العلما،پورے ملک میں سرگرم ہے۔مَیں چاہتا ہوں کہ اہلِ سنّت کی ایک ایسی تنظیم بنائی جائے جو جمعیۃ العلما سے بھی بڑی ہو۔یہ کام،آپ کر سکتے ہیں۔اور اِس کے لئے فنڈ کی کوئی کمی نہیں ہوگی۔" اس بڑی پیش کش کے سننے کے ساتھ ہی،میری "چھٹی حِس" بیدار ہو چکی تھی۔میں نے جواباً،عرض کیا کہ: "آپ کا خیال تو اچھا ہے۔لیکن،چند ماہ بعد ہی پارلیمانی الیکشن کی ہماہمی،شروع ہونے والی ہے۔اِس لئے بہتر ہے کہ: ابھی،اِس بات کو یہیں رہنے دیں اور الیکشن،ختم ہونے بعد،کسی روز،مل بیٹھ کر تفصیلی گفتگو کر لیتے ہیں اور ایک لائحہ عمل بنانے کے بعد،کام،شروع کر دیا جائے گا۔" میرا جواب،سن کر،وہ کچھ زیادہ ہی مُرجھائے نظر آئے اور مجلس،برخاست ہو گئی۔

مَہاشے جی کا ایک روز،اچانک میرے پاس،فون آیا اور بغیر کسی سابقہ ملاقات و گفتگو کے،بڑے تپاک سے فلسفیانہ انداز میں سلسلہ کلام،شروع کیا اور ایک گھنٹہ،بیس منٹ تک گفتگو کرتے رہے۔جس میں خاص زور اور اِصرار اِس بات پر تھا کہ: نرسمہا راوَ سے ملاقات کر لیجیے۔اس کے ساتھ ہی بڑے مہذَّب انداز میں (بینَ السُّطور) کچھ خصوصی عنایتوں اور نوازشوں کی بھی پیش کش تھی۔میں نے دوٹوک انداز میں،مَہاشے جی کو جواب دیا کہ: "بابری مسجد کی شہادت میں کہیں نہ کہیں اور کسی نہ کسی طرح سے،نرسمہا راوَ کا بھی ہاتھ ہے۔اِس لئے مَیں،راوَ سے ملاقات نہیں کر سکتا۔" انھیں ایام (1995ء) میں ایک صاحب،جو ملّی مسائل میں برسوں سے دہلی میں سرگرم تھے،اردو صحافی بھی ہیں،وہ،میرے پاس (مٹیا محل،دہلی) آئے اور دیر تک مجھ سے گفتگو کرتے رہے۔انھیں بھی میں نے ٹکا سا جواب دیا۔جس کے بعد وہ،مایوس و نامراد،واپس لوٹے۔صحافی مذکور،آج کل بھی ذاکر نگر (جامعہ نگر،نئی دہلی 25) میں چلتے پھرتے اور ٹہلتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ابھی،اِسی مارچ (2016) کے آغاز میں وہ،اچانک ایک روز مجھ سے ملے اور 1995ء کی اپنی کوشش اور ناکامی کا ذکر کرتے ہوئے کہنے لگے کہ: "آپ کسی طرح،قابو میں نہ آسکے۔ورنہ آپ کے لئے معاملہ،بہت لمبا تھا۔" عجز و نیاز کے ساتھ،بارگاہِ الٰہی میں سجدہ شکر ادا کرتا ہوں کہ: اُس نے اپنے ایک بندہ ناتواں کو ایک بہت سنگین امتحان میں کامیاب و بامُراد بنایا۔اور: ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جُنبش

میں جسے غرور ہو، آئے، مجھے شکار کرے دو ڈھائی ماہ پہلے "عُلما و مشائخ بورڈ" کے ایک نمائندہ خصوصی، میرے پاس (دارُالقلم، دہلی) آئے اور انھوں نے انٹرنیشنل صوفی کانفرنس وسیمینار، بِالخُصوص سیمینار کے تعلق سے گفتگو کی۔ سب کچھ سننے کے بعد، میں نے صاف الفاظ میں اپنی شرکت سے انکار کر دیا۔ جب کہ اُس وقت اِس صوفی کانفرنس وسیمینار کے تعلق سے کوئی چرچا تھا، نہ ہی لوگوں کو اس کے بارے میں کچھ علم تھا۔ خود، مجھے بھی پروفیسر، طاہر القادری اور شری، نریندر مودی کی شرکت کا کچھ علم، نہ تھا۔ نمائندہ خصوصی کی طرف سے عدم شرکت کی وجہ پوچھے جانے پر میں نے جواب دیا کہ: "دہلی کے تیس (30) سالہ سیاسی وصحافتی تجربات ومشاہدات کی روشنی میں یہ رائے، قائم کی ہے، اور یہ فیصلہ مَیں نے کیا ہے۔" بعد کی ایک گفتگو میں اسی نمائندہ خصوصی نے کہا کہ بورڈ کے صدرِ محترم، آپ سے ملاقات کے لئے دارُالقلم، آنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کہ: وہ میرے پاس تشریف لائیں۔ یا مَیں، ان کے پاس جا کر ملاقات کروں۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے۔ مگر، اِس وقت، اِس موضوع پر کوئی ملاقات وگفتگو، مناسب نہیں۔ یہ جواب میں نے اِس لئے دیا کہ: اپنے فیصلہ اور موقف سے کسی قیمت پر، مَیں دست بردار نہیں ہوسکتا تھا اور وہ، اپنی منزل کی طرف، اتنے آگے بڑھ چکے تھے کہ قدم، پیچھے نہیں ہٹا سکتے تھے۔ ایسی صورت میں اِس موضوع پر کوئی ملاقات وگفتگو، نہ صرف، یہ کہ بے سود رہتی، بلکہ خطرہ، اِس بات کا تھا کہ: گفتگو کے کسی مَرحلے میں کسی طرف سے کوئی تلخی اور پھر، بدمزگی، نہ پیدا ہو جائے۔ اور کسی کے تعلق سے کوئی نازیبا تبصرہ، کسی کی زبان سے نہ نکل جائے۔

(تصوف اور سیاست، ص،۱۹ تا ۲۱، لمرا فاونڈیشن نئی دہلی)

آج بھی کانگریسیوں کے ساتھ بریلوی علماء کے یارانے

مولانا انیس عالم سیوانی اپنے مولویوں کی کانگریس کے ساتھ یاری کا ذکر یوں کرتے ہیں:

''بتاریخ ۱۵ اکتوبر ۲۰۱۱ علامہ فضل حق خیر آبادی انٹرنیشنل کانفرنس بمقام کنونشن سینٹر میڈیکل کالج چوک لکھنو۔

زیر اہتمام فضل حق اکیڈمی، مینائی ایجوکیشنل سوسائٹی لکھنو، صدر جلسہ وگ وجے سنگھ۔

مہمان خصوصی۔۔۔جناب جگدیش چندرا۔۔۔

مہمانان اعزازی۔سری پرکاش جیسوال، چودھری اجیت سنگھ، بینی پرساد ورما،۔۔۔مولانا ادریس بستوی، مولانا یسین اختر مصباحی، مولانا اسید الحق، مولانا خوشتر نورانی۔

(راشٹریہ سہارا اردو لکھنو ۱۳ اکتوبر ۲۰۱۱)

نوٹ: اندازہ لگائیے! کانفرنس علامہ فضل حق خیر آبادی کے نام سے ہو رہی تھی وہابی شیعہ کو تو جانے دیجئے اس میں جتنے نام ہیں ان میں سے اکثر غیر مسلم کانگریسی نیتا ہیں''۔

(آئینہ صلح کلیت، ص ۵۶، بزم رضائے خواجہ بمبئی)

مزید لکھتے ہیں:

''اس کانفرنس کے تمام روح رواں کانگریسی لیڈران تھے۔۔۔مولانا مصباحی جیسے لوگوں نے کانگریس کیلئے یو پی میں ماحول سازی کی غرض سے یہ پروگرام کیا تھا''۔

(آئینہ صلح کلیت ص ۹۴)

صاحبزادہ فضل کریم فیصل آبادی کا کانگریسی مولویوں سے اتحاد

مولوی ابوداود صادق صاحب اپنے مرشد کے جانشین کو کانگریسی مولویوں سے اتحاد کرنے پر یوں تنبیہ کرتے ہیں:

''صاحبزادہ صاحب موصوف کو بھی عرض کریں گے کہ ناجنسوں اور بدعقیدہ کانگریسی مولویوں اور لیڈروں سے غیر فطری اتحاد پہلے بھی بدمذہبوں کیلئے مفید اور سنی بریلوی مسلک جماعت اہلسنت کیلئے منحوس ثابت ہوا''۔

(رضائے مصطفی، ص ۱، جولائی ۱۹۸۸)

انہی فضل کریم صاحب کے القابات بھی ذرا ملاحظہ فرمالیں:

''مجاہد ملت ۔۔۔ سفیر جہاد و نشان جسارت ۔۔ علم بردار توحید ۔۔ ناموس محمد کا نگہبان ۔۔ اس حق آگاہ''۔

(رضائے مصطفی، ص ۲۶، ۲۷، جون ۲۰۱۳)

جب موصوف ''حق آگاہ'' تھے تو یقینا کانگریسی مولویوں سے انہوں نے اتحاد حق سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔ اب ہم امید کرتے ہیں کہ معترض صاحب اپنے ان تمام ''ہندونواز کانگریسی مولویوں'' کے خلاف جلد سے جلد کوئی بھاری بھرکم فتوی جاری کریں گے۔

بریلوی سارے کانگریسی ہیں

حشمت علی رضوی نے ایک کتاب ''ستر باادب سوالات'' لکھی جو راقم کے پاس موجود ہے۔ اس کے ابتداء ہی میں موصوف اپنے صدر الافاضل نعیم الدین مرادآبادی سے گلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اب تک حضرت والا نے ان کا کچھ بھی جواب نہیں عطا فرمایا اور اس سے بھی زائد افسوس یہ ہے کہ جناب اشتیاق احمد صاحب بریلوی و جناب مولوی نذیر الاکرم صاحب نعیمی مرادآبادی و مولوی غلام معین الدین صاحب مخدوم میاں نعیمی مرادآبادی و جناب مولوی حامد حسین صاحب نعیمی خطیب بھوجپور ضلع مرادآباد و جناب صوفی صابر اللہ شاہ صاحب اشرفی مرادآبادی اور جناب ایڈیٹر صاحب اخبار دبدبہ سکندری رامپور وغیرہم حامیانِ آل انڈیا سنی کانفرنس نے ان بیچارے سنی مسلمانوں مستفتیوں کو سب وشتم و افتراء و بہتان و تہمت و تکفیر و تضلیل وغیرھا کثیر انعامات سے نوازا ہے ان غربائے اہلسنت کو کانگریسی کانگریس کا اجیر کانگریس کا وفادار خدمتگار دشمنان دین وملت باغیان اسلام وسنیت اور ہندوؤں کا دوست مسلمانوں کا دشمن حتی کہ اسلام کش بھی کہہ ڈالا''۔

(ستر باادب سوالات، ص ۲، کتب خانہ اہل سنت پیلی بھیت)

معلوم ہوا کہ اول تو بریلوی مولوی گالم گلوچ کرنے والے الزامات افترات گھڑنے والے ہیں بے جا تکفیر و تضلیل کرنے والے ہیں اس لئے علمائے دیوبند نے کبھی بھی ان افترا پرداز تکفیری دشامی بریلوی اکابر کے الزامات و افترات کو سنجیدہ نہیں لیا۔ ثانیاً نعیم الدین مرادآبادی اور اس کے ٹبر کے نزدیک حشمت علی رضوی اور اس کا ٹبر جسے یہ غربائے اہلسنت کہہ رہا ہے یہ سارے کانگریسی، کانگریس کے تنخواہ دار اور ہندوؤں کے وفادار اور ہندوؤں کے وفادار اور بکاؤ مال ہیں۔ لہذا معترض کو ہم پر الزام تراشی کرنے کے بجائے اپنے ان کانگریسی گماشتوں کا محاسبہ کرنا چاہئے۔

مشایخ وعلماء بریلویہ کانگریس میں شامل اور اس کے حمایتی ہیں

حشمت علی رضوی اپنے صدر الافاضل نعیم الدین مرادآبادی سے سوال کرتا ہے:

''مسلم لیگ یا کانگریس کی تائید اور مطالبۂ پاکستان یا سوراج کی حمایت میں جو کاروائیاں علمائے اہلسنّت ومشائخ اہلسنّت ومسلمانانِ

اہلسنّت کہلانے والے تحریراً وتقریراً کررہے ہیں یہ دینی ہیں یا محض دنیوی، بیّنوا توٴجروا"۔

(ستر باادب سوالات، ص ۴)

معلوم ہوا کہ بریلوی مشائخ وعلما تحریرا وتقریرا کانگریس کی حمایت کررہے تھے۔

کانگریسی مولویوں پر بریلوی فتوے

اب ذرا ان بریلوی کانگریسی مولویوں اور ان کے اتحادیوں پرخود بریلوی فتووں کی ایک جھلک معلوم کرلیں۔ مولوی ضیاء الحامدی نقشبندی مجددی لکھتا ہے:

''کانگریسی علما کی پاکستان دشمنی کو بے نقاب کرنا اور عوام کو ان کے داغ دار ماضی سے آگاہ کرنا از حد ضروری ہے تاکہ عوام کو معلوم ہوجائے کہ قیام پاکستان سے قبل کانگریسی علماء کے پاکستان کے خلاف کیا جذبات تھے اور آج بھی یہ پاکستان دشمن مولوی اپنے سینوں میں کن خطرناک عزائم کو چھپائے ہوئے ہیں''۔

(پاکستان اور کانگریسی علما کا کردار مندرجہ دیوبندیوں سے لاجواب سوالات، ص ۷۸۸)

''حقیقت یہ ہے کہ کانگریسی مولویوں نے ابھی تک پاکستان کو دل سے تسلیم نہیں کیا اور وہ اپنے سابقہ نظریات کی تبلیغ سے باز نہیں آئے''۔

(پاکستان اور کانگریسی علما کا کردار مندرجہ دیوبندیوں سے لاجواب سوالات، ص ۷۹۵)

پتہ چلا کہ یہ کانگریسی بریلوی مولوی آج بھی پاکستان کے دشمن ہیں اور پاکستان کیلئے دلوں میں بغض وکینہ بھرے ہوئے ہیں۔

کانگریس سے اتحاد پر تکلیف کیوں؟

کانگریس سے علمائے دیوبند کے اس اتحاد پر بریلوی حضرات کو یہ تکلیف اس لئے ہے کہ خود بریلویوں نے یہ اقرار کیا کہ:

''صرف ایک سیاسی پارٹی کانگریس انگریزوں سے ہندوستان کو آزاد کرنے کیلئے قائم کی گئی''۔

(رضائے مصطفی، ص ۷، ۱ اگست ۲۰۱۰)

ظاہر ہے کہ علمائے دیوبند کے اتحاد کے بعد یہ ایک عظیم قوت بن جاتی جس کا مقابلہ کرنا انگریز کے بس کی بات نہ تھا اس لئے بریلوی حضرات کے پیٹ میں اس اتحاد کے خلاف مروڑ اٹھ گئے۔

ہندو مسلم اتحاد پر سیال شریف والوں کا تاریخی فتویٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین متین اس مسئلے میں کہ حالات حاضرہ کا لحاظ کرتے ہوئے مسلمانانِ ہند کو قوم ہنود کے ساتھ معاہدہ صلح اور دشمن قوی کے مقابلہ میں ان سے استعانت اور شراکت عمل کرنا جائز ہے یا نہ بینوا بالتفصیل تو جروا من الملک الجلیل

الجواب ماھو فی السنۃ والکتاب

باسمہ سبحانہ حالات حاضرہ کی رو سے جب کہ عیسائیت اسلام کے ساتھ محارب ہے اور وہ چاہتی ہے کہ اسلام کی شوکت اور طاقت کو (خاک بدہن دشمن) فنا کر دے اور مسلمانانِ ہند بوجہ قوت مادی نہ ہونے کے اپنے اصلی فرض سے قاصر ہیں اور تحریکات مجریہ (ترک موالات) کی کامیابی بجز اس کے متصور نہیں کہ قوم ہنود سے معاہدہ صلح اور شرکت عمل کی جاوے تو ایسی حالت میں شرعاً ہنود کے ساتھ معاہدہ صلح اور شرکت عمل جائز ہے خصوصاً جب کہ قوم ہنود خود معاہدہ اور امداد کے لئے ہاتھ بڑھا رہی ہے خداوند تعالیٰ کا ارشاد ہے وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا یعنی (اے پیغمبر صلعم) اگر کفار صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح پر مائل ہو جاؤ۔ حضور اقدس ﷺ کا طرزِ عمل بھی یہی رہا ہے چنانچہ مدینہ منورہ میں مختلف قبیلوں سے آپ نے معاہدہ صلح کیا یہود مدینہ سے چند شرائط پر صلح کی جن میں ایک شرط یہ تھی کہ یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئے گی تو ایک فریق دوسرے فریق کی مدد کرے گا، قبیلہ جہینہ اور قبیلہ بنی ضمرہ۔ بنی مدلج وغیرہ قبائل سے معاہدہ صلح کیا۔ صلح حدیبیہ کا واقعہ مشہور ہی ہے۔

آیت پاک میں اگرچہ صلح کی مطلقاً اجازت ہے لیکن دوسری آیت اور آیات قتال سے اس کو مقید بالمصلحت کر دیا صاحب فتح القدیر تحریر فرماتے ہیں

والآیۃ وان کانت مطلقۃ لکن اجماع الفقھاء علی تقییدھا برؤیتہ مصلحۃ للمسلمین فی ذلک بآیۃ اخری ھی قولہ تعالیٰ فلا تھنوا وتدعوا الی لسلم الایۃ

ترجمہ: آیت اگرچہ مطلق ہے لیکن فقہا کا اس پر اتفاق ہو چکا ہے کہ یہ آیت دوسری آیت فلا تھنوا کے ساتھ مقید بالمصلحۃ ہے۔

فاما اذالم یکن فی الموادعۃ مصلحۃ فلا تجوز بالاجماع انتھی۔

لیکن اگر مصلحت نہ ہو تو پھر صلح بالاتفاق جائز نہیں۔

الغرض حضور کے طرز عمل اور آیت بالا سے صاف ظاہر ہے اگر مسلمین کو ضرورت داعی ہو اور مصلحت صلح ہی میں ہو تو کفار کے ساتھ معاہدہ صلح جائز ہے، فقہا کی یہی بے شمار تصریحات اس پر موجود ہیں ہدایہ میں ہے۔

واذا رای الامام ان یصالح اھل الحرب او فریقاً منھم وکان ذلک مصلحۃ للمسلمین فلا باس بہ لقولہ تعالیٰ وان جنحوا للسلم فاجنح لھا وتوکل علی اللہ ووادع رسول اللہ ﷺ اھل مکہ عام الحدیبیۃ

على ان يضع الحرب بينه و بينهم عشر سنين انتهى
ترجمہ: اگر امام اہل حرب یا اس کے کسی فرقہ سے صلح کرنا چاہیں اور اس میں مسلمانوں کی بہبودی ہو تو صلح کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ خداوندی ارشاد وان جنحوا للسلم الایہ اسی طرح حضور نے بھی اہل مکہ سے حدیبیہ کے سال اس بات پر صلح کی تھی کہ دس سال تک ہماری آپس میں جنگ نہ ہو۔

عالمگیریہ میں ہے:

اذا رأى الامام ان يصالح اهل الحرب ان فريقاً منهم و كان ذلك مصلحة للمسلمين فلا باس به انتهى
ترجمہ: اگر امام اہل حرب سے یا ان کے کسی فرقہ سے صلح کرنا چاہے اور اس میں مسلمانوں کی بہبودی ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

اور اسی کتاب میں آگے چل کر ہے:

ولو وادعهم فريق من المسلمين بغير اذن الامام فالموادعة جائزة على جماعة المسلمين، انتهى
ترجمہ: اگر امام کی اجازت کے بغیر کوئی فرقہ مسلمانوں کا کفار سے صلح کرے تو یہ صلح تمام مسلمانوں پر جائز ہوگی۔

اس عبارت نے واضح کر دیا کہ امام کی اجازت کے بغیر بھی صلح کر لینا جائز ہے۔ جیسا کہ صورت مندرجہ سوال میں ہے۔

اور قدوری کے قول پر (اذا رأى الامام ان يصالح اهل الحرب او فريقا منهم و كان ذلك مصلحة للمسلمين فلا باس به) کے تحت میں صاحب جوہرہ لکھتے ہیں:

فان الموادمة جهاد اذا كانت خير ا للمسلمين لان المقصود هو رفع الشر حاصل به وقد وادع النبى ﷺ اهل مكة عام الحديبية انتهى
ترجمہ: کیونکہ صلح بھی ایک قسم کا جہاد ہے۔ جب کہ اس میں مسلمانوں کی بہبودی ہو کیونکہ جہاد کا مقصد شر کو دور کرنا ہے۔ اور وہ اس صلح میں حاصل ہے دوسرا یہ کہ حضور اقدس ﷺ نے خود اہل مکہ کے ساتھ صلح کی تھی۔

شمس الائمہ سرخسی مبسوط میں تحریر کرتے ہیں:

واذا طلب قوم من اهل الحرب الموادعة سنين بغير شى ء نظر الامام فى ذلك فان راه خيراً للمسلمين لشدة شو كتهم اولغير ذلك فعله لقوله تعالىٰ وان جنحوا للسلم فاجنح لها ولان رسول الله ﷺ صالح اهل مكة عام الحديبية على ان وضع الحرب بينه وبينهم عشر سنين الى آخره
ترجمہ: جب کوئی قوم اہل حرب کی طالب صلح ہو تو امام اس میں غور کرے اگر کفار کی شوکت زیادہ ہے یا کوئی اور امر ایسا ہے۔ جس کی وجہ سے صلح کرنا ہی مسلمانوں کے لئے بہتر ہے تو بموجب فرمان ایزدی وان جنحوا للسلم فاجنح لها کے صلح کرے اور اس لئے بھی کہ حضور نے خود اہل مکہ سے حدیبیہ کے سال اس بات پر صلح کی کہ دس سال تک آپس میں جنگ نہ ہوگی۔

اور درمختار میں ہے:

ويجوز الصلح على ترك الجهاد معهم بمال منهم او منالوخيراً لقوله تعالىٰ وان جنحوا للسلم

فاجنح لھا انتھی

ترجمہ:اور کافروں کے ساتھ ترک جہاد پر صلح کر لینا جائز ہے خواہ ان سے کچھ مال لے کر یا ان کو کچھ دے کر اگر یہ صلح مفید ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:وان جنحوا للسلم فاجنح لھا الایۃ

اور شامی میں ہے:

قوله منا ای مال نعطیه ایاهم ان خاف الامام الهلاك علی نفسه والمسلمین بای طریق کان۔

قوله لقوله تعالیٰ وان جنحوا للسلم ای مالوا قال فی المصباح السلم بالکسر والفتح الصلح یذکر ویؤنث والایة مقیدة برؤیة المصلحة اجماعاً لقوله تعالیٰ فلا تهنوا وتدعوا الی السلم وانتم الاعلون افاده فی الفتح انتهی

ترجمہ:یعنی ہم ان کو مال دے کر صلح کریں اگر امام اپنے نفس یا مسلمانوں کی ہلاکت کا خوف کرے جس وجہ سے ہو۔

خلاصہ ترجمہ اس عبارت کا یہ ہے کہ یہ آیت یعنی وان جنحوا للسلم صلح میں مصلحت کے دیکھنے کے ساتھ مقید ہے۔اجماعاً کیونکہ اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے۔فلا تهنوا وتدعوا الی السلم الایة جیسا کہ فتح القدیر میں اس کی تفصیل مذکور ہے۔

فقہاء کی ان تصریحات سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ آیۃ وان جنحوا للسلم منسوخ نہیں۔جیسا کہ بعض مفسرین کا زعم ہے ورنہ اتنے بڑے اجلہ فقہا اس آیت کو استدلال میں نہ لاتے۔

چونکہ بعض حضرات اس وقت بھی اس کے مدعی ہیں کہ ہنود سے عقد صلح مطلقاً ناجائز ہے اور حضور کا طرز عمل اور آیات دالہ علی الصلح سب آیتہ براءۃ کے ساتھ منسوخ ہیں اس لئے مزید اطمینان کے لئے چند اور سندیں پیش کیجاتی ہیں جن سے واضح ہوگا کہ نسخ کا قول قابل اعتماد نہیں آیت وان جنحوا کے تحت میں صاحب جمل قول نسخ کی تشریح کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:

وهذا کله مبنی علی ان المراد بالصلح هو عقد الجزیة اما اذا ارید به غیره من العقود التی تفیدهم الامن وهی البدنة والامان فلا نسخ مطلقاً اذ یصح عقدها بکل کافر حاشیه جمل بر جلالین۔

یعنی نسخ کا جھگڑا سب اس پر مبنی ہے کہ سلم سے عقد جزیہ مراد لی جائے لیکن اگر دوسری عقود صلح وامن مراد ہوں تو نسخ ہر گز نہیں۔کیونکہ ہر کافر کے ساتھ عقد صلح وامن جائز ہے۔

اور ابن عربی اندلسی،مالکی اپنی کتاب احکام القرآن میں آیتہ وان جنحوا للسلم کے حق میں لکھتے ہیں۔

اما قول من قال انها منسوخة فدعوی فان شرط النسخ معْدُومَةٌ كَمَا بَيَّنَّا فی موضعه

یعنی جس شخص نے یہ کہا کہ آیۃ وان جنحوا للسم منسوخ ہے یہ محض دعوی ہی دعوی ہے کیونکہ شرط نسخ اس میں نہیں پائی گئی۔جیسا کہ ہم نے تفصیل پہلے کر دی۔

اور آگے لکھتے ہیں:

وإن كَانَ لِلمُسلِمِينَ مَصلَحَةٌ فی الصُّلح لِانتِفَاعٍ يُجْلَبُ بِهٖ اَوضَرَرٍ يَندَفِعُ بِسَبَبِهٖ فَلَا بَاسَ اَن يَبتدِئَ الْمُسلِمُونَ بِهٖ إذا احْتَاجُوا اِلَيهِ وَان تجيبُوا اِذا دُعُوا اِليهِ قَد صالحُ النَّبِيُّ ﷺ اَهلَ خَيبَرَ عَلی شُرُوطٍ نَقَضُوْهَا

فَنَقَضَ صُلحَهمْ قَد وَادَعَ الضَّمرِيّ وَقد صَالَحَ اُكَيدرَ دَوْمَةَ وَاهلَ نَجْرَانَ وَقَد هَادَنَ قُرَيشًا لعَشَرةِ اَعْوَامٍ حَتّٰى نَقَضُوا عَهْدهُم وَمَا زَالَتِ الْخُلفَاءُ وَالصَّحابَةُ عَلٰى هٰذِهِ السَّبِيْلِ الَّتِيْ شَرَحْنَاهَا سالِكَةً وَبالوُجُوهِ الَّتِيْ شَرَحْنَاهَا عَامِلَةً. انتهى

یعنی اگر مسلمانوں کی صلح میں بہتری ہو۔ اس طرح سے کہ صلح سے کوئی نفع حاصل ہو یا کہ ضرر دور ہو تو مضائقہ نہیں کہ مسلمان ہی صلح کرنے کی ابتدا کریں۔ اگر ضرورت ہو یا ان کی دعوت صلح کو قبول کرلیں حضور ﷺ نے اہل خیبر سے چند شروط پر صلح کی تھی جس پر وہ قائم نہ رہے اور صلح باقی نہ رہی، اسی طرح خمری واکیدر دومہ واہل نجران سے صلح کی اور قریش مکہ سے دس سال پر صلح کی جس پر قریش قائم نہ رہے اور خلفاء وصحابہ کا بھی عملدرآمد ہمیشہ اسی پر رہا۔

تعجب ہے کہ خلفاء راشدین اور صحابہ کرام کو نسخ کا علم نہ ہوا لیکن چودھویں صدی کے علماء نسخ کی رٹ لگائے جاتے ہیں۔ علامہ عینی شرح صحیح بخاری میں آیۃ وان جنحوا للسلم کے متعلق آیۃ براۃ کے ساتھ نسخ کا قول نقل کرنے کے بعد تحریر کرتے ہیں:

قَالَ اِبْنُ كَثِيْرٍ فِي تَفْسِيرِهٖ فِيْهِ نَظْرٌ اَيضًا لَانَ فِي اٰيَةَ الْبَرَاءَةِ الْاَمْرُ بِقِتَالِهِم اِذَا اَمْكَنَ ذٰلِكَ فَامَّا اِذَا كَانَ الْعَدُوُّ كَثِيْفًا فَاِنَّه تُجورُ مَهَادَنَتُهُم كَمَا دَلَّتْ عَلَيهِ هٰذِهِ الاٰيَةُ الْكَرِيمَةُ وَكَمَا فَعَلَ النَّبِيُّ ﷺ يَوْمَ الحديبية فلا منافاة ولا نسخ ولا تخصيص۔

یعنی ابن کثیر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ قول بالنسخ میں نظر ہے کیونکہ آیۃ براءۃ میں قتال کا حکم اس وقت ہے جب مسلمانوں کو قتال کی قدرت ہو لیکن اگر دشمن غالب ہو تو ان کے ساتھ صلح جائز ہے جیسا کہ آیت وان جنحوا اور حضور ﷺ کا فعل صلح حدیبیہ اسی پر دال ہے، پس نہ تو کوئی ان میں منافاۃ ہے نہ نسخ نہ تخصیص۔

دوسری جگہ علامہ مذکور لکھتے ہیں:

وقال النَّحاسُ مَنْ قَالَ لَم يُعَاهِدِ النَّبِيُّ ﷺ بَعدَ هٰذِهِ الاٰيَتِ غَيرُ صَحِيحٍ والصَّحِيْحُ اَنَّهٗ قَد عَاهَدَ بَعْدَ هٰذِهِ الاٰيَتِ جَمَاعَةً مِنْهمْ اَهلَ نَجْرَانَ قَالَ الْوَاقِدِيُّ عَاهَدَهُمْ وَكَتَبَ لَهُم سَنَةَ عَشَرٍ قَبْلَ وَفَاتِهٖ بِيَسِيْرٍ

یعنی نحاس جو زبردست محدث اور ابوداؤد ونسائی ابن ماجہ بخاری ویحییٰ بن معین وغیرہم ودیگر اکابر محدثین کے شیخ ہیں جس کی نسبت یحییٰ بن معین لکھتے ہیں ثِقَةٌ مِنْ اَحفَظِ النَّاسِ الحَدِيْثِ حمزہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے یہ کہا کہ آیت براءۃ کے بعد حضور اقدس ﷺ نے کسی سے معاہدہ نہیں کیا اس کا قول صحیح نہیں، صحیح یہ ہے کہ حضور اقدس نے اس آیت کے بعد ایک جماعت سے صلح کی جن میں سے اہل نجران بھی ہیں، واقدی نے کہا کہ حضور اقدس نے اہل نجران کے ساتھ معاہدہ کیا۔ اور لکھ دیا سنہ دس ہجری میں وفات سے پہلے تھوڑا سا۔

مذکورہ بالا تحقیق سے یہ تو صاف طور پر ثابت ہوگیا کہ مسلمانوں کو بوقت ضرورت شدیدہ کفار سے مصالحت کرلینا جس میں مسلمانوں کی منفعت ہو جائز ومشروع ہے بناءً علیہ چونکہ زمانہ حال میں اہل اسلام وخلیفۃ المسلمین نہایت ابتلاء اور تکلیف میں ہیں اور مسلمانان ہند بوجہ کم استطاعت اور نہتے ہونے کے فریق محارب اسلام کے مقابلہ سے عاجز ہیں اور ہنود جن کی تعداد بہ نسبت مسلمانان ہند کے سہ گونہ سے بھی زیادہ ہے اور ان کے ساتھ اتفاق کرنے سے البتہ فریق محارب پر اسلام کا رعب یا وقعت بڑھ جانے کی قوی امید ہے لہٰذا اس وقت ہنود سے اتحاد

اور اتفاق کرنا عین مصلحت ومنفعت اسلام ہے، ایسے آڑے وقت میں اگر ہنود سے مخالفت ومنافرت برتی جائے تو آپ کا یہ مطلب ہوگا کہ ایک محارب کے مقابلہ کی تاب نہیں اور دوسرا محارب پیدا کرلیا جائے۔

جیسا کہ غیر مسلموں کے ساتھ بوقت ضرورت مصالحت جائز ہے، اسی طرح ضرورت کے وقت ان سے مدد لینا اور ان کو شریک عمل کرنا بھی جائز ہے چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے جنگ ہوازن میں صفوان بن امیہ سے جو اس وقت غیر مسلم تھے سو زرہ عاریۃً لی اور اسی جنگ میں صفوان خود بھی شریک جنگ ہوئے، عینی شرح بخاری میں ہے۔

وَقَدِ اسْتَعَانَ ﷺ بِصَفْوَانَ بنِ اُمَیَّۃَ فِی ھَوَازِنَ وَاسْتَعَارَ مِنْہُ مِائَۃَ دِرْعٍ بِاَدَاتِھَا وَخَرَجَ مَعَہٗ صَفْوَانُ

حضور اقدس ﷺ نے صفوان سے جنگ ہوازن میں مدد لی اور سو زرہ مع ساز وسامان ان سے مستعار لی اور صفوان (خود بھی) حضور کے ساتھ جنگ میں نکلا۔

علامہ نووی حدیث فَلَنْ اَسْتَعِیْنُ بِمُشْرِكٍ کے تحت میں لکھتے ہیں:

وَقَالَ الشَّافِعِی۔ وَاٰخَرُوْنَ اِنَ الْکَافِرُ حسَنَ الرَّاءِی فِی الْمُسْلِمِینَ وَدَعَتِ الْحَاجَۃُ اِلی الاِسْتِعَانَتِہٖ بِہٖ اُسْتَعِیْنَ وَاِلَّا فَیُکْرَہُ وَحَمَلَ الْحَدِیْثَیْنِ عَلیٰ ھٰذَیْنِ الْحَالَیْنِ

امام شافعی اور اس کے سوا اور دیگر حضرات نے یہ کہا ہے کہ اگر کوئی کافر صاحب رائے اور مدبر ہو اور مسلمانوں کو اس سے امداد لینے کی حاجت ہو تو امداد لی جاوے ورنہ (یعنی اگر حاجت نہ ہو) تو مکروہ ہے۔ دونوں حدیثوں کا (فلن استعین استعانۃ بصفوان محل ضرورت وعدم ضرورت قرار دیا ہے۔

حضور اقدس نے بنی حمزہ سے جو معاہدہ کیا ہے اس کے الفاظ درج ذیل ہیں:

معاہدہ قبیلہ بنو ضمرہ

ھٰذَا کِتَابٌ مِن مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللہِ لِبَنِی ضَمْرَۃَ اَنَّھُمْ اٰمِنُوا عَلیٰ اَمْوَالِھِم وَاَنفُسِھِم وَاَنَّ لَھُم النَّصْرُ عَلَی مَن رَامَھُمْ اِلَّا اَنْ یُّحَارِبُوا فِیْ دِینِ اللہِ وَاَنَّ النَّبِیَّ اِذَا دَعَاھُمْ لِنَصْرِہٖ اَجَابُوْا الخ (روض الانف و زرقانی جلد۱، ص۲۴۷)

یہ محمد رسول اللہ ﷺ کی تحریر ہے، بنو ضمرہ کے لئے ان لوگوں کا جان و مال محفوظ رہے گا۔ اور جو شخص ان پر حملہ کرے گا اس کے مقابلہ میں ان کی مدد کی جاوے گی۔ بجز اس صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ میں لڑیں۔ اور پیغمبر جب ان کو مدد کے لئے بلائیں گے تو مدد کو آئیں گے۔

حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں جنگ بویب جو رمضان ۱۴ھ میں واقع ہوئی ہے۔ عیسائی قومیں بھی مسلمانوں کے ساتھ شریک کارزار تھیں۔ جن کو علامہ شبلی نے الفاروق میں تفصیل سے لکھا ہے اور سوانح عمری حضرت اقدس ﷺ سے اسی واقعہ کو لکھ کر طبری کا حوالہ دیا ہے۔ الفاروق کے چند جملے یہ ہیں۔ یہ جوش یہاں تک پھیلا کہ نمر وتغلب کے سرداروں نے جو مذہباً عیسائی تھے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آج عرب وعجم کا مقابلہ ہے۔ اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں۔ ان دونوں سرداروں کے ساتھ ان کے قبیلہ کے ہزاروں آدمی تھے اور عجم کے مقابلہ کے جوش میں لبریز تھے الخ

آگے لکھتے ہیں۔مثنیٰ نے قوم کو للکارا گھبراؤ نہیں یہ نامردانہ فعل ہے۔عیسائی سرداروں کو جو ساتھ تھے بلا کر کہا کہ اگر چہ تم عیسائی ہو لیکن ہم قوم ہو آج قوم کا معاملہ ہے میں مہران پر حملہ کرتا ہوں۔تم ساتھ رہنا۔انہوں نے لبیک کہی مثنیٰ نے ان سرداروں کو دونوں بازوؤں پر لے کر دھاوا کیا الخ۔

اس کے بعد لکھتے ہیں دیر تک بڑے گھمسان کی لڑائی رہی۔انس ابن ہلال جو عیسائی سردار تھا۔اور بڑی جان بازی سے لڑ رہا تھا زخم کھا کر گرا۔مثنیٰ نے خود گھوڑے سے اتر کر اس کو گود میں لیا۔اور اپنے بھائی مسعود کے برابر لٹا دیا۔ان واقعات سے صاف ظاہر ہے کہ ضرورت کے وقت غیر مسلموں سے امداد لی جاسکتی ہے۔اور ان کو شریک عمل کیا جاسکتا ہے بناءً علیہ قوم ہنود سے جو اس وقت مسلمانوں کے محارب نہیں،صلح کرنا اور ان کو شریک عمل کرنا شرعاً جائز ہے۔البتہ یہ ضرور ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ ایسے تعلقات یا ایسی شراکت عمل جس میں مذہب اسلام کو ضرور پہونچے۔اور کفار کے مذہب کی تائید ہو کسی حال میں جائز نہیں۔چنانچہ اس وقت گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ تجارتی تعلقات یا فوجی ملازمت جن کی وجہ سے گورنمنٹ غرہ ہو کر مسلمانوں کو تباہ کر رہی ہے۔یہی وہ تولے ہے جس سے قرآن پاک نے جابجا منع فرمایا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

اس مسئلہ کی تصدیق جناب پیر مہر علیشاہ صاحب گولڑوی کے اس خط سے ہوتی ہے جو جناب حضرت خواجہ محمد ضیاء الدین صاحب سجادہ نشیں دربار سیال شریف کی خدمت میں تحریر کیا گیا ہے۔جناب پیر صاحب کی عبارت یہ ہے" دنیوی معاملت جس میں اسلام پر ضرر نہ ہو، بغیر مرتدین کسی کافر سے مطلقاً بتصریح فقہاء حرام نہیں۔"اس عبارت سے واضح ہے کہ جو معاملات اسلام کو ضرر رساں نہ ہوں وہ کفار کے ساتھ جائز ہیں۔تو وہ معاہدہ جس میں بجائے ضرر کے نفع کی غالب امید ہو کیوں جائز نہ ہوگا۔

محمد حسین عفی عنہ

المجیب

محمد حسین عفی عنہ

مدرس دارالعلوم ضیاء الشمس الاسلام سیال شریف

العبد

حررہ خادم العلماء والفقراء ادنےٰ از خدام حضرت خواجہ پیر

سیال رضی اللہ ساکن شہر مگھیانہ۔غلام حسین بقلم خود

العبد

حررہ المسکین احمد الدین میانوالی

خادم دربار عالیہ سیال شریف بقلم خود

الجواب صحیح

وھذا التحریر تفسیر آیۃ لَا يَنْهٰىكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

فقیر محمد ضیاء الدین سیالوی

الجواب صحیح

حررہ محمد امین ٹکوچی مقیم دربار سیال شریف

الجواب صواب بلا ارتیاب

سعید احمد لکھنوی صدر مدرس و مفتی مدرسہ عربیہ گنبدان پانی پت

و ناظم مدرسہ رفاہ المسلمین لکھنؤ

ہذا ہو الحق فماذا بعد الحق الا الضلال

جمال الدین کوٹھیالوی ضلع گجرات

بیشک موجودہ حالت میں قوم ہنود کے ساتھ مصالحت کرنا اور حدود مذہب کو محکم طریقہ سے محفوظ رکھتے ہوئے ان کے ساتھ اتحاد کرنا اور ان سے مدد لینا درست ہے اور روایات و آثار سے ثابت ہے کما حققہ المجیب العلام

فقط۔واللہ اعلم بالصواب

کتبہ عزیز الرحمن عفی عنہ

مفتی مدرسہ دیوبند ۱۹۔ربیع الاول ۴۰ھ

الجواب صواب

محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح

محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ

(فتویٰ در جواز ہندو مسلم اتحاد، دربار سیال شریف، معتمد مجلس خلافت ضلع شاہ پور سرگودھا)

(اعتراض:۱۵۶): محمود الحسن کی جے قشقے لگائے ارتھی کو کندھا دیا

اس عنوان کے تحت ملفوظات ج۶ص ۷۸،۷۹ کا حوالہ دیا کہ: ''زیادہ دھوکہ عام مسلمانوں کے ان کے لیڈروں کی وجہ سے ہوا یہ ناعاقبت اندیش مسلمانوں کی کشتی کے ناخدا بنے ہوئے ہیں ان کی باگ ان کے ہاتھ میں ہے انہوں نے ہزاروں مسلمانوں کے ایمان کو تباہ کر دیا ہے۔۔۔ جے ہند کے نعرے لگائے، قشقے پیشانی پر لگائے ہندوؤں کی ارتھی کو کندھا دیا، ان کے مذہبی تہواروں کا انتظام مسلمان والینٹروں نے کیا''۔

(ملخصا دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۱۵۴،۱۵۵)

جواب: اس حوالے پر ہم صرف اتنا ہی تبصرہ کر سکتے ہیں کہ اگر کسی جاہل لیڈر نے جاہل مسلمانوں سے ایسا کروایا تو اس میں اکابر علمائے دیوبند کا کیا قصور؟ عجیب کوڑھ مغزی ہے؟ یعنی اگر کوئی جاہل مسلمان کسی ہندو کی ارتھی کو معاذ اللہ کندھا دے تو وہ دیوبندیت کے کھاتے میں

ڈال دو؟ مزارات پر ہونے والی خرافات کو جب ملت بریلویہ پر پیش کیا جاتا ہے تو جواب ملتا ہے یہ سب جاہل مسلمان کر رہے ہیں، تو یہاں یہ اصول کہاں چلے جاتا ہے؟ اگر انصاف و دیانت کا مادہ ہے تو ملفوظات سے دکھاؤ کہ یہ سارے کام اکابر علمائے دیوبند کرتے یا کرواتے، قرین قیاس یہی ہے کہ یہ کام اس تحریک میں شامل بریلوی اکابر کے ہیں کیونکہ جب وہ گاندھی کو "مُذَکِّر" کہہ سکتے ہیں تو یہ کام بھی کر سکتے ہیں۔

(اعتراض:۱۵۷): گاندھی جی کی جے

"حضرت مولانا (محمود الحسن) مالٹا سے تشریف لائے تو بمبئی کی بندرگاہ پر استقبالی گروہ بہت زیادہ تعداد میں تھا حضرت مولانا (محمود الحسن) دیوبندی (رحمۃ اللہ علیہ) اور وہ مولوی صاحب ایک موٹر میں تھے اور بعض مسلمان لیڈر بھی موجود تھے جس وقت حضرت مولانا کا موٹر چلا تو ایک دم اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا، اس کے بعد گاندھی جی کی جے محمود الحسن صاحب کی جے کے نعرے بلند ہوئے"۔

(افاضات الیومیہ، ج ۸، ص ۲۶۶ بحوالہ دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف، ص ۱۵۴)

جواب: موصوف نے اپنی عادت کے بد کے مطابق حوالہ نقل کرنے میں اس قدر بددیانتی اور کتر و بیونت سے کام لیا ہے جسے دیکھ کر یہودی بھی شرما جائیں ہم آپ کے سامنے مکمل ملفوظ پیش کر رہے ہیں جو اس معترض کی دھوکا دہی پر آپ کو لعنت کرتا ہوا ملے گا:

"حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھ لیجئے، فلاں مولوی صاحب راوی ہیں وہ اس وقت وہاں پر موجود تھے اپنے کانوں کی سنی ہوئی اور آنکھوں کی دیکھی ہوئی بات بیان کرتے تھے کہ جس وقت حضرت مولانا مالٹا سے تشریف لائے تو بمبئی کی بندرگاہ پر استقبالی گروہ بہت زیادہ تعداد میں تھا حضرت مولانا دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ اور وہ مولوی صاحب ایک موٹر میں تھے اور بعض مسلمان لیڈر بھی موجود تھے جس وقت حضرت مولانا کا موٹر چلا تو ایک دم اللہ اکبر کا نعرہ بلند ہوا، اس کے بعد گاندھی جی کی جے محمود الحسن صاحب کی جے کے نعرے بلند ہوئے، **حضرت مولانا نے شوکت علی کا دامن پکڑ کر فرمایا یہ کیا؟ اس پر شوکت علی نے کوئی خیال نہیں کیا، تو حضرت مولانا نے دوبارہ سختی کے ساتھ فرمایا کہ اس کو بند کرو۔ اس پر شوکت علی نے عرض کیا کہ حضرت "جے" کے معنی فتح کے ہیں، حضرت مولانا نے فرمایا اگر یہ بات ہے تو رام رام کہا کرو اس لئے کہ رام رام کے معنی اللہ کے ہیں۔ اور حضرت نے فرمایا کچھ بھی ہو شعار کفر ہے۔ اسی طرح حضرت مولانا نے دیوبند اور قرب جوار دیوبند میں اپنے اہتمام سے گائے کی قربانیاں کرائیں۔ حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کے یہ جذبات تھے**"۔

(ملفوظات، ج ۸، ص ۳۱۴، ملفوظ نمبر ۴۲۲)

قارئین کرام! خط کشیدہ عبارت کو ملاحظہ فرمائیں کتنی بڑی ناانصافی کی کہ آگے ہی اس بات کی حضرت نے سختی سے تردید کی اور اس حرکت سے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سخت نکیر کا بھی ذکر ہے مگر اس کو اس آدمی نے نقل نہیں کیا۔ افسوس کہ ایسے بددیانت آدمی کو یہ لوگ اپنے مسلک کا ترجمان سمجھتے ہیں۔ الحمد للہ اس ملفوظ سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ اکابر علمائے اہلسنت کا کانگریس کے ساتھ اشتراک شرعی اصولوں کی بنیاد پر تھا اور جہاں ذرا سی بھی خلاف شریعت کوئی بات دیکھی تو بغیر کسی لومۃ لائم کی اس کی تردید کی، اور الحمد للہ یہی طرہ امتیاز ہر دور میں اکابر علمائے اہلسنت دیوبند کا رہا۔

(اعتراض ۱۵۸:) گائے کا گوشت کھانا ہندوستان میں غیر اسلامی ہے مفتی دیوبند

دارالعلوم دیوبند سے فتوی جاری ہوا کہ ہندو حکومتی پابندی کی وجہ سے گائے ذبح کر کے گوشت کھانا یہاں ہندوستان میں غیر اسلامی ہے۔

(نوائے وقت لاہور ۲۸ اپریل ۲۰۰۸)

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۱۵۸)

جواب: یہ خبر بالکل جعلی ہے ہم کئی بار یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ اخبارات کی خبروں کی تردید خود بریلوی علماء نے کی ہے تو یہ غیر مستند اخباری خبریں ہمارے خلاف کیسے حجت ہو سکتی ہیں؟ خاص کر مجید نظامی بریلوی کا نوائے وقت جس کا کام ہی علمائے دیوبند کی مخالفت ہے ۔ دارالعلوم دیوبند کا اصل فتوی صرف اس قدر ہے:

''سوال #61710

ہندوستان میں گائے کی قربانی کرنا کیسا ہے؟

Published on: Oct 11, 2015

جواب #61710

بسم اللہ الرحمن الرحیم

Fatwa ID: 1188- 1192/ B=12/ U-1436

شریعت اسلام میں قربانی کے لیے اونٹ، گائے، بیل بھینس، بکرا بکری، بھیڑ دنبہ میں سے کسی ایک جانور کی قربانی کرنے سے قربانی کا وجوب ادا ہو جائے گا، ہندوستان کے جن صوبوں میں حکومت کی طرف سے گائے کی قربانی پر پابندی ہے، وہاں کے مسلمانوں کو گائے کی قربانی سے احتیاط کرنی چاہیے تا کہ نقض امن کی فضا پیدا نہ ہو، اور جن صوبوں میں گائے کی قربانی کی اجازت ہے وہاں کر سکتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم

دارالافتاء،

دارالعلوم دیوبند

اس میں کہیں بھی گائے کی قربانی کو غیر اسلامی نہیں کہا گیا صرف اتنی بات عرض کی گئی کہ جن صوبوں میں پابندی نہیں وہاں تو کی جائے اور جہاں حکومت کی طرف سے پابندی ہے وہاں نقض امن کی وجہ سے نہ کی جائے کیونکہ دیگر جانوروں سے وجوب ادا ہو جائے گا۔ اور یہ بات درست ہے آج ہندوستان کے بعض مقامات پر تو صرف گاڑی میں گائے کے گوشت کو لیکر جانے پر جو ظلم وستم کیا جاتا ہے اس کی چند ویڈیوز سوشل میڈیا پر دیکھی جا سکتی ہے بلکہ بعض اوقات تو ان مسلمانوں سے معاذ اللہ کلمات کفر کہلوا کر ان کی جان بخشی کی جاتی ہے تو ایسی صورتحال میں زیادہ سے زیادہ ایک جائز کام کیلئے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا کہاں کی دانشمندی ہے؟

مسئلہ یہ ہے کہ کیا کسی فتنہ کو دفع کرنے کے لیے کسی جائز عمل کو ترک کیا جا سکتا ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ کی سیرت سے ہمیں اس کا جواب اثبات میں ملتا ہے:

عہدِ جاہلیت میں ایک موقع پر خانہ کعبہ کو دوبارہ تعمیر کرنے کی ضرورت پیش آئی تو قریش نے ٹھیک انہی بنیادوں پر اس کی تعمیر نہیں کی جن پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کی تھی، بلکہ کچھ حصہ چھوڑ دیا تھا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ''اگر تمھاری قوم کا کفر و جاہلیت کا زمانہ قریب نہ ہوتا تو میں کعبہ کو ڈھا کر از سرِ نو اسے ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد پر تعمیر کرتا۔''

(بخاری:1585،مسلم:1333)

اللہ کے رسول ﷺ کو اندیشہ ہوا کہ کعبہ ڈھانے کو مشرکین فتنہ کا ذریعہ بنالیں گے،اس لیے آپ نے اس کی از سرِ نو تعمیر کی ضرورت محسوس کرنے کے باوجود اس کو ہاتھ نہیں لگایا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی عمل کے صحیح اور جائز ہونے کے باوجود اگر فتنے کا اندیشہ ہو تو اسے ترک کردینا اولیٰ ہے۔

مولانا عبد الحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتوی

مولانا عبد الحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے گاؤ کشی کے متعلق فتوی دیا:

''گاؤ کشی واجب نہیں،تارک گنہ گار نہ ہوگا،بقصد اثارت فتنہ گاؤ کشی نہ چاہیئے بلکہ جہاں فتنہ کا ظن غالب ہو احتراز اولٰی ہے قربانی اونٹ کی بہتر ہے ۲۔محمد عبد الحی

(۲مجموعہ فتاوٰی کتاب الاضحیہ مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/۲۸۲و۲۸۳)

(بحوالہ فتاوی رضویہ جدید،جلد ۱۴،ص ۵۴۶)

اور مولانا عبد الحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کو بریلوی ضیغم اہلسنت حسن علی رضوی لکھتا ہے:

''مولانا عبد الحئی صاحب مرحوم''۔(رضائے مصطفی،ص ۲۴،اکتوبر ۲۰۱۰)

اب اگر دارالعلوم دیوبند نے کوئی فتوی دیا ہے اور وہ غلط ہے تو سب سے پہلے تو فتوی مولانا عبد الحئی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ پر ہونا چاہیئے جسے بریلوی بھی اپنے اکابر میں سے اور اپنا ہم مسلک مان رہے ہیں۔

ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ گائے کی قربانی پر کیا کچھ ہو رہا ہے اس کی معمولی سے جھلک چند اخباری و میڈیا رپورٹس کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

''بھارتی ریاست ہریانہ میں مسلمانوں کو گائے کی قربانی سے بھی روک دیا گیا۔ہریانہ کے علاقے میوات میں ریاستی پولیس نے مٹن بریانی کی ڈشز کی چیکنگ میں گائے کا گوشت ڈھونڈ نکالا۔مودی سرکار ہوئی بیف فوبیا کا شکار جس پر عمل پیرا ہوتے ہوئے بھارتی ریاست ہریانہ میں مسلمانوں کو گائے کی قربانی سے بھی روک دیا گیا۔سیکولر بھارت میں مسلمانوں سے گائے کا گوشت کھانے کا حق بھی چھین لیا گیا۔یاد رہے اس سے قبل ہندو انتہا پسند گائے کا گوشت کھانے کے شبے میں کئی مسلمانوں کو موت کی گھاٹ اتار چکے ہیں۔ہریانہ کے علاقے میوات میں ریاستی پولیس نے مٹن بریانی کی ڈشز کی چیکنگ میں گائے کا گوشت ڈھونڈ نکالا۔میوات میں بریانی کے نمونے لیبارٹری بھیجے گئے تھے پولیس کا کہنا ہے کہ گائے کا گوشت رکھنے والوں کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے گی۔ہریانہ میں گائے کا گوشت رکھنے،کھانے اور کاروبار پر پابندی ہے جبکہ اس ریاست میں گائے ذبح کرنے پر 3 سے 10 سال تک قید کی سزا کا قانون ہے۔

(اب تک ٹی وی رپورٹ ۱۰۔۹۔۲۰۱۶)

ہریانہ(مانیٹرنگ ڈیسک)بھارت میں گزشتہ کئی ماہ سے گائے کا گوشت کھانے کے الزام میں کئی مسلمانوں پر نہ صرف بہیمانہ تشدد کیا گیا بلکہ بعض کو موت کے گھاٹ بھی اتار دیا گیا،اب ریاست ہریانہ میں عیدالاضحیٰ کے موقع پر گائے ذبح کرنے پر پابندی لگادی گئی ہے۔غیر ملکی

خبر رساں ادارے کے مطابق بھارتی ریاست ہریانہ کے مسلم اکثریتی علاقے میوات کی مقامی پنچایت میں فیصلہ کیا گیا ہے کہ عیدالاضحیٰ کے موقع پر مسلمانوں کو گائے کی قربانی نہیں کرنے دی جائے گی۔(روزنامہ دنیا۱۱،۹،۲۰۱۶)

گذشتہ ماہ شمالی ریاست اتر پردیش میں ایک 50 سالہ شخص کو ہجوم نے اس وقت ہلاک کر دیا جب یہ افواہ پھیلی کے مذکورہ شخص اور اس کے گھر والوں نے گھر میں گائے کا گوشت چھپا رکھا اور وہ بیف کھاتے ہیں۔ یہ معاملہ اتنا زیادہ زور پکڑ گیا کہ اس شخص کی ہلاکت کے دو ہفتے بعد وزیرِ اعظم نریندر مودی کو بھی اپنی خاموشی توڑنا پڑی لیکن ساتھ ہی یہ خبر بھی آ گئی کہ ان کی اپنی جماعت کے ارکان اسمبلی نے کشمیر میں ایک آزاد رکن اسمبلی کی اس بات پر دھلائی کر دی کہ اس نے اپنے ہاں دعوت میں گائے کا گوشت کھلایا تھا۔

رواں مہینے میں بھی اتر پردیش میں گائے ذبح کرنے کی افواہ کے بعد مسلمانوں اور ہندوؤں کے درمیان لڑائی جھگڑا ہو چکا ہے۔اس کے علاوہ کشمیر میں بھی گائے کے گوشت پر پابندی کے حوالے سے مذہبی کشیدگی میں اضافے کے خدشات پائے جاتے ہیں۔

(بی بی سی اردو کی رپورٹ:۱۵اکتوبر ۲۰۱۵)

عالمی دائرۃ المعارف وکی پیڈیا کی اس رپورٹ کو ملاحظہ کریں:

دادری میں بلوا اس واقعہ کا نام ہے جس میں 200 افراد کے ہجوم نے ایک مسلمان خاندان کو 28 ستمبر 2015ء کی رات کو دادری کے نزدیک بسارا گاؤں، اتر پردیش، بھارت میں حملے کا نشانہ بنایا۔حملہ آوروں نے 52 سالہ محمد اخلاق سیفی کا قتل کیا اور ان کے 22 سالہ بیٹے دانش کو بری طرح زخمی کر دیا۔

28 ستمبر 2015ء کی شام کو کچھ لوگوں نے مقامی مندر کے لاؤڈ اسپیکر سے اس افواہ کو پھیلانا شروع کیا کہ محمد اخلاق کے خاندان نے ایک گائے ذبح کی ہے اور اس کے گوشت کو عیدالاضحیٰ کے موقع پر استعمال کیا ہے۔حالانکہ بھارت میں عام طور سے مسلمان صرف بکرے کی قربانی کرتے ہیں۔بعد میں پولیس نے بتایا کہ اس افواہ کی وجہ سے قتل کا یہ واقعہ پیش آیا۔

ایک ہجوم جس کے پاس لاٹھیاں، تلوار اور بندوقیں تھیں، محمد اخلاق کے گھر رات کو ساڑھے دس بجے پہنچا۔خاندان عشائیہ ختم کر کے سونے جا رہا تھا۔اخلاق اور ان کا بیٹا پہلے ہی سو چکے تھے۔ہجوم نے ان پر گائے کے گوشت کھانے کا الزام عائد کیا۔فریج میں کچھ گوشت ملا جسے ضبط کر لیا گیا۔خاندان کا کہنا ہے کہ وہ بکرے کا گوشت تھا۔ہجوم نے سلائی مشین پٹک کر اخلاق کے سر کو مارا اور خاندان کو باہر نکال دیا۔اخلاق اور دانش کو مسلسل لاتوں اور اینٹوں سے مارا گیا پھر چاقو سے حملہ کیا۔اخلاق کی بوڑھی ماں اور بیوی پر بھی حملہ کیا گیا اور اس کی بیٹی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کی گئی۔خاندان کے ہندو پڑوسیوں نے اس ہجوم کو روکنے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہے۔پولیس کو بلایا گیا لیکن وہ ایک گھنٹے بعد پہنچی۔اس وقت تک اخلاق دم توڑ چکے تھے اور دانش بری طرح زخمی تھے۔

یہ خاندان اس گاؤں میں تقریباً ستر سال سے آباد تھا۔اس خاندان میں 52 سالہ اخلاق، 42 سالہ جان محمد سیفی، 82 سالہ اصغری بیگم، بیوی اِکرام، بیٹا 22 سالہ دانش اور بیٹی ساجدہ اخلاق کا بڑا لڑکا 27 سالہ محمد سرتاج بھارتی فضائیہ میں ٹیکنیشن ہے اور حملے کے وقت چینائی میں تھا۔

https//:ur.wikipedia.org/wiki/

%D8%AF%D8%A7%D8%AF%D8%B1%DB%8C_

%D9%85%DB%8C%DA%BA_

%D8%A8%D9%84%D9%88%D8%A7%D8%8C%

_2015%D8%A1

بھارت ریاست ہریانہ میں گائے کے گوشت کے شبہ میں دو مسلم خواتین کے ساتھ اجتماعی زیادتی اور ان کے دو مرد رشتہ داروں کو قتل کر دیا گیا۔

(روزنامہ آزادی کوئٹہ ۱۲ ستمبر ۲۰۱۶)

نئی دہلی: بھارتی ریاست گجرات میں گائے کے بچھڑے کا کٹا ہوا سر ملنے کے بعد فسادات شروع ہو گئے۔ مشتعل ہندو انتہا پسندوں نے کئی دکانوں کو تباہ کر دیا، پولیس نے کئی افراد کو حراست میں لے کر تحقیقات شروع کر دی۔ واقعہ گجرات کے شہر سورت کے نواحی علاقے گودو دارا میں پیش آیا جہاں ایک سڑک سے بچھڑے کا کٹا ہوا سر ملنے کے بعد انتہا پسند ہندو مشتعل ہو گئے۔ انتہا پسند ہندوؤں نے کئی دکانوں میں توڑ پھوڑ کی جبکہ کاروباری مراکز بھی بند کرا دیے اور پولیس پر پتھراؤ کیا جس کے بعد پولیس نے حالات پر قابو پانے کے لیے آنسو گیس کا استعمال اور لاٹھی چارج کیا۔ (ایکسپریس نیوز ۳۱ جنوری ۲۰۱۷)

بھارتی ریاست جھاڑکھنڈ میں مردہ گائے ملنے پر فسادات کے نتیجے میں متعدد افراد زخمی ہو گئے، لاٹھیوں سے لیس شدت پسندوں نے مسلمان ڈیری مالک اور ان کے اہلخانہ کو تشدد کا نشانہ بنایا اور ان کے گھر کو نذر آتش کر دیا۔

پولیس کے ترجمان آر کے ملک نے برطانوی نشریاتی ادارے کو بتایا 'بیریا گاؤں کا رہائشی عثمان انصاری ڈیری چلانے کا کام کرتے ہیں، ان کی ایک گائے کی بیماری سے موت ہو گئی تھی، عثمان نے مردہ جانوروں کو تلف کرنے والے ایک شخص سے بات کی، پیسے کے حوالے سے دونوں میں گرما گرمی ہو گئی تو عثمان نے خود ہی گائے کو تلف کر دیا۔ اسی دوران کسی نے گائے کا سر اور پاؤں کاٹ دیا۔

آر ملک نے مزید بتایا 'منگل کو ہفتہ وار مارکیٹ جاتے لوگوں نے سرکٹی گائے کی لاش دیکھی تو افواہ پھیلی کہ عثمان انصاری نے ہی گائے کو مارا ہے، اس کے بعد ہجوم نے عثمان کے گھر پر حملہ کر دیا۔ پولیس کے ترجمان کا کہنا ہے کہ اطلاع ملتے ہی پولیس گاؤں پہنچی اور فسادیوں کو قابو میں کرنے کے لیے لاٹھی چارج کیا اور فائرنگ کی، 'لاٹھی چارج اور فائرنگ کے نتیجے میں عثمان انصاری کے گھر کے لوگوں کو بچایا جا سکا۔

اس میں ایک شخص پاؤں پر گولی لگنے سے زخمی ہو گیا، اس دوران ہجوم نے عثمان انصاری کو بری طرح پیٹا۔ عثمان انصاری کے بیٹے سلیم نے بتایا کہ جب ہجوم نے ان کے مکان کو آگ لگائی تو اس وقت ان کی والدہ، بیوی سمیت خاندان کے تمام اراکین مکان کے اندر ہی تھے۔ اگر پولیس نہ آتی تو ان کے والد کو لوگ وہیں پر مار دیتے۔

واضح رہے کہ بھارت میں مودی حکومت کے بعد گائے کی حفاظت کے نام پر مسلمانوں پر حملوں میں اضافہ ہوا ہے۔ رواں ماہ کے آغاز میں بھارت میں 9 مسلمان تاجروں کو بچوں کو اغوا کرنے کے الزام میں بدترین تشدد کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ پولیس کے مطابق ان میں سے 5 افراد جاں بحق ہو گئے تھے جن میں 4 مویشیوں کی تجارت کرتے تھے۔

(روزنامہ جنگ ۲۹ جون ۲۰۱۷)

قارئین کرام! انصاف فرمائیں جہاں ایسے حالات ہوں اور مسلمانوں کے جان و مال اور عزت کے اس قدر سنگین خطرات لاحق ہوں تو اگر وہاں یہ فتوی دے دیا جائے کہ گائے کی قربانی نہ کی جائے تو اس میں کیا غلط ہے؟

نواب احمد رضا خان صاحب لکھتے ہیں:

''ایک جائز بات جس سے فتنہ ونفرت پیدا ہو اور آپس میں پھوٹ پڑے ناجائز ہوجاتی ہے''۔ (فتاوی رضویہ قدیم حصہ اول ،ج ۵،ص ۱۱۸)

بریلوی مولویوں کی طرف سے بھی گائے کی قربانی نہ کرنے کا فتوی

حیدرآباد: شہر حیدرآباد کی مختلف سماجی، مذہبی تہذیبی نمائندوں اور علمائے کرام نے مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ بقرعید کے موقع پر بکرے کی قربانی کو اولین ترجیح دیں اور ملک کے موجودہ حالات فرقہ پرست عناصر کے مذموم عزائم کے پیش نظر بڑے جانوروں کی قربانی سے گریز کریں۔

میڈیا پلس آڈیٹوریم میں آج ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مولانا سید حامد حسین شطاری ترجمان آل انڈیا سنی علماء بورڈ، ڈاکٹر سید آصف عمری نائب امیر جمعیت اہل حدیث حیدرآباد وسکندرآباد، حکیم صوفی سید شاہ محمد خیرالدین قادری، محمد محامد علی شاہ منہاج قادری اور سید ایوب پاشاہ قادری نے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ اس مسئلہ پر جذباتی نہ ہوں اور دوراندیشی مصلحت کوشی کا مظاہرہ کریں۔ بڑے جانوروں کی قربانی سے اجتناب، مسلمانوں کی کمزوری نہیں بلکہ ان کی کشادہ دلی اور ریاست اور ملک میں امن وامان کی برقراری کے لئے پیش رفت وایثار ہے۔ صلح حدیبیہ کی مثال کو سامنے رکھا جائے، وقتی طور پر حالات سے سمجھوتہ کرنے کے مستقبل میں بہتر اور مثبت نتائج برآمد ہوں گے۔ عیدالاضحی پر صرف بکروں کی قربانی کی جائے، فرقہ پرستوں کے عزائم کو ناکام بنانے کی علماء ومشائخ کی اپیل

اِن رہنماوں نے بتایا کہ مسلمانوں سے اپیل کا یہ فیصلہ 2 / اگست 2017ء کو اردو گھر مغل پورہ میں مذہبی، سماجی، کل جماعتی مشاورتی اجلاس کے بعد کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ جامعہ نظامیہ سے 18 / اگست کو فتویٰ بھی حاصل کیا گیا کہ کوئی خاص قسم کی جانور فراہم نہ ہونے کی صورت میں یا اس کو حاصل کرنے میں نقصان کا اندیشہ ہو تو جو جانور نر یا مادہ میں سے جو مل سکے اس کی قربانی دی جاسکتی ہے۔

اُن علمائے کرام نے کہا کہ سپریم کورٹ کی جانب سے جانوروں کو بازار میں فروخت کرنے پر حکومت ہند کے امتناع کو کالعدم قرار دینے کے باوجود آئے دن ملک بھر کے مختلف مقامات سے جانوروں کی منتقلی کو بعض فرضی نام نہاد تنظیموں کی جانب سے رکاوٹوں اور ہجوم کی شکل میں مسلمانوں پر کئے جارہے حملوں پر کوئی روکنے والا نہیں، حکومتیں اور قانون نافذ کرنے والی ایجنسیاں محض تیقن دیتی ہیں۔ لیکن عملاً کوئی ٹھوس اقدام نہیں کرتی مسلم تاجروں اور عامۃ المسلمین میں عدم تحفظ کا احساس بڑھتا ہی جارہا ہے۔

عیدالضحیٰ کے موقع پر دی جانے والی قربانی خالص دینی فریضہ ہے۔ تاہم بعض گوشوں سے عیدقربان کے سلسلہ میں گائے کو ذبح کرنے پر پابندی کے مطالبات اور بعض ریاستوں میں بڑے جانور بیل، بھینس، بچھڑے اور اونٹ کی قربانی پر امتناع عائد کئے جانے کے بعد قربانی دینے والے عام مسلمانوں اور دینی مدارس کے انتظامیہ میں کافی تشویش پائی جاتی ہے، ان حالات میں ریاست تلنگانہ کے علماء، مشائخ اہل مدارس دینیہ کے ذمہ داروں اور مذہبی سماجی تنظیموں کے رہنماوں نے یہ اہم فیصلہ کیا ہے اور عامۃ المسلمین سے اپیل کی ہے کہ وہ عیدقرباں کے موقع پر ایثار کا مظاہرہ بھی کریں تا کہ فرقہ پرست عناصر کی ہر سازش ناکام ہوسکے۔

(روزنامہ آج کا انقلاب اردو نیوز انڈیا ۲۰ اگست ۲۰۱۷)

http://:urdu.news18.com/news/south-india/ulama-and
-mashaikh-on-eidul-azha-222447.html

گائے کی قربانی جائز نہیں جو گائے کی قربانی کرے اسے توپ سے اڑا دو بریلوی فتوی

بریلوی امام الہند مولانا فضل حق خیر آبادی صاحب کے متعلق مایہ ناز خیر آبادی محقق و مورخ جناب حکیم سید محمود احمد برکاتی لکھتے ہیں:

''مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں:

انہوں نے (مولانا فضل حق) نے بادشاہ (بہادر شاہ) کیلئے ایک دستور العمل سلطنت لکھا تھا جس کی ایک دفعہ یہ مشہور ہوئی تھی کہ گائے کہیں بادشاہی عمل داری میں ذبح نہ ہو۔ (تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ، ص ۶۸۷)

مولوی ذکاء اللہ ہی کا بیان ہے کہ:

۹ جولائی ۱۹۵۷ کو اول حکم بادشاہ کا جو صادر ہوا وہ یہ تھا کہ گائے کہیں ذبح نہ کی جائے گی ۹ جولائی کو ڈھنڈورا پٹوایا کہ جو گائے کو ذبح کروائے گا وہ توپ کے منہ سے اڑایا جائے گا۔ (تاریخ عروج سلطنت انگلشیہ ص ۶۶۰، نیز جیون لال غدر کی صبح و شام ص ۱۶۳)''۔

(مولانا فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون، ص ۵۵)

حکیم محمود احمد برکاتی صاحب نے ان حوالوں کی تردید نہیں کی بلکہ ان حوالوں کو مولانا فضل حق خیر آبادی صاحب کی دہلی میں موجود ہونے کیلئے بطور تائید پیش کیا۔ اب اگر معترضین میں انصاف کا مادہ ہے تو اعلان کریں کہ مولانا فضل حق خیر آبادی صاحب سے ہمارا کوئی تعلق نہیں وہ تو ہندوؤں کا یار تھا۔

حکیم محمود احمد برکاتی صاحب کی اس کتاب کے متعلق بریلوی نباض قوم کے رضائے مصطفی کی توثیق بھی پڑھ لیں:

''علامہ فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون یہ خوبصورت تحقیقی و تاریخی کتاب حکیم محمد احمد برکاتی کی تالیف ہے''۔

(رضائے مصطفی، ص ۲۲ شوال المکرم ۱۴۰۸ھ)

مولانا فضل حق خیر آبادی کی اولین سوانح لکھنے والے عبد الشاہد خان شیروانی لکھتے ہیں:

''ایک انگریز رابرٹ لکھتا ہے: اس خاص موقع (عید الاضحیٰ) پر ہندوؤں کا لحاظ کرتے ہوئے قربانی ملتوی کر دی گئی اور اس کی جگہ فرنگیوں کو ختم کرنے کیلئے ہندو مسلمانوں کی زبردست متحدہ کوشش ہو رہی ہے (جنگ آزادی، ص ۱۹۱)''۔

(باغی ہندوستان، ص ۳۷۵، ۳۷۶)

تمام علماء سے گائے کی قربانی کی ممانعت کا فتوی

بریلوی استاذ العلماء فیض احمد گولڑوی صاحب لکھتے ہیں:

''کانگریسی مسلمانوں نے زور و شور سے کہنا شروع کر دیا تھا کہ گائے کا ذبیحہ ہندوستان میں موقوف ہونا چاہئے۔ حکیم حافظ محمد اجمل خان مرحوم و مغفور نے تو اس سے متعلق علماء سے ایک فتوی بھی حاصل کر لیا تھا'' (مہر منیر، ص ۲۷۳)

حکیم اجمل خان صاحب مسلم لیگی گائے کے ذبیحہ کے موقوف ہونے پر علماء سے فتوی جاری کروالیں وہ پھر بھی ''مرحوم و مغفور'' رہیں اور

علمائے دیوبند پر جھوٹے حوالوں کی بنیاد پر الزام تراشی آخر کہاں کا اصولِ اختلاف ہے؟

رضائے مصطفی والوں کی دورنگی

رضائے مصطفی والوں نے گائے کی قربانی نہ کرنے کی اس خبر کو جنگ ۱۶ستمبر ۲۰۱۳ کے حوالے سے نقل کر کے اپنی عادت کے مطابق خوب مغلظات بکی ہیں۔(رضائے مصطفی،ص ۲۵ نومبر ۲۰۱۳) لیکن جب اسی روزنامہ جنگ کی ایک خبر ان کے خلاف آئی تو کس طرح اس کو رگڑا یہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

''روزنامہ جنگ لاہور جو دیگر اخبارات ورسائل کی بہ نسبت بے پردگی وفحاشی کا خاص علمبردار ہے۔جو''کاغذی چکلوں'' کے ذریعہ نظر کی بدکاری وذہنی آوارگی پھیلانے میں جدید وسائل کے ساتھ ہمہ وقت مصروف ہے۔اوراس کی بصری وبے بصیرتی کا یہ عالم ہے کہ ایک ہی ورق وکاغذ کے باہر اسلامی ایڈیشن پر مشتمل ورق کے اندر دوسری طرف کاغذی چکلوں اور فلمی اشتہارات کی نمائش میں منفرد مقام رکھتا ہے''۔

(رضائے مصطفی،ص ۲،محرم الحرام ۱۴۱۳)

یہ ہے رضاخانی انصاف ودیانت کہ جب اسی جنگ کے حوالے علمائے دیوبند کے خلاف آجائیں تو اسے صحیفہ آسمانی سمجھ کر اس پر ورق کے ورق سیاہ کردئے جائیں اور اگر اسی جنگ کا کوئی حوالہ اپنے خلاف آجائے تو قلم کی عریانی کو اس طرح صحافت کے نام پر سجایا جاتا ہے۔

(اعتراض:۱۵۹): صدسالہ جشن دیوبند میں اندرا گاندھی کی آمد

یہ عنوان قائم کر کے ص ۱۵۸ تا ۱۶۰ مختلف اخبارات کی ملمع سازیوں کو بیان کر کے اعتراضات کئے ہیں۔ہم اس کی صحیح صورتحال شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی وعثمانی صاحب زیدمجدہ کے قلم سے پیش کرتے ہیں جو اس اجلاس میں شریک تھے:

''جلسے کا افتتاح عالم اسلام کے مشہور قاری شیخ عبدالباسط عبدالصمد کی تلاوت سے ہوا اور اس کے بعد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہم العالی اپنے افتتاحی خطبے میں دارالعلوم کے مقصد اس کی تاریخ اور صدسالہ کارناموں پر روشنی ڈالی۔اس جلسے میں اندرا گاندھی (وزیر اعظم ہندوستان) کی شرکت بلا شبہ ایک افسوسناک واقعہ تھا لیکن اول تو یہ خبر انتہائی غلط اور شر انگیز ہے کہ اجلاس کا افتتاح ان سے کروایا گیا۔واقعہ یہ ہے کہ وہ ایک عام مقرر کی حیثیت سے جلسے میں خود شریک ہوئیں ان کی شرکت دارالعلوم کے منتظمین کی خواہش پر نہیں بلکہ خود ان کے اصرار پر ہوئی دارالعلوم نے کسی بھی سربراہ مملکت کو اجلاس میں شرکت کی دعوت نہیں دی تھی۔لیکن شاید اتنے عظیم اجتماع سے اپنے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کیلئے اندرا گاندھی صاحبہ نے اصرار کیا کہ وہ خود اس جلسے میں شریک ہوں گی اور ان کے اصرار کو قوت کے ساتھ رد نہ کرنے پر اعتراض کرتے ہوئے یہ بات فراموش نہ کرنی چاہئے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی پوزیشن کو بالکلیہ پاکستان پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔بہرحال اس جلسے میں ایک غیر مسلم عورت کی تقریر خواہ اس کے اسباب اضطراری ہی کیوں نہ ہوں ایک افسوسناک واقعہ ضرور ہے جس نے اس مقدس اجتماع کے انوارو برکات اور اس کی پاکیزہ فضا میں تکدر پیدا کردیا اور عجب نہیں کہ یہ اسی افسوسناک واقعہ کی بے برکتی ہو کہ اجلاس کی جس نشست میں انہوں نے شرکت کی اس میں مجمع کا ایک حصہ بیشتر اوقات قابو سے باہر رہا اور ساری نشست میں اس حصے کی ابتری اتنی نمایاں رہی کہ تقاریر کا سننا مشکل ہوگیا''۔

(جہان دیدہ،ص ۵۰۵،۵۰۶)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اندرا گاندھی کو دارالعلوم دیوبند کی طرف سے مدعو نہیں کیا گیا اور خود جب اکابر دیوبند اس کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھ رہے ہیں تو اس کے باوجود اس کو بنیاد بنا کر یہ کہنا کہ دیوبندی اور ہندو کی آپس میں یاریاں ہے کس قدر انصاف کا خون ہے۔

بریلوی حضرات سے گزارش ہے کہ ذرا اپنے گھر کی بھی خبر لے لیں۔

اندرا گاندھی دو بار مرکزی بریلی آستانے حاضر ہوئیں

بریلوی ضیغم اہلسنت مولانا حسن علی رضوی صاحب لکھتے ہیں:

''دو بار سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی از خود چل کر بلا دعوت آستانہ رضویہ پر حاضری دینے کیلئے آئیں''۔

(دارالعلوم منظر اسلام اور مدرسہ دیوبند،ص ۶)

دوسری بار وہی آتا ہے جسے پہلی بار خوب نوازا گیا ہو اگر آپ اسے پہلی بار ہی میں دھتکار دیں تو اسے دوبارہ آنے کی ہمت نہ ہو۔

اندرا گاندھی کا خواجہ اجمیر کے مزار پر آنا اور بدعتیوں کا اسے اپنی حقانیت کی دلیل بنانا

بریلوی نباض قوم مولانا ابوداود صادق رضوی صاحب لکھتے ہیں:

''بھارت کی سابق وزیر اعظم اندرا گاندھی نے بھی اپنے دور حکومت میں ایک مرتبہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے مزار پر انوار پر حاضر ہو کر کہا تھا خواجہ صاحب اصل میں ہندوستان کے حکمران تو آپ ہیں میں تو صرف نام کی وزیر اعظم ہوں،اب بھی اگر کوئی ان مقدس آستانوں کے فیض کو نہ مانے تو اسکی مرضی ورنہ اپنے تو اپنے اغیار بھی اس امر کے معترف ہیں کہ اللہ والوں کی دنیا پر حکومت قائم ہے''۔

(رضائے مصطفی،ص ۷ افروری ۲۰۱۲)

اب ہم فریق مخالف سے سوال کرتے ہیں کہ خدارا روز محشر کو سامنے رکھ کر انصاف فرمائیں جب اندرا گاندھی خواجہ صاحب کے مزار پر آجائے تو یہ ان کی عظمت کی ایسی دلیل بن جائے کہ مخالفین پر پیش کی جائے اور دارالعلوم دیوبند آجائے تو اعتراض؟ مولوی ابوداود صادق صاحب ہی کی زبانی کہ یہ ہے دارالعلوم دیوبند کا فیض کہ اپنے تو اپنے غیر بھی اس کے عظمت کے معترف ہیں اب کوئی نہ مانے تو یہ اس کی حرماں نصیبی۔نیز جو لوگ اندرا گاندھی کے دارالعلوم دیوبند آنے پر معترض ہیں وہ کیا حضرت سلیمان علیہ السلام پر بھی معاذاللہ کوئی فتوی لگائیں گے جو ملکہ بلقیس کو دعوت نامہ بھیج کر اپنے ملک آنے کی دعوت دے رہے ہیں اور جب وہ دورے پر آتی ہیں تو پورے سرکاری پروٹوکول کے ساتھ ان کو مملکت کا دورہ کروایا جاتا ہے۔

حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر اندرا گاندھی کی حاضری اور ایصال ثواب

روزنامہ جنگ لاہور ۷ فروری ۱۹۸۳ پر اندرا گاندھی کی تصویر مزار کے سجادہ نشین کے ساتھ شائع ہوئی ہے اسی طرح خواجہ صاحب کے مزار کے علماء ومشائخ اندرا گاندھی کی وفات پر ان کی روح کے ایصال ثواب کیلئے فاتحہ خوانی کررہے ہیں معاذاللہ

(روزنامہ جنگ لاہور ۳۰ نومبر ۱۹۸۴،ص ۲)

بینظیر کے ساتھ بیٹھ کر ثروت اعجاز قادری سربراہ سنی تحریک دعا مانگتے ہوئے

اندرا گاندھی کی آمد پر اعتراض کرنے والے کیا اس منظر کا کوئی ثبوت دیں گے؟ جس میں سنّی تحریک کے سربراہ اپنی جماعت کے قائدین کے ساتھ بیٹھ کر ایک بے پردہ سرخی پاوَڈر میں لتھڑی سیاسی جماعت کی سربراہ کے ساتھ دعا مانگ رہے ہیں۔ جواب دیں اس موقع پر اللہ کی رحمت نازل ہوگی یا قہر؟



(اعتراض ۱۶۰): دیوبندی امیر شریعت پنڈت کر پارام بنے رہے ہیں

جواب: ہم آپ کے سامنے پورا واقعہ نقل کرتے ہیں؛

''ایک بار 1933ء میں امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کا جب کشمیر گھر جانا ہوا تو وہاں کی انگریز حکومت نے آپ کو گرفتار کروانا چاہا اور آپ کے پیچھے مسلح پولیس لگا دی اور تمام پولیس اسٹیشنوں کو حکم دے دیا کہ عطاء اللہ شاہ بخاری کسی صورت میں بھی کشمیر میں داخل نہ ہو سکے۔ تمام ریلوے اسٹیشنوں، لاریوں کے اڈوں اور دوسرے پیدل پہاڑی راستوں پر خفیہ پولیس تعینات کر دی گئی اور اس طرح امیر شریعت کے کھوج میں پوری مشینری حرکت میں آگئی۔ انسان اگر اپنے عزم میں مخلص ہو تو آسمانوں کی بلندیاں اس کے قدم چوم لیتی ہیں۔ ستارے فرش راہ ہوتے ہیں۔ سورج کی کرنیں سے چاند کے ھالے تک لے جاتی ہیں لیکن حوصلے کی پستی خلوص کی معراج تک پہنچ کر بھی انسان کو اس کی شکست سے نہیں بچا سکتی۔ تمام آئینی پابندیوں کے باوجود امیر شریعت ؒ نے اپنے وعدے پر میرپور پہنچنے کا فیصلہ کر لیا۔ پولیس اس یقین پر کہ امیر شریعت

اب گھر نہیں آئیں گے۔اس مورچہ سے غافل ہوگئی۔اسی رات بارہ بجے امیر شریعت گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ میر پور سے کوئی صاحب آپ کو لینے آئے ہوئے ہیں اور اس وقت وہ محلہ کی مسجد میں سو رہے ہیں۔امیر شریعت نے انہیں بیدار کیا اور صبح چھ بجے کی گاڑی روانگی کا فیصلہ کر کے وہیں سو گئے۔رات چار بجے اسٹیشن کے ایک ویران کونے میں جا پہنچے۔نیز ساتھی سے کہہ دیا کہ تم گاڑی میں میرے ساتھ نہ بیٹھنا۔اگر مجھے آواز دینے کی ضرورت ہو تو شاہ جی کہ بجائے

'پنڈت کرپارام برہمچاری' کہہ کر آواز دینا۔

ہندی میں 'پنڈت' کے معنی اونچی ذات کے ہیں اور مسلمان کے ہاں 'سید' سردار کے معنی میں مستعمل ہے۔'کرپا' ہندی میں عطا کرنے کو کہتے ہیں۔اور 'رام' اللہ کے ہم معنی استعمال ہوتا ہے ہندی میں 'برہمچاری' مجد د کو کہتے ہیں امیر شریعت نے بخاری کا وزن برابر رکھنے کے لئے یہ لفظ استعمال کیا۔اس طرح پنڈت کرپارام برہمچاری سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے ہم معنی بن گیا۔یوں امیر شریعت نے اپنے بلند مقام کی ادائیگی اور پولیس کی گرفت سے محفوظ رہنے کے لئے اپنے نام کا ہندی ترجمہ کر لیا تاکہ پولیس یا کوئی دوسرا سرکاری آدمی چوکس نہ ہو۔"

(حیات امیر شریعت ص 154)

شاید عزیمت اور رخصت کی اصطلاح میں ایسے موقعوں کے لیے ہی استعمال کی جاتی ہیں۔سیاق وسباق کو بیان کرنے کی بجائے دھوکہ آمیز عبارت نقل کرنا رضا خانی اصول بن چکا ہے۔

مولانا حسن علی رضوی میلسی کے ان الفاظ پر غور کریں کہ:

"اگرچہ بزرگان دین کے متعلق اوتار و بھگوان وغیرہ کے الفاظ کچھ پسندیدہ نہیں مگر موجب کفر و ارتداد بھی نہیں، کیونکہ ہر کوئی جانتا ہے اس ملک میں ہندو بھی رہتے تھے ان کو سمجھانے کیلئے یہ الفاظ استعمال کئے تو وہ شرعی مجرم نہیں کیونکہ اوتار کو لغوی معنی جہاں دیوتا ہے وہاں نیک اور استاد بھی ہے (فیروز اللغات ص 84) اور ہندو بھگوان خود کو کہتے ہیں ممکن ہے شاعر نے ہندوؤں کو سمجھانے کیلئے یہ الفاظ استعمال کیے ہو"۔(برق آسمانی ص 124)

معترض صاحب یہ تحریر آپ کی عقل ٹھکانے پر لگانے کیلئے اور آپ کی جہالت واضح کرنے کیلئے کافی ہے۔اور ذرا اس حوالے کو بھی پڑھ کر ڈوب مرو:

"ہم لوگوں نے دیکھا کہ چھوٹتے ہی یورپین افسر اور چند گورے بارکوں میں سے نکل آئے اور مولانا عبد الباقی برہان الحق صاحب سے دریافت کرنے لگے انہوں نے کچھ ایسا فرمایا یعنی: "**آل ورلڈ پادری**" اس نے نام پوچھا انہوں نے حضور کا اسم مبارک بتایا کہنے لگے ہاں ہم نے یہ نام سنا ہے اور اس وقت تک اشتیاق میں کھڑا رہا جب تک حضور تشریف نہ لائے"۔

(حیات اعلیٰ حضرت، ج ۱،ص ۷۱ ۴، ۲۷۲ ۴ از ظفر الدین بہاری)

کیوں جناب آپ کے اعلیٰ حضرت تو ساری دنیا کے "لاٹ پادری" ہیں کوئی جواب؟

(اعتراض ۱۶۱): دارالعلوم دیوبند کیلئے ہندوؤں کا چندے دینا

دارالعلوم دیوبند کیلئے ہندوؤں کا چندے دینا بھی تاریخ مذکور میں صراحت کے ساتھ درج ہے۔(تاریخ دارالعلوم دیوبند،ص ۱۹۴)

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف،ص ۱۵۴)

جواب: یہ بھی موصوف کی جہالت ہے اس لئے کہ عموما کافروں کا مال جب خوشی ورضامندی سے مسلمان کیلئے خرچ کیا جائے تو اسے لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ رسول کریم ﷺ نے یہودیوں کے پاس کھایا ہے۔(صحیح بخاری صحیح مسلم)

اور ایلہ (ساحل سمندر کیساتھ ایک ملک) کے بادشاہ نے جو کہ کافر تھا رسول کریم ﷺ کو ایک خچر اور چادر کا ہدیہ دیا تھا۔ (صحیح بخاری صحیح مسلم)

اور نجاشی نے کفر کی حالت میں ام حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا کا مہر ادا کیا تھا:

عن ام حبيبة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم تزوجها وهى بعرض الحبشة زوَّجها النجاشى وامهرها باربعة آلاف وجهزها من عنده وبعث بها مع شرحبيل بن حسنة ولم يبعث اليها رسول الله صلى الله عليه وسلم بشيء وكان مهر نساء اربع مائة درهم.

رواہ النسائی (3350)۔ وابوداود (2086) والحاکم (2/181) وصححہ واقرہ الذہبی)

بریلوی مفتی فتوی دیتا ہے:

> کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ رمضان شریف کے دنوں میں بعض ہندو روزہ دار مسلمانوں کی بہت عزت کرتے ہیں بلکہ افطاری وغیرہ کا اہتمام بھی اپنی سمجھ میں بہت احتیاط سے کرتے ہیں۔۔۔سوال یہ ہے کہ ہندوؤں کے بنے ہوئے سامان سے افطار کرنا درست ہے یا نہیں؟
>
> الجواب۔۔۔ان کی بنائی ہوئی چیزوں کے استعمال یا اشیائے خوردنی کے کھانے میں کوئی حرج وممانعت نہیں ن اور نہ ان کی بھیجی ہوئی چیزوں سے افطار کرنے کی ممانعت ہے۔(فتاوی یورپ ص ۳۰۰)

کیوں جناب جو ہندو مسلمانوں کی بہت عزت کرتے ہیں وہ مسلمان معاذ اللہ ہندو نواز ہوئے یا نہیں؟ نیز آپ کے مفتی نے ہندو کی بنائی ہوئی چیز سے افطاری کی اجازت دی ہے کیا یہ ہندو نوازی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو دارالعلوم دیوبند کو چندہ دینا ہندو نوازی کیسے ہوگیا؟



بریلوی اکابر کی ہندونوازی

نوٹ: یہ تمام اعتراضات بریلوی معترض کے اصولوں کو سامنے رکھ کر کئے جارہے ہیں

تیس کروڑ ہندو بریلویوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں

بریلوی میراملت پیر جماعت علی شاہ کہتا ہے:

''ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان اور تیس کروڑ ہندو میرے ساتھ ہیں''۔

(سیرت امیر ملت، ص ۵۹۸)

ہندو آریہ توحید کے قائل ہیں فاضل بریلوی

کفار فلاسفہ و آریہ وغیرہ بزعم خود توحید کے بھی قائل ہیں''۔

(تمہید ایمان مع حسام الحرمین، ص ۴۱ مکتبہ المدینہ کراچی)

ہندو کا دین دین سماوی ہے اور ان کو کشف غیبیہ اور علوم نقلی و عقلی میں ید طولی حاصل ہے

فاضل بریلوی لکھتے ہیں:

''اس میں ہندوؤں کے دین کو محض بر بنائے ظن و تخمین دین سماوی گمان کرنے کی ضرور کوشش فرمائی ۔۔۔ بلکہ معارف و مکاشفات وعلوم نقلی و عقلی میں ان کا ید طولی مانا''

(احکام شریعت، ص ۲۰۷)

بریلویوں کا نکاح پنڈت پڑھائے تو ہو جائے گا

نواب احمد رضا خان فتوی دیتے ہیں:

''نکاح تو ہو ہی جائے گا اس لئے کہ نکاح نام ہے باہمی ایجاب و قبول کا اگر چہ بامن (ہندو پنڈت) پڑھائے''۔

(احکام شریعت، ص ۲۴۱)

ہندو مذہب قدیم ترین مذہب ہے

بریلوی پیر فرید کہتا ہے:

''اس کے بعد اہل ہنود (ہندو) کے مذہب کا ذکر ہونے لگا آپ نے فرمایا کہ ہندو کا مذہب قدیم ترین اور کہنہ ہے اور ہر مذہب اس کے بعد وجود میں آیا''۔

(مقابیس المجالس، ص ۲۶۳)

حضرت آدم علیہ السلام ہندو مذہب کے پیروکار تھے معاذ اللہ

''اس کے بعد اہل ہندو (ہندو) کے مذہب کا ذکر ہونے لگا آپ نے فرمایا کہ ہندو کا مذہب قدیم ترین اور کہنہ ہے اور ہر مذہب اس کے بعد وجود میں آیا، کیونکہ یہ مذہب حضرت آدم علیہ السلام کا ہے''۔

(مقابیس المجالس، ص ۲۶۳)

رام چندر نبی کرشن نبی

اس کے بعد کسی نے عرض کیا کہ سری کرشن جی اور رام چندر صاحب فقیر اور درویش تھے یا نہیں۔آپ نے فرمایا کہ تمام اوتار اور رشی لوگ اپنے وقت کے پیغمبر اور نبی تھے''۔

(مقابیس المجالس، ص ۳۸۸)

بریلوی مفتی احمد یار گجراتی لکھتا ہے:

''سارے اہل کتاب اپنے آپ کو ابراہیمی کہتے ہیں اور ہند کے مشرک انہیں کرشن کا نام دے کر تعریفیں کرتے ہیں''۔

(نور العرفان، ص ۸۱۴)

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''مجھ سے خود ایک مذہبی ہندو نے کہا کہ جنہیں تم ابراہیم کہتے ہو انہیں ہم کرشن جی کہتے ہیں اور حضرت اسمٰعیل کو ارجن''۔

(نور العرفان، ص ۱۷ ۳ سورہ مریم آیت ۵۰ پارہ ۱۶)

بریلویوں کی سکھوں سے محبت اور ان کی توحید کا اقرار

سکھوں سے آپ کو نہایت محبت تھی اور سکھوں کو بھی آپ سے خاص انس تھا اکثر حضور رحمۃ اللہ علیہ ان کی توحید ی محبت کا ذکر فرماتے''۔

(انقلاب حقیقت، ص ۱۰۹)

مولوی ابو الحسنات قادری بریلوی کا اقرار کہ اگر ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ شودروں والا سلوک کیا جائے تو انہیں کوئی اعتراض نہیں

''مولانا ابو الحسنات سید محمد احمد قادری صدر جمعیۃ العلماء پاکستان

سوال: کیا آپ ہندوؤں کا جو ہندوستان میں اکثریت رکھتے ہیں یہ حق تسلیم کریں گے کہ وہ اپنے ہاں ہندو دھرم کے ماتحت مملکت قائم کرلیں؟

جواب: جی ہاں

سوال: اگر اس نظام حکومت میں منوشاستر کے تحت مسلمانوں سے ملیچھوں یا شودروں (انتہائی نچلی ذات کے ہندو جنہیں انتہائی ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، ساجد) کا سلوک کیا جائے تو آپ کو کوئی اعتراض ہوگا؟

جواب: ''جی نہیں''۔

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت المعروف منیر انکوائری رپورٹ، نیاز مانہ پبلکیشنز لاہور، ص ۳۵۴)

بریلوی مولویوں نے رام کی تعریفوں کے پل باندھ دیئے اور بریلوی صدر المدرسین کی اس کی حمایت کرنا

بریلوی مولوی اپنے ایک سیاسی لیڈر وخطیب مولوی عبید اللہ خان اعظمی کے متعلق لکھتے ہیں:

''ہندوستان کے مشہور سیاسی لیڈر اور خطیب عبید اللہ خان اعظمی ہندوؤں کے مذہبی پروگرام 'رام کتھا' میں شریک ہوئے اور ان کی دل جوئی اور ان کا قرب خاص حاصل کرنے کیلئے ان کے مشہور دیوتا ''رام'' کی تعریف کے پل باندھے۔''رام'' کے وجود کو پوتر وجود، اس کے نام کو چاندکی چاندنی، سورج کی روشنی اور انسانیت کا برستا بادل کہا اس طرح بہت سے تعریف وتوصیف کے گل دستے تیار کر دئے۔۔۔۔۔ مگر لیڈر صاحب کے خصوصی مفتی، جامعہ اشرفیہ کے صدر المدرسین مفتی محمد نظام الدین رضوی لیڈر صاحب کی حمایت میں آ گئے اور فتوی دے دیا کہ خطیب صاحب کافر نہ ہوئے بلکہ ان پر کفر کی آنچ تک نہ آئی''

(الکلمات القاطعہ، ص ۲۰، المکتب النور بریلی شریف)

بریلویوں کے عقائد ہندوؤں سے ملتے ہیں

بریلوی محققہ مولانا احمد رضا خان اور بریلویوں کے عقائد پر تحقیق کرنے کے بعد اس نتیجے پر پہنچی کہ:

''اہل سنت کس طرح ہندوؤں سے مشابہت رکھتے ہیں۔۔۔جس والہانہ پن کے ساتھ وہ پیغمبر محمد ﷺ کے تئیں عقیدت کا اظہار کرتے ہیں، شعر وشاعری کے ذریعہ اس عقیدت کے اظہار میں جو انداز وہ اختیار کرتے ہیں، جس طرح وہ گلاب جل اور لوبان وغیرہ کا استعمال مذہبی رسومات کے انجام دینے کے موقعوں پر کرتے ہیں وہ ان ہندوؤں کے ذہن سے قریب اور ان سے مانوس ہے جن کے درمیان وہ رہتے تھے''

(عقیدت پر مبنی اسلام، ص ۲۸۷)

بت بنانا کفر نہیں نہ ہی خریدنا اور بیچنا حرام ہے

فضل رسول بدایونی فتوی دیتا ہے:

''بت بنانا کفر نہیں ہے اور بتوں کی خرید وفروخت کے جواز میں اختلاف موجود ہے''۔

(تاریخی فتوی، ص ۶۸)

مہادیو اور کنہیا کو برا بھلا مت کہو

''مہادیو اور کنہیا کو گالی دینا اور کافر کہنا اور سمجھنا اور ان پر لعنت کرنا کسی دلیل شرعی سے معلوم نہیں ہوتا ان کے حال میں سکوت چاہئے''۔

(فتاوی ارشادیہ، ص ۱۳۳)



ہندو دارالعلوم دیوبند کو کیا سمجھتے ہیں؟

آج بریلوی حضرات معاذ اللہ علماء دیوبند کو ہندو نواز کہہ رہے ہیں اور یہ کہتے ہوئے ذرا بھی نہیں شرما رہے ہیں کہ معاذ اللہ دیوبندی ہندو کا آپس میں گٹھ جوڑ ہے، مگر آیئے ہم خود ہندو کی زبانی ثبوت دے رہے ہیں کہ وہ دارالعلوم دیوبند یعنی علمائے دیوبند کو اپنا کتنا بڑا دشمن سمجھتے ہیں۔

دیوبند، 2 دسمبر (ایس او نیوز) ایودھیا میں رام مندر کی تعمیر کیلئے منعقد کی گئی 'شنکھناد دھرم سبھا' میں صرف ایک نکاتی ایجنڈے کے تحت ایک فرقہ اور دارالعلوم دیوبند کو نشانہ بنایا گیا ہے، وشو ہندو پریشد کے قومی سکریٹری سریندر جین نے رام مندر کی تعمیر ہونے تک لڑائی جاری رکھنے کی اپیل کی اور انتباہ دیتے ہوئے کہا کہ اگر مندر کے لئے پارلیمنٹ میں بل پاس نہیں ہوا تھا دوبارہ 'بھارت چھوڑ و تحریک' شروع کی جائیگی اور رام مخالفین کو چن چن کر باہر نکالا جائے گا۔ آج دیوبند کی نوین منڈی میں وشو ہندو پریشد کے بینر تلے منعقد دھرم سبھا رام مندر کی تعمیر کے لئے منعقد کی گئی تھی لیکن اس میں دارالعلوم دیوبند جیسے عظیم ادارہ کو جم کر نشانہ بنایا گیا، حالانکہ جس طرح کی تیاریاں کی گئی تھی اس کے مطابق نہ تو بھیڑ ہی اس پروگرام میں جمع ہوسکی اور نہ اس کے لئے کوئی لائحہ عمل بنایا گیا بلکہ صرف عوام کو مشتعل کرنے کے لئے مسلمانوں اور دارالعلوم دیوبند کو نشانہ بنایا گیا۔ پروگرام کے دوران ہر قیمت پر رام جنم بھومی ایودھیا میں رام کا عظیم مندر کی تعمیر کا عزم کیا گیا، وشو ہندو پریشد کے سکریٹری سریندر جین نے رام مندر کی تعمیر تک جنگ جاری رکھنے کی اپیل کرتے ہوئے کہا کہ اب صرف ایودھیا میں رام مندر کی ہی نہیں بلکہ ملک میں مختلف مقامات پر مندر توڑ کر بنائی گئی مساجد کے مقام پر بھی دوبارہ مندر تعمیر کئے جائینگے۔ انہوں نے دارالعلوم دیوبند پر نشانہ لگاتے ہوئے کہا کہ آج دارالعلوم کے اشارے پر ہی دہشت گرد اظہر مسعود رام مندر نہ بننے دینے کی دھمکی دے رہا ہے، لیکن وہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ نہرو کا نہیں بلکہ یہ مودی یوگی کا دور ہے، آج کا ہندو ڈرتا نہیں جھکتا نہیں بلکہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا جانتا ہے۔ انہوں نے دہلی میں آئندہ 9 / دسمبر کو منعقد ہونے والی ریلی میں شرکت کرنے کی اپیل کرتے ہوئے کہا کہ 9 / دسمبر کو دہلی ایسی بھیڑ ہونی چاہئے کہ رام مخالفین کے پیروں تلے کی زمین کھسک جائے۔ بجرنگ دل کے صوبائی کنوینر بلراج ڈونگر، صوبائی سکریٹری سدرشن، صوبائی نائب صدر پروندر بنسل نے کہا کہ دنیا کی کوئی بھی طاقت ایودھیا میں رام مندر تعمیر کرنے سے نہیں روک سکتی۔ انہوں نے کہا کہ یہ ملک کے سو کروڑ ہندوؤں کی آستھا (عقیدہ) کا سوال ہے، اگر کوئی ہماری آستھا میں رکاوٹ بننے کی کوشش کرتا ہے تو وہ تنکے کی طرح بہہ جائیگا۔ وی ایچ پی صوبائی سکریٹری اور پروگرام آرگنائزر روکاس تیاگی نے ایک دھکا اور دو، دارالعلوم کو توڑ دو کا نعرہ دیتے ہوئے کہا کہ ملک میں دہشت گردی کا اصل اڈہ دارالعلوم دیوبند ہی ہے، اس سے جڑے دہشت گرد مسعود اظہر نے رام مندر تعمیر کرنے پر دھمکی دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ دارالعلوم دیوبند کو سعودی عرب اور پاکستان کٹھ پنتھ کو بڑھاوا دینے کے لئے فنڈنگ ہوتی ہے۔ انہوں نے رام جنم بھومی پر رام کا عظیم الشان مندر کی تعمیر کرنے کا عزم لیکر 9 / دسمبر کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دہلی پہنچنے کی اپیل کی۔ اس دوروان کانگریس صدر راہل گاندھی اور چیف جسٹس آف انڈیا کو بھی جم کر نشانہ بنایا گیا۔ حالانکہ دھرم سبھا میں سیکڑوں میں لوگ پہنچ سکے، جس کے سبب لوگوں میں اشتعال پھیلانے کے لئے دارالعلوم دیوبند اور مسلمانوں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ دھرم سبھا کو لیکر پولیس نے سخت انتظامات کئے تھے، نہ صرف مختلف چوک چوراہوں اور روڈ پر بھاری پولیس تعینات تھی بلکہ پروگرام کے دوران پولیس اور پی ایس سی کے جوان تعینات رہے۔ دیوبند: دھرم سبھا میں مقررین کے خطاب سے ایک بات مکمل طور پر واضح ہوگئی ہے کہ یہ دھرم سبھا محض ایک فرقہ اور عظیم دینی دانش گاہ دارالعلوم دیوبند کو طعن و تشنیع کرنے اور اس پر انتہائی

مذموم وشرمناک الزامات لگانے کے لئے منعقد کی گئی تھی، پورا پروگرام صرف ایک نکاتی ایجنڈے کے تحت منعقد کیا گیا، جس میں صرف اور صرف دارالعلوم دیوبند کو نشانہ بنایا گیا ہے، اتنا ہی نہیں بلکہ دارالعلوم دیوبند کو سیدھے دہشت گردی سے جوڑتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کو توڑنے تک کی بات کہی گئی ہے، بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایک طرف رام کا مندر بنانے کی بات کر رہے ہیں جبکہ دوسری طرف مساجد اور مدارس کو توڑنے اور ملک کی آزادی کے خاطر قربانیاں دینے والے ادارے اور لوگوں کو دہشت گرد بتایا جا رہا ہے۔ پروگرام کے دوران بھارت میں رہنا ہوگا وندے ماترم اور گئو ماتا کہنا ہوگا اور جے شری رام کے نعرے بھی لگائے گئے۔ (روزنامہ ممبئی اردو ۲ دسمبر ۲۰۱۸)

☆☆☆☆

ایک دھکا اور دو دارالعلوم دیوبند کو توڑ دو

دفاع
اھل السنّۃ والجماعۃ

باب ھشتم

علمائے اہل سنت پر ”انگریز نوازی“ کا الزام اور اس کا جواب

مؤلف
مناظر اہل سنت
حضرت مولانا ساجد خان نقشبندی حفظہ اللہ

باہتمام
حضرت غازی مفتی ندیم صاحب زید مجدہ
شعبہ نشر و اشاعت
جمعیۃ اہل السنۃ والجماعۃ

باب ہشتم

علمائے اہلِ سنّت پر ’’انگریز نوازی‘‘ کا الزام اور اس کا جواب

اٹھارہ سو ستاون کی جنگِ آزادی اور دیوبند کا کردار

ہندوستان میں انگریز کی آمد وقبضہ

انکارِ خدا بھی کر بیٹھو انکارِ محمدؐ بھی لیکن
جانباز تماشہ دیکھیں گے محشر میں نافرمانوں کا

قلم اور زبان سے نکلے ہوئے الفاظ، تاریخ کو جنم دیتے ہیں، قومیں جب حقوق کی میز پر آمنے سامنے بیٹھتی ہیں تو وہاں ووٹ نہیں، لاشیں شمار کی جاتی ہیں۔ جس قوم کی لاشیں اپنے حقوق کے حصول میں زیادہ ہوں گی وہی ہراول دستہ کہلائے گی۔ ہندوستان میں فرنگی سامراج کے خلاف جدوجہد آزادی میں پہل کی تو مسلمانوں نے، انگریز کے خلاف عسکری جنگ لڑی تو مسلمانوں نے، توپوں کے دہانوں کے ساتھ باندھ کر اڑائے گئے تو مسلمان، پھانسی کے تختے پر انقلاب زندہ باد کہا تو مسلمانوں نے، جزائر انڈیمان کو آباد کیا تو انگریز کے باغی مسلمانوں نے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کا قیام

گزرے زمانے کا یہ محاورہ کہ زن، زمین اور زر بناء فساد ہیں، سرمایہ دار کسی رنگ وروپ کا ہو، ہمیشہ اپنے نفع کی سوچتا ہے، قصہ دراصل یوں شروع ہوا کہ ہالینڈ کے سوداگروں نے ایک پونڈ گرم مصالحہ کی قیمت میں پانچ شلنگ کا اضافہ کر دیا۔ تو لندن کے دو درجن تاجر سیخ پا ہو گئے، انہوں نے ایک تجارتی کمپنی بنانے کا فیصلہ کیا، اس کمپنی کا نام ایسٹ انڈیا ٹریڈنگ کمپنی رکھا گیا (برطانیہ) کی ملکہ الزبتھ نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو شاہی پروانہ عطا کیا، اس کے بعد کمپنی کے ارکان نے بحری سفر کے ذریعے مختلف مقامات پر اپنے کو کاروباری انداز اور طریق سے منظم کرنا شروع کیا، چنانچہ سب سے پہلی بار کپتان ولیم باکنس ایک جہاز کے ذریعے سورت کی بندرگاہ میں داخل ہوا اور ہندوستان میں آ پہنچا۔ ۱۴۱۵ یا ۱۴۰۹ھ میں سر تھامس راؤ جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا اور ایک درخواست کے ذریعے شہنشاہ سے کاروباری رعائتیں حاصل کر لیں اور ساتھ ہی اس کو (علاقہ) سورت میں ایک کوٹھی بنانے کی اجازت بھی مل گئی۔ یہ ہے وہ گھڑی جب تجارت کے بہانے انگریز کے ناپاک قدم ہندوستان میں آئے۔ یہ قدم پھر ایسے جمے کہ تین سو سال تک اس ملک کی تمام بہاریں غیر ملکی لوٹتے رہے اور جب یہ رخصت ہوئے تو سارا ہندوستان خزاں کی ایسی زد میں تھا کہ پھر اس پر کبھی بہار نہ آئی۔ غیر ملکی سوداگروں نے آہستہ آہستہ اپنے پاؤں ہندوستان میں پھیلانے شروع کئے۔ آج یہاں کل وہاں، پرسوں ذرا آگے۔ پہلے سورت میں کوٹھی بنائی پھر بڑھوچ، پھر آگرہ پھر دریائے

ہگلی پار کر کے کلکتہ کو اپنا مرکز قرار دے لیا۔'' آگ لینے آئی گھر کی مالک بن بیٹھی''،مغل سلطنت کے زوال میں رعایا کو مجرم قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ یہ گھر اپنے ہی چراغوں سے جل کر راکھ ہوگیا۔مسلمان بادشاہ جنہیں قریباً ہزار سال ہندوستان میں استحکام حاصل رہا، جب سرنگوں ہوا تو اس کی فردِ جرم پر غیروں کے دستخط نہیں تھے، بلکہ اپنا ہی خون تھا جو محلات کی اندرونی رقابتوں اور سازشوں سے اسے بہا کر لے گیا۔جو قوم مغل شہنشاہوں کے آستانوں پر تجارت کی بھیک مانگنے آتی تھی، جب وہ آستانے اجڑ گئے، جب بھیک دینے والے ہاتھ خود محتاج ہو گئے اور لال قلعے کے باشی شاہ جہاں کی مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھ کر بھیک مانگنے لگ پڑے تو پھر غیر ملکی تاجروں نے اپنے بھنڈار کھول دیئے، جیسے جیسے ان کے قدم بڑھتے گئے، ہندوستان کی آزادی سمٹ کر ان کے قدموں میں ڈھیر ہوتی گئی۔

اورنگ زیب عالم گیر کی وفات

اورنگ زیب عالم گیر کی وفات کے بعد ہندوستان کے مختلف علاقوں میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئیں، اسی ابتری کے دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے پاؤں پھیلانے شروع کر دیئے، ان کے ساتھ دوسری کاروباری قومیں بھی حصولِ اقتدار میں ہاتھ پاؤں مارنے لگیں۔ یہاں تک کہ ملک کے مختلف حصوں میں صوبہ خودمختاری کے اعلانات ہونے لگے، اس افراتفری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کمپنی نے نوابوں اور راجاؤں سے گٹھ جوڑ شروع کر دیئے۔عالم گیر نے مرشد قلی خان کو بنگال کا نواب ناظم مقرر کیا ہوا تھا، مگر عالم گیر کی محنت کے بعد یہی صوبہ دار، عملی طور پر فرمانروا بن بیٹھا، ابھی پوری طرح سنبھلا نہ تھا کہ بہار کے حاکم، علی وردی خان نے بنگال کو فتح کر لیا، یہ اس علاقے کے لئے بہترین حاکم ثابت ہوا۔ ۱۷۵۶ء میں علی وردی خان کا انتقال ہوگیا، اس کی عنانِ اقتدار اس کے نواسے سراج الدولہ نے سنبھال لی، مرنے سے قبل سراج الدولہ کو وصیت کی کہ مغربی اقوام کی اس قوت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا جو انہیں ہندوستان میں حاصل ہو چکی ہے۔سراج الدولہ اپنے خاندان میں اَن گنت صلاحیتوں کا مالک تھا، لیکن تخت سنبھالتے ہی اسے پہلے اپنے خاندان سے نمٹنا پڑا، اپنی چچی بیگم گھسیٹی اور چچازاد بھائی شوکت سے جنگ آزما ہوا، اندرونِ خانہ مارِ آستین (دوست نما دشمن) بنے ہوئے تھے، ان کو ٹھکانے لگایا تو اصل دشمن کا پتہ چلا کہ اندرخانے یہ ساری گیم تو انگریز کھیل رہا ہے، اس دوران انگریزوں نے کلکتہ میں تعمیر کردہ اپنا قلعہ فورٹ ولیم کو مزید مضبوط کرنا شروع کر دیا، نواب نے انگریزوں سے قلعہ کی واپسی کا مطالبہ کیا تو انہوں نے انکار کر دیا، اس پر سراج الدولہ نے غصہ میں آ کر انگریزوں پر حملہ کر کے کلکتہ ان سے چھین لیا۔

سراج الدولہ کی شہادت، انگریز کا پہلا باغی مسلمان

لیکن اس کامیابی کی عمر، دیرپا ثابت نہ ہوئی جیسے ہی مدراس میں یہ خبر پہنچی کہ کلکتہ انگریزوں سے چھن گیا ہے، اس کے ساتھ ہی انگریز افواج کے سپہ سالار کلائیو نے مدراس سے کلکتہ پہنچ کر خفیہ طور پر نواب کی فوج کے سپہ سالار میر جعفر سے ایک خفیہ معاہدہ طے کیا۔

جنگ پلاسی

مذکورہ بالا سازشی معاہدے کے بعد ۲۳/ جون ۱۷۵۷ء کو نواب سراج الدولہ اور انگریز کے درمیان پلاسی کے میدان میں جنگ ہوئی، اس موقع پر میر جعفر نے غداری کی کہ اپنی فوجوں کو عین وقت پر میدان میں جانے سے روک دیا، ۲۹/ جون ۱۷۵۷ء کو انہیں کے اہل کاروں کی سازش اور سپہ سالار میر جعفر کی غداری سے انگریزوں کے اس بہت بڑے دشمن کو شہید کر دیا گیا، اس کامیابی نے بنگال کو مکمل طور پر انگریزوں کے ہاتھ میں دے دیا، اس جنگ کی کامیابی نے کمپنی کے خاص تجارتی دور کا خاتمہ کیا اور ایک وسیع خطۂ ملک ہاتھ آجانے سے تجارت

کے ساتھ حکومت کا دور شروع ہوا، انگریزوں کے مقابلے میں یہ مسلمانوں کی پہلی شکست تھی، اس شکست سے ہندوستان کا ایک بڑا محاذ ختم ہو گیا۔

روہیلکھنڈ کا نواب حافظ رحمت خان

روہلکھنڈ کا علاقہ اودھ کے شمال مغرب میں ایک خوشحال اور سرسبز علاقہ تھا، یہاں روہلوں کی مختصر ایک مخصوص ریاست تھی، حافظ رحمت خان اس قبیلے کا سردار تھا، وہ پانچ ہزار علماء کرام کو ملکی خزانے سے وظیفے اور تنخواہیں دیتا تھا، طلباء کے اخراجات کی خود کفالت کرتا تھا، اس نے دیہات اور قصبات میں مسجدیں بنوائیں اور ان میں باقاعدہ خطیب اور خادم مقرر کئے۔ اورنگ زیب عالم گیر کی وفات کے بعد ہندوستان کے مختلف علاقوں میں جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئیں، روہیلکھنڈ کی ریاست انہیں میں شمار ہوتی تھی، نواب وزیر خان والیِ اودھ سے مل کر انگریز نے حافظ رحمت خان سے جنگ کی۔ اس لڑائی میں تیس ہزار کے قریب روہیلے مارے گئے، ان کے علاوہ حافظ رحمت خان اور ان کے تینوں بیٹے بھی اس میدان میں کام آئے۔ اس شہر یعنی بریلی پر انگریز کا تسلط ہو گیا۔

غداری کا انجام

اسلام کی اجتماعی زندگی میں شہید اور غدار، دو لفظ اس قدر وزن رکھتے ہیں کہ ان کا انکار مسلمانوں کے لئے خصوصیت سے ناواجب قرار دیا گیا ہے، لیکن رواں دور میں یہ الفاظ کم وبیش اپنا وقار کھو چکے ہیں۔ ایک بدمعاش دوسرے بدقماش کو قتل کر دے تو مقتول کے ہمنوا اسے شہید کا درجہ دے دیتے ہیں، کسی کی بہو، بیٹی کے اغوا میں کوئی مارا جائے تو اس کے وارث بھی مرنے والے کو شہید کہہ کر پکارنے لگتے ہیں، اگر دو جواری باہم رقابت میں لڑ کر مارے جائیں تو ان کے ماننے والے انہیں بھی شہید فی سبیل اللہ کہتے ہیں۔ اسی طرح لفظ غدار بھی مذاق بن کر رہ گیا ہے اور ہلکے پن کا یہ عالم ہے کہ محض رائے سے اختلاف کی بناء پر غدار کا خطاب دے دیا جاتا ہے۔ غدار کسی بھی لباس میں ہو جب اپنے انجام کو پہنچتا ہے تو قوموں کے مستقبل میں عبرت کا نشان چھوڑ جاتا ہے۔ چنانچہ میر جعفر نے سراج الدولہ اور وطن عزیز سے جو غداری کی، اس کے انگریز آقاؤں نے اسے بہت جلد اس کی سزا دے دی کہ اسے نااہل قرار دے کر اس کی جگہ اس کے داماد میر قاسم کو بنگال کا نواب مقرر کر دیا۔ میر قاسم نے برسر اقتدار آ کر" مدنا پور" اور چٹا گانگ کے اضلاع کمپنی بہادر یعنی انگریزوں کے حوالے کر دیئے اور وہ بغیر محصول ادا کئے ذاتی طور پر تجارت کرنے لگے۔ حکومت کو آمدنی میں خسارہ ہونے لگا، جس پر اودھ کے نواب شجاع الدولہ اور شہنشاہ شاہ عالم ثانی کی مدد سے میر قاسم نے انگریزوں سے جنگ کی، یہ جنگ" بکسر" کے مقام پر ہوئی، اس لڑائی میں انگریزوں کو کامیابی ہوئی، جنگ ختم ہونے پر ایک معاہدہ طے پایا، تاریخ میں یہ معاہدہ الہ آباد کے نام سے مشہور ہے۔ ۱۷۶۵ء میں یہ معاہدہ (انگریز) کلائیو اور نواب شجاع الدولہ اور شاہ عالم کے درمیان طے پایا تھا، اس کی رو سے بادشاہ دہلی (شاہ عالم ثانی) کی طرف سے ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال، بہار، اڑیسہ کا دیوان (حاکم) مقرر کر دیا یعنی کمپنی ان اضلاع سے مال گزاری (زمین کا محصول مالیہ وغیرہ) وصول کر سکتی ہے، اگر اس معاہدہ کو ہندوستان کی غلامی کی ابتداء کہا جائے تو درست ہوگا۔ شاہ عالم ثانی نے انگریزوں کی اطاعت قبول کر لی اور وہ انگریزوں کا وظیفہ خور ہو گیا۔ بادشاہ پورے دس برس بعد الہ آباد سے دہلی آیا، وہ یہاں آ کر نئے فتنوں، امراء کے جوڑ توڑ، روہیلوں کی نئی طاقت اور سکھوں کے حملوں سے دوچار ہوا۔ بالآخر نجیب الدولہ کے پوتے غلام قادر روہیلہ نے ۱۷۸۸ء میں دہلی پر قبضہ کر لیا، شاہی محل لوٹا، شہزادیوں کو کوڑے لگوائے اور سلطنت تیموری کے وارث مغل شہنشاہ کی آنکھیں نوک خنجر سے نکالیں۔ ۱۷۸۹ء میں سندھیہ (مرہٹہ) نے غلام قادر کو بڑے دردناک طریقہ پر قتل کیا

اور شاہ عالم کو دوبارہ تخت پر بٹھایا۔

ٹیپو سلطان کی شہادت

میسور کی ہندو ریاست کا دلیر سپہ سالار حیدر علی (راجہ کے کمزور ہو جانے پر) ۱۷۶۱ء میں میسور ریاست کا سربراہ بنا دیا گیا، اس نے ۲۲ سال حکومت کر کے ریاست کی شیرازہ بندی کی، اپنے بیٹے فتح علی کو اپنا جانشین بنا کر ۱۷۸۳ء میں وفات پا گیا۔

فتح علی عرف ٹیپو سلطان

۱۷۸۳ء تا ۱۷۹۹ء فتح علی (عرف ٹیپو سلطان) نے اقتدار سنبھالا، اس وقت یہ دور ہندوستان میں انتشار کا دور تھا۔

''چراغ بے داغ ہو تو آئینے کی شہادت کی ضرورت نہیں پڑتی ضمیر زندہ ہو تو کسی پر بد اعتماد ہونے کو جی نہیں چاہتا''۔

میر صادق اور ایک ہندو وزیر سب سے پہلے اپنے آقا کے قتل میں انگریز کے آلہ کار بنے۔ سلطان کا گھڑ سوار فوج کا کورکمانڈر بدرالزمان انگریز سے جاگیر کے لالچ میں سودا کر چکا تھا، انگریزوں نے وزیر اعظم میر صادق اور کئی امراء کو ملا لیا اور ریاست پر بڑی فوج سے حملہ کر دیا۔ ٹیپو سلطان قلعہ میں محفوظ تھا، مگر غداروں نے دروازہ کھول دیا، انگریزی فوج قلعہ میں گھس آئی، ٹیپو سلطان بڑی دلیری سے لڑتا ہوا شہید ہوا، سلطان کی شہادت کے بعد انگریز نے قلعہ اور محلات پر قبضہ کر لیا، سلطان کا جھنڈا اتار کر انگریز نے اپنا جھنڈا لہرا دیا، اس کے بعد ایک جنرل نے کہا:

''آج ہندوستان کی آخری کڑی بھی ٹوٹ گئی، اب دنیا کی کوئی طاقت ہندوستان کو ہماری غلامی سے نہیں بچا سکتی''۔

ٹیپو سلطان کی وصیت

میں خوش ہوں کہ ایک کافر کے مقابلے میں لڑ کر خدا کے راستے میں جان دے رہا ہوں، خدا کا شکر ہے کہ میں فرنگی فوج کو مارتے مارتے جان دے رہا ہوں، کاش! کوئی میرے بعد ان فرنگیوں کو ہندوستان سے نکال بھگائے۔ اس وقت تک میری روح کو قبر میں چین نہیں آئے گا، جب تک ہندوستان کی سرزمین فرنگیوں سے پاک نہ ہو جائے۔

دہلی پر انگریزوں کا قبضہ

۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک انگریزی فوج کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا، مرہٹوں کو نکال دیا اور بادشاہ کی پنشن ایک لاکھ روپیہ سالانہ مقرر کر دی۔

ہندوستان دار الحرب ہے کا فتویٰ

انگریز کی بظاہر پالیسی رہی کہ بادشاہ دہلی کو تخت و تاج کے ساتھ جوں کا توں رہنے دیا گیا لیکن ملکی اختیارات تمام کے تمام ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے تسلیم کرا لئے گئے، اس طرح یہ اعلان ہونے لگا: ''خلق خدا کی، ملک بادشاہ سلامت کا، اور حکم کمپنی (یعنی انگریز) بہادر کا''۔

ان مشکل ترلمحوں میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کو دار الحرب ہونے کا فتویٰ دے دیا، شاہ عالم ثانی ۴۵ برس تخت نشین اور ۱۸ سال نابینا رہ کر ۱۸۰۶ء میں راہی ملک بقا ہوا۔

سندھ پرانگریزوں کاقبضہ

شاہ افغانستان،شاہ شجاع کے زمانہ میں انگریز ،رنجیت سنگھ اورشاہ شجاع کے درمیان ایک معاہدے پر دستخط ہوئے،اس معاہدے کی روسے کشمیر، پشاوراورملتان پررنجیت سنگھ کاقبضہ تسلیم کرلیا گیا،جس کے بدلے رنجیت سنگھ نےسندھ سے دستبردارہونے کافیصلہ کرلیا،اس طرح سندھ کابل کاایک صوبہ قرارپایا،اب کابل پرانگریز کی کٹھ پتلی حکومت قائم تھی،سندھ پرقبضہ کرنے میں اب انگریز کے راستے میں کوئی دوسری دیوارنہیں تھی،یہ زمانہ سندھ پرتالپورخاندان کی حکمرانی کاتھا،انگریز نے امیر سندھ کورنجیت سنگھ کے حملے کاخوف دلاکر سندھ کواپنی نگرانی میں لےلیا،جب تالپورخاندان کامیر پورمیں تخت نشینی کاتنازع شروع ہواتوانگریز نے میرعلی مراد کےحق میں فیصلہ دےدیا، نئے امیر نے خراج کے بدلے سندھ کے اہم علاقے انگریز کمپنی کے حوالے کردیئے۔مختصر یہ کہ انگریزوں نے مارچ ۱۸۴۳ءکومیر پور پرقبضہ کرلیااور اگست ۱۸۴۳ءکوامیر سندھ کوجلاوطن کرکے پورے سندھ کاالحاق اپنے ساتھ کرلیا۔

پنجاب میں انگریزوں کی آمد

سندھ کے بعدجب انگریز کی نظریں پانچ دریاؤں کے اس خوبصورت خطہ ارض پرپڑیں تواس وقت رنجیت سنگھ اس کی بہاریں لوٹ رہا تھا،پنجاب کایہ سکھ حاکم ان پڑھ ہونے پربھی بڑازیرک اورمعاملہ فہم حکمران تھا۔ ۱۸۳۹ءکورنجیت سنگھ کاانتقال ہوگیا،پنجاب کے اس سکھ حکمران کوشیرِ پنجاب کاخطاب دیاگیا،رنجیت سنگھ کے بعد ہرسکھ سردار نے وہ فتورمچایاکہ پنجاب تباہ ہوکررہ گیا،رنجیت سنگھ کے کئی بیٹوں کوموت کے گھاٹ اتاردیاگیا۔بالآخر رنجیت سنگھ کانابالغ بیٹا دلیپ سنگھ گدی نشین ہوا۔اس کی والدہ رانی (المعروف جنداں) اپنے چہیتے لال سنگھ سمیت،راج کی سربراہ بن گئی،اندرونی خلفشاررک نہ سکا۔دسمبر ۱۸۴۵ءمیں سکھ اورانگریزوں کے درمیان جنگ شروع ہوگئی،سکھوں کو شکست اٹھاناپڑی،صلح نامہ لاہورکے نام سے معاہدہ ہوا،ستلج اوربیاج کےعلاقے انگریزسلطنت میں شامل کرلئے گئے،بالآخرمارچ ۱۸۴۹ء میں لارڈ ڈلہوزی نے پنجاب کواپنی قلمرو(عملداری) میں شامل کرلیا،رنجیت سنگھ کے بیٹے دلیپ سنگھ کوپنشن دےکرلندن بھیج دیا،وہاں اس نے عیسائی مذہب قبول کرلیا۔

جنگ آزادی اورعلماءدیوبندکاکردار

تعبیرِ پاکستان کے مصنف:ایس ایم شاہدشعبہ تعلیم،استاذعلامہ اقبال اوپن یونیورسٹی،اسلام آبادص:۶۰ پرتحریرفرماتے ہیں کہ:

’’(شاہ عالم ثانی) کی وفات کے بعداس کے بقیدِحیات لڑکوں میں جوسب سے بڑالڑکاتھاوہ تخت نشین ۱۸۰۶ءمیں ہوا۔اس نے اپنا لقب اکبرشاہ ثانی اختیارکیا،۱۸۳۷ءمیں جب اس کاانتقال ہواتومرزاعبدالمظفرسراج الدین محمداس کے جانشین کی حیثیت سے بہادرشاہ کا لقب اختیارکرکےتخت نشین ہوا۔ بہادرشاہ آخری مغل تاج دارتھا،چنانچہ مغلیہ سلطنت ایک ظاہری اورنمائشی سلطنت کے روپ میں ۱۸۵۷ءتک چلتی رہی،سلطنت مغلیہ کاشیرازہ پوری طرح بکھرگیاتھا،زوال پذیردورمیں روشنی کی کچھ کرنیں اگرنظرآرہی تھیں تووہ محض شاہ ولی اللہ دہلویؒ ان کےصاحبزادےشاہ عبدالعزیزؒ اوران کے پوتے مولاناشاہ اسماعیلؒ کی تحریکات:’’تطہیر‘‘اور’’اصلاح‘‘تھیں اورسیداحمد بریلوی کابہادرانہ اورسرفروشانہ مقابلہ تھا۔‘‘

برصغیرپاک وہندکی سیاست میں علماءکاکردار ۱۹۴۵ءتک کےمصنف ڈاکٹرایچ ،بی خان ص:۲۲ پرتحریرکرتے ہیں:

''۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں اہل ہند نے ملک سے بیرونی طاقت کے اخراج اور حصولِ آزادی کے لئے جدوجہد کی تھی، عہد برطانیہ سے ملکی اور غیر ملکی مؤرخین اس جنگ کو بغاوت کے نام سے موسوم کرتے چلے آئے ہیں جو ایک تاریخی غلطی ہے۔ جنگ آزادی کے علل واسباب متنوع بھی ہیں اور مختلف فیہ بھی۔ ان پر مؤرخین نے بالتفصیل بحث بھی کی ہے، یہاں موضوع کی مناسبت سے ہم صرف مذہبی وجوہات سے مختصر بحث کر رہے ہیں:

الف:۔ مغل تاجدار سے کمپنی نے عہد کیا تھا کہ ہم قضات (یعنی قاضی) کا عہدہ برقرار رکھیں گے۔ ابتداء میں اس عہد پر عمل ہوتا رہا، مگر جیسے جیسے انگریزوں کا اقتدار و غلبہ مضبوط ہوتا گیا ویسے ویسے اس عہد میں کمزوری اور لچک پیدا ہوتی گئی، تا آں کہ ۱۸۶۵ء میں قضات کو ختم کر دیا۔

ب:۔ ایک برطانوی مؤرخ مسٹر لڈلو اور ایک دوسرے مؤرخ پروفیسر ماکس اور تیسرے برطانوی باشندے نے علیحدہ علیحدہ بیان کیا ہے کہ جب سے ہم نے دیسی طریقہ تعلیم کو ختم کیا ہے، تب سے ہندوستانی بے علم ہوتے جا رہے ہیں، مسٹر نے سرکاری کاغذات کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

''برطانیہ سے قبل بنگال میں اسی ہزار دیسی مدارس تھے۔ نیز کیپٹن نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ: شہر ٹھٹھ میں عالمگیر اورنگ زیب کے زمانہ میں چار سو کالج مختلف علوم وفنون کے تھے''۔

ج:۔ عہد سلطنت دہلی و عہد مغل میں معلمین اور متعلمین کے لئے وظائف اور عطیات دیئے جاتے تھے۔ نیز اوقاف کی آمدنی سے مدرسین وطلباء کی مستقلاً مالی اعانت کا اہتمام تھا، ۱۸۳۵ء میں اوقاف کی ضبطی سے یہ مدارس تباہ و برباد ہو گئے۔

د:۔ کمپنی نے شروع عملداری سے ہی پادریوں کی سرپرستی کی، ان پادریوں نے مختلف طریقوں سے زر کثیر صرف کر کے لوگوں کو مرتد بنانا شروع کیا، چنانچہ لوگوں کو خدشہ ہوا کہ ہمارا دین ومذہب بھی محفوظ نہ رہ سکے گا''۔

جانباز مرزا تحریر فرماتے ہیں:

''مہمان بن کر آنے والے جب حاکم بن بیٹھے تو اپنے تخت پر اس قدر اتراتے کہ ابلیس کے ہم دوش ہو کر انسان کو غلام بنا کر بھی ان سے حیوانوں کا سا برتاؤ کرنے لگے، عوام نئے حاکموں سے دست و گریبان ہونے کے بہانے تلاش کرنے لگی''۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ مسلم عوام کے دلوں میں جہاد کی آگ روشن کر چکا تھا، ہندو عیسائی پادریوں کے طریق تبلیغ سے دھرم کی رسوائی دیکھ رہے تھے، انسان ہونے کے ناطے سے بھی انگریزوں کا برتاؤ رعایا سے ظالمانہ تھا، انگریزوں کے قدم جمنے لگے تو فوجیوں کے لئے ایسے احکام جاری کئے جو کسی طرح بھی ان کے لئے پسندیدہ نہیں تھے۔ مثلاً: دیسی، سپاہی جب فوجی لباس میں ہوں تو ماتھے پر تلک نہ لگائیں اور نہ ان کے کانوں میں بالیاں ہوں، سپاہیوں کو چاہئے کہ اپنی ڈاڑھیاں منڈوایا کریں، پگڑی کی جگہ ٹوپی استعمال کریں۔ ان احکام سے قدرتی طور پر اس خیال کو اور تقویت ملی کہ انگریز ہندوستانیوں کی وضع قطع، رسم و رواج اور طور طریقوں میں دخل اندازی کر کے ان کے مذہب کو خراب کرنا چاہتے ہیں۔

چربی کے کارتوس

۱۸۵۳ء میں انگلستان سے ایک خاص قسم کے کارتوس کا ذخیرہ ہندوستانی فوج کے استعمال کے لئے بھیجا گیا، ان کارتوسوں میں سور کی

چربی استعمال کی گئی تھی، چربی والے کارتوس کو دانتوں سے کاٹنا پڑتا تھا، کارتوسوں میں سوراور گائے کی چربی قصداً اس لئے استعمال کی گئی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کا مذہب خراب کیا جائے، ہندوؤں کو تو گائے کی جھلی کا اشتباہ واقع ہوا اور اہل اسلام کو سور کی جھلی کا۔ چنانچہ ایک دن ایسا ہوا کہ کلکتہ میں ایک فرنگی سپاہی نے ایک برہمن ذات کے فوجی سپاہی سے پانی طلب کیا، اس پر برہمن نے کہا: تم ملیچھ (نجس) ہو، میں تمہیں پانی نہیں دوں گا، میرا دھرم مجھے ایسا کرنے سے منع کرتا ہے۔ فرنگی سپاہی نے طنزاً کہا: اس وقت تمہارا دھرم کیا رہ جائے گا جب تمہیں گائے اور سور کی چربی کے کارتوس استعمال کرنے پڑیں گے۔ یہ جنوری ۱۸۵۷ء کا واقعہ ہے۔ اس خبر سے کلکتہ کی فوج میں اشتعال ہوا تو میجر کوانا نے اس کو دبا دیا، البتہ یہ خبر پھیل کر بارکپور پہنچی تو وہاں کی فوج نے افسروں کی حکم عدولی کی، جس پر اس مذموم فضا میں بریلی کے کوچہ و بازار میں ایک اشتہار پایا گیا، جس کی عبارت تھی: ہندوؤ اور مسلمانو اٹھو! اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی نعمتوں سے آزادی سب سے بڑی نعمت ہے، کیا وہ ظالم شیطان جنہوں نے ہم سے آزادی چھین لی ہے، ہمیں ہمیشہ سے آزادی سے محروم رکھ سکتے ہیں؟ ہرگز ہرگز نہیں وغیرہ۔ چلتے چلتے اس قسم کے اشتہار، دہلی، لکھنو، آگرہ، بنارس، الہ آباد، جھانسی، حیدرآباد دکن، کانپور اور مدراس تک جا پہنچے تھے، گو اشتہارات کی عبارت مختلف تھی، تاہم مفہوم ایک ہی تھا یعنی ہندو اور مسلمانوں کو اکسایا گیا تھا، کمپنی کی حکومت نے لاکھ کوشش کی کہ ان اشتہارات کے مصنف یا محرک کا پتہ لگ سکے، مگر تمام کوشش ناکام ثابت ہوئی۔ دوسری طرف، پنڈت، مولوی، سنیاس ملک کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک پھیل کر انگریزوں کے خلاف انقلابی تقریریں کر رہے تھے، یہاں تک کہ مداری اور بھانڈ، پتلیاں نچانے والے بھی اپنے کھیل تماشوں کے ذریعے تماشائیوں کو جنگ آزادی کا پیغام دے رہے تھے، لوگ بازاروں اور چوپالوں میں بیٹھ کر مولویوں کا وعظ سنتے، مسلمان قرآن پر ہاتھ رکھ کر اور ہندو گنگا جلی اٹھا کر قسمیں کھاتے کہ فرنگیوں کو اپنے دیس سے نکال کر دم لیں گے۔ اس دوران اندر خانے ایک اور تحریک رواں دواں تھی یعنی کاٹھ کی روئی اور کنول کا پھول دونوں ایک ساتھ لئے ہوئے دیہاتوں دیہات پھر کر کسانوں اور دیہاتیوں کو جنگ آزادی میں شمولیت کی دعوت دی جا رہی تھی، جس سے مراد یہ تھی کہ روئی کے حصول کے لئے پھول کی پتیوں کی طرح ایک ساتھ مل کر محبت اور پیار کی خوشبو ملک میں پیدا کریں اور غیر ملکیوں سے نجات حاصل کریں''۔ (انگریز کے باغی مسلمان ص:۸۹ تا ۹۵) اس لئے تمام ہندوستانیوں نے عموماً اور مسلمانوں نے خصوصاً اس انقلاب ۱۸۵۷ء کو ضروری سمجھا اور مقرر کیا گیا کہ ۱۱/مئی یا ۱۳/مئی کو تمام ہندوستان میں انقلابی کارروائی عمل میں لائی جائے اور علم جہاد بلند کیا جائے، مگر افسوس کہ اس پر عمل نہ ہوا، بلکہ ۲۲/ مارچ کو مدم (صوبہ بنگال) میں منگل پانڈے کے ہاتھوں (دو ماہ پہلے) یہ آتشیں مادہ بھڑک اٹھا۔ ایک دن دوپہر کے وقت ایک فوجی سپاہی منگل پانڈے بندوق لئے پریڈ کے میدان میں آن کھڑا ہوا اور زور زور سے چلانے لگا۔ بھائیو! اٹھو اور مکار دشمنوں پر حملہ کر کے آزادی حاصل کرلو، اس کا یہ کہنا تھا کہ سارجنٹ میجر ہیجن نے اس کی گرفتاری کا حکم دے دیا، مگر اس حکم کی تعمیل کسی ہندوستانی سپاہی نے نہ کی۔ اتنے میں منگل پانڈ نے دین دین کا نعرہ لگا کر میجر ہیجن پر فائر کر دیا، جس سے وہ ہلاک ہو گیا، اتنے میں رجمنٹ کے ایڈ جوانٹ لیفٹیننٹ باگ کو اس واقعہ کی اطلاع ملی اور وہ فوراً موقع پر پہنچا، وہ گھوڑے سے اترا ہی تھا کہ منگل پانڈے نے اس پر بھی گولی چلا دی، مگر نشانہ ٹھیک نہ بیٹھا، لیفٹیننٹ باگ نے فوراً تلوار سے کام لینا چاہا، مگر منگل پانڈے نے اسے فرصت نہ دی کہ اس پر فائر کر دیا جس سے وہ جہنم واصل ہوا۔ جنرل ہیرے انگریز سپاہیوں کی پلٹن کے ہمراہ موقع واردات پر پہنچ گیا، منگل پانڈے گرفتار ہوا، کورٹ مارشل ہوا اور ۸/ اپریل ۱۸۵۷ء کو پھانسی پر لٹکا دیا گیا، اس واقعہ نے دیسی سپاہیوں کو اس قدر مشتعل کر دیا کہ مئی ۱۸۵۷ء سے پہلے ہی ایکشن شروع ہو گیا۔ وہاں کی دو رجمنٹیں (۱۹) اور (۲۴) اپریل ختم ہونے سے قبل توڑ دی گئیں، جو

آگ کلکتہ سے شروع ہوئی تھی وہ انبالہ لکھنؤ سے ہوتی ہوئی میرٹھ تک آن پہنچی۔ ۲۳/ اپریل ۱۸۵۷ء کو میرٹھ میں اس واقعہ کا پھر اعادہ کیا گیا یعنی پچاس افسروں اور سپاہیوں نے چربی والے کارتوس استعمال کرنے سے انکار کر دیا، اس جرم میں انہیں مارشل لا کورٹ کے تحت دس دس سال قید سنائی گئی، بالآخر ۱۰/ مئی ۱۸۵۷ء کو ہندوستانی فوجی نے اپنے انگریز افسروں کو قتل کر کے جیل توڑ کر سپاہیوں کو رہا کرا لیا، باقی فوج بھی ان سے مل گئی اور یہ تمام فوج دہلی روانہ ہوگئی۔

شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کے روبرو

بہادر شاہ ظفر فریضہ صبح سے فراغت کے بعد ذکر الٰہی میں مصروف تھے کہ یکا یک ہنگامے کی آواز سنائی دی، آنکھ جھپکنے میں یہ لوگ قلعہ کی ڈیوڑھی میں باادب آن کھڑے ہوئے، شہر میں کہرام تھا، لوگ دیکھا دیکھی بازاروں میں نکل آئے، شہنشاہ نے حکیم احسن اللہ کو فرمایا: ان لوگوں سے پوچھو: تم کون لوگ ہو؟ کیا چاہتے ہو؟ گزارشات پیش کرتے ہوئے ان لوگوں نے کہا: آج تک ہندوستان میں جو منادی پھرتی ہے تو یہی بیان کیا جاتا ہے: ''خلقت خدا کی، ملک بادشاہ کا، حکم کمپنی کا''۔ انگریز لوگ آپ کی طرف سے مالک و مختار ہیں، ہم لوگوں نے اپنی جانیں کٹوا کر کلکتہ سے لے کر کابل تک فتح کر کے چودہ سو کوس میں عملداری انگریز کی قائم کرا دی اور ہم لوگوں کی استعانت و امداد سے انگریز کا تمام ہندوستان پر تسلط ہو گیا، اب سرکار کی نیت میں فتور واقع ہوا اور ہمارے دین و مذہب کے درپے تخریب ہوئے اور چاہا کہ تمام ہندوستان کو عیسائی کرلیں۔ چار مہینے سے تنازع درپیش ہے، چنانچہ مفسدہ کا ظہور اب آ کر ہوا، بادشاہ سلامت ہمارے سر پر ہاتھ رکھیں اور ہمارا انصاف فرمادیں۔

بادشاہ کا جواب

سنو بھائی! مجھے بادشاہ کون کہتا ہے، میں تو فقیر ہوں، ایک تکیہ بنائے ہوئے اپنی اولاد کو لئے بیٹھا ہوں، بادشاہت تو بادشاہوں کے ہمراہ گئی، سلطنت تو سو برس پہلے میرے گھر سے جا چکی تھی، میرے جد و آبا کے نوکر چاکر اپنے خاندان نعمت کی اطاعت سے جدا گانہ رئیس بن بیٹھے، میرے باپ دادا کے قبضہ سے ملک نکل گیا۔ خصوصاً میرے جد بزرگوار حضرت شاہ عالم بادشاہ غازی کو جب غلام قادر روہیلہ قادر نمک حرام نے قید کر کے نابینا کیا ہے تو پہلے تو مرہٹوں کو طلب کیا گیا تھا اور انہوں نے اس نمک حرام کو کیفر کردار کو پہنچایا، حضرت بادشاہ کو قید سے چھڑایا، چند سال مرہٹے بادشاہ کی جانب سے خود مختار رہے، مگر بادشاہ کے صرف مطبخ کا بندوبست بھی نہ کر سکے، لاچار ہو کر میرے دادا نے منجانب سلطنت برطانیہ رجوع کی اور انگریز کو بلوا کر اپنے گھر کا مختار فرمایا اور ملک ہندوستان ان کو تفویض کیا اور ان لوگوں نے حسبِ دل خواہ اخراجات شاہی کا بندوبست کر دیا۔ (انگریز کے باغی مسلمان ص: ۱۰۵، جانباز مرزا) بہادر شاہ ظفر کو اس کے انکار اور سیاسی معذوری کے باوجود بادشاہ تسلیم کر لیا اور کمپنی کی حکومت کے خاتمہ کا اعلان کر دیا۔ بادشاہ سلامت نے جنرل بخت خان کو لارڈ گورنر کا خطاب دیکر افواج مجاہدین کا کمانڈر انچیف بنا دیا، نیز اسے شہری نظام کا حاکم اعلیٰ نامزد کر دیا، بہادر شاہ ظفر کو بادشاہ تسلیم کرنے کے بعد جنگ آزادی دہلی، آگرہ، کانپور، مراد آباد، شاہ جہان پور، سہارنپور، شاملی تھانہ بھون، مظفر نگر، میرٹھ، جھانسی، الہ آباد، رام پور، لکھنؤ اور روہیل کھنڈ وغیرہ میں پھیل گئی، جس میں بلا امتیاز مذہب و ملت (یعنی ہندو اور مسلمان) اہل وطن نے حصہ لیا، علمائے کرام اور خصوصاً مسلک ولی اللہ سے وابستہ حضرات نے اس جنگ میں بھرپور حصہ لیا۔ امام عبد العزیز محدث دہلویؒ کی تحریک انقلاب جنگ آزادی سے بہت پہلے سرحد اور اس کے قرب و جوار میں شروع تھی (یعنی

تحریک سید احمد شہید) اس تحریک کے آخری امام مہاجر مکی حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ تھے، ان حضرات میں جو لوگ دہلی میں تھے جامع مسجد دہلی میں جمع ہوئے اور ایک فتویٰ جہاد صادر کر دیا، معدودے (قلیل) چند علماء نے اس فتویٰ کی مخالفت کی، اس فتویٰ کے صادر ہونے کے بعد ملک میں سبز پرچم لہرانے کا بھی اعلان کر دیا گیا۔

محاذ شاملی

دہلی میں فتویٰ جہاد جاری ہونے کے بعد ہندوستان کے مختلف مقامات پر جنگی مراکز قائم ہو گئے، ان میں سے ایک اہم مرکز شاملی تھانہ بھون کا بھی تھا، یہ مرکز حاجی امداد اللہؒ اور ان کے رفقاء کار نے قائم کیا تھا، حاجی صاحب امام عبدالعزیز کی اصلاحی اور انقلابی پارٹی کے آخری امام تھے، حاجی صاحب چوں کہ شاہ ولی اللہ کی تحریک سے وابستہ تھے، اس لئے اس جماعت کے اکابرین و معتقدین (جو زیادہ تر علماء تھے) آپ کے حلقۂ ارادت میں جہاد کے لئے جمع ہو گئے، حاجی صاحب نے جنگ کی اطلاع پا کر ایک اجلاس طلب کیا، اس اجلاس میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (جو بعد میں دارالعلوم دیوبند کے بانی بنے) مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا فیض الحسن سہارن پوریؒ، مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ، مولانا محمد منیرؒ اور مولانا محمد یعقوبؒ نے شرکت کی، اس کے بعد مولانا کیرانویؒ کو دہلی بھیجا گیا، مولانا کیرانوی نے دہلی سے واپس آ کر حاجی صاحب کو تفصیلی حالات سے آگاہ کیا۔ لہٰذا حاجی صاحب نے اپنی جماعت کی عسکری (فوجی) تنظیم کی اور خود امیر جماعت مقرر ہوئے اور دیگر علماء کو مختلف شعبوں کا نگران بنایا گیا، شروع شروع میں مجاہدین کو بڑی کامیابی ہوئی، حتیٰ کہ ایک موقع پر برطانوی سپاہی کا توپ خانہ بھی مجاہدین نے اپنے قبضہ میں کر لیا، نیز برطانوی فوج کو شکست دے کر تھانہ بھون اور قرب و جوار کے علاقے میں اسلامی حکومت کے قیام کا اعلان کر دیا، اس معرکہ میں حافظ محمد ضامن، حاجی صاحب کے معتمد شہید ہو گئے۔

یا تخت جگہ آزادی کی ، یا تختہ مقام آزادی کا

ان کے سامنے خاتم الانبیاء کا ارشاد تھا کہ ''حب الوطن من الایمان'' وطن کی محبت ایمان کی نشانی ہے۔ البتہ اس جذبہ کے اظہار کے لئے موقع کی تلاش تھی:

ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی

ہمارے تمام اکابر (علماء دیوبند و سہارنپور و مظفر نگر) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور ان کے تلامیذ کے شاگرد اور خوشہ چین رہے ہیں، یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ حضرت شاہ صاحب اور ان کے مسلک اور حکم کے خلاف چلیں، چنانچہ جب سید احمد شہیدؒ کی تحریک جہاد شروع ہوئی تو حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب شہید ولایتی (دادا پیر حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی) اور شاہ نصر الدین صاحب دہلوی سابق پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب اور بہت سے حضرات شریک تحریک ہوئے اور ساتھ ہی ساتھ سرحد میں جا کر شہید ہوئے، حضرت سید صاحب رحمہ اللہ اور ان کے اعلیٰ جذبات حریت و جہاد اور ان کی تعلیمات روحانیہ سے ان حضرات کو انتہائی شغف اور حسن اعتقاد رہتا تھا، اس تمام جماعت میں حضرت حافظ ضامن صاحب قدس اللہ سرہ العزیز زیادہ پیش پیش تھے (حضرت حافظ صاحب قطب العالم میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ کے اولین اور اعلیٰ ترین خلفاء میں سے تھے، نسبت روحانیہ نہایت قوی اور بے مثل پائی تھی، میاں جی نور محمد صاحب مرحوم کی وفات کے وقت تک حاجی امداد اللہ صاحب کی تکمیل سلوک و تصوف پوری نہیں ہوئی تھی تو میاں جی صاحب نے حاجی صاحب کو تکمیل کے لئے حافظ ضامن صاحب

کے سپرد کیا تھا) شاملی اس زمانہ میں مرکزی مقام تھا،ضلع سہارنپور سے متعلق تھا، وہاں تحصیل بھی تھی، کچھ فوجی طاقت بھی وہاں رہتی تھی، قرار پایا کہ اس پر حملہ کیا جائے، چنانچہ چڑھائی ہوئی اور قبضہ کرلیا گیا، جو طاقت پولیس اور فوج کی وہاں رہتی تھی وہ مغلوب ہوگئی، حضرت حافظ ضامن صاحب اسی ہنگامے میں شہید ہوگئے، حافظ ضامن صاحب کا شہید ہونا تھا کہ معاملہ بالکل ٹھنڈا پڑ گیا، ان کی شہادت سے پہلے روزانہ خبر آتی تھی کہ آج فلاں مقام انگریزوں سے چھین لیا گیا، آج فلاں مقام پر ہندوستانیوں کا قبضہ ہوگیا مگر حافظ ضامن صاحب مرحوم کی شہادت کے بعد پہلی خبر آئی کہ دہلی پر انگریز کا قبضہ ہوگیا اور یہی حال ہر جگہ کی خبروں کا تھا۔ اس سے پہلے گورے فوجی چھپتے پھرتے تھے مگر بعد میں معاملہ بالکل برعکس ہوگیا۔ دہلی کے سقوط کی خبر سے لوگوں کی ہمتیں بالکل پست ہوگئیں اور سب اپنے اپنے وطن کو واپس آگئے۔ تقدیر تدبیر پر غالب آگئی، ہندوستانیوں کو اپنے سابقہ اعمال کی سزا ملنی تھی۔ گذشتہ مصائب، پاداش کے لئے احکم الحاکمین کے دربار عدالت میں کافی نہ تھے، اس لئے باوجود اس قدر جاں بازیوں کے برٹش شہنشاہیت کو ہندوستان پر اس طرح مسلط کردیا گیا جس طرح کوڑے لگانے والے بھنگی جلاد کو مجرم پر مسلط کردیا جاتا ہے۔ تحریک انقلاب ۱۸۵۷ء دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس انقلاب میں حصہ لینے والے ہندو اور مسلمان دونوں ہی تھے، فوجیوں میں بھی اور امراء میں بھی، عوام میں بھی اور خواص میں بھی۔ علماء میں مولانا احمداللہ شاہ صاحب دلاور جنگ،، مفتی صدر الدین صاحب صدالصدور دہلی، مولوی عبدالقادر صاحب، قاضی فیض اللہ صاحب دہلوی، مولانا فیض احمد صاحب بدایونی، ڈاکٹر مولوی وزیر خان اکبرآبادی۔ الحاصل ان علماء نے آخر وقت تک اپنے فتویٰ کے مطابق عمل کیا، جنرل بخت خان اور اس کی فوج اور مجاہدین نے پوری داد شجاعت دی، مگر آپس کے غداروں نے (جن کے سرغنہ مرزا الٰہی بخش اور مرزا مغل شہزادہ تھے) ہر قسم کی ابتری پھیلا دی اور نتیجہ وہی ہوا جو ایسی باتوں کا ہوتا ہے۔ ۱۹/ستمبر ۱۸۵۷ء کو پوری دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہوگیا اور انتہائی سفاکی سے دہلی میں قتل عام جاری کردیا گیا۔ (ماخوذ نقش حیات مصنف حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ)

ایسا کیوں ہوا

جانباز مرزا اپنی تصنیف انگریز کے باغی مسلمان ص:۱۲۸ پر تحریر کرتے ہیں کہ:

۱:- شہنشاہ ہند بہادر شاہ ظفر نے جنرل بخت خان کو اس کی جرات اور بہادری کے اعزاز میں افواج ہند کا سپہ سالار مقرر کردیا۔ جنرل بخت خان نے یہ عہدہ سنبھالتے ہی یہ اعلان کیا کہ: اگر شہزادے بھی کوئی غیر آئینی حرکت کرتے پائے جائیں تو انہیں بھی سزا دی جائے گی۔ جنرل بخت خان سے پہلے یہ عہدہ مرزا مغل کے پاس تھا، مرزا مغل کو اپنا عہدہ چھن جانے کا رنج تھا۔

۲:- بہادر شاہ ظفر اپنے تمام شہزادوں میں سے شہزادہ خضر سلطان کو پسند کرتا تھا اور یہ ذہین بھی تھا، عام گمان تھا کہ شاہ کے بعد امور سلطنت اس کے سپرد ہوں گے۔

۳:- ملکہ زینت محل جو بادشاہ کی محبوب ملکہ تھی، وہ مرزا جواں بخت کو ولی عہد سلطنت بنانا چاہتی تھی، کیونکہ مرزا جواں بخت اس کے بطن سے تھا اور باہر سے انگریز اس آگ کو مزید روشن کرنے کے لئے ایندھن مہیا کر رہا تھا۔ اس اندرونی کھینچا تانی کے باعث تمام شہزادے جنرل بخت خان کے خلاف تھے،'' یوں اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے'' مرزا الٰہی بخش اور میر رجب علی بادشاہ کے نمک خوار بھی تھے اور انگریز کے تنخواہ دار بھی، یہ دونوں شہزادوں اور جنرل بخت خان کے درمیان رقابت کو وسیع کرنے میں انگریزوں کے مشورے پر

کام کر رہے تھے، دہلی پر قبضہ کے بعد جنرل بخت خان نے ۱۹/ستمبر۱۸۵۷ءکو بادشاہ سے کہا: آپ میرے ساتھ (اودھ) چلیں، میری جاںنثار فوج موجود ہے، ہم وہاں بیٹھ کر جنگ لڑیں گے، اس کے جواب میں بہادر شاہ ظفر نے کہا: تم کل مجھے ہمایوں کے مقبرہ میں ملو، اس رات غدار، الٰہی بخش نے بادشاہ سے مل کر اسے اپنے شیشے میں اتارلیا اور جنرل بخت خان کے ساتھ جانے سے منع کر دیا۔ نیز بادشاہ کو یقین دلایا کہ انگریز آپ کو معاف کر دیں گے، اس یقین دہانی پر بادشاہ نے جنرل بخت خان کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا، جنرل بخت خان نے دہلی چھوڑ کر افواج کے ساتھ اودھ کا راستہ لیا۔ مرزا الٰہی بخش کی تجویز کامیاب رہی، اس کامیابی کی اطلاع جب رجب علی کو ہوئی تو اس نے مرزا الٰہی بخش کو لکھا کہ: اب آپ یہ کام کریں کہ باغیوں کے چلے جانے کے بعد بادشاہ کو چوبیس گھنٹے تک ہمایوں کے مقبرہ سے باہر نہ جانے دیں۔ رجب علی (۱۰۰) سوفوجی سواروں کے ساتھ بادشاہ کو لینے پہنچ گیا، بادشاہ انگریز کی پالکی میں سوار ہو گیا، بادشاہ کو یقین ہو چکا تھا کہ وہ گرفتار کر لیا گیا ہے اس پر بادشاہ نے پوچھا: مجھے گرفتار کرنے والا ہیڈسن ہے۔ جی۔ پھر بادشاہ نے ہیڈسن کو بلا کر کہا: میں آپ سے اپنے بیٹے اور بیوی کے لئے جان بخشی کا وعدہ سننا چاہتا ہوں۔ ہیڈسن: یہ وعدہ پختہ ہے، بادشاہ کے ساتھ جو شاہی ارکان گرفتار ہوئے، ان کی تعداد بانوے (۹۲) ہے، ۲۷/جنوری ۱۸۵۸ءکو بہادر شاہ ظفر پر مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیا گیا، اسی دوران شہزادہ مرزا مغل، شہزادہ خضر سلطان، مرزا ابوبکر اور مرزا عبداللہ کو گرفتار کر لیا گیا۔ ہیڈسن انہیں رتھوں (یعنی گاڑی) پر سوار کر کے شہر سے ایک میل دور لے گیا اور وہاں انہیں برہنہ کر کے گولی مار کر شہید کر دیا گیا، شہادت کے بعد ہیڈسن نے ان کا چلو بھر خون پیا اور کہا: اگر میں ان کا خون نہ پیتا تو میرا دماغ خراب ہو جاتا۔ شہزادوں کے قتل کے بعد ان کے سر ایک طشت (تھال) میں رکھ کر بادشاہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے ہیڈسن نے کہا: یہ آپ کی نظر ہے جو بند ہوگئی تھی اور جس کو جاری کرنے کے لئے آپ نے غدر میں حصہ لیا تھا، شہنشاہ نے جوان سال بیٹوں اور پوتوں کے کٹے ہوئے سر دیکھے، حیرت انگیز استقلال کے ساتھ کہا: الحمد للہ! تیموری اولاد ایسے ہی سرخرو ہو کر باپ کے سامنے آیا کرتی ہے، اس کے بعد شہزادوں کی لاشیں کوتوالی کے سامنے لٹکا دی گئیں اور ان کے سر جیل کے سامنے خونی دروازے میں لٹکا دیئے گئے۔ اس انتقامی کاروائی کے بعد مارچ ۱۸۵۸ءکو سر جان لارنس کے حکم پر بادشاہ کے خلاف مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیا گیا مختصر یہ کہ کاروائی کے بعد یک طرفہ فیصلہ دیتے ہوئے عدالت نے لکھا: ''فیصلے کے مطابق بادشاہ کو مجرم قرار دیتے ہوئے ان کی جان بخش دی گئی اور جلاوطنی کی سزا دی گئی اور ساتھ ہی خوراک کے لئے چھ سو (۶۰۰) روپے ماہوار مقرر کر دیا گیا''۔

اس کے بعد انہیں نومبر ۱۸۵۸ءکو بمع ان شاہی افراد کے رنگون روانہ کر دیا گیا، رنگون پہنچنے کے بعد شاہی مجرموں کو گورے سپاہیوں کی حراست میں بندرگاہ سے باہر لایا گیا اور ایک بنگلے میں گورے سپاہیوں کے پہرے میں نظر بند کر دیا گیا، تادم واپس ہندوستان کے سابق شہنشاہ یہیں رہے، آخر ۷/نومبر ۱۸۶۲ءبروز یک شنبہ اپنے وطن سے سینکڑوں میل دور ان کا انتقال ہوا۔

کتنا ہے بدنصیب ظفر دفن کے لیے
دو گز زمین بھی نہ مل سکی کوئے یار میں

باقی ماندہ مسلمان علماء اور مجاہدین کا معاملہ

جنرل بخت صاحب، ڈاکٹر وزیر خان صاحب اور مولوی فیض احمد صاحب مع اپنے ماتحتوں اور فوجیوں کے حالات، خطرناک دیکھ کر دہلی

سے نکل کر لکھنو چلے گئے اور مولوی حمد اللہ شاہ صاحب دلاور جنگ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو گئے اور وہاں انگریز فوج سے خوب مقابلہ کیا، مگر اپنوں ہی کی غداریوں سے شکست کھانا پڑی، اس لئے جب حالات خطرناک دیکھے تو شاہ جہان پور کو روانہ ہو گئے، آخری جنگ انگریزوں سے شاہ جہاں میں ہوئی اور یہاں بھی مختلف وجوہ سے شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور یہ سب لوگ نیپال چلے گئے، مولوی حمد اللہ شاہ صاحب دلاور جنگ کو راجہ پوائین بلدیو سنگھ نے دعوت کے بہانے سے بلا کر دھوکہ سے ۱۵/ جون ۱۸۵۸ء مطابق ۲/ ذوالقعدہ ۱۲۷۴ھ کو شہید کر دیا۔

حاجی امداد اللہ، مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہم اللہ

مخبروں کی ریشہ دوانیوں سے ان حضرات کے متعلق بھی بغاوت کا الزام لگایا گیا، حضرت حاجی صاحب بقصد مکہ معظمہ روانہ ہو گئے، راستہ میں مختلف مقامات پر جہاں پہلے سے تعلقات تھے، ٹھہرتے جاتے تھے، مگر جاسوس پیچھے لگے ہوئے تھے، راستہ میں مختلف واقعات عبرتناک پیش آئے۔ پنجلاسہ (پنجاب) میں مقیم تھے کسی نے حکومت کے یہاں مخبری کر دی (اس زمانہ میں باغیوں کی تفتیش اور پکڑ دھکڑ بہت سختی سے ہو رہی تھی) کہ حضرت حاجی صاحب فلاں شخص کے اصطبل میں مقیم ہیں، کلکٹر (ڈپٹی کمشنر) ضلع جو کہ انگریز تھا، خود سوار ہو کر آدھی رات کے قریب اصطبل کے دروازہ پر پہنچ گیا اور کواڑ کھلوانے چاہے، بڑے بھائی نے جو کہ مالک مکان تھے، انگریز سے کہا کہ: آپ نے اس وقت کیوں تکلیف فرمائی، کلکٹر نے کہا: گھوڑے دیکھنے کے لئے آیا ہوں، کواڑ کھولو، چنانچہ کواڑ کھولے گئے، دیکھا تو بستر لگا ہوا ہے اور سب سامان لیٹنے کا درست ہے، لیکن حضرت حاجی صاحب موجود نہ تھے، ادھر ادھر دیکھا کہیں پتہ نہ لگا، مالک مکان سے پوچھا: یہ بستر کس کا ہے، اس نے کہا: میرے چھوٹے بھائی کا ہے، لیکن انگریز نے اور کچھ نہ پوچھا اور گھوڑوں کو دیکھتے ہوئے واپس ہو گیا (غالباً) حضرت کو کشف سے یہ حال آمد انگریز کا معلوم ہو گیا کہ پہلے سے تشریف لے گئے اور یہ بھی ممکن کہ اس وقت بھی وہاں ہی تشریف رکھتے ہوں اور اللہ تعالیٰ نے ابصار (آنکھوں سے پوشیدہ فرما دیا ہو کہ (کما فسر بعضہم قولہ تعالیٰ:

"وجعلنا بينك وبين الذين لايؤمنون بالآخرة حجابا مستورا"۔

(اسرائیل:۴۵)

ترجمہ: ہم نے تم میں اور ان میں کہ آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایک چھپا ہوا پردہ کر دیا"۔

اس قسم کے متعدد واقعات حضرت حاجی صاحب اور مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ اسرارہم کے پیش آتے رہے۔ دشمنوں کی انتہائی جد و جہد کے باوجود تینوں حضرات محفوظ رہے، کسی کا بال بیکا نہ ہوا۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ وارنٹ کے بعد تین دن تک بتقاضائے احباب وا عزہ روپوش رہے، اس کے بعد مکان سے باہر نکل آئے، لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ: جناب رسول اللہ ﷺ صرف تین دن تک غار ثور میں روپوش رہے، وہ سنت پوری ہو گئی، اب روپوش ہونا خلاف سنت ہو گا۔ کسی کی نہ مانی اور قرب و جوار کے موضع میں کبھی نانوتہ میں، کبھی دیوبند میں کبھی املیا میں، کبھی آباد میں، کبھی جنگل میں پھرتے رہے۔ ایک مرتبہ قصبہ دیوبند چھتہ کی مسجد میں تھے کہ دوش آ گئی، آپ اپنی جگہ سے ہٹ گئے، افسر مسجد میں داخل ہوا اور پوچھا کہ: مولوی قاسم کہاں ہیں؟ آپ پہلی جگہ کی طرف اشارہ کر کے بولے کہ ابھی تو یہاں تھے، دیکھ لو کہیں مسجد میں ہوں گے، وہ ڈھونڈنے دوسری طرف گیا، آپ مسجد کے دوسرے دروازے سے نکل کر جنگل کو چلے گئے، اس نے اور سپاہیوں نے مسجد میں چاروں طرف کونے کونے کو اور حجروں کو خوب دیکھا، مگر نہ ملے۔ اس طرح ہر جگہ

مخبریاں ہوتی رہیں اور دوش آتی رہیں، مگر مولانا ہاتھ نہ آئے۔

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اپنی جگہ گنگوہ سے نہیں ٹلے، بالآخر گرفتار ہوئے۔گنگوہ سے سہارن پور اور وہاں سے مظفر نگر لائے گئے۔آپ پر علاوہ شرکت جہاد شاملی یہ بھی الزام تھا کہ سپاہیوں کی رائفل ان کے پاس ہے، آپ نے دونوں کا بالفاظ توریہ انکار کیا۔حاکم نے پوچھا کہ: تم نے خلاف گورنمنٹ ہتھیار اٹھایا؟ آپ نے جیب سے تسبیح نکال کر فرمایا کہ: یہ میرا ہتھیار ہے۔اس نے کہا: وہ بندوق کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا: مجھے بندوق سے کیا سروکار۔سپاہیوں کو حکم ہوا کہ ننگی تلوار لے کر اس کے سر پر کھڑے ہو جاؤ۔الغرض جب آپ ان تمام تخویفات اور دھمکیوں سے متاثر نہیں ہوئے اور نہایت استقلال سے جواب دیتے رہے، سپاہی ننگی تلواروں سے آپ پر پہرہ دیتے رہے، آپ کو مظفر نگر جیل بھیج دیا گیا اور شہادتوں کے حصول کے لئے پولیس اور حکومت کوشش کرتی رہی، تا کہ ثبوت بہم پہنچا کر مقدمہ چلایا جائے۔قید ہونے کے اوائل زمانہ میں یہی مشہور ہو گیا تھا کہ مولانا رشید احمد صاحب کو پھانسی دے دی جائے گی اور انگریزوں کی بوکھلاہٹ بھی اس کی مؤید تھی۔

حضرت گنگوہیؒ سے ایک مرتبہ کسی شخص نے دریافت کیا تھا کہ اعلیٰ حضرت (حاجی امداد اللہ صاحبؒ) نے تو آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ: اطمینان رکھو، میں عرب روانہ ہوتے وقت تم سے مل کر جاؤں گا، مگر آپ گرفتاری وحوالات میں رہے، آپ کی رہائی سے قبل ہی اعلیٰ حضرت نے بیت اللہ کی جانب ہجرت فرمائی، گویا سائل کا مطلب یہ تھا کہ ملاقات کے خوش کن الفاظ محض تسلی کے لئے تھے، جس کا وقوع نہیں۔حضرت نے بہت ہی ہلکی آواز سے فرمایا: اعلیٰ حضرت وعدہ خلاف نہ تھے، چنانچہ دوسرے طریق سے معلوم ہوا کہ باوجود سنگین پہرہ کے اعلیٰ حضرت جیل خانہ کے اندر قدم رکھا اور کئی گھنٹے باتیں کر کے شب ہی میں واپس ہوئے اور عرب کو روانہ ہوئے۔مولوی ولایت حسین کی روایت ہے کہ حکیم صاحب جو اعلیٰ حضرت کے مرید انبالہ کے رہنے والے بندہ کے ساتھ سفر حج میں شریک تھے، فرمایا: جس زمانہ میں مولانا گنگوہی جیل خانہ میں تھے، اعلیٰ حضرت حاجی صاحب ایک دن فرمانے لگے کہ: میں نے کچھ سنا، کیا مولوی رشید احمد کو پھانسی کا حکم ہو گیا؟ خدام نے عرض کیا کہ: حضرت! کچھ پتہ نہیں، ابھی تک تو کوئی خبر نہیں آئی، فرمایا: ہاں حکم ہو گیا، چلو، یہ فرما کر اٹھ کھڑے ہوئے، حکیم صاحب کا بیان تھا کہ برسات کا زمانہ تھا، مغرب کے بعد اعلیٰ حضرت اور میں غالباً مولوی مظفر حسین کاندھلوی غرض تین آدمی چلے، شہر سے باہر نکل کر تھوڑی دور جا کر اعلیٰ حضرت گھاس کے قدرتی سبزہ پر بیٹھ گئے اور کچھ دیر سکوت فرما کر گردن اوپر اٹھائی اور فرمایا: چلو مولوی رشید احمد کو کوئی پھانسی نہیں دے سکتا، خدا تعالیٰ کو ابھی ان سے بہت کام لینا ہے۔چنانچہ چند روز بعد اس کا ظہور ہو گیا۔

(امداد المشتاق، ص: ۱۷۲ از تذکرۃ الرشید ص: ۸۵ ماخوذ نقش حیات)

یہ سب باطنی تصرفات تھے، ورنہ ظاہری حیثیت سے کسی صاحب کی ان میں سے بچنے کی کوئی صورت نہیں تھی، مگر قدرت نے ان سے کام لینا تھا، ان کی تعلیم وتربیت سے ایسے لوگ تیار کرانے تھے جو کہ بے دھڑک ہو کر بلاخوف وخطر میدان آزادی اور تحریک انقلاب میں جان کو ہتھیلی پر رکھ کر باوجود انگریز کے آہنی پنجہ اور انتہائی سفاکیت کے کود پڑیں یعنی مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند مرحوم اور ان کے تلامذہ، شاگرد اور متوسلین کو پیدا کرنا تھا، اس لئے ان حضرات کو بچایا گیا تھا اور ہر طرح حفاظت عمل میں لائی گئی۔جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون جیسے دشمن کے گھر پیدا کیا گیا اور اس سے پرورش کرائی گئی، اسی طرح مولانا محمود حسن صاحب کو انگریز کے زیر حکومت پرورش کرایا گیا،

حضرت کے والد ماجد انگریز کے ملازم تھے، مسٹن گورنر یو پی کہتا تھا کہ:''ہم اگر مولوی محمود حسن کو جلا کر خاکستر کر دیں تو اس کی خاک بھی ہم سے نفرت کرے گی''۔ جانباز مرزا انگریز کے باغی مسلمان میں تحریر فرماتے ہیں کہ: جب کسی بستی کے وارث اپنا کردار کھو بیٹھتے ہیں فطرت ان پر ایسے لوگ مسلط کر دیتی ہے جن کی نسل تک کا پتہ نہیں چلتا، فاتح قوم مفتوح کے نشان تک مٹا دیتی ہے۔

قرآن کریم کا بھی ارشاد ہے سورہ نمل: ۳۴ میں:

''ان الملوك اذا دخلوا قريةً افسدوها وجعلوا اعزة اهلها اذلة و كذلك يفعلون''۔

ترجمہ:''جب بادشاہ کسی بستی میں فاتحانہ داخل ہوا کرتے ہیں تو بستی کو برباد کر ڈالتے ہیں اور وہاں کے عزت دار باشندوں کو ذلیل کرتے ہیں اور یہ لوگ ایسا ہی کریں گے''۔ بہادر شاہ ظفر کی گرفتاری اور جلاوطنی کے بعد انگریز پوری طرح دہلی پر قابض ہو گیا، پھر دہلی پر کیا گزری، گورے سپاہیوں کو کھلی چھٹی دے دی گئی کہ وہ آوارہ چوپاؤں کی طرح جہاں چاہیں منہ مارتے پھریں، گھروں کے گھر اجڑ گئے، محلے برباد کر دیئے گئے۔ رئیس اور امراء گداگروں کی طرح نان جوی کے محتاج نظر آنے لگے۔ عصمت مآب عورتوں نے اپنی آبرو کی حفاظت میں کنوؤں میں چھلانگ لگا کر اپنی پاک دامنی کو محفوظ رکھا۔ امراء قتل ہو چکے تھے، جو رہے وہ بھی دلی چھوڑ کر بھاگ گئے، دلی کا حسن خاک وخون میں تڑپ تڑپ کر ختم ہو رہا تھا، کوئی کسی کا نہ تھا، جو کسی کا تھا وہ دم نہ بھر سکتا تھا، گلی کوچوں میں لوگ انگریز کے خوف سے تھر تھرا رہے تھے، چاندنی چوک کے ساتھ بنی ہوئی عظیم الشان حویلیوں کے دروازے کھٹکھٹا کر گورے سپاہی چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے: لال بی بی دو، ورنہ گولی مار دیں گے (دلی کی حسیناؤں کا نام لال بی بی رکھا گیا جو مریم کی طرح معصوم اور سیتا سے زیادہ مقدس تھیں) دلی کی عصمت مآب بیبیوں کی عصمت سر بازار لٹ رہی تھی، لوگ در و دیوار سے ٹکرا رہے تھے۔ دلی والوں پر کھانا پینا سب بند تھا، جو مکان سے باہر نکلتا اور پانی کی تلاش میں قدم بڑھاتا وہ زخم کھا کر خون میں نہایا ہوا گھر لوٹتا۔ گردنوں کی کوئی قیمت نہ تھی، بے دریغ کٹ رہی تھیں، فتح پور سے جامع مسجد تک پھانسیوں کا جال بچھا ہوا تھا۔ (انگریز کے باغی مسلمان ص: ۱۵۲) شارع عام پر پھانسی گھر بنائے گئے اور پانچ پانچ یا چھ چھ آدمیوں کو روزانہ سزائے موت دی جاتی تھی۔ وال پول کا بیان ہے کہ تین ہزار آدمیوں کو پھانسی دی گئی، جن میں سے انتیس شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

مؤلف تبصرۃ التواریخ لکھتا ہے کہ:

ستائیس ہزار مسلمان قتل کے گئے اور سات دن تک برابر قتل جاری رہا، زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سلوا کر گرم تیل کے کڑھاؤ ڈلوانا اور فتح پور کی مسجد سے قلعہ کے دروازے تک درختوں کی شاخوں پر مسلمانوں کی لاشوں کا لٹکانا یہ سب کچھ کیا گیا۔

(ماخذ: ماہنامہ دار العلوم، دیوبند)



تحریک آزادیٔ ہنداوردارالعلوم دیوبند

مفتی محمدقاسمی

دارالعلوم دیوبند کا قیام جہاں مسلمانوں کے اندر اسلامی تہذیب وتمدن کو بحال کرنے،علوم شرعیہ سے آگاہ کرکے جوہرِ اسلام کو اجاگر کرنے اوراس کے بنائے ہوئے سیدھے خطوط پر چلنے کے لئے ہوا تھا، وہیں ہندوستان کو انگریزوں کے جبرواستبداد سے نجات دلانے اورمغربیت سے دور رکھ کر انگریزوں کی کوشش کو ناکام کرنا بھی اس کا ایک اہم مقصد تھا۔انگریزوں کی فرعونیت کو ختم کرنے کے لئے دارالعلوم ایک ضرب کلیم تھا جس کی مجاہدانہ وسرفروشانہ کوششوں نے ہندوستان میں انگریزوں کا جینا دوبھر کردیا۔ہندوستان کی طویل جدوجہدآزادی میں ہمارے اسلاف نے زبردست قربانیوں کا نذرانہ پیش کیا،جان و مال کی قربانیاں دیں،تحریکیں چلائیں،تختہَ دار پر چڑھے، قیدو بند کی صعوبتیں جھیلیں اورحصولِ آزادی کی خاطرمیدان جنگ میں نکل پڑے، آخرغیرملکی (انگریز) ملک سے نکل جانے پرمجبورہوئے۔فرزندانِ دیوبند نے انگریزوں کے خلاف محاذ آرائیاں کرکے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ حریت ہند کی تاریخ کا روشن باب ہیں۔

مسلمانوں کے دورحکومت میں ہندوستان کی ترقی وخوشحالی کو دیکھ کر انگریزوں نے بڑی چالاکی اورعیاری کے ساتھ پہلے اس ملک میں تجارت کے نام پراڈے بنانے کی اجازت حاصل کی اورپھربعد میں مسلم حکومت کے کمزورہوتے ہی انھوں نے اپنے آپ کومسلح اورمستحکم کرنا شروع کردیا۔بنگال میں انگریزوں کے توسیعی منصوبوں کو بھانپتے ہوئے نواب سراج الدولہ نے ۱۷۵۷ءمیں ان سے باقاعدہ جنگ کی۔دوسری طرف جنوب میں سلطان حیدرعلی اورسلطان ٹیپو نے انگریزوں کی پیش قدمی کو روکنے کی بھرپورکوشش کی جس میں بالآخر سلطان ٹیپو۱۷۹۹ءمیں شہید ہوگئے۔

ٹیپوسلطان کی شہادت کے بعدانگریزوں کے حوصلے بڑھ گئے اورملک میں انھیں کوئی چیلنج کرنے والاکوئی نہیں تھا۔انگریزوں نے سیاسی اثرات بڑھانے کے ساتھ ساتھ مشنری اورتبلیغی سرگرمیاں شروع کررکھی تھیں۔بالآخرملک کے سنگین حالات کے پیش نظر،تحریک ولی اللہی کے قائدشاہ عبدالعزیزمحدث دہلویؒ (م ۱۸۲۳ء) نے ۱۸۰۳ءمیں انگریزوں کے خلاف جہاد کا مشہورفتوی دیا،جس میں ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا گیا۔اسی پس منظرمیں سیداحمدشہیدرائے بریلوی رحمۃاللہ علیہ تحریک شروع ہوئی جس نے انگریزوں کے حلیف سکھوں کے ساتھ تاریخی جہاد چھیڑااور۱۸۳۱ءمیں حضرت سیداحمدشہید رحمۃاللہ علیہ اورشاہ اسماعیل شہید رحمۃاللہ علیہ وغیرہ حضرات نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔

۱۸۵۷ءمیں ہندوستان کی آزادی کیلیے ملک کے طول وعرض میں جوسب سے بڑی مسلح جنگ لڑی گئی اس میں اکابرین دیوبند نے بھی بڑی سرگرمی سے حصہ لیااورشاملی وتھانہ بھون کے محاذپرانگریزی فوجوں سے لوہالیا۔

معرکۂ ۱۸۵۷ءمیں اکابرین دیوبند کی شرکت

۱۸۵۷ءمیں انگریزی اقتدارسے ہندوستان کی آزادی کے لیے دارالعلوم کے اکابر بالخصوص حضرت حاجی امداداللہ مہاجر رحمۃاللہ علیہ (عمر ۴۲ سال)،حضرت مولانامحمدقاسم نانوتوی رحمۃاللہ علیہ (عمر ۲۵ سال)،حضرت مولانارشیداحمدگنگوہی رحمۃاللہ علیہ (عمر ۲۹ سال) وغیرہ حضرات نے سرفروشانہ

جد و جہد فرمائی۔ میرٹھ اور دہلی میں انگریزوں کے خلاف مسلح جد و جہد کے موقع پر ضلع مظفر نگر کے تاریخی قصبہ تھانہ بھون کے ایک اجتماع میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ پر بیعت امارت کر کے ان کو امیر منتخب کیا گیا اور اسی وقت انگریزی حکومت کے ختم ہونے کا اعلان کر دیا گیا اور آزادیٔ وطن کے لیے جانباز مجاہدین کی جماعت بنائی گئی۔ حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ علیہ کو صدر مجلس جنگ، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو چیف کمانڈر، مولانا محمد منیر نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو معاون کمانڈر اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کو فوجی سکریٹری بنایا گیا۔

اتفاق سے اسی زمانے میں انگریزی فوج کے چند سوار کہاروں کے کندھوں پر کارتوسوں کی بہنگیاں لدوائے ہوئے سہارن پور سے کیرانہ جا رہے تھے، جماعت مجاہدین کے لیے یہ بڑا اچھا موقع تھا، انھوں نے سواروں پر حملہ کر کے ہتھیار چھین لیے۔ انگریزی افسر جو ساتھ تھے مقابلے میں مارے گئے۔ اس کامیابی کے بعد مجاہدین نے قریب کی تحصیل شاملی پر حملہ کیا جس میں انگریزوں کی ایک چھوٹی سی فوج رہتی تھی۔ تحصیل کو انگریزی فوج نے قلعے کی طرح مستحکم کر کے دروازہ بند کر لیا۔ مجاہدین چوں کہ کھلے میدان میں تھے، اس لیے انھیں انگریزی فوج کی گولیوں سے بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ اس نازک موقع پر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی جرأت و دلیری سے کام لے کر تحصیل کے پھاٹک کو آگ لگا دی۔ مجاہدین آگ کے شعلوں ہی میں تحصیل کے اندر گھس گئے۔ بڑا سخت معرکہ پڑا۔ دست بدست جنگ کے بعد محصورین ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو گئے۔ عین اس وقت جب انگریزی فوج ہتھیار ڈال رہے تھے حضرت حافظ ضامنؒ انگریزی فوج کی گولی سے شہید ہو گئے۔ کچھ روایات کے مطابق یہ معرکہ تین دن تک جاری رہا۔ انگریزی وقائع نگار ہنری جارج کین کے مطابق اس لڑائی میں ۱۱۳ محصورین مارے گئے۔

یہ واقعہ ۲۴/محرم ۱۲۷۴ھ دوشنبہ (۱۴/ستمبر ۱۸۵۷ء) کا ہے۔ مجاہدین کی یہ جماعت انگریزی فوج پر غالب آگئی اور تحصیل پر قبضہ کر لیا اور عمارت کو توڑ پھوڑ کر کھنڈر بنا دیا۔ لیکن یہ جنگ ایک محاذ کی جنگ نہ تھی، یہ جنگ تو پورے ملک میں لڑی جا رہی تھی۔ اتفاق یہ کہ فتح شاملی کے دن ہی ۱۴/ستمبر کو انگریزی فوج دہلی میں داخل ہو کر لال قلعہ پر قابض ہو گئی۔ بدقسمتی سے ہندوستانی عوام اس وقت اپنی طاقت کو منظم نہ کر سکے اور نتیجۃً انگریزوں کا پورے ملک پر تسلط قائم ہو گیا۔

جب انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کر لیا تب اطراف و جوانب کے باغیوں کی سرکوبی کی مہم بڑے پیمانے پر شروع کر دی۔ انگریزوں کی اس فہرست میں تھانہ بھون اور شاملی بھی تھا۔ انگریزوں نے اس حملہ کا سخت انتقام لیا اور تھانہ بھون کو بری طرح تباہ و برباد کر دیا۔ جنگ میں حصہ لینے والے تمام مجاہدین کے خلاف وارنٹ جاری ہوا۔ اسی لیے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہجرت کر کے چھپ چھپا کر مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ گرفتار ہو کر جیل میں قید کیے گئے لیکن چھ ماہ کے بعد رہائی پائی۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف بھی وارنٹ جاری ہوا لیکن دو سال تک انگریزوں کے ہاتھ نہیں آئے، پھر بالآخر حکومت برطانیہ نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لے لی اور عام معافی کا اعلان کر دیا گیا۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے: تاریخ دارالعلوم دیوبند، جلد اول، ص ۵۱۰-۵۰۶، مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ: حیات اور کارنامے، ص ۹۴-۸۲)

دارالعلوم دیوبند: مجاہدین حریت کی چھاوَنی

جہاد ۱۸۵۷ء کی ناکامی اور سلطنت مغلیہ کے زوال کے بعد، ہندوستانی اور خصوصاً مسلمان انگریزوں کی انتقامی کارروائی کا سب سے زیادہ نشانہ بنے۔ انگریزوں نے علماء وامراء کی ایک بڑی تعداد کو قتل کر دیا، مدارس ومعابد تباہ وبرباد کر دیے اور اسلامی تہذیب وثقافت کو ختم کرنے کا تہیہ کرلیا۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں اکابرین دیوبند نے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کے مقصد سے تعلیمی تحریک برپا کرنے کا فیصلہ کیااور دارالعلوم دیوبند اس سلسلہ کی پہلی کڑی تھی۔ سیاسی زوال نے مسلمانوں کو بے چارگی ومجبوری اور بے چینی وپریشانی کے جس عالم میں پہنچادیا تھا، دارالعلوم دیوبند کے قیام سے انھیں سکون واطمینان اور قرار نصیب ہوا۔ اور پھر تاریخ نے ثابت کر دیا کہ علماء نے فراست ایمانی سے جو فیصلہ کیا تھا اس کے بالکل صحیح نتائج برآمد ہونے شروع ہو گئے۔ جہاں ایک طرف دارالعلوم دیوبند نے دینی تعلیم کے فروغ، عقائد صحیحہ واسلامی تعلیمات کی اشاعت، مسلمانوں کے دینی تشخص کی حفاظت اور اسلامی علوم وفنون کی ترقی وآبیاری میں بھرپور حصہ لیا وہیں دوسری طرف مجاہدین اور سرفروشوں کی ایک جماعت پیدا کی جس نے آزادی کے مبارک جذبہ کو نہ صرف زندہ رکھا بلکہ انگریزی سامراج کا اس وقت تک تعاقب کرتے رہے جب تک وہ اس ملک کو چھوڑ کر نہ چلا گیا۔

ان علماء واکابر کو اگرچہ میدان جنگ میں شکست ہو چکی تھی لیکن ان کا تصور آزادی فنا نہیں ہوا تھا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد صرف یہی جماعت تھی جس نے آزادی کے تصور کو ہندوستان میں زندہ رکھا۔ یہی نہیں بلکہ انگریز دشمنی اور آزادیٔ وطن کے جذبے میں جو حرارت، طاقت اور عمومیت پیدا ہوتی گئی وہ انھیں کی پیہم کوششوں کا نتیجہ ہے۔

تحریک شیخ الہند

جہاد ۱۸۵۷ء کے بعد پہلے مرحلے دارالعلوم کا قیام عمل میں آیا۔ دارالعلوم نے خاموشی سے تقریباً پون صدی تک افراد کی تیاری پر توجہ مرکوز رکھی۔ بالآخر دارالعلوم دیوبند کے پہلے سپوت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے یہ تحریک دوسرے مرحلے میں داخل ہوئی جس کو تحریک شیخ الہند یا عرف عام میں تحریک ریشمی رومال کہا جاتا ہے۔

تحریک شیخ الہند کی ابتدا بیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں ہوئی جب شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے شاگردوں اور متوسلین کی ایک بڑی جماعت اس انقلابی تحریک سے وابستہ ہوگئی۔ شیخ الہندؒ کے نمائندے ملک کے اندر اور ملک کے باہر افغانستان، آزاد علاقہ، صوبہ سرحد اور حجاز کے اندر سرگرم اور فعال تھے۔

اس تحریک میں اہم رول آپ کے شاگرد مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے ادا کیا، افغانستان کی حکومت کو مدد کے لیے تیار کرنا اور انگریزوں کے خلاف رائے عامہ بنانا مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا مشن تھا۔ شیخ الہندؒ نے مولانا سندھی کو کابل اس مشن پر بھیجا تھا کہ حکومتِ افغانستان کو ہندوستان کی تحریکِ آزادی میں اخلاقی اور فوجی امداد دینے کے لیے تیار کرلیا جائے۔ اسی درمیان مولانا سندھی نے ایک عارضی حکومت ہند قائم کی جس کے تین رکن تھے؛ راجہ مہندر پرتاپ سنگھ صدر، مولانا برکت اللہ بھوپالی وزیر اعظم اور مولانا عبیداللہ سندھی وزیر ہند۔ اس عارضی حکومت نے مختلف ممالک میں اپنے وفود روانہ کر کے رائے عامہ کو ہموار کرنے کی کوشش کی۔ اسی سلسلہ میں ایک وفد روس بھیجا گیا، اس کے بعد دو وفد کو ترکی اور جاپان کے لیے روانہ کیے گئے۔ ترکی جانے والے وفد میں عبدالباری اور شجاع اللہ اور جاپان جانے والے وفد میں شیخ عبدالقادر اور

ڈاکٹر متھر اسنگھ شامل تھے۔ جاپان جانے والے وفد کو گرفتار کر کے روسی حکام نے برطانیہ کے حوالے کر دیا اور بدقسمتی سے ترکی جانے والا وفد بھی برطانوی حکام کے قبضہ میں آ گیا۔ ان کے بیانات سے سارے واقعات انگریزوں کے علم میں آ گئے۔ انھیں دنوں مشہور ترک جرمن مشن افغانستان آیا جس کا مقصد افغانستان کو برطانیہ کے خلاف لڑنے پر آمادہ کرنا اور جنگ عظیم میں شامل ہونا تھا۔

تحریک آزادی کے لیے حضرت شیخ الہند نے اپنا مرکز بھی سرحدی علاقہ کو بنایا تھا۔ انگریزوں سے مقابلہ میں مجاہدین وہاں پہلے سے متحرک تھے۔ افغانی قبائل کو جہاد کے دعوت دینے اور ان کو متحد و متفق رکھنے کے لیے حاجی ترنگ زئی، عبدالرحیم سندھی وغیرہ متعدد افراد اس علاقہ میں کام کر رہے تھے۔ مرکز یاغستان سے تقاضہ ہو رہا تھا کہ حضرت شیخ الہند وہاں تشریف لے آئیں، تو مجاہدین کا اجتماع اور زیادہ ہو جائے گا۔ آپس کے تفرقہ کا خطرہ نہ رہے گا، اور کاروبار جہاد میں پختگی آجائے گی؛ لیکن مجاہدین اور ضروریاتِ جہاد کے لیے غیر معمولی امداد کی بھی ضرورت تھی اور حضرت کے علاوہ اور کوئی ایسا نہ تھا کہ لوگ اس کی شخصیت سے متاثر ہوں اور محض خفیہ اشارہ پر غیر معمولی امداد پیش کر دیں۔ لہٰذا حضرت نے فیصلہ کیا کہ کسی باقاعدہ حکومت کو آمادہ کیا جائے کہ وہ پشت پناہی کرے۔ اس مرحلہ پر حضرت نے یاغستان کے بجائے حجاز کا ارادہ کیا کہ ترکی حکومت سے رابطہ قائم کریں۔

اسی مقصد کے لیے حضرت شیخ الہند ۱۹۱۵ء میں حجاز تشریف لے گئے اور وہاں دو سال تک ان کا قیام رہا۔ حجاز میں خلافتِ عثمانیہ کے ذمہ داروں سے خصوصاً غالب پاشا گورنر مدینہ اور خلافت عثمانیہ کے وزیر الحرب انور پاشاہ وغیرہ سے رابطہ کیا اور انھیں ہندوستان کی صورت حال سے آگاہ کیا اور اپنے منصوبہ سے واقف کرایا۔ ان دونوں نے شیخ الہندؒ کے خیالات سے اتفاق کرتے ہوئے، ان کے منصوبے کی تائید کی اور برطانوی حکومت کے خلاف اپنے اور اپنی حکومت کے تعاون کا یقین دلایا۔ غالب پاشا کے خط میں حضرت شیخ الہند کی شخصیت پر اعتماد اور اہل ہند سے ان کی مدد کی اپیل تھی، اس خط کو ہندوستان کی تحریک آزادی میں 'غالب نامہ' سے یاد کیا جاتا ہے۔ ترکی سپہ سالار غازی انور پاشا کے پیغام کا مضمون بھی وہی تھا جو غالب نامہ کا تھا یعنی اس میں ہندوستانیوں کے مطالبہ آزادی کی تحسین کی گئی تھی، اور اپنی طرف سے امداد و اعانت کا وعدہ تھا اور ہر شخص کو جو ترکی کی رعیت یا ملازم ہو، حکم تھا کہ مولانا محمود حسن صاحب پر اعتماد کرے اور ان کی اعانت میں حصہ لے۔ یہ فرامین صندوق کی تلی میں پیوست کر کے ہندوستان پہنچائے گئے۔ پھر ان کے فوٹو لیے گئے اور ان کو افغانستان و یاغستان کے جہادی مراکز پہنچایا گیا۔

مولانا عبیداللہ سندھی نے حضرت شیخ الہند کو حالات سے مطلع کرنے کے لیے ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑوں پر خط لکھ کر جولائی ۱۹۱۶ء میں عبدالحق کو دیا اور اس کو ہدایت کر دی کہ یہ خطوط شیخ عبدالرحیم سندھی کو پہنچا دیں تاکہ وہ ان خطوط کو مدینہ روانہ کر دیں۔ ایک روایت کے مطابق یہ خطوط مولانا منصور انصاری نے لکھے تھے۔ بہر حال یہ خطوط ملتان کے خان بہادر رب نواز خاں کو ہاتھ لگ گئے اور اس نے ملتان ڈویژن کے انگریز کمشنر کو یہ خطوط حوالے کر دیے۔ بعد میں پنجاب سی آئی ڈی نے اس سلسلہ میں تحقیقات کیں۔ انگریزوں نے ان کاروائیوں اور مقدمات کو ریشمی رومال سازش کیس (Silk Letter Conspiracy Case) کا نام دیا اور اسی بنیاد پر اس کو 'تحریک ریشمی رومال' کہا جانے لگا۔ اس کیس سے متعلق تمام امور کی تفصیل انڈیا آفس لائبریری لندن کے پولیٹیکل اور سیکریٹ شعبہ میں محفوظ ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھی نے یہ خطوط زرد رنگ کے ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑوں پر لکھے تھے اور یہ تاریخی و سیاسی اعتبار سے اہمیت کے حامل ہیں۔ ان میں سے پہلا خط شیخ عبدالرحیم سندھی کے نام تھا۔ یہ خط حضرت مولانا شیخ الہند کو مدینہ بھیجنا تھا اور حضرت شیخ الہند کو خط کے

ذریعہ بھی اور زبانی بھی آگاہ کردیں کہ وہ کابل آنے کی کوشش نہ کریں۔ دوسرا خط حضرت شیخ الہند کے نام تھا جس کے سلسلہ میں ہدایت تھی کہ تحریک کے ممتاز کارکنوں کو بھی یہ خط دکھادیا جائے۔اس خط میں رضا کار فوج جنود اللہ اور اس کے ۱۰۴ / افسروں کا ذکر ہے جن کی فوجی تربیت اور ذمہ داری لکھی گئی ہے۔اس میں راجہ مہندر پرتاب سنگھ کی سرگرمی، جرمن مشن کی آمد، عارضی حکومت کا قیام روس جاپان اور ترکی وفود کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

تیسرا خط بھی حضرت شیخ الہند کے نام تھا۔اس خط میں تحریر تھا کہ ہندوستان میں تحریک کے کون کون سے کارکن سرگرم ہیں اور کون کون سے لوگ سست پڑ گئے ہیں۔اس میں مولانا آزاد اور مولانا حسرت موہانی کی گرفتاری کی اطلاع بھی تھی۔اس میں مہمند اور سوات کے علاقوں میں مجاہدین کی سرگرمیوں، جرمن ترک مشن کی آمد اور اس کے ناکام ہونے کے اسباب اور افغانستان کو جنگ میں شریک ہونے کے لیے کن کن چیزوں کی ضرورت ہے اس کی تفصیل بھی درج تھی۔ساتھ ہی حضرت شیخ الہند کو یہ مشورہ دیا گیا کہ وہ مدینہ منورہ میں ٹھہر کر ترکی، افغانستان اور ایران میں معاہدہ کرانے کی کوشش کریں۔اس خط میں حضرت شیخ الہند سے یہ بھی گزارش کی گئی تھی کہ وہ ہندوستان نہ آئیں،حکومت نے ان کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

اسی زمانہ میں انگریزوں سے مل کر مکہ کے گورنر شریف حسین نے ترکی حکومت کے خلاف بغاوت کردی۔شریف حسین کے سرکاری علماء نے ایک استفتا اور اس کا جواب مرتب کرایا،جس میں ترکی فوج کی تکفیر تھی،سلاطین آل عثمان کی خلافت سے انکار کیا گیا تھا اور شریف حسین کی بغاوت کو حق بجانب اور مستحسن قرار دیا گیا تھا۔شریف حسین سے تعلق رکھنے والے بہت سے علما نے اس پر دستخط کردیے تھے؛لیکن علما کی کثیر تعداد متردد اور خائف تھی۔حضرت شیخ الہند کے سامنے یہ فتوی پیش کیا گیا تو حضرت نے اس پر تائیدی دستخط کرنے سے سختی سے انکار کردیا۔آپ کے انکار پر تمام حق پرست علما کی ہمت بلند ہوگئی،جو حضرات متردد اور خائف تھے،ان سب نے دستخط کرنے سے انکار کردیا۔فتوی پر دستخط نہ کرنے کی وجہ سے حکومتِ برطانیہ کے اشارے پر شریف حسین نے گرفتاری کے احکام جاری کردیے،حضرت شیخ طائف میں ۱۵ / فروری ۱۹۱۷ء کو گرفتار کرلیے گئے اور وہاں سے بحیرۂ روم میں واقع جزیرہ مالٹا روانہ کردیے گئے جو برطانیہ کے سیاسی اور جنگی قیدیوں کا مرکز تھا۔وہاں سخت تکلیف کی زندگی گزارنے کے بعد ۸ / جون ۱۹۲۰ء کو تین برس سات مہینے کی اسارت کے بعد بمبئی پہنچا کر آپ کو رہا کیا گیا۔

دوسری طرف ریشمی رومال خطوط کی روشنی میں ہندوستان میں بھی حکومت نے نہایت ہی تیزی سے کاروائی شروع کی، چھاپے مارے اور گرفتاریاں شروع کیں۔ ۲۲۲ / افراد کے خلاف انکوائری اور پوچھ تاچھ کی گئی۔ ۵۹ / اشخاص پر حکومت برطانیہ کا تختہ الٹنے کا اور غیر ممالک سے امداد حاصل کرنے کی سازش کا مقدمہ قائم کیا گیا۔ادھر افغانستان میں بھی امیر حبیب اللہ کی رائے بدل گئی،اس نے انگریزوں کے دباؤ پر مولانا مولانا عبید اللہ سندھی اور ان کے ساتھیوں کی گرفتاری اور نظر بندی کا حکم جاری کردیا۔

جنگ عظیم کی ابتدا،عربوں کی ترکوں کے خلاف بغاوت،امیر حبیب اللہ کی طوطا چشمی اور دوسرے اسباب کی بنیاد پر تحریک ریشمی رومال اپنے انقلابی مقاصد کو پورا کرنے میں ناکام رہی،لیکن اس تحریک کی تفصیلات سے بوریہ نشین علماء کی بلندیٔ فکر،مجاہدانہ اولو العزمی اور عظیم تدبر وسیاست کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کی تحریک آزادی کی تاریخ میں 'تحریک ریشمی رومال' ایک تابناک باب کی حیثیت رکھتا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مالٹا سے واپسی کے بعد ملک کی آزادی میں سرگرم حصہ لیا۔مالٹا میں اسارت کے زمانے میں حضرت شیخ ا

لہند نے محسوس کرلیا تھا کہ ہندوستان کی آزادی صرف ایک قوم اپنی کوشش سے حاصل نہیں کرسکتی ہے۔لہٰذا آپ نے انقلاب وتشدد کی پالیسی بدل کر ہندوستان کی آزادی کو ہندو اور مسلمان کی مشترکہ جدوجہد سے حاصل کرنے کی کوشش کی۔اسی سلسلہ میں آپ نے نیشنلسٹ طاقتوں کا ساتھ دیا اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کی بنا میں حصہ لیا۔

شیخ الہند کی اس تحریک میں مولانا منصور انصاریؒ، مولانا فضل ربیؒ، مولانا فضل محمودؒ، مولانا محمد اکبرؒ کا شمار اہم ارکان میں تھا۔مولانا عبدالرحیم رائے پوریؒ، مولانا محمد احمد چکوالیؒ مولانا محمد صادق کراچویؒ، شیخ عبدالرحیم سندھی، مولانا احمد اللہ پانی پتی، ڈاکٹر مختار احمد انصاری وغیرہ نے اپنا تعاون پیش کیا۔ان کے علاوہ مولانا محمد علی جوہرؒ مولانا ابوالکلام آزادؒ، مولانا احمد علی لاہوریؒ، حکیم اجمل خان وغیرہ بھی آپ کے مشیر ومعاون تھے۔مالٹا کے اسارت خانہ میں حضرت شیخ الہند کے ساتھ آپ کے دیگر رفقاء حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا عزیز گل پشاوریؒ، مولانا حکیم نصرت حسین امروہویؒ، مولانا وحید احمد فیض آبادیؒ وغیرہم بھی قید کیے گئے تھے۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے: نقش حیات، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، جلد دوم، صفحہ ۱۷۸-۱۳۱؛ ریشمی خطوط سازش کیس، مولانا محمد میاں دیوبندی)

جمعیّۃ علمائے ہند

۱۹۱۹ء میں ہی تحریک خلافت شروع ہوئی جو جنگ عظیم اول کے بعد خلافت عثمانیہ کے تحفظ اور ہندوستان پر برطانوی تسلط کے خلاف ایک نہایت موٴثر اور ہمہ گیر تحریک تھی۔اس تحریک نے ہندوستان میں ہندو مسلم اتحاد کا عظیم الشان نمونہ پیش کیا اور اس پلیٹ فارم سے مسلمان اور ہندو شانہ بشانہ انگریزی حکومت کے خلاف لڑے۔حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ و دیگر علمائے دیوبند اس تحریک میں شریک رہے۔۱۳ رنومبر ۱۹۱۹ء کو دہلی میں خلافت کا اجلاس مولانا فضل الحق کی صدارت میں ہوا جس میں برطانیہ کے جشنِ صلح کے بائیکاٹ کی تجویز مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے پیش کی جس کی تائید میں گاندھی جی نے بھی تقریر کی۔اسی موقع پر انقلابی علماء نے 'جمعیۃ علمائے دیوبند' کے نام سے باضابطہ دستوری جماعت کی تشکیل کا فیصلہ کیا جس کے پہلے صدر مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ دہلویؒ منتخب ہوئے۔جمعیۃ علمائے ہند کے قیام کے بعد علمائے دیوبند کی مجاہدانہ سرگرمیاں اسی پلیٹ فارم سے جاری رہیں اور ہندوستان کی آزادی کی تحریک اس جماعت کا بنیادی مشن تھا۔

جمعیۃ علمائے ہند ایک ایسے وقت میں قائم ہوئی جب انگریزی استبداد اپنی آخری حدوں کو چھو رہا تھا اور کسی میں جرأت موجود نہیں تھی کہ وہ سات سمندر پار کی اس اجنبی مخلوق کے خلاف کوئی آواز بلند کرسکے، لیکن جمعیۃ علمائے ہند اور اس کے بانیوں نے سب سے پہلی جو آواز لگائی وہ وہی تھی جسے سننے کے لیے ہر ہندوستانی گوش برآواز تھا، اس نے مکمل آزادی کا نعرہ دیا اور کہنا چاہیے کہ اس نعرہ کے ذریعہ اس نے تحریک آزادی کے لیے قائم تمام تنظیموں، تحریکوں اور انجمنوں پر سبقت حاصل کرلی۔

جون ۱۹۲۰ء میں خلافت کانفرنس الہ آباد میں نان کوآپریشن (ترکِ موالات) شروع کرنے کا فیصلہ ہوا۔جولائی ۱۹۲۰ء میں شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے ترک موالات کا فتوی دیا جس کو بعد میں مولانا ابوالمحاسن سجاد بہاریؒ نے مرتب کرکے جمعیۃ علمائے ہند کی طرف سے ۴۸۴ دستخطوں کے ساتھ شائع کیا۔غیر ملکی مال کے بائیکاٹ اور برطانوی حکومت کے ساتھ عدم تعاون کی یہ تجویز بہت کارگر ہتھیار تھا جو جنگِ

آزادی میں استعمال کیا گیا، انگریزی حکومت اس کا پورا پورا نوٹس لینے پر مجبور ہوئی اور اس کا خطرہ پیدا ہوگیا کہ پورا ملکی نظام مفلوج ہو جائے اور عام بغاوت پھیل جائے۔

نومبر ۱۹۲۰ء میں جمعیۃ علمائے ہند کا دوسرا اجلاس عام دہلی میں حضرت شیخ الہندؒ کی صدارت میں ہوا۔ آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں سیاسی جدوجہد کی منتشر طاقت کو متحد و مؤثر بنانے کے لیے کانگریس کے مشترکہ پلیٹ فارم پر جمع ہونے کی دعوت دی۔ حضرت شیخ الہند کی اس کوشش نے جنگ آزادی کے نعرہ میں ایک روح پھونک دی۔

جولائی ۱۹۲۱ء میں خلافت کانفرنس کراچی کے اجلاس میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے صاف لفظوں میں اعلان کیا کہ حکومت برطانیہ کے ساتھ موالات و اعانت کے تمام تعلقات اور ملازمت حرام ہے۔ اس کی پاداش میں کراچی کا مشہور مقدمہ چلا جس میں آپ کے ساتھ مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، گرو شنکر اچاریہ وغیرہ کو دو دو سال قید بامشقت کی سزا ہوئی۔

جنوری ۱۹۲۴ء میں جمعیۃ علمائے ہند کے پانچویں اجلاس میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اپنے خطبہ میں آزادئ کامل کی طرف سب سے پہلے توجہ دلائی۔ پھر جمعیۃ علمائے ہند نے حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے صدارت میں ہونے والے ساتویں اجلاس میں ۱۴؍مارچ ۱۹۲۶ء کو سب سے پہلے مکمل آزادی کی تجویز پاس کی۔ ہندوستان پر برطانوی قبضہ کے خلاف ہندوستانیوں کی طرف سے یہ پہلی تجویز تھی جس نے ببانگ دہل برطانیہ سے ملک کی مکمل آزادی کی حمایت کی، ورنہ اس وقت کانگریس وغیرہ دیگر قومی جماعتیں حکومت سے محض کچھ مراعات کی طالب ہوا کرتی تھیں۔ بالآخر جمعیۃ علمائے ہند کی یہی تجویز ملک کے ہر فرد کی آواز بن گئی۔

۱۹۲۹ء میں گاندھی جی کے 'ڈانڈی مارچ' اور نمک سازی تحریک میں جمعیۃ علمائے ہند کے رہنما مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مفتی عتیق الرحمن عثمانی وغیرہ نے شرکت کی اور دیگر قومی کارکنوں کے ساتھ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مولانا سید فخر الدین مراد آبادی، مولانا سید محمد میاں دیوبندی اور مولانا بشیر احمد بھٹہ وغیرہ بھی گرفتار ہوئے۔

۱۹۳۰ء کی تحریک سول نافرمانی میں جمعیۃ علمائے ہند کے صدر حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی اور ناظم اعلی جمعیۃ علمائے ہند مولانا احمد سعید دہلوی کو قانون تحفظ عامہ و بغاوت کے جرم میں گرفتار کر کے قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ ۱۹۳۲ء میں جب دوبارہ سول نافرمانی کی تحریک شروع کی گئی تو جمعیۃ علمائے ہند نے بھی کانگریس کی جنگی کونسل کی طرح 'ادارہ حربیہ' قائم کر کے ڈکٹیٹرانہ نظام جاری کیا جس کے ذمہ دار مولانا ابوالمحاسن سجاد صاحب تھے۔ مارچ ۱۹۳۴ء میں جمعیۃ علمائے ہند کے پہلے ڈکٹیٹر حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی ایک لاکھ افراد کا جلوس لے کر نکلے اور گرفتار کر لیے گئے۔ جمعیۃ علمائے ہند کے دوسرے ڈکٹیٹر حضرت مولانا حسین احمد مدنی کو بھی دیوبند سے دہلی آتے ہوئے راستے میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس کے بعد سحبان الہند مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مولانا محمد میاں دیوبندی، رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی وغیرہم ڈکٹیٹر منتخب ہوتے رہے اور گرفتاریاں دیتے رہے۔ اس تحریک میں تقریباً تیس ہزار مسلمان گرفتار کیے گئے۔

۱۹۳۵ء میں حکومت ہند کا جو دستور بنایا گیا تھا اس میں مسلمانوں کی مذہبی و ملی مشکلات کے حل کے لیے جمعیۃ علمائے ہند نے ایک فارمولا پیش کیا تھا جس کو 'مدنی فارمولا' کا نام دیا گیا تھا۔ اگر اس فارمولے کے مطابق دستور بنایا جاتا تو کافی حد تک مسلمانوں کی مشکلات حل ہو جاتیں اور ملک تقسیم نہ ہوتا۔ بہر حال گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے ذریعہ مسلمانوں کو جو بھی مراعات حاصل ہوئیں وہ اسی فارمولے کی بنیاد پر شامل ہوئیں۔

۳۷-۱۹۳۶ء میں جمعیۃ علمائے ہند نے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی کی رہ نمائی میں صوبہ سرحد کی اسمبلی میں شریعت بل کا مسودہ پیش کر کے پاس کرایا، جو بالآخر شریعت ایکٹ بنا اور آج تک نافذ ہے۔ ۱۹۳۷ء میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے انگریزی اقتدار کے مقابلے میں بلا تفریق مذہب وملت ہندوستانیوں کے لیے متحدہ قومیت کی وکالت کی اور اس کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا۔ اُس وقت مسلم لیگ اور ہندو مہاسبھا کی جانب سے مذہب پر مبنی تصورات پیش کیے جارہے تھے۔

۴۰-۱۹۳۹ء میں دوسری جنگ عظیم کے موقع پر جمعیۃ علمائے ہند نے جبری بھرتی کی پرزور مخالفت کی اور اعلان کیا کہ جنگ کے سلسلہ میں ہم کسی طرح کا تعاون نہیں کریں گے، جس کی پاداش میں جمعیۃ کے رہ نماؤں اور کارکنوں کو گرفتار کیا گیا۔ ان میں مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد قاسم شاہجہانپوری، مولانا ابوالوفا شاہجہانپوری،، مولانا محمد اسماعیل سنبھلی، مولانا شاہد میاں فاخری الہ آبادی، مولانا اختر الاسلام مدرسہ شاہی مراد آباد وغیرہ شامل ہیں۔

اپریل ۱۹۴۲ء میں جمعیۃ علماء کی بچھرایوں کانفرنس میں آزادی کے مطالبہ کی پاداش میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو جون ۱۹۴۲ء میں گرفتار کر لیا گیا اور چھ ماہ کی مدت اسارت ختم ہونے کے وقت دوبارہ غیر محدود عرصہ کے لیے نظر بند کر دیا گیا۔ ۵/اگست ۱۹۴۲ء کو جمعیۃ علمائے ہند کی مجلس عاملہ کے چار مقتدر ارکان حضرت مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مولانا احمد سعید دہلوی اور مولانا عبدالحلیم صدیقی لکھنوی کے دستخطوں سے ایک اخباری بیان جاری کیا گیا جس میں کھلے لفظوں میں کہا گیا تھا کہ "انگریز ہندوستان چھوڑ دے"۔ اس کے بعد ۸/اگست کو کانگریس نے بمبئی کے اجلاس میں 'کوئٹ انڈیا' (انڈیا چھوڑ دو) کی تجویز پاس کی۔ اس کی پاداش میں کانگریس کی طرح جمعیۃ علمائے ہند کے رہ نما اور ہزاروں کارکن گرفتار ہوئے جن میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مولانا محمد میاں دیوبندی، مولانا نورالدین بہاری وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

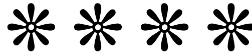
جمعیۃ علمائے ہند نے مسلمانوں کے لیے الگ اسٹیٹ یعنی نظریۂ قیامِ پاکستان کی ہمیشہ پوری قوت کے ساتھ مخالفت کی۔ بالآخر ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کو مجاہدین ملّت کی بیش بہا قربانیوں کی بدولت جب آفتابِ آزادی نصف شب کو طلوع ہوا، برطانوی شاطر حکمراں اپنی پھوٹ ڈالنے والی سیاست میں کامیاب ہو چکے تھے۔ اس مبارک گھڑی میں ہندو مسلم اتحاد کی وہ عمارت جس کی تعمیر میں جمعیۃ علماء کے اکابر نے کی تھی وہ لرزہ براندام ہوگئی، نفرت کی آندھیوں میں صدیوں کے پروردہ رشتے کچے دھاگوں کی طرح ٹوٹ گئے۔ اس وقت شمالی ہند کے مسلمانوں کے سامنے کربلا جیسے مناظر تھے۔ اس بھیانک تاریکی میں جمعیۃ علمائے ہند نے امید کا چراغ روشن کیا، لڑکھڑاتے قدموں کو سہارا دیا اور حوصلوں کو بحال کیا۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے: جمعیۃ علماء نمبر، ہفت روزہ الجمعیۃ، نئی دہلی، شائع شدہ بہ موقع ۲۵واں اجلاس عام ممبئی ۱۹۹۵ء، صفحہ نمبر ۵۷ تا ۶۵)

خلاصۂ کلام

ہندوستان کی تحریک آزادی کی پوری تاریخ میں علمائے دیوبند کی مجاہدانہ سرگرمیاں بہت نمایاں ہیں۔ فکر ولی اللہی کے وارث وامین ہونے کی حیثیت سے علمائے دیوبند نے پورے تسلسل اور اعتماد کے ساتھ انگریزوں سے لوہا لیا اور بالآخر انھیں ملک چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ ان علماء نے جذبۂ آزادی کی شمع ایسے تیرہ وتاریک ماحول میں بھی جلائے رکھی جب برطانوی جبر واستبداد اپنے عروج پر تھا اور انگریزوں

کے خلاف کوئی بھی میدان میں نہیں تھا۔ان علماء نے پوری سیاسی بصیرت اور تدبر کے ساتھ وقت اور حالات کے تقاضے کے تحت اپنے ہتھیار بدلے،اپنا طریقہ کار تبدیل کیا،لیکن آزادی کے عظیم الشان ہدف ومقصد سے کبھی سرمو انحراف نہیں کیا۔یہ ان بوریہ نشین علماء ہی کی دور رس نگاہیں تھیں جنھوں نے ہر موڑ پر تحریک آزادی کی قیادت کی اور مکمل آزادی،کوئٹ انڈیا وغیرہ جیسے تاریخی تحریک کی ابتدا میں انھوں نے دوسروں سے سبقت حاصل کی؛ جب کہ دوسری طرف ملک و بیرون ملک کے اعلیٰ تعلیمی اداروں سے سیاست و پولیٹکل سائنس کی ڈگریاں حاصل کرنے والے افراد ان کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکے اور وہ انگریز کو ناقابل تسخیر ہی سمجھتے رہے۔



تحریک شیخ الہند

(تحریک شیخ الہندؒ عرف ریشمی رومال اور تحریک خلافت)

ساجد خان نقشبندی

انقلابی تحریکات میں ایک تحریک وہ ہے جسے ریشمی رومال والی تحریک کہا جاتا ہے، ایک خط جو ریشمی رومال پر لکھا گیا تھا، وہ سی آئی ڈی کے ہاتھ لگ گیا، یہی خط سی آئی ڈی کے تجسّس وتفتیش کی بنیاد ہے، اس بنیاد پر اس کا نام ریشمی خطوط والی تحریک رکھ دیا، یہ تحریک ایک عجوبہ ہے، نتیجہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ اس لحاظ سے کہ اس کے بانی وہ بزرگ تھے جن کو نہ اقتدار کی ہوس تھی نہ عظمت وجاہ کا شوق، یہ اللہ والے جن کی نگاہ مدرسہ وخانقاہ تھی یا مسجد، جن کے ساتھی شکستہ حال ملّا اور مولوی تھے یا عربی پڑھنے والے بے سہارا طلبہ، ان کے سربراہ مولانا محمود حسن جن کو کسی پولیٹیکل تکنیک یا سیاسی داؤ پیچ نے نہیں بلکہ زہد وتقویٰ، پاکیزگی باطن، ترک دنیا درویشانہ خصلتوں اور فقیرانہ عجز ونیاز نے آپ کو علماء ہند کا سرتاج اور مشائخ طریقت کا مرشد اعظم اور قطب الاقطاب بنایا تھا۔

ان کے وہ قدم جو دار التفسیر یا دار الحدیث کی طرف اٹھتے تھے یہ کیا بات تھی کہ ان کے قدم انقلاب کے پرشور و پرخطر میدان کی طرف اٹھے اور اتنی چستی سے اٹھے کہ قائدین سیاست ابھی بیدار بھی نہیں ہوئے تھے کہ وہ مسافت کا بڑا حصّہ طے کر چکے تھے، حضرت شیخ الہند کو تعلیم و تربیت کا شرف حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور پھر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے پیر ومرشد شیخ العرب وعجم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھا اور ان حضرات کی وہ مکمل ہستیاں تھیں جنہوں نے ۱۸۵۷ھ میں علم آزادی بلند کر کے انگریز سے جہاد کیا تھا ان کے سینوں میں ہمیشہ آزادی اور جہاد کی مبارک آگ سلگتی رہتی تھی، اس لئے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ میں انگریزی اقتدار فنا کر دینے کا جذبہ مستقل طور پر ہونا طبعی امر ہوگیا تھا۔ شروع شروع میں بہت زیادہ مشکلات قیاس سے زیادہ آئیں، اپنے بیگانے بن گئے ہر شخص نصیحت کرنے والا اور خیر خواہ بن کر راستہ لیا اور کیوں نہ ہوتا، انگریز نے اس قدر پیش بندی (یعنی سی آئی ڈی اور سخت گرفت) کر رکھی تھی کہ سیاست کی طرف آنکھ اٹھانا ۱۸۵۷ء کا سماں باندھتا تھا، آزادی اور انقلاب کا اگر کوئی خواب بھی دیکھ لیتا تھا پتہ پانی پانی ہو جاتا تھا بہت سے نفوس میں اللہ تعالیٰ کا خوف اس قدر نہ پایا جاتا تھا جتنا کہ انگریز کا خوف، چاروں طرف سی آئی ڈی کا جال بچھا ہوا تھا، بڑے بڑے علماء اور مشائخ سے چونکہ آپ ناامید تھے جیسا کہ فرمایا کرتے تھے کہ مشہور مولویوں اور پیروں سے امید نہ رکھنی چاہیے، اس لئے اپنے شاگردوں اور مخلص قوم پرور لیڈروں اور خاص مریدوں کو ہم خیال بناتے رہے۔

ثمرۃ التربیت یعنی تربیت کا پھل:

ڈاکٹر ایچ بی (حافظ بابر) خاں تحریر فرماتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء سے قبل شاہ ولی اللہ کے سیاسی افکار اور امام عبد العزیز (بن شاہ ولی اللہ) محدث دہلوی کی تحریک انقلاب جنگ آزادی تک کسی نہ کسی شکل میں سرگرم عمل تھی، مدرسہ دیوبند ایک طرح سے ولی الہی دبستان فکر ہی کی پیداوار تھا، اس لئے کہ دار العلوم کے بانیوں میں وہی علماء پیش پیش تھے جو فکری اعتبار سے ولی اللّٰہی تحریک سے منسلک تھے، اس ادارے کے سب سے پہلے طالب علم محمود حسن تھے (آپ کا اصلی نام محمود حسن تھا مگر اکثر مصنفین نے آپ کا نام محمود الحسن لکھا ہے) موصوف

نے ۱۲۹۷ھ ۱۸۷۹ء، ۱۸۸۰ء میں ایک انقلابی اور سیاسی جماعت بنام ثمرۃ التربیت قائم کی، مولانا نے اپنی پارٹی کا نام معنیٰ خیز یعنی تربیت کا پھل رکھا، اس پارٹی کا مقصد یہ تھا کہ مستقبل میں جب ہندوستان آزاد ہو تو حصول آزادی میں حصہ لے کر سیاسی تحریک کو کامیاب بنایا جائے ، نیز حصولِ آزادی کے سلسلے میں ہندوستان اور بیرون ہندوستان خصوصاً اسلامی ممالک سے روابط پیدا کر کے آزادی پسند ممالک کا تعاون حاصل کیا جائے۔

چنانچہ مدرسہ دیوبند کے فارغ التحصیل طلباء کو افغانستان، ایران، بغداد اور عرب وغیرہ ممالک میں بھیجا گیا جنہوں نے اس تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے خفیہ طور پر اہم کردار ادا کیا، ثمرۃ التربیت نے تیس اکتیس سال تک مسلسل اور خفیہ کام کیا اور اس مدت کے تمام حالات صیغہ راز میں ہیں، اس خفیہ تنظیم کا پبلک محاذ ۱۹۱۰ء میں ''جمعیۃ الانصار'' کے قیام سے عوام کے سامنے منظر عام پر آیا یعنی ۲۷ر رمضان المبارک ۱۳۲۷ھ/ ۱۲ر اکتوبر ۱۹۱۰ء کو القاسم کے بیان کے مطابق اس کے ابتدائی اجلاس میں دس ہزار افراد نے شرکت کی۔

جمعیۃ الانصار کا قیام اور اس کے مقاصد:

شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک ''ثمرۃ التربیت'' عرصہ تیس سال سے خفیہ مگر عملی کام کر رہی تھی مگر اصل میں تحریک امام عبدالعزیز محدث دہلوی کی تحریک انقلاب سے منسلک اور اس تحریک کا نتیجہ تھی موصوف (یعنی حضرت شیخ الہند) نے اس بات کو محسوس کیا کہ اس تحریک کو عوام سے روشناس کرایا جائے تاکہ عوام وخاص اس میں نمایاں حصہ لے سکیں، چنانچہ حضرت شیخ الہند نے ۲۱ر اکتوبر ۱۹۱۰ء کو اس تنظیم کو ایک دوسری تنظیم بنام ''جمعیۃ الانصار'' کی شکل میں مدرسہ دیوبند میں قائم کیا، شیخ الہند نے ''جمعیۃ الانصار'' کا ناظم مولانا عبیداللہ سندھی کو مقرر کیا اور مولانا سندھی نے بڑے جانفشانی اور تندہی سے اس جماعت کو منظم کیا، اس کا پہلا اجلاس ۱۵، ۱۶، اور ۱۷ اپریل ۱۹۱۱ء بمقام مراد آباد زیر سرپرستی محمد شوکت حسین رئیس اعظم مراد آباد میں منعقد ہوا۔۔۔۔مولانا سندھی نے ۴ر جمادی الثانی ۱۳۳۱ھ۔ ۱۱ر مئی ۱۹۱۳ء کو اراکین اور شرکاء جمعیت کے عدم تعاون اور اندرونی خلفشار سے غیر مطمئن ہو کر اپنا استعفیٰ پیش کر دیا۔۔۔۔شیخ الہند نے مولانا سندھیؒ کے مستعفیٰ ہونے کے بعد اس جمعیۃ کو ایک نئی شکل میں عوام کے سامنے پیش کیا اور اس کا نام ''نظارۃ المعارف'' اور بعد میں تحریک ریشمی رومال ہوا۔۔۔۔ان تحریکات میں بھی مولانا محمود حسن نے مولانا سندھی کی سیاسی خدمات حاصل کیں، یہ خدمات تاریخ ہند میں بڑی اہم اور ناقابل فراموش ہیں جن کی مختصر تفصیل آگے آرہی ہے۔

(ص ۴۲ تا ۴۷ برصغیر پاک وہند کی سیاست میں علماء کا کردار بیسویں صدی ۱۹۴۷ء تک مصنف ڈاکٹر ایچ بی خاں کراچی۔)

باقی آئندہ پہلے ترکی:

۱۸۵۷ء میں جنگ آزادی کی ناکامی کے ساتھ مسلمانانِ ہند کے سیاسی اقتدار کا آخری نشان بھی ختم ہو گیا، اب مسلمانانِ ہند کے لئے انگریزوں کے ساتھ تعاون کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا، مسلمانانِ عالم میں اس وقت لے دے کر ایک سلطنت ترکی بڑی اسلامی حکومت خیال کی جاتی تھی، نیز مسلمانانِ عالم عموماً اور مسلمانانِ ہند خصوصاً دولت عثمانیہ (یعنی ترکی) کے حکمرانوں کو روحانی اور دینی حیثیت سے اپنا خلیفہ یا پیشوا مانتے تھے مگر یورپی قومیں اسلام سے اپنی دیرینہ مخاصمتوں (یعنی دشمنیوں) اور سازشوں کے تحت دولت عثمانیہ (ترکی) کو بھی ختم کرنے کے درپے تھیں، چنانچہ ۷۸۔۱۸۷۷ء میں روس نے ترکی کے خلاف جنگ شروع کی اور ۱۸۷۸ء میں ترکی کے بعض یورپی

مقبوضات (علاقوں) پر جبراً قبضہ کرلیا ان جارحانہ اقدامات کو مسلمانانِ ہند نے ترکی کے خلاف ایک گہری سازش خیال کیا اور مسلمانانِ ہند نے عموماً اور علماء دیوبند نے خصوصاً اپنے ترک بھائیوں کی مالی امداد کی، علماء دیوبند نے اس مالی امداد کی ابتداء ۷۸۔۱۸۷۷ء میں روس اور ترکی جنگ کے موقعہ پر کی، چنانچہ القاسم کی اطلاع کے مطابق اس وقت مسلمانانِ ہند کی عام بے حسی کے باوجود مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی ؒ اور دیگر علماء دیوبند کی اپیل پر دو لاکھ روپے سے زائد کی رقم دولت عثمانیہ کو روانہ کی گئی حالانکہ حکومت برطانیہ نے اس زمانے میں بھی مسلمانانِ ہند کی وفاداری کو مشکوک خیال کرتے ہوئے ان پر کڑی نگرانی کی تھی۔

جنگ طرابلس و بلقان اور مسلمانانِ ہند:

افریقہ کے ساحلی (سمندر کے ساتھ ساتھ والی) حکومتیں سلطنت عثمانیہ کے قبضے میں تھیں، رفتہ رفتہ یہ حکومتیں خود مختار ہوتی گئیں یہ ریاستیں تجارتی منڈی بنانے کی غرض سے مغربی ممالک کیلئے مرکز توجہ تھیں، چنانچہ انگلستان (برطانیہ) نے مصر پر اور فرانس نے الجزائر اور تیونس پر اپنا تسلط قائم کرلیا۔ (سیاست میں علماء کا کردار: ص ۸۷ تا ۸۵ ج ۱)

طرابلس:

طرابلس سلطنت عثمانیہ (ترکی) کا افریقی مقبوضہ تھا، مدت سے اٹلی اس پر اپنا تسلّط قائم کرنا چاہتا تھا چنانچہ بغیر کسی شکایت یا آپس کے اختلاف کے اٹلی نے ۱۹۱۱ء میں طرابلس پر فوج کشی کر کے اس پر اپنا قبضہ جمالینا چاہا عثمانی فوج کے افسر مصطفی پاشا اور انور پاشا نے بڑی جانبازی سے مقابلہ کیا لیکن بدقسمتی سے اس درمیان میں البانیہ میں بغاوت ہوگئی اور پھر بلقان کی افق سے ایک متحدہ اور خوف ناک جنگ کے بادل اٹھتے ہوئے دیکھائی دینے لگے ان حالات کے پیش نظر مجبوراً ترک حکومت کو صلح کرنی پڑی جس کی رُو سے طرابلس پر اٹلی کا قبضہ منظور کرلیا گیا۔

جنگِ بلقان:

جس خطرہ کو محسوس کر کے ترکوں نے اٹلی سے صلح کی تھی وہ بہت جلد سامنے آگئی، ریاست ہائے بلقان نے تاریخ میں پہلی بار متحد ہو کر سلطنت عثمانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ۱۹۱۲ء میں البانیہ نے بغاوت کر دی اس کے بعد مانٹی نگرو نے ترکی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، اس کے فوری بعد سرویہ، یونان اور بلغاریہ بھی ترکوں کے خلاف میدان جنگ میں آگئے ترکوں کا ان سب سے مقابلہ کرنا مشکل تھا ،انہیں شکست ہوئی، سلطنت عثمانیہ کے تمام یورپی مقبوضات پر مخالف طاقتوں کا قبضہ ہوگیا، بلقان کی جنگ میں ترکوں کے مقتولوں اور زخمیوں کا شمار ایک لاکھ نفوس کیا گیا ہے شکست کی مصیبت تو تھی ہی اس پر طرہ یہ ہوا کہ بلقانیوں نے مسلمانوں کی آبادی کی جو جنگ میں شریک نہ تھی اور جس میں زیادہ تر عورتیں، بچے، بوڑھے شامل تھے کو قتل کرنا شروع کر دیا اور یہ لوگ بھاگ کر ترکی میں پناہ لیتے۔

عثمانی شکست کے اسباب:

عثمانی فوجوں کی بدنظمی اور ابتری کا منجملہ اور خاص اسباب کے ایک خاص سبب یہ بھی تھا کہ سامانِ رسد کا انتظام مطلق نہ تھا تین تین چار چار روز تک فوجی بغیر غذا کے رہ جاتے دوسرا سبب یہ تھا کہ یورپ کی اس جنگ میں ترکی فوجوں میں بڑی تعداد عیسائیوں کی تھی جو پہلی بار

جبری طور پر بھرتی کئے گئے تھے ان کی تمام تر ہمدردیاں دشمن کے ساتھ تھیں۔

(ماخذ نقشِ حیات)

۱۹۱۲ء میں جنگ بلقان ہوئی تو ایک ایک ہندوستانی مسلمان مضطرب تھا اور کثرت سے چندہ ہوا ایسے لوگ بھی تھے جو گھر بار چھوڑ کر اس کے لئے نکل گئے تھے، شیخ الہند مولانا محمود حسن گنگوہی صاحبؒ کی قیادت میں دارالعلوم دیو بند طلبا تعلیم کو وقتی طور پر ترک کر کے چندہ اکٹھا کرنے کیلئے نکل کھڑے ہوئے، ایک صاحب جنگ کے دوران گھر سے باہر رہے، گاؤں گاؤں چندہ وصول کرتے اور اس کا حساب اس زمانہ کے مشہور اخبار ''پیسہ لاہور'' میں چھپواتے رہتے تھے، الغرض ان تمام وجوہ سے مسلمانانِ ہند کو ترکوں سے زبردست جذباتی لگاؤ تھا اور اگر ترکی کی ایک انگلی میں درد ہوتا تو مسلمانانِ ہند کے دل سوزِ غم سے کباب ہوجاتے تھے۔ (ماخذ تحریک خلافت مصنف قاضی محمد عدیل) انگریز مذہب اسلام اور مسلمانوں کے روئے زمین پر سب سے بڑے دشمن ہیں ابتدائے اسلام سے آج تک اسلام اور مسلمانوں کو جس قدر نقصان یورپین قوموں اور بالخصوص انگریزوں نے پہنچایا ہے کسی نے نہیں پہنچایا، انگریز کا ہندوستان میں باقی رہنا ہندوستان کی بربادی کا سبب تھا۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الہندؒ نے تمام عالم اسلامی میں انقلاب برپا کرنے کا منصوبہ بنایا مولانا بظاہر ہندوستان کے ایک محقق عالم، مفسر اور محدث تھے جن کا مشغلہ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس کے فرائض کی ادائیگی کے ساتھ تعلیم دین اور تلقین معرفت تھا لیکن ان سب باتوں کے ماسوا وہ ایک عظیم مجاہد اور ایک اعلیٰ پایہ کے مدبر وسیاست دان بھی تھے مولانا نے انقلاب واصلاح کے لائحہ عمل کو تمام عالم اسلامی میں پھیلا دیا تھا ان کی دیدہ ور نگاہیں سینکڑوں سال آگے کے حالات دیکھ رہی تھیں وہ ملک وملت کے لئے ایک دائمی اصلاح وفلاح کا پروگرام رکھتے تھے، وہ دیکھ رہے تھے کہ انگریز نے اپنا جال تمام دنیا میں پھیلا رکھا ہے، جس کا نتیجہ تو ایک طرف ہندوستان کی غلامی ہے اور دوسری جانب خلافت مرکزیہ (ترکی) اور بلاد اسلامیہ کی تباہی وبربادی، اس لئے شیخ الہندؒ نے ایک طرف ہندوستان میں متحدہ آزاد جمہوریت بنانے کا ارادہ کیا اور دوسری جانب بلاد اسلامیہ کی حفاظت وبقا کا پروگرام بنایا اور دونوں کے لئے انگریز سے جنگ لازمی تھی، اس وقت انگلستان ہی دنیا کا سب سے زیادہ طاقتور ملک تھا اور بغیر اس سے جنگ کئے موت سامنے کھڑی تھی۔

ابتدائی کارگزاری:

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نقشِ حیات (ص ۴۴۹) پر تحریر فرماتے ہیں کہ اس تحریک کی ابتداء میں ضروری سمجھا گیا کہ چونکہ بغیر تشدد ہندوستان سے انگریزوں کو نکالنا اور وطن عزیز کا آزاد کرانا ممکن نہیں ہے اور اس طرح کے انقلاب کے لئے محفوظ مرکز اور مرکز کے علاوہ اسلحہ اور سپاہی، مجاہدین وغیرہ ضروری ہیں بنابریں (اس لئے) مرکز غسّان (آزاد قبائل) قرار دیا گیا کہ وہاں اسلحہ اور جانباز سپاہیوں کا انتظام ہونا چاہیے، اس کے علاوہ چونکہ آزاد قبائل کے نوجوان ہمیشہ جہاد کرتے رہتے ہیں، اس لئے ان کو متفق اور متحد کرنا اور ان میں جہاد کی روح پھونکنا بھی ضروری تصور کیا گیا، چنانچہ اس کے لیے مولانا سیف الرحمن کو دہلی سے مولانا فضل ربی اور مولانا فضل محمود صاحب کو پشاور سے بھیجا گیا، حضرت شیخ الہند کے اس علاقہ میں بہت سے شاگرد اور مخلص موجود تھے ان سبھوں نے گاؤں گاؤں اور قبیلہ قبیلہ

یں پھر کرز مین ہموار کی اورایک عرصہ میں بفضلہ تعالیٰ بڑے درجہ تک کامیابی نظر آنے لگی ابھی وہ کوئی فیصلہ کن قدم نہ اٹھانے پائے تھے کہ پہلی جنگ یورپ شروع ہوگئی۔

۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم :

۱۹۱۴ء کو یورپ میں جنگ عظیم شروع ہوگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے سارا یورپ اس کی لپیٹ میں آگیا، برطانیہ اور جرمن اس جنگ میں دو بڑے فریق تھے، ۴ نومبر ۱۹۱۴ء ترکی نے جرمن کی حمایت میں برطانیہ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، گویا کہ اطمینان و دل جمعی سے آہستہ آہستہ کام جاری رکھنے اور نتائج کا انتظار کرنے کی مہلت ختم ہوگئی، اس کے سوا چارہ نہ رہا کہ جو کچھ بھی ممکن ہو فی الفور کیا جائے تا کہ انگریزوں کی مشکلات میں اضافہ ہو، چنانچہ شیخ الہند صاحب نے حاجی ترنگ زئی صاحب کو مطلع کیا اور ضروری قرار دیا کہ وہ یاغستان چلے جائیں اور ضروری کارروائی عمل میں لائیں، بالآخر جنگ چھڑگئی اور بفضل تعالیٰ مجاہدین کو غیر متوقع کامیابی ہونے لگی، حضرت شیخ الہندؒ کے پاس برابر کیفیات جہاد کی خبریں آتی رہتی تھیں، ابتدائی کمزوریوں میں کارکنان مرکز کا پیغام آیا کہ ہم رسد اور کارتوس کے ختم ہوجانے کی وجہ سے سخت مجبور ہیں جب تک ان دونوں کا انتظام نہ ہوجائے جہادِ حریت (آزادی) جاری نہیں رہ سکتا، آپ جلد از جلد کسی حکومت کو ہماری پشت پناہی اور امداد کے لئے تیار کیجئے، اس امر کی بناء پر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا عبید اللہ صاحب سندھیؒ کو کابل اور خود کو استنبول (ترکی) پہونچانا ضروری قرار دیا۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا سفر حجاز اور اختلاف :

ڈاکٹر مختار احمد انصاری، حکیم عبدالرزاق انصاری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی برادر محمد علی جوہر، حکیم اجمل خان، نواب وقار الملک اور وقت کے دیگر بڑے بڑے رہنما شیخ الہندؒ کے مشیر و معاون تھے چونکہ اس وقت سرحد کے واقعات ہو رہے تھے حکومت بوکھلائی ہوئی تھی اور وہ معمولی شبہ پر بھی گرفتار کر کے نظر بند کر رہی تھی، حضرت شیخ الہندؒ کے متعلق سی آئی ڈی کی اطلاعات خود ہندوستان میں اور سرحد یاغستان میں بہت زیادہ خطرناک تھیں مولانا ابوالکلام آزاد کی رائے قطعی طور پر یہ تھی کہ باہر نہ جانا چاہیے، چونکہ مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بھائی مولانا شوکت علی نظر بند کر دیئے گئے تھے، ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے زور دیا کہ آپ جلد از جلد انگریزی عملداری (حکومت) سے نکل جائیں، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے حجاز جانے کا ارادہ کرلیا، چنانچہ چند رفقاء کے ساتھ حجاز (موجودہ سعودی عرب) چلے گئے حج کیا اس وقت ترکوں کی طرف سے غالب پاشا حجاز کا گورنر تھا مکہ معظمہ کے مشہور تاجر حافظ عبدالجبار دہلوی کے ذریعہ سے غالب پاشا کے ساتھ ملاقاتیں کیں اور ان سے تحریریں حاصل کیں، پہلی تحریر مسلمانانِ ہند کے نام تھی، دوسری تحریر مدینہ منورہ کے گورنر بصری پاشا کے نام تھی جس میں مرقوم تھا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ معتمد علیہ شخص ہیں ان کا احترام کیا جائے اور انہیں استنبول ترکی پہنچا دیا جائے، تیسری تحریر غازی انور پاشا کے نام تھی کہ اُن کے مطالبات پورے کئے جائیں، غالب پاشا نے خود حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو تاکید کی کہ آپ تمام ہندوستانیوں کو آزادی کامل پر آمادہ کریں ہر ممکن امداد دیں گے اور صلح کانفرنس منعقد ہوگی تو اس میں ہندوستان کے لئے آزادی کامل کی حمایت کریں گے۔

انور پاشا اور جمال پاشا سے ملاقات:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ حج سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ چلے گئے اور ابھی وہ استنبول (ترکی) جانے کے لئے تیار نہ ہوئے تھے کہ انور پاشا وزیر جنگی امور ترکیہ اور جمال پاشا گورنر شام مدینہ منورہ پہنچنے کا تار آ گیا، چنانچہ ان سے بھی تخلیہ میں باتیں ہوئیں جمال پاشا نے وہی مطالب دہرائے جو غالب پاشا حضرت شیخ الہند کے سامنے پیش کر چکا تھا، حضرت نے یہ بھی کہا کہ مجھے محفوظ طریق پر حدود افغانستان تک پہنچا دیا جائے تاکہ میں یاغستان چلا جاؤں، ہندوستان کے راستہ گیا تو انگریز مجھے گرفتار کر لیں گے جمال پاشا نے اس بناء پر معذوری ظاہر کی کہ روسی فوجیں ایران میں پہنچ گئی ہیں گویا افغانستان کا راستہ کٹ گیا ہے فی الحال آپ کو افغانستان پہنچانا غیر ممکن ہے۔

تحریرات کا روانہ کرنا:

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ خود تو حجاز ہی میں ٹھہر گئے لیکن تحریرات اور دوسرے ضروری کاغذات بطریق محفوظ ہندوستان پہنچانے کی تدبیر یہ سوچی کہ کپڑے رکھنے کیلئے لکڑی کا ایک صندوق بنوایا اس کے تختے اندر سے کھود کر کاغذات رکھ دیئے پھر انہیں اس طرح ملا دیا کہ باہر سے دیکھنے والا کتنا ہی مبصر کیوں نہ ہو پتہ نہ لگا سکے بلکہ شبہ بھی نہ کر سکے یہ صندوق مولانا ہادی حسن رئیس خان جہان پور اور حاجی شاہ بخش سندھی کے حوالہ کر دیا گیا، بمبئی میں جہاز پر سی آئی ڈی موجود تھی اور اہل شہر بھی بکثرت آئے ہوئے تھے انہیں میں سے مولانا نام کے ایک مخلص نے مولانا ہادی حسن صاحب سے کہا کہ اگر کوئی چیز محفوظ رکھنی ہو تو ابھی مجھے دے دیجئے، چنانچہ صندوق انہیں دے دیا گیا وہ محفوظ نکال لائے (حالانکہ سی آئی ڈی پیچھے لگی ہوئی تھی) اور توڑ کر تحریریں نکال لیں، دہلی میں حاجی احمد مرزا فوٹو گرافر نے ان کے فوٹو لیے اور مولانا محمد میاں عرف منصور انصاری کے ہاتھ یہ تحریریں سرحد بھیج دی گئیں۔

اندرون ملک مراکز:

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے مرید اندرونی و بیرونی ممالک میں پھیلے ہوئے تھے، شیخ الہند نے اس کام کے لئے ایک مرکز اور آٹھ شاخیں قائم کی تھیں، ضلع ہزارہ میں اس کا مرکز ''روگی'' تھا یہاں پر مجاہدین کی جماعت تزنگ زئی کی سرکردی میں کام کر رہی تھی، انقلابی کاروائی کی تاریخ ۱۹ یا ۱۵ ارفروری ۱۹۱۵ء مقرر تھی، جب یہ کاروائی بروئے کار نہ آسکی تو مرکز کے مجاہدین نے ''روگی'' اور دیگر مقامات پر جہاد شروع کر دیا اور وہاں انگریزوں کو بہت پریشان کرتے رہے۔

بیرون ملک امدادی مراکز:

(۱) مدینہ منورہ (۲) استنبول یا قسطنطنیہ (یعنی ترکی) (۳) انقرہ (۴) برلن (جرمنی)

دوسری حکومتوں کو سلطنت ترکی کا حمایتی بنانا:

برلن میں ہردیال صاحب نے جرمن ترکی اتحاد کیلئے کوشش کی، انقلابی لیڈروں نے جرمن ترکی اتحاد کے ساتھ ساتھ یہ بھی کوشش کی کہ روس کو ترکی کا حمایتی بنایا جائے، چنانچہ اس سلسلے میں دو مشن روس گئے پہلا مشن زار روس سے ملنے میں کامیاب نہ ہو سکا مگر دوسرے مشن نے زار روس سے ملنے کے بعد ایک خط سونے کی پٹری پر کندہ کر کے زار روس کو دیا، اس خط کو زار روس نے انگریزوں کے

حوالے کردیا جس کی رپورٹ رولٹ بل میں درج کی گئی۔

حملہ کرنے کے راستوں کا تعین:

انقلابی لیڈروں نے حملہ کرنے کے لئے ترکی فوجوں کو تیار کرنے کی تجویز پیش کی تھی مگر خشکی کا راستہ ایران اور افغانستان سے ہو کر گزرتا تھا، ایران برطانیہ کے زیر اثر تھا، اس لئے ایران سے افہام وتفہیم ممکن نہ تھی، افغانستان کے امیر حبیب اللہ خان صدق دل سے اس تحریک کے ساتھ نہ تھے۔

ہندوستان کے اندرونی محاذوں پر بغاوت کا منصوبہ:

اس منصوبہ کا آخری اور فیصلہ کن مقصد یہ تھا کہ جس وقت ترکی افواج حملہ آور ہوں تو ہندوستان کے اندرونی محاذوں پر بھی بغاوت شروع کی جائے۔

(ماخذ برصغیر پاک وہند کی سیاست میں علماء کا کردار ج۱ ص ۱۰۴،۱۰۸)

مولانا عبید اللہ سندھی اور کابل:

مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں (۱۳۳۳ھ ۱۹۱۵ء) میں شیخ الہند کے حکم سے کابل گیا مجھے کوئی مفصل پروگرام نہیں بتایا گیا تھا کابل جا کر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہندؒ جس جماعت کے نمائندے تھے اس کی پچاس سال کی محنتوں کا حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیل حکم کے لئے تیار ہے، ان کو میرے جیسے ایک خادم شیخ الہند کی اشد ضرورت تھی، میں سات سال تک حکومت کابل کی شرکت میں کام کرتا رہا ۱۹۱۹ء میں امیر حبیب اللہ خان نے ہندوؤں سے مل کر کام کرنے کا حکم دیا، اس کی تعمیل میرے لئے فقط ایک ہی صورت میں ممکن تھی کہ میں انڈین نیشنل کانگریس میں شامل ہو جاؤں اس وقت میں کانگریس کا داعی بن گیا ۱۹۲۲ء میں امیر امان اللہ خان کے دور میں میں نے کانگریس کمیٹی کابل بنائی جس کا الحاق ڈاکٹر انصاری کی کوششوں سے کانگریس سے کیا گیا یہ سیشن منظور کرلیا گیا برٹش ایمپائر (یعنی ہند برطانوی حکومت) سے باہر یہ پہلی کانگریس کمیٹی ہے اور میں اس پر فخر کرتا ہوں کہ میں اس کا پہلا پریسیڈنٹ (صدر) ہوں۔

(ذاتی ڈائری ص ۲۰،۲۱،۲۲ ماخذ نقش حیات)

ریشمی رومال:

قاضی محمد عدیل تحریکِ خلافت میں تحریر فرماتے ہیں کہ ریشمی رومال کی تاریخی حیثیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ شیخ الہند کی اسکیم کے تحت مولانا عبید اللہ سندھی کابل میں مقیم تھے جب انور پاشا اور غالب پاشا (یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے گورنر) کے خطوط لکڑی کے صندوق سے بخیریت مل گئے (جنکا حال ابھی پیچھے گزرا ہے) اور قبائیلوں اور انقلابی جماعتوں اور مسلمانان ہند میں جوش وخروش پیدا کرنے کے لئے وہ تقسیم ہو گئے تو ان کارروائیوں کی اطلاع شیخ الہند کو حجاز میں دینا ضروری تھا کہ ان کو معلوم ہو جائے کہ زمین تیار ہے، اس کے علاوہ کابل میں حکومتِ موقتہ ہند (یعنی ملک سے باہر ایک عارضی حکومت) بھی قائم تھی جس کے صدر راجہ مہندر پرتاب، برکت اللہ وزیر اعظم اور مولانا عبید اللہ سندھی وزیر داخلہ اور دوسرے حسب معمول اراکین تھے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ہم ہندوستانی صحیح نمائندے ہیں اور ہندوستان برطانیہ سے

باغی ہو چکا ہے اور اگر ہندوستان پر حملہ ہو تو اس کی کامیابی کے روشن امکانات ہیں، ان کا مقصد مختلف حکومتوں سے دوستانہ تعلقات قائم کر کے ان کو انگریزوں کے خلاف اپنا اتحادی بنانا تھا، چنانچہ بڑے آب وتاب سے راجہ منہدر پرتاب ڈاکٹر متھرا سنگھ زار روس کے پاس وفد لے گئے، اسی طرح چین و برما و جاپان و فرانس اور امریکہ بھی مشن روانہ کئے گئے جو اس سے بڑا مشکل کام تھا کہ حکومت موقتہ ہند بالکل تہی دست تھی ان باتوں کی بھی مختصراً شیخ الہند کو اطلاع دینی تھی، افغانستان سے حجاز کا راستہ بالکل بند تھا اطلاع دینے کے لئے ہندوستان کے اور کوئی شکل نہ تھی، چنانچہ ریشمی کپڑے پر کابل کی کارروائی لکھ کر مولانا عبید اللہ سندھی نے شیخ عبدالحق نامی ایک نومسلم کے ہاتھ شیخ عبدالرحیم صاحب سندھی کے پاس بھیجا تھا اور تاکید کر دی تھی کہ شیخ صاحب فوراً حجاز چلے جائیں یا کسی معتمد علیہ (یعنی جس پر اعتماد ہو) حاجی کے ذریعہ سے خط شیخ الہند کو پہنچا دیں۔ وہ شخص ہر لحاظ سے قابل اعتماد تھا۔ لیکن خدا جانے کیا حالات پیش آئے کہ اس نے خط شیخ عبدالرحیم کے حوالہ کرنے کے بجائے نواز خاں کے والد خان بہادر رب نواز خان کو دے دیا اور انھوں نے خط یا ریشمی کپڑا (بذریعہ کمشنر ملتان) او ڈوائر گورنر پنجاب کے پاس پہنچایا۔ اس طرح حکومت کو شیخ الہند اور مولانا عبید اللہ سندھی اور دوسرے کارکنوں کی تحریک کے کچھ راز معلوم ہو گئے۔

ریشمی خطوط کیس کا مختصر خاکہ انگریز سرکار کی زبان سے سنیئے:

زیر نظر کیس کو ہم اپنی آسانی کیلئے ریشمی خطوط کا کیس اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس بارے میں ہمیں گہری اور مکمل واقفیت اگست ۱۹۱۶ء میں ریشمی کپڑے پر لکھے ہوئے تین خطوط کے پکڑے جانے سے حاصل ہوئی جو کابل میں موجود سازشیوں نے حجاز میں موجود سازشیوں کو بھیجنے کیلئے روانہ کئے تھے۔ یہ واقعات جو اس تفتیش اور تحقیقات کا باعث ہیں ان کا سلسلہ ۱۹۱۵ء کے اوائل سے شروع ہوتا ہے۔

کالجوں کے پندرہ طلبا:

(۱) اس سال ماہ فروری میں پنجاب کے مختلف کالجوں کے پندرہ طلباء خفیہ طور سے اپنے گھروں سے روانہ ہوئے اور شمالی مغربی سرحد کو عبور کر کے آزاد علاقہ میں پہنچے پھر دوسرے طلباء بعد کی اطلاعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی اس کارروائی کا محرک سلطنت برطانیہ کی مخالفت کا جذبہ تھا۔ ترکی سے برطانیہ کی جنگ اسی کا سبب تھی، کوشش یہ ہوتی تھی کہ پہلے وہ برطانوی حدود سے نکل جائیں اور پھر جس کام کیلئے بھی ان کی صلاحیت ہو وہ اپنی خدمات ترکوں کو پیش کر دیں۔ انہیں امید تھی کہ افغانستان برطانیہ سے برسر جنگ ہونے والا ہے ۱۹۱۵ء میں جو تحقیقات کی گئی طلباء کے سفر کا انتظام وہابیوں (یعنی سید احمد شہید) کی ایک جماعت کرتی تھی۔

(۲) ہندوستان میں وہابیت:

انیسویں صدی کے شروع میں سید احمد (شہید) نے گنگا کی وادی میں اسے رائج کیا۔ ۱۹۲۳ء میں کچھ پیروں کے ہمراہ خود بھی شمالی مغربی سرحدی صوبہ کو عبور کیا اور یوسف زئی قبائل کے علاقہ میں مجاہدین یا متعصب ہندوستانی مسلمانوں کی ایک بستی قائم کی تب سے یہ ہندوستان کے بے دین حکمرانوں کے لئے عذاب بنی ہوئی ہے شروع میں اس کا قیام خاص اس مقصد کے لئے عمل میں آتا تھا کہ سرحدی قبائیلوں کو سکھوں کے خلاف جہاد کے لئے اکسائے جو اس وقت پنجاب پر قابض تھے ہندوستان میں ۱۸۶۵ء سے ۱۸۷۳ء تک وہابیوں کے علاقہ عدالتی تحقیقات اور مقدمات کے طویل سلسلہ کے دوران ہندوستان میں سازشیں کرنے اور روپیہ جمع کر کے اسے سرحد پار کے متعصب ہندوستانیوں کو بھیجنے والی ایک جماعت کا پتہ چلا تھا جس پر کئی بڑے بڑے وہابیوں کو سزائیں دی گئی تھیں۔ اور یہ سمجھ لیا گیا تھا کہ اب

یہ تحریک ہندوستان میں گویا ختم ہوگئی ہے ۱۹۱۰ء میں یہ تحریک پھر سر اٹھاتی ہوئی معلوم ہوئی کیونکہ افغانستان کے انگریز دشمن جماعت کے ایک نہایت طاقتور رکن نے متعصب ہندوستانیوں کی مالی امداد اور ہمت افزائی شروع کر دی۔

(۳) مولوی عبید اللہ سندھی کا فرار:

جون ۱۹۱۵ء سے اس کا کچھ پتہ نہیں چلتا اب معلوم ہوا ہے کہ سندھ میں چند ماہ قیام کے بعد ۱۸/اکتوبر کو وہ کابل پہنچے اور لاہوری طلباء کو پیرا نمبر (۲) جو اس وقت کابل پہنچ چکے تھے اور ترک مشن سے جس کا سرغنہ دو ''غدار'' ہندوستانی مہندر پرتاب اور برکت اللہ تھے، ان سے وہ جا کر مل گئے، مہندر پرتاب اور برکت اللہ نے براہ ''برلن''، وقسطنطنیہ (یعنی ترکی) کابل کا سفر کیا تھا وہ قیصر جرمنی اور سلطان ترکی کے خطوط لائے تھے کہ افغانستان کو ہندوستان پر حملہ کیلئے آمادہ کرسکیں، کابل میں ہندوستانی سازشیوں نیز سردار نصر اللہ خاں اور افغانستان میں جنگ کے حامی عناصر کے درمیان کئی بار صلاح ومشورہ ہوا، روس، ترکستان، قسطنطنیہ اور برلن کو مشن روانہ کیے گئے۔

ساری سازش کا انکشاف:

ساری سازش کا انکشاف ریشمی خطوط سے ہوا، اس سازش کے اراکین کو جنود ربانیہ (یعنی خدائی فوج) نام دیا گیا تھا اس کے تمام اراکین کو فوجی عہدے دینا اور مدینہ کو اس کا خاص بنانا طے پایا تھا، جہاں دیوبند کے مولوی محمود حسن کو القائد یا جنرل مقرر کیا تھا، اس کے دوسرے مراکز ''استنبول (ترکی) تہران، کابل تھے، اس فوج کا مقصد کافروں کے تحت حکومتِ ممالک اسلامیہ بالخصوص ہندوستان کو آزاد کرانے کیلئے سلاطین اسلامیہ کو متحد کرنا تھا

(۴) حجاز میں مولوی محمود حسن کی سرگرمیاں:

ان خطوط کے برآمد ہونے سے جو مدینہ طیبہ میں مولوی محمود حسن کے نام تھے، مولوی محمود حسن کی ہر پارٹی کے ان لوگوں کے خلاف تحقیقات ہوئی جو واپس آچکے تھے ان کے بیانات سے ہمیں حجاز میں مولوی محمود حسن کی سرگرمیوں کا کچھ اندازہ ہوا۔

دستخط وی وی ویان:

ایس آف ایس: حکومت ہند کے نام مورخہ ۱۵/ستمبر ۱۹۱۶ء میں ریشمی خطوط کی سازش کو مختصراً بیان کیا گیا ہے یہ بڑا خلاف عقل اور بعید از قیاس معاملہ تھا لیکن ان کا انکشاف ہونے سے حکومت ہندوستان میں ترکوں کے حامی ایجی ٹیڑوں کی ایک تعداد کو گرفت میں لے سکی۔

استغاثہ ملک معظم شہنشاہ ہند بنام عبید اللہ وغیرہ:

نوٹ: مقدمہ میں صرف عبید اللہ کا نام ہے باقی مدعا علیہ وہ ۵۹ حضرات ہیں طوالت کی وجہ سے نام نہیں دیئے۔

بیان استغاثہ سپرنٹنڈنٹ پولیس:

عرض گزار ہے کہ مندرجہ ذیل اشخاص نے یکم جنوری ۱۹۱۳ء اور یکم جنوری ۱۹۱۷ء کے درمیان برطانوی ہند کے اندر اور باہر سازش کی ہے ملک معظم شہنشاہ کی افواج کے خلاف جنگ کرنے کی، جنگ کرنے کیلئے کوشش کرنے کی اور جنگ میں مدد دینے کی کوشش کرنے کی یا اس بات کی کوشش کی ہے کہ ملک معظم شہنشاہ کو برطانوی ہند کے اقتدار اعلیٰ سے محروم کر دیں، یہ کاروائیاں ضابطہ فوجداری ہند کی دفعہ (۱۲۱) الف کے تحت مستلزم سزا ہیں۔

سازش کے مقاصد کس طرح حاصل کئے جانے تھے:

ہندوستانی مسلمانوں میں قرآن کی غلط تاویلات اور دوسرے طریقوں کے ذریعہ مذہبی تعصب کو بھڑکا کر سرحدی قبائل اور افغانستان میں برطانیہ کی نفرت کے جذبات ابھار کر ان ممالک کے عوام کو برطانیہ کے خلاف جنگ پر آمادہ کر کے سلطنت ترکیہ سے جنگی امداد لے کر اور ان مقاصد کے لئے چندہ جمع کر کے بالآخر ارادہ یہ تھا کہ جونہی بیرون سے کافی امداد وحمایت کا یقین حاصل ہوجائے ہندوستان کے خلاف بغاوت کر دی جائے۔

عمومی طور سے کیا بات ثابت کرنی ہے:

یہ بات ثابت کی جائے گی کہ سازش کے ارکان میں ربط وتعلق تھا، یہ کہ ان کی بعض گشتوں کا مقصد سازش کرنا اور اپنے مشترک مقصد کو آگے بڑھانا تھا یہ کہ بعض سازشیوں نے جمعیۃ الانصار، جمعیۃ حزب اللہ جیسے ادارے اور نظارۃ المعارف القرآنیہ اور دارالارشاد جیسی تعلیم گاہیں قائم کیں اور برطانیہ کے خلاف جذبات بھڑکائے گے، سازشیوں نے ابتداء ہی سے سمجھ لیا تھا کہ عوام میں انتہائی تعصب جنون و تشدد پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ان میں تبلیغ کرنے کے لئے سازش کے بانی مبانی مولوی عبیداللہ (اس میں انگریز کو غلطی ہوئی ہے اصل بانی مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الہند ہیں) نے دیوبند میں مولویوں کے اہم مدرسہ کا استعمال کیا ہے تا کہ یہ کہا جاسکے کہ سازش کی شروعات دیوبند سے ہوئی ہے۔

دیوبند کا مدرسہ اور مولانا محمود حسن:

دیوبند کا مدرسہ مولانا محمد قاسم نے قائم کیا تھا وہ مشہور عالم دین ہے تاہم غدر ۱۸۵۷ء کے وقت برطانیہ کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں مولوی حاجی امداد اللہ کا شریک ہوگیا تھا، ان دونوں مولویوں کو چھپ جانا پڑا، حاجی امداد اللہ خفیہ طور پر ملک چھوڑ کر حجاز جانے میں کامیاب ہوگیا تھا، جہاں کئی برس بعد اس کی وفات ہوئی، مولوی محمد قاسم ہندوستان ہی میں رہے، اس کو گرفتار کیا گیا (یہ غلط ہے اصل میں مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ گرفتار ہوئے) اس پر مقدمہ چلایا گیا لیکن وہ بری ہوگیا، اس نے دیوبند میں زندگی گزاری اور وہیں اس کی وفات ہوئی جہاں اس کا سب سے زیادہ احترام کیا جاتا تھا، مولانا محمود حسن شاید اس کا بہت زیادہ وفادار پیرو تھا جو برسوں دیوبند کے مدرسہ کا صدر مدرس رہا۔

مدرسہ دیوبند سے کس طرح کام لینا تھا:

عبیداللہ کا منصوبہ تھا کہ مدرسہ کو اپنے کام کا ہیڈکوارٹر بناتے اور اتحاد اسلامی اور برطانیہ دشمنی کی اپنی تحریک کو ان سینکڑوں مولویوں سے کام لے کر پورے ہندوستان میں پھیلا دے جو دیوبند کے مدرسہ میں تعلیم پا کر مذہب اسلام کے پرچار اور تبلیغ کے لئے ہندوستان میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔

جمعیۃ الانصار:

اس مقصد کے لئے اس نے ۱۹۰۹ء میں ایک انجمن قائم کی جس کا نام جمعیۃ الانصار رکھا جس کو انجمن طلبائے قدیم دیوبند کہا جاسکتا ہے طلبائے قدیم کی ایک تعداد کو وہ اس میں شامل کرنے میں بھی کامیاب ہوگیا۔

مسلمانانِ ہند پر اٹلی اور بلقان کی جنگوں کے اثرات:

اس کی کوششیں نہایت بروقت تھیں کیونکہ مسلمانانِ ہند نے بیرون ہند کے مسائل میں نسبتاً زیادہ دلچسپی لینی شروع کر دی تھی،

مسلمانانِ ہند کے جذبات اٹلی اور ترکی کی جنگ دسمبر ۱۹۱۱ء تا اکتوبر ۱۹۱۲ء کے باعث برانگیختہ ہو گئے تھے اور بلقان کی جنگوں اکتوبر ۱۹۱۲ء تا اکتوبر ۱۹۱۳ء اور ان جنگوں سے متعلق برطانوی وزراء کے رویہ کی وجہ سے یہ جذبات اور زیادہ مشتعل ہونے لگے، یہاں تک کہ مولویوں کو آسانی سے یقین دلایا گیا کہ حکومتِ برطانیہ کی پالیسی مسلم دشمن ہے اور مدرسہ کا کام جاری رکھنے سے بھی زیادہ ضروری یہ ہے کہ چندہ جمع کر کے ترکوں کو روانہ کیا جائے مدرسہ کو بند کر دیا گیا اور بہت سے مولویوں نے گشت کرنا اور ترکوں کے لئے چندہ جمع کرنا شروع کر دیا۔

مدرسہ میں برطانیہ دشمن جذبہ:

یہ کام تو اعلانیہ اور کھلا خزانہ ہو رہا تھا لیکن باغیانہ اثرات بھی کارفرما تھے جن کی ایک علامت برطانوی مال کے بائیکاٹ کی تحریک تھی مولوی فضل الرحمن جو علی گڑھ میں پہلے سے برطانیہ کے خلاف تحریک چلا رہے تھے دیوبند پہنچے اور مولوی انیس احمد نے مولانا محمود حسن سے ان کا تعارف کرایا، دیوبند میں بائیکاٹ کی تحریک کو فروغ دینے میں انیس احمد نے خود بھی بڑا حصہ لیا، جنگ عظیم سے شروع ہونے تک سازشیوں کی حرکتیں جہاد کی تبلیغ کرنے تک محدود تھیں لیکن جب ترکی حکومت، برطانیہ کے دشمن کی حیثیت سے جنگ میں شامل ہوئی تو سازشیوں کے جذبات زیادہ بھڑک گئے اور اس پر آمادہ ہو گئے کہ سازش کے مقاصد کو عمل میں لانے کے واسطے سرگرمی سے قدم اُٹھائیں ، جنگ بلقان کے وقت مولانا محمود حسن کا یہ خیال تھا کہ شمالی مغربی سرحد کو عبور کر کے برطانیہ کے خلاف شور برپا کرے جب ترک برطانیہ کے دشمن ہو گئے تو مولانا محمود حسن کو قدرتی طور پر خیال آیا کہ برطانیہ کو پریشان کرنے کے لئے سرحد بہترین مقام ہے۔

مولانا محمود حسن مہاجر بن گئے:

عوام کو متأثر کرنے کے اعتبار سے ایک بہت زیادہ اہمیت کا فیصلہ یہ تھا کہ مولانا محمود حسن ہجرت کر جائیں کیونکہ بہت سے لوگ انہیں شمالی ہند کا سب سے زیادہ محترم اور متبحر عالم سمجھتے تھے اس ترک وطن سے تحریک کو جو مذہبی جواز حاصل ہونے والا تھا اس کی قدر و قیمت کو جانتے ہوئے حکیم عبدالرّزاق انصاری اور دوسرے سازشیوں نے اصرار کر کے مولانا کو مجبور کیا کہ وہ ہندوستان سے ہجرت کرنے کے ارادے کا اعلان کریں۔

مولانا کی حجاز کو روانگی:

عبید اللہ کی روانگی کے چند ہفتہ بعد مولانا محمود الحسن ۱۸ ر ستمبر ۱۹۱۵ء کو بمبئی روانہ ہو گئے، مرتضیٰ محمد میاں عزیز گل، مطلوب الرحمن خان محمد اور دوسرے لوگ ان کے ہمراہ تھے، اس سے پہلے جانے والے حاجیوں کا جہاز سید ہادی حسن اور حیدر آباد سندھ کے ڈاکٹر شاہ بخش کو جدّہ لے جا چکا تھا یہ لوگ مکہ میں پارٹی سے مل گئے تھے مکّہ میں وارد ہوتے ہی انہوں نے خفیہ جلسے شروع کر دیئے جن میں جماعت کے منصوبوں پر غور و خوض کیا جاتا تھا۔

عبدالحق نے سب کچھ اگل دیا:

ریشمی خطوط میں جو تفصیلات دی گئی تھیں وہ ان اطلاعات پر پوری اترتی تھیں جو سی آئی ڈی کے ڈائرکٹر کو حاصل تھیں پھر قاصد عبدالحق کو آمادہ کیا گیا کہ وہ سازش سے اپنے تعلق کے بارہ میں مکمل بیان دے اور سازش کے بارہ میں جو باتیں اسے معلوم ہیں سب بیان کر دے۔

سازشیوں کے خلاف کارروائی کی تجویز:

استغاثہ میں ۵۹ سازشیوں کے نام شامل کئے گئے ہیں ان میں سے دو سازشی نمبر ۷ ونمبر ۱۱ وفات پا چکے ہیں سازشی نمبر ۴، ۸، ۱۷، ۳۰، ۴۸، ۵۰ اور ۵۱ سلطانی گواہ بن گئے ہیں اور ۲۵ مفرور ہیں آخر الذکر (یعنی مفرورین) میں سے ہر شخص کے خلاف کیونکہ ریکارڈ موجود ہے اس لئے ضابطہ فوجداری کی دفعہ ۵۱۲ کے تحت ان سب کے خلاف بہ استثنا نمبر ۱۹، ۵۶ شہادتیں پیش کی جائیں گی استغاثہ کی تجویز ہے کہ باقی ماندہ لوگوں میں سے نمبر ۲، ۳، ۵، ۶، ۹، ۱۳، ۱۵، ۱۶، ۱۸، ۲۰، ۲۱، ۲۴، ۳۱، ۳۲، ۳۹، ۴۰، ۵۲، ۵۵، ۵۷، ۵۱ اور ۵۹ کے خلاف کارروائی کی جائے۔۔۔الخ اے ڈبلیو میرسیر۔سپرنٹنڈنٹ پولیس سی آئی ڈی (پولٹیکل) پنجاب۔ یہ چند اقتباسات سپرنٹنڈنٹ پولیس کے بیانات سے لئے گئے جو انہوں نے عدالت کے سامنے دیئے تاکہ پڑھنے والوں کو تحریک کا اندازہ ہو جائے کہ یہ تحریک کس نوعیت کی تھی، مکمل ریکارڈ تحریک شیخ الہند مصنف حضرت مولانا محمد میاں صاحب میں ملاحظہ فرمائیں۔

پولیس اپنی اس ہوشیاری کے باوجود ایسا مواد فراہم نہ کرسکی جو ایسے بڑے سازشی کیس میں ضروری تھا اسی وجہ سے ان حضرات پر باقاعدہ مقدمہ نہیں چلایا جاسکا مختلف آرڈیننسوں اور آرڈروں کے ماتحت کچھ عرصہ نظر بند رکھ کر چھوڑ دیا، باقاعدہ سزا کسی کو بھی نہیں ہوئی بقول مصنف تحریک شیخ الہند۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن کی گرفتاری:

اسی (یعنی جنگ کے) درمیان میں شریف حسین نے ترکی کے خلاف بغاوت کر دی (کیونکہ وہ ترکی کی طرف سے حجاز کا حاکم تھا) اور سلطنت عثمانیہ کو ختم کر کے حجاز میں انگریزوں کی مدد سے اپنی حکومت قائم کر لی، حکومت برطانیہ شیخ الہند اور ان کے رفقاء سے پہلے ہی بدظن تھی اور انکی گرفتاری کے لیے موقع کی منتظر تھی اب شریف حسین انگریزی حکومت کا آلہ کار تھا، شریف حسین نے حسبِ ہدایت برطانیہ شیخ الہند اور ان کے رفقاء کی گرفتاری کا جواز پیدا کرنے کیلئے شیخ الہند سے ایک محضر (لکھا ہوا کاغذ) پر دستخط کرانے کیلئے کہا، جس پر علماء عرب کے دستخط تھے اور اس محضر (فتاویٰ) میں ترکوں کی تکفیر کی گئی تھی، شیخ الہندؒ نے جواباً کہا کہ میں مکہ معظمہ کا مکین نہیں ہوں دستخط کرنا درست نہیں لیکن شریف حسین نے گرفتاری کے لئے دستخط نہ کرنے کا بہانہ یا جواز تلاش کیا تھا لہٰذا شیخ الہند کو مع ان کے رفقاء گرفتار کرنے کا حکم صادر کر دیا، یہ گرفتاری ۲۴ رصفر ۱۳۳۵ھ مطابق ۲۰ ردسمبر ۱۹۱۶ء عمل میں آئی اور قریباً ایک ماہ حراست میں رکھنے کے بعد ۱۳ رجنوری ۱۹۱۷ء کو بذریعہ خدیوی جہاز سویز بھیج دیا (باقی آئندہ) پہلے جنگ کا نقشہ۔

جنگ عظیم (۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء)

یہ جنگ کیوں ہوئی؟

۲۸ رجون ۱۹۱۴ء کو مملکت آسٹریا کے تاج وتخت کے ولی عہد کو سرجیو کے مقام پر قتل کر دیا گیا، آسٹریا نے سربیا کو اس قتل کا ذمہ دار قرار دیا اور اس کے خلاف ۲۸ رجولائی ۱۹۱۴ء کو اعلان جنگ کر دیا، روس عرصہ سے سربیا کا حامی اور سرپرست تھا اس نے اپنی فوجوں کو تیاری کا حکم دیا، جرمنی نے روس کو منع کیا روس کے نہ ماننے پر اس کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ فرانس روس کا حلیف (حامی) تھا جرمنی نے اس کے خلاف بھی اعلان جنگ کر دیا اور فرانس پر حملہ کرنے کے لئے بلجیم سے راستہ مانگا، برطانیہ نے جرمنی کو الٹی میٹم دیدیا کہ وہ بلجیم سے راستہ نہ طلب کرے جرمنی کے کچھ جواب نہ دینے پر برطانیہ نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، بعد میں جاپان نے بھی جرمنی کے خلاف

جنگ کا اعلان کیا، ۱۹۱۷ء میں امریکہ بھی شریک ہوگیا، برطانیہ اور اس کے ساتھیوں کا نام اتحادی رکھا گیا، نومبر ۱۹۱۴ء ترکی بھی جرمنی کی طرف سے جنگ میں شریک ہوگیا جرمنی کی فوجی طاقت کا اس وقت ایک عالم لوہا مانتا تھا، شروع شروع میں جو بھی جرمنی کے سامنے آیا منہ کی کھانی پڑی، ترکوں نے جنگ میں داخل ہوتے ہی انور پاشا کی قیادت میں کوہِ کاف کے علاقوں پر زبردست حملہ کیا لیکن اس کو پسپا ہونا پڑا۔

اتحادیوں نے قسطنطنیہ پر قبضہ کر کے ترکی کو جنگ سے خارج کرنے کا پروگرام بنایا ترکوں نے اپنی روایت شجاعت اور دلیری کو قائم رکھتے ہوئے اتحادیوں کو شکست فاش دی لیکن میسوپٹامیہ میں ہندوستان کی ہندو مسلم فوجوں (یعنی زیر قیادت برطانیہ) اور عربوں کی بغاوت سے ترکوں کو شکست پر شکست کا سامنا کرنا پڑا، اسی دوران انگریزوں نے شہر بیت المقدس پر قبضہ کر کے ترکوں کو وہاں سے نکال دیا، (یہی وہ دن تھا جس دن عربوں نے ترکی کے خلاف بغاوت کر کے انگریز کا ساتھ دیا تھا، اور آج تک بیت المقدس پر اسرائیل کا قبضہ ہے) اس کے بعد شام اور حلب پر بھی فرانس نے قبضہ کرلیا، انگریزی افواج عراق اور موصل تک بڑھ آئیں ۱۹۱۷ء موسم بہار میں فرانس کے جنرل البزی نے دریائے دن کو عبور کرلیا اور جنرل البزی کی سوار فوجوں نے ترکوں کے لئے مغرب کی طرف پیچھے ہٹنا ناممکن کر دیا، مشرق کی طرف امیر فیصل (شریف حسین والی حجاز کا بیٹا) اور کرنل لارنس کی قیادت میں تعاون کرنے والے عربوں نے راستہ کاٹ دیا اکتوبر ۱۹۱۷ء کے آخر میں جنرل البزی اپلو میں داخل ہوا اور فلسطین کی فتح مکمل ہوئی آخر کار ۳/اکتوبر ۱۹۱۸ء کو مڈلاس کے مقام پر عارضی صلح کی بات چیت کا آغاز ہوا اور اسی دن ترکی کی جنگی سرگرمیاں ختم ہوگئیں۔



تحریک خلافت یعنی ترکی کو بچانے کی تحریک

(یہ تحریک کیوں چلی؟ کیا اسباب تھے؟ کیا کھویا اور کیا پایا؟)

۲/نومبر ۱۹۱۴ء کو حکومت ہند برطانیہ نے ایک سرکاری اعلان شائع کیا جس کی اشاعت اعلان جنگ کے ساتھ قصبہ وقریہ میں کی گئی، ہندوستان کے مسلمانوں کو یقین کر لینا چاہیے کہ ہم یا ہمارے اتحادی اس جنگ میں کوئی ایسی بات نہ کریں گے جس سے ان کے مذہبی جذبات وخیالات کو ٹھیس لگے اسلام کے مقدس مقامات بے حرمتی سے محفوظ رہیں گے اور ان کی عزت وحرمت قائم رکھنے کی ہر ممکن احتیاط برتی جائے گی اسلام کے مقدس دارالخلافہ کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی ہم صرف ترکی وزراء سے لڑ رہے ہیں جو جرمنی کے زیر اثر کام کر رہے ہیں نہ کہ خلیفۃ المسلمین سے، وزیر اعظم برطانیہ مسٹر لائڈ جارج نے ۵/جنوری ۱۹۱۶ء کو ایک تقریر میں فرمایا ہم اس غرض سے نہیں لڑ رہے ہیں کہ ترکی کو اس کے دارالسلطنت یا ایشیائے کوچک زرخیز مما لک سے جہاں ترکی النسل لوگ آباد ہیں محروم کر دیں۔۔۔ایک طرف یہ اعلان ہو رہے تھے، دوسری طرف اتحادی فوجیں جزیرہ نما عرب کے کلیدی مقامات پر اُتاری جارہی تھیں، انگریزوں نے وعدہ خلافی کر کے جھٹ پٹ اپنی فوجیں بصرہ اور جدہ میں اُتار دیں، شریف مکہ انگریزوں کے جال میں پھنس گیا اور انگریز جاسوس کرنل لارنس کے اکسانے پر اس نے ترکوں کے خلاف بغاوت کر دی اور ترکوں پر لادینی کے الزامات عائد کیے۔ (جیسا کہ مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی گرفتاری میں گزر چکا ہے)

یہاں (ہندوستان میں) کسی کو اس معاملہ میں غلط فہمی نہ تھی شریف حسین کے لگائے ہوئے الزامات بے بنیاد تھے اور صرف انگریزوں کا پڑھا ہوا سبق دھرا رہا تھا جنگ کے دوران عرب دنیا کا بہت بڑا حصّہ اتحادیوں کے قبضہ میں چلا گیا۔

مملکت سعودیہ:

اس کا رقبہ ۲۱ر لاکھ مربع کلو میٹر ہے، اس کی آبادی ایک کروڑ ٹنی لاکھ ہے جس میں مسلمان سو فیصد ہیں، اس کا صدر مقام (اب) ریاض ہے یہ عالم اسلام کا مذہبی مرکز ہے ترکی کے سلطان سلیم خلیفہ اول جب تخت نشین ۱۵۱۲ء تا ۱۵۲۰ء ہوا تو مصر اور شام کی فتح کے بعد حجاز کے حاکم نے عثمانی سلطنت کی اطاعت قبول کر لی اور حرمین شریفین کی خدمت کا شرف حاصل ہوگیا، یہ سلسلہ تقریباً چار سو سال سے زائد تک جاری رہا، جنگ عظیم اول ۱۹۱۴ء شروع ہوتے ہی انگریزوں نے عربوں کو ورغلا کر ترکوں کے خلاف صف آراء کیا، حجاز کے ترک صوبہ دار شریف حسین جو ہاشمی خاندان کے فرد تھے نے ترکوں کے خلاف بغاوت کی، شریف حسین کی بدوی فوجوں سے مدینہ منورہ اور جدہ، طائف اور مکہ معظمہ پر حملہ کرایا گیا مگر یہ بدوی فوجیں ترکوں کی باقاعدہ فوجوں پر غالب نہ آسکیں، تو شریف حسین کی اس فرمائش پر کہ گولہ باری کی جائے (جو بین الاقوامی معاہدوں کے خلاف تھی) یہ حکم کیا گیا کہ اہل مکہ وجدہ سے ایک محضر پر دستخط کرا کر انگریزی بحری ذمہ دار کے پاس بھیجو کہ ہم کو ترکوں سے آزاد کراؤ ہم سخت مجبور ہیں چنانچہ اس پر عمل کیا گیا، جدہ ساحل پر آٹھ دن گولہ باری کی گئی اور اس کے بعد فوجیں اُتاریں گئیں پھر انہیں فوجوں سے مکہ معظمہ اور طائف پر چڑھائی کی گئی۔

عارضی صلح یا التوائے جنگ:

آپ نے برطانیہ اور حکومت برطانیہ کے اعلانات ملاحظہ کئے، ۳۰ر اکتوبر ۱۹۱۸ء کو رؤوف بے وزیر بحریہ (ترکی) اور برطانیہ کے امیر البحر کالتھراب کے دستخطوں سے حسب ذیل شرائط طے ہوئے۔(۱) درّہ دانیال اور باسفورس اور ان کے علاوہ وہ قلعے جو ان پر ہیں سب خالی کر کے اتحادیوں کے حوالے کر دیئے جائیں۔(۲) کل فوج غیر مسلح کر دی جائے (۳) تمام جہازات اتحادیوں کے حوالے کر دیئے جائیں (۴) اتحادیوں کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ فوجی نقطہ نظر سے جو بھی مقام وہ اہم سمجھیں اس پر قبضہ کر لیں (۵) ترکی ریلوں کا انتظام اتحادیوں کے ہاتھ میں رہے گا (۶) تمام ترک بندرگاہ اتحادیوں کے لئے کھول دیئے جائیں گے (۷) تمام تارکی لائنیں اتحادیوں کے اقتدار میں دے دی جائیں گی (۸) ترک افواج کے جو لوگ گرفتار ہو گئے ہیں وہ سب قید رہیں گے (۹) اتحادی فوج کے جو لوگ گرفتار ہوئے ہیں وہ فوراً رہا کر دیئے جائیں گے۔۔۔الخ اب کل اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لے کر قسطنطنیہ پر انگریزوں نے قبضہ کر کے ترکان احرار کے سربر آوردہ لوگوں کی تلاش ہوئی کہ ملیں تو فوراً تہہ تیغ کر دیئے جائیں عارضی صلح کی شرائط سے ہندوستان کے مسلمانوں کو بڑی مایوسی ہوئی، اب ان کو اندازہ ہوا کہ مستقل صلح جب ہوگی تو نہ ترکی باقی رہے گا نہ خلیفۃ المسلمین نہ اماکن (مقدس مقامات) نہ فلسطین نہ بیت المقدس۔

آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس:

۹ر جنوری ۱۹۱۹ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس منعقد ہوا، اس کی مجلس استقبالیہ کے صدر ڈاکٹر مختار احمد انصاری تھے، انہوں نے ایک ایسا جامع پر مغز اور حق گوئی اور بے باکی سے مَملُو (بھرا ہوا) خطبہ دیا جسے تمام ہندوستان کی توجہ ادھر مبذول ہوگئی، حضرات ہم آج ایک

نہایت نازک زمانہ میں اس جگہ جمع ہوئے ہیں، وہ جنگ عظیم جس میں مشرق ومغرب کی قومیں مبتلا تھیں اور جدال وقتال کی وہ گرمی بازار تو ختم ہوگئی لیکن باوجودیکہ جنگ ختم ہوگئی اب ہمارے تردد دات کی یہ ابتداء ہے کیسے کیسے اہم معاملات کا فیصلہ ہونے والا ہے اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ مجلس صلح کے آخری فیصلے ایک طویل مدت کیلئے طے کردیں گے کہ حیات انسانی کی تاریخ کیونکر لکھی جائے مسلمانوں کے لئے یہ زمانہ خاص طور پر تشویش پیدا کرنے والا ہے، یہ صورت تیرہ سو برس کی تاریخ میں جومدّ وجزر (اُتار چڑھاؤ) سے خالی نہیں مسلمانوں کو کبھی پہلے پیش نہ آئی تھی جو آج نظر کے سامنے ہے۔

اسلامی سلطنتوں کا وہ غیر منقطع سلسلہ جو کبھی بحراوقیانوس کے سواحل (یعنی امریکی سمندر کے کنارے) سے سلطنت چین کی حدود تک پھیلا ہوا تھا ٹکڑے ٹکڑے ہوکر اب برائے نام باقی رہ گیا۔۔ تاریخ میں مسلمہ واقعہ ہے کہ ۹۱۸ھ مطابق ۱۵۱۸ء میں آل عباس کے آخری خلیفہ محمد عباس نے جو مصر میں تھے جمہور اسلام کی رضامندی اور اجازت سے منصب خلافت وعالم اسلامی کی روحانی حکومت کو سلطنت عثمانیہ کے حکمران سلطان سلیم اعظم کی طرف منتقل کردیا، اس منصب جلیلہ کے نشانات یعنی رسول مقبول ﷺ کی تلوار علَم اور جبہ مبارک بھی خاندان عثمان کے پہلے خلیفۃ المسلمین کو سپرد کردیئے گئے اور وہ ان تبرکات کو استنبول (ترکی) لے آئے ساتھ ہی محمد عباس نے خود بھی وہیں اقامت اختیار کرلی، اس دن سے سلطنت عثمانیہ کا تاجدار خلیفۃ المسلمین سلطان الاسلام اور خادم الحرمین الشریفین کے مختصر خطابات سے یاد کیا جانے لگا اور اسی دن سے آج تک دنیا کے تمام مسلمان شاہانِ آل عثمان کو اپنا روحانی امام اور پیغمبر خدا ﷺ کا جانشین مانتے رہے نہ صرف مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ حرم محرم بلکہ دنیا کے ہر گوشہ میں جہاں اسلام کا نام لیا جاتا ہے ہر جمعہ اور عیدین کے خطبوں میں ان کے جاہ واقبال اور ان کی فتح ونصرت کے لئے دعائیں مانگی جاتی رہی ہیں۔

اس دن سے آج تک کسی شریف مکہ نے کبھی شاہانِ روم (یعنی ترکی) کے اقتدار کے متعلق انحراف نہیں کیا خود (موجودہ) شریف شاہ حسین سلطان المعظم کو مسلمانوں کا جائز خلیفہ اور خادم الحرمین الشریفین تسلیم اور دینی اطاعت کا اعتراف کرتا رہا لیکن جنگ یورپ کے دوران اپنے موہوم (وہمی) ذاتی اور ناجائز نفسانی خواہشات کی وجہ سے خلیفہ اسلام کے خلاف جن کی خلافت کا وہ خود اور تمام عالم اسلامی اقرار کرچکا تھا، علم بغاوت بلند کیا اس بغاوت میں نہ صرف اخلاقی قوانین کی توہین کی گئی ہے بلکہ اسلامی عقیدہ اور مذہبی تعلیم کی روح سے خدا اور رسول کے صاف وصریح احکام کے خلاف ورزی کا ارتکاب کیا، اس خطبہ نے مسلمانوں کے دلوں میں ایک آگ روشن کردی۔
(ماخذ تحریک خلافت مصنف قاضی محمد عدیل عباسی)

رولٹ بل:

قاعدہ ہے کہ جنگ کے ختم ہونے کے بعد دشمن کا خطرہ ٹل جاتا ہے تو لڑائی کے زمانے کے قوانین اور ضابطوں کو نرم کردیا جاتا ہے اور عوام پر سے پابندیاں اٹھالی جاتیں ہیں لیکن حکومت کا ارادہ اس سے الٹ تھا۔

رولٹ بل کا مختصر تجزیہ:

(۱) حکام کو اختیار دیدیا گیا کہ جس شخص سے چاہیں ضمانت ومچلکہ یا صرف ضمانت طلب کریں (۲) جس شخص کو چاہیں حکم دے کر اس کو کسی جگہ نظر بند کردیں (۳) امتناعی احکام بعض معمولی حالات میں بھی جاری کرنے کے احکام مجاز قرار دیئے گئے مثلاً اخبار نویسی پرچے

تقسیم کرنا جلوس یا جلسے میں شریک ہونے (۴) حکام کسی شخص کو حکم دے سکتے تھے کہ وہ اپنی موجودگی کی رپورٹ پولیس میں اوقات معیّنہ پر درج کرائے (۵) حکام جس کو چاہیں بلا وارنٹ اور بلا فرد جرم بتائے گرفتار کرلیں (۶) حکام جس کو چاہیں بلا عدالت کی سزا کے قید رکھیں (۷) جو ہندوستانی مکہ سے باہر ہیں ان کا ہندوستان میں داخلہ ممنوع قرار دیدیں (۸) اگر کسی کے قبضہ میں کوئی ضبط شدہ کتاب یا مضمون پایا جائے خواہ وہ بیچنے یا نشر کرنے کا ارادہ نہ رکھتا ہو محض قبضہ میں پائے جانے کیوجہ سے مستوجب سزا ہوگا۔ رولٹ ایکٹ حکومت کی بدعہدی کا ایک نشان اور ایجی ٹیشن کا فوری نشانہ بن گیا یہ بل فروری ۱۹۱۹ء کو شائع ہوا، مہاتما گاندھی ابھی بیماری سے اٹھے تھے اور احمد باد میں اپنی کمزوری کا علاج کرا رہے تھے وہ سخت بے چین ہوئے، گاندھی جی نے اس کے خلاف پر امن جدو جہد ستیا گرہ کا ایک نیا اور اچھوتا طریقہ پیش کر دیا ، ۲۴/فروری کو ۲۵ لیڈروں کی ایک کانفرنس ہوئی جنہوں نے ستیا گرہ کے حلف نامے پر دستخط کر دیئے۔ ۶/اپریل ۱۹۱۹ء کا دن اس کی تجاویز پر عمل درآمد کے لئے مقرر کیا گیا، پروگرام یہ تھا کہ لوگ دن بھر بھوکے رہیں اور شام کو کسی مقام پر جمع ہوکر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں ،لوگ ننگے سر اور ننگے پاؤں مجمع میں جائیں اور تمام کاروبار بند رکھیں، گاندھی جی کا ارشاد تھا کہ اس ستیا گرہ میں بھوکے رہنا اور کاروبار بند رکھنا نہایت ضروری ہے اس سے ہماری روحانی طاقت بڑھے گی اور اس کے بڑھنے سے ہمارے دلوں سے سچی باتیں نکلیں گی اور وہ بلا شبہ خداوندتعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہونگی۔

جلیاں والا باغ :

گاندھی جی پنجاب کا دورہ کرنے کے لئے پنجاب کے مشرقی سرحد کے آخری ریلوے سٹیشن پلول پہنچے تو ان کو پولیس کی حراست میں بمبئی واپس بھیج دیا گیا ان کی گرفتاری کی خبر سے تمام ملک میں شورش پیدا ہوگئی ،اگلے دن ۱۰/اپریل ۱۹۱۹ء کو امرتسر کے ڈپٹی کمشنر نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے دو بڑے لیڈروں ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر ستیا پال کو اپنے بنگلے پر بلایا اور فوراً گرفتار کرکے دھرم سالہ روانہ کردیا، اس پر ایک مشتعل ہجوم ڈپٹی کمشنر کے بنگلے کی طرف چل پڑا، راستے میں فوج نے اس پر گولی چلادی غصّے میں بھرے ہوئے لوگوں نے شہر میں پانچ انگریز قتل کر دیئے دو بنک لوٹ لیے اور چار عمارتوں کو آگ لگا دی ،اس پر امرتسر شہر کو فوج کے حوالے کر دیا، ۱۲/اپریل کو شہر میں جلسے اور جلوس پر پابندی لگا دی مگر اس حکم کا جگہ جگہ اعلان نہ کیا گیا، ۲۴ گھنٹے پانی اور بجلی کی سپلائی بند رہی ، ۱۳/اپریل تیسرے پہر جلیاں والا باغ میں (جس کو سانحہ جلیاں والا باغ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے) جلسہ عام کرنے کا اعلان کر دیا گیا، یہ کوئی باغ نہ تھا بلکہ اونچی نیچی دیواروں سے گھرا ہوا ایک نیچا اور خالی میدان تھا، جب جنرل ڈائر کو جلسہ کی اطلاع ملی تو وہ فوراً فوج کا ایک دستہ جو ۹۰ سپاہیوں پر مشتمل تھا لے کر جلیاں والا باغ پہنچا اور اس کو اونچی جگہ کھڑا کر کے گولی چلانے کا حکم دیدیا فائرنگ کا رخ مجمع کے گنجان حصّوں کی طرف رہا اور فائرنگ اس وقت بند ہوئی جب گولیاں ختم ہوگئیں، سرکاری بیان کے مطابق ۳۷۹ لوگ ہلاک اور ۱۲۰۰ سو زخمی ہوئے دوسرے لوگوں کے مطابق ہزاروں افراد ہلاک ہوئے، کرفیو کا وقت ہو چکا تھا سینکڑوں زخمی رات بھر وہیں پڑے کراہتے رہے کسی کی جرأت نہ تھی کہ زخمیوں کی امداد کی خاطر کرفیو کی خلاف ورزی کرتا، زخمیوں کی طبی امداد کے لئے کوئی بھی انتظام نہ کیا گیا، امرتسر پر موت کی خاموشی چھا گئی ، ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی اپنی کتاب ’’اقبال کے آخری دو سال‘‘ میں لکھتے ہیں سانحہ جلیانوالہ باغ نے پنجاب کو آگ اور خون کے ایسے سیلاب میں غوطہ دیا جس کے سحر آفریں اور انقلاب انگیز اثر سے ایک نیا ملک اور نئی قوم پیدا ہوئی۔

یونان کا حملہ:

عارضی صلح نامہ (جیسا کہ پیچھے گزرا ترکی اور اتحادیوں کے درمیان) نے ترکان احرار اور دنیائے اسلام کے دماغ میں ہلچل مچا رکھی تھی ابھی عارضی صلح نامہ کی سیاہی خشک نہ ہوئی تھی کہ مئی ۱۹۱۹ء میں ترکوں کے جانی دشمن یونانیوں کی ایک ڈویژن فوج اتحادی بحری بیڑے کی نگرانی میں ترکی علاقہ سمرنا میں اتر گئی اور وہ ترکوں کو قتل اور عمارتوں کا آگ لگاتے ہوئے اندرونی علاقوں کی طرف بڑھنے لگی یونانیوں کے مظالم کی خبریں سن کر برصغیر (ہندوستان) میں کہرام مچ گیا وہ عرصے سے (یعنی ہندوستان والے) انگریزوں کے غلام چلے آرہے تھے اور غلامی کی محرومیوں سے واقف تھے اس لئے وہ خلافت اور ترکی کے بچانے کے لئے سر پر کفن باندھ کر میدان میں نکل آئے ان حالات میں مسلمانوں نے ترکی اور خلافت کو بچانے کیلئے اجتماعی طور پر قدم اٹھانے کی ضرورت محسوس کی انجمن خدام کعبہ کے صدر مولانا عبد الباری فرنگی محلی نے ایک ملک گیر جماعت بنانے کی تجویز پیش کی، انہی دنوں بمبئی کے تاجران نے مجلس خلافت کے نام سے ایک جماعت قائم کی تھی اس جماعت کے قیام نے مولانا عبد الباری کو ایک نئی راہ دکھائی، ستمبر ۱۹۱۹ء کو لکھنؤ میں مسلمان لیڈروں کا ایک نمائندہ اجلاس ہوا، حکیم اجمل خان اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری نے بھی اس میں بڑی گرم جوشی سے حصّہ لیا، وہیں کل ہند خلافت کمیٹی کا قیام عمل میں آیا ، چنانچہ اسی سلسلہ کا ایک عظیم الشان جلسہ آل انڈیا مسلم کانفرنس کے نام لکھنؤ میں طلب کیا گیا جسمیں ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے ہر طبقہ خیال کے علماء (بغیر مولانا احمد رضا خان کے) زعماء شریک ہوئے سارے ملک میں اس کی شاخیں قائم کی گئیں۔

خلافت کمیٹی کے مطالبات:

تحریک خلافت کے بڑے بڑے مقاصد یا مطالبات یہ تھے (۱) خلافت عثمانیہ (ترکی) کو برقرار رکھا جائے (۲) ترکی کی علاقائی سلامتی کا تحفظ کیا جائے اور اس کی وہی حدود رہنے دی جائیں جو جنگ سے پہلے تھیں (۳) مقامات مقدسہ (یعنی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ) ترکوں کے پاس ہی رہیں۔

ابتدائی اقدامات:

خلافت کمیٹی کے تاسیسی جلسے میں ترکوں کے لئے یوم دعا منانے کی اپیل کی گئی جس پر سارے برصغیر (ہندوستان) میں عمل ہوا کمیٹی کی اپیل پر مسلمانوں نے ۲۷ ر اکتوبر ۱۹۱۹ء کو یوم خلافت منایا اس دن کاروبار بند رکھا، روزہ رکھا اور دعائیں مانگیں۔

۲۳ ر نومبر ۱۹۱۹ء کو خلافت کمیٹی کا اجلاس اور خلافت کانفرنس کا ایک جلسہ دلی میں بڑی دھوم دھام سے مسٹر فضل الحق (بنگالی) کی صدارت میں منعقد ہوا، مہاتما گاندھی بھی اس کانفرنس میں شریک ہوئے اس اجلاس میں صرف خلافت کمیٹی کے قائم مقام شریک کئے گئے جو تمام صوبوں سے آئے تھے، البتہ مہاتما گاندھی کو ان کی عظمت کی وجہ سے شریک جلسہ کیا گیا اور کچھ ان ہندو بزرگوں نے بھی شرکت کی تھی جنکو مسلمانوں نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا تھا۔

جمعیۃ العلماء ہند:

نومبر ۱۹۱۹ء میں خلافت کانفرنس کی تقریب سے تمام اقطاع ہند کے علماء کی ایک مقتدر جماعت جمع ہوگئی، خلافت کانفرنس کے

اجلاس سے فراغت کے بعد علماء موجودین نے ایک جلسہ منعقد کیا جس میں صرف علماء ہی شریک تھے، مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب کی تحریک اور مولانا منیر الزماں صاحب اور دیگر حاضرین کی تائید میں جناب فاضل علامہ حضرت مولانا عبدالباری صاحب اس جلسہ کے صدر قرار پائے اور کارروائی شروع ہوئی تو تمام حاضرین جلسہ نے بالاتفاق طے کرلیا کہ علماء کی ایک جمعیت قائم کی جائے اور اس کا نام جمعیۃ العلماء ہند رکھا جائے اور اس کے حلقے کو تمام ہندوستان کے لئے وسیع کردیا جائے، چنانچہ تمام حاضرین جلسہ نے اسی وقت جمعیۃ کی رکنیت منظور کرلی اور جمعیۃ العلماء ہند قائم ہوگئی ،مولانا ثناء اللہ صاحب کی تحریک اور دیگر حضرات کی تائید سے مولانا مفتی کفایت اللہ (دیوبندی) عارضی صدر اور مولانا احمد سعید (دیوبندی) ناظم بنائے گئے ،اس سے صاف طور پر نمایاں ہے کہ تمام علماء اسلام متحد و متفق ہوکر خلافت کانفرنس میں شریک ہوتے تھے اور ہر طرح کی امداد فرماتے تھے اس دور ابتلا (مشکل وقت) میں ہر طبقہ کے علمائے کرام ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوگئے تھے ،مثلا دیوبندی فکر کے مفتی کفایت اللہ اور مولانا احمد سعید صاحب ،اہل حدیث طبقہ کے مولانا ثناء اللہ صاحب امر تسری مولانا عبدالحکیم گیاوی مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی ،مولانا سعید احمد داوٗد غزنوی بریلوی جماعت کے مولانا سید احمد فاخر بےخود آلہ آبادی ،سجادہ نشین دائرہ شاہ اجمل۔معتدل طبقہ کے اور شمال ہند کے قدیم مرکز اسلام سے تعلق رکھنے والے مولانا عبدالباری فرنگی محلی (جو مولانا محمد علی جوہر کے پیرومرشد تھے) اور مولانا سلامت اللہ صاحب فرنگی محلی ،مولانا آزاد سبحانی ناظم مدرسہ الٰہیات کانپور ،علامہ سید سلمان ندوی ناظم ندوۃ العلماء اور مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بہاری ،الغرض ہندوستان کے مشاہیر علماء سالہا سال کے اختلاف اور گروہ بندیوں کو نظرانداز کرکے تحریک خلافت کے شانہ بشانہ کام کررہے تھے۔

اجلاس امرتسر:

دسمبر کے مہینے میں امرتسر (سانحہ جلیاں والاباغ) کے باشندوں کو اخلاقی امداد فراہم کرنے کی غرض سے وہاں مسلم لیگ (کانگریس) جمعیۃ العلماء ہند اور خلافت کانفرنس کے اجلاس منعقد ہوئے انہی دنوں مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بھائی مولانا شوکت علی (جو جنگ کے بعد نظر بند کردیئے گئے تھے) کو قید سے رہائی ملی تھی وہ فوراً امرتسر روانہ ہوگئے تھے راستہ بھر عوام نے ان کا پرجوش استقبال کیا ،خلافت کانفرنس کی صدارت مولانا شوکت علی نے کی ،اب مسلمانوں کے سوچنے کا انداز یہ تھا کہ خلافت مرکزیہ اسلامیہ کی بربادی جزیرۃ العرب کی شکست وریخت اور پوری دنیائے اسلام کی تباہی کی ذمہ داری برطانیہ پر ہے، طے پایا کہ مسلمانوں کا ایک وفد یورپ روانہ کیا جائے یہ وفد فروری ۱۹۲۰ء (انگلستان) برطانیہ روانہ ہوا، وفد نے یورپی اقوام کو خلافت اور ترکی کے بارے میں مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے اچھی طرح آگاہ کیا، معاملہ بحث وگفتگو کا نہ تھا، برطانیہ کو اپنی طاقت کا غرور تھا وہ ایک سوچی سمجھی اسکیم پر عمل درآمد کررہا تھا اور عرب روپیہ اور حکومت کی حرص میں مبتلا تھے، شریف مکہ (شاہ حسین) کو علاوہ اس کے کثیر رقم ملی تھی ایک صاحبزادے کو عراق کی بادشاہی اور دوسرے کو اردن کی بادشاہت کا وعدہ تھا، وفد زبانی اور قلمی جدوجہد کے بعد ناکام واپس لوٹا اس موقعہ پر محمد علی جوہر نے کہا کہ خود آزادی حاصل کئے بغیر ہم کسی اسلامی ملک کی عملی امداد نہیں کرسکتے۔

تحریک عدم تعاون یعنی ترک موالات:

(یعنی حکومت کے ساتھ تمام معاملات ختم کرنا) مولانا محمد علی جوہر نے ہندو مسلم اتحاد پر زور دیا اور لوگوں کو ہدایت کی کہ وہ متحد

ہوکرعدم تعاون کی تحریک کو کامیاب بنائیں مجلس خلافت کانفرنس پہلے ہی فیصلہ کر چکی تھی کہ اگر یورپی ملکوں کا فیصلہ ترکی حکومت اور ترکوں کے خلاف گیا تو وہ برطانوی مال کا بائیکاٹ کرے گی، دہلی میں لیڈروں کی کانفرنس ہوئی اس میں گاندھی جی حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لئے اپنے سیتہ گری فلسفے کے مطابق عدم تعاون کا ایک منصوبہ پیش کیا۔

(۱) سرکاری خطابات کی واپسی اور سرکاری عدالتوں کا بائیکاٹ (۲) تمام سرکاری محکموں سے استعفیٰ (۳) پولیس اور فوج سے علیحد گی (۴) حکومت کو ٹیکس دینے سے انکار۔

معاہدہ سیورے:

عارضی صلح کے بعد آخر کار مستقل صلح مختصر قتل ترکی بن کر بھی آ گیا مئی ۱۹۲۰ء ترکی کے ساتھ صلح نامہ کی شرائط کا اعلان کر دیا گیا، اس معاہدے کی رو سے ترکی کے تمام بیرون علاقے چھین لیے گئے درہ دانیال اور تمام دیگر درے بین الاقوامی کنٹرول کے حوالے کر دئیے گئے سمندر کے ہر راستوں سے منقطع ہو کر ترکی کو وسطی اناطولیہ دیا گیا، عرب صوبے انگلستان اور فرانس کے حکم برداری میں دیدیئے گئے ،استنبول بین الاقوامی شہر بن گیا، بحری جہاز ضبط کر لئے گئے ہوائی فوج رکھنے پر پابندی لگ گئی، بری فوج کی تعداد کم کر دی گئی ملٹری (فوجی) کالج بند کر دیئے گئے، اس اعلان صلح نے دنیائے اسلام میں ہل چل مچادی (برصغیر کی سیاست میں علماء کا کردار کے مصنف ڈاکٹر ایچ بی خان لکھتے ہیں) ۱۹۱۴ء جنگ شروع ہونے کے بعد برطانیہ نے اہل ہند کے بعض علماء سے جن میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی خاص طور پر شامل ہیں ترکی کے خلاف فتاویٰ بھی حاصل کر لئے تھے۔

وہ لکھتے ہیں کہ (مسلم لیگ ہائی کمان کے) چودھری خلیق الزمان نے بیان کیا ہے کہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی ترکی کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے تھے (جس کا فتویٰ آگے آرہا ہے) اور ترکوں کی مالی امداد کے بھی خلاف تھے یہی نہیں بلکہ انہوں نے کئی فتوے (تحریک خلافت کے محرک) مولانا عبدالباری پر کفر کے بھی صادر کیے ظاہر ہے کہ وہ کسی استفتاء پر جس میں خلافت عثمانی کو شریعت اسلامی کا ایک اہم ادارہ تسلیم کیا جائے دستخط نہ کرتے، علاوہ ازیں مولانا عبدالماجد بدایونی اور مولوی ریاست علی نے بھی ترکوں کے خلاف زہر افشانی کی ،وہ لکھتے ہیں کہ علی گڑھ گزٹ کے مطابق انہوں نے ترکوں کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا اور کہا کہ ترک ظالم ہیں اور غاصب ہیں ترک خلیفہ نہیں ہیں ان کا یہ بیان خادمان خلافت کی تمام جانفشانیوں اور عرق ریزیوں کو خاک میں ملانے کے مترادف (برابر) تھا الفاظ دیگر مسئلہ خلافت کو تیز چھری سے ذبح کرنا تھا (ص ۱۳۶) تحریک خلافت کے مصنف قاضی محمد عدیل عباسی کے بیان کے مطابق چودھری محمد علی لکھتے ہیں:

کہ ہندوؤں میں صرف گاندھی ہی وہ صاحب بصیرت شخص تھا جس نے محسوس کیا کہ تحریک میں مسلم عوام میں جو انتہاء طاقت پیدا کی ہے اس سے (سوراج) آزادی کی حمایت کے لئے استعمال کیا جاسکے تو ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد پیدا ہو جائے گا، چنانچہ اس نے ہندو عوام کی طرف سے مسلم مطالبات کی دوٹوک تائید کی اس کا مؤقف یہ تھا کہ ہندوؤں کے تعاون سے چلنے والی تحریک کا اصل مقصد تحفظ خلافت ہے اگر اس کے ذریعہ حکومت کو مفلوج کر دیا جائے تو سوراج (یعنی آزادی) کا مسئلہ خود بخود حل ہو جاتا ہے، گاندھی جی نے اب اپنی پوری اسکیم پیش کر دی تھی وہ کہتے تھے سچ بولو ہر کام کی بنیاد سچائی پر ہو، عورتیں چرخہ کاتیں، مرد کھدر بنیں، اس طرح جو اسٹھ کروڑ روپیہ باہر کپڑے کے لئے جاتا ہے بچ جائے گا، گورنمنٹ سے کسی قسم کا تعاون نہ ہو طلباء کالجوں یونیورسٹیوں سے نکل آئیں وکلاء وکالت چھوڑ دیں، پولیس

فوج دیگر ملازمین کی طرح استعفیٰ دیدیں گاندھی جی نے کہا کہ ہماری اسکیم پر لوگ عمل کریں تو ایک سال میں آزادی حاصل ہوسکتی ہے۔
(ماخذ تحریک خلافت مصنف قاضی محمد عدیل عباسی

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ کی قید و رہائی:

جیسا کہ آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں شریف مکہ شاہ حسین نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا، آپ اور آپ کے ساتھی سویز (مصر) بھیج دیئے گئے، مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نقش حیات میں تحریر فرماتے ہیں کہ ۲۲ربیع الاول کو سویز پہنچے وہاں سے گوروں کی حراست میں ہم کو قاہرہ ریل میں بھیجا گیا اور اسی دن عصر کے بعد ہم کو جیزہ کے سیاسی جیل (معتقل) میں داخل کر دیا گیا اور اگلے دن سے بیانات لینے کا سلسلہ شروع ہوا، بیان لینے والا شخص انگریز تھا اور اردو سلیس اور صاف بولتا تھا، پہلے ہمارا خیال تھا کہ ہماری گرفتاری فقط شریف مکہ کے فتوی پر دستخط نہ کرنے اور شریف کی شکایت کہ وجہ سے ہوئی ہے مگر بعد میں بیانات لینے اور سوالات کرنے اور بار بار کتابوں کو دیکھنے اور حوالہ دینے سے ظاہر ہوا کہ تحریکِ آزادی کی اُن جملہ کارروائیوں کی بناء پر ہوئی ہے جو کہ یاغستان کابل اور دیوبند وغیرہ میں مدتوں سے ہوتی رہی ہیں اور جن کی مخبری اپنوں اور پرایوں دونوں نے کی ہے شیخ الہند کے متعلق اس کے پاس ایک رجسٹر بہت بڑا تھا، الغرض جیزہ کی جیل (معتقل) میں تقریباً ایک ماہ رکھنے اور بیانات لے لینے کے بعد ۱۶رفروری ۱۹۱۷ء ہم کو مالٹا روانہ کر دیا گیا۔

(مکمل حالات کے لئے نقش حیات اور سفرنامہ اسیر مالٹا مصنف مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ملاحظہ فرمائیں)

مالٹا:

مالٹا ایک مختصر جزیرہ اور جہازوں کی بندرگاہ ہے تمام جزیرہ مالٹا کے نام سے مشہور ہے (جزیرہ اس کو کہتے ہیں جس کے چاروں طرف پانی یا سمندر ہو) جس میں بہت سے قصبے شہر اور دیہات ہیں، یہاں ایک وسیع قلعہ ہے جو قدیم زمانہ میں پہاڑ کھود کر بنایا گیا تھا، جس کی دیواریں اور خندقیں نہایت مضبوط و مستحکم ہیں اس قلعہ کو گورنمنٹ نے اسیروں کے لئے خاردار تاروں کے ذریعہ سے مختلف حصوں پر تقسیم کر کے ہر ایک حصہ کو مستقل محفوظ کیمپ بنا دیا ہے آخر ہم سب (مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا عزیز گل، مولانا وحید احمد، اور حکیم نصرت حسین) کو جیل خانہ میں پہنچا دیا گیا، جس میں پہلے سے تقریباً تین ہزار مختلف ممالک کے جنگی قیدی اسیر تھے حکیم نصرت حسین صاحب کا اسارت ہی کے دوران مالٹا (جیل) میں انتقال ہوگیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تقریباً ۳ربرس دو مہینے مالٹا میں (قید) رہ کر ہم روانہ ہوئے، روانگی کے وقت رخصت کرنے کیلئے تمام ترکی افیسر (جو کہ اس وقت تک رہا نہیں ہوئے تھے) صدر اعظم ترکی سے لیکر نیچے کے عہدے تک سب کے سب خود جمع ہو گئے، شیخ الاسلام شیر الدین آفندی نے خاص طور سے ہاتھ اُٹھا کر آواز سے دعا مانگنی شروع کی اور تمام آفیسروں نے ان کی موافقت کی آمین آمین کی آواز سے فضا گونج رہی تھی پھر سب نے نہایت تپاک سے آبدیدہ ہو کر (روتے ہوئے) رخصت کیا، مختصر یہ کہ ۲۰ر رمضان ۱۳۳۸ھ ۸رجون ۱۹۲۰ء ۳ربرس سات ماہ کے بعد بمبئی پہنچا کر ہم کو رہا کیا گیا، بمبئی پہنچنے پر خلافت کمیٹی نے زوردار استقبال کیا نعرہ ہائے تکبیر سے فضا کو گونجا دیا اور حضرت شیخ الہندؒ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور کار میں سوار کر کے اپنے قیام گاہ پر جس کو پہلے سے تجویز کر چکے تھے لے گئے چونکہ عدن میں جہاز ایک دن ٹھہرا تھا تو ہم کنارہ پر گئے

اور تین تار ہندوستان کو ایک حضرت حکیم محمد حسن کو دیوبند میں دوسرا ڈاکٹر انصاری کو دہلی میں تیسرا حکیم اجمیری کو بمبئی میں ہم نے دیدیا تھا ،جس سے تمام احباب کو اطلاع ہوگئی ،بمبئی کے دوروزہ قیام میں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی مرحوم بھی قیام گاہ پرتشریف لائے اورتنہائی میں سیاسیات حاضرہ پر دیرتک گفتگو فرماتے رہے اسی اثنا میں مہاتما گاندھی بھی تشریف لائے اور حضرت سے گفتگو کی ،بمبئی میں دوروز قیام فرماکر دہلی روانہ ہوئے ،۱۳رجون ۱۹۲۰ء کی صبح دہلی پہنچے ڈاکٹر مختار احمد انصاری کی کوٹھی پر قیام فرمایا شب کے آخری حصہ میں دہلی سے روانہ ہوئے ۲۶ررمضان کی صبح کو ۹ بجے دیوبند پہنچ گئے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی عام مقبولیت :

ایک وہ زمانہ تھا کہ نہ صرف بیگانے بلکہ شاگرد ،مرید اورعزیز واقارب کو یقین تھا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اوران کے ساتھیوں کو پھانسی دی جائے گی ورنہ کم ازکم حبس دوام بعبور دریا شور (یعنی عمر قید) کی سزا پائیں گے اس لئے مرید اورشاگردوں تک نے صرف تعلق ارادت اورشاگردی سے بھی انکار کردیا تھا بلکہ تعارف سے بھی منکر ہوگئے تھے اوراب یہ زمانہ بھی ان کے سامنے آگیا کہ جہاں بھی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ پہنچتے لوگ سروں پر بٹھاتے ہر ایک اسٹیشن پر عقیدت مند مخلصین کا ہجوم پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑتا ہے ،دہلی ،غازی آباد ،میرٹھ شہر ،میرٹھ چھاونی ،مظفر نگر ،دیوبند وغیرہ میں یہ حالت تھی کہ باہر لے جانے یاعوام کو زیارت کرانے کے لئے لوگوں کو سروں پر اٹھانا پڑا ،لوگ اسی مقبولیت کو دیکھتے اورانگشت بدنداں تھے کہ کیا سے کیا ہوگیا ،ذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ، يُعِزُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيُذِلُّ مَنْ يَّشَآءُ اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۔ یہ ہے فضل اللہ دیتا ہے اس کو جس کو چاہتا ہے۔

حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اسارت (قید) کی مشقتیں برداشت کرکے ہندوستان آئے تو ان کے جذبہ حریت (آزادی) اورانگریز دشمنی میں کوئی کمزوری یا کمی نہ تھی بلکہ ہندوستانی مارشل لا ،رولٹ ایکٹ کے نفاذ جلیاں والا باغ وغیرہ کے واقعات اورترکی مملکت کی تقسیم اور معاہدہ سیورے اورترکوں کے ساتھ انتہائی بے انصافیوں نے اس آگ کو اوربھی بھڑکا دیا تھا ،بمبئی میں اترتے ہی مولانا شوکت علی اور خلافت کمیٹی کے ممبروں وغیرہ سے ملاقات ہوئی ،مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی لکھنؤ سے اور مہاتما گاندھی احمد باد سے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کے لئے تشریف لائے تھے۔

شیخ الہند کا لقب :

حضرت کی تشریف آوری اورخلافت کمیٹی کی شرکت اورتائید اورآزادی ملک کی تڑپ اوراس راستہ میں جانبازی اوراستقلال واخلاص یہ امور ایسے نہ تھے کہ قلوب کو مسخر نہ کریں چنانچہ مسلمانوں کے قلوب آپ کی طرف نہایت اخلاص کے ساتھ جھک گئے اورعموماً لوگوں میں انتہائی محبت اورقبولیت جاگزیں ہوگئی ،ہندوستان کے مسلمانوں کو ایک قائد مل گیا ،ایک مسلمہ قائد جس کے آگے سب کی گردنیں جھکتی تھیں اورجس کا حکم سب کے لئے واجب التعمیل تھا چنانچہ خلافت کمیٹی کے زعماء نے آپ کے لئے شیخ الہند کا لقب تجویز کیا جوکہ ہرطرف اور ہرجماعت میں مقبول ہوگیا۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک پر مخالف گروہ کی شہادت :

فتاویٰ مظہری کے مصنف مفتی مظہر اللہ صاحب دہلوی کے صاجزادے احمد رضا خاں بریلوی کے مداح اور بریلوی جماعت میں نمایاں حیثیت رکھنے والے جناب پروفیسر مسعود احمد ایم،اے، پی،ایچ،ڈی،تحریر فرماتے ہیں:

اس (انگریز کے) نازک دور میں چند سیاسی اور غیر سیاسی جماعتیں وجود میں آئیں مگر ان کا کام صرف یہ تھا کہ خونخوار حاکموں کی آتش انتقام کو ٹھنڈا کیا جائے،حریّت پسندوں کا ایک عظیم گروہ تختہ دار پر لٹکایا جاچکا تھا ہر شخص سہما سہما سا نظر آتا ایسے نازک دور میں مطلق آزادی کے لئے کوشش کرنا موت کو دعوت دینا تھا۔۱۹۱۲ء میں جنگ بلقان (جس کا حال باب کے شروع میں گذر چکا ہے) کے المناک حادثے نے ۱۹۱۳ء میں واقعہ کانپور (مسجد کا کچھ حصہ گرانے پر مسلمانوں کی شہادت) نے حامیانِ ملت مسلمہ کو ایک نقطہ پر جمع کردیا تھا اور آزاد حکومت کے قیام کی جدوجہد ہونے لگی تھی،۱۹۱۳ء میں ہی نظارۃ المعارف کا قیام عمل میں آیا جس کے سرپرست شیخ الہند مولانا محمود حسن اسیر مالٹا تھے،آزاد حکومت کے قیام کے لئے افغانستان اور ترکی وغیرہ سے مدد لینے کی کوشش کی گئی چنانچہ اس مہم پر جمعیۃ الانصار دیوبند کے ناظم مولانا عبید اللہ سندھی کو افغانستان بھیجا گیا یہ ۱۹۱۵ء میں کابل کو ہجرت کر گئے وہاں سات سال رہے،۱۹۱۶ء میں (شیخ الہند) مولانا محمود حسن صاحب نے ریشمی خط کے ذریعہ آزاد مملکت کا خاکہ پیش کیا،اسی مقصد کے لئے (شیخ الہند) مولانا محمود حسن صاحب حجاز گئے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز عربوں سے مل کر حجاز پر ترکی اقتدار کا خاتمہ کرنے کی بھرپور کوشش کررہے تھے،ترکوں پر علماء حجاز اور علماء ہند کی طرف سے کفر کے فتوے لگائے جارہے تھے مولانا محمود حسن صاحب نے حجاز میں ترکی وزیروں سے بات چیت کی مگر اسی اثناء میں شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی،شریف مکہ نے ترکوں کے خلاف ایک محضر نامہ پر (شیخ الہند) مولانا محمود حسن صاحب کے دستخط کرانا چاہے مگر وہ روپوش ہوگئے جب باہر آئے تو گرفتار کرکے انگریزوں کے حوالے کیے گئے،۱۹۱۷ء میں قاہرہ (مصر) کے قریب ایک جیل میں نظر بند تھے،انگریز افسروں نے ''باغیانہ'' سرگرمیوں کے بارے میں استفسارات (سوال) کیے اور ایک دستاویز دکھائی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ مولانا محمود حسن صاحب سلطان (ترکی) ایران و افغانستان کو متحد کرکے ہندوستان پر اجتماعی حملہ کرکے آزاد حکومت کے قیام کیلئے کوشش کررہے تھے،بہرکیف ۱۵ / نومبر ۱۹۱۷ء کو مالٹا بھیج دیئے گئے جہاں انہوں نے قیدوبند کی صعوبتیں برداشت کیں،اسارت مالٹا کے بعد آپ ہندومسلم اتحاد کے داعی بن گئے۔

(فاضل بریلوی اور ترک موالات ص ۳۶،۳۷)

دراصل یہ کتاب جس کا حوالہ ہے مولانا احمد رضا خاں کی حمایت اور علماء دیوبند کی مخالفت میں لکھی گئی ہے کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ پروفیسر صاحب علماء دیوبند کا حمایتی ہے۔ان کو مجبوراً یہ سب لکھنا پڑا۔

حضرت شیخ الہند کا سفر علیگڑھ اور بنیاد جامعہ ملیہ:

تحریک خلافت کا زور تھا انگریزوں کی غداری سے لوگوں میں سخت برہمی تھی ترک موالات کا جوش تھا اس لئے چاہتے تھے کہ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی برطانیہ سے ترک تعلق کرلے مگر پرانے سرکار پرست ''ٹرسٹیاں''یونیورسٹی (یعنی یونیورسٹی میں وہ لوگ جو انگریزوں کے حامی تھے) کب اس کو گوارا کرسکتے تھے انہوں نے سخت مخالفت کی جس کے نتیجہ میں مولانا محمد علی جوہر اور ان کے ہم خیال لوگوں کے ساتھ طلباء یونیورسٹی کی ایک بڑی تعداد یونیورسٹی سے جدا ہوگئی اور آزاد درس گاہ قائم کرنے کیلئے جس میں کوئی مداخلت حکومت برطانیہ کی نہ ہو تیار کرنے

لگی ،اس تحریک کی بناء پر مسلم نیشنل مسلم یونیورسٹی قائم کرنے کی بنیاد ڈالی گئی جوکہ بعد میں جامعہ ملیہ کے نام سے موسوم ہوئی ،چونکہ زعماء (لیڈران) آزاد نیشنل یونیورسٹی نے جلسہ کرنا چاہا اور اہل الرائے کو دعوت دی اور حضرت شیخ الہند کو صدر بنانا چاہا حضرت اس وقت سخت بیمار تھے چلنا پھرنا ممکن نہ تھا ،خدام نے اس سفر کو تکلیف دہ ظاہر کیا دوسری طرف دعوت دینے والوں کا اصرار تھا کہ ہماری جدو جہد کی کامیابی کا مدار اس پر ہے کہ حضرت صدارت فرمائیں ،دیر تک فریقین کی گفتگو سننے کے بعد حضرت کا جواب حسبِ ذیل تھا۔

’’اگر میری صدارت سے انگریز کو تکلیف ہوگی تو اس جلسہ میں ضرور شریک ہونگا‘‘ ،چنانچہ صفر ۱۳۳۹ھ بمطابق ۲۹/اکتوبر ۱۹۲۰ء اجلاس کی تاریخ مقرر ہوگئی ۔۔۔اس موقعہ پر نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا میں اپنی متاع گم شدہ کو یہاں پانے کا امیدوار ہوں ،بہت سے نیک بندے ہیں ،جن کے چہروں پر نمازوں کا نور اور ذکر اللہ کی روشن جھلک رہی ہے لیکن جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدارا اٹھو اور اس امت مرحومہ کو کفار کے نرغہ سے بچاؤ تو ان کے دلوں پر خوف و ہراس طاری ہوجاتا ہے خدا کا نہیں بلکہ چند ناپاک ہستیوں (انگریزوں) کا اور ان کے سامان حرب وضرب (اسلحہ) کا ۔آپ میں سے جو حضرات محقق اور باخبر ہیں وہ جانتے ہونگے کہ میرے بزرگوں نے کسی وقت بھی کسی اجنبی زبان سیکھنے یا دوسری قوموں کے علوم وفنون حاصل کرنے پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا ہاں یہ بے شک کہا کہ انگریزی تعلیم کا آخری اثر یہی ہے جو عموماً دیکھا گیا ہے کہ لوگ نصرانیت کے رنگ میں رنگے جائیں یا ملحدانہ گستاخیوں (کفریہ باتوں) سے اپنے مذہب اور مذہب والوں کا مذاق اڑائیں یا حکومت وقت کی پرستش کرنے لگیں تو ایسی تعلیم پانے سے ایک مسلمان کیلئے جاہل رہنا اچھا ہے۔

علیگڑھ کے مذکورہ جلسہ کی صدارت اور جامعہ ملیہ کے سنگِ بنیاد کی فراغت کے بعد دہلی واپسی اور اجلاس جمعیۃ العلماء ہند ۔۔۔

سالانہ اجلاس دوم۔

دورِخلافت وترک موالات :

تجاویز اجلاس دوم جمعیۃ العلماء ہند زیر صدارت شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ العزیز ۷،۸،۹/ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کو دہلی میں ہوا ،ہندوستان ،بنگال ،سندھ ،صوبہ سرحد غرض ہر گوشہ ملک کے نمائندے علماء کرام موجود تھے جمعیۃ العلماء ہند کا یہ جلسہ مسلمانوں کو توجہ دلاتا ہے کہ وہ احکام شرعیہ کا پورا احترام اور عمل کرنے کی دل سے سعی کیا کریں جمعیۃ العلماء ہند کا یہ اجلاس کامل غور وفکر کے بعد مذہبی احکام کے مطابق اعلان کرتا ہے کہ موجودہ حالات میں گورنمنٹ برطانیہ کے ساتھ ،موالات اور نصرت کے تمام تعلقات معاملات رکھنے حرام ہیں جس کے ماتحت حسب ذیل امور بھی واجب العمل ہیں (۱) خطابات (یعنی تمغہ ہائے) اور اعزازی عہدے چھوڑ دینا (۲) کونسلوں کی ممبری سے علٰیحدگی اور امیدوار کیلئے رائے نہ دینا (۳) دشمنانِ دین کو تجارتی نفع نہ پہونچانا (۴) کالجوں اسکولوں میں سرکاری امداد قبول نہ کرنا اور سرکاری یونیورسٹیوں سے تعلق قائم نہ رکھنا (۵) دشمنانِ دین کی فوج میں ملازمت نہ کرنا اور کسی قسم کی فوجی امداد نہ پہنچانا (۶) عدالتوں میں مقدمات نہ لے جانا اور وکیلوں کے لئے ان مقدمات کی پیروی نہ کرنا۔

شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے چند کلمات

آپ رنجیدہ نہ ہوں تو میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کا علم وتدین اگر اب بھی عالم اسلامی کے خوفناک مصائب سے آنکھ بند کئے رکھنے

کی اجازت دیتا تو آج دنیا ہماری غیرت ایمانی اور شرافت انسانی دونوں کے بیک وقت دفن کیے جانے پر ماتم کناں ہوتی، میں اس وقت آپ سے رخصت ہو رہا ہوں جو کچھ کہنا تھا خطبہ صدارت میں کہہ چکا ہوں۔

اگر اس وقت بھی ہم نے غفلت اور تن آسانی اختیار کی شاید عافیت حاصل کرنے کا یہ آخری موقعہ ہوگا جس کو ہم جان بوجھ کر اپنے ہاتھوں سے کھوئیں گے، کچھ شبہ نہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کی ہم وطن اور ہندوستان کی سب سے زیادہ کثیر التعداد قوم کو کسی نہ کسی طریق سے آپ کے ایسے پاک مقصد کے حصول میں مؤید (حمایتی) بنا دیا ہے، کیونکہ میں جانتا ہوں کہ صورت حال اگر اس کے خلاف ہوگی تو وہ ہندوستان کی آزادی کو آئندہ ہمیشہ کے لئے ناممکن بنا دے گی، اب آخر میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ جلّ شانہ ہم کو اور آپ کو نیکی اور سمجھ دے اور ہمارے دلوں کو سیدھا کرنے کے بعد کج نہ کرے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین، برحمتک یاارحم الراحمین آپ کا دعا گو اور خیر اندیش محمود حسن عفا اللہ عنہ ۹ ربیع الاول ۱۳۳۹ھ ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء۔

تحریک خلافت میں کانگریس کی شمولیت:

معلوم ہونا چاہیے کہ کانگریس میں صرف ہندو ہی نہیں بلکہ مسلمان اور دوسری قومیں بھی شامل تھیں، گاندھی جی عدم تعاون کو ملک کے لئے راہ نجات قرار دے چکے تھے، ستمبر ۱۹۲۰ء کانگریس کا خصوصی اجلاس کلکتہ میں منعقد ہوا ہے۔ لالہ جپت رائے جو ابھی امریکہ سے آئے تھے اس اجلاس کے صدر مقرر ہوئے۔ یہ جلسہ خصوصیت سے اسلئے منعقد ہوا تھا کہ مسئلہ خلافت پر بحث وگفتگو کی جائے اور کانگریس اپنے رواجی راہِ عمل (یعنی حکومت سے تعلق) ترک کرکے اب راست اقدام اور ترک موالات میں قدم رکھے اس میں ہندو لیڈروں نے تجویز کیا کہ عدم تعاون کے مقاصد میں سوراج (آزادی) کو بھی شامل کرلیا جائے مسلمانوں نے اس تجویز کو قبول کرلیا اس طرح خلافت کمیٹی اور کانگریس کے مقاصد اور پروگرام مشترک ہو گئے، یہ فیصلہ کانگریس کے سالانہ اجلاس کی توثیق کا محتاج تھا جو دسمبر ۱۹۲۰ء کے آخر میں ناگپور میں ہوا کھلے اجلاس میں عدم تعاون کی قرارداد سی، آر داس نے پیش کی اس کے خلاف تقریر کرنے والے صرف اور صرف محمد علی جناح تھے ان کا خیال تھا کہ یہ پروگرام افراتفری اور فساد کو دعوت دینے کے برابر ہے، اس کا توڑ کرنے کیلئے مولانا محمد علی جوہر کو آگے بڑھایا گیا قرارداد کی منظوری کے بعد محمد علی جناح نے کانگریس کی رکنیت سے استعفیٰ دے دیا۔ (باقی آئندہ پہلے جناب احمد رضا خاں بریلوی)

جناب احمد رضا خاں بریلوی تحریک کی مخالفت میں

جناب احمد رضا خاں بریلوی کے پیرو پروفیسر مسعود احمد صاحب تحریر کرتے ہیں:

پہلی جنگ عظیم (جس کا اوپر حال گزرا ہے) کے بعد جب مسلمانوں کی طرف تحریک خلافت (ترکی کو بچانے) کا آغاز ہوا تو حالات نے نیا رخ اختیار کیا، اس تحریک میں مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری، مولانا ظفر علی، مولانا حسرت موہانی وغیرہ مشاہیر ملت شامل تھے، اسی زمانے میں انڈین نیشنل کانگریس نے مسٹر گاندھی کے ایما پر ترک موالات کی تحریک شروع کی، کانگریس کا قیام اگرچہ ۱۸۸۵ء میں عمل میں آگیا تھا مگر اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ حاکم ومحکوم کے تعلقات کو استوار کرے اور بس، بعد میں کامل آزادی کا مطالبہ کیا گیا، الغرض ۱۹۲۰ء میں کانگریس کے قوم پرست ہندو، مسلمان، اور تحریک کے داعی اپنے مشترکہ دشمن انگریز کے

خلاف متحد ہو گئے، ہر شخص ترک موالات پر تلا ہوا نظر آتا تھا، مخالفت کی کسی کو جرأت نہ تھی (ص ۳۸) فاضل بریلوی (یعنی جناب احمد رضا خاں) نے ترک موالا ت کے نتیجے میں "ہندو مسلم اتحاد کو جو وطینت پرستی اور دین سے بے خبری پر مبنی تھا سخت مخالفت فرمائی، یہ وہ زمانہ تھا جب ترک موالات کے خلاف آواز اُٹھانا خود کو انگریز حاکموں کا حمایتی ظاہر کرنے کے مترادف (برابر) تھا مگر فاضل بریلوی (جناب احمد رضا خاں) نے اظہار حق میں ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پروانہ کی اور فقیہانہ شان کے ساتھ اپنے فیصلے صادر فرمائے۔۔۔الخ۔

(ماخوذ ترک موالات فاضل بریلوی مصنف پروفیسر مسعود ص ۴۶ رضا پبلی کیشنز لاہور تاریخ طباعت ۱۵/اپریل ۱۹۷۸ء)

پروفیسر مسعود احمد کی مذکورہ تحریر کا خلاصہ:

مثلاً (۱) اس تحریک میں مشہور مسلمان لیڈر شامل تھے (۲) ہندو اور مسلمان انگریز کے خلاف ایک ہو گئے (۳) مخالفت کی کسی کو جرأت نہ تھی (۴) اس کے خلاف آواز اٹھانا انگریزوں کا حمایتی ظاہر کرنے کے برابر تھا۔ جناب پروفیسر مسعود احمد صاحب دوسری جگہ پر لکھتے ہیں:۔ جن متدین علماء نے مخالفت کی ان میں سرفہرست اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا نام نامی نظر آتا ہے۔

(ترک موالات: ص ۲۷)

تحریکِ خلافت کے خلاف جناب احمد رضا خاں بریلوی کا فتویٰ

فتوے کا سوال:

جناب احمد رضا خاں بریلوی نے ۱۲/ربیع الاول ۱۳۳۹ھ میں حسبِ ذیل رسالہ تحریر فرمایا یعنی "المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ" اس کے صفحہ نمبر ۸۷، ۸۸ پر لکھتے ہیں مسئولہ چودھری عزیز الرحمن صاحب سابق ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی اسکول لائل پور جناب حضرت قبلہ وکعبہ مجدد دوراں حضرت احمد رضا خاں صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ! واضح رائے عالی ہو کہ ایسے زمانہ میں جب کہ مسلمانوں پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں اندرونی و بیرونی دشمن اسلام کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کے مقامات مقدسہ کفار کی مدد سے باغیوں یعنی شریف مکہ نے چھین لیے ہیں اور کفار جزیرۃ العرب جدّہ، عدن وغیرہ میں اپنے قدم جمائے بیٹھے ہیں اور خلافت ریزہ ریزہ کی گئی اور ایک بڑی سلطنت (برطانیہ) کا وزیراعظم اپنی تقریر میں صاف کھلے لفظوں میں برملا کہتا ہے کہ یہ لڑائی جو عراق عرب میں مسلمانوں سے ہوئی مذہبی لڑائی تھی اور اب ہم نے بیت المقدس ان کی گندگی سے پاک کر دیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

غرضیکہ ایسے وقت جبکہ اعداء اللہ نے اسلام کی عزت اور شوکت کی بیخ کنی میں کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا (یعنی اسلام اور مسلمانوں کو تباہ کرنے میں کم سے کم وقت بھی نہیں چھوڑا) عراق، فلسطین اور شام جن کو صحابہ اور تابعین رضی اللہ عنہم نے خون کی ندیاں بہا کر فتح کیا تھا پھر کفار کی حریفانہ حوصلہ مندیوں کی جولانگاہ (دشمنوں کے گھر) بن گئے ہیں خلیفۃ المسلمین دشمنوں کے نرغے میں پھنس کر بے دست و پا ہو چکا ہے لا الہ اللہ محمد رسول اللہ کہنے والے اپنے گھروں تھریس سمرنا وغیرہ اور زرخیز علاقوں سے زبردستی نکالے جارہے ہیں اور مسجدوں پر زبردستی قبضہ کرلیا جاتا ہے اور مسلمانوں کے علماء قرآنی احکام ڈرتے ڈرتے بتاتے ہیں، جہاد کا تو نام ہی منہ پر آنا بس قیامت ہے کیا ایسے وقت میں اسلامی حمیت وغیرت یہ چاہتی ہے کہ کوئی نہ کوئی ایسا مسئلہ نکل آئے **جس سے انگریز آفیسر خوش ہو جائیں اور مسلمان تباہ ہو جائیں مسٹر حاکم علی نے ایک پالیسی سے انگریز پرنسپل اور دوسرے انگریز افسروں اور غدار مسلمانوں کو خوش کرنے کے واسطے حضور سے ایک عجیب**

طرز میں فتویٰ پوچھا اور حضور نے اسکے مضمون کے مطابق صحیح صحیح فیصلہ میں جواب بھیج دیا۔

یہ بالکل درست کہ موالات و مجرد (یعنی دوستی اور) معاملات میں زمین آسمان کا فرق ہے لیکن دین کا نقصان کر کے دنیاوی معاملات کہاں جائز ہے؟ حضور نے بہت سے شرائط سے مشروط کر کے گول مول جواب عنایت فرمایا ہے، لیکن اس وقت ضرورت ہے ایسے فتوے کی جو صاف صاف لفظوں میں حالاتِ حاضرہ پر نظر کر کے بغیر کسی شرائط کے لکھا جائے تا کہ ہر عالم و جاہل جو آپ کا پیرو ہے (جو آپ کا پیرو ہے اہم فقرہ ہے) فوراً پڑھ کر جان لے کہ اس کے واسطے اب ایسا کرنا ضروری ہے حالاتِ حاضرہ حضور پر بخوبی روشن ہیں اور کچھ تھوڑے سے میں نے اوپر بیان کیے ہیں، کیا مسلمانوں کا بھرتی ہو کر فوج میں مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالنے اور غلام بنانے کیلئے جانا اور دوسرے کلمہ گو کا ان کی امداد کے لئے عراق، عرب، شام وغیرہ میں ملازم ہو کر جانا جائز ہے وہ نہیں تو پھر آپ جیسے بزرگ کیوں چپ چاپ بیٹھے ہیں کیوں نہیں ایسے فتوے شائع کرتے اور اظہارِ حق میں دنیاوی طاقت سے کیوں ڈرتے ہو، موجودہ وقت کھینچ تان کر کفار سے تعلق رکھنے اور ان کی اعانت کرنے کے جواز ثابت کرنے کا نہیں ہے بلکہ سینہ سپر ہو کر بے خوف خطر لوگوں کو صراط مستقیم بتانے کا ہے،

حضور نے جو لکھا ہے کہ ’’الحاق اور اخذ امداد جائز ہے اگر کسی امر کے خلاف اسلام و مخالف شریعت سے مشروط نہ ہو، عالیجاہاں گورنمنٹ جو امداد اسکولوں اور کالجوں کو دیتی ہے وہ خاص اغراض کو مدنظر رکھ دی جاتی ہے اور میرا خیال ہے کہ حضور کو روشن ہو گا آگے کافی بحث کے بعد ہے، کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ حالات حاضرہ پر نظر کرتے ہوئے گورنمنٹ سے ترک موالات (تعاون نہ) کرنا اسلامی حکم ہے یا نہیں اور گورنمنٹ سے اسلامیہ اسکولوں اور کالجوں کو امداد لینی اور یونیورسٹی سے الحاق رکھنا اندریں (اس) حالات چاہیے یا نہیں۔ جواب باصواب سے عنداللہ ماجور اور عندالناس مشکور ہوں۔

(فقط والسلام: ص ۸۸، ۹۰، ۹۱)

قارئین! سوال مذکور کا ایک ایک لفظ سمجھ کر پھر جواب پر غور کریں، سوال کس نوعیت کا ہے، شرعی فیصلوں میں اختلاف بھی ہوتا ہے اور اتفاق بھی مگر اتفاق کم اور یہاں صورت حال کچھ اور ہے صرف مسئلہ کی حد تک نہیں تمام عالم اسلام کا مسئلہ ہے۔

ملاحظہ فرمائیں جناب احمد رضا خاں کا جواب

الجواب: حضرات لیاڈر نے مسئلہ موالات میں سب سے بڑھ کر اودھم مچائی اوروں میں افراط یا تفریط ایک ہی پہلو پر گئے اس میں دونوں کی رنگت رچائی افراط (زیادتی) وہ کہ نصاریٰ (انگریز) سے نری معاملت بھی حرام قطعی اور تفریط (کمی) یہ کہ ہندوؤں سے اتحاد بلکہ ان کی غلامی فرض شرعی صفحہ نمبر ۱۹۷ مسلمانو تم نے دیکھا یہ حالت ہے ان لیڈر بننے والوں کے دین کی، کیسا کیسا شریعت کو بدلتے مسلتے پاؤں کے نیچے کچلتے اور خیر خواہ اسلام بن کر مسلمانو کو چھلتے ہیں (صفحہ نمبر ۱۹۶) انگریزوں کی تقلید و فیشن وغیرہ سے آزادی اور دہریت و نیچریت سے نجات. بہت دل خوش کن کلمات ہیں خدا ایسا ہی کرے مگر یہ صرف ترک امداد و الحاق سے حاصل نہیں ہو سکتے، اُس آگ کو بجھانے سے ملیں گے جو سر سید احمد خاں نے لگائی اور اب تک بہت سے لیڈروں میں اس کی لپٹیں مشتعل ہیں۔

(ص: ۹۳)

(انگریز کی) یہ غلامی پیر نیچر (سرسید) نے تھامی لیڈر جس کے اب زبانی شاکی (گلہ کرنے والے) ہیں اور دل سے پرانے حامی ۔۔۔اب اگر بعد خرابی بصرہ آنکھیں کھلیں اور اسے چھوڑنا چاہتے ہیں مبارک اور خدا سچ کرے اور راست لائے مگر للہ انصاف وہ غلامی ادھوری

تھی سید احمد خاں نے کس پادری یا نصرانی کو امور دین میں صراحۃً اپنا امام و پیشوا نہ لکھا تھا۔۔۔اور اب مشرکین (ہندوؤں) کی پوری غلامی ہو رہی ہے۔۔۔یہ کون سا دین ہے نصاریٰ (انگریز) کی ادھوری سے اجتناب اور مشرکین کی پوری میں غرقاب (یعنی انگریز کی کم غلامی چھوڑ کر ہندوؤں کی پوری غلامی میں ڈوبتے ہیں)۔(صفحہ نمبر ۹۴) انگریزوں کو خوش کرنے کے بہتان الزام للہ انصاف کیا یہاں اہل حق نے انگریزوں کو خوش کرنے کو معاذ اللہ مسلمانوں کو تباہ کرنے والا مسئلہ نکال لایا ان اہل باطل نے مشرکین (ہندوؤں) کے خوش کرنے کو صراحۃً کلام اللہ و احکام اللہ کو پاؤں کے نیچے مل ڈالا ،ہندوؤں کی غلامی سے چھڑانے کو جو فتویٰ اہل سنت (مولانا احمد رضا خاں) نے دیے کلام الٰہی و احکام الٰہی بیان کیے یہ تو ان کے دھرم (نزدیک) انگریزوں کے خوش کرنے کو ہوئے۔(ص ۱۴۲)

لیڈر کے احکام اسلام کو یکسر بدلنے اور بیچارے عوام کو جھوٹے من گھڑت احکام سنا کر چھلنے پر تلے ہیں محض فریب دہی کے لئے اس طرف چلے ہیں کہ ہندوؤں سے اور ہم سے اب جب کہ عہد موافقت ہو گیا تو ہم کو اس کا پورا کرنا لازمی ہے یہ شریعت پر محض افترا ہے (ص :۱۴۴) اللہ عزوجل فرماتے ہیں ''اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ'' مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں تم کہو ''نحن والمشرکون اخوۃ'' ہم اور مشرکین (ہندو) بھائی ہیں، کیا تم نے یہ دیکھا منافقوں کے اپنے بھائی کافروں سے کہتے ہیں، وہاں من اھل الکتب تھا یہاں اس سے بڑھ کر من المشرکین ہوا قرآن عظیم میں بیس سے زیادہ آیات میں اسے مردود و ملعون فرما چکا اور جا بجا صاف صاف ارشاد فرمایا کہ ایسا کرنے والے مسلمان نہیں ایسا کرنے والوں کو اللہ و رسول و قرآن پر ایمان نہیں (ص:۱۵۱،۱۵۲) اصل مقصود سلف (آزاد) گورنمنٹ ہے اماکن (مقامات) مقدسہ اور ترکوں کا نام ٹٹی ہے (یعنی دھوکا دکھاوا ہے) جس کی صاف تصریح بڑے بڑے لیڈروں محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی ،مولانا ابوالکلام آزاد نے کر دی، اس میں اپنی کمزوری بلکہ عجز دیکھ کر مشرکوں (ہندوؤں) کا دامن پکڑا، انہیں اپنا یار بنایا اوروں کو چھوڑ دیئے مولویوں میں گنے جانے والے لیڈر فرماتے ہیں ہم تو ہندوستان کی آزادی کو ایک فرض سمجھتے ہیں (مگر جناب احمد رضا خاں کو پسند نہیں ۔ساجد) اس کیلئے ضرورت ہے کہ عام اتحاد اور پوری کوشش سے مقصد حاصل کیا جائے، حالانکہ مشرکوں سے ایسی استعانت (مدد) نص قرآنی کے خلاف اور قطعاً حرام (ص:۱۵۵)

تنبیہ تنبیہ تنبیہ مسلمانو ترکوں کی حمایت اماکن (مقامات) مقدسہ کی حفاظت سلطنت اسلامی (ترکی) کی اعانت (مدد) یہ سب دکھانے کے دانت تھے کہ کس طرح مسلمانوں میں اشتعال ہو لاکھوں روپے کا چندہ ہاتھ آئے ورنہ بڑے ساعی لیڈروں علی برادروں (مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی) سے صاف منقول ہوا کہ مسئلہ خلافت اب طے کر رکھو ہندوستان کی آزادی کی فکر کرو۔(حاشیہ:ص ۱۹۸) تو اس سے ترکوں کا کیا فائدہ یا انگریزوں کا کیا نقصان غریب نادار مسلمانوں کی کمائی کا ہزار ہا روپیہ ان تبلیغوں میں برباد جا رہا ہے اور جائے گا اور محض بے کار و نامراد جا رہا ہے اور جائے گا ہاں لیڈروں مبلغوں کی سیر و سیاحت کے سفر خرچ اور جلسہ و اقامت کے پلاؤ قورمے سیدھے ہو گئے اور ہو نگے۔(ص:۱۹۸)

تعلیم دین کیلئے گورنمنٹ سے امداد قبول کرنا جو نہ مخالفت شرع سے مشروط نہ اس کے طرف منجر ہو یہ نفع بے غائلہ (حرام نہیں) ہے جس کی تحریم (ممانعت) پر شرع مطہر سے اصلاً کوئی دلیل نہیں دین پر قائم رہو مگر دین میں زیادت نہ کرو (ص:۹۷) رہا جہاد سنانی (یعنی تلوار نیزہ یا بندوق وغیرہ) بہ نصوص قرآن عظیم ہم مسلمانان ہند کو جہاد برپا کرنے کا حکم نہیں اور اس کو واجب بتانے والا مسلمانوں کا خیر خواہ نہیں، یقین جانو کہ اللہ سچا اللہ کا کلام سچا ''لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالاً'' مشرکین تمہاری بدخواہی میں کمی (درگذر) نہ کریں گے، وہ جھوٹا فتویٰ اور یہ

پوچ (بیہودہ) بھروسا اور خادمانِ شرع (جناب احمد رضا خاں) پر الٹا غصہ کہ کیوں خاموش رہے کیوں سینہ سپر نہ ہوئے (جیسا کہ سوال میں مذکور ہے) یہ ہے تمہاری خیر خواہی اسلام یہ ہیں دل ساختہ احکام نہ شرع شاہد نہ عقل مساعد مسلمان ہونے کا دعوی ہے تو اسلام کے دائرے میں آؤ مشرکین (ہندوؤں) سے اتحاد توڑو، دیوبند یہ وغیرہم مرتدین کا ساتھ چھوڑو کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا دامن پاک اپنے سایہ میں لے۔ دنیا ملے نہ ملے دین تو ان کے صدقے ملے، فقیر احمد رضا خاں قادری غفرلہ..

(ماخوذ: ''فتوی'' رسائل رضویہ ج ۲ مصنف مولانا احمد رضا خاں بریلوی مرتبہ مولانا محمد عبد الحکیم مظہری اخیر شاہ جہانپوری مکتبہ حامدیہ گنج بخش روڈ لاہور)

مختصر تبصرہ:

مثلاً (ا) مسلمانوں پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں اندرونی و بیرونی دشمن اسلام کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں، جناب احمد رضا خاں کو اس کی فکر نہیں، مسلمانوں کے مقامات مقدسہ (یعنی مکّہ مکرمہ، مدینہ منورہ) کفّار (برطانیہ) کی مدد سے شریف مکہ شاہ حسین نے چھین لیے ہیں احمد رضا خاں کے نزدیک یہ کام انگریزوں نے صحیح کیا ہے کیونکہ احمد رضا خاں نے شریف مکہ کے حق میں اور ترک کے خلاف فتوی دیا ہے جو آگے آرہا ہے، مولوی صاحب کو اس میں خوشی ہے غم نہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ عرب میں شریف مکہ شاہ حسین اور ہندوستان میں احمد رضا خاں انگریزوں کے حمایتی ہیں اس لئے انگریز کے خلاف احمد رضا خاں کے قلم سے ایک لفظ نہیں نکلا، قلم چلا ہے تو ہندو مسلم اتحاد پر جو کئی صدیوں سے ساتھ ساتھ چلے آرہے تھے اور پاکستان بن جانے کے بعد بھی احمد رضا خاں کے خاندان نے ہندوستان نہیں چھوڑا، احمد رضا خاں کے نزدیک انگریزوں سے ہندو برے تھے تو پھر اس کی اولاد نے اپنے والد کی طبیعت کے مطابق ہندوستان کو کیوں نہیں چھوڑا؟

تحریک عدم تعاون کا عروج:

کانگریس کی شمولیت کے بعد عدم تعاون ہندوؤں اور مسلمانوں کی مشترکہ تحریک بن گئی ۱۹۲۱ء کے شروع میں مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بھائی مولانا شوکت علی (جن کو علی برادران کے نام سے پکارا جاتا ہے) نے تحریک کو مقبول بنانے کے لئے ملک بھر کے طوفانی دورے کئے، گاندھی نے بھی کبھی اکیلے کبھی ان کے ساتھ دورے کئے، علی برادران کی بوڑھی ''اماں'' بھی میدان میں نکل آئیں، وہ عوام میں ''بی اماں'' کے نام سے مشہور ہوئیں اس زمانہ میں یہ شعر ہر شخص کی زبان پر تھا ''بولی اماں محمد علی کہ جان بیٹا خلافت پے دیدو''، ان کے علاوہ مولانا ظفر علی خاں، مولانا احمد سعید دیوبندی ناظم جمعیۃ العلماء ہند، مولانا حسرت موہانی اور مولانا ابو الکلام آزاد سارے ملک میں پھیل گئے اور اپنی گرما گرم تقریروں سے عوام اور خاص طور پر مسلمانوں کے جوش کو اور بھڑکایا۔

(دورانِ جنگ اور بعد زمانہ تحریک خلافت میں انگریز نے ترکوں کے خلاف کیا کیا چالیں چلیں: اور کرنل لارنس کے عربوں کو ترکوں کے خلاف اکسانے اور بغاوت پھیلانے کا فلسطین و حجاز میں اثر)

رعایائے فلسطین کا وفد شریف مکہ کی خدمت میں

ادھر ہندوستان میں مسلمان اپنے اضطراب و بے چینی کو گورنمنٹ برطانیہ کی وفاداری کے اعلان کیساتھ منظر عام پر لا رہا تھا اور جلسے اور عرضداشتیں مرتب کر رہا تھا۔ادھر انگریز بھی غافل نہیں تھا۔اسکی ریشہ دوانیوں (سازشوں) سے اسی زمانہ میں رعایائے فلسطین کا وفد زیر سرکردی سلیمان فاروقی مرتب ہو کر ملک الحجاز شریف مکہ (شاہ حسین) کی خدمت میں حاضر ہوا۔اس نے شریف مکہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: ہم نے دشوار گزار راستے نہ صرف اسلئے طے کئے ہیں۔ہم نے سمندروں کی تکلیفیں نہ صرف اسلئے جھیلیں ہیں کہ ہم اس حکومت اِسلامی کے قائم کرنے والے کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو روشن کریں۔وہ بانی سلطنت جو تاریخ عالم میں پہلا عربی بادشاہ ہوگا جن کے سر پر قوم عرب کے زندہ کرنے کا سہرا رہے گا (آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ترک عرب اور قریشی نہیں تھے انگریز نے قومیت کی بنیاد پر عربوں کو ترکوں کے خلاف ابھارا) جس نے خواب گاہ عدم سے عربوں کو نکالا اور ان کی شجاعت وحمیت میں ایک نئی روح ڈالی،آنحضرت ﷺ نے پہلے جس عمارت کی بنیاد ڈالی تھی اور جس کو عجمی (ترکی) ہاتھوں تباہ کر دیا تھا۔خدا آپ کو بعافیت رکھے،اب حضور نے اس کو گرنے سے بچالیا بلکہ ہم نے یہ دور دراز سفر اسلئے گوارہ کیا ہے کہ ہم حضور والا پر یہ ظاہر کر دیں کہ فلسطین والے جو اس امامت کے بہترین اعضاء سے ہیں اور جن کے دلوں میں آپ کی محبت ہے۔اور جو آپ کے بجاوری میں ہمہ وقت سر بکف ہیں اس بات کی التجاء کرتے ہیں کہ ہمارے وہ ہمسایہ اقوام (یعنی انگریز) جنہوں نے امن وانصاف کے خیال سے ہمیں ترکوں کے ہاتھوں سے چھڑایا۔خدانخواستہ پھر ہمیں پہلے سے بھی زیادہ کسی اور مصیبت میں نہ پھنسا دیں (ایسا ہی ہوا ایسے پھنسے کہ آج تک رو رہے ہیں)

خیال رہے کہ اس زمانہ میں شریف مکہ نے حسب ذیل منشور اخبار ''القبلہ'' میں شائع کیا:

''خداوندمیں تیری حمد کرتا ہوں اور تیرے غیر متناہی المقامات پر تیرا شکر ہے اور ہدیہ درود نا محدود تیرے بندے خاتم الانبیاء رحمت جہانیہ ﷺ کیلئے پچھلے دنوں کثرت سے ایسے خطوط میرے پاس آئے ہیں جن میں امیر المؤمنین کے لقب سے میں یاد کیا گیا ہوں۔اس میں شک نہیں ہے کہ میری باعزت قوم کی خصوصیات میں سے ہے لھذا ان باعزت حضرات سے میری التجاء ہے کہ اپنے عنایت ناموں میں مجھ کو انہی الفاظ سے یاد کریں جن پر عراق ویمن وحلب وشام کے عربوں نے میری بیعت کی ہے۔خدائے قادر وتوانا کے انجام عامہ سے امید ہے کہ لوگوں کے خیالات اور ان کی امیدیں جو میرے متعلق ہیں وہ صحیح ہوں اور پوری ہوں،اور توفیق حال الٰہی ہر حال میں ہمارے ان کے شریک حال رہے۔

حضرات گرامی!

یہ تھا وہ کھیل جو انگریز کھیل رہا تھا۔فریب دینے کیلئے فلسطین کی رعایا کا وفد اور شریف مکہ کا اعلان کافی تھا۔اس کے ساتھ ساتھ انگریز نے شیعہ بریلوی حضرات اور قادیانیوں کو ہندوستان میں خلافت کے اصول کے خلاف آواز اٹھانے کو اکسا رہا تھا اور اس نے اپنے حلقہ بگوش کو بتا دیا تھا کہ وہ خلافت کے مسئلہ کو متنازعہ فیہ بنا کر دماغوں میں الجھاؤ پیدا کریں۔

بریلوی مذہب کے جناب ڈاکٹر قمر الحق صاحب کی انوکھی بڑ

جناب احمد رضا خان بریلوی کے مداح اور پیرو جناب ڈاکٹر قمر الحق صاحب لکھتے ہیں:

’’انگریز کو ہندوستان سے نکالنے کیلئے تحریکیں اٹھتی رہیں اور انگریز کے وفادار مولوی تحریکوں کو ناکام بنانے میں معاونت کرتے رہے۔انگریز کو ہندوستان سے نکالنے ہی کے سلسلہ میں ایک بار تو شیطان ملعون نے ایسا دل فریب جال بُنا کہ بڑے بڑے سیاست دان اس میں پھنس گئے۔اس تحریک کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ ہندومسلم ایک قوم ہیں اور دونوں کو مل کر انگریز کو باہر نکالنا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کی امت پر متحدہ ہندوستان میں بڑا کرم کیا اور مجدد دین وملت حضرت امام احمد رضا خاں کو یہاں بھی چٹان کی طرح لاکھڑا کیا۔یقیناً ان کے سامنے ہندومسلم اتحاد کی شکل میں اکبر بادشاہ کا دین الٰہی تھا،انہیں یہ خدشہ تھا کہ کہیں امت کا ٹمٹماتا ہوا یہ چراغ بھی کہیں گل نہ ہوجائے۔‘‘الخ۔ (ماخوذ حی علی الفلاح ص۲۳۶)

خلاصہ وتبصرہ:

جناب ڈاکٹر قمر الحق کی عبارت کے چند جملے اہم ہیں:

(۱) انگریزوں کو نکالنے کیلئے تحریکیں اُٹھتی رہی ہیں:الخ

سوال: کب کونسی تحریک اٹھی اور کس نے اٹھائی اور وہ انگریزوں کے وفادار مولوی کون تھے جو ان تحریکوں کو ناکام بناتے رہے؟ بریلویوں سے جواب درکار ہے۔

(۲) تحریک کا بنیادی نکتہ یہ تھا کہ ہندومسلم ایک قوم ہیں اور دونوں کو مل کر انگریز کو باہر نکالنا ہے۔الخ

(۳) اللہ تعالیٰ نے احمد رضا خاں کو یہاں بھی چٹان کی طرح لاکھڑا کیا:الخ

حضرات گرامی:

نمبر ۲ اور نمبر ۳ سے یہ صاف ظاہر ہوگیا ہے کہ احمد رضا خاں بریلوی ہی دراصل انگریزوں کا وفادار ہے کیونکہ بڑے بڑے سیاست دان اور ہندومسلمان انگریزوں کو نکالنا چاہتے ہیں لیکن احمد رضا خاں آگے چٹان بن کر کھڑے ہوگئے۔

(۴) یقیناً ان کے سامنے ہندومسلم اتحاد کی شکل میں اکبر کا دین الٰہی تھا:الخ

ہندومسلم اتحاد کے سب سے بڑے حامی مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بھائی مولانا شوکت علی تھے کوئی باشعور مسلمان ان کے بارے میں یہ تصور کرسکتا ہے کہ وہ حضرات ہندومذہب کے حامی تھے اور مسلمانوں میں ہندومذہب لاگو کرنا چاہتے تھے؟ نیز کیا انگریز دین اسلام کے حامی تھے اور ہندومذہب کے مخالف تھے کہ ان کے نکل جانے سے ہندومذہب طاقتور اور اسلام کمزور ہوجاتا؟ خدا تعالیٰ تمہیں ہدایت دے جیسے ہندو اسلام کا مخالف ویسے انگریز اسلام کا مخالف،ان دونوں میں کیا فرق ہے؟

۱۹۲۰؁ء اور ۱۹۲۱؁ء میں جب تحریک خلافت اپنے عروج پر تھی تو انگریزوں نے مسئلہ خلافت اپنے حامی علماء کے ذریعہ متنازعہ فیہ بنا کر ہندوستانی مسلمانوں سے ترکوں کی ہمدردیاں ختم کرنے کی کوشش کی۔کیونکہ ترکوں کی ہمدردی ہی کیلئے تحریک خلافت وجود میں آئی تھی۔خلافت کے مسئلہ کو مولانا ابوالکلام آزاد نے بڑی تفصیل اور جامع انداز میں عوام کے سامنے پیش کیا۔بلکہ یوں سمجھو کہ گورنمنٹ برطانیہ کے سامنے پیش کیا۔جس پر احمد رضا خاں نے بالواسطہ (اللہ مجھے معاف فرمائے) انگریزوں کی وفاداری کا ثبوت دیتے ہوئے اس مذکورہ مسئلہ خلافت کے رد میں۔’’دوام العیش فی الائمۃ من قریش‘‘ تحریر فرمائی اور اس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ خلافت کیلئے قریشی ہونا

شرط ہے کیونکہ ترکی خلیفہ قریشی نہیں تھا اور شریف مکہ شاہ حسین قریشی تھا۔جس نے انگریزوں کے جال میں پھنس کر ترکوں کے خلاف حجاز یعنی مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں بغاوت کی جس کی وجہ سے ترکوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا بلکہ اسی بغاوت کی وجہ سے عرب، شام، فلسطین وغیرہ پر بھی دشمن قابض ہو گئے۔

خلافت کے بارے میں جناب احمد رضا خاں بریلوی کا فتویٰ:

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ سلطنت عثمانیہ (یعنی ترک حکومت) کی اعانت مسلمانوں پر لازم ہے یا نہیں فرضیت اعانت کیلئے بھی سلطان کا قریشی ہونا شرط ہے یا صرف خلافت شرعیہ کیلئے۔مولوی (عبدالباری) فرنگی محلی کے خطبۂ صدارت میں اس کے متعلق چند سطور ہیں اور مسٹر ابوالکلام آزاد نے ''رسالہ مسئلہ خلافت وجزیرہ عرب'' ص ۳۲ سے ۷۰ تک حسب عادت اسے بہت پھیلا کر بیان کیا ہے ان دونوں کا محصل یہ ہے کہ خلافت شرعیہ میں بھی قریشیت نہیں یہ صحیح ہے یا غلط اس بارے میں مذہب اہلسنت کیا ہے۔

الجواب:

''رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دین یہ ہے کہ اللہ اور اس کی کتاب اور اس کے رسول سے سچا دل رکھے اور سلاطین اسلام اور جملہ مسلمانوں کی خیر خواہی کرے سلطنت علیہ عثمانیہ ایدہا اللہ تعالیٰ نہ صرف عثمانیہ ہر سلطنت اسلام نہ صرف سلطنت ہر جماعت اسلام نہ صرف جماعت ہر فرد اسلام کی خیر خواہی ہر مسلمان پر فرض عین ہے اس میں قریشیت ہونا کیا معنیٰ دل سے خیر خواہی مطلقاً (یعنی بغیر کسی شرط کے) فرض عین ہے اور وقت حاجت دعا سے امداد واعانت بھی ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس سے کوئی عاجز نہیں اور مال یا اعمال سے اعانت فرض کفایہ ہے اور فرض بقدر قدرت ہر حکم بشرط استطاعت مفلس پر اعانت مال نہیں بے دست و پا پر اعانت اعمال نہیں ولھذا مسلمانانِ ہند پر حکم جہاد وقتال نہیں بادشاہ اسلام اگر چہ غیر قریشی ہو اگر چہ کوئی غلام حبشی ہو، امور جائزہ میں اس کی اطاعت تمام رعیت اور وقت حاجت اس کی اعانت بقدر استطاعت سب اہل کفایت پر لازم ہے۔البتہ اہلسنت کے مذہب میں خلافت شرعیہ کیلئے ضرور قرشیت شرط ہے۔اسی بارے میں رسول اللہ ﷺ سے متواتر حدیثیں ہیں اسی پر صحابہؓ کا اجماع تابعین کا اجماع اہلسنت کا اجماع ہے۔اس میں مخالف نہیں مگر خارجی یا کچھ معتزلی۔کتب عقائد وکتب حدیث وکتب فقہ اس سے مالا مال ہیں۔(ص ۱۴۔حوالہ جات)

اب آپ ملاحظہ فرمائیں وہ چند حوالہ جات جن کی رو سے جناب احمد رضا خاں نے فریق مخالف کے مقابلہ میں اپنے آپ کو اہلسنت اور تابع شریعت سمجھتے ہیں۔چنانچہ وہ دوام العیش کے صفحہ ۳۳ پر لکھتے ہیں:

صحیح مسلم وبخاری میں ہے۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں خلافت ہمیشہ قریش کیلئے ہے جب تک دنیا میں دو آدمی بھی رہیں۔شرح صحیح مسلم النووی شرح صحیح بخاری القسطلانی ومرقاۃ علی قاری میں ہے۔رسول اللہ ﷺ نے ظاہر فرما دیا ہے کہ یہ حکم ختم دنیا تک ہے جب تک دو آدمی بھی رہیں۔امام قرطبی کی مفہم شرح صحیح مسلم میں پھر عمدۃ القاری وفتح الباری شروح صحیح بخاری میں ہے اس حدیث میں حکم شرعی کا بیان ہے یہ فرمایا ہے کہ جب تک دنیا میں ایک قریشی باقی ہے اوروں کی خلافت صحیح نہیں۔امام نووی شرح صحیح مسلم پھر امام قسطلانی شرح صحیح بخاری اور علامہ طیبی وعلامہ سید شریف وعلی قاری شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں۔یہ حدیثیں اور ان کے مثل اور احادیث روشن دلیل ہیں کہ خلافت قریش کیساتھ خاص ہے ان کے سوا کسی کو خلیفہ بنانا جائز نہیں اسی پر زمانہ صحابہؓ میں یوں ہی ان کے بعد اجماع منعقد ہوا تو جن

بدمذہبوں نے اس میں خلاف کیا یا جس نے اور کسی کے خلاف کا اشارہ کیا اس کا قول صحابہ و تابعین وعلما بعد کے اجماع اور صحیح حدیثوں سے مردود ہے۔ (الخ ص ۴۴/۳۳)

قارئین کرام!

جناب احمد رضا خاں بریلوی کی تحریروں اور ان کے دلائل کے مطابق یہ ایک آخری اور اٹل فیصلہ ہے کہ خلافت صرف اور صرف قریش کا حق ہے۔اس سے اختلاف رکھنے والے خارجی،معتزلی اور بدمذہب ہیں۔اس کے علاوہ بھی اس نے بہت کچھ لکھا ہے۔

جناب احمد رضا خاں مولانا ابوالکلام آزاد کے بارہ میں لکھتے ہیں:

مبحث اوّل: مسٹر کا قیاسی ڈھکوسلے سے دین کو رد کرنا۔

(۳) مسٹر آزاد نے بڑا زور اس پر دیا ہے کہ اسلام تو قومی امتیاز کے اٹھانے کو (یعنی قومی تعصب وفرق کو ختم کرنے کیلئے۔ساجد) آیا ہے پھر وہ خلافت کو قریش کیلئے کیسے خاص کر سکتا۔

یہ اعتراض مسٹر آزاد کا طبعزاد (یعنی اپنا۔ساجد) نہیں خارجی خبیثوں سے سیکھا ہے۔الخ (دوام العیش ص ۶۴/۴۳)

جناب حمد رضا خاں دوام العیش کے صفحہ ۴۳ پر لکھتے ہیں:

اور اس کے اختلاف اٹھنے سے پہلے اس کے ماننے **پر اجماع منعقد ہو لیا**: الخ خط کشیدہ الفاظ پر احمد رضا خاں کے خلیفہ مولانا حشمت علی خان نے درج ذیل حاشیہ لکھا ہے۔''اس سے اہل باطل کا منہ کالا ہوگا۔'' آیئے اب دیکھتے ہیں کہ کس وقت اور کہاں اجماع ہوا۔ اور وہ باطل کون ہیں جن کا منہ کالا ہوا۔اور وہ خبیث و خارجی کون ہیں جن سے مولانا ابوالکلام آزاد نے سیکھا ہے۔

فتوے کے خلاف پہلا جواب:

بریلوی جماعت کے مشہور محدث علامہ غلام رسول سعیدی لکھتے ہیں:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جس لشکر میں بھی حضرت زیدؓ کو (جو آپ کے غلام تھے) بھیجتے اس کا امیر حضرت زید کو بناتے اور اگر زید زندہ ہوتے تو آپ اپنے بعد ان کو خلیفہ بناتے (شرح صحیح مسلم ۶/۹۹۳)

دوسری جلد میں لکھتے ہیں:

حضرت عمرؓ نے قریب وفات فرمایا کہ:

اگر ابو عبیدہؓ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا اور اگر ابو حذیفہ کے مولا سالم زندہ ہوتے ان کو امیر بنادیتا۔(شرح مسلم ۷۶۱)

نہ حضرت زیدؓ قریشی اور نہ ابو عبیدہؓ اور ابو حذیفہؓ کے مولا سالم قریشی تھے۔تو اجماع کہاں ثابت ہوا۔اور حضرت ابوبکرؓ کا سب سے پہلے خلافت کیلئے ہاتھ پکڑ کر اٹھانے والے حضرت عمرؓ ہی تھے۔اور اپنی وفات کے قریب آپ جو کچھ فرمارہے تھے وہ سب اس اجماع کے خلاف ہے۔اور قریش کی شرط لگانے والے اور باطل کا منہ کالا کہنے والے اور خبیثوں سے سیکھا ہے جیسے الفاظ کہنے والے حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں کیا کہیں گے؟ سوچ کر فیصلہ فرمائیں۔

دوسرا جواب:

پاکستان سپریم کورٹ شرعی عدالت کے سابق جسٹس حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ:

خلیفہ کا قریشی ہونے اور نہ ہونے پر اختلاف:

جب حضرت فاروق اعظمؓ کے انتقال کا وقت قریب آیا تو ان سے کہا گیا کہ آپ اپنے پیچھے کسی کو خلیفہ بنا دیں، انہوں نے جواب میں فرمایا کہ اگر عبیدہ بن جراحؓ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بنا دیتا۔ مگر وہ وفات پا چکے ہیں اور اگر سالم مولا حذیفہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بنا دیتا۔ اب سالم مولیٰ حذیفہ قریشی نہیں تھے لیکن اس کے باوجود حضرت عمرؓ کے نزدیک خلیفہ ہونے کیلئے قریشی ہونا ضروری نہیں تھا۔ اس وجہ سے اُمت کے بعض فقہاء اس طرف گئے ہیں کہ قریشی ہونا شرائط خلافت میں داخل نہیں۔

الائمۃ من قریش سے استدلال:

ان حضرات فقہاء کا کہنا ہے کہ جہاں تک اس حدیث کا تعلق ہے جس میں حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ''الائمۃ من قریش'' (یعنی خلفاء قریش سے ہیں) یہ درحقیقت خبر ہے انشاء نہیں ہے (یعنی حکم نہیں ہے) مطلب یہ ہے کہ آپ نے آئندہ کے بارے میں خبر دیدی کہ میرے بعد جو خلفاء ہوں گے وہ زیادہ قریش کے ہوں گے نہ یہ کہ قریش ہونا ضروری اور ناگزیر ہے اس کے بغیر خلافت درست نہیں ہوگی۔ اس حدیث کا یہ مطلب ہے جو حضرات فقہاء الائمۃ من قریش کی مندرجہ بالا توجیہ کرتے ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے لیکن حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ میں ''سالم مولا حذیفہ کو خلیفہ بنا دیتا'' اس سے استدلال (یعنی ثبوت۔) بہت قوی ہے حتی کہ امام ابوحنیفہؒ کی طرف ایک قول یہ منسوب ہے کہ ان کے نزدیک خلیفہ کیلئے قریشی ہونے کی شرط نہیں ہے۔ اور بعض دوسرے فقہاء امت بھی اس طرف گئے ہیں۔ اگرچہ جمہور فقہاء کا مسلک یہی ہے کہ امام اور خلیفہ کا قریشی ہونا ضروری ہے۔ الخ

(ماخوذ تقریر ترمذی ۲/ ۳۱۷/ ۳۱۶)

تبصرہ:

اوّلاً اس امر کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ صحابہؓ خلافت کا شرعاً مستحق صرف قریش ہی کو سمجھتے تھے بلکہ اس کے خلاف شواہد موجود ہیں۔ جیسا کہ سطور بالا میں بیان ہوا۔ اگر حضرت عمرؓ صدہا صحابہ ومہاجرین قریش کی موجودگی میں سالم مولیٰ حذیفہ کو خلافت سپرد کر دینے کا ارادہ کر سکتے ہیں تو پھر کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ شرعاً خلافت غیر قریش کو نہیں مل سکتی اور صحابہ کا اس پر اجماع ہو گیا تھا؟ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیانات انسان کی عام بول چال کی طرح مختلف واقع ہوئے ہیں۔ یعنی بحیثیت شرع ودین کے کوئی حکم دینا اور قانون ٹھہرا دینا۔ دوسری صورت اخبار (یعنی خبر) واطلاعات کی ہے۔ قریش کی خلافت کی نسبت جس قدر روایات موجود ہیں سب دوسری قسم میں داخل ہیں نہ کہ پہلی قسم میں۔ حضرت احنف بن قیسؓ جب حضرت علیؓ کی امداد کیلئے آرہے تھے اتفاق سے حضرت ابوبکرہؓ سے ملاقات ہوگئی انہوں نے ان کو روکا اور کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر دو مسلمان آپس میں لڑیں تو دونوں جہنمی ہیں (بخاری کتاب الایمان باب المعاصی من امیر الجاہلیہ) اکابر صحابہؓ میں سے اس وقت جو بزرگ باقی رہ گئے تھے ان میں سے بہتیرے آنحضرت ﷺ کے اس فرمان کے خوف سے کہ اگر دو مسلمان لڑیں تو دونوں جہنمی ہیں خانہ نشین ہوگئے تھے۔ اور حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کسی کے ساتھ شریک نہ ہوئے۔ جب جنگ صفین کیلئے حضرت علیؓ نے تیاریاں شروع کیں اور منبر پر چڑھ کر لوگوں کو شرکت جنگ پر آمادہ کرنا شروع کیا تو بہت سے لوگ آمادہ

ہو گئے۔لیکن عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھیوں اور چارسو قاریوں نے کہا امیر المؤمنین ہم کو آپ کے فضائل کا اعتراف ہے لیکن اس قتال میں ہمیں شک ہے (اخبار بطوال ۱۷۵)

مغیرہ بن شعبہ نے حضرت عثمانؓ سے عرض کیا آپ کے طرف داروں اور جانثاروں کی ایک طاقتور جماعت یہاں موجود ہے۔ اس کو لے کر نکلئے اوران باغیوں کا مقابلہ کر کے ان کو نکال دیجئے آپ حق پر ہیں۔حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں باہر نکل کر ان سے جنگ کروں تو میں پہلا خلیفہ نہیں بننا چاہتا جو امت محمدی کی خون ریزی کرے۔

(ماخوذ خلفاء راشدین ۲/ ۱۰۹/ ۱۰۸۔مصنف سید معین الدین ندوی اور حصہ اوّل ۲۲۳)

مقصد یہاں تنقید نہیں بلکہ یہ باور کرانا مقصود ہے کہ ایک چیز ایک کے نزدیک جائز ہے اور وہی چیز دوسرے کے نزدیک ناجائز ہے،میں یہاں پر علماء وفقہاء اور بخاری ومسلم جیسی مقدس کتابوں کی شروحات لکھنے والوں سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ جنگ صفین اور جنگ جمل میں قتل ہونے والے شہید ہیں یا (معاذ اللہ) جہنمی ہیں اور قاتل غازی ہیں یا جہنمی ہیں؟ کیونکہ مذکورہ بالا روایت صاف بتارہی ہے کہ دو مسلمان آپس میں لڑیں تو دونوں جہنمی ہیں۔یہ روایت خبر کا درجہ رکھتی ہے یا حکم کا؟مذکورہ روایت کا فیصلہ قطعی ہے یا وعید ہے؟ کیونکہ فیصلہ کو اپنی منشا کے مطابق قرار دینا علماء وفقہاء اور شارحین حدیث کا کام ہے۔اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول ﷺ نے تو صاف فرمادیا ہے کہ کسی کو کسی پر کوئی فوقیت نہیں ہے مگر وہ جو متقی و پرہیز گار ہیں۔(اللہ معاف فرمائے) (باقی رہا یہ معاملہ کہ سلطنت عثمانیہ خلافت اسلامیہ کا حکم رکھتی تھی یا نہیں ایک الگ مضمون ہے جو ہماری بحث سے خارج ہے)۔

تیسرا جواب:

جناب احمد رضا خاں بریلوی مذکورہ بالا فتویٰ سے کئی برس پہلے جب سرزمین حجاز یعنی مکہ معظمہ و مدینہ منورہ سے جو کہ تحت خلافت عثمانیہ تھے اپنی من پسند اور من گھڑت تحریرات پر اکابر علماء دارالعلوم دیوبند کے خلاف کفر کے فتوے لے رہا تھا تو اس وقت بہترین موقع تھا اور اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خود بھی فتویٰ صادر فرماتا اور ساتھ ساتھ علمائے حجاز سے تصدیقات حاصل کرتا کہ خلافت شرعی کیلئے قریشی ہونا شرط ہے پھر اس فتویٰ کی فوٹو کاپیاں لے کر ترکی بھی روانہ کرتا اور اس طرح شریف مکہ کو بھی اور اس کے علاوہ وہ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کی دیواروں پر آوایزاں کرتا۔کتنی عظیم خدمت تھی افسوس کہ وہ اس سے فائدہ اٹھاتا۔اس کو اپنی ساری زندگی میں یہ قریش والی شرط یاد نہ آئی اور آئی تو اس وقت یاد آئی جب ترکی اور ترک عوام بلکہ عالم اسلام کے مسلمان تباہ و برباد ہو رہے تھے۔(اللہ مجھے معاف فرمائے)

باغی شریف مکہ پر کیا گزری:

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم کا آغاز ہوا تو برطانیہ کے نمائندے اور مصر کے امور کے ذمہ دار لارڈ کچر نے شریف مکہ شاہ حسین کے صاحبزادہ عبداللہ شاہ اور دوسرے بااثر لوگوں کے ذریعہ اتحادیوں کا ساتھ دینے اور خلیفہ عثمانی کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ کرلیا اور ان کو منصب خلافت پر فائز ہونے اور حجاز کا مطلق العنان (بے لگام) حاکم بننے کے سبز باغ دکھا کر تحریری دستاویزوں کے ذریعہ اس اقدام پر آمادہ کرلیا۔لیکن جنگ عظیم کے خاتمہ پر جب روز روشن کی طرح یہ حقیقت سامنے آگئی کہ یہ سب وعدے سیاسی فریب اور نقش برآب (پانی پر لکھائی کے) تھے ان کے بلند حوصلہ صاحبزادہ فیصل بن شریف حسین کو شام سے جسے انہوں نے سابقہ وعدوں

کی بنا پر اپنے قبضہ میں لے لیا تھا بیک بینی و دوگوش نکلنا پڑا۔اور فرانس نے اس ملک کا چارج لے لیا۔اسی طرح لبنان فرانس نے اور فلسطین و بیت المقدس پر برطانیہ نے اپنا قبضہ قائم کیا۔توان سب معاہدات کی قلعی کھل گئی جو برطانیہ اور شریف حسین کے درمیان ہوئے تھے۔ چنانچہ بہت ہی تھوڑے زمانہ کے بعد شرافت کا عہدہ اور امتیاز تمام مکہ معظمہ اور حجاز بلکہ عرب سے ہٹا دیا گیا۔شریف حسین کو اس کے آقاؤں نے ہی نظر بند کر کے جزیرہ سائپرس (قبرص) میں پہنچا دیا۔اور وہ اسی طرح وہاں بے چارگی کی حالت میں مرگیا۔آخرت کی خبر خدا جانے۔شریف حسین نے دنیاوی لالچ میں آ کر انگریزوں کا ساتھ دیا اور اسلامی ترک حکومت کو جو کہ اس کے آباؤ واجداد۔اور اولاد،اور خاندان کی ولی نعمت بھی تھی کفران نعمت کر کے برباد کر دیا تو حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ نے فرمایا

بابدان یارشد شریف حسین خاندان شرافتش گم شد

اس کے بڑے لڑکے شریف عبداللہ کو شرق اُردن کی بے فیصل و بے گیاہ (خشک جلی ہوئی) وادی کا چھوٹا سا ٹکڑا اور دوسرے بیٹے شریف فیصل کو سوپوٹامیا (عراق) کا برباد شدہ اور غیر آباد صوبہ دے دیا۔اور پھر جو اس کے قتل وغیرہ کے واقعات پیش آئے ان کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔شریف کیساتھ غدر کرنے والے سوریا اور فلسطین کے عرب باشندوں کا جو حشر فرانس اور اسرائیلی یہودیوں کے ہاتھوں سے کرایا گیا وہ تاریخ کے سیاہ اوراق اور عربوں کے زخمی اور گہرے گھاؤ والے دلوں سے پوچھئے جن پر یورپ کی تیراندازی آج تک ختم ہونے میں نہیں آئی۔آئے دن قیامت پر قیامت ٹوٹتی رہتی ہے ترک تو اپنے مقامات پر مستقل اور قابض اور حاکم رہے مگر عربی بولنے والوں کا صوبائی وفاق (جیسے پاکستان چار صوبوں پر ایک ملک ہے) اور شریف حسین کی سب پر صدارت،جمہوریت جس کا سبز باغ بلکہ خوش آئندہ خواب برطانوی ذمہ داروں نے دکھلایا تھا۔اور کہاں یہ تفرق (جدا ہونا) اور یہودیوں کا یہ تسلط اور ظلم و جبر۔اور عربوں کے لاکھوں نفوس کی جلاوطنی یہ قدرت کے عجوبات میں سے نہیں تو اور کیا ہے۔مگر افسوس ہے کہ مسلمان عبرت پکڑانے کیلئے تیار نہیں اور نہ خدائے قدوس مالک الملک کی طرف رجوع کرتا ہے۔

(ماخوذ سوانح سید حسین احمد مدنی مصنف قاضی محمد زاہد الحسینی صفحہ ۱۳۶)

شریف مکہ کی بغاوت اور ترکوں کے خلاف جنگ وجدائی کی وجہ سے اہل مدینہ منورہ ایسے ہراساں اور خوف زدہ ہوگئے کہ ہزاروں کی تعداد میں اپنے بال بچوں کو لے کر نقل مکانی پر مجبور ہوگئے۔ چنانچہ ابن سعود (یعنی آل سعود) نے شاہ حسین شریف مکہ کو غدار قرار دیکر اس کے خلاف جہاد منظم کیا۔اس کو اقتدار سے ہٹا کر ترکی اقتدار کو بحال کیا اور مکہ و جدہ کو اپنے زیر انتظام لایا چونکہ ترکی کو جنگ میں شکست ہوگئی تھی اسلئے وہ اپنا اثر ان علاقوں پر نہ رکھ سکا اسلئے حجاز کے علاقہ پر ابن سعود نے اپنی حاکمیت کا اعلان کر دیا اور پھر ۱۹۳۲ء میں اپنی مملکت کا نام سعودی عربیہ رکھا۔اور تمام اسلامی ممالک سے مشورہ کیا کہ مقامات مقدسہ کی کس طرح دیکھ بھال کی جائے چنانچہ پیٹرول کے نکل آنے کے بعد اس حکومت کو استحکام حاصل ہوگیا اور یہاں کے سربراہوں نے اسلام کی خدمت کا جذبہ لے کر تمام اسلامی ممالک سے ہر مالی واستحکامی معاملات میں تعاون شروع کیا عرب لیگ کا ممبر بنا۔اسرائیل کے بیت المقدس پر حملہ کرنے پر اسلامی سربراہ کانفرنس بلائی اور اس کا قیام عمل میں آیا مسلمانوں کو متحد کیا۔الخ

شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ پر اجمالی نظر:

تحریک آزادی جو علماء کے ہاتھوں انیسویں صدی کے ابتدائی حصہ سے شروع ہوئی جس کی بنیاد رکھنے والے شاہ ولی اللہ اور اسکے بعد اس کے لائق فرزند شاہ عبدالعزیز اور ان کے خاندان کے لوگ اور ان کے شاگرد و مریدین ہیں ۔شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۸۰۳ء میں (انگریز کے خلاف) ہندوستان کے دار الحرب (یعنی کفر کا ملک) ہونے کا فتویٰ دیا تھا۔ حضرت سید احمد شہید انہیں کے خاص مرید تھے جنہوں نے جہاد کی تیاری کر کے سکھوں سے مقابلہ کیا۔ یہ جنگ دراصل سکھوں کے خلاف نہ تھی بلکہ بالواسطہ حکومتِ برطانیہ سے تھی۔ یہ تحریک صرف ہندوستان تک محدود تھی۔گویا نقش اوّل تھی نقشِ ثانی کیلئے اس صدی کے قائد کا انتظار تھا۔ وہ سوراشب دوران وفروغ دیدۂ امکان کا عکس بن کر نمودار ہوا۔

اور جس نے دار العلوم دیوبند میں بیٹھ کر تمام عالم میں زلزلہ ڈال دیا وہ ذات بھی مولانا محمود حسن بعدہٗ شیخ الہندؒ کی ۔مولانا محمود حسن نے تمام عالم اسلامی میں انقلاب برپا کرنے کا منصوبہ بنایا۔ مولانا بظاہر ہندوستان کے ایک محقق عالم، مفسر اور محدث تھے جن کا مشغلہ دار العلوم دیوبند کے مہتمم کے فرائض کی ادائیگی کیساتھ تعلیم دین اور تلقین معرفت تھا لیکن ان سب باتوں کے ماسوا وہ ایک عظیم مجاہد اور ایک اعلیٰ پایہ کے مدبّر وسیاست داں بھی تھے ۔مولانا نے انقلاب واصلاح کے لائحہ عمل کو تمام عالم اسلامی میں پھیلا دیا تھا ان کی دیدہ ورنگاہیں سینکڑوں سال آگے کے حالات دیکھ رہی تھی وہ ملک وملت کیلئے ایک دائمی صلح وفلاح کا پروگرام رکھتے تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ انگریز نے اپنا جال تمام دنیا میں پھیلا رکھا ہے جس کا نتیجہ ایک طرف تو ہندوستان کی غلامی ہے اور دوسری جانب خلافت مرکزیہ اور بلاد (شہر) اسلامیہ کی تباہی وبربادی ہے ۔اسلئے مولانا نے ایک طرف تو ہندوستان میں ایک متحدہ آزاد جمہوریت بنانے کا ارادہ کیا اور دوسری جانب بلاد (شہر) اسلامی کی حفاظت وبقاء کا پروگرام بنایا اور دونوں کیلئے انگریز سے جنگ لازمی تھی ۔

اس وقت انگلستان (برطانیہ ہی) دنیا کا سب سے طاقتور استعمار پسند (دوسرے ملکوں کو ہڑپ کرنے والا) ملک تھا۔ اور بلا اس سے جنگ کئے موت سامنے کھڑی تھی دنیائے اسلام میں ان کی سرگرمیوں کا کچھ (مکمل) پتہ نہیں چلتا۔ اس معاملہ میں مواد کی کمی کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ مولانا اپنا راز اپنے قریب ترین لوگوں پر بھی ظاہر نہیں فرماتے تھے ۔قیادت اور فراست کے امتیاز کا یہ ایک بڑا کمال تھا۔ مولانا عبید اللہ سندھی فرماتے ہیں کہ مولانا شیخ الہند نے مجھ سے فرمایا عبید اللہ افغانستان جاؤ۔ انہوں نے کہا حضرت کیوں، تو حضرت خاموش رہے پھر ایک دن فرمایا عبید اللہ افغانستان جاؤ۔ پھر انہوں نے کہا حضرت کیوں ۔حضرت شیخ الہند نے خاموشی اختیار کی مگر چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے ۔اب مولانا عبید اللہ کہتے تھے کہ مجھے یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ حضرت پھر فرماتے کہ عبید اللہ افغانستان جاؤ پھر فوراً تعمیل حکم کرتا۔ چنانچہ چندروز بعد پھر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا عبید اللہ افغانستان جاؤ ۔اب مدعا حاصل تھا۔ مولانا عبید اللہ افغانستان چلے گئے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ وہاں جا کر خود بخود معلوم ہوگیا کہ افغانستان کیوں بھیجا تھا۔ یہاں آ کر مولانا عبید اللہ سندھی پھر خاموش ہو جاتے ہیں ۔اور تفصیلات سے پردہ نہیں اٹھاتے بلکہ ناظر کے ذہن وفہم کو قیاس آرائیوں کیلئے چھوڑ دیتے ہیں ۔(واللہ اعلم)

پروفیسر محمد عبد اللہ ملک ایم،اے لکھتے ہیں:

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جس بزرگ نے سب سے زیادہ نام پایا وہ یہی شخص ہیں آپ

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک ایسی کمائی تھے جو علوم وفنون اور افکار وخیالات میں اپنے استاد کے حقیقی جانشین اور ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کے پورا کرنے والے تھے۔ صدر مدرس بننے سے پہلے آپ نے بارہ برس مدرس کے فرائض انجام دیئے۔ وہ اپنے زمانہ کے مجاہد اور ملت اسلامیہ کے مایہ ناز فرزند ثابت ہوئے۔ حضرت مولانا کو انگریز دشمنی ورثہ میں ملی تھی۔ یوپی کا گورنر کہا کرتا تھا کہ اگر اس شخص کو جلا کر خاک بھی کر دیا جائے تو اس کی خاک اس کوچے سے نہیں اڑے گی جس میں کوئی انگریز رہتا ہوگا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کا افتتاح آپ کے مبارک ہاتھوں سے ہوا۔ اس وقت سخت بیمار تھے اس حالت میں سفر سخت خطرناک اور تکلیف دہ تھا مگر آپ نے فرمایا اگر میری صدارت سے انگریز کو تکلیف ہوگی تو ضرور شریک ہوں گا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران آپ نے ایک انقلابی تحریک چلائی جس کا مقصد برصغیر سے برطانوی اقتدار کا خاتمہ تھا۔ ستمبر ۱۹۱۵ء میں آپ حجاز مقدس تشریف لے گئے وہاں آپ نے غالب پاشا ترکی گورنر سے جہاد کا فتویٰ حاصل کیا جس کی اشاعت برصغیر میں ہوئی اسی منصوبہ کے مطابق مولانا عبید اللہ سندھی کابل پہنچے جہاں ہندوستان کی ایک جلا وطن (وطن سے باہر) حکومت قائم ہوئی۔ تحریک ریشمی رومال اسی دور کی یادگار ہے مکہ کے شریف حسین نے آپ کو گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کر دیا جنہوں نے آپ کو جزیرہ مالٹا میں نظر بند کر دیا اس سے آپ کا لقب اسیر مالٹا پڑ گیا تین برس سات ماہ قید کے بعد آپ برصغیر واپس ہوئے آپ نے ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو دہلی میں وفات پائی اناللہ وانا الیہ راجعون آپ کی وفات کے بعد مولانا محمد علی جوہر تعزیت کیلئے دیوبند تشریف لے گئے اور ''رو'' ''رو'' کر کہنے لگے حضرت شیخ الہند کے انتقال نے تو ہماری کمر توڑ دی ہے۔ (تحریک پاکستان برائے ڈگری کلاسز صفحہ ۱۰۰)

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

آپ ۱۸۷۲ء میں ضلع سیالکوٹ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے باپ دادا کا پورا نام رام سنگھ ولد جپت رائے ولد گلاب رائے ہے۔ اسکول میں تیسری جماعت پڑھتے ہوئے اظہار اسلام کیلئے گھر چھوڑ دیا فرماتے ہیں ۱۸۸۴ء میں اسکول کے ایک آریہ سماج کے لڑکے سے تحفۃ الہند ملی اس کے مطالعہ میں مصروف رہا بالتدریج (آہستہ آہستہ) اسلام کی صداقت پر یقین بڑھتا گیا۔ اس کے بعد مولانا اسماعیل شہید علیہ رحمۃ کی تقویۃ الایمان ملی، اس کے مطالعہ پر پورا پورا شرک سمجھ میں آگیا، آپ پھرتے پھراتے سندھ میں پیر طریقت حافظ محمد صدیق صاحبؒ (بھر چونڈی والے) کی خدمت میں پہنچے جو اپنے وقت کے سید العارفین تھے۔ فرماتے ہیں کہ ایک روز میرے سامنے حضرت نے اپنے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ عبید اللہ نے اللہ کیلئے ہم کو اپنا ماں باپ بنالیا ہے فرماتے ہیں تین چار ماہ بعد میں طالب علمی کیلئے رخصت ہوا۔ مجھے بتا گیا کہ حضرت نے میرے لئے خاص دعا فرمائی خدا کرے کہ عبید اللہ کا کسی راسخ عالم سے پالا پڑے۔ میرے خیال میں خدا نے یہ دعا قبول فرمائی اور اللہ رب العزت نے محض اپنے فضل سے مجھے حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں پہنچا دیا۔

کابل:

مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء میں شیخ الہندؒ کے حکم سے کابل گیا مجھے کوئی مفصل پروگرام نہیں بتایا گیا تھا کابل جا کر مجھے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہندؒ جس جماعت کے نمائندے تھے اس کی پچاس سال کی محنتوں کا حاصل میرے سامنے غیر منظم شکل میں تعمیل حکم کیلئے تیار ہے ان کو میرے جیسے ایک خادم شیخ الہند کی اشد ضرورت تھی، غرض، مولانا عبید اللہ سندھی آزادئ ہند کے نصب العین پر کابل بھیجے گئے۔ اور سات سال وہاں رہے پھر سات مہینے ماسکو (روس) میں تین سال انگورہ (ترکی) میں پھر تقریباً بارہ سال مکہ معظمہ میں

غرض کہ پچیس برس پردیس میں گزارنے کے بعد مارچ ۱۹۳۹ء میں ہندوستان واپس ہوئے جس مقصد اور نصب العین کیلئے جلاوطنی کو ان کے واسطے حضرت شیخ الہندؒ نے مقرر فرمایا تھا وہ پھولوں کی سیج نہ تھی بلکہ نہایت کٹھن اور کانٹوں سے بھری ہوئی وادی تھی جس میں قدم قدم پر موت کا خطرہ اور مصائب کا انبار تھا۔ مولانا موصوف نے جس جوانمردی اور مستقل مزاجی سے ہلاکت سے بھری ہوئی مصیبتوں کو جھیلا ہے اور ملک وطن اور تمام ملت ہندوستانی اور مسلمانوں کیلئے جدو جہد کی ہے وہ صرف انکا حصہ تھا۔ انہوں نے جرمن ممبران مشن کو ہندوستان کی آزادی اور مستقبل کے متعلق صحیح پوزیشن اور حکمت عملی سمجھائی۔ انہوں نے روسی مشن، جاپانی مشن، ترکی مشن، میں عمدہ سے عمدہ اور مفید کارر وائیاں انجام دیں اگر چہ مواقعہ خارجی (بیرونی حالات) کی وجہ سے کامیابی نہیں ہوئی بلکہ ممبروں کی بعض کمزوریوں نے نقصان بھی پہنچایا۔ انہوں نے اپنا قومی اثر اراکین دولت (حکومت) افغانیہ میں پیدا کیا۔ اگر چہ امیر حبیب اللہ خاں (والیٔ افغانستان) کو جنگ آزادی پر عملی طور سے آمادہ نہ کرسکے اور انگریزوں کی ان کے پہنچنے سے پہلی ڈپلومیسی (یعنی انگریزوں کی چال) اس میں رکاوٹ ہوئی۔ تاہم امیر صاحب نے بہت زیادہ تاثر حاصل کیا۔

نوٹ:

چونکہ انگریزوں نے امیر عبدالرحمن خاں مرحوم کو روس سے بلا کر تخت کابل پر بٹھایا تھا۔ اسلئے وہ دولت افغانیہ کو اپنی ماتحت ریاست شمار کرتے تھے۔ فارن (غیر ملکی) پالیسی میں وہ ہر طرح انگریز کی دست نگر (محتاج) رہی تھی اور مثل دوسری ریاستوں کے برطانیہ کی محتاج تھی۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے آئندہ آنے والے امیر امان اللہ خاں کو اس قدر متاثر کیا کہ وہ اقتدار پاجانے کے بعد بالکل ان کے ہم خیال پائے گئے اور استقلال (یعنی آزادی) کامل دولت افغانیہ کا اعلان کر بیٹھے۔ اس اعلان آزادی پر انگریز حکومت چراغ پا ہوگئی اور بالآخر افغان انگریز جنگ ظہور پزیر ہوئی۔ تاہم فتح یابی دولت افغانیہ کی رہی۔ اور برطانیہ کو استقلال افغانستان تسلیم کرنا پڑا۔ اسی پر سفیر برطانیہ کابل کہتا ہے کہ یہ فتح دولت افغانیہ کی نہیں عبیداللہ کی ہے۔ اس استقلال کے بعد دولت افغانیہ مثل ممالک مستقل آزاد تسلیم ہونے لگی مولانا عبیداللہ مرحوم نے شیخ الہندؒ اور ان کی تحریک کو اس قدر بلند اور مقبول کر دیا کہ امیر امان اللہ نے حضرت شیخ الہندؒ کی وفات پر نہایت اخلاص سے بے نظیر شان کیساتھ مجلس فاتحہ خوانی منعقد فرمائی اور اس میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا مولانا محمود الحسن یک کاررا شروع کردند من اورا پورا میکنم جس سے نہ صرف حضرت شیخ الہند کی ہم خیال اور ہم نوائی معلوم ہوتی ہے بلکہ ظاہر ہوتا ہے کہ امیر امان اللہ خاں پختہ ارادہ اور عمل آزادی ہند اور انگریزوں کے نکالنے کا کر رہے تھے یا کرنے والے تھے۔ امیر موصوف کے خلاف تدبیریں کی گئیں چنانچہ تخت کابل سے ہاتھ دھونا پڑا۔ یاد رہے کہ جب مولانا عبیداللہ سندھی کابل پہنچے ہیں اس وقت دولت افغانیہ کے امیر حبیب اللہ خاں تھے جو مکمل انگریز کے حامی تھے اس کے قتل کے بعد میر امان اللہ خاں امیر ہوئے جو انگریز کے مکمل مخالف تھے جس کو سازش کے ذریعہ ہٹایا گیا۔ مولانا مرحوم کی نہایت عظیم الشان کامیابی تھی جس کیلئے کابل کو مرکز بنایا گیا تھا۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے جو کامیابیاں صیغۂ راز میں رکھی ہیں اور ان کے متعلق فرماتے ہیں کہ یہ تمام سیاسی معاملات ابھی تک تاریخ کے درجہ تک نہیں پہنچے اسلئے ہم تفصیلات نہیں لکھ سکتے۔ افسوس کہ مولانا عبیداللہ صاحب سندھی قبل از خروج انگریز ۲۱ راگست ۱۹۴۴ء بمقام دین پور وفات پاگئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆☆

اعتراضات کے جوابات

آزادی ہند،تحریک پاکستان اور دوقومی نظریہ پر ہم مزید بھی گفتگو کرنا چاہتے ہیں جو ان شاءاللہ آپ آگے تفصیل سے پڑھ لیں گے۔ یہاں عنوان کی مناسبت سے ہم فریق مخالف کے چند اعتراضات کے جواب دینا چاہتے ہیں۔معترض نے علمائے دیوبند پر معاذ اللہ انگریز نوازی کاالزام لگانے کیلئے ایک مستقل باب باندھا ہے جس میں اکثر پرانے گھسے پٹے اعتراضات شامل کئے ہیں۔جن کے جوابات کافی عرصہ پہلے راقم الحروف ایک مقالہ کی شکل میں دے چکا ہے جو بعد از اں حضرت مفتی مجاہد صاحب کی کتاب ’’ہدیہ بریلویت‘‘ میں بھی شائع ہوا بندہ اسی مقالے کو مناسب ترامیم کے ساتھ یہاں پیش کر رہا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

کیا علمائے اہلسنت دیوبند انگریز کے خیر خواہ تھے؟

(اعتراض نمبر ۱۶۲): جمعیت علمائے ہند انگریزوں کی مالی امداد پر قائم ہوئی

مکالمۃ الصدرین ص ۷ میں ہے کہ جمعیت علماء اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کی ایماء پر قائم ہوئی۔

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۱۴۳)

جواب: بریلوی حضرات کا یہ دعوی سرے سے باطل ہے۔

مکالمۃ الصدرین کی حقیقت

{اولا}: اس لئے کہ مکالمۃ الصدرین کوئی مستند کتاب نہیں۔اصل حقیقت اس کی فقط اتنی ہے کہ نظریہ قومیت کے اختلاف کے دنوں میں جمعیۃ علما ھند کے ارکان کا ایک وفد حضرت شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کی تیمارداری کیلئے ان کے مکان پر حاضر ہوا۔اس ملاقات میں چند ایک اختلافی مسائل بھی زیر بحث آئے۔ارکان جمعیہ اور حضرت علامہؒ کے سوا اس مجلس میں کوئی اور شخص موجود نہ تھا۔جمعیۃ علمائے ہند کے مخالفین کو جب اس ملاقات کا علم ہوا تو ان بزرگوں کا آپس میں مل بیٹھنا سخت ناگوار گزرا۔چنانچہ ان مخالفین نے بتوسط مولوی محمد طاہر صاحب حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحبؒ کی شخصیت کو استعمال کر کے ایسی صورت حال پیدا کر دی کہ ان بزرگوں کو دوبارہ آپس میں مل بیٹھنے کا موقع ہی نہ مل سکے۔مولوی محمد طاہر صاحب نے کچھ باتیں تو حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے حاصل کیں اور بہت سی باتیں اپنی طرف سے ملا کر مکالمۃ الصدرین کے نام سے رسالہ طبع کرا دیا۔اس رسالہ کے غیر مستند ہونے کیلئے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کے مرتب یعنی مولوی محمد طاہر بزرگوں کی اس ملاقات میں سرے سے شریک ہی نہیں تھے چنانچہ حضرت مدنیؒ فرماتے ہیں کہ:

’’مگر خود غرض چالاک لوگوں نے نہ معلوم مولانا (عثمانی) کو کیا سمجھایا اور کس قسم کا پروپگینڈا کیا کہ کچھ عرصہ بعد یہ رسالہ مکالمۃ الصدرین شائع کر دیا گیا۔جس میں نہ فریقین کے دستخط ہیں نہ فریق ثانی (اراکین جمعیہ) کو کوئی خبر دی گئی نہ ان میں سے کسی سے تصدیق کرائی گئی۔خود مولانا موصوف کے دستخط بھی نہیں بلکہ مولوی محمد طاہر صاحب کے دستخط ہیں جو اثنائے گفتگو میں موجود تک نہ تھے‘‘۔

{کشف حقیقت ص ۸}

ارکان جمعیۃ کو جب اس رسالہ کی اشاعت کا علم ہوا تو عوام کے بے حد اصرار پر حضرت مولانا مدنیؒ نے ۱۳۶۵ھ بمطابق ۱۹۴۶ء

میں کشف حقیقت کے نام سے اس کا جواب لکھا جو دلی پرنٹنگ پریس سے طبع ہوا۔جن میں انھوں نے اس بات کی صراحت فرمائی کہ رسالہ مذکورہ اس کے مرتب کے ذہن کی اختراع ہے جسے غلط طور پر علامہ عثمانی ؒ کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے چنانچہ حضرت علامہ مدنی ؒ فرماتے ہیں کہ:

''مکالمہ مذکورہ مولوی محمد طاہر صاحب ہی کا اثر خامہ اوران ہی کے فہم وخیالات کا نتیجہ ہے۔اور ہماری باہمی گفتگو کو صرف ان خیالات وافکار کا حیلہ بنایا گیاہے اوراسی لئے یہ حقیقت سے دوراور کذب وافتراء کا مجموعہ ہے''۔{کشف حقیقت ص۹}

نیز فرماتے ہیں کہ:

''اگر واقع میں یہ تمام تحریر مولانا شبیر احمد عثمانی کی مصدقہ تھی تو مولانا نے اس پر دستخط کیوں نہ فرمائے؟اوراگراس میں صداقت اورواقعیت تھی تو قبل اشاعت جمعیت کو دکھایا کیوں نہیں گیا''۔{کشف حقیقت ص ۱۰}

یعنی حضرت علامہ عثمانی ؒ کا اس پر دستخط نہ کرنا ہی اس چیز کی دلیل ہے کہ یہ رسالہ ان کا مصدقہ نہیں بلکہ مخالفین نے ان بزرگوں کے درمیان مزید بعد پیدا کرنے کیلئے اس کی نسبت حجرت علامہ عثمانی ؒ کی طرف کر دی۔ چنانچہ حضرت مولانا مدنی ؒ اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''چونکہ اس (مکالمۃ الصدرین) کی نسبت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی طرف کی گئی ہے اس لئے اس سے لوگوں کو بہت سے شبہات اورخلجانات پیدا ہوئے اوروہ ہماری طرف رجوع ہوئے۔دیکھنے سے معلوم ہوا کہ بلاشبہ اس میں اکاذیب اورغلط بیانیاں ہیں کہ جن کو دیکھ کر ہماری حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی اوربغیر افسوس اورانااللہ واناالیہ راجعون پڑھنے کے اورکوئی چارہ کارنظر نہ آیا''۔{ایضاص ۴}

ان حقائق سے صاف ظاہر ہے کہ مکالمۃ الصدرین کوئی مستند اورمصدقہ کتاب نہیں یہ ایک غیر مستند کتاب ہے۔

ثانیا: یہ بات مولانا حفظ الرحمن صاحب سے نقل کی گئی مکالمۃ الصدرین میں اورمولانا نے خود ان تمام باتوں کی تردید کی ہے کشف حقیقت میں اس تردید کی تفصیل موجود ہے جس میں سے کچھ عبارتیں ہم آئندہ پیش کریں گے۔پس جب کتاب غیر مستند اس کی راوی کی تردید موجود تو ایسے حوالے سے استدلال کرنا سوائے دل ماؤف کو تسکین دینا نہیں تو اورکیا ہے۔

ثالثا: خود مکالمۃ الصدرین کے آگے والے صفحہ میں یہ عبارت موجود ہے کہ انگریز کی طرف سے یہ نوٹ لکھا گیا کہ

''ایسے لوگوں یا انجمنوں پر حکومت کا روپیہ صرف کرنا بالکل بے کار ہے اس پر آئیندہ کیلئے امداد بند ہوگئی''۔{مکالمۃ الصدرین،ص ۸}

پس اگر جمعیت علمائے اسلام انگریز حکومت کی حمایت یافتہ تھی اوراس کی پشت پناہی حاصل تھی تو انگریز نے یہ حمایت اور یہ امداد بند کیوں کردی۔؟اورکیوں یہ کہا کہ ایسے انجمنوں پر پیسہ لگانا فضول ہے۔اس سے آپ معترض صاحب کے دجل وفریب کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

باقی رہا جمعیت علمائے ہند کا انگریز کے خلاف جدوجہد تو الحمدللہ اس پر اب تک پوری پوری کتابیں لکھی جا چکی ہیں اس جماعت کو ایسے اکابر بھی ملے جنھوں نے اپنی آدھی سے زیادہ زندگیاں جیلوں میں گزار دیں میں یہاں صرف ایک حوالہ پیش کرتا ہوں:

جمعیت علمائے ہند کے ۱۹۲۰ کے اجلاس میں جو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں ہوا انگریز کے خلاف یہ فتوی صادر کیا گیا:

''مسلمانوں کیلئے ایسی ملازمت جس میں دشمنان اسلام (انگریز) کی اعانت وامداد ہو اوراپنے بھائیوں کو قتل کرنا پڑے قطعا حرام ہیں''۔

اس فتوے پر چارسو چوہتر علماء نے دستخط کئے اوراسی فتوے کے بعد تحریک ترک موالات شروع ہوئی ۱۹۲۱ میں جمعیت کا یہ

فتویٰ ضبط کرلیا گیا مگر جمعیت نے قانون شکنی کر کے بار بار اس کو شائع کیا۔اور اسی تحریک میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ''اسیر مالٹا'' ہوئے ۔غور فرمائیں انگریز کی روٹیوں پر پلنے والے اس طرح ہوتے ہیں؟ ۔اگر یہ لوگ بھی انگریز کی جوتیاں چاٹنے والے ہوتے تو جیلیں آباد کرنے کے بجائے احمد رضا خان کی طرح ساری زندگی ''بریلی'' کے ایک حجرے میں بیٹھ کر ہر اس تحریک پر کفر کا فتویٰ لگاتے جو انگریز کی مخالفت پر کمر بستہ ہو۔

مکالمۃ الصدرین کی تائید پر جواب

مکالمۃ الصدرین ہمارے نزدیک معتبر نہیں کیونکہ شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ جیسے اکابر علماء اس کا رد کر رہے ہیں ۔ یہاں یہ اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے اس مکالمۃ الصدرین کی تائید کی ہے اور انہی کی تائید پر اعتماد کرتے ہوئے ان کے شاگرد مولانا انوار الحسن شیر کوٹی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تائید کی بلکہ خطبات عثمانی میں تو اس مکمل مکالمۃ الصدرین کو نقل کر دیا۔مگر اس کا جواب بھی ہم حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ ہی کے قلم سے دینا زیادہ مناسب سمجھتے ہیں:

''افسوس کہ مولانا موصوف ان عیاریوں اور چالاکیوں سے بالکل غافل ہوگئے ہیں جو اس رسالے کی ترتیب وتہذیب میں عمل میں لائی گئی ہیں اور عوام کو دھوکا دینے اور واقعات پر پردہ ڈالنے میں صرف کی گئی ہیں اور جو بلا شبہ اس قابل ہیں کہ ان کو طشت از بام کیا جائے ۔حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی بہت بڑی شخصیت کے مالک اور متبحر عالم ہیں مگر اسی کے ساتھ ساتھ مولانا موصوف میں بعض کمزوریاں بھی ہیں ۔مثلاً اگر مولانا کے ارد گرد اور ماحول میں ایسے خود غرض اور فتنہ جو افراد جمع ہو جائیں جو مولانا کی منقبت ومدحت کو آلہ بنا کر اور انی لکم لمن الناصحین کا نعرہ بلند کرتے ہوئے قسمیں کھا کھا کر مولانا کو مسحور کر لینا چاہیں تو مولانا موصوف کا مزاج بآسانی اسے قبول کر لیتا ہے اور اس فریب میں مولانا ہمیشہ ایسا شکار ہو جاتے ہیں کہ وہ نہ کرنے والی باتوں میں بھی کچھ پس وپیش نہیں فرماتے اور پھر اپنی اس روش پر مولانا کو اس قدر پیچ ہوجاتی ہے کہ گویا وہ مسحور ہو گئے ہیں اس لئے وہ صرف آگے آنے والے نتائج مشؤمہ سے ہی بے نیاز نہیں ہو جاتے بلکہ اپنے حقیقی مقام کو بھی بھلا دیتے ہیں''۔(کشف حقیقت،ص ۵،۶)

پس اسے حضرت کی سادگی کہیئے یا کچھ اور اپنے اسی مزاج کی وجہ سے ہم نشینوں کی بات میں آ کر اس مکالمۃ الصدرین کی بھی حمایت کر دی۔

پھر کشف حقیقت،ص ۱۳، ۱۴ پر اس امر کی طرف بھی توجہ دلائی گئی کہ حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کو بعض اوقات بھول جانے کی بھی عادت تھی اسی مجلس میں کہی گئی باتیں وہ اسی وقت بھول گئے تو چند دن بعد بعینہ وہی واقعات کیسے قلم بند کر سکتے ہیں لہذا اس کو دونوں طرف کے حضرات کی لفظ بلفظ تقریر کہنا بھی درست نہیں ۔حضرت مدنی ؒ لکھتے ہیں:

''ایسی صورت میں یہ مکالمۃ الصدرین کس طرح صحیح مکالمہ کہلانے اور فریق ثانی پر حجت ہونے کا مستحق ہوسکتا ہے؟''۔

(کشف حقیقت،ص ۱۲)

اسی طرح مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مکالمۃ کے بارے میں لکھتے ہیں:

’’مولانا عثمانی نے اگر دستخط بھی کر دئے ہوں تاہم وہ قابل اعتماد نہیں جب تک دوسرا فریق بھی دستخط نہ کرے‘‘۔(کشف حقیقت،ص ۲۵)

بہرحال تفصیل کیلئے آپ کشف حقیقت کا مطالعہ کریں۔حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تائید کے بعد بھی ہمارے لئے یہ مکالمۃ حجت نہیں اس واسطے کے ہمارے جید اکابر نے اس کی تردید کی ہے۔علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تائید میں معذور ہیں کہ وہ ہم نشینوں کی باتوں میں آگئے اللہ ان سے درگزر والا معاملہ فرمائے اور یہ تاریخ میں پہلی بار نہیں ہوا اسلام کی تاریخ اس قسم کے شریر نفسوں سے بھری پڑی ہے۔آخر حضرت علی ؓ وامیر معاویہ ؓ کے درمیان جنگیں کرنے والے بھی تو یہی ہم نشین تھے۔لیکن اس سب کے باوجود ہم اس باب میں دونوں طرف کے حضرات کو معذور سمجھتے ہیں اگرچہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حق حضرت علی ؓ کے ساتھ تھا اور حضرت معاویہ ؓ اس باب میں غلطی پر تھے۔پس حضرت عثمانی رحمۃ اللہ علیہ بھی اس باب میں غلطی پر ہیں اور حق حضرت مدنی ؒ اور انکی جماعت کے ساتھ ہے۔

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کیا کچھ نہیں کہا گیا مگر یہ سب غلط فہمی کی وجہ سے تھا۔حضرت خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام صاحب پر اعتراض کرنے والوں میں صف اول میں ہیں،قاضی القضا ۃ شمس الدین ابن خلکان الشافعی (م 861ھ) خطیب بغدادی کی اس غلط طرز گفتگو پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

’’خطیب نے اپنی تاریخ میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بہت سے مناقب ذکر کیے،اس کے بعد کچھ ایسی ناگفتہ بہ باتیں بھی لکھی ہیں جن کا ذکر نہ کرنا اور ان سے اعراض کرنا بہت ہی مناسب تھا؛ کیوں کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت کے متعلق نہ تو دیانت میں شبہ کیا جاسکتا ہے اور نہ ورع وحفظ میں،آپ پر کوئی نکتہ چینی بجز قلت عربیت کے اور نہیں کی گئی ہے‘‘۔

(تاریخ ابن خلکان 2/165)

ابھی حال ہی میں بریلویوں کے تحریک لبیک یارسول اللہ کے دو دھڑوں میں شدید اختلاف ہے

خادم حسین رضوی کا گروپ مولوی اشرف آصف جلالی کے گروپ کو ناموس رسالت اور ختم نبوت سے غداری والا کہہ رہا ہے اور جلالی گروپ خادم حسین رضوی کو رگڑا دے رہا ہے بلکہ اشرف آصف جلالی نے تو یہاں تک کہا کہ رضوی گروپ کے پیر افضل قادری خادم حسین رضوی کو خدا کہنے کی وجہ سے مشرک اور کافر ہو گئے ہیں اور دونوں نے اس موضوع پر ایک دوسرے کو مناظرے کے چیلنج بھی دے دئے یہ تمام ریکارڈ نیٹ پر اور ہمارے پاس بھی موجود ہے۔دونوں ایک دوسرے کو گمراہ اور پیسہ بٹورنے والا سمجھتے ہیں۔

اشرف آصف جلالی خادم حسین رضوی کے متعلق

وسیم بادامی کے پروگرام 11th Hour جو کہ ۲۹ نومبر ۲۰۱۷ کو نشر ہوا اس میں جلالی،رضوی کے متعلق کہتا ہے:

(۱) ہم نے جب دھرنا دیا ختم نبوت کیلئے تو ان کو اتنی توفیق نہ ملی کہ دھرنے کے حق میں دعا کر دیتے۔

(۲) ہمیں بہت افسوس ہوا جس حالت میں وہاں سے اٹھے ہیں۔

(۳) خادم حسین رضوی نے کہا (جماعت ہماری ہے) پوری شوری ہمارے ساتھ ہے چاروں صوبوں کے امیر ہمارے ساتھ ہیں اس کے جواب میں جلالی نے کہا کہ شوری تو بنی ہی نہیں (یعنی رضوی نے جھوٹ بولا ہے)

(۴) حضرت کو خود ہی علیحدہ پروان تھی اڑنے کی ۷۰ میں سے تو ایک بھی آپ کے ساتھ نہیں تو کونسے ۷۰ ہیں جنہوں نے آپ کو بنایا وہ تو

سارے ہمارے ساتھ ہیں۔(خادم رضوی)
(۵)انہوں نے شوری کی بات کی اس وقت جو شوری تھی اس کا تو کوئی بندہ ہی اب اس شوری میں نہیں انہوں نے جس شوری کی بات کی وہ جعلی شوری ہے انہوں نے اس وقت شوری بننے ہی نہیں دی میں نے تین بار کہا اب انہوں نے ایک من گھڑت شوری ہے۔
(اشرف جلالی)
(۶)رانا ثناء نے اپنے بیان میں کفریہ کلمات بولے ہیں خادم رضوی صاحب آج کیوں رانا ثناء کے بارے میں نہیں بول رہے ہیں۔امیر المجاہدین آج کیوں چپ ہیں یہ شرعی مسئلہ ہے قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔
(۷)میں نے کتنی قیمت سے دھرنا دیا ہے اور آپ نے کتنی قیمت سے دیا ہے وہ جب دنیا پڑھے گی تو بتائے گی۔(جلالی)
(۸)زمین میں کئی خدا ہوتے تو فساد ہو جاتا انہوں نے یہی آیت جماعت کے امیروں پر پڑھی ہے،اب امیر خدا تو نہیں ہے ناں،(اس پر موصوف جلالی صاحب کفر کا فتوی لگا چکے ہیں)بات سمجھیں اگر وسیم آپ کو کوئی کہہ دے کہ وسیم اللہ ہے یا خدا ہے(وسیم بادامی کی طرف سے استغفراللہ)تو آپ اس پر بولیں گے یا نہیں پیر افضل قادری نے امیر اور خدا کو ملایا ہے،مجھے اس بات کا جواب چاہئے۔
(۹)یہ جواب بالکل درست نہیں دے رہے اس واسطے کہ اگر کوئی مجرم نہیں ہے تو انہوں نے استعفی کس چیز کا لیا ہے؟انہوں نے جو معاہدہ کیا ہے اس میں لکھا ہے کہ کسی قسم کا فتوی نہیں لگائیں گے اگر تحقیق میں وہ مجرم ثابت ہو گیا تو یہ اپنی زبان کیوں دے آئے ہیں کہ یہ پھر بھی فتوی نہیں لگائیں گے۔(جلالی)
(۱۰)میں صبر و تحمل سے بات کر رہا ہوں،قوم دیکھ رہی ہے کہ آپ کے چہرے کی سلوٹیں کیا کہہ رہی ہیں،یہ چیخنے چلانے سے نہ اسلام کی کوئی خدمت ہے آپ خود ۲۴ تاریخ کو وہاں بھاگتے ہوئے گئے آپ نے کہا سال بھی بیٹھنا پڑے میں بیٹھوں گا،مجھے پھانسی لگوانا پڑے لگواؤں گا،خدا کیلئے اس بات کو مذاق نہ بنائیں۔(رضوی)
(۱۱)آپ نے تو کہا تھا پوری حکومت گرا کر آئیں گے ہمارے بندے شہید کر دئے پھر ایک استعفی پر واپس آگئے۔(جلالی)
(۱۲)کسی نے بھی نہیں کہا(رضوی)(یعنی جلالی جھوٹ بول رہا ہے،ساجد)

اسی طرح ہمارے پاس بریلوی مناظر سعید اسد کے آفیشل فیس بک پیج سے اس کے بیٹے کی ویڈیو مولوی ذیشان اسد کی موجود ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ دادا جی کی وفات پر جب اشرف آصف جلالی تعزیت کیلئے تشریف لائے تو خادم حسین رضوی گروپ کے مولانا فاروق الحسن نے ہم سے کہا کہ تم جلالی سے ملے کیوں؟تم نے اسے جوتے مار کر باہر کیوں نہیں نکالا؟

ہمارے پاس ان تمام باتوں کا ریکارڈ ویڈیو کی صورت اور تحاریر کی صورت میں موجود ہے اور سوشل میڈیا،ٹاک شوز کے ذریعہ پوری دنیا نے ان چیزوں کو دیکھا لیکن ہوسکتا ہے کہ آج سے کئی سال بعد جب عوام کے ذہنوں سے یہ بات نکل جائے تو بریلوی اس کا انکار کر دیں اس لئے ہم انہی کا ایک اصول یہاں نقل کر دیتے ہیں جس کے بعد ہمارا دعوی ساری عمر کیلئے سچ ثابت ہو گا۔

مفتی عطاءاللہ نعیمی لکھتے ہیں:

''یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ لوگ نہ جانتے ہوں کہ یہ کس نے کہا تھا ہم نے تو بچپن سے اپنے بزرگوں سے سنا کہ وہابی دیوبندی عقائد رکھنے والے مولویوں نے یہ کہا تھا کہ اہلسنت کے مخالفین نے یہ زہر اگلا تھا اور اس پر تاریخ پاکستان پر لکھی جانے والی کتب

ورسائل ومضامین گواہ ہیں،سب سے بڑھ کر ”رپورٹ جسٹس منیر تحقیقاتی عدالت“شاہد ہے جو اس کے الزام نہ ہونے اور حقیقت ثابتہ ہونے کا بین ثبوت ہے اور مزید یہ کہ ہائیکورٹ کے اس فیصلے کو (یہ بھی موصوف کا جھوٹ ہے یہ رپورٹ فیصلہ نہ تھا۔ساجد) ایک طویل عرصہ گزر چکا ہے اگر وہ الزام تھا تو ان لوگوں نے اس فیصلے کو اعلیٰ عدالت پر یعنی سپریم کورٹ میں چیلنج کیوں نہ کیا اور اپنی صفائی کیوں نہ پیش کی؟“

(تخلیق پاکستان میں علمائے اہلسنت کا کردار،ص ۹۵)

پس جو ہم نے کہا اگر یہ جھوٹ ہے تو بریلوی ہمارے خلاف کورٹ میں جائیں،ان کا نہ جانا ہی انہی کے اصول سے ہمارے تاقیامت سچا ہونے کی دلیل ہوگی،اب اس کے جواب میں ہم نے بعض بریلویوں سے سنا کہ دراصل ہمارے ان اکابر کے درمیان سیاسی لوگوں،میڈیا اور اہلسنت دشمنوں نے غلط فہمیاں پیدا کر دیں،پس اگر غلط فہمیوں کی بنیاد پر ایک دوسرے پر کفر کے فتوے لگ سکتے ہیں تو مکالمۃ الصدرین میں تو ایسی کوئی صورت نہیں،جو جواب اپنے ان دونوں گروپوں کے دفاع میں اہل بدعت دیں گے وہی جواب مکالمۃ الصدرین کی توثیق کے باب میں ہم دے دیں گے۔ملاحظہ ہو جلالی اور رضوی رسہ کشی کی مزید تفصیل۔

پیر افضل قادری اور اس کے شاگرد کو علمی جواب

الحمدللہ و کفی والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء محمد المصطفی

اما بعد

قال اللہ تعالیٰ؛ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا

پیر افضل قادری نے لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا پڑھ کے فیض آباد والے دھرنے میں یہ کہا کہ جس طرح زمین و آسمان میں دو خدا نہیں ہو سکتے۔اسی طرح تحریک لبیک یا رسول اللہ ﷺ میں بھی دو خدا نہیں ہو سکتے۔حالانکہ یہی بات بیان کرنے کے لئے مناسب الفاظ کا انتخاب بھی کیا جاسکتا تھا۔لیکن پیر افضل قادری نے اپنی روش کے مطابق غیر مناسب الفاظ میں بندے پر لفظ خدا کا اطلاق کر دیا۔جس کو ہر اہل علم نے محسوس کیا۔قبلہ کنز العلماء نے بھی اپنی شرعی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے کتب فقہ کی روشنی میں بندے پر لفظ خدا کے اطلاق کا ہونا مدلل بیان کیا۔اب ہونا یہ چاہئے تھا کہ ٹھنڈے دل سے غور کیا جاتا۔اور جس غلطی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے ڈاکٹر صاحب قبلہ نے پیر افضل قادری کی خیر خواہی کی اس سے رجوع کیا جاتا۔لیکن افسوس ایسا نہ ہوسکا بلکہ اس سنگین غلطی کا دفاع کیا گیا۔اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کئی جاہل بونے اٹھ کر ڈاکٹر صاحب قبلہ کو مناظرے کا چیلنج دے کر اپنے قد میں اضافہ کی کوشش کر رہے ہیں۔

جن کو زمانے کے علماء،شیوخ الحدیث کنز العلماء کہتے ہیں۔جن کو ہزاروں فضلاء کے استاد حافظ عبدالستار سعیدی صاحب جیسے صاحب علم لوگ بڑا عالم کہتے ہیں۔جن کو دورہ حدیث پڑھاتے ہوئے اور درسِ نظامی کے مروجہ علوم وفنون پڑھاتے ہوئے طویل عرصہ ہوگیا ہے۔ان سے عالم ہونے کا ثبوت مانگا جارہا ہے اور بخاری شریف کی ایک صفحہ عبارت سنانے کا کہا جارہا ہے اور دو صیغوں کی تعلیل کا بھی تقاضا ہے۔میرا سوال یہ ہے کہ بخاری شریف کی ایک صفحہ عبارت اور دو صیغوں کی تعلیل کو کس مستند اور معتمد علیہ شخصیت نے عالم ہونے کا معیار قرار دیا ہے؟ پیر افضل قادری اور ایسے جاہل کا مبلغ علم کیا ہے؟

اپنے بیان کئے ہوئے معیار کے مطابق پیر افضل قادری اور ایسے جاہلوں نے اپنے عالم ہونے کا ثبوت کس کو پیش کیا ہے؟ کیا

پدی کیا پدی کا شوربہ۔ جیسے کسی گدھے کو سبز رنگ کا چشمہ پہنا دو تو اسے خشک چارہ بھی سبز ہی نظر آتا ہے۔ اسی طرح پیر افضل قادری اور اس کے اذناب کی آنکھوں پر جہالت، تعصب اور مفادات کی عینک ہے۔ جس کی وجہ سے کفریہ کلمات بھی معاذ اللہ انہیں حسین اور دلکش نظر آتے ہیں۔ پھر مزید تعجب ڈاکٹر صاحب قبلہ کو بخاری شریف کے ایک صفحہ عبارت اور دو صیغوں کی تعلیل کی شرط کے ساتھ مناظرے کا چیلنج کر کے فریق مخالف نے اپنے مبلغ علم کو بیان کیا۔ کیونکہ مناظرے کے ماخوذ عنہ میں ایک احتمال یہ ہے کہ مناظرہ نظیر سے ماخوذ ہوا تو اس کا مفہوم ہوگا کہ مناظرین علم میں ہم پلہ اور ہم مثل ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ ایک مناظر غایت علو وکمال میں ہو اور دوسرا غایت دنائت ونقصان میں ہو۔

فی الاول ایماء الی انه ینبغی ان یکون المناظر ان متامثلین بان لا یکون احدهما فی غایت العلو والکلام والاخر فی نهایة الدنائة والنقصان

(مناظرہ رشیدیہ، صفحہ نمبر ۹)

جب فریق مخالف نے یہ شرط لگائی کہ ایک صفحہ بخاری شریف کی عبارت اور دو صیغوں کی تعلیل کے بعد مناظرہ کریں۔ تو اس نے اپنا مبلغ علم بیان کیا کہ میری صلاحیت ایک صفحہ عبارت اور دو صیغوں کی تعلیل کی ہے۔ اگر ڈاکٹر صاحب کی بھی یہی صلاحیت ہے تو مناظرہ کریں کیونکہ مناظرہ متماثلین میں ہوتا ہے۔ اگر فریق مخالف نے ایک صفحہ عبارت کی شرط لگانے سے پہلے ایک صفحہ مناظرہ رشیدیہ کا پڑھ لیا ہوتا تو یہ گھٹیا شرط لگانے کی جرات نہ ہوتی۔ اور غرور علم کا بھانڈہ یوں بیچ چوراہے پر نہ پھوٹتا۔ میرا مشورہ ہے کہ مناظرہ کرنے کے لئے ڈاکٹر صاحب قبلہ کو اپنے گھٹیا معیار پر لانے کی بجائے پیر افضل قادری اور اس کی اذناب اپنے آپ کو ڈاکٹر صاحب کے معیار پر لے جائیں۔ علم تفسیر، اصول تفسیر حدیث، اصول حدیث، علم کلام، فقہ، اصول فقہ، علم اسماء الرجال اور دیگر علوم وفنون مروجہ میں مہارت وکمال حاصل کریں اور مناظرہ کا شوق پورا کریں۔ پیر افضل قادری تو اس معیار تک نہیں پہنچ سکتا کیونکہ عمر کا بھی کچھ تقاضا ہوتا ہے۔ ہاں اگر ان کی اذناب میں کوئی ڈاکٹر صاحب کے پائے کا عالم پیدا ہوا تو پھر دیکھیں گے کیونکہ کنز العلماء روز پیدا نہیں ہوتے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

فریق مخالف اگرچہ اپنے آپ کو لاکھوں بار عالم کہے اور کہلوائے لیکن آپ میں اور کنز العلماء میں زمین وآسمان سے بھی زیادہ فرق ہے ؎

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
کرگس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

اگرچہ گدھ اور شاہین ایک ہی فضا میں پرواز کر رہے ہوں لیکن گدھ کی نظر زمین پر پڑے مردار کی طرف ہوتی ہے۔ اور شاہین کی نظر آسمان کی بلندیوں کی طرف۔ گدھ کو شاہین کا مقابلہ کرنے کے لئے عروج و بلندی میں جانا پڑے گا۔ شاہین اپنی بلندی پرواز کو چھوڑ کر گدھ کا مقابلہ کرنے کے لئے پستی کی طرف نہیں آیا کرتا۔ اگر پھر بھی فریق مخالف اپنی ایک صفحہ والی شرط پر بضد ہے تو پھر اس کے مناظرہ کرنے کا شوق ہمارے طلبہ بھی پورا کر سکتے ہیں۔

پھر فریق مخالف نے لکھا کہ ”آپ نے ٹی وی پر میرے استاد پر شرک کا فتوی جڑ دیا“ تو آپ کو ڈاکٹر صاحب قبلہ کا موقف ہی

نہیں سمجھ آیا۔

ڈاکٹر صاحب قبلہ کا موقف:

ڈاکٹر صاحب قبلہ نے اے۔آر وائی نیوز چینل پر بندے پر لفظ خدا کے اطلاق کو کفر وشرک کہا، قائل کو کافر ومشرک نہیں کہا۔یعنی بندے کو خدا کہنے کو کفر قرار دیا۔پیر افضل قادری کو کافر ومشرک نہیں کہا۔قول کا کفر ہونا اور ہے اور قائل کا کافر ومشرک ہونا اور ہے۔جیسا کہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اقوال کا کلمہ کفر کفر ہونا اور بات اور قائل کو کافر مان لینا اور بات۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۵، صفحہ:۲۵۱)

لہٰذا ڈاکٹر صاحب قبلہ پر یہ الزام اور بہتان ہے کہ انہوں نے پیر افضل قادری کو کافر کہا اور اس پر شرک کا فتویٰ لگایا۔فریق مخالف بزعم خویش مفتی کو اپنے مطالعہ میں وسعت پیدا کرنی چاہئے اور جھوٹ بولنے سے بچنا چاہئے۔باقی جہاں تک مفتی منیب الرحمن صاحب ہزاروی کے فتوے کا تعلق ہے تو عجلت میں دیئے گئے فتوے کی وہ خود وضاحت نہیں کر پائے۔اور جب ان کے علم میں اصل بات لائی گئی ہے اس کے بعد وہ اب تک خاموش ہیں۔جس پر ڈاکٹر صاحب کا کالم چھپ چکا ہے۔

یہ کہنا کہ ڈاکٹر صاحب نے کسی خفیہ طاقت کے مشن پر چلتے ہوئے تحریک لبیک یا رسول اللہ ﷺ کو نقصان پہنچایا۔یہ ایک اور جھوٹ ہے۔اگر آپ کے پاس ثبوت ہے تو سامنے لائیں۔بس ڈاکٹر صاحب کا جرم یہ ہے کہ انہوں نے تین تین لاکھ لے کر تحریک کے عہدے نہیں بیچے۔اور جو لوگ غازی صاحب کی رہائی تحریک میں کبھی کسی ریلی میں نظر نہیں آئے آج وہ لاکھوں کے نذرانے دینے کی وجہ سے مرکزی عہدوں پر ہیں۔اور ڈاکٹر صاحب قبلہ جنہوں نے سب سے پہلے ۹ جنوری ۲۰۱۱ء کو غازی صاحب کے حق میں ایوان اقبال میں سیمینار کا انعقاد کیا۔اور تحقیقی مقالہ پیش کرتے ہوئے مخالفین کی زبانیں بند کرائیں اور لوگوں کو غازی صاحب کے عظیم کردار پر دلائل کی روشنی میں مطمئن کیا۔

غازی صاحب کے بھائی دلپذیر اعوان صاحب کے بیان کے مطابق:

سب سے پہلے کاروان لے کر پہنچنے میں خود اس کا حصہ تھا، بحمد اللہ تعالیٰ۔بلکہ دلپذیر اعوان صاحب نے مرکز صراط مستقیم میں آمد کے موقع پر یہاں تک فرمایا تھا کہ راولپنڈی والوں کو بھی ہمارے گھر کا راستہ ڈاکٹر صاحب قبلہ نے دکھایا۔اپنے استاد سے پوچھئے گا کہ غازی صاحب کس عالم دین پر سب سے زیادہ اعتماد فرماتے تھے؟ اور غازی صاحب نے زندگی کا آخری خط کس کے نام لکھا؟ اگر آپ کو پیر افضل قادری نہ بتا سکے تو دلپذیر اعوان صاحب سے رابطہ کر لینا ان شاء اللہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔افسوس آج وہ لوگ تحریک پر مسلط ہو گئے جو اس مشن میں شریک سفر ہی نہیں تھے۔اور جہاں تک مفتی منیب الرحمن صاحب کو گالیاں دینے کی بات ہے یہ ایک اور جھوٹ ہے۔یہ آپ کا ورثہ ہے اور آپ کے پاس ہی اچھا لگتا ہے۔

لفظ خدا کی اضافت پر فریق مخالف کا محاسبہ:

فریق مخالف نے اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ جیسے لفظ رب مطلق ہو تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہوتا ہے اور جب مضاف ہو تو غیر خدا کے لئے بھی جائز ہے۔اسی طرح لفظ خدا اضافت کے بغیر اللہ تعالیٰ کے لئے اور اضافت کے بعد غیر خدا کے لئے بمعنی آقا، مالک، صاحب وغیرہ

استعمال ہوتا ہے۔اور اس پر غیاث اللغات کا حوالہ پیش کیا۔میں کہتا ہوں یہ توجیہ مردود ہے۔

اولاً ضابطہ کے مطابق مضاف اور مضاف الیہ اکٹھے ہوتے ہیں۔جیسے کتاب زید، خدائے من۔فارسی میں جس لفظ کے آخر میں الف ہو اس کی اضافت کا ضابطہ یہ ہے کہ مضاف کے آخر میں ہمزہ مکسور اور یائے مجہولہ اظہار کسرہ کے لئے لاتے ہیں۔اکرم القواعد میں ہے: گر در آخراینان (مضاف، موصوف) الف یا واؤ ساکن باشد پس در آخراینان ہمزہ مکسورہ و یائے مجھول بجہتِ اظہار کسرہ درآرند، چوں دانائے عصر وغیرہ‘‘ نیز کتاب فارسی کے صفحہ نمبر ۱۹ پر بھی یہ عبارت موجود ہے۔تو پیر افضل قادری کے الفاظ دھرنے میں یہ تھے کہ لبیک میں بھی اگر دو خدا مانیں گے تو بیڑہ غرق ہوجائے گا۔تو آپ یہ بتائیں کہ جیسے خدائے من میں لفظ خدا مضاف اور لفظ من مضاف الیہ ہے پیر افضل قادری کے قول میں لفظ خدا کا مضاف الیہ کہاں ہے؟ اگر یہ مضاف ہوتا تو اس کے آخر میں قاعدہ کے مطابق یائے اضافت ہوتی جیسے’’ خدائے ما بزرگ است۔‘‘ یہ تو ایسے ہوگیا جیسے کوئی بندہ کہے گا کہ گلاس میں پانی ہے تو آپ کہیں گلاس مضاف الیہ ہے ظرف نہیں۔لہٰذا یہ ایک مظالطہ ہے کہ آپ کے استاد نے لفظ خدا کو تحریک کی طرف مضاف کیا ہے۔

ثانیاً یہ توجیہ القول بمالا یرضٰی بہ قائلہ کے قبیل سے ہے۔کیوں کہ ڈاکٹر صاحب قبلہ کی طرف سے تنبیہ کے بعد پیر افضل قادری نے جس ویڈیو میں ڈاکٹر صاحب قبلہ کو مناظرہ کا کہا۔جس کا ذکر آپ نے بھی اپنے مضمون میں کیا ہے۔اس ویڈیو میں پیر افضل قادری نے یہ کہا کہ اللہ کے لفظ کے لئے خدا ہو تو الٰہ کے معنی میں ہوتا ہے۔جب بندوں کے لئے ہو تو پھر آقا اور حاکم کے معنی میں ہوتا ہے۔جب خود پیر افضل قادری نے اس کو مضاف استعمال بھی نہیں کیا اور بیان بھی نہیں کیا۔وہ مطلق استعمال کا دفاع کر رہے ہیں۔اور آپ اضافت کی صورت میں استعمال کو جائز قرار دے رہے ہیں۔آپ کے بے وقت راگ کو سنا جائے یا خود قائل کی وضاحت کو سنا جائے۔اپنے استاد سے پوچھ کر بتادیں۔پھر پیر افضل قادری نے اس کے دفاع میں جو لفظ علی اور لفظ داتا کو مقیس علیہ بنا کر پیش کیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لئے اور مخلوق کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔کیا اضافت کی صورت میں اس کا جواب بیان کیا گیا؟

آپ کو بھی پتا ہے کہ آپ کے استاد نے لفظ علی اور لفظ داتا کے مخلوق کے لئے مطلقاً استعمال کو جائز قرار دیا ہے۔اور قائل نے یہ تصریح کی ہے کہ بعض الفاظ ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں۔اور مخلوق کے لئے بھی۔لہٰذا آپ کے اس اضافت والے قانون سے پیر افضل قادری کا دفاع تو نہ ہوسکا۔البتہ آپ کے ضابطہ کے مطابق جب لفظ خدا (اللہ تعالیٰ) مطلق ہو تو اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوتا ہے اور **پیر افضل قادری نے بھی مطلق استعمال کیا ہے۔لہٰذا آپ کے ضابطہ کے مطابق پیر افضل قادری کافر ہو گیا**۔تو آپ کو مفتی ہونے کی حیثیت سے اپنے ضابطہ کے مطابق اپنے استاد کو کافر کہنا چاہئے۔لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا۔

پیر افضل قادری اور اس کے شاگرد کا لفظ خدا کے استعمال کے لئے الگ الگ ضابطہ:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پیر افضل قادری نے لفظ خدا کو ان الفاظ میں استعمال کیا جو اللہ تعالیٰ کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں۔اور مخلوق کے لئے بھی استعمال ہوتے ہیں۔حالانکہ مفتی اعظم ہند محمد مصطفیٰ رضا خان نے فتاویٰ مصطفویہ میں فرمایا ہے کہ اللہ عزوجل پر ہی خدا کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ماشاء اللہ آپ بھی مفتی کہلاتے ہیں اور آپ کے استاد کو بھی بڑا گھمنڈ ہے۔تو مفتی اعظم رحمہ اللہ کے الفاظ سے آپ کو کوئی حصر سمجھ کیوں نہیں آیا؟ پھر مفتی اعظم رحمہ اللہ نے جو خدا کا معنی کیا ہے وہ بھی اپنے استاد کو بتائیں۔مفتی اعظم رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ وہ اصل میں ’’خود آ‘‘ ہے۔جس کے معنی ہیں وہ جو خود موجود ہو کسی اور کے موجود کئے موجود نہ ہوا ہو۔(فتاویٰ مصطفویہ، صفحہ ۳۱)

لفظ خدا کا یہ معنی جو مفتی اعظم ہند رحمہ اللہ نے بیان کیا یہی معنی علامہ تفتازانی رحمہ اللہ نے لفظ اللہ کا شرح عقائد میں بیان کیا۔ملاحظہ ہو۔

المحدث للعالم هوالله تعالىٰ اى الذات الواجب الوجود الذى يكون وجوده من ذاته ولا يحتاج الى شىء اصلا۔ (شرح عقائد،صفحہ:۲۵)

تو مفتی اعظم ہند نے جو معنی بیان کیا اس کے مطابق لفظ خدا اور لفظ اللہ کا ایک ہی معنی ہے۔آپ کو اور آپ کے استاد کو اگر جرات ہے تو مفتی اعظم ہند کے بیان کردہ معنی کے مطابق لفظ خدا واجب الوجود اور لفظ اللہ کے مفہوم میں فرق بیان کردیں۔لہذا آپ نے جو لفظ خدا کو لفظ رب کے مشابہ قرار دیا وہ بھی غلط اور آپ کے استاد نے غیر خدا کے لئے استعمال کیا وہ بھی غلط۔ہم مفتی اعظم کے فتوی سے ٹکرانے والے فتوی کو مسترد کرتے ہیں۔

فتاوی رضویہ سے لفظ خدا اور لفظ اللہ کے ہم معنی ہونے پر مثال:

فتاوی رضویہ سے بھی لفظ اللہ اور لفظ خدا کے ہم معنی ہونے کی مثال ہمارے سامنے ہے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ سے ایک طائفہ کے بارے میں سوال ہوا۔

سوال نمبر ۳:

اٹھتے بیٹھتے اپنے مرشدوں کو باسمائے امام مہدی،رسول مقبول،اللہ تعالیٰ موسوم کریں؟

آپ نے جواب میں لکھا مگر ان میں چار باتیں صریح کفر وارتداد ہیں۔اول اپنے پیروں کو خدا اور رسول کہنا الخ۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد ۱۴،صفحہ نمبر ۶۱۰)

اس سے بتانا یہ مقصود ہے کہ سائل نے سوال میں کچھ لوگوں کے بارے میں لکھا کہ وہ اپنے پیروں کو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں اور رسول کہتے ہیں۔اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے جواب میں لکھا کہ اپنے پیروں کو خدا اور رسول کہنا کفر وارتداد ہے۔کیونکہ جواب سوال کے مطابق ہوتا ہے۔تو سائل نے سوال میں لفظ اللہ لکھا۔اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے جواب میں لفظ خدا لکھا۔جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آپ کے نزدیک لفظ اللہ اور لفظ خدا ہم معنی ہیں۔اور مرشد پر لفظ خدا کا اور رسول کا اطلاق کفر وارتداد ہے۔اکابر کی ان تشریحات کو ٹھنڈے دل اور حوصلہ سے پڑھیں۔میرے خیال میں یہ فتویٰ پڑھ کر تعصب کی عینک اتار کر حقیقت کو سمجھیں کہ آپ کے استاد نے بندے پر لفظ خدا کا اطلاق کیا۔اب قائل اور آپ اس کا دفاع کررہے ہیں۔جب کہ اعلیٰ حضرت اور آپ کے شہزادے نے لفظ خدا اور لفظ اللہ کو ہم معنی تسلیم کیا ہے۔ **اور آپ کے استاد کے سامنے اور موجودگی میں داتا دربار منعقد ہونے والے پروگرام میں ایک شخص نے پیر افضل قادری اور خادم رضوی کو معاذ اللہ نبی کہا۔اور آپ کے استاد اور خادم رضوی چپ ہیں اور آپ کو کچھ کہنے کی جرات اور توفیق نہیں ہوتی**۔حالانکہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے اس پر کفر وارتداد کا فتوی دیا ہے۔اس پر آپ کی غیرت کب جوش مارتی ہے؟ مجھے اس وقت کا شدت سے انتظار ہے۔

پیر افضل کا لفظ خدا کے غیر اللہ کے لئے اطلاق کے جواز کارد کتب فقہ کی روشنی میں:

پیر افضل قادری نے اپنے دفاع میں کہا کہ لفظ خدا جب بندوں کے لئے ہو تو پھر آقا اور حاکم کے معنی میں ہوتا ہے میرا فریق مخالف اور پیر افضل قادری سے سوال ہے کہ درج ذیل عبارات فقہ کی تشریح کریں۔

فتاویٰ تاتارخانیہ اور فتاوی عالمگیری میں ہے کہ

لو قال من خدایم علی وجہ المزاح یعنی خود آیم فقد کفر

(فتاوی تاتارخانیہ، جلد ۵، صفحہ: ۴۷۱) (فتاوی عالمگیری جلد، ۲، صفحہ: ۲۷۴)

اگر کسی نے مزاحاً کہا میں خدا ہوں یعنی خود موجود ہوں کسی نے مجھے وجود نہیں دیا تو اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔

فتاویٰ بزازیہ میں ہے

لو قال من خدائم ھلا ھمزہ یرید من خدیم یکفر اثم الخ۔

(فتاوی بزازیہ، صفحہ: ۳۴۴)

پیر افضل قادری کے نظریہ کے مطابق تو مذکورہ صورتوں میں کفر کا فتویٰ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ غیر اللہ پر خدا کا اطلاق بمعنی آقا اور حاکم ہوتا ہے۔ جو ان کے نزدیک درست ہے لیکن فقہاء نے اس پر کفر کا فتوی دے کر پیر افضل قادری کا ضابطہ دیوار پر مار دیا۔

اضافت کی صورت میں جواز کا رد:

مخالف مذکور نے غیاث اللغات کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جب لفظ خدا مضاف ہو تو غیر خدا کے لئے اس کا استعمال جائز ہے۔ لیکن قاضی خان کی عبارت اس کی تردید کرتی ہے ملاحظہ کریں۔

لو قال اے خدائ من یکون کفرا

(فتاوی قاضی خان، آخرین، جلد ۴، صفحہ ۴۶۹، کتاب السیر)

کسی نے دوسرے سے کہا کہ اے میرے خدا تو اس کا یہ قول کفر ہے۔

ان تمام عبارات میں لفظ خدا کا اطلاق بندوں پر ہے۔

پیر افضل قادری کے ضابطہ کے مطابق غیر اللہ کے لئے لفظ خدا بمعنی آقا اور حاکم ہوتا ہے۔ تو اس مذکورہ صورت میں کفر کا فتوی کیوں ہے؟ اور اس کے شاگرد کے مطابق اضافت کی صورت میں غیر خدا کے لئے استعمال جائز ہے۔ تو امام قاضی خان کو یہ جواز کیوں نظر نہیں آیا؟ اور انہوں نے اپنے فتاوی میں اس قول کو کفریہ کیوں کہا؟ اور اس ضابطہ کو کیوں رد کر دیا؟

پھر آپ کے نزدیک اضافت کی صورت میں پیر افضل قادری نے لفظ خدا استعمال کیا۔ ڈاکٹر صاحب قبلہ نے اس قول کو کفریہ کہا تو آپ نے فقہی بصیرت یا اپنی جہالت سے نکاح ٹوٹ جانے کی بات کی۔ اور ان کے لئے معاذ اللہ کفار والاسلام لکھا حالانکہ فتاوی قاضی خان کی عبارت میں بھی اضافت کی صورت کو کفریہ قرار دیا ہے۔ تو قاضی خان میں بھی وہی قول ہے جو ڈاکٹر صاحب قبلہ کا ہے۔ تو کیا یہ فتوی دینے کے بعد فتاوی قاضی خان کے مصنف پر کفر کا فتوی ہے یا نہیں؟ اور ان کا نکاح ٹوٹا ہے یا نہیں ان کے لئے دعاء رحمت کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اگر ان پر کفر کا فتوی ہے اور ان کا نکاح ٹوٹ گیا تھا۔ تو وہ فتوی سامنے لاؤ اور آج تک جمہور نے انہیں کافر کیوں نہیں کہا؟ تو ان کا حکم بیان کرو جو دعائے رحمت کرتے رہے؟ جو رحمۃ اللہ علیہ کہتے رہے ان کا حکم بیان کرو؟ اور اگر اضافت والی صورت کو کفریہ کہنے کے بعد بھی ان کا نکاح نہیں ٹوٹا تو فرق بیان کرو کہ فتاوی قاضی خان کے مصنف کافر نہیں ہوتے اور ڈاکٹر صاحب پر کفر کا فتوی آجاتا ہے؟ قاضی خاں کا

نکاح نہیں ٹوٹتا اور ڈاکٹر صاحب کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے؟ قاضی خاں کے لئے دعائے مغفرت بھی جائز اور ڈاکٹر صاحب قبلہ کو سلام کرنا بھی ناجائز؟ کیا یہی فقہی بصیرت ہے جس کی وجہ سے آپ ڈاکٹر صاحب کو مناظرے کا چیلنج کر رہے ہیں؟ میرا دل کرتا ہے کہ آپ کی فقہی بصیرت پر آپ کے استاد اور آپ کے استاد کی فقہی بصیرت پر آپ کو قربان کر دوں۔

نہ تم صدمے ہمیں دیتے نہ ہم اظہار یوں کرتے
نہ کھلتے راز سر بستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

میرے نزدیک پیر افضل قادری کے اس نام نہاد مفتی سے ڈاکٹر صاحب قبلہ پر فتوی لگانے میں اپنے استاد کی حمایت کرنے میں درج ذیل سنگین غلطیاں ہوئی ہیں۔

(۱) اس کے نزدیک پیر افضل قادری نے لفظ خدا مضاف ہونے کی صورت میں استعمال کیا ہے حالانکہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ اس کے استاد کی عبارت میں لفظ خدا مطلق ہے مضاف نہیں ہے۔

(۲) ڈاکٹر صاحب نے اس قول کو کفر وشرک کہا، قائل کو کافر ومشرک نہیں کہا حالانکہ اس نے قول کے کفر وشرک ہونے کو قائل کا کافر ہونا سمجھ لیا۔

(۳) لغوی معنی کو دیکھ کر فتوی لکھنے بیٹھ گیا۔ شرعی تعبیرات اور فقہی عبارات کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی یا اپنے استاذ کی محبت میں یا تجاہل عارفانہ برتا ہے۔

(۴) لزوم کفر اور التزام میں فرق کا علم ہی نہیں۔

ڈاکٹر صاحب قبلہ نے جو لفظ خدا کے اطلاق کو کفر قرار دیا۔ وہ صرف ڈاکٹر صاحب قبلہ کا موقف نہیں بلکہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ، آپ کے صاحبزادے مفتی اعظم ہند رحمہ اللہ اور دیگر اکابر فقہاء کا موقف ہے۔ لہٰذا آپ ایک کفریہ قول کے دفاع کرنے پر اور ڈاکٹر صاحب قبلہ پر غلط فتوی لگانے پر اپنے ایمان اور نکاح کی فکر کریں۔

لغت کے حوالوں کا جواب:

باقی جہاں تک لغت کا تعلق ہے۔ تو اہل لغت نے جو معنی بیان کیا ہے وہ بالکل درست ہے۔ کہ لفظ خدا اصل کے لحاظ سے اللہ کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور حاکم، آقا اور مالک وغیرہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ لیکن شرعی استعمال کے لحاظ سے یہ اب اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہو چکا ہے۔ اہل لغت کا کام لفظ کا لغوی معنی بیان کرنا ہوتا ہے۔ شرعی حکم بیان کرنا فقہاء کا کام ہے۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک لفظ کا لغوی معنی اور ہو اور شرعی معنی اور ہو۔ جیسے لفظ صلوۃ کو دیکھ لیں۔ لفظ اللہ پر بحث آپ نے تفسیر بیضاوی میں پڑھی ہوگی۔ کہ اس کے لغوی معانی کتنے ہیں اور اب استعمالاً وہ کیسے خاص ہو چکا ہے۔ تو اہل لغت نے اپنی ذمہ داری پوری کرتے ہوئے لفظ خدا کے اصل کے لحاظ سے جتنے معانی بنتے تھے بیان کر دیئے۔ اب شرعی لحاظ سے اس کی تخصیص کو فقہاء نے بیان کیا۔ اور اس قول کو کفریہ قرار دے کر یہ واضح کر دیا کہ استعمال کے لحاظ سے یہ اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔ اس لئے فقہاء اور اکابر نے اہل لغت پر کوئی فتوی نہیں لگایا کہ وہ اپنی ذمہ داری پوری کر رہے ہیں۔ اور خود فتوی لگا کر اپنی ذمہ داری بھی پوری کی۔ اگر آپ لغت کی کتاب لکھنا چاہتے ہیں تو شوق سے لفظ خدا کے معانی

بیان کریں۔لیکن فتوی کے لحاظ سے صرف لغت کا سہارا کام نہیں آئے گا۔بلکہ فقہاء سے راہنمائی لینی پڑے گی اور فقہائے کرام نے مطلق اور مضاف دونوں صورتوں پر فتوی دے کر ہماری راہنمائی کر دی ہے۔

آپ فیروز اللغات اور غیاث اللغات وغیرہ کے شیش محل سے باہر نکل کر فقہ اور علم کلام کے دلائل کا بھی نظارہ کریں۔کیونکہ لغت کے حوالے ہمارے خلاف نہیں ہیں۔البتہ فقہ کی عبارات آپ کے خلاف ہیں۔اب ہم نے جو مجمل بیان کیا ہے اس کے مطابق لغت میں جو معانی ہیں وہ بھی درست اور فقہا کرام نے جولکھا ہے وہ بھی درست ہے۔لیکن آپ نے جولکھا ہے اس کے مطابق لغت کے معانی درست اور فقہا کے فتاوی جات غلط ہیں۔ہمیں تو یہ برداشت نہیں کہ لغت کے گنبد میں بیٹھ کر فتاویٰ کو ردی کی ٹوکری میں ڈال دیں۔

اگر آپ کی فقہی بصیرت اس کو قبول کرتی ہے تو بصیرت آپ کو مبارک ہو۔لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ ڈاکٹر صاحب قبلہ نے جو فتاویٰ رضویہ، فتاویٰ مصطفویہ ،فتاوی تاتارخانیہ، فتاویٰ عالمگیری ،فتاویٰ بزازیہ اور فتاویٰ قاضی خان کی صریح عبارات اپنے دعویٰ پر پیش کی ہیں۔آپ زبان درازی کی بجائے ان کے جوابات دیں۔اور اپنی تائید میں اسی طرح فقہاء کرام کی عبارات اور فتاویٰ جات پیش کریں۔ جو آپ ان شاء اللہ قیامت تک نہیں کر سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ پیر افضل قادری اور اس کے حامیوں کو توبہ کی توفیق عطا فرمائے۔

یاد رہے میں اپنے مضمون میں افضل قادری کو پیر اس کے اندھے مریدں کے اعتبار سے لکھتا رہا ہوں۔ورنہ یہ شخص اتنے بڑے جرم کے بعد پیر کہلانے کا حقدار نہیں۔اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب قبلہ کو احقاق حق کے لئے اتنی تکلیفیں برداشت کرنے پر اجر عظیم عطا فرمائے، آمین۔

اگر محرم راز، مفتی شہزاد کے مضمون کو پڑھے تو اسے پتہ چل جائے گا کہ سب کچھ لکھا ہی پیر افضل قادری نے ہے۔سولی پہ چڑھانے کے لئے نام بیچارے مفتی محمد شہزاد کا لکھ دیا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

(پیر افضل قادری اور اس کے شاگرد کو علمی جواب ص ۱ تا ۷ از مفتی محمد طاہر نواز قادری ناظم تعلیمات مرکز صراط مستقیم تاج باغ لاہور شائع کردہ تحریک لبیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ڈاکٹر صاحب کے موقف کو جانے بغیر لکھی گئی تحریر کا جواب

از مفتی محمد طاہر نواز قادری

ناظم تعلیمات مرکز صراط مستقیم تاج باغ لاہور

عنایت اللہ حصیر القادری صاحب کا مضمون نظر سے گزرا جس میں انہوں نے ڈاکٹر صاحب قبلہ کا موقف جانے بغیر ان کے خلاف لکھا۔بڑا افسوس ہوا کہ یہ علماء کی شایانِ شان نہیں ہے کہ کسی شخص کے موقف کا صحیح علم نہ ہونے کے باوجود اس کے خلاف لکھنا شروع کر دیا جائے۔پہلے "جلالی، رضوی اختلاف" کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے نصیحت کرنے کی کوشش کی کہ اختلاف کو کم کرنے کی بجائے اسے

زیادہ کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔کاش آپ نے اختلاف کی بنیاد کو سمجھا ہوتا اور ڈاکٹر صاحب کو غلط کہنے سے پہلے اختلاف کی وجوہات کو جاننے کی کوشش کی ہوتی۔اور ڈاکٹر صاحب قبلہ کا موقف معلوم کرلیا ہوتا۔تو بعض صورتوں میں محض خیالی پلاؤ پر اکتفانہ کرتے۔ ہم سب سے پہلے بندے پر لفظ خدا کے اطلاق پر ڈاکٹر صاحب کا موقف واضح کرتے ہیں۔پھر ان شاءاللہ اختلاف اور شہداء کے حوالے سے جو آپ نے لکھا ہے اس کا بھی سرسری جائزہ لیں گے۔

ڈاکٹر صاحب کا موقف

افضل قادری نے فیض آباد دھرنے میں ''تحریک میں دوخدا'' کے الفاظ استعمال کرتے ہوئے بندے پر لفظِ خدا کا اطلاق کیا۔ جس پر ڈاکٹر صاحب قبلہ نے شرعی مسئلہ بیان کیا کہ بندے پر لفظ خدا کا اطلاق کرنا کفر ہے۔یعنی یہ قول کفر ہے،قائل کو کافر نہیں کہا۔بالفاظ دیگر یہ لزوم کفر ہے،التزام کفر نہیں۔لہٰذا ڈاکٹر صاحب نے اس کلمے کا کفریہ ہونا عبارت فقہاء کی روشنی میں بیان کیا،اور التزام کفر نہ ہونے کی وجہ سے قائل کو کافر نہیں کہا۔یہ بات آپ نے بھی اپنے مضمون میں تمہید ایمان کے حوالے سے لکھی ہے کہ اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات،اور قائل کا کافر ہونا اور بات۔اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی یہی عبارت فتاویٰ رضویہ جلد نمبر ۱۵،صفحہ نمبر ۲۵۶ میں بھی موجود ہے۔جو ہم افضل قادری کی تردید میں لکھے جانے والے مضمون میں بھی درج کر چکے ہیں۔

افضل قادری کا لزوم کو تسلیم کرنے سے انکار

پیر افضل قادری نے بندے پر لفظِ خدا کے اطلاق کو لوزم کفر ماننے سے انکار کیا۔اور فیروز اللغات کا حوالہ دینے کے بعد یہ کہا کہ لفظِ خدا بندے کے لئے بولا جائے تو پھر آقا اور حاکم کے معنی میں ہوتا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے لئے الٰہ کے معنی میں ہوتا ہے۔جس کے رد میں ڈاکٹر صاحب قبلہ نے فتاویٰ جات کی روشنی میں یہ وضاحت کی کہ فقہاء کرام نے بندے پر لفظ خدا کے اطلاق کو کفر کہا ہے۔جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ افضل قادری کا بیان کردہ ضابطہ غلط ہے۔

پھر افضل قادری نے بندے پر لفظ خدا کا اطلاق فیض آباد دھرنے میں کیا۔اور ڈاکٹر صاحب کی تنبیہ کے باوجود اس قول کے کفریہ ہونے کو تسلیم بھی نہیں کیا۔اور مناظرہ والا ویڈیو کلپ بھی عوام کے سامنے ہے۔تو عوام کے سامنے ہی اس جرم کا ارتکاب کیا گیا لہٰذا ڈاکٹر صاحب پر عوام میں اس مسئلہ کو رکھنے کا الزام جھوٹ ہے۔کیونکہ اس لزوم کفر کا ارتکاب ہی بھرے مجمع میں کیا گیا۔باقی جو بار بار اس کو کفر کہنے اور عوام سے کہلوانے کا تعلق ہے تو ڈاکٹر صاحب نے فقہاء کی عبارت سے اس کا کفر ہونا نقل کیا ہے۔کیونکہ نقل کی تعریف یہ ہے۔

هو الاتیان بقول الغیر علی ما هو علیه بحساب المعنی مظهر انه قول الغیر (مناظرہ رشیدیہ،صفحہ نمبر 13)

اگر یہ شرعی مسئلہ بیان کرنا اور نقل کرنا فتنہ وفساد ہے تو ان فقہاء کرام کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرمائیں گے؟ جنہوں نے اس کلمہ کا کفریہ ہونا بیان کیا اور اپنے فتاویٰ کا حصہ بنا کر عوام تک پہنچایا۔کیا ان فقہاء کو بھی آپ یہی کہیں گے کہ یہ شرعی مسئلہ بیان کر کے آپ فتنے فساد کا سبب بن رہے ہیں،عوام میں فساد پھیلا رہے ہیں۔اگر کہیں گے تو اپنی عاقبت خراب کریں گے۔اور اگر نہیں کہیں گے اور یقیناً نہیں کہیں گے،تو وجہ فرق بیان کریں کہ فتویٰ لکھنا اور فتاویٰ کا حصہ بنانا اور چھاپ لینا تو درست ہے۔لیکن عوام میں اس کو بیان کرنا فتنہ فساد،لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔نیز یہ بھی ذہن میں رکھیں کہ ڈاکٹر صاحب نے مجمع سے اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کے الفاظ کہلوائے ہیں۔

پیر محمد افضل قادری کو کافر نہیں کہلوایا۔

اور میں یہ بھی کہوں گا کہ اگر اس لزوم کفر کا عوام کے سامنے اظہار جرم ہے تو این گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند۔ کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے اسے لزوم کفر کہا آپ نے بھی لزوم کفر کہا۔ ڈاکٹر صاحب نے عوام کے سامنے بیان کیا آپ نے بھی عوام کے سامنے بیان کیا۔ تو ڈاکٹر صاحب کی طرف سے اظہار جرم۔ اور آپ کی طرف سے دین کی خدمت۔ بدین عقل و دانش بباید گریست۔

پھر آپ نے ڈاکٹر صاحب کو مفت مشورے سے نوازا کہ چونکہ فتویٰ کفر جیسے اہم معاملے پر تھا اس لئے دیگر علماء کی بارگاہ میں پیش کرتے مگر آپ نے تو عوام میں مسئلے کو رکھ دیا اور دوٹوک کافر بھی نہیں کہا، مسلسل فتنہ اور تشویش پھیلا رہے ہیں۔ الخ۔ بلفظہ ماشاء اللہ آپ کی فراست میں یہ بات آگئی ہے اور ڈاکٹر صاحب کو پتا نہیں چلا۔ جب ڈاکٹر صاحب نے افضل قادری کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا ہی نہیں۔ تو آپ کون سے کفر کے فتوے کو علماء کی بارگاہ میں پیش کرنے کا مشورہ دے رہے ہیں۔ اگر عوام میں مسئلہ رکھنے اور دوٹوک کافر نہ کہنے میں آپ کی باریک بین نگاہوں کو فتنہ بھی نظر آتا ہے۔ اور تشویش بھی اور آپ اسے خطاء بھی قرار دیتے ہیں۔ تو میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کریں۔ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ رسالہ مبارکہ ''سل السیوف الہندیہ'' میں فرماتے ہیں ''فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہ نے اس مبحث کا قدرے بیان آخر رسالہ سحان سبوح عن عیب کذب مقبوح میں کیا۔ اور وہاں بھی باآنکہ اس امام وطائفہ پر صرف ایک مسئلہ امکان کذب میں اٹھہتر وجہ سے لزوم کفر کا ثبوت دیا، حکم کفر سے کف لسان ہی کیا۔

(فتاویٰ رضویہ، جلد 15، صفحہ نمبر 256)

باقی جو آپ نے لکھا کہ مانا ہم اہلسنت نے آپ کو شہرت دی۔۔۔۔ زبردستی بڑا مت بنیں وغیرہ۔ بات شہرت کی نہیں بات اپنی خدمات اور جہد مسلسل کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مسلک اور دین کے لئے خلوص کے ساتھ جو مسلسل جدوجہد کی ہے زمانے کے سامنے ہے۔ بات لفظ خدا پر ہو رہی تھی۔ آپ نے اپنی فراست سے یہ سمجھا کہ ڈاکٹر صاحب نے افضل قادری کو کافر کہا ہے۔ اور اس پر یہ تحریر لکھ دی یہ بناء الفاسد علی الفاسد ہے۔ لکھنے کا شوق پورا کرنے میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ تحقیق اور دیانت کے تقاضے پورے کئے جائیں۔ البتہ قارئین کے سامنے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ لفظ خدا کے بندے پر اطلاق کو جو آپ نے لزوم کفر کہا ہے۔ یہ ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ڈاکٹر صاحب نے بھی اسے لزوم کفر قرار دیا ہے۔ اسی لئے افضل قادری کو کافر نہیں کہا اور رہ گئی بات زبردستی بڑا بننے کی تو آپ جن کا دفاع کر رہے ہیں اپنے ممدوحین سے پوچھیں۔ کہ جامعہ نعمانیہ ریلوے اسٹیشن میں منعقد ہونے والے عقیدہ کو توحید سیمینار میں کون کون سے جید علماء اور سنی تنظیمات کے قائدین نے ڈاکٹر صاحب کو بڑا بننے پر مجبور کیا تھا جن میں سے آپ کے ممدوحین اور قائدین بھی شامل تھے۔

ڈاکٹر صاحب پر علماء کو منکر ختم نبوت کہنے کا الزام اور اس کی حقیقت

یہ صریح جھوٹ ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کچھ علما پر منکر ختم نبوت کا فتویٰ لگایا۔ اگر آپ کے پاس یا کسی کے پاس ڈاکٹر صاحب کا کوئی تحریری فتویٰ ہے یا ایسی ویڈیو ہے، جس میں ڈاکٹر صاحب نے بعض علما کو منکر ختم نبوت کہا تو سامنے لائیں اور ثبوت پیش کریں۔ ورنہ جیسے آپ نے خود پسندی کی مذمت والی احادیث کا مطالعہ فرمالیا ہے جھوٹ کی مذمت والی احادیث کا بھی مطالعہ کر لیں۔ اور آئندہ جھوٹ بولنے سے احتراز کریں۔ میں اس الزام کی حقیقت قارئین کے سامنے واضح کرنا چاہتا ہوں جس سے آپ کو اور قارئین کو فیصلہ کرنے

میں آسانی ہوگی۔

جامعہ نعمانیہ میں تحریک رہائی غازی ممتاز قادری کی آخری میٹنگ میں خادم حسین رضوی نے مسئلہ نبوت میں اختلاف کی وجہ سے سعید احمد اسعد صاحب کو منکر ختم نبوت کہہ کر تحریک رہائی میں شامل نہ کرنے کی تجویز دی تھی۔اس میٹنگ میں حجۃ الاسلام سید عرفان شاہ صاحب مشہدی بھی موجود تھے۔اب سعید احمد اسعد صاحب کو خادم حسین رضوی نے نہ صرف تحریک میں شامل کیا بلکہ فیصل آباد سے الیکشن لڑنے کے لئے ٹکٹ بھی دینے کا عندیہ دیا۔

ڈاکٹر صاحب نے کراچی میں ختم نبوت کانفرنس میں خادم حسین رضوی کے بارے میں اس بات کا اظہار کیا۔کہ کل تک جن لوگوں کو آپ منکر نبوت کہتے تھے آج ان لوگوں کے بارے میں آپ کا نظریہ کیسے تبدیل ہوگیا؟ اب آپ انہیں تحریک میں شامل کر رہے ہیں۔اس بات کو کچھ لوگوں نے نہیں سمجھا اور یہ کہہ دیا کہ ڈاکٹر صاحب نے سعید احمد اسعد صاحب کو منکر نبوت کہہ دیا۔حالانکہ ڈاکٹر صاحب نے خادم حسین رضوی کا قول نقل کیا تھا جو واضح طور پر کراچی والے خطاب سے سنا جا سکتا ہے۔درحقیقت سعید احمد اسعد کو منکر نبوت خادم حسین رضوی نے کہا تھا۔جس پر ڈاکٹر صاحب کا وضاحتی بیان بھی آچکا ہے۔

لہٰذا اب قارئین کے سامنے درج ذیل امور واضح ہوگئے۔

(۱) سعید احمد اسعد صاحب کو منکر نبوت کہا گیا۔منکر ختم نبوت نہیں جیسا کہ عنایت اللہ قادری صاحب نے بیان کیا۔

(۲) سعید احمد اسعد صاحب کو منکر نبوت خادم حسین رضوی نے کہا ڈاکٹر صاحب نے نہیں کہا۔

(۳) سعید احمد اسعد کو منکر نبوت مسئلہ نبوت میں اختلاف کی وجہ سے کہا گیا غازی صاحب کی حمایت نہ کرنے کی وجہ سے انہیں منکر ختم نبوت نہیں کہا گیا۔کیونکہ منکر ختم نبوت معاذ اللہ ختم نبوت کے انکار سے بنتا ہے غازی صاحب کی حمایت نہ کرنے کی وجہ سے کسی کو منکر ختم نبوت قرار نہیں دیا گیا۔اب باشعور قارئین خود فیصلہ کرلیں گے کہ کس طرح ایک سنی سنائی کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب پر یہ الزام لگایا گیا کہ آپ نے کچھ لوگوں کو منکر ختم نبوت کہا۔جب کہ فریق مخالف کے ممدوح نے منکر نبوت کہا تھا ڈاکٹر صاحب نے تو کہا ہی نہیں۔اور قارئین یہ حدیث بھی ذہن میں رکھیں جس میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ جو سنے اسے آگے بیان کردے۔

دلائل کے جوابات

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ غیر اللہ پر لفظ خدا کا اطلاق ہمارے نزدیک بھی لزوم کفر ہے اور لزوم کفر پر متکلمین کے نزدیک کفر کا فتویٰ نہیں ہے۔لہٰذا قائل کو ہم نے کافر نہیں کہا اور آپ کے نزدیک بھی لزوم کفر ہے اور قائل کافر نہیں۔لہٰذا آپ نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے اور قائل کو کافر نہ کہنے پر جو دلائل پیش کئے۔وہ ہمارے خلاف نہیں۔پھر بھی ہم آپ کی اور قارئین کی سہولت کی خاطر ان دلائل کا سرسری جائزہ لے کر واضح کر دیتے ہیں۔کہ یہ دلائل کس طرح ہمارے خلاف نہیں۔آپ نے سب سے پہلے لفظ خدا کے لغوی معانی فرہنگ آصفیہ اور فیروز اللغات کے حوالے سے بیان کئے۔

خود ہی آنے والا اور موجود ہونے والا ، واجب الوجود الہ، اللہ، مالک، صاحب، آقا۔(فرہنگ آصفیہ)

پھر آپ نے اس بات کو تسلیم کیا کہ لفظ خدا ابتدائی شکل میں مشترک تھا پھر معاشرے میں عام بول چال اور عرف میں یہ لفظ اللہ ہی

کے لئے خاص ہوگیا۔جیسا کہ فتاویٰ مصطفویہ میں ہے لہذا اب یہ لفظ مشترک نہیں رہا۔اب عرف کی وجہ سے غیر اللہ کو خدا کہنا لزوم کفر ہے اور ایسا لفظ بولنا سخت گناہ اور ممنوع ہے۔

یہی ڈاکٹر صاحب نے بیان کیا تھا کہ لفظ خدا اب لفظ اللہ کے ہم معنی ہو چکا ہے، لہذا بندے پر اطلاق لزوم کفر ہے۔پھر آگے آپ نے لکھا کہ لزوم کفر کی صورتیں ہیں۔کچھ صورتوں میں ڈٹ جانا التزام کفر بن جاتا ہے۔اور کچھ صورتوں میں ڈٹ جانا کفر نہیں بلکہ ڈٹ جانا عین لازم ہو جاتا ہے۔پھر آپ نے یہ بھی لکھا کہ صحیح تاویلی معنی پر ڈٹ جائے تو التزام کفر نہیں۔بلکہ یہ تو اچھی بات ہے میرے خیال میں آج تک کسی فقیہ یا متکلم نے لزوم کفر پر ڈٹ جانے کو عین لازم اور اچھی بات نہیں کہا۔

اگر آپ میں جرات اور ہمت ہے تو کم از کم ایک صریح حوالہ اس بات پر پیش کریں۔پھر آپ یہ بھی یاد رکھیں پہلے آپ لکھ چکے ہیں کہ ایسا لفظ بولنا سخت گناہ اور ممنوع ہے۔آگے آپ نے دومرتبہ خلاصہ بیان کرتے ہوئے لکھا کہ اگر صحیح یا ضعیف تاویل کے ساتھ غیر اللہ کو خدا بولا تو اگر چہ سخت گناہ ہے۔مگر بولنے والا کافر نہیں آئندہ سخت احتیاط کا کہا جائے گا۔تو صحیح تاویل کے ساتھ غیر اللہ کو خدا کہنے کو آپ سخت گناہ بھی قرار دے رہے ہیں۔اور اس پر ڈٹ جانے کو عین لازم اور اچھی بات بھی کہہ رہے ہیں۔یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک ہی فعل سخت گناہ بھی ہو اور عین لازم اور اچھی بات بھی ہو۔پھر آئندہ سخت احتیاط کا مطلب یہ ہے کہ دوبارہ صحیح تاویل کے ساتھ بھی غیر اللہ کو خدا نہ کہے۔اور ڈٹ جانے کا مطلب ہے بار بار کہنا یہ تو اجتماع ضدین ہے۔

ایں کار از تو آید مرداں چنیں کنند

پھر آپ نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ کا ایک فتویٰ نقل کیا جس میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ان اشعار کا پڑھنا حرام سخت حرام ہے۔ان میں بعض کلمات کفریہ ہیں اگر چہ تاویل کے سبب قائل کو کافر نہ کہیں۔اور بعض موہم کفر ہیں اور یہ بھی حرام ہے۔اعلیٰ حضرت کے اس فتوے کو نقل کرنے سے آپ کا مقصد یہ ہے کہ افضل قادری کا کو فر کہنا غلط ہے۔تو ڈاکٹر صاحب نے بھی افضل قادری کو کافر نہیں کہا لہذا یہ فتویٰ ہمارے خلاف نہیں۔البتہ آپ کے من وجہ خلاف ہے۔کیونکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ نے کلمہ کفریہ والے اشعار پڑھنے کو حرام، حرام، سخت حرام کہا اور موہم کفر کو حرام کہا، جب کہ آپ نے کلمہ کفریہ پر ڈٹ جانے کو عین لازم اور اچھی بات قرار دیا۔

اسی طرح آپ کی پیش کردہ ردالمحتار کی عبارت

مجرد ایہام المعنی المحال کاف فی المنع

ہمارے خلاف نہیں البتہ لزوم پر ڈٹ جانے کو عین لازم اور اچھی بات کہنے کی وجہ سے آپ کے خلاف ہے۔

اسی طرح آپ کی پیش کردہ بحر الرائق، تنویر الابصار اور بریقہ محمودیہ کی عبارات، جن کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک کسی مسلم کے کلام کو صحیح معنی پر محمول کرنا ممکن ہو۔ یا اس کے کفر ہونے میں اختلاف ہو یا جب تک اس کے ردت کا یقین ہو اس وقت تک اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ یہ عبارات بھی ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے افضل قادری کو کافر نہیں کہا۔

اسی طرح صدر الشریعہ رحمہ اللہ کی جو عبارت آپ نے پیش کی کہ اقوال کفریہ دو قسم کے ہیں۔لزوم کفر اور التزام کفر۔لزوم کفر کی صورت میں بھی فقہاء کرام رحمھم اللہ نے حکم کفر دیا۔مگر متکلمین اس بات سے سکوت کرتے ہیں۔یہ عبارت بھی ہمارے خلاف نہیں کیونکہ ہم نے بھی لزوم کفر پر کفر کا فتویٰ نہیں دیا۔

پھر آپ نے اعلیٰ حضرت کی تمہید ایمان والی عبارت نقل کی ہے ۔کہ اقوال کا کلمہ کفر ہونا اور بات اور قائل کا کافر ہونا اور بات ۔ یہ بھی ہمارے خلاف نہیں ۔البتہ اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ نے فتاویٰ رضویہ میں جہاں یہ عبارت نقل فرمائی ۔وہاں یہ بھی لکھا کہ امام ابن حجر مکی قواطع میں فرماتے ہیں:

انہ یصیر مرتدا علی قول جماعۃ و کفی بھذا خسارا و تفریطاً ۔

(فتاوی رضویہ، جلد نمبر 15،صفحہ نمبر 256)

وہ ایک جماعت کے قول پر مرتد ہو جائے گا اور یہ اس کے خسارہ اور سرکشی کو کافی ہے ۔

ملاحظہ کریں کہ جس قول کو ایک جماعت کفریہ قرار دے دے وہ قائل کے خسارے اور سرکشی کے لئے کافی ہے ۔تو افضل قادری کے لزوم کفر پر فقہاء کو کفر کا فتوی دیتے ہیں جس کا آپ کو بھی اعتراف ہے ۔تو افضل قادری کی سرکشی کے لئے اتنا ہی کافی ہے ۔اب آپ نے جو اس سرکشی پر ڈٹ جانے کا مشورہ دیا اور اچھی بات قرار دیا اس پر بھی غور کریں ۔کہ کہیں اس مشورے کی وجہ سے آپ بھی شریک جرم نہ بن جائیں ۔

ڈاکٹر صاحب کے دلائل کے جوابات میں عنایت اللہ کے موقف کی تردید

عنایت اللہ قادری صاحب نے ڈاکٹر صاحب کے دلائل کے جوابات دینے کی کوشش کی ۔جن دلائل میں کوئی تاویل کر سکتے تھے ۔تاویل کرنے کی کوشش کی اور جہاں کوئی تاویل نہ ہوسکی خاموشی اختیار کرلی ۔مثلاً قاضی خاں کی عبارت ملاحظہ کریں ۔

ولو قال اے خدائے من یکون کفرا ۔(فتاویٰ قاضی خاں، آخرین جلد 4،صفحہ نمبر 469)

یہاں مطلقا غیر اللہ کو خدا کہنے کا کفر کہا ۔آپ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا ۔اسی طرح فتاوی بزازیہ کی عبارت کا بھی جواب نہیں دیا ۔

فتاویٰ رضویہ کی عبارت میں تاویل اور اس کی تردید

ڈاکٹر صاحب قبلہ نے فتاویٰ رضویہ سے یہ بیان کیا کہ مرشد کو خدا کہنا کفر ہے ۔آپ نے لکھا کہ اعلیٰ حضرت نے مطلقاً ہر صورت پر کفر کا فتوی نہیں دیا ۔اس پر دلیل سوال کی عبارت کو بناتے ہوئے آپ نے لکھا خدا کہنے والے نے خدا بمعنی آقا نہیں کہا بلکہ عطائی یا بالواسطہ خدا کہا تھا ۔شاید آپ نے بھی سوال غور سے نہیں دیکھا ۔سائل نے پوچھا تھا کہ مرشد کو خدا بایں نیت کہ مرشد رہنمائی نہ کرے تو معرفت الٰہی کیسے نصیب ہوگی ۔تو مرشد کو خدا بمعنی رہنمائی کرنے والا کہنے سے عطائی یا بالواسطہ خدا کہنا کیسے ثابت ہوا ۔اس طرح تو کسی کو مرشد کہنے پر بھی آپ کو فتویٰ دینا چاہئے ۔کیونکہ مرشد مرشد کا معنی بھی رہنمائی کرنے والا ہے ۔

فتاویٰ مصطفویہ کی عبارت میں تاویل کی کوشش اور جواب

ڈاکٹر صاحب نے فتاویٰ مصطفویہ کی عبارت پیش کر کے یہ واضح کیا تھا کہ لفظ خدا صرف اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال ہوسکتا ہے ۔کیونکہ اس کا جو معنی فتاویٰ مصطفویہ میں بیان کیا گیا ہے وہی معنی واجب الوجود اور لفظ اللہ کا ہے ۔علامہ تفتازانی کی عبارت ملاحظہ کریں ۔

المحدث للعالم ھو اللہ تعالیٰ ای الذات الواجب الوجود الذی یکون وجودہ من ذاتہ ولا یحتاج الی شیء اصلاً ۔(شرح عقائد،صفحہ ۲۵)

اگر جیسے غیر اللہ پر ’’اللہ‘‘ اور واجب الوجود کا اطلاق نہیں ہوسکتا اسی طرح خدا کا اطلاق بھی نہیں ہوسکتا ۔اس حصہ کو تو آپ بھی تسلیم کرتے ہیں ۔باقی آپ نے کہا کہ اس میں یہ نہیں لکھا جو غیر اللہ کو خدا بولے تو مطلقاً کافر ۔تو ڈاکٹر صاحب نے کب کہا کہ مطلقاً کافر ہوجاتا ہے ۔

اس عبارت کو پیش کرنے کا مقصد یہ تھا کہ غیر اللہ کو خدا کہنے سے لزوم کفر کو متیقن ہے ۔وہ آپ کو بھی تسلیم ہے ۔کیونکہ آپ نے بھی لکھا کہ لفظ خدا ابتدائی شکل میں مشترک تھا ۔مگر پھر معاشرے کی عام بول چال اور عرف میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہوگیا ۔جیسا کہ فتاویٰ مصطفویہ میں ہے ۔لہذا غیر اللہ کو خدا کہنا عرفاً لزوم کفر ہے ۔تو آپ نے فتاویٰ مصطفویہ کے حوالہ سے ہی لفظ خدا کے اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہونے کو بیان کیا ۔اور خاص ہونے کی وجہ سے لزوم کفر کہا جو اقوال کفریہ کی ایک قسم ہے ۔لہذا آپ کے نزدیک بھی فتاویٰ مصطفویہ میں جو حصر اور اختصاص ہے اس کی وجہ سے کوئی غیر اللہ کو خدا کہے تو لزوم کفر ہے ۔یہی ڈاکٹر صاحب کا بیان ہے ۔

فتاویٰ عالمگیری اور تتارخانیہ کی عبارت کا جواب دیتے ہوئے آپ نے لکھا کہ مزاح باطل تاویل ہے اس لئے اس پر کفر کا فتویٰ ہے ۔صحیح تاویل کے ساتھ بھی کفر ہو ایسا نہیں لکھا ۔تو اس کا جواب یہ کہ اس طرح تو یہ بھی نہیں لکھا کہ صحیح تاویل کے ساتھ ہو تو کفر نہیں ۔اصل بات یہ ہے کہ غیر اللہ پر خدا کا اطلاق لزوم کفر ہے ۔اسی وجہ سے فقہاء نے صحیح تاویل والی صورت کو مستثنیٰ نہیں کہا بلکہ مطلقاً بیان کیا ۔جیسا کہ قاضی خاں کی عبارت آپ نے ملاحظہ کی ۔اور فقہائے کرام لزوم کفر کو کفر کہہ دیتے ہیں ۔تو ڈاکٹر صاحب اس عبارت کو پیش کرکے واضح کرنا چاہتے تھے کہ فقہاء نے لفظ خدا کے بندے پر اطلاق کو کفر قرار دیا ۔اس اطلاق کا لزوم کفر ہونا متیقن ہوگیا ۔جس سے ثابت ہوا کہ یہ قول کفریہ ہے ۔اور لزوم کفر آپ کو بھی تسلیم ہے ۔

شہداء ختم نبوت کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کا موقف

ڈاکٹر صاحب قبلہ شہداء ختم نبوت کے بارے میں یہ کہتے رہے ، جتنے لوگ شہید ہوئے ۔ان کی ایف ،آئی ،آر نہ کٹوانا ۔اور ان کے قاتلوں کی سزا کا مطالبہ نہ کرنا ۔اور شہداء کی صحیح تعداد نہ بتانا ۔اور ان کے جسد خاکی لینے کی بات تک نہ کرنا ،اہلسنت پر ظلم اور فیض آباد دھرنا قائدین کی نااہلی ہے ۔میرے خیال میں یہ ہر سنی کے دل کی آواز ہے ۔جس کی ڈاکٹر صاحب نے بروقت اور بجا طور پر ترجمانی کی ہے ۔عنایت اللہ قادری صاحب کو شخصیت پرستی اور تعصب کی وجہ سے اس تنقید برائے اصلاح میں بھی مذمت نظر آتی ہے ۔

آپ نے لکھا کہ مانا کہ مجبوراً انتہائی پرزور طریقے سے شہداء کا معاملہ نہیں اٹھایا ۔پہلے تو آپ ہمیں وہ مجبوری بتائیں جس کی وجہ سے نہ معاہدے میں شہداء کا ذکر ،نہ قاتلوں کی سزا کا مطالبہ ،نہ شہداء کے جسد خاکی واپس لینے کی کوشش ۔کیا آپ نے کبھی ان والدین کا درد محسوس کیا کہ جن کو اب تک پتہ ہی نہیں کہ ان کا بیٹا زندہ ہے یا شہید ہوگیا ۔اگر شہید ہوگیا تو اس کا جسد خاکی سردخانے میں ہے ،یا جلا دیا گیا ہے ،یا گٹر میں بہادیا گیا ہے ۔جیسا کہ عینی شاہدین کے مطابق شہدائے ختم نبوت کے اجسام کے ساتھ یہ بدترین سلوک ہوا ہے ۔

پھر آپ یہ بتائیں کہ پمز ہسپتال میں 156 زخمیوں کو لایا گیا ۔جن میں آخری اطلاعات تک کچھ شہید ہوچکے تھے ۔اور اکثر کی حالت نازک تھی ۔ان میں ایک بھی شہید یا زخمی کا ریکارڈ اب تک نہیں ملا ۔ان کا ریکارڈ مانگنا کس کی ذمہ داری تھی ۔شہداء کے اجسام وصول کرنے

کا مطالبہ تک نہیں ہوا۔خادم حسین رضوی نے بھی اپنی پریس کانفرنس میں کہا کہ بیسیوں شہدا کے جسم غائب کر دئے گئے۔ تو ان کو کیا مجبوری تھی کہ ان کے بارے میں مذاکرات میں بات تک نہیں کی۔

جب پورا ملک جام تھا اور یہ مطالبہ کیا جا سکتا تھا۔اتنے بندے مروا کے شہدا کے اجسام چھوڑ کے دھرنا ختم کر دیا۔اور پھولوں کے ہار پہن لئے،شاید زاہد حامد شہداء کے خون میں غسل کر کے ختم نبوت کی غداری سے پاک صاف ہو گیا ہے۔اس لئے یہ بھی لکھ کے دے آئے ہم اس پر کوئی فتویٰ نہیں لگائیں گے۔اس کی شرعی حیثیت آپ سے کسی نے نہیں پوچھی۔کہ اتنے بندے مروانے کے بعد ایک استعفیٰ لیا۔اور زاہد حامد استعفیٰ دیتے ہی ختم نبوت میں غداری کے جرم سے بری ہو گیا۔یہ کس فقہی جزئیہ کے مطابق ہے؟

آپ کہتے ہیں انتہائی پر زور طریقے سے شہداء کا مطالبہ نہیں اٹھایا۔حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ شہدا کا معاملہ وہاں سے سرے سے اٹھایا ہی نہیں گیا، **باقی جہاں تک بک جانے کی بات ہے تو میں کہوں گا کہ آپ بات پر روشنی ڈالیں کہ افضل قادری نے رانا ثناء سے سیون کلب میں میٹنگ کیوں کی؟ عوام اور شرکائے مارچ سے اس میٹنگ کو خفیہ رکھنے کے کیا مقاصد تھے؟ اور اس بات کی بھی وضاحت کریں کہ رانا ثناء جس نے قادیانیوں کو بھائی کہا۔ان کے کفرخانوں کو مسجد کہا،اپنی فون کالز میں انہیں مدد کا یقین دلایا اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ اور اس پر خاموش رہنے والے کا کیا حکم ہے؟ خادم رضوی اور افضل قادری اگر اتنے ہی عقیدہ ختم نبوت کے وفادار ہیں تو رانا ثناء کے مسئلہ میں خاموش کیوں ہیں؟**

پھر آپ نے لکھا کہ ہمارا مقابلہ بین الاقوامی طاقتوں اور ایجنسیوں سے ہے اور ہمارے پاس لڑنے کی طاقت انتہائی کم ہے۔مانا کہ بیرونی طاقتیں اور ایجنسیاں اثر انداز ہوتی ہیں۔لیکن آپ یہ وضاحت کریں کہ کیا بین الاقوامی ایجنسیوں اور طاقتوں نے خادم حسین رضوی اور افضل قادری کے زبانوں کو پکڑ رکھا تھا۔کہ تم نے شہدا کے بارے میں کوئی مطالبہ نہیں کرنا۔حقائق کو سامنے رکھ کر کچھ اپنی غلطیوں کا بھی ادراک اور ازالہ کی کوشش کرنی چاہیئے۔

بجھ جاتا ہے دیا تیل کی کمی سے
ہر بار قصور وار کا نہیں ہوتا

آگے آپ نے لکھا کہ سب کچھ نافذ کرنے کا خیال اچھا ہے الخ۔ڈاکٹر صاحب نے کب کہا کہ سب کچھ ایک دفعہ نافذ کر دو۔ان کے سامنے اسلام کی پوری تاریخ اور جدو جہد کی ایک پوری داستان ہے۔ہاں اگر آپ کے نزدیک شہدا کے قصاص کے لئے آواز بلند کرنا اور قاتلوں کو کٹہرے میں لانے کا مطالبہ کرنا اور خاموشی کو جرم قرار دینے کا مطلب سب کچھ نافذ کرنا اور حکمت و دانائی ہے تو یہ آپ کی بصیرت ہے۔شہدا کے قصاص سے خاموشی اور رانا ثناء کے مسئلے پر خاموشی کا دوسرا نام ہوش و احتیاط اور صبر ہے۔جس سے آپ مالا مال ہیں۔

اختلاف پر سرسری نظر

آپ نے ڈاکٹر صاحب کے بارے میں اظہار کیا کہ اختلاف میں اضافہ کر رہے ہیں۔میرا خیال ہے کہ حقائق کو مدنظر رکھ کر بات کی جائے تو بات میں وزن ہوتا ہے۔آپ پہلے اختلاف کی وجوہات اور اپنے قائدین کے رویہ کو مدنظر رکھیں۔تحریک لبیک یا رسول اللہ ﷺ کا جب منشور بنا تھا تو اس کے اندر یہ شق موجود تھی کہ **تحریک کا کوئی مرکزی عہدیدار،مرکزی امیدوار اور ناظم اعلیٰ منتخب کریں گے۔خادم حسین**

رضوی اور افضل قادری نے فاروق الحسن سے تین لاکھ لے کر اسے مرکزی چیف آرگنائزر بنادیا۔

جولوگ تحریک رہائی میں کبھی نظر نہیں آئے اور آزمائش کے وقت بلوں میں گھسے رہے۔وہ آج تحریک کے مرکزی عہدوں پر ہیں۔اور ڈاکٹر صاحب جنہوں نے سب سے پہلے غازی صاحب کی حمایت میں 9 جنوری 2011ء کا ایوان اقبال میں سیمینار کیا،کاروان لے کر غازی صاحب کے گھرانے کی حوصلہ افزائی کے لئے پہنچے۔اور بقول دلپذیر اعوان راولپنڈی کو بھی غازی صاحب کے گھر کا راستہ ڈاکٹر صاحب نے دکھایا۔وہ کڑوا سچ بولنے اور حقیقت بیان کرنے کی وجہ سے آپ کے اپنوں کے تیروں کا نشانہ بن گئے۔گویا

جب گلستان پہ وقت پڑا الھو ہم نے دیا
جب بہار آئی کہتے ہیں تمہاری ضرورت نہیں

ڈاکٹر صاحب کی جب دونوں حضرات سے اس مسئلہ پر بات ہوئی تو انہوں نے اپنی غلطی تسلیم کرتے ہوئے فاروق الحسن کو نکالنے کا فیصلہ کیا مگر یہ فیصلہ نافذ نہ کرسکے۔اور فاروق الحسن جیسے شخص کو ڈاکٹر صاحب پر ترجیح دیتے ہوئے اپنے راستے جدا کر لئے۔حالانکہ چیئرمین ہونے کی حیثیت سے اگر ڈاکٹر صاحب چاہتے تو ان کو تحریک سے نکال سکتے تھے۔لیکن ڈاکٹر صاحب نے حکمت ومصلحت کے پیش نظر ایسا نہیں کیا۔

مختصراً جواب ڈاکٹر صاحب نے ڈی چوک میں دھرنا دیا تو خادم حسین رضوی کا یا افضل قادری کا کوئی ایک جملہ آپ ڈاکٹر صاحب کی حمایت میں ثبوت کے ساتھ پیش نہیں کرسکتے۔حالانکہ یہ دھرنا بھی قانون ختم نبوت میں ترمیم کے خلاف ہی دیا جارہا تھا۔

جب خادم حسین رضوی اور افضل قادری نے دھرنا دیا تو آپ ان دونوں کی ڈاکٹر صاحب کی پریس کانفرنسز اور ڈاکٹر صاحب کے خطابات سن لیں۔آپ کو پتہ چلے گا کہ ڈاکٹر صاحب نہ صرف ان کی حمایت کرتے رہے بلکہ آپ نے یہ بار بار کہا کہ اگر فیض آباد دھرنا کے خلاف آپریشن کیا گیا تو یہ تمام اہلسنت پر حملہ تصور کیا جائے گا اور ہم خاموش نہیں بیٹھیں گے۔

25 نومبر کو جب آپریشن شروع ہوا تو ڈاکٹر صاحب نے فوراً تحریک لبیک یارسول اللہ ﷺ اور تحریک صراط مستقیم پاکستان کے کارکنان کو احتجاج کی کال دی۔اور خود ایک بہت بڑے قافلے کی قیادت کرتے ہوئے پنجاب اسمبلی پہنچے۔اس دن ہمارے جامعہ اور تحریک صراط مستقیم کے سینکڑوں کارکنان گرفتار ہوئے۔ڈاکٹر صاحب نے حسب سابق وسعت ظرف کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ میرے اور خادم حسین رضوی میں کوئی اختلاف نہیں۔

جب ڈاکٹر صاحب اتحاد کا اعلان کررہے تھے،اور شہدا کے لئے آنسو بہا رہے تھے۔اس وقت افضل قادری ڈاکٹر صاحب کے خلاف فیض آباد دھرنے میں بول رہا تھا۔جس کے اندر اس نے لزوم کفر کا ارتکاب کیا ہے۔اور خادم حسین رضوی کہہ رہے تھے کہ ہمارا ان سے کوئی تعلق نہیں۔

پھر جب چکوال میں ڈاکٹر صاحب کی تصویر والے فلیکس پھاڑ کے زمین پر پھینکے گئے اور اس بات کا لحاظ بھی نہ کیا گیا کہ ان فلیکسوں پر لبیک یارسول اللہ ﷺ بھی لکھا ہے۔اس کا شرعی حکم بیان کرنے کے ساتھ یہ وضاحت کریں کہ یہ اتحاد کی کوشش ہے یا اختلاف کی؟۔۔۔۔۔۔۔۔جب اسی پروگرام میں خادم حسین رضوی کے کہنے پر اتحاد کی بات کرنے والے سید صاحب پر تشدد کیا گیا۔یہ اتحاد کی کوشش ہے یا اختلاف کی؟فیض آباد دھرنے سے پہلے اتحاد کیلئے جو افراد خادم حسین رضوی کی مسجد جانے اور ان سے ملاقات کیلئے دوپہر

تک وہاں کھڑے رہے۔ **جن میں غازی صاحب کے بڑے بھائی ملک عابد اعوان صاحب بھی موجود تھے۔ان سے ملاقات نہ کرنا اور خادم حسین رضوی کے چیلوں کا ان کو صریح گالیاں دینا، یہ اتحاد کی کوشش ہے یا اختلاف کی؟**

تعصب اور شخصیت پرستی کو چھوڑ کر حقائق کی اس جھلک کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنے کی کوشش کریں۔میں پھر کہتا ہوں رانا ثناء کے مسئلہ پر خاموش رہ کر جن لوگوں نے ختم نبوت کا مشن چھوڑا وہ جو بھی ہوا اسے چھوڑ دو ورنہ شخصیت پرستی کی وجہ سے ختم نبوت کا مشن چھوڑ بیٹھو گے۔

اللہ تعالیٰ تمام اہلسنت کی خیر فرمائے۔آمین

وما علینا الا البلغ المبین

(ڈاکٹر اشرف آصف جلالی صاحب کا موقف جانے بغیر لکھی گئی تحریر کا تحقیقی جواب، از مفتی طاہر نواز قادری، ناظم تعلیمات مرکز صراط مستقیم، ص ۱ تا ۸، شائع کردہ تحریک لبیک یارسول اللہ)

(اعتراض نمبر ۱۶۳): تبلیغی جماعت کے بانی کو انگریز کی طرف سے وظیفہ

تبلیغی جماعت کو بھی ابتداء میں حاجی رشید احمد کے ذریعہ حکومت سے کچھ روپیہ ملتا۔مکالمۃ الصدرین ص ۸۔

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۱۴۳)

جواب: اس سے بھی فریق مخاف کو کوئی فائدہ نہیں:

اولا: اس لئے کہ مکالمۃ الصدرین کی حقیقت پہلے بیان ہو چکی ہے وہ غیر معتبر کتاب ہے لہٰذا اس پر کسی دعوے کی بنیاد رکھنا ہی درست نہیں۔

ثانیا: یہ روایت بھی مولانا حفظ الرحمن کے حوالے سے ہے اور مولانا نے خود اس کی پرزور تردید کی ہے:

چنانچہ کشف حقیقت ص ۴۲ میں یہ عنوان ہے **مولانا حفظ الرحمن صاحب کا بیان** اور پھر ص ۴۴ میں مکالمۃ الصدرین کے حوالے سے لکھا کہ مولانا حفظ الرحمن صاحب نے کہا کہ مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداء حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہو گیا مکالمۃ الصدرین اس کا جواب حضرت حفظ الرحمن سیوہاروی ؒ ناظم جمعیۃ علماء ہند یہ دیتے ہیں:

''وکفی باللہ شھیدا **اس کا ایک ایک حرف افتراء اور بہتان ہے میں نے ہرگز ہرگز یہ کلمات نہیں کہے** اور نہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کے متعلق یہ بات کہی گئی ہے سبحانک ھذا بھتان عظیم۔بلکہ مرتب صاحب نے اپنی روانی طبع سے اس کو گھڑ کر اس لئے میری جانب منسوب کرنا ضروری سمجھا کہ اس کے ذریعہ سے حضرت مولانا الیاس صاحب کی تحریک سے والہانہ شغف رکھنے والے ان مخلصوں کو بھی جمعیۃ علماء ہند سے برہم اور متنفر کرنے کی ناکام سعی کریں جو جمعیۃ علماء ہند کے اکابر و رفقاء کار کے ساتھ بھی مخلصانہ عقیدت اور تعلق رکھتے ہیں اب یہ قارئین کرام کا اپنا فرض ہے کہ وہ اس تحریر کو صحیح قرار دیں جس کی بنیاد شرعی اور اختلافی احساسات کو نظر انداز کر کے محض جھوٹے پروپگینڈے پر قائم کی گئی ہے یا اس سلسلہ میں میری گزارش اور تردید پر یقین فرمائیں البتہ میں مرتب صاحب کی اس بے جاجسارت کے متعلق اس سے اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں والی اللہ المشتکی واللہ بصیر بالعباد''۔

انتھی بلفظہ کشف حقیقت ص ۴۴،۴۵۔

ایسی واضح اور صریح تردید کی موجودگی میں تبلیغی جماعت کو سرکار برطانیہ کا ہمدرد اور نمک خوار ثابت کرنا کہاں کا انصاف و دیانت ہے؟ سچ کہا

نور خدا ہے کفر کی حرکت پر خندہ زن   پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ثالثاً: اس لئے کہ فریق مخالف نے عبارت نقل کرنے میں بھی دجل سے کام لیا ہے اور پوری عبارت نقل نہیں کی جو اس طرح ہے کہ:

''اس ضمن میں مولانا حفظ الرحمن صاحب نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بھی ابتداء حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد کچھ روپیہ ملتا تھا۔ **پھر بند ہوگیا**'' ص ۸۔

معترض صاحب نے اپنے اعلحضرت اور دیگر اکابر کا روایتی طریقہ واردات اختیار کرتے ہوئے آخری خط کشیدہ جملہ حذف کر دیا ہے یہ جملہ باقی رہتا اور حذف نہ کیا جاتا تو ہر قاری یہ سوچنے پر مجبور ہوتا کہ:

(۱) اگر تبلیغی جماعت گورنمنٹ کے مقاصد کیلئے استعمال ہو رہی تھی تو یہ روپیہ بند کیوں کر دیا گیا؟ اس روپیہ کا بند ہو جانا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ تبلیغی جماعت گورنمنٹ کے مقاصد کیلئے استعمال نہ ہوسکی اور انگریز کو اس کی توقع بھی نہ تھی ورنہ رقم کبھی بند نہ ہوتی رقم کا بند ہو جانا اور بند کر دینا ہی اس کی روشن دلیل ہے کہ تبلیغی جماعت انگریز کیلئے آلہ کار نہیں بنی اور بفضلہ تعالی پہلے سے اب جماعت تمام دنیا میں زیادہ عروج پر ہے اور ان ملکوں اور علاقوں میں بھی کام کر رہی ہے جو انگریزوں کے سخت مخالف ہے۔

(۲) انگریز کچھ لوگوں اور بعض انجمنوں کو اپنے جال میں پھنسانے کیلئے ابتداء کچھ رقمیں دیا کرتا تھا پھر بند کر دیں۔۔ چنانچہ مذکورہ بالا عبارت سے متصل ہی یہ عبارت بھی مذکور ہے کہ (ایک سرکاری ہندو افسر نے) گورنمنٹ کو نوٹ لکھا جس میں دکھلایا گیا کہ ایسے لوگوں یا انجمنوں پر حکومت کا روپیہ صرف کرنا بالکل بے کار ہے اس پر آئندہ کیلئے امداد بند ہوگئی۔

اس سرکاری افسر کے بیان سے بالکل عیاں ہوگیا کہ جن لوگوں اور انجمنوں کو جال میں پھنسانے کیلئے انگریز کچھ رقمیں دیا کرتا تھا وہ بند کر دی گئی تھیں کیونکہ ان میں رقمیں صرف کرنا بالکل بے کار تھا اس لئے کہ ان سے انگریز کے حامی ہونے کی قطعاً کوئی توقع نہ تھی۔ جو بزبان حال یوں گویا ہے ؏

ہزار دام سے نکلا ہوں کہ ایک جنبش سے   جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

الفضل ما شهدت به الاعداء

تبلیغی جماعت کے متعلق بریلویوں کے روحانی پیشوا نظام الدین مرلوی صاحب فرماتے ہیں کہ:

''تبلیغی جماعت کی کوششیں بے حد مخلصانہ ہیں لیکن اس کے نتائج خاطر خواہ برآمد نہیں ہو رہے ہیں''۔ (ھو المعظم ص ۲۷)

اس کے نتائج خاطر خواہ کیسے ظاہر ہوں (بقول نظام الدین مرلوی صاحب کے) جبکہ بریلوی حضرات کی طرف سے اس کی مخالفت کی سرتوڑ کوششیں کی جارہی ہیں ان کے بستروں کو مسجدوں سے باہر پھینک دیا جاتا ہے خود تو کبھی گھروں سے نکلنے کی توفیق نہ ہو اور تبلیغی جماعت جنھوں نے لاکھوں انگریزوں کو مسلمان کیا پر انگریز کے ایجنٹ ہونے کا الزام لگایا جائے ان کو وہابی کہہ کر بدنام کیا جائے۔

(اعتراض نمبر ۱۶۴): اشرف علی تھانوی کو انگریز کی حکومت سے چھ سو روپے ماہانہ ملنا

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کو ۶۰۰ روپے انگریز سے ملتے تھے ملاحظہ مکالمۃ الصدرین اس امر کی تردید خود حضرت تھانوی صاحب بھی نہ کر سکے ملاحظہ ہو الاضافات الیومیہ ص ۶۹ ج ۶۔

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۱۴۰)

جواب: یہ حوالہ بھی فریق مخالف کیلئے سودمند نہیں اس لئے کہ

{اولا} مکالمۃ الصدرین کی حقیقت واضح کی جا چکی ہے ایسی غیر مستند کتاب پر کسی دعوے کی بنیاد رکھنا ہی جہالت ہے۔

{ثانیا}: اگر بالفرض اس مکالمہ کو مصدقہ تسلیم کر بھی لیا جائے تو بھی بریلوی حضرات کا یہ دعوی کے مکالمہ الصدرین میں تسلیم کیا گیا ہے کہ مولانا تھانوی انگریز سے چھ سو روپے ماہوار لیا کرتے تھے سراسر دجل اور صریح افتراء ہے کیونکہ مکالمہ میں حضرت علامہ عثمانی کی اصل عبارت اس طرح منقول ہے فرماتے ہیں کہ:

''عام دستور ہے کہ جب کوئی شخص کسی سیاسی جماعت یا تحریک کا مخالف ہو تو اس قسم کی باتیں اس کے حق میں مشہور کی جاتی ہیں۔ دیکھئے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ہمارے اور آپ کے مسلم بزرگ پیشوا تھے۔ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپے ماہوار حکومت کی جانب سے دئے جاتے تھے''۔{مکالمۃ الصدرین ص ۹}

اس عبارت میں حضرت عثمانی صاف لفظوں میں اس الزام کو مخالفین کا سیاسی پروپگینڈا قرار دے رہے ہیں لیکن بریلوی حضرات کا دجل ملاحظہ فرمائیں کہ وہ پوری عبارت نقل کرنے کے بجائے صفحہ کو ایک مخصوص جگہ سے کاٹ کر پیش کرتے ہیں۔فالی اللہ المشتکی۔

{ثالثا}: اگر مکالمہ کے حوالے بالفرض سے اس الزام کو درست بھی مان لیا جائے تو بھی اس کی کوئی اخلاقی حیثیت نہیں ہے۔کیونکہ خود حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اس الزام کی تردید موجود ہے۔چنانچہ جب حکیم الامت کو جب اس الزام کا علم ہوا تو براحکیمانہ جواب دیا فرمایا:

''اگر چھ سو روپے گورنمنٹ سے پاتا ہوں تو طمع ہے خوف نہیں اور اگر طمع کا یہ عالم ہے تو تم نو سو روپے دے کر اپنے موافق کرلو۔اگر قبول کرلوں تو صحیح وگرنہ غلط۔{الاضافات الیومیہ ص ۶۹۸ ج ۴ بحوالہ مولانا اشرف علی تھانوی اور تحریک آزادی ص ۵۴}۔

اعلی حضرت اعلی سیرت کے صفحہ ۱۳۳ اور اسی طرح حیات اعلی حضرت میں یہ بات موجود ہے کہ مولوی احمد رضا خان کے دادا نے گورنمنٹ کی پولیٹیکل خدمات انجام دی جس کے عوض ان کو آٹھ گاؤں جاگیر میں ملے اور ان کے ساتھ آٹھ سو فوجیوں کی بٹالین ہوا کرتی تھی۔

شاہ عبد العزیز کے فتوے کے خلاف کے ہندوستان دارالحرب ہے اعلی حضرت نے ہندوستان کے دارلسلام ہونے کا فتوی دیا اس لئے کہ دارالسلام میں جہاد جائز نہیں۔اس کے علاوہ اس مکتبہ فکر نے آزادی کے ہر متوالے پر کفر کے فتوے لگا کر عوام کو ان سے بدظن کرنے کی کوشش کی۔ ۱۹۱۴ میں الدلائل القاہرہ علی الکفرۃ النیاشرہ کے نام سے فتوی شائع ہوا جس میں خان صاحب کے علاوہ کئی بریلوی علما کی تصدیقات موجود تھیں جس میں قائد اعظم کو کافر کہا گیا اور مسلم لیگ سے ہر قسم کے تعاون کو حرام قرار دیا گیا۔ان کے مولوی حشمت علی نے مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری کے نام سے کتاب لکھی جس میں قائد اعظم کو کافر قرار دیا گیا۔مولوی مصطفی رضا خان نے اس زمانے میں مسلمانوں کے دلوں سے کعبہ ومدینہ کی محبت نکالنے کیلئے حج کے ساقط ہونے کا فتوی دیا اور آج بھی بریلوی برملا امام کعبہ اور مدینہ کو کافر لکھتے

اور کہتے ہیں۔ مصطفی رضاخان نے ایک کتاب لکھی اس زمانہ میں جواب نایاب ہے رسالۃ الامارہ والجہاد جس میں انگریز سے جہاد کو حرام قرار دیا گیا تھا۔ یہ چند مثالیں میں نے دے دی ہے ورنہ ان کی غداریوں سے تاریخ کے صفحات آج بھی بھرے پڑے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کے تاریخ آزادی میں کہیں بھی اس گروہ کا نام ونشان نہیں جس کا اعتراف خود مولوی احمد رضاخان کے سوانح نگار کرتے ہیں کہ اور اس کا الزام مورخین پر ڈالتے ہیں کہ انھوں نے محض تعصب کی وجہ سے ہمارے اعلحضرت کا ذکر کہیں نہیں کیا اور وہابی (یعنی دیوبند) کی خدمات سے ساری تاریخ کو بھر دیا۔

حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کے حوالے سے بھی آپ نے اپنی ’’مخصوص رضاخانیت‘‘ کا مظاہرہ کیا ہے پوری عبارت اس طرح ہے:

’’ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ تحریکات کے زمانہ میں میرے متعلق یہ مشہور کیا گیا تھا کہ چھ سو روپیہ ماہانہ گورنمنٹ سے پاتا ہے ایک شخص نے ایک ایسے ہی مدعی سے کہا کہ اس سے یہ تو معلوم ہوگیا کہ یہ خوف سے متاثر نہیں لیکن طمع سے متاثر ہے بلکہ خوف سے تو گورنمنٹ ہی متاثر ہوئی چنانچہ تمھیں اور ہمیں سو روپیہ نہیں دیتی تو اب اس کا امتحان یہ ہے کہ تم نو سو روپے دیکر اپنی موافق فتوی لے لو اگر وہ قبول کرلے تو وہ بات صحیح ہے ورنہ وہ بھی جھوٹ‘‘۔

{الاضافات الیومیہ، ج۶ص ۱۰۳، ملفوظ نمبر ۸۸}

غور فرمائیں کس حکیمانہ اور بلیغ انداز میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اس الزام کی تردید کررہے ہیں مگر خلیل راناصاحب کہتے ہیں کہ نہیں وہ تو تردید نہیں بلکہ تصدیق کررہے ہیں۔ تف ہے ایسی تحقیق پر اور ایسی دیانت پر۔۔۔ ہم بار بار خلیل راناصاحب کو یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ حوالہ دیتے ہوئے یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ ان حوالہ جات کو کل کو کوئی چیک بھی کرسکتا ہے۔

اب ذرا اپنے گھر کا حال بھی معلوم کرلو نواب احمد رضاخان کے پیر ومرشد ابو الحسن نوری کو انگریز حکومت کی طرف سے باقاعدہ ماہانہ وظیفہ ملتا:

’’ایک نذرانہ جو منجانب نوابان بنگش صاحب سجادہ برکاتیہ کے واسطے مقرر چلا آتا ہے اور جو اب گورنمنٹ اپنے خزانہ شاہی سے دیتی ہے بعد حضور خاتم الاکابر حضور اقدس قدس سرہ کے نام جاری تھا‘‘۔ (تذکرہ نوری، ص ۲۳۸)

(اعتراض نمبر ۱۶۵): سرکار انگریز کے خیر خواہ

مولانا رشید احمد گنگوہی اور قاسم نانوتوی صاحب اپنی **مہربان سرکار** کے دلی خیر خواہ تھے۔ ملاحظہ ہو تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۷۹۔

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف، ص ۱۳۸)

جواب: فریق مخالف کا یہ حوالہ بھی بالکل سود مند نہیں اس لئے کہ انھوں نے تو یہ ثابت کرنا تھا کہ حضرت گنگوہی اور حضرت حجۃ الاسلام رحمہما اللہ انگریز کے وفادار تھے اور اس کے خلاف انھوں نے کچھ نہ کہا مذکورہ بالا عبارت مولف تذکرۃ الرشید کی ہے جس کے ذمہ دار وہ خود ہیں کسی اور کی عبارت کو لیکر کسی اور پرفٹ کرنا کہاں کا انصاف ہے۔۔؟؟ آپ کا یہ ثابت کرنا کہ ان حضرات نے انگریز کی مخالف نہیں کہ قطعا باطل اور مردود ہے جبکہ خود اسی تذکرۃ الرشید میں یہ حوالے بھی موجود ہیں کہ:

(۱) تینوں حضرات (حاجی امداد اللہ صاحب، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ) کے نام چونکہ وارنٹ

گرفتاری جاری ہو چکے ہیں اور گرفتار کنندہ کیلئے صلہ (انعام) تجویز ہو چکا تھا اس لئے لوگ تلاش میں ساعی اور حراست کی تگ و دو میں پھرتے تھے۔ {تذکرۃ الرشید، ج ا،ص ۷۷}

(۲) روش (پولیس) رامپور پہنچی اور حضرت امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ حکیم ضیاء الدین صاحب کے مکان سے گرفتار ہوئے تخمینے سے یہ زمانہ ۱۲۷۵ھ کا ختم یا ۱۲۷۶ کا شروع سال ہے (الی قولہ) آپ کے چاروں طرف محافظ پہرہ دار تعنیات کردئے گئے اور بند بیل (بیل گاڑی) میں آپ کو سوار کرکے سہارنپور چلتا کردیا گیا (الی قولہ) حضرت مولانا سہارنو پر پہنچتے ہی جیل خانہ بھیج دئے گئے اور حوالات میں بند ہو کر جنگی پہرہ کی نگرانی میں دے دئے گئے۔ {تذکرۃ الرشید، ج ا،ص ۸۲}

(۳) حضرت مولانا تین یا چار یوم کال کوٹھری میں اور پندرہ دن جیل خانہ کی حوالات میں قید رہے تحقیقات پر تحقیقات اور پیشی پر پیشی ہوتی رہی آخر عدالت سے حکم ہوا کہ تھانہ بھون کا قصہ ہے اس لئے مظفر نگر منتقل کیا جائے چنانچہ امام ربانی جنگی حراست اور ننگی تلواروں کے پہرہ میں براہ دیوبند میں پڑاؤ کرکے پاپیادہ مظفر نگر لائے گئے اور اب یہاں کے جیل خانہ میں بند کردئے گئے۔ (الی قولہ) مظفر نگر کے جیل خانہ میں حضرت کو کم وبیش چھ ماہ رہنے کا اتفاق ہوا اس اثناء میں آپ کی استقامت، جوانمردی، استقلال کی پختگی، توکل، رضا، تدین، اتقاء، شجاعت، ہمت، اور سب پر طرہ حق تعالیٰ کی اطاعت و محبت جو آپ کی رگ رگ میں سرایت کئے ہوئے تھی اس درجہ حیرت انگیز ثابت ہوئیں کہ جن کی نظیر نہیں نظیر ملتی۔ {تذکرۃ الرشید، ج ا،ص ۸۴}

(۴) حضرت امام ربانی قطب الارشاد مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ کو اس سلسلہ میں امتحان کا بڑا مرحلہ طے کرنا تھا اس لئے گرفتار ہوئے اور چھ مہینے حوالہ جات میں بھی رہے۔

{تذکرۃ الرشید، ج ا،ص ۷۹}

ان تمام واضح حوالوں سے حضرت مولانا گنگوہی اور ان کے رفقاء کا گرفتار ہونا جنگی حراست میں رہنا حوالہ جات اور کال کوٹھریوں کا آباد کرنا اور قید و بند کی صعوبتیں اٹھانا روز روشن کی طرح واضح ہے اور ہمارا مدعی بھی یہی ہے۔ غرض ان کو انگریز کا وفادار ثابت کرنا تاریخ کو مسخ کرنا ہے اور خلیل رانا صاحب نے جو مجمل اور مبہم حوالہ دیا ہے اس سے انکا مدعی ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا یہ مجمل عبارت صرف اس کا مصداق ہے

تم جو دیتے ہو نوشتہ وہ نوشتہ کیا ہے　　　جس میں ایک حرف وفا بھی کہیں مذکور نہیں

لفظ ’’سرکار‘‘ کا اطلاق رب تعالیٰ (حقیقی سرکار) پر بھی ہوتا ہے

اصل میں فریق مخالف کو اس عبارت میں لفظ ’’مہربان سرکار‘‘ سے مغالطہ ہوا ہے حالانکہ یہ لفظ دیگر متعدد معنوں کے علاوہ مالک حقیقی آقا اور ولی نعمت پر بھی صادق آتا ہے چنانچہ فرہنگ آصفیہ ج ۳ ص ۷۰ میں سرکار کے معنی سردار، میر، پیشوا، رئیس، آقا، ولی نعمت اور والی وغیرہ کے کئے گئے ہیں۔

اور پھر ’’مولف تذکرۃ الرشید‘‘ جس طرح لفظ سرکار کا انگریز پر اطلاق کرتے ہیں اسی طرح ’’اللہ تعالیٰ‘‘ پر بھی اس کا اطلاق کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے سہارنپور جیل سے مظفر نگر منتقل کرنے کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

’’سنا ہے کہ دیوبند کے قریب سے گذرنے پر مولانا قاسم العلوم نظر براہ راستہ سے کچھ ہٹ کر بغرض ملاقات پہلے سے آکھڑے ہوئے تھے گو خود

بھی مخدوش حالت میں تھے مگر بیتابیٔ شوق نے اس وقت چھپنے نہ دیا اور دور ہی دور سے سلام ہوئے ایک نے دوسرے کو دیکھا مسکرائے اور اشاروں ہی اشاروں میں خدائے تعالیٰ کے وہ وعدے یاد دلائے جو **سچے سرکاری خیر خواہوں اور امتحانی مصیبتوں پر صبر و استقلال کرنے والوں کیلئے انجام کار و دیعت رکھے گئے ہیں۔**

(تذکرۃ الرشید، ج ا،ص ۸۴)

بالکل واضح امر ہے کہ یہ وعدے اللہ تعالیٰ کے ان اللہ مع الصبرین، و ان جندنا لھم الغلبون، انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا اور فان حزب اللہ ھم الغلبون وغیرہ کلمات جو قرآن کریم میں موجود ہیں۔۔ **سچی سرکار**، آقائے حقیقی اور مالک الملک کے مخلص بندوں کیلئے ہیں جو امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں۔ یہاں سرکار کے لفظ سے اللہ تعالیٰ ہی کی ذات مقدسہ مراد ہے۔

نواب احمد رضا خان ''سرکار'' کس کو کہتے؟

آج کے رضا خانی سرکار کے معنی کیلئے اپنے خبث باطن کا اظہار کرتے ہوئے بریکٹ میں انگریز کا لفظ بڑھا دیتے ہیں لیکن ان کے اعلیٰ حضرت کی رائے ملاحظہ ہو:

''کسی صاحب علاقہ یا رؤساء، امراء میں سے کسی کو کوئی ''سرکار'' کہتا تو کبیدہ خاطر ہوتے اور فرماتے کہ ''کسی کو سرکار نہ کہئے سرکار تو صرف سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں''۔

(حیات اعلیٰ حضرت از مولانا ظفر الدین بہاری مکتبہ نبویہ لاہور ص ۸۶۰ بحوالہ فیضان اعلیحضرت، ص ۱۱۱)

یہ وصیت بھی پڑھیں:

''گورنمنٹ کو سرکار کہنے سے منع فرماتے''۔

(فیضان اعلیٰ حضرت، ص ۹۹)

امید کرتے ہیں کہ معترض اپنے اس اعلیٰ حضرت کی وصیت سے شرم و حیاء کرتے ہوئے آئیندہ سرکار کے معنی کبھی بھی ''گورنمنٹ'' نہیں کریں گے۔

بریلوی مفتی اعظم ہند مولوی مصطفی رضا خان کے نزدیک گورنمنٹ کو سرکار کہنا جائز نہیں

''غیر اسلامی حکومت کو سرکار کہنا سخت منع ہے

کوٹہ کے ایک صاحب بڑے گھن گھرج کے ساتھ تقریر کر رہے تھے۔ دوران تقریر انڈیا گورنمنٹ کی تعریف میں کہنے لگے ''ہماری سرکار''۔۔۔حضرت مفتی اعظم قبلہ سٹیج پر موجود تھے فوراً ٹوکتے ہوئے فرمایا: ''گورنمنٹ کہو سرکار تو بس ایک ہی ہے، مدینہ کی سرکار''۔

(حسب روایت حضرت مولانا عبد المبین نعمانی صاحب چریا کوٹ)

(مفتی اعظم کی استقامت، ص ۱۴۸)

اگر اس کے بعد بھی اہل بدعت حضرت علمائے دیوبند کی کتب تاریخ میں ''سرکار'' کے لفظ کی وضاحت خود سے بریکٹ میں ''گورنمنٹ انگریزی'' کریں تو انہیں اللہ ہی ہدایت دے۔

(اعتراض نمبر ۱۶۶): دیوبندی اکابر کا انگریز کے باغیوں سے لڑنا

حافظ ضامن، قاسم نانوتوی، رشید گنگوہی انگریز کی حمایت میں لڑے اور حافظ ضامن ''شہید'' ہو گئے۔ تذکرۃ الرشید، ج ۱ ص ۷۴، ۷۵

جواب: لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ معترض صاحب اتنا صریح دھوکہ۔ ہم نے یہ صفحہ بار بار چیک کیا اور کہیں ہمیں یہ عبارت نہیں ملی کہ حافظ ضامن صاحب انگریز کی حمایت میں لڑتے ہوئے شہید ہوئے تاریخ کا ادنی طالب علم بھی جانتا ہے کہ ان کی شہادت شاملی کے میدان میں انگریز کے خلاف لڑتے ہوئے ہوئی۔ مگر آپ کس طرح خدا خوفی سے بے پرواہ ہو کر جھوٹ پر جھوٹ بولے جا رہے ہیں۔ جن صفحات کا حوالہ آپ نے دیا ہے اس میں بھی اسی شاملی کے معرکہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ آپ میں اگر ذرا بھی انصاف و دیانت کا مادہ ہے تو جو عبارت آپ نے نقل کی ہے اس کتاب کا اصل عکسی حوالہ دے کر بعینہ ثابت کریں ورنہ

لعنۃ اللہ علی الکاذبین

کا وظیفہ پڑھ کر اپنے اوپر دم کریں۔ وہاں سرکار کا لفظ ہے جو خدا کیلئے ہے مگر معترض نے بریکٹ میں اپنی طرف سے انگریز کا لفظ ڈال دیا۔

۱۸۵۷ کی جنگ آزادی حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں لڑی گئی اور شاملی کے میدان پر قبضہ کر لیا گیا جو ایک ماہ تک رہا۔

☆ حاجی امداد اللہ صاحب کو امام، مولانا قاسم نانوتوی ؒ کو سپہ سالار افواج مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ کو قاضی، مولانا محمد منیر نانوتوی ؒ اور **حافظ محمد ضامن ؒ کو** میمنہ اور میسرہ کے افسر مقرر کئے گئے۔ {سوانح قاسمی، ج ۲ ص ۱۲۷}

☆ اس معرکہ میں **حافظ محمد ضامن شہید ہوئے** حضرت حاجی صاحب اور مولانا رحمت اللہ کیرانوی مکہ مکرمہ کی طرف ہجرت کر گئے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ روپوش ہو گئے اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی ؒ گرفتار کر لئے گئے۔ مولانا گنگوہی ؒ کو سہارنپور کی جیل میں قید کر دیا گیا۔ تین چار یوم کال کوٹھری میں رہے اور پندرہ دن جیل خانہ کی حوالات میں قید رہے۔ آخر عدالت سے حکم ہوا تھانہ بھون کا قصہ ہے اس لئے مظفر نگر منتقل کیا جائے۔ چنانچہ جنگی حراست اور ننگی تلواروں کے پہرے میں براستہ دیوبند چند پڑاؤ کر کے پاپیادہ مظفر نگر لائے گئے اور حوالات کے اندر بند کر دئے گئے چھ ماہ قید رہے آخر چھوڑ دیئے گئے۔

{ایسٹ انڈیا کمپنی کے باغی علماء، ص ۱۱۳، از مفتی انتظام اللہ شہابی}۔

جناب پروفیسر محمد ایوب صاحب قادری مرحوم لکھتے ہیں کہ

☆ اسی (۱۸۵۷ کی جنگ آزادی) **میں حافظ محمد ضامن ؒ صاحب کو گولی لگی اور وہ شہید ہو گئے** آخر میں مجاہدین کے پاؤں بھی اکھڑ گئے انگریزوں نے قبضہ کرنے کے بعد تھانہ بھون کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ {جنگ آزادی ص ۱۸۱}

نوٹ: پروفیسر ایوب قادری بریلوی حضرات کے ہاں بھی مستند مانے جاتے ہیں عبد الحکیم شرف قادری نے اپنی کتاب پر ان سے تقریظ

لکھوائی اوران کے انتقال پراظہارغم بھی کیا۔

پروفیسر ایوب قادری مرحوم

حکیم محمد موسی امرتسری ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میرے دو دوست جوکہ پکے دیوبندی تھے انہوں نے تو مجھ سے کناری کشی اختیار کرلی اور وہ لوگ جو تھے تو سنی بریلوی مگر انداز گول مول تھا،ان کو پکا بریلوی بننا پڑا مثلا مولانا عبد الستار خان نیازی مجلس کے کام کے بعد ہی پکے بریلوی بن گئے ۔ہمارے دوست مرحوم پروفیسر ایوب قادری جوکہ تھےتو ہمارے ہی مگر ان پر دیوبندیوں نے قبضہ کررکھا تھاان سے بھی ہم نے بہت کچھ لکھوایا،ایک دوبار یوم رضاکے موقع پرلاہورمیں تھے تو جلسہ میں بھی آکر بیٹھے''۔

(جہان رضا کا حکیم موسی امرتسری نمبر،ص۴۶)

پس معلوم ہوا کہ پروفیسر ایوب قادری مرحوم اہل بدعت کے ہاں بھی مستند شخصیت تھے یہ الگ بات ہے کہ اپنی چالبازی ،دھوکہ دہی اور ملمع سازی جوکہ اہل بدعت کا وطیرہ ہے کہ ذریعہ ان سے اپنے حق میں بہت کچھ لکھوالیا لہٰذا پروفیسر ایوب قادری صاحب مرحوم کی کتابوں میں وہ مواد جو اہل حق اہل السنۃ والجماعۃ علمائیے دیوبند احناف کے خلاف ہوگا وہ انہی اہل بدعت کا لکھوایا ہوااورغیر معتبر ہوگا۔اس حوالے کوخوب نوٹ کرلیں ۔

ایک اورمقام پربھی اس امرکا اعتراف کیا گیاچنانچہ لکھتے ہیں:

''حکیم صاحب سے علمی اورتحقیقی رہنمائی حاصل کرنے والے دو دیوبندی دانشوروں کونظرانداز نہیں کیا جاسکتا ایک پروفیسر محمد ایوب قادری جنہوں نے ساری زندگی حکیم صاحب کی علمی رفاقت میں گزاردی انہوں نے کئی کتابیں ،مقالات ،رسائل اورمضامین لکھے جن میں حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی رہنمائی شامل حال ہوتی ۔۔دوسرے پروفیسر محمد اسلم''۔

(جہان رضا کا حکیم موسی نمبر،ص۳۱)

لہٰذا پروفیسر محمد اسلم کی کتب تاریخ میں بھی کوئی ایسی تحقیق جوعلمائے دیوبند کے خلاف جارہی ہو وہ بھی معتبر نہ ہوگی کیونکہ پروفیسر اسلم صاحب سے بھی ان لوگوں نے اسی دھوکا دہی سے بہت کچھ لکھوایا ہے۔

بہرحال یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ حضرت حافظ ضامن صاحب انگریز کے خلاف لڑتے ہوئے شاملی کے میدان میں شہید ہوئے مگر فریق مخالف کا سوءظن دیوبند دشمنی ملاحظہ ہوکہ جھوٹ پرجھوٹ بولتے ہوئے بھی کچھ حیاء نہیں ۔ہمیں تو یوں لگتا ہے کہ خلیل رانا صاحب یہ تمام حوالے کسی بریلوی ملاں کے رسالے سے ہی کاپی پیسٹ کرتے ہیں اس لئے کہ ظاہر ہے کہ بندہ ایک دوحوالوں میں چلو دھوکہ دہی کردے مگر ان کا ہرحوالہ دجل وفریب کا شاہکار ہوتا ہے۔ پہلے تو ہم ان کو ان کی داڑھی کا واسطہ دیتے کہ چہرے پرسجائی اس سنت رسول ﷺ سے ہی شرما جاؤ مگر ان کی تو داڑھی بھی نہیں واسطہ دیں بھی توکس کا۔۔؟؟؟

(اعتراض نمبر ۱۶۷):انگریزوں پرحملہ کرنے والوں سے مسلمانوں کالڑنا فرض ہے

شاہ اسمٰعیل صاحب نے انگریز کی حمایت میں لڑنے کا فتوی دیا۔ملاحظہ ہوحیات طیبہ ص ۳۶۴۔

(دیوبندیت کے بطلان کاانکشاف،ص ۱۳۵)

جواب: یہ بھی آپ کا دجل وفریب ہے اس لیے کہ اگر چہ شاہ صاحب اور ان کی جماعت کا براہ راست انگریز سے مقابلہ نہیں ہوا تھا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ انگریز کے حامی تھے یا کوئی ایجنٹ تھے چنانچہ خود انگریز مورخ کیپٹن کننگھم تاریخ سکھ میں لکھتا ہے کہ:

''سید احمد کے عمل سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ کافروں سے مراد انکی صرف سکھ تھے لیکن ان کے صحیح مقاصد پورے طور پر نہیں سمجھے گئے، وہ انگریزوں پر حملہ کرنے میں محتاط ضرور تھے لیکن ایک وسیع اور آباد ملک پر ایک دور دراز قوم کا اقتدار ان کی مخالفت کے لیے کافی سبب تھا''۔

(سیرت سید احمد شہید صفحہ نمبر ۲۷۷)

نواب امیر خان انگریز کے خلاف تھے اور اسکے خلاف لڑے بھی۔سید احمد صاحب ان کی فوج میں ۶ سال رہے مگر جب بعض مجبوریوں کی وجہ سے انگریز سے مصالحت کرنی پڑی تو سید احمد شہید نے اس کی شدید مخالفت کی اور متعدد بار ان کو منع کیا اور کہا کہ یہ کفار بڑے دغاباز ہیں، کچھ آپ کے واسطے تنخواہ یا جاگیر وغیرہ مقرر کر کے بٹھا دیں گے کہ روٹیاں کھایا کیجئے پھر یہ بات ہاتھ سے جاتی رہے گی۔مگر جب نواب صاحب نہ مانے تو سید صاحب یہ کہہ کر رخصت ہو گئے کہ اچھا آپ انگریزوں سے ملتے ہیں تو میں رخصت ہوتا ہوں، نواب صاحب نے روکنے کی بہت کوشش کی مگر سید صاحب نہ مانے اور لشکر سے رخصت ہو گئے۔(سیرت سید احمد شہید صفحہ نمبر ۴۳)

انگریز کے خلاف ان کے عزائم اور مقاصد کا اندازہ مندرجہ ذیل مکتوب سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو انہوں گوالیار کے ایک وزیر کو لکھا۔

''جناب کو خوب معلوم ہے کہ پردیسی ،سمندر پار کے رہنے والے، دنیا جہاں کے تاجدار اور یہ سودا بیچنے والے تاجر سلطنت کے مالک بن گئے، بڑے بڑے امیروں کی امارت اور بڑے بڑے اہل حکومت کی حکومت اور ان کی عزت کو انہوں نے خاک میں ملا دیا، جو حکومت وسیاست کے مردمیدان تھے وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں اس لیے مجبوراً چند غریب و بے سروسامان کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو گئے اور محض اللہ کے دین کی خدمت کیلئے اپنے گھروں سے نکل آئے۔یہ اللہ کے بندے ہرگز دنیادار اور جاہ طلب نہیں ہیں۔محض اللہ کے دین کی خدمت کیلئے اٹھے ہیں مال ودولت کی ان کو ذرہ برابر بھی طمع نہیں جس وقت ہندوستان ان غیر ملکی دشمنوں سے خالی ہو جائے گا ہماری کوششوں کا تیر مراد نشانوں تک پہنچ جائے گا۔الخ''۔

(سیرت سید احمد شہید، جلد اول صفحہ نمبر ۲۷۲۱۴۱۔ ۶۷۲، نقش حیات جلد ا صفحہ نمبر ۳۰۴۔ ۵۰۴)

''اس تحریک کے کارکنوں کے عزائم کا اندازہ سید صاحب کے مندرجہ ذیل مکتوب سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے مسلمان وزیر غلام حیدر خان کو لکھا۔ملک ہندوستان کا بڑا حصہ غیر ملکیوں کے قبضے میں چلا گیا ہے اور انہوں نے ہر جگہ ظلم وزیادتی پر کمر باندھی ہے۔ہندوستان کے حاکموں کی حکومت برباد ہوگئی کسی کو ان سے مقابلے کی تاب نہیں بلکہ ہر ایک ان کو اپنا آقا سمجھنے لگا ہے چونکہ بڑے بڑے اہل حکومت ان کا مقابلہ کرنے کا خیال ترک کر کے بیٹھ گئے ہیں اس لیے چند کمزور و بے حیثیت اشخاص نے اس کا بیڑہ اٹھایا''۔

(سیرت سید احمد شہید، صفحہ نمبر ۴۰۴)

انگریز کے خلاف حضرت سید نے اپنے خلفاء، مریدین، متوسلین، کارکنان کی کس طرح ذہن سازی کی تھی اسکا اظہار خود ایک انگریز مورخ ڈبلیو ہنٹر ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

’’اب ہمیں اس مجموعہ قوانین کا حال مختصراًبیان کرنا ہے جو ان کے پیروؤں نے ان کی تعلیم سے اخذ کیا اور جس کی وجہ سے انھوں نے ہندوستان میں ایک ایسا مذہبی انقلاب برپا کردیا جس کی مثال اسکی گزشتہ تاریخ میں نہیں ملتی یہی انقلاب ہے جس نے پچاس سال سے انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کی روح کو دبنے نہیں دیا‘‘۔(نقش حیات جلد ۲،صفحہ نمبر ۵۳)

ان تمام حوالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ سید صاحب اور ان کی جماعت نہ صرف انگریز کے سخت ترین مخالف تھے بلکہ انکے خلاف باقاعدہ جہاد انکی تحریک کا حصہ تھا ایسے صریح حوالے موجود ہوتے ہوئے بھی اگر کوئی شخص حضرت سید صاحب اور ان کے سرفروش مجاہدوں کو انگریز کا ہمدرد اور خیر خواہ قرار دے تو اسے یہ ورد سکھا کر بریلی کے پاگل خانے میں داخل کروادیا جائے کہ۔

وقت ہوگا تو کوئی بھی نہ ہو گا میرا
اب لاکھوں میرے غمخوار نظر آتے ہیں

اب رہا حیات طیبہ کا وہ حوالہ جو فریق مخالف نے دیا ہے تو مندرجہ بالا حوالوں کے ہوتے ہوئے اسکی کوئی علمی وقعت نہیں خاص کر جب مرزا حیرت دہلوی ان الفاظ کو سید صاحب سے نقل کرنے میں متفرد ہوں چلیں بالفرض حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب اس قول کو بالفرض علی سبیل التنزل درست مان لیا جائے تب بھی جواب حاضر ہے کہ۔

ابتداءً انگریز کا طریقہ واردات یہ تھا کہ کسی مذہب اور فرقے کیخلاف تشدد سے کام نہ لیا جائے بلکہ اپنی تعلیم نظریات وافکار کے ذریعے ان کے ذہنوں کو فتح کیا جائے ،لارڈ میکالے کے بیانات اس کی واضح دلیل ہیں تو اس دور میں جب بظاہر سب کو مذہبی آزادی حاصل تھی انگریز کیخلاف جہاد کا فتوی نہ دینے سے یا ملکی دفاع کے لیئے اسکا تعاون کرنے سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ جب انگریز ظالم نے ہزاروں بیگناہ ہندوستانیوں کو جن میں پیش پیش مسلمان تھے قتل وغارت کرنا شروع کردیا اور تختہ دار پر لٹکا کر اپنی بھڑاس نکالی تو اس وقت بھی اس کے خلاف جہاد درست نہ تھا۔ویسے بھی حضرت شاہ اسماعیل شہید ۱۸۵۷ء کے معرکے سے پہلے شہید ہو چکے تھے، پہلے کے حالات کو بعد پر فٹ کرنا اور اس طرز سے انکو انگریز کا خیر خواہ اور ہمدرد ثابت کرنا بالکل بے سود عمل اور نرا دجل وفریب ہے۔

آنحضرت ﷺ جب ہجرت کرکے مدینہ تشریف لے گئے تو آپ نے یہود کے ساتھ امن اور صلح کا تحریری معاہدہ کیا تھا جس میں ایک شق یہ بھی تھی کہ یہود یا مسلمانوں کو کسی سے لڑائی پیش آئی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا

(زادالمعاد،ج ۲ ص ۱۷ و سیرت ابن ہشام ج ۱، ص ۴۰۵)

مگر بعد کو یہودیوں کے تینوں قبیلوں بنونضیر ،بنوقینقاع اور بنو قریظہ کیخلاف انکی وعدہ شکنی سے نہ صرف انکے خلاف جہاد کیا بلکہ ان کو جلاوطن بھی کیا۔نتیجہ تاریخی طور پر بالکل عیاں ہے غرض مقدم ومتاخر حالات کو گڈمڈ کرنا اور اس سے مقصد حاصل کرنا کسی بھی طور پر درست اور قرین قیاس نہیں۔

اب آخر میں ہم فریق مخالف سے سوال کرتے ہیں کہ شاہ صاحب اور انکی تحریک کے لوگ تو تھے ہی بقول آپ کے وہابی تھے،معاذاللہ ،اللہ ورسول ﷺ اور تمام مسلمانوں کے دشمن تھے،اسلام کے بدخواہ تھے مگر آپ کے روحانی دادا حضور مولوی نقی علی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں کہاں تھے؟ انکو بھی چھوڑیئے آپکے روحانی ابا حضور مولوی احمد رضا خان جو بزعم خویش پورے ہندوستان میں واحد مسلمان اور اسلام کے خیر خواہ تھے،انہوں نے انگریز کے خلاف جہاد کے کتنے فتوے دیے۔؟

چیلنج

ہمارا پوری دنیائے رضاخانیت کو چیلنج ہے کہ کوئی ایک مستند حوالہ دکھادو جس سے ثابت ہوتا ہو کہ احمد رضاخان نے اپنی پوری زندگی میں انگریز کیخلاف چلائی جانے والی کسی تحریک کی سربراہی کی ہو،اس میں کوئی حصہ لیا ہو کسی ایک جلسے کی صدارت وقیادت کی ہو جو انگریز تسلط کے خلاف ہو۔زمین پھٹ سکتی ہے آسمان ریزہ ریزہ تو ہوسکتا ہے مگر قیامت کی صبح تک یہ لوگ ایک حوالہ پیش نہیں کرسکتے اور کریں بھی تو کیسے احمد رضاخان نے تو کبھی انگریز کی مخالفت کی ہی نہیں وہ تو انگریز کے حق میں فتوے دیتا تھا جو ہندوستانی اخباروں میں چھپتے تھے۔

حیات طیبہ وسوانح احمدی معتبر کتب نہیں بریلوی مورخین کا اقرار

حکیم سید محمود احمد برکاتی شہید مرحوم لکھتے ہیں:

''دہلی کے نامور ثقہ بزرگ ملاواحدی تحریر فرماتے ہیں:

مرزا حیرت وہی بزرگ ہیں جنہوں نے سیدنا حضرت امام حسین کے کارنامہ شہادت سے انکار کیا تھا اور انکار کر پر ایک ضخیم کتاب لکھی تھی۔کمال یہ تھا کہ جس زمانے میں انکار شہادت پر کتاب تصنیف کر رہے تھے اس زمانے میں جمعے کے جمعے شہادت پر تقریریں کیا کرتے تھے اور ایسی تقریریں کرتے تھے کہ سننے والوں کی ہچکیاں بندھ جاتی تھیں۔

خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں:

وہ (مرزا حیرت دہلوی) فرضی عبارتیں وفرضی حکایتیں اور فرضی حوالہ جات تاریخ کی کتابوں میں درج کردینے میں مشہور ہیں اور ان کی دلیری اور جھوٹ بولنے اور جھوٹ لکھنے کی بے باکی پر شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی تک حیرت زدہ رہتے تھے''۔

(علامہ فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون ص ۹۰،۹۱)

اور سوانح احمدی کے جعفر تھانیسری مرحوم کے متعلق لکھتے ہیں:

''یہ بھی پیش نظر رہے کہ جعفر تھانیسری وہ بزرگ ہیں جو بغاوت اور تحریک مجاہدین میں شرکت کے جرم میں ماخوذ ہوکر انڈیمان بھیج دئے گئے تھے۔۱۸۸۳ء میں اس وقت رہا ہوئے جب وہابیوں کے متعلق انگریزوں کی پالیسی بدلی اور وہابیوں اور انگریزوں کے درمیان مراسلات کے تبادلے اور معاہدے بھی ہوئے۔منشی جعفر نے رہائی کے بعد سوانح احمدی کے نام سے سید احمد بریلوی اور ان کی تحریک پر جو کتاب تالیف فرمائی وہ تحریک کیلئے انتہائی مضر اور بدگمانیوں کا باعث ہوئی۔مولانا غلام رسول مہر نے ثابت کیا ہے کہ منشی جعفر نے سید صاحب کے مکاتیب میں عبارتوں میں ترمیم وتحریف کی اور جہاں جہاں انگریز لکھا تھا وہاں سکھ کردیا۔اس تحریف نے تحریک کو طرح طرح کی بدگمانیوں میں مبتلا کردیا اور منشی جعفر نے وہ کارنامہ انجام دیا جو بدترین دشمن کے بس کا نہ تھا''۔

(علامہ فضل حق خیرآبادی اور سن ستاون ص ۸۸)

نیز مورخ بریلویت علامہ عبدالحکیم شرف قادری پروفیسر ایوب قادری مرحوم کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''میری رائے ہے کہ مرزا حیرت کی یہ سب ذہنی اختراعات ہیں مرزا حیرت نے حیات طیبہ میں چند اور کتابوں مثلاً سیر دہلی،تذکرہ

مشاہیر دہلی ،اور تواریخ علمائے دہلی کے بھی حوالے دئے ہیں میرے خیال سے ان کتابوں کا بھی خارج میں کوئی وجود نہیں ۔ویسے بھی مرزا کی یہ کتاب تاریخی ماخذ کے اعتبار سے بہت کمزور ہے اسی طرح امیر الروایات بھی میرے خیال سے غیر مستند ماخذ ہے اس میں بھی اکثر ناقابل اعتبار روایتیں جمع کر دی گئی ہیں ‘‘

(باغی ہندوستان ص ۱۱،مکتبہ قادریہ لاہور)

پس جب خود آپ کے بڑے تسلیم کر رہے ہیں کہ مرزا حیرت دہلوی کی ’’حیات طیبہ‘‘ اور منشی جعفر تھانیسری مرحوم کی ’’سوانح احمدی‘‘ غیر مستند ہیں تو ان کے حوالے ہمارے خلاف ہر گز حجت نہیں ہو سکتے ۔

بریلوی تنظیم المدارس کا سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی جدو جہد آزادی کا کھل کر اعتراف

بریلوی مدارس کے وفاق تنظیم المدارس اہلسنت جس کے صدر اس وقت مفتی منیب الرحمن صاحب ہیں اس تنظیم نے اپنے علماء کیلئے ثانویہ عامہ میں مطالعہ پاکستان کی جو کتاب نصاب میں شامل کی ہے اس کا مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

’’مغلوں کے دور زوال میں برصغیر میں **مسلمانوں کا درد رکھنے والے کئی بزرگوں نے اصلاح احوال کا بیڑا اٹھایا**۔ان بزرگوں میں شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ (سن وفات ۱۷۶۲ء)شاہ عبد العزیز دہلوی ؒ (سن وفات ۱۸۲۴ء) **سید احمد بریلوی (سن وفات ۱۸۳۱ئ) اور شاہ محمد اسمٰعیل شہید** ؒ (سن وفات ۱۸۳۱ء)خاص طور پر مشہور ہیں ۔شاہ ولی اللہ دہلوی ؒ نے قرآن پاک کا فارسی ترجمہ کر کے اور حدیث شریف کے درس و تدریس کے ذریعے مسلمانوں کو ان کا بھولا ہوا سبق یاد دلایا۔۔۔۔۔ **سید احمد بریلوی ؒ اور ان کے دو نامور مریدوں شاہ محمد اسمٰعیل شہید ؒ اور مولانا عبد الحئی ؒ نے برصغیر سے انگریزوں کے اخراج ،اسلامی حکومت کے قیام اور اسلامی اقدار کی حفاظت کیلئے جہاد شروع کیا**۔انہوں نے اپنے کام کا آغاز صوبہ سرحد سے کیا اور اسے سکھوں کے تسلط سے آزاد کرا لیا ۔ان کا اگلا قدم پنجاب کو سکھوں کے قبضے سے آزاد کروانا تھا اسی جدو جہد میں سید احمد بریلوی ؒ اور شاہ محمد اسمٰعیل شہید ؒ نے ۶ مئی ۱۸۳۱ء کو بالاکوٹ کے مقام پر سکھوں کا مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔

(مطالعہ پاکستان ،ص ۱۴،۱۵،تنظیم المدارس اہلسنت پاکستان برائے طلبا ثانویہ عامہ)

اس میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو بزرگان دین میں شمار کیا گیا اور واضح طور پر تسلیم کیا کہ انہوں نے برصغیر سے انگریزوں کو نکالنے کیلئے جہاد شروع کیا اور اسی جہاد میں جام شہادت نوش کیا۔اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۱۶،۱۸پر باقاعدہ امتحانی سوالات میں ان دونوں حضرات کے متعلق بھی سوال موجود ہے ۔

اگر ہمارا فریق مخالف واقعی عالم ہے اور اس نے باقاعدہ تنظیم المدارس کا امتحان دیا تو انہوں نے بھی یہ اسباق پڑھیں ہونگے امتحان میں کامیابی کیلئے ان دونوں شہیدوں کے متعلق ایسا ہی لکھا ہوگا جیسا کتاب میں مذکور ہے مگر ظلم کی انتہاء دیکھیں کہ جن کی انگریز مخالفت پر تمام بریلوی علماء کے مدارس کی کیبنٹ کا اجماع ہے ان کے مدارس سے کوئی آدمی اس وقت تک عالم بن کر نہیں نکل سکتا جب تک اس کو پڑھ نہ لے آج اسے ہی انگریز کا ایجنٹ معاذ اللہ ثابت کیا جا رہا ہے ۔

یاد رہے کہ اسی حوالے کی بنیاد پر لاہور کے معروف بریلوی عالم فضل احمد چشتی نے پوری تنظیم المدارس کی تکفیر کی تھی اور تنظیم المدارس کی

طرف سے جب مولوی شوکت سیالوی کو اپنا نمائندہ بنا کر ان کے پاس بھیجا گیا تو اس نے یہ حوالہ جات اس کے سامنے پیش کئے اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اس مناظرہ کے بعد تنظیم المدارس کے عمائدین نے بغیر توبہ کئے نئے نصاب میں سے اس تمام مواد کو نکال دیا۔

(اعتراض نمبر ۱۶۸): انگریزوں کا نام نہاد مجاہدین کی جنگی ضرورتوں کو پورا کرنا

حسین احمد مدنی صاحب نے لکھا کہ انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کو پورا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی۔ ملاحظہ ہو نقش حیات ج ۲ ص ۴۱۹۔

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف، ص ۱۳۶)

جواب: اس حوالے کو نقل کرنے میں بھی آپ نے روایتی دھوکہ دہی سے کام لیا۔ اس لئے کہ حضرت سید بادشاہؒ انگریز کے سخت مخالف تھے اور ان سے جہاد کرنا ان کی تحریک کا اولین مقصد تھا۔ میں اس پر تفصیلی مضمون نقش حیات کے حوالے سے او پر حیات طیبہ پر اعتراض کے جواب میں لکھ چکا ہوں اور نقش حیات ہی کے حوالے سے میں او پر ان کے دو خطوط نقل کر چکا ہوں جس سے ان کے مقاصد پر روشنی پڑتی ہے کہ ان کی تحریک کا بنیادی مقصد ہی ان بیرونی قابضین کو ہندوستان سے نکالنا تھا۔ حضرت سید صاحب نے اپنی جماعت کو اسی بنیاد پر استوار کیا چنانچہ خود اسی نقش حیات میں ایک انگریز مورخ ڈاکٹر ہنٹر کا بیان ہے:

☆ اب ہمیں اس مجموعہ قوانین کا حال مختصراً بیان کرنا ہے جو ان کے پیرووں نے ان کی تعلیم سے اخذ کیا اور جس کی وجہ سے انھوں نے ہندوستان میں ایک ایسا مذہبی انقلاب برپا کر دیا جس کی مثال گزشتہ تاریخ میں نہیں ملتی یہی انقلاب ہے جس نے پچاس سال سے انگریز کی حکومت کے خلاف بغاوت کی روح کو دبنے نہیں دیا۔

{ہمارے ہندوستانی مسلمان ص ۹۰ بحوالہ نقش حیات، ج ۲، ص ۳۵}

یہی انگریز مورخ لکھتا ہے کہ:

☆ ۱۸۲۱ میں امام صاحب (حضرت سید بادشاہ) نے اپنے خلفاء منتخب کرتے وقت ایسے آدمیوں کا انتخاب کیا جو بے پناہ جوش و خروش کے مالک اور بہت ہی مستقل مزاج تھے ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح متعدد بار جب یہ تحریک تباہ ہونے کے قریب تھی انھوں نے بار بار جہاد کے جھنڈے کو تباہی سے بچا کر از سر نو بلند کیا پٹنہ کے خلفاء جو انتھک واعظ خود اپنے آپ سے بے پرواہ بے داغ زندگی بسر کرنے والے انگریز کافروں کی حکومت تباہ کرنے میں نہایت چالاک تھے۔ {ایضاً ص ۱۰۱ بحوالہ ایضاً}

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اسی انگریز کے مختلف حوالے نقل کرنے کے بعد اپنا تجزیہ لکھتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

☆ (حضرت سید صاحب نے) تمام ملک میں اندر اور باہر ایسی ہلچل پیدا کر دی کہ مدبران برطانیہ لرزہ براندام ہو گیا۔ {نقش حیات، ج ۲، ص ۳۸}

انگریز مورخ ہندوستان میں تحریک بالاکوٹ کے اثرات کے متعلق لکھتا ہے کہ:

☆ اب میں نے اپنی سرحد پر اس باغی کیمپ کی تمام تاریخ ۱۸۳۱ سے جبکہ اس کی ابتداء ہوئی ۱۸۶۸ جبکہ آخری مرتبہ

انھوں نے ہم کو جنگ میں دھکیلا بیان کر دی ہے وہ تمام مصیبتیں جو انھوں نے سکھ حکومت کے وقت سرحد پر نازل کی تھیں وہ تمام ایک تلخ وراثت کی صورت میں ہم تک پہنچیں اس نے تمام سرحد میں تعصبی جذبات کو برقرار رکھنے کے علاوہ تین دفعہ قبائل کو یکجا اکھٹا کر دیا۔جس کی وجہ سے برطانوی ہندکو ہر ایک موقعہ پر بہت ہی مہنگی لڑائی لڑنی پڑیں یکے بعد دیگرے ہر گورنمنٹ نے اعلان کیا کہ یہ ہمارے لئے ایک مستقل خطرہ ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے تباہ کرنے کی تمام کوششیں ناکام ثابت ہوئیں اب تک بھی یہ ہماری غیر وفادار رعایا اور ہمارے سرحد پار دشمنوں کے امیدوں کا مرکز بنا ہوا ہے ہم نہیں جانتے کہ کس وقت ہم قبائل کی خانہ جنگی کی لپیٹ میں آجائیں گے جو وسط ایشیا میں ہر وقت جاری رہتی ہیں مگر اس وقت یہ عین ممکن ہے کہ اس سال کے ختم ہونے سے پہلے ایک اور افغانی جنگ لڑنی پڑے یہ جنگ جب کبھی بھی ہوگی (اور جلد یا بدیر ہو کر رہے گی) تو ہماری سرحد پر غدار آبادی ہمارے دشمنوں کو ہزار ہا آدمی مہیا کر سکے گی۔ہمیں ان غداروں کو اپنی ذات سے کوئی ڈر نہیں اگر ہمیں ڈر ہے تو ان شورش پسند عوام سے ہے جن کو یہ مجاہدین ہمارے خلاف جہاد کرنے کیلئے بار بار اکھٹا کرتے ہیں نو صدیوں کے دوران میں ہندوستانی لوگ شمال کی طرف سے حملہ کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔{ایضاص ۶۴،۶۵ بحوالہ نقش حیات ج ۲ ص ۴۰،۴۱}۔

غرض صرف ''نقش حیات'' ہی کے ان تمام حوالہ جات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ حضرت سید صاحب انگریز کے سخت ترین دشمن تھے بلکہ انھوں نے اپنے جانشینیوں کی اس طرح ''برین واشنگ'' کی کہ ان کی شہادت کے بعد بھی ان کی جماعت کے مجاہدین انگریز کو ناکوں چنے چبواتے رہے اور انگریز کے خلاف اٹھنے والی ہر تحریک کا منبع اور سر چشمہ یہی ''تحریک بالاکوٹ'' اور نظریہ ''سید احمد شہید'' رہا۔

بریلوی حضرات خود تو سیاسی یتیم ہیں ساری زندگی حکومت وقت کی جوتیاں چاٹتے رہے اپنے سیاہ کرتوتوں اور ضمیر فروشی پر پردہ ڈالنے کیلئے ایسے مجاہدین کو بھی انگریز کا ایجنٹ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔مگر حق کے سامنے آخر باطل کب تک ٹھر سکتا ہے۔فریق مخالف نے جو عبارت پیش کی وہ مکمل اس طرح ہے کہ:

ہندوستان کی یہ بہت بڑی بدقسمتی تھی کہ سید صاحب کو مسلمانان پنجاب کی حد درجہ پامالی وزبوں حالی کے باعث مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بالمقابل صف آراء ہونا پڑا اور آخر معرکہ بالا کوٹ میں جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ **ورنہ اصل یہ ہے کہ سید صاحب کا مقصد ہندوستان اور مسلمان کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے تسلط واقتدار سے نجات دلانا تھا۔انگریز خود اسے محسوس کرتے تھے اور اس تحریک سے بڑے خوفزدہ تھے**۔اسی بناء پر جب سید صاحب کا ارادہ سکھوں سے جنگ کرنے کا ہوا تو انگریزوں نے اطمینان کا سانس لیا اور جنگی ضرورتوں کے مہیا کرنے میں سید صاحب کی مدد کی۔ **سید صاحب کا اصل مقصد چونکہ ہندوستان سے انگریزی تسلط اور اقتدار کا قلع قمع کرنا تھا**۔الخ

{نقش حیات، ج ۲ ص ۱۸}

غور فرمائیں کہ خط کشیدہ عبارات کو کس طرح گیارہویں شریف کا شربت سمجھ کر ہضم کر لیا گیا۔عبارت کا مطلب بالکل واضح ہے کہ حضرت سید صاحب کا اصل مقصد انگریزوں کو ہندوستان سے مار بھگانا تھا مگر بدقسمتی سے سکھ اس راہ میں رکاوٹ بن گئے انگریز کو چونکہ اس تحریک کا علم تھا کہ یہ ان کے تسلط کی راہ میں بہت بڑی رکاوٹ ہے تو انھوں نے اطمینان کا سانس لیا کہ اتنا بڑا خطرہ ان کے سر سے ٹل گیا اور اب مجاہدین ہماری جگہ سکھوں سے برسرپیکار ہو گئے ہیں۔اور ہماری جان فی الوقت کیلئے چھوٹ گئی۔اب رہا جنگی ضرورتوں کے مہیا کرنے کا

سوال تو اس میں یہ کہاں ہے کہ حضرت سید صاحب نے خود یہ سامان لیا یا اس کا مطالبہ کیا یہ بھی تو ممکن ہے کہ انگریز نے خفیہ طریقہ سے ایسے ذرائع سے مہیا کیا ہو کہ سید صاحب کو اسکا علم ہی نہ ہوا اور ایسا ہونا جنگوں میں ممکن ہے کہ ایک دشمن اپنے مفاد کیلئے خفیہ طور پر دوسروں کی مدد کرتا ہے سکھ چونکہ ہندوستان میں بہت سی جگہ پر قابض تھے لہٰذا انگریز ان کو بھی اپنے لئے خطرہ سمجھتے تھے اور یوں ایک تیر سے دو شکار کرنے کا سوچا ہوگا۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ انگریز نے بطور لالچ یہ سامان شروع میں مہیا کیا ہو مگر مجاہدین اس لالچ میں نہیں آئے مکالمۃ الصدرین کا حوالہ گزر چکا کہ پہلے انگریز اسی طرح کیا کرتا تھا۔اور پھر اسی نقش حیات میں ہے کہ:

یہ جماعت انگریزوں کی طرف سے ہر قسم کی ہلاکتوں اور ایذاؤں کا نشانہ بنتی ہے اور تحمل کرتی ہے مگر آزادی کی جدو جہد اور انگریز دشمنی سے باز نہیں آتی۔ **انگریز لالچ دیتا ہے قبول نہیں کرتی**۔ انگریز ڈاراتا ہے مگر نہیں ڈرتی۔{ ج ۲ص ۴۳،۴۴}

حیات طیبہ کے حوالے سے میں یہ ذکر کر چکا ہوں کہ حضور ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو سب سے پہلے وہاں کے یہودیوں سے ایک امن معاہدہ کیا جس میں ایک شق یہ بھی تھی کہ جب مسلمانوں پر کوئی حملہ کریگا تو یہودی مسلمانوں کا ساتھ دیں گے اور جب یہودیوں پر کوئی حملہ کرے گا تو مسلمان یہودیوں کا ساتھ دیں گے۔تو اب کیا کوئی بے دین معاذ اللہ یہ کہہ سکتا ہے کہ مسلمان یہودیوں کے نمک خوار اور ایجنٹ تھے۔العیاذ باللہ۔

(اعتراض نمبر ۱۶۹): نام نہاد مجاہدین تحریک بالاکوٹ کی گزراوقات انگریزی امداد پر

عبید اللہ سندھی صاحب کے ملفوظات میں ہے کہ مجاہدین کا گزران انگریز کی رو ہین منت تھا(ص ۳۶۲)

جواب: کسی بھی بزرگ کے ملفوظات کے متعلق آپ کے اکابر کا عقیدہ ہے کہ:

''بزرگوں کے ملفوظات میں کچھ باتیں ان سے غلط منسوب ہوجاتی ہیں۔۔۔۔۔صاحب ملفوظ خود اس واقعہ یا بات کو لکھنے والا نہیں ہوتا۔اس لئے عین ممکن ہے کہ کوئی دوسرا شخص خواہ کتنا ہی معتبر اور ثقہ کیوں نہ ہو اس سے ملفوظ نقل کرنے میں غلطی ہوسکتی ہے اور وہ بات خلاف واقعہ ہوسکتی ہے۔۔۔لہٰذا بزرگوں کے ملفوظات سے استدلال کرنا اور اسے قطعی حوالہ سمجھنا درست نہیں۔ملخصا''۔

{عبارات اکابر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ۔ج ا ص ۳۹۱،۹۲}

لہٰذا اصولی طور پر ملفوظات سے آپ کا استدلال کرنا درست نہیں۔

(اعتراض نمبر ۱۷۰): المعارف رسالے میں ہے کہ دارالعلوم دیوبند نے انگریز کو سپاسنامہ پیش کیا

جواب: آپ نے جو المعارف کا حوالہ دیا یہ بالکل جعلی ہے اس میں پیش کیا گیا سپاسنامہ خود ساختہ ہے ان کے الفاظ سے ثابت ہورہا ہے کہ المعارف والے دارالعلوم دیوبند سے معاندانہ رویہ رکھتے ہیں اور اسی بنیاد پر یہ جعلی سپاسنامہ پیش کیا اگر یہ سپاسنامہ درست ہے تو اس کا کوئی تاریخی ثبوت پیش کریں ۱۹۹۶ کے ایک غیر معتبر رسالہ کا حوالہ پیش کرنا ہی اس کے جعلی ہونے کی دلیل ہے اگر آپ کے نزدیک اس قسم کے حوالے دینا درست ہیں تو کل کو کوئی بھی کسی اخبار یا رسالے میں چند ٹکے دیکر اس طرح کے بیسیوں حوالے پیش کرسکتا ہے۔

(اعتراض نمبر ۱۷۱): مدرسہ دیوبند انگریزی حکومت کے خلاف نہیں

''یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں بلکہ موافق سرکار ممد ومعاون سرکار ہے۔'' (سوانح قاسمی ص ۹۴)

جواب: معترض صاحب کو اطمینان ہے کہ ان کے حلقے میں کوئی ایسا پڑھا لکھا اور اپنے ذہن سے سوچنے والا آدمی نہیں پایا جاتا جو یوں سوچے کہ یہ انگریز مدرسہ دیکھنے اور اہل مدرسہ سے ملنے آیا تھا نہ کہ لڑنے۔ یہ کوئی انسپکٹر آف سکولز بھی نہیں تھا جس کے حلقہ میں دیوبند کا مدرسہ آتا ہو اور مدرسہ کو اچھا برا جو جی میں آئے لکھ جائے اور ایسے معائنہ لکھنے والے اپنے نقطہ نظر سے تعریف (اور ضرورت ہو تو تالیف وتقریب کی) ہی بات لکھا کرتے ہیں، چاہے اندر سے کچھ بھی خیال ہو، اس لئے یہ گواہی ''لا کھ پہ بھاری'' تو کیا ہوتی سرے سے گواہی کہلانے کی بھی نہیں ہے بلکہ غور کیا جائے تو اس سے بالکل الٹی گواہی نکل رہی ہے کیونکہ اس انگریز کو یہ فقرہ لکھنے کی ضرورت ہی کیا پیش آئی تھی اگر یہ مدرسہ واقعہ میں موافق سرکار ہوتا؟ یا کم ازکم یہ بات مسلمہ سی نہ ہوتی کہ انگریز سرکار اسے اپنے خلاف سمجھتی ہے؟ ایک مدرسہ جو حکومت وقت کا ممد ومعاون ہو اس کے معائنے میں ''لیفٹینٹ گورنر کا ایک خفیہ معتمد انگریز'' بطور تعریف یہ لکھے گا کہ یہ مدرسہ خلاف سرکار نہیں ہے؟ اتنا بڑا احمق انگریز گورنر کا معتمد خاص نہیں ہوسکتا۔ یہ تو کسی معاون و وفادار ادارے کی تحسین وتعریف کی کوئی پسندیدہ صورت نہیں ہے بلکہ اس کیلئے ایک شکایت پیدا کرنے کی صورت ہے کہ اسے خلاف سرکار سمجھے جانے کا بھی کوئی امکان مانا گیا جو نمائندہ سرکار ایسے خیال کو دفع کرنے اور ہمیں مطمئن کرنے کی ضرورت سمجھ رہا ہے کہ سرکار ہمارے ادارے کو اپنے خلاف نہیں سمجھتی۔ اس لئے کبھی نہیں سنا گیا ہوگا کہ کسی سرکار نے کسی کو وفاداری کا سرٹیفکیٹ دیتے ہوئے یہ بھی لکھا ہو کہ یہ ہمارے خلاف نہیں ہے۔

الغرض معترض صاحب کو اپنے حلقے میں اس طرح سوچ رکھنے والے آدمیوں کے نہ ہونے کا کامل اطمینان ہے اور دوسروں کے تاثرات سے یہ لوگ سروکار نہیں رکھتے ورنہ ان کے از خود سوچنے اور سمجھنے کی بات تھی کہ کوئی بھی آزاد ذہن کا اور سمجھدار آدمی ان کی اس تاریخ سازی کو پڑھے گا تو بجز اس کے کچھ نہیں کہے گا کہ قبلۂ محترم! یہ گواہی انگریز حکومت سے دارالعلوم دیوبند کی وفاداری کی نہ ہوئی بلکہ الٹی اس بات کی ہوئی کہ یہ دارالعلوم حقیقت میں خلاف سرکار تھا۔

لیکن الحمدللہ! کہ دارالعلوم دیوبند جس ادارہ کا نام ہے اسے کسی ایسی گواہی کی ضرورت نہیں اس کی پوری صد سالہ تاریخ کا ایک ایک ورق اپنے کردار کا بہترین گواہ اور ہر خارجی گواہی سے بے نیاز کر دینے والا ہے۔ معترض صاحب کو شاید معلوم نہ ہو کہ دارالعلوم دیوبند کو رام کرنے کیلئے گورنر صاحبان کے صرف معتمد نمائندے ہی نہیں آئے بلکہ بعض دفعہ گورنر صاحب نے بھی تکلیف فرمائی لیکن اس پتھر میں جونک نہ ان سے لگی نہ ان سے لگی۔ البتہ ایسے مواقع سے یہ فائدہ ضرور اٹھایا گیا کہ دشمن اگر خود کو دھوکہ میں ڈالنے کا موقع دے رہا ہے تو اسے دھوکے میں رکھنے کا ہی رویہ اختیار کیا جائے۔

(اعتراض نمبر ۱۷۲): مدرسہ دیوبند کے مدرسین انگریز کے معتمد

''سوانح قاسمی'' کے حاشیہ سے مہتمم دارالعلوم حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے بیان کے دو ٹکڑے درج کئے گئے ہیں۔

(۱) (مدرسہ دیوبند کے کارکنوں میں اکثریت) ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک وشبہ کرنے کی کوئی گنجائش ہی نہ تھی۔''

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ،ص ۱۴۳)

(۲) گورنمنٹ کی طرف سے ایک انکوائری کے تذکرہ میں)

''اس وقت یہی حضرات آگے بڑھے اور اپنے سرکاری اعتماد کو سامنے رکھ کر مدرسہ کی طرف سے صفائی پیش کی جو کارگر ہوئی۔''

(ص ۹۵)

جواب: لگتا ہے کہ معترض صاحب قلم اٹھاتے وقت یہ قسم کھا بیٹھے تھے کہ حق وصداقت اور دیانت کا جتنا خون وہ ان صفحات میں کر سکتے ہیں کر کے رہیں گے چنانچہ حضرت مولانا محمد طیب صاحب کا ایک ''تہلکہ خیز بیان'' تصنیف کرنے کیلئے انہوں نے یہ ثواب کا کام خود ہی ڈٹ کر کیا ہے۔

''سوانح قاسمی'' کے مصنف حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی اس بحث پر دارالعلوم کے روح رواں کی حیثیت سے حجتہ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام شروع کے دور میں جو نمایاں نہیں ہوا تو اس کی وجہ سیاسی مصلحت تھی یا کچھ اور؟

حکیم الامت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب ؒ حاشیہ میں یہ رائے ظاہر کرتے ہیں کہ اور جو کچھ بھی اس کی وجہ رہی ہو وقت کی سیاسی مصلحت بھی ضرور اس کی ایک وجہ بظاہر تھی۔ یہ حاشیہ کتاب کے ص ۲۴۶ سے شروع ہو کر ص ۲۴۷ تک گیا ہے یعنی ایک صفحہ سے زیادہ کا تھا۔اس کی وہ چند سطریں یہاں پڑھ لینے کی ضرورت ہے جن میں قاری صاحب کی اصل مقصدی گفتگو درج ہوئی ہے۔فرماتے ہیں۔

''اس وقت کے نازک حالات، حضرت والا کا وارنٹ، روپوشی، سرکاری دوشوں کا پیچھے پیچھے لگا رہنا، پھر حضرت والا کے ان جذبات ونظریات کا ماضی سے زیادہ مستقبل کیلئے ہوتا جو اس وقت اجراء مدرسہ کی روح اور آج ایک مستقل مکتب خیال اور ملت کی تاریخ بنے ہوئے ہیں جن کی رو سے یہ مدرسہ تعلیمی ہونے کے ساتھ ساتھ گویا اہل اللہ کی سیاست کا ایک مرکز بھی تھا۔ کچھ ایسی باتیں نہ تھیں گو کلیتہً پردہ خفا میں ہوں یا کم از کم بحیثیت مجموعی حکومت وقت کی نگاہوں سے بالکل اوجھل ہوں ایسی صورت میں حضرت والا کا بحیثیت بانی یا بحیثیت کسی ذمہ دار عہدیدار کے سامنے آنا بلاشبہ مدرسہ کو خطرات ومہالک کا شکار بنا سکتا تھا اور ابتداء ہی سے حکومت وقت کی نگاہیں اس پر کڑی ہو جاتی ہیں جس سے وہ حریت پرور مقاصد بروئے کار نہ آسکتے تھے جن کیلئے یہ تاسیس عمل میں آئی تھی۔ان حالات میں حضرت والا کا کسی رسمی ذمہ داری کی صورت میں سامنے نہ آنا اور سب کچھ ہونے کے باوجود کچھ بھی نہ ہونے کو نمایاں رکھنا ایک اچھی خاصی سیاسی مصلحت کی صورت ہو جاتی ہے۔''(سوانح قاسمی حاشیہ ص ۲۴۶)

اس کے آگے بحث کے اس نکتہ پر کلام کرتے ہوئے کہ اگر ایسا تھا تو عام ممبران یا ممتحنین کی فہرست میں بھی حضرت (رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ) کا نام کیوں آیا؟ قاری صاحب مدظلہٗ نے تحریر فرمایا ہے کہ اتنی بات سے کسی عہدیدارانہ ذمہ داری کی صورت نہیں ظاہر ہوئی علاوہ ازیں اس فہرست میں ایسے حضرات کی اکثریت تھی۔جو تارک الدنیا اور مسجد نشیں بزرگ تھے جنہیں سیاست سے تو بجائے خود عام شہری معاملات سے بھی کوئی خاص لگاؤ نہ تھا اور یا ایسے بزرگوں کی تھی جو گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک وشبہ کرنے کی گنجائش ہی نہ تھیں۔''(ص ۲۴۷،۲۴۶)

بعد ازاں لکھتے ہیں۔

’’اس پر بھی مخالفین مدرسہ نے حضرت ہی کے تعلق کو بنیاد قرار دے کر مدرسہ کو حکومت وقت کی نگاہوں میں مشتبہ کر دینے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتی حتیٰ کہ گورنمنٹ کو تحقیقات کرانی پڑی۔اس وقت یہی حضرات آگے بڑھے اور اپنے سرکاری اعتماد کو سامنے رکھ کر مدرسہ کی صفائی پیش کی جو کارگر ہوئی ورنہ اگر شخصی طور پر عہدیدارانہ ذمہ داریوں کے ساتھ حضرت والا آگے ہوئے ہوتے تو ظاہر ہے کہ مدرسہ کی طرف سے ان بزرگوں کی صفائی اور یقین دہانی کارگر نہ ہوسکتی تھی۔‘‘(ص ۲۴۷)

یہ ہے حکیم الامت حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے اس بیان کی اصلی صورت جسے ایک ’’تہلکہ خیز دستاویز‘‘ بنانے کیلئے معترض صاحب نے اس میں سے صرف وہ فقرے لے کر درج کر دیئے ہیں جن پر ہم نے خط کھینچ دیا ہے مگر کیا کوئی صاحب آدمیوں کی دنیا میں ایسے میں جو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے بیان کی یہ اصل صورت دیکھنے کے بعد بھی اس بیان کی رو سے دارالعلوم دیوبند اور اس کے اصل ذمہ داروں کو انگریزوں سے نیاز مندانہ اور ساز بازانہ تعلقات رکھنے کا مرتکب کہنے کی ہمت فرماسکیں۔ہم کن الفاظ میں اپنی اس تکلیف کا اظہار کریں کہ جناب معترض صاحب نے محض گروہ بندانہ بغض وعناد میں خدا نا ترسی کا یہ ریکارڈ قائم کر کے لوگوں کو یہ کہنے کا موقع دیا ہے کہ یہ عبا وقبا اور جبہ و دستار والے پیشوایان ملت و مذہب بھی کس گھٹیا درجہ تک گر تبی ہوسکتے ہیں؟ ہم کہہ چکے ہیں کہ دارالعلوم دیوبند اور جماعت دیوبند کا معاملہ انگریزوں کے سلسلے میں ایسا نہیں ہے کہ جس پر کوئی مدعی غبار اڑانے میں کامیاب ہوسکے۔یہ چاند پر تھوکنا اور سر پر خاک اڑانا ہے جس کا نتیجہ ازل سے ایک ہی رہا ہے۔ایک پوری تاریخ کو جو ہزاروں افراد کے جہاد و پیکار، قید و بند مصائب وآلام اور جہد مسلسل کے واقعات سے بنی اور اس ملک کے چپہ چپہ پر ہی نہیں اس سے باہر بھی خون پسینے کی روشنائی سے لکھی گئی اور ۱۹۴۷ء تک تسلسل کے ساتھ لوگوں کی نظروں سے گزری۔ایسی تاریخ کو ایک بریلوی معترض نہیں ہزار، دس ہزار معترضین بھی چاہیں تو اسے چھپا دینے یا مسخ کر دینے پر قادر نہیں ہوسکتے،اس سے بھی آگے سن لیجئے۔

کہ اگر خود دیوبند والوں کی کسی کتاب میں بھی اس تاریخ کی عام شہرت کیخلاف کچھ لکھا ہوا ہے تو اس کی مدد لے کر بھی اس برحق شہرت کا تختہ الٹ پلٹ ڈالنے کی کوشش ایک دیوانگی کے سوا کچھ نہیں ہوسکتی۔ارباب جہاد و پیکار کی تاریخ میں ایسے نازک وقت بھی آتے ہیں کہ دشمن کو دھوکہ دینے کیلئے اپنے اصلی کردار کو چھپانا پڑتا ہے اور صاف گفتاری کے بجائے مصلحت کی زبان اور قلم سے کام لینے کا تلخ گھونٹ پینا ضروری ہوجاتا ہے۔اسے معترض صاحب جیسے لوگ نہیں سمجھ سکتے جن کے کنبے، قبیلے میں بھی کسی نے ان خارزار وادیوں کی سیر نہیں کی لیکن اس راہ کے تمام رہرووں کی تاریخ میں ایسے اوراق کہیں نہ کہیں ضرور ملتے ہیں۔ایسا ہی وہ ایک وقت تھا جب ۱۸۵۷ء کے جہاد کا پانسہ انگریزوں کے حق میں پلٹ جانے کے بعد، دیوبند کے بزرگوں نے دارالعلوم کے نام سے ایک نئے محاذ کی بناڈالی تو اس کے روح رواں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نوراللہ مرقدہ نے اپنے آپ کو پیچھے رکھ کر ایسے لوگوں کو سامنے رکھا جن پر انگریز حکومت کو شک وشبہ کی نظر ڈالنی مشکل ہو۔[1] اسی طرح جب اسی نازک دور میں کچھ آگے چل کر بعض لوگوں نے ان بزرگوں میں سے کسی کے حالات سپرد قلم کئے تو اس وقت بھی ان کے قائم کئے ہوئے اداروں اور نئے ڈھنگ کے تنظیمی سلسلوں سے گورنمنٹ کی نظر ہٹائے رکھنے کیلئے مصلحت یہی تھی کہ ان کے جہاد و پیکار کے حالات انگریزوں کے خلاف ان کے سخت جذبات دھیمے اور ذو معنی الفاظ میں لکھے جائیں اور اس بات کو ان کتابوں کا ہر پڑھنے والا بخوبی سمجھ سکتا تھا۔اسی لئے آج تک کسی کو یہ خبط لاحق نہیں ہوا کہ ایسی عبارتوں کی بنیاد پر اصل حقیقی اور جیتی جاگتی تاریخ کے منہ آئے۔

---

[1] ان حضرات کیلئے جو الفاظ حکیم الامت حضرت مولانا محمد طیب صاحب نے لکھے ہیں اور معترض صاحب نے نقل کئے ہیں وہ صرف یہی

ہے کہ ’’گورنمنٹ کے قدیم ملازم اور حال پنشنر تھے جن کے بارے میں گورنمنٹ کو شک وشبہ کرنے کی گنجائش نہ تھی ۔‘‘ان الفاظ سے ’’انگریزوں کے ساتھ نیازمندانہ تعلقات اور راز دارانہ ساز باز‘‘ کی بو کسی ایسے ہی شخص کو آسکتی ہے جس کے فسادِ نیت نے اس کے تمام حاسدوں میں نہایت بدبودار فساد پیدا کر دیا ہو کیونکہ یہ جس وقت کی بات ہے یعنی اس ۱۸۵۷ء کے کچھ ہی بعد کی جس میں فتح یاب ہو کر انگریزوں نے سارے ملک میں مسلمانوں پر وہ قیامت توڑی تھی کہ رگ رگ سے خون بہتا تھا، ہر طرف پھانسیوں کی گرم بازاری تھی، اندھادھند ہنگامہ دار و گیر بپا تھا۔ گلی کوچوں میں کشتوں کے پشتے لگ گئے تھے اور ہر مسلمان کے دل سے خون میں ڈوبی ہوئی آہیں مدتوں تک نکلتی رہی تھیں، ایسے میں کون بدنصیب مسلمان ہوگا جو ان ظالموں سے ’’راز دارانہ ساز باز اور نیاز مندانہ تعلقات‘‘ رکھنے کا روادار ہو اور پھر وہ بھی وہ لوگ جو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نوراللہ مرقدہٗ جیسے مجاہدین ۵۷ء کے گرد جمع ہونے کا حوصلہ رکھتے ہوں ۔ یہ وقت تو ایسا تھا کہ سرسید جیسا آدمی بھی جس نے مسلمانوں کو انگریزوں سے وفاداری کی عمدہ صبر تلقین کی ’’اسباب بغاوت ہند‘‘ لکھ کر ان ظالموں کے خلاف چیخ پڑنے پر مجبور ہوا۔ اس لئے ہم تو اس زمانہ میں مسلمانوں کے اندر کسی نیاز مند سرکار کا تصور بھی نہیں کر سکتے ۔ یہاں بریلوی معترض صاحب کے اوپر والوں میں ایسے لوگ اس وقت بھی پائے گئے ہوں تو ان کا اسے بعید نہ سمجھنا ٹھیک ہے ۔ جناب معترض صاحب میں اگر کچھ ہوش، گوش ابھی باقی رہ گیا ہو تو ہم انہیں پیر دانا حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی نصیحت یاد دلائیں گے کہ ہر جگہ گھوڑا دوڑانے کی نہیں ہوتی ع

نہ ہرجائے مرکب تواں ناختن

کہ جاہا پر باید انداختن

وہ کہاں اس تاریخ جہاد و پیکار کی باتوں میں اپنی ہنسی اڑوانے داخل ہو گئے ۔ ان کیلئے مذہبی فتنہ انگیزی اور گندم نمائی و جوفروشی کا میدان ہی بہت ہے، محبت رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وبارک وسلم) کے دعوے کر کے سچے محبوں کے خلاف لوگوں کو ورغلایا کریں ۔ نذرونیاز اور عرس ومیلاد کے حق میں نکتے تراش تراش کر عوام کو دام فریب میں پھنسایا کریں ۔ ان موضوعات پر کتابیں لکھیں جن پر عام پڑھے لکھے خود کوئی رائے قائم کرنے کی معلومات نہیں رکھتے ۔

لیکن ان تاریخی باتوں میں قلم فرسائی تو اہل علم و دین ہی میں نہیں ان عام پڑھے لکھوں میں بھی ان کا مضحکہ بنوادے گی ع

ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں

(بحوالہ بریلوی فتنے کا نیا روپ)

(اعتراض: ۱۷۳): مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے انگریز تھانیدار سے تعلقات

اسی سوانح قاسمی میں جس کے ایک حاشیہ پر اوپر کی گفتگو ہوئی، ایک واقعہ صاحب سوانح (حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ) کے مقام ولایت کے تذکرہ میں اس بات کی مثال کے طور پر درج ہوا ہے کہ اگرآپ اپنے مرتبہ کو بے حد چھپانے کا مزاج رکھتے تھے اور خاص کر باطنی قوت کا استعمال کبھی اپنی یا اپنے اہل خانہ واقارب کی ضرورتوں میں بھی نہیں کرتے تھے مگر کبھی کسی بیچارہ غریب کا کام آپڑے تو پھر آپ کا حال دوسرا ہوتا تھا اور اس قوت کے استعمال میں کوئی تکلف نہ فرماتے ، وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ دیوبند سے نانوتہ واپس تشریف لے جارہے تھے کہ آپ کا خاص حجام راہ میں آتا ہوا ملا، جو آپ ہی کے پاس جارہا تھا اس نے

ضرورت عرض کی کہ تھانہ دار نانوتہ نے ایک عورت کے بھگانے کا جرم مجھ پر لگا کر چالان کا حکم دیا ہے، میں بالکل بے خطا ہوں خدا کے واسطے مجھے بچائیے۔" اس کے بعد راوی کا بیان ہے کہ آپ نے نانوتہ پہنچ کر مسجد میں بیٹھتے ہی" مجھ سے فرمایا کہ منشی محمد یٰسین کو بلاؤ"، جو آپ کے خاص کار پرداز تھے، ان منشی محمد یٰسین صاحب کے آتے ہی عجیب شان جلالی سے فرمایا کہ اس غریب حجام کو تھانہ دار نے بے قصور پکڑا ہے تم اس سے کہہ دو کہ یہ (حجام) ہمارا آدمی ہے اس کو چھوڑ دو ورنہ تم بھی نہ بچو گے، اس کے ہاتھ میں ہتھکڑی ڈالو گے تو تمہارے ہاتھ میں ہتھکڑی پڑے گی۔

منشی محمد یٰسین صاحب تھانہ دار کے پاس پہنچے اور حضرت کا ارشاد سنایا جس پر اس نے گھبرا کر کہا۔" اب کیا ہوسکتا ہے روز نامچہ میں اس کا نام لکھ دیا گیا ہے۔"

یہ بات حضرت تک پہنچی تو منشی محمد یٰسین صاحب کو پھر یہ حکم دے کر واپس فرمایا کہ" جا کر کہہ دو کہ اس کا نام روز نامچے سے نکال دو۔"

اس پر وہ غریب بہت پریشانی میں پڑ کر خود حضرت کی خدمت میں یہ کہنے کیلئے حاضر ہوا کہ

" حضرت نام نکالنا بڑا جرم ہے اگر نام اس (حجام) کا نکالا تو میری نوکری جاتی رہے گی۔"

آپ نے فرمایا:

" اس کا نام (روز نامچے سے) کاٹ دو تمہاری نوکری نہیں جائے گی۔"

آگے راوی کا کہنا ہے کہ

اس حکام کو اس نے چھوڑ دیا اور برابر تھانیدار ہی رہا۔

(سوانح قاسمی جلد اول ص ۳۲۴ تا ۳۳۰)

اس واقعہ کا حوالہ دے کر معترض صاحب فرماتے ہیں کہ

" مولوی قاسم صاحب نانوتوی اگر انگریزی حکومت کے باغیوں میں تھے تو پولیس کا محکمہ اس قدر ان کے تابع فرمان کیوں تھا؟

جواب

یوں تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تابع فرمان تھے! اور جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے" تابع فرمان" ہو جاتے ہیں ان کی یہی شان ہوتی ہے! من کان للہ کان اللہ لہ (جو اللہ تعالیٰ کا ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے) کیا یہ مشہور حدیث بھی معترض صاحب نے نہیں پڑھی؟ اور وہیں حاشیہ میں جہاں حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے متعلق یہ حکایت درج ہے۔ مصنف (مولانا گیلانی علیہ الرحمۃ) نے بخاری شریف کی ایک روایت کا جو ترجمہ درج کیا ہے وہ بھی معترض صاحب کی نظر سے بالاتر ہی رہا؟

" بندہ جب اپنے خالق کا محبوب بن جاتا ہے تو ارشاد ربانی ہے کہ میں اس کی بینائی ہو جاتا ہوں جس سے دیکھتا ہے، اس کی شنوائی ہو جاتا ہوں جس سے سنتا ہے، اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے پکڑتا ہے، اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے چلتا ہے۔" (ج ۱ ص ۳۲۳)

رہ رہ کر خیال آتا ہے ہے کہ کس درجے کے سیدھے اور بے خبر لوگوں کا طبقہ ان علماء کرام کے ہاتھ لگا ہے کہ اوندھی سے اوندھی بات کہتے اور لکھتے ہوئے بھی انہیں ڈر نہیں ہوتا کہ کوئی اس پر ہنس دے گا۔ بھلا کوئی تک ہوئی کہ قصبہ کے تھانیدار نے ایک بات مان لی تو اس سے انگریزوں سے ساز باز ثابت ہوگئی! ٹھیک ہے کہ تم تو ان بزرگوں کو اپنی کم نصیبی سے صاحب ولایت نہیں مان سکتے لیکن اس کے ماننے میں

بھی کوئی دقت ہے کہ یہ تھانیدار جو اسی قصبہ کا تھانیدار تھا انہیں خدا رسیدہ بزرگ مانتا ہو۔؟ یا اس علاقہ میں جوان کی وجاہت تھی محض اس کا لحاظ کرنے پر ہی مجبور رہو؟

ان میں سے کون سی بات ایسی ہے جو نہیں ہوسکتی۔؟ جبکہ اس کے برعکس ''اوپر کے حکام'' (اور وہ بھی ''مرکزی'' حکام) سے ''ساز باز'' والے تعلقات کا علم ایک ہندوستانی تھانیدار سے ہونے کی بات کسی تھوڑی سی عقل والے کی بھی سمجھ نہیں آسکتی۔ کھلے تعلقات ہوں تو ضرور ایک تھانیدار بے چارہ بھی واقف ہوسکتا ہے مگر ڈھکے چھپے اور ساز باز والے تعلقات ہوں تو اس کی خبر اس بے چارہ کے فرشتوں کو بھی ہونے سے رہی مگر واہ رے معترض صاحب! یہ سیدھی سیدھی باتیں پس پشت ڈال کر چلے ہیں کہ اسے انگریزوں کے خلاف دیوبندی اکابر کے افسانۂ جہاد و بغاوت کی پوری بساط الٹ دینے والی ''سنسنی خیز کہانی!'' بنا کے چھوڑیں گے!۔

حالانکہ جہاں تک آپ کے مریدوں اور معتقدوں کا سوال ہے ان کیلئے تو کسی کہانی کی بھی ضرورت نہیں۔ صرف آپ فرما دیجئے کہ دیوبندی جو کچھ جہاد و بغاوت کی باتیں کرتے ہیں سب افسانہ ہیں۔ وہ بیچارے مان لیں گے لیکن جنہیں دلیل وثبوت کی ضرورت ہے وہ آپ کی اس سستی ''سنسنی خیزی'' پر ہنس دیں گے کہ کیا دو آنے والا جاپانی طمنچہ معترض صاحب شیروں کا شکار کرنے کیلئے لائے ہیں؟ ایک طرف جیتی جاگتی اور (غلو پسند بریلویوں کو چھوڑ کر) مسلم وغیر مسلم سب کی مانی ہوئی حقیقت اور دوسری طرف یہ تھانیدار کی کہانی! ہائے ری کم سواری! اور ہائے ری کج ادائی!! اگر ان معترض صاحب کو اس معاملے میں مسٹر اوک کہا جائے تو بالکل موزوں ہوگا، انہی کی طرح ایک مسٹر اوک ہندوستان میں ہیں جو روز مضامین لکھتے کہ ''تاج محل''، مغل بادشاہ نے نہیں ہندوؤں نے بنوایا تھا۔ لال قلعہ اس بادشاہ کا بنوایا ہوا نہیں تھا۔ قطب کی لاٹ بھی مسلمانوں کا کارنامہ نہیں ہے۔ وغیرہ ذالک من الھفوات۔

(اعتراض ۱۷۴): انگریزی فوج میں سرکار خضر علیہ السلام کی موجودگی

سوانح قاسمی جلد دوم اور علماء ہند کا شاندار ماضی کا حوالہ دیا گیا

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۱۴۳)

جواب: سوانح قاسمی کی وہ عبارت ایک روایت کے ذیل میں ہے، روایت کے راوی ہیں نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن صاحب شیروانی اور جن کے بارے میں روایت ہے وہ ہیں حضرت شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ یعنی نہ یہ خاص معنی میں دیوبندی اور نہ وہی دیوبندی، تعلق دونوں بزرگوں کو دیوبند کے بزرگوں سے بھی تھا اور دیوبند کے بزرگوں کو ان دونوں سے بلکہ حضرت گنج مراد آبادی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے بعض بزرگان دیوبند کا ارادتمندانہ تعلق رہا ہے اور ان کے مزار کو بریلی والے بھی مانتے ہیں۔ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کو، مگر دیوبندیوں پر وار کرنے کے جنون میں جیسے حضرت حاجی صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ پر ہاتھ صاف کئے گئے ویسے ہی حضرت گنج مراد آبادی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ بھی اس جنون کی زد سے نہیں بچ پائے۔ ان کے متعلق سوانح قاسمی کے مصنف مولانا گیلانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک روایت نواب صدر یار جنگ کے حوالے سے یہ درج کی ہے کہ:

''۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے مقابلے میں جو لوگ لڑ رہے تھے ان میں حضرت شاہ فضل الرحمن گنج مراد آبادی رحمتہ اللہ علیہ بھی تھے، اچانک ایک دن مولانا کو دیکھا گیا کہ بھاگے جا رہے ہیں اور کسی چوہدری کا نام لے کر جو باغیوں کی فوج کی افسری کر رہے تھے،

کہتے جاتے تھے کہ لڑنے سے کیا فائدہ؟ خضر کو تو میں انگریزوں کی صف میں پا رہا ہوں۔"

دوسری ایک روایت اسی سلسلے میں انہی راوی نے مولانا گیلانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ سے بیان فرمائی کہ "غدر کے بعد جب گنج مراد آبادی کی ویران مسجد میں حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن صاحب جا کر مقیم ہوئے تو اتفاقاً اسی راستے سے جس کے کنارے مسجد ہے، انگریزی فوج گزر رہی ہے۔ مولانا مسجد سے دیکھ رہے تھے اچانک مسجد کی سیڑھیوں سے اتر کر دیکھا گیا کہ انگریزی فوج کے ایک سائیس سے...... باتیں کر کے پھر مسجد واپس آ گئے۔" اس کے آگے راوی (نواب صدر یار جنگ) کا بیان ہے کہ:

"اب یاد نہیں رہا، پوچھنے پر یا از خود فرمانے لگے کہ سائیس جس سے میں نے گفتگو کی تھی یہ خضر تھے۔ میں نے پوچھا یہ کیا حال ہے؟ تو جواب میں کہا حکم یہی ہوا ہے۔"

اس کے بعد مولانا گیلانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے۔

"یہ روایت نواب صاحب سے سنی ہوئی ہے، باقی خود خضر کا مطلب کیا ہے۔۔؟ حضرت "حق" کی مثالی شکل تھی جو اس نام سے ظاہر ہوتی ہے، تفصیل کیلئے حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ کی کتابیں پڑھیئے گویا جو کچھ دکھایا جا رہا تھا (**یعنی انگریزوں کا غلبہ**) "**اسی کے باطنی پہلو کا یہ مکاشفہ تھا**"(حاشیہ سوانح قاسم ج ۲ ص ۱۰۳)

اس پر معترض صاحب وہ معترضانہ سوال فرماتے ہیں کہ جس کا ذکر پہلے کر دیا گیا کہ پھر "ان باغیوں کیلئے کیا حکم ہے جو حضرت خضرؑ سے لڑنے آئے تھے؟ ان کا حکم۔۔۔۔۔؟ ان کا حکم وہی ہے جو ان حضرت موسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کیلئے جناب ارشاد فرمائیں گے جو حضرت خضر علیہ السلام سے (باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت پر ان کا علم لدنی دیکھنے ان کے پاس گئے تھے) ان کے ہر فعل پر لڑ جاتے تھے اور بالآخر ان سے جدائی پر مجبور ہو گئے! پتہ نہیں قرآن میں بیان کیا گیا یہ قصہ آپ کو معلوم بھی ہے یا نہیں؟

یہ جواب تو ہوا معترض صاحب کے سوال کی معقولیت و نامعقولیت کو ناپے بغیر لیکن اس نظر سے جانچنے کے بعد خود آپ سے پہلا سوال یہ ہے کہ کیا اس روایت میں حضرت شاہ فضل الرحمن صاحب رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے علاوہ کسی اور کیلئے بھی لکھا ہے کہ اسے خضرؑ نظر آئے۔۔؟ حضرت شاہ صاحب کو نظر آئے تھے وہ میدان سے ہٹ گئے۔ دوسروں کو نظر آنے کا جب کوئی ذکر نہیں تو اس اعتراض کا کیا تک کہ وہ حضرت خضر سے لڑ رہے تھے۔ اس ضمن ایک دلچسپ بات یہ بھی محسوس ہوتی ہے کہ سوانح قاسمی میں اس روایت کے ذکر سے معترض نے حقیقی نبی سمجھ لیا کہ یہ شاہ فضل الرحمن صاحب بھی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ وغیرہ کے دوش بدوش دوآبہ کے علاقے میں انگریزوں سے لڑ رہے تھے۔ چنانچہ سوال کرنا چاہئے کہ جب ان کے ایک ساتھی بزرگ نے یہ اطلاع انہیں دے دی تھی پھر کیوں وہ انگریزوں سے لڑتے رہے؟ بے چارے معترض صاحب کو یہ پتہ نہیں کہ شاہ فضل الرحمن صاحب اودھ میں تھے اور اودھ دوآبہ سے کافی دور ہے۔

خیر یہ دلچسپ بات تو اپنی جگہ، ذرا دوسرا سوال کرنے دیجئے کہ حضرت یہ آپ نے کہاں پڑھا ہے کہ اگر کسی دشمن فوج کے متعلق کسی بزرگ کا یہ مکاشفہ معلوم ہو جائے کہ حضرت خضر کی شکل یا کسی دوسری شکل مشیت خداوندی اس دشمن فوج کے ساتھ ہے تو مقابلہ میں لڑنے والے مسلمانوں کو ہتھیار پھینک کر ضرور میدان سے ہٹ جانا چاہئے ورنہ وہ بجائے غازی اور مجاہد کے گنہگار ہوں گے؟

آپ نے کہیں کچھ پڑھا بھی ہے یا یوں ہی نام "محمد فاضل" ہو گیا؟ علامہ صاحب! کسی بھی بزرگ کا مکاشفہ کسی دوسرے پر حجت نہیں، یہ صرف پیغمبروں کا مرتبہ ہے کہ ان کا مکاشفہ بھی وحی کے ہم رتبہ اور حجت!

اور چلئے سب باتیں آپ ہی کی ٹھیک! خدا آپ کے جنون اعتراض کو عمر دراز دے اس کے صدقے میں ایک جگہ تو آپ نے مان لیا کہ یہ دیوبند کے بزرگ انگریزوں سے لڑے تھے، حق اسی طرح سر چڑھ کر بولا کرتا ہے اور اس لئے اب اپنی زبان کے مطابق خود آپ کے اپنے ''سر پہ چڑھ کر آواز دینے والے'' اس سوال کا جواب ارشاد فرمائیے کہ آپ جو ان بزرگوں کے انگریزوں سے جنگ و جہاد کو اب تک ''افسانہ'' ٹھہراتے آرہے ہیں وہ سب آپ کا جھوٹا اور جعل تھا یا نہیں؟

اس کے بعد ایک بات جو اوپر اشارہ میں آئی ہے عوام کیلئے ذرا کھول کر کہہ دینا چاہئے کہ مسلمانوں کا غلبہ ہو یا ان کے دشمنوں کا غلبہ سب خدا ہی کے اور اس کے اذن ومشیت سے ہوتا ہے۔انگریزوں کا غلبہ ۱۸۵۷ء میں بلاشبہ اسی اصول کے ماتحت ہوا اور اسی مشیتی اور تکوینی تائید ونصرت کو صاحب کشف بزرگ صورت خضر وغیرہ میں دیکھا کرتے ہیں۔اس کے ظاہر کر دینے کا نام کوئی ''دشمنان اسلام کی بارگاہ میں نیازمندی'' رکھے جیسا کہ معترض صاحب نے کیا ہے تو یہ محض جہالت ہے یا خدا سے بےخوف ہو کر ابلہ فریبی۔(بریلوی فتنے کا نیا روپ)

(اعتراض ۱۷۵): تحریک بالاکوٹ کے مجاہدین کیلئے انگریزی کھانا

سیرت سید احمد شہید ص ۱۹۰ ج ۱ میں ہے کہ انگریز گھوڑے پر سوار چند پالکیوں میں کھانا لیکر آیا۔
(ملخصا دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف،ص ۱۳۷)

جواب: بریلوی اگر پوری عبارت ہی نقل کر دیتے تو کسی بھی صاحب فہم کو کوئی مغالطہ نہ ہوتا پوری عبارت یہ ہے:

''ایک انگریز گھوڑے پر سوار چند پالکیوں پر کھانا رکھے کشتی کے قریب آیا اور پوچھا کہ پادری صاحب کہاں ہیں؟ حضرت نے کشتی پر سے جواب دیا کہ میں یہاں ہوں انگریز گھوڑے سے اترا اور ٹوپی ہاتھ میں لیکر کشتی پر پہنچا اور مزاج پرسی کے بعد کہا کہ تین روز سے میں نے اپنے ملازم یہاں کھڑے کر دئے تھے کہ آپ کی آمد کی اطلاع کریں آج انھوں نے اطلاع کی کہ اغلب یہ ہے کہ حضرت آج قافلے کے ساتھ تمہارے مکان کے قریب پہنچیں یہ اطلاع پا کر غروب آفتاب تک کھانے کی تیاری میں مشغول رہا تیار کرانے کے بعد لایا ہوں سید صاحبؒ نے حکم دیا کہ کھانا اپنے برتنوں میں منتقل کر لیا جائے کھانا لے کر قافلے میں تقسیم کر دیا گیا اور انگریز دو تین گھنٹے رہ کر چلا گیا۔تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ انگریز کمپنی کے ملازمین میں سے نہیں تھا بلکہ نیل کا ایک تاجر تھا''۔

{مخزن احمدی ص ۶۶،۶۷ سیرت احمد شہید حصہ اول ص ۲۳۷ طبع چہارم،خواجہ بک ڈپو اردو بازار لاہور}

یہ واقعہ اس دور کا ہے جب کہ حضرت سید صاحب اور ان کے مجاہد ساتھی قصبہ دھمدمہ سے الہ آباد کی طرف روانہ ہوئے اور سکھوں کے مقابلے کیلئے سرحد پہنچنا چاہتے تھے مگر ابھی تک سکھوں سے جہاد شروع نہیں ہوا تھا اور حضرت سید صاحب کی جماعت ایک اصلاحی اور تبلیغی جماعت تھی جو توحید وسنت کی نشر واشاعت اور شرک و بدعت اور بدرسوم کی بیخ کنی میں مصروف تھی اس انگریز نے عالم اور مصلح ہونے کی وجہ سے حضرت سید صاحب کو اپنی اصطلاح میں پادری سے تعبیر کیا اور کھانا بھی کمپنی کے کسی انگریز ملازم نے تیار نہیں کرایا تھا بلکہ وہ نیل کا ایک تاجر تھا اس سے یہ ثابت کرنا کہ اس جماعت کا انگریزوں کے حکمران طبقہ سے ملاپ تھا یا جماعت انگریز کمپنی کے خلاف نہ تھی قطعا غلط ہے۔

آنحضرت ﷺ اور آپ کے چند صحابہ کرامؓ خیبر کے غزوے سے متصل بعد ایک یہودی عورت کی دعوت قبول کی تھی جس میں اس نے زہر ڈالا تھا جس کا آپ ﷺ پر بھی اثر ہوا(بخاری ج ۱ ص ۳۵۶،ج ۲،ص ۶۱۰)

اورحضرت بشرؓ بن براء بن معرور اس زہر کی وجہ سے جانبر نہ ہوسکے (ابو داود ج ۲ ص ۲۶۴)

کیا کوئی مسلمان یہ جرات کرسکتا ہے کہ معاذ اللہ یوں کہے کہ آپ ﷺ کا یہودیوں کے ساتھ گٹھ جوڑ تھا اسلئے ان کی دعوت قبول کی تھی؟ بخاری ج ۱ ص ۳۵۶ میں مستقل باب ہے ''باب قبول الھدیۃ من المشرکین'' یعنی مشرکین کا ہدیہ قبول کرنا اور پھر مرفوع احادیث اس کے ثبوت میں پیش کی ہیں۔ کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ معاذ اللہ کہ آپ ﷺ کی ہدیہ قبول کرنے کی وجہ سے مشرکوں سے ساز باز تھی؟۔

آثار سحر کے ہیں اب رات کا جادو ٹوٹ چکا
ظلمت کے بھیانک ہاتھوں سے تنویر کا دامن چھوٹ چکا

حیرت ہے کہ معترض صرف اس بات پر ان اولوالعزم اکابر کو انگریز کا ایجنٹ ثابت کرنے پر تلا ہوا ہے مگر ذرا ایک نظر اپنے گھر کی بھی خبر لے کہ نواب احمد رضا خان کے پیر و مرشد کیلئے انگریز حکومت کی طرف سے باقاعدہ نذرانہ مقرر تھا جو باقاعدگی سے انہیں ملتا:

''ایک نذرانہ جو منجانب نوابان بنگش صاحب سجادہ برکاتیہ کے واسطے مقرر چلا آتا ہے اور جو اب گورنمنٹ اپنے خزانہ شاہی سے دیتی ہے، بعد حضور خاتم الاکابر حضور اقدس قدس سرہ کے نام جاری تھا''۔

(تذکرہ نوری، ص ۲۳۸، نوریہ رضویہ لاہور)

اور ذرا اس حوالے کو بھی پڑھ کر ڈوب مرو:

''ہم لوگوں نے دیکھا کہ چھوٹتے ہی یورپین افسر اور چند گورے بارکوں میں سے نکل آئے اور مولانا عبد الباقی برہان الحق صاحب سے دریافت کرنے لگے انہوں نے کچھ ایسا فرمایا یعنی: ''**آل ورلڈ پادری**'' اس نے نام پوچھا انہوں نے حضور کا اسم مبارک بتایا کہنے لگے ہاں ہم نے یہ نام سنا ہے اور اس وقت تک اشتیاق میں کھڑا رہا جب تک حضور تشریف نہ لائے''۔

(حیات اعلی حضرت، ج ۱ ص ۲۷۱، ۲۷۴ از ظفر الدین بہاری)

کیوں جناب انگریز حضرت سید احمد شہید کے پاس آئے تو یہ ہو جائے انگریز کی جاسوسی اور اگر آپ کے اعلی حضرت کے استقبال کیلئے آئے ہوں درانحالیکہ پہلے سے علیک سلیک بھی ہو تبھی تو کہہ رہا ہے کہ ہم نے نام سنا ہے تو یہ آپ کے اعلی حضرت کی عزت و تکریم ہو جائے یہ دورنگی آخر کب تک؟

انگریزوں کے خلاف علماء دیوبند نے فتاویٰ جات لکھے

رضاخانیوں کا اقرار انگریزی فوج میں مسلمانوں کا بھرتی ہونے پر علماء دیوبند نے ناجائز اور حرام ہونے کا فتوی دیا اور جیل بھی کاٹی

چنانچہ خواجہ رضی حیدر صاحب لکھتے ہیں:

''8 مئی 1921 کو کراچی میں مولانا محمد علی جوہر کی صدارت میں آل انڈیا خلافت کانفرنس کا اجلاس منعقد ہوا جس میں متفقہ طور پر یہ قرار داد منظور کی گئی کہ انگریزی کی فوج میں مسلمانوں کا بھرتی ہونا شرعی اعتبار سے ناجائز اور حرام ہے۔ اس قرار داد کی حمایت میں پانچ سو علماء کا ایک دستخط شدہ فتویٰ بھی کانفرنس میں تقسیم کیا گیا۔ چنانچہ حکومت نے خلافت کانفرنس کے سات رہنماؤں کے خلاف بغاوت کے الزام میں مقدمہ

قائم کر کے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیے۔مولانا محمد علی جوہر،مولانا شوکت علی،مولانا نثار احمد کانپوری،پیر غلام مجد دسرہندی،ڈاکٹر سیف الدین کچلو،حسین احمد مدنی اور شنکر آچاریہ کو مختلف مقامات سے گرفتار کر کے کراچی لایا گیا''۔

(محدث سورتی۔ص295،سورتی اکیڈمی کراچی)

کیا خوب ہے میرے حق میں گواہی تیری

قارئین کرام! ملاحظہ فرمائیں کے اس کتاب پر رضا خانیوں کے جید عالم مولوی فیض احمد فیض چشتی گولڑوی کے تقریظ بھی موجود ہے۔الحمد للہ۔اللہ کا کرم فضل سے ہم نے ثابت کیا ہے کی اللہ کے دین کے لیے مرنے مٹنے والے علماء حق علماء دیوبند ہی ہیں۔

مدرسہ دیوبند انگریز کے مفاد پورے نہیں کر رہا بریلوی اقرار

آج معترض اور اس کے قبیل کے لوگ تو معاذ اللہ علمائے دیوبند کو انگریز کا ایجنٹ ثابت کرنے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں مگر خود بریلوی شمس العلماء(دیوبندی مذہب،ص ۴۳۴) مولانا معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ اس بات کا کھل کر اقرار کرتے ہیں کہ انگریز چونکہ اپنے مفادات کیلئے مدارس وسکول کالجوں سے تعاون کرتا ہے اور ان کو امداد دیتا ہے اور مدرسہ دیوبند چونکہ ان کے ان مفادات کو پورا نہیں کر رہا لہذا وہ انگریز کی امداد سے محروم ہے۔اصل عبارت ملاحظہ ہو:

''یہی وجہ ہے کہ جن مدارس میں گورنمنٹ کی اغراض پوری نہیں ہوتی وہاں امداد دینے کیلئے تیار نہیں ۔۔۔ورنہ جس طرح آج علی گڑھ کالج و دیگر غیر سرکاری کالجوں وسکولوں کو گورنمنٹ کی جانب سے بیش قرار امداد مل رہی ہے اس طرح دارالعلوم دیوبند کو بھی اس سے محروم نہ رہنا چاہئے تھا جبکہ علی گڑھ کالج کی طرح وہ بھی قدیم مدرسہ ہے اور دونوں تقریباً ساتھ ساتھ عالم میں وجود میں آئے ہیں،اسکی وجہ یہی ہے کہ وہ (دیوبند) گورنمنٹ کے اغراض پورا کرنے کا ذمہ دار نہیں''۔

(کلمۃ الحق،ص ۷۴ مطبع مصطفائی دہلی)



دفاع اہل السنّۃ والجماعۃ

باب نہم

علمائے اہل سنت پر ''پاکستان مخالفت'' کا الزام اور اس کا جواب

مؤلف
مناظر اہل سنت
حضرت مولانا ساجد خان نقشبندی حفظہ اللہ

باہتمام
حضرت غازی مفتی ندیم صاحب زید مجدہ
شعبہ نشر واشاعت
جمعیۃ اہل السنۃ والجماعۃ

فصل اوّل

آزادیٔ برِّصغیر، اکابر دیوبند اور دوقومی نظریہ کی حقیقت

معترض صاحب نے اپنی کتاب میں مختلف مقامات پر اسی طرح معترض کی قبیل کے دیگر بریلوی علماء میڈیا پر آکر آج کل یہ اعتراض بڑے زور وشور سے اٹھاتے ہیں کہ علمائے دیوبند تو پاکستان کے مخالف رہے ہیں ۔اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ اس فصل میں اس مخالفت کی وجہ بھی تفصیل سے بتادی جائے الحمدللہ یہ تاریخی حقائق وتفصیلات اس کے سوا کسی دوسری کتاب میں اس منظم انداز سے نہیں ملیں گے ۔ہمیں یہ بات تسلیم کرنے میں بالکل عار نہیں کہ ہمارے بہت سے اکابر نے تقسیم کی مخالفت کی کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ محض ایک انگریزی سازش ہے کہ تقسیم کرو اور لڑاؤ بلکہ ہندو ومسلم کو مشترکہ طور پر سلطنت انگلشیہ کے خلاف جدوجہد کرنی چاہئے اور جب وطن آزاد ہو جائے تو پھر دیکھا جائے کہ اس پر کون کس طرح حکومت کرتا ہے ۔وہ یہ سمجھتے تھے کہ جو لوگ اپنے چندفٹ کے وجود پر اسلام نافذ نہیں کرسکتے وہ الگ ملک لیکر اس میں اسلام کس طرح نافذ کر پائیں گے؟ ۔اللہ پاک ان اکابر کی قبروں کو نور سے بھر دے کہ ان کا یہ خدشہ درست ثابت ہوا۔دوسری طرف ہمارے بہت سے ایسے اکابر بھی تھے جو اس بات پر یقین رکھے ہوئے تھے کہ جب الگ ملک حاصل ہو جائے گا تو ان شاء اللہ ہم تحریک کے قائدین سے اپنی بات منوالیں گے اور وہاں سلطنت اسلامی قائم ہو جائے گی ۔دونوں فریق ہی اخلاص کے ساتھ اپنے موقف کیلئے ہر قسم کی قربانیاں اور جدوجہد کرتے رہے ۔ہمیں دونوں طرف کے اکابر کے اخلاص پر کوئی شک وشبہ نہیں ۔ یہ مسئلہ خالصہ ایک سیاسی مجتہد فیہ مسئلہ تھا جس نے جس بات کو اپنی دانست میں درست سمجھا اس پر عمل کیا ۔اس مسئلہ کا تعلق نہ تو عقائد سے ہے اور نہ یہ کوئی ایسا شرعی مسئلہ تھا کہ کسی ایک جانب فسق وفجور کا حکم لگایا جاسکے ۔

افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ بریلوی اکابر نے نہ تو انگریز کے خلاف کسی قسم کی مشترکہ کوشش کی اور نہ ہی پاکستان کے لئے کسی جدوجہد میں حصہ لیا بلکہ الٹا دونوں طرف کے لوگوں پر کھل کر کفر کے فتوے لگائے جیسا کہ تفصیل اپنے مقام پر آرہی ہے ۔مگر اس سے بھی زیادہ افسوس کی بات یہ ہے کہ آج میڈیا پر بیٹھ کر بریلوی علماء تاریخ کو مسخ کرنے کی انتہائی مذموم کوشش کررہے ہیں اور یہ تاثر دے رہے ہیں کہ بریلوی اکابر تو سارے کے سارے کانگریس کے مخالف اور پاکستان کے کھل کر حمایتی تھے اور دیوبندی اکابر سارے کے سارے پاکستان کے شدید ترین مخالف تھے ۔ستم تو یہ کہ ان جاہلوں نے اس مسئلہ کو کفر وایمان کا مسئلہ بنادیا۔ اس سے الحمدللہ اکابر علمائے دیوبند کا دامن تو داغدار نہ ہوا البتہ خود بریلویوں کیلئے یہ مسئلہ گلے کی ایسی ہڈی بن گیا کہ اب نہ نگلے جائے نہ اگلے جائے کیونکہ جس شدت کے ساتھ مسلم لیگ ،مسٹر محمد علی جناح ،علامہ اقبال ،تحریک پاکستان کی ان لوگوں نے مخالفت کی اور جس قسم کی گھٹیا فتوی بازی کا مظاہرہ کیا گیا پاک وہند کی سرزمین پر یہ اعزاز کسی دوسرے مسلک یا جماعت کے لوگوں کو حاصل نہ ہوا ۔

بہر حال سر دست ہم آپ کے سامنے وہ تمام تر تفصیل بالکل غیر جانبدار ہو کر نقل کررہے ہیں جس کی بنیاد پر بعض اکابر دیوبند نے تقسیم کی مخالفت کی ۔ یاد رہے کہ یہ بندے کی ذاتی تحقیق ہے مجھے تاریخ کی کتب سے جو ملا اور جس کو میں نے درست سمجھا اسے نقل کردیا لہٰذا میرے اس مقالے سے کسی دوسرے کو الزام نہیں دیا جاسکتا اگر کوئی اس سے اختلاف کرتا ہے تو دلیل کی بنیاد پر بندہ

اس کے اس اختلاف کو خندہ پیشانی سے قبول کرتا ہے۔
بندہ نے بات کو آسانی سے سمجھانے کیلئے اس تمام تر بحث کو چند مقدمات وفصول میں تقسیم کیا ہے۔

مقدمہ نمبر: (۱) سیاسی پارٹیاں اور مسلمان

جب ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان میں برسر اقتدار آئی تو مختلف اقوام نے جن میں بعض مسلمان بھی شامل تھے اس کی اطاعت کی، مگر بدقسمتی سے کمپنی کے عہدہ دار مسلمانوں سے بدگمان رہے جس کا اندازہ حسبِ ذیل اقتباسات سے ہوگا مثلاً

نمبر (۱) لارڈ میکالے نے مسلمانوں کی نسبت لکھا:

''کلایوکسی مسلمان کو بنگال کے محکمہ انتظامی کا سردار بنانے کے بہت خلاف تھے، ۸/مارچ (۱۸۷۷ء) کے کلکتہ گزٹ میں مشتہر کیا گیا کہ مسلمانوں کی سلطنت تو نہایت حقیر و ذلیل ہوگئی ہے ہندوؤں سے ہم کو کچھ خوف نہیں ہے، اگرچہ بہت سے آدمیوں نے یہ صلاح دی کہ مسلمانوں کو تقویت دے کر ہندوؤں کی قوت کو مغلوب کرنا چاہیے، مگر یہ تدبیر اور انتظام اچھا نہیں ہے، ہم ایسے کام کریں جو ہندوستانیوں کو ناگوار خاطر ہوں۔

نمبر (۲) بدقسمتی سے ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے بعد سے گورنمنٹ کی ناراضگی مسلمانوں سے اور زیادہ بڑھ گئی جس کی بابت سر آکلنیڈ کالون لفٹنٹ گورنر صوبہ متحدہ نے کہا: غدر فرو ہوجانے پر ان ہی سے سخت انتقام لیا گیا اور دونوں قوموں (یعنی مسلمان اور انگریزوں) میں مصالحت کی اُمید جاتی رہی''۔ (ماخوذ ہمارے ہندوستانی مسلمان۔ باب چہارم۔ ڈبلیو، ڈبلیو، ہنٹر)

{سرسید احمد خان}

سید طفیل احمد منگلوری لکھتے ہیں:

''سرسید مرحوم نے مسلمانوں کے شاہی دربار کا آخری ٹمٹماتا ہوا چراغ دیکھا تھا، پھر ایک عہدہ دار ہونے کی حیثیت سے آپ نے ''ایسٹ انڈیا کمپنی'' کا نیا دور دیکھا جس کے خلاف ناراضگی کی آگ ملک میں آہستہ آہستہ سلگ رہی تھی وہ بالآخر ۱۸۵۷ء میں بھڑک اٹھی اور تمام شمالی ہند میں پھیل کر صدہا خاندانوں اور بیسوں شہروں اور قصبوں کی بربادی کی موجب ہوئی یہ آگ دبی تو اگلے سال ملکہ وکٹوریہ نے ہندوستان سے کمپنی کی عملداری (حکومت) ہٹا کر پارلیمنٹ کی حکومت قائم کردی۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے کے بعد جب حکام وقت بغاوت کا سراسر الزام ہندستانیوں پر لگا کر انہیں پامال کر رہے تھے تو سرسید احمد خان اُن حالات کو برداشت نہ کرسکے اور انہوں نے ۱۸۵۹ء میں رسالہ 'اسباب بغاوت ہند' لکھ کر خود حکام گورنمنٹ کو اس ہنگامہ کا ذمہ دار قرار دیا اور خاص کر مسلمانوں کو بے قصور ثابت کرنے کے لئے ''وفادار مسلمانانِ ہند'' کے نام سے مضامین کا ایک سلسلہ شائع کیا جس میں گورنمنٹ کے ساتھ مسلمانوں کی وفاداریوں کے حالات درج ہوتے تھے، رسالہ اسباب بغاوت ہند کمپنی کی صد (۱۰۰) سالہ حکومت کی ایک صحیح اور مکمل تصویر ہے اور سیاست پر ایک ہندوستانی کا سب سے پہلا رسالہ ہے جو توپ کے منہ کے سامنے ایک ملازم سرکار نے لکھا''۔

(ماخوذ: مسلمانوں کا روشن مستقبل)

کانگریس کا قیام اور مسلمان

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ لکھتے ہیں: ''۱۸۸۵ء میں کانگریس کی بنیاد رکھی گئی، اور پہلا اجلاس اس کا بمبئی میں کیا گیا اور اس میں بلا تفریق مذہب و نسل ہندوستانیوں کو ممبر بنانے کا اعلان کیا گیا، چونکہ ۱۸۵۷ء کے واقعہ پر انگریزوں نے اس قدر اور ایسے ملعون اور شرمناک مظالم چاروں طرف ہندوستان میں کئے تھے جن کی مثال وحشی قوموں اور جاہل سے جاہل ملکوں میں بھی نہیں پائی جاتی تھی توپوں کے منہ پر باندھ کر گولے سے اُڑا دینا، ہاتھی کے پیر سے باندھ کر کچلوا دینا، زندہ آدمیوں کو لوہے کی گرم سلاخوں سے داغ کر آگ میں جلانا وغیرہ وغیرہ معمولی باتیں تھیں، اسلئے عام ہندوستانی اور بالخصوص مسلمان انتہائی درجہ خوف و ہراس میں مبتلا ہو گئے تھے، تمام پبلک میں آزادئ وطن کیلئے کھڑے ہونے کی ہمت نہ تھی، اگر چہ ہر سمجھ دار شریف النفس غیرت مند ہندوستانی کے دل میں آزادی کی چنگاری بھڑکتی رہتی تھی، مگر خوف و ہراس کے تسلط کی بناء پر کسی قسم کی ظاہری کاروائی کام میں لانا احاطۂ قدرت سے باہر سمجھا جاتا تھا یہ ضروری تھا کہ کچھ مسلمان جن پر خصوصی طور پر محبت قوم و وطن اور دین کا غلبہ تھا ان انسانیت سوز مظالم کے باوجود خفیہ کاروائیاں ہتھیلی پر سر رکھ کر جاری کئے ہوئے تھے''۔
(دیکھئے تحریک شیخ الهند باب ۷)۔(نقش حیات ص ۴۸۳، ۴۸۴)

سید طفیل احمد منگلوری علیگ لکھتے ہیں:

نومبر ۱۸۸۳ء میں ''مسٹر تھیوڈ وربیک'' (انگریز) علی گڑھ کالج کے پرنسپل ہو کر آئے اور رفتہ رفتہ مسلمانوں کے سیاسی رہنما بن گئے ۔۔۔۔۔ چنانچہ ''سرسید احمد خان'' ابتداء ہی سے ان کے شیدائی ہوئے اور اپنی تحریک (یعنی سیاسی اور غیر سیاسی ہر معاملہ) کا انہیں اوّل درجہ کا حامی سمجھنے لگے ۔۔۔ ان کے اس غیر معمولی طرز عمل کو دیکھ کر بعض لوگ ''مسٹر بیک'' کو شک کی نظروں سے دیکھنے لگے، مئی ۱۸۸۴ء میں ''سرسید احمد خان'' کی صدارت میں سر ہندو ناتھ نبرجی نے سول سروس کے امتحانات کے بارہ میں ایک تقریر کی تھی (سول سروس کے امتحانات سے مراد ''مجسٹریٹ اور ڈپٹی کمشنر یعنی ڈی سی کے امتحانات ہیں۔ساجد) انگریز مسٹر بیک کی اس تقریر سے اس قدر متأثر (یعنی پریشان فکرمند) ہوئے کہ رات دن ان کو یہی دُھن رہتی کہ اس طوفان (یعنی اگر بنگالی مجسٹریٹ اور ڈپٹی کمشنر ہو گئے تو ان) سے کس طرح شمالی حصہ ملک کو محفوظ رکھیں، اگر وہ (مسٹر بیک) راجہ مرسان سے جو جاٹ تھے یا کسی راجپوت رئیس یا شروانی پٹھان سے ملتے تھے تو (ان سے) یہی سوال کرتے تھے کہ آپ جو بہادر قوم میں سے ہیں کیا یہ گوارہ کریں گے کہ ایک بزدل بنگالی آپ کے اوپر حاکم ہو جائے، فرماتے کہ اگر سول سروس کے امتحان ہندوستان میں ہوئے تو آپ لوگوں کی اولاد تو اس قابل ہی نہیں کہ مقابلہ کے امتحان میں کامیاب ہو، فقط بنگالی امتحان ''سول سروس'' میں کامیاب ہو کر آپ صاحبوں پر حکومت کیا کریں گے۔

کانگریس سے مسٹر بیک کی مخالفت اور کانگریس کا پہلا اجلاس:

علی گڑھ میں ''مسٹر بیک''، جبکہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ پر قابض ہو کر بنگالیوں کے خلاف فضا پیدا کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے، بمبئی میں کانگریس کا پہلا اجلاس ۲۸ دسمبر ۱۸۸۵ء کو زیر صدارت مسٹر ڈبلیو سی بونرجی وکیل کلکتہ منعقد ہوا، جس میں بمبئی کے مشہو تاجر مسٹر رحمت اللہ سیانی اور دوسرے مسلمان شریک ہوئے، اس اجلاس میں کانگریس کے حسبِ ذیل مقاصد قرار پائے۔

(۱) ہندوستان کی آبادی جن مختلف متصادم عناصر سے مرکب ہے، اُن سب کو متحد و متفق کر کے ایک قوم بنانا۔

(۲) اور اس طرح جو ہندوستانی قوم پیدا ہوا اس کی دماغی، اخلاقی، اجتماعی اور سیاسی صلاحیتوں کو دوبارہ زندہ کرنا۔

(۳) ایسے حالات کی اصلاح وترمیم کرانا جو ہندوستان کے لئے مضرت رساں اور غیر منصفانہ ہوں اور اس طریقے سے ہندوستان اور انگلستان کے درمیان اتحاد و یگانگت کو استوار کرانا، حسبِ ذیل قرار دادیں منظور ہوئیں۔

(۱) نظام ہند کے متعلق موجودہ تحقیقات کے لئے ایک شاہی کمیشن مقرر کیا جائے۔

(۲) سکٹریڑی آف اسٹیٹ ہند کے کونسل توڑ دی جائے۔

(۳) صوبوں کی قانون کونسلوں میں منتخب شدہ ممبروں کی کافی تعداد بڑھا کر کونسلوں کی توسیع کی جائے اور پنجاب اور ممالک متحدہ میں کونسلیں قائم کی جائیں اور ان کے سامنے بجٹ پیش ہوا کریں۔

(۴) حسبِ سفارش انڈیا آفس مورخہ ۱۸۶۰ء سول سروس کا امتحان انگلستان کی طرح اس وقت ہندوستان میں بھی ہوا کرے۔

(۵) فوجی اخراجات میں جو اضافہ تجویز ہوا ہے وہ ملک کی آمدنی کافی نہ ہونے کی وجہ سے نہ کیا جائے معلوم ہونا چاہیے کہ مذکورہ بالا تجاویز میں دو تجویزیں یعنی سول سروس کے امتحانات اور کونسلوں کی توسیع کے متعلق خاص طور پر ایسی تھیں جن کا مضمون علی گڑھ کے جلسہ ۱۸۸۴ء میں سریندرو ناتھ نبرجی نے اپنی تقریر میں بھی بیان کیا تھا اور جس کی وجہ سے مسٹر بیک کو برہمی پیدا ہوئی اور وہ بنگالیوں کے خلاف ہو گئے تھے، جیسا کہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں، اب جبکہ وہ کانگریس میں بھی پاس ہو کر آ گئیں تو مسٹر بیک اور رجعت پسند انگریزوں کو کانگریس سے ایک مستقل رنجش وعداوت پیدا ہوگئی اور اینگلو انڈین اخبارات میں مضامین کا ایک سلسلہ چھڑ گیا جن کے لکھنے میں مسٹر بیک کا بڑا حصّہ تھا۔

کانگریس کا دوسرا اجلاس:

کانگریس کا دوسرا اجلاس آخر دسمبر ۱۸۸۶ء میں زیر صدارت مسٹر دادا بھائی نورجی جو پارسی تھے، بمقام کلکتہ منعقد ہوا، ممبروں کی تعداد (۷۸) سے بڑھ کر ایک سال میں (۴۳۶) ہوگئی جس میں مسلمان ممبر (۳۳) تھے۔ حسبِ ذیل قرار دادیں منظور ہوئیں۔

(۱) جیوری کے ذریعہ سے مقدمات طے کئے جائیں۔

(۲) عدالتی اور عاملانہ اختیارات رکھنے والے افسران جدا جدا مقرر کئے جائیں۔

(۳) ملک کی حفاظت کے لئے ہندوستانیوں کو والنیٹر (اور قومی رضا کاروں کی پلٹن) بنانے کا سلسلہ جاری کیا جائے، سید طفیل احمد منگلوری لکھتے ہیں کہ، مندرجہ بالا دونوں سالوں کی تجاویز میں کوئی تجویز بظاہر ایسی نہ تھی جو مخصوص مسلمانوں کے خلاف ہو، سول سروس کے امتحان کے مسئلہ میں سرسید ہمیشہ سے ساعی تھے، اور جبکہ ان کا مشن یہ تھا کہ تعداد میں اگر چہ کتنے ہی کم مسلمان تعلیم پائیں گے، مگر جتنے بھی تعلیم یافتہ ہوں وہ اعلیٰ پایہ کے ہوں، تو اُصولاً یہ تحریک اُن کی مرضی کے خلاف نہ ہوسکتی تھی، جیوری کی تجویز ہندوستانیوں کو اُس ذلت سے نکالنے والی تھی جس کے سرسید ہمیشہ سے کوشاں تھے۔

عدالتی اور عاملانہ اختیارات جدا جدا تھے، مگر کمپنی نے انہیں یکجا کر دیا تھا، جس کی وجہ سے ہندوستانیوں کے ساتھ حد درجہ کی ناانصافی ہو رہی تھی، اس کا جدا ہونا ہر ہندوستانی کے حق میں ہر طرح مفید تھا، ملک کی حفاظت کے والنٹیروں کا بھرتی ہونا عین مسلمانوں کی طبیعت کے موافق تھا جو اس ذلت کو مٹاتا تھا، جو دیسی عیسائیوں کے مقابلے میں ہندوستانی مسلمانوں کو ہوتی تھی، اور جس قومی امتیاز (یعنی

فرق)کو مٹانے میں سرسید ہمیشہ ساعی رہتے تھے، ان سب سے بڑھ کر کانگریس کی تجویز کونسلوں میں ممبروں کی توسیع کے متعلق تھی اور جن صوبوں میں کونسلیں نہ تھیں ان کے قیام کا مطالبہ کیا گیا تھا، جو سرسید کا عین مقصد رہا تھا۔(لیکن پھر کیا ہوا؟)

کانگریس کا تیسرا اجلاس:

اب کانگریس کا وہ اجلاس ہوا جس کے صدر بمبئی کے نامور مسلمان ''بدرالدین طیّب جی'' تھے، یہ اجلاس کرسمس ۱۸۸۷ء میں مدراس میں منعقد ہوا، اس میں آنربیل میر ہمایوں جاہ، حاجی محمد عبدالشکور بادشاہ، حامد علی خاں علیگ بیرسٹرایٹ لا لکھنؤ اور علی گڑھ کے حافظ عبدالرحیم وکیل شریک تھے۔(پچھلے سال ممبروں کی تعداد(۴۳۶) جس میں مسلمان ممبر(۳۳) تھے، اس اجلاس میں ممبروں کی تعداد (۶۰۴) تھی، جن میں مسلمان(۸۳) تھے۔ساجد)

اس اجلاس سے قبل مسلمان کافی تعداد میں غالباً اس لئے نہیں آتے تھے کہ ابتداً میں کانگریس کے دعوت نامہ میں لکھا گیا تھا کہ ڈیلی گیٹ انگریزی سے اچھی واقفیت رکھتے ہوں، جس کی مسلمانوں میں کمی تھی، نیز کانگریس کی تمام کاروائی انگریزی زبان میں ہوتی تھی، جو مسلمانوں کی شرکت میں ایک رکاوٹ تھی، تاہم مدراس کے اجلاس میں نمودار مسلمان شریک ہوئے۔

اس اجلاس میں حسبِ ذیل قرار دادیں منظور ہوئیں:

(۱) اعلان شاہی کے مطابق جو پہلے ہو چکا ہے ہندوستانیوں کو فوج کے اعلیٰ عہدوں پر مقرر کیا جائے، اور ہندوستان میں ایک فوجی کالج قائم کیا جائے۔

(۲) قانون اسلحہ میں ایسی ترمیم کی جائے کہ اس کی رُو سے زیادہ لوگوں کو ہتھیار استعمال کرنے کا اختیار ہو۔

(۳) جن لوگوں کی آمدنی ایک ہزار روپیہ سال سے کم ہے ان پر سے انکم ٹیکس معاف کیا جائے۔

(۴) ہندوستان کے افلاس کو مدنظر رکھ کر ان کے لئے صنعتی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔

خیال رہے کہ کانگریس کے اجلاس کے زمانہ میں انہیں تاریخوں میں ''محمڈن ایجوکیشنل'' (کانفرنس) کا دوسرا سالانہ اجلاس لکھنؤ میں ہو رہا تھا، (جس کا نام بعد میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کر دیا گیا) اُس کے اختتام پر ایک پبلک سیاسی جلسہ میں ''سرسید احمد خاں'' نے اپنی پہلی مشہور اسپیچ (تقریر) کانگریس کے خلاف دی، اس کے پڑھنے سے تعجب ہوتا ہے ''اسباب بغاوت ہند'' کے مصنف کی زبان سے ایسی باتیں کس طرح سے نکلی ہونگی۔مثلاً

الف: سرسید ہمیشہ اس بات پر بے حد زور دیا کرتے تھے کہ ہندوستانی اور انگریز مرتبہ میں بالکل برابر قرار دیئے جائیں۔ اُس کے مقابلے میں اب جو سرسید نے ''انتخاب'' کے خراب نتائج کے متعلق کہا اُس میں خود ہندوستانیوں میں بھی امیر اور غریب کا فرق کیا۔

اس بارے میں آپ نے فرمایا: آپ خیال کریں کہ وائسرائے کے ساتھ کونسل میں بیٹھنے کے لئے واجبات سے ہے کہ ایک معزز شخص ملک کے معزز شخصوں میں سے ہو، کیا ہمارے ملک کے رئیس اس کو پسند کریں گے کہ ادنیٰ قوم، یا ادنیٰ درجہ کا آدمی خواہ اس نے بی اے کی ڈگری لی ہو، یا ایم، اے کی اور گو وہ لائق بھی ہو اور اُن پر بیٹھ کر حکومت کرے، ان کے مال و جائیداد اور عزت پر حاکم ہو، کبھی نہیں کوئی ایک بھی پسند نہیں کرے گا۔گورنمنٹ کی کرسی نہایت معزّز ہے، گورنمنٹ مجبور ہے کہ سوائے معزّز کے کسی کو نہیں بٹھا سکتی، اور نہ

وائسرائے اس کو مائی کو لیگ یا مائی آنریبل کو لیگ یعنی برادر معزز کہہ سکتا ہے نہ شاہانہ ڈنروں اور نہ شاہی جلسوں میں جہاں ڈیوک اور ارل بڑے بڑے معزز شامل ہوتے ہیں بلایا جاسکتا ہے، اس لئے گورنمنٹ پر یہ الزام کسی طرح عائد نہیں ہوسکتا کہ رئیسوں کو کیوں منتخب کرتی ہے۔

ب: ہندوستان میں سول سروس CIVIL SERVICES EXAM کے امتحان کی تجویز کی نسبت سرسید نے فرمایا:

غور کیجئے کہ مقابلہ کے امتحان کا اصول جو ولایت میں ہے اُس کا کیا نتیجہ ہے، یہ امر آپ کو ظاہر ہے کہ ولایت میں ہر شخص اعلیٰ وادنیٰ ''ڈیوک'' اور ارل'' یا کسی جنٹلمین کا بیٹا اور ایک درزی یا اور کسی خاندان کا بیٹا برابر امتحان دے سکتا ہے۔ جو یورپین ولایت سے مقابلہ کا امتحان دے کر آتے ہیں ادنیٰ خاندان کے بھی ہوتے ہیں اور اعلیٰ خاندان کے بھی ہوتے ہیں لیکن ولایت سے جو آتے ہیں وہ ہماری آنکھ سے اتنی دور ہیں کہ ہم نہیں جانتے کہ وہ ''لارڈ'' کے بیٹے ہیں یا ڈیوک کے یا ایک درزی کے اور اس سبب سے یہ امر کہ ہم پر ایک ادنیٰ حکومت کرتا ہے ہماری آنکھ سے چھپا ہوا رہتا ہے لیکن ہندوستان میں یہ خیال نہیں ہے، ہندوستان کی شریف قومیں ہندوستان کے ادنیٰ درجہ کا شخص جس کی جڑ بنیاد سے وہ واقف ہیں اپنی جان و مال پر حکومت کرنا پسند نہیں کریں گے۔

ج: سرسید نے ہندوستانیوں کے ایک قوم نہ ہونے کے بارے میں فرمایا:

دیگر یہ کہ ''انگلستان'' امتحان مقابلہ کے لئے مناسب ہے جہاں ایک قوم کے لوگ ہوں یا ملک میں مختلف قومیں بستی ہوں لیکن آپس میں ملکر بمنزلہ ایک قوم کے ہوگئی ہوں جیسے انگلینڈ اور اسکاٹ لینڈ، مگر ہمارے ملک کی جس میں مختلف قومیں آباد ہیں یہ حالت نہیں ہے ایک طرف ہندو دوسری طرف مسلمان اور تیسری طرف پارسی ہیں۔۔۔الخ

سرسید کی مندرجہ بالا تقریر سے بالکل ظاہر ہے کہ ''مسٹر بیک'' کو اپنے مشن میں کس درجہ کامیابی ہوگئی تھی، جس سے وہ بہت خوش تھے بالخصوص ہندو مسلمانوں کی علیٰحدگی سے، اس کا اندازہ سر تھیوڈر ماریسن پروفیسر علی گڑھ کالج کی حسبِ ذیل تحریر سے بخوبی ہوگا:

کانگریس کے خلاف سرسید کی تقریر سے مسلمانوں نے بالاتفاق کانگریس کی حمایت چھوڑ دی اور گورنمنٹ ہند اُصول نیابت کے آغاز کی خاص طور پر مخالفت کی، اس سے ایک بڑی سیاسی بحث چھڑ گئی اور آئندہ سالوں میں ''سرسید احمد خان اور مسٹر بیک'' کی کوشش بہت بڑی حد تک مسلمانوں کی رائے مجتمع کرنے اور اس کی نیابت کرنے میں مشغول ہوگئی۔

اس وقت سارا رجحان مسلمانوں اور انگریزوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنا تھا۔۔۔الخ اس لکھنؤ کے اجلاس کے فوراً بعد سرسید احمد خاں کو حکومت کی طرف سے ''سر'' کا خطاب عطا ہوا۔ (ماخوذ مسلمانوں کا روشن مستقبل: ص ۳۰۵، ۲۹۰)

حضرت سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

کانگریس کی اس بڑھتی ہوئی حالت اور مقبولیت کو دیکھ کر ممکن نہ تھا کہ سیاہ دل انگریزوں کے دماغ ماؤف نہ ہوں اور سینہ اور دل میں کپکپی پیدا نہ ہو، مسٹر بیک پرنسپل علی گڑھ کالج اور دوسرے انگریزوں کو انتہائی بے چینی نے گھیر لیا۔۔۔۔کانگریس کی مخالفت میں آرٹیکل یعنی مضمون بار بار شائع کئے اور سرسید پر اس قدر اثر اور دباؤ ڈالا کہ وہ انتہائی درجہ کانگریس کے مخالف ہوگئے اور مسلمانوں پر زور ڈالنے لگے کہ وہ ہرگز ہرگز کانگریس میں شرکت نہ کریں۔۔۔۔چند علماء کرام کو اپنا ہم خیال بنا کر فتویٰ شائع کرایا جس کی رُو سے مسلمانوں کو کانگریس کی شرکت حرام قرار دے دی گئی۔

اس پر حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ اور مدرسین دارالعلوم دیوبند اور بہت سے علماء حقانی اطراف وجوانب ہند نے پرزور مخالفت کی اور کانگریس کی حمایت میں فتوے لکھے۔۔۔الخ۔(ماخوذ: نقش حیات)

۱۹۰۶ء کے مشہور وفد کی تحریک اور مسلم لیگ کا قیام:

مسٹر تھیوڈور ماریسن جو مسٹر بیک کے انتقال کے بعد علی گڑھ کالج کے پرنسپل تھے ۱۹۰۵ء میں چلے گئے، ان کے بعد ۱۹۰۵ء میں مسٹر ارچبولڈ تازہ ولایت کالج کے پرنسپل ہو کر علی گڑھ آئے جو ہندوستان کے حالات سے بالکل ناواقف تھے۔اتفاق سے اُن کے زمانہ میں دفتری حکومت کو پھر ضرورت پیش آئی کہ مسلمانوں کی کوئی سیاسی جماعت بنائی جائے اور علی گڑھ کو اس کا مرکز بنایا جائے۔۔۔۔۔۔ جان مارلے وزیر ہند کی بجٹ اسپیچ کی بنا پر لارڈ منٹو وائسرائے ہند نے کونسل کی توسیع کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا تھا۔

۳۰/ جولائی ۱۹۰۶ء کو نواب حاجی محمد اسماعیل خاں رئیس علی گڑھ نے جو نینی تال میں تھے اور حکّام رس تھے، نواب محسن الملک بہادر سکریڑی کالج کو ایک مسوّدہ تیار کر کے بھیجا کہ مسلمان بھی اپنے حقوق کا مطالبہ کریں۔۔۔۔اس زمانہ میں علی گڑھ کالج کے پرنسپل مسٹر ارچبولڈ بوجہ تعطیلات کلاں شملہ میں تھے، جو وہاں اعلیٰ حکام سے ملتے رہتے تھے، انہوں نے مجوزہ (یعنی تجویز کئے ہوئے۔ساجد) وفد کے بارے میں پرائیویٹ سکریڑی وائسرائے سے گفتگو کی، اس گفتگو کے بعد مسٹر ارچبولڈ (پرنسپل علی گڑھ) نے جو چٹھی ۱۰/ اگست ۱۹۰۶ء کو نواب محسن الملک مرحوم کو لکھی اور جو طبع ہو کر ممبران وفد کے پاس بھیجی گئی، اس چٹھی کے خلاصہ سے معلوم ہوگا کہ علی گڑھ کالج کے پرنسپل صاحب مسٹر چبولڈ تمام سیاسی جزئیات میں مسلمانوں کی (کس) طرح رہنمائی کیا کرتے تھے۔چٹھی کا خلاصہ یہ ہے جس کا ایک ایک لفظ توجہ سے پڑھنے کے قابل ہے: کرنل ڈنلاپ اسمتھ پرائیویٹ سکریٹری وائسرائے اب مجھے لکھتے ہیں کہ ''حضور وائسرائے'' (وائسرائے سے مراد برطانیہ کے بادشاہ کا نمائندہ۔ساجد) مسلمانوں کا وفد منظور کرنے کو تیار ہیں اور مجھے ہدایت کرتے ہیں کہ اس کے لئے ایک باضابطہ درخواست بھیجی جائے، اس کے متعلق حسبِ ذیل امور غور طلب ہیں:

(۱) اول درخواست بھیجنے کا مسئلہ ہے میرے نزدیک یہ کافی ہوگا کہ مسلمانوں کے کچھ نمایندے اگرچہ ان کا انتخاب نہ ہوا ہو، درخواست پر دستخط کر دیں۔

(۲) دوسرا مسئلہ ممبران کا وفد ہے یہ لوگ جملہ صوبہ جات کے نمایندے ہوں۔تیسرا مسئلہ ایڈریس کے مضمون کا ہے اس کی نسبت یہ ہے کہ ایڈریس میں وفاداری کا اظہار کیا جائے، اس امر کا شکریہ ادا کیا جائے کہ طے شدہ پالیسی کے مطابق حکومت خود اختیاری (وہ حکومت جو آزاد ہو اس) کی طرف قدم بڑھایا جانے والا ہے جس کی رو سے ہندوستانیوں کے عہدے ملنے کے دروازے کھول دیئے جائیں گے مگر اس سے اندیشہ کا اظہار کیا جائے کہ طریقہ انتخاب جاری کرنے سے مسلم اقلیت کو نقصان پہنچے گا اور یہ امید ظاہر کی جائے کہ نامزدگی کا طریقہ جاری کرنے میں یا مذہبی عقائد کی بنا پر نیابت دینے میں مسلمانوں کی رائے کو مناسب اہمیت دی جائے گی، اس رائے کا اظہار کیا جائے کہ ہندوستان جیسے ملک میں یہ ضروری ہے کہ زمینداروں کی رائے کو اہمیت دی جائے گی۔ذاتی طور پر میرا خیال ہے کہ مسلمانوں کی سب سے زیادہ عقلمندی اس میں ہوگی کہ وہ نامزدگی کے طریقہ کی تائید کریں کیونکہ ابھی انتخاب کا وقت نہیں آیا، علاوہ بریں اُن کے لئے نہایت مشکل ہوگا کہ طریقہ انتخاب جاری ہونے میں اُنہیں مناسب حصّہ مل سکے، لیکن اس تمام کاروائی میں، میں پردہ کے پیچھے رہنا چاہتا ہوں اور یہ تحریک

تمہاری طرف سے ہونی چاہیے، مگر آپ واقف ہیں کہ مسلمانوں کے فوائد کا میں کس قدر دل سے خواہ ہوں اور اس لئے میں نہایت خوشی کے ساتھ ہر قسم کی امداد کروں گا میں تمہارے لئے ایڈریس تیار کرنے یا اس پر تنقید (یعنی جانچ پرکھ) کرنے کا کام کرسکتا ہوں ۔۔۔۔ مگر نواب صاحب یاد رکھیئے کہ اگر تھوڑے وقت میں کوئی بااثر اور زبردست تحریک پیدا کرنی ہے تو ہمیں فی الواقع بہت جلدی کرنی چاہیے۔

ذہن میں رہے کہ (۱) مذکورہ بالا چٹھی میں سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ وہ وائسرائے ہند کے پرائیویٹ سیکرٹری کی ایک چٹھی کی بنا پر لکھی گئی جو انہوں نے (علی گڑھ کالج کے پرنسپل) مسٹر آرچبولڈ کو لکھی تھی، اور اسی کے مطابق مسٹر آرچبولڈ نے نواب محسن الملک کو

(۱) ایڈریس کے مضمون (۲) طریقہ انتخاب (۳) اور ترتیب وفد کے متعلق ہدایات دیں گئیں۔

(۲) اور سب کچھ لکھنے کے بعد اپنے کو پس پردہ رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۳) جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس تمام کاروائی میں اصل مفاد ’’اینگلو انڈین‘‘ اصحاب کا تھا نہ کہ غریب مسلمانوں کا۔

(۴) اور ۱۹۰۶ء مذکورہ بالا ایڈریس میں یہ استدعا بھی کی گئی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے حلقے بھی جدا جدا کردیئے جائیں اور اس طرح مسلمان صرف مسلمان اُمیدواران کو اور ہندو صرف ہندو اُمیدواران کو رائے دیا کریں جو خالص جداگانہ انتخاب تھا۔

وفد کے لیڈر کا انتخاب:

بہر حال یہ ایڈریس تیار ہوگیا اور اس کے لئے مسلمانوں کے معزز ترین نمایندوں کا بھی انتخاب ہوگیا، وفد کی سرکردگی کے لئے ہزہائی نس سر آغا خاں سے بہتر کون ہوسکتا ہے، جن کا حکام بالا میں بڑا رسوخ تھا۔۔۔۔ اب وہ یورپ سے روانہ ہو کر سیدھے شملے پہنچے اور وفد کے ساتھ ’’وائسرائے‘‘ کی خدمت میں ایڈریس مذکور پیش کیا، اس کے جواب میں وائسرائے ہند نے مسلمانوں کے اعتدال اور ضبطِ نفس کا شکریہ ادا کیا اور ان کی وفاداری تسلیم کر کے اُن کے حقوق کی حفاظت کی طرف سے اطمینان دلایا۔۔۔۔۔ مسلمانوں کی سیاسی خدمات اور اہمیت کو تسلیم کیا اور میونسپلٹی، ڈسٹرکٹ بورڈ اور قانون ساز کونسلوں میں اُن کا حق مذہب کی بنا پر (علیحدہ) مان لیا اور مانا کیسے نہ جاتا جبکہ وہ خود ’’حضور وائسرائے‘‘ کے ایما سے مانگا گیا تھا، یہ پہلا موقعہ تھا جبکہ مذہب کی بنا پر مختلف قوموں کے حلقہ جات انتخاب کے قیام کے حق کو تسلیم کیا گیا۔۔۔۔ جس سے ہندوستان کی قومیت کے دو ٹکڑے ہو گئے، ایک طرف کم تعداد مسلمان، اُن کے مقابلے میں دوسری ہندوستان کی تمام دوسری قومیں لاکھڑی کر دی گئیں، عام مسلمان اس وفد کی کامیابی سے بہت خوش تھے، مگر چونکہ وہ سیاست کا سبق بھول چکے تھے اس لئے وہ نتائج کا کچھ اندازہ نہ کرسکے لیکن یہ خاص بات تھی کہ ہندوستان اور انگلستان کے انگریزوں اور سیاست دانوں نے بھی اس پر خوشی منائی اور اپنے اخباروں میں اس کے شادیانے بجائے جس سے اُن امور کا پتہ چلتا ہے جو اس تحریک کی تہہ میں تھے۔

وفد کی کامیابی پر انگلستان میں خوشی:

اس وفد کی خبروں کا ہندوستان سے انگلستان تک یہ انتظام کیا گیا تھا کہ یکم اکتوبر ۱۹۰۶ء کو وائسرائے کی خدمت میں ایڈریس پیش ہوتا ہے اور اُسی تاریخ کو لندن ٹائمز کے کئی کالموں میں ایک مضمون شائع ہوتا ہے جس میں مسلمانوں کی عقلمندی کی تعریف کی جاتی ہے۔۔۔ پھر دوسرے روز ۲/اکتوبر کے ٹائمز آف لندن میں ایک طویل مضمون شائع ہوتا ہے جس میں بنگال کے شورش پسندوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کے اعتدال کی تعریف کی جاتی ہے، اور کہا جاتا ہے کہ مسلمان سیاسی ذمہ داری کے اہل معلوم ہوتے ہیں۔

مسلم لیگ کا قیام ومقاصد:

۳۰ر دسمبر ۱۹۰۶ء کو نواب وقارالملک کی صدارت میں وہ سیاسی جلسہ منعقد ہوا جس میں آل انڈیا مسلم لیگ قائم ہوئی، نیز مسلم لیگ کے قائم ہونے کی خبر جب انگلستان پہنچی تو وہاں کے مشہور اخبار ''ٹائمز'' نے بقول سرسید رضا علی پریسیڈنٹ مسلم لیگ اجلاس بمبئی، اس بات پر بغلیں بجائیں کہ مسلمانوں کی ایک مضبوط سیاسی جماعت قائم ہوجانے سے اب ہندوستان میں صلح نہ رہے گی۔(یعنی ہندو مسلم کی لڑائی اور ملکی تقسیم کی یہ پہلی اینٹ ہے۔ساجد)

{فیصلہ نمبر (۲) جداگانہ انتخاب}

ایس ایم شاہد لکھتے ہیں؛

۱۹۰۹ء میں جو اصلاحات رائج کی گئیں ان میں جداگانہ انتخاب کا اصول شامل تھا مسلمان اور ہندوؤں کے نام علیحدہ علیحدہ رجسٹروں میں درج کئے گئے اور دونوں قوموں کے علیحدہ علیحدہ انتخابی حلقے بنائے گئے یہ طریقہ انتخاب برطانوی دورِحکومت کے آخر تک جاری رہا۔۔۔ جداگانہ انتخاب کا حصول مسلمانوں کی تاریخ میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا جو حصول پاکستان کا ذریعہ بنا۔

(ماخوذ: تعبیر پاکستان، ص ۳۲۱ ناشر ایورنیو بک پیلس سرکلر روڈ اردو بازار لاہور)

پروفیسر عبداللہ ملک لکھتے ہیں:

جداگانہ انتخاب سے مراد انتخاب کا وہ طریقہ ہے جس میں کسی مذہبی اقلیت کو اپنی آبادی کے مطابق اس طرح نمائندگی مل جاتی ہے کہ وہ اپنے نمائندوں کا انتخاب صرف اپنے ووٹروں سے کرتی ہے اور اس کیلئے جداگانہ انتخابی حلقے بنائے جاتے ہیں۔۔۔مسلمان چونکہ برصغیر میں اقلیت میں تھے اس لئے انہوں نے اپنے سیاسی مفادات کے تحفظ کی خاطر یہ مطالبہ کیا۔ص،۱۹۸،(جیسے)

صوبائی کونسل:

یعنی تمام صوبائی قانون ساز کونسلوں میں مسلمانوں کو فرقہ وار بنیاد پر اس طرح نمائندگی دی جائے کہ مسلمان امیدوار کے انتخاب کا حق صرف مسلمان ووٹروں کا حاصل ہو۔

(ماخوذ: تحریک پاکستان ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء ص،۱۹۶،۱۹۸ مصنف پروفیسر عبداللہ ملک)

نتیجہ: ہندو مسلم کی لڑائی اور ملکی تقسیم کی یہ دوسری اینٹ ہے جو انگریز نے رکھی۔

مقدمہ نمبر (۲) نئی قیادت

قاضی محمد عدیل عباس لکھتے ہیں: ۱۱، ۱۲ر جنوری ۱۸۸۸ء کے پانیر میں سرسید کی ایک تقریر شائع ہوئی جو انہوں نے ۲۸ر دسمبر ۱۸۸۷ء کو ایک مجمع کے سامنے کی تھی، تقریر میں انہوں نے زور دیا تھا کہ مسلمانوں کو ہرگز کانگریس میں شریک نہیں ہونا چاہیے، سرسید نے اس کی تین وجوہ بتلائے تھے۔

الف: ہندو مسلمان دو علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں، اس سلسلہ میں انہوں نے کہا کہ فرض کیجئے کہ انگریز اپنی فوجیں وغیرہ لے کر چلے

جائیں تو کون یہاں حکومت کرے گا، ظاہر ہے کہ تخت حکومت پر ہندو اور مسلمان دونوں نہیں بیٹھ سکتے، کوئی ایک دوسرے کو مغلوب کرے گا، یہ امید رکھنا کہ دونوں مساوی یعنی برابر اختیارات رکھیں گے امر ناممکن ہے اور نا قابل عمل تصور کی تمنا کرنا ہے۔

ب: انتخابی حکومت ہندوستان کے لئے غیر موزوں ہے، اس لئے کہ اگر ووٹ لئے گئے تو مسلمان، مسلمانوں اور ہندو، ہندوؤں کو ووٹ دیں گے ایسی صورت ۴/ ۳/ اور ۴/ ۱ کی نسبت ہوگی (یعنی تین ہندو اور ایک مسلمان)

د: مسلمانوں کو انگریز حکومت پر پورا بھروسہ کرنا چاہیے وہ ان کے حقوق کا تحفظ کر سکتی ہے۔ الخ۔

(ماخوذ: تحریک خلافت: ص ۵۸)

علی گڑھ کی نئی قیادت نے علی گڑھ کی پرانی قیادت (سرسید وغیرہ) کی پالیسی کو ٹھکرا دیا مسٹر محمد علی جناح کے بارہ میں۔۔۔۔۔

ایس ایم شاہد لکھتے ہیں:

''قائد اعظم کا سیاسی کردار کانگریس میں شمولیت سے ہوتا ہے، جب ۱۹۰۴ء میں پارسی لیڈر دادا بھائی نوروجی کانگریس کے صدر تھے تو اس نے آپ کو اپنا پرائیویٹ سیکرٹری بنالیا، چنانچہ آپ کانگریس کے ممبر بن گئے (اور تقریباً ۱۹۲۱ء یا ۱۹۲۴ء تک رہے۔ ساجد) اور اپنی مخلصانہ کوششوں کے ذریعے اسے عوامی تحریک میں بدل دیا، آپ نے ہندو مسلم اتحاد کی سر توڑ کوشش کیں، آپ کو ہندو مسلم اتحاد کا سفیر قرار دیا گیا۔ الخ

(ماخوذ: تعبیر پاکستان: ص ۶۰۹، ۶۱۰)

جناب ایس ایم شاہد دوسری جگہ لکھتے ہیں:

نئی قیادت:

۱۹۱۱ء، ۱۹۱۳ء کے سال مسلم لیگ سیاست کے بحرانی سال تھے، قوم کے پرانے رہنما ایک ایک کر کے دنیا سے رخصت ہو چکے تھے یا گوشہ نشین تھے ہوا کا رخ بدلا، قوم کی سیاست بھی بدلی، نئی سیاست سے نپٹنے کے لئے نئی قیادت ابھری اس قیادت کے اہم ارکان محمد علی جوہر جو ابھی مولانا نہیں تھے، ظفر علی خان اور ابو الکلام آزاد تھے، یہ عجیب اتفاق ہے کہ یہ تینوں ارکان ادیب اور اخبار نویس تھے، تینوں کو مذہب سے گہری وابستگی تھی، تینوں بلا کے مقرر تھے، محمد علی نے اپنی زندگی میں کبھی اپنے آپ کو جوہر نہیں کہلوایا، یہ بدعت ان کی وفات کے تیس سال بعد چلی، انہوں نے آکسفورڈ سے تاریخ عصر جدید میں ڈگری حاصل کی اور برسوں آکسن کہلاتے رہے کلکتے سے ہفتہ وار ''کامریڈ'' نکلتا تھا انہوں نے اپنی صحافتی زندگی کا آغاز کیا تھا تقسیم بنگال منسوخ ہوئی تو وہ اپنے اخبار کو ساتھ لے کر دار السلطنت میں چلے آئے، محمد علی کو انگریزی زبان پر بے پناہ قدرت تھی، اس لئے ان کا اخبار انگریزوں میں بھی بہت مقبول تھا، ساتھ ہی انہوں نے عوام کی ذہنی تربیت کے لئے اردو اخبار ہمدرد بھی نکالا۔

مولانا ظفر علی خاں اخبار ''زمیندار'' کے ذریعے مسلمانوں کا سیاسی شعور بیدار کیا وہ بہت اعلیٰ درجہ کے مترجم اور بڑے قادر الکلام شاعر تھے۔

ابو الکلام آزاد کا ہفتہ وار جریدہ ''الہلال'' کلکتے سے نکلتا تھا اس کے مضامین ادبیت اور دینی حرارت کی وجہ سے خاص طور پر مقبول تھے۔۔۔۔ الخ۔

(ماخوذ:تعبیر پاکستان:ص ۳۳۸)

پروفیسر عبداللہ ملک لکھتے ہیں:

۱۹۱۱ءتک مسلم لیگ کی قیادت اعتدال پسندوں کے ہاتھ میں رہی جوخاموشی سے مسلم مفادات کاتحفظ کرتے تھے لیکن ان کی تعداد کم ہوتی جارہی تھی،نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ انتہا پسند تھا،اورانگریزوں سے مدد مانگنا قومی غیرت کے خلاف سمجھا جاتا تھا،ان میں مولانا محمد علی جوہر،مولانا ابوالکلام آزاد اور مولانا ظفرعلی خاں شامل تھے،مولانا محمد علی جوہر نے جنوری ۱۹۱۱ء میں کلکتہ سے ایک انگریزی ہفتہ وار اخبار کامریڈ نکالا جو دارالحکومت کی تبدیلی کے ساتھ دہلی آگیا،جہاں ۲۳ر فروری ۱۹۱۳ءکواردو روزنامہ ہمدرد جاری ہوا،مولانا ظفرعلی خاں کا اخبار زمیندار ۱۰رمئی ۱۹۱۱ء سے جاری ہوگیا،مولانا ابوالکلام آزاد نے جون ۱۹۱۲ء سے کلکتہ سے ہفت روزہ الہلال نکالا ۔ ۲،برس بعد الہلال کی ۲۶ ہزار کاپیاں چھپا کرتی تھیں اورجب الہلال پر پابندی لگ گئی اور پریس ضبط ہوگیا تو ۱۹۱۵ءمولانا نے البلاغ نکالا ،جوآزادی کا ترجمان اورانگریزوں کے خلاف تھا،آسمان صحافت کے ان چمکتے دمکتے ستاروں کی جوشیلی تحریروں اورتقریروں نے مسلمانوں کے جذبات کارخ برطانوی سامراج کے خلاف موڑ دیا۔

(ماخوذ:تحریک پاکستان ۱۹۵۷ء،۱۹۴۷ ص ۲۲۳)

میثاق لکھنو:

مسلم لیگ نے کانگریس سے بات چیت کے لئے جوکمیٹی تشکیل دی تھی اس کے ایک رکن قائداعظم بھی تھے،اس دوران اکتوبر ۱۹۱۶ءمیں قائداعظم نے مرکزی قانون سازکونسل کے ۱۹ ہندو اورمسلمان منتخب ارکان کے تعاون سے ایک سکیم جو ۱۹ ارکان کی سکیم کہلاتی ہے حکومت کو پیش کی ،اس میں ملک میں آئندہ سیاسی اصلاحات کا خاکہ تجویز کیا گیا تھا اس سکیم کے ساتھ ہی مسلم لیگ اور کانگریس کے درمیان سیاسی مفاہمت کی ضرورت کا احساس مزید بڑھ گیا دونوں جماعتوں کی کمیٹیوں نے سرنیدرناتھ بنیرجی کی صدارت میں نومبر ۱۹۱۶ء میں کلکتہ میں باہمی مشورے سے ایک سکیم تیار کی جس کو ۲۸ اور ۳۱ر دسمبر ۱۹۱۶ءکو مسلم لیگ اور کانگریس کے سالانہ اجلاسوں نے الگ الگ منظورکیا۔

صوبائی کونسلیں:

صوبائی قانون سازکونسلیں ۸۰ فی صد منتخب اور ۲۰ فیصد نامزد ارکان پر مشتمل ہونگی

نمبر شمار	نام صوبہ	مسلم آبادی کا تناسب	مسلم سیٹیں	
1	پنجاب	55	50	5 کم
2	بنگال	53	40	13 کم
3	یوپی	14	30	16 زیادہ
4	بمبئی	20	33	13 زیادہ
5	سی،پی	4	15	11 زیادہ
6	بہار	13	29	16 زیادہ

8 زیادہ	15	7	مدراس	7

باقی باتوں کے علاوہ صوبائی کونسل کو صوبے کے نظم ونسق پر پورا کنٹرول حاصل ہوگا۔

میثاق لکھنؤ کے فوائد ونقصانات:

فوائد:

(۱) ہندوؤں نے کانگریس کی معرفت مسلمانوں کا حق جداگانہ انتخاب تسلیم کرلیا۔

(۳) کانگریس نے مسلم لیگ کو مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت مان لیا۔

(۶) لیگ کانگریس تعاون: ۱۹۱۶ء کے میثاق لکھنؤ نے وقتی طور پر مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کا قائداعظم کا سنہری خواب پورا کردیا تھا، مسلم لیگ نے عملی طور پر کانگریس کی چھوٹی بہن کی حیثیت قبول کرلی اور بڑی بہن کے ساتھ قدم ملا کر چلنے لگی۔

نقصانات:

(۱) پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی عددی اکثریت ختم ہوگئی علامہ اقبال نے اپنے خطبہ الہ آباد میں اس محرومی کا اظہار ان الفاظ میں کیا میثاق ہندوستانی قومیت کے غلط نظریہ پر طے پایا اس نے مسلمانوں کو برصغیر میں سیاسی اقتدار حاصل کرنے کے مواقع سے محروم کردیا۔

(۲) ہندو اکثریتی صوبوں میں مسلمانوں کو جو آبادی سے زیادہ نمائندگی ملی وہ عملی سیاست میں غیر مؤثر ثابت ہوئی، ان صوبوں میں ہندوؤں کو غالب اکثریت حاصل تھی کسی صوبے میں اگر مسلمانوں کو چار فی صد آبادی سے پندرہ فی صد اور چودہ فی صد سے تیس فی صد نمائندگی مل گئی تو اس سے ہندو اکثریت کے اختیارات پر کوئی اثر نہ پڑا لیکن پنجاب اور بنگال میں مسلم اکثریت غیروں کی محتاج ہو کر رہ گئی۔

(۳) چودھری خلیق الزماں (مسلم لیگ کے ہائی کمان) لکھتے ہیں کہ میثاق لکھنؤ میں تقسیم کے بیج بوئے گئے جب مسلمانوں نے ناتجربہ کاری کی وجہ سے پنجاب میں مساوات اور بنگال میں اقلیت کی حیثیت قبول کی، اگر سیدھا راستہ اختیار کیا جاتا اور تعداد آبادی کی بنیاد پر نمائندگی کا اصول مانا جاتا تو مسلمان پنجاب اور بنگال کی حکومتوں میں اکثریت سے ابتدا کرتے اور ۱۹۲۴ء کے بعد وہ مسائل پیدا نہ ہوتے جنہوں نے ہندو مسلم تعلقات میں زہر گھول دیا تھا، اس سے ہندوستان کی تقسیم کی بنیاد پڑگئی اور جب پاکستان قائم ہوا تو پنجاب اور بنگال کو وسیع علاقوں سے محروم ہونا پڑا، بنگال کے مسلمان لیڈر بھی اس کے مخالف تھے۔

(ص ۲۲۳ تا ۲۳۴)

ایس ایم شاہد لکھتے ہیں: اس پر دستخط ہونے کے بعد کچھ عرصہ کے لئے مسلمانوں اور ہندوؤں کی باہمی تلخیاں بہت حد تک کم ہوگئیں، جنگ کے سالوں میں (جس کا ذکر ماقبل میں مذکور ہے۔ساجد) بدیسی (انگریز) حکومت بہت سے اندرونی اور بیرونی خطروں سے گھری ہوئی تھی، ملک کے مختلف حصوں میں زیر زمین انقلابی تحریکیں پنپ (وپھیل) رہی تھی، جوں جوں سرگرمیوں کا پتہ چلتا جاتا تھا۔ حکومت کی سخت گیری بھی تشدد میں تبدیل ہوجاتی تھی ۱۹۱۷ء میں ہوم رول لیگ بنی اور ملک کے تمام قابل ذکر لیڈر اس میں شامل ہوگئے۔

(تعبیر پاکستان: ص ۳۵۵)۔

تحریک پاکستان (۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء) کے مصنف ملک محمد عبداللہ لکھتے ہیں:

ہوم رول لیگ کا قیام:

جنگ عظیم کی ابتدا میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے جنگی سرگرمیوں میں بڑی وفاداری کے ساتھ تعاون کیا تھا ان کو امید تھی کہ انگریز اپنے وعدے کے مطابق ملک میں آئینی اصلاحات جلد نافذ کردیں گے (تو حکومت میں مقامی لوگ زیادہ شریک ہونگے، ساجد) لیکن حکومت کے رویئے نے ان کو بڑا مایوس کیا اس پر ۳ ستمبر ۱۹۱۶ء کو مسز اینی بسنٹ اور بال گنگا دھر تک نے ہوم رول لیگ قائم کی جس کا موقف یہ تھا کہ برصغیر کو حکومت خود اختیاری فوراً دے دی جائے۔۔۔تحریک بہت جلد عوام میں مقبول ہوگئی اور احتجاجی مظاہرے ہونے لگے۔۔۔ہوم رول لیگ کی سرگرمیوں نے برصغیر کی سیاسی صورت حال کو خطرناک حد تک بگاڑ دیا (ص ۲۵۲،۲۵۳) قائد اعظم ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے۔۔۔۔۱۹۱۷ء میں آپ ہوم رول لیگ بمبئی شاخ کے صدر بن گئے بمبئی شاخ آپ کی صدارت میں تنظیم کی سب سے زیادہ فعال اور طاقت ور حصہ بن گئی ۲۴ مئی ۱۹۲۴ء کو جہاں مسلم لیگ کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔۔۔اس موقعہ پر آپ کی صدارتی تقریر کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ برصغیر کی آزادی کے لئے ہندو مسلم اتحاد ضروری ہے۔۔۔الخ۔ (ص ۴۴۱)

سید طفیل احمد منگلوری لکھتے ہیں:

مسلم لیگ کے جلسہ میں علماء کی شرکت:

مسلم لیگ کا گیارہواں اجلاس دسمبر ۱۹۱۸ء میں بمقام دہلی زیر صدارت مسٹر اے کے فضل حق منعقد ہوا، کانگریس کا اجلاس بھی اسی وقت دہلی میں ہو رہا تھا مسلم لیگ کے جلسہ کے صدر استقبالیہ ڈاکٹر انصاری تھے، جن کا خطبہ گورنمنٹ صوبہ متحدہ نے ضبط کر لیا تھا، اسی سال کلکتہ میں مسلمانوں کے ایک بلوہ کے متعلق (اخبار انڈین ڈیلی نیوز نے) آنحضرت ﷺ کی ذات پر حملہ کیا تھا جسکے خلاف احتجاج کے جلسے کئے تھے، انہیں حکام نے روکا تھا، اور مسلمانوں پر گولیاں برسائی تھیں جس سے سینکڑوں مسلمان شہید ہوئے، مسلمان ان واقعات سے نہایت برہم تھے، اس اجلاس کی خصوصیت یہ تھی کہ پہلی بار علماء کرام کثرت کے ساتھ اس میں شریک ہوئے اور تقریریں کیں جو علماء اس اجلاس میں شریک ہوئے ان میں مولانا عبد الباری فرنگی محلی، مولانا آزاد سبحان، مولوی محمد ابراہیم میر سیالکوٹی، مولوی ثناء اللہ امرتسری، مفتی کفایت اللہ دہلوی، (دیوبندی) مولوی احمد سعید دہلوی (دیوبند) اور مولوی عبد اللطیف دہلوی نے نمایاں حصہ لیا، اجلاس کی تجویز میں خلافت (یعنی ترکی کی بقاء) بیت المقدس اور اسلامی سلطنتوں کی تقسیم، مذہبی نقطۂ خیال سے اہم تھیں۔ایک تجویز یہ بھی تھی کہ جنگ کے بعد جو سیلف ڈیٹر مینشن کا مسئلہ (اور اپنے نظام حکومت کی نسبت خود رعایا کا فیصلہ) لیگ آف نیشنز مجلس اقوام نے طے کیا ہے اس کا نفاذ ہندوستان پر بھی کیا جائے۔

(روشن مستقبل: ص ۴۰۱، ۴۰۲)

جمعیت العلماء ہند کا قیام:

علماء کرام ابھی تک اپنے حجروں اور مدرسوں تک محدود تھے، سیاست میں حصہ لینے کا ان کا کوئی پروگرام نہ تھا، مولانا محمود حسن (شیخ الہند) اور ان کے ساتھیوں نے انگریزوں کے خلاف انقلابی تحریک میں حصہ لیا تھا (لیکن ابھی مالٹا کی جیل ہی میں تھے۔اقبال) اب حالات بدل چکے تھے اور علماء کی سیاسی جماعت کا قیام ضرورت بن گیا تھا، اس بارے میں مولانا عبد الباری فرنگی محل نے پہل کی وہ علماء کو سیاست کے میدان میں لے آئے، چنانچہ نومبر ۱۹۱۹ء میں خلافت کانفرنس کے اجلاس کے دو دن بعد دہلی ہی میں علمائے کرام کا ایک

جلسہ منعقد ہوا جس میں جمعیۃ العلمائے ہند قائم کی گئی اس کے پہلے صدر مفتی کفایت اللہ اور سیکرٹری مولانا احمد سعید بنے اس کا اپنا اخبار تھا جو الجمعیت کہلاتا تھا۔اس کے بعد علمائے کرام اب تک سیاست میں حصہ لیتے چلے آرہے ہیں۔

سول نافرمانی کی تحریک اور مسلمان:

کانگریس میں آزادی کامل کی تجویز پاس ہونے کے بعد ۲۶ر جنوری ۱۹۳۰ء کو تمام ہندوستان میں یوم آزادی منایا گیا، اور مہاتما گاندھی ۱۳ر مارچ ۱۹۳۰ء کو نمک کے قانون کی خلاف ورزی کرنے کے لئے اپنے سفر پر پاپیادہ روانہ ہوتے۔اب رعایا اور حکومت کے درمیان ۲۲۔۱۹۲۱ء (یعنی تحریک خلافت) کے بعد سول نافرمانی کی جنگ شروع ہوئی جس میں گرفتاریاں، لاٹھیوں، بندقوں کی باڑ اور آراض کی ضبطیوں کا دور دورہ تھا۔اس پرامن جنگ میں مسلمانوں کی شرکت انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے ہوئی، مہاتما گاندھی کی گرفتاری کے عین بعد مسٹر عباس طیب جی ڈکیٹر مقرر ہو کے جیل میں گئے، اور ایک جماعت مثل مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر انصاری، ڈاکٹر سید محمود، تصدق احمد شروانی، مسٹر رفیع احمد قدوانی، خاں عبد الغفار خاں کے پیش پیش رہی، اور جمعیۃ العلماء، احرار الاسلام، اور خدائی خدمتگاروں نے بڑی بڑی قربانیاں کیں اور خود مسلم لیگ کے اندر جو دو کیمپ ہو گئے تھے، ان میں سے ایک نے لیگ سے باہر نکل کر نیشنلسٹ مسلم پارٹی کی حیثیت سے اس تحریک میں نمایاں حصہ لیا (یعنی مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر مختار احمد انصاری، مسٹر تصدق احمد خاں شروانی وغیرہ، مرتب)۔

(ماخوذ: روشن مستقبل ص ۴۳۶)

ڈاکٹر ایچ بی خاں لکھتے ہیں

جمعیۃ علماء اور کانگریس میں دوبارہ اشتراک:

کانگریس سے جمعیۃ علماء کا اشتراک ۱۹۲۶ء سے معطل ہوا تھا، ۱۹۳۰ء میں جمعیۃ کا سالانہ اجلاس ۳ تا ۶ مئی بمقام امروہہ، زیر صدارت شاہ معین الدین اجمیری منعقد ہوا، اس درمیان جمعیۃ علماء ہند کانگریس سے علیحدہ رہنے کے باوجود آزادی حاصل کرنیکی جدوجہد میں مصروف رہی، ادھر کانگریس نے بھی اپنے اجلاس منعقدہ لاہور میں مکمل آزادی کی قرارداد پاس کردی اور نہرو رپورٹ کو بھی خارج کر دیا اسلئے جمعیۃ علماء نے امروہہ کے اجلاس میں ملک کے بہتر مفاد کے پیش نظر کانگریس کے ساتھ پھر اشتراک عمل کا فیصلہ کیا۔

(ص: ۳۰۸)

ص ۳۰۷ پر لکھتے ہیں:

گاندھی جی ۵ر اپریل کو گرفتار کئے گئے، اس تحریک میں جمعیۃ علماء ہند، احرار اسلام اور کانگریسی مسلمانوں نے شرکت کی، چنانچہ مولانا آزاد، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی وغیرہ گرفتار کئے گئے، اس زمانہ میں یعنی ۱۹۳۰ء میں جمعیۃ علماء ہند کا ایک جلسہ پشاور میں منعقد ہوا، حکومت نے نہتے اور پرامن لوگوں پر اندھا دھند فائرنگ کی، اس فائرنگ سے بہت سے لوگ شہید وزخمی ہوئے جن میں خاص طور پر جمعیۃ کے کارکنان اور خدائی خدمت گار زیادہ تھے۔الخ

(برصغیر پاک وہند کی سیاست میں علماء کا کردار)

مقدمہ نمبر(۳) پاکستان کی کہانی لندن کی زبانی

۱۹۲۸ء میں انگریزوں کی رخصتی کے آثار نظر آنے لگے تھے، جس کا ثبوت مکمل صوبائی خودمختاری بھی تھا، مثلاً سائمن کمیشن ۱۹۲۷ء ہندوستان کے وائسرائے لارڈ رون تھے، انہوں نے ۸/نومبر ۱۹۲۷ء کو سر جان سائمن کی قیادت میں یہ کمیشن مقرر کیا اور اسے ہدایت کی کہ وہ ملک کے دستوری جائزہ لینے کے بعد ایک مفصل رپورٹ پیش کرے، سائمن کمیشن اپنے تمام جہیز کے ساتھ ۳/فروری ۱۹۲۸ء کو بمبئی پہنچا، ہندوستان بھر میں کمیشن کے خلاف ہنگامے ہوئے، مخالفت کے باوجود سائمن کمیشن نے اپنا کام جاری رکھا اور آخر کار ۱۳/اپریل ۱۹۲۹ء کو پورے ہندوستان کے دورے کے بعد واپس عازم برطانیہ ہوا، اور اس نے اپنی رپورٹ حکومت برطانیہ کو پیش کردی، بہرحال رسمی طور پر اس کمیشن کی رپورٹ کو منظر عام پر لانا ہی تھا، اس لئے مئی ۱۹۳۰ء میں کمیشن کی رپورٹ کو شائع کردیا گیا یعنی

(۱) پورے ملک کو صوبائی سطح پر تقسیم کیا جائے۔

(۲) ہندوستان میں فیڈرل (وفاقی) طرز حکومت قائم کی جائے۔

انگلستان میں تین گول میز کانفرنس منعقد ہوئیں۔

(۱) پہلی گول میز کانفرنس ۱۹۳۰ء کے آخر میں ہوئی۔

(۲) دوسری گول میز کانفرنس دسمبر ۱۹۳۱ء تک جاری رہی۔

(۳) تیسری گول میز کانفرنس نومبر ۱۹۳۲ء کو شروع ہوئی اور ۲۴/دسمبر ۱۹۳۲ء کو ختم ہوئی

پاکستان کی حقیقت:

گول میز کانفرنس کے موقعہ پر کیمبرج یونیورسٹی کے ایک طالب علم چودھری رحمت علی نے انگریزی میں ایک پمفلٹ تقسیم کیا۔

اب یا کبھی نہیں؛ برصغیر کے شمال مغربی علاقوں پر مشتمل ایک آزاد مسلم ریاست یعنی جس میں ہندوستان سے مسلم اکثریت کے صوبوں کو علیحدگی کے بعد پاکستان کا نام دیا گیا۔ (پاک لوگوں کا وطن)

اس سلسلہ میں پاکستان کے شہرۂ آفاق قانون دان جناب مسٹر شریف الدین پیرزادہ صاحب لکھتے ہیں:

پاکستان کی اسکیم کے لئے (برطانیہ میں: ساجد) جو مہم شروع کی گئی تھی اس کے نتیجے میں (برطانوی) جائنٹ پارلیمنٹری سلیکٹ کمیٹی نے اس کی طرف توجہ دی اور یکم اگست ۱۹۳۳ء کو پاکستان کے بارے میں اس مسلم وفد سے (جو گول میز کانفرنس میں مدعو تھے۔ ساجد) استفسارات کیئے گئے۔

سوال: سر ریجنالڈ کریڈرک۔

مجھے بڑی خوشی ہوگی اگر مندوبین میں سے کوئی صاحب یا معز زگواہوں میں سے کوئی صاحب میرے اس سوال کا جواب دینا گوارا فرمائیں گے کہ آیا پاکستان کے نام کے تحت صوبوں کے وفاق کی کوئی تجویز ہے؟

جواب: عبداللہ یوسف۔سی بی،ای، جہاں تک مجھے علم ہے یہ ایک طالب علم کی اسکیم ہے کسی ذمہ دار فرد نے اس کو پیش نہیں کیا ہے۔

سوال: ہندوستان میں وہ لوگ تو اب تک نہیں لیکن جیسا کہ آپ کا کہنا ہے کہ آپ لوگ بڑی تیزی سے آگے بڑھتے ہیں اور یہ

ہوسکتا ہے کہ جب یہ طالب علم بڑے ہو جائیں تو ایسا اسکیم پیش کی جائے، بہر طور یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسکیم لوگوں کے ذہنوں میں لازماً موجود ہے۔

مسٹر سر ظفر اللہ (مرزائی) سوال کیا ہے۔

سر ریجنالڈ کریڈ ڈرک، میں جاننا چاہتا تھا کہ آیا معزز گواہان ایک ایسی اسکیم سے واقف ہیں جو پاکستان کے نام سے تیار کی گئی ہے۔

سر ظفر اللہ: ہمیں یہ جواب مل چکا ہے کہ یہ ایک طالب علم کی اسکیم ہے اس میں کوئی جان نہیں ہے۔

سوال نمبر ۶۰۰ سر ریجنالڈ کریڈ ڈرک: مجھے پاکستان کے نام کے تحت بعض مخصوص مسلم ریاستوں کی تشکیل کی تجویز کے بارے میں تحریریں موصول ہوئی ہیں۔

جواب نمبر ۶۰۰ ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین؛ غالباً یہ کہنا بہت کافی ہوگا کہ اب تک کسی انجمن یا نمائندہ شخصیت نے اس قسم کی اسکیم پر غور نہیں کیا۔

پیرزادہ صاحب آگے لکھتے ہیں:

دی ڈچ آف آتھول رکن پارلیمنٹ کو یہ خیال پیدا ہونا کہ پاکستان کے معنی ہندوستان میں ایک خانہ جنگی کے ہوسکتے ہیں (اور جیسا کہ تقسیم کے وقت اور بعد میں لاکھوں انسانوں کا خون بہایا گیا۔ساجد) اور اس کا مطلب روس کی اعانت اور حمایت کے ساتھ ہندوستان پر افغانی حملہ کا بھی ہوسکتا ہے، موصوف نے تحریر فرمایا کہ:

مرکز میں ہندو استبداد کے سامنے (یعنی مرکز میں ہندوؤں کی زیادتی کے ڈر سے مسلم صوبوں کا۔ساجد) کسی صورت سے سر تسلیم خم نہ کرنے کا بعض مسلمانوں کا عزم صمیم پانچ اساسی مسلم علاقوں، پنجاب، سندھ، شمالی مغربی سرحدی صوبہ کشمیر اور بلوچستان کے ایک آزاد اور خود مختار وفاق کی تشکیل وقیام کی تجویز سے ظاہر ہوتا ہے۔۔۔ان آراء کے برعکس ان خیالات سے آگاہی بھی ضروری ہے جو ایک دوسرے انگریز مصنف میجر ایٹس براؤن کے ہیں، انہوں نے لکھا تھا۔

لیکن پاکستان کے علاوہ اور کیا چارہ کار ہے؟ مجھ کو اور کچھ نظر نہیں آتا مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے، اب تک تو ان دشواریوں سے نجات حاصل کرنے کی شاید کوئی کوشش کی گئی ہے اس لئے کانگریس پارٹی نے اپنی ساری طاقتوں کو ایک ایسی چیز پر جو ناقابل عمل ہے مرکوز کر دیا ہے، محض اس کوشش میں کہ سارا اختیار واقتدار خود حاصل کرلے۔۔۔الخ

(ماخوذ؛ پاکستان منزل بہ منزل)

مسٹر جناح اور مسلم لیگ کی حالت ۱۹۳۴ء:

جس زمانہ میں مسلم لیگ کی بنیاد پڑی اس وقت انگریز اپنی پوری قوت کے ساتھ ہندوستان میں اپنے پاؤں جمائے ہوئے تھا، اس لئے مسلم لیگ کا نظریہ شروع ہی سے یہ رہا کہ وہ صرف کانگریس کی مخالفت کو اپنا سرمایہ نجات بنائے رکھے اور اس کے زعماء (مسلم لیگ کے بڑے) بھی یہ ضروری نہیں سمجھتے تھے کہ اسے ایک عوامی مسلم جماعت بنائیں نہ اس کی صوبہ وار شاخیں تھیں نہ اس کی کثیر ممبر سازی، اس کے سالانہ جلسے ضرور ہوتے تھے جس کا اُسی سال کے لئے ایک صدر منتخب ہوتا تھا اور پھر سال بھر اپنی جماعت کی خبر نہ لیتے تھے۔

(ص ۵۹۶)

میں یعنی خلیق الزماں ان نوابوں اور زمینداروں کی نیت پر حملہ کرنا نہیں چاہتا جنہوں نے اپنی استعداد بھر مدتوں مسلم لیگ کی پرورش کی اور یہ عقیدہ رکھ کر پرورش کی کہ برٹش (انگریز) حکومت کو مسلم لیگ سے ناراض یا دل برداشتہ نہ کیا جائے۔(ص ۵۹۷) خلیق الزماں لکھتے ہیں میں نے ایک بڑی کانفرنس مسلم لیگ کانفرنسوں کے ممبروں اور نیشنلسٹوں کی بلائی اور راجہ سلیم پور کے مکان پر انہی کی صدارت میں مارچ ۱۹۳۳ء میں منعقد کرائی جس میں نواب اسماعیل خاں، مولانا شوکت علی، حافظ محمد صدیق، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا کفایت اللہ، مولانا احمد سعیدؒ، حکیم عبد الحسیب، احسان الرحمن قدوائی، سید ذاکر علی حسن ریاض، مولانا اکرم علی اور بہت سے نیشنلسٹوں نے شرکت کی (ایک) تجویز پیش کی کہ اب ہم کو ایک مستقل جماعت اپنے نظریات اور عقائد کے پیش نظر بنالینی چاہیے، کیونکہ مسلم لیگ جن کمزور ہاتھوں میں پڑگئی ہے وہ اسے کبھی عوامی جماعت کی حیثیت دینے کے لئے تیار نہ ہوں گے، اس کے اکثر لوگ کسی ایسے سیاسی اقدام کے لئے تیار نہیں ہوسکتے جو برٹش حکومت کے منشا کے خلاف ہوں (ص ۵۳۹) پہلی اگست ۱۹۳۴ء کو مجھے شاہ مسعود کا جو مرکزی اسمبلی کے اس زمانہ میں ممبر تھے ایک خط ملا، جس میں انہوں نے مجھے مطلع کیا تھا کہ مفتی کفایت اللہ صاحب، اور مولانا احمد سعید صاحب مسلم لیگ کے یونٹی بورڈ کے ۱۹/اگست کے اجلاس سے پہلے کچھ اہم معاملات میں مجھ سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

(۱۹۳۶ء کے انتخابات کے متعلق گفتگو)

(۱۹۳۷ء کے انتخابات اور جمعیۃ العلماء ہند)

متین چوہدری نے ہم سے یہ بھی درخواست کی تھی کہ ہم لوگ جناح صاحب سے گفتگو سے پہلے انتخابات کے متعلق کوئی فیصلہ نہ کریں تو مناسب ہوگا، میں نے ان کی رائے قبول کرلی، کہ ہم پانچ آدمی یعنی میں خود (خلیق الزماں) مولانا شوکت علی، مفتی کفایت اللہ، مولانا حسین احمد مدنیؒ اور مولانا احمد سعید آج شام کو سات بجے جناح صاحب سے ان کے ہوٹل میں ملیں گے، حسب وعدہ ہم لوگ جناح سے ملے، مسٹر جناح نے ہم کو یقین دلایا کہ وہ مسلم لیگ کی زمینداروں اور تعلقداروں کی قیادت سے۔ بہت غیر مطمئن ہیں کیونکہ وہ لوگ اپنے طبقہ اور اپنے ذاتی مفاد کو مسلم قومی مفاد پر ترجیح دیتے ہیں اور ہمیشہ برٹش سیاسی نظریات کو قطعیت کا (اور صرف انگریزوں کے مفاد ہی کو مستقل) درجہ دیتے ہیں، اس لئے ان کی بڑی خواہش یہ ہے کہ مسلم لیگ کو نئے سرے سے ایک جاندار ادارہ بنایا جائے، وہ ۱۰/مئی ۱۹۳۶ء کو بمبئی میں ایک مسلم لیگ کا اجلاس طلب کرنے والے ہیں تا کہ وہ آنے والے صوبائی انتخابات کے لئے پارلیمنٹری بورڈ بنانے کا مجھے حق دے اور میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ اس بورڈ میں آپ کے ہم خیال لوگوں کی اکثریت رکھوں گا، میں جانتا تھا کہ میری ہاں اور نہیں پر گفتگو کے نتیجہ کا دارومدار ہے کیونکہ میرے ساتھ اور چار آدمی جو تھے ان میں سب میری ہمنوائی کرتے لہٰذا قبل اس کے کہ کوئی اور بولے میں نے جناح صاحب سے کہا کہ آپ کا خیال معقول ہے اور میں اس کو قبول کرتا ہوں مگر باوجود اس کے مولانا حسین احمد مدنیؒ سے نہ رہا گیا، اور انہوں کہہ ڈالا کہ ہم لوگ تو کامل آزادی کے متمنی ہیں اور آپ کی مسلم لیگ اس کو قبول نہیں کرتی، آپ اس اختلاف کو کیسے دور کریں گے، مسٹر جناح نے جواب میں کہا کہ جب ہم آپ کو پارلیمنٹری بورڈ میں اکثریت دیتے ہیں تو آپ کو موقع ہوگا کہ آپ اپنی پالیسی اس سے قبول کرالیں، ۱۰/مئی ۱۹۳۶ء کو مسلم لیگ کا جلسہ بمبئی میں ہوا مسٹر جناح کو اختیار دیا گیا کہ وہ کم از کم ۳۵ آدمیوں کا ایک مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ

بنالیں جو آنے والے انتخابات میں حصہ لینے کے لئے تمام اقدامات کرے۔

مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ میں ہم لوگوں کو قطعی اکثریت تھی جس سے میں بالکل مطمئن ہوگیا تھا، یوپی بورڈ کے سات ممبر تھے، یعنی راجہ سلیم، مولانا شوکت علی، مولانا حسین احمد مدنی ؒ، راجہ محمود آباد، نواب اسماعیل خاں، میں (چودھری خلیق الزماں) اور نواب زادہ لیاقت علی خاں۔

(۱۹۳۷ء میں یو پی میں انتخابات)

مسلم بورڈ کی مالی حالت کے پیش نظر میں نے صرف ۱۳۶ امیدوار نامزد کئے، ہماری خوش قسمتی سے مولانا شوکت علی خلافت کے مایہ ناز لیڈر اس وقت زندہ تھے انہوں نے مفتی کفایت اللہ اور مولانا جمال میاں کی معیت میں پورے صوبے کا دورہ کیا مولانا حسین احمد مدنی، مولانا احمد سعید مولانا حامد بدایونی اور مولانا کرم علی نے مسلم پارلیمنٹری بورڈ کی حمایت میں سارے صوبہ کی خاک چھان ڈالی، ہمارے ۳۶ نمائندوں میں ۲۹ نمائندے کامیاب ہوئے یعنی تقریباً ہم کو اسی فیصد کامیابی ہوئی۔۔۔الخ (ص؛۶۱۸)

(ماخوذ؛ از شاہراہ پاکستان مصنف چودھری خلیق الزماں)

ایس ایم شاہد لکھتے ہیں؛

مسلم لیگ نے جمعیۃ علمائے ہند اور دیگر مسلم جماعتوں کی شرکت ومدد سے صوبائی انتخابات میں حصہ لیا جمعیت علمائے ہند لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنانے کے لئے بڑی انتھک کوششیں کیں، بلکہ سید حسین احمد مدنی نے تو یہاں تک فرمادیا تھا کہ جو مسلمان شخص مسلم لیگ کے خلاف کام کرے گا یا مسلم لیگ کے امیدوار کو ووٹ نہ دے گا وہ واصل جہنم ہوگا، (خدا جانے موصوف نے یہ غیر معتبر بات کہاں سے معلوم کی مستند ذرائع سے اس کی تصدیق نہ ہوسکی۔ساجد) جمعیۃ علماء کی اس جدوجہد کے نتیجے میں عوام سے کم رابطگی کے باوجود مسلم لیگ کے امیدواروں کو انتخابات میں امید سے زیادہ کامیابی ہوئی۔

(ماخوذ؛ از تعبیر پاکستان تحریک پاکستان اور اس کا پس منظر ص:۵۲۸، ایورنیو بک پیلس سرکلر روڈ اردو بازار لاہور، باراول، مصنف ایس ایم شاہد)

انتخابات کے نتائج:

پاکستان موومنٹ ہسٹاریک ڈاکومنٹ کے مصنف مسٹر جی الانہ صفحہ ۱۴۹ پر ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں مسلمان صوبوں میں مسلم لیگ کی کامیابی کی نقشہ کشی یوں کرتے ہیں۔

نام صوبہ	کل تعداد ممبران	مسلم سیٹیں	مسلم لیگ
غیر منقسم بنگال	۲۵۰	۱۱۷	۴۰
آسام	۱۰۸	۳۴	۹
غیر منقسم پنجاب	۱۷۵	۸۴	۱
سندھ	۶۰	۳۵	-

سرحد	۵۰	۳۶	-
میزان	۶۴۳	۳۰۶	۵۰

غیر مسلم صوبوں میں مسلم لیگ کی پوزیشن:

بہار	۱۵۳	۳۹	-
سی پی	۱۱۲	۱۴	-
اڑیسہ	۶۰	۴	-
بمبئی	۱۷۵	۲۹	۲۰
مدراس	۲۱۵	۲۸	۱۰
یوپی	۲۲۸	۶۴	۲۷
میزان	۹۵۲	۱۵۸	۵۷

(یعنی کل مسلم سیٹیں ۴۶۴ میں سے مسلم لیگ نے ۱۰۷ حاصل کیں بقول ایچ ایم سیروائی)

مسلمانوں کی کل ۴۸۵ نشستوں میں سے مسلم لیگ کو صرف ۱۰۸ نشتیں ملیں مقصد یہ کہ مسلم لیگ مسلمان صوبوں میں سے کسی ایک صوبہ میں بھی حکومت نہ بنا سکی۔

کانگریس:

تعبیر پاکستان کے مصنف ایس ایم شاہد لکھتے ہیں:۔

۷ جولائی کو کانگریس کی مجلس عاملہ نے ایک قرارداد کے ذریعہ پارٹی کی وزارتیں بنانے کی اجازت دے دی سات صوبوں میں کانگریس نے وزارتیں بنائیں جو درج ذیل ہیں۔

۱۔اڑیسہ ۲۔بمبئی۔ ۳۔مدراس۔ ۴۔ یوپی۔ ۵۔ بہار۔سی پی۔ ۷۔صوبہ سرحد

(ماخوذ: تعبیر پاکستان ص،۴۳۷، ۴۳۸)

مسلم لیگ اور جمعیۃ العلماء ہند میں اختلاف:

چودھری خلیق الزماں لکھتے ہیں؛ ۱۷ مئی کو جمعیۃ العلماء نے مولانا آزاد کے مشورہ سے یہ فیصلہ کیا کہ جمعیۃ العلماء بلا شرط کانگریس کے ساتھ ہوگئی (کیوں ہوگئی؟ یا خود مسلم لیگ نے اپنے اصولوں سے ہٹ کر کانگریس سے معاملات طے کرنے شروع کر دیئے؟ یہ سب کچھ تفصیل کے ساتھ آگے آرہا ہے لیکن چودھری صاحب لکھتے ہیں۔ساجد) دو تین دن بعد مولانا حسین احمد مدنیؒ نے مجھے ایک طویل خط لکھا۔ جس کا لب لباب یہ تھا کہ میں نے آپ کی (یعنی چودھری خلیق الزماں صاحب کی) وزارت کے لئے راستہ صاف کرنے کے لئے یہ قدم اٹھایا ہے مجھے افسوس ہے کہ میں نے مولانا کا وہ خط معلوم نہیں کیونکر گم کر دیا، بہر نوع اسی مسئلہ کے متعلق مولانا سعید احمد کا خط میرے پاس موجود ہے:

محترم چودھری صاحب زادمجدکم۔السلام علیکم!

آپ کے مفصل گرامی نامہ کا شکریہ، مجھے تو اپنے دوستوں سے یہ شکوہ ہے کہ جن لوگوں نے ان کی خاطر شہر شہر اور قصبہ قصبہ کی خاک چھانی تھی، ان دوستوں نے منتخب ہونے کے بعد اپنے خدام کو فراموش کر دیا، مسٹر جناح اگر لیگلیچر پارٹی کو ملانے اٹھے تھے تو انہوں نے بات نہیں کی اور ہمارے بعض خود غرض دوست منسٹری اور اسپیکری کے لئے کانگریس سے سمجھوتہ کرنے اٹھے تو انہوں نے بات نہ پوچھی میری ذمہ داری دیکھئے کہ جملہ رفقاء سے برائی اٹھا رہا ہوں، لیکن ہر ایک سے یہی کہتا ہوں کہ مسلم لیگ سے سمجھوتہ کرلو، الہٰ آباد کانفرنس میں، میں نے جو کچھ کیا اس سے آپ بھی غافل نہ ہوں گے اور میرے دوستوں نے جو سلوک میرے ساتھ کیا اس کا بھی آپ کو علم ہوگا لیکن بایں ہمہ میں اپنی رائے پر قائم ہوں اگر حافظ محمد ابراہیم صاحب کا معاملہ درمیان میں نہ آجاتا تو شاید میں اپنی پوری جماعت کو اپنا ہم خیال رکھتا، بہر حال مفصل باتیں تو عندالملاقات ہوں گی، آپ کی لیگ کچھ نہ کرے گی اور نہ اس سے کچھ ہوگا، اگر لیگ کسی قابل ہوتی تو آج مسلمانوں کو یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا، ہاں یہ تو فرمائیے کہ اس خبر میں کہاں تک صداقت ہے کہ اگر آپ کے لئے اور نواب اسماعیل خاں کے لئے کوئی جگہ (یعنی وزارت) نکل آتی تو آپ کا کانگریس سے سمجھوتا ہو جاتا، کانگریس ایک منسٹری تو نکالنے کے لئے تیار تھی لیکن آپ نواب صاحب کو چھوڑنا نہ چاہتے تھے اور ان کے لئے کوئی موقع نہ تھا، اس لئے صلح ناکام رہی اور کیا یہ بھی سچ ہے کہ مسٹر قدوائی جن کی آپ نے پوری امداد کی، انہوں نے بھی آپ کے ساتھ غداری کی، میں ممنون ہوں گا اگر آپ مہربانی فرما کر مجھے صحیح معلومات بہم پہنچائیں گے، فقیر احمد سعید۔

(ماخوذ؛شاہراہ پاکستان ص ۶۲۸، تا۶۳۱)

مسلم لیگ اور کانگریس میں وزارتوں پر لڑائی:

چودھری خلیق الزماں رقم طراز ہیں: پھر اگر مولانا آزاد کی کتاب کا حوالہ دینا ہی تھا تو اصفہانی صاحب مولانا کے اس قول کا بھی حوالہ دیتے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ پاکستان کیا ہے؟ چودھری خلیق الزماں اور پنڈت جواہر لال سے جھگڑا ہوگیا جناح صاحب نے اس سے فائدہ اٹھایا اور پاکستان بن گیا (ص ۱۳۵) ایک نقطۂ نظر سے یہ اچھا ہوا کہ رفیع قدوائی کانگریس کی منسٹری میں آگئے ورنہ شاید مسلم لیگ اور کانگریس میں مصالحت ہو جاتی جو بالآخر مسلم مفاد کے لئے زہر ہوتی۔

مسلم لیگ اور کانگریس کی مصالحت کی گفتگو کا نتیجہ:

نتیجہ اگر مسلم لیگ کی منسٹری میں ختم ہوتا تو اس صلح کے بعد پاکستان کے لئے دروازہ مسدود ہو جاتا (ص ؛۱۳۶ شاہراہ پاکستان)

ڈاکٹر ایچ بی خاں لکھتے ہیں؛

انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت ہونے والے صوبائی انتخابات میں مسلم لیگ اور کانگریس نے کچھ مقامات پر باہمی تعاون اور ہمدردگی کا اظہار کیا حسبِ تفصیل سابق کانگریس نے جولائی ۱۹۳۷ء میں ۶ صوبوں میں وزارتیں قائم کیں، اس کے بعد صوبہ یوپی میں مسلم لیگ اور کانگریس کے مابین کولیشن یعنی مخلوط حکومت بنانے کی گفت وشنید شروع ہوئی، اس گفتگو میں مسلم لیگ کی جانب سے چودھری خلیق الزماں اور نواب محمد اسماعیل خاں اور کانگریس کی جانب سے پنڈت جواہر لال نہرو، مولانا آزاد اور پنڈت گوبند بلبھ پنت شریک تھے۔۔۔الخ۔

(برصغیر پاک وہند کی سیاست میں علماء کا کردار جلد اول ص ۳۴۰، ۳۴۱)

جناب محمد فاروق قریشی لکھتے ہیں:

یو پی بہار، سرحد، پنجاب، سندھ اور بنگال کے پارلیمنٹری معاملات مولانا آزاد، سردار پٹیل اور ڈاکٹر راجندر پرشاد کے سپرد تھے، وزارتوں میں مسلمان وزراء کی شمولیت کا مسئلہ مولانا نے طے کیا، چودھری خلیق الزماں اور نواب محمد اسماعیل خاں اس وقت یو پی مسلم لیگ کے لیڈر تھے جب میں وزارت بنانے کے سلسلہ میں لکھنؤ آیا تو ان دونوں سے بات کی ان دونوں نے مجھے یقین دلایا کہ وہ نا صرف کانگریس سے تعاون کریں گے بلکہ کانگریس کے پروگرام کی پوری پوری حمایت کریں گے، مقامی حالات کچھ ایسے تھے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کو چھوڑ کر وزارت میں شامل نہیں کیا جاسکتا تھا، یا دونوں لیے جاتے، یا دونوں چھوڑ دیئے جاتے، اس لئے میں نے امید دلائی کہ دونوں لئے جائیں گے یو پی میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد مولانا وزارت سازی کے لئے بہار کے صدر مقام پٹنہ روانہ ہو گئے، جب وہ چند دنوں بعد الہ آباد پہنچے تو انہیں یہ معلوم کر کے شدید صدمہ ہوا کہ جواہر لال نے چودھری خلیق الزماں اور نواب اسماعیل خاں کو لکھ دیا ہے کہ ان میں سے صرف ایک کو وزارت میں لیا جاسکے گا اور اس کا فیصلہ مسلم لیگ پارٹی کر سکتی ہے کہ ان میں سے کون وزارت میں لیا جائے گا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یو پی میں مسلم لیگ سے سمجھوتہ نہیں ہوسکا، مسٹر جناح نے صورت حال سے پورا پورا فائدہ اٹھایا اور جارحانہ اقدامات کا ایک سلسلہ شروع کر دیا جس کا آخری نتیجہ پاکستان کا قیام تھا، (یعنی دو قومی نظریہ محض ڈھونگ تھا۔ساجد)۔

(ماخوذ قوم پرست مسلمانوں کی سیاست، ص ۱۱۸،۱۱۹)

ایچ ایم سروائی لکھتے ہیں:

کانگریس کے سامنے اہم ترین سوال یہ تھا کہ کیا کانگریس مسلم لیگ کے ساتھ مل کر مخلوط حکومت بنائے اگرچہ مسلم لیگ کے بغیر تنہا حکومتیں بنانے کا فیصلہ منطقی طور پر درست تھا اور مروجہ اصولوں کے مطابق تھا، کیونکہ کانگریس نے واضح اکثریت حاصل کی تھی لیکن تجزیہ نگاروں کی متفقہ رائے یہی ہے کہ عملاً یہ فیصلہ تباہی کا باعث بنا، مولانا ابو الکلام آزاد جو کانگریس کے ۱۹۳۹ء سے لے کر ۱۹۴۶ء تک صدر تھے، انہوں نے اپنی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ جواہر لال کے اقدام نے مسلم لیگ کو یو پی میں حیات نو دی مسلم لیگ کی تنظیم کا سلسلہ بھی یو پی ہی سے شروع ہوا، جناح نے اس صورت حال کا فائدہ اٹھایا اور کمر باندھ لی جس کا نتیجہ تقسیم نکلا۔۔۔الخ۔

(ماخوذ تقسیم ہند مترجم ڈاکٹر صفدر محمود)

قصبہ یو پی پر سر یامین کی رائے:

جیسا کہ گذشتہ اوراق میں یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ یو پی مسلم لیگی رہنما اقتدار کے حصول میں بری طرح الجھے رہے آل انڈیا کانگریس سے جہاں اور بہت سے غلطیاں سرزد ہوئیں اس موڑ پر بھی اس نے بہت بڑی ٹھوکر کھائی اگر کانگریس رہنما سیاست اور دانائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چودھری خلیق الزماں کو کسی طرح راضی کر لیتے تو ہندوستان کی سیاست آج سے مختلف ہوتی (یعنی متعصب قسم کے مصنفین پاکستان کے قیام کے پس منظر کا تعلق حضور اقدس ﷺ اور مجدد الف ثانیؒ سے جوڑتے ہیں یعنی دو قومی نظریے کی ابتداء کو وہاں سے ثابت کرتے ہیں۔ساجد) سر محمد یامین خاں یو پی کی دو رُخی تصویروں کو یوں بیان کرتے ہیں خلیق الزماں اور نواب اسماعیل خاں نے ایک مسودہ پر دستخط کر کے کانگریس کو دے دیئے تھے کہ کانگریس کے ساتھ تعاون کریں گے اور کانگریس کے ساتھ رہیں گے اس کے بعد خلیق

الزماں جواہرلال نہرو کے پاس پہنچے کہ وہ ان کو اور نواب اسماعیل خاں کو وزارت میں لے لیں، جبکہ ابوالکلام آزاد نے ان کو اطمینان دلایا ہے، لیکن جواہرلال نہرو نے ترکیب چلنی شروع کر دی اور کہا کہ صرف ایک کو لیا جائے گا چونکہ رفیع احمد قدوائی کانگریس کے ٹکٹ پر کامیاب ہوئے تھے وہ لیے جائیں گے، جواہرلال نہرو کی نواب اسماعیل خاں سے پرانی دوستی تھی، اس لئے وہ ان کی طرف مائل تھے یہ بھی نہرو نے کہا کہ کانگریس کے ٹکٹ پر دستخط کر دو تو لے لئے جاؤ گے، خلیق الزماں بھاگے ہوئے میرٹھ آئے نواب اسماعیل خاں نے کانگریس میں شامل ہونے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ میرٹھ کے لوگ خاص کر محمد یامین خاں اور ان کا سارا خاندان میرے ناک میں دم کر دیں گے اور میرٹھ کی ساری مسلمان پبلک مجھ کو حقارت سے دیکھے گی اور مسٹر جناح کو میں کیا منہ دکھاؤں گا، نواب اسماعیل خاں کے انکار کے بعد چودھری خلیق الزماں نے جواب بھی کانگریسی خیال کے تھے یہ چاہا کہ وہ اگر چہ معاونت کے معاہدے پر دستخط کر ہی چکے ہیں اب خفیہ طور پر کانگریس کی ممبری پر دستخط کر دیں یہ خبر جمعیۃ علماء کے ذریعہ حافظ محمد ابراہیم نگینہ والے کو ہوگئی اور انہوں نے خلیق الزماں پر سبقت کر کے کانگریس کی ممبری پر دستخط کر دیئے لہٰذا کانگریس نے حافظ محمد ابراہیم اور رفیع احمد قدوائی کو وزارت میں لے لیا۔۔۔الخ۔

(ماخوذ: کاروان احرار ص ۹۲ تا ۹۴)

عالمی جنگ اور ہندوستان کی سیاسی پارٹیاں:

یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو ہٹلر کی فوجوں نے صبح صادق کے وقت پولینڈ پر حملہ کر دیا، ان حالات کو دیکھتے ہوئے برطانیہ نے ۳ ستمبر ۱۹۳۹ء کو جرمن کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، ۴ ستمبر کو فرانس نے بھی جرمن کے خلاف اعلان جنگ کر دیا، اس طرح آئرلینڈ کے سوا دولت مشترکہ کے تمام ممالک برطانیہ کے ساتھ جنگ میں شامل ہو گئے۔

وائسرائے ہند نے ہندوستانیوں کے نام ایک پیغام براڈکاسٹ کراتے ہوئے کہا: برطانیہ نے جرمن کے خلاف اعلان جنگ کر دیا ہے، ہندوستان بھی اس جنگ میں جرمن کے خلاف شریک ہے، برطانیہ خود غرضی کے لئے نہیں بلکہ انصاف کے لئے جنگ میں شریک ہوا ہے، لہٰذا ہندوستانیوں کو چاہیے کہ وہ برطانیہ کی امداد کریں، وائسرائے ہند نے اعلان جنگ کے ساتھ ہی ہندوستان کے مقتدر سیاسی راہنماؤں سے انفرادی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کر دیا، تاکہ انہیں برطانیہ کی امداد پر آمادہ کیا جا سکے، حالانکہ اس جنگ سے ہندوستان کا کوئی واسطہ نہیں مگر فوجی ضرورت کی تمام اشیاء غلام ہندوستان کی منڈی سے سستی اور ارزاں میسر آ سکتی تھیں۔

کانگریسی وزارتیں مستعفی ہوگئیں:

آل انڈیا کانگریس ورکنگ کمیٹی کے فیصلے کے مطابق کانگریسی وزارتیں ۸/ ۹ ۱۹۳۹ء کو تمام صوبوں سے مستعفی ہوگئیں، اس کی وجہ سے ایکٹ ۱۹۳۵ء کا آئین معطل ہو کر رہ گیا، اب صرف مسلمان اکثریت کے صوبوں میں اس آئین کے تحت تمام کام ہو رہا ہے جن میں سر سکندر حیات کی یونینسٹ گورنمنٹ بھی شامل ہے۔

یوم نجات:

۸ نومبر کو تمام کانگریسی وزرا نے ہندوستان کے آٹھ صوبوں سے استعفے دیدیئے، اس پر آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی

جناح نے مسلم لیگ کی تمام شاخوں کو ہدایت کی کہ وہ ۲۲ر دسمبر کو یوم نجات منائیں، کانگریسی حکومتوں نے اپنی اکثریت کے زعم میں اقلیتوں سے جوسلوک کیا ہے، مسلم لیگی رہنما نے حکم دیا ہے کہ اس پر احتجاج کریں، جلوس نکالیں، جلسے کریں، اور مساجد میں شکر بجالائیں کہ کانگریسیوں کا دور حکومت ختم ہوا۔

(نوٹ: اگر مسلم لیگیوں کو کانگریس صوبہ یوپی میں دو وزارتیں دیدیتی تو کیا پھر بھی یہی صورت ہوتی؟ ساجد)

ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کی تلوار:

یہ بات واضح ہے کہ سوائے مجلس احرار ہند اور جمعیۃ علمائے ہند کے کسی جماعت کا ذہن برطانیہ کی موجودہ پالیسی کے بارے میں ہنوز (صاف) نہیں تھا، مسلم لیگ کا کانگریسی وزارتوں کی مسلم اقلیت کے صوبوں پر زیادتی کا بہانہ محض بہانہ تھا، ورنہ سنٹرا سمبلی میں آرمی بل اور ڈیفنس آف انڈیا رولز کی حمایت کر کے وہ اپنی پالیسی واضح کر چکی تھی، کانگریسی رہنما اس وقت تین دھڑوں میں منقسم تھی، ایسے حالا ت میں احرار اور جمعیۃ کی دوٹوک رائے نے فرنگی اور اس کے گماشتوں کو پریشان کر دیا، خصوصاً پنجاب کی یونینسٹ گورنمنٹ جس نے موجودہ جنگ میں پنجاب کی طرف سے ایک کروڑ روپیہ اور دس لاکھ فوجی جوانوں کی ذمہ داری اپنے پرلے رکھی تھی، زیادہ پریشان تھی، چنانچہ انہی دنوں پنجاب کے وزیر اعظم سر سکندر حیات فوجی وردی پہنے صوبہ بھر میں فوجی بھرتی کے لئے پھر رہے تھے، دوسری طرف احرار رہنماؤں کی (فوجی بھرتیوں کی مخالفت کے سلسلہ میں) گرفتاریاں شروع تھیں۔

احرار آفس کی رپورٹ:

۳۰ر نومبر کو مرکزی احرار آفس نے اس وقت تک گرفتار ہونے والوں کی رپورٹ شائع کی جو ذیل میں درج ہے۔

صوبہ پنجاب	تین ہزار گرفتار، پینتالیس نظر بند
صوبہ یوپی	ایک ہزار گرفتار
شمالی مغربی سرحدی صوبہ	ایک ہزار گرفتار، دس نظر بند
صوبہ بنگال	پانچ سو گرفتار
صوبہ بمبئی	ایک ہزار گرفتار
صوبہ بہار	ایک ہزار گرفتار

ان میں اکثر احرار کارکنوں اور لیڈروں کو دو سال سے پانچ سال تک قید کی سزائیں ہو چکی ہیں انہی دنوں پنجاب میں مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر ان دفعات ۳۰۲، ۱۱۷، ۱۲۴، اور ۳۵۳ کے تحت مقدمات چل رہے تھے، ۸ر ستمبر کو انہیں ضلع مظفر گڑھ سے گرفتار کیا گیا تھا اور وہ گجرات جیل میں زیر سماعت مقدمات کی کارروائی میں مصروف تھے۔ سر سکندر حیات کی حکومت نے یہ کاروائی اس انتقام پر کی کہ شاہ جی نے ضلع میانوالی کے دیہات میں گھوم کر فوجی بھرتی میں رکاوٹ پیدا کی تھی۔

قرارداد لاہور مارچ ر ۱۹۴۰ء اور ہندوستان کی تقسیم کا پس منظر:

جانباز مرزا تحریر کرتے ہیں: ۱۱ر دسمبر ۱۸۷۷ء کو مسٹر جان برائٹ نے مذکورہ بالا تجویز کو مانچسٹر ے ٹاؤن حال میں انڈین ایسوسی ایشن کے ارکان سے خطاب کرتے ہوئے بھی دہرایا، ڈاکٹر عبدالسلام خورشید ''اپنی کتاب قائداعظم اور پاکستان'' کے صفحہ ۳۰۰ پر ایک اور برطانوی سیاست دان ولفریڈ سکاون بلنٹ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ۱۸۸۳ء میں انہوں نے تجویز پیش کی کہ ؛''شمالی ہند میں مسلمانوں کی حکومت اور جنوبی ہند میں ہندوؤں کی'' دسمبر ۱۸۸۳ء ولفریڈ سکاون بلنٹ نے کلکتہ میں یہ تجویز پیش کی کہ ''اس کے خیال میں شمالی ہند کے تمام صوبوں کو عملی طور پر مسلم حکومت کے تحت دے دیا جائے اور جنوبی ہند کے صوبوں کو ہندو حکومت کے تحت'' اس کے منصوبے میں بہر حال برطانوی حکومت کو ایک نگران حکومت کی حیثیت سے برقرار رہنا تھا، نیز انگریزی افواج کو ہر صوبہ میں مقیم رہنا تھا تا کہ ان صوبوں کو برطانوی حمایت حاصل رہ سکتی، مذکورہ تجویز کنندہ ولفریڈ سکاون بلنٹ نے مذکورہ تجویز اپنی تصنیف'' آئیڈیا ز اباؤٹ انڈیا'' میں پیش کی تھی۔

(ماخوذ: مذکورہ عنوان بالا کاروان احرار ج ۴، ص ۳۴۰ تا ۳۴۴)

سید طفیل احمد منگلوری لکھتے ہیں:

بنگالیوں کی قوت توڑنے کے لئے (وائسرائے ہند) لارڈ کرزن نے دسمبر ۱۹۰۳ء میں اعلان کیا کہ ان کا ارادہ یہ ہے کہ کمشنری چٹا گانگ ڈھاکہ اور میمن سنگھ کو صوبۂ بنگال سے نکال کر آسام میں شامل کر دیا جائے (یعنی ہندو اکثریت ایک طرف اور مسلم اکثریت ایک طرف) اس کے خلاف بنگالیوں نے ہزار ہا جلسے کر ڈالے اور لاکھوں دستخطوں سے عرضداشتیں بھیجیں اور تمام ملک میں ہنگامہ برپا کر دیا۔ اس وقت نواب سلیم اللہ خاں نواب ڈھاکہ نے بھی فرمایا کہ یہ ایک وحشیانہ تجویز ہے۔

(مسلمانوں کا روشن مستقبل: ص ۳۵۸)

قانون دان مسٹر شریف الدین پیرزادہ لکھتے ہیں:

۱۹۰۵ء میں بنگال کا صوبہ دو الگ الگ صوبوں میں تقسیم کر دیا گیا، بنگال کی تقسیم مشرقی بنگال کے علاقے میں ایک مسلم ریاست کو تشکیل دینے کی ایک کوشش تھی، فروری ۱۹۰۴ء میں لارڈ کرزن بنگال کے مشرقی علاقے کے دورے پر گئے اور وہاں مقامی مسلمان عمائدین سے اپنی طویل گفتگو کے تمام مرحلوں پر صلاح مشورے کئے لارڈ کرزن نے انہیں بتایا کہ بنگال کو تقسیم کرنے سے ان کا مقصد نہ صرف بنگال کی انتظامیہ کا بوجھ ہلکا کرنا ہے بلکہ اس کا ایک مقصد مسلمانوں کے ایک ایسے صوبے کی تشکیل بھی ہے جہاں اسلام کا غلبہ ہو۔

(ماخوذ: پاکستان منزل بہ منزل، ص ۹۴ تا ۹۶)

۱۹۰۶ء میں انگریزوں نے مسلم لیگ قائم کرائی:

سید طفیل احمد منگلوری لکھتے ہیں؛

مسلم لیگ قائم ہونے کی خبر جب انگلستان پہنچی تو وہاں کے مشہور اخبار ٹائمز نے بقول سر سید رضا علی پریسیڈنٹ مسلم لیگ اجلاس بمبئی ''اس بات پر بغلیں بجائیں کہ مسلمانوں کی ایک مضبوط سیاسی جماعت قائم ہو جانے سے اب ہندوستان میں صلح نہ رہے گی''۔

(بحوالہ خطبہ صدارت مسلم لیگ منعقدہ دسمبر ۱۹۲۴ء بمقام بمبئی، ماخوذ: روشن مستقبل، ص ۳۷۰)

ایس ایم شاہد لکھتے ہیں:

۱۹۰۹ء میں اصلاحات رائج کی گئیں ان میں جداگانہ انتخاب کا اصول شامل کرلیا گیا مسلمان اور ہندو ووٹروں کے نام علیحدہ علیحدہ رجسٹروں میں درج کئے گئے اور دونوں قوموں کے علیحدہ علیحدہ انتخابی حلقے بنائے گئے یہ طریقہ انتخاب برطانوی دورحکومت کے آخر تک جاری رہا۔ (تعبیر پاکستان ص ۳۲۱)

پروفیسر عبداللہ ملک لکھتے ہیں:

جداگانہ انتخاب سے مراد انتخاب کا وہ طریقہ ہے جس میں کسی مذہبی اقلیت (یعنی کم تعداد) کو اپنی آبادی کے مطابق اس طرح نمائندگی مل جاتی ہے کہ وہ اپنے نمائندوں کا انتخاب صرف اپنے ووٹوں سے کرتی ہے اور اس کے لئے جداگانہ انتخابی حلقے بنائے جاتے ہیں، چودھری خلیق الزماں جداگانہ انتخاب کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جداگانہ انتخاب میں مسلمانوں کی الگ فہرستیں تیار ہوئیں، جس نے مسلمان ووٹروں کو اکثریت (یعنی ہندوؤں کے) اثر ورسوخ کے امکان سے مکمل طور پر محفوظ رکھا، اقلیت کے مفادات کی حفاظت کا یہ نظام اس وقت کسی بھی ملک کے نمائندگی کے جمہوری نظام میں انوکھا تھا اور اس کو کوئی جانتا نہ تھا۔۔۔الخ۔ (ماخوذ: تحریک پاکستان، ص ۱۹۸)

یوں سمجھو کہ ۱۹۰۹ء ہی میں برطانوی گورنمنٹ نے ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں کو قانونی طور پر علیحدہ کردیا یعنی آگے چل کر جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں صرف مسلمان حکومت بنائیں گے اور جن صوبوں میں ہندوؤں کی اکثریت ہے وہاں صرف ہندو حکومت بنائیں گے، گورنر انگریز ہوں گے جیسا کہ ۱۹۳۷ء میں ہوا، پنجاب میں سکندر حیات خاں نے اور سندھ میں غلام حسین ہدایت اللہ نے اور صوبہ سرحد میں خان عبدالقیوم خان نے وزارتیں بنائیں۔

معروف قانون دان مسٹر شریف الدین پیرزادہ لکھتے ہیں؛

۱۹۳۰ء سے لندن میں گول میز کانفرنس کا ایک سلسلہ شروع ہوا تا کہ ہندوستان کے لئے ایک نیا دستور واضح کیا جائے ان کانفرنسوں میں (جو انگریزوں کو منظور تھے۔ساجد) تمام فرقوں اور جماعتوں کے مندوبین مدعو کئے گئے۔

پاکستان کی اسکیم کی تبلیغ کے لئے (لندن کے زیرسایہ۔ساجد) جو مہم شروع کی گئی تھی اس کے نتیجہ میں (برطانوی) جائنٹ پارلیمنٹری سلیکٹ کمیٹی نے اس کی طرف توجہ دی اور یکم اگست ۱۹۳۳ء کو پاکستان کے بارے میں اس مسلم وفد سے استفسارات کئے گئے۔

سوال نمبر: ۹۵۹ سر ریجنالڈ کریڈ ڈرک:

مجھے خوشی ہوگی اگر مندوبین میں سے کوئی صاحب یا معزز گواہوں میں سے کوئی صاحب میرے اس سوال کا جواب دینا گوارا فرمائیں کہ کیا وہ مجھے بتائیں گے کہ آیا پاکستان کے نام کے تحت صوبوں کے وفاق کی کوئی تجویز ہے۔

جواب: عبداللہ یوسف سی، بی، ای

جہاں تک مجھے علم ہے یہ ایک طالب علم کی اسکیم ہے کسی ذمہ دار فرد نے اس کو پیش نہیں کیا ہے۔

سوال: ہندوستان میں وہ لوگ تو اب تک نہیں لیکن جیسا کہ آپ کا کہنا ہے آپ لوگ بڑی تیزی سے آگے بڑھتے ہیں، اور یہ ہوسکتا ہے کہ جب یہ طالب علم بڑے ہوجائیں تو یہ اسکیم پیش کی جائے۔۔۔الخ (تفصیل پیچھے گذر چکی)

مسلم لیگ چودھری خلیق الزماں لکھتے ہیں:

میری کتاب ''پاتھ وے ٹو پاکستان''، ستمبر ۱۹۶۱ء میں شائع ہوگئی تھی، مگر اس میں بہت سا مواد چھپنے سے رہ گیا، کچھ خطوط چھپنے سے رہ گئے، وہ جہاں کہیں ممکن ہوا، اردو متن ''شاہراہ پاکستان'' میں شامل کر دیئے گئے، انگریزی کتاب پر ہندوستانی اخبارات میں جو تبصرے چھپے اور مجھ تک پہنچے ان سے بہت کچھ میری تشفی ہوگئی چنانچہ چودھری صاحب شاہراہ پاکستان میں لکھتے ہیں:

یہ کتاب اکثر مقامات پر ہم کو (یعنی ہندوستانی صحافیوں کو۔ساجد) حیرت میں ڈال دیتی ہے کیونکہ اس کے مطالعہ سے ہم کو علم ہوتا ہے کہ تحریکِ پاکستان میں بہت سے بڑے بڑے انگریز افسروں کی ہمدردی نظر آتی ہے، بلکہ انہوں نے عملی طور پر اس تحریک کو فائدہ پہنچانے میں حصہ لیا۔ (ص ۲۹)

جانباز مرزا شاہراہ پاکستان: ص، ۷۸۹ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

عین انہی دنوں جب مسلم لیگ کا دہلی میں اجلاس ہو رہا تھا تو میٹنگ میں شمولیت سر سکندر حیات اور فضل الحق نے وائسرائے سے ملنے کی خواہش کی چنانچہ انہیں فوراً بلایا گیا، وائسرائے سے ملاقات کے بعد جب وہ میٹنگ میں پہنچے تو انہوں نے میٹنگ کو مطلع کیا کہ وائسرائے خود مسلم لیگ کے نقطۂ نظر کو برٹش گورنمنٹ کے سامنے حتی المقدور پیش کرتے رہے ہیں مگر وہ (وائسرائے) کہتے ہیں کہ مسلم لیگ اس میں کچھ نہیں کرتی۔

چنانچہ ان دونوں صاحبان نے تجویز پیش کی کہ مسلم لیگ اپنا ڈیپوٹیشن جلد لندن بھیجے، اس پر مسٹر جناح نے کہا کہ اگر خلیق جانے کو تیار ہو تو مجھے کوئی اعتراض نہیں، چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق ۴؍فروری کو مسلم لیگ کے اجلاس میں حسب ذیل تجویز پاس ہوئی، جو مسلم لیگ کی کارروائی میں تجویز نمبر ۶ پر درج ہے، قرار پایا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کا ایک وفد مسٹر فضل الحق، خواجہ سر ناظم الدین سر سکندر حیات اور چودھری خلیق الزماں پر مشتمل جس قدر جلد ممکن ہو ولایت جائے، اس غرض سے کہ وہ برٹش گورنمنٹ اور وہاں کے عوام کو مسلمانوں کے نظریات سے مطلع کرے۔۔۔الخ۔

(ماخوذ: کاروان احرار، ص، ۲۷۳، ۲۷۴)

برطانوی حمایت کا اعتراف:

چودھری صاحب نے مطالبہ تقسیم کے سلسلے میں برطانوی حمایت کا کھل کر اعتراف کیا ہے کرنل میو ہیڈ انڈر سکریٹری حکومت ہندوستان نے ان سے لندن میں کہا تھا کہ حکومت برطانیہ تقسیم کے مطالبہ کو متبادل طریقہ سمجھتی ہے اور انہیں لارڈ زٹلینڈ سکریٹری آف اسٹیٹ سے ملنے کا مشورہ دیا تھا، ہندوستان واپس آنے پر انہوں نے جناح صاحب کو اس گفتگو سے آگاہ کیا جو ان میں اور کرنل میو رہیڈ میں ہوئی تھی اور ان پر ظاہر کر دیا تھا کہ آخرالامر حکومت برطانیہ تقسیم منظور کر لے گی۔

لندن سے حمایت کا اشارہ ملتے ہی مسلم لیگ نے مطالبہ تقسیم میں جد و جہد شروع کر دی یہ گویا دوسرے حکم کی تعمیل تھی، پہلا حکم اس وقت ملا تھا جب ۱۹۰۵ء میں مسلمانوں کے وفد نے وائسرائے سے ملاقات کی تھی اور جداگانہ انتخابات اور تناسب وتحفظ کا مطالبہ کیا گیا تھا، یہ سب کچھ مسٹر آرچیبالڈ پرنسپل علی گڑھ کے ایماء سے کیا گیا تھا۔

(شاہراہ پاکستان:ص۵۱)

اس طرح سامارس جو''یوپی کے گورنر تھے''اس تجویز کے حق میں تھے،ان کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہونا فطری ہے،ایسا کیوں ہے؟اس کے اسباب بالکل واضح ہیں ۱۹۳۵ء کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کا اپنی حکومت سے اعتماد اٹھ گیا تھا وہ اپنی حکومت کے مقاصد سے مطمئن نہ تھے اور وہ یوپی کے مسلمانوں سے کافی ہم دردی رکھتے تھے،بالآخر ۱۹۴۷ء میں ہندوستان سے واپس جانے پر''سر مارس'' نے ان کو لکھا کہ وہ اس بات پر مبارک باد دیں کہ انہوں نے پس پردہ تقسیم ہند کے مسئلہ میں کافی اہم کردار ادا کیا۔

(ص۳۶)

لیکن ۱۹۴۰ء میں (یعنی ۱۷،۱۸،۱۹مارچ کو،جبکہ قرار داد لاہور ۲۳/مارچ کو پاس ہوئی۔ساجد)رام گڑھ کے اجلاس میں کانگریس نے اپنے ایک خاص ریزولوشن میں انگریزوں پر ملک کو تباہ کرنے کے الزام لگانے سے وائسرائے کو ناگواری کا احساس ہوا ،اس نے کانگریس سے کسی قسم کے اتحاد کی کوششوں کو ترک کر دیا اور مسلم لیگ کی طرف متوجہ ہوا مسٹر جناح اندرونی دباؤ کے باعث تقسیم ہند کی تجویز کو قبول کرنے پر مجبور ہو گئے۔انہوں نے تقسیم کے جواز کے لئے ایک نئی تھیوری دوقومی نظریہ ایجاد کی۔۔۔الخ۔

(ماخوذ:شاہراہ پاکستان،ص ۳۷،۳۶)

آل انڈیا مسلم لیگ کا ستائیسواں سالانہ اجلاس اور قرارداد لاہور:

۲۱/مارچ ۱۹۴۰ء کو محمد علی جناح اور سرسکندر حیات پر مشتمل ایک کمیٹی قرار پائی کہ اجلاس میں پیش ہونے والی قرارداد کا مسودہ تیار کرے،جب یہ مکمل ہو چکا (نامعلوم قرارداد کا مسودہ کس نے تیار کیا اس کا جواب آگے چودھری خلیق الزماں کی تحریر میں موجود ہے۔ساجد) تو مجلس عاملہ نے اس مسودہ میں بہت سی ترامیم کر کے اس کا متن کافی حد تبدیل کر دیا،۲۲/مارچ دن کے گیارہ بجے اس قرارداد پر ۳بار بحث ہوئی جو قریباً سات گھنٹے جاری رہی ۲۲/تاریخ رات مسلم لیگ کا ستائیسواں سالانہ اجلاس شروع ہوا،جس میں صدر استقبالیہ کے بعد مسٹر محمد علی نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا:

ہندو قوم اور مسلمان قوم کے بنیادی اختلافات کو محض وہم وگمان بتانا ہندوستان کی تاریخ کو جھٹلانے کے برابر ہے،ایک ہزار سال تک ایک ہی خطے میں آباد رہنے کے باوجود ان کے اختلافات اسی پرانی شدت کے ساتھ موجود ہیں،اس لئے یہ سمجھنا سراسر غلطی ہے کہ اگر اس ملک پر ایک آئین ٹھونس دیا گیا تو ہندو اور مسلمان ایک قوم بن جائیں گے،جو کام انگریز کی ڈیڑھ سو سالہ حکومت نہ کر سکی وہ اب کیسے ہو سکے گا؟ ہندوستان کا مسئلہ دو فرقوں کا مسئلہ نہیں،دو قوموں کا مسئلہ ہے،جب تک اسے بین الاقوامی مسئلے کے طور پر حل نہیں کیا جائے گا،یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا،اگر برطانوی حکومت اس بارے میں واقعی مخلص ہے کہ برصغیر کی عوام کو امن بھی حاصل ہو اور خوشی بھی،تو اس کے سامنے ایک ہی راستہ ہے کہ ہندوستان کو خود مختار قومی مملکتوں میں تقسیم کر دے اور اس طرح بڑی قوموں کو اپنے اپنے قومی وطن بنانے دے۔۔الخ۔

قرارداد:

۲۳/مارچ رات کانفرنس کے آخری اجلاس میں حسبِ ذیل تاریخی قرارداد بنگال کے وزیراعظم اے،کے فضل الحق نے پیش کی؛

۳۔قرار پایا کہ آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کی یہ مسلمہ رائے ہے کہ کوئی آئینی منصوبہ اس ملک میں قابل عمل اور مسلمانوں کے

لئے قابل قبول نہیں ہوگا تاوقتیکہ وہ مندرجہ ذیل بنیادی اصولوں پر وضع نہ کیا گیا ہو یعنی جغرافیائی طور پر متصل وحدتوں کی حد بندی ایسے خطوط پر کی جائے کہ جن علاقوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، مثلاً ہندوستان کے شمالی مغربی اور مشرقی حصے، ان کی تشکیل ایسی آزاد ریاست کی صورت میں کی جائے جن کی شمولاً وحدتیں خودمختار اور مقتدر رہوں، نیز ان وحدتوں اور خطوط میں بھی اقلیتوں کے مذہبی، ثقافتی، سیاسی، انتظامی اور دیگر حقوق ومفادات کا مناسب اور مؤثر حتمی تحفظ ان کے مشورے سے آئین میں صراحت کے ساتھ کیا جائے، مزید برآں یہ اجلاس مجلس عاملہ کو اختیار دیتا ہے کہ وہ ان بنیادی اصولوں کے مطابق آئین کا ایک ایسا منصوبہ مرتب کرے جس کی رو سے مذکورہ علاقوں کو بالآخر کلی اختیارات حاصل ہو جائیں، مثلاً دفاع امور خارجہ، مواصلات، محصولات اور دیگر ایسے امور جو ضروری سمجھے جائیں۔

(منقول از مینار پاکستان لاہور)

مندرجہ بالا قرارداد کی تائید میں چودھری خلیق الزماں یوپی، اورنگزیب خاں سرحد، سردار عبداللہ ہارون سندھ، مولانا ظفر علی خاں، پنجاب نے تقریریں کیں، چودھری خلیق الزماں نے قرارداد لاہور کی تائید کر چکنے کے کئی برس بعد قرارداد کے متعلق اپنی کتاب میں اظہار رائے کرتے ہوئے کہا: پھر میں کہتا ہوں کہ صاف الفاظ میں مدعا بیان کیا جائے کہ مسلم لیگ شمالی مغربی ہند میں پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کے صوبوں کی ایک فیڈرل اسٹیٹ (یعنی وفاقی ریاست) جو کلیۃً خودمختار اور آزاد ہوگی بنانا چاہتی ہے اور اس طرح یہ مطالبہ کرتی ہے کہ مشرقی ہند میں صوبہ بنگال اور آسام کی ایک آزاد اور خودمختار فیڈرل اسٹیٹ قائم کی جائے، مگر حیرت ہے کہ اس ''ریزولیوشن'' میں لفظ صوبہ سے اس قدر احتراز کیا گیا ہے کہ کہیں ایک جگہ بھی یہ لفظ استعمال نہیں کیا گیا۔ (یعنی جو قرارداد پاکستان منظور ہوئی اس میں لفظ صوبہ استعمال نہیں کیا گیا۔ ساجد)

چاروں صوبے شمال مغربی زون کے مسلم صوبے تھے جن میں ہندو اور سکھ اقلیتیں تھیں، مگر کسی حصہ میں ہندو صاحب اقتدار نہ تھے، بلکہ سب میں مسلم اکثریت تھی، ریزولیوشن بنانے والوں کا مقصد رہا ہو یا نہ رہا ہو مگر یہ ہندو انڈیا کو کھلی دعوت تھی کہ وقت آنے پر تم پنجاب کے بٹوارے کا دعویٰ کرنا، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونے والا تھا کہ چار کروڑ مسلم اقلیت ہندوستان میں کروڑہا ہندو اکثریت کے نرغہ میں پھنس جائے اور اسے بھاگ نکلنے کا موقعہ نہ ہو۔

میں آج ۲۶ر برس قبل کے اس ریزیلوشن کے الفاظ کو غور سے پڑھتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ہم چلے تھے کل صوبہ پنجاب کا دعویٰ کرنے اور ہم نے اپنے عرضی دعوے ہی میں پچاس فیصد دعویٰ قلمزد کر دیا، میری وہ رات بڑی بے چینی سے گزری (یعنی جس رات قرارداد کی تائید کی تھی) مگر یہ سوچ کر خاموش رہا، اگر اس وقت میں کوئی صورت اختلاف کی کرتا ہوں تو مجھے کامیابی ہو یا ناکامیابی، بہرنو مسلم لیگ کا نظام یقیناً درہم برہم ہو جائے گا، میں نے بڑی کوشش کی کہ پتہ لگا سکوں کہ تجویز کا مسودہ کس کا ہے، مگر میں آج تک اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا، عبدالرحمن صدیقی نے مجھے یہ کہا کہ انہوں نے سر سکندر حیات سے پوچھا تھا کہ یہ ڈرافٹ کس کا ہے تو انہوں نے جواب دیا:

''یہ تم اپنے صدر اور سیکرٹری سے پوچھو''

بہرنو رحمن کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ ڈرافٹ کسی ہندوستانی کا یا مسلم کا نہیں ہے کیونکہ سارے مسلم لیگ کے ریزولیوشن تو میں رحمن اور نواب اسماعیل خاں تیار کرتے تھے اور مسلم لیگ میں اس وقت ہم لوگوں سے بڑھ کر کوئی اور ڈرافٹ کرنے والے نظر نہیں آتے تھے۔

پاکستان کے تخیل کی تاریخی حیثیت:

۲۳/مارچ کا مسلم لیگ کا ریزولیوشن رات کے گیارہ بجے زوردار شور اور نعروں کے ساتھ منظور ہوا، دن بھر تقاریر میں کسی ایک شخص نے بھی تقسیم کے مطالبہ کو پاکستان کے نام سے یاد نہیں کیا، مگر ہندو پریس نے دوسرے دن بڑے روشن الفاظ میں اس تجویز کا نام پاکستان رکھ دیا، البتہ ۱۹۳۱ء میں لندن سے جو خبریں آئی تھیں ان میں پاکستان کی ایک اسکیم کا ذکر تھا، اب جب کانگریس پریس نے اسے پاکستان کی تجویز کہا تو مسلمانوں پر اس کا رد عمل یہ ہوا کہ وہ اس کو آزاد ملک جیسے افغانستان یا ترکستان یا خود ہندوستان کی قسم کا ایک ملک سمجھنے لگے اور جس تجویز کی تعریف اور حیثیت کو ہمیں کم از کم دو برس مسلم عوام کو سمجھانے میں صرف ہوتے اُسے ہندو پریس نے دو چار دن میں سارے ہندوستان میں مشتہر کر دیا۔

(شاہراہ پاکستان؛ ص، ۷۹۶ تا ۷۹۸، مصنف چودھری خلیق الزماں)

سید طفیل احمد منگلوری لکھتے ہیں:

مسلم لیگ کا ستائیسواں کا اجلاس ۲۲، ۲۳، ۲۴/مارچ ۱۹۴۰ء مسٹر محمد علی جناح مستقل صدر کی صدارت میں بمقام لاہور منعقد ہوا، مسٹر جناح تیسری بار سالانہ اجلاس کے صدر مقرر ہوئے، اس سال کے خطبہ صدارت میں اس بات پر زور دیا گیا کہ ہندو مسلمان دو جداگانہ قومیں ہیں، اس لئے اس ملک کو دو جداگانہ حصوں میں اس طرح تقسیم کر دیا جائے کہ ایک حصہ میں مسلمانوں کی اکثریت ہو اور دوسرے حصہ میں ہندوؤں کی اکثریت ہو یہ دونوں ریاستیں بالکل خود مختار ایک دوسرے سے غیر متعلق ہوں اور ہندوستان میں کوئی وفاقی اور مرکزی حکومت نہ ہو، اس مضمون کا ایک رزولیوشن اجلاس میں پیش ہو کر پاس ہوا، یہ اجلاس مجمع کے اعتبار سے نہایت کامیاب رہا، مگر نوعیت کے اعتبار سے ہندوستان کے تمام سیاسی جلسوں سے اس وجہ سے مختلف تھا کہ اس میں یورپ کو موجود (جاری عالمی) جنگ اور انگلستان اور ہندوستان کے باہمی سمجھوتہ کا یا ہندوستان کی آزادی کا کوئی تذکرہ نہ تھا، جب کہ احرار ملک کی آزادی کے لئے جیلوں میں جا رہے تھے اور فارورڈ بلاک اور کانگریس، سول نافرمانی کر رہی تھی، مسلم لیگ نے مسٹر جناح کی قیادت میں ہندوستان کو مسلم اور غیر مسلم طبقوں میں تقسیم کرانے کا نظریہ پیش کر کے ملک کو حیرت میں ڈال دیا۔

بالخصوص اس وجہ سے کہ ۱۹۱۶ء میں خود مسٹر جناح نے کانگریس اور مسلم لیگ کے سمجھوتہ کے وقت پنجاب اور بنگال کی کونسلوں میں مسلم ممبروں کی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کرا دیا تھا (یعنی پنجاب میں مسلم آبادی ۵۵ فی صد تھی مگر ممبران کونسل صرف ۴۵ فی صد رکھے گئے، بنگال میں مسلم آبادی ۵۳ فی صد تھی مگر ممبران کونسل صرف ۴۰ فی صد رکھے گئے۔) جس کا خمیازہ وہاں کے مسلمان آج تک اٹھا رہے ہیں اور ۱۹۲۹ء میں کلکتہ کے اجلاس کنونشن میں صاف اور واضح الفاظ میں فرمایا تھا کہ ''امیر لوگوں کو زیادہ امیر بنایا جائے (یعنی جن مسلم صوبوں میں مسلم اکثریت ہے وہاں مسلم اکثریت کم کر دی جائے۔کیوں؟ وہ اس لئے کہ۔ساجد) بہتر ہو گا کہ مسلم اقلیت کے صوبوں میں مسلمان ممبروں کی تعداد اور زیادہ بڑھا دی جائے'' اس سے اگلے سال ۱۹۳۰ء کے اجلاس مسلم لیگ الہ آباد میں ڈاکٹر سر محمد اقبال نے مسلمانوں کے لئے جداگانہ اکثریت کے صوبوں کا نظریہ پیش کیا (یعنی میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے، خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرے یا باہر رہ کر۔(ماخوذ:

کاروان احرار؛ص،۳۲۱ ج۶ مصنف) مگر مسٹر جناح نے اس طرف توجہ نہ فرمائی (وہ اس لئے کہ اس وقت تجویز کی تقسیم ایک مسلمان کی تھی اب تقسیم کی تجویز بقول چودھری خلیق انگریزوں کے اشارہ سے تھی اور اس وقت ہندو اور محمد علی جناح ایک تھے اور اب ہندو مسلمان دو علیحدہ قومیں ہیں۔مصنف)

البتہ ۱۹۴۰ء میں تمام درمیانی منزلوں کو چھوڑ کر (یعنی مسٹر جناح کے جو نظریات پہلے تھے ان پر پانی پھیر کر۔ساجد) ہندوستان میں دو مختلف قوموں کے وجود کی بنا پر دفعتاً جداگانہ مسلم حکومت کا نظریہ پیش کر دیا۔۔الخ۔

(ماخوذ: مسلمانوں کا روشن مستقبل؛ص،۴۶۰،۴۶۱)

مقدمہ نمبر ۴ مختلف حالات و واقعات

محمد فاروق قریشی اپنی تصنیف ''قوم پرست مسلمانوں کی سیاست'' میں لکھتے ہیں:

برطانوی سرکار نے اپنے مقاصد کیلئے ہندوستان کی افرادی قوت اور وسائل کو (عالمی) جنگ میں بے دریغ جھونک دیا کانگریس کو اس پر شدید اعتراض تھا کہ ہندوستان کے عوام کی رائے معلوم کیے بغیر حکومت نے یہ قدم اٹھا کر اہل ہند کا استحصال کیا ہے چنانچہ اس بنا پر کانگریس کی آٹھ صوبوں کی حکومتوں نے استعفے دے دیئے تھے، پنجاب اور بنگال کی نیم مسلم لیگی حکومتیں اور مسلم لیگ جنگ کی مساعی میں حکومت کا ہاتھ بٹا رہی تھی ۔(ص،۱۷۷) ۱۴؍جولائی کو ورکنگ کمیٹی نے ایک طویل ریزولیوشن منظور کیا، یہی ریزولیوشن بعد میں ''ہندوستان چھوڑ دو'' کے نام سے مشہور ہوا۔(ص،۲۱۲) ریزولیوشن شائع ہوا تو ملک میں بجلی کی ایک لہر دوڑ گئی، اس کا عام تاثر یہی قائم ہوا کہ کانگریس ہندوستان سے برطانوی اقتدار کے خاتمہ کے لئے تحریک شروع کرنے والی ہے ۔(ص،۲۱۳) دوسری طرف حکومت کانگریس کی جانب سے مجوزہ تحریک کا مقابلہ کرنے کی تیاریوں سے غافل نہ تھی گاندھی جی کو اس کا اندازہ ہی نہیں تھا۔(ص،۲۱۴) مسلم لیگ نے ''ہندوستان چھوڑ دو'' تحریک کو بغاوت قرار دیا۔(ص،۲۲۰) ۱۹۴۲ء میں کانگریس نے نعرہ لگایا کہ ہندوستان سے نکل جاؤ، انگریزوں نے کہا جیلوں میں چلو، تین برس جیل کی مصیبتیں کاٹیں ۔(ماخوذ: کاروانِ احرار ج۷ ص ۲۳۷) درباری ملا پہلے ہی سے پندرہ روپے ماہوار یعنی آٹھ آنے یومیہ پر خدائی خدمت گاروں کے پیچھے لگے ہوئے تھے، سر جارج کنگھم گورنر سرحد نے اپنی یادداشتوں میں سب کچھ لکھ دیا ہے ۔(ص،۲۲۱) لیکن علمائے حق کی آزادی خواہ جماعت جمعیت العلماء ہند اس کربلا میں بھی اپنی تاریخ اور روایات کے مطابق سربکف کھڑی تھی ۔مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کو ۲۵؍جون ۴۲ کو گرفتار کرلیا گیا ان کے علاوہ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا نورالدین بہاری، مولانا عبدالماجد، مولانا مفتی محمد نعیم لدھیانوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی، مولانا محمد اسماعیل سلفی وغیرہ کے علاوہ سینکڑوں اکابر کو نظر بند کر دیا گیا۔(ص،۲۲۲)

قاضی محمد زاہد الحسینی لکھتے ہیں:

سیاسی تحریک اور آزادی کی جدوجہد شباب پر تھی، برطانیہ کے قدم ڈگمگا رہے تھے، باہر سے جرمنی اور ہٹلر کا ریلا بڑھتا ہی آرہا تھا، جاپان آندھی طوفان کی طرح چڑھتا آرہا تھا اور ملک کے اندر مہینوں سے بغاوت کی تیاریاں تیزی پر تھیں، عوام نے اعلان کر دیا تھا کہ مکمل اور غیر مشروط آزادی سے کم کسی قیمت پر ہندوستان جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے، ان حالات سے گھبرا کر گورنمنٹ نے ملک کے لیڈروں کی گرفتاری

شروع کردی تھی، اس ضمن میں مہینوں سے حضرت سید حسین احمد مدنیؒ کی گرفتاری کی خبریں بھی آرہی تھیں، ۲۴/جون ۱۹۴۲ء کی رات کو ایک بجے صوبہ پنجاب کی ایک اتحاد کانفرنس میں شرکت کے لئے حضرتؒ دیوبند سے جھنگ کے لئے روانہ ہوئے، گاڑی تیسرے اسٹیشن پر پہنچی تھی کہ پولیس آفیسر وارنٹ لئے ہوئے ڈبے میں داخل ہوا اور جب گاڑی چل پڑی تو وارنٹ پیش کردیا، اگلے اسٹیشن پر سہارن پور حضرتؒ کو اتارلیا گیا اور پہلی ٹرین سے مراد آباد پہنچادیا گیا، قصہ مختصر کے ۱۹۴۳ء ختم ہوتے ہوتے ادھر تو کوئٹ انڈیا کی تحریک کمزور پڑنے لگی اور ادھر جنگ کی صورت حالات کے ساتھ ساتھ برطانیہ کی پالیسی بھی بدلنے لگی، اب کانگریس اور سیاسی قیدی آہستہ آہستہ چھوڑنے جانے لگے، ایک دن ۲۶/اگست ۱۹۴۴ء کو اچانک حضرت مدنیؒ کو اطلاع دی گئی کہ آپ کو رہا کردیا گیا ہے اور اب جلد از جلد باہر چلے جائیں، ۶/رمضان المبارک بروز شنبہ تقریباً ۳ بجے دن حکم پہنچا اور تقریباً ۶ بجے شام کو نینی جیل سے باہر آنا ہوا، یہ جگہ شہر آلہ آباد سے تقریباً ۶ میل دور ہے۔

(ماخوذ: سوانح حیات حضرت مدنیؒ ص، ۳۳۲ تا ۳۴۴)

مجلس احرار اور مسلم لیگ

سید طفیل احمد منگلوری راقم طراز ہیں:

مجلس احرار اسلام کا قیام:

مجلس احرار چونکہ اپنے مذہبی اور سیاسی کام کے اعتبار سے جمعیۃ العلماء ہند کے قریب تر ہے، اس لئے اسی سلسلہ میں اُس کا کچھ حال مولانا حبیب الرحمن صاحب کے ایک خطبہ صدارت سے اخذ کرکے درج کیا جاتا ہے جو یہ ہے؛

۱۹۲۸ء میں مولانا شوکت علی (برادر محمد علی جوہر) وغیرہ نے ذاتی ناراضگی کی بنا پر پنجاب خلافت کمیٹی کو غیر آئینی قرار دیا تو اس وقت مولانا ظفر علی خاں، خواجہ عبدالرحمن غازی، چودھری افضل حق، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا محمد داؤد غزنوی، مولانا مظہر علی اظہر، مولوی حبیب الرحمن لدھیانوی و دیگر احباب نے خیال کیا کہ اب مسلمانانِ پنجاب میں کام کرنے کے لئے جماعت احرار کے نام سے ایک باقاعدہ جماعت قائم کی جائے چنانچہ مجلس احرار ۱۹۲۹ء سے قائم کردی گئی تھی، مگر کانگریس کے ساتھ مل کر جنگ آزادی میں کام کرنے کے لئے تمام پروگرام ملتوی کردیا گیا تھا، پھر جب کانگریس اور حکومت کی عارضی صلح ہوئی تو احرار کے نظام کو پنجاب میں پھیلایا، اس مجلس کا پہلا اجلاس ۲۹/دسمبر ۱۹۲۹ء کو لاہور میں بصدارت چودھری افضل حق منعقد ہوا، اور اس میں پہلے صدر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری منتخب ہوئے۔

اس جماعت کے مقاصد کا پتہ اُن کے صدر صاحبان کے اقوال سے بخوبی چل سکتا ہے، مثلاً چودھری افضل حق صاحب مرحوم نے فرمایا؛ "ملک آزاد ہو جس میں غریب آسودہ ہوں۔" مولانا حبیب الرحمن صاحب نے فرمایا؛ سرمایہ دار دائمی عزت اور تمام مسرت کا مالک بن گیا اور مزدور اس کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن گیا، (یہ حالت دور کی جائے) یہی امور مدّنظر رکھ کر جماعت احرار نے غرباء کو ابھارنے کا کام شروع کیا، کشمیر کے مسلمان حد درجہ کے افلاس اور ذلت کی حالت میں تھے، انہیں مصیبت سے نکالنے کے لئے یہ جماعت اکتوبر ۱۹۳۱ء میں کشمیر میں داخل ہوئی اور اپنے ہزاروں والنیٹر جیل میں پہنچائے (خیال رہے کہ کشمیر میں اس وقت انگریز کی حمایت سے ڈوگرہ یعنی سکھ حکومت قائم تھی۔ساجد) اسی طرح "کپورتھلہ" اور سیالکوٹ میں غریب مسلمانوں کے لئے مالی اور جانی قربانیاں دیں اس کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ تین ماہ کے عرصہ میں پنجاب سے پچاس ہزار آدمی جیلوں میں پہنچا دیئے گئے، ۱۹۳۹ء میں جب جرمنی اور اتحادیوں کے

درمیان جنگ چھڑی تو تمام ملک میں چرچا ہوا کہ جب تک کہ برطانیہ ہندوستان کو آزادی دینے کا وعدہ نہ کرے اس کے ساتھ اتحاد عمل نہ کیا جائے مگر سیاسی جماعتوں میں سب سے اول مجلس احرار نے وسط ستمبر میں امرتسر کے جلسہ میں صاف الفاظ میں یہ تجویز پاس کرنے کی جرأت کی کہ موجودہ حالات میں فوجی بھرتی کی مخالفت کی جائے، چنانچہ اس وقت سے جماعت احرار کے لیڈر صوبہ پنجاب میں سینکڑوں کی تعداد میں جیلوں میں گئے۔

جانباز مرزا لکھتے ہیں: کانگریس والوں کو ۱۹۴۲ء میں غصہ آیا، وہ جیلوں میں گئے، مسلم لیگیوں نے انگریزوں سے مل کر وزارتیں چلائیں بھی اور بنائیں بھی، تم نے کانگریس پر کون سا احسان کیا تھا، جو اس سے امیدیں لگائیں تھیں، حکومت نے انہیں جیلوں میں ڈالا اور تم نے حکومت کا پورا پورا ساتھ دیا۔ (ماخوذ: کاروان احرار ج ۶ ص ۲۳۷) اور جناب پروفیسر محمد عبدالملک ایم اے لکھتے ہیں، مسلم لیگی حکومتیں:۔ ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کا حال پوچھنے والا کوئی نہ تھا، لیکن ۱۹۴۳ء تک اس کی پوزیشن میں نمایاں تبدیلی آگئی تھی، اس سال کے وسط میں اس نے صوبہ سرحد، سندھ، بنگال اور آسام میں اپنی وزارتیں تشکیل دے لی تھیں، پنجاب بھی مسلم لیگ کی نمائندگی کرتا تھا، اب مسلم لیگ اس پوزیشن میں تھی کہ دعوی کرسکے کہ صرف وہی سیاسی جماعت ہے جو مسلمانوں کی نمائندگی کرسکتی ہے۔ (ماخوذ: تحریک پاکستان ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء ص، ۴۰۸) خیال رہے کہ ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ مسلم صوبوں میں بری طرح ہار گئی تھی جبکہ کانگریس نے اپنے تمام صوبوں میں حکومتیں بنائیں مگر عالمی جنگ کے چھڑ جانے کی وجہ سے برطانیہ نے ہندوستان سے مشورہ کئے بغیر ہندوستانی وسائل اور افراد جنگ میں جھونک دیئے تو اس پر احتجاجاً کانگریسی حکومتیں مستعفی ہوگئیں، تب مسٹر محمد علی جناح اور مسلم لیگ نے یہ کہہ کر یوم نجات منایا کہ ہندو ظالم حکومتیں ختم ہوگئیں، اور اب جب ملک کی آزادی کی خاطر دوسری جماعتیں اور کانگریس لیڈر جیلوں میں بند ہوگئے تو مسلم لیگ اور مسٹر جناح نے انگریزوں کی خوشامد اور ان سے گٹھ جوڑ کر کے ان مسلمان صوبوں میں اپنی حکومتیں بنوالیں، جہاں مسلم لیگ کو شکست ہوئی تھی اور غیر مسلم لیگی مسلمان حاکم تھے، ملاحظہ فرمائیں مسلم لیگ اور مسلم لیگی حکومتوں کی کہانی مجلس احرار کی زبانی، سید طفیل احمد منگلوری مزید لکھتے ہیں)

مجلس احرار کی پالیسی کی توضیح:

۱۷/ جولائی کی رات شیخوپورہ کے عظیم الشان جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے حضرت مولانا مظہر علی صاحب اظہر جنرل سکریٹری مجلس احرار اسلام ہند نے فرمایا کہ:

میں اپنے مسلم لیگی دوستوں کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ آج مولانا ابو الکلام آزاد اس قدر مجرم کیوں بن گئے، آج کانگریس اس قدر دشمن کیوں ہوگئی؟ کیا آج سے ایک برس قبل سے مسلم لیگ اور کیمونسٹ مل کر حکومت پر یہ زور نہیں دے رہے تھے کہ کانگریس لیڈران کو رہا کرو؟ کیا اپریل ۱۹۴۴ء میں ملک خضر حیات سے جھگڑا ہوجانے کے بعد مسلم لیگ نے کانگریس سے مل کر خضر حیات کی (پنجاب میں) وزارت توڑنے کا اعلان اور پروپیگنڈا نہیں کیا؟ کیا سال سوا سال مسلم لیگ اور کانگریس میں یارانہ گانٹھنے کی تجویزیں نہیں ہوتی رہی؟ کیا بھولا بھائی ڈیسائی سے نواب زادہ لیاقت علی خاں نے سمجھوتہ نہیں کیا تھا؟ اور کیا اس سمجھوتہ کے بعد ہمارے مسلم لیگی دوست یہ نہیں کہتے پھرتے تھے کہ اب مسلم لیگ اور کانگریس میں سمجھوتہ ہوگیا ہے اس لئے خضر حیات کو بستر بوریا لپیٹ لینا چاہیے؟۔ آج یہ سب کچھ بھول کر کانگریس کے خلاف، مولانا ابو الکلام آزاد کے خلاف اور کسی دوسرے کے خلاف زبان طعن و تشنیع دراز ہورہی ہے اگر مسلم لیگ کانگریس

کے ساتھ مل کر خضر حیات کو گرانے کے منصوبے باندھے تو عین اسلام ہے، کیا اس وقت ابوالکلام کانگریس کا قیدی صدر نہ تھا؟ کیا انہیں منصوبوں پر عملی جامہ پہنانے کے لئے کانگریس راہنما کی رہائی کا مطالبہ اسلام دشمن کیمونسٹوں سے مل کر نہ کیا جارہا تھا؟ سال بھر ابوالکلام کی رہائی کا مطالبہ کرتے رہے اوائل جون تک یہ پروپیگنڈا جاری رہا، جب حکومت نے مسلم لیگ کا مطالبہ تسلیم کر کے ابوالکلام کو آزاد کر دیا تو اس کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔

جب ۳ر ستمبر ۱۹۳۹ء کو برطانیہ نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کیا تو ۱۱ر ستمبر کو مجلس احرار نے امرتسر میں قرارداد منظور کر کے کہہ دیا کہ مجلس احرار جنگ میں کسی قسم کی امداد دینے کو تیار نہیں۔ اس جرم کی پاداش میں احرار کارکنوں نے قیدیں کاٹیں، طرح طرح کی مصیبتیں جھیلیں، مولانا گل شیرؒ جیسے مجاہد اور عالم دین سے ۱۸ر سیر روزانہ گندم پسوائی جاتی رہی، شورش کاشمیری کو بے حد تکالیف کا سامنا ہوا، مارنے کے علاوہ اس کے منہ میں پیشاب ڈالا جاتا تھا، پاخانہ اس کی ناک پر باندھ کر اس کی مشکیں کس دی جاتی تھیں تاکہ وہ گندگی کو ہاتھ سے ہٹا نہ سکے، دوسرے کارکنوں کو بھی طرح طرح کی اذیت دی گئی، جب یہ مصائب توڑے جارہے تھے جناح سکندر حیات غضنفر علی، کرامت علی وغیرہ خالص مسلم لیگی حضرات برسرِ اقتدار تھے اور ملک خضر حیات بھی ان کے ہمراہ تھا کوئی قائداعظم بن کر تماشہ دیکھ رہا تھا کوئی وزیراعظم اور پارلیمنٹری سکریٹری بن کر یہ سب کچھ دانستہ کرارہے تھے لیکن جب خضر حیات سے ذاتی جھگڑوں پر ٹکر ہوگئی تو اب نہائے دھوئے ہوئے نیکوکار بن کر ملک کے سامنے آرہے ہیں اور ہمیں یہ بتانا چاہتے ہیں جو کچھ کیا خضر حیات نے ہم نے نہیں کیا، مگر برسرِ اقتدار تم تھے جیل کا محکمہ اور امن عامہ کا محکمہ تمہارے ماتحت تھا، ہمیں علم ہے کہ تم نے سب کچھ دانستہ کرایا۔

مسٹر جناح نے سات برس تک سکندر حیات اور اس کی پارٹی کا ساتھ دیا اور پنجاب کی وزارت مسلم لیگی رہی، غضنفر علی نے پنجاب اسمبلی میں فرمایا تھا کہ سر سکندر خالص مسلم لیگی تھا، اس لئے ہم اس کے ساتھ تھے، کیا میں دریافت کرسکتا ہوں کہ خالص مسلم لیگی وزیراعظم نے اور اس کی خالص مسلم لیگ وزارت نے احرار کے ساتھ جیلوں میں کیا سلوک کیا (خیال رہے کہ اس دور میں صوبے کا منسٹر وزیراعظم کہلاتا تھا۔ ساجد) خاکساروں پر کیا کیا مصیبتیں توڑی گئیں، جب لاہور میں ہیرا منڈی میں گولی چلی تو کیا کچھ خون ناحق بہا، جب حکومت نے پنجاب کے چیف جسٹس سر ڈگلس نیک اور یوپی کے سابق جج ہائی کورٹ سر نعمت اللہ پر مشتمل ایک تحقیقاتی کمیٹی بٹھائی تو کیا مسٹر جناح نے اتنی تکلیف بھی گوارا فرمائی کہ وہ سر سکندر حیات سے کہہ کر اس کمیٹی کی رپورٹ تو شائع کراتے، خالص مسلم لیگی وزارت چلتی رہی لیکن کسی نے نہ پوچھا کہ مسلمانوں پر کیا بیت رہی ہے، یوپی میں کانگریسی وزارت کے عہد میں بلند شہر میں چند آدمیوں پر گولی چلی تو ہندوستان میں طوفان برپا ہوا، مگر پنجاب میں اس سے ہزار گنا ستم ڈھایا گیا تو قائداعظم سے لیکر نیچے تک سب خاموش رہے اور سکندر حیات کے دست بازو بنے رہے۔

جو پارٹی آج ابوالکلام اور مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو بے ایمان کہہ رہی ہے اس نے کبھی سوچا کہ آزاد کو جیل سے شملہ کی اس چوٹی پر کس نے پہنچایا، کیا اس نے ابوالکلام کی رہائی کے لئے تار نہیں دیئے تھے؟ جب اپنی ضرورت ہو تو ایک چیز حلال قرار دی جاتی ہے اور جب ضرورت اس کا رُخ پلٹے تو اسے حرام قرار دیا جاتا ہے۔ پچھلے سال سے کیمونسٹوں اور کانگریسیوں سے مل کر مسلم لیگ نے کانگریسی لیڈروں کی رہائی کا وسیع پروپیگنڈا کیا اور خضر حیات کو شکست دینے کے لئے پنجاب میں کانگریس اور مسلم لیگ کا متحدہ محاذ قائم ہوا، کیا اس وقت کانگریس میں ہندو نہیں تھے؟ یا اس کا صدر ابوالکلام نہیں تھا؟ کیا کانگریسی ہندوؤں نے اس وقت کلمہ توحید تلاوت فرمایا تھا؟ اور ابو

الکلام کا ایمان اس وقت قابل اعتراض نہ تھا؟

جن لوگوں نے خضر وزارت کو مجلس احرار کو اور دیگر مسلمان جماعتوں کو ختم کرنے کے لئے ایک سال سے زائد کانگریس سے اتحاد کیا اور سارے ہندوستان میں کانگریس کا ساتھ دینے کی کوشش کی تاکہ ہر جگہ وزارتیں ہاتھ آجائیں ان کے لئے سوچنے کا مقام ہے کہ وہ کیا کررہے ہیں؟ ایک طرف تو کانگریس کو ہندو جماعت کہہ کر اس کے خلاف جنگ لڑ رہے ہیں اور دوسری طرف مسلمانوں کی جماعتوں کو تباہ کرنے کے لئے اس سے اتحاد بھی کررہے ہیں۔آخر دورُخی پالیسی کی قلعی کھل گئی ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔جو دوست پاکستان لینا چاہتے ہیں میں ان سے پوچھتا ہوں کے تم نے لینا تو پاکستان ہے مگر کس سے؟ ہندو سے یا سکھ سے یا انگریز سے؟ دو سال ہوئے لارڈ لن لتھگو اور لارڈ ویول نے کہہ دیا کہ ہندوستان کا آئندہ آئین وفاقی ہوگا یعنی پاکستان نہیں بنے گا، جب انگریز نے یہ کیا تو کیا تمہیں ان پر غصہ آیا ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔میں اپنے مسلم لیگی دوستوں کو یاد دلانا چاہتا ہوں کہ انگریزوں نے ان کو اور ان کے قائداعظم کو پانچ صوبوں میں وزارتیں بنا کردیں (حالانکہ مسلم لیگ شکست خوردہ تھی۔ساجد) مگر انہوں نے آپس میں لڑ کر ہر جگہ انگریز کی محنت کو بھی برباد کر دیا بنگال میں فضل حق سے لڑے اور وزارت تڑوا کر بیٹھے ہیں، پنجاب میں خضر سے لڑے اور وزارت سے جواب لے لیا، سرحد میں باہم لڑے اور کانگریس نے وزارت بنادی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سندھ اور آسام میں برائے نام مسلم لیگی وزارتیں ہیں، جو کانگریس سے یہ وعدہ کر کے کام چلا رہی ہیں کہ اس کے پروگرام کے خلاف کچھ نہ کیا جائے گا، گاندھی کے پاس وہ وزیر تھے جنہیں کہا کہ وزارت چھوڑ دو تو چھوڑ گئے اور کہا جیل چلو تو سیدھا جیل کا رخ کیا، کیا تمہارے پاس ایسے وزیر ہیں؟ اگر نہیں تو گردن کو اس قدر اکڑانے کی بجائے جھکاؤ۔۔۔۔۔۔

مجلس احرار نے کشمیر میں چالیس ہزار بہادر جیلوں میں بھجوائے، مگر ہم خود آگے لگے، ہم نے یہ کبھی نہیں کیا کہ لوگوں کو گولی کے آگے کردیں اور خود گھر میں بیٹھے رہیں چھ مہینے میں مجلس احرار نے عظیم الشان کام کیا، کشمیر میں مسجدیں مل گئیں، ٹیکس کم ہوئے میونسپلٹیوں، مدرسوں، ملازمتوں وغیرہ میں بہتر حصہ ملا، اسمبلی قائم ہوئی، کوہالہ سے لے کر تبت تک ملکیت کے حقوق سب ملک کو مل گئے، حالانکہ پہلے سب ملکیت راجہ کے نام ہوتی تھی، مزارعہ مالک بن گئے، مگر تم نے پندرہ برس میں فقط اسی بے نظیر قوت کو ختم کرنے کی سوچی۔۔۔الخ

(ماخوذ: مسلمانوں کا روشن مستقبل؛ ص ۵۲۷ تا ۵۵۰)

مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات زندگی:

پیدائش:

آپ کی پیدائش ۱۲۹۶ھ ماہ شوال کی انیسویں تاریخ شب میں گیارہ بجے بہ حساب ۱۸۷۹ء کو ہوئی، صفر ۱۳۰۹ھ سے شعبان ۱۳۱۶ھ تک دیوبند میں قیام رہا۔اگرچہ آپ فراغت کے بعد اپنے والد ماجد نور اللہ مرقدہٗ کے ہمراہ مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے (کیونکہ آپ کے والد ماجد اور خاندان نے ہمیشہ کے لئے مدینہ منورہ ہی میں رہائش رکھ لی تھی) اور مدرسہ کا جلسہ دستار بندی بھی نہ ہوا تھا مگر ۱۹۱۰ء، ۱۳۲۸ھ مدرسہ کی طرف سے جلسہ دستار بندی کا اعلان کر دیا گیا، جب کہ آپ کچھ عرصہ کے لئے دار العلوم ۱۳۲۷ھ میں تشریف لائے۔

تعلیم و تدریس:

حضرت سید حسین احمد مدنیؒ ۱۳۱۶ھ میں جب مدینہ منورہ جانے لگے تو حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا کہ پڑھانا ہرگز نہ چھوڑنا۔

چنانچہ آپ نے اسارت مالٹا ۱۳۳۵ھ تک مسجد نبوی میں تعلیم وتدریس کا مبارک سلسلہ جاری رکھا، اور درمیان میں کچھ عرصہ کے لئے دارالعلوم دیوبند اور گنگوہ شریف حاضری رہی مگر مجموعی طور پر ۱۵ سال تک مسجد نبوی میں آپ کو یہ سعادت حاصل ہوئی جو شاید کسی عجمی (یعنی غیر عربی) عالم کو حاصل ہوئی ہو۔ (اور یہ بھی یاد رہے کہ حضرت مدنی کے آباء واجداد مدینہ منورہ ہی سے آ کر ہندوستان میں آباد ہوئے واللہ اعلم)

اسارت مالٹا:

۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء میں شیخ الہند نے ترکی وزراء انور پاشا اور جمال پاشا سے مدینہ منورہ میں ملاقات کی، ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء میں شریف حسین نے انگریزوں کی سازش سے حجاز پر قبضہ کرلیا۔ حکومت برطانیہ شیخ الہندؒ اور ان کے رفقاء شریف حسین کے ذریعہ گرفتار کرکے جزیرہ مالٹا میں نظر بند کردیا۔ مولانا سید حسین احمد مدنی بھی شیخ الہند کے ہمراہ تھے۔ جنگ عظیم اول نے اتحادیوں کی کامیابی کے بعد سیاسی قیدی رہا کردیئے گئے۔ شیخ الہند بھی مع رفقاء رہا ہوکر ۷ رجون ۱۹۲۰ء کو بمبئی پہنچے۔

حضرت مدنی کی سیاسی سرگرمیاں:

حضرت مدنی جب مالٹا سے رہا ہوکر ہندوستان واپس آئے تو خلافت کمیٹی اور جمعیۃ العلماء ہند کی تشکیل عمل میں آچکی تھی۔ تحریک عدم تعاون جاری تھی۔ اسارت مالٹا اور شیخ الہند کی صحبتوں نے آپ میں سیاسی سمجھ بوجھ پیدا کردی تھی۔ آپ نے ان تحریکات میں عملی حصہ لیا اور ۸ تا ۱۰ ر جولائی ۱۹۲۱ء کو آل انڈیا خلافت کمیٹی کے اجلاس منعقدہ کراچی میں شرکت کی، حکومت نے اس اجلاس کی قرارداد کو غیر قانونی قرار دے دیا اور حضرت مدنی و دیگر علماء کو گرفتار کرلیا (تفصیلات ماقبل میں گزر چکیں) اسیران کراچی کو دو دو سال کی سزا ہوئی۔

تیسری گرفتاری:

دوسری گول میز کانفرنس کی ناکامی کے بعد جمعیۃ العلماء ہند نے تحریک سول نافرمانی کو کامیاب بنانے کے لئے ڈکٹیٹر مقرر کئے، حضرت مدنی دوسرے ڈکٹیٹر تھے، اس وقت آپ سخت علیل تھے، حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو جب اس بات کا علم ہوا تو فرمایا کہ آپ ایسی حالت میں نہ جائیں، مگر حضرت مدنی نے ایسا کرنا گوارا نہ کیا اور باحالت علالت دیوبند سے دہلی روانہ ہوئے، مظفر نگر پر گرفتار کر لیے گئے۔

چوتھی گرفتاری:

۲۳ر تا ۲۵ ر اپریل کو حضرت مدنی کی صدارت میں جمعیۃ العلماء ہند کا ایک جلسہ قصبہ بچھراؤں ضلع مراد آباد میں منعقد ہوا، حکومت نے حضرت مدنی کی یہ تقریر قابل اعتراض سمجھی اور حضرت مدنی کو گرفتار کرلیا۔ (تفصیل گرفتاری و رہائی حسب ماسبق جون ۱۹۴۲ء/ اگست ۱۹۴۴ء) کل مدت قید تقریباً ۸ سال ہے۔

جمعیۃ العلماء ہند کی صدارت اور حضرت مدنی:

حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ ۱۹۳۹ء میں جمعیۃ علماء ہند کے صدر مقرر ہوئے اور اپنی وفات ۱۹۵۷ء تک اس عہدے پر فائز رہے، آپ نے ۱۹۴۰ء میں جمعیۃ علماء ہند کے سالانہ اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے اپنے خطبہ میں برطانوی شہنشاہیت کی ابتداء سے لے

کر ۱۹۴۰ء تک کے حالات پر روشنی ڈالی اور برطانوی ظلم و جور کے واقعات بیان کئے۔

انتخابات ۱۹۴۵ء:

جناب پروفیسر عبداللہ ملک ایم اے لکھتے ہیں:

۱۹۴۵ء کے انتخابات اسلام اور پاکستان کے نام پرلڑے گئے تھے،قائداعظم نے تحریک پاکستان کے مقصد کی تشریح ان الفاظ میں کی تھی: ''مسلمان ایسے پاکستان کا مطالبہ کرتے ہیں جہاں وہ اپنے ضابطہ حیات تہذیبی ارتقاء اور اسلامی قانون کے مطابق حکومت کرسکیں''۔

(ماخوذ:تحریک پاکستان ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء ص ۴۱۴)

ڈاکٹر ایچ بی خاں لکھتے ہیں:

پاکستان اور علماء کی موافقت اور مخالفت:

جمعیۃ علماء ہند اور اس کے ہم نوا علماء کے علاوہ علماء کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جس نے قرارداد پاکستان کی تائید وحمایت کی۔مولانا شبیر احمد عثمانی نے اپنے خطبہ صدارت،صوبہ پنجاب علماء اسلام کانفرنس لاہور منعقدہ ۱۹۴۶ء میں بصراحت بیان کیا کہ ''عام مسلمین نے ایک قطعی فیصلہ کرلیا ہے کہ ہندوستان کے ایک حصہ کو پاکستان بنایا جائے،جو اسلامی ثقافت و دیانت اور سیاست وحکومت کا آزاد مرکز ہو۔''

غرض یہ کہ علماء کا ایک طبقہ تھا،جس میں خصوصاً جمعیۃ علماء(ہند) پیش پیش تھی،جس نے قرارداد پاکستان کی مخالفت کی۔قرارداد پاکستان کے خلاف سب سے پہلی آواز بقول مولانا احمد سعید،مولانا سجاد بہاری کی تھی،یعنی مسلم لیگ کے ریزولیوشن پاس ہونے کے فوراً بعد مولانا سجاد بہاری نے اس کی مخالفت کی اور مسلمانوں کو ان خطرات اور مصائب وآلام کو متحضر (یعنی آگاہ) کردیا جو پاکستان کے دامن میں پوشیدہ تھے،اور جس کو نادان لوگ اپنی کامیابی سمجھ رہے ہیں۔

مولانا نے مزید کہا کہ؛

اقتدار کے بھوکے چونکہ مسلم اقلیت کے صوبوں سے مایوس ہوگئے تھے(یعنی جب کانگریس نے وزارتیں نہ دیں،جیسا کہ پیچھے گزرا۔ساجد)اس لئے یہ قوت واقتدار کے متلاشی،مسلم اکثریت کے صوبوں کو اکھاڑہ بنانا چاہتے ہیں۔

مولانا سید حسین احمد مدنی نے پاکستان اور دوقومی نظریہ کی مخالفت کرتے ہوئے جون ۱۹۴۰ء کو کہا کہ؛ ''مسلمانان ہند کی فلاح اور مستقبل کی آئینی و دستوری حفاظت و بقا اس امر میں مضمر ہے کہ تمام صوبے خودمختار ہوں،مرکز کو صرف وہی اختیارات دیئے جائیں جنہیں تمام صوبے متفقہ طور پر تسلیم کریں۔''علاوہ ازیں مولانا حسین احمد مدنی نے خطبہ صدارت ۲۰ تا ۲۲ مارچ ۱۹۴۲ء میں کہا کہ؛

''مسلم لیگ نے عواقب ونتائج سے گھبرا کر مسلمانوں کی نجات اور خوش عیشی کے لئے صرف یہ راستہ تجویز کیا ہے کہ ہندوستان کی وحدت (یعنی ایک وجود) کو پارہ پارہ کرکے اپنا جداگانہ سیاسی منطقہ(یعنی دائرہ،حلقہ) براہ راست تاج برطانیہ کے ساتھ اپنی قسمت کو وابستہ کردے''(اور جیسا کہ آج کل پاکستانی ریاست امریکہ کی تابعدار ہے۔ساجد)

مولانا مدنی نے کہا کہ؛

”مجوزہ تقسیم نے اس بات پر کوئی روشنی نہیں ڈالی کہ ہندوستان کے ہر صوبے میں مسلمانوں کی آبادی ان کے مذہبی مقدس، شعائر، مساجد، مزارات، علمی ادارے اوقاف وغیرہ اس قدر کثیر تعداد میں موجود ہیں کہ مسلمان کسی حالت میں ان کو نظر انداز نہیں کر سکتے اور تقسیم ہند کی صورت میں ان کا کیا حشر ہوگا۔“

مولانا نے مزید فرمایا کہ:

”اس نظریہ کے ماتحت ہندو منطقے قائم ہو جانے کی صورت میں ہندو منطقوں میں مسلمان جن کی پوزیشن زیادہ سے زیادہ ۱۴ فی صد اور اکثریتی طور پر ۷ یا ۵ فی صد ہوگی، بالکل بے دست و پا اور زندہ درگور ہو جائیں گے۔ (جاری ہے لیکن سید طفیل احمد منگلوری لکھتے ہیں: چنانچہ پاکستان بنانے کے منصوبے کے سلسلہ میں قائد اعظم نے صاف الفاظ میں فرما دیا کہ؛

”وہ اکثریت والے سات کروڑ مسلمانوں کو آزاد کرانے کے لئے دو کروڑ مسلمانوں کی قربانی کی آخری رسم ادا کرنے کو تیار ہیں، سات کروڑ مسلمانوں کی آزادی کی خاطر دو کروڑ مسلمانوں کو کچل جانے دو۔“ (ماخوذ: روشن مستقبل؛ص،۵۹۶)

اور مسلم منطقوں میں غیر مسلم جن کی تعداد ۴۵ فی صد تک ہوگی مسلم حکومت کے لئے وبال جان ہوں گے۔

مولانا نے کہا کہ:

مسلم منطقے ہندو منطقوں کے (یعنی پاکستانی حصوں کو ہندوستانی صوبوں کے۔ساجد) ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں کی تباہی و ہلاکت کی دستاویز پر خود دستخط کر کے اور اپنی جگہ ایسی حکومت جس میں غیر مسلم متعصب مؤثر اقلیتیں ان کے لئے وبال جان ہوں، حاصل کر کے کون سی فلاح و بہبود اور اطمینان و مسرت حاصل کر سکو گے؟۔

اس سلسلے میں مولانا احمد سعید نے اپنے خطبہ صدارت فروری ۱۹۴۶ء میں پاکستان کے مؤقف کے بارے میں ایک سوال کرتے ہوئے مسلم لیگ ہائی کمان سے یہ پوچھا کہ تین کروڑ مسلمان جو پاکستان کے علاوہ ہندوستان میں آباد رہیں گے ان کا کیا ہوگا؟ مولانا نے اپنے خطبہ مذکورہ میں پاکستان کی اسکیم کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کہا کہ؛

یہ اسکیم پہلی مرتبہ ۱۹۲۲ء میں آئی پھر بتدریج یہ ہوتے ہوتے ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ نے قرارداد پاکستان کی شکل میں عوام کے سامنے پیش کی، مولانا نے مسلم لیگ ہائی کمان سے یہ سوال کیا کہ چھ کروڑ مسلمانوں کی آزادی کی خاطر تین کروڑ مسلمان جو اقلیتیں (یعنی ہندوستان) میں آباد رہیں گے ان کا کیا ہوگا؟۔ (تین کروڑ کچل جانے دو۔ساجد)

علاوہ ازیں جمعیۃ علماء ہند کا موقف یہ تھا کہ مسلمان ہندوستان میں صدیوں سے آباد ہیں اور ہر صوبے، ضلع، شہر، قصبے اور قریوں تک میں پھیلے ہوئے ہیں، ان کے مقامات مقدسہ، عبادت گاہیں، دینی اور دنیوی درس گاہیں، غرض ہر چیز غیر مسلم صوبوں میں بہ کثرت موجود ہیں، پاکستان بن جانے کی صورت میں ان تمام یادگاروں اور درس گاہوں کو خیر آباد کہنا پڑے گا، لہٰذا عقلاً اور نقلاً کسی طرح بھی پاکستان بن جانے سے مسلمانان ہند کے مسائل حل نہیں ہونگے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ الجھیں گے۔

مولانا محمد میاں نے ایک بیان مولانا حسین احمد مدنی سے منسوب کیا ہے جو بے حد معنیٰ خیز اور دلچسپ ہے، ان کے بیان کے مطابق مولانا حسین احمد مدنی نے پاکستان کے متعلق اپنے خیالا ت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ؛

”اگر پاکستان کا مطلب اسلامی حکومت علی منہاج النبوت مسلم اکثریت کے صوبوں میں قائم کرنا ہے تو مبارک اسکیم ہے اور اگر

اس کا یہ مطلب نہیں تو یہ اسکیم بزدلانہ ہے اور ڈوائڈ اینڈ رول (Divide & Rule) یعنی تقسیم کے قانون کو تقویت پہنچانا ہے، عرب ممالک کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر کے بانٹا گیا اور یہی امر ہندوستان میں مختلف پیرایوں سے ظاہر ہو رہا ہے۔''

(میں کہتا ہوں کہ محترم محمد علی جناح صاحب کے عمل نے مسلمانوں کو چار ٹکڑوں یعنی مغربی، مشرقی پاکستان و کشمیر اور ہندوستان میں تقسیم کر کے ہندوؤں کے لئے ان کے ہندوستان کو متحد اور ایک مضبوط ملک بنادیا۔ساجد)

مولانا آزاد نے ۱۹۵۷ء میں اپنی کتاب ''ہماری آزادی'' کی تصنیف کے وقت پاکستان کے بارے میں کہا کہ؛''مسٹر جناح اور ان کے ساتھی یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ جغرافیائی (یعنی زمینی یا علاقائی) صورتحال ان کے لئے ناموافق ہے، مسلمان سارے برصغیر میں اس طرح بکھرے ہوئے تھے کہ سمٹے ہوئے (یعنی مکمل ایک) علاقے میں ان کی الگ ریاست بنانا ناممکن تھا۔ مسلمانوں کی اکثریت کے علاقے شمال مشرق اور شمال مغرب میں تھے (یعنی پاکستان اور موجودہ بنگلہ دیش۔ساجد) یہ دونوں علاقے کسی مقام پر بھی ایک دوسرے سے متصل (یعنی ملے ہوئے) نہیں ہیں۔۔۔۔۔۔غرض یہ کہ جمعیۃ علماء ہند کے اکابر اور مولانا آزاد نے برصغیر کے جغرافیائی، تمدنی ولسانی حالات کا جائزہ لیتے ہوئے تقسیم ہند کی مخالفت کی اور ان کی اپنی رائے یہ تھی کہ موجودہ صورت حال میں تقسیم ہند سے مسلمانوں کو کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا بلکہ ان کے نقصانات اور مضار اس کے فوائد سے کہیں زیادہ ہوں گے۔مولانا احمد سعید نے اس بات کا اظہار اپنے خطبہ صدارت ۱۹۴۶ء میں کیا تھا۔

(ماخوذ: عنوان بالا از برصغیر پاک وہند کی سیاست میں علماء کا کردار بیسویں صدی میں ۱۹۴۷ء تک ص، ۳۷۷ تا ۳۸۱، ناشر قومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت پوسٹ بکس نمبر ۱۲۳۰ اسلام آباد ۱۹۸۵ء)

مسلم لیگ کے حق میں بانی دارالعلوم کورنگی کراچی کے جناب حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا فتویٰ

ڈاکٹر ایچ بی خاں لکھتے ہیں؛

اسی دوران میں کچھ دین پسند اور حق گو مسلمانوں نے مسلم لیگ اور کانگریس شرکت کے متعلق شرعی فتوی معلوم کرنے کے لئے مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی سے رجوع کیا۔

مرکزی سوال نمبر ۳ کا جواب حسب ذیل ہے۔

تیسرا سوال مطالبہ پاکستان سے متعلق ہے۔ظاہر بات ہے کہ اگر ہندوستان ایک رہے تو ہندو اکثریت کے سبب پورے ہندوستان پر ہندوؤں کی حکومت ہوگی، گو اس میں بڑی جدوجہد کے بعد کسی حد تک مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ بھی کرلیا جاوے اور یہ امر مسلم ہے کہ اپنے اختیار سے اپنے او پر غیر مسلم حکومت کرنے کا مطالبہ کرنا یا اس کو قبول کرنا کسی طرح جائز نہیں ہوسکتا، اور دو مرکز مسلم اور غیر مسلم ہوجانے کی صورت میں مسلم مرکز میں حکومت مسلمانوں کی ہوگی، جس کے سبب اپنی حدود میں اسلامی احکام کے موافق دستور اور نظام جاری کرنے پر قدرت حاصل ہوگی، نیز یہ با اقتدار حکومت دوسرے صوبوں سے مسلمانوں کے حقوق کی پوری حفاظت اور نگرانی کرسکے گی جو مسلمانوں کی اقلیت زدہ منتشر قوت کے ذریعہ کسی حال متصور نہیں، لہٰذا مسلمانوں کے لئے دو مطالبے ضروری ہیں، ایک اپنے لئے مستقل مرکز کا جس کو پاکستان سے تعبیر کیا جاتا ہے، دوسرے مسلم اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کا، غیر مبہم الفاظ میں مکمل

معاہدہ جس کی نگرانی اسلامی مرکز کے فرائض او راختیارات میں داخل ہو۔

اس تفصیل کے بعد پاکستان کی شرعی حیثیت بالکل واضح ہے کہ ہندوستان جو صدیوں تک دارالسلام رہا ہے اور اب ایک عرصہ سے اس پر غیر مسلم حکومت کا تسلط ہے اور بہت سے خلاف شرع قوانین نافذ ہیں، اور مسلمانوں کے حقوق پامال ہو رہے ہیں لہٰذا مسلمانوں کے ذمہ واجب ہے کہ اس تسلط کے ازالہ یا تقلیل جو صورت جس حصہ ملک میں ممکن ہو کسی تدبیر سے حاصل کر سکیں۔ اس میں کوتاہی نہ کریں کہ یہ بھی استخلاص دارالسلام کی ایک فرد ہے۔ نیز بقیہ حصہ میں وہاں کے مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت کے لئے جدو جہد بھی جاری رہنی چاہیے کہ وہ نصرت المستضعفین میں داخل ہے۔

مذکورہ فتویٰ کا سن فی ایام الحج ۱۳۶۴ھ مطابق نومبر ۱۹۴۵ء ہے جس میں (مفتی) محمد شفیع دیوبندی نے جاری کیا اور مندرجہ ذیل علماء کی تصدیقات ہیں۔

۱۔شبیر احمد عثمانی، دیوبند ۲۔مولانا ظفر احمد تھانوی، ۳۔مولانا سید سلیمان ندوی، ۴۔مولانا جمیل احمد تھانوی، ۵۔مولانا خیر محمد جالندھری۔۔۔الخ۔

(ماخوذ: تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی کردار ص ۱۰۰ تا ۱۰۳، مصنف ایچ بی خاں)

مرکزی اسمبلی کے انتخابات:

ڈاکٹر ایچ، بی، خاں لکھتے ہیں:

مفتی محمد شفیع دیوبندی کے فتوی اور مولانا شبیر احمد عثمانی کی تائید وحمایت اور جمعیت علماء اسلام کی جدو جہد کے نتیجہ میں مرکزی اسمبلی میں مسلم لیگ کو تمام مسلم نشستوں پر کامیابی ہوئی۔ (ص،۱۱۷) آگے لکھتے ہیں:

جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس لاہور:

صوبائی انتخابات کا انعقاد فروری ۱۹۴۶ء میں ہو رہا تھا۔ (الی قولہ) جمعیۃ علماء اسلام نے ۲۵ رتا ۲۷ رجنوری ۱۹۴۶ء لاہور میں ایک کانفرنس منعقد کی اس کانفرنس کا موضوع تھا ''ہمارا پاکستان'' (ص ۱۲۰)

پروفیسر محمد عبداللہ ملک ایم، اے لکھتے ہیں:

۳۔صوبائی انتخابات:

اس کے بعد صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات ہوئے ان میں صوبہ سرحد کے علاوہ ہر ہندو اور مسلمان صوبے میں مسلم لیگ کو شان دار کامیابی حاصل ہوئی۔

(ماخوذ: تحریک پاکستان ۱۸۵۷ تا ۱۹۴۷ ص ۴۱۳)

محمد فاروق قریشی لکھتے ہیں:

انتخابی مہم کے دوران میں مسلم لیگی مقرروں نے انتخابات کو کفر و اسلام کی جنگ بنا کر پیش کیا، ملک کی فضاء اس حد تک کشیدہ بنادی کہ مسلم لیگی غیر مسلم لیگیوں کو مسلمان ہی نہ سمجھتے تھے۔

(ماخوذ: قوم پرست مسلمانوں کی سیاست، ص ۲۵۶)

علماء دارالعلوم دیوبند کے متضاد سیاسی نظریات کی حقیقت:

خیال رہے کہ علماء دیوبند کا سیاسی اختلاف دراصل یہ ایک پوشیدہ امر ربی تھا، کیونکہ ہندوستان کے مسلمان تقریباً برابر تین حصوں میں تقسیم ہو رہے تھے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے علماء کے ایک حلقہ کو متحدہ ہندوستان کا مؤید و حامی بنا کر ہندوستان میں رہنے والے مسلمانوں کی دینی و ملکی ضروریات کا انتظام فرمادیا اور دوسری طرف علماء کے دوسرے حلقہ کو پاکستان کا مؤید و حامی بنا کر پاکستانی مسلمانوں کی دینی و ملکی ضروریات کا انتظام فرمادیا۔ آگے کے حالات کا آپ کو خود بخود اندازہ ہو جائے گا۔ (واللہ اعلم)

۱۹۴۵ء/ ۱۹۴۶ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کامیاب ہوگئی:

پروفیسر محمد عبداللہ ملک لکھتے ہیں؛

مسلم لیگ کے نمائندوں کا کنونشن: ۹/ اپریل ۱۹۴۶ء کو دہلی میں مرکزی اور تمام صوبائی اسمبلیوں کے مسلم لیگی ارکان کا ایک کنونشن ہوا، جس میں پانچ سو سے زائد ممبروں نے شرکت کی، دنیا بھر سے دو سو صحافی بھی اجلاس کی کاروائی دیکھنے آئے تھے، تا کہ عالمی رائے عامہ کو برصغیر کے مسلمانوں کے جذبات سے آگاہ کریں۔ اس اجلاس میں قرارداد لاہور میں ترمیم حسین شہید سہروردی نے پیش کی، جس کے ذریعہ قرارداد لاہور میں لفظ "مملکتوں" کو بدل کر مملکت کیا گیا قرارداد کی تائید چودھری خلیق الزماں نے کی اس کی تائید مزید ملک فیروز خاں نون، چندریگر (ابراہیم، اسماعیل، چندریگر) غلام حسین، ہدایت اللہ اور دوسروں نے کی، سارے برصغیر کے مسلمان منتخب نمائندوں نے ایک مرتبہ پھر اپنا یہ عہد تازہ کیا کہ وہ پاکستان بنا کر ہی دم لیں گے۔

تحریک پاکستان اور بریلوی جماعت:

معارف رضا کے سرپرست بریلوی جماعت کے پروفیسر مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں ۲۴/ جمادی الاولیٰ تا ۲۷/ جمادی الاولیٰ ۱۳۶۵ھ ۲۷/ اپریل تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء بنارس میں آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس منعقد ہوئے ۔۔۔ آل انڈیا سنی کانفرنس میں جو تجاویز منظور ہوئیں ان میں نظریہ پاکستان کی خاص طور پر حمایت کی گئی ہے، چنانچہ ۲۹/ اپریل ۱۹۴۶ء کو بوقت ۹ بجے تا ایک بجے دوپہر باغ فاطمہ میں جو اجلاس ہوا اس میں پاکستان کے بارے میں یہ قرارداد منظور کی گئی؛۔

"آل انڈیا سنی کانفرنس کا یہ اجلاس مطالبہ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہلسنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار رہیں اور یہ اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ ایک ایسی حکومت قائم کریں جو قرآن حکیم اور حدیث نبویہ کی روشنی میں فقہی اصول کے مطابق ہو"

(ماخوذ؛ تحریک آزادی ہند اور سواد اعظم ص ۳۵۲، ۳۵۳ مصنف پروفیسر مسعود احمد)

ملاحظہ فرمائیں بریلوی جماعت کا مختصر پس منظر:

محمد فاروق قریشی لکھتے ہیں؛

یہاں تک بریلوی مکتب فکر کے علماء کا تعلق ہے،علامہ اقبال،مسٹر جناح اور مسلم لیگ کے بارے میں ان کے خیالات اور نظریات کسی سے مخفی نہیں ، بلکہ تاریخ کے اوراق علماء طبقہ بریلوی کے ان (یعنی علامہ اقبال اور مسٹر جناح) کے بارے میں تکفیر (یعنی کفر کے فتوں سے بھرے پڑے ہیں غیر منقسم ہندوستان کے آخری انتخاب اوائل ۱۹۴۶ء میں منعقد ہوئے اس میں مسلم لیگ کو اپنی حریف جماعتوں پر برتری حاصل ہوئی،تو علماء طبقہ بریلوی نے بنارس میں سنی کانفرنس منعقد کر کے مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا۔(یعنی مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان اس وقت کیا جب وہ انتخاب میں کامیاب ہوگئی۔ساجد)

(ماخوذ:قوم پرست مسلمانوں کی سیاست ص،۶۳۳ مصنف محمد فاروق قریشی)

ملاحظہ فرمائیں مسلم لیگ پر کفر کا فتویٰ نمبر (۲):

جواب سوال ہشتم :۔آل انڈیا مظالم لیگ بظلم مسمی بہ مسلم لیگ کے وہ اغراض اصلیہ ومقاصد اساسیہ جن کی حمایت و پابندی کا تحریراً حلفی اقرار کئے بغیر کوئی شخص لیگ کا ممبر نہیں بن سکتا مختصر طور پرحسبِ ذیل ہیں

(۱) ہندوستان میں آزاد جمہوری حکومت قائم کی جائے جس کے ذریعہ سے مسلمان، ہندو، مجوسی،نصرانی،یہودی،سکھ وغیرہ تمام باشندگان ہند کثرت رائے سے ہندوستان میں حکمرانی وفرماں روائی کریں۔

(۲) ہندوستان میں جس قدر مسلمان اور مسلمان کہلانے والے ہیں جیسے مسلمانان اہلسنت ووہابیہ،دیوبندیہ وغیر مقلدین وروافض وخوارج وقادیانیہ وبابیہ وبہائیہ وچکڑالویہ ونیچریہ وگاندھویہ وخاکساریہ کہ سنی مسلمانوں (بریلوی جماعت) کے سوایہ تمام مدعیان اسلام بحکم شریعت مطہرہ کفار ومرتدین ہیں،ان سب کے سیاسی اور مذہبی حقوق ومفاد کو ترقی دی جائے اوران کی حفاظت کی جائے۔

(۳) ہندوستان میں جس قدر کفار ومشرکین ہیں ان سب کے ساتھ مسلمانوں کا اتحاد کرایا جائے۔

(۴) مسلمان کہلانے والے جس قدر فرقے ہیں وہ اگرچہ مبتدعین ومرتدین ہوں ان سب کو مسلمانوں کا بھائی بنادیا جائے۔۔الخ

یہ چاروں مقاصد لیگیہ مشتمل برمحرمات وخباثات ۔۔۔ضلالت وکفریات ہیں ۔۔۔اسی نام نہاد مسلم لیگ نے ۱۲/اپریل ۱۹۳۶ء کو لیگ کے چوبیسویں اجلاس بمقام بمبئی میں جو تجویز منظور کی تھی اس کے مطابق مسٹر جناح نے آل انڈیا مسلم لیگ کی کونسل کے اراکین اور مختلف صوبوں کے نمائندوں کی باہمی مشاورت سے ایک مرکزی پارلیمنٹری بورڈ قائم کیا،مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ نے ایک انتخابی دستور العمل جاری کیا جس کا سب سے پہلا نمبر حسبِ ذیل ہے۔

مسلمانوں کے مذہبی حقوق کی حفاظت ؛ خالص مذہبی امور میں جمعیۃ العلماء ہند اور مجتہدین کرام کی رائے کو خاص وقعت دینی چاہیے ۔۔۔اس عبارت میں مسلم لیگ نے صاف لفظوں میں کھلم کھلا اعلان کردیا کہ خالص مذہبی امور میں وہ وہابیوں دیوبند کے بندوں کی گھڑی ہوئی جمعیۃ العلمائے ہند اور مجتہدین روافض کی رائے کو خاص وقعت دے گی۔(چند صفحات بحث کے بعد آگے لکھتے ہیں۔ساجد)

یہ ہیں لیگ کے ارشادات ان سب کو دیکھنے کے بعد بھی جس کا جی چاہے لیگ کی موافقت کرے جو چاہے مخالفت کرے،ہم اپنا فرض ادا کر چکے،البتہ اتنا کہہ دیتے ہیں کہ کانگریس اور احرار لیگ اور خاکساران چاروں سے دور اور سب بدمذہبوں اور بے دینوں سے

بیزار ونفور رہو۔۔۔۔۔۔اپنا دین وایمان بچانا ہے تو ان چاروں سے بچو (نیز کتاب کے آخری صفحات میں لکھتے ہیں۔ساجد) میں تو لیگیوں اور خاکساریوں کا صاف صاف حکم لکھ چکا ہوں کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ عنایت اللہ مشرقی اور مسٹر محمد علی آغا خانی (یعنی مسٹر جناح) مسلمان ہیں وہ بھی انہی دونوں کی طرح بے ایمان اور مرتد ہے، اور جو شخص ان کو مسلمان نہیں جانتا اور کافر مانتا ہے مگر ان کی جماعتوں میں شریک اور ممبر ہے وہ مرتکب حرام اور اشد فاسق ہے، اہل سنت کو اس سے بھی اجتناب ضروری ہے۔۔۔الخ۔

(ماخوذ: تجانب اہل السنۃ عن اہل الفتنۃ، ص ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۷، ۱۱۸، ۴۷۰)

مصنف مولوی ابو طاہر محمد طیب، حسب فرمائش اراکین جمعیۃ اہل سنت دفتر جماعت مبارکہ اہل سنت محلہ بھورے خاں پیلی بھیت سے شائع ہوا، بریلی الیکٹرک پریس بریلی طبع شد۔

(۱۳۶۱ھ)

تصدیقات:

(۱) مفتی سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی مارہروی مسند نشین سجادہ عالیہ قادریہ برکاتیہ سرکارکلاں مارہرہ مطہرہ ضلع (ایٹہ)

(خیال رہے کہ مارہرہ وہ گدی اور خانقاہ ہے جہاں سے بریلوی جماعت کے امام جناب احمد رضا خاں ریلوی کو پہلے دن اور پہلی حاضری میں خلافت نصیب ہوئی، تو جب اس مبارک گدی سے مسٹر جناح اور مسلم لیگ کے خلاف فتوی صادر ہو گیا تو سمجھو کہ گویا ساری بریلوی جماعت سے فتویٰ صادر ہوا۔ساجد)

(۲) مولانا حافظ قاری حکیم سید شاہ آل مصطفی قادری برکاتی سرکارکلاں مارہری مطہرہ ضلع ایٹہ۔

(۳) مفتی شاہ ابو المساکین محمد ضیاء الدین قادری، رضوی مفتی شہر پیلی بھیت۔

(۴) مفتی شاہ محمد حشمت علی خاں قادری برکاتی رضوی لکھنوی۔

خیال رہے کہ بریلوی جماعت نے مسلم لیگ اور نظریہ پاکستان کی حمایت ۱۳۶۵ھ/اپریل ۱۹۴۶ء میں کی، جبکہ محمد علی جناح پر کفر کا پہلا فتوی ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء میں اس خانقاہ سے لگایا گیا، جہاں سے بریلوی جماعت کے امام مولوی احمد رضا خاں کو ایک ہی دن یعنی پہلی ملاقات ہی میں خلافت نصیب ہوئی، جس کی تفصیل پچھلے صفحات پر گذر چکی ہے، اور کفر کا دوسرا فتوی ۱۳۶۱ھ میں لگا جیسا کہ اوپر مذکور ہے۔

اور آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ مولانا حشمت علی خاں وہ شخصیت ہیں جو مولانا احمد رضا خاں کی موجودگی میں ان کے نائب بن کر مخالفین کے ساتھ مناظرہ کے لئے جاتے تھے۔



{مقدمہ نمبر ۵:انگریز مسلم لیگ اور جناب محمد علی جناح کے فیصلے

{فیصلہ نمبر (۱) مسلم لیگ کا قیام ومقاصد}

۳۰؍دسمبر ۱۹۰۶ء کو نواب وقارالملک کی صدارت میں وہ سیاسی جلسہ منعقد ہوا جس میں آل انڈیا مسلم لیگ قائم ہوئی،نیز مسلم لیگ کے قائم ہونے کی خبر جب انگلستان پہنچی تو وہاں کے مشہور اخبار’’ٹائمز‘‘نے بقول سرسید رضا علی پریسیڈنٹ مسلم لیگ اجلاس بمبئی،اس بات پر بغلیں بجائیں کہ مسلمانوں کی ایک مضبوط سیاسی جماعت قائم ہوجانے سے اب ہندوستان میں صلح نہ رہے گی۔(یعنی ہندو مسلم کی لڑائی اور ملکی تقسیم کی یہ پہلی اینٹ ہے۔ساجد)

{فیصلہ نمبر (۲) جداگانہ انتخاب}

ایس ایم شاہد لکھتے ہیں:

۱۹۰۹ء میں جو اصلاحات رائج کی گئی ان میں جداگانہ انتخاب کا اصول شامل تھا مسلمان اور ہندوؤں کے نام علیحدہ علیحدہ رجسٹروں میں درج کئے گئے اور دونوں قوموں کے علیحدہ علیحدہ انتخابی حلقے بنائے گئے یہ طریقہ انتخاب برطانوی دورحکومت کے آخر تک جاری رہا ۔۔۔۔جداگانہ انتخاب کا حصول مسلمانوں کی تاریخ میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا جو حصول پاکستان کا ذریعہ بنا۔

(ماخوذ:تعبیر پاکستان،ص۳۲۱ناشر ایورنیو بک پیلس سرکلر روڈ اردو بازار لاہور)

پروفیسر عبداللہ ملک لکھتے ہیں:

جداگانہ انتخاب سے مراد انتخاب کا وہ طریقہ ہے جس میں کسی مذہبی اقلیت کو اپنی آبادی کے مطابق اس طرح نمائندگی مل جاتی ہے کہ وہ اپنے نمائندوں کا انتخاب صرف اپنے ووٹروں سے کرتی ہے اور اس کیلئے جداگانہ انتخابی حلقے بنائے جاتے ہیں۔۔۔مسلمان چونکہ برصغیر میں اقلیت میں تھے اس لئے انہوں نے اپنے سیاسی مفادات کے تحفظ کی خاطر یہ مطالبہ کیا۔ص،۱۹۸،(جیسے)

صوبائی کونسل:

یعنی تمام صوبائی قانون ساز کونسلوں میں مسلمانوں کو فرقہ وار بنیاد پر اس طرح نمائندگی دی جائے کہ مسلمان امیدوار کے انتخاب کا حق صرف مسلمان ووٹروں کا حاصل ہو۔

(ماخوذ:تحریک پاکستان ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء ص،۱۹۶،۱۹۸ مصنف پروفیسر عبداللہ ملک)

نتیجہ:ہندو مسلم کی لڑائی اور ملکی تقسیم کی یہ دوسری اینٹ ہے جو انگریز نے رکھی۔

{فیصلہ نمبر (۳) میثاق لکھنؤ ۱۹۱۶ء}

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور دیگر سیاسی لیڈروں کی نظر بندی:

اگست ۱۹۱۴ء میں یورپ میں جنگ عظیم چھڑ جانے سے حکومت نے ضروری سمجھا کہ سیاسی لیڈروں کو نظر بند کردے،مئی ۱۹۱۵ء

میں مولانا شوکت علی اور اس کے بھائی مولانا محمد علی جوہر نظر بند کئے گئے، اور اس کے بعد مولانا ابو الکلام آزاد، اور مولانا سید فضل الحسن حسرت موہانی نظر بند ہوئے، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ نے ریشمی خط کے ذریعہ آزاد مملکت کا خاکہ پیش کیا، اسی مقصد کے لئے آپ حجاز تشریف لے گئے بالآخر آپ معہ اپنے رفقاء کے شریف حسین والی حجاز کے ذریعہ برطانیہ کے ہاتھ لگ گئے اور مالٹا میں قید کر لئے گئے۔

اسی زمانہ میں شیخ الہند کی سیاسی تحریک سے دوسرے درجہ پر مسلم لیگ آئینی طریقہ پر قدم آگے بڑھا رہی تھی۔

کانگریس اور مسلم لیگ میں سمجھوتہ:

پروفیسر عبد اللہ ملک لکھتے ہیں:

ہندو، مسلم اتحاد کی کوشش، قائد اعظم ہندو مسلم اتحاد کے حامی تھے، آئندہ چند برسوں میں آپ کے اس مشن کو قابل ذکر کامیابی حاصل ہوئی، آپ کی کوشش سے دسمبر ۱۹۱۶ء میں میثاق لکھنو ہوا۔ (ص ۴۴۱)

قائد اعظم نے مرکزی قانون ساز کونسل کے ۱۹ ہندو اور مسلمان منتخب ارکان کے تعاون سے ایک اسکیم جو انیس ارکان کی اسکیم کہلاتی ہے، حکومت کو پیش کی اس میں ملک میں آئندہ سیاسی اصلاحات کا خاکہ تجویز کیا گیا۔

صوبائی قانون ساز کونسلوں میں مسلمانوں کی نمائندگی بذریعہ جداگانہ انتخاب مندرجہ ذیل تناسب کے لحاظ سے ہونی چاہیے:

(مثلاً پنجاب کی مسلم آبادی ۵۵ فی صد تھی لیکن منتخب مسلم ارکان کا تناسب ۵۰ فی صد کے حساب سے اور بنگال کی مسلم آبادی ۵۳ فی صد تھی، لیکن منتخب مسلم ارکان کا تناسب ۴۰ فی صد کے حساب سے منظور ہوا۔ ساجد) چودھری خلیق الزماں لکھتے ہیں کہ میثاق لکھنو میں تقسیم کے بیج بوئے گئے، جب مسلمانوں نے ناتجربہ کاری کی وجہ سے پنجاب میں مساوات (یعنی برابری) اور بنگال میں اقلیت (یعنی خود اپنے کو کم کرنے) کی حیثیت قبول کی، اگر سیدھا راستہ اختیار کیا جاتا اور تعداد آبادی کی بنیاد پر نمائندگی کا اصول مانا جاتا تو مسلمان پنجاب اور بنگال کی حکومتوں میں اکثریت سے ابتداء کرتے اور ۱۹۲۴ء کے بعد وہ مسائل پیدا نہ ہوتے جنہوں نے ہندو مسلم تعلقات میں زہر گھول دیا تھا، اس سے ہندوستان کی تقسیم کی بنیاد پڑ گئی، اور جب پاکستان قائم ہوا تو پنجاب اور بنگال کو وسیع علاقوں سے محروم ہونا پڑا، بنگال کے مسلمان لیڈر بھی اس کے مخالف تھے۔۔۔ا۔لخ

(ماخوذ؛ تحریک پاکستان ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء ص ۲۳۰ تا ۲۳۴، مصنف عبد اللہ ملک)

نتیجہ:

آگے چل کر جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی وہاں مسلمان حکومت بنائیں گے اور جن صوبوں میں ہندو اکثریت میں ہوں گے وہاں ہندوؤں کی حکومت ہوگی۔

فیصلہ نمبر (۴) مسلم لیگ اور کانگریس کی لڑائی اور قرارداد لاہور یعنی پاکستان کا مطالبہ

(۱) پروفیسر عبد اللہ ملک لکھتے ہیں:

۱۸/فروری ۱۹۳۵ء کو آپ (یعنی مسٹر جناح) نے دہلی کالج کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ جس قدر جلد ''ہندو مسلم'' اتحاد پیدا ہوگا اتنی ہی جلدی ہم آزادی حاصل کر لیں گے۔

انتخابات ۱۹۳۷ء: اپریل ۱۹۳۶ء میں مسلم لیگ نے ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت ہونے والے انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا، مسلم لیگ کا اس وقت تک مسلمان عوام سے کوئی رابطہ نہ تھا۔آپ کی کوششوں سے جمعیۃ علمائے ہند، مجلس احرار اور قوم پرور مسلمان مسلم لیگ کے ساتھ انتخابات میں تعاون پر تیار ہو گئے، لیکن انتخابات میں مسلم لیگ کی کارگردگی مایوس کن تھی، سوائے بنگال کے مسلم لیگ کو دوسرے مسلم صوبوں میں صرف پنجاب میں دو سیٹیں ملیں ۔۔۔۔سندھ اور صوبہ سرحد میں مسلم لیگ کو ایک بھی سیٹ نہ ملی، البتہ ہندو صوبوں میں مسلم لیگ نے خاصی سیٹیں جیتیں۔۔۔الخ۔

(ماخوذ؛تحریک پاکستان ص ۴۴۲ اور ۴۴۳، ۴۴۴)

(۲) ڈاکٹر ایچ بی خاں لکھتے ہیں؛

انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے تحت ہونے والے صوبائی انتخابات میں مسلم لیگ اور کانگریس نے کچھ مقامات پر باہمی تعاون اور ہمدردی کا اظہار کیا۔۔۔۔کانگریس نے جولائی ۱۹۳۷ء میں چھ صوبوں میں وزارتیں قائم کیں، اس کے بعد مسلم لیگ اور کانگریس کے مابین کولیشن۔۔۔یعنی مخلوط حکومت بنانے کی گفت وشنید شروع ہوئی (مگر کامیاب نہ ہوئی۔ساجد) حوالہ مقدمہ نمبر ۳ میں۔

(۳) چودھری خلیق الزماں لکھتے ہیں؛

(بقول مولانا آزاد) پاکستان کیا ہے چودھری خلیق الزماں اور پنڈت جواہر لال سے جھگڑا ہو گیا، جناح صاحب نے اس سے فائدہ اٹھایا اور پاکستان بن گیا۔ایک نقطہ نظر سے اچھا ہوا کہ رفیع قدوانی کانگریس کی منسٹری میں آ گئے ورنہ شاید مسلم لیگ اور کانگریس میں مصالحت ہو جاتی جو بالآخر مسلم مفاد کے لئے زہر ہوتی (آخر کیوں) مسلم لیگ اور کانگریس کی مصالحت کی گفتگو کا نتیجہ اگر مسلم لیگ کی منسٹری میں ختم ہوتا تو اس صلح کے بعد پاکستان کے لئے دروازہ مسدود ہو جاتا۔

(ماخوذ: شاہراہ پاکستان، ص ۱۳۶ تفصیل مقدمہ نمبر ۳ میں)

یوم نجات:

(۴) ڈاکٹر ایچ، بی خاں لکھتے ہیں:

ستمبر ۱۹۳۹ء کو یورپ میں لڑائی شروع ہوئی، جس نے بہت جلد عالمی جنگ کا نقشہ اختیار کر لیا، اور ہندوستان بھی اس کی لپیٹ میں آ گیا، کیونکہ برطانیہ بھی اس جنگ میں ایک فریق کی حیثیت سے شامل تھا، اعلان جنگ کے بعد کانگریس نے وزارتوں سے اس بنا پر استعفیٰ دے دیا کہ حکومت ہند نے ان سے بغیر مشورہ سے اعلان جنگ کر دیا۔مسلمانان ہند کانگریس کے ڈھائی سالہ دور اقتدار میں ناانصافیوں اور زیادتیوں کا شکار ہوئے، چنانچہ مسلم لیگ نے کانگریسی وزارتوں کے مستعفی ہونے پر حسب ہدایت مسٹر جناح نے ۲۲/ نومبر ۱۹۳۹ء کو پورے ملک میں یوم نجات منایا۔۔۔الخ۔

(ماخوذ: برصغیر پاک وہند کی سیاست میں علماء کا کردار ص ۳۷۴، مصنف ڈاکٹر ایچ، بی خاں)

(۵) ایس ایم شاہد لکھتے ہیں:

قائداعظم نے ۶ر دسمبر کو تمام مسلمانانِ ہند سے اپیل کی کہ کانگریسی وزارتوں سے استعفوں کے بعد مسلمانوں پر کانگریسی صوبوں میں ظلم وستم ختم ہونے کی خوشی میں ۲۲ر دسمبر ۱۹۳۹ء کو یوم نجات منایا جائے۔۔۔۔۔۔کانگریسی وزارتوں کی کارروائیوں نے ملک میں خانہ جنگی کی کیفیت پیدا کردی تھی، ان کے مستعفی ہونے کے بعد قائداعظم کی ہدایت پر ۲۲ر دسمبر ۱۹۳۹ء کو یوم نجات منایا گیا اور ۲۳ر مارچ (یعنی تین ماہ بعد۔ساجد) ۱۹۴۰ء کو لیگ کے اجلاس منعقد لاہور میں قرارداد پاکستان پاس ہوئی۔

(ماخوذ: تعبیر پاکستان، ص ۴۶۰، ۴۶۷ ایور نیو بک پیلس سرکلر روڈ لاہور، باراول)

(۶) پروفیسر عبداللہ ملک لکھتے ہیں:

پس یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اگر ۱۹۳۷ء کے انتخابات نہ ہوتے اور کانگریس وزارتوں کے پردے میں ہندو راج قائم نہ ہوتا تو ۱۹۴۰ء کی قرارداد نہ آتی۔(تحریک پاکستان، ص ۳۹۲) (اس کا مطلب ہے کہ ''دوقومی نظریہ'' محض ڈھونگ تھا اور مسلم لیگیوں کو وزارتیں نہ ملنے کا نتیجہ مطالبہ پاکستان کی صورت میں ظاہر ہوا۔ساجد)

معلوم ہونا چاہیے کہ:

(اولاً) صوبہ یوپی، سی پی، بہار، اڑیسہ، مدراس، بمبئی یہ وہ صوبے ہیں جہاں کانگریس نے وزارتیں بنائیں اور بقول مسلم لیگ اور مسٹر جناح کے جیسا کہ اوپر مذکور ہے کانگریسی وزارتوں نے مسلمانوں پر ظلم اور زیادتیاں کیں۔

(ثانیاً) صوبہ پنجاب، سندھ، سرحد ان صوبوں میں مسلم لیگ کو ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں صرف پنجاب میں (۲ سیٹیں) ملیں اور بلوچستان کو ابھی صوبہ کا درجہ نصیب نہیں ہوا تھا۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر ظلم تو ہوا ان صوبوں میں جہاں کانگریس نے وزارتیں بنائیں اور پاکستان بنا ان صوبوں پر جہاں مسلمان حکمران تھے اور جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی، اور وہاں مسلمانوں پر کوئی ظلم بھی نہیں ہوا تھا۔

بقول پروفیسر عبداللہ ملک کے کہ ان کو یقین ہوگیا کہ علیحدہ وطن کا قیام ہی ان کو تحفظ کی ضمانت دے سکتا ہے۔

یہ علیحدہ وطن کا قیام کن کو تحفظ دے سکتا ہے؟ ان مسلمانوں کو جن پر کانگریسی وزارتوں نے ظلم اور زیادتیاں کیں؟ وہ مسلمان تو وہیں یعنی ہندوستان اور ان ہی صوبوں میں رہ رہے ہیں۔ یا ان صوبوں کے مسلمانوں کو جہاں ان کی اکثریت بھی تھی اور حکومتیں بھی ان کی اپنی تھیں؟ مگر ان مسلمانوں کا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا، جیسا کہ آگے چودھری خلیق الزماں کی تحریر میں آرہا ہے، یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں کہ فرقہ وارانہ فسادات ۱۹۱۷ء سے ۱۹۲۷ء تک کسی نہ کسی شکل میں پورے ملک میں جابجا ہوتے رہے اور وہ مظالم کانگریسی دورِ اقتدار ۱۹۳۷ء تا اکتوبر ۱۹۳۹ء کے مظالم سے کہیں زیادہ تھے، عوام الناس کو مشتعل اور مضطرب کرنے کے لئے لیگ کے پاس سردست ایک ہی ذریعہ تھا کہ مسلم انڈیا اور ہندو انڈیا کا نعرہ لگایا جائے اور اس طرح سے مسلمانوں کے جذبات اور احساسات کو مشتعل کرکے لیگ کے جھنڈے کو گرنے سے بچایا جائے، اور غریب مسلمانوں کو گمراہ کیا جائے۔

نمبر (۷) چودھری خلیق الزماں لکھتے ہیں:

سیاسی عقائد جب رنگ پکڑ لیتے ہیں تو عوام اور خواص دونوں کے دماغ سے ٹھوس حقیقتیں بیگانہ ہوجاتی ہیں اور وہ بہت سی ایسی باتوں کو قبول کرتے چلے جاتے ہیں جو ان کے اصل نظریات سے بھی مختلف ہوتی ہیں۔

مسلم اقلیتیں (یعنی وہ مسلمان جو ہندو صوبوں میں تھے۔ساجد) جس پاکستان کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے تیار تھیں اس پاکستان میں پنجاب اور بنگال کی تقسیم کا کوئی سوال نہ تھا،مگر جب سے ان کو صحیح حالات کا اندازہ ہوا وہ مستقبل کے افکار میں گرفتار ہو گئے،وہ یاد کرتے تھے کہ پاکستان کا عقیدہ اقلیتوں کے تحفظ کے لئے قائم کیا گیا کیونکہ شمال مغربی اور مشرقی حصوں میں تو یوں بھی مسلمان کہیں ستر کہیں پچپن فی صد تھے،جن کے لئے تحفظات کی ضرورت نہ تھی،پھر جب ان حصوں سے مسلم اقلیتوں کا (پاکستان بننے کے بعد۔ساجد) کوئی سلسلہ یا سروکار نہ رہ جائے گا تو وہ اقلیتیں بالکل بے بس ہو جائیں گی۔۔۔۔ادھر ملک میں دو قومی نظریہ نے ملک میں بڑا تفرقہ ڈال دیا تھا،اور جو لوگ پاکستان بنوانے کی سعی میں (یعنی کوشش میں۔ساجد) پیش پیش تھے ان سے سخت عناد پیدا ہو گیا تھا۔

(ماخوذ؛شاہراہ پاکستان ص،۱۰۵۸،۱۰۵۷)

خلاصہ کلام:

وہ مسلمان جو مشرق میں تھے اور تقسیم کے بعد جو حصہ مشرقی پاکستان کہلایا اور وہ مسلمان جو مغرب میں تھے اور تقسیم کے بعد جو حصہ مغربی پاکستان کہلایا ان دونوں مذکورہ حصوں کے مسلمانوں کا تو کوئی مسئلہ نہیں تھا،کیونکہ ۱۹۰۹ء کی اصلاحات اور پھر ۱۹۳۵ء کے ایکٹ کے تحت جن صوبوں میں ہندو اکثریت میں تھے،وہاں ہندوؤں کی اور جن صوبوں میں مسلمان اکثریت میں تھے وہاں مسلمانوں کی حکومتیں بنی تھیں جیسا کہ ۱۹۳۷ء اور ۴۵،۱۹۴۶ء کے انتخابات میں بنیں۔

رہے ان صوبوں کے تین کروڑ مسلمان جن میں ہندوؤں کی اکثریت تھی اور جن کی وجہ سے مسٹر جناح نے کانگریسی وزارتوں کے بارے میں یہ کہا کہ وہ مسلمانوں پر ظلم کر رہی ہیں،ان کا علاج نہ پہلے تھا اور نہ پاکستان بن جانے کے بعد ہوا،وہ ویسے کے ویسے وہیں پستے رہ گئے۔

نتیجہ

نمبر(۹) ڈاکٹر ایچ،بی خاں لکھتے ہیں:

۱۳۶۱ھ بمطابق ۱۹۴۱ء میں ملتان میں کانگریس کے زیر اہتمام ایک اتحاد کانفرنس منعقد ہوئی،یہ وہ زمانہ تھا کہ ایک طرف تو اتحاد کانفرنس ہو رہی تھی اور دوسری طرف ہندو مسلمانوں سے کوئی چیز خریدنا گوارا نہ کرتے تھے،منڈی ہندوؤں کے ہاتھ میں تھی،دیہاتی مسلمان مال لے کر منڈی میں آتے تھے،تو ان کی توہین کی جاتی تھی،پانی کی سبیل ہندوؤں کے لئے مخصوص تھی،مسلمانوں کو پانی بھی نہیں پلایا جاتا تھا۔۔۔وغیرہ وغیرہ،بہرحال کشیدگی بہت بڑھی ہوئی تھی۔۔۔الخ۔

(ماخوذ:تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی کردار ص ۳۳،۳۴)

نمبر(۱۰) چودھری خلیق الزماں لکھتے ہیں:

دو نیشن (ہندو مسلم علیحدہ علیحدہ قوم وطن کے۔ساجد) نعرے نے تمام سیاسی فضا ہندوستان کی اس قدر مسموم (وزہریلی) کر دی،کہ گاؤں گاؤں،قصبہ قصبہ،شہر شہر ہندو،مسلمان ایک دوسرے کو زہر آلود نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے۔۔۔الخ۔

(ماخوذ:شاہراہ پاکستان،ص ۱۰۴۹،۱۰۵۰)

{ فیصلہ نمبر (۵) سکندر جناح پیکٹ }

قصہ پنجاب کا:

مغربی پنجاب کے مسلمانوں کو قطعی اکثریت حاصل تھی، جوکہ مشرقی پنجاب میں ہندوؤں اور سکھوں کو آبادی کے لحاظ سے برتری حاصل تھی، دیہات میں رہنے والے ہندو، اکثر مسلم روایات اور عقائد کو اپنا لیتے تھے، مثلاً ہوشیار پور کی عورتیں بھی پردہ کرتی تھیں، مزید برآں روہتک اور جالندھر میں ہندوؤں کی بڑی تعداد مسلمان بزرگ سلطان سخی سرور کی مرید تھی، جب انگریزوں نے مختلف کاشتکار قومیتوں کو باہمی تعاون کی ترغیب دی، تو اس سے بہت پہلے ہی روہتک کے ہندو جاٹوں اور پنجاب کے مسلمان کاشتکاروں میں بہت سی روایات اور رہن سہن کے انداز وغیرہ مشترک تھے۔

یونینسٹ پارٹی کا قیام:

پنجاب کے مسلمان ہندو اور سکھوں نے باہمی اتحاد کے ذریعہ یونینسٹ کی بنیاد ڈالی، ۱۹۲۰ء ۱۹۲۳ء کے درمیانی عرصہ میں زراعت کے منسلک ممبران کونسل نے غیر رسمی طور پر دیہی ممبران کا گروہ تشکیل دیا، اس کٹھن کام کو سرانجام دینے والے دو اشخاص تھے، یعنی میاں فضل حسین اور چھوٹو رام، فضل حسین اور چھوٹو رام کی باہمی جدوجہد کے نتیجے میں ۱۹۲۳ء میں یونینسٹ پارٹی کا قیام عمل میں آیا۔

۱۹۱۹ء اور ۱۹۳۷ء کے درمیانی عرصہ میں کانگریس اور مسلم لیگ یونینسٹ پارٹی کو کوئی خاص چیلنج دینے یا اس کا مقابلہ کرنے کی پوزیشن میں نہ تھی، فضل حسین کے انتقال کے بعد سکندر حیات نے اکتوبر ۱۹۳۶ء میں پارٹی کی کمان سنبھالی، سکندر حیات کھٹڑ خاندان پنجاب کے بڑے زمیندار خاندان میں سے ایک تھا، ۱۹۳۰ء سکندر حیات وزیر مال بنا، اس کے بعد دو مرتبہ مختصر مدت کے لئے قائم مقام گورنر بھی رہا۔

۱۹۳۷ء میں یونینسٹ پارٹی کی فتح پر انگریز ارباب اقتدار بہت مطمئن وشاداماں تھے، وزیر اعظم پنجاب سکندر حیات خاں اور پبلک ورکس کا وزیر (خضر حیات) دونوں ایسے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے، جن کی انگریزوں سے وفاداری ضرب المثل تھی۔

مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی کا عمل اتحاد:

پنجاب مسلم لیگ نے ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں صرف دو نشستیں حاصل کرسکی، کانگریس نے ان انتخابات کے بعد ہندوستان کے کل گیارہ صوبوں میں سے سات صوبوں میں اپنی حکومت بنالی، جب کہ مسلم لیگ کسی بھی صوبہ میں حکومت بنانے میں کامیاب نہ ہوسکی، (کیونکہ پنجاب میں صرف دو سیٹیں تھیں سندھ اور سرحد میں ایک بھی نہ تھی۔ساجد) اس لئے مسلم لیگ کو کل ہند سطح پر اثر ورسوخ کے حصول کے لئے پنجاب اور بنگال کے وزراء اعظم یعنی سکندر حیات خاں (پنجاب) اور فضل الحق (بنگال) کی حمایت حاصل کرنی پڑی۔۔۔۔۔جناح سکندر معاہدے کا ایک فوری اثر تو یہ ہوا کہ کل ہند سیاست میں مسلم لیگ کی پوزیشن کافی مستحکم ہوگئی۔

چودھری خلیق الزماں کا اعتراف:

چودھری خلیق الزماں نے اپنی کتاب پاتھ وے ٹو پاکستان (شاہراہ پاکستان) میں رقم کیا ہے کہ اس سے کوئی بھی انکار نہیں کر سکتا کہ اگر سکندر حیات یہ عمل نہ کرتا تو مسلم لیگ صرف اقلیتی صوبوں تک ہی محدود ہو کر رہ جاتی (یعنی جو صوبے ہندوؤں کے تھے اور جلد یا

بدیر وہ عضو معطل ہوجاتی) سکندر نے آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لکھنو ۱۹۳۷ء یا ۱۹۳۸ء میں شرکت کر کے اسے نئی زندگی عطا کی ۔۔۔الخ دسمبر ۱۹۴۲ء میں سکندر حیات کی وفات ہوگئی ، ۲۳ / جنوری ۱۹۴۳ء کو ہونے والے پارٹی کے اجلاس میں خضر حیات کو متفقہ طور پر سکندر حیات کا جانشین منتخب کرلیا گیا۔

(ماخوذ : پنجاب غلامی سے آزادی تک ،مصنف آئن ٹالبوٹ ،مترجم طاہر کامران)

سکندر جناح پیکٹ کا خاتمہ :

جانباز مرزا لکھتے ہیں :

سیاست میں ضد فریقین کے لئے کسی نہ کسی صورت میں مفید نہیں ہوتی ،ترازو کے کسی نہ کسی پلڑے کو بہرطور جھکنا پڑتا ہے ، پنجاب مسلم لیگ اور یونینسٹ پارٹی اپنی اپنی حدود میں خاصا وزن رکھتی تھیں ۔۔۔۔ یونینسٹ اپنی انا اور اقتدار کے سہارے کسی فرد یا جماعت کو اپنے برابر وزن دینے کو تیار نہ تھی ،اسی طرح مسلم لیگ کے لیڈر پنجاب پر اپنی چھاپ لگانا ضروری سمجھتے تھے ۔

۳۰ / مارچ ۱۹۴۴ء کو مسٹر جناح لاہور پہنچ گئے ، پہلا قدم انہوں نے اس سلسلہ میں یہ کیا کہ ملک خضر حیات سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنے ہندو اور سکھ وزراء کو فرمائش کریں کہ وہ مسلم لیگ گورنمنٹ میں شرکت کے لئے رضامندی ظاہر کردیں اور اسی طرح وہ اپنی وزارتوں پر فائز رہیں ،(مطلب یہ کہ مسلم لیگی حکومت ہو ۔ساجد) پنجاب منسٹر نے ہندو اور سکھ وزراء سے بات کی اور خود مسٹر جناح نے ان سے کئی ملاقاتیں کیں مگر کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا ، ملک خضر حیات خاں کے ہندو اور سکھ وزراء نے یہ مطالبات پیش کئے ۔

(۱) پنجاب کی وزارت کا مسئلہ آل انڈیا مفاہمت کا جز ہے ۔(یعنی تقسیم غلط ہے ۔ساجد)

(۲) اختتام جنگ تک مسلم لیگ ، پاکستان کے مطالبے کو ترک کردے تا کہ اس درمیان میں اور قوموں کو اس اسکیم کی صحت اس کے پورے سیاسی اور دستوری معنی پورے طور پر ظاہر ہوجائیں ، اور جب تک پنجاب کی جغرافیائی (یعنی زمینی) حدود پاکستان کی اسکیم کے متعلق معلوم نہ ہوجائیں ، آپ کے وہ اصول نہ معلوم ہوجائیں ، جو ان حدود کو قائم کرنے میں پیش نظر ہیں ۔(یعنی پنجاب کے ہندو پنجاب کی تقسیم کے خلاف تھے ۔ساجد)

مسٹر جناح نے کہا :

ایک صوبے کی اقلیت کو آل انڈیا سیاسی مسائل کے متعلق پیش کرنے کا کوئی حق نہیں ، ملک خضر حیات نے مسٹر جناح کو مطلع کردیا کہ ہندو اور سکھ وزراء مسلم لیگ گورنمنٹ میں شرکت کے لئے تیار نہیں ۔۔۔الخ ۔(ماخوذ : کاروان احرار ، ج ۶، ص ۵۲ تا ۵۴)

جناب محمد علی جناح اور مسلم لیگ کے فیصلے :

جانباز مرزا تحریر کرتے ہیں :

صدر مسلم لیگ کی حکمت عملی نے غیر لیگی مسلمانوں کو اچھوت قرار دے کر اپنے سے دور کردیا جیسے کہ وائسرائے ہند لارڈ ویول اپنی ۱۲ / مارچ ۱۹۴۶ء کی ڈائری میں لکھتا ہے کہ ؛

’’مسٹر جناح ! مجھے آپ کے رویے کا اندازہ اور احساس ہے ، لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ آپ اس کمیٹی میں بیٹھنے کو تیار ہیں ، اگر

کانگریس (مولانا) آزاد کو اپنا نمائندہ مقرر کردے،تب انہوں (مسٹر جناح) نے وضاحت شروع کردی اور کہا اگر چہ ان کا آزاد سے کوئی ذاتی جھگڑا نہیں وہ محض کانگریس کی کٹھ پتلی ہیں۔وغیرہ وغیرہ۔تب میں نے پوچھا کہ کیا وہ (جناح) پٹیل کے ساتھ کانگریس کے نمائندے کے طور پر کمیٹی میں بیٹھنا پسند کریں گے؟اس پر انہوں نے کہا کہ وہ اس پر اتفاق کریں گے،لیکن کہا کہ کانگریس کبھی متفق نہیں ہوگی۔

اس کے علاوہ ہر صوبے میں دو دو اور تین تین کے گروپ میں یہ لوگ تقسیم تھے۔۔۔۔پنجاب کی سیاست میں خود قائد اعظم بھی دخیل تھے،اس موقعہ پر پنجاب مسلم لیگ کے معروف رہنما میاں امیر الدین کے ایک مضمون کا اقتباس جو ۲۵/دسمبر ۱۹۷۶ءکے نوائے وقت میں شائع ہوا قابل ذکر ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ؛

"دسمبر ۱۹۴۵ء/۱۹۴۶ء میں جب مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات نظریہ پاکستان کی بنیاد پر لڑے گئے ہیں تو اس وقت صوبہ مسلم لیگ نے پنجاب کے صوبائی انتخابات کا انچارج مجھے بنایا تھا،پنجاب میں ۸۶ نشستیں مسلمانوں کی تھیں،جن میں سے ۷۹ مسلم لیگ نے جیت لیں اور باقی،یونینسٹ پارٹی کو ملیں،نتائج کے اعلان کے بعد ایک روز راقم الحروف،آئی یو خاں میاں امین الدین اور سردار شوکت حیات ایک جگہ جمع تھے کہ خضر حیات کی طرف سے یہ پیش کش آئی کہ اس کے ساتھی ارکان اسمبلی مسلم لیگ اسمبلی گروپ میں شامل ہوجانے پر آمادہ ہیں،صرف معمولی سی شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھی ایک رکن اسمبلی "مسٹر مظفر علی قزلباش" کو وزارت میں شامل کرلیا جائے میں نے یہ سن کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ چلو کیا حرج ہے،یہ ایک معمولی سی شرط ہے،چنانچہ سب نے کہا ٹھیک ہے،اس میں قائد اعظم سے بھی پوچھنے کی کیا بات ہے،وزارت بنالیں۔۔۔۔میں اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ شام کو مسٹر افتخار حسین ممدوٹ کا فون آگیا کہ فلاں وقت قائد اعظم کے پاس دہلی پہنچیں،اور ان سے اس کی اجازت طلب کریں،میں اور سردار شوکت حیات وقت مقررہ پر دہلی پہنچے تو معلوم ہوا کہ میاں ممتاز دولتانہ اور راجہ غضنفر علی بھی دہلی آئے ہوئے ہیں اور وہ اس وقت نواب زادہ لیاقت علی کے ہاں ہیں،چنانچہ ہم پہلے ان کے پاس گئے،نواب زادہ لیاقت علی خاں سے ملاقات ہوئی،ہم نے سارا ماجرہ ان سے کہا،انہوں نے بھی یہی کہا کہ ٹھیک ہے،خضر حیات سے معلوم کرلو،پھر راقم الحروف نواب زادہ لیاقت علی خاں،سردار شوکت حیات اور راجہ غضنفر علی،قائد اعظم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو صورت حال بتائی تو وہ ایک دم چونکے اور فرمایا کہ "نہیں" اگر تم ایسا کروگے تو میں لیگ سے استعفیٰ دے دوں گا،ہم قائد اعظم کی یہ بات سن کر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔"

(ماخوذ:کاروان احرار ص ۴۴۴ تا ۴۴۶ جلد سات،مصنف جانباز مرزا)

یونینسٹ (یعنی خضر حیات) کی وزارت بن گئی:

جانباز مرزا لکھتے ہیں:

اس ضد کا یا باہم کشمکش کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۱/مارچ ۱۹۴۶ء کو ملک خضر حیات ٹوانہ نے پنجاب کانگریس سے کولیشن وزارت قائم کرلی اور اسکے تحت چار وزراء نے حلف اٹھایا،لا اینڈ آرڈر کا محکمہ ملک خضر حیات وزیر اعظم پنجاب نے اپنے پاس رکھا،فنانس اور جیل کے محکمے "لالہ بھیم سین" کے سپرد ہوئے،سول سپلائز اور ترقیات سردار بلوید سنگھ کے پاس رہے،سر مظفر علی قزلباش محکمہ تعلیم اور میڈیکل کے انچارج ٹھہرائے گئے،ریونیو کا محکمہ چودھری لہری سنگھ نے سنبھال لیا،اس طرح مسلم لیگ نے انتخاب جیت کر بھی بنیادی طور پر اپنی پوزیشن مشکوک کرلی۔

فیصلہ نمبر (۶) پاکستان بنانے کا اعلان

مسلم لیگ اور جناب محمد علی جناح کے مزید فیصلے

مسلم لیگ :

ڈائریکٹ ایکشن ڈے یا راست اقدام (یعنی عملی احتجاج) براہ راست کاروائی جو کسی مطالبہ منانے کے لئے کی جائے۔

جانباز مرزا لکھتے ہیں:

''یوم راست اقدام یا نفیر جہاد پاکستان ۔۔۔۔۔ ۲۹ر جولائی ۱۹۴۶ء مسلم لیگ کی تاریخ میں پہلا دن ہے جب اس جماعت کے صدر مسٹر محمد علی جناح نے بمبئی کے اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے ہندو اور انگریز کے خلاف ڈائریکٹ ایکشن کا فیصلہ کیا، مسلم لیگ کے راست اقدام کے فیصلے نے پاکستان کی تحریک کو ایک نیا موڑ عطا کیا، مسلم لیگ کے راستِ اقدام کا فیصلہ مسلمانوں کے لئے سر دھڑ اور جان کی بازی لگا کر پاکستان حاصل کرنے کے عزم کا اظہار تھا، لڑ کے لیں گے پاکستان، بٹ کے رہے گا ہندوستان۔''

۳۱ر جولائی کو محمد علی جناح نے اخبار نویسوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

''برطانوی حکومت کی طرح کانگریس نے تلوار لٹکا رکھی ہے اور یہ ڈر ہے کہ اگر کانگریس کی پوری دلجوئی یا تشفی نہ کی گئی تو وہ پھر سے مہم (یعنی سول نافرمانی کی تحریک ۔ساجد) شروع کر دے گی، جو ۱۹۴۲ء کے مقابلے میں ہزار گنا بدتر ہوگی ۔۔۔ اس لئے ہم بھی اپنے دفاع اور تحفظ کے لئے آئینی جدوجہد کو خیر باد کہنے پر مجبور ہو گئے ہیں، اور ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ راست اقدام کی تیاریاں کریں، جس طرح اور جب بھی وقت آئے گا اس پر عمل درآمد شروع کر سکیں، چنانچہ اپنے قائد کے اس فرمان کے مطابق مسلم لیگ نے کلکتہ (یعنی بنگال) میں اس دن کو منانے کے لئے ایک جامع اور مضبوط پروگرام بنایا اور یوم راست کا نام یوم نفیر جہاد پاکستان تجویز کیا۔''

ان دنوں بنگال کے وزیر اعظم جناب حسین شہید سہروردی تھے، ان کو پوری تائید یوم راست اقدام یا نفیر جہاد پاکستان، حاصل تھی، کلکتہ مسلم لیگ کو مسلم نوجوانوں، محلہ وار جو ہزاروں بنگالی اور غیر بنگالی مسلمان کارکنوں، مسلم لیگ رضا کاروں، ورکروں کا مضبوط اور مستحکم اور منظم جتھہ نصیب تھا، جو کلکتہ مسلم لیگ سے ہدایت ملتے ہی اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے کلکتہ اور اس کے مضافات میں حرکت میں آجاتے۔

یوم راست اقدام کو کامیاب بنانے کے لئے پبلسٹی اور پروپیگنڈہ کے محاذ پر جتنا کام کیا گیا اس کی نظیر پورے ہندوستان میں نہیں ملے گی سینکڑوں کی تعداد میں ''یوم نفیر جہاد پر مضامین'' کتابچے لکھے، جو لاکھوں کی تعداد میں اردو، بنگالی اور انگریزی میں طبع ہوئے، نہ صرف کلکتہ اور اس کے مضافات میں بلکہ سارا بنگال، بہار اور چھوٹا ناگپور کے علاقوں میں تقسیم کئے گئے۔

مسلمانو! پاکستان کے جانباز مجاہدو! یوم نفیر جہاد پاکستان کو کامیاب بنانے کے لئے سر پر کفن باندھ کر گھروں سے نکل پڑو، جوق در جوق، گروہ در گروہ لاکھوں کی تعداد میں کلکتہ کے میدان میں جمع ہو کر اتحاد کا مظاہرہ کرو کہ دشمن پر لرزہ طاری ہو جائے۔

کلکتہ میں فساد :

۱۶ر اگست ۱۹۴۶ء کو ڈائریکٹ ایکشن ڈے سارے ہندوستان میں منایا گیا لیکن کلکتہ میں یوم راست عمل صحیح معنوں میں یوم نفیر

جہاد پاکستان ثابت ہوا، کلکتہ اور اس کے اطراف واکناف میں عظیم بھیانک اور خوفناک فساد پھوٹ پڑے، صرف ایک رات میں تین انگریز بٹالینوں نے ۴۵۰ نعشیں اٹھائیں، ۱۶/اگست ۱۹۴۶ء کو کلکتہ میں ہولناک قتل وغارت گری شروع ہوئی اور کم وبیش ایک ہفتہ اس کا سلسلہ انتہائی شدومد سے جاری رہا، اخباری بیانات کے موجب اربوں روپوں کا مالی نقصان تاجروں کو برداشت کرنا پڑا، لاکھوں انسان بے خانماں ہوئے اور چالیس ہزار مرد عورتیں اور بچے بدترین دہشت وبربریت کے ساتھ موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔

(۲) نواکھلی میں فساد:

کانگریس اور مسلم لیگ برطانوی نمائندہ وائسرائے سے اپنا حساب چکا رہی تھیں کہ ۱۵/اکتوبر ۱۹۴۶ء کو مشرقی بنگال کے ضلع نواکھلی میں فساد کی اطلاع ملی، اس فساد میں بہت ہندو مارے گئے، نواکھلی کے مسلمانوں نے وہاں کی پندرہ فیصد ہندو اقلیت پر حملہ کر دیا، دیہات تباہ کر دیئے، باشندگان دیہات کو قتل کر دیا، عورتوں اور بچوں کو اغوا کر لیا، مردوں اور بچوں کو زبردستی مسلمان بنایا گیا وغیرہ، ان اشتعال انگیز خبروں سے سارے ہندوستان میں سنسنی پھیل گئی۔

(۳) بہار میں فساد:

ابھی نواکھلی میں صف ماتم بچھی ہوئی تھی کہ بہار کے ہندوؤں نے نواکھلی کے ہندوؤں سے سازش کر کے صوبہ بہار کے فساد کا آغاز کیا، یہ ۵/نومبر ۱۹۴۶ء کا ذکر ہے، آج عید الاضحی کا تہوار تھا، جب بہار کا مسلمان ذبح ہو رہا تھا، ۳، ۴/نومبر ۱۹۴۶ء کے روزنامہ "ڈان" دہلی میں یہ خبر شائع ہوئی کہ بہار کے مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے، گھروں کے گھر جلائے جا رہے ہیں، مال واسباب چھین کر انہیں گاؤں سے نکال دیا گیا، ریل گاڑی روک کر مسلمانوں کو قتل کیا جا رہا ہے۔

(۴) گڑھ مکتیشر کا خونی حادثہ:

ہنوز بہار اور نواکھلی کی آگ اپنے جوبن پر تھی کہ ۶/نومبر کو ضلع میرٹھ کے ایک گاؤں گڑھ مکتیشر میں خوفناک فساد کی اطلاع آئی، کاتک کے مہینہ میں یہاں میلہ لگتا ہے، گنگا کے کنارے لاکھوں ہندو خیمے اور چھولداریاں لگاتے ہیں، ان کا یقین ہے کہ ان دنوں میں گنگا میں اشنان (یعنی غسل) کرنے سے تمام پاپ (یعنی گناہ) دھل جاتے ہیں، لہٰذا مسلمان دکاندار مختلف اقسام کی اشیاء لے کر برائے فروخت یہاں پہنچتے ہیں۔

ہندو مہاسبھا اور جن سنگھ کے ایک مخصوص ٹولے نے کلکتہ اور نواکھلی میں ہندوؤں کے قتل عام کا اس قدر چرچا کیا اور اس کو بہانہ بنا کر میلے میں شریک مسلمان دکانداروں پر حملہ کر دیا قتل وغارت گری کا یہ سلسلہ رات نو بجے تک رہا، اس کے بعد فسادیوں نے قصبہ گڑھ مکتیشر کا رخ کیا اور مسلمانوں کا جو محلہ سامنے آیا اُسے برباد کرتے چلے گئے۔ جناب مسعود احمد خاں (۴/۹۰ مارٹن کوارٹرز، کراچی) زمیندار بہادر گڑھ ضلع میرٹھ کا گڑھ مکتیشر کے متعلق بیان کا خلاصہ یہ ہے:

اس قتل عام کے نتیجے میں گڑھ مکتیشر کے کنویں مسلمانوں کی لاشوں سے پر ہو گئے تھے ایک عینی شاہد، گڑھ مکتیشر کے خونی واقعات کے متعلق جناب حفیظ صفوی متعلقہ دفتر سی، ایم، اے راولپنڈی ۱۹۵۱ء بیان کرتے ہیں ـــــ گڑھ مکتیشر میں مسلمانوں کی

ہزاروں لاشیں بکھری پڑی تھیں ،قصبہ کی مسجد میں کوئی حصہ ایسا نہ تھا ،جہاں لاشیں نہ ہوں ،وہ نالی جہاں وضو کیا جاتا ہے،اس میں کئی انچ خون منجمد تھا ،مسجد میں لاشوں کو دبانے کے لئے ایک بڑا سا گڑھا کھودا جا رہا تھا ،دو باؤلیاں لاشوں سے اٹی ہوئی تھیں ،ایک چھوٹے سے تالاب میں لاشوں کا انبار لگ رہا تھا ،ان واقعات کے بعد میرٹھ میں بھی حالات بگڑے اور تقریباً ایک سال تک چھ سات مسلمان ہر روز قتل کردیئے جاتے جن میں غریب مزدور یا رکشا والے زیادہ تھے۔

(ماخوذ: ۱۹۴۷ء کے آنسو ص ۱۱۲ سے ،ناشر آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی) بقیہ مضمون ، ماخوذ: کاروان احرار ۷ / ۳۴۴ تا ۴۲۹ ،مصنف جانباز مرزا۔

پاکستان بن رہا ہے

مسلم لیگ کے چودھری خلیق الزماں لکھتے ہیں:

دو نیشن (یعنی ہندو مسلم علیحدہ علیحدہ) کے نعرے نے سیاسی فضا ہندوستان کی اس قدر مسموم کردی کہ گاؤں گاؤں ،قصبہ قصبہ ،شہر شہر ہندو مسلم ایک دوسرے کو زہر آلود نگاہوں سے دیکھنے لگے تھے۔(شاہراہ پاکستان ،ص ۱۰۴۹)

{فیصلہ نمبر (۷) پنجاب اور صوبہ سرحد میں سول نافرمانی کی تحریک}

مسلم لیگ اور مسٹر جناح کا پنجاب میں ”راست اقدام یا خضر حیات سے بدلہ لینے کا فیصلہ“

چنانچہ اس سلسلہ میں پروفیسر محمد عبداللہ ملک لکھتے ہیں:

تحریک سول نافرمانی: پنجاب اور صوبہ سرحد میں تحریک نافرمانی نے حصول پاکستان کی منزل کو اور قریب کردیا ،پنجاب کے مسلمانوں کے دلوں میں خضر حیات خاں وزارت کے بارے میں شدید مخالفانہ جذبات تھے، ۲۴ / جنوری ۱۹۴۷ء کو مسلم نیشنل گارڈ پر سرکاری پابندی اور اس کے دفتر کی تلاشی کی کوشش کے خلاف پنجاب کے مسلمانوں نے حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک شروع کردی ،خضر حیات نے ۲۸ / جنوری کو نیشنل گارڈ پر پابندی اٹھالی اور مسلم لیگی لیڈروں کو رہا کردیا مگر تحریک بڑے پر امن طریقے پر نظم وضبط کے ساتھ لاہور اور پنجاب کے دوسرے شہروں میں جاری رہی۔

آگے لکھتے ہیں:

صوبہ سرحد میں ڈاکٹر خان صاحب کانگریسی وزارت کے سربراہ تھے ،مگر مسلم لیگ مسلمانوں کے دل جیت چکی تھی ۔۔۔۔۔ پنجاب میں سول نافرمانی کی تحریک ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ صوبہ سرحد میں یہ تحریک شروع ہوگئی ۔۔۔الخ۔

(ماخوذ: تحریک پاکستان ، ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء ناشر قریشی برادرز ،اردو بازار لاہور)

ملاحظہ فرمائیں اصل حقیقت:

اس سلسلہ میں مسٹر آئن ٹالبوٹ لکھتے ہیں:

جب مسلم لیگ کو پوری کوشش کے باوجود وزارت بنانے میں ناکامی ہوئی تو گلینسی نے سکون کا سانس لیا اور خضر کو وزارت بنانے کی دعوت دی، جونہی خضر نے وزارت عظمیٰ سنبھالی (گورنر) گلینسی نے بھی ریٹائرمنٹ لے لی اور آنے والے مشکل وقت سے نبرد آزما ہونے کی ذمہ داری ایوان جینکنز کے کاندھوں پر آن پڑی۔۔۔۔۔مسلم لیگ نے ہندوؤں اور سکھوں کے بارے میں اپنے رویے میں سختی پیدا کرلی اور انگریزوں کے لئے بھی ناپسندیدگی کا کھلے عام اظہار کرنے لگی۔آگے لکھتے ہیں:

جب لیگ نے پنجاب میں قائم کولیشن (مسلمان، سکھ اور ہندوؤں کی متحدہ) حکومت کے خلاف راست اقدام (اور کارروائی) کا فیصلہ کیا تو ۲۴ر جنوری ۱۹۴۷ء کو مسلم لیگ، مسلم لیگ نیشنل گارڈ کی نیم فوجی تنظیم اور راشٹریہ سوایم سیوک سنگھ (R.S.S) پر پابندی عائد کردی گئی، لیکن جب مسلم لیگ کے راہنماؤں نے پابندی کے باوجود جلوس نکالا تو انہیں گرفتار کرلیا گیا، جس کے ردعمل میں لاہور اور دوسرے بڑے شہروں میں ہڑتالیں ہوئیں، صورتحال اس قدر خراب ہوگئی کہ خضر کو مجبوراً حالات سے سمجھوتہ کرتے ہوئے لیگ پر سے جلوس نکالنے اور جلسے منعقد کرنے کی پابندی کو ختم کرنا پڑا، اس وقت خضر مکمل طور پر حواس باختہ ہوچکا تھا، لہٰذا ۳ار مارچ ۱۹۴۷ء کو اس نے استعفیٰ دے دیا، بعدازاں جب ایوان جینکنز نواب ممدوٹ سے مسلم لیگ کی پنجاب میں وزارت کے امکانات کے حوالے سے مذاکرات میں مصروف تھا، تبھی ماسٹر تارا سنگھ نے قانون ساز اسمبلی کے باہر اپنی تلوار لہراتے ہوئے ''پاکستان مردباد'' کا نعرہ بلند کیا۔۔۔۔۔اس سے اگلے روز انارکلی بازار میں ہندوؤں اور سکھوں نے مظاہرہ کیا جس سے فرقہ وارانہ تشدد شعلے کی مانند بھڑک اٹھا، اس ہفتے کے دوران ہی تشدد کی یہ لہر لاہور سے امرتسر تک جا پہنچی، وہاں مسلمانوں کی چار ہزار دکانیں اور کاروباری مراکز نذر آتش کردیئے گئے۔

جب مسلمانوں سے امرتسر میں ہونے والے اس سلوک کی خبریں دوسرے شہروں تک پہنچیں تو مسلمانوں نے بھی مغربی پنجاب کے مختلف شہروں میں انتقامی کاروائیوں کا آغاز کردیا، خاص کر ملتان، میانوالی، جہلم اٹک اور راولپنڈی کے اضلاع میں ہندوؤں اور سکھوں کی آبادیوں پر مسلمانوں نے بھرپور حملے کئے اور بعض جگہوں پر تو پورے کے پورے گاؤں ختم کردیئے گئے۔۔۔۔۔اس عرصے میں تقریباً ۳۰۰۰ ہزار ہندوؤں اور سکھوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا جبکہ چالیس ۴۰۰۰۰ ہزار افراد جن میں اکثریت سکھوں کی تھی انہیں عجلت میں قائم کئے گئے مہاجر کیمپوں میں پناہ لینی پڑی، ان فسادات نے نفرت اور بے اعتمادی کو جنم دیا، پنجاب کے شہروں میں ناکہ بندی کردی گئی لیکن مسلمان دیہاتیوں نے سرحد سے سمگل کیا ہوا اسلحہ جمع کرلیا تھا، جبکہ سکھوں کو قرب ہی میں واقع ریاست پٹیالہ سے اسلحے کی فراہمی جاری تھی سکھوں میں انتقام کی نہ بجھنے والی آگ بھڑک رہی تھی۔گھڑسواروں پر مشتمل دستے منظم کیے تاکہ مسلمانوں سے حساب بے باک کرسکیں، مسلم لیگ نے سکھوں کے ساتھ تعلقات میں بہتری کے لئے قطعاً کوئی کوشش نہ کی بلکہ اس کے معروف (یعنی بڑے) رہنما جب فسادات کی زد میں آئے ہوئے اٹک کے دورے پر گئے تو انہوں نے اعلانیہ طور پر ان مسلمانوں کو تحفظ فراہم کرنے اور انہیں ہر طرح کی امداد دینے کا وعدہ کیا جنہیں فسادات کے دوران گرفتار کیا گیا تھا اور ان ضلعی افسران کو دھمکی دی جو اٹک میں امن وامان قائم کرنے کی سعی کررہے تھے۔

نئی دہلی کے گردونواح میں اس قسم کی پرخطر صورت حال کے پیدا ہوجانے کے نتیجے میں ماؤنٹ بیٹن (وائسرائے) نے گورنر جینکنز کے ہمراہ جون کے شروع میں گڑگاؤں کا دورہ کیا، اس وقت تک ''جناح اور نہرو'' کو بھی پنجاب کی صورت حال پر تشویش ہونے لگی تھی، انہیں یہاں خانہ جنگی کے آثار نمایاں ہوتے دکھائی دے رہے تھے، نہرو نے ماؤنٹ بیٹن سے شکایت بھی کی کہ پنجاب میں امن وامان قائم

کرنے کے لئے کافی کچھ نہیں کیا جا رہا، اپریل ہی سے (اور آزادی کے اعلان سے پانچ ماہ پہلے) مسلمانوں کی طرف سے یہ سر توڑ کوشش ہونے لگی تھی کہ ہندوؤں اور سکھوں کو لاہور شہر سے مار بھگایا جائے، جولائی کے وسط تک ۴۰۰ سے زائد غیر مسلموں کے گھروں کو نذر آتش کیا جا چکا تھا، اس کے جواب میں ہندوؤں اور سکھوں نے بھی گوریلا طرز جنگ کو اپنایا کئی مرتبہ ایسے علاقوں پر کہ جہاں مسلمانوں کی اکثریتی آبادی تھی بم پھینکے گئے، جوں جوں ایسے واقعات کی تعداد اور تواتر میں اضافہ ہوتا گیا جناح کی پریشانی بھی بڑھتی گئی، خاص طور پر قتل و غارت کا جو بازار مغربی پنجاب کے آئندہ دارالحکومت میں گرم ہو گیا تھا وہ جناح کے لمحہ فکریہ سے ہرگز کم نہ تھا، انہوں نے باقاعدہ طور پر ماؤنٹ بیٹن سے استدعا کی کہ اس طرح کے تشدد اور قتل و غارت کی بیخ کنی کے لئے جتنے بھی سخت اقدامات کیے جا سکتے ہیں کیے جانے چاہئیں، بے شک اس دوران مسلمانوں پر بھی سختی کرنا اگر مناسب محسوس ہو تو اس سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے، پاکستان کے آئندہ حکمران کی طرف سے یہ تجویز یقیناً اضطراب کی اس کیفیت کو آشکار کرتی تھی جو پنجاب کی بگڑتی ہوئی صورت حال کی وجہ سے جناح پر طاری ہو گئی تھی۔

ماؤنٹ بیٹن اور جینکنز دونوں کو اس بات کا یقین تھا کہ لاہور میں پھیلی ہوئی تشدد کی لہر کو فوج بھیج کر روکنا بھی ممکن نہیں، انگریزوں نے ۱۵/ اگست ۱۹۴۷ء کو ہندوستان کو تقسیم کر کے وہاں سے اپنی بساط لپیٹ لی، اس دن دہلی میں آزادی کی تقریبات ہو رہی تھیں جن میں ان گنت لوگ حصہ لے کر اپنی خوشی کا اظہار کر رہے تھے جبکہ وہاں سے ۲۵۰ میل سے بھی کم فاصلے پر پنجاب میں مسلمان، ہندو اور سکھ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے دکھائی دے رہے تھے، اگلے دو ماہ کے دوران تو تشدد اور خون ریزی پنجاب کے کونے کونے میں پھیل گئی، سکھ لیڈروں کی مسلسل اپیلوں کے باوجود سکھوں کے جتھے مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کے قتل عام میں مصروف رہے جبکہ لاہور اور مغربی پنجاب کے دیگر شہروں میں مسلمانوں نے باقی بچ جانے والے سکھوں اور ہندوؤں کو موت کے گھاٹ اتارنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیا، اس طرح ان تینوں قومیتوں نے اپنے اپنے لیڈروں کی طرف سے کرائی گئی ان یقین دہانیوں کی قطعاً پرواہ نہ کی جو یہ کہتے ہوئے انہوں نے کرائی تھی کہ انگریزوں کے رخصت ہوتے ہی امن خود بخود قائم ہو جائے گا، مشرقی پنجاب میں سکھ جارحیت کا مظہر تھے، وہ مسلمانوں پر اس لئے حملہ نہ کرتے تھے، کہ وہ انہیں مشرقی پنجاب سے نکال دینا چاہتے تھے، جیسا کہ پاکستانی مصنفین نے خیال ظاہر کیا ہے ۔۔۔ دراصل سکھوں کی مسلمانوں کے خلاف جارحانہ کاروائیوں کا محرک جذبات کی گھٹن اور انتقام لینے کی خواہش تھی ۔۔۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لائل پور موجودہ فیصل آباد کی زرخیز زمین سکھوں کے ہاتھوں سے جا رہی تھی، مزید برآں ننکانہ صاحب بھی پاکستان میں شامل کیا جا رہا تھا، امرتسر، ہوشیار پور اور جالندھر سے نکالے گئے مسلمان مہاجرین، سکھوں کا سب سے بڑا شکار تھے، پنجاب کے قرب میں واقع سکھ ریاستوں کے پروردہ جتھے مہاجرین کی ٹرینوں پر بے رحمانہ طریقے سے پل پڑے۔

(ماخوذ: اقتباسات بالا از پنجاب غلامی سے آزادی تک، ۲۴۳ تا ۲۴۴ مصنف آئن ٹالبوٹ مترجم پروفیسر طاہر کامران)

(ا) مسلمانان ریاست کی تباہی:

جولائی (۱۹۴۷ء) میں ذمہ داری کے جملہ عہدے جن پر مسلمان متمکن تھے سکھوں کے سپرد کر دیئے گئے، ۲۰ اگست کو جملہ سکھ قیدی جیلوں سے رہا کر دیئے گئے جو بڑے پیمانے پر مسلمانوں کے قتل عام میں مشغول ہو گئے۔

۶/ ستمبر ۱۹۴۷ء کے خونی دن، مہاراجہ پٹیالہ موقع پر نازل ہوا، اس نے ڈاکٹر حفیظ کا مکان ڈھانے کے واسطے دو بلڈوزر طلب

کئے ڈاکٹر صاحب کے ۵۶ اہل خانہ میں سے صرف ایک بچ سکا، ڈاکٹر حفیظ کو تڑپا تڑپا کر شہید کیا گیا، اور اس کی لاش تکہ بوٹی کر کے کتوں کے آگے ڈال دی گئی، اس سکھ ریاست میں مسلمانوں کی جن مقامات پر مضبوط پوزیشن تھی ان کو ایک ایک کر کے ختم کیا گیا۔

مرزا محمد علی کو اس طرح تڑپا تڑپا کر شہید کیا گیا کہ کبھی ان کی آنکھ نکالی کبھی کان اور زبان کاٹ لی گئی، بٹھنڈا کے علاقے میں سے چھ ہزار کی مسلم آبادی میں سے بہ مشکل دو سو زندہ بچے، منسا کے چھ سو مکینوں میں سے صرف ایک مسلمان بچ سکا، ہرنالہ اور سونام وغیرہ کے علاقوں میں مسلمانوں کا وجود باقی نہ رہا۔۔۔اس طرح چند روز میں تقریباً ساٹھ ہزار مسلمان ہستی سے مٹا دیئے گئے۔(پنجاب کے مسلمانوں نے سکھوں کو مارا، بدلے میں سکھوں نے لاکھوں مسلمان مارے)

(۲) ۲ر ستمبر ۴۷ء کا قیامت خیز دن:

۲ر ستمبر مسلمانان پٹیالہ شہر کے واسطے قیامت صغری سے کم نہیں تھا، مہاراجہ اپنے گرمائی محل سے بہ طور خاص برآمد ہوئے تا کہ اپنی مسلم رعایا کے قتل عام کا بذاتِ خود مشاہدہ کریں، کرفیو لگا دیا گیا اور قتل عام شروع کر دیا گیا، نہتے مسلمانوں کو بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا، سڑک در سڑک گھر در گھر زبردست فائرنگ کے بعد میں مسلمانوں کا خاتمہ ہوتا گیا، ۶، ۷ ر ستمبر کو نوجوان مسلمان لڑکیوں کو جن کے والدین پہلے ہی قتل کیے جا چکے تھے کی شرمناک انداز میں نمائش کی گئی، جا بجا ایسی مسلمان خواتین کی لاشیں بکھری پڑی تھیں جن کے اعضاء کے نازک حصوں کی نمائش کی گئی تھی، نوزائیدہ بچوں کی نعشوں کو بھالوں پر لے کر پھرایا گیا، پندرہ اگست کے بعد مسلمان گاجر مولی کی طرح کاٹے جانے لگے، جدھر نگاہ جاتی لاشوں کے ڈھیر، اعضاء کے انبار نظر آتے تھے، مسلمانوں کے خون نے زمین کو رنگین کر دیا تھا، شہر کی نالیاں لہو بہاتی تھیں، ۲۸ر اگست کی صبح حکم ملا کہ سب مسلمان فوجی اپنے اسلحہ سمیت فلاں جگہ جمع ہو جائیں، ہو گئے بس تم اپنی رائفلیں اور گولیاں زمین پر ڈال دو سُنا نہیں! کیا حکم ملا ہے تم کو، سکھ میجر کڑک کر بولا اور ہم نے رائفلیں گولیاں ان کے سپرد کر دیں، ہمیں حکم ملا کہ اپنی بیرکوں میں چلے جاؤ، جونہی ہم نے منہ موڑ کر مارچ کیا ہم پر برین گنوں سے فائرنگ شروع کر دی گئی، اور آن واحد میں نہتے اور بے بس مسلمان سپاہی سینکڑوں کی تعداد میں شہید ہو گئے، مسلمان افسروں اور سپاہیوں کی بیویاں اور لڑکیاں اغواء کر لی گئیں۔

(ماخوذ: ۱۹۴۷ء کے آنسو ص ۲۰۲ تا ۲۰۸ ناشر آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی)

(۳) مشرقی پنجاب کی تباہی اور دیہات میں قتل عام:

سکھ مسلمانوں کے دیہات تاراج کرنے کے لئے ایک منظم اسکیم پر عمل کر رہے تھے، ایک جتھا رتن سنگھ ایم، ایل، اے کی سرکردگی میں کام کر رہا تھا، جس کے ہمراہ فوج اور پولیس کے سپاہی تھے، دوسرا جتھا زیرے کی پولیس کے ہمراہ حملے کرتا تھا اور تیسرا ریاست فرید کوٹ کی فوج اور موگے کی پولیس کی قیادت میں ہلے بولتا، ان تینوں گروہوں کے حملے کے طریقے مختلف تھے۔

چھوٹے چھوٹے دیہات قریب کے کسی حملے سے متاثر ہو کر خالی ہو جاتے، جتھا وہاں پہنچ کر گھروں کو لوٹتا پھر آگ لگا دیتا، رتن سنگھ کا گروہ جو چار پانچ سو ''اکالیوں'' پر مشتمل تھا، چھوٹے دیہات کے گرد گھیرا ڈال لیتا تھا اس کے بعد رتن سنگھ کی جیپ مسلح پولیس کی جیپ کاروں کے ساتھ گاؤں میں داخل ہوتی، رتن سنگھ لوگوں کو امن کی تلقین کرتا، پھر پولیس کے سپاہی مسلمانوں کے گھروں کی تلاشی لے کر ان کے ہتھیار چھین لیتے، اس کے بعد سکھوں اور ہندوؤں کو ایک طرف اور مسلمانوں کو دوسری طرف کر کے ان پر گولیاں چلا دیتے، جو مسلمان

فائرنگ سے بچنے کے لئے بھاگتے ،گھیرا ڈالنے والے ''اکالی'' انہیں گنڈاسوں ،برچھیوں اور کرپانوں سے کاٹ ڈالتے تھے ۔

بعض مقامات پر تینوں گروہ مل کر حملہ کرتے تھے ،بھک گوجراں والا ،نیلے والا ،تلونڈی ،جلے خاں ،چوٹیاں ڈھولے والا ملہود دھرم کوٹ ،قادروالا ،بہرہ وغیرہ ایسے مقامات ہیں جہاں ان تینوں گروہوں نے مل کر حملے کئے اور کئی ہزار مسلمانوں کو شہید کیا ،پولیس مسلمان لاشوں کو مٹی کا تیل چھڑک کر جلا دیتی ۔

چارلاکھ بہتر ہزار شہید:

مشرقی پنجاب میں مسلمانوں کا اتنا بڑا قتل عام صرف دو ماہ کی قلیل مدت میں کیا گیا ،اس عظیم خوں ریزی کی مثال صرف ریاست حیدر آباد کے دیہات اور قصبات میں دہرائی گئی جہاں تقریباً سات لاکھ مسلمان خاک وخون میں تڑپائے گئے ''مہاجرین کا مسئلہ'' نامی کتاب میں جناب آغا محمد اشرف مرحوم ومغفور نے تحریر فرمایا ہے کہ:

''ہجرت کے دوران میں مسلمانوں کی کتنی جانوں کا نقصان ہوا ،اس کا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے ،کیونکہ اس قیامت صغریٰ کے وقت ایک دوسرے کا ہوش نہیں تھا اور بے گوروکفن لاشوں کو گننا انسان کی قدرت سے باہر تھا ،البتہ صرف اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق مشرقی پنجاب اور مشرقی پنجاب کی ریاستوں میں اُنسٹھ لاکھ پینتیس ہزار ۵۹۳۵۰۰۰ مسلمان بستے تھے ،تقسیم کے بعد مہاجرین کی مردم شماری سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے صرف ۵۱ لاکھ ۹۳ ہزار مسلمان مغربی پاکستان زندہ بچ کر آئے ہیں ،کہا جاتا ہے کہ دولاکھ ستر ہزار مسلمان اب تک مشرقی پنجاب میں زندہ موجود ہیں اگر اسے مان بھی لیا جائے تب بھی تقریباً چار لاکھ ۷۲ ہزار مسلمان لاپتہ ہیں ،دوسرے لفظوں میں مشرقی پنجاب کی مسلم آبادی میں سے ۴ لاکھ ۷۲ ہزار مسلمان قتل وغارت کی صعوبتوں اور بھوک پیاس کا شکار ہوگئے اور یہ اعداد وشمار صرف مشرقی پنجاب اور مشرقی پنجاب کی ریاستوں سے متعلق ہے ۔''

جالندھر کے خونی واقعات :

جالندھر شہر اور اس کے مضافات پر ۱۹۴۷ء کے خوفناک ایام میں کیا گزری ،یہ روزنامہ ڈیلی ٹیلی گراف لندن کے نامہ نگار خصوصی کی زبان سے سنیے:

''آج (۲۲/اگست ۱۹۴۷ء) میں جالندھر پہنچا ،شہر ایک ہنستا بولتا صاف ستھرا مقام تھا لیکن اب یہ مردوں کی بستی ہے جس کی فضائیں شعلوں اور دھوئیں کے مرغوں سے محصور نظر آرہی ہیں ،یہاں پیر کے دن ۱۸/اگست کو (یوم عید الفطر) ہلاکت کا قصہ شروع ہوا اور منگل کے روز اپنی معراج پر پہنچ گیا ۔۔۔۔میں کار میں سوار تھا ،شہر میں داخل ہوگیا ،میں نے دیکھا کہ ہر کوچے اور ہر بازار میں سکھ اپنی تلواریں لہراتے ہوئے پھر رہے ہیں اور مسلمانوں کے مکانات کو مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا رہے ہیں ،پنڈت نہرو کی پولیس کھڑی تماشہ دیکھ رہی ہے اور ایک چوراہے پر بچے کھچے مسلمان جمع ہو رہے تھے ۔''

جالندھر کے مضافات :

لندن ٹائمز کے نامہ نگار کا بیان مؤرخہ ۲۵/اگست ۱۹۴۷ء حسب ذیل ہے:

ان دنوں مشرقی پنجاب میں قتل عام ،ہلاکت اور بربادی کا جو طوفان برپا ہے ،وہ جنگ کے دہشت ناک مناظر سے کئی ہزار گنا

زیادہ ہولناک ہے،یہ ایک عام رائے ہے جو فوج کے برطانوی اور ہندوستانی افسر اپنے چشم دید حالات کی بنا پر ظاہر کر رہے ہیں۔

سکھ اندھا دھند مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہیں اور وہ مشرقی پنجاب کو مسلمانوں کے وجود سے پاک کر رہے ہیں۔۔۔۔۔سفاکی کے اس کھیل کو اونچے طبقے کے سکھ لیڈروں نے منظم طور چلایا ہے،امرتسر اور جالندھر جیسے محض بڑے بڑے شہروں میں اب خاموشی طاری ہے کیونکہ وہاں ایک بھی مسلمان متنفس باقی نہیں رہا،میں نے ہفتہ کے آخری دن ہوائی جہاز میں بیٹھ کر دیکھ بھال کی،مجھے کوئی پچاس گاؤں جلتے نظر آئے۔۔۔۔الخ۔

(ماخوذ؛ ۱۹۴۷ء کے آنسوص،۱۵۲تا۱۵۷ناشر آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی،نمبر ۱۸ جناب ڈاکٹر فریدالدین بقائی صدر،پروفیسر ڈاکٹر وقار احمد رضوی چیئرمین،سید مصطفی بریلوی (علیگی) سیکریٹری)

(۴) پانی پت اور دہلی:

پانی پت میں فساد ۳ رنومبر ۱۹۴۷ء کو شروع ہوا،تین دن بعد جب مولوی لقاء اللہ دہلی سے وہاں پہنچے تو اس وقت شہر کے مسلمانوں کا حال ناقابل بیان تھا ان کا بیان ہے کہ:

۶ رنومبر کا دن گزار کر رات کو گیارہ بجے پانی پت پہنچا،کرفیو کی وجہ سے رات کو لالہ کھیم چند کے یہاں قیام کیا صبح گھر پہنچا،پورا محلہ ایک کیمپ بنا ہوا تھا اور آہ وفغاں کی صدائیں ہر طرف سنائی دے رہی تھیں،یہ آہ وفغاں کیوں تھی؟اس کا جواب قیامت کے دن ہی ملے گا۔۔۔۔ ۳ رنومبر ۱۹۴۷ء کو شہر میں عام قتل وغارت گری کا دور دورہ ہوگیا۔۔۔۔فسادات کی شدت کا اس امر سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں کم از کم دو ڈھائی ہزار مسلمان شہید ہوئے اور تقریباسات آٹھ سو مسلمان خواتین پنجہ اغیار میں پہنچ گئیں،جن میں سے اکثر بعد کو بازیاب ہوگئیں۔

دیہاتوں میں جہاں مسلمانوں کی آبادی تھی ان کی جان بخشی صرف اس صورت میں ممکن ہوسکی کہ وہ ''ہندو ہونے'' کا اعلان کر دیں،چنانچہ بہت بڑی تعداد میں یہ عمل ہوا۔

دہلی کی تباہی:

شاہد احمد دہلوی مرحوم کی کتاب ''دلی کی بپتا'' کے پیش لفظ میں محترمہ ممتاز شیریں صاحبہ نے یہ بات بالکل صحیح لکھی ہے کہ:

''دلی کا المیہ صرف ہزاروں انسانوں کی موت اور ہزاروں گھروں کی بربادی تک محدود نہیں تھا،یہ دلی کی آٹھ سوسالہ تہذیب و تمدن کی موت تھی۔''جب کوئی بڑی تباہی ملک وقوم پر آنے والی ہوتی ہے تو خود بخود آثار پیدا ہوجاتے ہیں،اگست ۱۹۴۷ء کے شروع ہفتہ میں مسلسل خوفناک خبریں آنے لگی تھیں،راقم السطور مسلم لیگ پرنٹنگ پریس دریا گنج کی ایک مشین علی گڑھ منتقل کروانے کے سلسلے میں دہلی گیا ہوا تھا،اس وقت دہلی کی حالت ایسی تھی جیسے طوفان آنے سے پہلے ایک خاص قسم کا سکوت اور خوفناک خاموشی ہوتی ہے، ۱۱ راگست ۱۹۴۷ء کو علی گڑھ سے دہلی پہنچا،یہی وہ تاریخیں تھیں جب لاہور کی حالت بگڑی،امرتسر مسلمانوں سے خالی ہوچکا تھا اور سارے مشرقی پنجاب میں قتل وغارت گری کا طوفان امنڈ آیا تھا،دہلی میں ہر طرف شرنارتھی ہی شرنارتھی نظر آنے لگے۔(یعنی وہ لوگ جو پنجاب سے نکل کر آئے تھے)اور فساد برپا کر رہے تھے۔

مسلمان بچوں کا قتل عام:

اسی زمانہ میں ایک اسکول میں میٹرک کا امتحان ہو رہا تھا، شقی القلب سپروائزر نے حاضری لے کر مسلمان بچوں کو ایک علیحدہ کمرہ میں بٹھایا، پرچا شروع ہونے کے فوراً بعد ظالم سکھوں کی تلواریں ان کے حلقوم پر چل رہی تھیں، پچاس میں سے اڑتالیس معصوم بچے تڑپ تڑپ کر مالک حقیقی سے جا ملے، صرف دو بچے کسی نہ کسی طرح جان بچا کر اپنے گھروں پر پہنچے، اس وقت ڈان اور دیگر مسلم اخبارات جاری تھے، جب یہ دردانگیز خبر سیاہ جدول میں شائع ہوئی تو پورے ہندوستان میں صف ماتم بچھ گئی۔

دہلی اسٹیشن مسلمانوں کا مقتل:

دہلی بہت بڑا جنکشن تھا، اتفاقات یا مجبوری کے تحت مسلمان جونہی اسٹیشن پر پہنچتے ٹرین کی تلاشی لے کر ان کو سخت بے کسی اور بے بسی کے عالم میں دن دہاڑے شہید کیا جاتا اور قاتلوں کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے والا بھی میسر نہ آتا تھا مسلمانوں کی لاشیں جا بجا سڑنا شروع ہوئیں بعض مکانوں میں مسلمان اس طرح محصور ہو گئے کہ پھر باہر نہیں نکل سکے۔

''دہلی کے مخیر اور خدا ترس انسانوں نے اپنی محنت ومشقت اور گاڑھی کمائی سے یتیموں، بیواؤں، مسکینوں اور ضرورت مندوں طالب علموں کی امداد واعانت کے لئے لاکھوں کروڑوں روپے کی جائیداد وقف کی، ان لوگوں کو کیا معلوم تھا کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا، جب انسانیت اپنا ننگا ناچ کھیلے گی اور خدا کے گھروں اور خدا کے نیک بندوں کے مزاروں کے نام ونشان مٹانے پر تل جائے گی۔

۱۹۴۷ء کی قتل وغارت گری کے زمانے میں اور اس کے بعد دہلی کی بہت سی مسجدوں، قبرستانوں، درگاہوں اور مقبروں کو توڑ دیا گیا، مسجدوں میں گھوڑے باندھے جا رہے ہیں، قبروں پر ہل چلائے گئے اور مسجدوں اور قبرستانوں میں مندر اور گوردوارے بن گئے ہیں۔

۱۹۴۷ء کے زمانہ میں دیوان سنگھ مفتوں کے پاس ایک محنتی چپراسی رن سنگھ نامی تھا، کچھ عرصہ بعد سردار صاحب نے محسوس کیا کہ وہ کام سے جی چرائے ہوئے ہے اور اکھڑا اکھڑا سے ہے، سردار صاحب نے جب اس سے خیریت دریافت کی تو اس نے اپنے گھر سے آیا ہوا ایک خط دکھایا جس میں لکھا ہوا تھا کہ:

''اب تم کو ملازمت کرنے کی ضرورت نہیں فوراً اپنے گھر واپس چلے آؤ مسلمانوں سے لوٹا ہوا مال ہم نے بہت کافی حاصل کر لیا ہے، مسلمان عورتیں بھی موجود ہیں جتنا مال تم چاہے لے لینا، تم فوراً اپنے گاؤں پہنچو۔''

خدا جانے یہ مسلمان عورتیں بازیاب ہوئیں یا پنجۂ اغیار میں رہ گئیں، ایک زمانے میں اندازہ لگایا گیا تھا کہ پچپن ہزار (۵۵۰۰۰) خواتین ہندوؤں اور سکھوں کے قبضے میں رہ گئیں تھیں۔

سٹی ریلوے اسٹیشن دہلی آنکھوں دیکھا حال:

جناب انعام الحق ہادی امروہی، دہلی میں مسلمانوں کے قتل عام کے وقت فوجی ملازمت میں تھے، ہادی صاحب کے بیان کی تلخیص قریب قریب ان ہی کے الفاظ میں ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

۱۹۴۷ء میں میرا عنفوان شباب پر تھا، میں اس وقت انڈین آرمی میں ملازم تھا ستمبر/اکتوبر ۱۹۴۷ء میں ہندوستان کے دارا

حکومت دہلی میں جس پیمانے پرخون مسلم کی ارزانی ہوئی اس کی مثال ۱۹۵۷ء(صحیح ۱۸۵۷ء) کی جنگ آزادی اول کے بعد دستیاب نہیں ہوتی، چند واقعات کا میں عینی شاہد ہوں، اس خونی ہنگامے میں میرے قریبی عزیزوں کی جانوں کا نذرانہ بھی شامل ہے۔ دہلی میں قتل عام سے قبل افواہوں کی گرم بازاری تھی، حالت کچھ ایسی ہوگئی کہ راہ فرار مسدود نظر آنے لگی، جب ہر طرف مایوسی کے بادل چھا گئے تو مجبوراً نقل مکانی کا فیصلہ کرنا پڑا، میں اپنے خاندان سمیت ایک تانگے والے کو منہ مانگے پیسے دے کر دہلی سٹی ریلوے اسٹیشن تک لے جانے پر آمادہ کرنے میں کامیاب ہوگیا، تانگے والا نہ معلوم کن کن راستوں سے ہوکر بالآخر خیریت کے ساتھ دہلی اسٹیشن پہنچ گیا، راستے میں جو مناظر نظر سے گذرے ان کی کیفیت ناقابل بیان ہے، ہر طرف آہ وبکار، چیخ وپکار کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں، سڑکوں پر خون سے لت پت لاشیں پڑی تھیں، ہم سب لرزتے کانپتے دہلی ریلوے اسٹیشن پہنچے، اسی اسٹیشن پر سینکڑوں بار آنا جانا ہوا لیکن آج یہاں کا عالم ہی دوسرا تھا۔"

اس وقت اسٹیشن پر ہزاروں پریشان حال مسلمان مسافر جگہ بہ جگہ حسرت و یاس کی تصویر مجسم بنے بیٹھے ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے، ان کے چہروں پر بری طرح اداسی چھائی ہوئی تھی لمحہ بہ لمحہ موت کے سائے گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

اسٹیشن پر پہنچ کر پہلی پریشانی یہ ہوئی کہ میرا ایک چھوٹا بھائی جو کہ "اسٹیٹسمین" اخبار کے دفتر میں کام کرتا تھا اسٹیشن نہ پہنچ سکا، اسی دوران وطن امروہہ، یو، پی بھارت جانے والی گاڑی پلیٹ فارم پر لگ گئی چنانچہ مزید انتظار کئے بغیر ہم نے اللہ کا نام لے کر اپنے خاندان کو اس میں سوار کر دیا، جب گاڑی نظروں سے اوجھل ہوگئی تو میں باہر آ کر ایک چھوٹے سے ہوٹل کی طرف چلا گیا جو اس وقت بند تھا اور لوگ باہر بنچوں پر بیٹھے شہر کی حالت زار پر دھیمے دھیمے لہجہ میں گفتگو کر رہے تھے، میں بھی ان میں شامل ہوکر گفتگوئیں خاموشی کے ساتھ سننے لگا اسی دوران اتفاقاً اپنے ایک رشتہ دار سے ملاقات ہوئی وہ ریلوے اسٹیشن میں کام کرتے تھے، کہنے لگے غضب ہوگیا جس گاڑی میں تم نے اپنے گھر والو ل کو سوار کرایا ہے وہ ابھی ابھی معلوم ہوا ہے کہ شاہدرہ اسٹیشن پر کٹ گئی، یہ سن کر میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی، انہوں نے کہا کہ قیامت آگئی، ان سے معلوم ہوا ہے کہ اس گاڑی میں سوار زیادہ تر مسافروں کو گاڑی سے اتار کر سکھوں اور ہندوؤں نے قتل کر دیا تھا۔

اس واقعہ کی خبر پھیلتے ہی دیکھتے ہی دیکھتے دہلی شہر میں خون کی ہولی زور شور سے شروع ہوگئی اور سٹی ریلوے اسٹیشن دہلی بھی پوری طرح لپیٹ میں آگیا، گویا شاہدرہ کا واقعہ ایک سگنل تھا، میرا دماغ اس خبر کو سن کر ماؤف ہوگیا اور اسٹیشن سے باہر کی فضا کا اندازہ کر کے گھبراہٹ میں دوبارہ اسٹیشن کے اندر پہنچ گیا، اتفاقاً ایک گاڑی پلیٹ فارم نمبر ۲ پر کھڑی ہوئی تھی میں بلا سوچے سمجھے گاڑی کے سرونٹ ڈبہ داخل ہوگیا اور ڈبہ کی دوسری جانب منہ کر کے بیٹھ گیا میری پشت کی کھڑکی پلیٹ فارم نمبر ا کی طرف کھلتی تھی، ابھی دس پندرہ منٹ اس حال میں گزرے ہونگے کہ میری آنکھوں کے سامنے پلیٹ فارم نمبر ا پر قتل عام شروع ہوگیا، اس وقت سینکڑوں انسانوں کو اس طرح ذبحہ کیا جا رہا تھا جیسے وہ انسان نہیں جانور تھے، سکھوں کا ایک گروہ انسانوں کو جبریہ زمین پر پٹخ پٹخ کر ذبحہ کر رہا تھا، دوسرا انہی تڑپے انسانوں کے پیٹ چاک کر کے بہیمانہ عمل میں مصروف تھا۔

پلیٹ فارم پر جگہ جگہ سینکڑوں کی تعداد میں نعشیں بکھری ہوئی تھیں اور خون بہہ بہہ کر سب طرف پھیل رہا تھا، اس وقت ایک انتہائی کرب ناک نظارہ یہ بھی دیکھا کہ دس بارہ اور پندرہ سال عمر کے سکھ نوجوان اور غیر مسلم لڑکے تڑپتے اور نیم مردہ انسانوں کو اپنے پیروں سے دھکیل دھکیل کر اور ٹھوکریں مار مار کر پلیٹ فارم سے ریلوے لائنوں پر پھینک رہے تھے، میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ اس کیفیت کا احاطہ کرسکوں۔۔۔الخ۔

ایک ہولناک سفر دہلی تا لاہور: (ریل)

۷-۱۹۴۶ء کے دوران دہلی سے لاہور تک نہ معلوم کتنے مسلمان پاکستان پہنچنے کی آرزو دل میں لئے ملک عدم کو سدھار گئے، یہ حالات قیامت تک پردہ اخفا میں رہیں گے ذیل میں تاریخی رکارڈ درست کرنے کے لئے ڈاکٹر زاہد امجد علی کے سفر دہلی تا لاہور کی المناک روداد کی تلخیص روزنامہ جنگ ۳۱ ستمبر ۱۹۸۰ء سے پیش کی جاتی ہے۔

''دہلی کے پرانے قلعے سے ٹرین کی روانگی سے قبل ڈوگرا فوجیوں نے تمام مسافروں کی تلاشی لے کر انہیں ایک چھوٹے سے چھوٹے چاقو تک سے محروم کر دیا تھا، تمام مسافروں کو بوگیوں میں بھیڑ بکریوں کی مانند بھرا گیا جس کی وجہ سے کمپارٹمنٹ میں شدید گرمی اور گھٹن پیدا ہوگئی اور جس کی وجہ سے سانس لینا بھی دشوار ہوگیا''

یہ ٹرین دو دن کے سفر کے بعد جب کسی مسلم اسٹیشن پر رکی تو مقامی مسلمانوں کی امدادی پارٹیوں نے ہماری ٹرین کو اپنے نرغہ میں لے لیا وہ لوگ روٹی سالن، پکے ہوئے چاول، سبزی اور فروٹ وغیرہ مسافروں میں کثرت سے تقسیم کر رہے تھے، پانی کے لئے بے شمار چھوٹے بڑے برتنوں کا انتظام تھا، یہی امدادی پارٹیوں نے آنے والے خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے مشورہ دیا:

''کچھ ہندوؤں اور سکھوں نے اس گاڑی کو 'بیاس'' کے اسٹیشن پر حملہ کر کے بالکل صاف کر دینے کا خوفناک منصوبہ تیار کیا ہوا ہے، اس لئے آپ لوگوں کو چاہیے کہ اپنے اپنے کمپارٹمنٹ کے دروازے اور کھڑکیاں اچھی طرح بند رکھیں۔''

پوری گاڑی میں توبہ استغفار کا ورد جاری ہوگیا اور سب کے چہروں پر خوف و ہراس نے اپنا رنگ جما لیا تھا، اگرچہ ابھی تک کوئی غیر معمولی واقعہ رونما نہیں ہوا تھا، پھر بھی ہر شخص کو ایک ایک لمحہ انتہائی وحشت ناک اور کربناک معلوم ہو رہا تھا، بہت سی عورتیں اپنے اپنے بچوں کو سینوں کے نیچے دبائے ہوئے تھیں، قدرتی طور پر اس وقت ہر مرد و زن یہی سمجھ رہا تھا کہ شاید عنقریب اس گاڑی کے مسافروں کا بھی ایسا حشر ہونے والا ہے۔

ابھی ہماری ٹرین 'بیاس'' کے اسٹیشن میں داخل ہو کر آہستہ آہستہ رک رہی تھی کہ اچانک کہیں قریب ہی سے رائفل کی گولی چلنے کی آواز سنائی دی، پھر اس کے بعد مزید گولیاں چلیں اور خاموشی چھا گئی، لیکن اس اثنا میں توبہ واستغفار کا ورد تیز ہوگیا اور ٹرین میں دبا دبا شور مچنے لگا، کچھ لوگوں نے دیکھا کہ اسٹیشن کے پل کے اوپر سے چند آدمی تیزی سے دوڑتے ہوئے ٹرین کی جانب آرہے ہیں، ابھی دھندلکا اتنا گہرا نہیں ہوا تھا کہ کچھ دور سے پہچانا نہ جاسکے، اس لئے سرمئی دھندلکے میں دیکھنے پر معلوم ہوا کہ وہ چند سکھوں کا ایک گروہ تھا جو غالباً پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق گاڑی پر حملہ کرنے آرہے تھے۔۔۔۔آناً فاناً سکھوں اور ہندوؤں کی جنونی یلغار، بے بس و مجبور اور نہتے مسافروں پر ٹوٹ پڑی، چونکہ ٹرین کے بیشتر ڈبوں کی کھڑکیاں اور دروازے مضبوطی سے بند تھے، جس کی وجہ سے انہیں کھولنے کے لئے حملہ آوروں کو تھوڑا وقت صرف کرنا پڑا۔۔۔۔آخر کار تھوڑے ہی وقت میں ہر کمپارٹمنٹ ایک قصاب کی دوکان کا منظر پیش کرنے لگا، بہت سے حملہ آور اندر گھس آئے تھے، حملہ آوروں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو زخموں سے چور مسافروں کو کھینچ کھینچ کر بوگی سے باہر پھینک رہے تھے، جہاں پر بوگی کے سامنے بہت سے حملہ آور موجود تھے، اور جو باہر گرنے والا مردوں، عورتوں اور بچوں کے جسموں کے مختلف حصوں کو نہایت بے دردی سے کاٹ کاٹ کر الگ پھینک رہے تھے، اس کے علاوہ بہت سے حملہ آور ایسے بھی تھے جو گرنے والے زخمیوں کو کھینچ کر پلیٹ فارم پر

لے جاتے تھے،جہاں ایک کنواں تھا، کچھ وحشی قسم کے سکھ وہاں پہلے سے موجود تھے،جو بے رحم قصاب کی مانند ہاتھ ،پاؤں ،دھڑ اور سر وغیرہ کو بہت سے ٹکڑوں میں کاٹ کاٹ کر کنویں میں پھینک رہے تھے،عورتوں نے اپنے بچوں کو پہلے ہی سے سینوں میں چھپایا ہوا تھا۔

ڈاکٹر امجد علی کی سرگزشت:

وہ وقت ایسا ہولناک اور دردناک تھا کہ ہر مرد،عورت اور بچہ اپنی اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا،آہ و بکا اور چیخ و پکار کے ساتھ ساتھ نفسانفسی کے عالم میں تھا،خون کا دریا جو پانی کی مانند بے تحاشہ بہہ رہا تھا۔

اچانک ایک طاقت ور ہاتھ نے میری کلائی پکڑ کر باہر کھینچا، ساتھ ہی تیز قسم کے کئی جھٹکے محسوس ہوئے اور دوسرے لمحے میں کمپارٹمنٹ سے نیچے بے شمار لاشوں اور زخمیوں میں پڑا تھا، نیچے گرنے کے فوراً بعد مجھے ایسا محسوس ہوا گویا اچانک نیند آگئی ہو، کچھ دیر تک غنودگی طاری رہی اس کے بعد میں خود بخود اپنے ہوش وحواس میں آگیا حملہ آور ابھی تک قتل عام کر کے اپنی ظالمانہ اور سفاکانہ کاروائی میں مصروف تھے میں نے سوچا کہ اگر ان میں سے کسی کو بھی یہ شک ہوگیا کہ میں زندہ ہوں تو وہ مجھے فوراً ختم کر دیں گے،اگر چہ اپنی دانست میں انہوں نے مجھے اب بھی ختم ہی کر دیا تھا،لیکن مشیت ایزدی کو ابھی میری موت منظور نہیں تھی (اور میری عمر تقریباً آٹھ سال تھی ،گھر کے تیار کردہ اصلی گھی ،تازہ پھل، باقاعدہ ورزش نے مجھے غیر معمولی صحت مند بنا دیا تھا جس کی وجہ سے ہر دیکھنے والا میرے متعلق یہی رائے رکھتا تھا کہ میری عمر تقریباً چودہ سال ہے۔) شاید ہندوؤں اور سکھوں کے ظلم و بربریت سے بھرپور کاروائی دیکھنے کے لئے قدرت نے مجھے بچا لیا تھا۔

قدرت کی مدد:

اچانک ایک سکھ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ مجھے گھسیٹتے ہوئے کنویں کی جانب لے جانے لگا،ابھی وہ چند قدم بھی نہیں چلنے پایا تھا کہ ایک سکھ تیزی سے دوڑتا ہوا آیا اور مجھے لے جانے والے سکھ سے اونچی آواز میں جلدی جلدی بولا ”مان سنگھ“ جلدی واپس چلو، پچھلے اسٹیشن سے بلوچ ملٹری کی گاڑی روانہ ہوگئی ہے۔

اتنا سنتے ہی مان سنگھ نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا اور تمام حملہ آوروں کو اونچی اونچی آواز سے واپس چلنے کے لئے کہتا ہوا تیزی سے دوڑتا چلا گیا اور اس کے جانے کے بعد میری جان میں جان آئی۔۔۔الخ۔

(نمبر ۸ کے ماخذ،ماخوذ از ۱۹۴۷ء کے آنسوص،۶۵ تا ۱۰۳ ناشر آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس کراچی نمبر ۱۸)

تقسیم کے بعد مسلمانوں کا قتل عام:

مسلم لیگ کے ڈائریکٹ ایکشن یا راست اقدام کے نتیجہ میں اگست ۱۹۴۶ء سے برصغیر کے طول وعرض میں فرقہ وارانہ (ہندوؤں اور مسلمانوں میں) فسادات کا لاوا پھٹ پڑا تھا،جس کے مختصر اسباب سطور بالا میں بیان کئے جا چکے ہیں،لیکن ۳ رجون ۱۹۴۷ء کو برصغیر کی تقسیم کے اعلان کے بعد ہندو اور مسلم آبادیوں کا انخلاء ناگریز ہوگیا تھا۔۔۔۔مشرقی پنجاب کے وہ علاقے جہاں مسلم اکثریت تھی ،انہیں بھی بھارت کا جز بنا دیا گیا،۱۷ اگست ۱۹۴۷ء کو جب سرحدی کمیشن نے گورداس پور کو ہندوستان میں شامل کرنے کا اعلان کیا تو پورے مشرقی پنجاب میں جنگل کی آگ کی طرح فسادات شروع ہو گئے ،امرتسر،گورداسپور، کانگڑہ ،جالندھر،ہوشیار پور، ریاست کپورتھلہ،لدھیانہ اور دیگر مقامات پر ہندو اور سکھوں کے مسلح جتھوں نے گاؤں گاؤں،قصبے قصبے اور شہروں کو بے گناہ اور نہتے مسلمانوں پر حملے شروع کر دئیے اور

بلا امتیاز، مسلمان عورتیں، بچے، بوڑھے، جوان، نوجوان شیرخوار یا بیمار اور معذور افراد تک کو بے دریغ قتل کیا گیا۔۔۔مولانا محمد میاں نے بیان کیا ہے کہ تقسیم کا اصول طے ہونے کے بعد ہی ایک نئی تحریک نے جنم لیا، جس کے تحت مشرقی پنجاب میں غیر مسلموں کے جتھے تیار کئے گئے، جن کا مقصد یہ تھا کہ وہ ان حادثات کا انتقام لیں جو تقسیم سے پہلے صوبہ سرحد اور ضلع راولپنڈی میں رونما ہوئے تھے، چنانچہ اس تحریک نے ظلم وتشدد اتنے پیمانے پر شروع کئے جس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں اس سے پہلے نہیں ملتی، اور یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ کہیں اس ظلم و تشدد کی وجہ سے بھارت کی تمام مسلم آبادی سرے سے فنا ہو کر ہی نہ رہ جائے، چنانچہ ان ہنگاموں کے اثرات نے مغربی پنجاب میں مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ بھی مسلمانوں کے خون کا بدلہ لیں، چنانچہ مغربی پنجاب کے فسادات اور قتل وغارت گری کے سیلاب سے ایسا محسوس ہونے لگا کہ کہیں پنجاب کے تمام ہندو اور سکھ اس کی لپیٹ میں نہ آجائیں۔

(ماخوذ: تحریک پاکستان میں علماء کا کردار سیاسی وعلمی کردار ص ۱۹۳، ۱۹۴)

فساد کی اصل بنیاد اور گڑھ ”پنجاب اور پنجاب کی تقسیم“ اور مسلم لیگ کے فیصلے ہیں

اول:

جیسا کہ مذکورہ بالا تحریر میں ڈاکٹر ایچ، بی خاں نے لکھا ہے:

(۱) (مسلم لیگ کے) ڈائریکٹ ایکشن یا راست اقدام کے نتیجے میں اگست ۱۹۴۶ء سے برصغیر کے طول وعرض میں فرقہ وارانہ (یعنی ہندو مسلم میں) فسادات کا لاوا پھٹ پڑا تھا۔

(۲) مشرقی پنجاب میں غیر مسلموں کے جتھے تیار کئے گئے جن کا مقصد یہ تھا کہ وہ ان حادثات کا انتقام لیں جو تقسیم سے پہلے صوبہ سرحد اور ضلع راولپنڈی میں رونما ہوئے تھے۔۔۔الخ۔

پہلے نمبر کا تعلق بنگال سے ہے جس کو آپ اوپر فیصلہ نمبر ۶ پاکستان بنانے کا اعلان کے عنوان سے پڑھ چکے ہیں اور دوسرے نمبر کا تعلق پنجاب میں سول نافرمانی کی تحریک سے ہے، یعنی وہ تحریک جو مسلم لیگ نے ہندو، سکھ اور مسلمان یعنی خضر حیات حکومت کے خلاف چلائی تھی، جس کو آپ اوپر فیصلہ نمبر ۷ کے تحت پڑھ چکے ہیں۔

دوم:

مسٹر آئن ٹالبوٹ لکھتے ہیں:

اب انگریز برصغیر سے رخصت ہو رہے ہیں، مرکز اور صوبے کے باہمی تعلق کے بارے میں پنجابی مسلمان ایک مرتبہ پھر متفکر ہو گئے، پنجابی مسلمانوں کی اکثریت محسوس کرتی تھی کہ مرکز سے کانگریس کی ممکنہ مداخلت سے آزادی پانے کے بجائے پاکستانی ریاست کے وجود میں آنے سے جو اقتصادی اور فرقہ وارانہ مسائل جنم لیں گے وہ زیادہ خطرناک نتائج کے حامل ہونگے، پاکستان کے قیام کی صورت میں پھیل جانے والے فرقہ وارانہ ہیجان سے صرف خضر اور سکندر ہی خوف زدہ نہ تھے بلکہ پنجابی مسلمانوں کی بڑی تعداد کے اذہان میں بھی اسی نوع کے اندیشے جاگزیں تھے۔

پاکستان کے قیام کی حمایت دراصل وہ مسلمان بڑی شدومد سے کررہے تھے، جوکہ مسلم اقلیتی علاقوں میں سکونت پذیر تھے (یعنی ان صوبوں کے مسلمان جن صوبوں میں ہندوؤں کی حکومت تھی۔ساجد) مثلاً بمبئی کے مسلم تاجروں کے لئے ہندو کمرشل (تجارتی) طبقے سے جان چھڑانے کا یہ بہت ہی اچھا ذریعہ ہوسکتا تھا کہ اگر پاکستان کی صورت میں ایک ایسا ملک وجود میں آجائے جہاں کاروبار میں انہیں ہندوؤں سے مقابلہ نہ کرنا پڑے، اسی طرح یو پی کے سرکاری ملازمین کو بھی اسی طرح ناصرف مغلوں کی گذشتہ عظمت کو دوبارہ سے زندہ کرنے کا موقعہ مل سکتا تھا، بلکہ اردو زبان وثقافت کو بھی اس صورت میں تحفظ مل سکتا تھا کہ اگر پاکستان بن جاتا، علاوہ ازیں یو پی کے تمام ملازم پیشہ طبقے کو ملازمتوں کے بھی کہیں زیادہ اور بہتر مواقع میسر آسکتے تھے۔

لیکن جب سے ان کو صحیح حالات کا اندازہ ہوا وہ مستقبل کے افکار (اور آئندہ کی فکر) میں گرفتار ہوگئے، وہ یاد کرتے تھے کہ پاکستان کا عقیدہ اقلیتوں کے تحفظ کے لئے قائم کیا گیا تھا، کیونکہ شمال مغربی اور مشرقی مسلم حصوں میں تو یوں بھی مسلمان کہیں ستر کہیں پچپن فیصد تھے جن کے لئے تحفظات کی ضرورت نہ تھی .... پھر جب ان حصوں سے مسلم اقلیتوں کا کوئی سلسلہ یا سروکار نہ رہ جائے گا (کیونکہ ان حصوں پر تو پاکستان نہیں بن رہا تھا) تو وہ اقلیتیں بالکل بے بس ہوجائیں گی اس لئے ۳ر جون (وتقسیم کے اعلان) کے بعد ان کے ذہن پر ایک بڑا بوجھ پڑگیا اور وہ اس کے نیچے دبنے لگے اور ان پر یاس طاری ہونے لگا، دوسری طرف پاکستانی حصوں کے ہمارے ساتھی اپنا اپنا مستقبل بنانے کی فکر میں لگ گئے اور قدرتاً ان کو ہم سے صلاح اور مشورہ کرنے میں دقتیں محسوس ہونے لگیں جو کل تک ہمارے ساتھی سپاہی تھے وہ آج کچھ بیگانے سے ہوگئے، ادھر ملک میں دوقومی نظریہ نے ملک میں بڑا تفرقہ ڈال دیا تھا اور جو لوگ پاکستان بنوانے کی سعی میں پیش پیش تھے ان سے سخت عناد پیدا ہوگیا تھا۔

(ماخوذ: شاہراہ پاکستان ص،۱۰۵۸، چودھری خلیق الزماں)

لیکن پنجاب کے مسلمانوں کو جن معروضی (اور باہر کے دوسرے) حالات کا سامنا تھا وہ اس سے کافی مختلف تھے وہ پنجاب میں رہنے والے ہندوؤں یا سکھوں سے قطعاً خائف نہ تھے (کیونکہ پنجاب کی حکومت اور یونینسٹ پارٹی کا سربراہ خضر حیات تھا، جس میں ہندو، سکھ اور مسلمان شامل تھے۔ساجد) بلکہ ان کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ان کی خوشحالی ہندوؤں یا سکھوں سے تعاون میں پنہاں ہے، البتہ انہیں یہ خطرہ ضرور تھا کہ سکھ قیام پاکستان کی مخالفت میں طاقت کا استعمال کریں گے، کیونکہ پاکستان بن جانے کی صورت میں انہیں مغربی پنجاب کی کینال کالونیوں میں واقع اپنی جائدادوں سے ہاتھ دھونا پڑیں گے، سکندر کو تو یہ خوف واقعتاً لاحق تھا کہ اگر پاکستان بن گیا تو پنجاب میں بہت بڑے پیمانے پر خون ریزی ہوگی، ۱۹۳۹ء میں اس نے ایک ڈھیلی ڈھالی انڈین فیڈریشن اور کل ہندوستان پر ایک ایسی وفاقی حکومت ہو جس میں صوبے مکمل طور پر خودمختار ہوں کی تجویز اسی وجہ سے پیش کی تھی تاکہ پاکستانی ریاست کے قیام کے مطالبے کا کسی نہ کسی طرح سد باب کیا جاسکے۔

۱۹۴۱ء میں ایک مرتبہ پھر اس نے پاکستان کی سکیم سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کیا، قانون ساز اسمبلی میں پاکستان کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے اس نے کہا، ہم ایسی آزادی کے خواہاں ہرگز نہیں کہ ایک جگہ پر مسلم راج قائم ہوجائے اور کسی دوسری جگہ پر ہندو راج! اگر پاکستان سکیم میں یہی کچھ ہے تو میرا اس سے قطعاً کوئی تعلق نہیں ۔۔۔۔ اگر آپ پنجاب کے لئے حقیقی آزادی چاہتے ہیں تو پنجاب پاکستان کا حصہ نہیں ہوگا، بلکہ پنجاب، پنجاب ہی رہے گا، یعنی پانچ دریاؤں کی سرزمین! مختصر یہی پنجاب کا وہ سیاسی مستقبل ہے جس کا

میں تصور کرسکتا ہوں اور نئے آئین کے تحت یہی میرا ملک ہوگا۔۔۔الخ۔
(ماخوذ: پنجاب غلامی سے آزادی تک ص ۲۰۲، ۲۰۳ مصنف آئن ٹالبوٹ مترجم ظاہر کامران)

سوم:
ڈاکٹر ایچ ۔بی خاں لکھتے ہیں:
اس طرح مولانا آزاد نے عام انتخابات کے بعد اس بات کا بھی اظہار کیا کہ مسٹر جناح نے مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کو ہدایت کی کہ یونینسٹ (خضر حیات کی ہندو، سکھ اور مسلمانوں پر مشتمل) پارٹی کے ساتھ مل کر وزارت نہ بنائی جائے، مسٹر جناح کے اس اقدام سے مسلم سالمیت کو بہت نقصان پہنچا، اگر لیگ یونینسٹ پارٹی کے ساتھ مل کر پورے پنجاب میں وزارت بنالیتی (جیسا کہ اوپر فیصلہ نمبر ۵ سکندر جناح پیکٹ کا خاتمہ کے آخر میں گذرا۔اقبال) تو پنجاب کی جو تقسیم ۱۹۴۷ء میں عمل میں آئی وہ نہ آتی بلکہ امکان اغلب تھا کہ پورا پنجاب پاکستان میں شامل ہوتا، مزید برآں کشمیر کا مسئلہ جو ۱۹۴۸ء سے اقوام متحدہ کے رحم وکرم پر بغیر تصفیہ کے الجھا ہوا ہے، اس کی یہ نوبت ہی نہ آتی۔
(ماخوذ: تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی کردار ص ۴۰۹)

چہارم:
چودھری خلیق الزماں نے قرارداد لاہور کی تائید کر چکنے کے کئی برس بعد قرارداد کے متعلق اپنی کتاب میں اظہار کرتے ہوئے کہا:
پھر میں یہ کہتا ہوں کہ صاف الفاظ میں مدعا بیان کیا جائے کہ مسلم لیگ شمال مغربی ہند میں پنجاب، سندھ، سرحد اور بلوچستان کے صوبوں کو بھی ایک فیڈرل اسٹیٹ (یعنی وفاقی ریاست) جو کلیۃً خودمختار اور آزاد ہوگی، بنانا چاہتی ہے اور اسی طرح یہ مطالبہ کرتی ہے کہ مشرقی ہند میں صوبہ بنگال اور آسام کی ایک آزاد اور خودمختار فیڈرل اسٹیٹ قائم کی جائے مگر حیرت ہے کہ اس ''ریزلیوشن'' (اور قرارداد) میں لفظ صوبہ سے اس قدر احتراز کیا گیا ہے کہ کہیں ایک جگہ بھی یہ لفظ استعمال نہیں کیا گیا چاروں صوبے شمال مغربی زون کے مسلم صوبے تھے جن میں ہندو اور سکھ اقلیتیں تھیں مگر کسی حصہ میں ہندو صاحب اقتدار نہ تھے بلکہ سب میں مسلم اکثریت (یا حکومت) تھی ریزلیوشن بنانے والوں کا مقصد رہا ہو، یا نہ رہا ہو، مگر یہ ہندو انڈیا کو کھلی دعوت تھی کہ وقت آنے پر تم پنجاب کے بٹوارے اور تقسیم دعویٰ کا کرنا۔
میں آج ۲۶ برس قبل کے اس ریزولیوشن کے الفاظ کو غور سے دیکھتا ہوں تو میرے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، ہم چلے تھے (یعنی چاہیے تھا) کل صوبہ پنجاب کا دعوی کرنے اور ہم نے اپنی عرضی دعوے (یعنی قرارداد) ہی میں پچاس فیصد (یعنی آدھے پنجاب) کا دعوی قلم زد کردیا۔۔۔الخ۔ (حوالہ مقدمہ نمبر ۳ قرارداد لاہور میں گذرا)
چودھری صاحب ایک اور جگہ لکھتے ہیں:
پنجاب کی تقسیم کی اصل بنیاد ہمارا ۲۳ مارچ ۱۹۴۰ء کا ریزولیوشن تھا مگر ۱۹۴۰ء سے ۱۹۴۷ء تک بہت سے واقعات ایسے پیش آچکے تھے کہ ہم بآسانی یہ کرسکتے تھے کہ جب ایک کانفیڈریشن کی کیبنٹ میشن کی اسکیم کانگریس نے قبول نہ کی تو ہم اب اپنے ۱۹۴۰ء کی تجویز پر عمل نہیں کرسکتے ہیں، اب ہم پورے پنجاب کے مطالبہ پر غور کریں گے، خواہ اس کیلئے ہم کو کوئی بڑی سے بڑی قربانی کرنی پڑے (دراصل مسلم لیگ کے قائد مسٹر محمد علی جناح کسی مخالف کی تجویز یا فارمولے کو ماننا تو درکنار ان کی آواز کو سننا اور انہیں دیکھنا بھی گوارا نہیں

کرتے تھے۔ساجد) سیاسی فضا اس زمانہ میں یہ تھی کہ برٹش (انگریز) حکومت ہندوستان کو خیر آباد کہنے کیلئے تیار تھی وہ سوچ رہی تھی کہ اگر مسلمان راضی ہو جائیں تو ہندوستان کی تقسیم نہ ہو اور اقتدار اعلیٰ ایک متحدہ حکومت کے سپرد کر دیا جائے یا پھر مختلف صوبوں کو تفویض کر دیا جائے (جس کا بہترین اور سب سے اعلیٰ فارمولا مولانا مدنیؒ نے اپریل ۱۹۴۶ء کو انگریز مشن کے سامنے پیش کیا تھا، جو آگے مذکور ہے۔ساجد)

اس وقت ہم اپنی قوت ایمانی اور اپنی اپنی خداداد جرأت سے کام لے کر یہ کہہ دیتے کہ ہم صوبوں میں اقتدار کی تفویض کے حق میں ہیں بشرطیکہ صوبوں کی تقسیم کا کوئی ڈھکوسلا نہ کھڑا کیا جائے اور اگر ایسا کیا گیا تو خون کی ندیاں بہہ جائیں گی، کانگریس نے اپنے آٹھ مارچ ۱۹۴۷ء کے جلسہ میں لاہور اور امرتسر کی ہندو مسلم کشمکش (نہیں بلکہ مسلم لیگ نے سول نافرمانی کی تحریک شروع کی جس کے نتیجے میں مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان زبردست فسادات ہوئے، تب کانگریس نے۔ساجد) پنجاب کی تقسیم کی تجویز منظور کی تھی، کیونکہ وہ (کانگریس) سمجھتی تھی کہ ہندوستان بھر میں اگر بدنظمی پھیلی تو انگریز اپنا پیچھا چھوڑانے کے لئے صوبوں کو اقتدار سپرد کر دے گا مگر اس وقت بھی ہمیں ہمت نہ ہوئی، جس کا نتیجہ بعد میں یہ ہوا کہ تقریباً ۸، ۱۰ لاکھ مسلمان بلا لڑے شہید ہو گئے۔

(ماخوذ: شاہراہ پاکستان ص ۱۰۳۹، ۱۰۴۰ مصنف چودھری خلیق الزماں)

مقدمہ نمبر ۶ برطانوی وزارتی مشن کی آمد اور ہندوستان کی سرزمین کا فیصلہ

برطانوی وزارتی مشن اور جمعیۃ علمائے ہند کا فارمولا:

ڈاکٹر ایچ، بی خاں لکھتے ہیں

وزارتی مشن ۲۳ر مارچ ۱۹۴۶ء کو کراچی پہنچ گیا۔۔۔۔۔برصغیر کے سیاسی حالات اس وقت فیصلہ کن مراحل میں داخل ہو رہے تھے، اس وقت ملک میں معروف سیاسی پارٹیاں مندرجہ ذیل تھیں۔

۱۔کانگریس۔ ۲۔مسلم لیگ۔ ۳۔مسلم پارلیمنٹری بورڈ جس میں جمعیۃ علماء ہند کے علاوہ آٹھ دیگر جماعتیں یعنی مجلس احرار، آل انڈیا مسلم جماعت، آل انڈیا مؤمن کانفرنس، خدائی خدمت گار، انڈی پینڈنٹ، پارٹی بہار، شیعہ کانفرنس، یونینسٹ پارٹی اور خاکسار، غرض یہ کہ وزارتی مشن نے علیحدہ علیحدہ پارٹیوں کے قائدین سے ملاقات کی۔۔۔۔۔۔کل ہند پارلیمنٹری بورڈ کی حیثیت سے شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے مشن کی دعوت پر ملاقات کی، مشن سے ملاقات کرنے والے لیڈروں نے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا مگر سب سے اہم پہلو جمعیۃ علماء ہند کے صدر مولانا مدنیؒ نے پیش کیا، جمعیۃ علماء ہند نے اپنے موقف پر پاکستان کا بہترین بدل تلاش کر کے ایک فارمولا پیش کیا، جس کے اہم اجزاء مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ صوبے خودمختار ہوں۔

۲۔ مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں جو صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالے کر دیں اور جن کا تعلق تمام صوبوں سے یکساں ہو۔

۳۔ ان مشترکہ اختیارات کے علاوہ جن کی تصریح مرکز کے لئے کر دی گئی ہو، باقی تمام تصریح کردہ اور غیر مصرح (یعنی جن کی تصریح نہ ہو وہ۔ساجد) اختیارات صوبوں کے حوالے ہوں۔

۴۔ مرکز کی تشریح ایسے تناسب سے ہو کہ اکثریت اقلیت پر زیادتی نہ کر سکے ،مثلاً پارلیمنٹ کے ممبروں کی تعداد کا تناسب یہ ہو ، ہندو ۴۵،مسلمان ۴۵،دوسری اقلیتیں ۱۰۔

۵۔ جس مسئلہ کے متعلق مسلم ممبران کی اکثریت فیصلہ کر دے کہ اس کا تعلق مذہب سے ہے وہ پارلیمنٹ میں پیش نہ ہو سکے ، اس فارمولے کا مفاد یہ ہوتا ہے:

الف: اہم پورٹ فولیوز (قلمدان وزارت) کی تقسیم مساوی طور پر ہوتی ۔

ب: صوبہ سرحد،صوبہ سندھ ۔صوبہ بلوچستان اور آزاد کشمیر کو (جو اس وقت پورا سکھوں کے قبضہ میں تھا ۔ساجد) ایک صوبہ کی حیثیت دی جاتی ،تو صوبہ کشمیر مذہبی ،معاشرتی ،تہذیبی اور تمدنی امور میں قطعاً خود مختار ہوتا ۔

ج: پورا صوبہ پنجاب راولپنڈی سے لے کر ضلع سہارنپور کی سرحد تک ۔

د: پورا بنگال جس کا دارالحکومت کلکتہ صوبہ بنگال کا عظیم شہر ہوتا مسلم اکثریت کے زیر اقتدار رہتا ۔

ہ: صوبہ دہلی اور صوبہ آسام کی سیاست اور حکومت میں مسلمانوں کا حصہ تقریباً مساوی ہوتا کیونکہ ان دونوں صوبوں میں مسلمان ۳۴، ۳۵ فیصد تھے ۔

و: ہندوستان کے باقی صوبوں میں مسلمان لاوارث یتیم کی طرح نہ ہوتے ، کیونکہ

۱۔ ملازمتوں اور اسمبلیوں میں انکا حصہ سابق ۳۰ یا ۳۳ فیصد ہوتا ۔

۲۔ وزارتوں میں ان کی مؤثر شمولیت ہوتی ۔

۳۔ وہ ایسے مرکز کے ماتحت ہوتے جس میں ان کی تعداد مساوی ورنہ کم از کم ۳۳ فیصد ہوتی اور تمام فرقہ وارانہ امور کی باگ ڈور ان کے ہاتھوں میں ہوتی ، کیونکہ اسمبلی ، یا پارلیمنٹ یا کیبنٹ مسلم ممبران کی موافقت کے بغیر کوئی فیصلہ صادر نہ کر سکتی ۔

جمعیۃ علماء ہند کا فارمولا ایک مثبت فارمولا تھا اور جمعیۃ علماء کے ارکان کو اس پر اتنا وثوق اور بھروسہ تھا کہ وہ ہر ایک کے سامنے اس کو پیش کر سکتے تھے ، چنانچہ ۱۶/اپریل ۱۹۴۶ء کو ۴ بجے شام سے سوا پانچ بجے تک مشن سے ملاقات ہوئی اور جمعیۃ علماء ہند کے حضرات نے اس فارمولے کو مشن کے سامنے پیش کیا ، وزارتی مشن نے اس فارمولے سے اپنی دلچسپی کا اظہار کیا اور مقررہ وقت یعنی نصف گھنٹے سے زائد یعنی ۴۵ منٹ اس فارمولے کے مضمرات اور مفادات کو سمجھنے سمجھانے پر صرف کئے ۔

(ماخوذ : تحریک پاکستان میں علماء کا کردار ، ص ۱۳۲ تا ۱۳۶ ناشر الحمد اکیڈمی کراچی)

وزارتی مشن کا منصوبہ:

محمد عبداللہ ملک لکھتے ہیں :

وفد کا منصوبہ: وفد نے ۱۶/مئی کو اپنی طرف سے برصغیر (یعنی ہندوستان) کے آئندہ سیاسی دستور کا خاکہ شائع کیا جو وزارتی مشن کی تجاویز کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ، ان تجاویز میں برصغیر کے لئے ایک نئی قسم کا وفاق تجویز کیا گیا تھا جو تین منزلہ تھا ، اس کی غرض وغایت بر صغیر کی وحدت کو قائم رکھنا تھا ، (یعنی تقسیم نہ ہو) اس منصوبے کے بنیادی نکات یہ تھے ۔

۱۔ کل برصغیر ایک یونین ہوگی جس میں تمام صوبے اور دیسی ریاستیں شامل ہونگی، یونین کے پاس صرف دفاع امور خارجہ اور مواصلات کے محکمے ہونگے، جن کے لئے یونین کو براہ راست ٹیکس لگانے کا اختیار ہوگا۔

۲۔ یونین کی ایک انتظامیہ اور اسمبلی ہوگی جو صوبوں اور ریاستوں پر مشتمل ہوگی، اس کے آئین میں یہ شرط رکھی گئی کہ فرقہ وارانہ نوعیت (یعنی ہندو مسلم جیسے مسئلوں) اور دستور میں ترمیم جیسے امور کے بارے میں فیصلے کے لئے پورے ایوان کی اکثریت اور اس کے ہندو اور مسلمان ارکان کی اکثریت کی تائید وحمایت حاصل ہوگی۔

۳۔ یونین کے لئے مخصوص محکموں کے علاوہ باقی تمام اختیارات صوبوں کے پاس ہونگے۔

۴۔ صوبوں کی اس طرح گروپ بندی کی جائے گی۔

گروپ اے: مدراس، بمبئی، یوپی، سی پی، بہار اور اڑیسہ۔

گروپ بی: پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان۔

گروپ سی: بنگال اور آسام پر مشتمل ہوگا، ہر گروپ کی اپنی الگ انتظامیہ اور اسمبلی ہوگی، ہر گروپ فیصلہ کرے گا کہ اختیارات میں سے کون کون سے صوبوں کے پاس رہیں گے اور کون سے گروپ کے پاس۔

۵۔ ابتداء میں تمام صوبے اسی گروپ میں رہیں گے جس میں ان کو رکھا گیا ہے مگر دس برس گذر جانے کے بعد ہر صوبہ کو اپنی اسمبلی کی اکثریت کے فیصلے کے مطابق اپنے گروپ سے نکل جانے کا اختیار حاصل ہوگا۔

پہلا گروپ ہندو اکثریت کے صوبوں کا تھا، دوسرا اور تیسرا گروپ مسلمان صوبوں پر مشتمل تھا اس نظام میں گروپوں کی اہمیت بہت زیادہ تھی۔

۶۔ دستور ساز اسمبلی ایک ہوگی ابتدائی کارروائی کے بعد وہ تین حصوں میں بٹ جائے گی، پہلے ہر گروپ اپنا اور اپنے صوبے کا دستور تیار کرے گا بعد میں سب مل کر یونین کا دستور تیار کریں گے۔

اس نظام کی جان گروپنگ سسٹم تھا، اس لئے ۱۷ مئی کو اس کی وضاحت کرتے ہوئے سٹیفورڈ کرپس نے کہا کہ ابتدائی دس برس صوبوں کو اسی گروپ میں رہنا پڑے ہوگا، جس میں ان کو شامل کیا گیا ہے، ۲۵ مئی کو مشن نے ایک اخباری بیان میں پھر کہا کہ صوبوں کی گروپ بندی منصوبہ کا لازمی حصہ ہے اور دونوں فریقوں یا فرقوں کو موجودہ مرکزی اسمبلی کے سامنے جواب دہ نہیں بنایا جاسکتا، تاہم کابینہ مشن نے ان کو برطانوی حکومت کا فیصلہ نہیں بلکہ صرف تجاویز کہا۔۔۔ الخ۔

(اگر فیصلہ نہیں صرف تجاویز ہی تھیں تو وفد یونہی کھیل کود کے لئے آیا ہوگا۔ ساجد)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

مسلم لیگ کی کونسل نے اس بات پر اتفاق کیا کہ چھ مسلمان صوبوں کی لازمی گروپنگ سے مشن کے منصوبے میں پاکستان کی بنیاد موجود ہے وہ اس امید پر یہ منصوبہ قبول کرتے ہیں کہ آخر کار آزاد خود مختار پاکستان بن جائے گا۔۔۔۔۔ وزارتی مشن ۲۹؍ جون ۱۹۴۶ء کو واپس انگلستان چلا گیا، اس کے جانے کے فوراً بعد مولانا آزاد نے کانگریس کے اجلاس میں کہا کہ اس منصوبے نے ہندوستان کی تقسیم کے سارے اندیشے دور کر دیئے اور یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ وہ ایک ناقابل تقسیم وحدت رہے گا۔

نہرو کا بیان:

مولانا ابوالکلام آزاد کے بعد کانگریس کی صدارت جواہر لال نہرو کو سات جولائی کو ملی، خیر سگالی کی اس فضاء کو جواہر لال نہرو نے خراب کر دیا، اس نے ۱۰/جولائی ۱۹۴۶ء کو بمبئی میں ایک پریس کانفرنس میں کہہ دیا کہ کانگریس دستور ساز اسمبلی میں کسی سابقہ سمجھوتے کی پابند نہ ہوگی، اور اپنی صوابدید کے مطابق وزارتی مشن کے منصوبے میں رد و بدل کرنے میں آزاد ہوگی، اس نے صرف دستور ساز اسمبلی میں شرکت پر رضامندی کی ہے، مولانا آزاد لکھتے ہیں کہ مجھے یہ بات کہہ دینی چاہیے کہ نہرو کا بیان غلط تھا، ۱۹۳۷ء میں جواہر لال نہرو نے جو غلطی کی وہ بہت بڑی تھی (جب مسلم لیگ کو وزارت میں شامل کرنے سے انکار کر دیا، جس کی تفصیل مقدمہ نمبر ۳ اور مسلم لیگ اور کانگریس میں وزارتوں پر لڑائی کے عنوان میں گزر چکی ہے۔ساجد) ۱۹۴۶ء کی غلطی اس سے زیادہ مہلک ثابت ہوئی، نہرو کے بیان پر قائد اعظم نے کہا کہ یہ بیان کانگریس کی حقیقی سوچ کی ترجمانی کرتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ پنڈت جواہر لا نہرو نے یہ بیان دے کر اس متحدہ ہندوستان کے ٹکڑے اڑا دیئے جس کے قیام کے لئے قائد اعظم ضروری تحفظات کے ساتھ رضامند ہو چکے تھے۔(نہرو کے بیان سے ایک تو یہ ثابت ہو گیا کہ وہ تقسیم ہی چاہتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اگر وہ تقسیم کی تجویز قبول نہ کرتے تو دو قومی نظریہ کا جنازہ نکل چکا تھا۔ساجد)

پروفیسر عبداللہ ملک آگے لکھتے ہیں:

ایٹلی کا اعلان:

ہندو مسلم مفاہمت کی یہ آخری کوشش بھی ناکام ہو چکی تھی، اس برطانوی وزیر اعظم مسٹر ایٹلی نے ۲۰/فروری کو ایک ڈرامائی اعلان کیا کہ انگریز ۱۸ ماہ کے اندر جون ۱۹۴۸ء تک برصغیر سے چلے جائیں گے اور جاتے وقت وہ یہ سوچیں گے کہ حکومت کس کے حوالے کی جائے اور یہ کہ لارڈ لوئی ماؤنٹ بیٹن کو نیا وائسرائے بنا کر بھیجا جا رہا ہے تا کہ وہ مقررہ وقت کے اندر برطانوی حکومت کی بساط لپیٹ دیں۔

تین جون کا منصوبہ اور قیام پاکستان:

ماؤنٹ بیٹن کی آمد: لارڈ ماؤنٹ بیٹن جو برصغیر کا آخری برطانوی وائسرائے اور گورنر جنرل بن کر ۲۲/مارچ ۱۹۴۷ء کو دہلی پہنچا۔

ملکی صورت حال: جس وقت ماؤنٹ بیٹن نے برصغیر میں قدم رکھا اس وقت سیاسی صورت حال بڑی خطرناک تھی، ملک بھر میں فسادات ہو رہے تھے، صوبہ سرحد میں سول نافرمانی کی تحریک چل رہی تھی، پنجاب میں گورنر راج تھا (جس کو ہم پیچھے قریب قریب مسلم لیگ کا فیصلہ نمبر ۶ اور فیصلہ نمبر ۷ کے تحت تفصیلاً بیان کر چکے ہیں۔ساجد) اسی طرح اس وقت برصغیر خانہ جنگی کے کنارے کھڑا تھا۔

سیاسی لیڈروں سے ملاقاتیں:

ماؤنٹ بیٹن نے آتے ہی سیاسی لیڈروں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا۔۔۔ماؤنٹ بیٹن دو ہفتوں کے اندر اندر اس نتیجے پر پہنچ گیا کہ کابینہ مشن کے منصوبے کے مطابق برصغیر (یعنی ہندوستان) کو متحد رکھنا ممکن نہیں ہے (جس کو آپ سطور بالا میں پڑھ چکے ہیں۔ ساجد) اس لئے اس نے متبادل (یعنی دوسرے) حل پر غور کرنا شروع کر دیا، سب سے پہلے اس نے کانگریس کے مضبوط آدمی سردار ولبھ بھائی پٹیل کو تقسیم کی کڑوی گولی نگلنے پر آمادہ کیا، اس سے ملاقات کے بعد ماؤنٹ بیٹن نے اپنے سٹاف سے کہا! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم

نے میدان مارلیا ہے، یہ شخص تقسیم ہند پر راضی ہے جو چند دنوں بعد پنڈت نہرو بھی تقسیم کے اصول پر راضی ہو گئے، اس طرح ماؤنٹ بیٹن کو آئے ہوئے تین ہفتہ بھی نہ گزرے تھے کہ اس نے کانگریس کو تقسیم کا اصول ماننے پر راضی کر لیا۔

(ماخوذ: تحریک پاکستان ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء، ص ۴۱۶ تا ۴۳۱ مصنف عبداللہ ملک)

مسٹر ایچ ایم سیروانی لکھتے ہیں:

اتنا کافی ہے کہ ماؤنٹ بیٹن ایک ایسا ڈرافٹ لے کر انگلستان گیا جو اس نے نہرو اور جناح دونوں کو دکھایا تھا۔۔۔۔ماؤنٹ بیٹن نے واپسی پر ۳/جون ۱۹۴۷ء کو ریڈیو پر تقریر کی جس میں حکومت برطانیہ کے فیصلے کا اعلان کیا اور کہا کہ یہ فیصلہ ہندوستان کی پارٹیوں کو قبول ہے، حکومت برطانیہ کے فیصلے کے مطابق ہندوستان کو تقسیم کر کے دو مملکتیں، پاکستان اور انڈیا قائم کی جانی تھیں، وائسرائے کی نشری تقریر کے بعد نہرو، جناح اور بلدیو سنگھ نے تقریریں کیں اور پلان کو قبول کرنے کا عندیہ ظاہر کیا۔۔۔۔دونوں مملکتوں کے قیام کی تاریخ ۳۰/جون ۱۹۴۸ء سے بدل کر ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء کر دی گئی، جس سے بے پناہ مسائل پیدا ہوئے۔(تقسیم ہند: ص ۱۳۰ تا ۱۳۲) آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی میٹنگ ۱۴/جون کو منعقد ہوئی جس میں تقسیم کے پلان کو منظور کرنے کے لئے قرارداد پیش کی گئی، نہرو نے مولانا آزاد سے درخواست کی وہ تقسیم اور ماؤنٹ بیٹن پلان کی مخالفت ترک کر دیں، لیکن اس کے باوجود آزاد نے کہا کہ ان کے فرض کا یہ تقاضا ہے کہ وہ اس قرارداد کی مخالفت کریں، چنانچہ آزاد نے اس پر تبصرہ کیا ہے، میں نے نہرو کو بتادیا کہ میں اس کا نقطہ نظر قبول نہیں کر سکتا، میں واضح طور پر محسوس کر رہا تھا کہ ہم ایک کے بعد دوسرا غلط قدم اُٹھا رہے ہیں۔(ایضاً)

جمعیۃ علماء ہند کا نقطہ نظر:

جمعیۃ علماء ہند ہندوستان کی آزادی بلکہ تمام ممالک اسلامیہ کی مذہبی وسیاسی آزادی اور سیاسی فلاح و بہبود اور ترقی صرف اسی پر منحصر سمجھتی ہے کہ ہندوستان سے برطانوی شہنشاہیت کا کلیتاً استیصال کیا جائے، لہٰذا آزادی ہند کی آخری عملی حد تک وہ ملک کی ہر اس سیاسی جماعت کے ساتھ اشتراک عمل کرے گی جو ہندوستان سے برطانیہ کے مکمل اخراج کو اپنا نصب العین قرار دیتی ہو، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی بتلانا چاہتی ہے کہ ملک کی سیاسی منصوبہ بندی اور آزادی ہندوستان میں مسلم مفاد کا تعلق ہے، جمعیۃ علماء ہند اپنا مستقل مقام رکھتی ہے جو اس کے فارمولے سے ظاہر ہے مگر افسوس ہے کہ مسلم لیگ نے پاکستان کا مطالبہ کر کے ہمارے فارمولے کو نظر انداز کیا اور مسلمانوں کی وحدت ملی اور اجتماعی حیات کے لئے ہلاکت کا سامان پیدا کیا۔(جیسے کشمیر علیحدہ ہوا، بنگال بنگلہ دیش بنا، ایک حصہ مسلمانوں کا ہندوستان میں ہی رہ گیا اور ایک حصہ میں مغربی پاکستان بنا، لیکن ہندو سب ایک ہی جگہ جمع ہو گئے، اور ہندوستان ایک بہت بڑی قوت بن گیا۔ساجد)

دوسرا افسوس یہ ہے کہ کانگریس اس نازک مرحلہ پر اپنی جگہ مستقل اور مستحکم نہ رہ سکی اور اپنی روایات کے خلاف تقسیم پنجاب و بنگال (یعنی ہندوستان کی تقسیم کو۔ساجد) قبول کیا۔

جمعیۃ علماء ہند کا اجلاس:

۱۴/جون ۱۹۴۷ء کو تقسیم ہند کے فیصلہ کی توثیق کے لئے کانگریس کا اجلاس ہوا، اس کے بعد ۲۴/جولائی ۱۹۴۷ء کو جمعیۃ کی مجلس عاملہ کا اجلاس طلب کیا گیا، اور تقسیم ہند کے متعلق تجویز میں کہا گیا کہ جمعیۃ کا نصب العین ہمیشہ سے ہندوستان کی مکمل آزادی

حاصل کر رہا ہے اور تقسیم بنگال اور تقسیم پنجاب کو ہندوستان کے لئے عموماً اور مسلمانوں کے لئے خصوصاً سخت مضر رساں اور نقصان رساں بتایا ہے، اس لئے جمعیۃ ایک بار پھر اعلان کرتی ہے کہ ملک کی تقسیم مسلمانوں کے لئے انتہائی تکلیف دہ اور مہلک ثابت ہوگی، برطانیہ کے ۳؍جون ۱۹۴۷ء کے پلان سے وہ اپنی دلی بےزاری کا اظہار کرتی ہے جو ہندوستانی لیڈروں کو پیش کیا ہے، اس پلان کی وجہ سے ہندوستان کی وحدت ہی پارہ پارہ نہیں ہوگی بلکہ اس کی وجہ سے مسلمانانِ ہند تین حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے اور تقریباً پانچ کروڑ مسلمان (جو ہندوستان میں رہ جائیں گے۔ساجد) ایک ایسی اکثریت کی خوراک ہوں گے جس کی تعداد ۳۵ یا ۲۵ کروڑ ہوگی، مسلمانوں کی تباہی اور بےکسی غلط اور مستبدّانہ رہنمائی کا نتیجہ ہے۔(ماخوذ: تحریک پاکستان میں علماء کا کردار، ۱۷۴،اور ۱۸۲ مصنف ڈاکٹر ایچ، بی خاں ناشر الحمد اکیڈمی ناظم آباد کراچی، اشاعت اول)۔

ڈاکٹر ایچ، بی خاں لکھتے ہیں:

۳؍جون ۱۹۴۷ء کی وائسرائے کی تقریر کے بعد حسب ذیل علاقے پاکستان میں شامل کر دیئے گئے۔

الف: ''سندھ''ب'' پنجاب کے اضلاع اٹک، راولپنڈی، جہلم، میانوالی، مظفر گڑھ، ڈیرہ غازی خاں، ملتان، منٹگمری، (حال ساہیوال) لائل پور، (حال فیصل آباد) جھنگ، سرگودھا، گجرات، سیالکوٹ، گوجرانوالہ، شیخوپورہ، لاہور، اور گورداسپور۔

''ج'': بنگال کے اضلاع ڈھاکہ، میمن سنگھ، فرید پور، باقر گنج، چٹاگانگ، ٹیرا، نواکھلی، چٹاگانگ کا پہاڑی علاقہ رنگ پور، بوگرا، راج شاہی، پبنہ، مرشد آباد، ندیا، جیسور پور، دیناج پور اور مالدہ۔

د: ''سہلٹ (بنگال آسام کا جنوبی ضلع) اس کے باشندوں میں استصواب رائے ہوگا، اگر اکثریت نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیئے تو اسے پاکستان میں شامل کر دیا جائے گا۔

بلوچستان شاہی جرگہ کے ووٹوں سے اس علاقہ کی پاکستان میں شمولیت کا فیصلہ کیا جائے گا۔

س: صوبہ سرحد اس صوبہ میں استصواب رائے عامہ سے اس امر کا فیصلہ کیا جائے گا کہ صوبہ سرحد پاکستان میں شامل ہو یا ہندوستان میں۔

سہلٹ اور صوبہ سرحد کا ریفرنڈم:

سہلٹ: قائد اعظم کی قیادت میں آسام اور ہندوستان کے دوسرے علاقوں کے مسلمان لیڈروں اور ورکروں نے شب و روز ایک کر دیئے۔۔۔۔عوام نے مسلم لیگ کے حق میں فیصلہ دیا اور سہلٹ کو آسام سے علیحدہ کر کے مشرقی بنگال میں شامل کرنے کا فیصلہ کر دیا ضلع سہلٹ کی رائے شماری میں مولانا ظفر احمد عثمانی نے بہت بڑا کام انجام دیا اور دیگر علماء کے علاوہ مولانا ظفر احمد عثمانی (دیوبندی) کی خدمات لائق تحسین ہیں۔

سرحد کا ریفرنڈم اور مولانا شبیر احمد عثمانی (دیوبندی)

شمالی مغربی صوبہ کا ریفرنڈم مسلم لیگ کے لئے موت و زیست کا سوال تھا، اس کٹھن اور آزمائش وقت کے لئے قائد اعظم کی دور رس نگاہوں نے علامہ شبیر احمد عثمانی کا انتخاب کیا، کیونکہ سرحد کے عوام مذہبی عقیدت اور دین سے والہانہ لگاؤ رکھتے ہیں، لیگ ہائی کمان نے اس کے علاوہ اپنے ممتاز ترجمان بھی سرحد روانہ کئے تھے، جن میں خاص طور پر مولانا ظفر احمد عثمانی، مولانا قدوس بہاری، پیر جماعت

علی شاہ،ملک فیروز خاں نون راجہ ظفر علی خاں آئی چندریگر ،نواب صدیق علی خاں،سردار عبدالرب نشتر اور مولوی بشیر احمد خاں قابل ذکر ہیں۔

صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں مسلم لیگ کی کامیابی پر مسٹر جناح نے مولانا شبیر احمد عثمانی سے دہلی میں ملاقات کی،اور دوران ملاقات فرمایا کہ؛صوبہ سرحد کا ریفرنڈم پاکستان کے حق میں نتیجہ خیز ثابت ہوا،اس مبارک باد کے آپ مستحق ہیں،میں خواہ سیاست داں سہی لیکن آپ نے بروقت مدد کر کے مذہب کی روح لوگوں میں پھونک دی۔

پاکستان قائم ہوگیا:

علامہ عثمانی کی پاکستان میں آمد اور سیاسی جدوجہد:۔

برصغیر کی تقسیم کے بعد ۱۴/اگست اور ۱۵/اگست ۱۹۴۷ءکو پاکستان اور بھارت علی الترتیب دو آزاد مملکتیں عالم وجود میں آگئیں ،علامہ عثمانی ۶/اگست ۱۹۴۷ءکو دیوبند سے کراچی روانہ ہوئے،تاکہ پاکستان کی دستور ساز اسمبلی کی افتتاحی تقریب میں شرکت کرسکیں، موصوف نے پاکستان دستوریہ کے پہلے اجلاس کا افتتاح قرآن کریم کی مشہور آیت قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ ۔۔۔الخ سے شروع کیا اسکے بعد سے آج تک دستوریہ کا یہ معمول ہے کہ اجلاس کے افتتاح سے پہلے قرآن کریم کی تلاوت ہوتی ہے۔

تقسیم کے بعد پاکستان میں علماء کا کردار

پاکستان بننے کے ساتھ مولانا شبیر احمد عثمانی،اور مولانا ظفر احمد تھانوی نے پرچم کشائی کی، ۱۴/اگست ۱۹۴۷ءکو پاکستان دنیا کے نقشہ پر ایک مملکت خداداد کی حیثیت سے آزاد اور خودمختار ریاست اُبھر کر عالم وجود میں آیا،قائداعظم محمد علی جناح نے مولانا شبیر احمد عثمانی سے (جو کراچی پہنچ چکے تھے) درخواست کی کہ وہ پاکستانی جھنڈے کی رسم پرچم کشائی ادا کریں،چنانچہ مولانا عثمانی نے کراچی میں اپنے دست مبارک سے پاکستان کا پرچم بلند کیا،دوسری طرف یعنی مشرقی پاکستان میں خواجہ ناظم الدین وزیراعلیٰ مشرقی پاکستان نے مولانا ظفر احمد تھانوی سے درخواست کی کہ وہ پاکستان کا پرچم بلند کریں،چنانچہ یہ اعزاز مشرقی پاکستان میں مولانا ظفر احمد تھانوی کو حاصل ہوا۔

(ماخوذ:تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی کردار)

ڈاکٹر ایچ ۔بی خاں مزید لکھتے ہیں:

تقسیم کے بعد مسلمانوں کا قتل عام اور علماء کا رول

جمعیۃ علماء ہند کا کیمپ :

۱۹۴۷ءکی تقسیم کا سب سے بڑا المیہ مشرقی اور مغربی پنجاب کا انخلاء یعنی تبادلہ آبادی کا فیصلہ تھا،چوٹی کے لیڈروں اور برطانوی ایجنٹوں نے اس طرح کیا کہ ان کروڑوں انسانوں کو اس کی خبر تک نہیں جو اس خونی فیصلے سے تباہ و برباد ہونے والے تھے۔تبادلہ آبادی کے نتیجہ میں ہندوستان اور پاکستان کی اقلیتوں کا واسطہ ایسے بھیڑیوں سے پڑا جن سے نہ شنید تھی نہ جان پہچان،ان کی زبان جدا ان کی معاشرت علیحدہ،جولوگ اپنے وطن سے تباہ و برباد ہوکر ہندوستان میں آئے ان میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جو اپنے وطن میں اپنے عزیزوں

اور رشتہ داروں کی تڑپتی ہوئی لاشوں کا چھوڑ کر یہاں آئے تھے، بہت سوں کی بہنیں اور بیٹیاں جدا ہوگئیں تھیں، کتنے ایسے تھے جو اپنی رفیقہ حیات کی بے عزتی سے مضطرب تھے اور سخت بے چین تھے، ان کے دماغ جوش انتقام سے کھول رہے تھے، آنکھیں سرخ چہروں پر درندگی کی وحشت برس رہی تھی۔

فوجوں کی تقسیم نے اس وحشت انگیز اور بربریت نواز بھیڑیوں کو جن کی تعداد لاکھوں تھی، اگر چہ وہ امن قائم کرنے کے خواہاں بھی تھے یہی حالت پولیس کی بھی تھی، دہلی کی پولیس میں مسلمانوں کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی، انہوں نے سب سے پہلے اپنی جان بچانے کی فکر کی۔۔۔۔۔تصویر کا دوسرا رخ یہ تھا کہ پاکستانی اقلیتوں (غیر مسلموں) نے ہندوستان پہنچ کر مسلمانوں کو الٹی میٹم دے دیا کہ: پاکستان بنانے کے ذمہ دار تم ہو، اب تمہارے لئے یہاں پناہ ہرگز نہیں ہے، تیسری طرف خود مسلمانوں کے لیڈروں اور رہنماؤں کی حالت یہ تھی کہ وہ افراد جن کے بل بوتے پر پاکستان کے حامیوں نے گذشتہ دس سال کذا صحیح: تقریباً ۷ سال سے آسمان سر پر اٹھا رکھا تھا، ایک ایک کر کے پاکستان سے رخصت ہو گئے تھے، ان ایام میں پاکستان کا ہر حامی نہ صرف مصیبت زدہ اور مایوس تھا، بلکہ کسی حد تک اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہا تھا، غداری کا ایک عام الزام تھا، جو پاکستانی شرنا تھیوں (یعنی پاکستان چھوڑ کر جانے والوں) اور فرقہ پرستوں کی گرجتی ہوئی آوازوں کے ساتھ ان کے (یعنی ہندوستانی مسلمانوں کے) سروں پر تھوپا جارہا تھا، چوتھی طرف ان حالات میں تمام قوم پرور مسلم رہنماؤں کے سامنے خود اپنے متعلق سوال تھا وہ یہ کہ:

وہ ہندوستان میں رہیں تو کس حیثیت سے، خود ان کی پوزیشن کیا ہو، اور عام مسلمانوں کی پوزیشن کیا ہو بالخصوص ان مسلمانوں کی پوزیشن کیا جو پاکستان کے حامی تھے۔

جمعیۃ علمائے ہند کے اکابر کے عملی کارنامے:

مندرجہ تمام نکات وحالات کی روشنی میں نیز مسلمانان ہند کی جان و مال کے تحفظ کے لئے اب صرف اور صرف اکابر جمعیۃ علماء ہند ہی نظر آتے تھے، چنانچہ ظلم وتشدد کی یہ لہر ایک وبائی مرض کی شکل میں پھیل رہی تھی، چنانچہ اس مرض کی چارہ گری اور بے سہارا مسلمانوں کی مدد وتعاون کے لئے جمعیۃ علماء ہند نے اپنا ایک کیمپ دہلی کے پرانے قلعہ ہمایوں کے مقبرہ میں قائم کیا، اس پرانے قلعہ میں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمان دہلی اور قرب وجوار سے آکر پناہ گزیں ہوئے، مسلمانوں کی بے بسی اور بے کسی کا یہ عالم تھا کہ لوگ اپنی ضروریات زندگی پورا کرنے کے لئے سونا دس روپے تولہ بیچ رہے تھے، طرفہ یہ کروزن کے لئے کوئی پیمانہ نہ تھا (یہی حال ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان میں ہوا کہ مغربی پاکستان کے لوگ ۲۵۰ روپے میں اپنی کاریں بیچ کر گھر آئے کیونکہ ان کے پاس کرایہ تک نہ بچ سکا۔ساجد) صرف اندازہ سے خرید وفروخت جاری تھی، جمعیۃ کے قائم کردہ کیمپ نے نہ صرف اپنی ذمہ داری کو بطریق احسن پورا کیا بلکہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا مفتی کفایت اللہ مفتی اعظم ہند، مولانا ابوالکلام آزاد وزیر تعلیم، سحبان الہند مولانا احمد سعید اور ان کے رفقاء نے پیش آمد مشکلات، مصائب اور شدائد کا نہ صرف پامردی سے مقابلہ کیا بلکہ انہیں عزم اور حوصلہ کے ساتھ حل کرنے کی ممکنہ کوششیں کیں۔

مقدمہ نمبر ۷ بریلوی جماعت کے دعوے اور علمائے دیوبند پر اعتراضات

(لیکن پہلے بریلوی جماعت کی حقیقت)

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں مرقوم ہے:

(ب) بریلوی، برصغیر پاک و ہند میں اہل سنت والجماعت، حزب الاحناف کا ایک گروہ جو افکار و عقائد میں احمد رضا بریلوی قادری کو اپنا پیشوا تسلیم کرتا ہے، تاریخی اعتبار سے یہ گروہ محمد بن عبد الوہاب نجدی کی تحریک، خانوادہ شاہ ولی اللہ خصوصاً شاہ عبد العزیز اور شاہ اسماعیل شہید کے بعض دینی افکار اور علمائے دیوبند کی تحریک کے ردعمل (یعنی مخالفت) کے طور پر وجود میں آیا۔۔۔الخ۔

(موخوذ: اردو دائرہ معارف اسلامیہ زیر انتظامیہ، دانش گاہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور پاکستان ج ۴ ص ۴۸۵)

خیال رہے کہ جناب احمد رضا خاں بریلوی نے ۱۸۹۳ء میں تحریک ندوہ میں شرکت کی اور چار سال بعد ۱۸۹۷ء میں علیحدگی اختیار کی اور پھر تقریباً ۱۹۰۰ء میں علمائے ندوہ کے خلاف عرب سے کفر کا فتوی حاصل کیا اور تقریباً پانچ سال بعد دوسرے حج کے موقعہ پر عرب سے علمائے دیوبند کے خلاف فتویٰ حاصل کیا۔ اور تقریباً ۱۹۱۸ء سے ترکوں کے حق اور انگریزوں کے خلاف چلنے والی تحریک خلافت کے خلاف فتوی صادر فرما۔ اور نومبر ۱۹۲۱ء میں وفات پائی۔

جناب احمد رضا خاں کی بریلوی جماعت نے بانی پاکستان جناب محمد علی جناح پر پہلا کفر کا فتوی غالباً ۱۹۳۹ء میں اور دوسرا کفر کا فتوی ۱۹۴۷ء میں صادر فرمایا، جب پاکستان بن گیا تو اس کے بعد کیا ہوا، اس بارے میں بریلوی جماعت کے جناب پروفیسر مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:

تعجب ہے کہ ''متحدہ قومیت'' (ہندو مسلم ایک قوم ہیں) کے علم برداروں نے دو قومی نظریہ (اور ہندو مسلم علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں) کے داعی اور مجاہد فاضل (احمد رضا خاں) بریلوی علیہ الرحمہ سے کچھ اس طرح بدگماں کیا ہے کہ بدگمانی، بدگمانوں کے رگ و ریشہ میں رچی بسی معلوم ہوتی ہے، متوجہ کرنے کے باوجود محققین متوجہ ہوتے نظر نہیں آتے، سنی سنائی باتوں سے بد دل ہو جانا محقق و مؤرخ کو زیب نہیں دیتا مگر ہمارے ملک میں یہ بھی ہوتا ہے۔۔۔۔ میں کہتا ہوں خود دیکھو، خود پرکھو، وہ کہتے ہیں ہم کو ضرورت نہیں، جو سن لیا ہے، وہی کافی ہے، ان حضرات کا یہ طرز عمل کم از کم راقم (یعنی مسعود احمد) کے لئے ناقابل فہم ہے، ایک طرف یہ افراط کہ متحدہ (یعنی ہندو مسلم ایک) قومیت کے علمبرداروں اور پاکستان کے مخالفوں کے لئے دل میں عزت و احترام ہے اور دوسری طرف یہ تفریط کہ دو قومی نظریہ کے علمبرداروں اور اسلام کے محافظوں (یعنی احمد رضا خاں) کے لئے دل میں نفرت و حقارت۔۔۔الخ۔

(ماخوذ: تحریک آزادیٔ ہند اور السواد الاعظم، ص ۲۲ مصنف پروفیسر محمد مسعود احمد ناشر ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، کراچی، اپریل ۲۰۰۲ء)

بریلوی جماعت کے جناب پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب خود، دکھانا اور خود سنانا چاہتے ہیں لہٰذا قارئین کرام کو چاہیے کہ وہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ظاہر فرمائیں تاکہ پروفیسر موصوف کے دل کو اطمینان حاصل ہو، چنانچہ پروفیسر صاحب کی مذکورہ بالا کتاب ''السواد الاعظم'' میں مرقوم ہے:۔

''تحریک پاکستان میں دوقومی (ہندواور مسلم دوعلیحدہ علیحدہ قومیں ہیں کے) نظریہ کو بنیادی اہمیت حاصل ہے اس نظریہ کا تعارف (ودعویٰ) بظاہر تو قرارداد پاکستان سے ہوا جو آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور، ۱۹۴۰ء میں منظور ہوئی مگر حقیقت میں اس کی بنیاد بہت پہلے پڑ چکی تھی۔

غیر مسلم اکثریت اگرچہ مسلمانوں کی جاہ وجلال اور جذبہ جہاد کے سبب سرنہ اٹھاسکی مگر اس نے سیاسی چالوں کے ذریعہ مسلم اقلیت کو غیر مسلم اکثریت میں ضم کرنے (اور مسلمانوں کو ہندوجیسا کرنے) کی کوشش کی ۔۔۔ اس قسم کی سب سے پہلی کوشش دسویں صدی ہجری میں اکبر بادشاہ کے ایجاد کردہ مذہب، دین الٰہی کے ذریعہ کی گئی، اس نئے مذہب کا مقصد یہی تھا کہ تمام مذہب بشمول اسلام ایک مشترکہ مذہب میں ضم ہوجائیں، تاکہ کفرو اسلام میں امتیاز وفرق نہ رہے ۔۔۔ مگر اس کوشش کو ناکام بنانے کے لئے ایک طرف شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے خاموش کوشش کی (خاموش کوشش کا کیا مطلب؟) تو دوسری طرف خانوادۂ نقشبندیہ کے ایک باعزم عظیم المرتبت مجاہد حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی مجاہدانہ سرگرم عمل ہوئے بالآخر دین الٰہی کا شیش محل پاش پاش ہوگیا۔

اور اس طرح ایک قومی نظریہ (اور ہندو مسلم ایک قوم) کے داعی اکبر بادشاہ کے بعد اس کا پوتا اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ دوقومی نظریہ کی عملی تفسیر بن کر سامنے آیا''۔(ص ۳۲،۳۳)

نیز لکھتے ہیں :''انڈین نیشنل کانگریس کے اجلاس منعقدہ ۱۸۸۵ء (یعنی غالباً پہلے اجلاس) میں کانگریس کے مقاصد جلیلہ میں ایک مقصد یہ بتایا گیا تھا کہ ہندوستان کی ساری آبادی کو ایک قوم بنایا جائے یعنی ایک ایسی قومیت کی تشکیل کی جائے جس کی بنیاد جغرافیائی (یعنی زمینی) حدود پر ہو، ۱۹۲۶ء میں پنڈت جواہر لال نہرو نے اس خواہش کا اعادہ کرتے ہوئے کہا: ہندوستان ایک متحدہ قومیت ہو۔

(خیال رہے کہ جغرافیائی طور پر جو ایک قوم بنے وہ ملکی طور پر ایک قوم کہلاتی ہے، لیکن مذہبی طور پر اسی کو غلط رنگ دینے کے لئے پروفیسر مسعود احمد صاحب آگے اپنی طرف سے اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں)

لیکن حقیقت میں یہ ''متحدہ قومیت'' ہندو قومیت'' کی دل ربا شکل تھی جس کی بنیاد ان چھ ستونوں پر رکھی گئی:۔

۱۔ ایک ملک یعنی بھارت درش۔

۲۔ ایک قوم یعنی ہندوستانی یا ہندو۔

۳۔ ایک زبان یعنی ہندی، بخط ناگری۔

۴۔ ایک تہذیب یعنی ہندو تہذیب۔

۵۔ ایک مذہب یعنی ہندو مذہب یا دین الٰہی (یعنی اکبر بادشاہ) جیسا کوئی نیا مذہب۔

۶۔ ایک آئین یعنی فلسفہ گاندھی۔

ان ارکان ستہ کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ''متحدہ قومیت'' کا اصل مقصود (جس کو جناب احمد رضا خاں اور اس کے بعد اس کی جماعت نے گھڑا ہے۔ساجد) اسلامی آثار اور نشانیوں کو مٹانا، اسلامی تہذیب وتمدن، اسلامی دستور شریعت اور اسلامی اخوت ومحبت، کو ضعیف کرنا تھا''۔

(ص ۶۹،۷۰)

نیز لکھتے ہیں:

''تین پاؤ دودھ میں اگر ایک پاؤ پانی ملایا جائے تو پھر اس کو دودھ ہی کہیں گے، نہ کوئی اس کو پانی کہے گا اور نہ شربت (تو کیا جناب احمد رضا خاں کا خاندان جواب بھی ۷۱ سال ہو گئے ہندوستان میں اور ہندو حکومت کے تحت رہ رہا ہے، کیا وہ ہندو ہو گیا ہے؟ اور ہندو کہلاتا ہے؟ ساجد۔) ظاہر ہے جس تہذیب میں غالب عنصر ہندو تہذیب کا ہو تا وہ تہذیب ہندو تہذیب نہ ہوتی تو کیا ہوتی۔۔۔۔۔۔

اسی طرح مسٹر کشور آپے کہتے ہیں:۔

ہندوستان میں رہنا ہے تو انہیں ہندو بن کر رہنا ہے (تو کیا جناب احمد رضا خاں کا خاندان اور ان کی اولاد وغیرہ ہندو بن گئی ہے؟) اور ہندو تہذیب وتمدن کو اپنانا ہوگا''۔

ص ۸۰ مزید لکھتے ہیں:

''برصغیر (ہندوستان) میں ملی وحدت (اور مسلمان اور ان کے مذہب) کو فنا کرنے کی دوسری کوشش آل انڈیا کانگریس کے تعاون سے چلائی جانے والی تحریک ترک موالات (انگریز سے ہر قسم کے بائیکاٹ) اور مسلمانوں کے تعاون سے چلائی جانے والی تحریک ترک گاؤکشی اور (ترک گاؤکشی نہیں ترکی کو بچانے کی) تحریک ہندو مسلم اتحاد کا ذریعہ کی گئی۔

یہ تحریکیں برصغیر میں چودھویں صدی ہجری کے آغاز (یعنی غالباً ۱۹۱۹ء) میں پورے شدومد کے ساتھ چلیں اور اکثر مسلمان علماء اور سیاست دان کانگریس لیڈر مسٹر گاندھی کے ہمنوا بن کر میدان میں آئے۔

اس نازک (اور انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے۔ساجد) دور میں اہل سنت و جماعت کے مولانا احمد رضا خاں بریلوی آگے بڑھے (اور ترکوں کی مخالفت اور انگریز کی حمایت کی۔ساجد) اور مؤثر دلائل سے ان تمام تحریکوں کو ''اسلام دشمن اور مسلمان دشمن'' ثابت کر کے علماء حق کی رہنمائی فرمائی اور مسلمان سیاست دانوں کی آنکھیں کھول دیں۔علماء دیوبند اپنے متبعین (اور جماعت) کی اکثریت کے دینی جذبہ کو اس انداز سے ابھارا کہ وہ ایک قومی نظریہ کے حامی ہو کر ہنود (یعنی ہندوؤں) کے قریب چلے گئے، مگر مولانا احمد رضا خاں اور ان کے متبعین (اور اس کی جماعت) نے اس جذبہ کو اس طرح ابھارا کہ مسلمان ہنود (ہندوؤں) سے دور ہو کر اسلام کے قریب آگئے''۔(سبحان اللہ، واہ، واہ، واہ، واہ شاباش)

(ص ۳۳۔ ۳۴)

مزید لکھتے ہیں:

''۱۹۱۹ء۔۲۰ کے دور پر آشوب میں جبکہ علماء دیوبند کے ساتھ ساتھ بہت سے بدایونی (جو احمد رضا خاں کے حلقہ کے تھے) بریلوی اور برکاتی، قادری علماء اہلسنت مسٹر گاندھی کے ہم نوا ہو گئے، فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں نے جس مومنانہ فراست کا ثبوت دیا ہے، وہ اب تک مؤرخین کی نگاہوں سے اوجھل رہی (کیوں کیا وجہ ہے کہ اتنی عظیم خدمت اوجھل رہی؟ افسوس صد افسوس............)''۔ص، ۱۰۴

''بہر کیف مولانا احمد رضا خاں اور انکے زیر اثر علماء کی کوشش کا یہ نتیجہ نکلا کہ برصغیر (ہندوستان) کی تقسیم اور مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کا تصور سامنے آیا جو بعد میں ایک ہمہ گیر تحریک کی صورت اختیار کر گیا ص ۳۴؛ ۱۹۳۰ء میں علمائے اہلسنت نے جن مذہبی واقتصادی مصالح کی بنا پر مسلمانان پاک وہند کو کانگریس سے (جو اس وقت انگریز کے خلاف تحریک چلا رہی تھی) علیحدگی کا مشورہ دیا اور

تقسیم ہند کی تائید کی (کس نے اس تقسیم کی تجویز پیش کی اور کس ثبوت کے ساتھ ۱۹۳۰ء میں بریلوی جماعت نے اس کی تائید کی؟ ساجد) ۱۹۴۰ء میں انہیں مصالح کی بنا پر قائد اعظم محمد علی جناح نے مطالبہ پاکستان پیش کیا۔۔۔۔۔ ۱۹۳۰ء کے بعد آل انڈیا سنی کانفرنس کے جو اجلاس ہوئے (کیوں ہوئے؟) ان میں بھی کانگریس کی علیحدگی پر زور دیا جاتا رہا، (کیوں؟ گاندھی جی ۱۵/اپریل ۱۹۳۰ء کو گرفتار کیے گئے ،اس تحریک میں جمعیۃ علماء ہند، احرار اور کانگریسی مسلمانوں نے شرکت کی، مولانا آزاد، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید وغیرہ گرفتار کیئے گئے، دیکھئے مقدمہ نمبر ۲ کا آخر، اور اس پر امن جنگ میں سزا پانے والوں کی تعداد نوے ہزار کے قریب بیان کی گئی ہے، دیکھئے مسلمانوں کا روشن مستقبل ص ۲۳۹، مصنف سید طفیل احمد۔ساجد) اور مدرسہ دیوبند کی جمعیۃ العلماء کی کانگریس نواز پالیسی کی مذمت کی جاتی رہی''۔

(ص ۳۷)۔

نیز لکھتے ہیں:

''جب ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو حضرت (احمد رضا خاں) بریلوی اور آپ کے مریدین و معتقدین کی کوششیں بار آور ہوئیں۔۔۔۔ بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ تحریک پاکستان میں حضرت (احمد رضا) بریلوی کی خدمات علامہ اقبال (جو اس قرارداد سے پہلے فوت ہو گئے تھے) اور قائد اعظم سے کسی طرح کم نہیں''۔ (ص ۲۸)۔

تبصرہ:

حضرات گرامی! یہ ہے وہ درد بھری کہانی جو بریلوی جماعت کے جناب پروفیسر مسعود احمد نے اپنی کتاب ''تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم'' میں تحریر فرمائی۔

ایک حکایت: ایک رئیس کے ہاں دعوت میں چاندی کے برتن اور سونے کے چمچ رکھے تھے، محفل برخاست ہونے لگی تو ایک صاحب نے دور سے دیکھا کہ ایک دوسرا شخص چوری چھپے سونے کا چمچ اپنی جیب میں ڈال رہا ہے، یہ دیکھتے ہی اس نے محفل میں اعلان کیا کہ حضرات: ٹھہریئے میں آپ کو ایک کرشمہ (پروفیسر کی طرح) دکھاتا ہوں، یہ کہہ کر اس نے میز سے ایک چمچ اٹھا کر اپنی جیب میں ڈال لیا، دیکھئے حضرات! یہ چمچ جو میں نے اپنی جیب میں ڈالا ہے، یہ آپ کو فلاں شخص کی جیب سے ملے گا، اس کی جیب میں تو چمچ تھا ہی، لوگوں نے دیکھا تو واقعی چمچ اس کی جیب سے نکلا اور شعبدہ باز نے اپنا چمچ اپنی جیب میں رکھا اور دوسرے کو مجرم ثابت کر کے (پروفیسر کی طرح) خود صاف نکل گیا۔

قارئین کرام:

آپ پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کی پوری کتاب ''تحریک آزادی اور السواد الاعظم''، جو ۲۹۲ صفحات پر مشتمل ہے کو پڑھ کر دیکھ لیں کہ کہیں بھی آپ کو اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ملے گا جو کچھ میں نے اوپر پیش کیا ہے۔یعنی چند سطروں کے بعد پھر وہی ایک کہانی چند سطروں کے بعد پھر وہی ایک کہانی، اور سارا زور صرف اس ایک بات پر ہے کہ ''ہندو'' بے دین ہے اس کے ساتھ کسی قسم کا اتحاد و معاملہ شرعاً جائز نہیں، کیوں جائز نہیں؟ وہ اس لئے کہ تم کو بھی بے دین یعنی ہندو بنالے گا وغیرہ وغیرہ۔

چونکہ پاکستان کی بنیاد بھی ہندو مسلم دشمنی پر مبنی تھی (یعنی ہندو مسلم مذہبی طور پر ایک ساتھ نہیں رہ سکتے) اور اس کے علاوہ جناب

احمد رضا خاں بریلوی نے بھی ہندوؤں سے دوستی اور ملاپ جائز نہ ہونے کا بہانہ تراش کر تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کی مخالفت کی تھی، اس لئے تحریک پاکستان کی خدمات میں جناب احمد رضا خاں اور اس کی بریلوی جماعت اور جناب مسٹر محمد علی جناح برابر کے شریک ہیں۔ واہ بہادر واہ۔

چیچ لے اڑنے والے شعبدہ باز کی طرح پروفیسر مسعود احمد نے بھی دوسروں کو مجرم ٹھہرا کر تحریک پاکستان کو اپنے کھاتہ میں ڈال لیا۔ جن لوگوں نے ملک کی آزادی کی خاطر جیلوں کی سزائیں کاٹیں اور مظالم برداشت کیے وہ تو ہو گئے اسلام اور مسلمانوں کے مخالف اور مجرم؟ لیکن جن لوگوں نے مسلمانوں کی مخالفت کر کے انگریز کو تقویت پہنچائی اور مسٹر جناح پر کفر کے فتوے لگائے وہ ٹھہرے حقیقی مسلمان؟ سبحان اللہ

{جوابات}

جواب نمبر: (۱) میثاق مدینہ:

بریلوی جماعت کے ہم خیال پیر کرم شاہ لکھتے ہیں:

”ان تمام اندرونی اور بیرونی مشکلات سے نبرد آزما ہونے اور مقابلہ کرنے کے لئے ایک وسیع البنیاد منشور کی ضرورت تھی، اس لئے رحمت عالم ﷺ نے ایک ایسی دستاویز تیار کی جس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ یہاں (مدینہ) کے یہودیوں کو بھی شامل کیا گیا، اس دستاویز کے ذریعہ مدینہ طیبہ کے جملہ باشندوں بلا امتیاز مذہب وقومیت اندرونی و بیرونی خطرات کا مقابلہ کرنے کے لئے ایک اتحاد عمل میں لایا گیا“۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ تحریر دستاویز ہے اللہ کے نبی محمد ﷺ کی قریش، یثرب کے اہل ایمان اور ان لوگوں کے باب میں جو ان کے اتباع میں ان کے ساتھ شامل ہوں اور ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں۔ انہم امة واحدة من دون الناس، یہ تمام گروہ دنیا کے دوسرے لوگوں سے ممتاز ایک علیحدہ سیاسی وحدت (یعنی ایک امت۔ ساجد) متصور ہوں گے۔ وان الیھود بن عوف امة مع المؤمنین للیھود دینھم وللمسلمین دینھم موالیھم وانفسھم۔ اور یہود بن عوف اور انکے اپنے حلفا و موالی سب مل کر مسلمانوں کے ساتھ ایک جماعت متصور ہونگے یہود اپنے دین پر ہونگے اور مسلمان اپنے دین کار بند ہونگے۔۔۔۔۔۔ اور اس صحیفہ والوں کے خلاف جو بھی جنگ کرے گا تمام فریق یہودی اور مسلمان ایک دوسرے کی مدد کریں گے، نیز خلوص کے ساتھ ایک دوسرے کی خیر خواہی کریں گے۔۔۔ الخ“۔

(ماخوذ: ضیاء النبی جلد، ۳ ص ۱۸۵ تا ۱۹۴ مصنف پیر کرم شاہ)

مذکورہ بالا معاہدہ مدینہ میں یہود اور مسلمانوں کو امة واحدة لکھا گیا ہے۔ اور ایک دوسرے کی امداد اور خیر خواہی پر پابند کیا گیا ہے۔ یہود اور مسلمان ایک سیاسی وحدت اور ایک جماعت متصور ہونگے، بریلوی جماعت کو چاہیے کہ اس عبارت پر بھی فتوی لگائے کہ (معاذ اللہ) مسلمانوں کو یہودیوں میں ضم کرنے یعنی ملانے کی کوشش کی گئی ہے۔

جواب نمبر: (۲) ہندوستان:

ہندوستان پہلے ہندوؤں کا ملک تھا، مسلمان دوسرے ملکوں اور علاقوں سے آ کر ہندوستان میں آبسے، اکثر بڑے بڑے بزرگ

دوسرے علاقوں سے آئے، حضرت معین الدین چشتی اجمیر میں اور حضرت علی ہجویری یعنی داتا گنج بخش لاہور میں جب آئے تو اس وقت لاہور اور اجمیر میں غیر مذہب راجاؤں کی نگری تھی، مختصر یہ کہ اکثریت ہندوؤں کی تھی، چاہیے تو یہ تھا کہ یہ بزرگ ہندوستان کا رخ ہی نہ کرتے کیونکہ بریلویوں کے نزدیک ہندوؤں کے ساتھ رہنا جائز نہیں لیکن خدا کا کرنا ایسا کہ ہندو مسلم کے محلے ایک، بازار ایک، شہر ایک، کاروبار مشترک، رہنا سہنا ایک۔

جواب نمبر: (۳) مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور اکبر بادشاہ:

بریلوی جماعت کے پروفیسر مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:

''گویا سرزمین ہند میں ہندو مسلم اتحاد کا پہلا مسلمان داعی اکبر بادشاہ تھا، حضرت مجدد الف ثانی ؒ نے اکبر بادشاہ کے اس ایک قومی نظریہ کی سخت مخالفت فرمائی اور اپنے مکتوبات شریف کے ذریعہ اس تحریک کی ہلاکت خیزی سے اعیان مملکت کو آگاہ فرمایا؛ چنانچہ آپ کی مساعی جمیلہ سے دور اکبری کا ایک عظیم فتنہ خاک میں ملا دیا، (سبحان اللہ۔ساجد)''۔

(ماخوذ: فاضل بریلوی اور ترک موالات، ص ۲۹،۲۸)

۱۔ اکبر بادشاہ نے کیسا ہندو مسلم اتحاد کیا اور کیوں کیا؟ یہ نہ پوچھو پروفیسر مسعود صاحب قیامت کے دن بتائیں گے۔

۲۔ حضرت مجدد صاحب نے کن وزراء اور کس بادشاہ کے وزراء کو خطوط لکھے؟ یہ کام ان پڑھ یا سادہ لوح عوام کا ہے کہ وہ کتابیں تلاش کریں، اور تحقیق کریں کہ مجدد صاحب نے کن لوگوں اور کس سن میں خطوط لکھے اور ان خطوط میں کیا لکھا؟۔

پروفیسر مسعود صاحب کا کام صرف یہ ہے کہ بکری کے سینگ اونٹنی کو اور اونٹنی کی پونچھ گھوڑی کو لگا دیں بس اس کے علاوہ اور کچھ نہیں۔

ملاحظہ فرمائیں ہندو مسلم اتحاد کی قسمیں:

اولاً :۔ ہندو مسلم اتحاد کی ایک قسم وہ ہے جیسا کہ میثاق مدینہ ہوا یعنی مسلمان اور یہود مل کر مدینہ کی حفاظت کریں گے اور مدینہ پر حملہ کرنے والوں کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے تو ثابت ہوا کہ ایسا اتحاد ممانعت نہیں ہے۔

ثانیاً: ۔(اکبر بادشاہ کے دادا) بابر بادشاہ نے اپنے بیٹے ہمایوں کو وصیت کی تھی کہ اے پدر! سلطنت ہندوستان مختلف مذاہب سے پُر ہے ''الحمدللہ'' اس نے اس کی بادشاہی تمہیں عطا فرمائی ہے تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصبات مذہبی کو لوح دل سے دھوڈالو جو قوم یا ملت حکومت کی مطیع اور فرماں بردار ہے اس کے مندر اور مزار برباد نہ کیے جائیں ''شیعہ سنی'' جھگڑوں سے چشم پوشی کرو، ورنہ اسلام کمزور ہو جائے گا، اسی اشتراک (اور مل جل کر رہنے) کا نتیجہ تھا کہ ہندو اور مسلمانوں کی آبادیاں مشترک ہیں بازار مشترک ہیں عام کاروباری زندگی مشترک ہے۔

جلیل القدر شیخ سلطان المشائخ نظام الدین دہلوی (قدس اللہ سرہٗ العزیز) نے احباب کی ایک جماعت بنائی اور ہدایت کی ایک ایسی زبان تیار کریں کہ ہندوستان کے رہنے والے اور باہر کے آئے ہوئے مسلمان اس کے ذریعہ لین دین کرسکیں، اس کمیٹی کے نو ارکان تھے، ہندو، ہر دیو، چیتل دیو، سنبھل دیو، اور پانچ مسلمان، امیر خسرو، خواجہ سید محمد، خواجہ حسن شجری، خواجہ سید موسیٰ، خواجہ سید رفیع الدین ہارون۔

اجمیر فتح کرنے کے بعد غوری کے نائب السلطنت قطب الدین ایبک نے اجمیر کی حکومت رائے پتھورا کے لڑکے کو خراج کے وعدے پر تفویض کی تھی، کیونکہ اس سے پہلے اس کا باپ رائے پتھورا ہندوستان کا بادشاہ تھا اور وہ اجمیر میں رہتا تھا، اسی زمانہ میں خواجہ معین الدین اجمیر میں تھے لیکن جب اسکے چچا نے اسے شکست دے کر اجمیر سے نکال دیا تو ایبک نے پھر اس شہر کو فتح کر کے یہاں ایک مسلمان گورنر مقرر کیا۔

ثالثاً:۔عالمگیر بادشاہ۔ پروفیسر محمد عبداللہ ملک لکھتے ہیں؛

''مغل دور حکومت میں اعلیٰ ملازمتوں کے دروازے ہر باصلاحیت اور قابل شخص کے لئے کھلے تھے اور ہندو اور مسلمان کی تمیز نہ تھی ہندو گورنر، وزیر اور فوج کے کمانڈر بنتے تھے (تو صاف ظاہر ہے کہ فوج بھی مشترک ہوگی اور جیسا کہ انگریز کے آخری دور میں بھی فوج مشترک تھی۔ساجد) شہنشاہ اورنگزیب کا قول تھا کہ انتظامی معاملات میں مذہب کا کیا تعلق ہے''۔

(ماخوذ: تحریک پاکستان، ۱۸۵۷ءتا ۱۹۴۷ء، ص ۱۸)

اور یہ بھی خیال رہے کہ ''فقہ حنفی کی مشہور کتاب فتاوی عالم گیری'' اسی کے نام سے مشہور ہے، جو عالم گیر کے عہد حکومت اور اس کی ہدایت پر لکھی گئی ہے اور یہ بھی مشہور ہے کہ تقریباً ۵۰۰ علمائے کرام کی محنتوں سے مرتب ہوئی ہے، لیکن اس میں یہ کہیں نہیں ہے کہ ہندو مسلم کے اور مسلم ہندو کے ماتحت نہیں رہ سکتے، نیز یہ بھی کہیں نہیں کہ ہندو مسلم ایک ساتھ نہ رہیں۔واللہ اعلم

جواب نمبر (۴) مسلم لیگ اور ہندو مسلم اتحاد:

ایس ایم شاہد لکھتے ہیں:

''قائداعظم کا سیاسی کردار کانگریس میں شمولیت سے شروع ہوتا ہے۔۔۔۔آپ نے ہندو مسلم اتحاد کی سر توڑ کوششیں کیں آپ کو ہندو مسلم اتحاد کا سفیر مقرر کیا گیا۔۔۔الخ''۔

(ماخوذ؛ تحریک پاکستان ص ۶۰۹،۶۱۰ باب اول)

تحریک پاکستان کے مصنف پروفیسر محمد عبداللہ ملک لکھتے ہیں:

''بیسویں صدی کے ابتدائی دس برس (۱۹۱۰ء تک۔ساجد) برصغیر کے مسلمانوں کے لئے مجموعی طور پر پرسکون رہے اور ان کا نقطہ نظر یہی رہا کہ برصغیر کی آزاد اور ترقی کے نام پر کانگریس جو مطالبات کر رہی ہے، ان سے صرف ہندو اکثریت کو فائدہ پہنچتا ہے، (یہ سبق دراصل سرسید خاں کا پڑھایا ہوا ہے۔ساجد) اس کے بعد داخلی اور خارجی (یعنی اندرونی اور بیرونی) واقعات کا ایسا سیلاب آیا کہ مسلمان اور ہندو انگریز کی مخالفت میں متحد ہو گئے، کانگریس اور مسلم لیگ ایک دوسرے کے حلیف اور مددگار بن گئے''۔(ص ۲۲۳)

ہندو مسلم تعلقات کا فروغ:

۱۹۱۰ء کے بعد مسلمان اور ہندوؤں کے درمیان اچھے تعلقات کے فروغ کی ابتدائی ہوئی، مسلمانوں نے ہندو مخالف جذبات دل سے نکال دیئے اور ان کے ساتھ دوستی اور تعاون بڑھایا۔

اتحاد کانفرنس:

کانگریس کے سالانہ اجلاس دسمبر ۱۹۱۰ء کے خاتمے کے بعد صدر کانگریس کی دعوت پر یکم جنوری ۱۹۱۱ء کو شہر الہ آباد میں ۶۰ ہندو اور ۴۰ مسلمان رہنماؤں کی ایک اتحاد کانفرنس منعقد ہوئی، اس نے ہندو مسلم تعلقات پر اثر ڈالنے والے تمام مسئلوں پر مذاکرات کئے۔

مسلم لیگ کے آئین میں تبدیلی:

اتحاد کانفرنس کے بعد کانگریس کے رہنماؤں نے مسلم لیگ کے جلسوں کی رونق بڑھانا شروع کردی۔

مسلم لیگ اور کانگریس کا اجلاس:

قائداعظم اب کانگریس اور مسلم لیگ کے بیک وقت ممبر بن گئے تھے، اور دونوں جماعتوں کے فیصلوں پر اثر انداز ہوسکتے تھے۔

میثاق لکھنؤ:

دونوں جماعتوں (مسلم لیگ اور کانگریس) کی کمیٹیوں نے سر نیدرناتھ بینرجی کی صدارت میں نومبر ۱۹۱۶ء میں کلکتہ میں باہمی مشورے سے ایک سکیم تیار کی جس کو ۲۸ اور ۳۱ دسمبر کو مسلم لیگ اور کانگریس کے سالانہ اجلاسوں نے الگ الگ منظور کیا، مسلم لیگ کے صدر قائداعظم تھے، یہ سکیم میثاق لکھنؤ کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔

چودھری خلیق الزماں لکھتے ہیں کہ میثاق لکھنؤ میں تقسیم کے بیج بوئے گئے جب مسلمانوں نے ناتجربہ کاری کی وجہ سے پنجاب میں مساوات (۵۵ فیصد آبادی کو کم کرکے پچاس فیصد قبول کی) اور بنگال میں اقلیت (۵۳ فیصد سے ۴۰ فیصد) کی حیثیت قبول کی، اگر سیدھا راستہ اختیار کیا جاتا اور تعداد کی بنیاد پر نمائندگی اصول مانا جاتا تو مسلمان پنجاب اور بنگال کی حکومتوں میں اکثریت سے ابتداء کرتے اور ۱۹۲۴ء کے بعد وہ مسائل پیدا ہوئے جنہوں نے ہندو مسلم تعلقات میں زہر گھول دیا، اس سے ہندوستان کی تقسیم کی بنیاد پڑگئی، اور جب پاکستان قائم ہوا تو پنجاب اور بنگال کے وسیع علاقوں سے محروم ہونا پڑا، بنگال کے مسلمان لیڈر بھی اس کے مخالف تھے۔۔الخ"۔

(ماخوذ: تحریک پاکستان، ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء ص ۲۲۳ تا ۲۳۴ مصنف پروفیسر عبداللہ ملک)

قارئین کرام جیسا کہ اوپر مذکور ہے:

جناب محمد علی جناح نے ہندو مسلم اتحاد کی سرتوڑ کوششیں کیں، آپ کو ہندو مسلم اتحاد کا سفیر مقرر کیا گیا۔

انہوں نے اس ہندو مسلم اتحاد کی بدولت پنجاب میں مسلمانوں کی نمائندگی ۵۵ فیصد سے کم کرکے ۵۰ فیصد اور بنگال میں ۵۳ فیصد کم کرکے ۴۰ فیصد قبول کی۔

دوقومی نظریہ کے حامی جناب احمد رضا خاں بریلوی کو یہاں پر ہندو مسلم اتحاد برا کیوں نہ نظر آیا؟ اور مسلمانوں کے اس عظیم نقصان پر وہ خاموش کیوں رہے؟ حالانکہ وقت کا تقاضا بھی تھا، کیوں کہ مسلمانوں کی قیادت اس وقت جیلوں میں بند تھی، مثلاً محمد علی جوہر اور اسکے بھائی مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام آزاد نظر بند تھے، اور اکابر علماء دارالعلوم دیوبند مالٹا کی جیل میں مقید کردئیے گئے تھے۔

مذکورہ بالا واقعات سے ثابت ہوا کہ جناب احمد رضا خاں بریلوی کے نزدیک (اللہ معاف فرمائے) ہندوؤں سے ایسی محبت

اور ایسا اتحاد جائز ہے، اور نہ یہ شریعت کے خلاف ہے اور نہ دو قومی نظریہ کے خلاف، اور نہ اسلام کو اور نہ مسلمانوں کو خطرہ، اور اگر اسلام اور مسلمانوں کو خطرہ تھا تو اس ہندو مسلم اتحاد سے تھا جو ترکی کی حمایت میں تحریک خلافت کے وقت وجود میں آیا۔

جواب نمبر (۵) ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی اور ہندو مسلم اتحاد کا نظارہ:

ہندوستان کی بریلوی جماعت لکھتی ہے:

''غدر ۱۸۵۷ء میں جب دیگر مکاتب فکر کے علماء گوشۂ عافیت ڈھونڈ رہے تھے، بلکہ بعض انگریزوں کی خوشامد کر رہے تھے، ٹھیک اس وقت علماء اہلسنت بھارت کے ماتھے پر لگے ہوئے غلامی کے داغ دھو رہے تھے، (آگے لکھتے ہیں۔ساجد) عوام کو ابھارنا اور فتوی جہاد جاری کرنا انہیں کا کام تھا اور انقلاب ۱۸۵۷ء میں سب سے زیادہ مصائب اٹھانے اور آتش حریت میں جلنے والے یہی شمع شبستان آزادی کے پروانے تھے۔۔۔الخ''۔

(ماہنامہ المیزان بمبئی امام احمد رضا ص ۳۸۷ تا ۳۸۸، ۲۶ / اپریل ۱۹۷۶ء)

پروفیسر محمد عبد اللہ ملک لکھتے ہیں:

''ایک مسلمان مؤرخ کے مطابق ہندو اور مسلمان عوام اور سرداروں کی طرف سے یہ جنگ بلا تیاری، بلا تنظیم اور بلا ساز و سامان شروع ہوئی ورنہ ہندوستان میں انگریزی فوج اتنی کم تھی اور ہندوستانی فوج (یعنی ہندو اور مسلمان سپاہی جو انگریزی فوج میں تھے) اتنی زیادہ تھی کہ اگر ہوش و تدبر سے کام لیا جاتا تو انگریزی کو نکالنا دشوار نہ تھا۔(آگے لکھتے ہیں۔ساجد) جنگ آزادی میں ہندو بھی برابر کے شریک تھے۔۔۔الخ''۔

(ماخوذ: تحریک پاکستان ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء ص ۲۸ تا ۳۰)

قارئین کرام!

انگریز کو نکالنے کے لئے ایک ہندو مسلم اتحاد ۱۸۵۷ء میں ہوا، اور اس وقت بریلوی جماعت کے امام جناب احمد رضا خاں کی عمر صرف ۱ ایک سال کی تھی، اور جن علماء نے اس وقت جہاد کا فتوی دیا، موجودہ بریلوی جماعت ان علماء کو اپنے کھاتے میں ڈالتی ہے، تو ثابت ہوا کہ اس وقت ہندوؤں سے مل کر جہاد کرنے والی یہی بریلوی جماعت تھی، کیونکہ ۱۸۵۷ء میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل کر انگریز کے خلاف جہاد کیا تھا جیسا کہ اوپر مذکور ہے۔

انگریز کو ہندوستان سے نکالنے اور ترکی کی حمایت میں جو دوسرا ''ہندو مسلم اتحاد'' ۱۹۱۹ء میں تحریک خلافت کے نام سے ہوا، بریلوی جماعت اور اس کے امام جناب احمد رضا خاں بریلوی کے نزدیک وہ اتحاد اسلام اور مسلمانوں کے مخالف تھا، کیوں مخالف تھا؟ اس سلسلہ میں جناب ڈاکٹر ایچ، بی، خاں لکھتے ہیں؛

''بیسویں صدی کے اوائل سے مغربی یورپ میں ترکی کے خلاف سازشوں کی رفتار تیز ہوگئی (الی قولہ) برطانیہ نے اس سلسلہ میں اہل ہند کے بعض علماء سے جن میں مولانا احمد رضا خاں بریلوی خاص طور پر شامل ہیں، ترکی کے خلاف فتاوی بھی حاصل کر لیے تھے، چودھری خلیق الزماں نے بیان کیا ہے کہ مولوی احمد رضا خاں بریلوی، ترکی کی خلافت کو تسلیم نہیں کرتے تھے اور ترکی کی مالی امداد کے بھی

خلاف تھے، یہی نہیں بلکہ انہوں نے کئی فتوے مولانا عبدالباری پر کفر کے بھی صادر کیئے (الی قولہ) علاوہ ازیں مولانا عبدالماجد بدایونی اور مولوی ریاست علی نے بھی ترکوں کے خلاف زہر افشانی کی ''علی گڑھ گزٹ'' کے اداریے کے مطابق انہوں نے ترکوں کو خلیفہ تسلیم نہیں کیا اور کہا کہ ترک ظالم اور غاصب ہیں، اور مزید کہا کہ ترک خلیفہ نہیں ۔۔۔الخ''۔

(ماخوذ: برصغیر پاک وہند کی سیاست میں علماء کا کردار ص ۱۳۶ مصنف ایچ، بی، خاں)

بریلوی جماعت کے پروفیسر محمد مسعود احمد لکھتے ہیں:

''یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز عربوں سے مل کر حجاز (مکہ و مدینہ اور عرب) پر ترکی اقتدار کا خاتمہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے، ترکوں پر علماء حجاز اور علمائے ہند کی طرف سے کفر کے فتوے لگائے جارہے تھے ۔۔۔۔الخ''۔

(ماخوذ: فاضل بریلوی اور ترک موالات، ص ۷۳ ناشر رضا پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۷۸ء)

خیال رہے کہ:

جو شخص انگریز کی خیر خواہی کی وجہ سے ترکوں کا مخالف ہو اور وہ ہندوستان میں ترکوں کی حمایت میں چلنی والی ''تحریک خلافت'' اور ہندو مسلم اتحاد کو اسلام کے خلاف قرار دے کر اس پر فتوے صادر نہ کرے تو اور کیا کرے؟

جواب نمبر (۶) ہندوستان میں خالص ہندوؤں کی حکومت اور احمد رضا خاں بریلوی کا خاندان

بریلوی جماعت کے جناب پروفیسر مسعود احمد لکھتے ہیں:

''مولانا بریلوی نے تحریک خلافت کے نتیجہ میں ہونے والے ہندو مسلم اتحاد کی خرابیوں کو ایک ایک کر کے گنوایا ہے ۔۔۔۔مولانا بریلوی نے جن گمراہیوں کا ذکر کیا ہے یہ اس وقت ظہور میں آئیں جب حفاظت خلافت اسلامیہ اور اماکن مقدسہ کے لئے کوشش کی جارہی تھی اور اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائی جارہی تھی لیکن نتیجہ بقائے اسلام کے بجائے فنائے اسلام کی صورت میں نظر آرہا تھا ۔۔۔الخ۔(بریلویوں کے نزدیک فنائے اسلام سے مراد انگریز حکومت کو لاحق خطرات ہیں ۔ساجد)''۔

(ماخوذ: حیات احمد رضا خاں، ص ۱۱۴، ۱۱۵ مصنف پروفیسر مسعود احمد)

تبصرہ و حقیقت:

خیال رہے کہ تحریک خلافت کے زمانہ میں انگریز کی حکومت تھی، ہندو زبردستی کر کے مسلمانوں سے کوئی چیز نہیں منوا سکتے تھے اور اس وقت تمام مسلمان ایک ہی ملک یعنی ہندوستان ہی میں رہ رہے تھے اور اگر کوئی ایسا مسئلہ پیش آجاتا تو تمام ملک کے مسلمان اپنی قوت کو استعمال کر سکتے تھے لیکن جب ملک تقسیم ہوگیا اور مسلمان بھی تین حصوں میں بٹ گئے، ایک تو یہ ہوا کہ مسلمانوں کی قوت کمزور ہوگئی اور دوسرے یہ کہ ایک حصے کے مسلمان دوسرے حصے کے مسلمانوں کی امداد سے محروم ہوگئے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تین حصوں میں سے ایک حصہ مسلمانوں کا خاص ہندو حکومت کے ماتحت رہ گیا، کیا وہ تمام مسلمان (معاذ اللہ) ہندو ہوگئے؟ اور انہوں نے ہندوؤں کے رسم و رواج کو اپنا لیا؟ یا ان تمام مسلمانوں کو کانگریس اور گاندھی جی اور نہرو لال نے زبردستی ہندو بنالیا؟ یا وہ تمام مسلمان اسی طرح اپنے مذہب پر قائم ہیں جس طرح وہ پہلے تھے؟ اور آزادی سے اپنے مذہبی امتیازات کو

منار ہے ہیں یا نہیں؟

انگریز کے دورحکومت میں اگر ہندوخطرناک تھا تو اپنی خالص ہندوحکومت میں تو اوربھی زیادہ خطرناک ہوگیا ہوگا؟ تو اس صورت میں کہ جب پاکستان بن گیا تو اس وقت جناب احمد رضا خاں کے خاندان اور بریلوی جماعت کے جناب سید نعیم الدین مراد آبادی اور پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کے والد محترم جناب مفتی مظہر اللہ صاحب نے ہندوستان کیوں نہ چھوڑا؟ انہوں نے اپنے اصولوں سے ہٹ کر خالص ہندوحکومت کے ماتحت رہنا کیوں پسند کیا؟ اور جو خرابیاں ہندوؤں کی جناب احمد رضا خاں نے گنوائیں تھیں وہ سب بھول گئے؟

جن مجبوریوں کی وجہ سے ان لوگوں نے خالص ہندوحکومت کے ماتحت رہنا اختیار کیا، کیا ۱۹۲۰ء؁ میں تحریک خلافت کے وقت مسلمانوں کی مجبوریاں ان کی مجبوریوں سے کم تھیں؟

جواب نمبر (۷) بریلوی جماعت کے مسٹر جناح پر کفر کے فتوے:

بریلوی جماعت کے اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی لکھتے ہیں؛

''بدمذہب سارے جہاں سے بدتر ہیں جانوروں سے بدتر ہیں، بدمذہب جہنمیوں کے کتے ہیں، کیا کوئی سچا مسلمان کسی کتے اور وہ بھی دوزخیوں کے کتے کو اپنا قائداعظم سب سے بڑا پیشوا اور سردار بنانا پسند کرے گا، ہرگز نہیں ۔۔۔الخ''۔

(ماخوذ: مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری ص ۴)

تصدیق:

سنی مسلمانوں پر فرض اعظم ہے کہ اس فرمان اقدس کو اپنا دستورالعمل بنائیں۔

فقیر ابوالفتح عبیدالرضا حشمت علی خاں قادری رضوی لکھنوی۔(ماخوذ: مسلم لیگ کی زرین بخیہ دری ص ۳۸،۳۷ دفتر جماعت اہل سنت خانقاہ برکاتیہ مارہرہ، ضلع ایٹہ (ہندوستان) سے شائع ہوا، سن اشاعت ۱۳۵۸ھ؁/۱۹۳۹ء؁)

دوسرا فتویٰ:

میں تو لیگیوں اور خاکساریوں کا صاف حکم لکھ چکا ہوں کہ جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ عنایت اللہ مشرقی اور مسٹر محمد علی آغا خانی (یعنی مسٹر جناح) مسلمان ہیں، وہ بھی انہیں دونوں کی طرح بے ایمان ومرتد ہے ۔۔۔الخ۔ العبد المہین محمد ضیاء الدین۔

تصدیق انیق شیر بیشہ سنت ناصر الاسلام مظہر اعلیٰ حضرت:

مولانا مفتی شاہ محمد حشمت علی خاں قادری برکاتی رضوی لکھنوی۔(ماخوذ: تجانب اہل السنۃ عن اہل الفتنۃ ص ۴۰۷، ۳۷۴، مصنف ابوالطاہر محمد طیب قادری برکاتی طبع شدہ بریلی الیکٹرک پریس بریلی، ۶۱،۱۳۶۰ھ؁)

یہی وہ بریلوی جماعت کے عملی کارنامے ہیں جن کو چھپانے کے لئے من گھڑت تحریریں شائع کر کے ان پڑھ یعنی سادہ لوح عوام کو غلط تاثر دیا جارہا ہے۔

جواب نمبر (۸) کفار کے بارے میں اسلام کا حکم:

دارالعلوم کورنگی ایریا کراچی کے بانی مفتی اعظم پاکستان جناب مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

معارف ومسائل:

اس مضمون کی آیات قرآن کریم میں جابجا مختلف عنوانات کے ساتھ بکثرت آئی ہیں، سورۃ ممتحنہ میں ارشاد ہے؛ یعنی اے ایمان والو! میرے دشمن اور اپنے دشمن یعنی کافر کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان کو پیغام بھیجو دوستی کے۔ (ممتحنہ :۱)

پھر اس کے آخر میں فرمایا:

جس شخص نے ان سے دوستی کی تو وہ سیدھے راستے سے گمراہ ہوگیا۔ (الایۃ)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

یعنی اے ایمان والو! یہود ونصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، کیونکہ وہ آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں (مسلمانوں سے ان کو کوئی دوستی اور ہمدردی نہیں) تو جو ان سے دوستی کرے گا وہ انہیں میں شمار ہوگا۔ (المائدہ:۵۱)

اور سورۃ مجادلہ میں ہے:

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ پائیں گے کسی قوم کو جو یقین رکھتے ہوں اللہ پر اور آخرت کے دن پر کہ دوستی کریں ایسے لوگوں سے جو مخالف ہیں اللہ کے اور اس کے رسول کے خواہ وہ اپنے باپ دادا ہی ہوں، یا اپنی اولاد، یا اپنے بھائی یا اپنے خاندان والے۔ (مجادلہ:۲۲)

کفار کیساتھ مسلمانوں کے تعلقات کس طرح ہونے چاہئیں:

یہ مضمون بہت سی آیات قرآنیہ میں مجمل اور مفصل مذکور ہے، جس میں مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ موالات اور دوستی اور محبت سے شدت کے ساتھ روکا گیا ہے۔ ان تصریحات کو دیکھ کر حقیقت حال سے ناواقف غیر مسلموں کو (اور مطلب پرست لوگوں کو۔ساجد) تو یہ شبہ ہوجاتا ہے کہ مسلمانوں کے مذہب میں غیر مسلموں سے کسی قسم کی رواداری اور تعلق کی بلکہ حسن اخلاق کی بھی کوئی گنجائش نہیں، اور دوسری طرف اس کے بالمقابل جب قرآن کی بہت سی آیات سے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور عمل سے خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کرام کے تعامل سے غیر مسلموں کے ساتھ احسان وسلوک اور ہمدردی وغم خواری کے احکام اور ایسے ایسے واقعات ثابت ہوتے ہیں جن کی مثالیں دنیا کی اقوام میں ملنا مشکل ہیں، تو ایک سطحی نظر رکھنے والے مسلمان کو بھی اس جگہ قرآن وسنت کے احکام وارشادات میں باہم تعارض اور تصادم محسوس ہونے لگتا ہے، مگر یہ دونوں خیال قرآن کی حقیقی تعلیمات پر طائرانہ نظر اور ناقص تحقیق کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

بات یہ ہے کہ دو شخصوں یا دو جماعتوں میں تعلقات کے مختلف درجات ہوتے ہیں، ایک درجہ تعلق کا قلبی موالات (اور آپس کی دوستی واتحاد) یا دلی مودّت ومحبت ہے، یہ صرف مؤمنین کے ساتھ مخصوص ہے، غیر مؤمن کے ساتھ مؤمن کا یہ تعلق کسی حال میں قطعاً جائز نہیں۔

دوسرا درجہ مواسات کا ہے جس کے معنی ہیں ہمدردی وخیرخواہی اور نفع رسانی کے یہ بجز کفار اہل حرب کے (یعنی لڑائی وجنگ میں) جو مسلمانوں سے برسرپیکار ہیں، باقی سب غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے۔

سورۃ ممتحنہ کی آٹھویں آیت میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔

جس میں ارشاد ہے:

یعنی اللہ تعالیٰ تم کو منع نہیں کرتا ان سے جولڑتے نہیں تم سے دین پر اور نکالا نہیں تم کو تمہارے گھروں سے کہ ان کے ساتھ احسان اور انصاف کا سلوک کرو۔

تیسرا درجہ مدارات کا ہے جس کے معنیٰ ہیں ظاہری خوش خلقی اور دوستانہ برتاؤ کے، یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، جب کہ اس سے مقصود ان کی دینی نفع پہنچانا ہو، یا وہ اپنے مہمان ہوں، یا ان کے شر اور ضرر رسانی سے اپنے آپ کو بچانا مقصود ہو، سورۂ آل عمران کی آیت (۲۸) میں اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً سے یہی درجہ مدارات کا مراد ہے، یعنی کافروں سے موالات (دوستی اتحاد) جائز نہیں، مگر ایسی حالت میں جبکہ تم ان سے اپنا بچاؤ کرنا چاہو، اور چونکہ مدارات میں بھی صورت موالات کی ہوتی ہے اس لئے اس کو موالات سے مستثنیٰ قرار دیا گیا۔

چوتھا درجہ معاملات کا ہے کہ ان سے تجارت یا اجرت و ملازمت اور صنعت و حرفت کے معاملات کئے جائیں، یہ بھی تمام غیر مسلموں کے ساتھ جائز ہے، بجز ایسی حالت کے کہ ان معاملات سے عام مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو، رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدین اور دوسرے صحابہ کا تعامل اس پر شاہد ہے۔

اس تفصیل سے آپ کو یہ معلوم ہو گیا کہ قلبی اور دلی دوستی و محبت تو کسی کافر کے ساتھ کسی حال میں جائز نہیں اور احسان و ہمدردی و نفع رسانی بجز اہل حرب کے (جو لڑائی کرتے ہوں ان کے سوا۔ساجد) اور سب کے ساتھ جائز ہے، جبکہ اس کا مقصد مہمان کی خاطر داری یا غیر مسلموں کو اسلامی معلومات اور دینی نفع پہنچانا یا اپنے آپ کو ان کے کسی نقصان و ضرر سے بچانا ہو۔

رسول کریم ﷺ جو رحمۃ اللعالمین ہو کر اس دنیا میں تشریف لائے، آپ ﷺ نے غیر مسلموں کے ساتھ جو احسان و ہمدردی اور خوش خلقی کے معاملات کئے، اس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل ہے، مکہ میں قحط پڑا تو دشمنوں نے آپ کو اپنے وطن سے نکالا تھا، ان کی خود امداد فرمائی، پھر مکہ مکرمہ فتح ہو کر یہ سب دشمن آپ کے قابو میں آگئے تو سب کو یہ فرما کر آزاد کر دیا کہ؛ لا تثریب علیکم الیوم یعنی آج تمہیں صرف معافی نہیں دی جاتی بلکہ تمہارے پچھلے مظالم اور تکالیف پر ہم کوئی ملامت نہیں کرتے، غیر مسلم جنگی قیدی ہاتھ آئے تو ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جو اپنی اولاد کے ساتھ بھی ہر شخص نہیں کرتا، کفار نے آپ ﷺ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں، کبھی آپ ﷺ کا ہاتھ انتقام کے لئے نہیں اٹھا، زبان مبارک سے بددعا بھی نہیں فرمائی، بنو ثقیف جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، ان کا ایک وفد آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو ان کو مسجد نبوی میں ٹھہرایا گیا، جو مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ عزت کا مقام تھا، فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم محتاج ذمیوں کو مسلمانوں کی طرح بیت المال سے وظیفہ دئیے، خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معاملات اس قسم کے واقعات سے بھرے ہوئے ہیں، یہ سب مواسات یا مدارات یا معاملات کی صورتیں تھیں، جس موالات سے منع کیا گیا وہ نہ تھی۔

(معارف القرآن، ج ۲ ص ۴۹ تا ۵۲)

اول یہ کہ مسلمان غیر مسلموں سے رواداری، ہمدردی، خیر خواہی، عدل و انصاف، اور احسان و سلوک سب کچھ کرتے ہیں اور ایسا کرنا چاہیے کہ ان کو اس کی تعلیم دی گئی ہے، لیکن ان سے ایسی گہری دوستی اور خلط ملط جس سے اسلام کے امتیازی نشانات گڈمڈ ہو جائیں اس کی اجازت نہیں، یہی وہ مسئلہ ہے جو ''ترک موالات'' کے نام سے معروف ہے۔

(ماخوذ: معارف القرآن ج ۳ ص ۱۶۷)

چین اور پاکستان کی مثال سامنے ہے، چین نے ہمیشہ مشکل وقت میں پاکستان کی مدد کی ہے، حالانکہ وہ دہریہ اور خدا کا کھلا دشمن

ہے،مگر اس تعاون اور مدد کے خلاف کسی ہٹ دھرم نے کوئی فتوی نہیں دیا، یہ جناب احمد رضا خاں بریلوی کی خوش نصیبی ہے کہ ساری زندگی اس کا قلم مسلمانوں کے خلاف چلتا رہا، اس کے علاوہ کوئی اور اس کا مشن نہیں تھا۔

دوقومی نظریہ اوراس کی حقیقت

دوقومی یا ایک قومی نظریہ، یہ انگریز دور اور انگریز کی پیدا کردہ اصطلاحات ہیں، جو جناب سرسید احمد خاں کے ذریعہ مشہور ہوئیں، مثلاً

نمبر (۱) ہندو مسلم ایک قوم ہیں:

کل ہندوستانی ایک قوم ہیں، اس بارے میں سرسید نے فرمایا؛

''قوم کا اطلاق ایک ملک کے رہنے والوں پر ہوتا ہے، یادرکھو کہ ہندو اور مسلمان ایک مذہبی لفظ ہے، ورنہ ہندو، مسلمان اور عیسائی بھی جو اس ملک میں رہنے والے ہیں اس اعتبار سے سب ایک قوم ہیں، جب یہ سب گروہ ایک قوم کہے جاتے ہیں تو ان سب کو ملکی فائدے میں جوان سب کا ملک کہلاتا ہے ایک ہونا چاہیے، اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ مذہب کے خیال سے ایک ملک کے باشندے دوقومیں سمجھی جائیں۔مجموعہ لیکچر سرسید، ص ۱۶۷، دوسرے پر آپ نے فرمایا:

''جس طرح آریہ قوم کے لوگ ہندو کہلاتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی ہندو، یعنی ہندوستان کے رہنے والے کہلائے جاتے ہیں''۔

(سرسید کے آخری مضامین۔ص ۵۵ ماخوذ: مسلمانوں کا روشن مستقبل ،ص ۲۸۴، ۲۸۵)

خیال رہے کہ سرسید کا یہ مذکورہ نظریہ اس وقت کا ہے جب کانگریس کا وجود نہیں تھا، اور جب کانگریس قائم ہوگئی تو سرسید کا نظریہ تبدیل ہوگیا، کیوں تبدیل ہوا؟ ''مسٹر تھیوڈور بیک'' (انگریز) علی گڑھ کالج کے پرنسپل ہو کر آئے اور رفتہ رفتہ مسلمانوں کے سیاسی رہنما بن گئے۔(ملاحظہ فرمائیں زیر نظر باب کا شروع)

نمبر (۲) ہندو مسلم دو علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں:

۱۸۸۸ء کے پائنیر میں سرسید کی ایک تقریر شائع ہوئی جو انہوں نے ۲۸/دسمبر ۱۸۸۷ء کو ایک مجمع کے سامنے کی تھی، تقریر میں انہوں نے زور دیا تھا کہ مسلمانوں کو ہرگز کانگریس میں شریک نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اگر ہندوستان میں نمائندہ حکومت قائم ہوئی تو ان کا مستقبل تاریک ہوگا، سرسید نے اس کے تین وجوہ بتلائے تھے۔

۱۔ ہندو اور مسلمان دو علیحدہ علیحدہ قومیں ہیں، اس سلسلہ میں انہوں نے کہا کہ فرض کیجئے کہ انگریز اپنی فوجیں وغیرہ لے کر چلے جائیں تو کون یہاں حکومت کرے گا، ظاہر ہے کہ تخت حکومت پر ہندو اور مسلمان دونوں نہیں بیٹھ سکتے۔

۲۔ انتخابی حکومت ہندوستان کی لئے غیر موزوں ہے اس لئے کہ اگر ووٹ لیے گئے تو مسلمان، مسلمانوں کو اور ہندو، ہندوؤں کو ووٹ دیں گے ایسی صورت میں ۴/۳ اور ۴/۱ کی نسبت ہوگی۔

۳۔ مسلمانوں کو انگریزی حکومت پر پورا بھروسہ کرنا چاہیے وہ ان کے حقوق کا تحفظ کرسکتی ہے اور ان کو انتظامیہ میں بااثر نمائندگی عطا کرسکتی ہے۔

(ماخوذ: تحریک خلافت ص ۵۸، مصنف قاضی محمد عدیل، ناشر پروگریسو بک، اردو بازار لاہور)

پروفیسر محمد عبداللہ ملک لکھتے ہیں:

''سرسید احمد خاں نے مسلمانوں کو سمجھایا کہ وہ سیاست میں حصہ نہ لیں اور ان کو بتایا کہ کانگریس صرف ہندوؤں کی جماعت ہے ،انہی کے مفاد میں کام کرتی ہے انہوں نے کہا مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ یہ جماعت پورے برصغیر (یعنی تمام ہندوستان) کی نمائندگی کیسے کرتی ہے، کیا یہ فرض کرلیا گیا ہے کہ برصغیر میں رہنے والی تمام قومیں اور مذہب ایک قوم سے تعلق رکھتے ہیں، یا ان کو ایک قوم بنایا جاسکتا ہے، میرے خیال میں یہ ناممکن ہے''۔

(ماخوذ: تحریک پاکستان ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء، ص ۴۷)

''سرسید احمد خاں کا پیش کردہ دوقومی نظریہ تحریک پاکستان کی بنیاد بنا۔(یہ ہے دوقومی نظریہ کی کہانی)''۔

(پروفیسر محمد عبداللہ ملک، تحریک پاکستان، ص ۷۸)

نمبر(۳) مسلم لیگ انگریزوں نے قائم کرائی:

''مسلم لیگ قائم ہونے کی خبر جب انگلستان پہنچی تو وہاں کے مشہور اخبار ٹائمز نے بقول (سر) سید رضا علی پریسیڈنٹ مسلم لیگ اجلاس بمبئی اس بات پر بغلیں بجائیں کہ مسلمانوں کی ایک مضبوط سیاسی جماعت قائم ہوجانے سے اب ہندوستان میں صلح نہ رہے گی''۔

(حوالہ اور تفصیل شروع میں گذر چکی)

نمبر(۴) جداگانہ انتخاب:

حکومت برطانیہ کی طرف سے ۱۹۰۹ء میں جو اصلاحات ہندوستان میں رائج کی گئیں ان میں جداگانہ انتخاب کا اصول شامل کرلیا گیا۔

پروفیسر عبداللہ ملک لکھتے ہیں:

''جداگانہ انتخاب سے مراد انتخاب کا وہ طریقہ ہے جس میں کسی مذہبی اقلیت (یعنی مذہب کے لحاظ سے اپنے مخالف گروہ سے کم تعداد جماعت) کو اپنی آبادی کے مطابق اس طرح نمائندگی مل جاتی ہے کہ وہ اپنے نمائندوں کا انتخاب صرف اپنے ووٹوں سے کرتی ہے اور اس کے لئے جداگانہ انتخابی حلقے بنائے جاتے ہیں، چودھری خلیق الزماں جداگانہ انتخاب کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ جداگانہ انتخاب میں مسلمانوں کی الگ فہرستیں تیار ہوئیں، جس نے مسلمان ووٹروں کو اکثریت (یعنی ہندوؤں) کے اثرورسوخ کے امکان سے مکمل طور پر محفوظ رکھا اقلیت (یعنی مسلمانوں) کے مفادات کا یہ نظام اس وقت کسی بھی ملک کے نمائندگی کے جمہوری نظام میں انوکھا تھا (یعنی برطانیہ نے پہلی مرتبہ اس نظام کو ہندوستان میں رائج کیا) اور اس کو کوئی جانتا نہ تھا۔۔۔الخ''۔

(ماخوذ: تحریک پاکستان ۱۸۵۷ء تا ۱۹۴۷ء، ص ۱۹۸)

یوں سمجھو کہ ۱۹۰۹ء میں ہی برطانوی گورنمنٹ نے ہندوستان کے مسلمانوں اور ہندوؤں کو قانونی طور پر علیحدہ کردیا، یعنی جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی وہاں مسلمان حکومت بنائیں گے اور جن صوبوں میں ہندو اکثریت میں ہونگے وہاں ہندو حکومت بنائیں گے جیسا کہ ۱۹۳۷ء کے انتخابات کے بعد ہوا، یہ ہے دوقومی نظریہ کی اصل کہانی۔

نمبر:(۵) پاکستان کی تجویز لندن میں:

پاکستانی قانون دان جناب مسٹر شریف الدین پیرزادہ لکھتے ہیں:

پاکستان کی اسکیم کی تبلیغ کے لئے (لندن کے محلات میں۔ساجد) جومہم شروع کی گئی تھی اس کے نتیجے میں (برطانوی) جائنٹ پارلیمنٹری سلیکٹ کمیٹی نے اس کی طرف توجہ دی اور یکم اگست ۱۹۳۳ء کو پاکستان کے بارے میں اس مسلم وفد سے (جو پہلے سے لندن میں موجود تھا۔ساجد) استفسارات کیئے گئے۔

سوال نمبر ۹۵۹: سر ریجنالڈ کریڈ ڈرک:

مجھے خوشی ہوگی اگر مندبین میں سے کوئی صاحب یا معزز گواہوں میں سے کوئی صاحب میرے اس سوال کا جواب دینا گوارا فرمائیں گے کہ کیا وہ مجھے بتائیں گے کہ آیا پاکستان کے نام کے تحت صوبوں کے وفاق کی کوئی تجویز ہے۔

جواب عبداللہ یوسف،سی،بی ای:

جہاں تک مجھے علم ہے یہ ایک طالب علم کی اسکیم ہے کسی ذمہ دارفرد نے اس کو پیش نہیں کیا ہے۔

سوال:

ہندوستان میں وہ لوگ تو اب تک نہیں لیکن جیسا کہ آپ کا کہنا ہے آپ لوگ بڑی تیزی سے آگے بڑھتے ہیں اور یہ ہوسکتا ہے کہ جب یہ طالب علم بڑے ہوجائیں تو یہ ایک اسکیم پیش کی جائے۔

سرظفراللہ: ہمیں یہ جواب مل چکا ہے کہ یہ ایک طالب علم کی اسکیم ہے اس میں کوئی جان نہیں،ان آراء کے برعکس ان خیالات سے آگاہی بھی ضروری ہے جوایک دوسرے انگریز مصنف میجر ایٹس براؤن کے ہیں،انہوں نے لکھا تھا:

لیکن پاکستان کے علاوہ اور کیا چارہ کار ہے،مجھ کو اور کچھ نظر نہیں آتا مشکلات پر قابو پایا جاسکتا ہے۔۔۔الخ۔

(تفصیل پیچھے مقدمہ نمبر ۳ کے شروع میں ملاحظہ فرمائیں)

نمبر:(۶) قرارداد لاہور، مارچ ۱۹۴۰ء:

چودھری خلیق الزماں اپنی تصنیف شاہراہ پاکستان میں لکھتے ہیں:

''لندن میں حمایت کا اشارہ ملتے ہی مسلم لیگ نے مطالبہ تقسیم میں جدوجہد شروع کردی یہ گویا دوسرے حکم کی تعمیل تھی،پہلا حکم اس وقت ملا تھا جب ۱۹۰۵ء میں مسلمانوں کے وفد نے وائسرائے سے ملاقات کی تھی (یعنی جب انگریز کے حکم سے مسلم لیگ قائم کی گئی۔اساجد) اور جداگانہ انتخاب کا مطالبہ کیا گیا تھا یہ سب کچھ مسٹر آرچیبالڈ پرنسپل علی گڑھ کے ایمان سے کیا گیا تھا ص ۱۵۱۔

اس طرح سرہیری جو یوپی کے گورنر تھے اس تجویز کے حق میں تھے ان کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہونا فطری ہے،ایسا کیوں ہے؟ اس کے اسباب بالکل واضح ہیں،۱۹۳۵ء کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں کا اپنی حکومت سے اعتماد اٹھ گیا تھا وہ اپنی حکومت کے مقاصد سے مطمئن نہ تھے اور وہ یوپی کے مسلمانوں سے کافی ہمدردی رکھتے تھے،بالآخر ۱۹۴۷ء میں ہندوستان سے واپس جانے پر سرمارس

نے ان کو لکھا کہ وہ اس بات پر مبارکباد دیں، کہ انہوں نے پس پردہ تقسیم ہند کے مسئلہ میں کافی اہم کردار ادا کیا ہے"۔(ص ۳۶۔)

لیکن ۱۹۴۰ء میں رام گڑھ کے اجلاس میں کانگریس نے اپنے خاص ریزولیشن میں انگریزوں پر ملک تباہ کرنے کے الزام لگانے سے وائسرائے کو ناگواری کا احساس ہوا، انہوں نے کانگریس سے کسی قسم کی اتحاد کی کوششوں کو ترک کر دیا اور مسلم لیگ کی طرف متوجہ ہوا مسٹر جناح اندرونی دباؤ کے باعث تقسیم ہند کی تجویز کو قبول کرنے پر مجبور ہو گئے، انہوں نے تقسیم کے جواز کے لئے ایک نئی تھیوری دوقومی نظریہ ایجاد کی۔۔۔الخ۔(ص ۳۷۔) یہ ہے دوقومی نظریہ کی کہانی۔

یہ وہی چودھری خلیق الزماں ہیں جنہوں نے ۲۳؍مارچ ۱۹۴۰ء میں قرارداد لاہور کی تمام کاروائی تحریر کی اور قرارداد کی حمایت اور تائید کرنے والوں میں شامل تھے۔

قارئین کرام!

''دوقومی نظریہ'' جو سرسید احمد خاں کے ذریعے انگریز نے ایجاد کیا وہی ہندوستان کی تقسیم کی بنیاد بنا اور اس شخص کے ذریعہ سے دو قومی نظریہ کی تکمیل ہوئی، جو ہندوستان میں سب سے بڑا (کہنا بے جا نہ ہوگا) ہندو مسلم اتحاد کا حامی تھا (یعنی مسٹر جناح)۔

بریلوی جماعت کے پروفیسر محمد مسعود احمد کے دعویٰ کی مختصر جھلک دوبارہ ملاحظہ فرمائیں، یعنی وہ لکھتے ہیں:

''دوقومی نظریہ۔۔۔۔یہ وہی نظریہ ہے جس کی حفاظت کے لئے حضرت مجدد الف ثانی اور فاضل (احمد رضا) بریلوی نے اپنی زندگیاں وقف کر دیں تھیں''۔(واہ وا۔واہ وا)۔

(ترک موالات، ص ۴۱)

دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''جب ۱۹۴۰ء میں قرارداد پاکستان منظور ہوئی تو حضرت (احمد رضا) بریلوی اور آپ کے مریدین ومعتقدین کی کوششیں بار آور ہوئیں۔۔۔۔تحریک پاکستان میں حضرت بریلوی کی خدمات علامہ اقبال اور قائد اعظم سے کسی طرح کم نہیں''۔(سبحان اللہ! واہ بریلوی جماعت واہ)

دوقومی نظریہ کا انجام:

مسلم لیگ کے چودھری خلیق الزماں لکھتے ہیں؛

''انڈیا کے مسلمانوں کو اپنے رہائشی ملک (ہندوستان) کا وفادار رہنا تھا، معاً (تقسیم کے وقت) یہ دشواریاں پیدا ہوگئیں کہ دوقومی نظریہ کا کیا کیا جائے، کیا وہ عقائد (جس بنیاد پر دوقومی نظریہ کا نعرہ لگایا گیا) جنہوں نے مسلمانوں کو باقی ہندوستان سے جدا کر دیا تھا، بھلا دیئے جائیں گے''۔(ص ۴۷۔)

یہ دونیشن (اور دوقومی) نظریہ۔۔۔۔تقسیم ہند کے بعد ان چار کروڑ مسلمانوں کے لئے جو ہندوستان میں رہ گئے ہیں بڑا ہولناک ثابت ہوا (کیوں؟) کیونکہ ۱۴، ۱۵؍اگست ۱۹۴۷ء کو وہ نہ پاکستانی نیشن (قوم) رہ گئے نہ ہندوستانی، جس کی وجہ سے ان پر بدترین مصائب نازل ہوئے (یکم اگست ۱۹۴۷ء کو) مسٹر جناح نے ہندوستان کے اقلیتی نمائندوں سے (جو ہندوستان میں رہ گئے) رخصت ہونے کے

لئے ان کو بلوایا، اس موقعہ پر سید رضوان اللہ سیکرٹری یو پی مسلم لیگ اور ممبر کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی نے اقلیتی مسلمانوں کے مستقبل کے متعلق جناح صاحب سے کچھ بہت ٹیڑھے سوالات کئے جن سے وہ (مسٹر جناح) بہت پریشان نظر آئے، اس سے پہلے انہیں اس قدر پریشان میں نے نہیں دیکھا تھا۔ گفتگو کی یہ کیفیت دیکھ کر میں نے اسے ختم کرانا ہی مناسب سمجھا اور رضوان اللہ سے کہا جو کچھ ہونا تھا وہ ہوگیا، اب اس کا اعادہ کرنا ضروری نہیں۔

اس گفتگو کا اثر مسٹر جناح پر اتنا گہرا اور عمیق پڑا کہ گیارہ اگست ۱۹۴۷ء کو بہ حیثیت ہونے والے گورنر جنرل پاکستان اور پاکستان کانسٹی ٹیوٹ اسمبلی کے پریسیڈنٹ کے انہوں نے اولین موقعہ پر دوقومی نظریہ کو اپنی ایک تقریر کے ذریعہ بالکل ختم کردیا، ان کی تقریر یہ تھی۔

''ہم کو کلیۃً'' عوام کی خصوصاً غرباء کی خدمت میں لگ جانا چاہیے، اگر ہم سب گذشتہ واقعات کو بھلا کر اور اختلاف کو ختم کرکے متحدہ طور سے کام میں مشغول ہوجائیں تو ہم ضرور کامیاب ہونگے، خود تم کسی قوم کے ہو، خواہ تمہارا رنگ ذات اور دین کچھ ہی رہا ہو، مگر وہ اب ہر صورت میں پاکستان کا شہری ہے، جس کے تمام وہی حقوق اور وہی ذمہ داریاں ہیں جو کسی اور کے، ہم کو اسی جذبہ سے کام کرنا ہے اور تھوڑے عرصہ میں اکثریت اور اقلیت اور ہندو قوم اور مسلم قوم کے قصے ختم ہوجائیں گے، کیونکہ خود مسلمانوں میں پٹھان، پنجابی اور شیعہ سنی وغیرہ ہیں اور اسی طرح ہندوؤں میں برہمن، کھتری اور بنگالی اور مدراس وغیرہ یہ سب دور ہوجائیں گے، اگر آپ مجھ سے پوچھیں تو حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی آزادی میں یہی مختلف حالات حارج رہے، ورنہ ہم بہت پہلے آزاد ہوگئے ہوتے، آپ کسی مذہب، ذات یا عقیدہ کے ہوں، اس کو اسٹیٹ کے کام سے کوئی واسطہ نہیں۔ (یعنی ہندو مسلم یا دوقومی نظریہ کو ملکی معاملات سے کوئی تعلق نہیں۔ ساجد)

یہ واضح اور روشن تبدیلی ہمارے سیاسی مسلک میں ایسے وقت آئی جب کہ لاکھوں مسلم جانیں جاچکی تھیں اور لاکھوں کی نوبت آرہی تھی اور اس سے زائد یہ کہ لاکھوں خاندان اور افراد نے اپنے وطن اور ماحول کو خیرآباد کرکے پاکستان کی طرف چل پڑے تھے''۔

(ص ۹۴۲ تا ۹۴۴)

(ماخوذ: مذکورہ بالا اقتباسات از شاہراہ پاکستان، مصنف چودھری خلیق الزماں)

خیال رہے کہ:

جو نظریہ جمعیۃ العلماء ہند رکھتی تھی اور جو کچھ وہ کہتی تھی وہی سب کچھ مسٹر جناح صاحب کی مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہوگیا ہے، جو لوگ اس بات پر بغلیں بجاتے ہیں کہ: پاکستان کی بنیاد اور حقیقت دوقومی نظریہ سے وابسطہ ہے وہ مسٹر جناح کی مذکورہ بالا تقریر کا کیا جواب دیں گے؟

جمعیۃ علماء ہند کا دائرہ اثر:

جمعیۃ علماء ہند، علماء کے مختلف الخیال افراد، مشائخ واکابر اور مدبرین پر مشتمل تھی، نیز اس جماعت کے ساتھ علماء دیوبند، علماء بریلی، (مثلاً عبدالماجد بدایونی، مولانا عبدالحامد بدایونی یعنی قادری برادران) علماء لکھنؤ، علماء پنجاب و لدھیانہ، نیز مشائخ حضرات ممدو معاون رہے، اکابر و سیاسی مدبرین میں ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور حکیم اجمل خاں اور حکیم ابو یوسف اصفہانی وغیرہ شامل تھے، مشائخ میں پیر محمد امام شاہ سندھی جیسے بھی شریک کار تھے، غرض یہ کہ ملک کے مفتیان، مولویان، مشائخ اور اکابر و مدبرین سب ہی اس جماعت کے کاموں میں شریک و مددگار تھے۔

مذکورہ بالاتحریر سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے،کہ ہندوستان کے تقریباً ہر حصے میں جمعیۃ کے اراکین اور زعماءموجود تھے،مزید برآں علماء کرام کادائرہ عمل واثر نہ صرف ہندوستان تک محدود تھا بلکہ بیرون ہندوستان میں بھی ان حضرات کاحلقۂ اثر موجود تھا،اصل میں اس کی بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ برصغیر میں عرصہ دراز سے ایک اسلامی یونیورسٹی یعنی دارالعلوم دیوبند اپنے ملحقہ اداروں کے،دینی وعلمی خدمات انجام دے رہا تھا یعنی ۱۸۶۶ء سے برصغیر میں اوراسلامی ممالک اور دیگر ممالک مثلاً افغانستان،برما،سیلون،انڈونیشیا،بغداد،حجاز اورمصر وغیرہ میں دارالعلوم کی خدمات کو بڑی عقیدت اور وقار کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا،ان ممالک کے طلباء اسلامی علوم کی تحصیل کے لئے دیوبند آتے تھے اور تکمیل علوم کے بعد اپنے اپنے اوطان واپس چلے جاتے تھے،ان فارغ التحصیل طلباء کی بدولت غیرممالک میں،علماء کی خدمات کااوران کے علمی،دینی اورسیاسی کارناموں کا خودبخودتعارف ہوجاتا تھا،تحریک ریشمی رومال سے وابستہ افراد کاغیرممالک میں استقبال اوران کی سیاسی واقتصادی امداد،ان بزرگوں کی خدمات اورعقیدت کااندازہ لگانے کے لئے واضح اورکھلاہواثبوت ہے۔

جنگ عظیم کے اختتام پر،ترکی میں سلطنت عثمانیہ کاچراغ بجھتا نظر آرہا تھا،مسلمانان ہند''خلافت'' کوباقی اورقائم رکھنے کےخواہش مند تھے،لہٰذا ۱۹۱۹ء میں تحریک میثاق لکھنؤ(۱۹۱۶ء) کے بعد ہندو مسلم اتحاد کے تحت سیاسی جماعتیں متحد اور متفق تھیں،شیخ الہند(مولانا محمود حسن) کی سیاسی پالیسی اپنے بزرگوں یعنی مسلک ولی اللہ کے نقش قدم پر رہی تھی یعنی ملک کوغلامی سے نجات دلانے کے لئے تمام قوموں کے ساتھ مل کرکام کرنا ملک کے مفاداورعوام کی بھلائی کے لئے ضروری ہے۔

۳۱/۱۹۳۰ءکی سول نافرمانی میں مسلمانوں کاحصّہ:

سید طفیل احمدمنگلوری لکھتے ہیں:۔

''کانگریس میں آزادی کامل کی تجویز پاس ہونے کے بعد ۲۶/جنوری ۱۹۳۰ءکوتمام ہندوستان میں''یوم آزادی'' منایا گیا۔۔۔ اب رعایااورحکومت کے درمیان ۳۲،۱۹۳۱ء کے بعدسول نافرمانی کی جنگ شروع ہوئی جولاٹھیوں،بندوقوں کی باڑھ اورآراضی ضبطیوں کا دوردورہ تھا،اس پرامن جنگ میں مسلمانوں کی شرکت انفرادی اور جماعتی دونوں حیثیتوں سے ہوئی جمعیۃ علماء،احرارالاسلام اورخدائی خدمات گاروں نے بڑی بڑی قربانیاں کیں''۔

(مسلمانوں کاروشن مستقبل،ص۴۳۶)

۱۹۳۵ء انڈیا ایکٹ کے تحت انتخابی مہم کا آغاز ہوا،کانگریس،مسلم لیگ اورجمعیۃ علماء ہند نے انتخابی اتحاد کیا،مولانا احمد سعید دہلوی،مولانا سیدحسین احمدمدنی،مولانامفتی کفایت اللہ،مولاناحفظ الرحمن سیوہاروی اوردیگرحضرات نے مسلم لیگ کےامیدواروں کوکامیاب کرانے کی امکانی کوشش کی،علماء سے اتحادعمل کے نتیجہ میں مسلم لیگ کوتوقع سے زیادہ یعنی صوبہ یوپی میں ۲۸ نشتیں حاصل ہوگئیں، لیکن مسلم صوبوں یعنی پنجاب میں صرف دونشتیں،سندھ اورسرحدمیں کوئی نشت حاصل نہ ہوئی۔

ہندوستان کی تقسیم پرجمعیت علماء ہند کافیصلہ:

۲۴/جولائی ۴۷ءکوجمعیت کی مجلس عاملہ کااجلاس طلب کیا گیااورتقسیم ہند کے متعلق تجویز میں کہا گیا کہ جمعیۃ کا نصب العین ہمیشہ

سے ہندوستان کی مکمل آزادی حاصل کرنا رہا ہے۔۔۔۔اس لئے جمعیۃ ایک بار پھر اعلان کرتی ہے کہ ملک کی تقسیم مسلمانوں کے لئے انتہائی تکلیف دہ اور مہلک ثابت ہوگی، مسلمانانِ ہند تین حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے اور تقریباً پانچ کروڑ مسلمان ایک ایسی (ہندو) اکثریت کی خوراک ہونگے جس کی تعداد ۲۵ کروڑ ہوگی۔

جمعیۃ علماء ہند اور ۱۹۴۷ء کے فسادات میں علماء کا کردار:

تاریخ کے طلبہ سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ جمعیۃ علماء ہند تقسیم ہند کی سخت مخالف تھی، نیز جنگ آزادی اور برصغیر کی تحریکات میں ان کا کردار مثالی اور بے داغ رہا ہے، علماء نے نہ صرف تحریکات آزادی میں نمایاں اور کھل کر حصہ لیا، بلکہ ملک کی ہر اس سیاسی جماعت کے ساتھ اشتراک عمل کیا جو مکمل آزادی کی خواہاں تھی، چنانچہ اس اصول کے پیش نظر ۱۹۳۵ء میں مسلم لیگ کے ساتھ بھی انتخابی اتحاد کیا، گو کہ وہ بایں وجہ قائم نہ رہ سکا، فسادات ۱۹۴۷ء کے موقع پر ستم زدہ اور بے سہارا مسلمان اس قدر خائف اور متوحش (وحش زدہ) تھے کہ انہیں اپنی جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کا کوئی سامان کسی طرف سے نظر نہ آتا تھا، مسلم لیگی رہنما خود اپنی جان بچانے کی خاطر پاکستان منتقل ہو گئے تھے، اب لے دے کر ہندوستان جمعیۃ علماء ہند ہی ایک ایسی منظم اور متحدہ جماعت رہ گئی تھی جو مسلمانانِ ہند کے کام آسکے۔

چنانچہ دہلی اور اطراف دہلی سے لٹ پٹ کر سہے ہوئے مسلمان دہلی میں جمع ہونے لگے تو مغربی پنجاب اور پاکستان کے دیگر علاقوں سے آئے ہوئے شرنارتھیوں (یعنی ہندواور سکھوں) نے مسلمانوں کو تہہ تیغ کر کے ان کا مال واسباب لوٹا، اور خواتین کو اغوا کر کے بے آبرو کیا، مکانوں، دکانوں، کارخانوں اور ہر قسم کی جائیدادوں کو تباہ وبرباد کیا، مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حفیظ الرحمن سیوہاروی اور ان کے رفقاء کار نے پیش آمدہ مشکلات ومصائب اور شدائد وآلام کا نہ صرف پامردی سے مقابلہ کیا، بلکہ ان نامساعد حالات کو عزم وہمت اور حوصلہ کے ساتھ حل کرنے کی عملی اور ممکنہ کوششیں کیں، حتیٰ کہ اپنی جان کی بازی لگا کر بھی مصیبت زدہ افراد کی مدد واعانت کی۔

جناب ڈاکٹر ایچ، بی، خاں مزید لکھتے ہیں:

بایں ہمہ یہ بات ہر ذی شعور اور انصاف پسند اور غیر جانبدار محقق ومفکر کو تسلیم کرنا پڑے گی کہ علماء کے ذہنوں میں یہ بات بھی موجود تھی کہ اگر پاکستان مجوزہ اسکیم کے تحت چند صوبوں کو الگ کر کے ایک ریاست (پاکستان) بنالی تو برصغیر (یعنی ہندوستان) جو ایک وسیع وعریض ملک ہے، اس کے ہر شہر، قصبہ، قریہ اور گوشہ گوشہ میں مسلمانوں کے دینی مدارس، عبادت گاہیں، اوقاف، مقدس مقامات، جائیداد منقولہ اور غیر منقولہ زراعت (یعنی زمینی جائیداد) تجارت، صنعت وحرفت اور دیگر زندگی کے معاملات صدیوں سے موجود ہیں، انہیں یکسر اور کلیتاً خیر آباد کہنا پڑے گا، اور اس طرح آن واحد میں مسلمانوں کے صدیوں سے قائم شدہ یادگاری آثار وروایت وتاریخی مقامات فنا ہو جائیں گے، بلکہ یہ بات بھی پیش نظر تھی، کہ برصغیر سے مسلمانوں کے ہجرت کرنے کے بعد ان تمام آثار کی بقا بھی معرض خطر میں ہوگی، کیونکہ ان کا کوئی نگران اور پرسان حال نہ ہوگا۔

مفتی مظہر اللہ صاحب کا ایک واقعہ:

اس موقع پر ہم بریلوی جماعت کے پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب کے والد ماجد جناب مفتی مظہر اللہ صاحبؒ کا ایک واقعہ نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں، پروفیسر مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:

۱۹۴۷ء میں جبکہ ناموس مسلم کا سوائے خدا کے کوئی محافظ نہ تھا دہلی شہر فسادات کی لپیٹ میں تھا، ہر طرف کشت وخون کا بازار گرم تھا، عوام وخواص ترک وطن کر کے جا رہے تھے، اسی دہلی کے ایک گوشے میں جامع مسجد فتح پوری میں ایک مرد خدا آگاہ تشریف فرما ہے، مسجد کے چاروں طرف موت کے سائے منڈلا رہے ہیں، عرض کیا گیا کہ محفوظ مقام پر تشریف لے چلیں۔

فرمایا! آپ حضرات کو اجازت ہے جہاں چاہیں جا سکتے ہیں، فقیر کو یہیں رہنے دیں، کل قیامت کے دن اگر مولیٰ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ ہم نے اپنا گھر تیرے سپرد کیا تھا تو اس کو کس کے رحم وکرم پر چھوڑ کر چلا گیا تھا تو فقیر کیا جواب دے گا۔

اسی مرد کامل نے جس کا نام نامی اسم گرامی مفتی اعظم محمد مظہر اللہ ہے۔۔۔۔ کراچی کے زمانہ قیام میں بعض احباب کے اس اصرار پر کہ پاکستان میں مستقل قیام فرمایا جائے، کہا تھا:

''دہلی کے غریب اور مظلوم مسلمانوں کو فقیر کی ضرورت ہے ان کو کس کے رحم وکرم پر چھوڑ کر چلا آؤں؟''

(ماخوذ: ترک موالات، ص۶۹)

خیال رہے کہ بریلوی جماعت کے پروفیسر مسعود صاحب اپنے والد کو صرف ایک مسجد کی فکر کے باعث مرد خدا کہتے ہیں اور جن لوگوں کو پورے ہندوستان کی مساجد اور دینی مدارس اور مسلمانوں کی بربادی کی فکر تھی، ان پر پروفیسر صاحب یہ الزام لگاتے ہیں کہ (معاذ اللہ) وہ مسلمانوں کو ہندو بنانا چاہتے تھے۔ واہ بہادر واہ۔

ڈاکٹر ایچ، بی، خاں آخر میں لکھتے ہیں:

ان تمام حقائق وحالات کے باوجود یہ امر نا قابل تردید ہے کہ کانگریس نواز علماء نے مسلمانان برصغیر کے مجموعی مفاد کو پیش نظر رکھا اور اسلامی دور کے آٹھ، نو سو سالہ دور کے تمام تہذیبی، تاریخی، تمدنی، مذہبی، سیاسی روایات اور ہر قسم کے ورثہ کو محفوظ ومامون کرنا ضروری خیال کیا، وگرنہ یہ امکان اغلب تھا کہ برصغیر (ہندوستان) سے مسلمانوں کے کلیتاً اخراج یا ہجرت کے بعد تاریخ اندلس (اسپین) یہاں بھی دہرائی جاتی اور مسلمانوں کی قدیم یادگاریں، عبادت گاہیں، مقدس مقامات پیوند خاک ہو جاتیں اور ۱۹۴۷ء کے خونی انقلاب کے بعد بھارت میں مسلمان چراغ لے کر تلاش کرنے سے بھی نہ دکھائی دیتے، جمعیۃ علماء ہند اور دیگر قوم پرست جماعتیں دور بین اور دور اندیش تھیں، کہ انہوں نے مسلمانوں کی عام تباہی اور بیخ کنی کا اندازہ بہت پہلے ہی لگا لیا تھا اور ۱۸۸۵ء سے ہی کانگریس کے ساتھ سیاسی اتحاد عمل جاری رکھا اور اپنوں اور غیروں کی تمام تر مخالفتوں اور دشنام طرازیوں (اور گالیوں) کے باوجود مسلمانان برصغیر کے حقوق کی حفاظت کا مؤثر سیاسی سامان مہیا کیا، اور یہی وجہ تھی کہ کانگریس کی برسر اقتدار پارٹی کے چند فرقہ پرست ذہنوں اور حکمرانوں کی شدید مخالفت کے باوجود گاندھی جی اور جواہر لال نہرو نے علماء کا نہ صرف احترام کیا، بلکہ ۱۹۴۷ء کے جنونی اور خونی انقلاب میں علماء کے ساتھ ہمہ قسم کا مدد وتعاون بھی کیا۔

راقم کو حق بات کہنے میں کوئی باک یا عار نہیں وہ یہ کہ برصغیر اور خصوصاً دورِ عصر (اور اس وقت) کی بھارتی مسلم آبادی، جمعیۃ علماء ہند کی ایک سو سالہ نہیں بلکہ ۱۷۰۷ء کے بعد مسلک ولی اللہ کے محترم ومقدس علماء کے دور سے ہی ان کی عرق ریزی، سیاسی بصیرت اور دینی شعور کی بدولت قائم ودائم ہے، حالانکہ اس امر میں بھی کوئی شک وشبہ نہیں، جن کے وہ بجا طور پر ایک شہری یا وطنی ہونے کے رشتے سے حقدار ہیں، مگر مسلمانان بھارت کو کلیۃً استیصال سے بچانے کے لئے آج بھی علماء ہند سینہ سپر اور برسر پیکار ہیں اور کسی بھی قسم کی فرضی فرقہ پرستی کے جھگڑوں میں ملوث مسلمانوں کو بچانے کے لئے اور بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے کے لئے ہمہ وقت آمادہ اور تیار رہتے ہیں، اور رب ذوالجلال انہیں مزید

ایمان،صبرواستقامت،اورعزم وحوصلہ عطافرمائے،تاکہ وہ حسب سابق مسلمانان ہند کی حوصلہ افزائی فرماتے رہیں۔۔۔الخ۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں''برصغیر پاک و ہند کی سیاست میں علماء کا کردار'' بیسویں صدی میں ۱۹۴۰ءتک ،مصنف ڈاکٹر ایچ، بی،خاں، ناشرقومی ادارہ برائے تحقیق تاریخ وثقافت پوسٹ بکس نمبر ۱۲۳۰اسلام آباد،۱۹۸۵ء۔اوراس کےعلاوہ تحریک پاکستان میں علماء کا سیاسی وعملی کردار،مصنف ڈاکٹرایچ،بی،خاں،ایم اے،پی ایچ ڈی،ریسرچ اسکالرناشرالحمد اکیڈمی کراچی)۔



فصل ثانی

تحریک خلافت اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی وضاحت

معترض صاحب نے اپنی کتاب اور ان کے قبیل کے دیگر لوگ تحریک خلافت کے خلاف حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ملفوظ پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو اگر احمد رضا خان صاحب نے تحریک خلافت کی مخالفت کی ہے تو تمہارے حکیم الامت نے بھی تو مخالفت کی ہے۔اسی طرح ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ سے حضرت ؒ کے بعض ایسے ملفوظ نقل کرتے ہیں جس میں آپ نے تحریک خلافت کے بعض لیڈران کی غیر شرعی حرکات پر سخت سرزنش کی اور پھر بریلوی لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں کہ دیکھو دیوبندی حکیم الامت بھی مانتا ہے کہ تحریک خلافت والے صحیح لوگ نہیں تھے،اسی لیے اعلیٰ حضرت نے اس تحریک کی مخالفت کی۔ دیوبندیت کے بطلان کے انکشاف کے مؤلف نے بھی اسی قسم کی دھوکا دہی سے کام لیا ہے ہم فردا فردا ان تمام حوالہ جات کے جواب دینے کے بجائے محبی محترم سفیان معاویہ صاحب کا ایک مضمون نقل کر رہے ہیں جس سے اس قسم کے تمام حوالہ جات کا جواب ہو جائے گا۔

Haqqforum پرایک رضاخانی عبدالمصطفی کا مضمون ''تحریک خلافت اور جناب اشرف علی تھانوی صاحب'' دیکھنے میں آیا۔اس مضمون کو پڑھ کراندازہ ہوا کہ لکھنے والا :

(1) علمائے اہلسنت کےتعصب میں مبتلا ہے کہ ان کا صحیح ''نقطہ نظر'' پیش کرنے کی بجائے اپنے من پسند نظریہ ان کے ذمہ لگانے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔

(2) کم علمی کا شکار ہے۔

(3) اپنے گھر کی کتب سے بے خبر ہے۔

(4) دھوکہ وفریب دے رہا ہے۔

علمائے دیوبند یا دیوبندیوں پر الزام:

تحریکِ خلافت پر مضمون لکھتے ہوئے رضاخانی صاحب نے لکھا کہ:

سیدی اعلیٰ حضرت پر الزام لگانے والو۔۔۔{تحریک خلافت اور جناب اشرف علی تھانوی صاحب ص 1}

یہ اس رضاخانی کا ہم سنی دیوبندیوں پر الزام و بہتان ہے کہ

''ہم مولوی احمد رضا خان پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ تحریک خلافت کی مخالفت کرنے والا تھا'' (بہتانِ رضاخانی)

رضاخانی شاید''الزام'' اور''التزام'' میں فرق نہیں سمجھتا یا محض کم علمی کا شکار ہے۔جبکہ مولوی احمد رضا خان خود تحریک خلافت کی مخالفت میں فتوی دینے والا ہے جیسا فاضل بریلوی کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ:

(۱) ''چنانچہ تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کے اس اتحاد کے خلاف متدین علماء نے فتوے دیئے''۔{انوار رضا ص465}

آگے لکھتے ہیں کہ:

''جب متدین علماء نے مخالفت کی ان میں سرفہرست اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کا نام نامی آتا ہے''۔{انوار رضا ص 465}

(۲) جب فاضل بریلوی سے سوال کیا گیا تحریک خلافت مسلمانوں کے موافق یا نہیں اور اگر موافق نہیں تو ان کے خلاف فتوے کیوں نہیں دیے جا رہے؟ تو فاضل بریلوی فتوی دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اسی طرح کے بہت اقوال احوال افعال جن کا پانی سر سے گزر گیا ہے جنہوں نے اسلام پر یکسر پانی پھیر دیا کون مسلمان ان میں موافقت کرسکتا ہے۔ان حرکات خبیثہ کے رد میں فتوے لکھے گئے اور لکھے جا رہے ہیں''۔{احکام شریعت ص 162}

(۳) تحریک خلافت کے قائلین کو بدظن کرنے کیلئے مولوی احمد رضا خان نے نہیں لکھا کہ:

''ترکوں کی حمایت محض دھوکہ کی ٹٹی ہے اور اصل مقصود بغلامی ہنود وسوارج کی چیخی ہے بڑے بڑے لیڈروں نے جس کی تصریح کر دی ہے۔بھاری بھر کم خلافت کا نام لو۔عوام بپھریں چندہ خوب ملے گا اور گنگا جمنا کی مقدس زمینیں آزاد کرانے کا کام چلے گا۔(دوام العیش، ص95)

تو یہ علمائے اہلسنت نے الزام نہیں لگایا تھا بلکہ حقیقت عوام الناس کے سامنے رکھی تھی مگر آپ نے دھوکہ دینے کی کوشش کی۔ اب اپنے احمد رضا خان کے ان فتوؤں پر نظر رکھتے ہوئے ذرا ان علماء کو بھی دیکھیں جنہوں نے تحریک خلافت میں حصہ لیا اور ان پر فتویٰ بازی کر کے دکھائیں تو آپ کو بریلوی مانے۔

(۱) دیکھئے سب سے پہلے باپ کے فتوے کی مخالفت حامد رضا خان نے کی جو احمد رضا خان کا بیٹا ہے اور بریلوی اس کو''حجۃ الاسلام'' کہتے ہیں کہ:

''حجۃ الاسلام نے سیاسی تحریکان میں بھی بھرپور حصہ لیا۔۔۔۔تحریک رضائے مصطفی،تحریک خلافت،تحریک ترک موالات،تحریک شدھی سنگھٹن، تحریک مسجد شہید گنج اور اس قسم کی بہت سی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا''۔{ماہنامہ کنز الایمان لاہور 28 اکتوبر،1996 ص،24}

(۲) بریلوی امیر ملت پیر جماعت علی شاہ نے تحریک خلافت میں بھرپور حصہ لیا بلکہ اپنے مریدین کو شامل ہونے پر زور دیتے تھے۔{سیرت امیر ملت ص 415}

(۳) ''بریلوی شاہ محمد سلیمان پھلواری صاحب تحریک خلافت و دیگر سیاسی و مذہبی اور علمی تحریکوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا''۔
{تحریک پاکستان اور مشائخ عظام از محمد صادق قصوری ص 20}

آگے ان ہی کے الفاظ یوں درج ہیں کہ:

''میں تو اپنی ساری ضعیفی، ساری کمزوری اور ساری ناتوانی کے باوجود خلافت ترکیہ اور اسلام کیلئے اپنے آپ کو پیش کرتا ہوں''۔
{ایضاًص 20}

(۴) ''پیر محمد اسماعیل روشن سرہندی صاحب نے تحریک خلافت میں شاندار خدمات سرانجام دی''۔{ایضاًص 25}

(۵) پیر محمد حسن جان سرہندی صاحب نے تحریک خلافت میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ {ایضاًص 36}

(۶) ''پیر محمد شاہ بھیروی خلیفہ ضیاء الدین سیالوی صاحب اور ان کے مرشد نے مل جل کر تحریک خلافت کیلئے شب و روز کام کیا۔''{ایضاًص 116}

(۷) ''پیر غلام مجدد سرھندی صاحب نے تحریک خلافت میں بھرپور حصہ لیا۔'' {ایضاًص 124}

آگے ان کے بارے میں یہ الفاظ درج ہیں کہ:

''تحریک خلافت میں آپ نے جو کام کیا تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔اگر علی برادران کی ہم پلہ کوئی شخصیت تھی تو آپ ہی کی تھی۔تحریک خلافت ہی کے دوران آپ بذریعہ ٹرین دورے پر تشریف لے جارہے تھے کہ انگریز کلکٹر مسٹر گبسن (جو بعد میں چیف کمشنر سندھ بنا) نے آپ کو دیکھ کر شربت منگوالیا۔آپ نے یہ کہتے ہوئے وہ شربت پینے سے انکار کردیا کہ اگر اس گلاس میں شربت کی جگہ تمہارا خون ہوتا تو میں پی جاتا اس لئے کہ تم ہمارے ترک بھائیوں کا خون بہارہے ہو! یہ سن کر انگریز کلکٹر بھونچکا سا رہ گیا اور کہنے لگا کہ پیر صاحب کو کیا ہوگیا ہے؟''{ایضاًص 126}

تحریک خلافت کے مسئلہ پر اس واقعہ سے اس وقت کے ماحول میں علماء اور مسلمان عوام کی حالت دل کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۸) ابن بریلوی امیر ملت سید محمد حسین علی پوری نے بھی تحریک خلافت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔{ایضاًص 172}

(۹) مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی صاحب نے بھی تحریک خلافت میں بھرپور حصہ لیا۔{ایضاًص 211}

(۱۰) ''خلیفہ پیر جماعت علی شاہ، پیر سید سعید شاہ بنوری کوہاٹی صاحب نے بھی تحریک خلافت میں نمایاں کردار ادا کیا''۔{ایضاًص 227}

(۱۱) پیر عبداللہ جان سرھندی صاحب نے بھی تحریک خلافت میں نمایاں کردار ادا کیا۔ {ایضاًص239}

(۱۲) پیر محمد ہاشم جان سرہندی نے بھی تحریک خلافت میں نمایاں کردار ادا کیا۔{ایضاًص 256}

(۱۳) پیر محمد اسحاق جان سرہندی صاحب نے تحریک خلافت میں بھرپور حصّہ لیا۔ {ایضاص 260}

(۱۴) مفتی فیض احمد گولڑوی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''چنانچہ عوام اور سیاسی لیڈروں کے علاوہ فرنگی محل، ندوہ، دیوبند، تونسہ شریف اور سیال شریف کے دینی اور روحانی مراکز کے علماء اور مشائخ بھی خلافت اسلامیہ کے تحفظ پر کمر بستہ ہوگئے''۔ {مہر منیر ص 268}

(۱۵) غلام محمد گھوٹوی شیخ الجامعہ بہاولپور بھی تحریک خلافت کے بہت بڑے علمبردار تھے۔ {مہر منیر ص 268}
آگے لکھتے ہیں کہ:
''تحریک خلافت کو علاوہ دیگر علمائے کرام کے حضرت خواجہ ضیاء الدین سیالوی کی بھی پرزور حمایت وتائید حاصل تھی۔'' {مہر منیر ص 276}

رضاخانی صاحب! مجھے بتاؤ کہ کیا مولوی احمد رضا خان صاحب کی تحریر سے:
(۱) ان سب بریلوی مشائخ نے دھوکہ دیا ہے؟؟؟؟
(۲) ان سب بریلوی مشائخ کا اصل مقصد ہنود کی غلامی ہے؟؟؟؟
(۳) بریلوی مشائخ کا مقصد عوام کو ورغلانا تھا؟؟؟؟
(۴) بریلوی مشائخ کا مقصد عوام سے محض چندہ لینا تھا؟؟؟؟
(۵) بریلوی مشائخ گنگا جمنا کی زمینیں آزاد کرانا چاہتے تھے؟؟؟؟

پھر احکام شریعت کے فتوے کو دیکھو کہ
''کون مسلمان ان میں موافقت کرسکتا ہے؟'' {احکام شریعت ص 162}
مجھے بتاؤ! کیا بریلوی مشائخ تحریک خلافت میں شامل ہو کر کافر ہو گئے؟ مسلمان نہ رہے؟
کیا مولوی حامد رضا خان باپ کے فتوے کو نہ دیکھ سکے؟ یا وہ کافر ہونا چاہتے تھے؟؟
پھر انوار شریعت جلد اوّل، الصوارم الھندیہ اور فتاوی صدر الافاضل میں جو یہ لکھا ہے کہ:
''جو اعلیٰ حضرت کا ہم عقیدہ نہ ہو وہ کافر ہے''
تو کیا اس فتوی سے یہ سب بریلوی مشائخ کافر نہیں ہو جائیں گے؟؟؟؟
اور وصایا شریف میں احمد رضا کی جو یہ عبارت ہے:
''میرا دین ومذہب جو میری کتب میں موجود ہیں اس پر چلنا ہر فرض سے اہم فرض ہے''۔ {وصایا شریف ۲۴}
تو بتاؤ یہ سب سے اہم فرض جو فرائض سے بھی بڑا ہے اس پر بریلوی مشائخ کاربند نہ رہے تو کیا وہ اسکے منکر ہو کر مسلمان رہے؟
پھر ان سب بریلوی مشائخ نے چونکہ ہندوؤں سے اتحاد کر کے تحریک خلافت چلائی تو کیا الطاری الداری کے فتووؤں سے حرام کاری وتکفیر کے گھاٹ نہیں اتریں گے؟ {الطاری الداری ص 38 حصّہ اوّل}

تحریک خلافت اور بریلوی مشائخ کی جنگ

مولوی احمد رضا خان کی کتاب احکام شریعت اور رد وام العیش سے پتہ چلتا ہے کہ:
(۱) تحریک خلافت کے خلاف فتوے لکھے جارہے ہیں۔
(۲) تحریک خلافت میں کوئی مسلمان شامل نہیں ہوسکتا۔

(۳) تحریک خلافت تو محض ایک دھوکہ ہے۔

(۴) تحریک خلافت کا اصل مقصد ہندوؤں کی غلامی ہے۔

(۵) تحریک خلافت کا اصل مقصد سوراج کی چکھی ہے۔

اب ذرا بریلوی امیر ملت پیر جماعت علی شاہ صاحب کہتے ہیں کہ:

''میں سچ کہتا ہوں مجھے خلافت سے ہمدردی ہے اور جس شخص کو خلافت سے ہمدردی نہیں اس میں ایمان نہیں''۔

{سیرت امیر ملت ص 411}

''جو مسلمان خلافت سے محبت نہیں رکھتا وہ بے ایمان ہے آپ نے فرمایا کہ میں خلافت اسلامیہ اور مقامات مقدسہ کے تحفظ کے لیے اپنی جان تک نثار کرنے کو تیار ہوں اور میرا جو مرید تحریک خلافت میں حصہ نہیں لیتا، اس کو میں یاران طریقت میں سے نہیں سمجھتا۔'' {ایضاً ص 415}

''میں کلمہ توحید پڑھ کر ایمان سے کہتا ہوں کہ خلافت اسلامیہ کیلئے، خدمت خلافت کیلئے میری جان حاضر ہے مجھے جان پیش کرنے میں کوئی حاضر نہیں۔ {ایضاً ص 413}

اب بتاؤ رضاخانی صاحب! مولوی احمد رضا خان صاحب ترکوں کی اس خلافت کو خلافت ہی تسلیم نہیں کرتے جس پر انہوں نے انگریز کی حمایت میں ایک مکمل رسالہ ''دوام العیش'' لکھا تھا کہ ترکوں کی خلافت، خلافت نہیں ہے۔

جو اس کو خلافت ہی نہیں مانتا وہ اس سے محبت کہاں کرے گا۔

تو پیر جماعت علی شاہ صاحب کے فتوے سے

(۱) مولوی احمد رضا خان بے ایمان ہے۔

(۲) مولوی احمد رضا خان بریلوی پیر کا مرید بننے کے بھی لائق نہیں ہے چہ جائیکہ وہ خود پیر ہو۔

(۳) مولوی احمد رضا خان میں ایمان نہیں۔

اور سنئے!!!!

فاضل بریلوی تو لوگوں کو تحریک خلافت میں شامل ہونے سے روکنے کیلئے فتوے دے رہے تھے۔ {احکام شریعت}

مگر اس پر پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کا طرز عمل مولوی احمد رضا خان صاحب کے بالکل مخالف تھا۔ جس کو مفتی فیض احمد گولڑوی صاحب یوں تحریر کرتے ہیں کہ:

''حتی کہ تحریک خلافت کے دنوں میں بھی آپ نے ان مخلصین کو جو اس میں عملی حصہ لے رہے تھے، منع نہیں فرمایا''۔ {مہر منیر ص 268}

تحریک خلافت کے قائلین کے خلاف جس تعصب کا اظہار کیا ہے اور ان پر فتوی بازی کر کے ان کی توہین وتذلیل کی ہے۔ اسی کو مدنظر رکھتے ہوئے مفتی فیض احمد گولڑوی پیر مہر علی شاہ صاحب کا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں کہ:

''گویا یہ آپ (پیر مہر علی شاہ) کے اس اسلامی نظریہ کا ثبوت ہے کہ فروعی معاملات (یہاں تحریک خلافت کا مسئلہ تھا) میں اور مسائل میں اپنے اپنے دلائل کے پیش نظر ہر فریق آزاد ہے۔ البتہ تشدد، تعصب اور ایک دوسرے کے خلاف کیچڑ اچھالنا تفریق فی الدین کے مترادف اور سخت ممنوع ہے۔'' {مہر منیر ص 269}

یعنی مولوی احمد رضا خان تفریق فی الدین کرنے والوں میں سے تھے۔

فاضل بریلوی کے ہی فتوے پر ہی پیر غلام مجد دسرہندی صاحب نے یہ عمل کیا ہوگا کہ: ''تحریک خلافت کے او پر لکھی گئی تحریر''فتوی خلافت'' کی مذمّت کی جو حکومت کی حمایت میں لکھی تھی''۔{تحریک پاکستان اور مشائخ عظام ص 129 از مولوی محمد صادق قصوری بریلوی}

تحریک خلافت اور انگریز نوازی

بریلوی مولوی ہاشمی میاں صاحب لکھتے ہیں کہ:

''تحریک خلافت کو کون نہیں جانتا انگریزوں نے اسے باغی جماعت قرار دیا۔وہ صرف اس لیے کہ تحریک خلافت متحدہ ہندوستان سے انگریزوں کو مار بھگانا چاہتی تھی۔اس کی سرگرمیاں ملک طول وعرض میں اتنی سرعت کے ساتھ پھیل گئیں کہ انگریزوں کو خطرہ لاحق ہوگیا۔اسی لئے انگریزوں کو ضرورت محسوس ہوئی ایسے علماء کی جو تحریک خلافت کو بے قاعدہ، بے اصول، اور بے ایمان قرار دیں۔''

{انوار رضا ص 456}

اب دیکھیں اس تحریک خلافت کا سب سے بڑا مخالف مولوی احمد رضا خان صاحب ہی تھے جو شدید مخالفت کرنے والے تھے۔

{احکام شریعت، دوام العیش، انوار رضا ص 465}

''شاید اسی لیے انگریز نے مولوی احمد رضا خان کے تحریک ترک موالات کے خلاف فتوے کو لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کیا''

جیسا کہ پروفیسر مسعود احمد لکھتے ہیں کہ:

''یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ اس زمانے میں مولانا اشرف علی تھانوی اور مولانا احمد رضا خان صاحب ہر دو مختلف الخیال علماء نے ترک موالات کے خلاف علیحدہ علیحدہ فتوے دیے جو انگریزوں کے ایما سے لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کئے گئے''۔{انوار رضا ص 489}

اب دیکھیں مولوی احمد رضا خان جو کہ ایک پورے گروہ بانی تھے ان کا فتوی تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ حضرت تھانوی ؒ کا فتوی اس لیے تقسیم کیا گیا کہ چونکہ تمام دیوبندی علماء تحریک خلافت وتحریک موالات میں شامل تھے۔جیسا کہ مہر منیر میں لکھا ہے کہ:

''ان کی معیت میں بلکہ ان کے اتباع میں تمام دیوبندی علماء بہ استثناء جناب مولوی اشرف علی تھانوی اس تحریک میں شامل ہو چکے تھے''۔{مہر منیر ص 272}

انوار رضا کے حوالے کو مدنظر رکھتے ہوئے اگر مہر منیر کے اس حوالے کو دیکھئے تو پتہ چلتا ہے کہ تمام علمائے دیوبند انگریز کے مخالف اور دشمن تھے۔انگریز نے علمائے اہل السنت والجماعت علمائے دیوبند کو دبانے کی بہت کوشش کی۔ہوسکتا ہے کہ انگریز نے حضرت تھانوی ؒ کا فتوی بھی تقسیم کیا ہو؟ مگر اس کا کوئی ٹھوس ثبوت نہیں مل سکا۔بریلوی کتب میں یہ بات موجو ہے جو ہمارے لیے حجت نہیں ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ حضرت تھانوی ؒ نے تحریک خلافت کی مخالفت کی تو وہ آگے آپ پڑھ لیں گے کہ ایسا کیوں ہوا اور ان کا موقف کیا تھا۔

تحریک خلافت میں لوگ حضرت تھانوی کے خلاف:

تحریک خلافت میں اگر حضرت تھانوی ؒ شامل نہیں ہوئے جس پر لوگوں نے ان کی مخالفت کی اور بے جا ان کے خلاف باتیں بھی کی تو یہ کوئی ایسی بات نہیں کیونکہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی بھی تحریک خلافت میں شامل نہ ہوئے تھے جس پر ان کو کیا کہا گیا وہ ذرا

توجہ سے سن لیں:

’’خواجہ ضیاءالدین سیالوی کی تحریک خلافت کے مسئلہ پر پیر مہر علی شاہ صاحب کافی حد تک شکر رنجی بڑھ گئی تھی‘‘۔{مہر منیر ص 276}

’’تحریک خلافت کے ایام میں رائے عامہ کا طوفان اس ملک یعنی ہندوستان میں صرف آستانہ عالیہ گولڑہ کی چٹان سے ٹکرایا۔اخبارات نے مخالفانہ اداریے لکھے۔شعراء نے ہجویہ اشعار کہے، پریس اور پلیٹ فارم سے جومتواتر حملے ہوتے رہے ان میں علماء ومشائخ کے طبقے نے بھی دل کھول کر حصہ لیا۔بلکہ بعض اپنا کہلانے والوں نے بھی مخالفت کی۔‘‘{مہر منیر ص 379}

’’مگر بعض لیڈروں کو حسب خواہش مربعہ جات اراضی نہ ملے تو وہ مخالفت پر تل گئے اور حضرت (پیر مہر علی شاہ گولڑوی) کو سرکار کا خیر خواہ ظاہر کرنا شروع کردیا‘‘۔{ایضاً ص 274}

’’تحریک خلافت کے ایام میں (پیر صاحب کے مرید نے) شکووں کے طومار لکھ لکھ کر حضرت کی خدمت میں بھیجے‘‘۔{مہر منیر }

اوران ہی مرید صاحب نے حضرت قبلہ کی شان میں وہ جلی کٹی سنائیں‘‘۔{مہر منیر ص 279}

’’شیخ الجامعہ فرماتے ہیں کہ اس شخص (پیر مہر علی شاہ گولڑوی) کے متعلق قسم قسم کے الزمات تراشے گئے اور اجانب تو اجانب بعض اپنے بھی اس میں شریک ہوگئے‘‘۔{ایضاً ص 275}

’’حتی کہ بعض کم سواد مریدوں کا اعتقاد بھی متزلزل ہونے لگا۔ایک نے منٹگمری سے اخبارات کو بیان دیا کہ تحریک خلافت پر حضرت (پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی) کے مخالفانہ مسلک کی وجہ سے اس نے ابوالکلام سے بیعت کرلی ہے‘‘۔{مہر منیر ص 578}

تو یہ چیز تو آپ اپنے گھر میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔

تحریک خلافت کے مسئلے پر حضرت تھانویؒ کی صفائی بریلویت کے گھر سے

مفتی فیض احمد گولڑوی بریلوی صاحب (جس کو حسن علی رضوی ’’استاذ العلماء‘‘ کہتا ہے) لکھتے ہیں کہ:

’’اسلامی خلافت کے متعلق علمائے راسخین کا مسلک:

’’حضرت قبلہ عالم (پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی) اور بعض دیگر علمائے راسخین مثلاً سید دیدار علی شاہ لاہوری، جناب مولوی محمد علی مونگھیری صوبہ بہار کے علاوہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی جو ہر مسئلہ کو خالص شرعی نقطہ نظر سے دیکھنے کے عادی تھے۔ترکی سلطنت کو اسلامی خلافت کا درجہ نہیں دیتے تھے تاہم ان حضرات کی مکمل ہمدردی اس وقت تک ترکوں کے ساتھ رہی‘‘۔ (مہر منیر ص ۲۶۸)

لو حضرت تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ تو مفتی فیض احمد گولڑوی نے علمائے راسخین میں کرکے اس بات کو واضح کردیا کہ:

(۱) حضرت تھانویؒ ترکی لوگوں سے ہمدردی رکھتے تھے۔

(۲) حضرت تھانویؒ نے شرعی نقطہ نگاہ سے خلافت کے متعلق اپنا فیصلہ دیا۔

جبکہ مولوی احمد رضا خان بریلوی کا تذکرہ ان لوگوں میں نہیں کیا گیا حالانکہ وہ ہی سب سے بڑے تحریک خلافت کے مخالف تھے۔{انوار رضا}

اوران کا خلیفہ مفتی نعیم الدین مرادآبادی صاحب نے تو پورا رسالہ لکھا:

’’خلافت کمیٹی کی فتنہ سازیاں اور علمائے اہلسنت کی کارگزاریاں‘‘

ان کا نام تو یاد نہ رہا۔۔۔کیوں؟؟

ذرا ان درج ذیل الفاظ پر بھی غور کریں جہاں حضرت تھانوی ؒ کو ''**بلند پایہ طبقہ کے علماء**'' میں شمار کیا ہے کہ:

''بلند پایہ طبقہ کے علماء میں تو بالخصوص اس کی بہت مانگ ہے اور وہی حقیقت اس کی صحیح قدر و منزلت بھی کر سکتے ہیں چنانچہ مولوی اشرف علی تھانوی اپنی تفسیر بیان القرآن الخ۔''{مہر منیر ص 250}

دیکھئے کیسے حضرت تھانوی ؒ کو ان بلند پایہ طبقہ کے علماء میں شمار کیا جو کسی بھی دینی اور علمی کتب کی قدر و منزلت کو صحیح جانتے ہیں اور صحیح قدر و منزلت کرنے والے بھی ہیں۔

اور مولوی احمد رضا خان کا تذکرہ بس سادہ سا ان الفاظ کے ساتھ ہیں کہ:

''بندہ راقم الحروف نے مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی کے ملفوظات حصہ اوّل میں ان کا یہ ارشاد پڑھا''۔{مہر منیر ص 429}

دیکھو کیسے یاد کیا ہے؟

تحریک خلافت سے کیا ہوا؟

مفتی فیض احمد گولڑوی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''یہ ہندو مسلم طاقت ہی تھی جس نے بالآخر حکومت برطانیہ کو جھکنے پر مجبور کر دیا''{مہر منیر ص 267}

اور لکھتے ہیں کہ:

(تحریک خلافت سے اور تحریک ترک موالات) صرف انگریزوں کیلئے ہندوستان میں قدرے پریشانی بڑھ گئی۔{مہر منیر ص 272}

تحریک خلافت میں شرعی حدود کو تجاوز کرنے والے کون تھے؟

بریلوی پروفیسر مسعود صاحب لکھتے ہیں کہ:

مسلمان اس حد تک آگے بڑھ گئے کے انہوں نے اپنی پیشانیوں پر قشقہ لگوایا، مندروں میں گئے، ارتھیوں کو کندھا دیا، گائے کی قربانی چھوڑ دی وغیرہ وغیرہ۔{پیر مہر علی شاہ گولڑوی اور تحریک خلافت ص 17}

ایک جگہ لکھتے ہیں کہ:

''مسلمان شعائر اسلام چھوڑ بیٹھے اور مشرکانہ شعائر اپنائے حتی کہ گاندھی کو بزرگ ترین خلائق اور نبوت کا مستحق سمجھنے لگے۔''{ایضاً ص 23}

بریلوی مولوی نعیم الدین مراد آبادی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''پہلے مہاتما گاندھی کا حکم ہوتا ہے، اس کے پیچھے مولوی عبد الباری کا فتوی، مقلد کی طرح سر نیاز خم کرتا چلا جاتا ہے۔ہندو آگے بڑھتے ہیں اور مسلمان ان کے پیچھے پیچھے اپنا دین و مذہب ان پر نثار کرتے چلے جاتے ہیں''{حیات صدر الافاضل ص 106}

آگے لکھتے ہیں کہ:

''نادان مسلمان نے جس طرح دریا دلی کے ساتھ جائیدادیں لٹائیں، آج اسی طرح فیاضی کے ساتھ مذہب خدا کر رہے ہیں۔کہیں ہندوؤں کی خاطر سے قربانی اور گائے کا ذبیحہ ترک کرنے کی تجاویز پاس ہوتی ہیں۔ان پر عمل کرنے کی صورتیں سوچی جاتی ہیں۔اسلامی

شعائر مٹانے کی کوشش عمل میں لائی جاتی ہیں۔کہیں پیشانی پر قشقہ کھینچ کر کفر کا شعار (ٹریڈ مارک) نمایاں کیا جاتا ہے،کہیں بتوں پر پھول اور ریوڑیاں چڑھا کر توحید کی دولت برباد ہوتی ہیں۔‘‘{حیات صدر الفاضل ص 107}

آگے لکھتے ہیں کہ

’’ترکی سلطنت کی بقا کیلئے کفر کرنے لگیں،شعائر اسلام کو مٹا دیں۔‘‘{ایضاً ص 107}

’’مسلمانوں کی نادانی کمال کو پہنچ گئی‘‘{ایضاً ص 107}

آپ کے مولوی احمد رضا خان بریلوی نے بریلوی عالم (بقول آپ کے) مولوی عبد الباری فرنگی محلی کا یہ قول نقل کیا تھا:

’’میں آئیندہ گائے کی قربانی نہ دوں گا عام مسلمین میرا اتباع کریں‘‘۔(الطاری الداری لھفوات عبد الباری،ج ا،ص ۲۶)

تحریک خلافت پر ہندو سے اتحاد پر ہمارے علماء یہی کہتے تھے:

’’استخلاص وطن کیلئے برادران وطن سے اشتراک عمل جائز ہے مگر اس طرح کے مذہبی حقوق میں رخنہ واقع نہ ہو‘‘۔(نقش حیات، حصہ دوم،ص ۲۶۲)

یعنی شرعی احتیاط کو ملحوظ رکھا جائے۔اور دیکھو الزامات کی بوچھار کے باوجود ہمارے علماء نے ہار نہیں مانی بلکہ الزامات کو رد کرتے ہوئے آزادی کی جنگ لڑتے رہے جیسا کہ ابو الکلام آزاد مرحوم پر الزام لگایا گیا تو خود مولانا کی زبانی بریلویوں نے اس کا رد نقل کیا:

’’اس کے بعد ابو الکلام نے چند باتیں بطور صفائی کہیں جن کا خلاصہ آئیندہ سطور میں مندرج ہے:

یہاں کس نے قشقے کی اجازت دی؟کس نے مہاتما گاندھی کی جے پکارنے کو کہا؟ بلکہ میں خود تو مہاتما کے یہ معنی تک نہیں جانتا کہ وہ کوئی تعظیم کا لفظ ہے۔یہاں کس ذمہ دار نے کہا اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے؟ کفر کا کلمہ کون مسلمان کہہ سکتا ہے؟اور جے،قشقہ وغیرہ مخالف دین حرکات پر ہم سخت نفرین کرتے ہیں نفس موالات تمام کفار سے خواہ وہ حربی یا غیر حربی یقیناً حرام اور ممنوع ہے ہم کہاں اسے جائز بتاتے ہیں کوئی غیر مسلم کا ہرگز پیشوا و رہنما نہیں بن سکتا مسلمانوں کی پیشوائی اور رہنمائی ایک ذات حضور محمد رسول اللہ ﷺ کیلئے ہے اور ان کی نیابت سے علماء کیلئے ہے۔الخ‘‘۔(عظمتوں کے پاسبان،ص ۱۰۳،۱۰۴)

مولانا ابو الکلام آزاد نے یہاں تک کہا:

’’اسلام اس سے بہت ارفع و اعلی ہے کہ اس کے پیرووں کو اپنی پولیٹیکل پالیسی قائم کرنے کیلئے ہندووں کی پیروی کرنی پڑے مسلمانوں کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی شرم انگیز سوال نہیں ہوسکتا‘‘۔(ابو الکلام آزاد کے اجل شہہ پارے،ص ۲۵)

ایک جگہ مولانا ابو الکلام آزاد اپنے اوپر الزام کی تردیدیوں کرتے ہیں جس کو مفتی غلام معین الدین نعیمی صاحب لکھتے ہیں:

’’اس ضمن میں حضرت مولانا مولوی حامد رضا خان صاحب نے مولوی ابو الکلام آزاد سے بالخصوص مخاطبہ فرما کر یہ کہا’’حضرت! آپ کو بھی تو اپنی حرکات سے توبہ کرنا ہے؟‘‘ اس پر مولانا ابو الکلام آزاد نے کہا میری کیا حرکات ہیں؟ مولانا حامد رضا خان صاحب نے فرمایا کہ آپ نے جمعہ میں گاندھی کی تعریف پڑھی،ابو الکلام صاحب نے اس سے سخت انکار کیا اور کہا کہ میری طرف یہ نسبت کذب ہے اور انہوں نے اس کے قائل پر لعنت کی‘‘۔(حیات صدر الافاضل،ص ۱۶۸)

معلوم ہوا کہ یہ سب غیر شرعی منکرات بریلوی علماء اور بریلوی حضرات کی ہیں کیونکہ حیات صدر الافاضل کے حوالہ جات،الطاری

الداری کے حوالے سے اور مہر منیر کے حوالے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سب بریلوی حضرات کے کام ہیں ۔کیونکہ بریلوی علماء اور رضاخانی بریلویوں کے علاوہ تو کسی کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے لہٰذا جہاں بریلوی علماء نے ''مسلمان'' لفظ استعمال کر کے ان کے غیر شرعی حرکات گنوائے ہیں اس سے مراد بریلوی حضرات ہیں نہ کوئی اور۔

ایک اور حوالہ پڑھو:

''پھر مولانا محمد سلیمان اشرف نے عبدالماجد بدایونی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا:

''کہو یار تمہاری بھی کہہ دیں تم نے گاندھی کو کہا کہ خدا نے اس کو 'مذکر' بنا کر بھیجا یہ کفر ہے''۔

اس پر مولانا بدایونی خاموش رہے''۔(عظمتوں کے پاسبان ،ص ۱۰۵)

اور شاید یہ بات بھی آپ کو یاد ہوگی کہ تحریک خلافت کے ممبران کی طرف سے حضرت مولانا محمد حسن دیوبندی نوراللہ مرقدہ کو ''**شیخ الہند**'' کا لقب ملا تھا ،اور ممبران خلافت کمیٹی میں بریلوی علماء کی تعداد کا اندازہ بھی آپ مندرجہ بالا حوالوں سے لگا سکتے ہیں ۔مشہور بریلوی گدیاں تحریک خلافت میں شامل تھیں ۔

ایک رضاخانی فریب:

رضاخانی معترض نے اپنے مضمون میں ایک فریب دیا ہے کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو مولوی گاندھی نبوت کے مستحق نبوت تھا (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور تحریک خلافت)

جواب: حالانکہ اضافات یومیہ کے یہ الفاظ تھے

''ایک لیڈر صاحب نے یہ کہا اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو گاندھی مستحق نبوت تھا۔(الاضافات الیومیہ ،ج ۵،ص ۲۳۳)

اب لیڈر کی جگہ مولوی لکھنا یہ بھی تمہارا دھوکہ ،فریب اور دجل ہے ۔۔شرم ۔۔شرم ۔۔شرم ۔

تحریک خلافت اور حضرت حکیم الامّت رحمۃ اللہ علیہ کا موقف:

حضرت حکیم الامت ایک جگہ بیان کرتے ہیں:

''ایک روز مسلمانوں کی موجودہ حالت کا مجھ پر اس قدر اثر ہوا کہ کھانا تک تلخ معلوم ہونے لگا اسی روز ایک حالت غلبہ ہوا کہ تمام دنیا ایک طرف جا رہی ہے اور اس میں علماء بھی بکثرت شریک ہیں کہیں میں غلطی پر تو نہیں اس حالت کا اس قدر سخت غلبہ تھا کہ اس روز کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔(اضافات یومیہ ،ج ۴،ص ۱۵۰)

ایک جگہ یوں فرماتے ہیں:

''اول اول جب کہ کسی شق کی دلیل ذہن میں نہ تھی بڑی کشمکش رہی کیونکہ اہم مسئلہ تھا پھر اس میں اپنے بعض بزرگ بھی شامل تھے تو اتنی جلدی کیسے اس میں شرح صدر ہو سکتا تھا''۔(اضافات یومیہ ،ج ۵،ص ۲۳۳)

اور مندرجہ ذیل الفاظ سے تو حکیم الامت کا موقف اور نظریہ صاف سمجھ میں آجاتا ہے:

''ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ جب دل ٹٹولتا ہوں کہ حضرت مولانا قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا گنگوہی

رحمۃ اللہ علیہ دونوں زندہ رہتے تو اس تحریک میں کون شریک ہوتے تو دل میں یہ جواب ملتا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ تو شائد شریک ہوتے مگر حفاظت حدود کے ساتھا ور حضرت گنگوہیؒ مآل پر نظر فرما کر ہرگز شرکت نہ فرماتے جیسا کہ میرا مذاق عدم شرکت کا ہے“
(اضافات یومیہ، جلد سوم،ص ۲۶۴)

یعنی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ذوق تھا کہ وہ چند وجوہات کی بناء پر تحریک خلافت میں شریک نہ ہوئے تھے۔ ورنہ وہ یہ جانتے تھے کہ قاسم العلوم والخیرات حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تحریک خلافت میں حفاظت حدود کے ساتھ ضرور شریک ہوتے۔

پتہ چلا کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حفاظت حدود کے ساتھ تحریک خلافت میں شرکت کرنے والوں کو صحیح سمجھتے تھے اور بریلوی حضرات جو شرعی حدود توڑ کر تحریک خلافت میں حرکتیں کر رہے تھے وہ ان کی عدم شرکت کی وجہ بن رہی تھی۔

مگر مولوی احمد رضا خان تو انگریز کی حمایت کی وجہ سے تحریک خلافت کی شدید مخالفت کرتے تھے کیونکہ مولوی احمد رضا خان وہ بندہ ہے:

(۱) جس نے علماء اہلسنت کی تکفیر کیلئے علماء حرمین شریفین کو دھوکہ دے کر فتوے حاصل کئے تا کہ ان انگریز کے دشمنوں کو بدنام کیا جاسکے۔

(۲) ہندوستان کے دارالسلام کا فتوی سود کی بناء پر نہیں بلکہ انگریز کی حمایت کی بناء پر دیا تھا۔

(۳) دوام العیش رسالہ لکھ کر ایسے حالات میں مسلمانوں کی کمر توڑنے کی کوشش کی اور انگریز کے ہاتھ مضبوط کئے۔

(۴) تحریک ترک موالات کی مخالفت بھی انگریز کی وجہ سے کی۔

کیونکہ خود ہندوؤں سے لین دین اور انگریز کی نوکری کو جائز سمجھتے تھے انگریز سے امداد قبول کرنے کا جائز سمجھتے تھے۔ (انوار رضا)

(۵) ہندوستان میں انگریز کو خوش کرنے کیلئے ہندوستان میں جہاد کو ناجائز قرار دیا۔ (رسائل رضویہ)

(۶) مصطفی رضا خان نے تو پورا رسالہ جہاد کی مخالفت میں تحریر کر دیا تھا۔

تو حضرت تھانویؒ کا تحریک خلافت میں شامل نہ ہونا اور وجہ سے تھا جو ”حفاظت حدود“ سے متعلق تھی، جبکہ مولوی احمد رضا خان کی تحریک خلافت کی مخالفت انگریز نوازی کی وجہ سے تھی، جو مسلمانوں کو ٹکڑوں میں تبدیل کر کے فرقہ واریت کو جنم دینے والا تھا۔
(حیات اعلیٰ حضرت از قاری پیلی بھیتی)

ایک اور رضا خانی فریب:

رضا خانی معترض نے ایک فریب دیا کہ

تحریک خلافت میں شامل ہونے کی وجہ سے علمائے اہلسنت دیوبند تحریک پاکستان کے مخالف بن کر گاندھی کے ہمنوا بنے۔

جواب:

اگر تحریک خلافت میں شمولیت کی وجہ سے تحریک پاکستان کی مخالفت کی گئی تو بتاؤ جن جید بریلوی علماء وسجادہ نشینوں کا ذکر کیا گیا کیا ان سب نے پاکستان کی مخالفت کی؟

کیا یہ سب گاندھی کے ہمنوا بنے؟؟؟؟

اس منطق کی رو سے تو بریلوی علماء بھی پاکستان کے مخالف اور گاندھی کے ہمنوا ہوئے تو کیا فتوی ہے ان پر؟

پھر اگر تحریک پاکستان کی مخالفت کی وجہ سے گاندھی کا ہمنوا ہونا ثابت ہوتا ہے تو ان بریلوی علماء پر کیا فتوی ہے؟

(۱) مولوی حامد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں کہ:

''جو مجھے اور دار العلوم منظر اسلام اور جماعت رضائے مصطفی کو لیگی کہے وہ مفتری کذاب ہے کسی تحریر و تقریر سے وہ ہرگز ثابت نہ کر سکے گا''۔

(فتاوی حامدیہ، ص ۴۴۲، ۴۴۶)

(۲) مولوی مصطفی رضا خان لکھتے ہیں:

''مگر جبکہ وہ (مسلم لیگ) ایک ایسی جماعت ہے جو غیر سنی ہی نہیں ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو نام اسلام ہی رکھتے ہیں تو اسکی رکنیت و شرکت کی تو شرعا اجازت نہیں ہو سکتی''۔ (فتاوی مصطفویہ، ص ۵۰۰)

(۳) وقار الفتاوی میں بھی مفتی وقار الدین مدنی کے الفاظ اسی قسم کے ہیں کہ کسی سنی عالم نے مسلم لیگ میں شرکت نہیں کی۔

(۴) مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی کی کتاب پڑھو۔

(۵) الجوابات السنیہ پڑھو۔

(۶) احکام شرعیہ نوریہ برمسلم لیگ پڑھو۔

(۷) حسن علی رضوی حشمت علی کی حمایت کرتا ہے۔ **(قہر خداوندی، محاسبہ دیوبند ج ۱)**

(۸) سوانح شیر بیشہ اہل سنت میں مولوی محبوب علی نے مسلم لیگ کو فتنہ کہا۔

اب بولو کہ یہ سب گاندھی کے ہمنوا اور کانگریس کے حمایتی تھے۔ تمہاری رو سے تو یہ سب گاندھی کے ہمنوا اور کانگریس کے حامی ثابت ہوئے۔

(۹) تجانب اہلسنت آنکھیں کھول کر پڑھو ہوش ٹھکانے آجائیں۔

علمائے اہلسنت ایک اسلامی ریاست بنام پاکستان کے مخالف نہ تھے وہ تو تقسیم ہند کے مخالف تھے کہ تقسیم کے بعد ہندوستان کے مسلمان کا کیا ہوگا؟ یہ سوچ و فکر مسلمانوں سے ہمدردی اور محبت کو ظاہر کرتی ہے۔

کیا امیر شریعت کے یہ الفاظ آپ نے نہیں پڑھے:

''خدا کی قسم پاکستان ایک مسجد کی طرح ہے اب میں پاکستان کے چپے چپے کی حفاظت کروں گا''۔ (حیات امیر شریعت)

کیا شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے پاکستان بن جانے کے بعد یہاں کے علماء سے یہ نہیں کہا تھا کہ:

''اب پاکستان ایک اسلامی ریاست کے نام سے بن چکا ہے اب اس میں اسلامی نظام نافذ کرنے کی کوشش کریں''۔

(حیات امیر شریعت)

امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد ہند کے یہ الفاظ شاید آپ جیسے تنگ نظر رضا خانی ملاں کی نظر سے نہیں گزرے ہوں گے جو انہوں نے کانگریس سے علیحدہ ہونے کے بعد کہے تھے اور اپنوں نے مسلم لیگ میں شامل ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی۔۔۔۔ (بوئے گل نالہ دل دود، چراغ محفل از شورش کاشمیری، ص ۴۰۱، ۴۲۷)

تو علمائے اہلسنت میں سے جن حضرات نے تقسیم ہند کی مخالفت کی وہ ایک نظریہ کی بنیاد پر تھی جو مسلمانوں سے خیر خواہی پر مبنی تھی مگر جس طرح بھینگے کو ٹھیک سے نظر نہیں آتا اسی طرح رضا خانیوں کو اپنی آنکھوں سے کوئی تصویر صحیح نظر نہیں آتی۔

تحریک خلافت کی مخالفت ایک اور نظریہ سے:

دیکھئے حضرت تھانوی تحریک خلافت میں شامل نہ ہوئے اور دوسری طرف مولوی احمد رضا خان اور اس کی ٹوڈی جماعت نے تحریک خلافت کی بھرپور مخالفت کی مگر دونوں کا مقصد اور تھا مثلا:

لفظ ''امام'' شیعہ بھی استعمال کرتے ہیں اور سنی بھی استعمال کرتے ہیں سنی اسی لفظ کو پیشوا اور رہبر کیلئے استعمال کرتے ہیں اور شیعہ لفظ ''امام'' کو معصوم عن الخطاء اور مامور من اللہ کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ دیکھیں دونوں لفظ ایک ہی استعمال کرتے ہیں مگر دونوں کا نقطہ نظر کس قدر مختلف اور متضاد ہے۔

اسی طرح تحریک خلافت کے مخالفین بھی دو قسم کے تھے ایک جنہوں نے نیک نیتی کی بناء پر مخالفت کی اور ثانی جس نے انگریز کے اشارے پر مخالفت کی۔

بہرحال آپ کے پمفلٹ کے جواب میں فقیر چاہے تو ایک مستقل کتاب لکھ سکتا ہے رسالہ تو ویسے بھی لکھ ہی لیا ہے مگر ماننے والے کیلئے اتنا بھی کافی اور نہ ماننے والے کیلئے دفتر بھی ناکافی۔

☆☆☆☆

فصل ثالث

تحریک پاکستان میں علمائے اہلسنت دیوبند کا کردار بریلوی اکابر کے قلم سے

محترم سفیان معاویہ

ہندوستان میں جب سے انگریز آیا تو علماء اسلام و اکابرین دیوبند نے انگریز کو دشمن اسلام اور دشمن مسلمان سمجھتے ہوئے اس کے خلاف کام کرنا اپنا ایمان سمجھا۔ ہندوستان میں انگریز کے ناپاک قدم لگتے ہی ہر طرف ظلم ہی ظلم ہونے لگے اور اسلام کے خلاف خطرناک سازشیں بڑھنے لگی۔ انگریز کے خلاف ہندوستان میں بہت سی تحریکیں علماء اسلام و اکابرین دیوبند نے چلائی، مثلاً:

(۱) تحریک بالاکوٹ انگریز اور سکھ مظالم کے خلاف چلائی گئی۔ اس تحریک کی قیادت پیر طریقت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے کی۔

(۲) ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی کی تحریک چلی۔ شاملی کے میدان میں انگریز کے خلاف جہاد کی قیادت کرنیوالے حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حافظ ضامن شہیدؒ تھے۔

(۳) تحریک خلافت انگریز کے مظالم کے خلاف چلی۔ قیادت کرنے والے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا ابو الکلام آزادؒ، حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنیؒ جیسے کئی اور حضرات نے کی۔

(۴) انگریز کے مظالم کے خلاف احتجاجی طور پر تحریک ترک موالات چلائی گئی۔ اس تحریک کی قیادت کرنے والے حضرت مولانا ابو الکلام آزادؒ جیسے بیدار مغز لیڈر تھے۔ سید حسین احمد مدنیؒ جیسے عظیم اکابرین دیوبند نے بھی اس تحریک کی قیادت کی۔

(۵) تحریک ہجرت انگریز کے خلاف احتجاجی طور پر چلائی گئی جس سے انگریز کی پریشانی حد سے زیادہ بڑھ گئی۔ اس تحریک کی بھی قیادت حضرت مولانا ابو الکلام آزادؒ نے کی۔

(۶) تحریک ریشمی رومال انگریز کے خلاف ایک منظم حکمت عملی کے ساتھ چلائی گئی۔ اس تحریک کی قیادت کرنے والے شیخ الہند حضرت محمود حسن دیوبندیؒ جیسی عظیم ہستی تھی۔

(۷) تحریک پاکستان چلی۔ قیادت کرنے والے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ جیسے کثیر تعداد میں اکابرین دیوبند تھے۔

غرض جتنی تحریکیں انگریز کے خلاف اور آزادی کیلئے چلائی گئی ان تحریکوں میں اکابرین اہلسنت دیوبند نے شمولیت کی جبکہ جتنی تحریکیں انگریز کے خلاف چلائی گئیں بریلوی علماء نے انکی مخالفت کی اور تحریکوں میں شامل ہونے والوں اور قیادت کرنے والوں کے خلاف کفر و ارتداد کے فتوے لگائے اور ان کو گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہا گیا (معاذ اللہ)۔ اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انگریز کا دشمن کون رہا اور انگریز کے ہاتھ کون مضبوط کرتا رہا۔

علمائے اہلسنت دیوبند نے انگریز کے خلاف کام کیا مگر محاذ الگ الگ بنا کر کیا جس سے انگریز کی کمر مزید ٹوٹتی گئی۔کسی نے مجلس احرار میں شامل ہو کر انگریز کے خلاف بھرپور کام کیا تو کسی نے کانگریس میں رہ کر انگریز کے خلاف جہاد کیا، تو کسی نے جمعیۃ علمائے ہند میں رہ کر کام کیا، تو کسی نے مسلم لیگ میں شامل ہو کر آزادی کا نعرہ بلند کیا یعنی اکابرین دیوبند انگریز دشمن تو تھے مگر انگریز کے خلاف کام کرنے کے طریقے الگ الگ اپنا رکھے تھے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شہادتوں کے بعد علمائے اہلسنت نے" دارالعلوم دیوبند" کی بنیاد صرف اس لیے رکھی تھی کہ یہاں سے انگریز کے خلاف کام کرنے والے علماء تیار کیے جائیں گے اور تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ انگریز کے خلاف چلنے والی ہر تحریک کی قیادت" دارالعلوم دیوبند" کے فاضلین نے کی۔

اور جن کو بریلوی اپنا اکابر کہتے ہیں ان لوگوں میں سے اگر کسی نے ان تحریکوں میں شمولیت کی تو اس وجہ سے کی کہ یہ لوگ یا تو دارالعلوم دیوبند سے پڑھے تھے یا ان علمائے دیوبند کی صحبت پائی تھی جیسے خواجہ ضیاء الدین سیالوی صاحب جو دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے مداح تھے۔تو آئیے ذرا دارالعلوم دیوبند اور اس کے ایک فیض کے متعلق تھوڑی سی تفصیل پڑھ لیں:

(۱) پروفیسر احمد سعید ایم اے او کالج لاہور لکھتے ہیں کہ:۔

"۱۹۱۳ میں جب (جامعۃ الازھر کے شیخ) علامہ رشید رضا مصری ہندوستان تشریف لائے تو دارالعلوم دیوبند کے معائنہ کے بعد انہوں نے فرمایا کہ" اگر میں دارالعلوم دیوبند کو نہ دیکھتا تو ہندوستان سے نہایت غمگین ہو کر جاتا۔اس دارالعلوم نے مجھ کو بتلا دیا ہے کہ ہندوستان میں بھی علوم عربیہ اور تعلیمات مذہبی اعلیٰ پیمانے پر ہیں"۔(حصول پاکستان ص ۳۸ مطبوعہ علم وعرفان پبلیشرز لاہور)

(۲) پروفیسر مسعود احمد بریلوی لکھتے ہیں کہ:۔

"جب ۱۲۸۳ء۔۱۸۶۷ء میں مولانا قاسم نانوتوی نے دیوبند میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی تو دہلی میں بھی اسکا چرچا ہوا"۔

(تذکرہ مظہر مسعود ص ۴۸ مطبوعہ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی)

(۳) بریلوی مناظر مولوی غلام مہر علی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"اب دیوبند ایک مستقل تحریک، مکتبہ فکر بلکہ مذہبی فرقہ کی حثیت اختیار کر گیا۔اس میں شک نہیں کہ علمی نقطہ نگاہ سے بڑے بڑے ذی علم حضرات بھی اس کی کوکھ سے پیدا ہوئے، ناموری اور شہرت اس کی بلائیں لینے لگیں طلباء کا لشکر جرار، اساتذہ کا جم غفیر، بجٹ کا ہوشربا حجم، لائبریری کی وسعتیں عمارت کا حسن و جمال، سربہ فلک محلات کی خیرہ چشمی یقینا اس قابل ہیں کہ کوئی بھی انصاف پسند مورخ ان سے چشم پوشی نہیں کرسکتا"۔(دیوبندی مذہب ص ۱۴)

دارالعلوم دیوبند ایسے ہی علمی سمندر نہ تھا بلکہ غیروں کو بھی اس کا اعتراف تھا۔جسکو بریلوی کمپوڈر مفتی احمد یار خان نعیمی گجراتی صاحب لکھتے ہیں کہ،۔۔۔۔واحسرتا

اہلِ سنّت بر قوالی وعرس — دیوبندی بہر تصنیفات ودروس

خرچ سنّی بر قبور وخانقاہ — خرچِ نجدی بر علوم ودرسگاہ!

(دیوان سالک ص ۴۵ بحوالہ رسائل نعیمیہ)

(۴) اور ذرا درج ذیل حوالہ کو بھی پڑھو جس کو بریلوی ارشد القادری صاحب یوں بیان کرتے ہیں کہ:۔

''سارا ملک اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ دیو بند ایک بہت بڑا مدرسہ ہے جہاں علمائے دین پیدا کیے جاتے ہیں''۔

(سوانح امام احمد رضا ص ۲۳ مطبوعہ اکبر بک سیلرز لاہور)

یہ غلط فہمی نہیں بلکہ ایک روشن حقیقت تھی سارا ملک دارالعلوم دیو بند کو ایک بہت بڑا علمی مدرسہ سمجھتا تھا۔

(۵) بریلوی ڈاکٹر احسن رضا اعظمی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ایسے حالات میں مصلحین امت کا ایک گروہ عیسائیت کے سیلاب کو روکنے کیلئے میدان عمل میں کود پڑا اور بہت سے تعلیمی ادارے قائم کئے گئے جو فقہی مراکز کی حیثیت سے کام کرنے لگے، اہم مدارس و مراکز کے نام مندرجہ ذیل ہیں:

نام	مقام	مؤسّس
دارالعلوم دیو بند	دیو بند	حاجی عابد حسین
مدرسہ جامع مسجد ناخدا	کلکتہ	مولانا ابو الکلام آزاد

(فقیہ اسلام ص ۱۰۵۔ ۱۰۴، مطبوعہ ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کھارادر)

یہ ہے دارالعلوم دیو بند جس کی علمی شان و شوکت اپنے کیا دشمنوں کو بھی تسلیم ہے۔ یاد رہے دارالعلوم دیو بند ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد انگریز کی مخالفت میں قائم کیا گیا تھا۔

۱) مسٹر سمتھ نامی انگریز اپنی کتاب Modern Islam In India میں صاف طور پر اس بات کو لکھتا ہے:

''دارالعلوم دیو بند نام ہے انگریز کی مخالفت کا''۔

۲) دیکھئے بریلویت کے بانی علمائے حقہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''ان کی ابھی ایک آنکھ کھلی ہے مگر دوسری ابھی تک بند ہے''۔ (الحجۃ)

یعنی انگریزوں سے مخالفت والی تو کھلی ہے''

(دیو بندی مذہب ص ۴۳۶، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

دیکھئے مولوی احمد رضا خاں بانی بریلویت اور بریلوی مناظر غلام مہر علی چشتیاں کو بھی یہ بات تسلیم ہے کہ دارالعلوم دیو بند کے پڑھے ہوئے فاضل علماء اہلسنت انگریز کے دشمن اور مخالف تھے۔

۳) مولوی غلام رسول سعیدی صاحب بریلوی لکھتے ہیں کہ:۔

''خصوصاً جب کہ انگریزوں کے خلاف ترک موالات کی تحریک میں (شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندیؒ) پیش پیش رہے ہوں''۔

(مقالات سعیدی ص ۵۲۱۔ مطبوعہ فرید بک سٹال لاہور)

علمائے دیو بند کی انگریز مخالفت کا ذکر تحریک خلافت کے حوالے سے پروفیسر مسعود احمد بریلوی لکھتے ہیں کہ:۔

''برطانیہ اور دولتِ عثمانیہ کے مابین تصادم کی صورت میں پوری مخالفت حقیقت حال مشق آخر کے خلاف نظر آتی ہے''۔

(انوارِ رضا ص ۴۲۰)

یعنی شیخ الہندؒ کی انگریزوں سے بھرپور مخالفت خلافت عثمانیہ کے مسئلے پر بریلوی پروفیسر کو بھی تسلیم ہے ۔حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کی انگریز دشمنی اور ان کے خلاف جہاد کو دیکھنا ہو تو ذرا فریق مخالف کے گھر سے اس درج ذیل پیراگراف کو غور سے پڑھ لیں:

''۱۹۱۶ء میں مولانا محمود حسن نے ریشمی خط کے ذریعہ آزاد مملکت کا خاکہ پیش کیا۔اسی مقصد کیلیے مولانا محمود حسن حجاز گئے ۔ یہ وہ زمانہ تھا جب انگریز عربوں سے مل کر حجاز پر ترکی اقتدار کا خاتمہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے ۔ترکوں پر علمائے حجاز اور علمائے ہند کی طرف سے کفر کے فتوے لگائے جا رہے تھے ۔مولانا محمود حسن نے حجاز میں ترکی وزیروں سے بات چیت کی مگر اسی اثنا میں شریفِ مکہ نے ترکوں کے خلاف جنگ چھیڑ دی ۔شریفِ مکہ نے ترکوں کے خلاف ایک محضر نامہ پر مولانا محمود حسن کے دستخط کرانا چاہے مگر وہ روپوش ہو گئے ۔جب باہر آئے گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کئے گئے ۔ ۱۹۱۷ء میں قاہرہ کے قریب ایک جیل میں نظر بند تھے ۔انگریز افسروں نے ''باغیانہ'' سرگرمیوں کے بارے میں استفسارات کئے اور ایک دستاویز دکھائی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ مولانا محمود حسن سلطان ترکی، ایران و افغانستان کو متحد کر کے ہندوستان پر اجتماعی حملہ کر کے آزاد حکومت کے قیام کے لیے کوشش کر رہے تھے ۔بہرکیف ۱۵ نومبر ۱۹۱۷ء کو مالٹا بھیج دیے گئے جہاں انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی ۔اسارت مالٹا کے بعد آپ ہندو مسلم اتحاد کے داعی بن گئے ۔

جس طرح انقلاب ۱۸۵۷ء سے قبل مولوی سید احمد بریلوی ناکام ہوئے ۔اسی طرح انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد کی جانے والی یہ کوشش بھی بالآخر ناکامی و نامرادی کا شکار ہوئی ۔

(انوارِ رضا ص ۴۷۱۔ ۴۷۰، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

مندرجہ بالا پیراگراف سے چند باتوں کا پتہ چلتا ہے کہ:۔

۱) حضرت شیخ الہندؒ نے انگریزوں کے خلاف ایک ریشمی رومال نامی تحریک چلائی جسکی وجہ سے انہوں نے مالٹا جیسی سخت قید اور صعوبت برداشت کی۔

۲) ترکوں کے خلاف ایک محضر نامہ پر دستخط کرنے سے انکار کر کے روپوش ہو گئے۔

۳) بریلوی علامہ نے تسلیم کر لیا کہ ۱۸۵۷ء کے بعد جس طرح سے انگریز کے خلاف تحریک ناکام ہوئی اسی ۱۸۵۷ء سے قبل حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ کی انگریز کے خلاف تحریک بھی ناکام ہو گئی تھی۔

شیخ الہند کی انگریز سے دشمنی اور مخالفت کا اندازہ لگانا ہو تو ذرا ان کے اِن الفاظ پر غور کر لیں کہ:۔

''اگر میری صدارت سے انگریز کو تکلیف ہوئی تو اس جلسے میں ضرور شریک ہوں گا''۔

(نقشِ حیات حصہ دوم ص ۲۵۸)

آخری لمحات میں حضرت شیخ الہند کے الفاظ یہ تھے:

’’مرنے کا تو کچھ افسوس نہیں ہے مگر افسوس ہے کہ میں بستر پر مر رہا ہوں تمنا تو یہ تھی کہ میں میدان جہاد میں ہوتا اور اعلاء کلمۃ الحق کے جرم میں میرے ٹکڑے کئے جاتے‘‘۔

(نقشِ حیات حصہ دوم ص ۲۶۹)

بہرحال ہم آگے چل کر اپنے علماء کی جدو جہد کو دکھاتے ہیں پروفیسر احمد سعید ایم اے او کالج لاہور لکھتے ہیں کہ (جس میں تحریک خلافت کی بھرپور تائید کی گئی ہے):

’’اسلام کا واضح اعلان ہے کہ اگر کسی مسلمان بھائی کو کوئی تکلیف پہنچے تو دوسرے بھائی کا فرض ہے کہ وہ یہ ممکن ذرائع سے اس کی مدد کرے۔خود ترکوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی تحریروں وتقریروں نے ہمیں غیرت دلائی کہ ہم اپنے وطن کی آزادی کی قدر کریں‘‘۔

(حصولِ پاکستان ص ۱۲۸، مطبوعہ علم وعرفان پبلیشرز لاہور)

آگے لکھتے ہیں کہ:

’’تحریک خلافت نے مسلمانوں کو تحریک پاکستان کیلئے تیار کیا۔قائد اعظم کی آواز پر پوری مسلمان قوم جس عظیم معرکے کیلئے تیار ہوئی وہ تحریک خلافت ہی کا نتیجہ تھی۔تحریک پاکستان کے صف اول اور صف دوم کے تمام لیڈر تحریک خلافت کے لیڈر اور کارکن رہ چکے تھے۔ان میں مولانا شوکت علی، نواب اسماعیل خان، مولانا حسرت موہانی، چودھری خلیق الزماں، عبدالرحمان صدیقی مولانا اکرم خان، سردار عبدالرب نشتر، عبداللہ ھارون، سید رؤف شاہ، مولوی اے کے فضل، فضل حق اور شبیر احمد عثمانی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں‘‘۔

(ایضاً ص ۱۲۹۔ ۱۲۸)

یاد رہے ’’حصولِ پاکستان‘‘ نامی کتاب کے حوالے حافظ نعمت علی چشتی سیالوی بریلوی نے اپنی کتاب میں جگہ جگہ دیئے ہیں، ملاحظہ ہو:

(پاک وہند کی چند اسلامی تحریکیں اور علمائے حق، مطبوعہ مکتبہ فریدیہ ساہیوال)

بریلوی حاجی محمد مرید احمد چشتی بریلوی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

’’ایمان کی حرارت والوں نے انگریز کے ظلم کے خلاف آواز بلند کردی اور خلافت کمیٹی بنا کر تحریک چلادی‘‘ مسلمانوں میں حضرت مولانا عبدالباری فرنگی محلی لکھنؤ، اجمیر شریف سے حضرت مولانا معین الدین اجمیری، دیوبند اور دہلی سے جمیۃ علمائے ہند کے تمام اکابر اور مسیح الملک حکیم محمد اجمل خان دہلوی، رام پور سے مسٹر محمد شوکت علی، کلکتہ سے مولوی ابوالکلام آزاد کے نام نامی یاد ہیں‘‘۔

(فوز المقال فی خلفاء پیر سیال جلد سوم ۲۰۲۔ ۲۰۱)

پتہ چلا کہ:

۱) علمائے ہند کے اکابر ایمان کی حرارت رکھتے ہیں اور مسلمان ہیں۔

۲) جمیعۃ علمائے ہند کے تمام اکابرین نے تحریک خلافت میں حصہ لیا۔

مفتی فیض احمد گولڑوی بریلوی لکھتے ہیں کہ:۔

''اس کی طرف مسلمانوں کے رجوع کا ایک اور باعث بھی ہوا اور وہ یہ تھا کہ مولانا محمود الحسن دیوبند جو بعد میں شیخ الہند کے نام سے مشہور ہوئے ان ایام میں جزیرہ مالٹا سے رہا ہو کر واپس ہندوستان تشریف لائے تھے۔اس تحریک کے بہت بڑے حامی ہو چکے تھے ان کی معیت بلکہ ان کے اتباع میں تمام دیوبندی علماء بہ استثنی جناب مولوی اشرف علی تھانوی اس تحریک میں شامل ہو چکے تھے''۔

(مہر منیر ص ۲۷۲)

یعنی تحریک خلافت میں تمام دیوبندی علماء شامل تھے۔ان درج بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ تحریک پاکستان یہ دراصل تحریک خلافت کے قائدین، جن میں جمیعۃ علمائے ہند کے اکابرین شامل تھے، کا فیض ہے۔اور ذرا فریق مخالف کے درج ذیل حوالہ جات سے بھی اندازہ لگائیں کہ تحریک پاکستان میں علمائے اہلسنت دیوبند کا کیا کردار رہا:

۱) بریلوی پیر اولاد رسول محمد میاں قادری برکاتی مارھری صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

''اور جب لیگی فخر سے کہتے ہیں کہ کیا حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ لیگ کے حامی نہیں ہیں اور تو اور اکثر علمائے دیوبند لیگ میں موجود ہیں''۔

(مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری ص ۶)

''لیگی جلسے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں''۔

(ایضاً ص ۶)

''لیگی تحریکات کے سلسلے میں تھانوی کو شیخ الاسلام تھانہ بھون حکیم الامت کی حیثیت سے نمایاں کیا تھانوی کے نمائندگان لیگ کے جلسوں میں خاص احترام سے پہنچائے، تھانوی کے بیانات لیگ کی تائید میں اپنے اخبار اور لیگ کے جلسوں میں خاص اہتمام سے چھاپے اور پڑھوائے''۔(ایضاً ص ۶)

''اور جب لیگ کی خاص کمیٹی میں تھانوی کو عملاً با متیاز خصوصی دیا جاتا ہے کہ وہ اس میں بذریعہ نمائندہ شریک ہو''۔(ایضاً ص ۶)

''اس لیے کہ وہابیت دیوبند کی لیگ میں کیا کمی ہے''. (ایضاً ص ۲۰)

اس رسالے پر''۱۵''جید بریلوی علماء کی تقاریظ موجود ہیں:

۱) بریلوی شیر بیشۂ مظہر اعلی حضرت مولوی ابو الفتح عبید الرضا محمد حشمت علی خاں قادری رضوی مجددی لکھنوی۔

۲) مولوی سید عبد القادر قادری راندیری بریلوی۔

۳) مولوی عبد القادر میاں قادری دھواری راجوی بریلوی۔

۴) مولوی احمد میاں سنی حنفی قادری دھوراجوی بریلوی۔

۵) مولوی ابو الظفر محب الرضا محمد محبوب علی خان قادری برکاتی رضوی مجددی لکھنوی۔

۶) مولوی محمد اولی الحسنی الکھنوی مفتی و قاضی شہر چابدانی ہگلی بریلوی۔

۷) مولوی غلام جیلانی قادری برکاتی قاسمی بریلوی مدرسہ احسن المدارس کانپور
۸) مولوی کلیم آل مصطفیٰ قادری بریلوی۔
۹) مولوی ابوسراج عبدالحق رضوی بریلوی۔
۱۰) مولوی محمد ضیاء الدین بریلویمتوطن پیلی بھیت۔
۱۱) مولوی محمد جسیم قادری بریلوی۔
۱۲) مولوی محمد امانت رسول القادری النوری بریلوی۔
۱۳) مولوی محمد امین قادری چشتی بریلوی۔
۱۴) مولوی عبدالمجید سنی حنفی قادری اشرفی دہلوی بریلوی۔
۱۵) مولوی سید چراغ دین احمد القادری برکاتی القاسمی الجیلانی بریلوی۔

☆) بریلوی مسلک کے مقتدر عالم مولوی ابوالبرکات سید احمد قادری مسلم لیگ کے خلاف اپنے طویل فتوے میں لکھتے ہیں کہ:

''مرتد تھانوی کو لیگیوں کی تقریروں میں شیخ الاسلام اور حکیم الامت کہا جاتا ہے اور:
اشرف علی زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں''

(الجوابات السنیہ ص ۳۱)

☆) بریلوی مسلک کے لطیف احمد چشتی صاحب سوانح اعلیٰ حضرت نامی مضمون میں لکھتے ہیں کہ:۔

''دیوبندی مسلک کے بعض علماء حصولِ پاکستان کی جدوجہد میں شریک ہوئے''۔

(انوارِ رضا ص ۶۹۱ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور)

دیکھئے! حقیقت کا اظہار کرنے میں اور تاریخ بیان کرنے میں بھی بریلوی کیسے ڈنڈی مارتے ہیں۔

☆ بریلوی مسلک کے مقتدر مرکزی مجلس رضا لاہور عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری مظہری لکھتے ہیں کہ:۔

''اس امر کا ہمیں بھی اعتراف ہے کہ واقعی چند دیوبندی علماء نے مولوی شبیر احمد عثمانی کی قیادت میں تحریک پاکستان کے اندر حصہ لیا تھا''۔

(کلمہ حق ص ۱۴۳)

دیکھا! حقیقت کا اظہار کرنے میں اور تاریخ بیان کرنے میں بھی بریلوی کیسے ڈنڈی مارتے ہیں؟ کسی کا نام لیتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں۔

۵) مولوی غلام رسول سعیدی بریلوی شیخ الحدیث لکھتے ہیں کہ:۔

''علمائے دیوبند میں سوائے مولانا ظفر احمد اور مولانا شبیر احمد عثمانی کے، جنہوں نے مسلم لیگ کے فنڈ سے تحریک قیام پاکستان کی تائید اور حمایت کی''۔

(مقالاتِ سعیدی ص ۴۶۹)

۶) بریلوی حجۃ الاسلام مفتی حامد رضا خاں صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

''بریلی میں جو پارلیمنٹری بورڈ (مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ) کا جلسہ ہوا اس میں چوٹی کے وہابیہ دیوبندیہ ہی بھرے ہوئے تھے''۔
(فتاویٰ حامدیہ ص ۷ ۴ ۴ مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)

۷) مولوی سید صابر حسین شاہ بخاری بریلوی نے اپنی کتاب ''قائد اعظم کا مسلک'' میں اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ:
''حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ علامہ شبیر احمد عثمانی اور مفتی محمد شفیع کراچویؒ نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا''۔
(قائد اعظم کا مسلک ص ۳۹۸ مطبوعہ الغزالی اسلامک سینٹر، دینہ جہلم)

۸) بریلوی مظہر اعلیٰ حضرت مولوی حشمت علی خان لکھنوی لکھتے ہیں کہ:
''اسی تھانوی کو لیگیوں کی تقریروں تحریروں میں شیخ الاسلام تھانہ بھون کہا جاتا ہے''۔
(احکام نوریہ شرعیہ بر مسلم لیگ ص ۲۱)

''حکیم الامت لکھا جاتا ہے'' ۔(ایضاً ص ۲۱)

''لیگ کے جلسے میں تھانوی کا پیغام خاص احترام واہتمام سے لیا اور سنا جاتا ہے''۔(ایضاً ص ۲۱)
''اسی تھانوی کے مرید مظہر الدین شیرکوٹی کو شہید ملت کا خطاب دیا گیا''۔
(ایضاً ۲۱)

''لیگ کے جلسے میں حضرت مولانا اشرف علی تھانوی زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے ہیں''۔
(ایضاً ص ۲۱)

۹) بریلوی مولوی حکیم آل مصطفےٰ قادری برکاتی قاسمی مارہروی لکھتے ہیں کہ:
''البتہ یہ ضرور ہے کہ مسلم لیگ میں بکثرت وہ بھی شامل ہیں جنکے کفر وارتداد یا بدمذہبی وگمراہی کا یقیناً وقطعاً مزم شرعی ہے اور وہ مسلم لیگ کے روح رواں اور اس کے سرپرست اور سرمایہ ناز ہیں مثلاً وہابیہ دیوبندیہ جنکے اکابر پر علمائے عرب وعجم کا فتوائے کفر وارتداد ہے''۔
(احکام نوریہ شرعیہ بر مسلم لیگ ص ۳۹)

''قائد اعظم کا مسلک'' نامی معتبر کتاب میں بریلوی صابر حسین نے ''شاہ اولاد رسول محمد میاں صاحب قادری برکاتی مارہروی'' کو معتبر پیر مان کر اس کی ایک کتاب کا اشتہار دیا ہے''۔
(قائد اعظم کا مسلک ص ۳۹۹)

بریلوی حضرات ان کو ''تاج العلماء'' کے لقب سے بھی یاد کرتے ہیں۔
اور بریلوی حضرات حشمت علی خان کی کتاب ''الصوارم الهندیہ'' کا بہت پرچار کرتے ہیں۔اور اس کو امام المناظرین، شیر بیشہ اہل سنت مظہر اعلیٰ حضرت کے القاب سے یاد کر کے احمد رضا کا سچا وارث ثابت کرتے ہیں۔جیسا کہ بریلوی رسالہ کلمہ حق شمارہ نمبر ۳ میں یوں لکھا ہے کہ:
''فاتح دیوبندیت'' امام المناظرین، شیر بشیہ اہل سنت مولانا حشمت علی خان رضی اللہ عنہ''
(کلمہ حق شمارہ نمبر ۳ ص ۳۹۔۴۰۔مطبوعہ لاہور)

۱۰) مولوی حشمت علی رضوی لکھتا ہے:

''مسلم لیگی اخبارات وحدت دہلی والامان دہلی وخلافت بمبئی و اقبال بمبئی و انقلاب بمبئی وغیرہا میں اور خود مسلم لیگ کے اردو آرگن اخبار منشور دہلی میں مرتد اشرف علی تھانوی کو حکیم الامۃ اور امام تھانوی اور نور اللہ مرقدہ چھاپا جارہا ہے مرتد قاسم نانوتوی کو مرحوم مغفور شائع کیا جارہا ہے مرتد محمود حسن دیوبندی کو شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ لکھا جارہا ہے۔ نیچری اور اثناعشری رافضی مسٹر جینا کو قائد اعظم اور قائد ملت اسلامیہ لکھا جارہا ہے۔ مرتضی حسن در بھنگی وشبیر احمد دیوبندی وظفر احمد تھانوی وغیرہم دیوبندی مرتدوں کو علمائے اسلام بتایا جارہا ہے یہ سب کلمات بحکم شریعت مطہر پر ضلال شنیع اور کفر قطیع ہیں یا نہیں؟ بیّنو اتوجروا''۔

(ستر باادب سوالات، ص ۲۷)

(۱۱) یہی مولوی صاحب مسلم لیگ میں اکابر علمائے دیوبند کے مقام کو یوں بیان کرتے ہیں:

''جناب مولوی نذیر الاکرم صاحب نعیمی اپنے مضمون شائع شدہ اخبار دبدبہ سکندری رامپور ۵ ستمبر ۱۹۴۵ء میں فرماتے ہیں کہ آل انڈیا سنّی کانفرنس کے مساعی سے مسلم لیگیوں کو کیا شکوہ ہے اس سے واضح ہوگیا یا نہیں کہ آپ کی یہ کانفرنس کبھی کوئی ایسی سعی نہیں کرے گی جس سے مسلم لیگ کو کچھ شکایت پیدا ہو سکے جس کے صاف معنی یہی ہوئے یا نہیں کہ اس سنّی کانفرنس کے نزدیک مسلم لیگ کی کوئی کاروائی ایسی نہیں جس کی مخالفت کرنا شرعاً ضروری ہو۔ اب عرض یہ ہے کہ کانگریس ہی کی طرح مسلم لیگ کے بھی جلسوں جلوسوں اخباروں لیکچروں وغیرہا میں وہابیہ دیوبندیہ و روافض و نیچریہ وغیرہم مرتدین کی علانیہ دھوم دھانی تعظیمیں توقیریں ہورہی ہیں ان کی دھواں دھار مدحیں تعریفیں ہورہی ہیں ان کو مسلمان لکھا جارہا ہے بلکہ ان کے طواغیت کو علمائے اسلام کہا جارہا ہے ان سب باتوں کو دیکھتے بھالتے ہوئے بھی آل انڈیا سنّی کانفرنس کی کسی سعی کو مسلم لیگ کے خلاف نہ بتانا مسلم لیگ کی زبردست حمایت ہے یا نہیں؟ بیّنو اتوجروا''۔

(ستر باادب سوالات، ص ۴۳)

درج بالا بریلوی حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ:

معتبر بریلوی علماء کرام نے تسلیم کیا ہے کہ:

(i) مسلم لیگ میں دیوبندی علماء کی کثرت تھی۔

(ii) مسلم لیگ کے روح رواں، سرپرست اور سرمایہ ناز علمائے دیوبند تھے۔

(iii) مسلم لیگ کے بورڈ میں دیوبندی علماء بھرے ہوئے تھے۔

(iv) مسلم لیگ کے جلسوں میں مولانا اشرف علی زندہ باد کے نعرے لگائے جاتے تھے

(v) حضرت تھانوی کو مسلم لیگ کی تقریروں اور تحریروں میں ''شیخ الاسلام'' کہا جاتا تھا

(vi) حضرت تھانویؒ کا پیغام مسلم لیگ کے جلسے میں بڑے احترام سے لیا جاتا اور سنایا جاتا تھا۔

(vii) حضرت تھانویؒ کے ایک مرید کو مسلم لیگ نے شہید ملت کا خطاب دیا۔

(viii) حضرت تھانویؒ کو مسلم لیگ کے جلسوں میں ''حکیم الامت'' کہا جاتا تھا۔

(ix) لیگ کے اخبارات میں حضرت تھانویؒ کے بیانات خصوصی اہتمام سے چھاپے اور پڑھوائے جاتے تھے۔

(x) حضرت تھانویؒ کے نمائندگان احترام سے لیگ کے جلسوں میں پہنچائے جاتے تھے

(xi) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی، حضرت مفتی شفیع دیوبندی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے علمائے دیوبند نے تحریک پاکستان میں حصّہ لیا۔

صرف یہی نہیں بلکہ قائداعظم محمد علی جناح صاحب حضرت حکیم الامت تھانوی ؒ کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ:

''مسلم لیگ کے ساتھ ایک بہت بڑا عالم ہے جس کا علم وتقدس اگر ایک پلڑے میں رکھا جائے اور دوسرے میں تمام علماء کا علم وتقدس و تقوی رکھا جائے تو جس کا پلڑا ابھاری ہوگا اور وہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سر پرست دارالعلوم دیوبند ہیں''۔

(تحریک پاکستان ص ۱۱۰)

اور یہ بات بھی کسی مسلمان سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ قائداعظم محمد علی جناح صاحب نے علمائے اہل سنت دیوبند کی تحریک پاکستان کے لئے شدید جدوجہد کو دیکھ کر ہی:

(i) شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے مغربی پاکستان میں جھنڈا لہروایا۔

(ii) شیخ الاسلام حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ سے مشرقی پاکستان میں جھنڈا لہروایا۔

(تحریک پاکستان، آٹھویں کے اردو کا سلیبس)

اور سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم میں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ الاسلام حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کوششوں سے خوش ہو کر ہی قائداعظم اور لیاقت علی خان نے دونوں علمائے اہلسنت کو مبارک باد دی۔

حضرت شیخ الاسلام حضرت علامہ عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ مخلصانہ کوششیں تھیں کہ سرحد اور سلہٹ کے ریفرنڈم میں جمعیت علمائے ہند اور مسلم لیگ کے جھنڈے ساتھ ساتھ تھے اور لوگ نعرے لگا رہے تھے۔

''جمعیت علمائے ہند، مسلم لیگ بھائی بھائی''

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک پاکستان اور مسلمانوں کیلئے ان مخلصانہ کوششوں اور ان کے تقوی کو دیکھ کر ہی قائد اعظم نے وصیت کی تھی کہ

''میرا جنازہ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ پڑھائے''

جیسا کہ شاہ احمد نورانی صاحب بریلوی اپنے انٹرویو میں کہتے ہیں کہ:

''قائداعظم کی نماز جنازہ سنی عالم دین نے پڑھائی''۔

(افکار نورانی ص ۲۰۹، مطبوعہ مکتبہ اہل سنت لاہور)

جیسا کہ حامد میر بریلوی رضاخانی ایڈیٹر روزنامہ ''اوصاف'' اسلام آباد لکھتے ہیں کہ:

''بانی پاکستان (خود قائداعظم کی وصیت کے مطابق) کی نماز جنازہ ایک حنفی عالم دین، مولانا شبیر احمد عثمانی (حنفی) نے پڑھائی تھی''۔

(قائداعظم کا مسلک ص ۶۹)

جیسا کہ پروفیسر محمد رفیق شیخ حنفی قادری بریلوی لکھتے ہیں کہ:

’’قائداعظم نے وصیت بھی فرمادی تھی کہ ان کا جنازہ علامہ شبیر احمد عثمانی پڑھائے‘‘۔

(قائداعظم کا مسلک ص ۱۰۹)

آج کل کے بریلوی اور رضاخانی پروپیگنڈے کے مطابق یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ۳ یا ۴ دیوبندی علماء تحریک پاکستان میں شامل ہوئے تھے بلکہ رضاخانی بہتان کی مذمت کرتے ہوئے یاد رکھنا چاہئے کہ:

شیخ الاسلام حضرت علامہ ظفر احمد عثمانیؒ ،مفتی اعظم محمد شفیع دیوبندیؒ ،ابن شیر خدا مناظر اہلسنت ناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوریؒ ،مفتی محمد حسن امرتسریؒ ،مولانا اطہر علیؒ ،مولانا طاہر قاسمیؒ ،مولانا محمد ابراہیم بلیاویؒ ،مولانا شمس الحق فرید پوری ،مولانا عبدالغنی پھولپوری ،مولانا شاہ ولی اللہ الہ آبادی ،مولانا عبدالمجید بچھراں والی ،مولانا مفتی عبدالکریم گمتھلویؒ ،مفتی دین محمدؒ ،مولانا صدیق احمدؒ ، مبلغ اسلام مولانا الیاس دہلویؒ ،عالم باعمل ولی کامل حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ ،شیخ الاسلام حضرت علامہ احتشام الحق تھانوی ،خطیب اسلام حضرت مولانا محمد متین خطیب دیوبندؒ ،شمس العلماء مولانا شمس الحق افغانیؒ ،حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ ،مولانا شبیر علی تھانویؒ ،مولانا سید سلیمان ندویؒ ، فاضل دیوبند مولانا حبیب الرحمان دیوبندیؒ ،سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، خانوادہ نانوتویؒ حضرت قاری طیب قاسمیؒ ، حضرت مولانا احمد علی سلہٹی ، رئیس التحریر حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ ،مولانا جمیل احمد تھانوی رحمۃ اللہ علیہ، پیر غلام مجدد سرھندی ،مولانا رسول خان ہزارویؒ ،حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرھم جیسی بزرگ ہستیاں اور علمائے اہلسنت دیوبند تحریک پاکستان میں شامل تھے۔

اور یہ بات بھی یاد رہے کہ:

’’۱۹۴۵ء کو محمد علی پارک کلکتہ میں زیر صدارت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ آل انڈیا جمعیت علماء کانفرنس کے ۲۶،۲۷،۲۸ اکتوبر کی تاریخوں میں تین روز تک مسلسل شاندار اجلاس ہوتے رہے، پانچ سو سے زائد علماء مشائخ نے اس میں شرکت کی۔اس کانفرنس میں جمعیت علمائے اسلام کی بنیاد رکھی گئی اور مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر صدارت قرار دادیں پاس ہوئیں اور ایک قرار داد میں متفقہ طور پر مسلم لیگ کی حمایت کے اعلان کے ساتھ ساتھ ووٹروں سے اپیل کی مسلم لیگ کے علاوہ کسی دوسری جماعت کے نمائندہ کو ووٹ نہ دے‘‘۔

(تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند ص ۲۲۴)

یعنی پانچ سو ۵۰۰ سے زائد علمائے دیوبند تحریک پاکستان کے حامی تھے۔

جمعیت علمائے ہند کے اکابر میں سے شیخ العرب والعجم سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا پاکستان کے متعلق موقف یہ تھا کہ:

’’جب مسجد بن جائے تو اس کی حفاظت ضروری ہے۔بننے سے پہلے اختلاف کی گنجائش ہے، بننے کے بعد اختلاف کی گنجائش نہیں‘‘

(تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند ص:۲۲۷)

یہی موقف اس کتاب میں بھی ہے۔(شیخ الاسلامؒ کے حیرانگیز واقعات ص ۱۷۳)

یہ بات بھی شاید تاریخ کے اوراق میں آپ لوگوں نے نہیں پڑھی ہوگی کہ:

’’مسلم لیگ کے رہنماؤں نے جمعیۃ علمائے ہند سے بعض ایسے وعدے کیے کہ مولانا مفتی کفایت اور مولانا حسین احمد مدنی نے

باہمی اشتراک سے یو پی کے تمام اضلاع میں الیکشن لڑا ''۔(ملخصا حیات امیر شیریعت ص ۲۰۸)

''حضرت مدنیؒ نے جو ان دنوں مسلم لیگ کی حمایت کر رہے تھے''۔

(حیات امیر شریعت ص ۲۰۸)

حضرت مدنی ارشاد فرماتے کہ:

''پاکستان ہمارے نزدیک مسجد کی طرح مقدس زمین کا ایک مقدس ٹکڑا ہے اور اس کی حفاظت ہر مسلمان پر لازم اور فرض ہے''۔

(تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند ص ۱۵۷)

مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ مجلس احرار کے رہنما مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کو مشورہ دیتے ہوئے تحریک پاکستان کی حمایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''اب ایک طے شدہ راستہ پر مسلمانوں کے سفر کا سوال ہے اگر ہم ہندوستان کے علاوہ مسلمانوں کے لئے بھی سوچتے رہے ہیں تو میں آپ کو اور آپ کی وساطت سے احرار کو مشورہ دوں گا کہ آپ لوگ جو پاکستان کے صوبوں میں رہ رہے ہیں لیگ میں شامل ہو جائیں تاکہ مسلمانوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچ سکے اور معاملہ بغیر کسی دشوار کے حل ہو جائے''۔

(بوئے گل نالہ دل دود چراغ محفل ص ۴۲۳۔از شورش کاشمیری)

پاکستان بننے سے پہلے آخری دنوں میں مولانا ابوالکلام آزاد رحمۃ اللہ علیہ خان عبدالغفار خان کو کہتے ہیں کہ:

''خان صاحب! میرا خیال ہے، حالات اس نہج پر آگئے ہیں کہ آپ لیگ میں چلے جائیں''۔(ایضاً ص ۴۲۳)

گاندھی مولانا آزادؒ کو کہتے ہیں کہ:

''گاندھی نے ایک ثقہ روایت کے مطابق مولانا سے کہا کہ آپ اگر یہی سوچ رہے ہیں تو آپ کا ٹھکانہ مسلم لیگ میں ہے، مولانا سوچ رہے تھے کہ پاکستان ناگزیر ہو چکا ہے، اب اگر پاکستان بنتا ہے تو جو صوبے پاکستان کو منتقل ہو رہے ہیں وہ مسلمانوں کے انتشار سے خراب نہ ہوں، ان میں کم سے کم قطع و برید ہو، پھر جن نیشنلسٹ مسلمانوں کی تحریک و تنظیم کا محور ہی پاکستان کے صوبے ہیں انہیں مسلمانوں کی خدمت گزاری کیلئے لیگ میں شامل ہو جانا چاہیئے''۔

(ایضاً ص ۴۲۴)

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے تقسیم ہند سے چند دن پہلے تقریروں میں ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے آپ کو مسلح رہنے کی ترغیب دی اور ہندوؤں اور سکھوں سے لڑنے کیلئے تیار رہنے کا مشورہ دیا:

''جس پر مجلس احرار کے ذمہ دار کارکن اور باعتبار مسلم لیگی اس اہم کام میں امیر شریعت رحمۃ اللہ کے معاون تھے''۔

(حیات امیر شریعت :ص ۲۹۷۔۲۹۶)

مسلم لیگی نواب زادہ لیاقت علی خان نے عبوری حکومت کے مسئلہ پر احرار کی سیاست پر کہا کہ:

''مجلس احرار نے ملک کے سیاسی سمجھوتے کے بارے میں ایک صحیح قدم اٹھایا ہے''۔(ایضاً ص ۲۹۵)

شاہ صاحب کا اختلاف بس یہی تھا جیسا کہ وہ عرض کرتے ہیں کہ:

''مسلم لیگ سے ہمارا اختلاف صرف یہ تھا کہ ملک کا نقشہ کس طرح بنے یہ نہیں کہ ملک نہ بنے بلکہ یہ کہ اس کا نقشہ کیونکر ہو یہ کوئی

بنیادی اختلاف نہیں تھا'' ۔(ایضاً ۳۲۰)

جیسا کہ:

''ہمارے بزرگوں کا دماغ اس خیال سے خالی نہیں کہ ہندوستان میں ایک دفعہ پھر اسلامی حکومت قائم ہو جائے''۔

(حیات امیر شریعت ص ۲۶۶)

رضاخانیوں کو چاہیے کہ چمنستان کے جھوٹے حوالے دینا بند کریں۔

حضرت بخاریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''میری آخری رائے اب یہی ہے کہ ہر مسلمان کو پاکستان کی فلاح و بہبود کی راہیں سوچنی چاہیے اور اس کیلئے عملی اقدام اٹھانا چاہیئے۔مجلس احرار کو ہر نیک کام میں حکومت پاکستان کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے''۔

(حیات امیر شریعت ص ۳۰۹)

حضرت شاہ جی نے مرزائی میجر کی گرفتار پر یوم تشکر ۱۹۵۱ کے جلسے میں ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں مندرجہ ذیل نعرے لگوائے:

''پاکستان زندہ باد''۔(منیر تحقیقاتی رپورٹ،ص ۵۶)

ڈاکٹر علامہ خالد محمود صاحب مدظلہ العالی لکھتے ہیں کہ:

''دارالعلوم دیوبند کے پانچ بڑے عہدیداروں

(۱)سرپرست (۲)صدر مہتمم (۳)صدر مدرس (۴)صدر مفتی (۵)مہتمم

میں سے چار مسلم لیگ کے ہم خیال تھے سرپرست حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ،صدر مہتمم حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ،صدر مفتی مولانا شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مہتمم مولانا قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ان کے علاوہ دارالعلوم دیوبند کے بہت سے علماء،مدرسین اور ارکان شوری مسلم لیگی خیال کے تھے''

(تحریک پاکستان اور علمائے دیوبند ص ۱۲۹)

تحریک پاکستان کیلئے یہ علمائے اہلسنت دیوبند کی کوششیں۔جس میں سے ہم نے ہر عالم دین کے موقف کھول سب قارئین کے سامنے رکھ دیا ہے تاکہ وہ غور و فکر کے بعد خود فیصلہ کریں کہ علمائے اہل سنت دیوبند ہی کی کوششوں سے پاکستان کی راہیں ہموار ہوتی گئیں اور کثیر علماء اور مسلمان ان علمائے دیوبند کی وجہ سے تحریک پاکستان میں شامل ہوئے۔ان علمائے دیوبند کی قربانیاں تو بانی پاکستان کو بھی تسلیم تھیں جیسا کہ اوپر با حوالہ گزر چکا۔

پروفیسر مسعود لکھتا ہے:

''مولوی اشرف علی تھانوی اسی (دوقومی) نظریہ کے حامی تھے''۔

(حضرت مجدد الف ثانی اور ڈاکٹر محمد اقبال،ص ۱۲)

مولوی محمد امین نورانی بریلوی ناظم جامعہ انوار القرآن لکھتے ہیں:

''برصغیر میں جب تحریک پاکستان شروع ہوئی تو اس وقت مسلمانوں کے تمام مکاتب فکر کے علمائ نے اس تحریک کی حمایت کی اس کیلئے جدو جہد کرنے والوں میں اہلسنت و جماعت کے علمائ تھے تو کچھ دیوبند کے علمائ بھی تھے، شیعہ تھے تو اہلحدیث بھی تھے''۔

(عہد رواں کی عبقری شخصیت، ص ۱۰۹، ناشر بزم انوار القرآن کراچی)

علمائے دیوبند کو مسلم لیگ میں کیا حیثیت حاصل تھی خود نواب احمد رضا خان کے خلیفہ مظہر اعلیٰ حضرت حشمت علی رضوی کے قلم سے ملاحظہ ہو:

''(مسلم لیگی اخبار۔ناقل) منشور دہلی ۹ نومبر ۱۹۴۵ کے صفحہ ۲ پر مرتد دیوبندی محمود حسن کو شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ لکھا جاتا ہے۔اسی صفحے پر مرتد شبیر احمد دیوبندی کے خطبے میں مسٹر جینا اور ابو الکلام آزاد اور حسین احمد جیسے مرتدوں کیلئے کافر اعظم وعیار وغیرہ لکھنے کو پرلے درجے کی شقاوت وحماقت ٹھرایا جاتا ہے۔۔منشور دہلی ۲۲ نومبر ۱۹۴۵ کے صفحہ ۲ پر مرتد اشرف علی تھانوی کو حکیم الامۃ مجدد ملت رحمۃ اللہ علیہ لکھا جاتا ہے اس کی دو تحریروں کو مقدس اور کحل البصر یعنی آنکھوں کو سرمہ بتایا جاتا ہے۔منشور دہلی نومبر ۱۹۴۵ کے صفحہ ۲ پر چھٹنے ہوئے غیر مقلد و دیوبندی مرتدوں کو حاملین شریعت اور سالکین طریقت اور علمائے کرام اور مشائخ عظام لکھا۔۔اسی صفحہ پر کٹر کٹر دیوبندی مرتدوں کو علمائے کبار اور مرتد در بھنگی مرتضیٰ حسن چاندپوری کو ابن شیر خدا لکھا۔۔منشور دہلی ۱۵ نومبر ۱۹۴۵ صفحہ ۲ پر مرتد نانوتوی و مرتد گنگوہی کے شاگرد عبدالرحمن امروہی کو اور مرتد محمود حسن دیوبندی کے شاگردوں مرتضیٰ حسن دربھنگی وشبیر احمد دیوبندی وضیاء اللہ ومقبول حسین وغلام مرشد اور مفتی دیوبند محمد شفیع کو اور مرتد تھانوی کے جانشین ظفر احمد تھانوی کو اور مرتد تھانوی کے بھتیجے شبیر علی تھانوی کو اور ظہور احمد دیوبندی کو اور مرتد نانوتوی کے پوتے محمد طاہر دیوبندی کو گنا کر بتایا کہ یہ اکابر علما اور علمائے کبار مسلم لیگ کے ساتھ ہیں''۔

(ستر باادب سوالات، ص ۵۶، ۵۷)

یار زندہ صحبت باقی

فصل رابع

قائداعظمؒ اور مولانا اشرف علی تھانویؒ

ڈاکٹر صفدر محمود

(صبح بخیر)

برادر عزیز، ہارون الرشید نے اپنے ۱۴ فروری والے کالم میں لکھا ہے کہ "روایت ہے مولانا اشرف علی تھانوی کا بھیجا ہوا علماء کا ایک وفد قائد اعظمؒ کی خدمت میں پہنچا اور ملاقات میں دونکات پر زور دیا۔ اول سیاست اور مذہب اور دوم جھجکتے ہوئے کہا کہ اگرچہ ذاتی بات ہے مگر انہیں نماز پڑھنی چاہئے"۔ اسی کالم میں ہارون الرشید نے مجھ سے تفصیل لکھنے کی فرمائش کی ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ محض روایت نہیں بلکہ مستند واقعہ ہے اور تاریخ کا حصہ ہے۔ میں نے 2001ء میں محترم ارشاد احمد حقانی صاحب مرحوم سے قلمی بحث میں اس کا حوالہ دیا تھا اور پھر افتخار احمد چودھری کے ساتھ "یوم قائداعظمؒ" کے حوالے سے جیو کے پروگرام "جوابدہ" میں بھی عرض کیا تھا کہ قائداعظمؒ کی مذہبی تربیت مولانا اشرف علی تھانوی کی ہدایت پر ان کے ساتھیوں اور خواہرزادوں نے کی تھی جن کی قائداعظمؒ سے طویل ملاقاتیں ہوتی رہیں۔ ان ملاقاتوں کا نتیجہ تھا کہ انگلستان سے واپسی کے بعد قائداعظمؒ کی تقریروں پر واضح مذہبی رنگ نظر آتا ہے، ان کی تقریروں میں جابجا اسلام کے حوالے ملتے ہیں، خدا کے سامنے جوابدہی کے خوف کا خوف طاری ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ قائداعظمؒ کی تقاریر کو بغور پڑھنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ 1934ء کے بعد ان کے نظریات میں ایک واضح تبدیلی نظر آتی ہے، مذہب کی جانب جھکاؤ محسوس ہوتا ہے اور ان کے تصور قومیت اور سیاست میں بنیادی تبدیلی دکھائی دیتی ہے۔ ظاہر ہے کہ قائداعظمؒ کوئی مذہبی شخصیت نہیں تھے اور نہ ہی علامہ اقبالؒ کی مانند ان کی مذہبی تربیت ہوئی تھی۔ وہ ایک کھرے اور سچے مسلمان تھے اور اسلام کی تعلیمات میں یقین رکھتے تھے۔ انہوں نے اپنے طور پر اسلامی نظام، سیرت نبویؐ اور قرآن حکیم کا گہرا مطالعہ کیا تھا جس کے حوالے سے ان کی تقاریر میں جابجا ملتے ہیں۔ وہ قرآن حکیم پر غور وفکر کرتے تھے اور اس کی گواہی نہ صرف منیر احمد منیر کی کتاب "دی گریٹ لیڈر" کے عینی شاہدین دیتے ہیں بلکہ جنرل محمد اکبر کی کتاب "میری آخری منزل" سے بھی ملتی ہے۔ گنتی کے مطابق قائداعظمؒ نے قیام پاکستان سے قبل 101 دفعہ اور قیام پاکستان کے بعد چودہ دفعہ اس عزم کا اعادہ کیا کہ پاکستان کے آئینی ڈھانچے اور نظام کی بنیاد اسلامی اصولوں پر رکھی جائے گی اور انہوں نے یہ بات تو کئی بار کہی کہ "قرآن مجید ہمارا راہنما ہے"۔ حتیٰ کہ سٹیٹ بینک کی افتتاحی تقریر میں بھی اسلامی اصولوں کی بنیاد پر اقتصادی نظام تشکیل دینے کی آرزو کا اظہار کیا۔ مجموعی طور پر قائداعظمؒ پاکستان کو اسلامی جمہوری اور فلاحی ریاست بنانا چاہتے تھے، مذہبی ریاست ہرگز نہیں کیونکہ اسلام میں تھیوکریسی کا کوئی تصور موجود نہیں۔ افسوس تو اس بات پر ہوتا ہے کہ ہمارے سیکولر دانشوروں نے قائداعظمؒ کی تقاریر کو پڑھا ہی نہیں اور نہ ہی ان کی روح کو سمجھا ہے۔ وہ فقط چند ایک تقاریر پڑھ کر اپنا مطلب نکال لیتے ہیں اور اس پہلو پر غور کرنے کی زحمت نہیں فرماتے کہ وقت گزرنے کے ساتھ کب اور کیسے قائداعظمؒ کے نظریات میں تبدیلی آتی گئی اور انہوں نے مسلمانوں کے حوالے سے "اقلیت" سے "قومیت" تک کا سفر کیسے طے کیا۔ اقبالؒ کا

فکری ارتقاء بھی اسی حقیقت کی غمازی کرتا ہے۔اسلام مخالف اور دین بیزار حضرات قائداعظمؒ کو سیکولر ثابت کرتے رہتے ہیں اور ان کے علم کا حال یہ ہے کہ وہ اکثر دعوے کرتے پائے جاتے ہیں کہ قائداعظمؒ نے کبھی پاکستان کو اسلامی مملکت بنانے کا اعلان نہیں کیا۔یہ سطحیت کی حد ہے کیونکہ قائداعظمؒ نے فروری 1948ء میں امریکی عوام کے نام براڈ کاسٹ میں پاکستان کو ”پریمئیر اسلامک اسٹیٹ“ قرار دیا تھا۔

(بحوالہ قائداعظمؒ کی تقاریر جلد چہارم صفحہ 1064 تدوین خورشید یوسفی)

البتہ سیکولر کا لفظ کبھی ان کی زبان سے نہیں نکلا۔قائداعظمؒ کے نظریات کیا تھے اور وہ پاکستان کو کیسی ریاست بنانا چاہتے تھے، یہ میرا ذاتی مسئلہ نہیں لیکن دین بیزار حضرات اس حوالے سے جب قائداعظمؒ کو مولوی محمد علی جناح کہتے اور مجھ پر پھبتی کستے ہیں تو میں محظوظ ہوتا ہوں اور دعا مانگتا ہوں کہ اللہ انہیں قائداعظمؒ کی تقاریر پڑھنے کی توفیق دے۔رہا آج کا پاکستان تو وہ نہ اسلامی ہے نہ جمہوری ہے اور نہ ہی فلاحی ہے بلکہ آمریت اور جمہوریت کا ملغوبہ ہے، جہاں اقتدار اور سیاست پر دولت کی اجارہ داری ہے، نیم خواندہ، نظریاتی منافق اور ہوس زدہ طبقے چھائے ہوئے ہیں اور عوام کے نام پر عوام کے لئے بنائے گئے پاکستان میں عوام پس رہے ہیں۔

بات چلی تھی مولانا اشرف علی تھانوی اور قائداعظمؒ کی مذہبی تربیت کے حوالے سے اور قدرے دور نکل گئی۔اس ضمن میں جس تفصیل کا مطالبہ کیا گیا ہے وہ منشی عبدالرحمن خان مرحوم کی کتاب ”تعمیر پاکستان اور علمائے ربانی میں“ تفصیل سے موجود ہے اور پڑھنے کے لائق ہے۔منشی عبدالرحمن مرحوم نے بڑی محنت اور تحقیق سے مواد جمع کیا ہے اور قائداعظمؒ کے حوالے سے ان گوشوں پر روشنی ڈالی ہے جن کا ذکر نہ ہماری تحریک پاکستان پر لکھی گئی کتابوں میں ملتا ہے اور نہ ہی مغربی سکالرز قائداعظمؒ کے سوانح لکھتے ہوئے انہیں قابل توجہ سمجھتے ہیں کیونکہ یہ انہیں ”سوٹ“ (Suit) نہیں کرتا۔آج کا نوجوان تو یہ بھی نہیں جانتا کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ بہت بڑے سکالر، تفسیر قرآن اور سیرت نبویؐ کے عظیم مصنف اور بڑی روحانی شخصیت تھے۔ایسی شخصیت کا مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں متفکر رہنا قابل فہم ہے۔مولانا شبیر علی تھانوی کی ”روئیداد تبلیغ“ کا حوالہ دیتے ہوئے منشی عبدالرحمن مرحوم نے لکھا ہے ”حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی دوپہر کا کھانا نوش فرما کر قیلولہ کے لئے خانقاہ میں تشریف لائے اور مجھے آواز دی۔حاضر ہوا تو حضرت متفکر تشریف فرما تھے۔(یہ مئی 1938 کا واقعہ ہے) اس زمانہ تک قرارداد پاکستان منظور نہیں ہوئی تھی مگر کانگریس اور ہندوؤں کی ذہنیت بے نقاب ہو چکی تھی۔۔۔حضرت نے دو تین منٹ کے بعد سر اٹھایا اور ارشاد فرمایا ”میاں شبیر علی ہوا کا رخ بتا رہا ہے کہ لیگ والے کامیاب ہو جاویں گے اور اور بھائی جو سلطنت ملے گی وہ ان ہی لوگوں کو ملے گی جن کو آج ہم فاسق فاجر کہتے ہیں، مولویوں کو تو ملنے سے رہی۔لہٰذا ہم کو یہ کوشش کرنا چاہئے کہ یہی لوگ دین دار بن جاویں۔آج کل کے حالات میں اگر سلطنت مولویوں کو مل بھی جاوے تو شاید چلا نہ سکیں گے۔۔۔ہم کو تو صرف یہ مقصد ہے کہ جو سلطنت قائم ہو وہ دیندار اور دیانتدار لوگوں کے ہاتھ میں ہو اور بس۔۔۔“ میں نے ارشاد سن کر عرض کیا کہ پھر تبلیغ نیچے کے طبقہ سے شروع ہو یا اوپر کے طبقہ یعنی خواص سے۔اس پر ارشاد فرمایا کہ اوپر کے طبقہ سے کیونکہ وقت کم ہے اور خواص کی تعداد بھی کم ہے۔اگر خواص دیندار بن گئے تو انشاءاللہ عوام کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔اس پس منظر اور اس جذبے کے تحت مولانا اشرف علی تھانوی نے ایک وفد ترتیب دیا، نواب محمد اسماعیل کے ذریعے قائداعظمؒ سے ملاقات کا انتظام کیا جس کا احوال اگلے کالم میں بیان کروں گا انشاءاللہ۔۔۔فی الحال اتنا ذہن میں رکھیں کہ نواب محمد اسماعیل مسلم لیگ کے سرکردہ لیڈر تھے اور دسمبر 1947 میں جب مسلم لیگ کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا اور ہندوستان کے لئے انڈیا مسلم

لیگ بنائی گئی تو نواب اسماعیل اس کے پہلے صدر تھے۔

(دوسری قسط)

علامہ اقبال نے اپنے انگریزی خطبات (Reconstruction) میں لکھا ہے کہ زندگی دراصل اموات کے سلسلے کا نام ہے، انسانی شخصیت کا ایک حصہ ختم ہوتا ہے تو اس کی راکھ پر دوسری شخصیت جنم لیتی ہے۔انسان جو کل تھا وہ آج نہیں ہے، اس کی ماضی کی شخصیت مرچکی اور اس پر نئی شخصیت جنم لے چکی۔اسے اقبال سلسلہ وار اموات (Series of Deaths) کا نام دیتے ہیں۔قائداعظم سیاسی زندگی کے آغاز میں سرسید احمد خان اور علامہ اقبال کی مانند متحدہ قومیت کی بات کرتے تھے لیکن سرسید اور اقبال کی مانند غور وفکر اور تجربات کی گھاٹیوں سے گزرنے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مسلمان اور ہندو دو الگ الگ قومیں ہیں کیونکہ ان کے راہیں الگ الگ ہیں۔ چنانچہ اسی بنیاد پر انہوں نے الگ وطن کا مطالبہ کیا۔وہ خلوص نیت سے سمجھتے تھے کہ اسی علیحدگی میں مسلمانوں کی بقاء کا راز مضمر ہے۔کسی صحافی نے ایک بار قائداعظم سے پوچھا کہ آپ تو متحدہ قومیت میں یقین رکھتے تھے اور اب آپ کیوں دونوں کو الگ قومیں قرار دیتے ہیں؟ جواب تھا کہ کبھی میں ہائی اسکول میں بھی پڑھتا تھا۔مطلب یہ کہ علامہ اقبال کے الفاظ میں وہ شخصیت مرچکی اور ماضی تاریخ کا حصہ بن چکا، بعینہ کسی دور میں قائداعظم مذہب کو سیاست سے الگ سمجھتے تھے اور جب گاندھی نے مذہب کو سیاست میں ملوث کیا تو قائداعظم نے بغاوت کردی اور کانگریس کے ناگپور جلسہ میں ناخوشگوار واقعہ ہوا۔وہی قائداعظم جب تجربات، مشاہدات اور غور وفکر کی بھٹی میں پگھل کر کندن بنتے ہیں، اسلامی تعلیمات کو سمجھتے ہیں اور قرآن حکیم پر تدبر کرتے ہیں تو وہ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس میں سیاست کو مذہب سے جدا نہیں کیا جاسکتا۔سیدھی سی بات ہے کہ یا تو اسلام کو مکمل ضابطہ حیات نہ کہیے اور عیسائیت کی مانند چرچ کو طلاق دے کر سیاسی وعملی زندگی سے نکال دیجیے ورنہ اگر آپ اسلام کو مکمل ضابطہ حیات سمجھتے ہیں تو پھر سیاست کو کیونکر اس سے الگ کریں گے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہمارے روشن خیال اور سیکولر دانشور اس حوالے سے دو اعتراض کرتے ہیں اول یہ کہ مذہب اور سیاست کو ملانے سے دہشت گردی، فرقہ واریت اور انتہا پسندی پیدا ہوئی ہے۔ یہ ان کا واہمہ ہے اور بے بنیاد ہے کیونکہ دہشت گردی، فرقہ واریت وغیرہ وغیرہ ہماری سیاست اور بین الاقوامی سیاست کے تحفے ہیں جبکہ ہمارا دین ان کی نفی کرتا ہے۔تمام اسلامی سکالرز اس بات پر متفق ہیں کہ دہشت گردی اسلام سے خارج ہے دوسرا اعتراض اقلیتوں کے حوالے سے کیا جاتا ہے حالانکہ اسلام اقلیتوں کو پورے حقوق اور مکمل سرپرستی عطا کرتا ہے۔اس کی بہترین عملی مثال میثاق مدینہ ہے جو نبی کریم ﷺ نے "مدینہ ریاست" تشکیل دینے سے پہلے طے کیا۔جن پارٹیوں سے "میثاق مدینہ" طے کیا گیا ان میں بارہ غیرمسلم یا ایسے سردار شامل تھے جنہوں نے ابھی اسلام قبول نہیں کیا تھا اور بقول ڈاکٹر حمیداللہ میثاق مدینہ میں غیرمسلم شہریوں کو برابر کے حقوق دیئے گئے تھے۔قائداعظم نے جب گیارہ اگست 1947ء کو دستور ساز اسمبلی میں تقریر کی تو ان کے پیش نظر میثاقِ مدینہ ہی تھا کیونکہ میں نے قائداعظم کی تقاریر کے بغور مطالعے سے یہ اخذ کیا ہے کہ انہوں نے قرآن حکیم، اسلامی فقہ اور تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اسلامی معاشرے کے اصولوں کی روح کو سمجھتے تھے۔ ہمارے روشن خیال سیکولر دانشوروں کا سانحہ یہ ہے کہ انہوں نے قائداعظم کو پڑھا ہی نہیں اور نہ ہی وہ اسلامی اصولوں کی روح سے آگاہی رکھتے ہیں۔اگر یہ حضرات اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر صرف احمد سعید کی کتاب "گفتار قائداعظم" پڑھ لیں تو ان پر میری گزارشات عیاں ہوجائیں گی۔احمد سعید

درویش طبیعت سکالر ہیں جنہوں نے قائداعظم پر خاصا تحقیقی کام کیا ہے۔گفتار قائداعظم قومی کمیشن برائے تحقیق تاریخ نے چھاپی ہے اور اس میں زیادہ تر قائداعظم کی روز نامہ انقلاب میں چھپنے والی تقاریر شامل ہیں جنہیں خلوص نیت سے پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انگلستان سے واپسی کے کچھ ہی عرصہ بعد قائداعظم ذہنی فکر، سیاسی سوچ اور خیالات کے حوالے سے وہ محمد علی جناح نہیں تھے جو انگلستان ہجرت سے قبل تھے۔ مجھے ایک بار پھر یہ کہنے دیجئے کہ یہ نہ میرا ذاتی مسئلہ ہے اور نہ ہی مجھے اس سے کوئی فرق پڑتا ہے۔ میں نے فقط قائداعظم کو آزاد ذہن کے ساتھ خلوص نیت سے پڑھا ہے اور سمجھنے کی کوشش کی ہے۔ میں اپنی اس تحقیق کے حق میں سینکڑوں ثبوت دے سکتا ہوں لیکن ظاہر ہے کہ کالم ان کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ان کی 1930ء کی دہائی کے اواخر کی تقاریر پڑھتے ہوئے بار بار قرآن حکیم، اسلامی تعلیمات، سیر نبویؐ اور اسلامی اصولوں کے حوالے ملتے ہیں جو انگلستان ہجرت سے قبل آٹے میں نمک کے برابر تھے۔ یہ تو ان کے دشمن بھی مانتے ہیں کہ محمد علی جناح ایک سچا اور کھرا انسان تھا، منافقت اور جھوٹ ان کے قریب سے بھی نہیں گزرے تھے۔ نہ ان کا کوئی ذاتی ایجنڈا تھا اور نہ ہی ذاتی مقصد اور اسی خلوص اور کردار کے پیش نظر علامہ اقبال نے محمد علی جناح کو ہندوستان کے مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے چنا تھا اور کہا تھا کہ:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ماضی کا ذکر کرتے ہوئے محمد علی جناح نے میمن چیمبرز آف کامرس کے سپاسنامے کے جواب میں کہا تھا:

”مجھے شروع شروع میں گجراتی پڑھائی گئی اس کے بعد انگریزی۔ پھر انگلستان بھیج کر انگریزی زبان کی انتہائی تعلیم دلوائی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میری رگ رگ میں انگریزیت سما گئی۔ میں اپنی کمزوری کا احساس کرتا ہوں اور اس سے عہدہ برآ ہونا چاہتا ہوں۔ میں اپنے پر قیاس کرتا ہوں کہ قوم کی تمدنی، معاشرتی اور مذہبی اصلاح و تعمیر پر زبان کا گہرا اثر مرتب ہوتا ہے اسی لئے میں مسلمانوں کی مادری زبان اردو کو جاری رکھنے کے حق میں ہوں لیکن کانگریس نے ہماری ایک نہیں سنی“۔

ذرا رک کر غور کیجئے کہ قائداعظم کس طرح اپنا تجزیہ کرتے اور کمزوریوں کو رفع کرنے کی کوشش کرتے تھے اور وہ ایک قومی زبان کے حق میں کیوں تھے؟ اسی پس منظر میں قائداعظم نے مارچ 1948ء میں اردو کی بحیثیت قومی زبان حمایت کی تھی اور بنگالیوں سے کہا تھا کہ وہ اپنے صوبے مشرقی پاکستان میں بنگالی کو سرکاری اور صوبائی زبان کا درجہ دیں لیکن قومی رابطے کے لئے زبان صرف اردو ہوگی۔ میمن چیمبرز آف کامرس کی اسی تقریر میں آگے چل کر قائداعظم نے جو کچھ کہا اس سے سیکولر حضرات کو صدمہ ہوگا لیکن ذرا غور کیجئے کہ وہ جون 1938ء میں کیا کہہ رہے ہیں اور ان کے باطن سے کیا الفاظ نکل رہے ہیں:

”مسلمانوں کے لئے پروگرام تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے ان کے پاس تو تیرہ سو برس سے ایک مکمل پروگرام موجود ہے اور وہ ہے قرآن پاک۔ قرآن پاک ہی میں ہماری اقتصادی، تمدنی و معاشرتی اصلاح و ترقی کے علاوہ سیاسی پروگرام بھی موجود ہے۔ میرا اسی قانون الٰہیہ پر ایمان ہے اور جو میں آزادی کا طالب ہوں وہ اسی کلام الٰہی کی تعمیل ہے۔ قرآن پاک ہمیں تین چیزوں کی ہدایت کرتا ہے: آزادی، مساوات اور اخوت۔ بحیثیت ایک مسلمان کے میں بھی ان ہی تین چیزوں کے حصول کا متمنی ہوں۔ تعلیم قرآنی ہی میں ہماری نجات ہے اور اسی کے ذریعے ہم ترقی کے تمام مدارج طے کرسکتے ہیں“۔

(روز نامہ انقلاب، 12 جون 1938ء بحوالہ گفتار قائداعظم مصنف احمد سعید صفحہ 215-213)

یہ الفاظ قائداعظم کے قرآن حکیم پر گہرے تدبر اور سچے ایمان کی غمازی کرتے ہیں اور یہ تقریر کسی جلسہ عام کی نہیں بلکہ مخصوص اجتماع میں کی گئی تھی۔ ذہن میں رہے کہ ابھی مسلم لیگ قرارداد پاکستان سے کوسوں دور تھی اور ابھی قائداعظم کی ملاقات حکیم الامت مولانا اشرف تھانوی کے تبلیغی وفد سے نہیں ہوئی تھی۔ اس وفد سے قائداعظم کی پہلی ملاقات دسمبر 1938ء میں ہوئی جس کا احوال اگلے کالم میں بیان کروں گا۔ انشاءاللہ۔

(آخری قسط)

میں نے کل کے کالم میں لکھا تھا کہ قائداعظمؒ نے الگ وطن کا مطالبہ اس بنیاد پر کیا تھا کہ مسلمان ہر لحاظ سے ایک علیحدہ قوم ہیں اور ان کا مذہب، کلچر، تاریخ ومعاشرت اور انداز وفکر ہندوؤں سے بالکل مختلف ہے۔ ان کی ۱۹۳۴ء سے لیکر ۱۹۴۸ء تک کی تقاریر پڑھی جائیں تو ان پر قرآنی تعلیمات کا گہرا اثر نظر آتا ہے۔ پاکستانیوں کو تو نہ قائداعظمؒ کی مستند اور معیاری سوانح عمری لکھنے کی توفیق ہوئی ہے اور نہ ہی ان کی سیاسی فکر کا تجزیہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے لیکن ایک برطانوی شہری محترمہ سلینہ نے ''سیکولر جناح اینڈ پاکستان'' نامی کتاب لکھ کر یہ حق ادا کر دیا ہے۔ اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن میں سلینہ نے قرآنی آیات کے حوالے دے کر تحقیق اور عرق ریزی کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ جناح کے اکثر تصورات اور افکار قرآن حکیم سے ماخوذ تھے اور یہ کہ کاؤس جی سے لیکر پروفیسر پرویز ہوڈ بھائی تک جتنے لکھاریوں نے انہیں سیکولر قرار دیا ہے وہ بد دیانتی کے مرتکب ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنی تحریروں کی بنیاد جسٹس منیر کی کتاب میں دی گئی قائداعظم کی جس تقریر پر رکھی ہے وہ الفاظ قائداعظم کے نہیں بلکہ جسٹس منیر کے اپنے ہیں اور ان کی ''انگریزی'' بھی غلط ہے جو قائداعظمؒ کی نہیں ہوسکتی۔ وزیرآباد کے محمد طوسی بنیادی طور پر مدرس تھے انہوں نے انگریزی اخبارات میں پاکستان کے حق میں اتنے مدلل اور زوردار مضامین لکھے کہ قائداعظمؒ نے متاثر ہو کر انہیں بمبئی بلا لیا اور چھ ماہ اپنے پاس رکھ کر ان سے ''پاکستان اینڈ مسلم انڈیا'' اور ''نیشنلزم کنفلیکٹ انڈیا'' جیسی معرکۃ الآراء کتابیں انگریزی زبان میں لکھوائیں۔ طوسی صاحب نے اپنے چھ ماہ کے قیام کی یادداشتوں میں لکھا ہے کہ قائداعظم ہر روز صبح علامہ یوسف علی کے قرآن حکیم کے انگریزی ترجمے کا مطالعہ کیا کرتے تھے اور سید امیر علی کی کتاب ''سپرٹ آف اسلام'' پڑھا کرتے تھے۔ انہوں نے شبلی نعمانی کی کتاب ''الفاروق'' کے انگریزی ترجمے کو بغور پڑھ رکھا تھا، یہ ترجمہ مولانا ظفر علی خان نے کیا تھا۔ ان کی لائبریری میں سیرت نبوی، اسلامی تاریخ، اور قرآن حکیم کے تراجم پر بہت سی کتابیں موجود تھیں جو ان کے زیر مطالعہ رہتی تھیں۔

میں ذکر کر چکا ہوں کہ جب حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے محسوس کیا کہ انگریزوں کی رخصتی کے بعد اقتدار مغربی تعلیم یافتہ لیڈران کو ملے گا تو انہوں نے ان کی مذہبی تربیت کا پروگرام بنایا اور اس ضمن میں قائداعظم محمد علی جناح سے ملاقات کیلئے ایک وفد ترتیب دیا جس کے سربراہ مولانا مرتضیٰ حسن تھے اور اس وفد میں مولانا شبیر علی تھانوی، مولانا عبدالجبار، مولانا عبدالغنی، مولانا معظم حسین اور مولانا ظفر احمد عثمانی شامل تھے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا ظفر احمد عثمانی سگے بھائی اور مولانا اشرف علی تھانوی کے بھانجے تھے جبکہ مولانا شبیر علی تھانوی مولانا اشرف علی تھانوی کے بھتیجے تھے۔ دسمبر ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس پٹنہ میں ہونا تھا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی والدہ کی علالت کے سبب جا نہ سکے چنانچہ دوسرے حضرات وفد کی صورت میں پٹنہ پہنچے، نواب اسمٰعیل خان کے ذریعہ سے قائداعظم سے رابطہ ہو چکا تھا۔ پٹنہ میں نواب زادہ لیاقت علی خان کے ذریعے قائداعظم سے پٹنہ جلسہ عام سے پہلے کا وقت مانگا گیا کیونکہ علماء قائداعظمؒ

سے ملے بغیر مسلم لیگ کے اجلاس میں شامل نہیں ہونا چاہتے تھے۔ ۲۵ دسمبر ۱۹۳۸ء کو شام پانچ بجے یہ وفد قائد اعظمؒ سے ملا۔ ملاقات ایک گھنٹہ جاری رہی جس کی تفصیل مولانا شبیر علی تھانوی کی ''روئیداد'' میں موجود ہے اور اس کا ذکر منشی عبد الرحمن کی کتاب کے صفحات ۶۱۔ ۶۲ میں بھی ملتا ہے۔ وفد کے تاثرات ان الفاظ میں جھلکتے ہیں:

''ہم ان کے (قائد اعظمؒ) کے جوابات سے متاثر ہوئے۔ ان کے کسی دینی عمل کی کوتاہی سے متعلق عرض کیا گیا تو بغیر تاویل و حجت اپنی کوتاہی کو تسلیم کیا اور آئیندہ اصلاح کا بھی وعدہ کیا یہ صرف حضرت تھانوی کا روحانی فیض کام کر رہا تھا ورنہ جناح صاحب کسی بڑے سے بڑے کا اثر بھی قبول نہ کرتے تھے''۔

تفصیل اس ملاقات کی دلچسپ اور فکر انگیز ہے جس میں قائد اعظمؒ نے کہا:

''میں گناہگار ہوں۔۔وعدہ کرتا ہوں، آئیندہ نماز پڑھا کروں گا''۔

(بحوالہ منشی عبد الرحمن: ص ۲۶)

چنانچہ اس وفد نے پٹنہ میں مسلم لیگ کے سالانہ جلسے میں شرکت کی جہاں مولانا اشرف علی تھانوی کا تاریخی بیان پڑھا گیا۔ اس کے ذریعہ ارباب و ارکان مسلم لیگ کو اسلامی شعائر کی پابندی کی تلقین کی گئی تھی۔ دوسری ملاقات ۱۲ فروری ۱۹۳۹ء کو دہلی میں شام سات بجے ہوئی، اڑھائی گھنٹے کی اس ملاقات کے بعد قائد اعظمؒ نے کہا کہ:

''میری سمجھ میں آگیا ہے کہ اسلام میں سیاست سے مذہب الگ نہیں بلکہ مذہب کے تابع ہے''۔

(بحوالہ روئیداد از مولانا شبیر علی تھانوی: ص نمبر ۷)

اس ملاقات میں مولانا شبیر علی تھانوی کے ساتھ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بھی تھے جن کا ذکر قیام پاکستان کے بعد آئین سازی اور علماء کے اتفاق رائے کے حوالے سے ملتا ہے۔ مختصر یہ کہ مولانا اشرف علی تھانوی کے نمائندے مئی ۱۹۴۷ء تک قائد اعظم سے ملتے رہے اور ان کی دینی تربیت کرتے رہے جس کے نتیجے کے طور پر قائد اعظم کا مولانا تھانوی کے گھرانے سے ایک پائیدار تعلق قائم ہوگیا۔ مولانا ظفر احمد عثمانی اپنی روئیداد میں لکھتے ہیں:

''ایک مجلس میں کہا گیا کہ علماء کانگریس میں زیادہ ہیں مسلم لیگ میں کم۔ قائد اعظم نے فرمایا تم کن کو علماء کہتے ہو جواباً مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، مولانا ابو الکلام آزاد کا نام لیا گیا۔ قائد اعظم نے جواب دیا: ''مسلم لیگ کے ساتھ ایک بہت بڑا عالم ہے جس کا علم و تقدس و تقویٰ سب سے بھاری ہے اور وہ ہیں مولانا اشرف علی تھانوی جو چھوٹے سے قصبے میں رہتے ہیں مسلم لیگ کو ان کی حمایت کافی ہے''۔

یہی وہ پس منظر تھا جس میں قیام پاکستان کے وقت جب ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے پرچم کی پہلی رسم کشائی ہوئی تو قائد اعظم خاص طور پر مولانا شبیر احمد عثمانی کو ساتھ لے کر گئے۔ مولانا شبیر احمد عثمانی نے تلاوت اور دعا کی اور پھر پاکستان کا جھنڈا لہرایا جسے پاکستانی فوج نے سلامی دی۔ یہ رسم کراچی میں پاکستان کے وفاقی دارالحکومت میں ادا کی گئی جبکہ مشرقی پاکستان کے صوبائی دارالحکومت ڈھاکہ میں مولانا شبیر احمد عثمانی کے بھائی اور مولانا اشرف علی تھانوی کے بھانجے مولانا ظفر احمد عثمانی نے پاکستان کا پرچم لہرایا۔

اس تحریر کا مقصد نوجوان نسل کو تحریک پاکستان کے ایک پہلو سے روشناس کرانا تھا جسے عام طور پر قابل ذکر نہیں کہا جاتا، اللہ بہتر

جانتا ہے کہ میں اس مقصد میں کامیاب ہوایا نہیں۔

نوٹ: پی ٹی وی پر کئی برسوں سے رفیق غوری ایک فکرانگیز پروگرام کررہے ہیں جس کا عنوان ہے ”جب پاکستان بن رہا تھا“ اس پروگرام میں تحریک پاکستان کے کارکنوں کا انٹرویو کیا جاتا ہے اس لحاظ سے اس پروگرام کو ایک دستاویزی حیثیت حاصل ہے اور اس کے ذریعہ تحریک پاکستان کا شعور پھیلایا جارہا ہے جو بڑی قومی خدمت ہے میری گزارش ہے کہ ایسے پروگراموں کی راہ میں روڑے نہ اٹکائے جائیں بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کی جائے تاکہ نوجوان نسل کو تحریک پاکستان کے محرکات کا ادراک حاصل ہو۔

(بشکریہ: روزنامہ جنگ کراچی: ۱۹، ۲۱، ۲۲ فروری ۲۰۱۲)

فصل خامس

تحریکِ پاکستان، مسلم لیگ اور رضاخانیت

ساجد خان نقشبندی

قارئین کرام! جھوٹ، منافقت، بد دیانتی یہ وہ صفات ہیں جو ہر بریلوی کو احمد رضا خان سے وراثت میں ملتی ہیں۔ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان صفات کا مظاہرہ آج کل ہر ٹی وی چینل پر ثروت اعجاز قادری اور امریکی وظیفہ خور فضل کریم رضاخانی کر رہے ہیں۔ موضوع چاہے کوئی بھی ہو بات کو گھما پھرا کر علمائے اہلسنت پر الزام تراشی ضرور کرنی ہے انہی الزام تراشیوں میں سے ایک جھوٹ یہ بھی خاص طور پر ثروت اعجاز کی طرف سے میڈیا پر پھیلایا جارہا ہے کہ علمائے دیوبند نے پاکستان کی مخالفت کی۔ یہ الگ بات ہے کہ انہیں اب تک اتنی ہمت تو نہ ہوئی کہ کھل کر علمائے دیوبند کا نام لے سکیں۔ ہم پاکستان کے حوالے سے علمائے اہلسنت و جماعت پر اعتراض کرنے والے رضاخانیوں سے کہیں گے کہ اگر بقول ان کے علمائے دیوبند اس لئے مطعون ہیں کہ انہوں نے پاکستان کی مخالفت کی تو منافقت کا ثبوت دینے کے بجائے کھل کر میڈیا پر اپنے ان اکابر کے کرتوتوں کو بھی ذکر کریں جنہوں نے مسٹر جناح کو جہنم کا کتا کہا۔

حقیقت یہ ہے کہ احمد رضا خان سے لیکر فضل کریم تک سب ہی انگریز کی جوتیاں چاٹتے رہے ہیں یہی ان کی سیاہ تاریخ ہے۔ جس کا اعتراف بریلوی مصنفین کو بھی ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں مورخین نے ہمارا کہیں ذکر نہیں کیا اور تحریک آزادی کا سارا کریڈٹ تاریخ میں وہابیوں کو دے دیا۔ مگر مشہور ہے کہ اتنا جھوٹ بولو کہ سچ لگنے لگے چنانچہ یہی کچھ آج کل کے بریلوی رضاخانی کر رہے ہیں۔ حالانکہ خود بریلوی مسعود ملت ماہر رضویات کے بقول کہ ہماری جماعت نے:

"من حیث الجماعت پاکستان کی حمایت کی اور ۱۹۴۶ میں بنارس کانفرنس میں پاکستان کی حمایت میں متفقہ قرارداد منظور کی"۔

(محدث بریلوی: ص ۶۴: اداریہ مسعودیہ کراچی)

حمایت تو ۱۹۴۰ میں کی مگر اس حمایت کا کوئی ثبوت دینے کے بجائے پروفیسر صاحب نے ڈائریکٹ ۱۹۴۶ میں چھلانگ لگادی۔ پاکستان کی حمایت کیلئے اس بریلوی کانفرنس میں کیا گل کھلائے گئے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

"حضرت قبلہ عالم (پیر جماعت علی شاہ۔ از ناقل) حق گوئی میں بغایت بے باک تھے اجلاس سے قبل بلکہ بنارس پہنچنے سے پہلے کئی مخلص عقیدت مند خدمت والا میں عرض کر چکے تھے کہ اس اجلاس میں مسلم لیگ اور مطالبہ پاکستان کی حمایت میں کچھ کہنے سے اجتناب کیجئے اس لئے کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ آپ نے ایسا کیا تو جلسے میں سخت ہنگامہ ہوگا۔ چنانچہ شرکاء جلسہ میں سے کئی علماء نے آپ کی مخالفت میں تقریریں کیں جلسے کو درہم برہم کرنے کیلئے شور و غوغا مچا۔ جناح صاحب پر کفر کے فتووں کا اعلان ہوا غرض حسب توقع خوب ہنگامہ ہوا، مگر حضرت قبلہ عالم۔۔۔۔ اپنے موقف سے ذرا نہ ہٹے۔ آخر مولانا نعیم الدین صاحب مرادآبادی اور مولانا عبد الحامد صاحب قادری بدایونی نے آپ کی تائید کی"۔

(سیرت امیر ملت: ص ۴۷۵: فریدی بک سنٹر اردو بازار کراچی)

بریلویوں کے پاس برصغیر میں تحریک آزادی کے حوالے سے واحد ریکارڈ یہی سنی کانفرنس ہے۔ مسلم لیگ، اور پاکستان کی

حمایت میں اگر واحد کوئی سرمایہ ہے تو وہ یہی سنی کانفرنس ہے۔مگر آپ نے دیکھ لیا کہ یہ کانفرس پاکستان یا مسلم لیگ کی حمایت کیلئے نہیں منعقد کی گئی تھی بلکہ جس طرح اس سے پہلے روایتی کانفرنسیں ہوتی رہی یہ بھی ان میں سے ایک تھی۔مگر چونکہ اس اجلاس میں پیر جماعت علی شاہ کو بھی بلایا گیا تھا جو پاکستان کے حامی تھے لہٰذا انہوں نے کھل کر اس اجلاس میں اپنے جماعتی موقف کے خلاف پاکستان کی حمایت کی اور پھر وہی ہوا جو اس سے پہلے بریلوی اکابر کرتے رہے۔یعنی مسلم لیگ اور مسٹر جناح پر کفر کے فتوے،مگر چونکہ نعیم الدین صاحب کی شاطر نگاہیں یہ دیکھ چکی تھیں کہ ہم پاکستان کی جتنی بھی مخالفت کرلیں اس نے اب بن کر رہنا ہے لہٰذا آخر پاکستان کی حمایت کر ہی دی۔یاد رہے کہ طوعاو کرہاحمایت کرنے کے بعد بھی بریلوی اکابر مطلقا لیگ کے حمایتی نہ تھے چنانچہ مولوی مبارک حسین مصباحی لکھتے ہیں کہ:

''سنی کانفرنس مطلقا لیگ کی حمایتی نہیں''۔(جام نور کا محدث اعظم نمبر:ص ۱۰۳)

اسی سنی کانفرس کے بعد بریلوی حافظ ملت مولوی عبد العزیز کا یہ فتوی بھی ملاحظہ ہو:

''مسلم لیگ میں ساری قیادت بدعقیدہ لیڈروں کے ہاتھوں میں تھی،مگر افسوس جب الیکشن کا زمانہ آیا تو سنی کانفرنس نے مسلم لیگ کی حمایت شروع کردی۔حافظ ملت نے سنی کانفرنس کے ذمہ داروں کو اپنے ایک مضمون سے اس کے سیاسی اور دینی نقصان سے باخبر کیا کہ اس طرح سنی کانفرنس مسلم لیگ میں ضم ہوجائے گی اور نتیجے کے طور پر ووٹ اور بھیڑ اہل سنت کی ہوگی اور قیادت و سربراہی بدمذہبوں کی۔حافظ ملت فرماتے تھے کہ مسلم لیگ کی قیادت میں حاصل ہونے والے پاکستان میں کبھی بھی نظام مصطفی کا قیام نہیں ہوسکتا''۔

(جام نور کا محدث اعظم نمبر:ص ۱۰۲)

یاد رہے کہ یہ حافظ ملت مسلک اعلی حضرت کے مرکز منظر اسلام بریلی کے فارغ التحصیل تھے۔

(ماہنامہ اعلی حضرت کا منظر اسلام بریلوی نمبر:ص ۲۰۲:اپریل ۲۰۰۴)

بات چل رہی تھی بریلوی صفات کی اسی منافقانہ صفات کی ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں مولوی ابو البرکات بانی حزب الاحناف نے مسٹر جناح اور مسلم لیگ کے خلاف ایک فتوی دیا اس میں کیسی زبان استعمال کی گئی ملاحظہ فرمائیں:

''لیگ کی حمایت کرنا اس میں چندے دینا اس کا ممبر بننا اس کی اشاعت و تبلیغ کرنا منافقین و مرتدین کی جماعت کو فروغ دینا اور دین اسلام کے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔اگر رافضی کی تعریف حلال اور جناح کو اس کا اہل سمجھ کر کرتا ہے تو وہ مرتد ہوگیا اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی۔

(الجوابات السنیہ:ص ۳۲:جماعت مرکزیہ اہلسنت مارہرہ)

مگر جب اس ابو البرکات کے بیٹے نے اس کی سوانح مرتب کی تو غور فرمائیں کتنا بڑا جھوٹ بولا اور کتنی منافقت سے کام لیا:

''آج کچھ لوگ صرف اپنی سیاسی و گروہی برتری کیلئے حضرت قبلہ۔۔کے متعلق یہ پروپگینڈا کررہے ہیں اور سنا ہے کہ جماعت اسلامی کے اخبارات وجرائد جسارت وغیرہ نے اسی نوع کا تاثر دیا ہے کہ آپ نے نہ صرف مطالبہ پاکستان کے مخالف تھے بلکہ آپ نے قائد اعظم محمد علی جناح پر کفر کا فتوی دیا تھا۔۔یہ الزام افتراء و بہتان ہے اور انصاف و دیانت اور خدا خوفی کے بالکل منافی ہے''۔

(سیدی ابو البرکات:ص ۴۵:شعبہ تبلیغ دار العلوم حزب الاحناف لاہور)

اب اس کا فیصلہ قارئین کریں کہ خدا خوفی سے بے نیاز حقیقت بتلانے والے ہیں یا محمود احمد رضوی؟۔اسی منافقت کی ایک تازہ ترین

مثال دیکھئے:

۱۸۵۷ کے بعد کچھ مسلمانوں کو یقین تھا کہ برطانوی کبھی ہندوستان کو ضرور چھوڑیں گے ایسے ہی لوگوں میں امام احمد رضا بھی ایک تھے ایک روز امام احمد رضا نے کچھ خاص تلامذہ اور خلفاء کو بلایا اور ان سے کہا کہ میں تم لوگوں کو بتانا چاہتا ہوں جو میں اللہ کے کرم سے مستقبل میں دیکھ رہا ہوں تم لوگوں کو ہندوستان کی آزادی میں مسلم جدو جہد اور مقصد کی حمایت کرنا چاہئے اور ایک نئے مسلم ملک کے قیام کیلئے سعی کرنا چاہئے''۔

(ماہنامہ اعلیٰ حضرت کا منظر اسلام بریلی نمبر: ۲۲۷۔۲۲۸)

مضمون نگار نے کوئی حوالہ نہیں دیا اور اب یہ جھوٹ احمد رضا خان سے متعلق دیگر جھوٹے حوالوں کی طرح ماہنامہ اعلیٰ حضرت کے حوالے سے نقل در نقل ہوتا چلا جائے گا۔ بہر حال منظر اسلام بریلی والوں کے مطابق احمد رضا خان الگ ملک حاصل کرنے کے حمایتی تھے مگر یہی احمد رضا خان فتوی دیتے ہیں:

''کیا گورنمنٹ تنہا تمہیں حکومت دے دیگی کہ اوس میں خالص احکام اسلامی جاری کرو یہ تو ممکن نہیں نہ تنہا اون کو ملے پھر شرکت رکھو گے یا ملک بانٹ لو گے کہ ایک حصہ میں تم اسلامی احکام جاری کرو ایک میں وہ اپنے مذہبی احکام جو تمہاری شریعت کی رو سے احکام کفر ہیں برتقدیر ثانی ظاہر ہے کہ ہندوستان کا کوئی شہر اسلامی آبادی سے خالی نہیں تو اون لاکھوں مسلمانوں پر اپنی شریعت مطہرہ کے خلاف احکام تم نے اپنی کوشش سے جاری کرائے اور اوسکے تم ذمہ دار ہوئے اور من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون، ھم الظالمون، ھم الفاسقون کے تمغے پائے برتقدیر اول کیا ہنود راضی ہو جائیں گے کہ ملک مشترک ہو اور احکام تنہا احکام اسلام ہر گز نہیں اون کے ساتھ کسی نہ کسی قانون خلاف اسلام پر راضی ہونا اور اپنی رضا وسعی سے مسلمانوں کو اوس کا پابند کرنا پڑیگا اور قرآن کریم سے وہی تین خطابوں کا تمغا ملے گا''۔

(فتاوی رضویہ: ص ۴۲۰: ج ۱۰: دار العلوم امجدیہ کراچی)

غور فرمائیں احمد رضا خان تو صاف کہہ رہا ہے کہ ہندوستان پر تمہاری حکومت کسی طرح نہیں آسکتی آزادی کی ایک ہی صورت ہے کہ یا ملک بانٹ لو یا الگ ملک بنالو یا اسی ملک میں ہندو کے ساتھ شراکت کرلو دونوں صورتوں میں چونکہ ملک کے بعض حصوں پر احکام کفر تمہاری رضا اور مدد سے جاری ہونگے اس لئے تم کافر ظالم اور فاسق ہو گئے۔ منظر اسلام بریلی والوں کے بقول اگر احمد رضا خان نے الگ ملک کا نظریہ پیش کیا تھا تو خود اپنے ہی فتوے سے کافر ظالم اور فاسق ہوگیا۔ اور پھر دیکھیں احمد رضا خان کس طرح اپنے برطانوی آقا کیلئے مشکلات کو آسان کر رہا ہے کہ ہندوستان کی مکمل آزادی کیلئے جدو جہد تو اس وجہ سے فضول ہے کہ وہ تو تمہیں ملنا نہیں لے دے کر الگ وطن کا مطالبہ اگر کرو گے تو خود قرآن کے فتوے سے کافر ہو جاؤ گے۔ اب ان بھاری بھرکم فتووں کے بعد احمد رضا پر ایمان لانے والا کون شخص ہوگا جو آزادی وطن کا خیال بھی دل میں لائے۔؟ احمد رضا خان کی اسی قسم کے فتووں پر اس کے اپنے ماننے والے بھی چیخ پڑے کہ آپ انگریز کی حمایت میں گول مول فتوے دیتے ہیں خدارا مسلمانوں کی حالت زار پر رحم کریں اور صاف صاف انگریز کے خلاف فتوی دیں۔

(محصلہ: رسائل رضویہ: ج ۲: ص: ۸۷، ۸۸، ۸۹، ۹۰: مکتبہ حامدیہ لاہور)

اور بقول نصیر الدین سیالوی کے اولاد باپ کے مذہب کو خوب جانتی ہے تو لیجئے احمد رضا خان کا مذہب معلوم کرنے کیلئے اس کے بیٹے اور بریلوی مفتی اعظم ہند کا یہ فتوی بھی ملاحظہ فرمالیں:

''مسلم لیگ جہاں تک ہمیں معلوم ہے وہ اب چند روزے کانگریس سے جدا ہوئی ہے جب کہ کانگریس اپنے نشۂ کامیابی سے مخمور تھی اور اس نے نہایت بری طرح ان بعض افراد جنہوں نے مسلم لیگ نام رکھ لیا ہے بعض مطالبات کو ٹھکرادیا اور ان کی ایک نہ سنی ذرا بھی التفات نہیں کیا اور گمان غالب ہے کہ جب کانگریس کا نشہ ہرن ہوگا اور وہ مسلم لیگ کے ان مطالبات کو مان لے گی تو مسلم لیگ پھر کانگریس میں منضم ومدغم ہوجائے گی آج یہ افراد جنہوں نے مسلم لیگ ایک گویا مردہ جماعت کا نام بھول بسر چکا تھا رکھ لیا ہے ان کہی کہہ رہے ہیں مگر جب کہ وہ ایک ایسی جماعت ہے جو غیر سنی ہی نہیں ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو نام اسلام ہی رکھتے ہیں تو اس کی رکنیت وشرکت کی تو شرعاً اجازت نہیں ہوسکتی''۔

(فتاویٰ مصطفویہ:ص ۵۰۰: برکاتی پبلشرز کراچی)

مگر اس سب کے مقابلے میں تحریک پاکستان اور مسلم لیگ میں علمائے دیوبند کا کیا شاندار کردار تھا اس کی گواہی خود ایک بریلوی کی زبانی ملاحظہ فرمالیں:

''مبارک پور کے سنی اپنی مذہبی خصوصیت میں ممتاز تھے مگر لیگ کی خوش عقیدگی نے ان سے مرتد اشرف علی تھانوی کے خلیفہ ظفر احمد تھانوی کا استقبال کرایا اس کا لیکچر سنوایا اس کے پیچھے نماز پڑھوائی اس کے پیر کے موزے دھلوائے غرض کہ بڑی دھوم دھام سے اس کی تعظیم وتکریم کرائی''۔

(جام نور کا محدث اعظم نمبر:ص ۱۰۴)

غرض رضاخانیوں نے کس طرح پاکستان، مسلم لیگ، انگریز کے خلاف تحریکات کی مخالفت کی ان پر کیا کیا فتوے لگائے اگر تمام ریکارڈ کو جمع کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب وجود میں آسکتی ہے ہم نے یہاں صفحات کی تنگی کی وجہ سے محض بریلویوں کو آئینہ دکھانے کیلئے یہ چند حوالے نقل کردئے ہیں۔

(بشکریہ نور سنت کا تحریک پاکستان نمبر)



آزادی کی تاریخ میں ہمارا کوئی ذکر نہیں بریلوی اقرار

معروف بریلوی عالم شاہ تراب الحق قادری اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے:

''کتنی دکھ کی بات ہے کہ تحریک آزادی اور تحریک پاکستان کی تاریخ مرتب کرنے والے اور بد دیانت مورخوں نے ان فرزندان توحید اور مردان حق کی بے مثال قربانیوں کو زینت طاق نسیان بنا دیا۔ جنہوں نے راہ حق میں بے پناہ مظالم برداشت کئے جام شہادت نوش کیا، اس کے برعکس انگریز کے وظیفہ خوروں اور اسلام کے غداروں کو جنگ آزادی کا ہیرو بنا کر پیش کر دیا۔ اکابر سنی علماء فرنگی سامراج سے ٹکرائے، اسلام کے تحفظ کیلئے جان کی بازی لگا کر شمع حریت کو ابدی تابانی بخشی اور انگریز کے خلاف سب سے پہلے تحریک آزادی کا سنگ بنیاد رکھا جو تاریخ میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے نام سے مشہور ہے، جنگ آزادی سے متعلق تاریخ کی مروجہ کتب میں اسلام کے ان جلیل القدر سپوتوں کا کوئی ذکر نہیں''۔

(تخلیق پاکستان میں علماء اہلسنت کا کردار، ص ۱۳)

اس موقع پر ہر انصاف پسند قاری یہ سوچنے پر ضرور مجبور ہوگا کہ جب تاریخ کی کتب میں انگریز کے ان نمک خوار بریلوی اکابر کا ذکر ہی نہیں تو آخر آج بریلویوں پر ایسی کونسی وحی نازل ہوگئی کہ وہ ان بریلوی اکابر کو تحریک آزادی کا ہیرو ثابت کر رہے ہیں؟۔ ایک عام سی بات ہے کوئی بھی بات بغیر ماخذ کے نہیں کہی جا سکتی آج ایک آدمی کھڑا ہو اور کہے کہ چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ میں اس بات کا کہیں ذکر نہیں سب مورخین نے دھوکا کیا ہے اور میں اب یہ بات کر رہا ہوں لہذا میری مانو، تو کوئی بھی عقل مند انسان اس بے تکی کو تسلیم کرے گا؟ جب اولین مآخذ میں بریلوی اکابر کی تحریک آزادی کیلئے کسی خدمت کا کوئی ذکر نہیں تو بریلویوں کے ہاتھ کونسے نوادرات لگ گئے جو آج اس بات کا اعلان کر رہے ہیں؟

شاہ صاحب کی عبارت میں غور فرمائیں لکھتے ہیں: ''کی تاریخ مرتب کرنے والے اور بد دیانت مورخوں نے'' یعنی موصوف کے ہاں یہ تاریخ دو قسم کے مورخین نے تیار کی ہے ایک تو تاریخ کے مرتبین تھے وہ بد دیانت نہیں تھے دوسری قسم ان مورخین کی تھی جو بد دیانت تھے اسی لئے ''اور'' عبارت میں لایا گیا اور دونوں قسم کے مورخین نے بریلوی اکابر کا ذکر نہیں کیا۔ میں اس موقع پر اتنا ہی کہوں گا کہ اس میں اتنا چیں بجبیں ہونے کی ضرورت ہی نہیں سورج جب سامنے ہو تو سب کو نظر آتا ہے آپ کے اکابر کی تحریک آزادی کیلئے کوئی خدمت ہوتی تو یہ مورخین ضرور اسے نقل کرتے اور چونکہ علمائے اہلسنت دیوبند کی تحریک آزادی میں بے پناہ خدمات تھیں اس لئے اس کو ذکر کر دیا۔ اس میں غصہ ہونے کے بجائے اپنے ان اکابر پر صلواتیں بھیجیں جو سلطنت انگلشیہ کی کاسہ لیسی میں مصروف تھے اور انگریز سے خلاصی کی ہر تحریک پر سوائے فتوی بازی اور بازاری زبان استعمال کرنے کے ان کا کوئی دوسرا کام نہ تھا۔

تحریک خلافت کے حوالے سے بریلوی اکابر کی بد دیانتی

بریلوی مولویوں نے تحریک خلافت سے عوام کو بدظن کرنے کیلئے اس تحریک کے بڑوں پر اپنی عادت بد کے مطابق جو بہتان لگائے ہم یہاں ان اتہامات کا مختصر جائزہ لیں گے۔

(اعتراض نمبر ۱۷۶:)

پہلا اعتراض: مولوی عبدالحکیم اختر شاہجہاں پوری تحریک آزادی کے قائدین کے متعلق یہ جھوٹ بولتے ہیں:
انگریز کی غلامی کا جوڑا اتار کر پھینکنا چاہتے تھے لیکن ہندوؤں کے مستقل غلام بننے کیلئے نتیجہ ظاہر تھا کہ آزادی سے انہیں قطعاً سروکار نہیں تھا ہرگز انہیں آزادی منظور نہیں تھی وہ صرف اپنے آقا بدلنا چاہتے تھے کہ گورے آقاؤں کی جگہ کالے آقا، پردیسی آقاؤں کے بدلے دیسی آقا اور نصرانی آقاؤں کے بجائے بت پرست آقا مل جائیں۔ (رسائل رضویہ، ج ۲، ص ۷)

(اعتراض نمبر ۱۷۷:)

دوسرا اعتراض: تحریک خلافت والوں نے کہا کہ اگر نبوت ختم نہ ہوتی تو گاندھی جی نبی ہوتے (رسائل رضویہ، ج ۲، ص ۱۸۴) عبدالحامد بدایونی نے کہا کہ گاندھی جی کو تمہارے لئے مذکر بنا کر بھیجا گیا (رسائل رضویہ، ج ۲، ص ۱۸۴) گاندھی کی تعریف کو خطبہ جمعہ میں شامل کیا گیا (رسائل رضویہ ج ۲، ص ۱۸۵) ان کی خوشنودی کیلئے گائے کی قربانی کو موقوف کر دیا گیا۔ قشقشے لگوائے گئے۔

اس قسم کے دیگر لچر اعتراضات نواب احمد رضا خان صاحب، مظہر اعلیٰ حضرت مولوی حشمت علی رضوی صاحب اور دیگر بریلوی علماء واکابر نے اپنی مختلف کتب میں دہرائے ہیں۔

الجواب بعون الوہاب

پہلا اعتراض کہ یہ لوگ انگریز سے خلاصی حاصل کر کے ہندوؤں کی غلام کرنا چاہتے ہیں یہ بھی سوائے جھوٹ کے اور کچھ نہیں۔
جمعیۃ علمائے ہند نے آزادی کیلئے جو تجاویز پیش کی اس میں یہ شق بھی شامل تھی:

''**اس موقع پر ہم یہ بھی واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ اگر جمعیۃ العلماء کو اس امر کا ذرہ بھر بھی وہم ہوتا کہ جدو جہد آزادی کا نتیجہ ہندوستان میں ہندو راج قائم کرنا ہے تو وہ ایک لمحہ توقف کئے بغیر اس کی شدید مخالفت کرتی ہے۔** ہم آزاد ہندوستان سے وہ آزاد ہندوستان مراد لیتے ہیں جس میں مسلمانوں کا مذہب، ان کی اسلامی تہذیب اور قومی خصوصیات آزاد ہوں اور مسلمانوں نے حصول آزدی کیلئے بھی قربانیاں پیش کی ہوں اور اپنی ذاتی قوت سے آئیندہ بھی اس کی حفاظت کر سکیں۔ **مسلمان جو انگریز کی غلامی سے آزادی حاصل کرنے کیلئے بیش بہا اور شاندار قربانیاں کریں گے، ان کی نسبت ہندو کی غلامی قبول کرنے کا تصور بھی ان کی سخت ترین توہین ہے۔** مسلمان قوم کی بدقسمتی ہوگی اگر وہ توہمات اور خطرات میں مبتلا رہے، اور موقع کی نزاکت و اہمیت سے فائدہ اٹھانے کیلئے اپنی غفلت سے اسے ضائع کر دے''۔

(جمعیۃ العلماء کیا ہے، حصہ دوم ص ۲۵۱ تا ۲۵۳ بحوالہ علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے، ص ۴۹۳، ۴۹۲)

اس واضح اعلان کے بعد بھی اگر کوئی کہے کہ یہ لوگ مسلمانوں کو انگریز کی غلامی سے نکال کر ہندو کی غلامی میں دینا چاہتے تھے معاذ اللہ تو ہمارے پاس اس ہٹ دھرمی کا کوئی علاج نہیں۔ نیز حکیم صاحب تو اب اس دنیا میں نہ رہے ان کے ماننے والوں سے ہم سوال کریں گے کہ پاکستان تو بن گیا آپ کے تمام جید اکابر خصوصا اعلیٰ حضرت کی اولاد ہندوستان ہی میں رہ گئی اور آج بھی وہاں بستی ہے تو کیا وہ ہندوؤں کی غلامی میں زندگی گزار رہے ہیں؟

دوسرے اعتراض میں جو الزامات ان حضرات نے لگائے ہیں اس میں اول تو ہم یہ کہیں گے کہ ان کا شمار خود بریلوی اکابر میں ہوتا ہے مثلاً عبدالماجد دریا آبادی مولانا عبدالباری فرنگی محلی مرحوم۔

اخبار دبدبہ سکندری کی حقیقت

ثانیاً: اس قسم کے الزامات کیلئے عموماً دبدبہ سکندری نامی اخبار کو ماخذ بنایا جاتا ہے نیز تحریک آزادی اور تحریک پاکستان کے حوالے سے بریلوی کارناموں کو اجاگر کرنے کیلئے اسی اخبار کا حوالہ عموماً نظروں سے گزرتا ہے تو آج ہم اس اخبار کی حقیقت بھی آپ پر واضح کر دیں۔ مفتی عطاء اللہ نعیمی رئیس دارالافتاء جمعیت اشاعت اہلسنت لکھتے ہیں:

''دبدبہ سکندری'' رامپور اہلسنت کا ہفت روزہ اخبار تھا، اپنی تاریخ ابتداء ۱۲۸۳ھ، ۱۸۶۶ سے اہلسنت کی ترجمانی کرتا رہا، آل انڈیا سنّی کانفرنس کے احیاء کے موقع پر اس اخبار نے اپنے آپ کو ترجمان آل انڈیا سنی کانفرنس کے طور پر متعارف کروایا سنی کانفرنس کے اغراض ومقاصد کی اشاعت اس کا اولین مقصد قرار پایا۔ خبروں، مضمون اور اداریوں میں سنی کانفرنس کے مفادات کی تشہیر کی ہر ممکن طریقے سے کوشش کرتا رہا کہ سنی کانفرنس کی زیادہ سے زیادہ خبروں کو اپنے موقر جریدے میں جگہ دے مگر ان خبروں کی تعداد اب ۱۹۴۶ء میں اتنی بڑھ گئی کہ ان تمام خبروں کو اخبار میں جگہ دینا مدیر جناب محمد فضل حسین صابری کیلئے ممکن نہ رہا''۔ (تاریخ آل انڈیا سنّی کانفرنس، ص ۱۳۸)

(تخلیق پاکستان میں علمائے اہلسنت کا کردار، ص ۷۶)

پس ایسے متعصب بریلوی اخبار کی خبر کا کیا بھروسہ تحریک پاکستان کے اکثر حوالے بریلوی اسی اخبار سے دیتے ہیں لہذا اس کے حوالوں سے دھوکا ہرگز مت کھائے گا۔

ڈاکٹر اوشیا سانیال اس اخبار کے متعلق لکھتی ہیں:

''ان رسائل میں ایک نام ''دبدبہ سکندری'' کا ہے یہ اپنے انداز کا منفرد پرچہ تھا یہ اواخر انیسویں صدی اور اوائل بیسویں صدی میں اہل سنت تحریک کے اہم ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ ہفتہ وار کے طور پر رامپور سے ۱۸۶۴ میں شائع ہونا شروع ہوا۔ اس کے ایڈیٹر اور سب ایڈیٹر انیسویں اور بیسویں صدی میں بالتدریج مولانا محمد فاروق حسن اور محمد فضل حسن تھے یہ دونوں تصوف میں چشتی صابری سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ البتہ قادری سلسلے سے بھی ان کا تعلق تھا ایسا محسوس ہوتا ہے کہ خانقاہ صابریہ رامپور میں ان کا اشاعتی ادارہ قائم تھا۔

یہ پرچہ انگریزی حکومت کا حامی تھا، اس کا اندازہ اس کے ادارتی بیان سے ہوتا ہے کہ اپنے آغاز سے دلچسپ خبروں کے ذریعہ دبدبہ سکندری حکومت اور رعایا کے درمیان اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کرتا رہا'' (آگے مزید احمد رضا خان اور ان کی خانقاہ کیلئے اس اخبار کی خدمات کا ذکر کیا ہے)''۔

(عقیدت پر مبنی اسلام اور سیاست، ص ۹۹،۹۸)

قصہ مختصر جب اخبار تھا ہی انگریزی حکومت کا حامی تو اس نے انگریزی حکومت کے خلاف ایک خطرناک تحریک تحریک خلافت کے خلاف جھوٹا پروپگنڈا ہی کرنا تھا۔ لہذا ان باتوں میں فی نفسہ کوئی سچائی معلوم نہیں ہوتی۔

بالفرض ایسا کسی نے کیا بھی ہو تو ان کی تحریک میں کوئی خاص پوزیشن نہ تھی جاہل جہلاء قسم کے لوگ تھے جیسا کہ حضرت حکیم الامت ؒ کے

ملفوظات میں بھی اس پر رد ملتا ہے ۔لیکن بحیثیت مسلمان بعض الزامات پر تو یقین بالکل بھی نہیں ہوتا مثلاً یہ الزام کہ اگر کوئی نبی ہوتا تو گاندھی ہوتا معاذ اللہ۔

بہر حال ہم یہاں خود حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی مرحوم کے چند اقوال پیش کر رہے ہیں کہ وہ کانگریس یا گاندھی سے کس قسم کے اشتراک کے حامی تھے۔

جب مسلم لیگ نے گائے کے ذبیحہ کی ممانعت کے ریزولوشن پاس کیا تو اس کے جواب میں حضرت مولانا عبد الباری فرنگی محلی صاحب نے بمبئی کے جلسہ میں فرمایا:

''مسلمانان بمبئی کا یہ جلسہ مسلم لیگ کے سفارشی ریزولوشن متعلق قربانی گاؤ کی اصلاح کیلئے ہے جس سے کہ عام مسلمانوں میں مذہبی نقطہ خیال سے سخت بےچینی وتشویش ہوگئی ہے یہ تجویز پیش کرتا ہے بقر عید پر گائے کی قربانی مسلمانوں کے مذہبی شعائر اللہ میں داخل ہے اس کو روکنے کا کسی کو حق ومجاز حاصل نہیں ہندو بھائیوں کو روزانہ ذبح پر نظر کرتے ہوئے مسلمانوں کی مذہبی سالانہ قربانی کو باعث دلشکنی تصور نہ کرنی چاہئے''۔

(ہمدم ۲۰ فروری ۱۹۲۰ بحوالہ اوراق گم گشتہ ص ۲۷ ا طبع اول)

اسی طرح اخبار خلافت دہلی ۱۸ اگست ۱۹۲۰ میں آپ کا یہ برقی پیغام شائع ہوا:

''قربانی بذات فرض ہے اور اعانت خلافت بھی واجب ہے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ مسلمان خلافت کی حمایت میں قربانی چھوڑ دیں انہیں چاہئے کہ اس فرض کو حسب معمول ادا کریں اور گوشت کھال کو اس کے مصرف میں لائیں جو پہلے سے چلا آتا ہے''۔(بحوالہ اوراق گم گشتہ ص ۱۸۰)

آخر میں ان کا ایک بالکل واضح بیان پیش کرنے جارہا ہوں اس کے بعد بھی اگر کوئی ان پر اس قسم کے الزامات لگائے تو قیامت کا دن ہی اس ظلم کا فیصلہ کرے گی۔جمعیت کے صدارتی خطبہ بمقام کانپور میں فرماتے ہیں:

''میں صاف ظاہر کردوں کہ رواسم شرک میں شرکت مسلمانوں کی ناممکن ہے میں ہندو مسلم اتحاد کے بدلے ہندو ہندو کا اتحاد کرادوں گا اگر خدانخواستہ شرک کی رسم میں شرکت ہوجائے یہ بڑی بات نہیں نہ فائدہ مند ہے،میں صاف عرض کرتا ہوں کہ ہم ہندو مسلم اتحاد کی غرض سے نہ قشقہ لگا سکتے ہیں نہ ان کی قبروں کی زیارت کرسکتے ہیں نہ ان کی بتوں کی تعظیم کرسکتے ہیں،ہاں معاشرتی امور میں ان کے ساتھ خلوص کا برتاؤ ہم پر لازم ہے،مساجد میں دخول چاہے جائز ہو مگر بھلا نہیں معلوم ہوتا ہے''۔

(اوراق گم گشتہ ص ۱۷۹ طبع اول لاہور)

اسی طرح تحریک خلافت اور آزادی ہند کے عظیم رہنما حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ ہندوؤں سے اتحاد کی حدود کو ان واضح الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''ہاں! یہ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور آج پھر کہتا ہوں کہ ان اقوام کی باہمی مصالحت اور آشتی کو اگر آپ اور پائدار خوشگوار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی طرح دل نشین کرلیجئے اور وہ حدود یہی ہیں کہ خدا کی باندھی ہوئی حدود میں ان سے کوئی رخنہ نہ پڑے۔جس کی صورت بجز اس کے کچھ نہیں کہ اس صلح آشتی کی تقریب سے فریقین کے مذہبی امور سے کسی ادنی امر کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے،اور دنیوی معاملات میں ہرگز کوئی ایسا طریقہ اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی ایک فریق کی ایذا رسانی اور دل آزاری متصور

ہو"۔(علماءِ حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے،ص ۲۵۰)

غرض ان لیڈروں نے واضح طور پر یہ اعلان کیا کہ اتحاد کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم اپنے مذہبی شعار کو ترک کردیں۔اس کے بعد بھی اگر بالفرض کسی جاہل غیر معتبر لیڈر یا عوام میں سے کسی نے ایسی کوئی حرکت کی تو یہ اس کا ذاتی فعل ہے اس سے پوری تحریک کو الزام نہیں دیا جاسکتا۔

باقی نواب احمد رضاخان صاحب اور حشمت علی رضوی صاحب کی طرف سے مولانا عبدالباری فرنگی محلی پر لگائے گئے جھوٹے الزامات کی تردید خود انہی کی زبانی ہم نے کردی۔نواب صاحب اور ان کی ذریعت کے جھوٹے قلم سے تو بڑے بڑے اساطین علم محفوظ نہ رہے تو یہ بیچارہ کس مقام پر۔

حضرت مولانا معین الدین اجمیری صاحب نواب احمد رضاخان صاحب کو اس قسم کے الزامات کے جوابات میں لکھتے ہیں:

"یہاں دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا واقعی بعض لیڈران نے ایسا کیا؟ جہاں تک ہم کو معلوم ہے یہ افواہ محض بے بنیاد ہے جس کا منشاء بجز اس کے کچھ نہیں کہ ان جواں مردوں اور مجاہدین فی سبیل اللہ کو بدنام کرکے اس اسلامی تحریک کا خاتمہ کردیا جائے اور اس طرح دشمن اسلام گورنمنٹ کا طوقِ غلامی ہمیشہ کیلئے مسلمانوں کے گلے میں پڑ جائے اور اگر اس واقعہ کی کچھ اصلیت ہے تو یہ الزام صرف ان لیڈران پر عائد ہوسکتا ہے جنہوں نے ایسا کیا اس کا اثر ان کی ذات تک محدود رہنا چاہئے نہ یہ کہ ایک ضروری اسلامی تحریک ناجائز ومسترد ہوجائے۔یوں ہو تو پھر نماز،روزہ،حج وزکوۃ ہی پر ہاتھ صاف کرنے کا راستہ نکل آئے گا کیونکہ ناواقفیت کی وجہ سے اکثر حضرات ان ضروری ارکان میں بے اعتدالیاں کرگزرتے ہیں"۔

(کلمۃ الحق،ص ۵۶،۵۷ درمطبع مصطفائی دہلی)



شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ پر لگائے جانے والے الزامات کا جائزہ

تحریر: ساجد خان نقشبندی

ربیع الاول 1432ھ/ فروری 2011ء میں ڈسکہ (پنجاب) سے ایک سال نامہ شائع ہوا ہے جو بریلوی مسلک کے زیر نگرانی نکلتا ہے، اس میں اس کے موضوع یعنی میلاد النبی سے ہٹ کر" مولوی حسین احمد مدنی اور تحریک پاکستان" کے عنوان سے جناب زین العابدین ڈیروی بریلوی کا ایک مضمون ہے، جو صفحہ ۴۸ سے صفحہ ۵۵ تک سات صفحات میں نہایت پر فریب، کذب بیانی کے ساتھ شائع ہوا ہے، جس میں کوئی بات با حوالہ نہیں کی گئی، دوسرے اس مضمون کا سر نامہ ہی غلط ہے، کیوں کہ حضرت شیخ الاسلام علیہ الرحمۃ کا تحریک پاکستان سے بالذات کوئی تعلق نہیں تھا۔ جب ایک شخص کا تحریک پاکستان سے تعلق ہی نہ ہو تو اس معاملے میں خواہ مخواہ کھینچ لانا انصاف کا تقاضہ نہیں ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی مجاہدانہ زندگی میں پورے ہندوستان کی تحریک آزادی کی جدو جہد شامل ہے۔ اگر تقابل دینا ہی تھا تو اہلسنت کے ان اکابر کا دیتے جنہوں نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا۔ اور ان کے اخلاص میں کوئی شک نہیں۔

(۱) جناب زین العابدین ڈیروی اپنے مضمون کے چوتھے صفحے پر شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ پر اپنی طرف سے پہلی فرد جرم یہ عائد کی کہ:

''حضرت صاحب نے پہلا شاندا کارنامہ تو یہ سر انجام دیا کہ کروڑوں مسلمانوں کی دلوں کی دھڑکن اور محبوب شخصیت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ کے خلاف الشہاب ثاقب نامی ایک کتاب لکھی، جس میں انہیں سینکڑوں گالیوں سے نوازنے کے علاوہ نعوذ باللہ دجال اور اسلام دشمن ثابت کرنے کی مذموم کوشش کی۔ وجہ یہ تھی کہ فاضل بریلوی نور اللہ مرقدہ نے مولوی صاحب کے اکابر کی بعض عبارتوں پر شرعی نقطہ نظر سے نکتہ چینی کی، مسٹر گاندھی، نہرو پٹیل و دیگر مشرکین ہند سے موالات اور ایک قومی نظریہ کی شدید مخالفت کی تھی''۔

بہت خوب ڈیروی صاحب! گویا

''بلی تھیلی سے باہر آگئی''

حقیقت یہ ہے کہ آپ کو مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے اصل اختلاف اس بات پر نہیں کہ انہوں نے کانگریس سے اتحاد کیا، بلکہ آپ کو اصل تکلیف یہ ہے کہ انہوں نے ''الشہاب الثاقب'' میں آپ کے فاضل بریلوی کے اس دجل و فریب کو آشکارا کر دیا جو انہوں نے حسام الحرمین کی صورت میں انجام دیا تھا۔ آپ کہتے ہیں کہ احمد رضا خان صاحب نے علمائے اہلسنت کی بعض عبارات پر شرعی گرفت کی تھی، جبکہ آپ کے مسلک کے قاضی عبد النبی صاحب کوکب تو کہتے ہیں کہ:

''زیادہ سے زیادہ بات مولانا کے خلاف یہ کہی جا سکتی ہے کہ انہوں نے علمائے دیوبند سے اظہار اختلاف کیلئے نہایت سخت اور تلخ لہجہ اختیار کیا تھا انہوں نے مدرسہ دیوبند کے جید اساطین علم کی بعض عبارات کو کفریہ قرار دیا اور اس فتوے میں انہوں نے اس ''شرعی احتیاط'' اور مراعات کو قطعاً ملحوظ نہ رکھا جو ایسے نازک موقع پر ملحوظ رکھنی ناگزیر ہوتی ہے''۔

(مقدمہ مقالات یوم رضا:ص ۲۰، مطبوعہ دار المصنفین لاہور)

کہئے جناب آپ تو کہتے ہیں کہ شرعی گرفت کی، جبکہ قاضی صاحب کا موقف ہے کہ احمد رضا خان صاحب نے اس معاملے میں شرعی احتیاط کو بالکل ملحوظ خاطر نہ رکھا۔

جہاں تک آپ کا یہ گلہ ہے کہ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے رضا خان صاحب کو گالیاں دی ہیں تو آنجناب کے علم میں ہونا چاہئے کہ ''الشہاب الثاقب'' آپ کے احمد رضا خان صاحب کی تین شر انگیز کتابوں (حسام الحرمین، تمہید ایمان، خلاصہ فوائد فتاوی) کے جواب میں لکھی گئی ہے، جس میں علمائے دیوبند کو سات سو سے زائد گالیاں دی گئی ہیں۔ ہم ان میں سے صرف ایک کتاب ''خلاصہ فوائد فتاوی'' کے پہلے صفحے پر موجود گالیوں کو بطور نمونہ نقل کر رہے ہیں، جس سے آپ کو خود اندازہ ہو جائے گا کہ اس قسم کی زبان استعمال کرنے والا شخص کروڑوں بدمعاشوں کی دلوں کی دھڑکن تو ہو سکتا ہے مگر کسی شریف مسلمان کی دل کی دھڑکن نہیں ہو سکتا۔ ملاحظہ ہو:

(۱) بدعت کفریہ والے	(۲) اشقیاء سب کے سب	(۳) مرتد	(۴) امت اسلام سے خارج
(۵) بے دینی و بدمذہبی کے خبیث سردار		(۶) ہر خبیث اور مفسد اور ہٹ دھرم سے بدتر	
(۷) فاجر	(۸) سب کافروں سے کمینہ تر کافر	(۹) ملحد	(۱۰) کذاب
(۱۱) بددین	(۱۲) ستمگر	(۱۳) خارجی	(۱۴) دوزخ کے کتے
(۱۵) شیطان کے گروہ	(۱۶) دین کے دشمن	(۱۷) ظالم	(۱۸) مفتری
(۱۹) ان کی کہاوت کتے کی طرح ہے		(۲۰) توبہ سے محروم	

یہ چند مغلظات ہیں جو صرف پہلے صفحے پر موجود ہیں، پس اگر اکابر اہلسنت کو دیجانے والی ان فحش مغلظات کے جواب میں مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے رضا خان صاحب کو دجال یا کذاب کہہ دیا تو آپ کو ناراض نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ ایک دوسرے کو جو برا بھلا کہتے ہیں تو اس کا گناہ ابتداء کرنے والے پر ہے، تا آں کہ جواب دینے والا حد سے نہ بڑھ جائے۔

ردِ شہاب ثاقب میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علمائے دیوبند کو دی جانے والی گالیوں کی فہرست

مولوی محمد جمیل رضا خانی نے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی مایہ ناز کتاب ''شہاب ثاقب'' کا ایک نام نہاد جواب ''ردِ شہاب ثاقب'' کے نام سے لکھا اور اس میں یہ واویلا کیا کہ شہاب ثاقب میں مولوی احمد رضا خان کو 646 گالیاں دی گئی ہیں یہ شرافت و تہذیب کے خلاف ہے۔ بعد میں اسی الزام کو ہر بریلوی حضرت شیخ الاسلام کے خلاف واویلا کرنے کیلئے استعمال کرتا۔ فقیر نے جب زین العابدین ڈیروی بریلوی کی طرف سے حضرت شیخ الاسلام پر لگائے جانے والے الزامات کے جواب دیئے تو ان الزامات میں بھی ڈیروی صاحب نے سب سے پہلا الزام یہی لگایا اس لئے فقیر نے مناسب سمجھا کہ اصل صورتحال سے عوام کو آگاہ کیا جائے۔ آپ کو یہ جان کر حیرانگی ہوگی کی جس کتاب میں یہ واویلا کیا گیا خود اس کتاب میں علمائے دیوبند کو 838 سے بھی زیادہ گالیاں دی گئی ہیں۔ ہم دل پر بوجھ رکھ ان گالیوں کی

ایک مختصر فہرست آپ کے سامنے نقل کر رہے ہیں تا کہ بریلوی جماعت خود اپنے اپنے آئینہ میں اپنی ننگی تہذیب کا مشاہدہ کر سکے۔
صفحات کی ترتیب ادارہ غوثیہ رضویہ لاہور کی طرف سے شائع ہونے والے ردِ شہاب ثاقب کے مطابق ہیں جو 1991 میں مولوی محمد جمیل کے بیٹے کی اجازت سے شائع کیا۔

نمبر شمار	گالیاں	صفحہ نمبر
1	احقاق الدین بھی اکابر المرتدین	ٹائٹل پیج
2	وہابی خائب	ٹائیٹل پیج
3	خارجی اکابر	ح
4	خارجی اکابر کا صریح کفر	ح
5	خارجی اکابر	ح
6	خارج از اسلام	ذ
7	مولوی حسین احمد کی تصویر انتہائی قبیح	خ
8	مکروہ نظر آتی ہے	خ
9	دیوبندیت اکابر کا یہ شیوہ ہے کہ وہ کسی پر جھوٹ ۔۔۔	ذ
10	سیاہ کارنامہ	ذ
11	خارجیوں (دیوبندیوں)	ذ
12	کاذب اور	ذ
13	بہتان تراز شخص کو شیخ الاسلام	ذ
14	۔۔۔۔۔خارجیہ دیوبندیہ	ز
15	جھوٹ لکھو اور چھاپو اور پیٹ کا دھندا چلاؤ	ز
16	یہودیانہ	ز
17	خارجیہ	ز
18	غداران قوم	ض
19	باطل کی حمایت کرنا	12
20	عقائد باطلہ	12

45	بے شرمی	14
46	بے ایمانی	14
47	مکروکید	14
48	افتراء بہتان	14
49	دجل وفریب	14
50	مکروکید	14
51	کذب	14
52	فرقہ وہابیہ۔۔۔کچھ شرم وحیاء	14
53	نہ ان کے نزدیک جھوٹ بولنا۔۔۔۔۔	14
54	نہ دجل وفریب دینا برا کام	14
55	ایسے کاذب	14
56	مکار	14
57	افتراء کی مشین کا ٹھیکیدار	15
58	کذب کی ایجنسی کا مالک ومختار	15
59	انتہائی دجل	15
60	فریب	15
61	بے حیاء	16
62	بھٹیارا	16
63	دماغ کا توازن صحیح نہیں	16
64	بے شرم	16
65	بے حیاء	16
66	منہ پھاڑ کر بولنے والا	16
67	مصنف نے گالی گلوچ میں کافی مشاقی پیدا کرلی	16
68	تہذیب	17

69	شرافت سے عاری	17
70	بازاری گالیاں دینے والا	17
71	حیا سوز انسان	17
72	جامہ پھاڑ کر برہنہ ہوجانے	36
73	ماں بہن کی صاف صاف مغلظات گالیاں دیتے	36
74	اپنی بے تہذیبی کا علی الاعلان	36
75	مصنف صاحب کی رذالت اور	36
76	گالیاں دینے کا پیشہ	36
77	وہ مثل اراذل	36
78	خوب مکروفریب	34
79	دجل وفریب	34
80	افتراء و بہتان	34
81	لا علمی و جہالت	34
82	گندی ذہنیت	34
83	گھناؤنی طبیعت	34
84	حیاء سوز اور	34
85	سوقیانہ خطابت	34
86	کیدوفریب	34
87	کذب وافتراء کرے	34
88	خوب مکروکید	34
89	ایسی گندی اور گھناؤنی کتاب	35
90	نہایت بے حس	35
91	اس کا دماغی توازن بگڑ گیا	35
92	قوت رذالت سے نکل گیا	35

333	لعنۃ اللہ علی الکاذبین	187
334	کھلا ہوا دجل	189
335	فریب	189
336	صریح کذب	191
337	شدید مکر و فریب ہے	191
338	جھوٹا کذاب مصنف	192
339	صریح کذب	192
340	کھلا ہوا مکرو	192
341	فریب	192
342	لعنۃ اللہ علی الکاذبین	192
343	صریح کذب	198
344	شدید افتراء	198
345	کھلا ہوا دجل	198
346	فریب	198
347	صریح کذب	203
348	۔۔۔جھوٹ	203
349	کھلا ہوا دجل	203
350	فریب	203
351	سخت مغالطہ میں ۔۔۔۔	203
352	کذب و	206
353	فریب	206
354	لعنۃ اللہ علی الکاذبین	206
355	صریح کذب	208
356	زبردست فریب	208



(۲) ڈیروی صاحب نے یہ جھوٹ بھی بولا کہ احمد رضاخان صاحب نے انگریز یا ہندو دونوں میں سے کسی ایک کا تقابل کرکے کسی ایک کی غلامی کرنے کی مخالفت کی بلکہ کہا کہ نبی کریم ﷺ نے بنفس نفیس غزوات میں شرکت فرما کر ہمارے لئے یہ نمونہ چھوڑا کہ اینٹ کا جواب پتھر سے دینا چاہئے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے احمد رضاخان صاحب تو ساری زندگی انگریز سے جہاد کو حرام بتلاتے رہے۔ان کی وفات کے بعد بھی کافی عرصے تک ہندوستان کے اخبار انگریز کے حق میں رضاخان صاحب کے دیئے جانے والے فتوے

شائع کرتے رہے چنانچہ جس فتوے کو آپ نے احمد رضا خان صاحب کے دو قومی نظریے کے بانی ہونے کی حیثیت سے پیش کیا اسی فتوے میں وہ لکھتے ہیں کہ:

''ایسی جگہ مسلمانوں پر جہاد فرض بتانے والا شریعت پر مفتری اور مسلمانوں کا بدخواہ ہے''۔

(رسائل رضویہ: ج ۲،ص ۱۱۰)

بلکہ رضا خان صاحب کے بیٹے مولوی مصطفی رضا خان صاحب نے تو باقاعدہ ایک رسالہ ''طرق الھدی والارشاد'' اسی موضوع پر لکھا کہ انگریز سے جہاد ''حرام،حرام،حرام'' ہے شاید ڈیروی صاحب کے ہاں اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کا مفہوم یہی ہو کہ سرے سے پتھر کو ہی حرام حرام حرام کہہ کر تین طلاق دے دیجائیں۔

(۳) ڈیروی صاحب نے یہ بھی الزام لگایا کہ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ مسٹر جناح کو رافضی کہہ کر برا بھلا کہتے تھے مگر اس سلسلے میں انہوں نے کوئی حوالہ پیش کرنے کی زحمت گوارا نہ کی حالانکہ ریکارڈ پر موجود ہے کہ جب ایک بار کسی جلسے میں بعض حضرات نے مسٹر جناح کے بارے میں سخت الفاظ کہے تو حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ:

''میں نہیں سمجھتا کہ جو شخص ہم سے جدا ہو چکا ہے اور اب وہ ہمارے درمیان موجود نہیں اس کی برائی سے کیا مقصد؟ اور اس کا کیا نفع ہوگا؟''۔

(ماہنامہ بینات، کراچی، رجب ۱۴۰۷ھ)

حضرت مدنیؒ پر یہ الزام لگانے والوں کو شرم کرنی چاہیئے اس لئے کہ خود ڈیروی صاحب کے اکابر کے ہاں مسٹر جناح ایک رافضی تھے اور ان کا رافضی ہونا ہی ان کے کفر کی ایک مستقل وجہ تھی۔ ملاحظہ ہو:

''جو مسلمان ایک رافضی محمد علی جناح کو قائد اعظم لکھے اور اپنا پیشوا مانے اس کیلئے کیا حکم ہے؟ جواب ہے کہ اگر رافضی کی تعریف حلال اور جناح کو اس کا اہل سمجھ کر کرتا ہے تو وہ مرتد ہوگیا اس کی بیوی اس کے نکاح سے نکل گئی مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس کا مقاطعہ کریں یہاں تک کہ وہ توبہ کرے''۔

(الجوابات السنیہ: ص ۳۲)

ڈیروی صاحب! کاش کہ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ پر اس قسم کے الزامات لگانے سے پہلے اپنے گھر میں جھانک لیتے۔ ڈیروی صاحب کہتے ہیں کہ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مسٹر جناح کو کافر کہا اور مسلم لیگ میں شمولیت کو حرام کہا اس پر ہم سوائے اس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ خود ڈیروی صاحب کے اکابر ساری زندگی مسٹر جناح کو کافر، مرتد اور لیگ میں شرکت حرام ہے کہ فتوے دیتے رہے چند حوالے ملاحظہ ہوں:

مولوی ابوطاہر طیب داناپوری نے جناح صاحب کے بارے میں یہ الفاظ تحریر فرمائے ہیں:

(الف) "اور مسٹر جناح ان کا قائد اعظم ہے، اور صرف انھیں دو کفروں پر اکتفا کرتا تو قائد اعظم کی خصوصیت ہی کیا رہتی؟ لہٰذا وہ اپنی اسپیچوں، اپنے لیکچروں میں نئے نئے کفریات قطعیہ بکتا رہتا ہے" (تجانب اہل سنت: ص 119)

(ب)"بہ حکم شریعت مسٹر جناح اپنے ان عقائد کفریہ قطعیہ یقینیہ کی بنا پر قطعاً''مرتد اور خارج از اسلام ہے۔ جو شخص اس کے کفر پر مطلع ہونے کے بعد اس کو مسلمان جانے یا اس کے کافر و مرتد ہونے میں شک رکھے یا اس کو کافر کہنے میں توقف کرے وہ بھی کافر و مرتد اور شر الانام اور بے توبہ مرا تو مستحق لعنت۔(تجانب اہل سنت صفحہ(122)

(ج)مظہر اعلیٰ حضرت مولانا حشمت علی خاں اپنے فتوے میں فرماتے ہیں:

"رہا مطالبہ پاکستان یعنی تقسیم ملک اتنا لیگیوں کا، اتنا ہندوؤں کا، اس صورت میں احکام کفر ملک کے بڑے حصے میں لیگیوں کے زور سے جاری ہوں گے کہ وہی اس تقسیم پر راضی اور اسکے طالب ہیں۔ احکام کفر پر سخت بے دینی ہے"

(اجمل انوار رضا صفحہ(3

(د) ابو البرکات سید احمد اپنے ایک فتوے میں مسٹر جناح اور لیگ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''اگر رافضی کی تعریف حلال سمجھ اور اور جناح کو اس کا اہل سمجھ کر تعریف کرتا ہے تو وہ شخص مرتد ہوگیا اس پر تجدید ایمان و نکاح لازم ہے۔۔۔لیگ کے ساتھ کسی بھی قسم کا تعاون جائز نہیں اس میں شمولیت حرام ہے۔ اس لئے کہ لیگ مرتدین کی جماعت ہے

یہ فتویٰ''الجوابات السنیہ'' کے آخر میں موجود ہے۔

(ھ) احمد رضا خان صاحب کے مرشد گھرانہ اور درگاہ مارہرہ کی اہم شخصیت اولاد رسول محمد میاں مارہروی نے ۱۹۳۹ء میں ایک کتاب لکھ کر شائع کی جس کا نام''مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری'' ہے اس میں مسٹر جناح کو دوزخ کا کتا تک لکھتے ہیں اصل عبارت ملاحظہ ہو:

''بدمذہب جہنمیوں کے کتے ہیں کیا کوئی مسلمان اور سچا ایمان والا کسی کتے اور وہ بھی دوزخیوں کے کتے کو اپنا قائداعظم، اپنا سب سے بڑا پیشوا اور سردار بنانا پسند کرے گا؟''۔

(مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری: ص ۴)

جناب زین العابدین ڈیروی کو دعوت فکر ہے کہ ان کے اکابر کے یہ ارشادات) یہاں چند بیان ہوئے ہیں، باقی کے لیے اصل کتب کی طرف مراجعت کی جائے (جن میں جناح کو کافر، نیچری، جہنم کا کتا، رافضی، مرتد وغیرہم کہا گیا ہے، ان کے کفر میں شک کرنے والوں کو بھی کافر کہا گیا ہے، تو کیا آپ نے ان کے کفر میں شک کر کے'' قائداعظم محمد علی جناح رحمہ اللہ علیہ " تحریر فرما کر اپنے اکابر کے فتاویٰ کا حکم اپنے اوپر نہیں لگالیا؟ اگر جواب اثبات میں ہے جیسا کہ ہونا چاہیے تو یہ اپنے اکابر کی عظمت ہوگی، قبول کر لیجیے۔ اور اگر جواب نفی میں ہے تو اپنے اکابر سے بغاوت ہوگی، باغی کی بات پر التفات کرنا ویسے ہی بے معنیٰ ہے۔ اس لئے کہ جس نے اپنے اکابر کے ارشادات کو پیش نظر نہ رکھا، ان کی مخالفت کی اور مخالفت بھی ایسی کے دائرہ اسلام سے خارج ہوجانا پسند فرمایا تو) اپنے گمان میں) فریق مخالف کے متعلق آپ کے تبصروں پر التفات کیسے کیا جاسکتا ہے؟ جو اپنے اکابر کی بات نہ سمجھ پایا ہمارے اکابر کی کیا سمجھا ہوگا؟

علمائے دیوبند رحمہم اللہ نے تحریک پاکستان میں حصہ لینے کو کبھی کفر نہیں کہا۔ یہ کفر اور اسلام کا مسئلہ نہیں تھا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت تقسیم ملک کو مسلمانوں کے لیے مضر سمجھتی تھی۔ مولوی معین الدین اجمیری، مولوی عبدالماجد بدایونی، مولوی عبدالصمد بدایونی، مولوی عبدالباری فرنگی محلی وغیرہم بھی شامل تھے، مگر نہ معلوم ڈیروی صاحب کو غصہ صرف مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ پر ہی کیوں آرہا ہے کیا اس لئے کہ انہوں نے''الشہاب الثاقب''، تصنیف کی تھی؟۔

علمائے دیوبند کی ایک جماعت مسلمانوں کے لیے الگ مملکت کے حصول کو فائدہ مند سمجھتی تھی۔اس نے عمداحصہ بھی لیا،وہ بھی اس جرم کی پاداش میں دائرہ اسلام سے خارج ٹھرے۔جب دونوں ہی آپ کی نظر میں کافر ہوئے تو پھر آپ کے پاس ہے ہی کیا جس کو اپنا لائحہ عمل قرار دیں؟

کاش کے ڈیروی صاحب ایک دفعہ تعصب کی عینک اتار کر ایک محقق کی حیثیت سے تاریخ کا مطالعہ کرتے کہ آخر مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ اوران کے رفقاء نے تحریک پاکستان کی مخالفت کیوں کی؟ آئیے حضرت سید مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ ہی کی زبانی سنئے کہ ہمارے یہ بزرگ تحریک پاکستان کے مخالف کیوں تھے؟ مخالفت کے اسباب پر بھی غور فرمائیے اور ساتھ ہی پاکستان کے موجود حالات کو بھی پیش نظر رکھئے ۲۶ اپریل ۱۹۴۶ءکو دہلی کے اردو پارک میں پانچ لاکھ کے مجمع سے حضرت شاہ جی نے جو تاریخی خطاب فرمایااس کے صرف دو اقتباس ملاحظہ فرمائیں جو ان حضرات کے موقف کا خلاصہ ہے،

(الف) اس وقت آئینی اور غیر آئینی دنیا میں یہ بحث چل رہی ہے کہ آیا ہندوستان میں مسلم اکثریت کو ہندو اکثریت سے جدا کر کے برصغیر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے؟ قطع نظر اس سے کہ اس کا انجام کیا ہوگا؟ مجھے پاکستان بن جانے کا اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات پر کہ صبح کو سورج مشرق سے طلوع ہوگا،لیکن یہ وہ پاکستان نہیں بنے گا جو دس کروڑ مسلمانوں کے ذہنوں میں موجود ہے اور جس کے لئے آپ بڑے خلوص سے کوشاں ہیں ان مخلص نوجوانوں کو کیا معلوم کہ کل ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے بات؟ جھگڑے کی نہیں سمجھنے اور سمجھانے کی ہے،لیکن تحریک کی قیادت کرنے والوں کے قول وفعل میں بلا کا تضاد اور بنیادی فرق ہے اگر آج مجھے کوئی اس بات کا یقین دلادے کہ کل کو ہندوستان کے کسی قصبے کی گلی میں یا کسی شہر کے کسی کوچے میں حکومت الٰہیہ کا قیام اور شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہونے والا ہے تو رب کعبہ کی قسم میں آج ہی اپنا سب کچھ چھوڑ کر آپکا ساتھ دینے کیلئے تیار ہوں۔

لیکن یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ جولوگ اپنی اڑھائی من کی لاش اور چھ فٹ کے قد پر اسلامی قوانین نافذ نہیں کر سکتے جن کا اٹھنا بیٹھنا،جن کی وضع قطع،جن کا رہن سہن،بول چال،زبان وتہذیب،کھانا پینا،لباس وغیرہ غرض کوئی چیز بھی اسلام کے مطابق نہ ہو وہ دس کروڑ انسانی آبادی کے ایک قطعہ زمین پر اسلامی قوانین کیسے نافذ کر سکتے ہیں؟ یہ ایک فریب ہے اور میں یہ فریب کھانے کیلئے تیار نہیں۔

ہندو اپنی مکاری اور عیاری سے پاکستان کو ہمیشہ تنگ کرتا رہے گا،اسے کمزور بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا،اس تقسیم کی بدولت آپ کے دریاؤں کا پانی روک دے گا،آپ کی معیشت تباہ کرنے کی کوشش کرے گا آپ کی یہ حالت ہوگی کہ بوقت ضرورت مشرقی پاکستان مغربی پاکستان کی اور مغربی پاکستان مشرقی پاکستان کی کوئی مدد کرنے سے قاصر ہوگا۔اندرونی طور پر پاکستان میں چند خاندانوں کی حکومت ہوگی اور یہ خاندان زمینداروں،سرمایہ داروں اور صنعت کاروں کے خاندان ہونگے۔امیر دن بدن امیر تر ہوتا چلا جائے گااور غریب غریب تر۔

(روزنامہ الجمعیہ دہلی،۲۸ اپریل ۱۹۴۶)

اسی طرح مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اپنی ایک تقریر میں فرماتے ہیں کہ:

(ب) اس زمانے میں پاکستان کی تحریک زبان زد عوام ہے،اگر اس کا مطلب اسلامی حکومت علی منہاج النبوۃ مسلم اکثریت والے صوبوں میں قائم کرنا ہے تو ماشاء اللہ نہایت مبارک اسکیم ہے۔کوئی بھی مسلمان اس میں گفتگو نہیں کرسکتا مگر بحالت

موجودہ یہ چیزیں متصورالوقوع نہیں۔اور اگر اس کا مقصد انگریز کی حکومت کے ماتحت کوئی ایسی حکومت قائم کرنا ہے جس کو مسلم حکومت کو نام دیا جاسکے تو میرے نزدیک یہ اسکیم محض بزدلانہ اور سفیہانہ ہے، اور ایک طرف برطانیہ کیلئے ڈیوائیڈ اینڈ رول کا موقع بہم پہنچا رہی ہے، اور یہی عمل برطانیہ نے ہر جگہ جاری کر رکھا ہے۔(علماء حق اور ان کے مجاہدانہ کارنامے: ج ا ص ۳۶۲)

غرض ان علماء کے پیش نظر مستقبل کے یہ حالات تھے اور جو اس وقت خدشات تھے وہ آج اظہر من الشمس ہیں جس کی وجہ سے انہوں نے تقسیم کی حمایت نہیں کی۔

ڈیروی صاحب! انصاف کی نظر سے آج پاکستان کے حالات دیکھ کر بتائیے کہ کیا یہ وہی پاکستان ہے جس کیلئے مسلمانوں سے قربانیاں مانگی گئیں؟ جہاں آج تک اسلامی قوانین کے نفاذ کے مطالبے کئے جارہے ہیں۔۔جہاں نہ اسلام محفوظ نہ مسلمان محفوظ۔۔۔مدارس کو دہشت گردی کے مراکز بتلایا جارہا ہے علماء کو دہشت گرد باور کرایا جارہا ہے۔۔۔حدود قوانین کا مذاق چوراہوں پر اڑا کر انہیں کالعدم کردیا جاتا ہے۔۔جہاں ناموس رسالت ﷺ کے قوانین کو ختم کرنے کے پلان بنائے جارہے ہیں۔۔جہاں نبی کریم ﷺ کی ختم نبوت جیسے مسئلہ کو حل کرنے کیلئے ۲۵ سال لگ گئے اور دس ہزار مسلمانوں نے قربانیاں دیں۔۔جہاں کسی مسلمان کی عزت و آبرو محفوظ نہیں۔۔بیت المال کو باپ کی جاگیر سمجھ کر لوٹا جارہا ہے۔۔جہاں ہر طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔۔جہاں ملک کو بلوچ پختون پنجابی سرائیکی اور نہ معلوم کس کس کے نام پر تقسیم کیا جارہا ہے۔۔۔جہاں کے صدر سے لیکر معمولی وزیر کو قرآن کی کوئی ایک سورت درست طریقے سے پڑھنے نہیں آتی۔۔۔کیا یہی وہ پاکستان ہے جس کیلئے یہ نعرہ لگایا گیا تھا کہ پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ؟

ڈیروی صاحب کو یہ گلہ ہے کہ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم لیگ کی حمایت کیوں نہ کی؟ اس کے ساتھ مل کر تحریک کیوں نہ چلائی؟ مگر کاش ڈیروی صاحب اعتراض سے پہلے ان عوامل پر بھی غور فرمالیتے جس کی وجہ سے مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو مسٹر جناح سے اپنے راستے جدا کرنے پڑے۔تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے فقیر وہ چند عوامل یہاں نقل کر رہا ہے جس کی وجہ سے مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ مسلم لیگ سے بیزار ہو گئے تھے:

(الف) ۱۹۳۶ء کے صوبائی الیکشن میں لیگ نے مختلف جماعتوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کی اور اس سلسلے میں جمعیت علمائے ہند سے بھی اتحاد کی درخواست کی جمعیت کے ذمہ دار اس شرط پر اتحاد کیلئے تیار ہو گئے کہ لیگ میں موجود انگریز پرست، رجعت پسند اور خوشامدی ٹولے کو نکالا جائے مسٹر جناح نے مکمل آمادگی کے ساتھ اس بات کا عہد کیا کہ الیکشن کے بعد وہ ایسے تمام لوگوں کو لیگ کی صفوں سے باہر کردیں گے اور اگر وہ ایسا نہ کرسکے تو وہ لیگ چھوڑ کر آزاد جماعتوں میں شامل ہو جائیں گے، مگر افسوس کہ مسٹر جناح نہ تو سرکار پرست ٹولے کو لیگ سے علیحدہ کر سکے نہ خود لیگ سے علیحدہ ہوئے۔چنانچہ خود مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''مسٹر جناح نے ۱۹۳۶ء کے الیکشن کیلئے جمعیت علماء ہند سے اتحاد و تعاون چاہا۔وہ زمانہ ولنگٹن کی حکومت کا تھا اور آزادی خواہ جماعتوں کی پر ہر قسم کی غیر قانونی جدوجہد پر سخت قسم کی قانونی پابندیاں عاید تھیں۔مسٹر جناح نے چند گھنٹے ہم سے گفتگو کی اور درخواست پر زور دیا اور کہا کہ میں ان رجعت پسندوں سے عاجز آگیا ہوں اور ان کو رفتہ رفتہ لیگ سے الگ کرکے آزاد خیال اور ترقی پسند لوگوں کی جماعت بنانا چاہتا ہوں، تم لوگ اس میں داخل ہو جاؤ۔ہم لوگوں نے عرض کیا: اگر آپ ان کو خارج نہ کرسکے تو کیا ہوگا؟ فرمایا: اگر میں ایسا نہ

کرسکا تو تم لوگوں میں آجاؤں گا اور لیگ چھوڑ دوں گا۔

(مکتوبات شیخ الاسلام)

(ب) مسلم یونٹی بورڈ میں جناح نے واشگاف الفاظ میں کہا تھا کہ ہر قسم کے مذہبی معاملات میں ہر فیصلہ جمعیت علمائے ہند کی رائے کے مطابق ہوگا بصورت دیگر میں لیگ چھوڑ دوں گا۔ مگر ایسا نہ ہوسکا۔ سید طفیل احمد صاحب لکھتے ہیں کہ؛

اس کے بعد (یعنی مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے بعد) جبکہ صوبوں کی اسمبلیوں کے انتخابات کا وقت آیا تو شروع ۱۹۳۶ء میں یونٹی بورڈ کے مجلس عاملہ نے دہلی میں ایک اجلاس منعقد کیا۔ اس میں مسٹر جناح کی طرف سے مسٹر عبدالمتین چوہدری نے کہا کہ بجائے یونٹی بورڈ کے مسلم لیگ کے نام سے الیکشن لڑا جائے اور اس پرانی جماعت کو مضبوط کیا جائے۔ دوسرے روز قرول باغ میں مولانا شوکت علی کے مسکن اس بارے میں مفصل مشورہ ہوا، جس میں یونٹی بورڈ، مسلم لیگ، جمعیت کے خاص خاص اراکین شامل تھے۔ اس میں بحث آئی کہ جو لوگ اپنا مسلک کامل آزادی میں رکھتے ہیں وہ مسلم لیگ کے ممبر کس طرح بن جائیں؟ اس پر مسٹر جناح نے کہا کہ جو لوگ آگے ہیں ان کا پیچھے والوں کے ساتھ شامل ہوجانا کوئی قابل اعتراض عمل نہیں ہے۔ ہم لوگ آپ کے پیچھے چلیں گے اس وقت حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا آپ ۱۹۲۰ میں بھی تو ہمارے ساتھ تھے اب اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آپ آئندہ بھی ہمارے ساتھ رہیں گے؟ اس پر مسٹر جناح نے کہا نہیں! میں اب ساتھ سے نہیں ہٹوں گا اسی سلسلے میں آپ نے فرمایا میں آزادخواہ طاقتوں کی حمایت کروں گا، خود غرض، سرکار پرستوں، اور سرکاری عنصر کو مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ میں نہ لوں گا۔۔۔ اور مذہبی معاملات میں ہر فیصلہ علماء ہند کی رائے کے مطابق کروں گا۔ اگر اس سے معذور رہا تو مسلم لیگ چھوڑ کر آزادی خواہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کروں گا۔ ان معاہدوں کے بعد قرار پایا کہ بجائے مسلم لیگ کے مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ الیکشن کی غرض سے قائم کیا جائے گا جس میں تمام مسلم جماعتیں شریک ہوں۔

(روح روشن مستقبل ص ۱۲۷،۱۲۸)

مگر افسوس کہ لیگ نے الیکشن کے بعد اپنے ان وعدوں سے ہمیشہ کی طرح انحراف کیا اور جماعت سے اس قسم کے لوگوں کو نہ نکالا تفصیل کیلئے، مکتوبات شیخ الاسلام: ج ا،ص ۳۶۱ کا مطالعہ فرمائیں۔

اس کے علاوہ جمعیت علماء ہند کی طرف سے اسمبلی میں جو شریعت۔ قاضی بل اور دیگر مختلف بل پیش کئے گئے لیگ نے ان کی سخت مخالفت کی۔

۱۹۳۵ء کے حکومتی ایکٹ کو ہندوستان کی تمام جماعتوں نے ناقص ایکٹ قرار دیا اور اس کے نفاذ کے دن مکمل ہڑتال کی مگر لیگ نے حکومتی ایماء پر اس ہڑتال کی مکمل مخالفت کی۔

اسی طرح لیگ نے جمعیت کے سامنے یہ مطالبہ بھی پیش کیا کہ اس کے جو ارکان کانگریس کے ممبر ہیں وہ کانگریس سے استعفیٰ دے کر مسلم لیگ میں شامل ہوجائیں اور اس کے فیصلوں پر عمل کریں، جس کے جواب میں جمعیت نے کہا کہ اگر جناح برطانیہ حکومت کے سامنے آزادی کامل کا مطالبہ رکھتی ہے اور حکومت کے منظور نہ کرنے کی صورت میں لیگ جارحانہ اقدام کا وعدہ کرتی ہے تو اس کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔ جس پر جناح نے ان دو شرائط پر عمل درآمد کرنے سے صاف انکار کردیا۔ (مدینہ، ۱۳ مارچ ۱۹۴۰)

یہ وہ چند عوامل تھے جس کی وجہ سے جمعیت لیگ کے ان مارآستینوں کو بار بار ڈسنے کا موقع نہیں دینا چاہتی تھی، جس کے جواب

میں لیگیوں نے دن رات جمعیت اور ان کی ہم نوا جماعتوں کے خلاف پروپگینڈا کا طوفان بدتمیزی کھڑا کر دیا۔
مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا اختلاف اگر لیگ سے تھا تو وہ صرف اور صرف اصول اور لیگ کے غیر مناسب اور غیر سنجیدہ رویے کی وجہ سے تھا چنانچہ لیگی رہنما چوہدری خلیق الزماں صاحب لکھتے ہیں کہ:

''باوجود ان اختلافات کے جمعیۃ العلماء ہند نے دین کے نام سے کبھی مسلم لیگ کی مخالفت نہیں کی''۔

(مودودیت ایک عذاب،ص ۴)

۱۹۱۶ء میں مسلم لیگ نے کانگریس کے ساتھ اس وقت میثاق لکھنو کا معاہدہ کیا جب مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ ابھی عملی سیاست میں پورے طور پر آئے بھی نہ تھے۔یہی میثاق مختلف انداز سے مسلم لیگ کا منشور رہا۔اس میثاق کے ذریعہ مسلم اکثریتی علاقوں میں کس طرح مسلمانوں کے حقوق کا خون کیا گیا؟ یہ تاریخ کے کسی بھی طالب علم سے مخفی نہیں۔یاد رہے کہ اس کمیٹی کی سربراہی ایک ہندو سر سریندر ناتھ نے کی تھی۔

(تاریخ مسلم لیگ:ص ۱۲۷،از مرزا اختر حسین)

(۴) ڈیروی صاحب کو شکوہ ہے کہ''کانگریسی مولویوں'' نے گاندھی کو لیڈر بنایا وہ یہاں اپنے ممدوح قائد کے بارے میں بھی کوئی تبصرہ کرنے کی جرات کریں گے؟،جو ایک ہندو کی صدارت میں معاہدے کرتے ہیں۔
انگریز کے اشارے سے پہلے مسٹر جناح پر تو''ایک قومی نظریے'' کا ایسا بھوت سوار تھا کہ اپنے ایک خطبہ صدارت میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ:

''ہندوستان ہی ہم سب کی پہلی اور آخری منزل ہے''۔(تاریخ مسلم لیگ،ص ۱۳۵)

ڈیروی صاحب کی جماعت کے مفتی اعظم ہند مولوی مصطفی رضا خان صاحب لکھتے ہیں کہ؛

''مسلم لیگ جہاں تک ہمیں معلوم ہے وہ اب چند روز ے کانگریس سے جدا ہوئی ہے جب کہ کانگریس اپنے نشہ کامیابی سے مخمور تھی اور اس نے نہایت بری طرح ان بعض افراد کے جنہوں نے مسلم لیگ نام رکھ لیا ہے بعض مطالبات کو ٹھکرا دیا اور ان کی ایک نہ سنی ذرا بھی التفات نہیں کیا۔اور گمان غالب ہے کہ جب کانگریس کا نشہ ہرن ہوگا اور وہ مسلم لیگ کے ان مطالبات کو مان لے گی تو مسلم لیگ پھر کانگریس میں منضم و مدغم ہو جائے گی آج یہ افراد جنہوں نے مسلم لیگ گویا ایک جماعت کا نام جو بھول بسر چکا تھا رکھ لیا ہے ان کی کہی کہہ رہے ہیں۔خیر اب بعد خرابی بسیار اب اگر آنکھیں کھلی ہیں مبارک ہو خدا کرے کھلی رہیں مگر جب کہ وہ ایک ایسی جماعت ہے جو غیر سنی ہی نہیں ایسے لوگوں پر مشتمل ہے جو نام اسلام ہی رکھتے ہیں تو اس کی رکنیت و شرکت کی تو شرعا اجازت نہیں ہو سکتی''۔

(فتاوی مصطفویہ:ص ۵۰۰)

آپ کے مولوی مصطفی رضا خان نے یہ فتوی ۱۹۳۷ء میں دیا،گویا ۳۷ء تک مسلم لیگ کانگریس کی حمایتی و معاون رہی،مگر نزلہ پھر بھی مولانا حسین احمد مدنی پر؟ ۳۷ء کے بعد یہ جدا ہوئی مگر کسی اصول یا دو قومی نظریہ کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنے مفادات کی وجہ سے اور جیسے ہی یہ مفادات کانگریس پورے کر دے گی مسٹر جناح پھر''کانگریسی'' ہو جائیں گے۔۔۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد انگریز مسلسل کمزور ہو رہا تھا۔اس نے محسوس کرلیا تھا کہ ہندوستان کی تمام قومیں متحد و متفق ہو چکی ہیں۔ انگریز نے آزادی کا مطالبہ کرنے والوں کو اول تو بدنام کرنا شروع کیا۔کانگریس کے خلاف تو یہ پروپگینڈا کیا کہ یہ مسلمانوں پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہی ہے اور جمعیت علمائے ہند کو ’’کانگریسی ملاوٴں‘‘ کا خطاب دیا گیا حتیٰ کہ آپ کے یہی مصطفی رضا خان تو یہاں تک کہتے ہوئے نہ شرمائے کہ ان ملاوٴں نے مسٹر گاندھی کو ’’نبی بالفعل‘‘ مان لیا ہے۔۔۔معاذ اللہ۔۔۔فالی اللہ المشتکی۔۔

مگر اس سب کے باوجود بھی جب ان آزادی پسندوں کے حوصلے پست نہ ہوئے تو انگریز نے اپنے پرانے اصول یعنی ’’تقسیم کرو اور حکومت کرو‘‘ کے تحت ہندوستان کی تقسیم کا منصوبہ بنایا اور مسٹر جناح نے اس پر عمل کرتے ہوئے اچانک ۱۹۴۰ میں ایک الگ مملکت کا مطالبہ کردیا۔

یہ بھی یاد رہے کہ آپ کے مفتی صاحب مسلم لیگ میں شمولیت کے حرام ہونے کے فتوے دے رہے ہیں، مگر آج ابن الوقتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہ معلوم کیوں فخر سے اس حرام کاری کا اقرار کرتے ہوئے آپ یہ تسلیم کررہے ہیں کہ آپ حضرات نے اس جماعت کا بڑھ چڑھ کر ساتھ دیا۔

ڈیروی صاحب نے رئیس احمد جعفری کے حوالے سے مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ الزام بھی لگایا کہ وہ مسٹر جناح کی بیوی کو ’’کافرہ بیوی‘‘ کہتے ہیں اس سلسلے میں عرض ہے کہ جعفری صاحب کوئی مستند آدمی نہیں ہیں۔

(۵) ڈیروی صاحب مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ پر اس وجہ سے بھی بہت سیخ پا ہیں کہ انہوں نے کانگریس کے ساتھ اتحاد کیوں کیا اور کیوں آزادی کی تحریک میں اپنے ساتھ ہندو کو ملایا، حالانکہ حضرت شیخ الاسلامؒ کا کانگریس کے ساتھ اتحاد صرف اسی بنیاد پر تھا کہ انگریز ایک بیرونی غاصب ہے جو ایک بے رحم لٹیرے کی طرح دن رات ہندوستان کو لوٹنے میں مصروف ہے یہ غاصب یہاں کی مذہبی، ثقافتی، تعلیمی، تمدنی، معدنی غرض ہر قسم کی دولت کو لوٹنے اور روایات کو پامال کرنے پر تلا ہوا ہے اس غاصب سے ہندوستان کو آزادی صرف اسی صورت میں مل سکتی ہے کہ ہندوستان کی تمام قومیں اپنی اپنی مذہبی حدود میں رہتے ہوئے آزادی کیلئے مشترکہ جدو جہد کریں چنانچہ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اشتراک کیلئے جو اصول وضع کیا تھا وہ یہ تھا:

’’ہاں یہ بات میں پہلے کہہ چکا ہوں اور آج پھر کہتا ہوں کہ ان اقوام کی باہمی مصالحت اور آشتی کو اگر آپ اور پائیدار، خوشگوار دیکھنا چاہتے ہیں تو اس کی حدود کو خوب اچھی طرح دل نشین کرلیجئے اور وہ حدود یہی ہیں کہ خدا کی باندھی ہوئی حدود میں ان سے کوئی رخنہ نہ پڑے، جس کی صورت بجز اس کے اور کچھ نہیں کہ اس صلح آشتی کی تقریب سے فریقین کے مذہبی امور سے کسی ادنیٰ امر کو بھی ہاتھ نہ لگایا جائے اور دنیوی معاملات میں ہرگز کوئی ایسا طریق اختیار نہ کیا جائے جس سے کسی ایک فریق کی ایذارسانی اور دل آزاری متصور ہو۔‘‘

اگر مولانا حسین احمد مدنی بقول آپ کے معاذ اللہ ہندو کے ایجنٹ تھے تو کیا وجہ ہے کہ جب بھی اس اصول کو توڑنے کی کوشش کی سب سے پہلے اس کی راہ میں رکاوٹ مولانا کی جماعت ہی بنی چنانچہ شدھی سنگٹھن کا مقابلہ کس نے کی؟ کانگریس نے جب دستوری فارمولا پیش کیا تو جمعیت علمائے ہند نے اس کے مقابلے میں اپنا دستوری فارمولا پیش کیا۔ذبیحہ گاوٴ کے خلاف جب ہندو کی طرف سے پارلیمنٹ میں بل پیش کیا جانے لگا تو سب سے پہلے جمعیت کے ناظم عمومی نے اس بل کو روکنے کی درخواست پیش کی، جبکہ اس زمانے میں آپ کے ممدوح لیڈر عوام کو یہ تلقین کررہے تھے کہ:

''بقر عید کے موقعہ پر بجائے گائے کے جہاں تک ممکن ہوسکے دوسرے جانور قربان کیئے جائیں''۔(تاریخ مسلم لیگ،ص ۱۷۶، کاروائی اجلاس دوازدہم لیگ بمقام امرتسر)

کتنی تعجب کی بات ہے کہ ایک قومی نظریے پر اعتراض کرنے والے آج خود پنجابی، پختون، ہزارہ، سرائیکی، بلوچی، سندھی کی تقسیم میں بٹے ہوئے ہیں، جہاں شناختی کارڈ سے لیکر پاسپورٹ تک تمام سرکاری وغیر سرکاری کاغذات پر''پاکستانی''لکھ کر اپنی پہچان کروائی جاتی ہے۔میں ڈیروی صاحب سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ کی نظر میں حضرت شیخ الاسلامؒ اس وجہ سے مطعون ہیں کہ انہوں نے ہندو کے ساتھ اتحاد کیا، جبکہ دوسری طرف آپ کے ممدوح قائد شاہ احمد نورانی صاحب کبھی نظام مصطفی تحریک، تو کبھی ختم نبوت تحریک، تو کبھی متحدہ مجلس عمل کی صورت میں اور حال ہی میں آپ کی جماعت کے صاحبزادہ ابوالخیر زبیر نے ناموس رسالت محاذ کی صورت میں ایسے لوگوں سے اتحاد کیا جو آپ کے ممدوح احمد رضاخان کے نزدیک نہ صرف معاذ اللہ مرتد ہیں بلکہ ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے بھی انہی کی طرح مرتد ہیں ڈیروی صاحب! کیا وجہ ہے کہ اگر مختلف ملکی معاملات پر ان سے اتحاد ہوسکتا ہے اور یہ اتحاد بقول آپ لوگوں کے آپ کے قائدین کی سیاسی بصیرت کی دلیل بن جائے کہ انہوں نے مختلف مسالک کو کسی ایک مسئلہ کیلئے ایک پلیٹ فارم پر جمع کرلیا تو ایک ملک کی آزادی کیلئے اس ملک کی قوموں کے ساتھ اتحاد کرنا سیاسی بصیرت اور دوراندیشی کی دلیل کیوں نہیں بن سکتا؟ کیا صرف اس لئے کہ اس اتحاد کو تشکیل دینے والے نے''الشہاب الثاقب''لکھنے کا جرم کیا تھا؟ جس نے آپ کے ممدوح کے رچائے ہوئے ڈرامے کو طشت از بام کردیا تھا جواب دیجئے ڈیروی صاحب!۔۔جواب دیجئے۔۔۔!!!

ڈیروی صاحب نے تاریخ کو مسخ کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ دوقومی نظریے کے بانی مولوی مختار المعروف مولوی احمد رضاخان صاحب تھے اور انہی کے اس نظریہ کو بعد میں مسٹر جناح نے اپناتے ہوئے پاکستان کا مطالبہ کیا حالانکہ یہ تاریخ کا بدترین جھوٹ ہے۔اس لئے کہ خود مولوی احمد رضاخان صاحب''کانگریس''میں شمولیت کا فتوی دے چکے تھے۔چنانچہ مولوی عبد العزیز لدھیانوی نے کانگریس کی حمایت میں جو پانچ سو علماء سے فتاوی جات کو''نصرۃ الابرار''کے نام سے شائع کیا اس پر احمد رضاخان کا تفصیلی فتوی کانگریس کی حمایت کا موجود ہے جس میں سوال نمبر سوم یہ ہے:

''جماعت قومی مسمی نیشنل کانگریس جو ہندو وغیرہ سکنائے ہند کے واسطے رفع تکالیف وجلب منافع دنیاوی چندسال سے قائم ہوئی ہے اون کا اصل اصول یہ ہے کہ بحث اونہیں امور میں جو کل جماعتہائے ہند پر ہوں اور ایسے امر کی بحث سے گریز کیا جائے جو کسی ملت و مذہب کو مضر ہو۔۔ایسی جماعت میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں؟''(نصرۃ الابرار:ص ۱۳)

اس کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

''جب معاملات دنیاوی میں شریک ہونا ہندو سے بموجب آیت اور حدیث مذکورہ جواب دوم درست ہوا تو اس مجلس میں شریک ہونا کیونکر منع ہو''۔(نصرۃ الابرار:ص ۱۴)

اگر ڈیروی صاحب کی لائبریری میں یہ فتوی موجود نہ ہو تو وہ ہم سے طلب کرسکتے ہیں، دوسروں کو طعنہ دینے والے ڈیروی صاحب کو عبرت حاصل کرنی چاہئے کہ یہاں تو ان کے اپنے قائد''کانگریسی''نکل آئے۔اس فتوے کے متعلق دور حاضر کے مورخ فاروق قریشی صاحب تحریر کرتے ہیں:

’’مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کا جنگ آزادی میں کردار سب کو معلوم ہے انہیں انگریز دشمنی وراثت میں ملی تھی ان کا تعلق علماء لدھیانہ کے اس خانوادے کے ساتھ ہے جس میں کئی کئی پشتیں برطانوی سامراج کے خلاف نبرد آزما رہیں ۱۸۵۷ء کے معرکہ میں اس خاندان کے مولانا عبد القادر لدھیانوی لشکر لے کر بہادر شاہ ظفر کی مدد کو دہلی پہنچے تھے، برطانوی سامراج کے ہندوستانی فرزندوں نے کانگریس میں مسلمانوں کی شمولیت کو از روئے اسلام ناجائز قراد دیا تو علی محمد بھیم جی کے استفسار پر ہندوستان بھر کے پانچ صد علماء حق نے کانگریس میں شمولیت کو از روئے اسلام جائز ٹھرایا تھا یہ فتوی بعد میں نصرۃ الابرار کے نام سے ایک کتابچہ کے نام سے طبع ہوا تھا اس کی ترتیب وتدوین کا کام علماء لدھیانہ کے مولانا شاہ محمد لدھیانوی اور مولانا شاہ عبد العزیز لدھیانوی نے کیا تھا آپ رشتہ میں مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی کے دادا تھے اس فتوی پر مولانا احمد رضا خان بریلوی کے علاوہ حضرت عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ کے خادم اور مسجد نبوی کے امام کے دستخط بھی ثبت ہیں اس فتوی کو کانگریس کی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے تمام مورخین نے اس کا ذکر کیا ہے ہندوستان کے صدر جمہوریہ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے اپنی تصنیف ہندوستان کی سیاسی تاریخ اور ہندوستان کا مستقبل میں اسے بطور خاص شامل کیا ہے‘‘۔

(روز نامہ جنگ لاہور ستمبر ۱۹۸۵ء مضمون تحریک آزادی میں مسلمانوں کا کردار اور بھارت کی احسان ناشناسی)

اسی طرح ’’مولوی احمد رضا خان کانگریسی‘‘ نے ۱۹۲۰ء یعنی اپنی وفات سے صرف ایک سال پہلے ہندو کے متعلق جو فتوی جاری کیا اس میں بھی ہنود کے متعلق یہی نظریہ اپنایا کہ:

لهم مالنا وعليهم ما علينا

ان کیلئے ہے جو ہمارے لئے اور ان پر ہے جو ہم پر ہے

(رسائل رضویہ، ج ا ص ۸۱)

تو پھر کیسے یقین کر لیا جائے کہ ’’مولوی احمد رضا خان کانگریسی‘‘ دوقومی نظریہ کے بانی تھے؟ حقیقت یہ ہے کہ ’’احمد رضا خان کانگریسی‘‘ کی وفات کے ’’پچاس سال‘‘ تک کسی سوانح نگار کے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہ آئی کہ ہمارے اعلی حضرت تو دوقومی نظریہ کے بانی اور آزادی کے رہنما تھے ۱۹۷۱ میں پہلی بار پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد بریلوی نے ’’فاضل بریلوی اور ترک موالات‘‘ نامی کتاب میں اس بات کا انکشاف کیا کہ دوقومی نظریہ کے اصل بانی تو رضا خان صاحب ہی تھے اور اس وقت سے لیکر آج تک بنا کسی تاریخ شہادت کے بریلوی سوانح نگار یہی راگ الاپ رہے ہیں ڈیروی صاحب نے بھی اسی کتاب کی لکیریں پیٹی ہیں۔

ہم ڈیروی صاحب سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ کسی مستند تاریخی شہادت سے یہ بات ثابت کریں کہ مسٹر جناح نے اپنی کسی تقریر میں آپ کے فاضل بریلوی کے اس فتوے کا حوالہ دیا ہو جس کی طرف آپ اشارہ کر رہے ہیں اور کہا ہو کہ میں نے دوقومی نظریہ کا عقیدہ اس فتوے کو پڑھ کر اپنایا ہے۔ کسی ایک مستند تاریخی شہادت سے اس بات کا ثبوت دیں کہ مسلم لیگ نے کبھی اپنے منشور میں اس فتوے کو شامل کیا ہو، جس کی بنیاد پر آپ کی جماعت پچھلے چالیس سال سے یہ جھوٹ بول رہی ہے کہ دوقومی نظریہ کے بانی احمد رضا خان صاحب تھے۔

(۷) ڈیروی صاحب نے مولا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ سنگین الزام بھی لگایا کہ وہ معاذ اللہ سیکولر ذہن کے آدمی تھے اسی لئے تو ہندو سے اتحاد کیا تھا۔

معاذ اللہ ہمیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ڈیروی صاحب یہ مضمون لکھتے ہوئے خدا خوفی سے بالکل بے پروا ہو چکے تھے۔ انہوں نے

قلم اٹھاتے وقت قسم کھالی تھی کہ اتنا جھوٹ بولو اتنا جھوٹ بولو کہ سچ لگنے لگے۔اتنا سنگین الزام تو آج تک مدنی صاحب کے بڑے سے بڑے دشمن کو بھی لگانے کی جرات نہ ہوئی ڈیروی صاحب خدا کا خوف کریں ایک دن مرنا ہے، اللہ کے حضور ان کذب بیانیوں کا جواب دینا ہے۔ کاش ڈیروی صاحب اتنا بڑا الزام لگا کر اپنی آخرت برباد کرنے سے پہلے ایک دفعہ جمعیت علمائے ہند کے اغراض ومقاصد پر ہی ایک نظر ڈال لیتے جو یہ ہیں۔

جمعیت علمائے ہند کے اغراض ع مقاصد پر ایک نظر ڈالئے:

الف: اسلام،مرکز اسلام(حجاز)جزیرۃ العرب اور شعائر اسلام کی حفاظت،اور اسلامی قومیت کو نقصان پہنچانے والے اثرات کی مدافعت۔

ب: مسلمانوں کے مذہبی اور وطنی ضروریات کی تحصیل وحفاظت۔

ج: علماء کو ایک مرکز پر جمع کرنا۔

د: ملت اسلامی کی شرعی تنظیم اور محاکم شرعیہ کا قیام۔

ہ: شرعی نصب العین کے موافق قوم اور ملک کی کامل آزادی۔

و: مسلمانوں کی مذہبی،تعلیمی،اخلاقی،معاشرتی،اقتصادی اصلاح اور اندرون ملک حسب استطاعت اسلامی تبلیغ واشاعت۔

ز: ممالک اسلامیہ اور دیگر ممالک کے مسلمانوں سے اسلامی اخوت واتحاد کے روابط کا قیام واستحکام۔

ح: شرعی حدود کے مطابق غیر مسلم برادران وطن کے ساتھ ہمدردی اور اتفاق کے تعلقات کا قیام۔

(جمعیت علماء کیا ہے؟صفحہ ۱۳تا۱۴)

جناب زین العابدین ڈیروی صاحب بتائیں کہ اس کے اغراض ومقاصد میں کونسی بات غیر شرعی ہے؟ آپ کو کونسی بات ایسی لگی جس سے آپ نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ معاذ اللہ مولانا سید حسین احمد مدنی سیکولر ذہن کے مالک تھے؟

دوسروں پر الزام لگانے سے پہلے ذرا اپنے قائد شاہ احمد نورانی کا گریبان پکڑیں جو اپنے کارکنان کو یہ تلقین کرتے ہیں کہ:

''جمعیت علماء پاکستان کے کارکنان سیکولرازم کو کندھا دیں گے''۔

(امام شاہ احمد نورانی ص۱۱۹ز علامہ مہر محمد خان)

آپ کو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اس لئے سیکولر نظر آتے ہیں کہ انہوں نے آپ کے قائد شاہ نورانی کی طرح روس کی ایجنٹی کرکے کمیونسٹوں کی حمایت نہیں کی؟؟

(ملاحظہ ہو روزنامہ جنگ ۳۰ ستمبر ۱۹۸۷ایڈیشن ۲ فضل کریم صاحب کا بیان)۔

ڈیروی صاحب نے یہ بھی الزام لگایا کہ مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ علامہ اقبالؒ کے بھی دشمن تھے اس لئے کہ انہوں نے اپنی شاعری سے لوگوں کو کانگریس سے برگشتہ کرا کر مسلم لیگ میں شامل کرالیا اور دوقومی نظریہ کے زبردست حامیوں میں سے تھے۔

حالانکہ ڈیروی صاحب کے علم میں ہونا چاہیئے کہ یہ وہی علامہ اقبال ہیں جو مسٹر گاندھی کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہیں:

گاندھی جی سے ایک روز یہ کہتے تھے مالوی ‏ ‏ ‏ کمزور کی کمند ہے دنیا میں نارسا
نازک یہ سلطنت صفت برگِ گل نہیں ‏ ‏ ‏ لے جائے گلستان سے اڑا کر جسے صبا

گاڑھا ادھر ہے زیب بدن اور ادھر زرہ
صرصر کی رہ گزار میں کیا عرض تو تیا
پس کر ملے گا گر درہ روزگار میں
دانہ جو آسیا سے ہوا قوت آزما
بولا بات سن کہ کمالِ وقار سے
وہ مرد پختہ کار وحق اندیش و باصفا
خارا حریف سعی ضعیفاں نمی شود
صدکو چہ ایست در بن دنداں خلا را

(ذکر اقبال:ص ۱۱۲)

پروفیسر حامد حسن علی گڑھ یونیورسٹی نے ۱۵/اکتوبر ۱۹۸۴ روزنامہ جنگ لندن میں اپنے مضمون ''اقبال پاکستان کے مخالف تھے'' میں اقبال کے تین چار خط شائع کیئے جس میں واضح طور پر یہ بات ہے کہ اقبال کے نزدیک مسلمانوں کا علیحدہ سلطنت کا مطالبہ بے ہودہ ہے اور محمد علی جناح کی مسلم لیگ غلطی پر ہے۔

پھر یہی وہ علامہ اقبال ہیں جو مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ:

''مولانا حسین احمد مدنیؒ کی حمیت دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں''۔

(اقبال کا ذہنی ارتقاء،ص ۲۰۵)

مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ پر اس حوالے سے دشنام طرازیاں کرنے سے پہلے اپنے گھر کی خبر لے لیتے جہاں آپ کی جماعت کے مولوی دیدار علی شاہ نے اقبال کی معروف نظم شکوہ جواب شکوہ پر یہ فتوی لگایا:

''جب تک ان کفریات کے قائل (علامہ اقبال) توبہ نہ کرے اس سے ملنا جلنا تمام مسلمان ترک کردیں ورنہ سخت گناہ گار ہونگے''۔

(ذکر اقبال:ص ۱۲۹،سرگزشت اقبال:ص ۱۶۱)

اسی طرح مولوی طیب داناپوری بریلوی نے بھی اپنی بدنام زمانہ کتاب ''تجانب اہلسنت''، ص ۲۳۴،سے لیکر ۲۴۳ تک علامہ اقبال پر کفر کے فتووں کی بھرمار کی ہے۔ماضی قریب میں آپ کے مسلک کے حکیم الامت مفتی احمد یار گجراتی کے جانشین مفتی اقتدار خان نعیمی نے علامہ اقبال کے خلاف ایک رسالہ''تنقیدات اقتدار برنظریات اقبال'' کے نام سے لکھا اس میں سے چند فتوے ملاحظہ ہوں:

(۱) اقبال اللہ اور نبیوں کا گستاخ ہے (ص ۱۴۔ ۲۲،۲۳،۵۲،۵۸)

(۲) اقبال نے ساری عمر انگریز نوازی کی (ص ۱۶)

(۳) اقبال کو پڑھ کر غیر مسلم کے ذہن میں اسلام اور مسلمان کا جو حلیہ ابھرتا ہے اس کا خمیازہ سب اچھے برے مسلمانوں کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔(ص ۲۷)

(۴) علامہ اقبال صوفیاء کا دشمن ہے (ص ۳۹)

(۵) اقبال ہندو کو کافر نہیں سمجھتا اقبال تفضیلی شیعہ بھی ہے (ص ۵۴)

(۶) اقبال مسلمانوں کو مسجدوں سے ہٹا کر مندروں کی طرف لیجانے چاہتے ہیں (ص ۶۲)

یہاں ہم نے صرف چند فتوے نقل کیئے ہیں یہ رسالہ آج بھی لاہور کے نعیمی کتب خانے سے دستیاب ہے۔غور فرمائیں جب پاکستان بننے کے بعد اقبال کے بارے میں بریلوی قوم کا یہ تصور ہے تو پاکستان کے وجود میں آنے سے پہلے ان لوگوں نے کیا کیا گل

کھلائے ہونگے!!!!

ڈیروی صاحب نے یہ بھی گلہ کیا کہ ہم پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ ہم نے تحریک پاکستان میں کوئی کردارادا نہیں کیا۔حالانکہ یہ محض الزام نہیں حقیقت ہے۔ہم نے ماقبل میں کئی فتوے باحوالہ نقل کر دیئے کہ آپ کے اکابر نے مسلم لیگ میں شمولیت حرام ہے کہ فتوے دیئے اور مسٹر جناح کو مرتد اور اس کی جماعت کو مرتدین کی جماعت کہا۔مزید حوالے بھی ملاحظہ فرمالیں۔تقسیم ہند کے حوالے سے ایک سوال آپ کے رضاخان صاحب کے پاس بھی آیا تھا اس کا جواب وہ دیتے ہیں کہ:

''کیا گورنمنٹ تنہا تمہیں ملک دے دیگی کہ اس میں خالص احکام اسلامی جاری کرو یہ تو ممکن نہیں نہ تنہا اون کو ملے۔پھر شرکت رکھو گے یا ملک بانٹ لو گے ایک حصہ میں تم اسلام احکام جاری کرو ایک میں وہ مذہبی احکام جو تمہاری شریعت کی رو سے احکام کفر ہیں۔برتقدیر ثانی ظاہر ہے کہ ہندوستان کا کوئی شہر اسلامی آبادی سے خالی نہیں تو اون لاکھوں مسلمانوں پر اپنی شریعت مطہرہ کے خلاف احکام تم نے اپنی کوشش سے جاری کرائے اور اس کے تم ذمہ دار ہو''۔

(فتاوی رضویہ:ج۱۰،ص۱۵۶)

غور فرمائیں ڈیروی صاحب!کس پرزور طریقے سے تقسیم ہند کی مخالف ہو رہی ہے کہ اس طرح تو ایک حصہ پر اسلامی نظام اور ایک حصہ پر جو ہندوستان کہلائے گا کفر کے احکام تمہاری مرضی و رضا سے جاری ہو جائیں گے، جو خود کفر ہے،اس لئے تقسیم کسی صورت جائز نہیں ہو سکتی۔۔۔۔

رضاخان صاحب کے خلیفہ مولوی نعیم الدین مرادآبادی کہتے ہیں کہ:

''چند فاش غلطیاں بھی کیں جن کی بناء پر بقول مولانا حسرت موہانی مرحوم ''لنگڑا پاکستان'' بنا''۔

(حیات صدرالافاضل:ص۱۹۲)

مفتی وقارالدین بریلوی لکھتے ہیں کہ:

''سنّی علماء میں سے کوئی بھی مسلم لیگ کا ممبر نہیں بنا اور نہ محمد علی جناح کی قیادت کو قبول کیا''۔

(وقارالفتاوی:ج۱،ص۸)

ڈیروی صاحب کے پاس تحریک پاکستان میں شمولیت کے حوالے سے کوئی ریکارڈ ہے تو وہ ۱۹۴۵ کی سنی کانفرنس ہے اسی کانفرنس کی کاروائی کو لیکر مختلف بریلوی مورخین عوام کو یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ دیکھو!ہم نے بھی تحریک پاکستان میں حصہ لیا حالانکہ اس کانفرنس کی حالت خود بریلویوں ہی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

''حضرت قبلہ عالم (پیر جماعت علی شاہ۔۔از ناقل) حق گوئی میں بغایت بے باک تھے اجلاس سے قبل بنارس پہنچنے سے پہلے کئی مخلص عقیدتمند خدمت والا میں عرض کر چکے تھے کہ اس اجلاس میں مسلم لیگ اور مطالبہ پاکستان کی حمایت میں کچھ کہنے سے اجتناب کیجئے اس لئے کہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ آپ نے ایسا کیا تو تو جلسے میں سخت ہنگامہ ہوگا۔چنانچہ شرکائے جلسہ میں سے کئی علماء نے آپ کی مخالفت میں تقریریں کیں۔جلسے کو درہم برہم کرنے کیلئے شور وغوغا مچا۔جناح صاحب پر کفر کے فتوؤں کا اعلان ہوا''۔(سیرت امیر ملت:ص۴۷۵)

قارئین کرام ہم نے یہاں انتہائی اختصار کے ساتھ ڈیروی صاحب کے مضمون کا جواب دیا ہے ہماری ڈیروی صاحب سے بھی

گزارش ہوگی کہ تحریک پاکستان کے حوالے سے اصل حقائق کو ابھی صدیاں نہیں گزریں کہ وہ یہ سمجھیں کہ سارا ریکارڈ احمد رضا خان صاحب کی کتابوں کی طرح کیڑوں کی خوارک ہو چکا ہے اور اب آپ اور آپ کی جماعت جو کہے گی وہی مانا جائے گا۔اس لئے اب بھی بہتری اسی میں ہے کہ ان حقائق کو یہی رہنے دیں۔آپ نہ اس قسم کا مضمون لکھتے اور نہ یوں آپ کی پردہ دری ہوتی ۔۔۔ڈیری صاحب کو اعتراضات کرنے سے پہلے آئینہ دیکھ لینا چاہیے تھا۔بہرحال اگر ڈیروی صاحب نے ہمارے اس جوابی مضمون کے جواب میں بھی پھر کوئی پرفریب مضمون لکھنے کی غلطی کی تو انشاءاللہ ہم اسی طرح جواب کا حق محفوظ رکھتے ہیں کہ

یار زندہ صحبت باقی

☆☆☆☆

اعتراضات کا جائزہ

(اعتراض ۱۷۸): جسٹس منیر تحقیقاتی رپورٹ

معترض نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۴۸، ۱۴۹، پر جسٹس منیر انکوائری رپورٹ کے حوالے پیش کئے۔ لہذا ہم ان تمام ہی اعتراضات کا ایک ہی اصول جواب دے رہے ہیں۔

اولا ہماری نظر میں اس رپورٹ کی کوئی حیثیت نہیں جسٹس منیر ایک مرزائی نواز اور علماء بے زار قسم کا جج تھا۔ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ میں جب ناظم الدین صاحب نے مارشل لاء لگا کر مرزائیوں کو کافر کہنے والے دس ہزار مسلمانوں کا خون سڑکوں پر بہادیا تو اس ظالم حکومت کے جج اور اس کی تحقیقاتی رپورٹ پیش کرتے ہوئے شرم آنی چاہئے۔

تحقیقاتی رپورٹ کمیشن کا سربراہ جسٹس منیر پاکستان کو سیکولر بنانا چاہتا تھا

ملک کے معروف صحافی محترم اوریا مقبول جان اس رپورٹ کے متعلق لکھتے ہیں:

''جوڈیشل کمیشن بنانے کا آغاز 1953ء میں ہوا جب یکم فروری کو پنجاب اور خصوصاً لاہور میں قادیانیوں کے خلاف تحریک کا آغاز ہوا جو دیکھتے ہی دیکھتے شہروں، قصبوں اور گلیوں محلوں میں پھیل گئی۔ تشدد اور انتظامی ناکامی نے مارشل لاء کو راہ دکھائی اور بالآخر 19 جون 1953ء کو چیف جسٹس پاکستان جسٹس منیر کی سربراہی میں ایک عدالتی کمیشن بنا جس نے یکم جولائی 1953ء سے 23 جنوری 1954ء تک سماعت کی اور دس اپریل کو اس کی رپورٹ جاری کر دی گئی۔ یہ واحد رپورٹ ہے جو انگریزی، اردو اور بنگالی میں شایع ہوئی اور اس قدر کثیر تعداد میں شایع ہوئی کہ آج بھی فٹ پاتھ پر موجود کباڑیوں کے پاس مل جاتی ہے۔ اس رپورٹ اور اس کمیشن کا بظاہر مقصد لوگوں کی توجہ اصل معاملے سے ہٹا کر انہیں اسلام اور تصور پاکستان کے بارے میں مشکوک کرنا تھا۔ مدتوں اس رپورٹ کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا، صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ پاکستان تو ایک سیکولر بنیادوں پر تیار ہوا ملک تھا اور قائد اعظم کا تصور بھی ایسا تھا۔

لوگ کمیشن سے یہ توقع نہیں رکھتے تھے کہ وہ اس سطح پر اپنی رپورٹ میں مبالغہ شامل کریں گے اور دانستہ طور پر مواد کو اپنے حق میں بدلیں گے''۔

(کالم جوڈیشل کمیشن کی کہانی، ہفت روزہ ضرب مومن)

http//:www.zarbemomin.com.pk

/index.php/oriya-maqbool-jaan/675-judicial-commission-ki-kahani

جبکہ جسٹس منیر پاکستان میں بدنام زمانہ نظریہ ''نظریہ ضرورت'' کے موجد بھی ہیں۔ جسٹس منیر کی دیانت کا اندازہ معروف کالم نگار ڈاکٹر صفدر محمود کے ان الفاظ سے لگالیں:

''سیکولر کا لفظ کبھی قائد اعظمؒ کے منہ سے نہیں نکلا۔ کچھ روشن خیال قائد اعظمؒ پر سیکولرازم کا غلاف چڑھانے کے لئے جسٹس منیر کی کتاب ''جناح ٹو ضیا'' کا حوالہ دیتے ہیں۔ ان کی خدمت میں عرض ہے کہ کاؤس جی، پرویز ہود بھائی اور دوسرے سیکولر دانشور اس کتاب

سے جن الفاظ کا حوالہ دیتے ہیں وہ الفاظ جسٹس منیر نے قائداعظمؒ کے منہ میں ڈالے ہیں اور برطانوی نژاد سلینہ کریم اپنی کتاب "سیکولر جناح" میں تحقیق سے ثابت کر چکی ہے کہ وہ الفاظ قائداعظمؒ کے نہیں ان کی انگریزی گرائمر بھی غلط ہے اور الفاظ بھی جسٹس منیر کے ہیں''۔

(روزنامہ جنگ، کالم نظریہ پاکستان کے منکر ۱۹ اپریل ۲۰۱۳)

اسی جسٹس منیر کی بدمذہبی کا ایک اور ثبوت ملاحظہ ہو:

پروفیسر خورشید احمد صاحب لکھتے ہیں:

''جنرل ایوب خان نے ۱۹۶۲ کے دستور میں پاکستان کے نام کے ساتھ ''اسلامی'' کا لفظ نکالا اور قرارداد پاکستان میں بھی ترمیم کر ڈالی تھی، لیکن انہی کے نظام کے تحت وجود میں آنے والی اسمبلی نے ایوب خان اور ان کے وزیر قانون ریٹائرڈ جسٹس منیر کی ساری تگ و دو کے باوجود اسلام کو بحیثیت ''پاکستان آئیڈیالوجی'' کتابِ قانون پر رقم کیا۔ اس کے حق میں خود ذوالفقار علی بھٹو نے زوردار تقریر کی۔ اس بحث کے دوران میں سب سے برا حال جسٹس منیر کا تھا، جنہوں نے پہلے مخالفت کی اور پھر کہا کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں، اسمبلی یہ اضافہ کرلے، مگر ان کی بددیانتی کا حال یہ رہا کہ خود یہ سب بھگتنے کے باوجود اپنی کتاب From Jinnah to Zia میں وہی رٹ لگائی کہ ''پاکستان آئیڈیالوجی'' کی اصطلاح جنرل ضیاء الحق کی اختراع تھی۔ علمی بددیانتی اور حقائق کو مسخ کرنا اس طبقے کا شیوہ ہے''۔

(ترجمان القرآن، نصیحت اور انتباہ اپریل ۲۰۱۶)

یہاں محترم حسین خان صاحب کا جسٹس منیر کے حوالے سے ایک کالم کا کچھ حصہ نقل کرنا فائدہ سے خالی نہ ہوگا ان کا یہ کالم روزنامہ جسارت میں تین حصوں میں شائع ہو چکا ہے:

''پاکستان کی اصل آئیڈیالوجی کے خلاف لادینیت کی مہم کا آغاز جسٹس منیر نے کیا تھا۔ اُنہوں نے بانی پاکستان قائدِاعظم محمد علی جناح ہی کو سیکولر یعنی لادین ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان کی کتاب From Jinnah to Zia 1979 میں شائع ہوئی تھی جس میں انہوں نے یہ انکشاف فرمایا تھا قائداعظم ایک لادین آدمی تھے۔ اس انکشاف کی بنیاد انہوں نے قائداعظم کے نام سے ایک جھوٹے حوالہ پر رکھی تھی۔ اس کتاب کی اشاعت کے بعد 25 سال تک سارے سیکولر دانشور اور صحافی اس کو سچ سمجھ کر اسی حوالہ کو جسٹس منیر کے نام سے پیش کرتے رہے۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ سب سے مشہور کتاب رہی۔ سارے لکھاری اسی کتاب کے حوالہ سے اپنے لادینی تصورِ پاکستان کو پیش کرتے رہے۔ 2005ء میں لندن سے ایک کتاب شائع ہوئی جس میں جسٹس منیر کے جھوٹے حوالہ کا پول کھولا گیا، ورنہ 25 سال تک سیکولر دانشور اس جھوٹ کو سچ کے طور پر پیش کرتے رہے۔ لندن سے "Secular Jinnah" کے نام سے 2005ء میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں اس جھوٹ کا پول کھولنے والی مصنفہ سلینہ کریم کا کہنا ہے کہ جسٹس منیر نے قائداعظم کے حوالہ سے یہ بتایا کہ قائداعظم نے پاکستان کے بارے میں یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ یہ ایک "جدید جمہوری مملکت" ہوگی جس میں "حاکمیت کا انحصار عوام کے ہاتھوں میں" ہوگا۔ مصنفہ کا کہنا ہے کہ اگر واقعی قائداعظم نے اپنے تصورِ پاکستان کو ان الفاظ میں پیش کیا ہوتو یقیناً اس کا مطلب ایک سیکولر یا لادین پاکستان ہوگا۔ مصنفہ نے اپنی تحقیق سے بتایا کہ قائداعظم نے یہ الفاظ کبھی نہیں استعمال کیے۔ جسٹس منیر نے جو حوالہ دیا ہے اس میں کہیں بھی یہ الفاظ نہیں ہیں، جسٹس منیر نے خود ہی اپنی طرف سے یہ الفاظ گھڑ کر قائداعظم کے نام سے پیش کر کے دنیا کو دھوکا دیا ہے۔ مصنفہ نے اس جھوٹ کو

کیسے پکڑا جسے 25 سال سے پاکستان کے سارے دانشور سچ سمجھتے چلے آرہے تھے، یہ ایک دلچسپ داستان ہے۔ جسٹس منیر کی کتاب میں قائداعظم کے نام سے یہ الفاظ دیکھ کر مصنفہ پریشان ہوگئیں کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ قائداعظم ایسی دوغلی باتیں کریں۔ کیونکہ مصنفہ کے سامنے قائداعظم کا یہ بیان بھی تھا جو انہوں نے ریاست ہائے متحدہ امریکا کے لوگوں کے لیے فروری 1948ء میں ریڈیو پر نشر کیا تھا: "مجھے یقین ہے کہ پاکستان کا دستور جمہوری طرز کا ہوگا، جو اسلام کے بنیادی اُصولوں پر مبنی ہوگا...اسلام اور اس کی اُصول پسندی نے ہمیں جمہوریت کا سبق دیا ہے۔ اسلام نے ہمیں تمام انسانوں کے ساتھ مساوات، انصاف اور ہر ایک کے ساتھ حُسنِ سلوک کا درس دیا ہے۔" یہ اور اس طرح کے کئی اور بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ قائداعظم پاکستان کو ایک لادینی یا سیکولر ریاست نہیں بلکہ اسلامی ریاست بنانا چاہتے تھے۔ اور اسلامی ریاست میں جمہور نہیں بلکہ حاکمیت کا انحصار اللہ پر یعنی اللہ کی دی ہوئی شریعت پر ہوتا ہے جسے کوئی عوامی یا جمہوری طاقت تبدیل نہیں کرسکتی۔ یہ تصور "عوام کی حاکمیت والی جدید جمہوری حکومت" سے مختلف ہے۔ اس لیے مصنفہ کو شبہ ہوا کہ جسٹس منیر کے حوالے میں ضرور کہیں غلطی ہے۔ مصنفہ نے جسٹس منیر کے حوالے کو بار بار خوب غور سے پڑھا تو اُنہیں اس میں انگریزی زبان کی بھی ایک غلطی نظر آئی۔ بظاہر غلطی معمولی تھی کہ جسٹس منیر کو جہاں لفظ will استعمال کرنا تھا، وہاں انہوں نے would استعمال کیا تھا۔ مصنفہ کو یقین تھا کہ قائداعظم انگریزی زبان کی کبھی ایسی غلطی نہیں کرسکتے۔ جسٹس منیر نے قائداعظم کے نام سے جو جھوٹا حوالہ دیا تھا، اس کے الفاظ یہ تھے:

The new state would be a modern democratic state with soveregnity resting in the people and the members of the new nation having equal rights of citizenship regardles of religion caste or creed,(Munir 1980,p.29 ,Empasis added by Munir)

جسٹس منیر کی کتاب کا ذکر کئے بغیر ڈان کے کالم نگار اردشیر کاؤس جی نے 2000ء میں اپنے ایک کالم ※※Back to Jinnah※※ میں بھی قائداعظم کے تصور پاکستان کو لادینیت پر مبنی قرار دینے کی کوشش میں اسی مذکورہ بالا جملے کا حوالہ دیا تھا۔ مصنفہ نے جب ان سے ایک ای میل کے ذریعے پوچھا کہ اس جملے کا اصلی متن کہاں مل سکتا ہی؟ تو انہوں نے گول مول جواب دیا کہ انہوں نے کہیں یہ پڑھا تھا لیکن انہیں یاد نہیں رہا کہ کہاں؟ لیکن کاؤس جی نے مذکورہ بالا جملے کی انگریزی صحیح کرکے اپنے کالم میں اسے پیش کیا تھا۔ انہوں نے جسٹس منیر کی غلط انگریزی کو صحیح کرکے اپنے کالم میں would کی جگہ will کا لفظ استعمال کیا تھا۔ شاید وہ اسی لیے جسٹس منیر کا نام لینے سے پرہیز کررہے تھے کہ انہوں نے جسٹس منیر کے اصلی حوالے میں اپنی طرف سے ایک لفظ کی ہیر پھیر کردی تھی۔ اس سے مصنفہ کی تشویش اور بڑھ گئی کہ جسٹس منیر نے قائداعظم سے منسوب کرکے غلط انگریزی کیوں لکھی ہے۔ جب کاؤس جی بھی اس غلط انگریزی کو اپنے کالم میں استعمال نہیں کررہے ہیں تو پھر بھلا ایسی غلط انگریزی قائداعظم کیسے استعمال کرسکتے ہیں؟ انہیں یقین ہوگیا کہ دال میں کچھ کالا ضرور ہے۔ مصنفہ نے قائداعظم کو سیکولر قرار دینے والے دوسرے بڑے بڑے دانشوروں کی کتابیں پڑھیں، جن کے نام یہ ہیں: ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (سابق وزیر اور سابق وائس چانسلر کراچی یونیورسٹی)، عبدالستار غزالی (صحافی)، پروفیسر پرویز امیر علی ہود بھائی اور پروفیسر حمید نیر۔ ان سب دانشوروں نے قائداعظم کے تصورِ پاکستان کو سیکولر قرار دینے کے لیے جسٹس منیر کی کتاب کے مندرجہ بالا حوالے کو اپنی بنیاد بنایا تھا۔ جسٹس منیر کا کہنا تھا کہ 1946ء میں نئی دہلی میں خبر رساں ایجنسی رائٹرز کے نمائندہ Donn Campbell کو انٹرویو دیتے ہوئے قائداعظم نے یہ الفاظ استعمال کیے تھے۔ مصنفہ نے بہت تلاش کیا لیکن کہیں اس انٹرویو کا اصلی متن نہیں مل سکا۔ یہ

انٹرویوملا تو ایک دوسری تاریخ کا تھا 21 May,1947 کی تاریخ کا۔ Donn Campbell کے انٹرویو کا اصل متن بزمِ اقبال کی طرف سے خورشید احمد خاں یوسفی کی مرتّبہ 4 جلدوں میں سے چوتھی جلد میں ملا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ جسٹس منیر نے اپنے جھوٹ کو چھپانے کے لیے اس انٹرویو کی تاریخ ہی غلط بتا دی تا کہ اگر کبھی کوئی اس کو تلاش کرنے کی کوشش کرے تو اصل متن ہی نہ مل سکے جس سے ان کے جھوٹ کا پردہ چاک ہو۔اس پورے متن میں کہیں بھی اس جملے کا کوئی وجود نہیں ہے جسے جسٹس منیر نے اپنی طرف سے گھڑ کر قائداعظم سے منسوب کر دیا ہے۔چوتھی جلد میں یہ انٹرویو آج بھی ہر شخص پڑھ کر دیکھ سکتا ہے کہ اس طرح کی کوئی بات قائداعظم نے کہیں نہیں کہی۔اس کتاب میں اس انٹرویو کو روزنامہ ڈان 22 May, 1947 کے حوالے سے شائع کیا گیا ہے۔مصنفہ نے قائداعظم کو سیکولر کہنے والے سارے دانشوروں کا مطالعہ کیا ہے۔ان کے دلائل کا جواب بھی دیا ہے اور یہ چیلنج بھی کیا ہے کہ قائداعظم نے اپنے سارے بیانات،تقاریر اور انٹرویوز میں کہیں بھی کبھی بھی Secular کا لفظ ایک جگہ بھی استعمال نہیں کیا۔جس شخص نے اپنی زندگی میں کبھی بھی جس بات کا کہیں ذکر ہی نہ کیا ہو اُس کو زبردستی سیکولر ثابت کرنے کی کوشش کرنا سراسر زیادتی نہیں تو اور کیا ہے!''۔

اب ایسے متنازعہ ولادین آدمی جو جھوٹ بولنے میں بھی ذرا نہ شرماتا ہو اس کی مرتب کردہ رپورٹ کو ہمارے خلاف پیش کرنے پر معترض کو کچھ تو حیاء وشرم آنی چاہیئے۔(ساجد)

اس بدبخت جسٹس منیر نے اپنی کتاب میں کھل کر اس بات پر زور دیا کہ اگر تعلیم کو کسی نظریہ (اسلام) کے ساتھ مربوط کر دیا جائے تو آپ نے تعلیم کے مقصد کو فوت کر دیا اس کی سرحدوں کو محدود کر دیا

(From Jinnah to Zia , pg 26)

اس نے کھل کر اس بات کو بیان کیا کہ قائداعظم کے ذہن میں ایک سیکولر جمہوری ریاست کا خاکہ تھا۔

The Pattern of Government wich the qauid i azam had in mind was a secular democratic government.

(From Jinnah to Zia , pg 26)

اس آدمی نے اپنی کتاب میں نظام مصطفی کا عنوان باندھ کر باقاعدہ اس پر تنقید کی اسلامی سزاوؤں کے عنوان کے تحت اس نے کھلے عالم سزائے موت دینے اور ہاتھ کاٹنے پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اس سے معاشرے پر برے اثرات پڑتے ہیں۔

(From Jinnah to Zia , pg121)

غرض اس نے پوری کتاب نظام مصطفی ،نظریہ اسلام،حدود وقصاص کے قوانین پر تنقید کرنے کیلئے لکھی اور پورا زور اس پر صرف کیا کہ پاکستان کو ایک سیکولر ملک ہونا چاہیئے۔ایسے بدبخت کی بنائی ہوئی رپورٹ پر علمائے دیوبند کو الزام دینا کہاں کا انصاف ہے؟

حیرت ہے کہ اس متنازعہ رپورٹ میں بریلوی حضرات کو مجلس احرار کی پاکستان مخالف تقاریر تو مل جاتی ہیں مگر اسی رپورٹ میں جو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ مجلس احرار اور اس کے قائدین نے اس دور میں مرزائیوں کی ناک میں دم کر رکھا تھا۔حکومت کی ہر طرح کی دھمکیوں،لالچ اور دباؤ کے باوجود احرار اپنے موقف سے نہیں ہٹی حتیٰ کہ حکومت کو مارشل لاء لگانا پڑا۔

آخر اہل بدعت کو مجلس احرار کی یہ عظمت کیوں نظر نہیں آتی؟ اس رپورٹ کے مرتبین کا تعصب اور علمائے دیوبند کی عظمت کا اندازہ اس

حوالے سے لگائیں:

''واضح تنبیہ بالکل بیکار ہے اور اگر احرار بحیثیت جماعت کچھ مدت تک احمدیوں کو گالیاں دینے سے محترز بھی رہیں تو بخاری (عطاء اللہ شاہ بخاری) ہرگز باز نہ آئے گا کیونکہ اس کا تو اس کے سوا کوئی وصف ہی نہیں کہ وہ احمدیوں کو گالیاں دیتا ہے اور ضدی اور ہٹیلا آدمی ہے۔۔۔لہٰذا بخاری کو جب تک عام جلسوں میں شرکت سے منع نہ کر دیا جائے یا اسے کوئی اور شخص نہ بتا دیا جائے جسے وہ بر سر عام گالیاں دے کر اپنا شوق پورا کرے وہ ہرگز احمدیوں کے خلاف اپنے معمول کو ترک نہ کرے گا بلکہ اس سے بھی بدتر رویہ اختیار کرے گا''۔

(تحقیقاتی رپورٹ، ص ۶۸)

جہاں ایک طرف اس اقتباس کا ایک ایک حرف تعصب کا منہ بولتا ثبوت ہے اور پوری رپورٹ ہی اس طرح کی بے تکی باتوں سے بھری پڑی ہے مگر حیرت ہے کہ پورے زور کے باوجود ایک گالی کا ثبوت بھی نہ دے سکے وہاں دوسری طرف علمائے دیوبند کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اس قدر حکومتی دباو کے باوجود اس کا سپوت قادیانیوں کی مخالفت سے باز نہیں آتا بلکہ عدالتی کاروائی کے بعد تو اس کے رویہ میں مزید سختی آجاتی ہے۔

رپورٹ کے مرتبین کی دیانت کا اندازہ اس سے لگائیں کہ انہوں نے حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ پر گالیوں کے الزام کیلئے یہ ثبوت دیا:

''اگرچہ مرزا غلام احمد جھوٹا تھا لیکن ہم اس کو الزام نہیں دیتے کیونکہ صرف کبھی کبھی زنا کرتا تھا ہمارا اعتراض موجودہ خلیفہ پر ہے جو ہر روز زناکاری کا ارتکاب کرتا ہے''۔

(تحقیقاتی رپورٹ، ص ۳۵)

حالانکہ جو ناقص عبارت نقل کی یہ حضرت شاہ جیؒ کے اپنے الفاظ نہ تھے وہ اپنی طرف سے کوئی الزام نہیں لگا رہے تھے بلکہ یہ تو مرزائیوں کے لاہوری گروپ کے اخبار کا اقتباس تھا جسے مرزائی نام نہاد خلیفہ مرزا محمود نے اپنے خطبہ جمعہ میں بیان کیا اور اصل اخبار کا عکس آپ محترم متین خالد صاحب کی لاجواب کتاب ''ثبوت حاضر ہیں'' میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اور ذرا اس اقتباس پر بھی غور فرمائیں:

''احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا مطالبہ سب سے پہلے یکم مئی ۱۹۴۹ کو پنڈ دادخان کے ایک احراری جلسہ میں کیا گیا اس کے بعد سے احرار کے تما جلسہ ہائے عام میں صرف احمدی ہی تقریر کا موضوع بن گئے''۔ (تحقیقاتی رپورٹ، ص ۳۵)

اہل بدعت یہ کریڈٹ اپنے لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں مگر ان کی محبوب رپورٹ تو کہہ رہی ہے کہ یہ کام سب سے پہلے علمائے دیوبند نے کیا۔اسی رپورٹ میں اسلام کے ایک قانون ''ارتداد کی سزا'' پر نکتہ چینی کی گئی ملاحظہ ہو عنوان: ''افغانستان میں احمدیوں کی سنگساری اور الشہاب'' ایسے دین بیزار ججوں کی رپورٹ پر اعتماد کرتے ہوئے کچھ تو خدا کا خوف کرنا چاہئے۔

احرار کے ایک جلسہ میں مرزائیوں کے خلاف نعرے لگے: مرزائیت مردہ باد، سر ظفر اللہ مردہ باد، مرزا بشیر احمد مردہ باد اب ان نعروں پر رپورٹ کیا تبصرہ کرتی ہے خود ملاحظہ فرمائیں کہ کیا یہ زبان مرزائیت در دہن منیر کا مصداق نہیں؟:

''اس میں شک نہیں کہ احراری لیڈر اور کارکن ہماری مملکت اسلامی اور اس کے امن و امان کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور احمدیوں کو خلاف نفرت پیدا کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے ان کا ظاہری مقصد تو احمدیوں کے خلیفہ اور سر ظفر اللہ

خان کو بدنام کرنا ہے لیکن ان کا اندرونی مقصد یہ ہے کہ ہمارے ملک میں بدنظمی اور لاقانونیت پیدا کریں‘‘۔

(تحقیقاتی رپورٹ، ص ۷۸)

اسی رپورٹ کے صفحہ ۱۱۶ پر یہ بکواس کی گئی کہ: ’’اگر ہم احراریوں کو یہ حق دے دیں کہ وہ احمدیوں کو کافر کہیں تو احمدیوں کو بھی یہ حق دینا چاہئے کہ وہ منبر پر اپنے علاوہ سب کو کافر کہیں‘‘۔

اسی رپورٹ میں ردقادیانیت پر علمائے دیوبند کی خدمات کا ذرا اس اقتباس سے اندازہ لگائیں:

’’پہلا شخص جس نے خواجہ ناظم الدین وزیر اعظم کی توجہ قادیانی تحریک کی سنگینی کی طرف مبذول کروائی وہ قاضی احسان احمد شجاع آبادی تھا قادیانیت کی مخالفت اس شخص کی زندگی کا واحد مقصد معلوم ہوتا ہے اور وہ جہاں کہیں بھی جاتا ہے اپنے ساتھ ایک بڑا چوبی صندوق لے جاتا ہے جس میں احمدیوں کا اور احمدیوں کے خلاف لٹریچر بھرا ہوا ہوتا ہے‘‘۔

(تحقیقاتی رپورٹ، ص ۱۹۵)

اسی رپورٹ کے ص ۳۱۴ پر مسٹر محمد علی جناح صاحب قائد اعظم کی یہ تقریر پیش کی گئی:

’’پاکستان میں کسی مسلک کو کوئی امتیازی حقوق حاصل نہ ہوں گے تمام مسالک کے درمیان فرق و امتیاز نہیں تمام شہریوں کو برابر حقوق حاصل ہوں گے‘‘

اس کے بعد یہ تاثر دیا کہ اگر ہم احمدیوں (قادیانیوں) کو کافر قرار دیں تو یہ اس تقریر کی کھلی خلاف ورزی ہوگی۔ کہئے معترض صاحب آپ اس سے متفق ہیں؟

اسی رپورٹ کے صفحہ ۳۳۵ تا ۳۴۰ مختلف علماء سے بشمول مولانا ابوالحسنات قادری بریلوی سے مسلمان کی تعریف پیش کی گئی اور پھر یہ تاثر دیا گیا کہ یہ علماء تو مسلمان کی تعریف پر متفق نہیں ہو پارہے ہیں تو قادیانیوں کو کس منہ سے کافر دلوا رہے ہیں؟۔

اسی رپورٹ کے صفحہ ۳۴۱ تا ۳۴۳ پر یہ کہا گیا کہ اگر ہم مفتی شفیع صاحب کو مملکت کا سربراہ بنادیں تو وہ تمام بریلویوں کو کافر و مرتد قرار دیکر قتل کردے گا اسی طرح ابوالحسنات کو سربراہ بنادیں تو وہ تمام دیوبندیوں کو کافر و مرتد قرار دے دیگا، یہی حال سنی شیعہ کا ہے اور یوں مسئلہ ارتداد اور مرزائیت کو متنازعہ بنانے کی بھرپور مکارانہ کوشش کی گئی اس جج کی طرف سے۔

ذرا اس زبان کو بھی ملاحظہ فرمائیں:

’’احرار کا ماضی بلاشبہ نہایت مکروہ تھا لیکن انہوں نے نہایت عیاری سے کام لے کر اپنے پرانے اسلحہ خانہ سے ایک مذہبی قضیہ منتخب کیا اور علماء کی ایک بڑی جماعت نے ان کے ساتھ اتفاق کرلیا‘‘۔ (تحقیقاتی رپورٹ، ص ۴۵۰)

اس رپورٹ کے مرتبین کا تعصب اس عبارت سے بھی خوب واضح ہو رہا ہے:

’’اس اثنا میں احراریوں نے ایک گمنام کتابچہ جو اصلا پاکستان کے لاٹ پادری مولانا شبیر احمد عثمانی کا لکھا ہوا تھا‘‘۔ (تحقیقاتی رپورٹ، ص ۴۷۴)

استغفر اللہ! یہ ہے زبان جج صاحبان کی اور یہ ہے ان کی تہذیب۔

اسی رپورٹ کے صفحہ ۵۹۰، ۵۹۱ پر بریلوی مسجد وزیر خان اور بریلوی مولانا عبدالستار خان نیازی کو فسادیوں کا گڑھ اور سربراہ کہا گیا۔ اور مسجد کو سیل کر کے نیازی صاحب کو گرفتار نہ کرنے پر برہمی کا اظہار کیا گیا، دوسری طرف نیازی صاحب ہمیں یہ کہتے ہوئے نظر آتے ہیں:

’’میں نے مسجد وزیر خان کو مرکز بنایا اور وہاں سے تحریک کو آگے بڑھایا اور تحریک پر امن چلتی رہی میں نے لوگوں کو ہدایت کی کہ مثبت نعرے لگائیں اور تصادم سے بچیں جبکہ حکومت چاہتی تھی کہ تصادم ہو اور میں نے تصادم کے سب راستے بند کر دئے‘‘۔

(تحریک تحفظ ختم نبوت اور مجاہد تحریک ختم نبوت مولانا عبد الستار خان نیازی ص ۱۱، ۵۳، مرکزی شعبہ نشر واشاعت جمعیت علماء پاکستان طبع اول)

تحقیقاتی رپورٹ کہتی ہے کہ مولانا عبد الستار خان نیازی فسادی تھے اور ان کی مسجد فسادیوں کا مرکز تھی اور نیازی صاحب خود کہتے ہیں کہ نہ میری مسجد فسادیوں کا مرکز تھی نہ میں، فساد حکومت نے کروایا، اب معترض صاحب جواب دیں تحقیقاتی رپورٹ کی بات جھوٹ پر مبنی ہے یا آپ کے نیازی کی؟

ذرا اس رپورٹ کی یہ قادیانیت نوازی بھی ملاحظہ ہو:

’’۔۔۔لہٰذا قادیان کی آخری شمولیت کے متعلق اندیشے محسوس کئے جانے لگے اور چونکہ احمدی اس کو ہندوستان میں شامل کرنے کا مطالبہ نہ کر سکتے تھے۔لہٰذا ان کے لئے اس کے سوا اور کوئی چارہ باقی نہ رہا تھا کہ اس کو پاکستان میں شامل کرانے کے لئے جدو جہد کریں۔احمدیوں کے خلاف معاندانہ اور بے بنیاد الزامات لگائے گئے ہیں کہ باؤنڈری کمیشن کے فیصلے میں ضلع گورداسپور اس لئے ہندوستان میں شامل کر دیا گیا کہ احمدیوں نے ایک خاص رویہ اختیار کیا اور چوہدری ظفر اللہ خان نے جنہیں قائد اعظم نے اس کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے پر مامور کیا تھا خاص قسم کے دلائل پیش کئے۔لیکن عدالت ہذا کا صدر جو اس کمیشن کا ممبر تھا۔اس بہادرانہ جدو جہد پر تشکر و امتنان کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے جو چوہدری ظفر اللہ خان نے گورداسپور کے معاملے میں کی تھی۔یہ حقیقت باؤنڈری کمیشن کے کاغذات سے ظاہر و باہر ہے اور جس شخص کو اس مسئلے سے دلچسپی ہو۔وہ شوق سے اس ریکارڈ کا معائنہ کر سکتا ہے۔چوہدری ظفر اللہ خان نے مسلمانوں کی نہایت بے غرضانہ خدمات انجام دیں۔ان کے باوجود بعض جماعتوں نے عدالت تحقیقات میں ان کا ذکر جس انداز میں کیا ہے وہ شرمناک ناشکرے پن کا ثبوت ہے۔‘‘

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے تحقیقات فسادات پنجاب 1953ء۔صفحہ 209)

جسٹس منیر کی انہی کرم نوازیوں کو دیکھتے ہوئے قادیانی قاضی جلال الدین شمس اس رپورٹ کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہیں:

’’فاضل ججوں نے کارِ مفوضہ کی تکمیل کیلئے نو ماہ تک جس لگاتار کوشش ومصروفیت سے کام کیا اور جس دلی توجہ ومحنت سے اسے انجام دیا وہ ہر پاکستانی کیلئے لائق صد شکریہ ہے۔انہوں نے تحقیقات کے متعلق ایک ضخیم رپورٹ تیار کر کے پاکستان کی ایک ناقابل فراموش خدمت سرانجام دی ہے۔اگر اس رپورٹ کی حسب منشاء پاکستان کی گورنمنٹیں خواہ صوبائی ہوں یا مرکزی، قانون وانتظام کے مسائل کو سیاست، خود غرضی اور پر دلعزیزی کی خواہش سے مبرا رکھیں اور عدل وانصاف کی میزان کو ہر حال میں قائم رکھیں تو بفضلہ تعالیٰ پاکستان میں اس قسم کے فسادات کا کریہہ منظر پھر کبھی دیکھنے میں نہیں آسکتا‘‘۔(تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ پر ایک نظر ص ۳)

اس کمیشن کی جانب داری کا اندازہ اس سے لگائیں کہ جسٹس منیر کی جرح کے جواب میں حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کا تاریخی بیان اس رپورٹ میں شامل نہیں کیا گیا اسی طرح مجلس احرار کی طرف سے عدالت میں داخل کئے گئے جواب کو بھی رپورٹ کا حصہ نہیں بنایا گیا بلکہ اس جواب کی اشاعت پر ہی پابندی لگا دی۔

محترم شورش کاشمیریؒ نے ''سید عطاء اللہ شاہ بخاری سوانح وافکار'' کے صفحہ ۱۶۲ تا ۱۸۱ اس رپورٹ کی خوب خبر لی ہے۔ تفصیل کیلئے تو آپ کتاب کی طرف مراجعت کریں ہم یہاں ایک دو اقتباس نقل کر دیتے ہیں:

''بہرحال رپورٹ کا غالب حصہ جانبدار آلائشوں پر مشتمل ہے۔ اور کسی لحاظ سے بھی اس رپورٹ کو کسی جج کا تجزیہ نہیں کہا جاسکتا۔ اگرچہ اس کے مصنف جج تھے۔ ڈاکٹر جاوید اقبال خلف الرشید علامہ اقبال نے اپنی کتاب ایک کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ یہ ایک ایسی دستاویز ہے جو اسلام کے خلاف خود مسلمان ججوں کے قلم سے نکلی ہے اس کی اشاعت روک لی جائے بلکہ اس کتاب کو ضبط ہونا چاہئے، دنیائے اسلام میں آج تک نفس اسلام کے خلاف ایسی دستاویز شائع نہیں ہوئی۔ یہ سب سے بڑی تحریر ہے جس میں دو مسلمان ججوں کے ہاتھ سے مسلمانوں کی رسوائی کا سامان کیا گیا ہے۔ امتداد زمانہ کے ساتھ یہ رپورٹ مر چکی ہے۔ جسٹس کیانی نے راقم سے کہا تھا کہ وہ اس کتاب کی اشاعت سے پریشان و پشیمان ہیں اور جو حصہ اس میں اسلام کے خلاف ہے وہ جسٹس منیر کے قلم سے ہے''۔

(عطاء اللہ شاہ بخاری حیات وکارنامے، ص ۱۶۳)

تمام رپورٹ میں ضروری شہادت کا مدار زیادہ تر سی آئی ڈی کی رپورٹوں پر ہے اور ان کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ سی آئی ڈی سے زیادہ ناکارہ عنصر ملک بھر میں شاید ہی موجود ہو۔ ان رپورٹوں کا لب ولہجہ غایت درجہ معاندانہ بلکہ بڑی حد تک احمقانہ تھا۔ بسا اوقات خیال ہوتا ہے کہ سی آئی ڈی کے حکام قادیانی امت کے ساتھ مل کر اپنی رپورٹیں لکھتے لکھاتے اور تجزیہ وتبصرہ کرتے تھے''۔

(عطاء اللہ شاہ بخاری حیات وکارنامے، ص ۱۶۵)

اس کے علاوہ مولانا احمد رضا مکیش بریلوی نے ''محاسبہ'' جبکہ جماعت اسلامی کے جانب سے ''تبصرہ'' کے نام سے اس رپورٹ پر تجزیہ شایع کیا گیا مولانا مکیش صاحب کا محاسبہ تو اس وقت ہمارے سامنے نہیں البتہ جماعت اسلامی کا تبصرہ موجود ہے جس میں کھل کر اس رپورٹ کے مندرجات سے اختلاف کیا گیا ہے۔

خود حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری اس کمیشن اور جسٹس منیر کے متعلق اپنے خدشات کا اظہار یوں کر چکے تھے:

''شاہ جی اس کمیٹی سے تعاون کے حق میں نہ تھے۔۔۔شاہ جی کو اصرار تھا کہ تحقیقاتی کمیٹی جسٹس منیر کی وجہ سے کبھی صحیح نتائج مرتب نہ کرسکے گی میں ذاتی طور پر منیر کو جانتا ہوں وہ احرار کا دشمن اور احمدیوں کا دوست ہے اسکی ضرورتیں احمدی بکمال وتمام پوری کرسکتے ہیں بہتر ہے کہ ہم اس فتنہ کا ساتھ نہ دیں۔۔۔منیر دنیادار انسان ہے وہ آخرت کو نہیں جانتا اور نہ اس کو توحید ورسالت سے آگاہی وارادت ہے''۔

(سید عطاء اللہ شاہ بخاری، ص ۲۴۷،۲۴۸ ومولانا محمد علی جالندھری سوانح وافکار، ص ۶۵)

جس کے بارے میں خود شاہ جیؒ ایسے نظریات رکھتے ہوں اسی آدمی کے اقوال کو شاہ جیؒ کے خلاف استعمال کرنا آخر کونسی منطق ہے؟

بہرحال اس رپورٹ میں دیگر بھی کافی متنازعہ باتیں ہیں مگر ہم نے دیوبندی بریلوی اختلاف کو سامنے رکھ کر اس کا مختصرا تجزیہ پیش کیا۔

چونکہ تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ مجلس احرار اسلام اور اس کے امیر حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے شروع کی تھی اور اس تحریک نے مرزائیوں اور مرزائی نواز حکومت کی ناک میں دم کر رکھا تھا حکومت نے ہر طرح کی لالچ، دھمکی دی مگر علمائے دیوبند اپنے مشن سے ہٹنے والے نہ تھے ان کا ایک ہی مطالبہ تھا کہ وزیر خارجہ ظفر اللہ مرزائی کو معزول کیا جائے اور قادیانیوں کو کلیدی عہدوں سے ہٹایا جائے، مرزائیوں کو

کافر قرار دیا جائے۔

اس کے جواب میں حکومت نے مرزائیوں کے دباؤ میں آ کر مارشل لاء لگا دیا اور ملک میں مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلنا شروع کر دی۔ رپورٹ کی بنیاد اس وقت کی سی آئی ڈی کی خبروں پر مبنی ہے جس کی رگ رگ میں احرار دشمنی رچی بسی ہوئی تھی، وہ سی آئی ڈی جنہوں نے مرزائیوں کو خوش کرنے کیلئے دس ہزار مسلمانوں کا خون بہایا۔ لہٰذا اس کے تمام مندرجات پر ہرگز یقین نہیں کیا جا سکتا۔ حکومت نے اپنے چہرے پر سے اس سیاہ داغ کو دھونے کیلئے جسٹس منیر کی سربراہی میں ایک کمیشن بٹھایا، اس کمیشن نے اول تو تحریک کے قائدین کو پاکستان دشمن قرار دے کر ان کے مطالبے کا رخ موڑ کر ان کو بدنام کرنے کی ناکام کوشش کی، اسے فسادی جماعت کہا اور تمام تر ملبہ احراریوں پر ڈال کر مرزائیوں اور حکومت وقت کو معصوم ثابت کرنے کی کوشش کی۔ شاید شاہ کی اسی وفاداری کے صلہ میں جسٹس منیر کو بعد میں پاکستان کا چیف جسٹس بنا دیا گیا۔

یہاں ایک سب سے دلچسپ بات بھی آپ کو بتاتے چلیں کہ جب ہم نے پہلی دفعہ اس رپورٹ کا نام مختلف بریلوی کتب میں پڑھا اور اس کی تلاش میں نکلے تو ہمیں مرزائیوں کے لاہوری گروپ کے پاس سے یہ رپورٹ دستیاب ہوئی۔ اب عقلمند آدمی خود اندازہ لگالے کہ یہ رپورٹ کن کے کہنے پر تیار کی گئی۔ آخر میں ہم اسی رپورٹ سے دو مندرجات پیش کر رہے ہیں۔ اگر بریلوی حضرات اس رپورٹ کو درست تسلیم کرتے ہیں تو تحریراً و تقریراً ان دو حوالہ جات کو بھی قبول کرنے کا اعلان کرے۔

مولوی ابوالحسنات قادری بریلوی کا اقرار کہ اگر ہندوستان میں مسلمانوں کے ساتھ شودروں والا سلوک کیا جائے تو انہیں کوئی اعتراض نہیں

”مولانا ابوالحسنات سید محمد احمد قادری صدر جمعیۃ العلماء پاکستان

سوال: کیا آپ ہندوؤں کا جو ہندوستان میں اکثریت رکھتے ہیں یہ حق تسلیم کریں گے کہ وہ اپنے ہاں ہندو دھرم کے ماتحت مملکت قائم کرلیں؟

جواب: جی ہاں

سوال: اگر اس نظام حکومت میں منوشاستر کے تحت مسلمانوں سے ملیچھوں یا شودروں (انتہائی نچلی ذات کے ہندو جنہیں انتہائی ذلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، ساجد) کا سلوک کیا جائے تو آپ کو کوئی اعتراض ہوگا؟

جواب: جی نہیں“۔

(رپورٹ تحقیقاتی عدالت المعروف منیر انکوائری رپورٹ، نیاز مانہ پبلکیشنز لاہور ص ۳۵۴)

اس حوالے میں مولانا ابوالحسنات نے جہاں ایک طرف معاذ اللہ مسلمانوں کو شودر بنائے جانے پر رضامندی کا اظہار کر کے اپنی بے حسی کا مظاہرہ کیا وہاں دوسری طرف ہندوؤں کو ہندوستان میں اپنی مملکت بنانے کی اجازت دینے پر کفر کا بھی ارتکاب کیا کیونکہ نواب احمد رضا خان صاحب فتوی دیتے ہیں:

”گورنمنٹ تنہا تمہیں ملک دیگی کہ اس میں اسلامی قوانین جاری کرو یہ تو ممکن نہیں تنہا انکو ملے پھر شرکت رکھو گے یا ملک بانٹ

لوگ کے ایک حصہ میں تم اسلامی احکام جاری کروایک میں وہ توان لاکھوں مسلمانوں پر اپنی شریعت مطہرہ کے خلاف احکام تم نے اپنی کوشش سے جاری کرائے اوراس کے تم ذمہ دار ہوئے اور لم یحکم بما انزل اللہ فاولٰئك ھم الكافرون ھم الظلمون ھم الفاسقون کے تمغے پائیے"۔(فتاوی رضویہ قدیم،ج ۱۰،ص ۱۵۶)

باقی موصوف نے تحقیقاتی رپورٹ اور نیشنلسٹ علماء کے حوالے سے جو کہا ہے کہ حضرت شاہ جیؒ پاکستان کو بازاری عورت سمجھتے یا پاکستان کی پا بھی کوئی نہیں بنا سکتا پاکستان خاکستان ہے۔ہمارے نزدیک ان سب میں کوئی سچائی نہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت شاہؒ اوائل میں پاکستان بننے کے مخالف تھے لیکن یہ مخالفت بھی کیسی تھی خود انہی کی زبانی ملاحظہ ہو:

"اختلاف تھا تو اتنا کہ ہم کہتے تھے کہ آزادی مل جائیے ذرا سنبھل لیں اور اس کے دس سال بعد مرکز سے بھی علیحدہ ہو جائیں گے،مگر لیگ کہتی تھی کہ نہیں مرکز کے ساتھ ہمارا کوئی الحاق نہیں رہ سکتا۔تقسیم ملک کے ہم بھی قائل تھے کرپس فارمولا اب بھی موجود ہے۔اس میں تقسیم ملک ہی کا قصہ درج ہے۔ہم پورے چھ صوبوں پر مصر تھے لیکن کانگریس نے تقسیم در تقسیم کو قبول کیا اور گائے کا قیمہ بنا کر اس کے کوفتے بنا دئے۔بس اب ہمارا مسلم لیگ سے کوئی اختلاف نہیں،نہ پہلے ہمارے اور ان کے درمیان مذہبی اختلاف تھا نہ خدا کا نہ رسول کا،نہ ہم ولی ہیں نہ لیگ والے قطب،اگر لیگ والے گناہ گار ہیں تو ہم کون سے ولی اللہ ہیں۔ہمارا اور ان کا اختلاف صرف مرکز سے علیحدگی پر تھا اور داغ کے الفاظ میں یوں کہنا چاہئے

مدت سے میری ان کی قیامت کی ہے تکرار
بات اتنی ہے وہ کل کہتے ہیں میں آج
ہمارا اور لیگ کا اختلاف کوئی کفر و ایمان کا اختلاف نہ تھا"

(حیات امیر شریعت،ص ۴۰۳)

شاہ صاحب کا اختلاف بس یہی تھا جیسا کہ وہ عرض کرتے ہیں کہ:

"مسلم لیگ سے ہمارا اختلاف صرف یہ تھا کہ ملک کا نقشہ کس طرح بنے یہ نہیں کہ ملک نہ بنے بلکہ یہ کہ اس کا نقشہ کیونکر ہو یہ کوئی بنیادی اختلاف نہیں تھا"۔

(ایضاً ۳۲۰)

اور پاکستان بننے کے بعد حضرت بخاریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

"میری آخری رائے اب یہی ہے کہ ہر مسلمان کو پاکستان کی فلاح و بہبود کی راہیں سوچنی چاہیے اور اس کیلئے عملی اقدام اٹھانا چاہئے۔مجلس احرار کو ہر نیک کام میں حکومت پاکستان کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے"۔

(حیات امیر شریعت ص ۳۰۹)

(اعتراض۱۷۹):

تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء نامی کتاب پر ایک نظر

معترض نے اس کتاب سے بھی حوالے دئے کہ شاہ جی نے فرمایا کہ پاکستان کی "پ" بھی کوئی نہیں بنا سکتا،پاکستان ایک سانپ ہے۔

(ملخصا دیوبندیت کے بطلان کاانکشاف،ص ۱۴۸،۱۴۹)

مذکورہ کتاب کے مصنف''چودہری حبیب احمد صاحب''غالی قسم کے لیگی اور علماء بیزار شخصیت تھے۔موصوف نے شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب ؒ کے خلاف جو زبان استعمال کی اس کا ایک ادنی نمونہ ملاحظہ ہو:

''مولانا حسین احمد مدنی جن سے بڑھ کر مسلمانوں کے مقاصد و تحفظ کے ساتھ دشمنی اور عداوت کا اظہار غالبا کسی نے نہیں کیا''۔

(تحریک پاکستان اور نیشنلسٹ علماء،ص ۸۸۲،طبع اول چوک انارکلی لاہور فروری ۱۹۶۶)

استغفر اللہ!مسلمانوں کے مفادات کا تحفظ اگر جیلیں کاٹنے والا،جلاوطنی کے مصائب جھیلنے والا مدنی نہ کرسکا تو اس قسم کے انگریز کے ٹکڑوں پر پلنے والے چودھری اور وڈیرے کریں گے؟

موصوف کو اتنی بھی حیاء نہیں کہ جن علامہ اقبال مرحوم کو وہ اپنی کتاب میں جگہ جگہ''حکیم الامت''لکھتے ہیں وہی اقبال حضرت مدنی ؒ کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں:

''مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق اس پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا میں مولانا صاحب کے عقیدت مندوں کے جوش عقیدت کی قدر کرتا ہوں جنہوں نے ایک دینی امر کی توضیح کے سلسلہ میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں خدا تعالی ان کو مولانا کی صحبت سے زیادہ مستفید کرے نیز انکو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں''۔

(نیشنلسٹ علماء،ص ۲۷۰)

چودھری حبیب احمد کے ممدوح،تحریک پاکستان کے عظیم مجاہد اور نڈر سپاہی حمید نظامی (کتاب مذکور،ص ۴۶۳) مدیر نوائے وقت حضرت مدنی ؒ کی عظمتوں کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''حضرت مولانا حسین احمد مدنی صدر جمعیت علماء ہند ایک باعمل عالم ہیں حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ سے اور دارالعلوم دیوبند سے تعلق کی وجہ سے ہندوستان کے علماء میں انکا مقام بہت بلند ہے۔۔۔حضرت مولانا ہندوستان کے مسلمان سیاسیات میں نمایاں و سرگرم حصہ لے رہے ہیں اور انہوں نے ملت اور وطن کے استقلال کیلئے بڑی مصیبتیں اٹھائیں اور قربانیاں کیں''۔

(کتاب مذکور،ص ۴۶۴)

اسی کتاب میں صرف حضرت مدنی ؒ ہی نہیں بلکہ امیر شریعت حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری ؒ اور مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی ؒ پر مخالفت پاکستان کی آڑ میں کھل کر تبرا بازی کی گئی ہے۔غرض ہمارے نزدیک تو ایسی کتاب جلا ڈالنے کے لائق ہے چہ جائیکہ چودھریوں، ٹوانوں،راجوں،نوابوں کی کتابوں سے علمائے ربانیین پر سوقیانہ الزامات لگائے جائیں۔ظلم تو یہ کہ اپنے خلاف تو اپنے مسلک کے شیخ الاسلام اور جانشین حکیم الامت،اشرف العلماء قسم کے لوگوں کی کتب کا بھی اعتبار نہ کیا جائے اسے غیر معتبر مان لیا جائے اور علمائے حق کے خلاف ہر چوڑے چمار کو پیش کردیا جاتا ہے۔

عجیب بات تو یہ کہ جو کتاب علمائے دیوبند کے خلاف پیش کرتے ہیں اس کے بہت سے مندرجات سے یہ لوگ خود بھی متفق نہیں ہوتے مثلا معترض صاحب نے شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی ؒ پر اعتراض کیا کہ انہوں نے قائد اعظم کی بیٹی پر الزام لگایا کہ بغیر نکاح چھ ماہ ایک

عیسائی کے ساتھ رہی اور پھر آگے لکھتے ہیں:

''حالانکہ مولوی حسین احمد مدنی نے قائد اعظم محمد علی جناح پر بہتان باندھا ہے اس لئے کہ انہوں نے رتن بھائی کو پہلے مسلمان کیا پھر اس سے نکاح کیا یہ بات سول اینڈ ملٹری گزٹ ۲۱ اپریل ۱۹۱۸ میں موجود ہے''۔

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف ص ۱۴۷)

حالانکہ نیشنلسٹ علماء کتاب میں یہ لکھا ہوا ہے:

''قائد اعظم نے رتن پٹیٹ سے سول میرج ایکٹ کے تحت شادی نہیں کی تھی بلکہ شادی کرنے سے پہلے انہوں نے اپنی ہونے والی رفیقہ حیات کے سامنے اسلام پیش کیا اور صاف کہہ دیا شادی اس طرح ہو سکتی ہے کہ ہم دونوں کا جہاں دل ایک ہے مذہب بھی ایک ہو اللہ کی اس نیک بندی نے بلا تامل اسلام قبول کر لیا اور چند مخصوص دوستوں کی موجودگی میں تقریب نکاح کا اتمام تک پہنچی مسٹر شریف ریوجی کا نجی نے اثناء عشری قاضی کا انتظام کیا۔۔اس شادی کی خبر سول اینڈ ملٹری گزٹ مورخہ ۲۱ اپریل ۱۹۱۸ نمبر ۹ صفحہ کالم ۴ میں بعنوان قبول اسلام شائع ہوئی''۔

(کتاب مذکور ص ۷۱۹)

دیکھا اس رضاخانی کی دیانت کو؟ اور نقل حوالہ میں کتر و بیونت کو؟ سول اینڈ ملٹری گزٹ میں یہ ہے کہ شیعہ اثناء عشری قاضی بلا کر شیعہ کا مذہب قبول کروایا گیا۔ جبکہ معترض نے کہا کہ اسلام قبول کروایا۔ کیا معترض کے ہاں شیعیت اسلام ہے؟ ابھی چند ورق پہلے تو وہ اسی پر زبان دراز کئے ہوئے تھے کہ علمائے دیوبند نے شیعہ تبرائی کو کافر نہیں کہا اس لئے یہ لوگ شیعہ کے ساتھ ملے ہوئے ہیں شیعہ نواز ہیں۔ مگر یہاں شیعیت وہ بھی اثناء عشری کو یک جنبش قلم اسلام سے بدل دیا ؏

خود بدلتے نہیں حوالے کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ بریلی بے توفیق

اسی کتاب میں ایک اور جگہ ان کی شیعیت کا اقرار ان الفاظ میں کیا گیا:

''قائد اعظمؒ کی مرحوم بیوی تھی جو گو ایک پارسی کروڑ پتی کی لڑکی تھی لیکن شیعہ مجتہد کے ہاتھ پر باقاعدہ مشرف بہ اسلام ہو چکی تھی''۔

(کتاب مذکور ص ۷۶۳)

علمائے دیوبند کو معاذ اللہ شیعہ نواز کہنے والے یقیناً اب آپ کی زبانیں گونگی ہو چکی ہوں گی۔

اسی کتاب میں لکھا ہوا ہے:

''سرسید وہ پہلے مسلمان ہیں جنہوں نے ہندوستان میں دو قومی نظریہ کا تصور پیش کیا''۔

(کتاب مذکور ص ۶)

کیوں معترض صاحب! آپ کے ہاں تو یہ کریڈٹ صرف اور صرف نواب احمد رضا خان کو حاصل ہے اور آپ تو سرسید کو مسلمان ہی نہیں سمجھتے تو یہ کیا کہا جا رہا ہے؟

اسی کتاب میں لکھا ہے:

''اس عالمگیر خلفشار کے زمانے میں سرسید نے ملی خدمات کا بیڑہ اٹھایا وہ آسمان ملت کے ان چمکتے ستاروں کو جو اس قوم کو زندگی

کی روشنی بخش کر معز ز اور دوسری قوموں کی نگاہ میں باعزت بناسکتے ہیں دیکھنا چاہتا تھا وہ قوم کیلئے یہ کچھ کر رہا تھا اور قوم کے علمائے کرام اور مفتیان عظام اس پر کفر کے فتوے لگانے کے جہاد عظیم میں مصروف تھے اور سارا زور اسے ملحد لا مذہب کرسٹان نیچری دہریہ دجال مرتد اور کافر ثابت کرنے میں مصروف فرمارہے تھے۔اس میں ہر فرقہ کے مولوی صاحبان شامل تھے حتیٰ کہ جب فتوی پر چوٹی کے ساٹھ مولویوں اور دستخطوں کے ساتھ سرسیدؒ کی تکفیر پر اجماع ہوگیا تو پھر یہ حضرات یہاں سے بھاگے بھاگے مکہ معظمہ پہنچے۔۔۔اگر اس وقت تمام مسلمان ان بزرگوں کے فتووں کا اثر قبول کر لیتے تو ہم خطا کار اور گناہ کار قسم کے مسلمان تو ایک طرف اس مقدس طائفہ کی اولاد کا بھی کیا حشر ہوتا یہ سب چوہدری غلام محمد، میاں طفیل محمد نعیم صدیقی، حسین احمد، عطاء اللہ او رمظہر علی، لالہ گردھاری لعل جواہر لعل، وفضل مسیح ہوتے''۔

(کتاب مذکور،ص ۹،۱۰)

مصنف کتاب کی رو سے سرسید احمد خان پر کفر کے فتوے لگانے والے ان کو مرتد کافر ملحد کہنے والے جواہر لعل نہرو، فضل مسیح کی اولاد میں ہیں اب ذرا نواب احمد رضا خان صاحب کا یہ قول ملاحظہ ہو:

''عرض: بعض لوگ علی گڑھی کو سید صاحب کہتے ہیں۔

ارشاد: وہ تو ایک خبیث مرتد تھا''

(ملفوظات جلد سوم،ص ۳۱۹)

کہئے جناب اس حوالے کی رو سے نواب صاحب پنڈتوں اور تارا مسیح قسم کے لوگوں کی اولاد میں سے ہوئے یا نہیں؟

اسی کتاب میں مسٹر محمد علی جناح صاحب کی یہ تقریر دی گئی ہے جو مسلم یونیورسٹی کے اجلاس مورخہ ۵ فروری ۱۹۳۸ میں کی گئی:

''لیگ نے مسلمانوں کو ان کے رجعت پسند عناصر سے رہائی دلوائی ہے۔اور ایسی رائے کی تخلیق کر دی ہے۔وہ لوگ خود غرضی سے اپنے ذاتی اغراض کے پیچھے پڑے ہوئے تھے قومی غدار ہیں لیگ نے آپ کو مولویوں اور ملاؤں کے ناکارہ عناصر سے بھی رہا کر دیا ہے۔۔میں نوجوانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ برطانوی حکومت، کانگریس، رجعت پسند مسلمان اور مولوی اور ملا ان چاروں سے رہائی پانے کے بعد اب آپ فرقہ اناث کی قید و بند سے چھڑائیں۔۔۔ہماری مستورات ہماری زندگی میں نہ صرف معاشرتی بلکہ سیاسی لحاظ سے بھی حصہ لیں''۔

(کتاب مذکور،ص ۱۶۷)

جواب دیں معترض صاحب مولوی کے خلاف اس شر انگیز تقریر اور عورتوں کو قید و بند کی صعوبتوں سے نکال کر سیاست میں لانے کے نظریہ سے آپ متفق ہیں یا نہیں؟ یا یہ حوالے صرف علمائے دیوبند کی مخالفت ہی میں معتبر بن جاتے ہیں؟

آپ تو علمائے دیوبند کو پاکستان کا مخالف سمجھتے ہیں اور اسی لئے اس کتاب سے حضرت شاہ جیؒ کے خلاف حوالے دئے، لیکن نامعلوم اسی کتاب میں علمائے دیوبند کی تحریک پاکستان کے لئے کی گئی کاوشوں سے کیوں کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیں:

''وہ علمائے کرام اور بزرگان عظام بھی تھے جو مسلمانوں کی اس ملی تحریک (تحریک قیام پاکستان) کو صحیح و درست تسلیم کرتے ہوئے مسلم لیگی قیادت و سیادت کی تائید و حوصلہ افزائی فرمارہے تھے ان روشن ضمیر اسلام شناس اور درمندان ملت میں مولانا شبیر احمد عثمانیؒ ایک خاص مقام رکھتے ہیں''۔

(کتاب مذکور ص ۳۶۲)

مزید لکھتے ہیں:

''آپ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم ومغفور کے تحریک پاکستان کی تائید وحمایت میں احساسات وخیالات پڑھ چکے ہیں اور دیکھ چکے ہیں کہ ان کی دانش نوازی وبرہانی فراست قرآنی اور بصیرت ایمانی کس طرح ان بزرگوں کو اقبالؒ اور جناحؒ کی ہمنوائی وہمقدمی کیلئے بے قرار ومضطرب کئے ہوئے ہیں''۔

(کتاب مذکور ص ۴۴۰)

اسی کتاب میں ہے:

''علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، مولانا محمد طاہر قاسمی، مولانا محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولانا ابوالبرکات عبدالروف داناپوری، مولانا آزاد سبحانی، مولانا غلام مرشد خطیب جامع مسجد عالمگیر وغیرہ نے نومبر ۱۹۴۵ میں کلکتہ میں جمع ہوکر ایک عظیم الشان کانفرنس منعقد کی جسکے صدر علامہ شبیر احمد عثمانیؒ منتخب ہوئے اس کانفرنس نے متفقہ طور پر مسلم لیگ کی حمایت کا اعلان کیا''۔

(کتاب مذکور ص ۷۱۳)

اور ایک جگہ تو کمال ہی کر دیا لکھتے ہیں:

''اسی جدوجہد کے زمانہ میں علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے ایک صالح دوست نے انہیں خط لکھا جس میں درج تھا میں نے خواب میں حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کو دیکھا ہے جو مجھے ایک چمکدار تلوار عطا کرتے ہوئے ارشاد فرمارہے ہیں کہ عزیزم تم دیوبند جارہے ہو میں تمہیں یہ تلوار دیتا ہوں وہاں پہنچ کر میرا یہ تحفہ بعد سلام ومسنون شبیر احمد عثمانی کو دے دینا''۔

(کتاب مذکور ص ۷۲۱)

اب معترض اور ان کے ہم مسلک مناظرین ومحققین جواب دیں کہ انکو کتاب کے ان اقتباسات سے بھی اتفاق ہے؟ کہیں مصنف آپ ہی کے فتووں سے زندیق ومرتد تو نہیں بن رہا؟ کیا یہ کھلی دورنگی نہیں کہ اس کتاب سے ایک رخ تو پیش کیا جارہا ہے مگر دوسری طرف اسی کتاب میں علمائے دیوبند کے ان کارناموں کو چھپا کر الزام تراشی کی جارہی ہے؟

اسی کتاب میں مسٹر محمد علی جناح کے جواہر لعل نہرو کے ساتھ خط وکتابت بھی دی گئی ہے جس میں جناح صاحب جواہر لعل نہرو کو ''پیارے جواہر لعل'' سے خطاب کررہے ہیں (ص ۴۵، ۵۲، ۵۷) حالانکہ معترض کے ہاں تو اس قسم کے پیار کے القابات ''ہندونوازی'' میں شمار ہوتے ہیں۔



امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ بریلوی بزرگوں کی نظر میں

آج رضاخانی معترضین حضرت شاہ جیؒ پر کانگریسی، ہندوؤں کا آلہ کار، پاکستان کا دشمن اور نہ جانے کیا کیا الزامات لگاتے ہیں مگر ہم شاہ جیؒ کی عظمت خود بریلوی بزرگوں کی کتابوں سے پیش کرتے ہیں اسے کہتے ہیں کہ الفضل ما شھدت بہ الاعدآء

☆ مرکزی مجلس رضا کے نگران اعلیٰ، مدیر جہان رضا معتبر بریلوی پیرزادہ اقبال فاروقی صاحب حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو

''سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاریؒ''

لکھ کر بزرگان بریلوی کی صف میں شامل کر کے ان کو جنتی مان کر

''رحمہم اللہ علیہم اجمعین''

کی دعا کرتا ہے۔(مجالس علماء۔مطبوعہ مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور)

☆ رضاخانی استاذ العلماء مفتی فیض احمد ملتانی نے حضرت امیر شریعت کو

پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کے مریدین اور بعض اصحاب میں شامل کیا ہے(مہر منیر ص 288)

☆ سید اسماعیل شاہ بخاری المعروف حضرت کرمانوالے کی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ

''حضرت پیر صاحب نے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ مرحوم کو ٹوپی دی اور ان کو خوشخبری دی کہ آپ کو جیل سے باعزت طور پر بری کر دیا جائے گا''۔ (معدن کرم ص 17-216)

☆ نبیرہ بریلوی امیر ملت پیر اختر حسین شاہ صاحب جماعتی اپنے والد کی سوانح حیات میں لکھا ہے کہ:

''مجلس احرار اسلام نے پنجاب میں جب اپنی تحریک شروع کی تو حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ حیدرآباد دکن میں تشریف فرما تھے تو آپ نے فوراً 500 روپیہ مجلس احرار اسلام کے لئے ارسال کئے اور یاران طریقت کو اس تحریک اسلام میں حصہ لینے کا حکم دیا۔ چنانچہ یاران طریقت نے ہر جگہ پوری تندی سے کام شروع کیا۔ اپنی خدمات بھی پیش کیں اور جلسے کے چندے کئے اور وہ رقمیں مجلس احرار کو ارسال کیں۔ یاروں میں بہت لوگ جیل میں گئے، خلفاء میں سے مولوی امام الدین صاحب، پیر ولایت شاہ صاحب، مفتی احمد دین صاحب، ڈاکٹر اللہ دتہ صاحب کنجاہی بذات خود اپنے عقیدت مندوں کے ہمراہ جیل میں گئے۔ ان حضرت نے ہزار ہا روپیہ نقد اور ہزاروں روپیہ کی مالیت کے زیورات مجلس کے فنڈ میں ارسال کئے تھے۔ قید ہوئے تو دوسروں کی طرح ان میں سے کسی نے بھی معافی نہ مانگی (جیسا کہ امیر شریعتؒ کو ایک پرچہ دیا گیا کہ آپ معافی مانگ لیں مگر آپ نے وہ کاغذ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا (حیات امیر شریعت).

یاران طریقت اور خلفاء میں سے سب قید و بند کی پوری مدت گزار کے رہا ہوئے۔ جب حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ حیدرآباد دکن سے واپس آئے تو مجلس احرار کے زعماء اظہار تشکر کے لئے حاضر ہوئے آپ نے پھر اس وقت 500 روپیہ عطیہ مرحمت کیا''۔

(سیرت امیر ملت ص403 - 402)

یاد رہے کہ امیر شریعتؒ ہی مجلس احرار کے امیر تھے۔

☆ بریلوی ماہنامہ ضیائے حرم کے شمس العارفین نمبر میں بریلوی حکیم عطاء محمد صاحب نے لکھا ہے کہ:

''پنجاب میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا ظفر علی خان، مولانا سید داؤ وغزنوی، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور دیگر گرانقدر اور عظیم ہستیاں بھی میدان میں آ گئیں۔'' (جنوری 1980 ص 229)

☆ رضاخانیوں کے مستند عالم ملک محبوب الرسول قادری صاحب لکھتے ہیں کہ:

''چنانچہ 1934 میں برصغیر میں پہلی بار مجلس احرار اسلام نے مرزائی فتنہ کے خلاف آواز اٹھائی جس کی پاداش میں سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری کو مرزائی رہنما مرزا بشیر الدین محمود اور سر ظفر اللہ کے ایما پر حکومت برطانیہ نے گرفتار کر لیا اور ان پر مقدمہ بھی چلتا رہا''۔(انوار رضا۔شاہ احمد نورانی نمبر ص 50)

☆ معتبر رضاخانی پیرزادہ اقبال فاروقی صاحب شاہ صاحبؒ کی تعریف میں یوں رطب اللسان ہوتے ہیں کہ:

''سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری ساری ساری رات تقریر کرتے تو مجمع پر چھائے رہتے وہ اس قدر قادر الکلام تھے کسی کو اکتانے نہ دیتے، ہلنے نہ دیتے، ہنساتے رلاتے اور تڑپاتے۔ خوش آواز تھے، خوش بیان تھے۔ ان کی تربیت یافتۂ مقررین اور ان کے حاشیہ نشین خطیبوں میں صاحبزادہ سید فیض الحسن آلومہاروی، چودھری افضل حق، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، شیخ حسام الدین امرتسری، ماسٹر تاج الدین انصاری، مولوی محمد علی جالندھری، مولوی مظہر علی اظہر اور آغا شورش کاشمیری جیسے شعلہ بیان مقرر وقت کے بہترین مقرر مانے جاتے تھے''۔

(مجالس علماء ص 172)

ایک جگہ یوں شاہ جیؒ کے گن گاتے ہیں کہ:

''شاہ صاحب (امیر شریعت) کی قوت بیانیہ کا یہ کمال تھا کہ وہ ساری رات تقریر کرتے مگر کسی کو نہ تھکنے دیتے، نہ جانے دیتے، میں اس تقریر سے بڑا متاثر ہوا'' ۔(اقبال فاروقی) (ایضاً ص 129)

☆ رضاخانی عالم مولوی حکیم محمد موسیٰ امرتسری صاحب حضرت امیر شریعتؒ کو چند شخصیات میں شامل کر کے کہتے ہیں مائیں ایسے سپوت جننے سے بانجھ ہو چکی ہیں، ان کا بدل نہیں مل سکتا۔(ماہنامہ جہان رضا ص 44-43) اکتوبر نومبر 2010

☆ رضاخانی مولوی محمد صدیق ہزاروی صاحب لکھتے ہیں کہ:

(احمد سعید کاظمی)

آپ کے درس حدیث میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی آ کر بیٹھے، بعض اوقات درس جاری ہوتا وہ آ کر پیچھے بیٹھ جاتے۔ علامہ کاظمیؒ نے خود بتایا کہ چونکہ پیچھے طلباء کی جوتیاں ہوتی تھیں اس لیے مجھے ندامت ہوتی اور میں نے کہا کہ آپ سید بھی اور عالم بھی اس لیے آپ زیادتی نہ کریں اور آگے تشریف لائیں،

آگے لکھتے ہیں کہ:

''لیکن اس کے باوجود وسعت ظرفی اور ایک دوسرے کی صلاحیت کا اعتراف اور باہمی احترام ہمارے آج کے سیاسی رہنماؤں اور علمائے کرام کے لئے مشعل راہ ہے''۔

(روزنامہ نوائے وقت جون 2002، مجلہ نوید سحر دسمبر 2003، بحوالہ پیر کرم شاہ کی کرم فرمائیاں ص 55 54، نیا ایڈیشن)۔

☆ حضرت مولانا الحاج ظہور احمد بگوی ؒ نے شاہ جی رحمۃ اللہ کی اسیری کا سن کر ارشاد فرمایا کہ:
''اگر علالت طبعی حائل نہ ہوتی تو میں شاہ جی کو ایک دن بھی جیل میں نہ رہنے دیتا''
(تذکار بگویہ ص 436)
یاد رہے کہ بگوی شریف کے بزرگ سیال شریف کے مرید اور خلیفہ بھی رہے ہیں۔ (تذکار بگویہ ص 441)

تلك عشرة كاملة

درج ذیل بالا حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ بریلوی علماء نے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری ؒ کو:

(i) سید بھی کہا
(ii) مولانا بھی کہا
(iii) رحمۃ اللہ علیہ بھی کہا
(iv) مرحوم بھی کہا
(v) تحریک ختم نبوت کا پہلا مجاہد بھی کہا اور ان کی تعریف بھی کی۔

اور ان کی جماعت کو چندہ بھی دیا اور ٹوپی بھی دی اور دعا سے بھی نوازا۔ سب سے بڑھ کر احمد سعید کاظمی نے تعظیم کی۔ رضاخانی جاہل معترض صاحب! امیر شریعت ؒ پر بکواس کرنے سے پہلے ان حضرات کے متعلق فیصلہ کر لینا۔

شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ نے کس طرح مسلمانوں کے دلوں میں عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شمع جلائی ایک بریلوی کی زبانی

بریلوی خطیب افتخار الحسن فیصل آبادی حضرت عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اور چونکہ اس مذہبی اور خالص دینی تحریک کی قیادت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کر رہے تھے اس لئے انہوں نے شاہ محمد غوث ؒ کے بالمقابل احاطہ عبد الرحیم میں جلسہ کے انعقاد کا فیصلہ کر لیا۔ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب اور علامہ احمد سعید صاحب دہلوی بھی بطور مہمانان خصوصی اس ہنگامہ خیز جلسہ میں شریک ہوئے تھے۔ احاطہ کے دروازہ پر مسلح پولیس کے دستے متعین کر دئے گئے تھے اور فوجی جوانوں کا پہرہ لگا دیا گیا تھا تاکہ لوگ کم سے کم جلسہ گاہ میں آسکیں۔ لیکن محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سرفروش غلام راستے کی ہر رکاوٹ کو پاؤں کی ٹھوکر سے دور کرتے ہوئے اور ہر دیوار کو نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت سے پاش پاش کرتے ہوئے اور پولیس اور فوجیوں کی سنگینوں کے سایہ میں جلسہ گاہ میں آتے رہے۔

مسلمانوں کا جوش بڑھتا گیا اور شہادت کا شوق جلسہ گاہ کا عنوان بن گیا اور داتا کی نگری میں ہر طرف سے ہر بازار اور ہر چوک میں جانثار مسلمانوں کے قافلے دکھائی دینے لگے۔ قرآن پاک کی تلاوت ہوئی اور پھر سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی گرجدار آواز لاہور کی فضاؤں میں گونجی:

> ''اے محمد عربی کے وفادار سرفروش مسلمانوں آج آپ لوگ تاجدار اقلیم رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناموس کی حفاظت کرنے اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جانثار امتی ہونے کا ثبوت پیش کرنے کیلئے اس جلسہ گاہ میں آئے ہو اور آج جنس انسانیت کو عزت بخشنے والے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت خطرے میں ہے!

اور آج اگر آپ نے اپنے رسول ﷺ کی عزت و آبرو کی حفاظت نہ کی تو پھر ہمیشہ کیلئے توہین رسالت کا دروازہ کھل جائے گا! اور وہ دیکھو حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ دروازہ پر پکار رہی ہے کہ تم میں سے کون ہے جو ہماری عزت و آبرو کی حفاظت کرے"۔

یہ جملہ شاہ صاحب نے ایسے جلال اور محبت بھرے انداز میں ادا کیا کہ سب لوگ دروازہ کی طرف دیکھنے لگے۔۔۔ایک کہرام مچ گیا اور مسلمانوں کی چیخیں نکل گئیں۔۔۔

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا حب الشیئ یعمی و یصم کہ محبت اندھی ہوتی ہے محبت کرنی والی آنکھ محبوب کے عیب نہیں دیکھتی اور کان محبوب کے عیب نہیں سنتے راجپال کافر نے تمہارے نبی ﷺ کو گالیاں دی ہیں۔۔۔غیور مسلمانو!!!! یا سننے والے کان نہ رہیں اور یا کہنے والی زبان نہ رہے۔۔اور گستاخ رسول ﷺ راجپال کیلئے اب داتا کی نگری میں کوئی جگہ نہیں ہونی چاہئے۔

جلسہ ختم ہوا لوگ اپنے اپنے گھروں کو سسکیاں بھرتے ہوئے اور شاہ جی کی ایمان افروز تقریر پر عش عش کرتے جارہے تھے اور دل ہی دل میں سوچتے جارہے تھے کہ دیکھیں اب شاہ صاحب کی تقریر کا کیا اثر ہوتا ہے اور کون راج پال کو قتل کرکے اور پھر اپنی جان کا نذرانہ رسول پاک ﷺ کے حضور پیش کرکے شہید کا اعزازی تمغہ اور جنت کی چابی دربار رسالت ﷺ سے حاصل کرتا ہے۔

رات کا سناٹا۔۔۔ہر طرف خاموشی۔۔۔ہر سو سکوت اور ہر جانب ہو کا عالم شاہ جی کی تقریر سن کر لاہور کے ایک غریب گھرانے کا چشم و چراغ علم دین بھی گھر واپس آرہا تھا اور بخاری کی تقریر کے جملے دہراتا آرہا تھا کہ۔۔سننے والے کان نہ رہیں۔۔۔اور یا کہنے والی زبان نہ رہے۔۔۔اور محبت کرنے والی آنکھ محبوب کے عیب نہیں دیکھتی۔۔اور راج پال کیلئے اب داتا کی نگری میں کوئی جگہ نہیں۔

ایک غریب ترکھان کا بیٹا گھر آیا تو علم دین کے دل میں عشق رسول کا ایک طوفان برپا تھا اور نبی پاک ﷺ کی ناموس کی حفاظت کی خاطر شہادت کا شوق اس کے سینہ میں موجزن تھا۔وہ کروٹیں بدلتا رہا مگر نیند نہ آئی اس نے آنکھیں بند کرکے سونے کی کئی بار کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوسکا اس کے کانوں میں پھر آواز آئی۔۔۔۔

گستاخ رسول ﷺ۔۔۔راج پال کیلئے داتا کی نگری میں اب کوئی جگہ نہیں ہے۔علم دین اٹھا اور پتھر پر ایک چھری تیز کرنے لگا۔رات نہایت ہی بے چینی میں بسر کی۔صبح کی نماز میں دعا کی:

"اے اللہ میں تیرے محبوب پاک ﷺ کو گالیاں دینے والے اور امہات المومنینؓ کی عزت و آبرو پر حملہ کرنے والے راج پال کو قتل کرنے کا مصمم ارادہ کرچکا ہوں مجھے کامیاب کر اور اس راستے کی ہر دیوار کو مسمار کردے اور میری تیز دھار چھری کو نبی ﷺ کے گستاخ،اسلام کے دشمن اور مسلمانوں کے دیری راج پال کی گردن تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو"۔

رات گزری،صبح ہوئی اور پھر لاہور کے بازاروں میں چہل پہل ہونے لگی۔راجپال بھی دوسرے دوکانداروں کی طرح اپنی دوکان پر آیا ابھی تکیہ لگا کر بیٹھا ہی تھا کہ علم دین کی چھری ہوا میں لہرائی اور فضا میں ایک پر جلال آواز گونج اٹھی کہ:"اے میرے رسول ﷺ کے دشمن اور گستاخ مرنے کیلئے تیار ہوجا" یہ آواز سن کر راجپال نے بھاگنے کی بہت کوشش کی مگر علم دین کی چھری اس گستاخ دشمن رسول ﷺ کے سینے میں پیوست ہوچکی تھی جو اس بدبخت کے پیٹ کو پھاڑتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔اسلام کا باغی خاک وخون میں تڑپنے لگا اور آخر اس نے جان دے دی"۔

(گستاخ رسول ﷺ کی سزا ص ۱۳ تا ۱۶ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

اللہ اکبر کبیرا! ایسا عاشق رسول ﷺ بخاری جس نے پورے ہندوستان میں عشق رسول ﷺ کی شمع کو فروزاں کیا اور جس کی ایمان افروز تقریروں نے ہندوستانیوں کے دل میں عشق رسالت ﷺ کی چنگاری کو بھڑکایا آج کے یہ دشمنان رسول ﷺ اس پر زبان طعن دراز کرتے ہیں۔اور کیوں نہ کریں کہ ان دشمنان رسول ﷺ کی ہر اس آدمی سے دشمنی ہے جو اس سرزمین پر اللہ و رسول ﷺ کی بات کرے۔اہل بدعت کی شاہ جی رحمۃ اللہ علیہ سے یہ دشمنی صرف اس لئے ہے کہ وہ عاشق رسول ﷺ اور اہل بیت تھا۔

(اعتراض ۱۸۰:) پاکستان بنانے کا گناہ

معترض صاحب لکھتے ہیں:

مفتی محمود نے تو یہاں تک کہا کہ اللہ کا شکر ہے کہ ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہ ہوئے اس کے علاوہ ترجمان اسلام کے اداریے میں مفتی محمود کا قول موجود ہے ہم تحریک پاکستان کے حق میں نہ تھے‘‘۔(ترجمان اسلام لاہور ۱۷ جون ۱۹۶۶)

جواب: حضرت مفتی محمود صاحب رحمہ اللہ نے تقسیم ہند کی مخالفت کی ہمیں اس سے کبھی انکار نہیں کیا۔ پاکستان نہ قرآن کی آیت نہ حدیث رسول ﷺ کا نام ہے جس کی مخالفت کرنا معاذ اللہ کفر ہو۔مجھے سمجھ نہیں آتی کہ جس فرقہ کے بعض اکابر کے ہاں نبی کریم ﷺ کے علم غیب کا منکر، نورانیت مختار کل وغیرہ مسائل کا انکار فسق بھی نہ ہو انہیں پاکستان بنانے سے انکار کرنے والوں پر فتوے دیتے ہوئے شرم نہیں آتی ؟ کیا پاکستان کا مقام رسول اللہ ﷺ سے زیادہ ہے، اگر علمائے دیوبند نے پاکستان کی مخالفت کی تو تم نے کونسا تیر مار لیا؟ ساری زندگی مسلم لیگ اور محمد علی جناح پر کفر کے فتووں کے علاوہ کوئی اور کام کیا ہو تو بتاؤ گھوم پھر کر ۱۹۴۶ کی آل انڈیا سنی کانفرنس۔۔جس کا حال ہم ما قبل میں واضح کر چکے ہیں۔

اگر علمائے دیوبند نے پاکستان کی مخالفت کی تو پاکستان بن جانے کے بعد اس کی حفاظت کا جو اعلان کیا آخر اسے کیوں بیان نہیں کیا جاتا ؟ ہمارے اکابر نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ مسجد بننے سے پہلے تو اختلاف کیا جا سکتا ہے مگر مسجد بننے کے بعد اب اس کی حیثیت ایک مقدس سرزمین کی سی ہوتی ہے جس کی حفاظت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے، انہیں مفتی محمود صاحب کی وطن سے محبت کے بارے میں حضرت مولانا عبید اللہ صاحب ؒ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور جن کا شمار مسلم لیگ کے اجل رہنماؤں میں ہوتا ہے، تحریک پاکستان سے وابستہ رہے فرماتے ہیں:

’’مفتی صاحب (مفتی محمود صاحب ؒ) علماء کے اس گروہ سے زیادہ متاثر تھے جو تحریک پاکستان کا مخالف تھا لیکن پاکستان کی محبت انکا جزو ایمان تھی ان کا کہنا تھا کہ کسی کام کے کرنے سے قبل مشورہ کرنا اور اس کام کے کرنے نہ کرنے کے بارے میں رائے رکھنا کوئی جرم نہیں، اسی طرح پاکستان کے قیام کے بارے میں رائے رکھنا برصغیر میں ایک مشاورت ہو رہی تھی اس میں بعض کی رائے یہ تھی کہ پاکستان کا بننا مسلمانوں کیلئے مفید ہو گا اور بعض یہ سمجھتے تھے کہ اس کا نہ بننا مسلمانون کیلئے بہتر ہے لیکن جب ملک بن گیا تو وہ رائے ختم ہو گئی کیونکہ وہ رائے بننے کے بارے میں تھی، نہ کہ بنے ہوئے پاکستان کے بارے میں۔اب جو لوگ ہم پر بہتان طرازی کرتے ہیں وہ بزعم خود یہ ثابت کرنے کی کوشش میں ہے کہ ہمارے بزرگوں کی وہ رائے بنے ہوئے پاکستان کے بارے میں تھی حالانکہ یہ بات غلط ہے۔قیام پاکستان کے بعد ہمارے بزرگ پاکستان ہی کو مسلمانوں کا آخری قلعہ سمجھتے تھے اور یہ قلعہ بھی بحمد اللہ حضرت تھانوی ؒ کے فتوے کے مطابق بنا ہے۔اس لئے اس ملک کی حفاظت ہر مسلمان پر فرض ہے۔دیانت داری کی بات یہ ہے کہ حضرت مفتی صاحب ؒ اسلام اور پاکستان سے والہانہ محبت رکھتے تھے‘‘۔

(ماہنامہ قومی ڈائجسٹ لاہور مفتی محمود نمبر ص ۱۴۷)

اس فرسودہ اعتراض کا جواب حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب اپنے ایک کالم میں دے بھی چکے ہیں اس کو بھی ہم یہاں نقل کر رہے ہیں ۔ملاحظہ ہو:

''گزشتہ ایک کالم میں قارئین سے وعدہ کیا تھا کہ حضرت مولانا مفتی محمودؒ سے منسوب کیے جانے والے اس جملے کے بارے میں اصل صورتحال کی وضاحت کروں گا کہ؛

''ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں تھے۔''

یہ بات میرے سامنے ہوئی تھی اس لیے اس سلسلہ میں اصل قصہ کو تاریخ کے ریکارڈ پر لانا اپنی ذمہ داری سمجھتا ہوں ۔لیکن پہلے اس پس منظر کا ذکر ضروری ہے کہ مولانا مفتی محمودؒ کا تعلق اصلاً جمعیۃ علماء ہند سے تھا جس نے قیام پاکستان کی مخالفت کی تھی ۔جمعیۃ علماء ہند کے ساتھ مجلس احرار اسلام نے بھی تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی اور ہندوستان کی تقسیم سے اختلاف کیا تھا اور روایتی جوش وخروش کے ساتھ کیا تھا۔ جبکہ علماء دیوبند کی ایک بڑی تعداد نے جمعیۃ علماء ہند سے الگ ہو کر جمعیۃ علماء اسلام کے نام سے تحریک پاکستان میں سرگرم کردار ادا کیا تھا۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی اس انکار کی ضرورت ہے کہ جمعیۃ علماء ہند اور مجلس احرار اسلام دونوں قیام پاکستان کے خلاف تھیں:

''مسلم لیگی قیادت نفاذ اسلام میں سنجیدہ نہیں ہے اور نہ ہی اس کی اہلیت رکھتی ہے۔

قیام پاکستان سے برصغیر کے مسلمان تقسیم ہوجائیں گے اور ایک دوسرے کے کسی کام نہیں آسکیں گے۔

مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد بھارت میں ہندوؤں کے رحم وکرم پر رہ جائے گی''۔

جہاں تک نتائج کا تعلق ہے نصف صدی بعد ہمیں انہی نتائج کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے جن کا اظہار ان جماعتوں کے قائدین تحریک پاکستان کی مخالفت میں خدشات کی صورت میں کیا کرتے تھے۔ چنانچہ مسلم لیگی قیادت کئی بار اقتدار ملنے کے باوجود نفاذ اسلام کی طرف نصف صدی میں کوئی پیش رفت نہیں کرسکی۔ اور برصغیر کے مسلمانوں کی عظیم قوت کے تقسیم ہوجانے کے بعد مسلم لیگی راہنما چودھری خلیق الزمان مرحوم کے اس اعتراف کے بعد مزید کچھ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی جو انہوں نے سقوط ڈھاکہ کے فوراً بعد ''اخبار جہاں'' کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ

''ہمارے طرز عمل کے باعث برصغیر کے مسلمان تین حصوں میں تقسیم ہو گئے ہیں جو ایک دوسرے کی کسی مشکل میں کام نہیں آسکتے۔''

تاہم اس سب کچھ کے باوجود قیام پاکستان کی مخالفت ایک سیاسی رائے تھی جسے جمعیۃ علماء ہند اور مجلس احرار اسلام کے راہنماؤں نے اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا۔ بلکہ جب دیکھا کہ مسلمانان ہند نے ان کی رائے کی حمایت نہیں کی اور مسلم لیگ کا ساتھ دیا ہے تو انہوں نے خوش دلی کے ساتھ اس فیصلہ کو قبول کرلیا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں کچھ حقائق قارئین کے سامنے لانا ضروری سمجھتا ہوں ۔تحریک پاکستان کی مخالفت میں علماء کرام میں سب سے نمایاں تین نام ہیں:

مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

مولانا ابوالکلام آزادؒ

بلاشبہ ان تینوں حضرات نے قیام پاکستان کے خلاف اپنی رائے کو پورے شد و مد کے ساتھ پیش کیا مگر پاکستان بن جانے کے بعد ان کا طرزِ عمل کیا تھا اسے بھی سامنے رکھ لیجیے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے ان کے پاکستان میں رہنے والے عقیدت مندوں نے آئندہ کے بارے میں راہنمائی طلب کی تو انہوں نے واضح طور پر ہدایت کی کہ پاکستان کی سالمیت و استحکام کے لیے کام کریں اور ماضی کو بھول جائیں۔مولانا مدنیؒ نے اس سلسلہ میں بڑی خوبصورت مثال دی جو ان کے مکتوب کی صورت میں شائع ہو چکی ہے۔انہوں نے کہا کہ مسجد بننے سے پہلے اہل محلہ کا اختلاف ہو سکتا ہے کہ مسجد یہاں بنے وہاں نہ بنے، اتنی جگہ میں بنے اور اتنی میں نہ بنے۔لیکن جب ایک فریق کی رائے غالب آگئی اور انہوں نے دوسرے فریق کی رائے کے خلاف مسجد بنالی تو اب یہ مسجد سب کے لیے مسجد ہی ہے۔اور اس کا احترام اور اس کے تقدس کی حفاظت سب کی ذمہ داری ہے۔

اسی طرح امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے لاہور میں جلسہ عام منعقد کر کے اعلان کیا کہ قوم نے ان کی رائے کو قبول نہیں کیا اس لیے وہ قوم کا فیصلہ تسلیم کرتے ہوئے اس کے حق میں دستبردار ہوتے ہیں، اور اب وہ پاکستان کی سالمیت و استحکام کے لیے بھرپور کردار ادا کریں گے۔چنانچہ کشمیر پر پاکستان اور بھارت کی پہلی جنگ میں مسلم لیگ کے ساتھ جس جماعت نے جہاد کشمیر کی حمایت میں رائے عامہ کو بیدار کرنے کے لیے سب سے زیادہ کام کیا وہ مجلس احرار اسلام تھی۔

اور مولانا ابوالکلام آزادؒ کے بارے میں بھی یہ بات تاریخ کے ریکارڈ پر آچکی ہے کہ تقسیم ہند کے موقع پر جب ریاستوں کو اس بات کا اختیار ملا کہ وہ اپنی مرضی سے پاکستان یا بھارت میں سے کسی کے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں تو بلوچستان کی ریاست قلات کے نواب میر احمد یار خان مرحوم نے بھارت کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کیا۔مگر اس کے اعلان سے قبل کانگریسی راہنماؤں سے رابطہ کے لیے اپنے وزیر دربار میر غوث بخش بزنجو مرحوم کو بھیجا تاکہ بھارتی حکومت سے گفت و شنید کے بعد بھارت کے ساتھ قلات کے الحاق کا باقاعدہ اعلان کر دیا جائے۔میر غوث بخش بزنجو مرحوم دہلی پہنچے تو اس خیال سے پہلے مولانا ابوالکلام آزادؒ سے ملے کہ اس طرح کانگریس کی ہائی کمان کے ساتھ معاملات طے کرنے میں آسانی رہے گی۔مولانا آزادؒ نے نواب قلات کے فیصلے پر ناراضگی کا اظہار کیا۔انہوں نے میر غوث بزنجو کو دوسرے کانگریسی راہنماؤں کے ساتھ ملنے سے روک دیا اور یہ تلقین کر کے واپس بھیج دیا کہ پاکستان بن چکا ہے اس لیے آپ لوگ پاکستان کے ساتھ الحاق کریں اور اسے مضبوط بنائیں۔

مولانا مفتی محمودؒ کا تعلق اسی قافلہ سے تھا اور اپنے ان اکابر کے اسی طرزِ عمل کے مطابق انہوں نے خود کو پاکستان کی سالمیت و استحکام میں اسلامی نظام کے نفاذ کی جد و جہد کے لیے وقف کر رکھا تھا۔اس سلسلہ میں ایک تاریخی واقعہ کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ 1970ء کے عام انتخابات کے بعد جب صدر یحییٰ خان نے پارلیمنٹ کا طلب کردہ اجلاس ملتوی کر دیا اور شیخ مجیب الرحمن نے اس کے ردعمل میں ہڑتال کا اعلان کر کے مشرقی پاکستان کا پورا نظام جام کر دیا تو پاکستان کی تقسیم کا خطرہ حقیقی طور پر بالکل سامنے نظر آنے لگا۔اس موقع پر معاملات کو سلجھانے کے لیے قومی اسمبلی کی چھوٹی پارلیمانی پارٹیوں نے لاہور میں اجلاس منعقد کر کے فریقین سے مذاکرات کرنے کا فیصلہ کیا۔ان کے وفد میں مولانا مفتی محمودؒ بھی مذاکرات میں شرکت کے لیے ڈھاکہ گئے اور شیخ مجیب الرحمن سے ملے۔

مولانا مفتی محمودؒ نے جمعیۃ علماء اسلام کی مرکزی مجلس شوریٰ میں ان مذاکرات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے بتایا کہ وہ اور خان عبدالولی خان دونوں شیخ مجیب سے ملے اور ان سے دیگر بہت سی باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا کہ:

''شیخ صاحب! یہ بات یاد رکھیں کہ آپ مسلم لیگی ہیں اور ہم کانگریسی۔ کل آپ پاکستان بنا رہے تھے تو ہم نے کہا تھا کہ نہ بنائیں اس سے مسلمانوں کا نقصان ہوگا۔ اور آج آپ پاکستان توڑ رہے ہیں تو ہم آپ سے یہ کہنے آئے ہیں کہ اسے نہ توڑیں مسلمانوں کو نقصان ہوگا۔''

اس پس منظر میں بعض مجالس میں اس وقت کے وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کے ایک بیان کا جواب دیتے ہوئے، جس میں بھٹو مرحوم نے اپوزیشن پر پاکستان کی تقسیم کی ذمہ داری کا الزام عائد کیا تھا اور مفتی صاحبؒ اس وقت اپوزیشن لیڈر تھے، مولانا مفتی محمودؒ نے کہا تھا کہ:

''ہم پاکستان کی تقسیم کے ذمہ دار نہیں ہیں، اس کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے۔ ہم تو ہندوستان کی تقسیم کے حق میں بھی نہیں تھے پاکستان کی تقسیم کے کس طرح حق میں ہو سکتے ہیں؟ یہ تقسیم کرنا تمہارا ہی کام ہے، کل بھی ملک تم نے تقسیم کیا اور آج بھی تم نے ملک کو دولخت کیا ہے۔ اگر یہ تقسیم گناہ ہے تو اس گناہ میں ہم نہ کل شریک تھے اور نہ آج اس گناہ میں ہم حصہ دار ہیں۔''

الفاظ اور جملوں کی ترتیب میں کمی بیشی ہو سکتی ہے لیکن میں نے پوری کوشش کی ہے کہ مولانا مفتی محمودؒ نے جو کچھ کہا اس کا پورا مفہوم بیان ہو جائے۔ یہ بات انہوں نے اکتوبر 1975ء کے دوران جامع مسجد نور مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ میں جمعیۃ علماء اسلام کے ملک گیر کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے تفصیل کے ساتھ کی تھی، اور میں اس کنونشن کا اسٹیج سیکرٹری تھا۔ جبکہ بعض دیگر مجالس میں بھی انہوں نے یہ بات کہی جسے یار دوستوں نے اس جملے میں تبدیل کر دیا کہ ''ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں تھے۔'' اور اس کے بعد سے اس بات کو مسلسل دہرایا جا رہا ہے۔

بہرحال علماء کا وہ حلقہ جس نے ایک سیاسی رائے اور موقف کے طور پر پاکستان کے قیام کی مخالفت کی تھی اور اسے جنوبی ایشیا کے مسلمانوں کے مجموعی مفاد میں مفید نہیں سمجھا تھا، انہوں نے پاکستان بن جانے کے بعد نہ صرف اسے خوش دلی کے ساتھ تسلیم کیا بلکہ آج وہی علماء پاکستان کے استحکام و سالمیت اور اسے ایک اسلامی نظریاتی ریاست بنانے کے لیے سب سے زیادہ سرگرم عمل ہیں، اور غالباً تحریک پاکستان کی اصل منزل بھی یہی ہے۔ (روزنامہ اوصاف، ۲۳ مئی ۱۹۹۹ء)

حضرت مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وطن سے محبّت

جب ۱۹۷۱ء میں ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کیا تو مفکر اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس قسم کے ولولہ انگیز بیانات دیئے:

''پشاور یکم اپریل (پ پ ا) جمعیت علمائے اسلام کے جنرل سیکریٹری مفتی محمود نے مشرقی پاکستان میں ہندوستانیوں کی مسلح مداخلت کی مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ ہندوستان کی یہ کاروائی پاکستان کے خلاف اعلان جنگ کے مترادف ہے مفتی محمود نے کہا کہ ہندوستان کی یہ کاروائی پریشان کن اور تشویشناک ہے۔ حکومت کو ہندوستان کی مسلح مداخلت کو کچلنے کیلئے کسی کاروائی سے گریز نہیں کرنا چاہئے انہوں نے ہندوستانی پارلیمنٹ کی قرارداد کو پاکستان کے معاملات میں کھلی مداخلت قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ بھارت نے انتہائی ڈھٹائی کے ساتھ

پاکستان دشمنی کی جو کاروائیاں شروع کر رکھی ہیں پاکستان کو بین الاقوامی برادری کی توجہ اس طرف دلانی چاہیئے''۔
(امروز لاہور ۱۲ اپریل ۱۹۷۱ بحوالہ مفتی محمودؒ کی سیاست،ص ۳۷)
''ملتان ۱۱ اپریل (سٹاف رپورٹر) جمعیت علمائے اسلام کے ناظم مولانا مفتی محمود رکن قومی اسمبلی نے اس بات پر پھر زور دیا ہے کہ بھارت کی شرانگیزیوں کو ہمیشہ کیلئے ختم کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ بھارت کے ساتھ سفارتی تعلقات ختم کر لئے جائیں اور پاکستان کے عوام کو جہاد کیلئے تیار کیا جائے ۔۔۔انہوں نے کہا کہ بھارت ہمیشہ پاکستان کے خلاف معاندانہ کاروائیوں میں مصروف رہا ہے اور پاکستان کے معاملات میں مداخلت کرتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ پاکستان کے اس دشمن کو ہمیشہ کیلئے صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے''۔
(امروز ملتان ۱۲ اپریل بحوالہ مفتی محمودؒ کی سیاست،ص ۳۸)
اس موقع پر حضرت کے تفصیلی بیانات کیلئے اس کتاب کا مطالعہ کریں۔اب ہم انصاف پسند قارئین سے سوال کرتے ہیں کہ جو پاک بھارت جنگ میں اس طرح کے ولولہ انگیز بیانات دے کہ بھارت کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا جائے ایسے محب وطن پر ملک کی دشمنی کا الزام سوائے تعصب اور خدا خوفی سے بے نیازی سے سوا کیا ہو سکتی ہے؟۔کیا آج ہمارے کسی سیاسی یا نام نہاد بدعتی ملاؤں جو پاکستان کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں میں یہ جرات ہے کہ وہ میڈیا یا عوامی جلسوں میں بھارت کو صفحہ ہستی سے مٹانے کی بات کرے یا اس کے خلاف مسلح جدو جہد کی کال دے؟

(اعتراض ۱۸۱:) پاکستان پلیدستان ہے

اس عنوان کے تحت موصوف لکھتے ہیں: دیوبندی مولوی محمد علی جالندھری نے تقسیم سے قبل اور بعد پاکستان کو پلیدستان کہا۔(تحقیقاتی رپورٹ،ص ۲۷۵)
(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف،ص ۱۴۹)
جواب: تحقیقاتی رپورٹ میں اس الزام کا کوئی ثبوت نہیں دیا گیا پس بغیر ثبوت اس کا کوئی اعتبار نہیں خاص کر جب وہ ہو بھی تحقیقاتی رپورٹ میں جس کے کئی مندرجات غیر معتبر ہیں جس پر ہم ماقبل میں تفصیل بیان کر چکے ہیں۔
اسی سے ایک ملتا جلتا اعتراض یہ بھی کیا گیا کہ:
ہم پاکستان کو پلیدستان سمجھتے ہیں ۔(خطبات احرار،ص ۹۹)
(بحوالہ دیوبندی مذہب،ص ۳۴)
اسی طرح مفتی عطاء اللہ نعیمی بھی اس حوالے کو لکھتے ہیں:
''پاکستان پلیدستان ہے''۔(خطبات احرار،ص ۹۹)،''احرار پاکستان کو پلیدستان سمجھتے ہیں''۔
(تخلیق پاکستان میں علمائے اہلسنت کا کردار،ص ۹۶)
مجھے انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ اپنے ساتھ علمائے اہلسنت کا بھاری بھرکم لقب لگانے کے بعد بھی کیا کوئی شخص اتنا بڑا کذاب،خائن اور بد دیانت ہو سکتا ہے؟۔کوئی ایک لکھتا تو ہم کہتے کہ چلو اس نے جھوٹ بولا لیکن یہاں تو جھوٹوں کی ایک لائن لگی ہوئی ہے۔یہ حوالہ سب سے پہلے دیوبندی مذہب کے مصنف نے دیا اور پھر اندھی بھیڑوں کی طرح ہر کوئی اسے نقل کرتا جا رہا ہے۔کسی نام نہاد محقق کو اتنی

توفیق نہیں کہ اصل کتاب کی طرف مراجعت کرلے۔ مجھے حیرت ہوتی ہے کہ ان لوگوں کو اس دن کی شرمندگی سے بھی حیاء نہیں آتی جس دن کوئی ان حوالہ جات کو اصل ماخذ سے دیکھ کر ان کے منہ پر ان کے دجل وفریب کو ماردے۔ دیوبندیت کے بطلان کے انکشاف کے مولف پر شاید یہ کذب بیانی واضح ہوگئی تھی اس لئے انہوں نے اسے نقل کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ بہرحال ملاحظہ ہو مکمل عبارت مولانا تاج الدین لدھیانویؒ پیش لفظ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

''ایک اندیشہ

مجھے اب بھی اندیشہ ہے کہ ہمارے بعض دیرینہ کرم فرما تاریخ احرار سے اپنے مطلب کے تراشے کانٹ چھانٹ کر حسب سابق تنقید کے زہرآلود تیروں سے احرار کو چھلنی کرنے اور احرار کے خلاف ناانصافی سے کام لیتے ہوئے پروپیگنڈا کرنے کی ناکام کوشش کریں گے۔ چوہدری افضل حق کی زندگی ہی میں ایک بار اس قسم کی بے ہودگی اور ناانصافی سے کام لیکر یہ پروپگینڈا کیا گیا تھا کہ احرار تو پاکستان کو پلیدستان کہتے ہیں۔ یہ دیکھ لیجئے ان کے لیڈر کی تحریر میں تاریخ احرار کے فلاں صفحہ پر واضح الفاظ میں یہ فقرہ موجود ہے۔ ایسے لوگ آج بھی موجود ہیں اور جب تک مرزائیت کا طلسم نہیں ٹوٹ نہیں جاتا۔ وہ بڑی عیاری سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کیلئے احرار کے خلاف چھینٹا بازی کرتے ہی رہیں گے۔"

(خطبات احرار، ص ۹۹، تاریخ احرار، ص ۴۳ طبع ثانی مارچ ۱۹۶۸)

قارئین کرام! ملاحظہ فرمایا آپ نے اس عبارت میں تو یہ کہا جارہا ہے کہ احرار کے بارے میں یہ جھوٹا پروپگینڈا کیا گیا کہ احرار پاکستان کو پلیدستان سمجھتے ہیں۔ مگر ان ظالموں نے کس طرح سیاق وسباق کو کاٹ کر یہ تاثر دیا کہ واقعی احرار پاکستان کو پلیدستان سمجھتے ہیں۔ اس کی مثال تو ایسی ہوئی جیسے کوئی یہ کہے کہ اعلیٰ حضرت کے خلاف پروپگینڈا کیا گیا کہ وہ زنا کرلیا کرتے تھے اور کوئی ظالم اس عبارت کو یہ عوان دے کر نقل کردے ''بریلویوں کے اعلیٰ حضرت زانی تھے''۔ کیا اب بھی ہمارے بھائی ان مکاروں کے دام فریب میں آئیں گے؟۔ میں نے بہت صبر کیا کہ میرے قلم سے کوئی سخت جملہ نہ نکلے، مگر میں آخر کب تک برداشت کروں؟ کوئی ایک جھوٹ، کوئی ایک خیانت، کوئی ایک بد دیانتی ہو تو بندہ غصہ کو پی جائے یہاں تو پورا ٹبر ہی خائن برادری کا جمع شدہ ہے۔

اندازہ لگائیں جو لوگ اس میڈیا کے دور میں بھی اتنی ڈھٹائی سے فراڈ کرتے ہوئے نہ شرمائیں ان کے اعلیٰ حضرت نے مکہ ومدینہ جا کر کیا کیا گل کھلائے ہوں گے؟۔

(اعتراض ۱۸۲): مولانا ظفر علی خان اور ان کی چمنستان

فریق مخالف مولانا ظفر علی خان کی چمنستان کے حوالے بھی اس باب میں پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے حضرت شاہ جی بخاریؒ اور احرار پر الزام لگائے کہ معاذ اللہ مسلم لیگ کو ووٹ دینے والے سوروں سے بدتر ہیں۔

اس سلسلے میں عرض ہے کہ مولانا ظفر علی خان مرحوم ایک متلون مزاج قسم کے آدمی تھے۔ صبح ایک جماعت کی تعریف تو شام دوسری جماعت میں شامل ہوکر پہلی والی جماعت کی پرزور مخالفت۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا ظفر علی خان صاحب نے مجلس احرار میں صدارت کا مطالبہ کیا جو ان کو نہ مل سکا جس کے بعد وہ مسلم لیگ کے ہاتھوں کھیلنے لگے اور ''یارلوگوں'' کے اکسانے پر بنا دلیل احرار پر وہ کچھ الزام لگائے جس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ اللہ پاک ان کی اس کوتاہی سے درگزر فرمائے، آمین۔

ڈاکٹر زاہد منیر عامر لکھتے ہیں:

''مولانا ظفر علی خان کی زندگی کے مختلف مراحل کا مطالعہ رکھنے والے اصحاب یہ جانتے ہیں کہ مولانا ایک وقت میں جس زاویہ نظر کو اختیار کرتے تھے، ہمیشہ اس پر کاربند نہیں رہتے تھے بلکہ بدلتی ہوئی سیاسی صورت حال میں اپنی رائے پر نظر ثانی بھی کیا کرتے تھے''۔

(کالم، روزنامہ نئی بات ۲۷ فروری ۲۰۱۸)

ان کی متلون مزاجی کے متعلق ہم احرار کے عظیم رہنما جانباز مرزا کی تحریر آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں:

''مولانا ظفر علی خان خاکساروں سے جاملے

کائنات عالم میں بعض انسانی وجود اس انداز سے داخل ہوتے ہیں کہ ان کا کوئی نقش پا کسی منزل کی نشاندہی نہیں کرتا۔ اسی طرح وہ سنگ میل بننے کے بجائے گم کردہ راہ مسافر بن کر رہ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی تقدیر کے چراغوں کو تدبیر سے روشن کرتے ہیں۔ لیکن یہ روشنی دیرپا نہیں ہوتی وقت اور حالات کا دامن انہیں ایک ہی ہوا کے جھونکے سے گل کر دیتا ہے۔ برصغیر کی متحدہ سیاست نے مولانا ظفر علی خان کا وجود ان کے کسی محور کی نشاندہی نہیں کرتا یہ درست ہے کہ انفرادیت میں وہ بڑی شخصیت تھے لیکن نہ تو وہ سالار کارواں بن سکے اور نہ غبار کارواں کہ پھیل کر اندھیرے اور اجالوں کو سمیٹ لیتے وہ اپنی ذات میں ایک مستقل انجمن تھے جس کی صدر خازن اور ورکنگ کمیٹی بھی خود ہی تھے۔

روزنامہ زمیندار ان کے قلم کا مرہون منت تھا وہ جب تک صفحات کے آسمان پر رہا ان کی انفرادیت رہی اور جیسے ہی مولانا ظفر علی ابدی نیند سوئے ادارہ اسی طرح دم توڑ گیا، جیسے اس کا وجود تھا ہی نہیں۔ یہ کیوں؟ ربع صدی تک ہندوستان سے باہر تک جو اخبار صدائے جرس رہا۔ کفر کے دل دہل جاتے رہے لیکن آج تلاش پر بھی اس کا ایک ورق دستیاب نہیں۔ کیوں؟ یہ اس سیمابی طبعیت کا نتیجہ ہے

چلتا ہوں تھوڑی دیر دور ہر راہ رو کے ساتھ
پہنچتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں

مولانا موصوف ہر صبح ایک جماعت کی تشکیل کرتے اور غروب آفتاب کے ساتھ اسے اپنے ہاتھوں سے دفن کر دیتے۔ ہاں فرنگی حکمرانوں کے خلاف اور مرزائیت سے ان کی جنگ خلوص پر مبنی تھی۔ اس میں انہوں نے کبھی ہار قبول نہیں کی۔ اس راہ میں مصائب آئے تو اسے قبول کیا مگر اس میدان میں بھی یک وتنہا رہے ان کے مجموعہ کلام گلستان اور بہارستان ان کی تلون مزاج طبعیت کے زندہ گواہ ہیں ایک صفحہ پر اگر کسی کی تعریف ہے تو دوسرے صفحہ پر اس کی ہجو موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناشران آج بھی ان کی اشاعت سے جی چراتے ہیں اور اگر کسی نے یہ جرات کی بھی تو اس کے سرمائے کو دیمک نے چاٹ لیا ۲ دسمبر ۱۹۳۴ کے زمیندار میں یہ خبر شائع ہوئی کہ حضرت مولانا ظفر علی خان خاکسار تحریک میں شامل ہو گئے اس کی تفصیل میں روزمانہ زمیندار لکھتا ہے:

پچیس خاکساروں کا ایک قافلہ میکلوڈ روڈ پر مولانا ظفر علی خان کی خدمت میں سلامی کیلئے حاضر ہوا تو مولانا دفتر زمیندار سے نکل کر سرو قد سڑک پر کھڑے ہو گئے گیارہ گولوں کی سلامی دی گئی سالار قافلہ نے آگے بڑھ کر مولانا کی خدمت میں بیلچہ پیش کیا۔ اس کے دوسرے سالار نے تحریک خاکسار کے دستور العمل کی ایک کاپی پیش کی۔ اس کے بعد علامہ مشرقی نے مولانا کے بازو پر اخوت کا نشان لگایا از اں بعد مولانا نے قلعہ گوجر تک خاکساروں کے ساتھ پریڈ کی۔

اس واقعہ پر سے کئی سال گزر گئے یہ سوال معمہ بنا رہا کہ مولانا ظفر علی خان یکا یکی خاکساروں میں کیسے شریک ہو گئے؟ ۲۲ دسمبر ۱۹۷۰ کو مصنف کی ملاقات خاکسار تحریک کے سرگرم رکن مسٹر صفدر سلیمی سے ان کے دفتر واقع شاہ عالم مارکیٹ لاہور میں ہوئی۔ گفتگو کے دوران سلیمی صاحب نے کہا کہ مولانا ظفر علی خاکسار تحریک میں اس لئے شامل ہوئے تھے کہ مولانا ظفر علی خان اپنی وضع کے منفرد آدمی تھے۔ کانگریس اور احرار سے جب ان کا نبھاہ نہ ہوسکا تو انہوں نے مسلم لیگ کی طرف توجہ دی جو ان دنوں مسلم عوام میں نئی تنظیم کے تحت ابھر رہی تھی۔ لیکن قائد اعظم محمد علی جناح نے جو مولانا ظفر علی خان کی تلون مزاج طبعیت سے واقف تھے اس پر آمادہ نہ ہوئے تب انہوں نے خاکسار رہنما علامہ مشرقی سے رابطہ قائم کیا اور اس تحریک میں شامل ہو گئے''۔ (کاروان احرار، ج ۲، ص ۴۷ تا ۶۷، اشاعت اول جون ۱۹۷۷)

احرار کی مخالفت کی وجہ:

محترم ظفر علی خان صاحب پہلے احرار میں تھے مگر پھر مخالفت پر اتر آئے اس کی وجہ بتاتے ہوئے جانباز مرزا مرحوم لکھتے ہیں:

''مولانا ظفر علی خان احرار سے کیوں روٹھے؟ اکتوبر ۱۹۳۴ء میں قادیان میں احرار کانفرنس کیلئے مولانا ظفر علی خان کا نام صدارت کیلئے احرار ورکنگ کمیٹی کے سامنے آیا تو اکثریت نے مولانا کی سیمابی طبیعت کے پیش نظر ان کی جگہ حضرت امیر شریعت کو صدر منتخب کرلیا۔ بس پھر کیا تھا۔ چل میرے خاماں بسم اللہ اتنی سے بات نے وہ بگاڑ پیدا کیا کہ ظفر علی خان زمزم سے پھسل کر بٹالہ رود کوہی کے کنارے جا گرے''۔

(تحریک مسجد شہید گنج، ص ۳۰ فروری ۱۹۸۸)

حضرت جانباز مرزا مرحوم نے تفصیل سے اس کتاب میں مولانا ظفر علی خان صاحب کا احرار کے خلاف بھیانک چہرے کو بے نقاب کیا ہے، احرار کی مخالفت میں ظفر علی خان صاحب انتہائی تعصب کی حد تک چلے گئے اور کچھ بھی کرنے کو تیار ہو گئے تھے جس کی تفصیل آپ کو اسی کتاب میں ملے گی۔ لہذا ان کے یہ اشعار اسی تعصب کی بنیاد پر ہے جن کا حقیقت میں کوئی وجود نہیں۔ اصول جرح وتعدیل میں یہ اصول مذکور ہے کہ متعصب کی جرح ہرگز قابل قبول نہیں لہذا اس باب میں ظفر علی خان صاحب کے یہ بکواسی اشعار ہرگز قابل حجت نہیں۔

(اعتراض ۱۸۳:) متحدہ قومیت کے حوالے سے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور شاعر مشرق علامہ اقبال کا تنازعہ

اس قضیہ کو بھی مختلف رضاخانی حضرات نے اپنی کتاب کا موضوع بحث بنایا ہوا ہے۔ چنانچہ مولانا شاہ تراب الحق قادری صاحب کہتے ہیں:

''ان کا سرخیل کوئی مولوی غیرت مند ہو تو جواب دے اور یہ کہے کہ ہم جھوٹ بولتے ہیں اگر اس میں ذرہ برابر بھی جرات ہے تو ہمارے بیان کو غلط ثابت کر کے بتائے مسلمانوں کا نقطہ نظر یہ تھا کہ مسلمان الگ قوم ہے اور ہندو الگ قوم ہے۔ ہماری قوم مذہب سے ہے ہم مسلمان ایک ملت سے ہیں چاہے کہیں کے بھی ہوں اور دیوبندیوں کے سرخیل نے کیا فتوی دیا؟ کہ یہ بات غلط ہے کہ ملت مذہب سے ہے بلکہ ملت وطن سے ہے۔ ہندو ہمارے وطنی ہیں ایک وطن کے رہنے والے ہیں۔ ہم مسلمان ہندوستانی ہیں، ہندو بھی ہندوستانی ہیں لہذا ہم دونوں بھائی بھائی ہیں یہ فتوی اتنا مشہور ہوا کہ اگر میں آپ کو علماء کی دستاویز دکھاؤں تو آپ کہیں گے کہ یہ تو مولویوں کا جھگڑا ہے سنئے ڈاکٹر

اقبال نے کہا۔۔۔۔۔دیوبندیوں کا اتنا بڑا عالم جسے حسین احمد مدنی کہتے ہیں منبر رسول پر بیٹھ کر یہ کہتا ہے کہ ملت وطن سے ہے ایسا لگتا ہے کہ یہ بدبخت مقام مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے خبر ہے"۔(تخلیق پاکستان میں علمائے اہلسنت کا کردار ص ۸۳ تا ۸۸)

جواب: بالکل قادری صاحب نے نہ صرف جھوٹ بولا بلکہ غلط بیانی سے کام لیا۔الحمد للہ علمائے اہلسنت میں ایک نہیں کئی غیرت مند مولوی ماضی میں بھی اور آج بھی زندہ ہیں جنہوں نے آپ کی اس بات کو جھوٹ ثابت کیا۔ملاحظہ ہو اس سارے قضیہ کی تفصیل:

۸ر جنوری ۱۹۳۸ء کی شب میں صدر بازار دہلی کے ایک جلسے میں مولانا مدنی نے تقریر فرمائی، جس کا بڑا حصہ ۹/ جنوری کے روزنامہ "تیج" اور "انصاری" دہلی میں شائع ہوا، اس جلسے میں روزنامہ "الامان" (اس کے مدیر مولانا مظہر الدین شیرکوٹی فاضل دیوبند تھے، جو پکے مسلم لیگی تھے) کا رپورٹر بھی موجود تھا، اس نے اپنے حساب سے اس تقریر کی رپورٹنگ کی اور اس کے بعد اسے "الامان" میں شائع کر دیا گیا، پھر اس سے "زمیندار" اور "انقلاب" لاہور نے بھی نقل کیا اور یہ جملہ مولانا سے منسوب کر دیا کہ انھوں نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا ہے کہ چوں کہ اس زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں؛ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی قومیت کی بنیاد وطن کو بنائیں۔اُدھر علامہ اقبال، جو اپنے وقت کے بے مثال اسلامی شاعر اور مفکر تھے اور وہ بھی ایک عرصے تک قومی نظریے کی حمایت میں لکھتے، بولتے اور اس کی ہم نوائی کرتے رہے تھے، ان کی مشہور نظم "ہمالیہ" اور "ترانۂ ہندی" اسی دور کی یادگار ہیں؛ مگر جب انھوں نے یورپ کا دورہ کیا اور وہاں کی تہذیب، طریقۂ زندگی، سیاسی نظریات وافکار کا مشاہدہ کرنے کے بعد وہاں سے واپس ہوئے، تو ان کا سیاسی نقطۂ خیال بدل چکا تھا، انھوں نے واپسی کے بعد قومی راہ نماؤں کو خطوط لکھے، اخبارات میں اپنے مضامین شائع کروائے اور مسلمانوں کو دوقومی نظریے پر ابھارنا شروع کر دیا اور چوں کہ اس وقت مسلم لیگ کا اساسی نظریہ یہی تھا؛ اس لیے علامہ اقبال اسی کی حمایت وموافقت میں جٹ گئے، انھوں نے سب سے پہلے ۱۹۳۰/ کے آل انڈیا مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الہ آباد میں خطبۂ صدارت پیش کرتے ہوئے شمال مغربی ہندوستان کی علیحدگی کی تجویز پیش کی اور اسے وطن کی معاشرتی مشکلات اور ہندو مسلم منافرتوں کا حل بتلایا، اس کے بعد ان کے افکار کی ساری توانائی اور تخیلات کی تمام تر بلند پروازیاں اسی خیال کو تقویت پہنچانے اور قوم پرست علما اور لیڈران پر پھبتیاں کسنے میں صرف ہوئیں۔

"الامان" کے واسطے سے نقل شدہ خبر جب علامہ موصوف کو پہنچی، جو ان کے نظریے کے سخت خلاف تھی، تو انھوں نے مولانا حسین احمد مدنی پر سخت تنقید کی اور یہ شعر کہہ ڈالے:

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ
ز دیوبند حسین احمد ای چہ بوالعجبی ست؟
سرود برسرِ منبر کہ ملت از وطن ست
چہ بے خبر زمقامِ محمدِ عربی ست
بہ مصطفی بہ رساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نہ رسیدی تمام بو لہبی ست

علامہ اقبال کے یہ اشعار روزنامہ "احسان" میں شائع ہوئے، اس کے بعد پورے ملک میں ہنگامہ، بے چینی اور خلش کا ماحول پیدا ہوگیا،

جہاں علامہ اقبال کے حامیین مولانا مدنی کے خلاف زبان درازی وقلم درازی پر اتر آئے، وہیں خود حضرت کے متوسلین کی طرف سے بھی جوابِ آں غزل کے طور پر تحریروں اور بیانات کا اک سلسلۂ دراز شروع ہوگیا، جو کسی آن تھمنے کا نام نہ لیتا تھا، مولانا کی طرف سے وضاحتی بیان بھی شائع ہوا، جس میں آپ نے اپنی جانب منسوب کیے گئے جملے کی تردید کی تھی، اسی کے بعد اعظم گڑھ کے مشہور شاعر اقبال سہیل نے بھی علامہ اقبال کے خلاف انہی کی بحر میں ایک لمبی اور تیز وتند نظم کہی تھی:

کسے کہ خردہ گرفت بر حسین احمد
زبانِ او عجمی وکلام در عربی ست
کہ گفت برسرِ منبر کہ ملت از وطن است
دروغ گوئی وایراد، ایں چہ بوالعجبی ست
درست گفت محدث کہ قوم از وطن ست
کہ مستفاد زفرمودہ خدا ونبی ست
زبانِ طعن کشودی وایں نہ دانستی
کہ فرقِ ملت وقوم از لطائفِ ادبی ست
تفاوتے ست فراواں میانِ ملت وقوم
یکے ز کیش ودگر کشوری ست یا نسبی ست
خدائے گفت بہ قرآں "لکل قوم ہاد"
مگر بہ نکتہ کجا پے بَرد کسے کہ غبی ست
بہ قومِ خویش خطابِ پیمبراں بہ نگر
پُر از حکایتِ "یاقوم" مصحفِ عربی ست
رموزِ حکمتِ ایماں زفلسفی جستن
تلاشِ لذتِ عرفاں زبادہ عنبی ست
بہ دیوبند درآ گر نجات می طلبی
کہ دیوِ نفس سلحشور و دانشِ تو صبی ست
بہ گیر راہِ حسین احمد گر خدا خواہی
کہ نائب ست نبی را وہم ز آلِ نبی ست

یعنی وہ شخص جو حضرت مولانا حسین احمد مدنی پر الزام تراشی کرتا ہے زبان اس کی عجمی ہے اور گفتگو عربی میں کرتا ہے کہ حضرت نے منبر پر فرمایا کہ ملت وطن سے ہے۔ تو جھوٹ کہتا ہے اور یہ اعتراض بھی کیا حیران کن ہے کیونکہ حضرت محدثؒ نے درست ارشاد فرمایا کہ قوم وطن سے ہے اس لئے کہ حضرت کا یہ فرمانا قرآن وحدیث کی روشنی میں ہے۔ تو نے طعن وتشنیع کی زبان تو کھولی لیکن یہ نہ جان سکا کہ قوم اور ملت

کے درمیان فرق ادبی باریکیوں میں سے ہے ۔قوم اور ملت کے درمیان بہت زیادہ فرق ہے ایک کا معنی مذہب اور دین اور دوسرے کا معنی ملک یا نسل ہے ۔اللہ پاک نے قرآن کریم میں لکل قوم ھاد فرمایا ہے مگر کم عقل شخص ایسے ادبی نکتے تک کب پہنچ سکتا ہے ۔پیغمبروں کا اپنی قوم کو خطاب کرنے کو تو دیکھ قرآن عربی یا قوم کے الفاظ نقل کرنے میں بھرا ہوا ہے ۔مگر ،ایمان کی حکمت کی باریکیاں کسی فلسفی سے تلاش کرنا ایسا ہی ہے جیسے معرفت الٰہیہ کی لذت کو انگوری شراب میں تلاش کرنا ۔اگر نجات کا طلب گار ہے تو دیوبند حاضر ہو کیونکہ نفس کا دیو ہتھیار بند چالاک ہے اور تو ابھی بچہ ہے ۔حضرت سید حسین احمد کی مریدی اختیار کر اگر خدا تک پہنچنے کا ارادہ ہے کیونکہ حضرت حضور ﷺ کے نائب ہیں اور آپ ﷺ کی اولاد میں سے بھی ہیں ۔

خوش قسمتی سے ایک دردمند اور باشعور و ذی فہم مسلمان (جو عالم دین بھی تھے اور ادیب وصحافی بھی) جنھوں نے مصلحتاً اپنا نام طالوت (اصل نام عبدالرشید نسیم) رکھ لیا تھا ،حقیقت حال دریافت کرنے کے لیے حضرت مدنی کی خدمت میں ایک خط لکھا ،جس کا حضرت مدنی نے جواب دیا اور اپنی تقریر کا مدعا بہ وضاحت بیان کیا ،پھر انھوں نے ان کے خط کا اقتباس علامہ اقبال کی خدمت میں ارسال کیا ،جس کو دیکھنے کے بعد علامہ موصوف نے اپنا تبصرہ واپس لے لیا اور فرمایا کہ :"میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا ۔مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں" ۔(۱)

علامہ اقبال کا یہ اعتراف نامہ "احسان" کے علاوہ ۵ / مارچ ۱۹۳۸ /کو روز نامہ "مدینہ" بجنور میں بھی شائع ہوا تھا ،خیر !علامہ اقبال نے تو اپنی بات واپس لے لی ؛مگر ان کا وہ قطعہ "ارمغان حجاز" کے ترتیب کاروں نے نہ معلوم کن مصلحتوں کے تحت چھاپ دیا اور اب تک یہ سلسلہ زبوں جاری ہے ؛ حالاں کہ علامہ کے بعض دوستوں اور ماہرین اقبالیات کی یہ رائے تھی کہ اگر وہ ان کی زندگی میں چھپتی ،تو یہ اشعار اس میں شامل نہ کیے جاتے ،خواجہ عبدالوحید لکھتے ہیں :

"ارمغانِ حجاز" اگر حضرت علامہ کی زندگی میں چھپتی ،تو یہ نظم اس میں شامل نہ ہوتی " ۔(۲)

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید نے بھی "سرگزشت اقبال" میں تحریر کیا ہے :

"اگر وہ "ارمغانِ حجاز" کی ترتیب اپنی زندگی میں کرتے ،تو شاید وہ تین اشعار درج نہ کرتے ،جن میں مولانا حسین احمد مدنی پر چوٹ کی گئی تھی" ۔(۳)

ماہر اقبالیات وشارحِ کلیاتِ اقبال پروفیسر یوسف سلیم چشتی لکھتے ہیں :

"حقیقتِ حال سے واقف ہونے کے بعد علامہ نے اپنا اعتراض واپس لے لیا تھا اور وہ اشعار محض اس وجہ سے "ارمغانِ حجاز" میں راہ پا گئے کہ اس اعتراف کے محض تین ہفتوں کے بعد علامہ وفات پا گئے اور انھیں یہ ہدایت دینے کا موقع نہ مل سکا کہ ان اشعار کو "ارمغانِ حجاز" میں شامل نہ کیا جائے ،اگر کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ "ارمغانِ حجاز" میں اس نظم کے ساتھ یہ صراحت کر دی جائے کہ حقیقتِ حال سے آگاہ ہو جانے کے بعد علامہ مرحوم نے ان اشعار کو کالعدم قرار دے دیا تھا ،تو بہت اچھا ہو ؛ کیوں کہ اس تصریح کی بہ دولت قارئین حضرتِ اقدس کے خلاف سوءِظن سے محفوظ ہو جائیں گے" ۔(۴)

مولانا حکیم فضل الرحمن سواتی نے بھی حافظ شیراز اور مسٹر محمد علی جناح کے تعلق سے علامہ موصوف کے ایرادات سے رجوع کی تفصیلات تحریر

کرتے ہوئے یہی بات لکھی ہے۔

حاشیہ نمبر ۱، ۲، ۳ اور ۴ کی عبارتیں ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

(۱) پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ، اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ الجمعیۃ، شیخ الاسلام نمبر ص: ۳۸۳۔

(۲) الجمعیۃ، شیخ الاسلام نمبر، بہ حوالہ: اقبال ریویو، جنوری ۱۹۶۹/ ص: ۶۷۔

(۳) ص: ۴۷۵۔

(۴) پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ، اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا حسین احمد مدنیؒ مشمولہ: الجمعیۃ، شیخ الاسلام نمبر ص: ۳۸۳



حضرت شیخ الاسلام مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال مرحوم کی مکمّل خط وکتابت

نظریۂ قومیت کے بارے میں اقبال اور مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا تھا، اس سلسلے میں ایک صاحب طالوت نے جنہیں اقبال اور مولانا مدنی دونوں سے عقیدت تھی مراسلت کے ذریعہ یہ اختلافات یا غلط فہمی دور کرادی تھی۔ مولانا مدنی اور اقبال کے بیانات کئی بار طبع ہوچکے ہیں۔ لیکن اقبال نے جو خطوط طالوت کو لکھے وہ بھی اگرچہ طبع ہوچکے ہیں لیکن کم یاب ہیں۔ اس لئے انہیں اس مجموعے میں شامل کیا جارہا ہے، آخری خط جو اسی سلسلے کی کڑی ہے ایڈیٹر روزنامہ ''احسان'' کے نام ہے۔

۱۶/فروری ۱۹۳۸ء

جناب من!

مولانا حسین احمد صاحب کے معتقدین اور احباب کے بہت سے خطوط میرے پاس آئے، ان میں سے بعض میں تو اصل معاملہ کو بالکل نظرانداز کردیا گیا ہے مگر بعض نے معاملے پر ٹھنڈے دل سے غور کیا اور مولوی صاحب کو بھی اس ضمن میں خطوط لکھے ہیں۔ چنانچہ آپ کے خط میں مولوی صاحب کے خط کے اقتباسات درج ہیں۔ اس واسطے میں نے آپ ہی کے خط کو جواب کے لئے انتخاب کیا ہے۔ جواب انشاء اللہ اخبار ''احسان'' میں شائع ہوگا، میں فرداً فرداً علالت کی وجہ سے خط لکھنے سے قاصر ہوں۔ فقط

مخلص

محمد اقبال

۱۸/فروری ۱۹۳۸ء

جناب من!

سلام مسنون۔ میں حسب وعدہ آپ کے خط کا جواب ''احسان'' میں لکھوانے کو تھا کہ میرے ذہن میں ایک بات آئی جس کا گوش گزار کردینا ضروری ہے۔ امید ہے کہ آپ مولوی صاحب کو خط لکھنے کی زحمت گوارا فرما کر اس بات کو صاف کردیں گے۔ جو اقتباسات آپ نے ان کے خط سے درج کئے ہیں ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آج کل قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔ اگر ان کا مقصود

ان الفاظ سے صرف ایک امر واقعہ کو بیان کرنا ہے تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہوسکتا۔کیونکہ فرنگی سیاست کا یہ نظریہ ایشیا میں بھی مقبول ہو رہا ہے۔البتہ اگر ان کا یہ مقصد تھا کہ ہندی مسلمان بھی اس نظریئے کو قبول کرلیں تو پھر بحث کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔کیونکہ کسی نظریئے کو اختیار کرنے سے پہلے یہ دیکھ لینا ضروری ہے کہ آیا وہ اسلام کے مطابق ہے یا منافی۔اس خیال سے کہ بحث تلخ اور طویل نہ ہونے پائے اس بات کا صاف ہوجانا ضروری ہے کہ مولانا کا مقصود ان الفاظ سے کیا تھا۔ان کا جو جواب آئے وہ آپ مجھے روانہ کردیجئے۔ **مولوی صاحب کو میری طرف سے یقین دلائے کہ میں ان کے احترام میں کسی اور مسلمان سے پیچھے نہیں ہوں**۔البتہ اگر مذکورہ بالا ارشاد سے ان کا مقصد وہی ہے جو میں نے اوپر لکھا ہے تو میں ان کے مشورے کو اپنے ایمان اور دیانت کی رو سے اسلام کی روح اور اس کے اساسی اصولوں کے خلاف جانتا ہوں میرے نزدیک ایسا مشورہ مولوی صاحب کے شایان شان نہیں اور وہ مسلمانان ہند کی گمراہی کا باعث ہوگا،اگر مولوی صاحب نے میری تحریروں کو پڑھنے کی کبھی تکلیف گوارا فرمائی ہے تو انہیں معلوم ہوگیا ہوگا کہ میں نے اپنی عمر کا نصف حصہ اسلامی قومیت اور ملت کے اسلامی نقطہ نظر کی تشریح وتوضیح میں گزارا ہے محض اس وجہ سے کہ مجھ کو ایشیا کے لئے اور خصوصاً اسلام کے لئے فرنگی سیاست کا یہ نظریہ ایک خطرۂ عظیم محسوس ہوتا تھا۔کسی سیاسی جماعت کا پروپیگنڈا کرنا نہ میرا اس سے پہلے مقصد تھا نہ آج مقصود ہے بلکہ وہ شخص جو دین کو سیاسی پروپیگنڈے کا پردا بناتا ہے میرے نزدیک لعنتی ہے۔

مخلص

محمد اقبال

جناب ایڈیٹر صاحب

احسان،لاہور

السلام علیکم

میں نے جو تبصرہ مولانا حسین احمد صاحب کے بیان پر شائع کیا ہے اور جو آپ کے اخبار میں شائع ہو چکا ہے اس میں اس امر کی تصریح کردی تھی کہ اگر مولانا کا یہ ارشاد کہ زمانۂ حال میں اقوام اوطان سے بنتی ہیں''محض برسبیل'' تذکرہ ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں، اور اگر مولانا نے مسلمانِ ہند کو یہ مشورہ دیا کہ وہ جدید نظریہ وطنیت اختیار کریں تو دینی پہلو سے اس پر مجھ کو اعتراض ہے۔مولوی صاحب کے اس بیان میں جو اخبار''انصاری'' میں شائع ہوا مندرجہ ذیل الفاظ ہیں:

لہٰذا اشد ضرورت ہے کہ تمام باشندگان ملک کو منظم کیا جائے اور ان کو ایک ہی رشتے میں منسلک کرکے کامیابی کے میدان میں گامزن بنایا جائے۔ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق ملل کے لئے کوئی رشتہ اتحاد بجز متحدہ قومیت اور کوئی رشتہ نہیں جس کی اساس محض یہی ہوسکتی ہے اس کے علاوہ اور کوئی دوسری چیز نہیں ہے۔

ان الفاظ سے تو میں نے یہی سمجھا کہ مولوی صاحب نے مسلمانان ہندوستان کو مشورہ دیا ہے۔اسی بناء پر میں نے وہ مضمون لکھا جو اخبار احسان میں شائع ہوا ہے۔لیکن بعد میں مولوی صاحب کا ایک خط طالوت صاحب کے نام آیا جس کی ایک نقل انہوں نے مجھ کو بھی ارسال کی ہے۔اس خط میں مولانا ارشاد فرماتے ہیں:

میرے محترم سر صاحب کا ارشاد ہے کہ اگر بیان واقعہ مقصود تھا اس میں کوئی کلام نہیں اور اگر مشورہ مقصود ہے تو خلاف دیانت ہے۔اس لئے میں خیال کرتا ہوں کہ پھر الفاظ پر غور کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تقریر کے لاحق وسابق پر نظر ڈال لی جائے۔میں عرض کر رہا تھا کہ ''موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں۔'' یہ اس زمانے کی جاری ہونے والی نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے۔یہاں یہ نہیں کہا جاتا ہے کہ ہم کو ایسا کرنا چاہئے۔خبر ہے انشا نہیں ہے۔کسی ناقل نے مشورے کا ذکر بھی نہیں کیا۔پھر اس مشورے کو نکال لینا کس قدر غلطی ہے۔''

خط کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانان ہند کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔لہٰذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا۔میں مولانا کے ان عقیدت مندوں کے جوش عقیدت کی قدر کرتا ہوں جنہوں نے ایک دینی امر کی توضیح کے سایہ میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں۔خدا تعالیٰ ان کو مولانا کی صحبت سے زیادہ مستفید کرے۔نیز ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں۔

محمد اقبال

(انوار اقبال،ص ۱۶۶ تا ۱۷۰ مرتب بشیر احمد ڈار،مطبوعہ اقبال اکادمی کراچی)

حسن علی رضوی میلسی لکھتا ہے:

''ڈاکٹر اقبال کا مولوی حسین احمد سے معذرت کرنے کا قصہ کونسی گرنتھ میں لکھا ہے؟ اور کونسے مورخ ہند نے اسے مرتب کیا ہے''۔

(محاسبہ دیوبندیت، جلد دوم،ص ۳۱)

کسی گرنتھ کا حوالہ تو ہم واقعی نہیں دے سکتے کیونکہ یہ معذرت اور رجوع احمد رضا خان بریلوی کی کتب میں نہیں۔جو ہم سے گرنتھ کا یا وید ھ کا یا کوک شاستر مطالبہ کیا جائے۔البتہ اگر بات تاریخ کے حوالے سے کرنی ہے تو ہم نے حوالہ دے دیا۔اب مان یا نہ مان وہ ہمارا کام نہیں۔

☆☆☆☆

بگیر راہِ حسین احمد!

رفیق احمد بالاکوٹی

۲۸ ربیع الاول ۱۴۳۰ھ بروز جمعرات بمطابق ۲۶ مارچ ۲۰۰۹ء کو روزنامہ جنگ کے ادارتی صفحے پر ''قلم وکمان'' کے حامل مختلف حوالوں سے معروف کالم نگار جناب حامد میر صاحب کا کالم ''بلاول کا خیال کیجئے'' پڑھا، موصوف نے بلاول کے باپ سے زیادہ بلاول کا خیر خواہ بنتے ہوئے مختلف مشوروں سے نوازا، ہر آنے والے کو مشورے وتجاویز دینا موصوف کا کام ہے، اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہے، موصوف کے مذکورہ کالم میں مختلف باتوں کے درمیان کوئی ربط ڈھونڈنا بھی ضروری نہیں، کیونکہ وہ مقام صحافت کی اس سیڑھی پر پاؤں جما چکے ہیں جہاں اس قسم کے ربط نہیں دیکھے جاتے، لیکن مجھے اور مجھ جیسے لاکھوں کروڑوں انسانوں کو ایک بات حد درجہ بے ربط اور بے جواز معلوم ہوئی اور وہ یہ کہ ''بلاول'' کا خیال کرنے کے لئے آزادئ ہند کے عظیم رہنما شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی اور مفتی اعظم ہند، مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہما اللہ پر کیچڑ اچھالنے کی ضرورت انہیں کیوں محسوس ہوئی، اور وہ بھی ایک ایسے جھوٹے قصہ کی بنیاد پر جسے اپنے دور کے بہترین و ماہر ترین مخترع، مفتری اور وضاع نے اپنے مخصوص افکار اور خبثِ باطن کے اس سلسلہ وار زاویے سے گھڑا تھا جس کی کڑیاں صدر اول کے ابن سبا سے ملتی ہیں، اس قصے کا اصل موجد مشہور افترا باز پائے کا دروغ ساز ابوالحسن اصفہانی ہے اگر ''میر وقت'' جہانگیر تمیمی کی بجائے براہ راست ''اصفہانی'' سے جھوٹی روایت نقل کرتے تو ان کی سند عالی ہوجاتی، کیونکہ تمیمی یا بٹالوی تو اس قصہ کا ذبہ کے محض ناقل ہیں، اصل سرچشمہ اصفہانی صاحب ہیں۔ اگر ''میر وقت'' بلاول اور زرداری کی خیر خواہی وخوشامد سے کچھ وقت بچا کر تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھ لیتے جو اس جھوٹے قصے کے حوالے سے تاریخ کا حصہ بن چکا ہے تو امید ہے کہ میر صاحب انسانی حیاء کے مارے یہ جھوٹ نقل فرمانے کی جسارت نہ فرماتے، کیونکہ اس جھوٹ کے جراثیم اس دور کے ''میروں'' کے علاوہ شاید کہیں بھی قرار پذیر نہ ہوں، اس لئے کہ اس موضوع پر اس قدر وضاحتیں ہو چکی ہیں کہ حقیقت کو چھپانے والے سارے پردے تارتار ہو چکے ہیں، بہر حال ہمارے میر صاحب ''بلاول'' کی خاطر جو بے ربط ارشاد فرما چکے ہیں ہم اسے بعینہ نقل کرنے کے بعد موصوف کے سامنے علامہ اقبال کا تیار کردہ ''آئینہ بولہبی'' پیش کریں گے۔ وہ خود ہی اپنا چہرہ اس میں دیکھ لیں۔ چنانچہ میر صاحب مولانا فضل الرحمن پر تنقید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''تحریک پاکستان میں بھی کچھ مولانا صاحبان نے علامہ اقبال اور قائداعظم کے خلاف طرح طرح کے فتوے صادر کئے، نوبت یہاں تک آئی کہ علامہ اقبالؒ کو جمعیت علماء ہند کے رہنما مولانا حسین احمد مدنی کے خلاف اشعار کہنا پڑ گئے، تحریک پاکستان کے ایک نامور مورخ ڈاکٹر محمد جہانگیر تمیمی نے اپنی کتاب ''زوال سے اقبال تک'' میں ایک عجیب قصہ لکھا ہے فرماتے ہیں کہ 1937ء کے انتخابات میں مفتی کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد مدنی مسلم لیگ کی حمایت کے لئے راضی تھے، لیکن انہوں نے اس حمایت کے اخراجات کے لئے پچاس ہزار روپے طلب کئے یہ رقم اس زمانے میں بہت زیادہ تھی، قائداعظم یہ مطالبہ پورا نہ کرسکے اور مولانا صاحبان کانگریس کی طرف چلے گئے کیونکہ وہاں سے ان کے مالی تقاضے پورے ہوگئے تھے۔ شکر ہے کہ اس دور میں مولانا شبیر احمد عثمانی مولانا اشرف علی تھانوی اور مفتی محمد شفیع جیسے علمائے حق نے دارالعلوم دیوبند کی عزت رکھ لی اور بے لوث انداز میں تحریک پاکستان کی حمایت کی، مولانا فضل الرحمن سے التجا ہے کہ آج مولانا حسین احمد مدنی کی بجائے علامہ شبیر احمد عثمانی کے نقش قدم پر چلیں۔''

''میر صاحب'' کے ان ارشادات کے تناظر میں سر دست مختصراً تین باتوں کی وضاحت کرتے ہیں ،اور قائد اور علامہ کے خلاف فتوی۔ ۲۔علامہ کے اشعار۔ ۳۔پچاس ہزاری قصہ کی حقیقت۔

قیام پاکستان اور علماء کا اختلافی نقطہ نظر

قیام پاکستان کے حوالے سے حضرت مدنی اور مفتی کفایت اللہ صاحب اور دوسرے کئی حضرات کو تحفظات تھے، انہیں اختلاف تھا یہ ایک واضح حقیقت ہے لیکن اس ح حقیقت کا دوسرا اور اصلی رخ اس سے زیادہ اہم ہے مگر اسے بیان نہیں کیا جاتا وہ یہ کہ آخر یہ حضرات کیوں مخالف تھے؟ اس مخالفت کے اسباب کیا تھے؟ قیام پاکستان کے بعد ان بزرگوں کی رائے کیا تھی۔ان پہلوؤں سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف اختلاف کا واویلا کرنا اور اسے فتوی بازی کہنا تاریخ کی بدترین خیانت کہلانے کی حقدار ہے۔آئیے سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی زبانی سنئے کہ ہمارے یہ بزرگ قیام پاکستان کے مخالف کیوں تھے؟ مخالفت کے اسباب پر غور فرمائیے اور ساتھ ساتھ پاکستان کی حالیہ تصویر پر غور فرماتے جائیے۔ ۲۶ اپریل ۱۹۴۶ء کو دہلی کے اردو پارک میں پانچ لاکھ کے مجمع کے سامن حضرت شاہ جی نے جو تاریخی خطاب فرمایا تھا اس کے صرف دو اقتباس (جو مخالفین کے موقف کا خلاصہ ہیں) ملاحظہ ہوں۔

''اس وقت آئینی اور غیر آئینی دنیا میں یہ بحث چل رہی ہے کہ آیا ہندوستان میں ہندو اکثرت کو مسلم اقلیت سے جدا کر کے برصغیر کو دوحصوں میں تقسیم کر دیا جائے؟ قطع نظر اس کے کہ اس کا انجام کیا ہوگا، مجھے پاکستان بن جانے کا اتنا ہی یقین ہے جتنا اس بات پر کہ صبح کو سورج مشرق سے طلوع ہوگا،لیکن وہ پاکستان نہیں بنے گا جو دس کروڑ مسلمانان ہند کے ذہنوں میں موجود ہے اور جس کے لئے آپ بڑے خلوص سے کوشاں ہیں ان مخلص نوجوانوں کو کیا معلوم کہ کل ان کے ساتھ کیا ہونے والا ہے، بات جھگڑے کی نہیں، سمجھنے اور سمجھانے کی ہے،لیکن تحریک کی قیادت کرنے والوں کے قول وفعل میں بلا کا تضاد اور بنیادی فرق ہے، اگر آج مجھے کوئی اس بات کا یقین دلادے کہ کل کو ہندوستان کے کسی قصبہ کی گلی میں یا کسی شہر کے کسی کوچہ میں حکومت الٰہیہ کا قیام اور شریعت اسلامیہ کا نفاذ ہونے والا ہے تو رب کعبہ کی قسم! میں آج ہی اپنا سب کچھ چھوڑ کر آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں۔

لیکن یہ بات میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ جو لوگ اپنی اڑھائی من کی لاش اور چھ فٹ کے قد پر اسلامی قوانین نافذ نہیں کر سکتے، جن کا اٹھنا بیٹھنا، جن کا سونا، جن کا جاگنا، جن کی وضع قطع، جن کا رہن سہن، بول چال، زبان وتہذیب، کھانا پینا، لباس وغیرہ غرض کہ کوئی چیز بھی اسلام کے مطابق نہ ہو وہ دس کروڑ انسانی آبادی کے ایک قطعہ زمین پر اسلامی قوانین کس طرح نافذ کر سکتے ہیں؟ یہ ایک فریب ہے اور میں یہ فریب کھانے کے لئے تیار نہیں۔

ہندو اپنی مکاری اور عیاری سے پاکستان کو ہمیشہ تنگ کرتے رہے گا۔اسے کمزور بنانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔اس تقسیم کی بدولت آپ کے دریاؤں کا پانی روک لے گا۔آپ کی معیشت تباہ کرنے کی کوشش کی جائے گی،آپ کی یہ حالت ہوگی کہ بوقتِ ضرورت مشرقی پاکستانی، مغربی پاکستان کی اور مغربی پاکستان، مشرقی پاکستان کی کوئی مدد کرنے سے قاصر ہوگا، اندرونی طور پر پاکستان میں چند خاندانوں کی حکومت ہوگی اور یہ خاندان زمینداروں،صنعت کاروں اور سرمایہ داروں کے خاندان ہوں گے امیر دن بدن امیر تر ہوتا چلا جائے گا اور غریب غریب تر۔''

(روزنامہ الجمعیۃ، دہلی ۲۸ اپریل ۱۹۴۶ بحوالہ کردار قائداعظم ص ۱۵۶، ۱۵۷، بینات رجب ۱۴۰۷ء)

''تم الگ الگ رہ کر بھی باہم شیر وشکر رہ سکتے تھے مگر تم نے اپنے تنازعہ کا انصاف فرنگی سے مانگا ہے وہ تم دونوں کے درمیان کبھی

نہ ختم ہونے والا غبار ضرور پیدا کر کے جائے گا، جس سے تم دونوں قیامت تک چین سے نہ بیٹھ سکو گے اور آئندہ بھی تمہارا آپس کا کوئی تنازعہ باہمی بات چیت سے کبھی طے نہ ہو سکے گا۔ آج انگریز کے فیصلہ سے تم تلواروں اور لاٹھیوں سے لڑو گے تو آنے والے کل کو توپ اور بندوق سے لڑو گے، تمہاری اس نادانی اور من مانی سے اس برصغیر میں انسانیت کی جو تباہی ہوگی، عورت کی جو بے حرمتی ہوگی، اخلاق وشرافت کی تمام قدریں جس طرح پامال ہوں گی، تم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ یہاں (موجودہ پاکستان میں) وحشت و درندگی کا دور دورہ ہوگا، بھائی بھائی کا خون کا پیاسا ہو جائے گا، انسانیت اور شرافت کا گلا گھونٹ دیا جائے گا نہ کسی کی عزت کی حفاظت ہوگی نہ مال، نہ جان نہ ایمان اور اس سب کا ذمہ دار کون ہوگا؟ تم دونو!

(روزنامہ الجمعیۃ دہلی ۲۸اپریل ۱۹۴۶ء)

یہ علماء ہند کا وہ اختلاف اور اس کی بنیاد جس کو میر صاحب ''فتوی بازی'' کہہ رہے ہیں، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ شاہ جی کے مذکورہ اقتباسوں پر اضافہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''افسوس ہے کہ لیگ کے جذباتی کارکنوں نے ان بزرگوں پر پاکستان کے مخالف'' کانگریس کے ہمنوا ہندوؤں کے ایجنٹ اور نہ جانے کیا کیا بھبتیاں اڑائیں، لیکن یہ حضرات جو درد وکرب ملت اسلامیہ کے لئے سینہ میں رکھتے تھے اور مستقبل کے ہولناک اور قیامت خیز منظر سے ان کے دل پر جو قیامت سے پہلے قیامت گزر رہی تھی اس کی طرف کسی دانشمند کو التفاف نہ ہوا اور لیگ کے ان بدنام کنندگان میں ایک بھی ایسا نہ نکلا جو ان بدنام کنندگان سے یہ کہہ سکتا الیس منکم رجل رشید،

یہ حضرات پاکستان کے مخالف تھے؟ بلاشبہ مخالف تھے لیکن کیوں مخالف تھے؟ اس لئے کہ پاکستان کے جلو میں ہندوستان کی امت اسلامیہ پر جو تباہی وبربادی نازل ہونے والی تھی اس کی وجہ سے مخالف تھے لیکن جب پاکستان بن گیا تو ان سے بڑھ کر پاکستان کا کوئی وفادار نہیں تھا۔۔۔''

(بینات رجب، ۱۴۰۷ء)

اگر میر صاحب یا ان جیسے دیگر حضرات بنظر انصاف دیکھیں تو علماء ہند کی رائے کو قیام پاکستان سے پہلے نہ یہ صرف کہ اختلاف رائے قرار دے کر اختلاف کی مکمل گنجائش تھی جیسے حضرت تھانوی حضرت عثمانی اور حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہم اللہ نے اختلاف فرمایا تھا۔

لیکن اگر پاکستان کی موجودہ صورت حال کو ان مخالفین کے موقف کے آئینہ میں دیکھا جائے تو ان کے موقف کی تصدیق ہوتی ہے اور اگر ہمارا نفس نہ مان سکے تو فطری حیا کے تحت کچھ دیر کے لئے ہمیں ''شرم'' ضرور آنی چاہئے۔

الغرض قیام پاکستان سے قبل ان بزرگوں کے اختلاف رائے میں یہ بھیانک صورت حال مضمر تھی جسے ان صاحب کشف بزرگوں کی چشم بصیرت مشاہدہ کر رہی تھی، جہاں تک قیام پاکستان کے بعد ان بزرگوں کا موقف ہے وہ بھی دنیا جانتی ہے اگر ارباب لیگ کے دامن ظرف میں جگہ ہوتی تو پاکستان کا مطلب کیا ''لاالہ الا اللہ'' کے ساتھ حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ علیہ کا وہ جملہ بھی لکھا کرتے جو پاکستان کا ''خیال'' رکھنے کے لئے انہوں نے معمول کی دیانت، سنجیدگی اور وقار کے ساتھ ارشاد فرمایا تھا کہ

''مسجد جب تک نہ بنے اختلاف کیا جا سکتا ہے لیکن جب وہ بن گئی ہے تو مسجد ہے۔''

(روزنامہ الجمعیۃ دہلی شیخ الاسلام نمبر ص ۷۱)

حضرت مدنی رحمہ اللہ کے اس ارشاد سے جہاں قیام پاکستان کے بعد ان کا نقطہ نظر واضح ہو رہا ہے وہاں دیانت، صداقت،

شرافت اور اخلاقی اقدار پر مبنی اختلاف کا طریقہ کار بھی نمایاں ہو رہا ہے، اگر ہمارے ''میروں'' کو ''بلاولوں'' کی خوشامد سے فرصت ملے تو حضرت مدنی کی سیرت کا غیر جانبدارانہ مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے تاکہ کم از کم اتنا تو معلوم ہوسکے کہ حضرت مدنی نے میرے اور ''میر'' کے ''ویروں'' کے موجودہ پاکستان کے وجود سے اختلاف کیا تھا، حضرت تھانوی اور حضرت عثمانی کے تصوراتی پاکستان سے ہرگز اختلاف نہیں کیا تھا'' میر باداشہ'' کی مرضی ہے حضرت مدنی کے اس اختلاف کو قیام پاکستان کے خلاف فتوی سے تعبیر کریں یا حوصلہ کر کے ''کشف'' مان لیں ورنہ موجودہ پاکستان کے اچھے برے صحیح غلط کا معیار قائم کرنے کے لئے ''میر'' صاحب جیسے دانشوروں کی موجودگی بھی حضرت مدنی کی کرامتوں کا مظہر ہے میں پاکستان اور میر صاحب دونوں کے وجود کو ضروری سمجھتا ہوں۔

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال کے اشعار

شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ کے بارے میں ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم کے جن اشعار کی طرف ''میر وقت'' نے اشارہ فرمایا ہے وہ یہ ہیں:

عجم ہنوز نہ داند زسوزِ دیں ورنہ — ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود برسرِ منبر کہ ملّت از وطن است — چہ بے خبر ز مقام محمّد عربی است
بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست — وگر بہ او نہ رسیدی تمام ابو لہبی است

ان اشعار کا مختصر شان ورود یہ ہے کہ ۸ جنوری ۱۹۳۸ء کو حضرت مدنی رحمہ اللہ نے ''پل بنگش صدر بازار دلی'' میں ایک جلسہ عام سے خطاب کے دوران بطور حکایت یہ فرمایا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں، عمل یا مذہب سے نہیں بنتی، حضرت کی اس تقریر کا پورا مطلب و متن دلی کے دو ممتاز اخبارات ''تیج'' اور ''انصاری'' میں چھپا۔ بات پوری تھی کوئی اشکال کی بات نہیں تھی، چند روز بعد حضرت کی اسی تقریر کو لاہور سے نکلنے والے دو روزناموں ''زمیندار'' اور ''انقلاب'' جو آپ کے زبردست سیاسی حریفوں کے ایسے نمائندہ تھے جو اپنوں کی حمایت اور حریفوں کی مخالفت میں سب کچھ کہنا جائز سمجھتے تھے بلکہ فرض منصبی تھا، ان دو اخباروں نے حضرت مدنی کے بارے میں یہ جھوٹ لکھا کہ انہوں نے مسلمانان ہند کو اسلامی ملت کے بجائے وطنی قومیت اپنانے کا مشورہ دیا ہے۔ حالانکہ حضرت مدنی کا مقصد یہ تھا کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حفاظت وطن (مدنی ریاست کی حفاظت) کے لئے مدینہ کے رہنے والے یہودیوں اور مسلمانوں کو معاہدہ کے تحت متحد کیا تھا اسی طرح آزادی ہند کے لئے بھی اس قسم کا متحدہ محاذ بن سکتا ہے۔

اس تقریر کے مندرجات حضرت مدنی کے معاندین کی تراش وخراش کے بعد جب علامہ اقبال مرحوم تک پہنچے تو انہوں نے قومیت وملت کا لغوی واصطلاحی امتیاز اور اخبار وانشاء کا فرق ملحوظ رکھے بغیر بلا تحقیق وتصدیق جذباتی انداز میں مذکورہ تین اشعار حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کہہ ڈالے۔

اگر حضرت مدنی رحمۃ اللہ نے ''اسلامیت'' ترک کر کے ''وطنی قومیت'' کا مشورہ دیا ہوتا تو علامہ کے لئے اس طرح کے اشعار کہنا نہ صرف یہ کہ جائز تھا بلکہ ضروری اور حمیت دینی کا تقاضا بھی تھا لیکن حقیقت اس کے خلاف تھی، اس لئے علامہ کا یہ فتویٰ ''گر بہ او نہ رسیدی ہمہ ابو لہبی است'' حضرت مدنی پر کسی طور پر چسپاں نہ ہوسکا، البتہ ''ملت از وطن'' کا نظریہ شعوری اور غیر شعوری طور پر اپنانے کی وجہ سے دیگر کئی

چھوٹے بڑے حضرات اس قابل مذمت ''بولہبی'' کا شکار ہو گئے تھے۔

حضرت قائداعظم مرحوم نے قیام پاکستان سے تین روز قبل اپنے خطاب میں دینی شناختوں کی بجائے ''وطنی شناخت'' کو مقدم رکھنے کی وصیت فرمائی تھی (شاہراہ پاکستان،ص ۹۴۲) اور خود علامہ بھی اپنے کلام میں ''وطنی قومیت'' کا خوب پرچار فرما چکے ہیں، مثلاً ترانہ ہند کا یہ شعر تو بہت ہی مشہور ہے۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا ہندی ہیں ہم وطن ہیں ہندوستان ہمارا

اسی نظریہ کا تسلسل ہے کہ پاکستان کے پہلے انتظامی ڈھانچے میں عیسائی، ہندو، قادیانی شامل تھے، فوج کا سربراہ انگریز تھا، عدلیہ کا سربراہ کارنیلیس عیسائی تھا، پہلا وزیر خارجہ ظفر اللہ قادیانی تھا، کیا یہ اشخاص اسلامی قومیت کی بناء پر کلیدی عہدوں پر براجمان ہوئے تھے یا وطنی قومیت کی بناء پر؟

اگر ''وطنی قومیت'' واقعتہً ''لا الہ الا اللہ'' کی نفی ہے تو پھر ''سب سے پہلے'' پاکستان کا نعرہ لگانے والے میر صاحب کی عدالت میں موجود ہیں، ان پر دفعۂ ارتداد لاگو کرتے ہوئے سزائے موت ہونی چاہیئے۔ اسی طرح پاسپورٹ اور قومی شناخت کارڈ میں ''قومیت'' کے خانے میں ''پاکستانی''، لکھنے اور ''پنجابی، سندھی، بلوچی اور سرحدی کی شناختی تفریق کو نظریہ پاکستان کی رو سے قانونی جرم قرار دینا چاہیئے۔

حیرت کا مقام ہے کہ مصور پاکستان حضرت اقبال ''وطنی قومیت'' کے جس نظریہ پر ''بولہبی'' کا فتوی صادر فرما چکے ہیں۔ حضرت قائد اعظم اور حضرت علامہ سے لے کر مجھ تک اور میر صاحب تک سب اس فتوی کی ''زد'' میں کیوں نظر آرہے ہیں؟ جو بھی اس آئینے میں منہ دیکھے اس کی ''جبین پاک پر بولہبی''، لکھا ہوا کیوں آرہا ہے ہر پاکستانی کو اس پر سوچنا چاہیئے اور اپنی اصلاح کرنی چاہیئے، میں سوچ و بچار کے بعد نبی اکرم ﷺ کے ایک ارشاد گرامی تک پہنچا ہوں جس میں ارشاد ہے کہ جو مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی طرف کلمۂ کفر کی نسبت کرے اگر منسوب الیہ (جس کی طرف نسبت کی گئی ہو) وہ اس کا مصداق ہو تو ٹھیک ہے ورنہ وہ کلمہ خود کہنے والے کی طرف لوٹ آتا ہے، اسی طرح ایک اور حدیث کا مفہوم بھی بتاتا ہے کہ

''تم اپنے بھائی کی مصیبت اور ابتلاء میں طعنہ زن مت بنو ورنہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تیرے بھائی کو برات و عافیت دیدے اور تو خود اس مصیبت و ابتلاء میں پھنس جائے''۔

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مدنی ؒ پر دینی شناخت کے بجائے ''وطنی قومیت'' کا مشورہ دینے کا الزام خدا اور خلق خدا کے ہاں محض جھوٹ بہتان اور بے بنیاد الزام تھا، اس لئے وہ تو علامہ کے شعر کا مصداق نہیں بن سکے، البتہ ہم خود ہی ''وطنی قومیت'' کا بلکہ صوبائی اور لسانی قومیتوں کا شکار ہو کر علامہ کے اشعار کا مصداق بنتے جارہے ہیں حتی کہ اس میں اول تا ہنوز کسی کا استثناء کرنا بھی مشکل ہو رہا ہے، البتہ حضرت جناح اور حضرت علامہ کے بارے میں اتنا کہنا ضروری ہے کہ ان کو ایک تو اس لئے موضوع نہیں بنانا چاہیئے کہ وہ دنیا سے پردہ فرما کر اپنے خالق کے ہاں جاچکے ہیں یہی نبوی تعلیم بھی ہے۔ (بخاری شریف ا۔۱۸۶) اور ہمارے بزرگوں کا طریقہ بھی ہے۔ ہمارے میر صاحب کے معتوب اور کروڑوں فرزندان توحید کے محبوب حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ نے حضرت قائداعظم کے بارے میں بطور خاص آپ نے معتقدین کو یہی تاکید فرمائی تھی۔ قصہ یوں نقل کیا جاتا ہے کہ تقسیم ہند کے بعد بمبئی کا تمام جماعتوں کا ایک مشترکہ اجلاس ہوا جلسہ کے مقررین میں جو بھی اٹھتا وہ قائداعظم کے بارے میں ناشائستہ اظہار خیال کرتا، حضرت مدنی بھی شریک جلسہ تھے،

جب آپ کو دعوت خطاب دی گئی تو آپ نے فرمایا:

''یہاں تمام مقررین نے زورِتقریر جناح صاحب کی مذمت پر صرف کیا ہے، میں نہیں سمجھتا کہ جو شخص ہم سے جدا ہو چکا ہے اور اب وہ ہمارے درمیان موجود نہیں، اس کی برائی سے کیا مقصد ہے اور اس کا کیا نفع ہوگا؟''

(رجب بینات ۱۴۰۷)

رہے حضرت اقبال رحمہ اللہ تو وہ بھی ہم سے جدا ہو چکے ہیں اور اپنے مذکورہ اشعار اور اس کے اثرات پر بھی ملامت یا بحث سے بالاتر ہیں کیونکہ اس مباحثہ کے شروع ہونے کے بعد تین ماہ کے اندر اندر علامہ نے اپنی وفات سے تین ہفتہ قبل یعنی ۲۸ مارچ ۱۹۳۸ء روزنامہ احسان لاہور میں مندرجہ ذیل بیان جاری فرمادیا تھا:

''مولانا اس بات سے صاف انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانان ہند کو جدید نظریہ قومیت کے اختیار کرنے کا مشورہ دیا ہے لہذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق، ان پر اعتراض کرنے کا نہیں رہتا، میں مولانا کے جوش عقیدت کی قدر کرتا ہوں، میں ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں۔''

حضرت علامہ کے ان اشعار سے رجوع کے بعد ان کی اشاعت اور حوالے کی قطعاً گنجائش نہیں ہونی چاہئے تھی، مگر یہ سب کچھ کیوں ہوا اور کیوں ہو رہا ہے؟ اس کی تکوینی وجہ وہی ہو سکتی ہے جس کا بیان اوپر گزرا، دوسری ظاہری وجہ یہی ہے کہ انگریز کے بوٹ پالش کرنے والوں کی ذریت اپنی روحانی تسکین کے لئے انگریز دشمن علماء دین کے خلاف بدگوئی، ہذیاں اور دشنام طرازی کا پدری ورثہ آگے منتقل کرنے کی خواہاں ہے، جس کی حیثیت ''غوغائے سگاں'' سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں، اگر ہمارے معاصر ''میروں'' اور ان کے پیش روں کے نزدیک گڑھے مردے اکھیڑنا جائز ہے یا وہ اس قسم کے متنازع بلکہ مرجوع اشعار کو صرف تاریخی و ادبی ہونے کی بنیاد پر آگے منتقل کر رہے ہوں تو ان کی دیانت سے استدعا ہے کہ حضرت علامہ کی وہ مسدس بھی عام کریں جو انہوں نے گاندھی جی کی منقبت میں ارشاد فرمائی تھی اور اس نظم کو بھی بعینہٖ نقل فرمادیں جو انہوں نے حضرت قائداعظم کے بارے میں ارشاد فرمائی تھی۔

''وقتی میر'' کے پدری ورثہ میں اگر ۹ نومبر ۱۹۲۱ء کا روزنامہ زمیندار لاہور کی کاپی اور عبدالمجید سالک کی ''ذکر اقبال'' محفوظ نہ ہو تو ہمارا تعاون قبول فرمائیے، حضرت قائداعظم کے بارے میں فرماتے ہیں:

لندن کے چرخ ہورفن سے پہاڑ پر اترے مسیح بن کے محمد علی جناح
نکلے گی تن سے تو کہہ رہے گی بتا ہمیں اے جان برلب آمدہ اب تیری کیا صلاح
دل سے خیال دشت و بیاباں نکال دے مجنوں کے واسطے ہے یہی جادہ فلاح
آغا امام اور محمد علی ہے باب اس دین میں ہے ترک سواد حرم مباح
بشریٰ لکم کہ منتظر مارسیدہ ہست یعنی حجاب غیب کبریٰ دریدہ ہست

(روزنامہ زمیندار، مورخہ ۹ نومبر ۱۹۲۱ء)

گاندھی سے اک روز یہ کہتے تھے مالوی کمزور کی کمند ہے دنیا میں نارسا

نازک یہ سلطنت صفت برگ گل نہیں — لے جائے گلستان سے اڑا کر جسے صبا
کاڑھا ادھر ہے زیب بدن اور ادھر زرہ — صر صر کی رہ گزار میں کیا عرض تو تیا
پس کر ملے گا گر درہ روزگار میں — دانہ جو آسیا سے ہوا قوت آزما
بولا بات سن کے کمال وقار سے — وہ مرد پختہ کار و حق اندیش و با صفا
خارا حریف سعی ضعیفاں نمی شود — صد کوچہ ایست در بن دنداں خلال را

(ذکر اقبال ص ۱۱۲)

اگر میر صاحب کے بقول محترم چیف جسٹس جناب افتخار چوہدری صاحب کے بحال ہونے سے ''مادر وطن'' میں عدل وانصاف بحال ہو چکا ہے یا انصاف کی فضا بن چکی ہے تو پھر حضرت علامہ کے مذکورہ تین اشعار کے جواب میں حضرت مدنی کے ایک متوسل سید عزیز احمد قاسمی کی نظم بھی شائع کر دیں یا صرف یہ شعر نقل کر دیں:

خموش شاعر گستاخ قدر خویش نہ شاس — زحد خویش گزشتن کمال بے ادبی است

یا اقبال سہیل مرحوم کی طویل جوابی نظم کے صرف مندرجہ ذیل اشعار ہی نقل فرما دیں، کیونکہ قانون عدل بحال ہو جانے کے بعد ایک فریق کی بات سن کر دوسرے فریق کے جواب دعویٰ کے بغیر عادلانہ فیصلہ ناممکن ہے، اقبال سہیل کے اشعار یہ ہیں:

درست گفت محدث کہ قوم از وطن است — کہ مستفاد از فرمودہ خداو نبی است
زبان طعن کشودی مگر نہ دانستی — کہ فرق ملت وقوم از لطائف ادبی است
تفاوتے است فراواں میان ملت وقوم — یکے از کیش و دیگر کشوریست یا نسبی است
بگیر براہ حسین احمد را گر خدا خواہی — کہ نائب است نبی راہ ہم از آل نبی است

مگر میرا خیال ونظریہ یہ ہے کہ حضرت مدنی وحضرت قائد اعظم، حضرت اقبال اور اس وقت کے دو طرفہ رائے کے تمام حاملین اس دنیا سے جا چکے ہیں، ان کے بارے میں ہم سب کو حضور ﷺ کے اس ارشاد پر عمل پیرا ہونا چاہئے۔

لا تسبو الاموات فانہم قد افضوا الی ما قدموا۔ یعنی تم رفتگان کو برا بھلا مت کہو ان پر سب وشتم مت کرو اس لئے وہ آگے پہنچ کر اپنا بھیجا ہوا پا چکے ہیں۔

دوسرے یہ کہ حضرت علامہ کے مذکورہ اشعار اسی طرح کالعدم اور نا قابل استدلال ہیں جس طرح حضرت قائد اعظم اور گاندھی جی کے بارے میں کہے گئے اشعار کالعدم اور نا قابل استدلال ہیں، اسی طرح علامہ کے اشعار کی جوابی نظم بھی اپنا موقع ومحل اور باعث کھو چکی ہیں۔ اس لئے ان کی بھی قطعاً ضرورت نہیں ہے، تا کہ وحدت اسلامی اور وحدت وطنی میں کسی قسم کا انتشار وخلفشار پیدا نہ ہو اور اپنی نفسانیت کی تسکین اور شیطانیت کی ترویج کے لئے اپنی کفن پوش مقدس ہستیوں کی لاشیں نوچنے کی نوبت نہ آئے، بالخصوص علماء کے گوشت کے بارے میں تو مشہور ہے ''لحوم العلماء مسمومۃ'' (علماء کا گوشت زہر آلود ہوتے ہیں) پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ جس نے علماء بالخصوص شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی کے گوشت کو حلال سمجھا اخری مواخذہ سے قبل دنیا میں بھی اس نے اس زہر کا اثر ضرور محسوس کیا ہے، اہل کشف اولیاء اللہ کا کہنا ہے کہ پاکستان کی موجودہ ابتری حضرت مدنی کی اسی گستاخی کا نتیجہ ہے جسے آپ کے مخالفین نے شروع تا حال حلال سمجھ رکھا ہے۔

(اعتراض ۱۸۴): پچاس ہزاری قصہ کی حقیقت

ذکر کردہ اس قصہ کی حقیقت دیکھئے جس نے میر صاحب کو تعجب میں مبتلا کیا:

۱: مسلم لیگ کی حمایت کے لئے رقم کا مطالبہ اصفہانی، بٹالوی اور تمیمی جیسے واسطوں کے علاوہ کسی متداول معتبر روئیداد میں مذکور نہیں ہے۔ بلکہ اصفہانی صاحب نے اپنی فنی مہارت سے رقم کے مطالبہ کی نامناسب تعبیر کر کے تشہیر شروع کر دی ہے، اگر بالفرض مطالبہ کیا بھی ہو تو غور کا مقام ہے کہ وہ کس مقصد کے لئے تھا؟ اگر یہ کہا جائے کہ ذاتی مفادات کے لئے تھا جیسا کہ معاندین نے تاثر دینے کی کوشش کی ہے تو تاریخ میں اس سے بڑا جھوٹ نہیں ہوسکتا کیونکہ جس انسان نے ہندوستان کے سب سے بڑے اعزاز کو جوتے کی نوک سے ٹھکرا دیا ہو اور برسہابرس گنبد خضراء میں درس حدیث دے کر شیخ العرب والعجم کہلایا ہو اور ساری زندگی سامراج سے پنجہ آزمائی میں گزاری ہو اس کے بارے میں انگریز پرستوں کی گواہی ماننا اور اس کی بنیاد پر حضرت کو متہم کرنا تاریخ کا سب سے بڑا بہتان ہے البتہ فرض کے درجے میں یہ کہنا جو خود اس عبارت میں بھی موجود ہے کہ انتخابی مہم کے اخراجات کے لئے مطالبہ تھا، تو اس میں کیا مضائقہ ہے کیونکہ انتخاب کون لڑ رہا تھا؟ ظاہر ہے کہ اس میں جمعیت علماء ہند کا کوئی رکن بھی حصہ نہیں لے رہا تھا، سب کے سب مسلم لیگ کے نامزد کردہ امیدوار تھے، انصاف کی بات یہ ہے کہ جو لوگ دار العلوم دیوبند سے بوضع مشاہرہ رخصت پر ہوں اور ذاتی کوئی ذریعہ آمدنی بھی نہ ہو اور ان کا کوئی امیدوار بھی میدان انتخاب میں نہ ہو، آپ ان کو مفت میں اپنی حمایت کے لئے مجبور کرنا کیوں ضروری سمجھتے ہیں؟

اگر ان بزرگوں نے مسلم لیگ کی انتخابی مہم کے لئے رقم کا مطالبہ کیا بھی ہو تو وہ ''میر صاحب'' کے مخنثانہ کی طرح ہرگز نہیں تھا؟ بے حساب آکر ہضم نہیں ہوا کرتا تھا بلکہ اس کی حقیقت مسلم لیگ کے مالیاتی منتظم چوہدری شفیق الرحمن خود بیان فرماتے ہیں کہ:

''میرا ذاتی تجربہ ہے کہ جب کبھی میں نے ان کو (مولانا حسین احمد مدنی کو) انتخابات کے دورے وغیرہ کے مصارف کے متعلق روپیہ دیا تو اس کے ایک ایک پیسے کا انہوں نے مجھے حساب دیا اور بقیہ رقم مجھے واپس کر دی۔''

(شاہراہ پاکستان، ص ۶۳۴)

دوسری طرف مفتی ہند مفتی کفایت اللہ صاحب کے زہد وقناعت کا عالم یہ تھا کہ فقر وفاقہ کے باوجود نہرو کی طرف سے مالی پیش کش کو نہایت حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا تھا یہ پیش کش پچاس ہزار نہیں بلکہ لاکھوں میں تھی، یہ وہ زمانے ہے جب ان اساطین علم کی تنخواہیں دسیوں بیسیوں میں ہوا کرتی تھی، کیا ''میر صاحب'' اس قسم کی آزمائش میں اس استغناء کی مثال لیگی تاریخ میں پیش کر سکتے ہیں؟

۲۔ یہ کہنا کہ اس وقت مسلم لیگ کے پاس کچھ بھی نہیں تھا یہ بھی خلاف واقعہ ہے، کیونکہ مسٹر جناح اور ان کے منہ بولے بھتیجے راجہ محمود آباد ذاتی طور پر اتنے متمول تھے کہ وہ مسلم لیگ کی خاطر قربانی کے ساتھ ساتھ اپنی جیب سے بھی مطلوبہ رقم دے سکتے تھے اور قائد اعظم کی ایک آواز پر محمود آباد کے خزانے کے در کھل گئے تھے، صرف اکتوبر ۱۹۳۸ء میں مسلم لیگ کے ایک جلسے کے انعقاد پر راجہ صاحب محمود آباد نے تیس لاکھ روپے خرچ کئے تھے، اس کے بعد ۴۷ء تک جو خرچ ہوتا رہا وہ الگ ہے، چنانچہ ڈاکٹر سید نظیر حسین زیدی کی زبانی سنیے:

''مسلم لیگ کے قائد اعظم کی آواز پر محمود آباد کے خزانے کے دروازے کھل گئے تھے، میں یہ بات انتہائی ذمہ داری کے ساتھ عرض کر رہا ہوں، کہ اکتوبر ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ کے ایک جلسہ کے انعقاد پر راجہ صاحب محمود آباد کے تیس لاکھ روپے خرچ ہوئے تھے اور اس کے بعد ۴۷ء تک جو کچھ خرچ ہوتا رہا وہ الگ ہے''۔

(مجلہ علم وآگاہی قائداعظم نمبر گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی)

اسی طرح پروفیسر اظہر الحق حقی تحریر کرتے ہیں:

''راجہ صاحب نے اجلاس لکھنو کے تمام اخراجات اپنے ذمہ لئے جب سیاست میں حصہ لینا شروع کیا تو یہ طے کرایا تھا کہ جو کچھ بھی پاس ہے وہ قوم کا ہوگا''۔(ایضاص ۳۵۹،۳۶۰)

۱۹۳۷ء کی مسلم لیگ کی مفلسی پر مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ مسلم لیگ پر شروع دن سے تاحال سرمایہ داروں، جاگیرداروں ،نوابوں، راجاؤں، سروں، خان بہادروں اور بڑے بڑے زمینداروں کا قبضہ چلا آرہا ہے، کیا وہ سب کے سب خودغرض اور مفاد پرست تھے کہ مسلم لیگ کے لئے کچھ بھی خرچ نہ کیا کرتے تھے؟ جس جماعتی ریلے میں اتنے بڑے بڑے سرمایہ دار اور جاگیردار قارونی خزانوں کے ساتھ بہہ رہے ہوں اس جماعت کے فنڈ میں کچھ بھی نہ ہو یہ تاریخ کے آسمان پر تھوکنے کے علاوہ قائد سمیت تمام رہنماؤں کی توہین بھی ہے۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ کے پاس لاکھوں کا فنڈ صرف ایک ایک جلسے میں جمع ہوا کرتا تھا، اور مخلص روٗساخرچ بھی کیا کرتے تھے، ملاحظہ ہو، سر عبداللہ ہارون کی وفات پر خود قائد کا بیان ہے:

''سر عبداللہ ہارون مسلم لیگ کے سب سے زبردست ستونوں میں سے ایک تھے جنہوں نے اپنی زندگی میں نہ صرف سندھ کے مسلمانوں کی بے مثال خدمت کی بلکہ پورے برصغیر کے مسلمانوں کے کام آئے انہوں نے مسلم لیگ کی مرکزی مجلس عاملہ کے ممبر کی حیثیت سے بڑی اہم اور قابل قدر خدمات انجام دیں انہوں نے بھارت کے ساتھ تاجرانہ نقطہ نظر سے مجلس عاملہ کے تمام کاموں میں دل کھول کر امداد دی۔(مجلہ علم وآگاہی قائداعظم نمبر،ص ۲۳۰)

ابوسعید انور فرماتے ہیں:

''اپریل ۱۹۳۸ء بمقام کلکتہ آل انڈیا مسلم لیگ کا اجلاس خاص ہوا تھا، قاعدہ تھا کہ اجلاس کونسل کے بعد آخر میں اجلاس عام بھی منعقد کیا جاتا، لاکھوں کا اجتماع تھا، رات کا وقت تھا، قائداعظم کی تشریف آوری میں معمول کے خلاف دیر ہو رہی تھی، منتظمین نے مولانا شوکت علی کی صدارت میں اجلاس عام شروع کر دیا۔ تقریریں ہونے لگیں ایک موقع پر مولانا شوکت علی نے مسلم لیگ کے لئے چندے کی اپیل کر دی تقریروں کے دوران ہی لاکھوں کے مجمع میں چندہ جمع ہونا شروع ہوگیا۔ ابھی چند منٹ ہی گزرے تھے کہ قائداعظم جلسہ گاہ میں پہنچے جلسہ میں غیر معمولی ہلچل سے بھانپ گئے کہ چندہ جمع ہو رہا ہے، سیدھے مائک پر پہنچے اور پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے؟ مولانا شوکت علی نے جواب دیا کہ فنڈ زجمع ہو رہے ہیں آپ نے فوراً چندہ جمع کرنا بند کرنے کا حکم دیا پھر نہایت جچے تلے الفاظ میں مختصر تقریر کی۔

''مجھے معلوم ہے کہ ہمیں فنڈ کی سخت ضرورت ہے، اس کے بغیر ہم اتنی بڑی جنگ نہیں جیت سکتے، مگر یہ معاملہ بہت نازک ہے ماضی میں بہت سی مسلمان جماعتیں اسی باعث بدنام ہوئیں۔ چندہ کا حساب نہ رکھ سکیں میں مناسب وقت پر قوم سے اپیل کروں گا اور یہ چندہ بالعموم براہ راست کسی بینک میں جمع ہوگا۔ ایک ایک پائی کا قوم کے سامنے حساب پیش کیا جائے گا''

اور پھر ہمیں معلوم ہے کہ قائداعظم کی اپیل پر ایک روپے سے لاکھوں روپے تک مسلم لیگ فنڈ میں دیئے اور خود قائداعظم نے لاکھوں کے منی آرڈر پر اپنے دستخطوں سے چندہ وصول کیا۔ جن میں ایک روپے بھیجنے والوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی اور اکثر براہ راست بنک میں بھی بھیجتے رہے۔ جب مسلم لیگ انڈیا اور پاکستان الگ الگ دو حصوں میں تقسیم ہوئے تو بھی یہ فنڈ ز تقسیم کئے گئے۔

اور آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر محمد اسماعیل (مدراس) کی تحویل میں بھارتی مسلم لیگ کا حصہ دیا گیا۔ان میں مسلم لیگ کے ریلیف فنڈ ز بھی شامل تھا۔ پاکستانی فنڈ زابھی تک منجمد پڑے ہیں''۔

(روز نامہ نوائے وقت ۲۵ دسمبر ۱۹۷۷ قائد اعظم ایڈیشن)

ان تاریخی شواہد کے بعد یہ فیصلہ ''حامد میر'' ہی فرمائیں گے کہ قائد اعظم یا اصفہانی و تمیمی میں سے کون غلط ہوسکتا ہے؟ میری رائے تو یہ ہے کہ اصفہانی صاحب کو اس غلط بیانی کا ذمہ دار قرار دینا زیادہ آسان ہے کہ مسلم لیگ کے پاس کچھ نہیں تھا کیونکہ یہ بات اگر قائد نے کہی ہوتی تو کسی اور معتبر ذریعہ سے بھی منقول ہوتی، مگر ایسا نہیں ہے، یہ بہت بری بات ہوگی کہ ''میر'' اور ان کے روحانی پیشوا قائد کے سر ایسی بات تھوپ دیں جو ثابت نہ ہوسکے، اگر ثابت ہو جائے تو اس سے قائد کی توہین لازم آئے۔

۳: مذکورہ واقعہ میں آخری اور آخری حد کا جھوٹ بلکہ بہتان عظیم کہ قائد اعظم رقم کا مطالبہ پورا نہ کر سکے اور مولانا صاحبان کانگریس کی طرف چلے گئے کیونکہ وہاں سے ان کے مالی تقاضے پورے ہو گئے تھے۔

اگر اصفہانی سے لے کر ''میر'' صاحب تک ہمارے ان کرم فرماؤں کا قرآن کی آیت ''ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید'' پر ایمان ہوتا تو وہ اس قدر ڈھٹائی سے بات نہ کہہ سکتے۔اور اصفہانی جیسے بہتان طراز انسان کو ان تقاضوں کے پورے ہونے پر تنکا برابر بھی اگر ثبوت میسر آتا تو وہ شہتیر بنا کر ضرور پیش کرتا لیکن اس قول میں اصفہان سے لائی ہوئی نمرودی آتش کے بجز اصفہانی کے پاس کچھ تھا نہیں اس لئے محض ظن و تخمین پر گزارا کیا، جسے قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے۔اصفہانی یا ان جیسے دیگر حضرات اس طرح کی افترا بازی اس لئے کرتے ہیں تا کہ انگریز پرستوں کے اس مکروہ چہرے پر پردہ ڈالا جاسکے جن کی بدروئی کی وجہ سے ۶۲ رسال گزرنے کے باوجود ''روئے پاک'' پر حسن اسلام نہیں سج سکا۔

الغرض انگریز پرستوں کا جو مکروہ چہرہ تا حال نفاذ اسلام کی راہ میں رکاوٹ ہے، اس مکروہ چہرے کے خدوخال کیا ہیں جن کے سبب مولانا حسین احمد مدنی اور مفتی کفایت اللہ رحمہما اللہ لیگ سے بیزار اور لاتعلق ہو گئے تھے۔ چنانچہ علماء کی مایوسی اور لاتعلقی کے چند اسباب بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱: ۱۹۳۶ء کے صوبائی انتخاب میں جناح صاحب نے مسلم جماعتوں کو لیگ کے پلیٹ فارم پر جمع ہونے کا مشورہ دیا، جناح صاحب نے جمعیت علماء ہند سے اتحاد و تعاون کی درخواست کی اور وہ اس شرط پر اتحاد و تعاون کے لئے آمادہ ہوئے کہ لیگ سے انگریز پرست اور رجعت پسند اور خوشامدی ٹولے کو نکالا جائے۔قائد نے مکمل آمادگی کے ساتھ وعدہ کیا کہ اگر ایسا نہ کر سکا تو میں لیگ چھوڑ کر آزاد جماعتوں میں شامل ہو جاؤں گا۔مگر افسوس کہ قائد نہ تو سرکار پرست ٹولے سے مسلمانوں کو نجات دلا سکے اور نہ ہی مسلم لیگ سے علیحدہ ہوئے۔شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی صاحب نور اللہ مرقدہ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مسٹر جناح نے ۳۶ء کے الیکشن کے لئے جمعیۃ علماء سے اتحاد و تعاون چاہا، وہ زمانہ ولنگٹن کی حکومت کا تھا اور آزادی خواہ جماعتوں کی ہو ہر قسم کی غیر قانونی جدوجہد پر سخت قانونی پابندیاں عائد تھیں، مسٹر جناح نے ہم سے چند گھنٹے گفتگو کی اور درخواست پر زور دیا اور کہا کہ میں ان رجعت پسندوں سے عاجز آگیا ہوں اور ان کو رفتہ رفتہ لیگ سے خارج کر کے آزاد خیال اور ترقی پسند لوگوں کی جماعت بنانا چاہتا ہوں۔تم لوگ اس میں داخل ہو جاؤ، ہم نے عرض کیا اگر آپ ان لوگوں کو خارج نہ کر سکے تو کیا ہوگا۔تو فرمایا کہ

اگر میں ایسا نہ کرسکا تو میں تم لوگوں میں آجاؤں گا اور لیگ چھوڑ دوں گا۔اس پر مولانا شوکت علی مرحوم اور دیگر حضرات نے اطمینان کیا اور تعاون کرنے پر تیار ہوگئے“۔

(مکتوبات شیخ الاسلام، ج ا ص ۳۶۷)

۲: مسلم یونٹی بورڈ کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں مسٹر جناح نے واشگاف الفاظ میں ارشاد فرمایا تھا کہ مذہبی معاملات میں ہر فیصلہ جمعیۃ علماء ہند کی رائے کے مطابق ہوگا، اور بصورت دیگر مسلم لیگ چھوڑ کر آزاد جماعتوں کے ساتھ مل کر کام کریں گے، مگر ایسا نہ ہوسکا، سید طفیل احمد مرحوم لکھتے ہیں:

”اس کے بعد (یعنی مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے بعد) جب کہ صوبوں کی اسمبلیوں کے انتخابات کا وقت آتا تو شروع ۳۶ء میں یونٹی بورڈ کے مجلس عاملہ کے دہلی میں ایک اجلاس منعقد کیا۔اس میں مسٹر جناح کی طرف سے مسٹر عبدالمتین چوہدری نے کہا کہ بجائے یونٹی بورڈ کے مسلم لیگ کے نام سے الیکشن لڑا جائے اور اس پرانی جماعت کو مضبوط کیا جائے۔دوسرے روز قرول باغ میں مولانا شوکت علی کے مسکن پر اس بارہ میں مفصل مشورہ ہوا۔جس میں یونٹی بورڈ مسلم لیگ اور جمعیت علماء کے خاص خاص اراکین شامل تھے۔اس میں بحث پیش آئی کہ جو لوگ اپنا مسلک ”کامل آزادی“ میں رکھتے ہیں وہ مسلم لیگ کے ممبر کس طرح بن جائیں، اس پر مسٹر جناح نے کہا کہ جو لوگ آگے ہیں ان کا پیچھے والوں کے ساتھ شامل ہوجانا کوئی قابل اعتراض عمل نہیں ہے ہم لوگ آپ کے پیچھے چلیں گے اس وقت حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ آپ ۱۹۲۰ء میں بھی تو ہمارے ساتھ تھے، اب اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آپ آئندہ بھی آپ ساتھ رہیں گے۔مسٹر جناح نے فرمایا کہ ”نہیں میں اب ساتھ سے نہیں ہٹوں گا“ اسی سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ ”میں آزادی خواہ طاقتوں کی حمایت کروں گا خود سرکار پرستوں اور سرکاری عنصر کو مسلم لیگ پالیمنٹری بورڈ میں نہ لوں گا۔اور مذہبی معاملات میں ہر فیصلہ علماء ہند کی رائے کے مطابق کروں گا۔اگر اس سے معذور رہا تو مسلم لیگ چھوڑ کر آزادی خواہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کروں گا۔“ان معاہدوں کے بعد قرار پایا کہ بجائے مسلم لیگ کے ”مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ“ الیکشن کی غرض سے قائم کیا جائے جس میں تمام مسلم جماعتیں شریک ہوں“۔

(روح روشن مستقبل، ص ۱۲۷، ۱۲۸)

۳: بقول چوہدری خلق الزمان جمعیت علماء اور اس کے رہنماؤں (حضرت مدنی اور مولانا احمد سعید) نے لیگ کو کامیاب کرانے کے لئے صوبہ یوپی کی خاک چھان ڈالی، انتہائی محنت کی، جس کے نتیجہ میں یوپی میں مسلم لیگ کو اسی فیصد کامیابی ملی مگر انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد پہلے ہی اجلاس میں مسلم لیگ نے جمعیت علماء ہند کے ساتھ کئے گئے تمام عہد و پیمان توڑ دئیے اور رجعت پسندی خوشامدی اور سرکار پرست طبقہ مسلم لیگ میں گھن کی طرح گھس گیا۔ چنانچہ مسلم لیگ سے علیحدگی کے اسباب و محرکات بیان کرتے ہوئے حضرت مدنی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”مگر افسوس کہ لیگ نے کامیاب ہونے کے بعد پہلے ہی اجلاس لکھنو میں اپنے عہد واور اعلانات کو توڑ دیا اور ان رجعت پسند خوشامدی، انگریز پرست لوگوں کو لیگ پارٹی میں داخل کرنے کے خواست کار پرزور طریقے ہوئے جن کو خارج کرنے کا اعلان کیا گیا تھا، اور ان کی پرزور مذمت کر رہے تھے اور جن کے متعلق ہر شخص کو معلوم تھا کہ ہمیشہ ان کی زندگی قومی تحریکات کی مخالفت اور انگریز پرستی میں گزری ہے، ان سے وہیں کہا گیا کہ آپ نے تو وعدہ کیا تھا کہ ان لوگوں کو نکال دیا جائے گا اور آج ان کو لیگ

میں لانے اور پارٹی میں ان کو جگہ دینے کی کوشش کررہے ہیں تو بگڑ کر کہا کہ وہ پولیٹیکل وعدے تھے، علاوہ اس کے اور متعدد اعمال خلاف اعلان وعہود کئے جس کی بناء پر سخت مایوسی ہوئی اور بجز علیحدگی اور کوئی صورت سمجھ میں نہ آسکی، انہوں نے مرکزی اسمبلی میں شریعت بل پاس نہ ہونے دیا قاضی بل کی سخت مخالفت کی، انفساخ نکاح کے متعلق غیر مسلم حاکم کی شرط کو قبول کرلیا، آری بل پاس کیاوغیرہ وغیرہ"۔

(مکتوبات شیخ الاسلام، ج ا،ص ۳۶۱)

عبارات بالا کی توضیح اور مسلم لیگ کے باہمی اختلاف وجمعیت کی مسلم لیگ سے علیحدگی کے ایک اور سبب کی نشاندہی کرتے ہوئے غلام نبی جانباز لکھتے ہیں:

"انتخابات ختم ہونے پر مارچ ۱۹۳۷ء میں مسلم لیگ پارلیمانی پارٹی کا جو پہلا اجلاس ہوا اس میں تمام رجعت پسند ممبران شامل ہوئے۔ اس پر جمعیت علماء ہند نے اعتراض کیا کہ جمعیت علماء اور مسلم لیگ سمجھوتہ اس بنیاد پر تھا کہ مسلم لیگ سے تمام رجعت پسند عناصر کو نکال دیا جائے گا تو آج انتخابات کی کامیابی کے بعد ایسے عناصر کو پارلیمانی پارٹی کے اجلاس میں شامل کرنا اپنے وعدوں سے انحراف کرنا ہے۔ (حیات امیر شریعت)

۴۔ اسمبلی میں شریعت بل قاضی بل اور دیگر مختلف بل جو جمعیت علماء ہند کی طرف سے پیش کئے تھے مسلم لیگ کی طرف سے ان کی سخت مخالفت کی گئی۔

۵۔ مسلم لیگ سمیت ہندوستان کی تمام آزادی خواہ جماعتوں نے حکومت کے ایکٹ ۳۵ء کے تحت جدید آئین کو ناقص اور نا قابل عمل قرار دیا تھا۔ یکم اپریل ۳۷ء ایکٹ ۳۵ء کے نفاذ کا دن تھا، اس دن تمام آزاد خواہ جماعتوں نے جدید آئین کے خلاف ہڑتال کا فیصلہ کیا ہوا تھا لیکن لیگی قیادت نے اس ہڑتال میں حصہ لینے کے بجائے اس کی مخالفت کی اور مسلم لیگ کی تمام شاخوں اور عام مسلمانوں کو اس ہڑتال میں حصہ نہ لینے کا حکم اور اپیل کی، سید خلیل احمد مرحوم لکھتے ہیں:

"یکم اپریل کا دن کانگریس اور دیگر آزادی خواہ جماعتوں نے جدید آئین کے نفاذ کے خلاف عام ہڑتال کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ مسٹر جناح پریذیڈنٹ مسلم لیگ نے بغیر مسلم لیگ کی کونسل میں پیش کئے خود اپنی مرضی اور اپنے حکم سے اعلان کردیا کہ مسلمان اس ہڑتال میں شریک نہ ہوں درانحالیکہ خود مسلم لیگ جدید آئین کو ناقص قرار دے رہی تھی۔ اس اعلان سے مسلمانوں میں اختلاف پیدا ہوا اور جمعیت علماء کے لوگوں نے اور بہت سے مسلمانوں نے ہڑتال میں حصہ لیا۔

(روشن مستقبل،ص ۱۳۰)

قارئین! یہ تصویر کا وہ حقیقی رخ ہے جس کے سبب علماء حق مسلم لیگ کے زہریلے بچھوؤں کو بار بار ڈسنے کا موقع نہیں دے سکے جس کی وجہ سے لیگی ذہنیت علماء کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہے اور انگریز کا حق پرورش ادا کرنے کے لئے علما پر الزامات عائد کررہی ہے، یہ ناانصافی صرف حضرت مدنی اور ان کے قافلۂ حق کے زعماء ملت کے ساتھ نہیں بلکہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ اور حضرت عثمانی کے ساتھ بھی ہوئی ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا تاریخی خط، ریکارڈ پر ہے کہ جو سر سکندر حیات کے اس خط کے جواب میں تھا جو سر سکندر نے ۱۹۳۹ء کے انتخابات میں مسلم لیگ کے حمایت کے لئے لکھا تھا۔ حضرت تھانوی کے اس تاریخی جواب میں لیگ کا حقیقی چہرہ اور حضرت

تھانوی رحمہ اللہ کی ناراضگی ومایوسی عیاں ہو جاتی ہے، وہ خط یہ ہے:

از اشرف علی عفی عنہ یکم رجب بروز جمعہ ۱۳۵۸ھ

مکرمی زاد لطفکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسہ پٹنہ میں ایک پیغام بھیجا تھا جو وہاں پڑھا گیا تھا اور سب حضرات کو تقسیم بھی کیا گیا تھا، اس میں صرف دو چیزوں کی طرف میں نے توجہ دلائی تھی اول نماز کی پابندی کو لیگ کے مقاصد میں شامل کیا جاوے، دوسرے ''وضع اسلامی'' کو لیگ کے ہر ممبر پر لازمی قرار دیا جائے، نماز کا ارکان اسلام میں اہم ترین رکن ہونا ہر مسلمان کو معلوم ہے، اور وضع خاص رکھنا تو اچھی چیز ہے کہ دنیا کے تمام سیاست دان اس کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ جرمنی کا لباس الگ ہے فرانسیسی کا الگ، وعلیٰ ھذا۔ اور فوجی وردی تو لازمی طور پر الگ ہوتی ہے، اگر جرمنی سپاہی مثلاً انگریزی وردی پہن کر جرمنی فوج میں شامل ہو اور ویسے ہر طرح وفادار اور مستعد ہو لیکن صرف وردی کی تبدیلی کی وجہ سے وہ مستوجب سزا کا ہوگا، وعلیٰ ھذا۔۔ تو کیا مسلمان کے لئے جو حق تعالیٰ کی فوج ہے کوئی خاص وضع امتیاز ضروری نہیں ہے؟ ہے اور ضرور ہے۔

لیکن افسوس کہ حضرات لیگ نے ان دونوں باتوں کی طرف کوئی توجہ نہ فرمائی، اگر ان باتوں کی طرف توجہ فرماتے تو دین کی اور باتیں بھی جو ترقی دنیا میں بھی موثر ہیں، میں اور بتاتا مگر مجھے واقعی حضرات لیگ سے شکایت ہے کہ مولویوں کو صرف الیکشن کے وقت پوچھا جاتا ہے اور ان کے فتوؤں پر عمل کرنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے اور پھر ان کی بات کی طرف کوئی کان نہیں دھرتا، ہم اگر ذاتی منافع کے لئے کچھ بھی لکھیں تو بے شک نہ سنئے نہ مانئے لیکن اگر ان حضرات کو ہم پر اعتماد ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ ہم فتویٰ صحیح دیتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ وہ الیکشن ہی کے لئے صحیح ہوتا ہے دوسرے وقت وہ قابل عمل نہیں ہوتا؟''

(سیرت اشرف ،ص ۶۰۸، ۶۰۹)

کیا میر صاحب حضرت تھانوی کی اس حمایت نہ کرنے پر بھی وہ کچھ کہیں گے جو وہ حضرت مدنی کے بارے میں ارشاد فرما چکے ہیں یا خاموش رہیں گے یا مسلم لیگ کو موسم لیگ بننے پر کوسنا ضروری سمجھیں گے؟

اسی طرح حضرت میر اور ان کے کاروان سے دیانت کا سوال ہے کہ کیا ہماری ۶۲ رسالہ مادر وطن میں علامہ عثمانی کی قرار دادوں کے مطابق نظام ڈھالا جا چکا ہے؟ ان ناانصافوں سے تو یہ شکوہ ہے کہ ظالمو! علامہ عثمانی نے تو پاکستان بنانے کے لئے سیاہ راتوں میں بارش کی طرح آنسو بہائے تھے طلوع پاکستان کا اجالا ہو جانے پر انہیں رلایا کیوں گیا تھا؟ علامہ عثمانی کے ساتھ یہ ناانصافی کسی ہندوستانی نے نہیں بلکہ پاکستان کے پاکیزہ پاکبازوں نے ہی کی تھی۔

رہا میر وقت کا یہ مشورہ کہ مولانا فضل الرحمن، مولانا حسین احمد مدنی کا راستہ چھوڑ کر علامہ شبیر احمد عثمانی کے طریقہ پر چلیں، ''اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ مولانا فضل الرحمن کی خوش قسمتی ہے کہ وہ مدنی وعثمانی دونوں میں سے جس کی پیروی کریں وہ دونوں بزرگ ہم سب کے سروں کے تاج ہیں، دونوں ہمارے لئے مقدس ہستیاں ہیں دونوں اپنی اپنی رائے میں مخلص ودیانتدار تھے، ایک نبوی ارشاد سے یہ اصول معلوم ہوتا ہے کہ جن مقدس ہستیوں کے ایمان واخلاص اور دیانت وہدایت پر امت مسلمہ گواہی دے چکی ہو ان میں سے جس کا دامن

تھام لوگے ہدایت یافتہ بن جاؤ گے اور یہ کہ تمہیں ان مقدس ہستیوں کے درمیان تفریق اور تقسیم مراتب کا حق نہیں پہنچا۔

اس سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ مولانا فضل الرحمن اور ان جیسے دیگر علماء کرام کے لئے حضرت مدنی اور حضرت عثمانی دونوں کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

جب کہ مولانا فضل الرحمن سے زیادہ پیچیدہ مسئلہ ہمارے ''میر وقت'' کا ہے وہ اپنے لئے کوئی ایک دروازہ متعین کریں یا کم از کم تحدید ضرور کریں کیونکہ اب عمر عزیز بھی ڈھلتی جارہی ہے اور قبر کا گڑھا بھی دن بدن باچھیں کھولتا جارہا ہے کوئی پتہ نہیں کس وقت اعلیٰ عدالت کا سمن آجائے اور معطل نہ ہونے والی عدالت میں پیشی شروع ہوجائے۔

آخری گزارش!

میرے محترم حامد میر صاحب، اگر فی الواقع صدق دل سے پاکستان کے خیرخواہ ہیں، وطن عزیز میں امن وسکون کے خواہاں ہیں، عدل وانصافی کی بالادستی کے خواہش مند ہیں وعدہ خلافیوں کی سیاست کو لعنت سمجھتے ہیں، غیروں کی جوتیاں صاف کرنے کو معیوب جانتے ہیں اپنے فیصلہ اپنوں سے کرانے کے حق میں ہیں اور ایسی حماقتوں، خیانتوں اور عہد شکنوں سے روَساوطن کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں جن کے سبب مادر وطن میں آگ وخون کا طوفان امڈ رہا ہو، وطنی قومیت کے پرخچے اڑتے نظر آرہے ہوں، مادر وطن کو سندھ، بلوچستان، پنجاب اور سرحد کے علاوہ مزید شاختوں میں بٹتا ہوا دیکھ رہے ہوں اور مذہبی منافرت پھیلا کر مذہبی مقدمات کے لئے کشت وخون کا سونامی اعلان امڈتا ہوا محسوس کررہے ہوں اور یہ کہ راہ حق وحقیقت پر چلنا چاہتے ہوں۔تو ''میر زماں'' اور ان کے پورے کارواں کو چاہئے کہ وہ حضرت مدنی کے اسی فارمولے پر عمل کریں جو انہوں نے ہندوستان کی مختلف اقوام کو متحد رکھنے کے لئے اور بیرونی آمد ودخل اندازی سے بچانے کے لئے پیش فرمایا تھا اور آج کی ساری دنیا اسی فارمولے پر عمل پیرا ہے، یعنی'' قومیت از وطنیت است'' ہم سارے نعروں کو چھوڑ کر بلا اختیار صرف یہ کہیں کہ:

''ہم سب پاکستانی ہیں اور پاکستان ہمارا ہے، اور ہم سب مل کر پاکستان میں لگی ہوئی آگ بجھائیں گے اور کسی قسم کے سیاہ وسفید، ریچھوں کو دھرتی ماتا میں خونخواری اور درندگی کی اجازت وموقع فراہم نہیں کریں گے، اسی میں ہماری نجات ہے یہی راہ خدا ہے''۔

یہی شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی کا فلسفہ تھا جو ہمیں سمجھ نہیں آرہا تھا مگر ہم تین ربع صدی میں چشم مشاہدہ سے اس کی حقیقت وحقانیت دیکھ چکے ہیں اب ہمیں تعصب عناد سے بالاتر ہوکر مولوی اقبال سہیل کی اس دعوت پر (قدرے تصحیف کے ساتھ) بیان کردینا چاہئے:

بگیر راہِ حسین احمد گر راہِ خدا خواہی ۔۔۔ کہ نائب است نبی راہ وہم از آل نبی است

اگر ''میر'' میری اس رائے سے اتفاق کرتے ہوں تو شریعت وحقیقت پر قائم کی گئی ہے تو انہیں چاہئے کہ توبہ واستغفار کرتے ہوئے حضرت مدنی اور مفتی اعظم ہند مفتی کفایت اللہ رحمہما اللہ کے بارے میں اپنی ہرزہ سرائی پر غیر مبہم الفاظ میں شرمساری وندامت کا اظہار کریں اور ان حضرات کے بارے میں رائے قائم کرنے کے لئے اصفہانی، بٹالوی اور تمیمی جیسے مریضان لیگ کے بجائے علامہ سید سلیمان ندوی، چوہدری خلیق الزماں، اور محترم یوسف سلیم چشتی مرحوم جیسے محباب اقبال کو پڑھیں، جن پر حضرت مدنی کی شخصیت اور احوال کی حقیقت منکشف تھی، بصورت دیگر زرداری کے بلاول سے زیادہ اپنا خیال کریں، کیونکہ کچھ علم نہیں موجودہ سربراہان وطن جاتے ہوئے علامہ شبیر احمد

عثمانی کے پاکستان کو کہاں چھوڑ کر جاتے ہیں اور غریب پرور بھٹو کی پارٹی کو مشت خاک بنا کر کہاں پھینکا جاتا ہے۔ بلاول کی باری آتی ہے یا نہیں؟ اس لئے ''سب سے پہلے میر'' کا نظریہ اپنانا ''میر'' کے لئے زیادہ ضروری ہے۔

والسلام

علامہ اقبال مرحوم.....اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی

معظمہ کنولؔ

''ارمغان حجاز'' دانائے راز علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ کا مجموعہ کلام ہے، جس میں شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف کہے گئے تین اشعار بھی موجود ہیں، یہ اشعار جنوری 1938ء میں اقبال مرحوم نے ایک غلط اخباری اطلاع کی بنیاد پر کہے تھے۔ بعدازاں جناب طالوت نے علامہ کو حقیقت حال سے آگاہ کیا کہ آپ کے اشعار کی بنیاد جس مفروضے پر ہے، اس کی حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نسبت محض جھوٹی ہے اور حضرت نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی کہ وطن ہی اساس ملت ہے۔

چونکہ علامہ اقبال رحمہ اللہ کے اشعار کسی ذاتی دشمنی وعداوت اور کسی مخفی جذبے کی بنیاد پر نہیں تھے، اس لیے حقیقت حال واضح ہونے پر انہیں رجوع سے کوئی چیز مانع نہ ہوئی اور 28 مارچ 1938ء کو روزنامہ ''احسان'' لاہور میں انہوں نے یہ اعلان شائع کرایا کہ مذکورہ اشعار غلط اخباری اطلاع کی بنیاد پر کہے گئے تھے لہٰذا انہیں کالعدم سمجھا جائے۔ علامہ نے تو اعتراف حق کر کے اپنے نامہ اعمال سے یہ سیاہ داغ دھو دیا لیکن جب علامہ کی وفات 21 اپریل 1938ء کے کئی ماہ بعد نومبر 1938ء میں یہ مجموعہ کلام شائع ہوا تو ان کے ناخلف جانشینوں نے ان اشعار کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ علامہ کے رجوع واعتراف حق سے کلی طور پر صرف نظر کرتے ہوئے کوئی توضیحی نوٹ بھی شائع نہ کیا۔ یہ محض ان لوگوں کا خبث باطن تھا، جس سے علامہ محمد اقبال رحمہ اللہ مبرا ومنزہ تھے۔ اگر یہ مجموعہ کلام ان کی حیات میں شائع ہوتا تو وہ ضرور ان اشعار کو حذف کرا دیتے یا حقیقت حال کو ضرور واضح کر دیتے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی مسلم لیگ کے چوٹی کے ارکان ہی میں سے نہ تھے بلکہ انجمن حمایت اسلام کے قائم کردہ اشاعت اسلام کالج کے پرنسپل اور علامہ اقبال ومحمد علی جناح کے معتمد خاص بھی تھے، کلام اقبال کے شارحین میں پروفیسر موصوف کو نمایاں مقام حاصل ہے۔ مسلم لیگ کی وہ مخصوص ذہنیت کہ جو مسلم لیگی نہیں وہ مسلمانوں کا خیرخواہ بھی نہیں بلکہ وہ ضمیر فروش، غدار قوم اور ہندوؤں کا غلام ہے، ان کے بھی رگ وپے میں سرایت کر چکی تھی لہٰذا جب ''ارمغان حجاز'' کی تشریح کے دوران ان کے سامنے علامہ اقبال کے مذکورہ تین اشعار آئے تو انہوں نے روایتی لیگی ذہنیت بلکہ خبث باطن کا پورا پورا ثبوت دیتے ہوئے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف الزام واتہام کے طومار باندھے اور گستاخی کی تمام حدود وقیود کو پھلانگتے ہوئے انہیں ''مقام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے بے خبر'' تک لکھ دیا۔ (نعوذ باللہ)

1956ء تک وہ اسی دھن میں مگن اور اسی رو میں بہتے رہے، مگر خلاق عالم کو جانے ان کی کون سی ادا پسند آ گئی کہ اس قدر گستاخی ودریدہ دہنی کے باوجود ''فعّال لما یرید'' نے ان کی ہدایت کا فیصلہ فرمایا۔ چشتی صاحب اپنی لیگی ذہنیت میں اس قدر پختہ اور اپنے موقف پر اس قدر سخت تھے کہ اس کے باوجود انہیں اظہار حق واعتراف توبہ میں 1956ء تا 1972ء تقریباً 16 برس کا عرصہ لگا۔ ہم یہاں بصد اختصار

کچھ باتیں اس حوالے سے سپرد قرطاس کر رہے ہیں۔تفصیل کیلئے ’’چراغ محمد سوانح حضرت مدنی رحمہ اللہ مؤلفہ حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی رحمہ اللہ‘‘ یا ’’ماہنامہ القاسم نوشہرہ بابت جون 2009ء‘‘ ملاحظہ فرمائیے۔

جناب پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا امام الہدیٰ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے تقریباً 25،26 سال پرانا تعلق تھا اور انہیں حضرت کے اخلاص وتقویٰ اور صدق مقال پر کامل اعتماد تھا۔یہ اکتوبر 1956ء کی بات ہے،حضرت لاہوری رحمہ اللہ کراچی تشریف لائے ہوئے تھے،انہوں نے پروفیسر صاحب جو بس کے انتظار میں اسٹاپ پر کھڑے تھے،کیلئے کار روکی،انہیں برنس گارڈن لے گئے،تبادلہ خیالات کے دوران حضرت لاہوری رحمہ اللہ نے ان کی توجہ ’’ارمغان حجاز‘‘ کی شرح اور حضرت مدنی کی گستاخی کی جانب مبذول کراتے ہوئے کہا:’’میں تمہاری بدگمانی دور کرنے کیلئے تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ میری رائے میں اور میرے علم کی رو سے اس وقت روئے زمین پر کوئی شخص روحانیت،تقویٰ اور تعلق مع اللہ کے اعتبار سے حضرت اقدس شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے بڑھ کر نہیں ہے۔‘‘ مزید فرمایا:’’حضرت مدنی رحمہ اللہ کی جوتیوں کا تلوا بھی میری داڑھی سے زیادہ محترم ہے،بلاشبہ وہ اس زمانے میں اللہ کی ہستی کی نشانیوں میں سے ایک واضح نشانی ہیں۔‘‘ساتھ ہی فرمایا کہ تم میرے عزیز ہو،اس لیے میری گزارش ہے کہ اپنی گستاخیوں سے رجوع کرو۔

حضرت لاہوری رحمہ اللہ کے ساتھ ہونے والی اس نشست نے پروفیسر صاحب کے اندر ایک بھونچال سا پیدا کر دیا،نفس کا پہلوان بھی بہر حال اتنا کمزور نہیں تھا کہ فوری چت ہو جاتا،مگر اتنا ضرور ہوا کہ انہیں اپنی اصلاح کی فکر ہوئی۔1957ء میں لاہور منتقل ہونے کے بعد انہوں نے حضرت لاہوری رحمہ اللہ کی مجالس ذکر میں شرکت شروع کر دی۔حضرت نے بھی انہیں نہ صرف یہ کہ خصوصی توجہ سے نوازا بلکہ حضرت مدنی رحمہ اللہ کے حوالے سے ان کے قلب و ذہن میں بھرے ہوئے ’’لیگی زہر‘‘ کی بھی صفائی شروع فرما دی۔رفتہ رفتہ ان کے دل سے گستاخی کے جراثیم رخصت ہونے لگے اور ان کی جگہ شیخ العرب والعجم کے عشق صادق نے لے لی۔اسی سال جب حضرت مدنی رحمہ اللہ کا انتقال ہوا تو انہیں یوں لگا کہ وہ اپنے محبوب سے جدا ہو گئے ہیں۔پروفیسر صاحب مثنوی مولانا روم کا درس دیا کرتے تھے،اسے موقوف کر کے حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات بیان کرنا شروع کر دیے اور مسلسل چار ماہ یہ شغل عزیز رہا۔برف پگھلتی جا رہی تھی لیکن اس تعلق کے باوجود اعتراف حق کیلئے نفس آمادہ نہیں ہو رہا تھا۔یہاں تک کہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ بھی داغ مفارقت دے گئے اور اب مولانا روم کی اپنے شیخ شمس تبریز رحمہ اللہ کی وفات کے وقت جو کیفیت تھی،پروفیسر صاحب کی کیفیت بھی اس سے کچھ کم نہ تھی،وہ بھی کسی صلاح الدین کے متلاشی تھے۔جب انہوں نے اپنی یہ کیفیت حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی رحمہ اللہ کو لکھی تو انہوں نے پروفیسر صاحب کی رہنمائی حضرت مدنی رحمہ اللہ کے خلیفہ مجاز مولانا سید حامد میاں کی طرف کی اور 1965ء میں پروفیسر صاحب ان سے بیعت ہو گئے۔

روحانی منازل تو طے ہو رہی تھیں،مگر اعتراف حق و اقرار جرم کا مرحلہ ہنوز کافی دور تھا۔اس جانب مولانا قاضی زاہد الحسینی رحمہ اللہ،اپنے مکتوبات میں پروفیسر صاحب کو بار بار متوجہ کرتے رہے۔یہ سلسلہ جنوری 1965ء سے جاری تھا،بالآخر 22 مئی 1968ء کے مکتوب میں مرقوم حضرت قاضی صاحب کے الفاظ ’’از دل خیزد بر دل ریزد‘‘ کا مصداق ثابت ہوئے،قاضی صاحب نے اس خط میں تحریر فرمایا تھا:’’بہر حال آپ کی طرف سے فی الحال اگر چند سطور ’’خدام الدین‘‘ میں آجائیں تو بہتر ہیں:مثلاً شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ العزیز کی شان گرامی میں میرے قلم اور میری زبان سے جو کلمات ناشائستہ صادر ہو چکے ہیں،میں ان سے صدق دل سے نادم ہو کر رجوع کرتا ہوں۔میں آپ سے بار بار اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ سالک کے اکثر مقامات شیخ کی شان میں بے ادبی سے نہ صرف رک جاتے ہیں بلکہ لطائف

بجھ جاتے ہیں۔‘‘

یہ آخری جملہ پڑھتے ہی نفس وشیطان کے ایوان میں زلزلہ برپا ہوا۔نفس اور روح کی شدید کشمکش ہوئی اور بالآخر روح نے نفس امارہ کو چاروں شانے چت گرادیا۔پروفیسر صاحب نے نفس کی غلامی پر چارحرف بھیج دیے،کہ لطائف بجھ جائیں اور روح مرجائے تو انسان اور گدھے میں بھلا کیا فرق رہ جاتا ہے۔اللہ تعالیٰ کی مدد اور بزرگوں کی خصوصی توجہ سے پروفیسر یوسف سلیم چشتی رحمہ اللہ نے وہ توبہ کی کہ اب تو الرحیم سے قوی امید بلکہ یقین ہے کہ ان کی سابقہ تمام گستاخیوں کا کفّارہ ہوگیا ہوگا۔انہوں نے سب سے پہلے فروری 1972ء کے ماہنامہ’’میثاق‘‘میں یہ توبہ نامہ شائع کرایا،اب یہ’’چراغ محمدؐ‘‘کا بھی حصہ ہے۔

پروفیسر صاحب مخلص تھے اور اللہ والوں سے تعلق رکھتے تھے۔اس لیے انہیں بھی اپنے ممدوح علامہ ڈاکٹر محمد اقبال رحمہ اللہ کی طرح اعتراف حقیقت واظہار توبہ میں کوئی دقت پیش نہ آئی،کہ قلب میں اخلاص ہو تو قدرت بھی یاوری کرتی ہے،رہے دورحاضر کے قلم فروش،تو انہیں یہ نعمت شاید اس لیے میسر نہیں آتی کہ ان کی تحریروں کے پیچھے جذبہ صادق نہیں بلکہ مخصوص مفادات کا حصول ہوتا ہے،اس لیے عناد کی بیماری میں مبتلا یہ قلم فروش’’میں نہ مانوں‘‘اور’’مرغی کی ایک ہی ٹانگ‘‘کی رٹ ہی لگائے رہتے ہیں،ان سے کسی کو کیا امید اور کیا گلہ؟

آئیے پروفیسر یوسف سلیم چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا ایمان افروز روح پرور’’توبہ نامہ‘‘ملاحظہ فرمائیے۔’’اے ستارالعیوب!میں بصمیم قلب اقرار کرتا ہوں کہ میں نے تیرے مقبول بارگاہ اور برگزیدہ بندے شیخ اسلام،مجاہد اعظم،قدوۃ العارفین،زبدۃ الکاملین،سیدی وشیخی وسندی ووسیلتی فی الدارین مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ العزیز کی شان اقدس میں اپنے قلم اور اپنی زبان سے بڑی گستاخیاں کیں،میں اپنی اس نالائقی اور حماقت کو کسی پردے میں نہیں چھپانا چاہتا،اعلانیہ صاف لفظوں میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں۔اے اللہ!میں اندھا و جاہل اور احمق اور عقل وخرد سے بیگانہ ہوگیا تھا،یہی وجہ ہے کہ جس شخص نے حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیٹھ کر چودہ سال تک دین کی تعلیم وتبلیغ کی اور ساری عمر اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں بسر کردی تھی،اسے مقام رسول سے بے خبر قرار دیتا رہا بلکہ اس کی شان میں گستاخیاں کرتا رہا اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان گستاخیوں پر فخر کرتا رہا۔اے اللہ!یہاں کی ذلت اور رسوائی مجھے منظور ہے،میں تو یوں بھی سراپا خطا ومجسم گناہ ہوں،مجھ میں اور کون سی خوبی ہے جس پر ناز کرسکتا ہوں،مجھے قیامت میں اپنی خفگی اور اپنے محبوب کی ناراضی سے محفوظ رکھیو۔

اے اللہ!میں ڈرتا ہوں اور سخت لرزہ براندام ہوں اس بات سے کہ قیامت میں جب حضور انور ﷺ کی نگاہ مجھ پر پڑے گی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں مجھ سے اس انداز میں خطاب نہ فرمائیں:’’اچھا تو تم ہو وہ گستاخ اور دریدہ دہن!جس نے میرے اس عاشق صادق کی شان میں بے ادبی کی تھی،جس نے میرے دین کی سربلندی کی خاطر اور میری محبت میں ساری عمر قید وبند کو دعوت دی اور طوق سلاسل کو لبیک کہا،جس نے میری محبت میں میرے دین کے دشمنوں کے خلاف جہاد کیا اور تادم آخر کلمہ حق کہا،جس نے میری خاطر مالٹا میں مصائب جھیلے،جس نے میری محبت میں کراچی کی جیل کاٹی،جس نے اعلاء کلمۃ الحق کیلئے انگریز(علیہ ماعلیہ)سے ٹکرلی،جس نے میری امت کی بہبود کیلئے دن میں قرآن وحدیث کا درس دیا اور رات میں دشمنان اسلام کے خلاف لسانی جہاد کیا۔جس نے اسلام کی خاطر غیروں کے طعنے سنے اور اپنوں سے گالیاں کھائیں اور گالیاں کھا کر بے مزہ ہونا تو درکنار ان گالیاں دینے والوں کے حق میں دعائیں کیں،جس نے اپنی تمام متاع حیات مجھ پر نثار کردی‘‘۔

تو اس وقت میرا کیا حال ہوگا؟کون سا آسمان مجھے پناہ دے گا اور کون سی زمین مجھے ٹھکانا دے گی؟اے اللہ!حضور ﷺ کی ایک نگاہ

عتاب سے بچنے کیلئے میں اس دنیا میں ہر قسم کی ذلت اور رسوائی برداشت کرنے کو تیار ہوں۔اے اللہ! میں صدق دل سے توبہ کرتا ہوں، میری لغزشوں، خطاؤں اور گستاخیوں کو معاف کر دے جو میں نے اپنے شیخ طریقت، مخدوم ملت، محرم راز نبوت، واقف اسرار رسالت اور آشنائے مقام محمدی (علیہ افضل التحیۃ والثناء) کی شان میں روا رکھی تھی۔''

پروفیسر صاحب کا 3 فروری 1984ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے اور دور حاضر کے نام نہاد دانشوروں اور قلم کاروں کو بھی ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اکابر کی گستاخی سے بچنے اور سچی توبہ کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔(آمین)



شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ پر حامد میر کے الزامات کا جائزہ

کڑوا سچ جناب حامد میر کی خدمت میں!

قلم وقرطاس اور زبان وبیان دو دھاری تلواریں ہیں، اگر ان کے صحیح استعمال سے دین وشریعت کی ترجمانی اور نجاتِ آخرت کا سامان کیا جاسکتا ہے، تو باطل، اہل باطل کی ترجمانی اور حقائق مسخ کرکے اپنی دنیا وآخرت برباد بھی کی جاسکتی ہے۔ جب تک مسلمانوں کے دلوں میں خوفِ خدا، خشیت ِ الٰہی اور فکرِ آخرت تھی، ناممکن تھا کہ ان کی زبان وبیان اور قلم وقرطاس سے خلافِ حقیقت کوئی بات صادر ہوتی، لیکن جب سے ان کے دلوں سے فکرِ آخرت اور خوف خدا رخصت ہوا ہے، وہ بلا تکان ہر قسم کا جھوٹ، سچ بولنے اور لکھنے لگے ہیں، اور انہیں یہ احساس تک نہیں رہا کہ کل قیامت کے دن اس کا حساب دینا ہوگا؟ یا ہمیں اپنی کسی تحریر وکلام کا جواب بھی دینا ہوگا؟ حالانکہ قرآن کریم میں ہے: "مایلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید" (ق:۱) نہیں بولتا کوئی بات، مگر ہوتا ہے اس کے پاس ایک نگہبان تیار یعنی فرشتے خدا کے حکم سے ہر وقت اس کی تاک میں رہتے ہیں، جو لفظ اس کے منہ سے نکلے، وہ لکھ لیتے ہیں۔ اسی طرح جو بات بھی قلم سے صادر ہو، اس کو بھی محفوظ کرلیا جاتا ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ کافر تو کافر شاید اب مسلمانوں کو بھی اس کا یقین نہیں رہا کہ ہمیں اپنے اچھے بُرے کا جواب دینا ہوگا، یا ہم نے خدانخواستہ کسی کی طرف غلط بات منسوب کی تو عنداللہ اس کو ثابت کرنا ہوگا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ زندہ تو زندہ اب مردے بھی ان کے ظلم وستم اور کذب وافترا سے محفوظ نہیں۔ کچھ اسی قسم کا معاملہ روزنامہ جنگ کے ایک کالم نگار جناب حامد "میر" صاحب کا ہے۔ نہیں معلوم کہ وہ کون سے "میروں" سے ہیں؟ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ان کو قلم وقرطاس کی "نعمت" اور میڈیا سے وابستگی کی "سعادت" سے نوازا ہے، اور ان کا "بے باک" قلم منہ زور گھوڑے کی طرح آئے دن کسی نہ کسی کی پگڑی اچھالتا رہتا ہے۔ تہمت طرازی، الزام تراشی، غلط بیانی اور حقائق کو مسخ کرنا تو "میر" صاحب کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، چنانچہ آج سے کوئی ساڑھے پانچ سال قبل بھی روزنامہ جنگ کراچی ۲۵/ اگست ۲۰۰۳ء کی اشاعت میں موصوف نے "ملا پاور" کے نام سے ایک تاریخی جھوٹ تراش کر یہ باور کرانے کی کوشش کی تھی کہ ۱۹۷۴ء کی اینٹی قادیانی تحریک اور مسئلہ ختم نبوت میں علماء اور رکارکنانِ ختم نبوت کا کوئی کردار نہیں تھا اور یہ مسئلہ کسی تحریک کے بغیر محض پی پی پی راہنما ذوالفقار علی بھٹو کی ذاتی دلچسپی سے حل ہوا تھا، چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ذوالفقار علی بھٹو نے ۱۹۷۴ء میں پارلیمنٹ کے ذریعہ قانون منظور کرواکر قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دلوایا، ۱۹۷۴ء کی اسمبلی میں بھٹو ملاؤں کے قطعاً محتاج نہ تھے اور نہ ہی اس وقت سڑکوں پر کوئی تحریک چل رہی تھی، قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دینے کا فیصلہ پاکستانی مسلمانوں کی اکثریت کی مرضی سے ہو"

کیا کوئی باشعور مسلمان باور کرسکتا ہے کہ جناب ذوالفقار علی بھٹو نے ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم بغیر کسی تحریکی دباؤ کے ازخود فرمادی تھی؟ ہمارے خیال میں اتنا بڑا تاریخی جھوٹ "میر" صاحب کے علاوہ کسی کو زیب نہیں دیتا، ورنہ کون نہیں جانتا کہ ربوہ اسٹیشن پر قادیانی جارحیت کے خلاف اٹھنے والی تحریک نے جب مسلمانانِ پاکستان کو بیدار کیا تو اسمبلی کے اندر مولانا مفتی محمودؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا شاہ احمد

نورانی، پروفیسر غفور احمد وغیرہ حضرات نے اور اسمبلی سے باہر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ اور دوسرے اکابر نے مسلمانوں کی قیادت کا فریضہ سرانجام دیا، تو حکومت پاکستان اور جناب ذوالفقار علی بھٹو عوامی دباؤ کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوگئے؟ کیا اس تحریک میں براہ راست شرکت کرنے والے، شہدأ کے ورثأ اور ہزاروں فرزندانِ توحید اس کے گواہ نہیں کہ یہ تحریک مئی ۱۹۷۴ء سے ستمبر ۱۹۷۴ء تک مسلسل پانچ ماہ تک برپا رہی اور اسی کی برکت سے یہ مسئلہ حل ہوا تھا؟ مگر موصوف اس کے برعکس فرماتے ہیں کہ: "نہ ہی اس وقت سڑکوں پر کوئی تحریک چل رہی تھی۔"

"میر" صاحب اگر ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم بھٹو صاحب کے دستخطوں کی وجہ سے ان کے کھاتے میں ڈالی جاسکتی ہے اور مسلسل پانچ ماہ تک پوری پاکستانی عوام کی جدوجہد کی نفی کی جاسکتی ہے، تو کیا آپ کسی کو یہ کہنے کی بھی اجازت دیں گے؟ کہ معزول ججوں کی بحالی بھی زرداری صاحب کی مرہونِ منت ہے اور وکلاء کا اس کے پیچھے کوئی کردار نہیں، کیونکہ زرداری صاحب معزول ججوں کی بحالی میں وکلاء کے قطعاً محتاج نہیں تھے، اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو تحریک تحفظ ختم نبوت میں علماء کی مساعی کا انکار کیوں کیا جاسکتا ہے؟

اسی طرح انہوں نے اسی کالم میں یہ گوہر افشانی بھی فرمائی تھی کہ:

"جہاد کشمیر کا ۱۹۴۷ء میں آغاز ہوا تو ملاؤں کی طرف سے اس جہاد کو کفر قرار دیا گیا"

ایسا لگتا ہے کہ موصوف کالم لکھتے وقت ہوش میں نہیں تھے یا ان پر نیند کا غلبہ تھا، ورنہ کون نہیں جانتا کہ:

"جب وزیر اعظم پاکستان نوابزادہ لیاقت علی خان مرحوم نے کشمیر میں اعلانِ جنگ کر دیا، جس پر پوری قوم ان کی ہمنوا بن گئی، اس جنگ میں مجلس احرار اسلام سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئی اور اس نے حکومت پاکستان کے موقف کی بھرپور اور دوٹوک حمایت کا اعلان کر دیا، مجلس احرارِ اسلام نے اس موقع پر دفاعِ پاکستان کے عنوان پر جلسوں کا اعلان کرکے رائے عامہ ہموار کرنے اور قوم میں جذبہ جہاد پیدا کرنے کی مہم شروع کر دی، پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں زبردست جلسے کئے گئے، عوام اور فوج دونوں کا لہو گرمایا گیا، انہیں جہاد کی اہمیت وافادیت سے آگاہ کیا گیا، مجلس احرار اسلام کے تمام راہنما اس جدوجہد میں شریک ہوگئے۔" (تحریک کشمیر سے تحریک ختم نبوت تک ،از چوہدری غلام نبی، ص:۱۲۵)

ان ہر دو اقتباسات سے موصوف کی "راست" بیانی اور تہمت تراشی کا کچھ اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

بہرحال ہم نے اس وقت بھی موصوف کی خدمت میں مفصل گزارشات عرض کی تھیں، عین ممکن ہے کہ ان کی نظر سے نہ گزری ہوں، افسوس کہ حال ہی میں "میر" صاحب کا "صداقت انگیز" اور "فرض شناس" قلم ایک بار پھر حرکت میں آیا ہے، چنانچہ روزنامہ جنگ کراچی ۲۶/ مارچ ۲۰۰۹ء کی اشاعت میں موصوف نے اپنے کالم "بلاول کا خیال کیجئے" میں ایک بار پھر اپنی سابقہ "سچ گوئی" کا اعادہ کرتے ہوئے چند نئے اور تازہ شگوفے چھوڑے ہیں۔

یقیناً "میر" صاحب! اپنی عادت سے مجبور ہوں گے، مگر ہم ان سے اتنا عرض کرنا چاہیں گے کہ آپ "یہ کرم فرمائی" صرف زندوں کی حد تک روا رکھیں تو زیادہ مناسب ہوگا اور مرحومین کو اس سے مستثنیٰ قرار دے دیں تو آپ کے لئے بہتر ہوگا۔

مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال کا اختلاف:

"میر" صاحب نے اپنے تازہ کالم میں مولانا فضل الرحمن کو فہمائش کرتے ہوئے لکھا ہے:

"وکلاء کے لئے معزول ججوں کی بحالی کے لئے تحریک اتنی ہی اہم تھی جتنی اہم تحریک پاکستان تھی، تحریک پاکستان میں بھی کچھ مولانا صاحبان نے علامہ اقبالؒ اور قائد اعظمؒ کے خلاف طرح طرح کے فتوے صادر کئے، نوبت یہاں تک آئی کہ علامہ اقبالؒ کو جمعیت علماء ہند کے رہنما مولانا حسین احمد مدنی کے خلاف اشعار کہنا پڑ گئے...."

موصوف نے علامہ اقبال مرحوم کے متنازعہ اشعار کا سبب، ان کے خلاف حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کو قرار دیا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ "میر" صاحب علماء دشمنی کی "برکت" سے عقل وخرد کی سطح سے بہت "اونچے" جا چکے ہیں، ورنہ کون نہیں جانتا کہ حضرت مدنیؒ نے علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف نہ ایسا کوئی فتویٰ دیا تھا اور نہ ہی علامہ اقبال نے اپنے کسی ذاتی انتقام میں وہ متنازعہ اشعار کہے تھے، اگر بغور دیکھا جائے تو اس تحریر میں "میر" صاحب نے جہاں حضرت مدنیؒ کی ذات پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش کی ہے، اس سے کہیں زیادہ انہوں نے علامہ اقبالؒ کی شخصیت کو داغدار کیا ہے، کیونکہ ان کی تحریر سے یہی تاثر ابھر کر سامنے آتا ہے کہ علامہ اقبالؒ جیسا بڑا آدمی بھی معمولی اور چھوٹے لوگوں کی طرح اپنی انا کے لئے ہجو ومدح کا مشغلہ اپنایا کرتا تھا۔

دوسری طرف تاریخ پاکستان کا ادنیٰ کارکن بھی جانتا ہے کہ ان اشعار کا پس منظر یہ تھا کہ جنوری ۱۹۳۸ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ نے اپنی ایک تقریر میں دورِ جدید کے نظریہ قومیت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ:

"موجودہ زمانہ میں قومیں مذہب سے نہیں، بلکہ اوطان سے بنتی ہیں"

لیگی اخبارات نے حضرت کے اس بیان کو توڑ مروڑ کر پیش کیا اور حضرت مدنیؒ کے خلاف پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ:

"وہ ملت از وطن است" کے قائل ہیں، اور مسلمانوں کو یہ تلقین کر رہے ہیں کہ وہ مذہب کی بجائے وطن کو قومیت کی بنیاد بنائیں" یہ پروپیگنڈہ اتنا شدید تھا کہ پورے ملک میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف طوفان بدتمیزی برپا کر دیا گیا، اس اخباری پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر علامہ محمد اقبال مرحوم نے بھی حضرت مدنیؒ کے بارہ میں مشہور قطعہ "عجم ہنوز نداند رموز دیں ورنہ" لکھ کر اخبارات میں شائع کرا دیا۔

اس پر علامہ عبدالرشید نسیمؒ جو طالوت کے قلمی نام سے متعارف تھے، حضرت مدنیؒ اور علامہ اقبال مرحوم دونوں کے عقیدت مند تھے، انہوں نے اس قضیہ کو سلجھانے کے لئے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اصل واقعہ کی تحقیق کے لئے تفصیلی عریضہ لکھا، حضرت مدنی قدس سرہ نے اس کا تفصیلی جواب لکھا اور فرمایا کہ: "ملت از وطن است" کا نظریہ لیگی اخبارات کا تراشیدہ خالص تہمت ہے، میں نے اپنی تقریر میں دورِ جدید کا یہ نظریہ ذکر کیا تھا کہ: "قومیں مذہب سے نہیں، بلکہ اوطان سے بنتی ہیں۔"

مولانا طالوتؒ نے مولانا مدنیؒ کے اس مکتوب کے اقتباسات علامہؒ کو لکھ بھیجے، علامہ اقبال مرحوم حضرت مدنیؒ کی وضاحت سے مطمئن ہو گئے اور انہوں نے اپنا اعتراض واپس لے لیا، اور اس تنقیدی نظم سے رجوع کر لیا، چنانچہ علامہؒ کا یہ تردیدی بیان اخبار احسان لاہور میں بایں الفاظ شائع ہوا:

"میں نے مسلمانوں کو وطنی قومیت اختیار کرنے کا مشورہ نہیں دیا۔"

(حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا بیان)

"مجھے اس اعتراف کے بعد ان پر اعتراض کا کوئی حق باقی نہیں رہتا۔"

(علامہ اقبال کا مکتوب)

"قومیت و وطنیت کے مسئلہ پر ایک علمی بحث کا خوشگوار خاتمہ"

"جناب ایڈیٹر صاحب"احسان"لاہور

السلام علیکم!

میں نے جو تبصرہ مولانا حسین احمد صاحب کے بیان پر شائع کیا ہے اور جو آپ کے اخبار میں شائع ہو چکا ہے، اس میں، میں نے اس امر کی تصریح کر دی تھی کہ اگر مولانا کا یہ ارشاد: "زمانہ حال میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں" محض برسبیل تذکرہ ہے تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے اور اگر مولانا نے مسلمانانِ ہند کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ جدید نظریہ قومیت کو اختیار کر لیں تو دینی پہلو سے مجھے اس پر اعتراض ہے، مولوی صاحب کے اس بیان میں جو اخبار"انصاری" میں شائع ہوا ہے، مندرجہ ذیل الفاظ ہیں:

"لہٰذا ضرورت ہے کہ تمام باشندگان ملک کو منظم کیا جائے، اور ان کو ایک ہی رشتہ میں منسلک کر کے کامیابی کے میدان میں گامزن بنایا جائے، ہندوستان کے مختلف عناصر اور متفرق ملل کے لئے کوئی رشتہ اتحاد بجز قومیت اور کوئی رشتہ نہیں جس کی اساس محض یہی ہو سکتی ہے۔"

ان الفاظ سے تو میں نے یہی سمجھا کہ مولوی صاحب نے مسلمانانِ ہند کو مشورہ دیا ہے، اسی بنا پر میں نے وہ مضمون لکھا جو اخبار"احسان" میں شائع ہوا ہے، لیکن بعد میں مولوی صاحب کا ایک خط طالوت صاحب کے نام آیا، جس کی ایک نقل انہوں نے مجھ کو بھی ارسال کی ہے، اس خط میں مولانا ارشاد فرماتے ہیں:

"میرے محترم سر صاحب کا ارشاد ہے کہ اگر بیان واقعہ مقصود تھا تو اس میں کوئی کلام نہیں ہے اور اگر مشورہ مقصود ہے تو وہ خلافِ دیانت ہے، اس لئے میں خیال کرتا ہوں کہ پھر الفاظ پر غور کر لیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ تقریر کے لاحق وسابق پر نظر ڈالی جائے، میں یہ عرض کر رہا تھا کہ موجودہ زمانے میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں، یہ اس زمانے کی جاری ہونے والی نظریت اور ذہنیت کی خبر ہے۔ یہاں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ ہم کو ایسا کرنا چاہئے، یہ خبر ہے، انشا نہیں ہے۔ کسی ناقل نے مشورے کو ذکر بھی نہیں کیا، پھر اس کو مشورہ قرار دینا کس قدر غلطی ہے۔

خط کے مندرجہ بالا اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا اس بات سے انکار کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانانِ ہند کو جدید نظریہ قومیت اختیار کرنے کا مشورہ دیا، لہٰذا میں اس بات کا اعلان ضروری سمجھتا ہوں کہ مجھ کو مولانا کے اس اعتراف کے بعد کسی قسم کا کوئی حق اعتراض کرنے کا نہیں رہتا، میں مولانا کے ان عقیدت مندوں کے جوش عقیدت کی قدر کرتا ہوں جنہوں نے ایک دینی امر کی توضیح کے صلے میں پرائیویٹ خطوط اور پبلک تحریروں میں گالیاں دیں، خدائے تعالیٰ ان کو مولانا کی صحبت سے زیادہ مستفید فرمائے، نیز ان کو یقین دلاتا ہوں کہ مولانا کی حمیت دینی کے احترام میں، میں ان کے کسی عقیدت مند سے پیچھے نہیں ہوں۔" محمد اقبال

(اقبال کے ممدوح علماء، ص:۸۶، ۸۷)

کیا"میر" صاحب یہ بتلانا پسند فرمائیں گے کہ اس میں علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف حضرت مدنی ؒ کے کسی فتویٰ کا کہیں ذکر ہے؟ اگر نہیں! اور یقیناً نہیں! تو ان کے اس ارشاد کا کیا معنیٰ؟ کہ": کچھ مولانا صاحبان نے علامہ اقبال اور قائد اعظم کے خلاف طرح طرح کے فتوے صادر کئے، نوبت یہاں تک آئی کہ علامہ اقبال کو جمعیت علماء ہند کے راہنما مولانا حسین احمد مدنی کے خلاف اشعار کہنا پڑے۔"

"میر" صاحب! علامہ اقبالؒ نے تو غلط فہمی دور ہونے پر اپنے ان اشعار سے رجوع فرما کر دل صاف کر لیا تھا، لیکن پون صدی گزرنے

کے باوجود آج تک آپ کے سینے سے حضرت مدنیؒ کا بغض نہیں نکلا، آخر کیوں؟؟؟

”میر“ صاحب! سیاسی اور نظریاتی اختلاف ہوا کرتے ہیں اور اس کا ہر ایک کو حق ہے، لیکن سیاسی اختلاف کی آڑ لے کر کسی اللہ والے کی کردارکشی کرنا کون سی شرافت و دیانت ہے؟

کیا علامہ اقبال کو قائداعظم محمد علی جناح سے اختلاف نہیں تھا؟ کیا انہوں نے جناح صاحب کے بارہ میں یہ نہیں فرمایا تھا؟:

لندن کے چرخ نادرہ فن سے پہاڑ پر
اترے مسیح بن کے محمد علی جناح
نکلے گی تن سے تو کہہ رہے گی بتا ہمیں
اے جانِ برلب آمدہ اب تیری کیا صلاح
دل سے خیالِ دشت وبیاباں نکال دے
مجنوں کے واسطے ہے یہی جادہ فلاح
آغا امام اور محمد علی ہے باب
اس دین میں ہے ترکِ سوادِ حرم مباح
بشریٰ لکم کہ منتظر ما رسیدہ ہست
یعنی حجابِ غیبتِ کبریٰ دریدہ ہست

(روزنامہ زمیندار، مورخہ ۹ر نومبر ۱۹۲۱ء)

جب علامہ صاحبؒ کا جناح صاحب سے اختلاف ختم ہوگیا اور انہوں نے ان اشعار سے رجوع فرمالیا، تو کیا آپ نے کبھی اپنے کسی کالم میں علامہؒ کے ان اشعار یا علامہؒ کے اس اختلاف کا بھی تذکرہ کیا ہے؟ اگر علامہ صاحبؒ کا قائداعظم صاحب کے بارہ میں یہ رجوع معتبر ہے، تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں ان کا رجوع کیوں معتبر نہیں؟ اگر علامہؒ کی اس نظم کو بنیاد بنا کر قائداعظم پر تنقید نہیں کی جاسکتی تو علامہؒ کے رجوع کے باوجود ان کی اس متنازعہ نظم کی آڑ میں حضرت مدنیؒ پر تنقید کیوں کی جاتی ہے؟ اگر علامہؒ کے رجوع کی وجہ سے ان کے مجموعہ کلام سے قائداعظم پر تنقید والی نظم حذف کی جاسکتی ہے تو حضرت مدنیؒ کے خلاف لکھی گئی نظم کو رجوع کے باوجود ان کے مجموعہ کلام سے کیوں حذف نہیں کیا جاسکتا؟

اس تصویر کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ فرمایئے، چنانچہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ لکھتے ہیں:

”بعض شخصیتوں کے بارے میں علامہ اقبال نے جو مدحیہ نظمیں کہیں، ان کو بھی چونکہ ”وقتی چیز“ سمجھا گیا، اس لئے پرستارانِ اقبال ان کو اقبال سے منسوب کرنا بھی مناسب نہیں سمجھتے، بلکہ انہیں متروکاتِ سخن شمار کرتے ہیں، اس کی متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں، مگر یہاں ہم صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں، پہلی مثال ان مدحیہ اشعار کی ہے جو گاندھی کی تعریف وتوصیف میں پڑھے گئے اور جن کا ذکر عبدالمجید سالک نے ”ذکرِ اقبال“ میں کیا ہے:

گاندھی سے اک روز یہ کہتے تھے مالوی

کم زور کی کمند ہے دنیا میں نارسا
نازک یہ سلطنت صفت برگ گل نہیں
لے جائے گلستان سے اڑا کر جسے صبا
گاڑھا ادھر ہے زیب بدن اور ادھرزرہ
صر صر کی رہ گزر میں کیا عرض توتیا
پس کر ملے گا گرد رہ روزگار میں
دانہ جو آسیا سے ہوا قوت آزما
بولا یہ بات سن کر کمال وقار سے
وہ مرد پختہ کار وحق اندیش و باصفا
خارا حریف سعی ضعیفاں نمی شود
صد کوچہ ایست دربن زنداں خلال را

دوسری مثال ان اشعار کی ہے جو"وار کانفرنس" میں تاج برطانیہ کی شان میں پڑھے گئے،عبدالمجید سالک لکھتے ہیں:

"دہلی میں وار کانفرنس منعقد کی تو بطور خاص نواب ذوالفقار علی خان کی وساطت سے علامہ اقبال کو بھی طلب کیا اور اس موقع کے لئے ایک نظم کی فرمائش کی،علامہ نے مجبور ہو کر ایک مسدس لکھا جس کے کل نو بند ہیں،بطور نمونہ دو بند ذیل میں نقل کئے جاتے ہیں،یہ نظم یونیورسٹی ہال لاہور میں پڑھی گئی:

اے تاج دارِ خطہ جنت نشانِ ہند
روشن تجلیوں سے تری خاورانِ ہند
محکم ترے قلم سے نظامِ جہانِ ہند
تیغ جگر شگاف تری پاسبانِ ہند
ہنگامہ وغامیں مرا سر قبول ہو
اہل وفا کی نذر محقر قبول ہو
تلوار تیری دہر میں نقادِ خیرو شر
بہ روز جنگ توز جگر سوز سینہ در
رایت تری سپاہ کا سرمایہ ظفر
آزادِ پرکشادہ پری زادہ یم سپر
سطوت سے تیری پختہ جہاں کا نظام ہے
ذرے کا آفتاب سے اونچا مقام ہے

(ذکرِ اقبال،ص:۸۶،۸۷)

(ارباب اقتدار سے کھری کھری باتیں:ص:۲۴،ج:۱)

کیا کبھی "میر" صاحب یا ان کے ہمنواؤں نے ان اشعار کو بنیاد بنا کر علامہ اقبالؒ کو انگریز یا ہندو سامراج کا حامی کہا؟ اگر نہیں اور یقینا نہیں، تو ایک غلط فہمی کی بنا پر کہی گئی نظم یا اشعار کو، جن سے بعد میں انہوں نے رجوع بھی کر لیا تھا، حضرت مدنی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کا جواز کیونکر بنایا جاتا ہے؟

"میر" صاحب نے روزنامہ جنگ ۳۰ / مارچ ۲۰۰۹ء کے اپنے کالم اور "سنہری موقع ضائع ہوگیا" میں مکرر حضرت مدنیؒ پر تنقید کے جواز میں ڈاکٹر جاوید اقبال کے حوالے سے لکھا ہے کہ:

"اس نظم کو علامہ اقبال کے مجموعہ کلام میں اس لئے باقی رکھا گیا کہ حضرت مدنی نے علامہ کی وفات کے بعد بھی ان پر حملے جاری رکھے، یہی وجہ تھی کہ اقبال کی وفات کے بعد شعری مجموعہ "ارمغانِ حجاز" شائع ہوا تو چوہدری محمد حسین نے اس میں مولانا حسین احمد مدنی کے متعلق اقبال کے تنقیدی اشعار شامل کر دیئے۔"

"میر" صاحب! آپ بھی "لکھے پڑھے" ہیں اور اپنے آپ کو تاریخ دان بھی سمجھتے ہیں، اور آپ کا اقبالیات پر مطالعہ بھی ہوگا، کیا آپ نے کہیں حضرت مدنیؒ کا علامہؒ کے خلاف کوئی "حملہ" دیکھا؟ اگر ایسا کچھ تھا تو اس کی کوئی ایک آدھ مثال پیش فرما دی ہوتی کہ حضرت مدنیؒ نے کب اور کہاں اور کس بنا پر علامہ اقبالؒ کی کردارکشی کی تھی؟ یا ان پر حملے کئے تھے؟ اگر جواب نفی میں ہے اور یقینا نفی میں ہے تو اس اتہام کا کیا جواز ہے؟

مولانا مدنی پر لیگ کی حمایت کیلئے پیسے لینے کا الزام

جناب "میر" صاحب، اپنے کالم "بلاول کا خیال کیجئے!" میں حسب عادت مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی کردارکشی اور تہمت تراشی سے "شغل" فرماتے ہوئے ان پر الزام لگاتے ہیں کہ:

"تحریک پاکستان کے ایک نامور مورخ ڈاکٹر محمد جہانگیر تمیمی نے اپنی کتاب "زوال سے اقبال تک" میں ایک عجیب قصہ لکھا ہے، فرماتے ہیں کہ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں مفتی کفایت اللہ اور مولانا حسین احمد مدنی مسلم لیگ کی حمایت کے لئے راضی تھے، لیکن انہوں نے اس حمایت کے اخراجات کے لئے پچاس ہزار روپے طلب کئے، یہ رقم اس زمانہ میں بہت زیادہ تھی، قائد اعظم یہ مطالبہ پورا نہ کرسکے اور مولانا صاحبان کانگریس کی طرف چلے گئے، کیونکہ وہاں سے ان کے مالی تقاضے پورے ہو گئے تھے"

اس چند سطری تحریر کے ذریعہ "میر" صاحب نے جو "عظیم" کارنامہ انجام دیا ہے، باوجود صد مساعی کے انگریز بہادر بھی نہیں دے سکا، ہمارے خیال میں اس تحریر سے جتنا اسلام دشمن قوتیں، خصوصاً ہندو اور انگریز خوش ہوئے ہوں گے، شاید اتنا خود "میر" صاحب بھی نہ ہوئے ہوں گے، اس لئے کہ باوجود لاکھ مخالفتوں اور عداوتوں کے انگریز بہادر حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے جاں نثاروں پر مالی منفعت کے حصول کا الزام نہیں لگا سکا، اور وہ لگاتا بھی کیسے کہ انگریز کی مخالفت میں حضرت شیخ الہندؒ کے نامور شاگرد حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ نے حرمین کے قیام، روضۂ اطہر اور مسجد نبوی کے جوار، حدیث نبوی کی تدریس اور آزادی کی زندگی پر انگریز کی مخالفت اور کالا پانی کی قید

تنہائی کو ترجیح دی۔"میر" صاحب! اگر یہ لوگ روپے پیسے کی لالچ رکھتے تو یقیناً ہندوؤں اور مسلم لیگ والوں سے زیادہ انگریز ان کی قیمت لگاتا، اگر دنیاوی اور مالی منفعت ان کا مقصود ہوتا تو ان کو بھی "سر" کا خطاب مل جاتا، ان کو بھی جاگیریں مل جاتیں، ان کو بھی سرکار انگریز کا تقرب حاصل ہو جاتا، ان کو تحریک ریشمی رومال، تحریک شہیدین، شاملی، اور ۱۸۵۷ء کی جنگیں لڑنے کی ضرورت کیوں پیش آتی؟ ان کے خلاف پھانسی کے پھندے کیوں تیار کیئے جاتے؟ اور انہیں انگریزی فوج میں بھرتی کے خلاف فتویٰ دینے کی نوبت نہ آتی اور ان کو یہ دھمکی بھی نہ سننا پڑتی کہ: "مولانا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے اس فتویٰ پر آپ کو پھانسی کی سزا ہو سکتی ہے" اور خالق دینا ہال میں انہیں یہ کہنے کی تکلیف بھی نہ کرنا پڑتی کہ: "جی ہاں! معلوم ہے، جب ہی تو میں اپنا کفن اپنے ساتھ لے کر آیا ہوں" اگر ان کو مالی منفعت عزیز ہوتی تو وہ مسجد نبوی کی تدریس کیوں چھوڑتے؟ وہ آزادی کی زندگی پر قید تنہائی کو کیوں ترجیح دیتے؟ اگر ان کو دنیائے دنی کا خیال ہوتا تو مسلمانوں کو انگریزوں کے خلاف آتش زیر پا کیوں کرتے؟ اگر ان کو دنیا ہی لینا تھی تو وہ فقیری کو کیوں ترجیح دیتے؟ اگر ان کو مال و اسباب مطلوب ہوتا تو وہ ساری زندگی ایسی عسر اور تنگی کی زندگی کیوں گزارتے کہ گھر میں ایک بجلی کا پنکھا تک نہ لگا سکے؟ اور پوری عمر گھر میں غسل خانہ نہ بنا سکے؟ اور گھر کے اندرونی کمرے میں بنے قدمچے پر غسل کرتے رہے؟ اگر ان کو مالی مفادات حاصل کرنا ہوتے تو بلا تنخواہ دارالعلوم دیوبند سے چھٹی لے کر مسلم لیگ کی حمایت میں مسلمانوں کو بیدار نہ کرتے؟ اگر ان کو مال و اسباب ہی سمیٹنا تھا تو وہ جامعہ ازہر کی مسند تدریس، اس وقت کا ایک ہزار مشاہرہ، مکان، گاڑی، سالانہ آمدورفت کے ٹکٹ کو چھوڑ کر دارالعلوم دیوبند کی معمولی تنخواہ پر گزارا کیوں کرتے؟ اگر ان کو عزت و جاہ اور ناموری و شہرت مطلوب ہوتی تو آزادی کے بعد ہندوستان کے سول اعزاز "پدم بھوشن" کو کیوں ٹھکراتے؟ اگر ان کو راحت و عافیت مطلوب ہوتی اور ان کی مساعی، مفادات کے گرد گھومتیں تو وہ تھرڈ کلاس میں سفر کیوں کرتے؟ اگر ان کا مقصد مال سمیٹنا ہوتا تو وہ حزم و احتیاط کا اس قدر پاس کیوں کرتے کہ جمعیت علماء ہند کے امیر ہونے کے باوجود اپنی ذاتی ضرورت کے لئے جمعیت علماء کے لیٹر پیڈ کے استعمال سے احتراز کرتے؟ "میر" صاحب! اگر یہ لوگ پیسے کے بھوکے ہوتے تو حضرت مفتی کفایت اللہؒ دو لاکھ کی خطیر رقم کیوں ٹھکراتے؟

"میر" صاحب! ایسے باخدا، رشک ملائک اور کردار کے غازیوں پر ایسے ناروا اور گھٹیا الزام لگانا کیا آسمان پر تھوکنے کے مترادف نہیں ہے؟ کیا اس طرح کرنے سے آپ کی عزت بڑھ جائے گی؟ یا ان کا مقام گر جائے گا؟

ہائے افسوس! کہ آج اخلاقی قدریں اس قدر زوال پذیر ہوگئی ہیں کہ جن کی شرافت، دیانت، تقویٰ، طہارت، خدا خوفی کے کٹر سے کٹر مخالف، حتیٰ کہ اسلام دشمن ہندو اور انگریز بھی قائل و معترف تھے اور باوجود لاکھ عداوت کے، ان کے خلاف ایسا کوئی الزام و افترا نہیں تراش سکے تھے، آج انہیں نفوس قدسیہ کے خلاف ان لوگوں کا قلم اور زبان حرکت میں ہے، جن کے عقائد و اعمال اور سیرت و کردار اور ماضی و حال کا کچھ پتہ نہیں اور ان کا قبلہ بدلتی حکومتوں کے ساتھ تبدیل ہو جاتا ہے، جو غرض و فرض میں امتیاز و تمیز نہیں کر سکتے، جن کا معاش قلم و کالم کا مرہون منت ہے، جو اربابِ اقتدار کی نگاہ انتقام کی تاب نہیں لا سکتے، جو اپنے باس اور افسر کی نگاہ التفات کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار رہتے ہیں اور بڑوں کی ہر ناجائز کو جواز کا چولا پہنانے کی فکر میں رہتے ہیں۔

تاہم "میر" صاحب کی غلط فہمی دور کرنے کے لئے ہم اتنا عرض کریں گے کہ کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ نے اپنے ممدوح "نامور مؤرخ" تمیمی صاحب کی "اچھوتی تاریخ" اور ان کے تاریخی "انکشافات" کے علاوہ مشہور مسلم لیگیوں کی تحریریں بھی پڑھی ہوتیں، تو آپ کو اس مبنی بر عداوت پروپیگنڈا سے متاثر ہونے، اسے اپنی تحریر کا حصہ بنانے اور بعد میں اس کی تغلیط کی وجہ سے خفت و شرمندگی کا سامنا نہ کرنا پڑتا، لیجئے

اس سلسلہ کے حقائق پڑھئے اور سر دھنیئے:

حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ پر سب سے پہلے کیچڑ اچھالنے کی "سعادت" رافضی مکتبہ فکر کے مشہور مسلم لیگی راہنما ابوالحسن اصفہانی کے حصہ میں آئی ہے، دیکھئے اقبال کے آخری دو سال،ص:۳۸۸،۳۸۹،مصنفہ عاشق حسین بٹالوی، اس کے بعد جس نے بھی اس حوالہ کو نقل کیا ہے، اس نے ابوالحسن اصفہانی کی اس قے کو چاٹا ہے۔افسوس کہ آپ نے بھی تمیمی صاحب کے کہنے پر ابوالحسن اصفہانی کی اس قے کو چاٹنے کی "سعادت" حاصل کرلی۔ ۱۹۳۷ء کے انتخابات سے قبل جمعیت علماء ہند سے اتحاد کی خواہش کا اظہار مسلم لیگ اور مسٹر محمد علی جناح نے ۱۹۳۴ء کے مرکزی اسمبلی کے انتخابات میں مسلم لیگ کی ناکامی کے بعد کیا تھا، اس سلسلہ میں سیّد طفیل احمد منگلوری لکھتے ہیں:" آخر ۱۹۳۲ء میں آل مسلم پارٹیز کانفرنس کے جلسے لکھنؤ میں منعقد ہوئے تھے، اس کے دو سال بعد آخر ۱۹۳۴ء میں مرکزی اسمبلی کے انتخابات کا وقت آیا تو اسی سال آل مسلم پارٹیز کے کارکنوں نے ایک جماعت "مسلم یونٹی بورڈ" کے نام سے زیر صدارت راجہ سیّد احمد علی خان علوی راجہ سلیم پور قائم کرکے صوبہ متحدہ،صوبہ متوسط،صوبجات بہار و مدراس میں الیکشن لڑائے، یونٹی بورڈ کے مقابلہ میں بعض صوبوں میں "مسلم لیگ پارلیمنٹری مجلس" کے نام سے ایک جماعت کھڑی ہوئی، مگر یونٹی بورڈ کے مقابلہ میں ناکام رہی، یونٹی بورڈ کی کامیابی میں جمعیت العلماء کا بھی بڑا حصہ رہا تھا، کامیابی کے بعد یونٹی بورڈ کے نمائندوں اور دوسرے مسلمان ممبروں نے مرکزی اسمبلی میں بسر کردگی محمد علی جناح کانگریس پارٹی کے ساتھ اتحاد عمل کرکے مسلسل دو سال تک حکومت کو خوب خوب شکستیں دیں۔"

(روشن مستقبل ص:۴۵۰، روحِ روشن مستقبل،ص:۱۲۷)

چونکہ ۱۹۳۴ء کے انتخابات اور ان کے نتائج کی روشنی میں بانی پاکستان جان چکے تھے کہ علماء کے بغیر ۱۹۳۶ء کے انتخابات میں کامیابی ممکن نہیں، اس لئے انہوں نے متحدہ مسلم محاذ کے تحت انتخابات میں حصہ لینے کے لئے جمعیت علماء ہند کے اکابرین سے رجوع کیا، اس سلسلہ کی تفصیلات حضرت مدنیؒ کی زبانی سنیئے:

"مسٹر جناح نے ۱۹۳۶ء کے الیکشن کے لئے جمعیت علماء ہند سے اتحاد و تعاون چاہا، وہ زمانہ ولنگٹن کی حکومت کا تھا اور آزادی خواہ جماعتوں کی ہر قسم کی غیر قانونی جدو جہد پر سخت قانونی پابندیاں عائد تھیں، مسٹر جناح نے ہم سے چند گھنٹے گفتگو کی اور درخواست پر زور دیا اور کہا کہ میں ان رجعت پسندوں سے عاجز آ گیا ہوں اور ان کو رفتہ رفتہ لیگ سے خارج کرکے آزاد خیال اور ترقی پسند لوگوں کی جماعت بنانا چاہتا ہوں، تم لوگ اس میں داخل ہو جاؤ، ہم نے عرض کیا کہ اگر آپ ان لوگوں کو خارج نہ کرسکے تو کیا ہوگا؟ تو فرمایا کہ اگر میں ایسا نہ کرسکا تو میں تم لوگوں میں آجاؤں گا اور لیگ چھوڑ دوں گا، اس پر مولانا شوکت علی مرحوم اور دیگر حضرات نے اطمینان کیا اور تعاون کرنے پر تیار ہو گئے۔"

(مکتوبات شیخ الاسلام،ص:۳۶۰،ج:۱)

یہ تو حضرت مدنیؒ کی زبانی احوال تھا، بانی پاکستان اس سلسلہ میں کیا کہتے ہیں، لیجئے پڑھیئے، چنانچہ سیّد طفیل احمد منگلوری لکھتے ہیں:

"اس کے بعد (یعنی مرکزی اسمبلی کے انتخابات کے بعد) جبکہ صوبوں کی اسمبلیوں کے انتخابات کا وقت آیا تو شروع ۱۹۳۶ء میں یونٹی بورڈ کی مجلس عاملہ نے دہلی میں ایک اجلاس منعقد کیا، اس میں مسٹر جناح کی طرف سے مسٹر عبدالمتین چوہدری نے کہا کہ بجائے یونٹی بورڈ کے مسلم لیگ کے نام سے الیکشن لڑائے جائیں اور اس پرانی جماعت کو مضبوط کیا جائے، دوسرے روز قرول باغ میں مولانا شوکت علی کے مسکن پر اس بارہ میں مفصل مشورہ ہوا جس میں یونٹی بورڈ، مسلم لیگ اور جمعیت العلما ہند کے خاص خاص اراکین شامل تھے۔اس میں یہ

بحث پیش آئی کہ جو لوگ اپنا مسلک کامل آزادی رکھتے ہیں وہ مسلم لیگ کے ممبر کس طرح بن جائیں؟ اس پر مسٹر جناح نے کہا کہ جو لوگ آگے ہیں ان کا پیچھے والوں کے ساتھ شامل ہو جانا کوئی قابل اعتراض عمل نہیں ہے، ہم لوگ آپ کے پیچھے چلیں گے، اس وقت حاضرین میں سے ایک صاحب نے کہا کہ آپ ۱۹۲۰ء میں بھی تو ہمارے ساتھ تھے، اب اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ آئندہ بھی آپ ساتھ رہیں گے؟ مسٹر جناح نے فرمایا کہ: نہیں! "میں اب ساتھ سے نہیں ہٹوں گا" اسی سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ: "میں آزادی خواہ طاقتوں کی حمایت کروں گا، خود غرض، سرکار پرستوں اور سرکاری عنصر کو مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ میں نہ لوں گا اور مذہبی معاملات میں ہر فیصلہ علماء ہند کی رائے کے مطابق کروں گا، اگر اس سے معذور رہا تو مسلم لیگ چھوڑ کر آزادی خواہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کروں گا" ان معاہدوں کے بعد قرار پایا کہ بجائے مسلم لیگ کے "مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ" الیکشن کی غرض سے قائم کیا جائے، جس میں تمام مسلم جماعتیں شریک ہوں۔"

(روح روشن مستقبل، ص: ۱۲۷، ۱۲۸)

الغرض جمعیت علماء ہند اور ہندوستان کی دیگر آزادی خواہ جماعتوں نے پوری جدوجہد کر کے مسلم لیگ کی کامیابی کی محنت اور جدوجہد کی، تا آنکہ مسلم لیگی لیڈر جناب خلیق الزمان کو کہنا پڑا کہ: "تیس برس کی مردہ لیگ کو تو نے زندہ کیا" لیجیے حضرت مدنیؒ کی زبانی سنیئے:

"چنانچہ ہم نے پورا تعاون کیا اور تقریباً پونے دو مہینے کی رخصت بوضع تنخواہ دار العلوم سے لی اور اتنی جدوجہد کی کہ ایگریکلچرسٹ پارٹی اور دوسرے رجعت پسند امیدواروں کو شکست ہوئی اور تیس یا اس سے زائد ممبر لیگ کے کامیاب ہوئے، جس پر چوہدری خلیق الزماں نے مجھ کو ایک خط میں لکھا کہ: "تیس برس کی مردہ لیگ کو تو نے زندہ کیا" ہم نے لیگ کا تعارف عام مسلمانوں سے کرایا اور لیگ کی آواز کو ہر جگہ پہنچایا، اس وقت مسٹر جناح نے جمعیت کا تیار کیا ہوا مینی فسٹو قبول کیا اور (اخبار) تیج میں شائع کیا، جس کی پہلی دفعہ یہ تھی کہ اسمبلیوں اور کونسلروں میں اگر خالص مذہبی مسئلہ پیش ہوگا تو جمعیت علماء ہند کی رائے کو خاص وقعت اور اہمیت دی جائے گی۔"

(مکتوبات شیخ الاسلام، ص: ۳۶۱، ج: ۱)

جناح صاحب کے انتخابی مینی فسٹو کی قبولیت کے بارہ میں حضرت مدنیؒ کی ہمنوائی کرتے ہوئے پروفیسر محمد خلیل اللہ لکھتے ہیں:

"لیگ نے اپنا انتخاب نامہ (الیکشن مینی فسٹو) شائع کیا، جس میں کہا گیا کہ اسمبلیوں میں مسلم لیگی ارکان مذہبی معاملات میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے سلسلہ میں جمعیت علماء ہند کی رائے اور فیصلوں کو پوری وقعت دیں گے۔"

(تحریک پاکستان، ص: ۲۵۲، از پروفیسر محمد خلیل اللہ وائس پرنسپل اردو کالج کراچی)

اسی طرح ۱۹۳۷ء کے انتخاب میں علماء نے مسلم لیگ کی حمایت و تعاون میں کیا کردار ادا کیا؟ چوہدری خلیق الزمان لکھتے ہیں:

"ہماری خوش قسمتی سے مولانا شوکت علی خلافت کے مایہ ناز لیڈر اس وقت زندہ تھے، انہوں نے مفتی عنایت اللہ اور مولانا جمال میاں کی معیت میں پورے صوبہ کا دورہ کیا، مولانا حسین احمد، مولانا احمد سعید، مولانا حامد بدایونی اور مولانا کرم علی نے مسلم پارلیمنٹری بورڈ کی حمایت میں سارے صوبہ کی خاک چھان ڈالی۔" (شاہراہِ پاکستان، ص: ۶۱۸)

اس انتخاب میں جمعیت علماء ہند اور دوسری آزادی خواہ جماعتوں کی محنت و جدوجہد کے طفیل مسلم لیگ کے ۲۹ نمائندے کامیاب ہو گئے، لیجیے چوہدری خلیق الزمان کی زبانی سنیئے:

"ہمارے ۳۶ نمائندوں میں ۲۹ نمائندے کامیاب ہوئے یعنی تقریباً ہم کو ۸۰ فیصد کامیابی ہوئی، کانگریس کی ٹکٹ پر کوئی مسلمان یو

پی سے کامیاب نہ ہوا۔" (شاہراہ پاکستان،ص:۶۱۸)

"میر" صاحب! کیاان مذکورہ بالا حوالہ جات اور تفصیلات سے یہ بات صاف اور بے غبار نہیں ہوجاتی کہ مسٹر جناح اور اکابرین جمعیت کے درمیان ہونے والی گفتگو یا مسلم یونٹی بورڈ کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں جس میں جمعیت کے مرکزی رہنما بھی موجود تھے، اکابرین جمعیت کی طرف سے کسی قسم کی رقم کا مطالبہ یا مسٹر جناح کی طرف سے اس کے انکار، اور انکار پر جمعیت کی علیحدگی کا ذکر تک نہیں ہے۔ اسی طرح کیا حضرت مدنیؒ اور چوہدری خلیق الزمان کی عبارات سے یہ بات بخوبی واضح نہیں ہوجاتی کہ ۱۹۳۶ء کے انتخابات میں بغیر کسی لالچ اور رغبت کے جمعیت کا پورا تعاون مسلم لیگ کے ساتھ رہا اور جمعیت کی مساعی سے مردہ لیگ کو زندہ اور عوام میں متعارف کرایا گیا؟ اور بقول چوہدری خلیق الزمان حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حضرت مولانا احمد سعید علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحب نے دیگر علماء کی معیت میں مسلم پارلیمنٹری بورڈ کی حمایت میں پورے صوبہ یوپی کی خاک چھان ڈالی، جس کے نتیجے میں ۲۹ ارکان لیگ کامیاب ہوئے۔ اگر ان حضرات کی علیحدگی رقم کا مطالبہ پورا نہ ہونے پر ہوتی تو وہ انتخابات سے پہلے الگ نہ ہوجاتے؟ اگر ان حضرات کی حمایت پچاس ہزار روپے کے عوض تھی، تو رقم نہ ملنے کی صورت میں انہوں نے مسلم لیگ کی حمایت کیوں کی؟ اور مسلم لیگ کو ۲۹ سیٹوں پر کامیاب کیوں کرایا؟

"میر" صاحب! آپ ہی بتلایئے: کہ آپ کو اس پوری روئیداد میں کہیں کسی رقم کا مطالبہ نظر آیا؟ یا انتخابات سے پہلے الگ ہونے یا حمایت نہ کرنے کا کہیں ذکر نظر آیا؟ اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو اس اتہام و بہتان کا کیا معنیٰ؟

ہم صرف اسی پر اکتفا نہیں کریں گے، بلکہ ہم ان حضرات کی پاکدامنی اور مسلم لیگ کی حمایت کے دوران سفر خرچ کے حساب وکتاب اور صفائی معاملات کی شہادت بھی چوہدری خلیق الزماں کی زبانی سنانا چاہیں گے، لیجئے پڑھیئے:

"اس الیکشن کے سلسلے میں پنڈت جواہر لال کا ایک خط رفیع احمد کے نام مسلم لیگ والوں کے ہاتھ لگ گیا، جس میں مولانا حسین احمد کو روپیہ دینے کے متعلق ذکر تھا، اس کو مسلم لیگ والوں نے خوب خوب اچھالا، تاکہ عوام یہ سمجھ لیں کہ نثار احمد شیروانی، جن کی جمعیت علماء تائید کررہی تھی، وہ دراصل کانگریسی نمائندے ہیں، یہ تو واقعہ تھا کہ وہ کانگریسی نمائندے تھے، مگر مولانا حسین احمد کو روپیہ دینے کے معاملے میں ان پر الزام صحیح نہیں تھا، کیونکہ میرا ذاتی تجربہ ہے کہ جب کبھی میں نے ان کو انتخابات کے دورے وغیرہ کے مصارف کے متعلق روپیہ دیا تو اس کا ایک ایک پیسے کا حساب انہوں نے مجھے دیا اور بقیہ رقم مجھے واپس کردی، اس لئے میرا خیال ہے کہ جس روپے کا ذکر تھا وہ انہیں الیکشن کے مصارف کے متعلق دیا گیا ہوگا۔" (شاہراہ پاکستان ص: ۶۳۴)

ہمارا خیال ہے کہ چوہدری خلیق الزمان کی اس شہادت کے بعد نسلی تو کجا کسی "فصلی میر" کو بھی ان حضرات کی پاکدامنی میں شک نہیں رہنا چاہئے، لہٰذا "میر" صاحب کو اس کڑوے سچ کو نگل لینا چاہئے، اگر انہوں نے یہ ہمت کرلی تو انشاء اللہ! اس کی برکت سے اکابرین امت سے بدظنی و بدگمانی کی تمام مہلک روحانی بیماریاں ان کے دل و دماغ سے کافور ہوجائیں گی۔

اب رہی یہ بات کہ جمعیت علماء ہند مسلم لیگ سے کب اور کیوں الگ ہوئی تھی؟ اور اس کے اسباب و محرکات کیا تھے؟ اس کے لئے حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کی وضاحت پڑھئے:

"مگر افسوس کہ لیگ نے کامیاب ہونے کے بعد پہلے ہی اجلاس لکھنؤ میں اپنے عہد و وفا کو توڑ دیا اور ان رجعت پسند، خوشامدی، انگریز پرست لوگوں کو لیگ پارٹی میں داخل کرنے کے خواستگار پُرزور طریقہ پر ہوئے جن کو خارج کرنے کا اعلان کیا گیا تھا اور ان کے متعلق

ہر شخص کو معلوم تھا کہ ہمیشہ ان کی زندگی قومی تحریکات کی مخالفت اور انگریز پرستی میں گزری ہے، ان سے وہیں کہا گیا کہ آپ نے تو وعدہ کیا تھا کہ ان لوگوں کو نکال دیا جائے گا اور آج ان کو لیگ میں لانے اور پارٹی میں ان کو جگہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں تو بگڑ کر کہا کہ وہ پولیٹیکل وعدے تھے، علاوہ اس کے اور متعدد اعمال خلاف اعلان عہود کئے، جس کی بنا پر سخت مایوسی ہوئی اور بجز علیحدگی اور کوئی صورت سمجھ میں نہ آسکی، انہوں نے مرکزی اسمبلی میں شریعت بل پاس نہ ہونے دیا۔ قاضی بل کی سخت مخالفت کی، انفساخ نکاح کے متعلق غیر مسلم حاکم کی شرط کو قبول کرلیا، آرمی بل پاس کیا وغیرہ وغیرہ۔" (مکتوبِ شیخ الاسلام ص: ۳۶۱، ج: ۱)

ان تفصیلات سے واضح ہوگیا کہ جب مسلم لیگ جیت گئی اور اس نے اپنے وعدہ کا پاس نہ کیا تو اکابرین جمعیت نے ان کی بدعہدی کے پیش نظر ان سے علیحدگی اختیار کرلی۔ "میر" صاحب مکرر عرض ہے کہ ۱۹۳۷ء کے انتخابات کی پوری تفصیل، مسلم لیگ کی کامیابی، انتخابی مہم میں جمعیت علماء کی جدوجہد وغیرہ میں آپ کو کہیں کسی رقم کا مطالبہ نظر آیا؟ جب کہیں کسی رقم کا مطالبہ نہیں، تو ان پاکبازوں پر الزام تراشی کون سی شرافت و دیانت ہے؟ پھر آج جب اس قضیہ اور ان حضرات کی رحلت و وفات کو پون صدی کا عرصہ گزر چکا، اب اس کو اٹھانا، اچھالنا، اس کے ذریعے ان پاک نفوس پر الزام لگانا، ان کے پاک وصاف کردار کو داغ دار کرنا اور ان کے لاکھوں معتقدین کو اذیت پہنچانا اور نئی نسل کو ان مقربین الٰہی سے بدظن کرنا، کون سی ملک وملت کی خدمت ہے؟ کیا ان کا یہی جرم تھا کہ انہوں نے مردہ مسلم لیگ میں روح پھونک دی تھی اور ان کے ۲۹ نمائندے کامیاب کرائے تھے اور بلا تنخواہ دارالعلوم دیوبند سے رخصت لے کر پورے ہندوستان کا چکر لگا کر مسلمانوں کو بیدار کیا تھا؟ اور ہندوؤں کے مقابلہ میں مسلم لیگ کو ووٹ دینے کی محنت وجہد کی تھی؟ کیا ایسے محسن، اس کے مستحق ہیں کہ ان کو بدنام کیا جائے؟ اور ان کے اجلے کردار کو داغ دار کیا جائے؟

"میر" صاحب! کیا آپ یہ برداشت کریں گے کہ آپ کے بڑوں کے خلاف خود ساختہ الزامات تراش کر انہیں بدنام کیا جائے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو آنجناب ان اکابر کے خلاف اس یاوہ گوئی پر کیوں مصر ہیں؟؟؟

اصولی جواب:

معترضین نے علمائے دیوبند کو معاذ اللہ انگریز کا حامی یا پاکستان کا مخالف ثابت کرنے کیلئے جتنی تاریخی کتب کے حوالہ جات دیئے ان کے تحقیقی جوابات تو ہم ماقبل میں دے چکے ہیں۔ مگر یہاں ان کے گھر سے ایک اصولی جواب دے رہے ہیں جس کے بعد رضاخانیوں کو کوئی حق نہ ہوگا کہ وہ کسی تاریخ کی کتاب کی بنیاد یا کسی مورخ کے قول کی بنیاد پر علمائے دیوبند پر کوئی اعتراض قائم کرے۔ مولوی حامد حسین رضوی رضاخانی لکھتا ہے:

''یہاں کسی حوالے کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ مورخ کا قول ہے اس کیلئے ثبوت کی ضرورت نہیں وہ چاہیں تو مجاہدین کو باقی کہیں لکھیں، اور چاہیں تو سیکولر سٹیٹ بنانے والے قوم پرستوں کو حتیٰ کہ کافر کو مجاہد جنگ آزادی اور اس جنگ میں مرنے والوں کو شہید''۔

(میزائل، ص ۲۸۸، ۲۸۹، مکتبہ قاسمیہ حیدرآباد)

☆☆☆☆

رضاخانی خود متّحدہ قومیت کے علمبر دار ہیں

قارئین کرام! رضاخانی ایسے ابوالوقت ہیں کہ انہیں ماحول اور حالات کے اعتبار سے اپنا نظریہ تبدیل کرنے میں ذرا برابر بھی دیر نہیں لگتی ہے نہ کسی قسم کی حیاء محسوس ہوتی ہے۔تقسیم سے پہلے ان کے نزدیک حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے بڑا جرم یہ تھا کہ انہوں نے ایک مخصوص پیرائے میں ''متحدہ قومیت'' کی بات کرلی۔اور نواب احمد رضا خان کی آل اولاد سے لیکر آج ثاقب رضا مصطفائی تک انہیں اس جرم کی پاداش میں معاف کرنے کو تیار نہیں۔مگر ان اکابر کی حقانیت اور ان پر بلاوجہ زبان طعن درازی کا انجام تو دیکھیں کہ آج یہی بریلوی ''متحدہ قومیت'' کے علمبر دار ہیں۔چنانچہ'' آل انڈیا علما ومشائخ بورڈ'' کے صدر سید محمد اشرف کچھوچھوی نے ۲۰ مارچ ۲۰۱۶ کو ''انٹرنیشنل صوفی کانفرنس'' میں لاکھوں کے مجمع سینکڑوں علما ومشائخ کی موجودگی میں یہ ''اعلامیہ'' پڑھا۔(جام نور، مئی ۲۰۱۶،ص ۲۹)۔جس کی تیسری شق یہ ہے:

''ہم ہندوستان کی سالمیت کے تحفظ کیلئے ''متحدہ قومیت'' کی تائید وتوثیق کرتے ہوئے فرقہ پرستی کی ہر قوت کی مذمت کرتے ہیں اور اس معاملے میں ہر سازش سے اپنی برأت کا اظہار کرتے ہیں۔جو لوگ ملک میں فرقہ وارانہ منافرت کے بیج بو رہے ہیں وہ ہندوستان کی سالمیت کیلئے خطرہ ہیں،ایسے لوگوں کو بلاتفریق مذہب وملت کیفر کردار تک پہنچایا جانا چاہئے''۔

(جام نور، مئی ۲۰۱۶،ص ۳۱)

اس پر ایک بریلوی کی طرف سے اعتراض ہوا کہ یہ تو ہمارا نظریہ نہیں تھا۔تو کل تک اسی نظریہ کے خلاف زہر اگلنے والے قلم کس طرح اس کے دفاع میں منہ زور گھوڑے کی طرح دوڑ رہے ہیں اور اس باب میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ پر ملامت کرنے والے اپنے اکابر کی قبروں کو کس طرح سیاہ کر رہے ہیں۔ملاحظہ ہو۔

''متّحدہ قومیت'' کی حمایت اور حقیقت

''ورلڈ صوفی فورم'' کے اس آخری اجلاس ''انٹرنیشنل صوفی کانفرنس'' میں'' آل انڈیا علماء ومشائخ بورڈ'' کی جانب سے فورم کا ایک مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا،جس کو صدر بورڈ مولانا سید محمّد اشرف کچھوچھوی نے پڑھ کر سنایا۔یہ اعلامیہ ۲۵ /نکات پر مشتمل ہے،جس میں دہشت ووحشت کی لعنت سے دنیا کو محفوظ رکھنے اور تصوّف کے احیاء اور صوفیہ کے پیغام امن وانسانیت کے فروغ کا عزم ہے۔انتہا پسندوں کی سازش سے دور رہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ محبّت وانسانیت کو رول ماڈل بنانے کی مسلم نوجوانوں سے اپیل ہے۔اپنے ہم وطنوں اور ملک کے تمام مذاہب ومسالک سے صوفیہ کی قائم کردہ گنگا جمنی تہذیب کے فروغ اور معاشرتی رواداری کو عام کرنے کی گذارش ہے۔فرقہ پرستی اور دہشت گردی کی ہر شکل کی مذمّت اور اپنی برأت کا اعلام ہے۔تعلیماتِ تصوّف اور صوفی کلچر کے فروغ کے لیے حکومت سے مطالبات ہیں۔ان کے علاوہ اور بھی بہت کچھ۔تاہم ہمارے بزرگ کرم فرما اور بریلوی جماعت کے مقتدر عالم دین مولانا یٰسین اختر مصباحی صاحب کی نگاہ اعلامیہ کی مذکورہ تمام خوبیوں اور دفعات سے اڑتی ہوئی اعلامیہ کی تیسری دفعہ کے ایک لفظ'' متّحدہ قومیت'' پر جا کر ٹک گئی اور پھر انھوں نے حسبِ سابق اس کو بنیاد بنا کر'' ورلڈ صوفی فورم'' پر ایک بار بار پھر کرم فرمایا اور اہل سنّت کے علماء اور عوام کو اپنا ہم فکر وخیال بنانے کے لیے ظن وتخمین کی بنیاد پر اس لفظ کی جو تشریح وتعبیر فرمائی وہ'' ورلڈ صوفی فورم'' سے وابستہ کسی بھی فرد کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آیا۔

"متّحدہ قومیت" کے حوالے سے مصباحی صاحب کا جو مضمون شائع ہوا ہے، اس میں فرماتے ہیں:

"متّحدہ قومیت کا یہ نظریہ، فرقہ پرست و مسلم دشمن تنظیم آر ایس ایس کا مشہور زمانہ نسل پرستانہ نظریہ ہے، جس کے مطابق بھارت کی اصلی قوم ہندو اور صرف ہندو ہے۔"

مزید فرماتے ہیں:

"ساورکر اور گولوالکر کے ان نظریات اور کوششوں کا ہدف "ہندو راشٹر" کا قیام ہے، جس کی بنیاد، متّحدہ قومیت، یعنی "ہندو قوم" ہے۔ ہندوستانی قومیت، ہندو قومیت، متّحدہ قومیت، یہ سب ہم معنیٰ اور مترادف الفاظ ہیں۔"

اور پھر حسبِ معمول اپنے ظن و تخمین کی بنیاد پر عوام و خواص کو یہ بتانے کی کوشش کی کہ اعلامیہ میں یہ دفعہ آر ایس ایس کے اشارے پر شامل کی گئی ہے۔

مصباحی صاحب کے اس فنکارانہ تفرّد و خیال کی تعبیر کے لیے مجھے ایسا کوئی مہذّب لفظ نہیں مل رہا ہے، جس سے ان کی توقیر بھی سلامت رہے، پندارِ نفس کو ٹھیس بھی نہ پہنچے اور ان کی اس نازک خیالی کی زیریں لہروں کا اصل مقصد و عزم بھی اجاگر ہو جائے۔ بہر حال اس "متّحدہ قومیت" کا اصل مفہوم اس کی تاریخی حیثیت کی وضاحت سے پہلے اعلامیہ کی وہ تیسری دفعہ ملاحظہ ہو جس میں یہ لفظ مذکور ہوا ہے۔

"ہم ہندوستان کی سالمیت کے تحفّظ کے لیے متحدہ قومیت کی تائید و توثیق کرتے ہوئے فرقہ پرستی کی ہر قوت کی مذمّت کرتے ہیں اور اس معاملے میں ہر سازش اسے اپنی برأت کا اظہار کرتے ہیں۔ جو لوگ ملک میں فرقہ وارانہ منافرت کے بیج بو رہے ہیں وہ ہندوستان کی سالمیت کے لیے خطرہ ہیں، ایسے لوگوں کو بلا تفریق مذہب و ملّت کیفرِ کردار تک پہنچایا جانا چاہیئے۔"

"متّحدہ قومیت" دراصل "دو قومی نظریہ" (Two Nations Theory) کے بالمقابل (One Nation Theory) کا ایک نظریہ ہے، جس کی بنیاد پر ہندوستان کی تشکیل عمل میں آئی اور پھر آئین مرتّب کیا گیا، جس کے مطابق دستورِ ہند، ہندوستان میں بسنے والے تمام مذاہب، ثقافت اور زبان سے تعلّق رکھنے والے لوگوں کو مساوی حیثیت دیتا ہے اور یہ سب لوگ ہندوستان کے فروغ اور تحفّظ میں برابر کے شریک ہیں۔ یہی "متّحدہ قومیت" یا "گنگا جمنی تہذیب" (Composite Culture) ہمارے ملک میں کے آئین اور دستور کی روح ہے۔

اس کے بالمقابل "دو قومی نظریہ" ہے، جس کی بنیاد پر پاکستان وجود میں آیا۔ آزادی سے پہلے جب حکومت انگریزوں کی تھی اور ہندوستانی جمہوریت، نیشنل ازم، ہندوستانی متّحدہ قومیت اور سیکولر دستور بالادستی نہیں ہو سکی تھی، ان مخصوص حالات میں سیاسی لیڈران اور علماء کا ایک طبقہ "دو قومی نظریہ" کا بھی حامی تھا۔ سیاسی سطح پر اس نظریے کی قیادت محمّد علی جناح کر رہے تھے اور اس کے بالمقابل نظریہ متّحدہ قومیت کی قیادت گاندھی جی کے ہاتھ میں تھی، اس حوالے سے سیاسی لیڈران اور علماء کے درمیان تحریری اور سیاسی معرکے بھی رہے۔

آزادی سے قبل آر ایس ایس کی شکل میں شدّت پسند ہندوؤں کا ایک طبقہ مذکورہ دونوں نظریات کا مخالف اور صرف ہندو قومیت کا حامی تھا، جس کے مطابق مستقبل کے ہندوستان کی تشکیل، ہندو تہذیب و ثقافت اور قدیم آریائی نظریات پر ہونی تھی، جس میں دیگر مذاہب والوں کو ہندو سنسکرتی کی بالادستی کو قبول کرنا تھا یا اس میں ضم ہو جانا تھا۔ اسی نظریے اور خواب پر آر ایس ایس کی تشکیل ہوئی تھی، تقریباً نوّے سال گذر جانے کے باوجود ان کا یہ خواب تشنۂ تعبیر ہے۔ ہندوستانی جمہوریت، ہندوستانی نیشنل ازم اور متّحدہ قومیت کی بالادستی کے بعد ایسا

فکروخیال ان شاء اللہ کل بھی ایک خواب ہی رہے گا۔ہم مسلمان ہونے اور ایک ہندوستانی ہونے کی حیثیت سے بھی ایسے افکار کی مذمّت کرتے ہیں، جو اسلام اور جمہوریت دونوں کی روح کے مخالف ہوں۔

اس کے ساتھ ہمیں بھی اس بات کا بخوبی احساس ہونا چاہیئے کہ ہم نہ تو سعودی عرب میں اور نہ پاکستان میں کہ کھلے بندوں جمہوریت اور ہندوستانی نیشنل ازم کی مخالفت اور بالواسطہ "دوقومی نظریہ" کی تائید وتوثیق کریں، جو کھلے طور پر دستورِ ہند کی مخالفت اور ہندوستان سے بغاوت ہے۔آج کے ہندوستان میں جولوگ شعوری یا غیر شعوری طور پر مسلمانوں کو "متّحدہ قومیت" کے بالمقابل "دوقومی نظریہ" کا سبق پڑھا رہے ہیں، انھیں ہندوستانی عدلیہ کے سامنے جواب دہ رہنے کے لیے تیار رہنا چاہیئے۔

مسلمان ہمیشہ وطن کا محبّ اور اپنے وعدہ کا پابند رہا ہے اور اس نظام کا مؤیّد رہا ہے، جو اس کے لیے معاصر حالات میں ممکن ہوں۔نبی کریم ﷺ کی زندگی میں ایک منظر میثاقِ مدینہ کا بھی ہے، جس کی دفعات میں ایک دفعہ یہ بھی ہے: **انّ المسلمین مع الیھود امّۃ واحدۃ**

(یہود اور مسلمان ایک قوم ہیں)۔یعنی اگر کوئی بیرونی طاقت مدینے پر حملہ آور ہوتی ہے تو ہم سب ایک قوم کی طرح مل کر مدینہ کی سالمیت کے تحفّظ کے لیے مقابلہ کریں گے۔صوفی فورم کے اعلامیہ میں اسی خیال کے پیشِ نظر کہا گیا کہ: "ہم ہندوستان کی سالمیت کے تحفّظ کے لیے متّحدہ قومیت کی تائید وتوثیق کرتے ہیں۔" اس دفعہ میں "متّحدہ قومیت" کی توثیق "ہندوستان کی سالمیت کے تحفّظ" سے مربوط ہے، نہ آر ایس ایس کے متشدّدانہ ہندو نظریات سے۔

مزید برآں اعلامیہ کی اسی دفعہ کو قارئین دوبارہ پڑھیں اور بار بار پڑھیں، عبارت کے سیاق وسباق سے یہ حقیقت پورے طور پر واضح ہوجائے گی کہ خود یہ دفعہ کلّی طور پر آر ایس ایس کے متشدّدانہ نظریات وافکار کی تردید پر مبنی ہے۔بھلا کوئی بتائے کہ

"ہندوستان کی سالمیت کا تحفّظ"، "فرقہ پرستی کی ہر قوت کی مذمّت"، "اس معاملہ میں ہر سازش سے اپنی برأت کا اظہار"، "جولوگ ملک میں فرقہ وارانہ منافرت کے بیج بورہے ہیں وہ ہندوستان کی سالمیت کے لیے خطرہ ہیں"، "ایسے لوگوں کو بلاتفریق مذہب وملّت کیفرِ کردار تک پہنچایا جانا چاہیئے۔" کیا اس دفعہ کے یہ تمام الفاظ وتعبیرات کھلے طور پر آر ایس ایس اور فرقہ پرستوں کی کھلی مذمّت نہیں کررہے ہیں؟ افسوس کہ اعلامیہ کی جو دفعہ آر ایس ایس کے نظریہ ورویّہ کی تردید ومذمّت کے لیے لکھی گئی، مصباحی صاحب نے اسے کمالِ ہنر مندی سے آر ایس ایس نوازی اور ہندو قومیت کی تائید وتوثیق کا رنگ دے دیا۔

نبی کریم ﷺ کی زندگی کا ایک دوسرا منظر فتحِ مکّہ کے بعد وہ نقشہ پیش کرتا ہے، جس میں مسلمانوں کا وہ نظامِ حکومت تشکیل پایا، جو خالص اسلام پر مبنی تھا اور جس کا عملی اقتدار بلاشرکت غیرے صرف مسلمانوں کو حاصل تھا۔آج پوری دنیا میں وہابی لابی اپنی حماقت مآبی کے سبب "قیامِ خلافت" کا نعرہ بلند کررہی ہے اور اس کے لیے انسانی خون کی ندیاں بہانے سے بھی گریز نہیں کررہی ہے۔وہ ہندوستان اور امریکہ جیسے ممالک میں بھی خلافتِ اسلامیہ قائم کرنا چاہتی ہے۔ایسی کوششوں سے خلافتِ اسلامیہ تو قائم نہیں ہورہی ہے، البتہ ہزاروں مسلم نوجوانوں کے ذہن ودماغ میں تشدّد کے جراثیم پیدا ہورہے ہیں اور مسلمانوں کے اردگرد شکوک وشبہات کا ہالہ بڑھتا جارہا ہے اور زندگی کا حصار تنگ ہوتا جارہا ہے۔

"ورلڈ صوفی فورم" کے مقاصد میں ایک اہم مقصد دہشت گردی کی مذمّت اور ان افکار کی تردید بھی تھی، جن کی وجہ سے مسلم نوجوانوں

میں تشدّد کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں اور مسلمانوں کی وطن دوستی مشکوک ہوتی ہے، اس لیے واضح طور پر صوفی فورم کے اعلامیہ میں "متّحدہ قومیت" اور "ہندوستانی نیشنل ازم" کی تائید وتوثیق کی گئی تھی، جو دستورِ ہند کی روح بھی ہے۔ اب اگر کسی کو ہندوستانی نیشنل ازم یا متحدہ قومیت سے اختلاف ہے اور وہ ہندوستان میں پھر سے "دوقومی نظریہ" کا ہنگامہ کھڑا کرنا چاہتا ہے تو یہ اس کا ذاتی حق ہے، تاہم ہندوستان کے آئین کے سامنے وہ جواب دہ ضرور ہے۔ البتہ "متّحدہ قومیت" کو آر ایس ایس کے "نظریہ ہندوقومیت" کے مترادف قرار دینا الفاظ ومعانی کا خون اور کھلے عام مسلمانوں کو ورغلانے کے سوا کچھ بھی نہیں۔ یہ تحریر لکھنے سے قبل ہم نے ہندوستان کے بہت سے دانشوروں سے بات کی، مگر کوئی بھی مصباحی صاحب کی اس نازک خیالی سے متّفق نہیں ہوسکا۔ طوالت اور صفحات کی تنگی کے پیشِ نظر ان دانشوروں کے خیالات فی الحال ہم شائع نہیں کر پارہے ہیں۔ پھر یہ بھی بڑی حیرت کی بات ہے کہ سیاسی سطح پر آزادیٔ ہند سے قبل جس "نظریہ متّحدہ قومیت" کی مظبوط اور مؤثر قیادت گاندھی جی کر رہے تھے، اگر یہ نظریہ یا اس کا مترادف آر ایس ایس کی "ہندوقومیت" تھا یا ہے تو پھر آر ایس ایس نے گاندھی جی کو گولی کیوں ماردی؟ آر ایس ایس کو تو ان کی حفاظت کر کے اپنے نظریاتی وینٹی لیٹر پر برسوں زندہ رکھنا چاہیئے تھا کہ جس نظریہ کی بنیاد پر وہ ایک نئے ہندوستان کی تعمیر کرنا چاہتے تھے، گاندھی جی اسی کی قیادت کر رہے تھے۔

محبّ محترم مولانا ذیشان احمد مصباحی ہمارے ساتھ صوفی فورم کے اعلامیہ کی تحریر وترتیب میں شامل تھے، انھوں نے معروف صحافی جناب احمد جاوید (ریزیڈینٹ ایڈیٹر: روزنامہ انقلاب، پٹنہ) کے حوالے سے بتایا کہ جاوید صاحب نے جب اس مسئلہ پر مصباحی صاحب کو فون کیا اور متّحدہ قومیت کے حوالہ سے ان کے مذکورہ خیال سے اپنا اختلاف واحتجاج درج کرایا تو اس پر مصباحی صاحب نے جو کچھ کہا، وہ میرے لیے ناقابلِ یقین تھا۔ مصباحی صاحب فرماتے ہیں:

"صوفی کانفرنس کے دفتر میں کام کرنے والے نوجوانوں میں سے ایک معتبر شخص نے بتایا کہ اعلامیہ میں یہ دفعہ آر ایس ایس کے کہنے سے بڑھائی گئی ہے۔ یہ بات اوپر سے آگئی تھی، اس لیے متّحدہ قومیت کا مفہوم، یہاں پر وہی ہے، جس طرح کی قومیت کی بات آر ایس ایس کرتی ہے۔"

مصباحی صاحب کے مذکورہ بات کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ وہ بار بار فورم کے ذمہ داران سے پانچ نکاتی سوالات کے جوابات کا تقاضہ کر رہے ہیں، ان میں ایک سوال یہ بھی ہے کہ: "آر ایس ایس کا بنیادی نظریہ متّحدہ قومیت (یعنی ہندوقومیت) اعلامیہ میں کیسے شامل ہوا؟"

افسوس صد افسوس! اعلامیہ ہم نے تیار کیا تھا اور "ورلڈ صوفی فورم" کے اغراض ومقاصد کو سامنے رکھتے ہوئے دستورِ ہند کی روح کے مطابق یہ دفعہ ہم نے اپنی مرضی سے لکھی تھی، اللہ شاہد ہے کہ اسے لکھنے سے پہلے نہ کسی نے یہ نکتہ دیا تھا اور نہ لکھنے کے بعد بطورِ خاص کسی نے اس کی تائید وتحسین کی۔ "متّحدہ قومیت" لکھتے وقت ذہن میں وہی مفہوم تھا جو پیچھے مذکور ہوا، لیکن حضرت مصباحی صاحب نے اس تعلّق سے جو معلومات فراہم کی وہ خود میرے ذہن ودماغ کے لیے اضافہ ہے۔ مولانا نے یہ بات کسی مجہول، معتبر نوجوان کے حوالے سے کہی ہے، اب جو اعلامیہ لکھنے والے کے لیے نئی ہو، اس کے راوی کتنے مضبوط ومستحکم ہوں گے، اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ افسوس کہ مصباحی صاحب کی اس پوری خیالی اور جدالی تحریروں میں مزاحیہ نگاروں کے خیالی کیرکٹروں لاغر مرادآبادی اور لق لق دہلوی کی طرح ہی ایک مجہول "معتبر راوی" ہوتا ہے، جس کے سہارے وہ اپنے انشائیہ کو دلچسپ بناتے ہیں۔ مجہول راوی کا سہارا لے کر مصباحی صاحب نے جو کچھ کہا ہے وہ نہ

صرف کردارکشی کے مترادف ہے، بلکہ کسی کے ایمان وعقیدے پر بلاثبوتِ شرعی کفروضلالت کی بہتان سے کم نہیں۔

قارئین کو یاد ہوگا کہ چند دنوں قبل مصباحی صاحب نے اسی طرح کے کسی مجہول ”ثقہ راوی“ پر اعتماد کرتے ہوئے کرنا ٹک کے جیّد عالم دین اور شیخِ طریقت مولانا سیّد تنویر ہاشمی (زیب سجّادہ: خانقاہ ہاشمی، درگاہ ہاشم پیر، بیجاپور کرناٹک) پر ”بغضِ معاویہ“ کا الزام عائد کیا۔ جب ہم نے مصباحی صاحب سے ایک ٹیلی فونک گفتگو میں براہِ راست بات کی اور بتایا کہ مولانا سیّد تنویر ہاشمی آپ کے اس الزام سے کبیدہ خاطر ہیں اور اسے اپنے اوپر بہتان کہا ہے تو مصباحی صاحب نے کمالِ استغناء سے فرمایا: ”ٹھیک ہے، تنویر ہاشمی صاحب اپنا بیان چھپوادیں، میں رجوع کرلوں گا۔“ کسی کے دین ایمان پر سوالیہ نشان، وہ بھی کسی مجہول راوی کی بنیاد پر متعلّقہ شخص سے رابطہ کیے بغیر، کم ازکم ہم جیسے طالب علم مصباحی صاحب جیسے عالم سے توقّع نہیں رکھتے، کیوں کہ جب اسی طرح کی باتیں خود ان کے متعلّق لوگ کہہ اور لکھ رہے تھے تو انھوں نے اپنی کتاب ”عرفانِ مذہب ومسلک“ میں نہایت سنجیدگی سے یہ اصول لکھا:

”حیرت ہے کہ بعض ذمّہ دار سمجھے جانے والے افراد بھی کسی سنّی فرد یا تنظیم یا ادارہ کے تعلّق سے کوئی شرعی بہتان سن کر اس پر یقین کر بیٹھتے ہیں اور کسی تحقیق کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے۔ نہ وہ یہ دیکھتے ہیں کہ وہ بیان کرنے والا شخص کون اور کیسا ہے؟ نہ ہی اس پر نگاہ رکھتے ہیں کہ جس سے متعلّق بات کہی جارہی ہے وہ کون سے کس معیار کا ہے، نہ اس پر غور کرتے ہیں اس کے مزاج ومعیار سے کتنی فروتر یہ بات ہے جس کا صدور اس سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ نہ اس مسئلہ کی طرف توجّہ ہی دیتے ہیں کہ کسی سنّی کی طرف تحقیق وثبوت کے بغیر نسبتِ کفروضلال کرنا، بلکہ نسبتِ گناہِ کبیرہ بھی سخت گناہ اور ناجائز وحرام ہے، جب کہ آج کل کہیں سے بھی کوئی رابطہ کرکے کسی معاملے یا واقعہ کی تحقیق وتفتیش نہایت آسان کام ہے۔ تقریباً ہر شخص کے پاس موبائل موجود ہے، اس سے منٹوں منٹ میں گفتگو کی جاسکتی ہے قاعدہ اور ضابطہ یہی ہے کہ صاحبِ معاملہ سے براہِ راست تحقیق کرکے اس کے متعلّق کوئی رائے قائم کی جانی چاہیئے۔ اس کے برخلاف اگر کسی کا عمل ہے تو وہ اپنے طرزِ عمل سے خود اپنی شخصیت ووقار مجروح کررہا ہے اور اپنے وقار واعتماد کو خاک میں ملارہا ہے، بلکہ کتاب وسنّت کے حکم وارشاد کو اپنے عمل کے ذریعہ صراحۃً مسترد کررہا ہے؟“

(عرفانِ مذہب ومسلک: صہ ۱۸-۱۹)

مصباحی صاحب سے مؤدّبانہ گذارش ہے کہ ورلڈ صوفی فورم، اس کے ذمّہ داران، شریک ہونے والے علماء ومشائخ، اعلامیہ مرتبین اور مولانا سیّد تنویر ہاشمی صاحب پر آپ نے جو مجہول راویوں، مفروضات اور ظن وتخمین کے ذریعہ بھاجپا نوازی، آر ایس ایس نوازی، بغضِ معاویہ اور نہ جانے کیا کیا الزامات عائد کیے ہیں، اپنی اس تحریر کی روشنی میں سنجیدگی سے غور فرمائیں۔ دہلی میں بورڈ کے ذمّہ داران موجود ہیں، آپ اگر واقعی دین وملّت کے لیے مخلص ہیں تو ان سے براہِ راست گفتگو کرکے معاملے کا تصفیہ کرنا چاہیئے۔ قلمی معرکہ آرائی سے اس طرح کے مسائل حل نہیں ہوتے۔ صدر بورڈ نے کانفرنس سے پہلے بھی آپ کو گفتگو کی دعوت دی تھی اور آج بھی وہ اس بات کے متمنّی ہیں کہ اہلِ سنّت کے درمیان کے ذریعہ معاملات کا حل ہونا چاہیئے۔ نئی نسل کے نوجوان علماء اور اہلِ قلم کے لیے مصباحی صاحب کی حیثیت علمی وفکری امور میں ایک قائد ورہنما کی رہی ہے۔ ان کی یہ حیثیت چند برسوں سے بڑی طرح مجروح ہورہی ہے، اس لیے ان سے عجز ونیاز جن نوجوان علماء کا شیوہ تھا، وہ لوگ ان کے دامن پر حریفانہ ہاتھ ڈالنے پر مجبور ہورہے ہیں۔ حضرت مصباحی کے ساتھ یہ عمل خود میرے لیے ذاتی طور پر بہت تکلیف کا باعث ہے۔ (جامِ نور، مئی ۲۰۱۶ء، صفحہ ۱۷تا۲۱)

رضاخانیوں کی طرف سے مسلم لیگ پر کفر کے فتوے اور تحریک پاکستان کی مخالفت

وہ تاریخی ریکارڈ جسے رضاخانیوں نے انصاف و دیانت کا خون کرتے ہوئے غائب کردیا اور مسلم لیگ وتحریک پاکستان کی اتنی شدید مخالفت کرنے کے باوجود آج علمائے دیوبند کو پاکستان کا مخالف کہتے ہوئے ذرا بھی نہیں شرماتے!

قارئین کرام! آج بریلوی فرقہ ہر جگہ تحریک پاکستان اور پاکستان کی آزادی میں نمایاں کردار ادا کرنے کے نعرے لگا رہا ہے اور نام نہاد ''استحکام پاکستان'' کانفرنسیں منعقد کرنے میں مصروف ہے۔جس میں دن رات علمائے اہلسنت دیوبند پر یہ الزامات لگائے جارہے ہیں کہ یہ انگریز کے ایجنٹ ہیں ۔۔۔ یہ پاکستان کے دشمن ہیں ۔۔ پاکستان کے مخالف ہیں ۔۔ یہ دہشت گرد ہیں۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ پاکستان کی مخالفت اور مسلم لیگ کی مخالفت میں کانگریس سے بھی بڑھ کر رضاخانیوں نے حصہ لیا۔اور باقاعدہ مسلم لیگ اور قائداعظم کے خلاف کتابیں لکھ کر ان پر کفر کے فتوے لگائے۔اور آج یہ فتنہ محض انگریز کے ایماء پر پاکستان کی سالمیت میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والوں پر الزامات کی بارشیں کر رہا ہے۔اسی سیاہ دور کے کچھ رضاخانی کارناموں کو فقیر آپ کے سامنے پیش کر رہا ہے۔جس میں وہ تمام حوالے آئیں گے جن میں رضاخانیوں نے مسلم لیگ پر،قائداعظم پر کفر کے فتوے لگائے اور پاکستان بننے کی کھل کر مخالفت کی۔

نواب احمد رضاخان کے پیرو مرشد کی طرف سے مسلم لیگ پر فتوے

قارئین کرام مولوی احمد رضاخان کے مرشد گھرانے اور درگاہ مارہرہ کی اہم شخصیت اولاد رسول محمد میاں مارہری برکاتی نے ۱۹۳۹ء میں ایک کتاب لکھی جو ''**مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری**'' کے نام سے شائع ہوئی۔نام سے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ اس کتاب میں مسلم لیگ کی کیسی کیسی بخیہ دری کی ہوگی۔یہ کتاب اصل میں چند سوالات کے جوابات تھے۔جو کہ آگے آرہے ہیں۔اس کتاب اور اس کے مصنف کے مستند ہونے کیلئے اتنی ہی بات کافی ہے کہ یہی خاندان مولوی احمد رضاخان کے پیرو مرشد کا گھرانہ ہے۔اور بریلویوں کا مرکز ہے۔اس رسالہ میں پہلا سوال قائداعظم کے بارے میں ہوتا ہے کہ:

کہ مسٹر محمد علی جناح کس مذہب کے ہیں اور ان کو قائداعظم وغیرہ کے القابات سے یاد کرنا کیسا ہے؟۔(**محصلہ،ص ۲**)۔

اس سوال کے جواب میں کیا فرمایا جاتا ہے ملاحظہ ہو:

قائداعظم بد دین و بد مذہب ہے:

محمد علی جناح مذہبا رافضی ہے کسی بھی بد دین بد مذہب کو قائداعظم وسیدنا وغیرہ وغیرہ القاب ومدح تعظیم سے خطاب کرنا سخت شنیع و حرام ہے۔{مسلم لیگ کی زریں بخیہ دری،ص ۳}

قائداعظم محمد علی جناح جہنمیوں کا کتا ہے:

قائداعظم کو بد مذہب اور بدعتی ثابت کرنے کے بعد اہل بدعت کے خلاف چار حدیثیں دے کر لکھتے ہیں کہ: **حدیث شریف میں ہے کہ اہل البدع کلاب اہل النار یعنی بد مذہب سارے جہاں سے بدتر ہیں جانوروں سے بدتر ہیں۔بد مذہب جہنمیوں کے کتے ہیں۔۔ کیا کوئی مسلمان اور سچا،ایمان والا کسی کتے اور وہ بھی دوزخیوں کے کتے کو اپنا قائداعظم،اپنا سب سے بڑا پیشوا اور سردار بنانا پسند کرے گا۔؟** {ایضا،ص ۴}۔

پاکستان کے چیمپئن بننے والے جمعیت علمائے پاکستان اور سنی تحریک کے رہنما اور نام نہاد رضاخانی مناظرین ومعترضین دیکھیں کہ ان کے اکابر کس طرح قائداعظم کو کتا بلکہ جہنم کا کتا ثابت کر رہے ہیں۔معاذ اللہ۔۔

افسوس!!! ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ حکومت پاکستان ان دین و وطن دشمنوں کے خلاف کاروائی کرتی مگر آج پاکستان کے استحکام کیلئے ان

کے پاس جارہی ہے ۔۔افسوس ۔افسوس۔۔۔

پاکستان نام نہاد اور سراپا فسادی اسلامی حکومت ہے :

اسی رسالے میں مسلم لیگ کے چند کارنامے گنوائے گئے تھے اور ان پر رضاخانیوں سے تبصرے کا کہا گیا تھا کہ کیا ان کارناموں کی وجہ سے جو مسلم لیگ نے سرانجام دئے ہیں ہم ان کے ساتھ ایک الگ اسلامی حکومت کے بنانے میں تعاون کرسکتے ہیں ۔۔تو اس کے جواب میں مولوی احمد رضا خان کا مرشد گھرانہ کیا کہتا ہے ملاحظ ہو:

اللہ عزوجل ایسی سراپا فساد نام نہاد اسلامی حکومت سے بچائے اسلام اور مسلمانوں کو پناہ میں رکھے آمین ۔{ایضاص ۱۳،سطر ۴}۔

مسلم لیگ فتنہ وفساد کی جڑ اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی سازش میں مصروف ہے :

بیشک مسلم لیگ ہی ندوہ مخذولہ کا فتنہ ہے، جو مختلف زمانوں میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا رہا، کبھی خدام کعبہ، کبھی مسلم ایجوکیشنل کاؤنسل، کبھی خلافت کمیٹی، کبھی خدام الحرمین، کبھی سیرت کمیٹی، اور حال ہی میں مسلم لیگ کا لبادہ اوڑھ کر اٹھا ہے ۔درحقیقت ان سب کا مقصد مسلمانوں کو گمراہ کرنا، اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں دیوبندیوں مرتدوں ،نیچری ملحدوں رافضی بے دینوں وغیرھم کے ساتھ اتحاد منانا،سنی مسلمانوں کا ان کے ساتھ گھل میل کراکے ان کے عقائد خراب کرنا اور جہنم کی طرف لے جانا ہے ۔ سنی مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ فورا کانگریس اور لیگ دونوں سے الگ ہوجائیں ۔{ایضاص ۳۰}

قارئین کرام !یہ عبارت مسلم لیگ اور پاکستان کی مخالفت میں کس قدر واضح ہے اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوگیا کہ دیوبند اس زمانے میں پوری طرح مسلم لیگ کے ساتھ تھے یہی وجہ ہے کہ مسلم لیگ بیچاری کے کفریات میں اس کو بھی گنا گیا۔۔کاش کہ آج کے چند نام نہاد رضاخانی سیاسی جماعتیں تاریخ کو مسخ کرنے کیلئے میڈیا پر نہ آتی تو ان کو رسوائی کے یہ دن اور تاریخ کا یہ کڑوا گھونٹ نہ پینا پڑتا۔لیکن یہ تو ابھی صرف ابتداء ہے آگے آگے دیکھئے رضاخانیوں کو فقیر کا صرف ایک ہی پیغام ہے کہ

وہ دنیا تھی جہاں تم بند کرتے تھے زباں میری
یہ محشر ہے یہاں سننا پڑے گی داستاں میری

قارئین کرام !اس وقت میرے سامنے **''مسلم لیگ''** کے خلاف بریلویوں کا لکھا ہوا ایک رسالہ ہے ۔اس رسالے میں مسلم لیگ کے متعلق کل **''دس سوالات''** کئے گئے ہیں اور ان کے جوابات تین چوٹی کے بریلوی اکابر **''شاہ آل رسول''**، **مولوی آل مصطفی''** اور مظہر اعلحضرت **''حشمت علی رضوی''** نے دئے ہیں ۔رسالے کا نام **''الجوابات السنیہ علی زھاء السوالات لیگیہ''** ہے رسالے کے ''ٹائیٹل پیج پر یہ عبارت واضح طور پر لکھی گئی ہے :

''مسلم لیگ کی کفرنوازیوں اور کانگریس کی ستم شعاریوں سے بچانے والا ''

اس رسالے میں پہلے ہی سوال کے جواب میں واضح کیا گیا ہے کہ ''لیگ کے دستور اساسی کے تحت اس کے جو اغراض ومقاصد متعین کئے گئے ہیں یعنی ملک کی آزادی اور وفاقی جمہوری ریاستوں کا قیام،اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت، مسلمانوں کے سیاسی اور مذہبی حقوق کی ترقی وحفاظت یہاں کے مسلمانوں اور دوسرے مما لک کے مسلمانوں کے ساتھ رشتہ اخوت بڑھانا تو یہ سب مقاصد صریح طور پر

محرمات شرعیہ پر مشتمل اور حرام قطعی ہیں۔اور کفر وضلال کی طرف لیجانے والے ہیں۔لہذا ان کے ہوتے ہوئے لیگ کی شرکت و رکنیت سخت حرام ہے۔

اس کی تفصیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''اولاً جمہوری سلطنت کا قیام جس میں کفار مشرکین و مرتدین پوری طرح آزاد وخود سر ہوں شرعاً قطعاً حرام ہے۔دوم ایسی جمہوری حکومت جس کی کونسل میں کفار و مشرکین اور مرتدین بھی ممبر ہوں یہ بھی حرام ہے۔سوم ایسی جمہوریت جس میں سب غیر مسلمین کے مذہبی حقوق ومفاد کی حفاظت کیجائے اور ہر ایک کو مذہبی تبلیغ و اشاعت کی اجازت ہو یہ کھلا شرک ہے۔چہارم اس میں مسلمانوں کے سب فرقے جو اپنے کو مسلمان کہلاتے ہیں اور سرکاری مردم شماری میں ان کو مسلمان شمار کیا جاتا ہے وہ سب مسلمان گنے جائیں گے۔ **اسی طرح وہابیہ ،دیوبندو غیر مقلدین**،مرزائیہ،قادیانیہ،لاہوریہ،نیچریہ،چکڑالویہ،خکسار،بابیہ،بہائیہ،روافض وغیرھم **جملہ کفارو مرتدین وملحدین سب لیگ کے نزدیک مسلمان ہیں۔العیاذ باللہ۔۔۔یہ بھی کھلا ہوا کفر وارتداد ہوگا**۔{صفحہ،۳،۴}

اسی طرح اس رسالے میں لیگ کے مقاصد واساسیت گنوا کر ان پر نکتہ چینی کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں کہ:

''لہٰذا علماء کرام کا فرض ہے کہ پوری قوت کے ساتھ عوام کو اس کی شرکت و رکنیت سے باز رکھنے کی کوشش کریں اور جو اس فرض شرعی کو بقدر قدرت وحسب استطاعت بجانہ لائے گا فرمان الٰہی کا مصداق ہوگا۔الخ''{صفحہ۔۱۳}

اگر مسلم لیگ والے بریلویوں سے رہنمائی لیں تو سب کچھ جائز ہوگا:

اس سے چند سطور بعد ہی اپنے اصل مقصد پر آجاتے ہیں کہ لیگ اسی وقت جائز جماعت ہوگی جب کہ وہ صرف بریلویوں کی رہنمائی میں چلے۔الفاظ دیکھئے:

''اگر لیگ کو اللہ توفیق بخشے کہ وہ احکام دینیہ میں حضرات علماء اہلسنت سے رہنمائی چاہے تو اس میں شرکت و رکنیت کے بغیر بھی اس کی شرعی خرابیوں اور شریعت کے حکموں پر مطلع کیا جاسکتا ہے،جیسے ندوہ اور خلافت کمیٹی کی رہنمائی فرمائی گئی **لیکن اس کی رکنیت صرف اس وقت جائز ہوگی جبکہ وہ علماء اہلسنت کی رہنمائی میں اپنے آپ کو نقائص شرعیہ سے پاک کرے**''۔

{صفحہ،۱۳،سطر ۱۳ سے ۱۷}

اس عبارت میں صاف طور پر واضح کیا گیا ہے کہ بریلوی اپنے سوا تمام دنیا کو کافر مانتی ہے۔اس لئے لیگ کی رکنیت بھی حرام ہے جب تک کہ وہ دنیا کی واحد مسلمان قوم یعنی بریلوی حضرات کو اپنے ساتھ نہ ملالے۔بریلویوں کے کفریہ فتوؤں کے افسانے پڑھنے کیلئے مطالعہ کریں

''رضاخانیوں کی کفر سازیاں''۔

علماء کرام کو لیگ کا کھلا رد کرنا چاہیئے

صفحہ ۱۵ پر سوال ہشتم ہے کہ

''لیگ کے ساتھ کیا طرز عمل ہونا چاہیئے؟ جواب ہے کہ

''علماء کرام پر فرض ہے کہ لیگ پر رد وطرد فرمائیں۔اس کے فریبوں، چالوں، بطالات اور ضلالات کو عوام اہل اسلام کے سامنے واضح کرکے ان پر اللہ ورسول کے احکام پیش کریں اور ناواقف لوگوں کو لیگ سے پرہیز اور بیداری کی ہدایت کریں''۔

اسی سلسلہ میں تھوڑا آگے صفحہ ۱۶ کے آخر میں الفاظ ہیں کہ

''لیگ کے مخالف شرع کاموں کا رد لیگ کا نام لے کر واضح ہو ورنہ گول مول الفاظ میں بدمذہبوں بے دینوں کا رد کرنے سے عوام لیگ کا رد نہیں سمجھیں گے خصوصاً جبکہ لیگ کے حامی ان کو یہ سمجھاتے پھرتے ہیں کہ لیگ میں آکر بدمذہب بدمذہب نہیں رہتے بلکہ مسلمانوں کے **معظم، مکرم شہید ملت وقائد اعظم وغیرہ ہوجاتے ہیں**۔

خط کشیدہ الفاظ پر غور فرمائیں کہ ''محمد علی جناح'' کو کیا کیا کہہ دیا گیا ہے۔اسی سے آگے صفحہ ۱۷ پر ہے کہ:

''اس کے (لیگ کے) ساتھ مسلمانوں کا وہی طرز عمل ہونا چاہئے جو کہ دوسرے بدمذہبوں بے دینوں مرتدین ومبتدعین کے ساتھ فرداً فرداً یا بحیثیت جماعت برتتے ہیں، یعنی ان کا واضح رد کرنا اور ان سے مجانبت اور نفرت رکھنا اور اس کو خدا ورسول کا مخالف اور مسلمانوں کا دشمن جاننا''۔

لیگ میں شرکت کانگریس سے زیادہ زہر قاتل ہے

اسی صفحہ پر سوال نہم کے تحت سوال ہے کہ خطرہ یہ ہے کہ لیگ کی رکنیت سے منع کرنے سے کانگریس کو فائدہ پہنچنے کا امکان ہے۔تو جواب میں کیا کہا گیا ملاحظہ ہو:

''اگر یہ صحیح بھی ہو تو خود لیگ میں شرکت حرام اور سب سے زیادہ قیمتی دولت یعنی ایمان کیلئے کانگریس سے زیادہ قومی اور سریع الاثر قاتل زہر ہے۔جس سے علماء کا تغافل ہرگز جائز نہیں۔

تھوڑا آگے صفحہ ۱۸ کے شروع میں ہے کہ:

''کانگریس تو کھلے ہوئے کفار ومشرکین کا مسلمانوں سے اتحاد کرانا چاہتی ہے اور لیگ کفار ومشرکین ومرتدین ومبتدعین سب کے ساتھ مسلمانوں کی موالات اور مواخات منانا چاہتی ہے۔دونوں کے مقاصد میں ہندو مسلم اتحاد داخل ہے''۔

مسلم لیگ کے بارے میں بریلوی حضرات کا فیصلہ کن فتوی

لیگ کی حمایت کرنا، اس میں چندے دینا، اس کا ممبر بننا، اس کی اشاعت اور تبلیغ کرنا، منافقوں اور مرتدوں کی جماعت کو فروغ دینا ہے اور دین اسلام کے ساتھ دشمنی کرنا ہے۔ {صفحہ ۳۲}

جناح کو قائد اعظم کہنے یا لکھنے سے بیوی نکاح سے نکل گئی

سوال ہے کہ جو مسلمان ایک رافضی محمد علی جناح کو قائد اعظم لکھے اور اپنا پیشوا مانے اس کیلئے کیا حکم ہے؟۔جواب:

''اگر رافضی کی تعریف حلال اور جناح کو اس کا اہل سمجھ کر کرتا ہے تو وہ مرتد ہوگیا اس کی بیوی اس کی نکاح سے نکل گئی۔مسلمانوں پر فرض ہے کہ اس کا مقاطعہ کریں یہاں تک کہ وہ توبہ کرے۔ {صفحہ ۳۲}

آپ ذرا معترض کا حال بھی معلوم کرلیں اپنی کتاب دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف صفحہ ۱۴۷ پر موصوف نے چار دفعہ جناح کو ''قائد

اعظم"، لکھا اب نہ صرف معترض صاحب بلکہ جتنے بھی بریلوی احباب جو جناح کو قائد اعظم کہتے لکھتے ہیں وہ سب اس فتوے کی رو سے تجدید ایمان ونکاح کریں۔

مظلم لیگ اور نام نہاد پاکستان

نام نہاد ناصر الاسلام والمسلمین مظہر اعلی حضرت شیر بیشہ اہلسنت خلیفہ اعلی حضرت مناظر اعظم علی الاطلاق حضرت علامہ حافظ قاری مفتی الحاج الشاہ ابو الفتح عبید الرضا محمد حشمت علی خان صاحب قبلہ قادری برکاتی رضوی لکھنوی لکھتے ہیں:

"لیکن خوب یاد رہے کہ ان احکام کی شرط یہی ہے کہ وہ جنگ کفر و اسلام ہی کی جنگ ہو، **مظلم لیگ** و کانگریس کی جنگ نہ ہو، **نام نہاد پاکستان** اور سوراج کی جنگ نہ ہو"۔

(فتاوی حشمتیہ ص ۲۷۵، تنظیم اہلسنت پاکستان طبع اول جنوری ۲۰۱۶)

اعلی حضرت کا فتوی مسلم لیگ مرتد، تقسیم سے علی الاعلان تبری (برأت) کریں

"حضور پرنور اعلی حضرت عظیم البرکت مرشد برحق امام اہلسنت مجدد اعظم دین وملت رضی اللہ تعالی عنہ کے فتوائے مبارکہ الدلائل القاہرہ علی الکفرۃ النیاشرۃ میں قرآن عظیم وحدیث حمید سے بیان فرمائے گئے ہیں۔ مسلم لیگ و خاکسار و کانگریس و احرار اور نام نہاد مومن کانفرنس اور لیگ کے اصول ومقاصد کی فیصدی حامی نام نہاد سنی کانفرنس اور مرتد ابو الاعلی مودودی کی نام نہاد جماعت اسلامی اور مرتد چن بسویشور صدیق دیندار کی نام نہاد دیندار پارٹی وغیرہا تمام مجالس کفار و جماعت اشرار سے کھلم کھلا تحریرا وتقریرا فعلا وقولا ہر طرح اپنی بیزاری کا اظہار اور کانگریس کے مطالبہ سوراج مسلم لیگ کے مطالبہ تقسیم مرتد مودودی کے نام نہاد مطالبہ حکومت الہیہ سے اپنی تبری کا اعلان واشگاف وآشکار کریں"۔

(فتاوی حشمتیہ ص ۲۷۶)

تحریک پاکستان ومسلم لیگ کی حمایت کرنا حرام ہے اور مرنے والے حرام موت مرے معاذ اللہ

"یہ بھی خوب یاد رہے کہ کانگریس کے مطالبہ سوراج یا مسلم لیگ کے مطالبہ تقسیم یا مرتد مودودی کے مطالبہ حکومت الہیہ کی حقیقت سمجھتے بوجھتے ہوئے بھی کہ اول کا مقصد اعدام مسلمین دوم کا مآل افنائے سنیت سوم کا مقصود قیام حکومت وہابیت ہے۔ اس کا عملا قولا کسی طرح بھی امداد کرنا حرام۔ اور اس کا اصل مقصد جانتے ہوئے بھی **جو شخص اس کی حمایت کرتا ہو امارا جائے گا وہ حرام موت مرے گا**۔ (فتاوی حشمتیہ ص ۲۷۶)

پاکستان اسلام سوز ہے اس کی اصل نیچیریت، زندیقیت والحاد ہے

"**اسلام سوز والحاد افروز پاکستان کی اصل نیچریانہ وزندیقانہ شکل وصورت**"

(فتاوی حشمتیہ ص ۲۷۶)

مسلم لیگ مرتدین

مسلم لیگیہ۔۔مبتدعین مرتدین"۔(فتاوی حشمتیہ ص ۵۶۲)

مسلمان ناپاک مطالبہ پاکستان کی حمایت نہیں کریں گے

مظہراعلی حضرت حشمت علی رضوی لکھتا ہے:

''مسلمان کسی لیڈر کی نہیں سنتے وہ صرف اپنے علما اہلسنت کے دامنوں سے وابستہ ہیں وہ دنیوی عیش وعشرت کے لالچ میں آکر ایسے ناپاک مطالبہ پاکستان کو ہرگز قبول ومنظور نہیں کر سکتے"۔

(ستر باادب سوالات ص ۹۹)

تجانب اہلسنت کی استنادی حیثیت

آج کل کے رضاخانی اپنی مستند ترین کتاب ''تجانب اہل سنت'' کا انکار کرتے ہیں مگر مظہر اعلی حضرت حشمت علی رضوی صاحب اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:

''مظلم لیگی وکانگریسی ان کے عقائد کفریہ کی اجمالی تفصیل اوران پر شرعی رد وطرد کی مختصر تکمیل فقیر کی املاء لکھوائی ہوئی کتاب مستطاب مسمی بنام تاریخی تجانب اہلسنت عن اہل الفتنۃ میں ملاحظہ ہو"

(فتاوی حشمتیہ ص ۲۷۳)

گویا تجانب اہل سنت خود حشمت علی رضوی کی کتاب ہے۔جسے اس نے اپنے داماد مولوی طیب داناپوری کے نام سے شائع کروایا ہے۔اسی تجانب اہلسنت اور مولوی طیب داناپوری کے کے متعلق مولوی محمد راحت خان قادری بانی دارالعلوم فیضان تاج الشریعہ بریلی لکھتے ہیں:

''سب سے پہلے ڈاکٹر اقبال صاحب کی شرعی حیثیت بیان کر دی جائے ناصر سنیت مناظر اہل سنت مفتی ابوالطاہر طیب صدیقی قادری برکاتی داناپوری۔تحریر فرماتے ہیں"۔

(الکلمات القاطعہ ص ۹۰، مکتبہ نور بریلی شریف)

آگے پھر علامہ اقبال کے کفر پر تجانب اہل سنت کا اقتباس پیش کیا ہے۔اس کتاب پر بریلوی بقیۃ السلف عمدۃ الخلف مفتی محمد صالح شیخ الحدیث جامعۃ الرضا بریلی شریف، مفتی محمد ابوالحسن قادری بانی جامعۃ تاج الشریعۃ بہرائچ شریف، بریلوی مجاہد سنیت حضرت مولانا محمد میثم عباس قادری کی تقاریظ اور کتاب کی تائید وتوثیق اور تعریفی کلمات ثبت ہیں۔پتہ چلا کہ یہ کتاب رضاخانیوں کی مستند کتاب ہے مگر دوسری طرف کاشف اقبال رضاخانی کے حکم پر لکھی جانے والی کتاب کا مولف اس کتاب سے یوں جان چھڑاتا ہے:

''جب کتاب ہی ٹھوس اور مستند نہیں تو اس دھڑلے سے پیش کرنے کا مقصد سوائے دھوکہ ومکاری کے اور کیا ہوسکتا ہے؟"۔

(ہدیہ بریلویت پر ایک نظر ص ۳۸)

جناب من یہ کتاب آپ کے گھر کی مستند ترین آدمی کی مستند ترین کتاب ہے اب پھنسنے پر اس کا انکار کرنا سوائے دھوکہ، دجل وفریب کے اور کیا ہوسکتا ہے؟

مسٹر محمد علی جناح کی تکفیر

مولوی محمد طیب داناپوری لکھتے ہیں:

(1)...... ''اور مسٹر جینا ان کا قائد اعظم ہے، اگر صرف انہیں دو کفروں پر اکتفا کرتا تو قائد اعظم کی خصوصیت ہی کیا رہتی؟ لہٰذا وہ اپنی اسپیچوں اپنے لیکچروں میں نئے نئے کفریات قطعیہ بکتا رہتا ہے۔''

(تجانب اہل سنت ص 119)

(2)...... ''بہ حکم شریعت مسٹر جینا اپنے ان عقاید کفریہ قطعیہ خبیثہ کی بنا پر قطعاً مرتد اور خارج از اسلام ہے۔ جو شخص اس کے کفروں پر مطلع ہونے کے بعد اس کو مسلمان جانے یا اس کے کافر و مرتد ہونے میں شک رکھے یا اس کو کافر کہنے میں توقف کرے وہ بھی کافر و مرتد اور شر اللئام اور بے توبہ مرا تو مستحق لعنت عزیز علام۔''

(تجانب اہل سنت ص 122)

مسلم لیگ بدمذہبوں کی کمیٹی ہے

کانگریس و مسلم لیگ دونوں اس لحاظ سے بدمذہبوں بیدینوں ہی کی کمیٹیاں ہیں۔

(ستر باادب سوالات، ص ۱۰۲)

مسلم لیگ کو ووٹ دینا ناجائز وحرام ہے

بریلوی حضرات علمائے دیوبند پر یہ افترآء باندھتے ہیں کہ انہوں نے فتوی دیا ہے کہ مسلم لیگ کو ووٹ دینا حرام ہے۔ حالانکہ یہ فتوی تو خود ان بدبختوں کا ہے ملاحظہ ہو:

''جس طرح کانگریس واحرار وخاکسار و یونینسٹ ونیشنلسٹ پارٹیوں میں سے کسی کے نمائندے کو ووٹ دینا اور ان پارٹیوں میں سے کسی کے ساتھ تعاون کرنا کسی کو قوت ووقار پہنچنے کا ذریعہ بننا آل انڈیا سنی کانفرنس کے نزدیک شرعاً حرام و ناجائز اور ممنوع وگناہ ہے، اسی طرح مسلم لیگ کے نمائندے کو ووٹ دینا مسلم لیگ کے ساتھ تعاون کرنا مسلم لیگ کو قوت ووقار حاصل ہونے کا ذریعہ بننا بھی آل انڈیا سنی کانفرنس کے نزدیک شرعاً ناجائز اور ممنوع وگناہ وحرام ہے''۔

(ستر باادب سوالات، ص ۱۰۶، ۱۰۷)

کسی مرتد کو قائد اعظم بنانے کی کیا ضرورت ہے

اہل بدعت کے نزدیک مسٹر محمد علی جناح چونکہ مرتد ہیں لہٰذا انہیں قائد اعظم بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ملاحظہ ہو:

''کسی رافضی نیچری مرتد کو قائد اعظم بنانے کی کیا ضرورت ہے؟''۔

(ستر باادب سوالات، ص ۱۱۰)

مسٹر محمد علی جناح کو ولی اللہ کہنے پر پیر جماعت علی شاہ سے بھرے مجمع میں توبہ کروائی گئی

''تحریک پاکستان کی آل انڈیا سنی کانفرنس منعقد ہوئی تھی اس میں غیر منقسم ہندوستان کے بے شمار اکابر علماء کرام ومشائخ عظام شریک

ہوئے، مفتی اعظم ،محدث اعظم اور پیر جماعت علی شاہ۔ بھی خاص طور پر مدعو کئے گئے اس دور میں پیر جماعت علی کا حلقہ ارادت بہت زیادہ وسیع تھا تقریباً ڈیڑھ لاکھ مریدین تو صرف اس کانفرنس میں آئے تھے یکے بعد دیگرے علمائے کرام کی تقریریں ہوتی رہیں، پیر جماعت علی تقریر فرمارہے تھے کہ آپ کی زبان مبارک سے یہ جملہ نکل گیا: ''محمد علی جناح ولی اللہ ہے'' ہے، اتنا کہنا تھا کہ سارے علمائے حاضرین میں اس پر چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اور سارے لوگ اسٹیج سے کھسکنے لگے مگر کسی کی مجال تھی کہ ان کو لقمہ دے سکے کیونکہ ان کے لاکھوں مریدین سے مقابلہ کرنا آسان نہ تھا اسی وقت یہ بات لوگ حضور مفتی اعظم اور محدث اعظم کی بارگاہ میں پیش کرنے ان کی قیامگاہ تک پہنچے حضرت مفتی اعظم نے بلاخوف وخطر فرمایا ٹھیک ہے اگر شریعت کی بات ہے تو ابھی چل کر حضرت پیر صاحب سے دریافت کرلیا جائے اگر ہنگامہ ہوگا تو سمجھا جایئے گا۔ چنانچہ یہ دونوں بزرگ فوراً اسٹیج پر پہنچے اور عرض کیا کہ حضور نے فرمایا ہے کہ: ''جناح ولی اللہ ہے'' تو یہ آپ کی تحقیق ہے یا کسی نے بتایا ہے؟ حضرت موصوف نے فرمایا نہیں یہ میری اپنی تحقیق نہیں ہے بعض لوگوں نے مجھے بتایا ہے، کیا لوگ اسی لئے بھاگ رہے تھے؟ دونوں حضرات نے کہا جس نے بتایا ہے سراسر غلط بتایا ہے کیونکہ وہ ''شیعہ (بوہرا) ہے لہذا کسی طرح اس کا مسلمان ہونا ثابت نہیں تو ولی اللہ کیونکر ہوسکتا ہے؟۔ حضرت پیر صاحب نے فرمایا مائک قریب کرو پھر فرمایا سارے خطباء اور سارے علماء اور سارے حاضرین سنیں مجھ سے ایک غلطی ہوگئی ہے کہ میں نے کہہ دیا ہے کہ محمد علی جناح ولی اللہ ہے وہ ہرگز ولی اللہ نہیں ہے میں توبہ کرتا ہوں اور کلمہ پڑھتا ہوں آپ لوگ بھی توبہ واستغفار کرو اور پڑھو لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ پھر خود بھی کلمہ پڑھا اور سب سے پڑھوایا''۔

(مفتی اعظم کی استقامت اور کرامت، ص ۲۴۵،۲۴۶)

قائد اعظم شیعہ ہے اس کا مسلمان ہونا کسی طرح ثابت نہیں بریلوی مفتی اعظم اور محدث اعظم

''دونوں حضرات نے کہا جس نے بتایا ہے سراسر غلط بتایا ہے کیونکہ وہ ''شیعہ (بوہرا) ہے لہذا کسی طرح اس کا مسلمان ہونا ثابت نہیں تو ولی اللہ کیونکر ہوسکتا ہے''۔

(مفتی اعظم کی استقامت اور کرامت، ص ۲۴۵)

مسٹر جناح شریعت کے خلاف بکواس کرتا ہے

نواب احمد رضا خان صاحب کے پیرومرشد گھرانے کے شاہ آل مصطفیٰ قادری کہتے ہیں:

''مسٹر جناح نے شریعت اسلامیہ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کی اور بمبئی ہائی کورٹ میں فرمان شرعی کے خلاف نظیر ہمیشہ کیلئے بن گئی اور مسٹر جناح نے یہ ناپاک قول بک کر شریعت مطہرہ کے خلاف کا دروازہ آئیندہ کیلئے بھی کھول دیا'

(ملفوظات مشائخ مارہرہ، ص ۶۹)

لنگڑا پاکستان

نواب احمد رضا خان صاحب کے خلیفہ مولوی نعیم الدین مرادآبادی کہتے ہیں کہ:

'' چند فاش غلطیاں بھی کیں جن کی بناء پر بقول مولانا حسرت موہانی مرحوم ''لنگڑا پاکستان'' بنا''۔

(حیات صدر الافاضل: ص ۱۹۲)

سنی علماء میں سے کوئی بھی مسلم لیگ کا ممبر نہیں نہ جناح کی قیادت قبول ہے

مفتی وقارالدین بریلوی لکھتے ہیں کہ:

''سنی علماء میں سے کوئی بھی مسلم لیگ کا ممبر نہیں بنا اور نہ محمد علی جناح کی قیادت کو قبول کیا''۔

(وقارالفتاوی: ج ا،ص ۸)

۱۹۴۶ تک پاکستان کی مخالفت میں بریلویوں کے جلسے

ڈاکٹر اوشیہ سانیال لکھتی ہیں:

''مارہرہ میں محمد میاں نے ۱۹۴۶ میں جماعت اہل سنت کی تشکیل کیلئے اجتماع منعقد کیا تھا جس میں پاکستان کے نظریہ کی مخالفت کی گئی تھی یہ عرس محمد میاں کے والد کا تھا''۔

(عقیدت پر مبنی سیاست،ص ۱۱۲)

مسلم لیگ کے تمام قائدین وکارکنان مرتدین ہیں معاذ اللہ

حشمت علی رضوی بریلوی لکھتا ہے:

''۶-(الف) قرآنِ عظیم نے عموماً تمام کفّار و مشرکین و مرتدین کو ہمارا قطعی دشمن و بدخواہ بتایا ہے یا اُن مرتدین و مشرکین کو جو مسلم لیگ یا کانگریس کے سربراہ کار بنے ہوئے ہیں الگ کرلیا ہے۔(ب) قرآنِ حکیم نے مطلقاً سب جفّار و مشرکین و مرتدین سے موالات کفر و حرام بتائی ہے یا اُس میں اُن مرتدین و مشرکین کا استثناء ہے جو مسلم لیگ یا کانگریس کے اراکین اور کرتا دھرتا بنے ہوئے ہیں۔(ج) قرآنِ کریم نے مطلقاً سب کفّار و مشرکین و مرتدینکو بدترین خلق اور ہر ذلیل سے ذلیل تروں میں داخل فرمایا ہے یا اِس حکم میں سے اُن مرتدین و ملحدین و مشرکین کو مستثنیٰ فرمادیا ہے جو پیشوایانِ مسلم لیگ یا مقتدایانِ کانگریس بنے ہوئے ہیں۔(د) کافروں کو مددگار بنانا قرآنِ عظیم نے صاف حرام فرمایا ہے اِس حکمِ قرآنی میں ہر کافر و مشرک ہر مرتد ہر زندیق ہر ملحد داخل ہے یا نہیں، بیّنوا توجروا''۔

(ستر باادب سوالات،ص ۴،۵)

مسٹر جناح بحکم شریعت کافر و مرتد ہیں

مظہر اعلیٰ حضرت حشمت علی رضوی لکھتا ہے:

''جب تک وہ مسلم لیگ سے جو کھلے ہوئے بدمذہبوں لامذہبوں بددینوں بے دینوں مرتدوں کافروں کی بنائی ہوئی ایک چکڑی ہے اور مسٹر جینا سے جو نیچری اور اثنا عشری رافضی ہونے کے سبب بحکمِ شریعتِ مطہّرہ کافر و مرتد ہیں مدد نہ لیں''۔

(ستر باادب سوالات،ص ۱۶،۱۷)

مسلم لیگ کو مسلم لیگ سمجھنا ہی کفر ہے

''جبکہ مسلم لیگ کے نزدیک وہ سب مرتد و بے دین فرقے بھی مسلمان ہیں جو اپنے آپ کو مسلمان بتاتے ہیں یا گورنمنٹی مردم

شماری میں مسلمان لکھے جاتے ہیں تو صحیح معنے میں اس کو مسلم لیگ سمجھنا مسلم لیگ کہہ کر اس سے شرعی معنے میں مسلمانوں ہی کی جماعت مراد لینا ضلالِ قبیح بلکہ کفرِ فضیح ہے''۔

(ستر باادب سوالات، ص ۲۳)

مسلم لیگ والے دائرہ اسلام سے خارج ہیں احمد رضا خان کے پیر و مرشد گھرانے کا فتویٰ

''جناب اشتیاق احمد صاحب بریلوی اپنے اسی مضمون ''سنّی کانفرنس کی ضرورت'' کے اخیر میں فرماتے ہیں اگر ان سوالات کی ...... مستفسر عزیز نے مارہرہ کے ان بزرگ کی ترجمانی فرمائی ہے جو ہندوستان بھر کے مسلمانوں کو مسلم لیگ کی شرکت کی بنا پر دائرۂ اسلام سے خارج کرنے کی شبانہ روز کوشش کرتے رہتے ہیں اور بجز اپنے مقدّس وجود کے یا اپنے ایک آدھ حواری کے دوسرے کو مسلمان نہیں سمجھتے تو سنّی کانفرنس کا زاویہ نگاہ اتنا تنگ نہیں ہوگا کہ وہ اپنے اعضاء کی قطع و برد میں مصروف ہو جائے غرض یہ ہے کہ اس عبارت میں مارہرہ کے ان بزرگ سے حضرت بابرکت تاج العلماء سراج العرفاء وارث الاکابر الاسیاد بالاستحقاق والانفراد حامی السنن ماحی الفتن مولانا الحافظ المفتی السیّد الشاہ اولادِ رسول محمد میاں صاحب قبلہ قادری برکاتی قاسمی دامت برکاتہم القدسیہ تاجدارِ سجّادہ عالیہ قادریہ برکاتیہ سرکارِ کلاں مارہرہ مطہّرہ ضلع ایٹہ ہی کو مراد لیا گیا ہے یا نہیں؟ رسالہ مبارکہ مسمّیٰ بنام تاریخی احکامِ نوریہ شرعیہ بر مسلم لیگ حضرت والا کی خدمتِ گرامی میں بھی حاضر کیا جا چکا ہے اس کے پہلے ہی سوال کے جواب کو ملاحظہ فرما کر ارشاد ہو کہ مضمون نگار کانفرنس صاحب نے حضرت بابرکت سجّادہ نشین سرکارِ مارہرہ مطہّرہ دام ظلّہم الاقدس پر مسلمانوں کو کافر کہنے کا سخت ملعون افترا کیا یا نہیں؟ اور خود حضرت والا کا اس مضمون کی تصدیق و توثیق فرمانا مخالفِ شان والا ہے یا نہیں؟ بیّنوا توجروا''۔

(ستر باادب سوالات، ص ۴۵، ۴۶)

مزید کفر کے فتووں کی بوچھاڑ

''مسلم لیگی اخبار الامان دہلی ۳۱ نومبر ۱۹۳۹ء کے صفحہ ۳ پر مسلمانانِ ہند کے نام مسٹر جینا کا پیغام عید شائع ہوا ہے اس میں وہ کہتا ہے قرآن پاک میں انسان کو خلیفۃ اللہ کہا گیا ہے اگر انسان کے متعلق اس بیان کو کوئی اہمیت ہے تو اس بنا پر ہمارے اور پر قرآن پاک کی پیروی کا ایک فرض عائد ہوتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کریں جو اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کے ساتھ کیا ہے وسیع ترین مفہوم کے لحاظ سے یہ فرض محبت و رواداری کا فرض ہے اور یقین فرمائیے یہ فرض کوئی سلبی فرض نہیں بلکہ ایک اثباتی فرض ہے اگر اللہ کی مخلوق کے ساتھ وہ چاہے جس ملّت سے تعلق رکھتے ہوں محبت و رواداری پر ہمارا عقیدہ ہے تو ہمیں اپنے روزمرّہ کے سیدھے سادے فرائض اور خاموش تقویٰ کے سلسلے میں اس عقیدے پر کاربند ہونا چاہیئے۔ اس عبارت میں مسٹر جینا نے صاف صاف بتا دیا کہ مسلمانوں پر صرف اتنا ہی فرض نہیں کہ وہ کسی کافر کسی لامذہب کسی مرتد کسی بے دین کے ساتھ عداوت رکھیں بلکہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ ہر کافر ہر مرتد ہر لامذہب ہر بے دین کے ساتھ محبّت رکھیں اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ اللہ عزّوجلّ بھی نوعِ انسان کے ساتھ یہی سلوک کر رہا ہے یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کو بھی ہر مذہب وملّت کے انسان کے ساتھ محبت ہے۔

(الف) اب عرض ہے کہ کفّار و مشرکین و مرتدین کے ساتھ محبّت و الفت و وِداد کا حرام و ناجائز ہونا ضروریاتِ دین میں سے ہے یا نہیں؟

(ب) مسٹر جینا نے جملہ کفار ومشرکین ومرتدین کے ساتھ الفت ومحبت کو صرف جائز ہی نہیں بلکہ فرض بتایا ایسا کہنے والا کافر ومرتد ہے یا نہیں۔

(ج) یہ مسئلہ بھی ضروریاتِ دین میں سے ہے یا نہیں کہ ہر کافر ہر مشرک ہر مرتد بلا استثناء اللہ عزوجلّ کا دشمن ہے اور اللہ عزوجلّ ہر کافر ہر مشرک ہر مرتد کا دشمن ہے۔

(ھ) مسٹر جینا نے یہ کہا کہ اللہ عزوجلّ کو ہر مذہب وملّت کے ہر انسان کے ساتھ محبت ہے، ایسا کہنے والا بھی شرعاً قطعی یقینی کافر ومرتد ہے یا نہیں بیّنو اتوٴ جروا''۔

(ستر باادب سوالات، ص ۲۳، ۲۴)

''مسلم لیگی اخبار حق لکھنو ۱۰ ردسمبر ۱۹۳۸ء میں ہے مسلم یونیورسٹی یونین میں مسٹر جینا کی تصویر کی نقاب کشائی کے جلسے میں تقریر کرتے ہوئے جناب میر غلام بھیک صاحب نیرنگ نے کہا مسٹر جناح نے ان کو علی گڑھ اس لئے بھیجا ہے تاکہ وہ طلبا کو یہ پیغام پہنچا دیں کہ انہیں مایوس نہ ہونا چاہیئے اس کے بعد کہا کہ مسٹر جناح مسلمانوں کے سیاسی پیغمبر ہیں، ارشاد فرمایا جائے کہ مسٹر جینا کو مسلمانوں کا سیاسی پیغمبر کہنے والا بحکمِ شریعتِ مطّہرہ قطعاً یقیناً کافر ومرتد ہے یا نہیں؟ بیّنو اتوٴ جروا۔

۳۴۔کتاب ''محمد علی جناح'' شائع کردہ مکتبۂ لیگ بھنڈی بازار بمبئی مصنفہ عبدالعزیز بی۔ایس۔سی مسلم لیگی کے صفحہ ۲۵۰ پر ہے۔ان کی (یعنی مسٹر جینا کی) اس ملکی خدمت بےلوث اور بےباک لڑائی کے اعزاز میں بمبئی کے لوگوں نے جناح ہال فنڈ قائم کیا جناح ہال کی بنیاد رکھی گئی جس کی تکمیل ۱۹۳۱ء میں ہوئی، جناح ہال کی رسم افتتاحیہ مسز سروجنی نائیڈو نے کی اور اسی دن یہ تار پیرس میں مسٹر محمد علی جناح کو بھیجا گیا ''پیغمبر کی زندگی ہی میں اس کی قوم اس کی قدر پہچانتی ہے۔''اس تار کے دینے والوں نے اپنے آپ کو مسٹر جینا کی امّت اور مسٹر جینا کو اپنا پیغمبر کہا یا نہیں اور وہ سب کے سب کافر ومرتد ہوگئے یا نہیں اور جن لوگوں نے اس کفریہ ملعونہ کو مسٹر جینا کا اعزاز سمجھ کر اس کے مناقب میں بطور تفاخر ومباہات شائع کیا وہ سارے کے سارے مسلم لیگی بھی بحکمِ شریعتِ مطّہرہ قطعی یقینی کافر ومرتد ہوگئے یا نہیں؟ بیّنو اتوٴ جروا''۔

(ستر باادب سوالات، ص ۲۳، ۲۴)

''۳۷۔مسلم لیگ کے گجراتی آرگن مسلم ٹائمس بمبئی ۱۱ رستمبر ۱۹۴۵ء کے پہلے صفحے پر ایک مضمون شائع ہوا ہے جس کی سرخی قائداعظم کا راضی نامہ ہے اس سے ظاہر ہے کہ مسٹر جینا بمبئی کی اثنا عشری رافضی خوجہ جماعت کا ایک فرد ہے اور اس نے اس کی مجلس مشاورت میں شریک ہونے سے صرف اسی بنا پر راضی نامہ (یعنی استعفا) دیا ہے کہ اپنی کثرت کار کے سبب اس کے اجلاسوں میں شرکت کی فرصت نہیں ملتی۔جب کہ اثنا عشری رافضی قرآن عظیم کو ناقص اور ائمہ اہلبیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حضراتِ انبیائے سابقین علیہم الصلاۃ والسلام سے افضل ماننے اور ان کفریاتِ قطعیۂ یقینیہ کے معتقدین کو اپنے ائمہ مجتہدیب و منظمین جاننے کے سبب بحکم شریعت مطہرہ قطعاً و یقیناً کافر ومرتد ہیں تو اثنا عشری رافضی اور نیچری کو مسلمانوں کا واقعی قائداعظم یعنی سب سے بڑا یا بہت بڑا رہنما کہنا بحکم شریعت مطہرہ حرام وکفر ہے یا نہیں۔بینوا توجروا۔

۳۸۔مسلم لیگی اخبارات وحدت دہلی والامان دہلی وخلافت بمبئی واقبال بمبئی وانقلاب بمبئی وغیرہا میں اور خود مسلم لیگ کے اردو آرگن اخبار منشور دہلی میں مرتد اشرف علی تھانوی کو حکیم الامۃ اور امام تھانوی اور نوّر اللہ مرقدہ چھاپا جارہا ہے مرتد قاسم نانوتوی کو مرحوم مغفور شائع کیا جارہا ہے مرتد محمود حسن دیوبندی کو شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ لکھا جارہا ہے۔نیچری اور اثنا عشری رافضی مسٹر جینا کو قائد

اعظم اور قائد ملت اسلامیہ لکھا جا رہا ہے۔ مرتضیٰ حسن دربھنگی وشبیر احمد دیوبندی وظفر احمد تھانوی وغیرہم دیوبندی مرتدوں کو علمائے اسلام بتایا جا رہا ہے یہ سب کلمات بحکم شریعتِ مطہّر پر ضلال شنیع اور کفر قطعی ہیں یا نہیں؟ بیّنوا تو جروا''۔

(ستر باادب سوالات، ص ۲۷)

مسٹر محمد علی جناح کی کفریات معاذ اللہ بقلم خلیفہ احمد رضا نیز پاکستان سے لو لگانا حرام ہے

''اسی ہلال بمبئی ۹؍اکتوبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۳ پر ہے عین رمضان مبارک میں جب گاندھی سے مسٹر جناح گفت وشنید میں مشغول تھے تو تمام فوٹو گرافروں نامہ نگاروں اور دوسرے لوگوں کے سامنے سگریٹ اور چائے وغیرہ پیتے تھے پھر لکھتے ہیں گفت وشنید کے دنوں میں اتفاق سے یوم سیدنا علی رضی اللہ عنہ آ گیا اس روز گفتگو معطل رکھنے کے لئے مسٹر جناح نے جو دلیل پیش کی تھی وہ یہ تھی کہ یہ اسلام میں سب سے اہم دن ہے۔ اب حضرت والا شرعی فتویٰ صادر فرمائیں کہ جو شخص حرمتِ اسلام کی ہتک کرنے میں اس قدر بے باک ہے کہ رمضان مبارک میں دن کے وقت فوٹو گرافروں نامہ نگاروں اور تمام تماشائیوں کے سامنے علانیہ کھلم کھلا چائے اور سگریٹ پیتا ہے اور حضرت سیدنا مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روزِ شہادت کو اسلام میں سب سے اہم دن بتانے کا کھلا ہوا رافضیانہ کفر قطعی بکنے میں کچھ بھی نہیں جھجھکتا۔ جو صاف صاف کہتا ہے کہ مسلم لیگ میں شیعوں کی زبردست اکثریت شامل ہے جو علی الاعلان کہتا ہے کہ مسلم لیگ میں شیعوں کے حقوق ومفادات خاص طور پر محفوظ ہیں جو واشگاف کہتا ہے کہ مسلم لیگ شیعوں کے عقائد وجذبات کی حفاظت کرے گی۔ جو خود سول میرج کر کے دین ومذہب سے بیزار ہو چکا ہے جو آیت کریمہ وَمَا جَعَلَ اَدۡعِيَآءَكُمۡ اَبۡنَآءَكُمۡ ؕ ذٰلِكُمۡ قَوۡلُكُمۡ بِاَفۡوَاهِكُمۡ ؕ وَاللّٰهُ يَقُوۡلُ الۡحَقَّ وَهُوَ يَهۡدِى السَّبِيۡلَ○ (اور نہ تمہارے لے پالکوں کو تمہارا بیٹا بنایا یہ (یعنی لے پالک کو اپنا بیٹا بتانا) تمہارے اپنے منہ کا کہنا ہے اور اللہ حق فرماتا ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے) اور آیت کریمہ يُوۡصِيۡكُمُ اللّٰهُ فِىۡۤ اَوۡلَادِكُمۡ‌ ۖ لِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ (اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصّہ دو بیٹیوں کے برابر ہے) سے منہ پھیر کر نو مسلم اقوام کی لڑکیوں کو ورثے سے محروم اور لے پالک کو بیٹے ہی کی طرح وارث قرار دینے کے لئے ہندو دھرم کی منوسمرتی کے بتائے ہوئے قانون کی حمایت کر چکا کہ جہاں تک ترکے اور وصیّت اور لے پالک بنانے کا تعلّق ہے شریعت کا قانون صرف انہیں لوگوں کے لئے نافذ ہونے کے قابل ہے جو رواج پر عمل کرتے ہیں بشرطیکہ پہلے کچہری میں جا کر یہ اعلان کر دیں کہ ہم مسلمان ہیں اور اپنے ڈیکلریشن میں درخواست کریں کہ ہمارے معاملے میں رواج کے بدلے شریعت کے قانون کا نفاذ کیا جائے پھر کچہری میں یہ ڈیکلریشن دینے والے مقرر کردہ فیس بھی داخل کریں اور جو مسلمان ایسا کرنے کا موقع نہ پائے یا کسی وجہ سے ایسا نہ کر سکے تو اس پر شریعت کا قانون نافذ نہ ہو بلکہ ہندو قانون یا مخالفِ شریعت رواج کے مطابق اس کے مال وجائداد میں تصرّف کیا جائے جو قرآن عظیم کی سورہ بقرہ شریف وسورہ نساء شریف وسورہ نور شریف وسورہ طلاق شریف وسورۃ ممتحنہ شریف وغیرہا کی بکثرت آیات مبارکہ کو یکسر جھٹلا کر شاردا ابل جیسے منافی شریعت قانون کی حمایت میں صاف کہہ چکا کہ بیاہ شادی کے معاملے کو مذہب سے کوئی تعلق ہی نہیں اسلامی قانون میں تو بیاہ شادی محض ایک باہمی خالص معاہدہ ہے کہ جس طرح چاہو آپس میں طے کر لو۔ جو آیت مبارکہ وَلَا تَنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكٰتِ حَتّٰى يُؤۡمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤۡمِنَةٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكَةٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَتۡكُمۡ‌ ۚ وَلَا تُنۡكِحُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَتّٰى يُؤۡمِنُوۡا ؕ وَلَعَبۡدٌ مُّؤۡمِنٌ خَيۡرٌ مِّنۡ مُّشۡرِكٍ وَّلَوۡ اَعۡجَبَكُمۡ ؕ اُولٰٓـئِكَ يَدۡعُوۡنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدۡعُوۡٓا اِلَى الۡجَـنَّةِ وَالۡمَغۡفِرَةِ بِاِذۡنِهٖ‌ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ○ (یعنی اور شرک والی عورتوں سے نکاح نہ کرو

جب تک مسلمان نہ ہو جائیں اور بے شک مسلمان لونڈی مشرکہ سے اچھی ہے اگر چہ وہ تمہیں بھاتی ہو اور مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور بے شک مسلمان غلام مشرک سے اچھا ہے اگر چہ وہ تمہیں بھاتا ہو وہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنّت اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اپنے حکم سے اور اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان کرتا ہے کہ کہیں وہ نصیحت مانیں) اور آیت مبارکہ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ (اور حلال ہوئیں پارسا عورتیں ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی جب تک انہیں ان کے مہر دو قید میں لاتے ہوئے نہ مستی نکالتے اور نہ آشنا بناتے) اور آیت مبارکہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ (یعنی اے ایمان والو جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں کفرستان سے اپنے گھر چھوڑ کر آئیں تو ان کا امتحان کرو اللہ ان کے ایمان کا حال بہتر جانتا ہے پھر اگر وہ تمہیں ایمان والیاں معلوم ہوں تو انہیں کافروں کو واپس نہ دو نہ یہ انہیں حلال نہ وہ انہیں حلال) ان سب ارشادات الٰہیہ کی کھلم کھلا تکذیب کر کے کہہ چکا کہ یہ قانونِ قرآنی زمانہ حال کی مصلحتوں اور اس وقت کی موجودہ ضرورتوں کے مطابق نہیں ۔ یہ بھی کہہ چکا کہ معاہدہ وتقریر وشہادت اور مسلم وکافر کے درمیان وراثت قائم نہ رہنے کے وہ قوانینِ اسلامیہ قرآنیہ جن پر انگریزی حکومت نے مسلمان کہلانے والے ممبروں ہی کے چیخنے چلانے کی وجہ سے عمل درآمد چھوڑ دیا ہے وہ سب اسلامی قوانین بھی زمانہ حال کی مصلحتوں اور وقت کی موجودہ ضرورتوں کے خلاف تھے جس طرح ان کو منسوخ کر دیا گیا اسی طرح یہ قانون جو قرآن نے بتایا کہ مسلمان مرد کا مسلمہ و یہودیہ ونصرانیہ کے سوا کسی اور عورت سے اور مسلمان عورت کا مسلمان کے سوا کسی اور مرد سے نکاح نہیں ہوسکتا یہ بھی زمانہ حال کی مصلحتوں اور موجودہ ضرورتوں کے خلاف ہے زمانہ حاضر کے احساسات کے بھی مخالف ہے ملک ہندوستان اور قوم مسلم کے لئے مفید یہی ہے کہ اس قرآنی اسلامی قانون کے خلاف مسلمان مرد کو ہر کافرومشرکہ زندیقہ عورت سے اور مسلمان عورت کو ہر کافر مشرک زندیق مرد سے شادی کی اجازت دی جائے ۔ یہی انصاف بھی ہے اور یہی روشن خیالی تعلیم یافتگی ترقی پسندی کا مقتضیٰ بھی ہے یعنی مسلمان مرد کی شادی مسلمہ ونصرانیہ و یہودیہ کے سوا کسی اور عورت سے اور مسلمان عورت کی شادی مسلمان مرد کے سوا کسی اور مرد سے نہ ہو سکنے کا قانون جو قرآن پاک نے بتایا ہے اس پر اس زمانے میں عمل نہیں ہوسکتا قرآن عظیم کا مقرّر فرمایا ہوا یہ قانون ظلم ہے تاریک خیالی جہالت تنزّل پسندی کا مقتضیٰ ہے جو صاف کہہ چکا کہ اگر چہ جس قوم کا میں نمائندہ ہوں اس قوم مسلم کی اکثریت ہرگز اس پر راضی نہیں کہ قرآن عظیم کے بتائے ہوئے قانون کے خلاف مسلمان مرد کو مسلمہ و یہودیہ ونصرانیہ کے سوا کسی اور عورت سے یا مسلمان عورت کو کسی غیر مسلم مرد سے شادی کی اجازت دی جائے مگر چونکہ میں خود اپنی دلی اعتقادات سے اسی اجازت دیے جانے کو صحیح و درست اور ملک وقوم کے لئے مفید اور زمانہ حاضرہ کے احساسات کے مطابق اور زمانہ حال کی مصلحتوں اور وقت کی موجودہ ضرورتوں کے موافق سمجھتا ہوں لہٰذا جس قوم نے مجھے ووٹ دے کر اپنا نمائندہ بنا کر کونسل میں بھیجا ہے میں تو اس قوم کے بھی دین و مذہب کو کچل کر اس قوم کے مذہبی جذبات و مطالبات کو بھی ٹھکرا کر اس قوم کی دینی مذہبی آسمانی کتاب قرآن پاک کے ارشادات کو بھی جھٹلا کر اپنا فرض یہی سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے لئے بھی اسی اسپیشل میرج ایکٹ نافذ کیے جانے کی کھلم کھلا تائید کروں (جو بحکمِ شریعتِ مطہّرہ مسلمانوں کے حق میں کھلی ہوئی زناکاری جائز کر دینے کا قانون ہے) جو صاف صاف کہہ رہا ہے کہ **سب مسلمان ہیں اور اب میں کوئی تخصیص آپس میں یا تفریق دیکھنا پسند نہیں کرتا۔** (مسلم لیگی اخبار

بیدار بمبئی ۱۰ر دسمبر ۱۹۴۵ء) جو صاف صاف چیخ رہا ہے کہ **دوستو اپنے چھوٹے چھوٹے فروعی اختلافات کو بالائے طاق رکھ دو اور عظیم تر قومی مقاصد کو اپنے پیش نظر رکھو۔** (مسلم لیگی اخبار اقبال بمبئی ۵ر دسمبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۲) جو صاف صاف چلا رہا ہے کہ **میں علماء کے اقتدار کو ختم کر چکا ہوں** (مسلم لیگ کا اردو آرگن منشور دہلی صفحہ ۲) جو صاف صاف پکار رہا ہے کہ **مسلمانوں کی وہ قوم ہے جو عقیدۃً وعملاً تمام بنی نوع انسان سے مساوات اور اخوت کا برتاؤ کرتی ہے** (مسلم لیگ کا اردو آرگن منشور دہلی ۱۱ر نومبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۳) اللہ عزوجلّ تو فرما رہا ہے لَا يَسْتَوِيْٓ اَصْحٰبُ النَّارِ وَاَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ؕ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ یعنی دوزخ والے اور جنّت والے برابر نہیں جنت والے ہی مراد کو پہنچے۔لیکن اس فرمانِ الٰہی کو جا بجا کثیر آیاتِ مقدّسہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے صاف صاف مسٹر جینا جھٹلا رہا ہے اور مسلمانوں کو یہ کفری سبق پڑھا رہا ہے کہ مسلمان ہر کافر ہر مشرک ہر مرتد ہر زندیق کو صرف عملاً ہی نہیں بلکہ عقیدۃً بھی مسلمانوں کے برابر اور مسلمانوں کا بھائی سمجھے،کیا سنّی مسلمانوں کو اس پر اس کو اپنا راز دار مشکل کشا مددگار رہنما بنانا اس سے اپنی مذہبی خیر خواہی کی امید رکھنا اس کے گڑھے ہوئے پاکستان سے سنّی مسلمانوں کی دینی مذہبی بھلائیوں کی لو لگانا حرام ہے یا نہیں؟بیّنوا توجروا۔

(ستر باادب سوالات،ص ۴۶ تا ۵۱)

لیگی لیڈر زنا کا دروازہ کھول رہے ہیں

مظہر اعلیٰ حضرت حشمت علی رضوی لکھتے ہیں:

''اوّل تو لیگی لیڈروں نے جو خلع بل پاس کرایا وہی حرام کو حلال کرنے اور زنا کا دروازہ کھولنے کے لئے کیا کم تھا پھر جب بعض ممبروں کی طرف سے خلع بل کی کچھ مرہم پٹی کے لئے قاضی بل پیش کیا گیا کہ مسلمانوں کے جو مقدمات خلع بل کے ماتحت ہوں ان کا فیصلہ کرنے کے لئے مسلمان قاضی مقرر کیا جائے تو لیگی ممبروں نے اسے بھی پاس نہ ہونے دیا''۔

(ستر باادب سوالات،ص ۵۴)

پاکستان کا ہولناک منظر

''ہمارے پیارے سنی مسلمان بھائی اس وقت کا تصور کریں جب خدا نہ کرے کہ ان لیگیوں کو پاکستان اور کانگریسیوں کو ہندواستھان مل گیا ہوگا آہ کیسا ہولناک منظر ہے''۔

(ستر باادب سوالات،ص ۷۲)

یہ بدبخت فرقہ تو ماضی میں خدا نہ کرے کی دعائیں کر کے پاکستان نہ بننے کی تمنا کرتا تھا اب کس منہ سے پاکستان بنایا تھا اور پاکستان بچائیں گے کہ نعرے لگاتے ہیں؟ یہ کل بھی اس ملک کے دشمن تھے اور آج بھی اس ملک کے دشمن ہیں۔

پاکستان کا مطالبہ ناپاک ہے

''للہ انصاف کیا کوئی ادنی سے ادنی دیندار مسلمان ایسے ناپاک مطالبہ پاکستان کو ذرا دیر کیلئے بھی پسند کرسکتا ہے؟''۔

(ستر باادب سوالات،ص ۷۳)

اس عبارت میں رضاخانیوں نے پاکستان کیلئے اپنے ناپاک عزائم کو کھل کر اظہار کیا ہے۔اور واضح کر دیا کہ کوئی بھی مسلمان ایک لمحہ کیلئے

بھی پاکستان کو برداشت نہیں کرسکتا کیونکہ ایہ ایک ''ناپاک ریاست'' ہے معاذ اللہ۔

نجس پاکستان کا مطالبہ کرنے والے بے دین ہیں معاذ اللہ

''اس نجس مطالبہ پاکستان کی حمایت کرنے والوں اور اس کو پسند کرنے والوں اس کی تائید کرنے والوں اس کی دینی اہمیت بتانے والوں سب کی رضا سے احکام کفر ملک کے بڑے حصہ میں جاری ہوں گے کہ یہی لوگ اس تقسیم ملک پر راضی ہوئے احکام کفر پر رضا کفر یا کم از کم سخت بے دینی ہے''۔

(ستر باادب سوالات،ص، ۷۴،۷۳)

اعلیٰ حضرت نے پچیس سال پہلے پاکستان کا رد کیا

مظہر اعلیٰ حضرت حشمت علی رضوی اپنے اعلیٰ حضرت نواب احمد رضا خان کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''للہ الحمد کہ یہ بھی میرے آقا نعمت دریائے رحمت مرشد برحق حضور پر نور امام اہلسنت مجدد اعظم دین وملت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا الشاہ عبد المصطفیٰ محمد احمد رضا خان ۔۔۔ کی ایک زبردست کرامت جلیلہ قاہرہ ہے کہ آج سے پچیس برس پیشتر اس وقت مطالبہ پاکستان کا رد قاہر وابطال باہر فرمادیا جس وقت کہ خود لیگی لیڈران بھی گاندھی و کانگریس کی محبت و داد اطاعت وانقیاد میں ڈوبے ہوئے تھے''۔

(ستر باادب سوالات،ص ۸۰)

پیر جماعت علی شاہ کا تحریک پاکستان میں کردار مشکوک ہے

چوراشریف والے اس تحریک مسجد شہید گنج میں پیر جماعت علی شاہ کی انگریز نوازی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس عبارت کا ایک ایک لفظ پیر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی بے بصیرتی کا نوحہ کررہا ہے ۔اس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر بات واضح ہے کہ کون کس کے ہاتھوں میں کھیل کر مسلمانوں کے جذبات کا سودا کررہا تھا ۔اس تحریر نے پیر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے تحریک پاکستان میں کردار کو بھی مشکوک بنادیا ہے ۔جس کا بہت چرچہ کیا جاتا ہے اور تحریک پاکستان میں ان کے کردار کو نمایاں کیا جاتا ہے''۔

(اثبات النسب،ص ۱۵۸)

مولانا نورانی اور ان کے اکابر تحریک پاکستان کے بدترین دشمن تھے

ہمارے پاس روزنامہ جسارت کا جمعہ کا خصوصی ایڈیشن کا ہے جس میں احمد سعید قریشی صاحب نے ناقابل تردید ثبوتوں کے ساتھ بریلویوں کی پاکستان دشمنی کو بے نقاب کیا ہے اس شمارے کا سکین بھی ہم نیٹ پر جاری کرچکے ہیں ۔مضمون میں دئے گئے بہت سے حوالہ جات ہم نے ماقبل میں بھی نقل کردئے ہیں ۔

خلاصہ کلام

(۱) قائداعظم بددین ہے اسے قائداعظم کہنا سخت شنیع وحرام ہے
(۲) دوزخ کا کتا ہے معاذ اللہ
(۳) نام نہاد سراپا فسادی پاکستان
(۴) لیگ والے مرتد ہیں فوراان سے الگ ہوجائیں
(۵) علماء کرام کو لیگ کا کھلم کھلا رد کرنا چاہیئے
(۶) مسلم لیگ نہیں مظلم لیگ
(۷) تحریک پاکستان کی حمایت کرنا حرام ہے
(۸) پاکستان اسلام سوز ہے اس کی اصل نیچیریت والحاد ہے
(۹) قائداعظم شیعہ بوہرہ کافر ہے معاذ اللہ
(۱۰) مسٹر جناح عقائد کفریہ کی بناء پر خبیث مرتد ہے معاذ اللہ

احمد سعید کاظمی کا صریح جھوٹ

ماقبل کے فتاوی سے روز روشن کی طرح واضح ہوگیا کہ علمائے بریلی نے مسلم لیگی اور لیگیوں کی کھل کر تکفیر کی اب بریلوی غزالی دوراں اور رازی زماں کے اس جھوٹ کو بھی ملاحظہ ہو:

”علماء اہلِ سنت پر تکفیر کے الزام کا جواب
علماء اہل سنت پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے علماء دیوبند کو کافر کہا، رافضیوں، نیچریوں، وہابیوں، بہایوں حتیٰ کہ ندویوں، کانگریسیوں، لیگیوں بلکہ تمام مسلمانوں کو کافر قرار دیا۔ گویا بریلی میں کفر کی مشین لگی ہوئی ہے جس کے نشانے سے کوئی مسلمان نہیں بچ سکا۔
اس کے جواب میں بجز اس کے کیا کہا جائے کہ {سُبْحَانَكَ هَذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ}
(۴) سو کسی مسلمان کو کافر کہنا مسلمان کی شان نہیں۔
ہمارا عقیدہ ہے کہ مسلمان کو کافر کہنے کا وبال کافر کہنے والے پر عائد ہوتا ہے“۔

(الحق المبین، ص ۳۴ مکتبۃ المدینہ)

جناب کاظمی صاحب یہ بہتان نہیں بلکہ حقیقت ہے آپ نے اگر ان فتاوی سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کرلی ہیں تو اس میں ہمارا تو کوئی قصور نہیں۔

اس تاریخ کو کس طرح مسخ کیا جارہا ہے اس کی ایک جھلک

شاہ تراب الحق قادری نے ایک کتاب لکھی ”تخلیق پاکستان میں علمائے اہلسنت کا کردار“ جو کہ جمعیت اشاعت اہلسنت کاغذی بازار کراچی سے شائع ہوئی۔ اس کے اندر اپنے گھر کے جھوٹے حوالوں کے ذریعہ جس قدر جھوٹ بولئے گئے اسے پڑھ کر جھوٹ کو جائز سمجھنے والا فرقہ

خطابیہ بھی سر پکڑ کر بیٹھ جائے
موصوف کے ہاتھوں پہلی دفعہ یہ انکشاف ہوا کہ مصور پاکستان علامہ اقبال نہیں بلکہ عبدالقدیر بدایونی بریلوی تھے۔(کتاب مذکور،ص ۱۷)
علامہ اقبال نے فتاوی رضویہ کا عمیق مطالعہ کرنے کے بعد دوقومی نظریہ اپنایا۔

(کتاب مذکور،ص ۱۷)

حالانکہ ہم پوری دنیائے رضاخانیت کو چیلنج کرتے ہیں کہ علامہ اقبال مرحوم نے کبھی فتاوی رضویہ دیکھی بھی نہیں تھی، پڑھنا تو بہت دور کی بات۔اور علامہ اقبال کے ساتھ جو تم نے کیا وہ پیچھے گزر چکا ہے۔اگر کسی اہل بدعت کے فرزند میں جرات ہے تو کسی مستند حوالے سے ثابت کرے کہ علامہ اقبال نے کبھی فتاوی رضویہ دیکھی تھی (پڑھنا ہم خود بخود تسلیم کرلیں گے)۔
سید وجاہت رسول قادری صدر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا بھی اسی جھوٹ کو یوں بیان کرتے ہیں:
''علامہ اقبال اور قائد اعظم نے بھی ان (احمد رضا۔ساجد) کی پیروی کی''۔

(انوار رضا کا تاجدار بریلی نمبر ۲۰۰۳،ص ۲۰)

اب ذرا اس جھوٹ کے مقابلے میں سچ بھی خود بریلوی محقق کے قلم سے ملاحظہ فرمالیں۔ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم بریلوی صاحب لکھتے ہیں:
''حیرت انگیز بات یہ ہے کہ ڈاکٹر اقبال جیسا دانشور کی عقابی نظروں سے امام احمد رضا قادری کی علمی شخصیت اور ان کی علمی کتابیں اوجھل رہ گئیں۔باعث تعجب ہے!اس سلسلے میں جہاں تک میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر اقبال کو امام احمد رضا قادری سے دور رکھنے میں ان کے مخالفین کا زیادہ ہاتھ تھا''۔

(امام احمد رضا کے افکار ونظریات،ص ۶۶،۶۷)

جب ڈاکٹر اقبال نے کبھی احمد رضا خان کی کسی کتاب کا مطالعہ ہی نہیں کیا ان کو احمد رضا خان کی کچھ خبر ہی نہ تھی تو پھر آخر یہ جھوٹ کس بنیاد پر پھیلایا جارہا ہے کہ ڈاکٹر اقبال نے نواب احمد رضا خان سے متاثر ہوکر دوقومی نظریہ پیش کیا؟
جب نواب احمد رضا خان خود بقول حشمت علی رضوی کے مطالبہ پاکستان ہی کے سخت مخالفت تھے۔تو خان صاحب سے متاثر ہوکر کوئی دو قومی نظریہ اور مطالبہ پاکستان کس طرح پیش کرسکتا ہے؟
کسی سید انور علی ایڈووکیٹ کے حوالے سے یہ جھوٹ بولا گیا کہ سب سے پہلے نظریہ پاکستان علمائے اہلسنت کی طرف سے پیش کیا گیا اور اس کیلئے مولانا نعیم الدین مرادآبادی نے ۱۹۲۵ میں آل انڈیا سنی کانفرنس کی بنیاد رکھی۔(کتاب مذکور،ص ۱۷)
حالانکہ یہ بھی شرمناک جھوٹ ہے۔ہم ماقبل میں ثبوت دے چکے ہیں کہ پاکستان کی حمایت کیلئے آل انڈیا سنی کانفرنس کا سب سے پہلا اجلاس ۱۹۴۵ میں ہوا،اور وہ بھی پاکستان کی حمایت میں نہیں بلکہ عام اجلاس تھا جس میں پیر جماعت علی شاہ نے پاکستان اور مسلم لیگ کی بات رکھی تو اس پر قائد اعظم اور مسلم لیگ پر کفر کے فتوے لگے۔اور مولانا نعیم الدین نے آکر حالات کو سنبھالا۔
دوقومی نظریہ کا بانی نواب احمد رضا خان کو کہنے والوں میں اگر جرات ہے تو احمد رضا خان کی کسی تحریر کا حوالہ دو جس میں اس نے ''دوقومی نظریہ'' کا لفظ استعمال کیا ہو یا یہ کہا کہ ہندو اور مسلمان چونکہ الگ الگ قومیں ہیں لہذا اس بنیاد پر ہندوستان کی تقسیم کی جائے۔ہم ماقبل میں ثابت کرآئے ہیں کہ نواب احمد رضا خان نے نہ صرف مسلم لیگ پر کفر کا فتوی دیا بلکہ تقسیم کا مطالبہ کرنے والوں کو بھی کافر کہا۔

ڈاکٹر اوشیاسانیال لکھتی ہے:

''میں ۱۹۴۶والے اجلاس سے متعلق کچھ گفتگو کرنا چاہوں گی جس میں پاکستان کے مسئلہ پر بحث ہوئی تھی رپورٹ کے مطابق اس اجلاس میں ۵۰۰۰ مشائخ ۷۰۰۰ علماء اور دو لاکھ سنی افراد شریک ہوئے۔قائدین میں سے مولانا نعیم الدین مراد آبادی ،مولانا مصطفی رضاخان (مولانا احمد رضاخان کے چھوٹے بیٹے) مولانا ظفر الدین بہاری اور سید محمد اشرف جیلانی کچھوچھوی شریک تھے ۔آخر الذکر نے اجلاس کے سامنے استقبالیہ کلمات پیش کئے ۔بدقسمتی سے نہ ہی سید محمد اشرف جیلانی کے خطبے سے اور نہ ہی اجلاس میں منظور کی گئی قراردادوں سے اس جلاس کے موقع پر ہونے والے بحث ومباحثے کا کوئی اندازہ ہوتا ہے اسی طرح پاکستان کے مسئلہ پر بھی اس میں کوئی بات شامل نہیں ہے جو اجلاس کے چند ہی سالوں بعد وجود میں آنے والا تھا۔خطبہ میں سیاسی تناظر میں آخیر تک کوئی بات شامل نہیں تھی ۔اس میں پہلے اجلاسات کے خطبوں کی طرح سنی مسلمانوں سے صرف تبلیغ ،مدارس کے قیام اور دین سے تعلق قائم کرنے کے ذریعہ اپنی حالت کو بہتر بنانے کی بات کہی گئی''۔

(عقیدت پر مبنی اسلام اور سیاست،ص ۳۴۳)

غرض مسلم لیگ یا پاکستان کی حمایت اس کانفرنس کے ایجنڈے میں شامل ہی نہ تھی وہ تو پیر جماعت علی شاہ کے منہ سے تحریک پاکستان کے متعلق کچھ نکل گیا تو اس پر بھی اسی کانفرنس میں فتوی بازی شروع ہوگئی۔

شاہ صاحب اپنی جھوٹ کی مشین کو مزید تیز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علیحدہ مملکت کا مفصل اور واضح خاکہ سب سے پہلے 1920 میں اہلسنت وجماعت کے فاضل عالم محمد عبد القدیر بدایونی نے مسٹر گاندھی کے نام ایک خط میں پیش کیا''

(کتاب مذکور،ص ۱۶)

حالانکہ یہ مولانا عبدالقدیر بدایونی تحریک خلافت کے زبردست حامی تھے اور شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے جلسوں کی صدارت کیلئے بلاتے جس کی وجہ سے بریلوی حضرات کی طرف سے ان پر ارتداد کا فتوی جاری ہوا،ملاحظہ ہو:

جماعت رضائے مصطفی بریلی کی شایع کردہ کتاب ''تحقیقات قادریہ ملقب بہ پاسبان مذہب وملت'' کے ابتدائی 16 صفحات میں ان تمام بدایونی بزرگوں کو خوب لتاڑا گیا ہے جو تحریک خلافت میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ساتھ کام کرتے رہے ہیں ۔چنانچہ ان حضرات کی تکفیر کرکے ان کا تعلق اپنے سے کاٹتے ہوئے لکھا گیا کہ

''جس نے وہابیہ، دیوبندیہ، نیچریہ وغیرہم بدمذہبوں سے علاقہ رکھا اس کا علاقہ ہمارے اکابر کرام سے ٹوٹ گیا۔وہ قادری برکاتی دائرے سے خارج ہوگیا، بلکہ مدح وستایش کفار پر یہ فرمادیا گیا کہ کفار کی تعریف کرنے والا انہیں کفار کے شمار میں ہے، انہیں کی رسی میں ہے، انہیں کفار کے ساتھ حشر ہوگا۔''

(تحقیقات قادریہ ص 9)

ایک اور مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

يَوْمَ نَدْعُوْ كُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِهِمْ ''

ارشاد باری ہے: اس (قیامت) دن ہم پکاریں گے ہر گروہ کو اس کے امام کے نام سے ۔اس وقت معلوم ہو گا کہ کون بو الحسینی آل رسولی برکاتی قادری محمدی کہہ کر پکارا جاتا ہے کہ کون گاندھوی تلکی شیخ الہندوی کہہ کر پکارا جاتا ہے؟''

ایک اور جگہ لکھا گیا ہے:

''جس وقت مرتد کو شیخ الہند وصدر جلسہ بنایا ہو گا مشرکین ومرتدین وہابیہ، دیوبندیہ، نیچریہ غیر مقلدین کو مسند وعظ پر بٹھایا ہو گا، جس وقت ان کو ایڈریس دیے ہوں گے، جس وقت ان کی مدح وثنا کے خطبے پڑھے ہوں گے...... سچ کہہ دینا ورنہ دل ہی میں شرما کر تو بہ کا اعلان دے دینا کہ اس وقت مسلمانوں کے آقا قاتل المشرکین والکفار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسا صدمہ عظیم ہوا ہو گا...... مارہرہ مطہرہ کے مشایخ کرام کی ارواح طیبات پر کیا گزری ہو گی؟ سیدی تاج الفحول بدایونی اور مولوی عبدالقیوم صاحب بدایونی کی ارواح کیسی بے چین و بے قرار ہوئی ہوں گی؟ قبریں لرز گئی ہوں گی۔

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے

کیا شان الٰہی ہے ۔کل جن حضرات کے گھر سے بدمذہبوں کا چمکتا رد ہو رہا تھا۔مشرکین وکفار پر لعنت برسائی جاتی تھی، تکفیر کفار کی مشین سرگرم تکفیر تھی، آج اس گھر میں بالعکس اس کے مشرکین وکفار ومرتدین و بدمذہباں سے اتحاد، اتفاق، دوستی محبت، مودت ومالات قایم اور ان کے نیچے کام کیا جارہا ہے۔''

ببین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا

(ص9،10)

ایک اور مقام پر یوں گوہر افشانی کی جاتی ہے:

''کدھر ہیں پارٹی والے قادری برکاتی نوری ہونے کے مدعی؟ خصوصاً جلسہ جمعیت علمائے مجموعہ وہابیہ دیوبندیہ غیر مقلدین نیچریہ مشرکین وغیرہ دہلی میں شریک ہو کر اتحادی تقریریں کرنے والے مرتد (حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن) کو اپنا صدر بنانے والے مشرک کو ہادی و مذکر مبعوث من اللہ کہنے والے اور علمائے اہل سنت اید ہم اللہ یعنی رضا خانیوں کو مخالف اسلام، نصاریٰ کا تنخواہ دار اور دشمن اسلام بتانے والے؟ ذرا گریبان میں منہ ڈال کر شرمائیں اور خود ہی انصاف کریں کہ حضرت میاں صاحب قبلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان والا شان کے مطابق شاہ ابوالبرکات وجملہ مشایخ کرام سلسلہ مارہرہ سے علاقہ رہا یا قطع ہو گیا ببین کہ از کہ بریدی دبا کہ پیوستی

ولیوں سے جدا ہوا ستم گر
ایمان نکل گیا ستم گر

(شعر 4 تحقیقات قادریہ ص8)

مولانا عبدالماجد بدایونی رحمہ اللہ اور مولانا عبدالقدیر بدایونی رحمہ اللہ وغیرہ پر مزید غصہ نکالتے ہوئے لکھا جاتا ہے: ''مسلمانو! دیکھا کہ جناب مولوی عبدالماجد صاحب بدایونی کے پردادا اور مولوی عبدالقدیر صاحب کے والد ماجد حضرت تاج الفحول بدایونی علیہ الرحمۃ نے وعظ میں کیا نصیحت کی کہ کفار مرتدین وہابیہ، نیچریہ روافض وغیرہم جیسے لوگوں کے ساتھ شدت بغض وعناد وعداوت کہ فعل صحابہ کرام فرمایا۔''

(ص11)

تحریک خلافت،اورتحریک ترک موالات کے متعلق بریلوی فتاوی جات آپ نے ماقبل میں پڑھ لئے جبکہ مولانا عبدالقدیر بدایونی ان تحاریک کے صف اول کے رہنما تھے چنانچہ ان کے سیرت نگار لکھتے ہیں:

''آپ نے اپنے زمانے کی تمام ملی وملکی تحریکات میں حصہ لے کرقوم کی صحیح رہنمائی کی۔تحریک خلافت،تحریک موالات،خدام کعبہ اور بزم صوفیہ جیسی تمام تحریکات میں آپ صف اول میں نظر آتے ہیں۔تحریک خلافت اور تحریک ترک موالات کا زمانہ ہندومسلم اتحاد کا زمانہ تھا مگر اس دور میں بعض مسلم قائدین نے جذبات میں ایسے اقدام کئے جو اسلامی نقطہ نظر سے درست قرار نہیں دئے جاسکتے،حضرت عاشق الرسول نے آزادی ہند کیلئے ہندومسلم اتحاد کی ضرورت کومحسوس کرتے ہوئے ان بعض مسلم قائدین کے غلو اور تجاوز پر واضح الفاظ میں تنقید فرمائی۔آپ اپنے خطبہ صدارت لاہور میں ارشاد فرماتے ہیں:

''میں ہندومسلم اتحاد کا حامی رہا ہوں اور اب بھی حامی ہوں اور ہر وہ شخص جو ہندوستان کیلئے مکمل آزادی کا خواہشمند ہے وہ ہندومسلم اتفاق کا حامی ہوگا۔مگر اس طوفان اتحاد کے زمانہ میں بھی میں نے مسلمانوں کے ان اعمال کونفرت کی نگاہ سے دیکھا جو اتحاد کے غلو میں کئے گئے اور جن سے ہماری مذہبی توہین ہوتی تھی۔مسجد کے منبروں پر ہندووں کو چڑھانا،خود مسلمانون کا قشقہ لگانا،وغیرہ وغیرہ یہ بدترین افعال تھے جو ہندوستانی مسلمانوں کے دامن پر بحیثیت مسلمان ہونے کے اب تک بدنما داغ ہیں''۔

(مثنوی غوثیہ ص،۲۲،۲۳،تاج الفحول اکیڈمی بدایوں)

آپ نے مرکزی جمعیۃ علماء ہند کے زیر اہتمام بدایوں میں ایک عظیم کانفرنس منعقد کی''۔

(ایضا،۲۳)

جوآدمی تحریک خلافت کے زمانے میں ہندومسلم اتحاد کا علمبردار ہو جمعیۃ علمائے ہند کے زیر اہتمام جلسے کرواتا ہو وہ تقسیم ہند کا فارمولا کیسے پیش کرسکتا ہے؟ کیا تاریخ کو اس طرح جھوٹ کے سہارے بدلا جاسکتا ہے؟

دلچسپ بات یہ ہے کہ اہل بدعت گاندھی جی کے نام جس کھلے خط کی بات مولانا عبدالقدیر بدایونی کے حوالے سے کررہے ہیں اس میں بھی اختلاف ہے کہ آیا یہ خط ان ہی کا ہے یا کسی اور کا؟ چنانچہ پروفیسر مسعود احمد صاحب لکھتے ہیں:

''لیکن عبدالمقتدر خان شروانی مرحوم،پروفیسر محمد ایوب قادری،ڈاکٹر معین الحق محمد ضیاء الاسلام وغیرہ کا خیال ہے کہ دراصل یہ تجویز ایک غیر معروف شخص محمد عبدالقدیر بلگرامی کے بھائی قاضی عزیز الدین بلگرامی کی تخلیق ہے چونکہ وہ سرکاری افسر تھے اس لئے اپنے نام سے شائع نہ کرسکتے تھے چنانچہ بھائی کا نام ڈال دیا''۔

(تحریک آزادی ہند اور السواد الاعظم ص ۱۵۱،ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور)

دیکھا تاریخ کو مسخ کرنے میں ان حضرات کو کتنا ید طولی حاصل ہے؟۔

شاہ محمد اشرف جیلانی کہتے ہیں کہ دوقومی نظریہ صدر الافاضل نعیم الدین مرادآبادی نے پیش کیا۔

(ملخصا خطبہ صدارت آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس ۱۹۴۶،ص ۲۰)

پیر جماعت علی شاہ کہتا ہے کہ دوقومی نظریہ''سرسید احمد خان'' نے پیش کیا۔

(معارف رضا سالنامہ ۲۰۱۵،۲۰۱٦ کا تحریک پاکستان نمبر،ص ۴۷)

قارئین کرام اندازہ لگائیں جتنے منہ اتنی باتیں۔جھوٹ کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا۔

موصوف مزید جھوٹ بولتے ہیں کہ مسلم لیگ بنی اس کے پہلے متفقہ قائد بانی پاکستان مسٹر محمد علی جناح بنے آل انڈیا سنی کانفرنس کے ذریعہ سنی مشائخ وعلماء نے اس کی حمایت کی اور ایسی تحریک چلی کہ انگریز چولہیں ہل گئیں“(ملخصا ص ۷۰)

موصوف جوش خطابت میں فرماتے ہیں:

”آج مولانا مودودی،مفتی محمود،جمعیت علمائے اسلام،مولوی فضل الرحمن،مولوی سمیع الحق جمعیت علمائے اسلام دوسرا گروپ جماعت اسلامی یہ سب دعوے کرتے ہیں کہ پاکستان ہم نے بنایا میں آپ کو بتاتا ہوں کہ پاکستان کس نے بنایا ہندوستان سے ایک اخبار نکلتا دبدبہ سکندری اس میں ۱۰جون ۱۹۴٦ کی اشاعت میں سنی بنارس کانفرنس منعقد ہوئی جس میں لاکھوں عوام کے سامنے 500 علماء ومشائخ اہلسنت ایک قول کے مطابق سات ہزار علماء نے یہ فیصلہ کیا کہ تمام پاکستان کی حمایت میں ہیں اور ہماری آواز جناح تک پہنچادی جائے کہ اگر جناح صاحب اور مسلم لیگ پاکستان کے مطالبے سے دستبردار بھی ہوجائیں تو ہم اپنی کوشش جاری رکھیں گے ہم دستبردار نہیں ہوں گے“۔ (ملخصا ص ۷٦،۷۷)

ایک طرف تو دعوی کہ پاکستان کی حمایت سنی علماء نے ۱۹۲۵ میں شروع کی لیکن تحریک کی حمایت کی پٹاری سے ۱۹۴٦ کی آل انڈیا سنی کانفرنس۔ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اگر بریلوی اس دعوے میں سچے ہیں کہ انہوں نے مسٹر جناح اور علامہ اقبال سے بھی پہلے پاکستان کی حمایت شروع کر دی تھی تو کسی مستند تاریخی حوالے سے آل انڈیا سنی کانفرنس ۱۹۴٦ کے علاوہ کا کوئی ریکارڈ پیش کریں اور ہم سیرت امیر ملت کے حوالے سے واضح کر چکے ہیں کہ اس کانفرنس میں بھی قائداعظم پر کفر کے فتوے لگے۔

حالانکہ ہم نے ماقبل میں حوالوں کے ڈھیر لگادئے کہ بریلوی اکابر علماء ومشائخ نے تن من دھن کی بازی لگادی مسلم لیگ اور جناح کو کافر ثابت کرنے میں اور پاکستان کی مخالفت کرنے میں۔آج ساری بریلویت کہتی پھرتی ہے کہ سنی مشائخ کانفریس کے بعد پاکستان بنا حالانکہ ۱۹۴٦ میں جو آل انڈیا سنی مشائخ کانفرنس منعقد ہوئی جسے بریلوی تحریک پاکستان کی حمایت میں واحد ریکارڈ کے طور پر پیش کرتے ہیں میں تو یہ کہا جاتا تھا کہ:

”لیگ کے پاکستان کے متعلق دوسری قومیں چیختی ہیں کہ اب تک اس نے پاکستان کے معنی نہ بتائے اور جو بتائے وہ الٹے پلٹے ایک دوسرے سے لڑتے بتائے اگر یہ صحیح ہے تو لیگ کا ہائی کمانڈ اس کا ذمہ دار ہے“۔

(خطبہ صدارت آل انڈیا سنی کانفرنس بنارس ۱۹۴٦،ص ۳۰)

اگر یہ صحیح ہے تو لیگ کا ہائی کمانڈ اس کا ذمہ دار ہے کا جملہ چیخ چیخ کر بتارہا ہے کہ ۱۹۴٦ تک بریلویوں کا مسلم لیگ کے ہائی کمانڈ سے کوئی رابطہ ہی نہیں تھا نہ ان کی مسلم لیگ کے منشور کی طرف رسائی تھی۔بلکہ سنی سنائی باتوں پر ہوائی فائر چل رہے تھے۔اس کے باوجود بھی ان کو یہ شرم نہیں آتی کہ قائداعظم نے اسی سنی کانفرنس کے بل بوتے پر پاکستان حاصل کیا۔

ڈاکٹر اوشیہ سانیال لکھتی ہیں:

”مارہرہ میں محمد میاں نے ۱۹۴٦ میں جماعت اہل سنت کی تشکیل کیلئے اجتماع منعقد کیا تھا جس میں پاکستان کے نظریہ کی مخالفت

کی گئی تھی یہ عرس محمد میاں کے والد کا تھا"۔ (عقیدت پر مبنی سیاست،ص ۱۱۲)

معلوم ہوا کہ یہ مخالفت صرف آل انڈیا سنی کانفرنس ہی میں نہیں کی گئی تھی بلکہ ۱۹۴۶ تک پوری جماعت بریلویہ میں پاکستان کی مخالفت زوروں پر تھی۔

پھر ایک معمولی سیاسی سوچ والا بھی حیرت میں ڈوب جاتا ہے جب وہ ۱۹۴۶ کی اس نام نہاد عظیم الشان آل انڈیا کانفرنس جس میں ہزاروں علمائے بریلویہ اور لاکھوں عوام شریک ہو مسلم لیگ کے قائد جناح تو دور مسلم لیگ کا کوئی ذمہ دار آدمی موجود نہ ہو؟ کوئی یہ تصور کرسکتا ہے کہ آج تو چند ووٹوں کیلئے ٹی پارٹی تک نہیں چھوڑی جاتی تو اتنی اہم کانفرنس جس کی وجہ سے صرف ایک سال بعد پاکستان بن گیا قائداعظم نے اس میں شرکت کیوں نہیں کی؟ کیا قائداعظم اتنے ناواقف سیاستدان تھے؟ کیا اتنے احسان فراموش تھے؟

شرکت تو دور کی بات ان مشایخ کا یہ کہنا کہ مسٹر جناح تک یہ بات پہنچا دو اس بات کو بتلاتا ہے کہ ان کی حیثیت تو یہ تھی کہ وہ اس وقت تک ڈائریکٹ مسلم لیگ کے رابطے میں بھی نہیں آئے تھے بلکہ واسطوں کے ذریعہ مسٹر جناح تک اپنے پیغامات پہنچاتے۔

بہرحال مسٹر جناح تک آپ کا پیغام پہنچا یا نہیں لیکن ماقبل کے فتووں کی روشنی میں جس میں نواب احمد رضاخان صاحب اور ان کے بیٹے مصطفی رضاخان صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں یہ سات ہزار علمائے بریلویہ اور لاکھوں عوام مسلم لیگ پاکستان کی حمایت کی وجہ سے دائرہ اسلام سے خارج ہو چکے ہیں اور اگر بغیر تجدید ایمان وتوبہ اس دنیا سے گئے تو جہنم ان کا ابدی ٹھکانہ ہے۔

شاہ تراب الحق قادری کی ڈھٹائی اور بے شرمی کی انتہاء کا اندازہ اس سے لگائیں کہ مولوی حامد رضاخان اور مصطفی رضاخان کو بھی مسلم لیگ اور پاکستان کی حمایت کرنے والوں میں شامل کردیا۔

(کتاب مذکور،ص ۱۱۸،۱۱۹)

حالانکہ ان دونوں کا فتوی مسلم لیگ اور جناح کے متعلق ماقبل میں ہی گزر چکا ہے۔

قارئین کرام! ہم نیچے شاہ تراب الحق قادری ہی کا ایک جملہ نقل کررہے ہیں اور آپ سے جواب کے متمنی ہیں کہ یہ جملہ کس پر صادق آرہا ہے:

"اب تو جناب جھوٹ اور ڈھٹائی کا یہ عالم ہے اب تو اخبارات میں ان کے مضامین تک بھی آجاتے ہیں کہ تحریک پاکستان میں علمائے دیوبند کا کردار"۔

(کتاب مذکور،ص ۱۴۰)

ماقبل کے فتووں کے بعد اب ذرا اس بے جھوٹ و بے شرمی کو بھی ملاحظہ فرمائیں

"پیر مانکی شریف نے فرمایا: ہر مسلمان مسلم لیگ میں شریک ہو کیونکہ مسلم لیگ ہی ایک ایسی جماعت ہے جو صرف اسلام اور مسلمانوں کی سربلندی اور آزادی کیلئے کوشاں ہے"۔

"مسلم قوم کی واحد نمائندہ جماعت مسلم لیگ"۔

(کتاب مذکور،ص ۱۴۲)

ماقبل کے چوٹی کے بریلوی علماء کے فتاوی کی روشنی میں اس بات میں کتنی سچائی ہے اور پیر مانکی شریف اس وقت جہنم کے کس

درجے میں ہونگے اس کا فیصلہ ان فتاوی کو سامنے رکھ کر آپ خود کرلیں۔

"خلیفہ اعلی حضرت مسلم لیگ جبل پور کے صدر مفتی برہان الحق نے فرمایا۔۔۔اپنے محترم صدر قائداعظم مسٹر جناح کے ارشاد کی تعمیل پر ہر وقت تیار رہیں"۔(کتاب مذکور،ص ۱۴۳)

مسٹر جناح کو قائداعظم کہنے کے بعد برہان الحق صاحب مسلمان رہے یا نہیں اور ان کی بیوی ان کے نکاح میں رہی یا نہیں اس کا فیصلہ ماقبل کے فتووں سے کرلیں۔

"شیخ القرآن عبدالغفور ہزاروی نے فرمایا علماء احناف کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مسلمانوں کو مسلم لیگ میں شامل ہونا چاہئے"۔(کتاب مذکور ص ۱۴۳)

شیخ طریقت پیر فضل شاہ نے فرمایا: مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ مسلم لیگ کے جھنڈے تلے جمع ہوجائیں کیونکہ وہی ان کو نجات دلاسکتی ہے"۔(کتاب مذکور،ص ۱۴۳)

ماقبل کے مفتیان کرام احناف تھے یا وہابیہ؟ نیز وہ فرض کے تاریک تھے یا عامل؟ اس کا فیصلہ آپ خود کرلیں۔ یاد رہے کہ یہ جتنے حوالے ہم نقل کررہے ہیں اس کیلئے تراب الحق صاحب نے کسی قسم کا مستند یا غیر جانبدار حوالہ پیش نہیں کیا بلکہ اپنے ہی مولویوں کی لکھی ہوئی کتاب سے جھوٹ پر جھوٹ بولے جارہے ہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ

مسلم لیگ پر فتوی لگانے والے احمق ہیں

مولوی عبدالعلیم میرٹھی خلیفہ نواب احمد رضاخان فتوی دیتا ہے:

"اسی طرح مولوی میرٹھی صاحب نمائندہ سنّی کانفرنس اپنی اسی تقریر میں فرماتے ہیں **مسلم لیگ کا کام نماز پڑھانا یا فرائض قضاۃ کا انجام دینا ہوتا تو شرعی نقطہ نظر سے گفتگو کی جاسکتی تھی مگر اسے سیاسی جماعت تسلیم کرلینے کے بعد یہ سوال پیدا نہیں ہوتا کہ اس میں کس عقیدے کے لوگ شامل ہیں اور وہ کس وضع قطع کے عادی ہیں مکّار جھوٹا اور احمق ہے**"۔

(ستر باادب سوالات،ص ۱۸)

مسلم لیگ کے خلاف فتوے دینے والے فتنہ پرور اور جاہل اور اسلام کے بدترین دشمن ہیں۔خلیفہ اعلی حضرت کا فتویٰ

۴۶۔ پھر اسی قلمی مہری دستخطی فتوے میں لکھتے ہیں **یہ بدترین مسلم دشمنی ہوگی کہ کفار و اعدائے دین معاندین اسلام سے قانونی دستوری سیاسی قومی جہاد کرنے والی جماعت مسلم لیگ کو معاذ اللہ کافروں کی جماعت قرار دے کر دشمنانِ اسلام مشرکین کی جماعتوں کو طاقت پہنچائی جائے۔ پھر لکھتے ہیں اس انقلابی دور میں مسلمانوں کا آپس میں اپنے ان داخلی اختلافات کو بلاوجہ اور بے ضرورت اچھالنا اپنے اندرونی جھگڑوں کو بے سروپا تعصّب کی ہوا دے کر بھڑکانا مفادِ اسلام و مسلمین کے لئے سخت ضرر رساں ہونے کے علاوہ اس حقیقت کا اتہام اپنے سر لینا ہے جس حقیقت نے مسٹر آزاد اور دیوبندی مولویوں کو کانگریس کا ہمنوا بنایا،** اسی میں لکھتے ہیں **بعض عاقبت نااندیش مولویوں کا مسلم لیگ کے خلاف زبان کھولنا اور قلم یا قدم اٹھانا مصالح ضروریہ وقتیہ سے ذہنوں فتنہ انگیزی**

اور من لم یعرف اهل زمانه فهو جاهل کے مرادف ہے، اور الفتنة اشدّ من القتل سے روگردانی ہے۔ اسی میں لکھتے ہیں **ندوے اور مسلم لیگ میں بیّن فرق ہے** جبلپوری حضرات کی یہ سب عبارتیں اس سوال کے جواب میں ارشاد فرمائی گئی ہیں کہ ''مسلم لیگ خالص سنّی مسلمانوں کی جماعت ہے یا بدمذہبوں لامذہبوں بددینوں بے دینوں گمراہوں مرتدوں کی معجون مرکّب ہے۔''اب عرض ہے کہ وہ غربائے اہلسنّت جو بفضلہ تعالیٰ وبکرم حبیبہ ﷺ اسی ساڑھے تیرہ سو برس والے غریب اسلام قدیم اور اہلسنّت کے سچّے مذہب قدیم کے فدائی ہیں اور اسی بنا پر وہ ندوے اور مسلم لیگ میں شرعاً کچھ فرق نہیں مانتے، اور جس طرح ندوے کی شرکت ورکنیت وامداد واعانت شرعاً حرام ہے اسی طرح کانگریس اور مسلم لیگ دونوں میں سے کسی ایک کی شرکت ورکنیت و امداد و اعانت کو بھی شرعاً حرام مانتے ہیں اور بھولے بھالے سیدھے سادے سنّی مسلمانوں کو تقریراً وتحریراً ہر طرح حسب استطاعت برابر متنبہ فرمارہے ہیں کہ دیکھو وہابی دیوبندی غیر مقلد قادیانی آغاخانی رافضی نیچری کمیونسٹ سوشلسٹ خیال والے دہریے وغیرہم جو کانگریس یا مسلم لیگ پر قابض و دخیل اور کرتادھرتا بنے ہوئے ہیں ان سب بدمذہبوں مرتدوں سے دور رہو ان کو اپنے سے دور رکھو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو گمراہ کردیں کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو فتنے میں ڈال دیں ان سب خادمان اسلام وسنّیت کو ان عبارتوں میں مسلمانوں کا بدترین دشمن دشمنانِ اسلام کی جماعتوں کو طاقت پہنچانے والا مفادِ اسلام ومسلمین کو ضرر پہنچانے والا اپنے اندرونی جھگڑوں کو بے سروپا تعصّب کی ہوا دے کر بھڑکانے والا اپنے داخلی اختلافات کو بلا وجہ اور بے ضرورت اچھالنے والا عاقبت نااندیش وقت کی ضروری مصلحتوں سے غافل فتنہ انگیز اپنے زمانوں کے لوگوں کو نہ پہچاننے والا جاہل اور والفتنة اشدّ من القتل سے روگردانی کرنے والا بتایا یا نہیں؟ یہ جبلپوری ارشادات خالص ندویت بلکہ نیچریت کی تلقین ہیں یا نہیں؟ آیتِ مبارکہ میں فتنے سے مشرکین وکفّار کا کفر وشرک اور ان کا حضور اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وسلّم وصحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مسجد حرام شریف سے روکنا اور حضور اقدس سیّدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وسلّم کو معاذ اللہ ایذائیں دینا مراد ہے یا نہیں؟ جبلپور کے ان مفتی حضرات نے ان فدائیانِ اسلام وسنّیت کو مسلمانوں کا بدترین دشمن اور اس آیت کریمہ سے منہ پھیرنے والا بتا کر ان کو معاذ اللہ کافر ومرتد بھی کہہ دیا یا نہیں؟ مسلمانوں کو بلا وجہ شرعی کافر کہنے والا بحکم شریعتِ مقدّسہ عند الفقہاء خود کافر ہے یا نہیں؟ جب ان کا یہ جبروتی فتویٰ شائع ہوگیا تو ان پر بھی اس سے اشاعتِ توبہ صحیحہ فرض ہے یا نہیں بیّنو اتوجروا''۔

(ستر باادب سوالات، ص ۳۴، ۳۵، ۳۶)

مسلم لیگ کی مخالفت کرنے والوں کا جنازہ نہ پڑھا جائے

ماقبل کے فتوے آپ نے پڑھ لئے کہ مسلم لیگ کی حمایت کرنے والے انہی کی طرح مرتد کافر ہیں لیگ کی حمایت حرام ہے، اب ذرا پیر جماعت علی شاہ کا یہ فتویٰ بھی پڑھ لیں:

''میں فتویٰ دے چکا ہوں کہ جو مسلمان مسلم لیگ کو ووٹ نہ دیں اس کا جنازہ نہ پڑھو اور مسلمانوں کی قبروں میں دفن نہ کرو۔۔۔فقیر اپنے فتویٰ کا پھر اعادہ کرتا ہے کہ جو مسلم لیگ کا مخالف ہے خواہ کوئی ہو اگر مرجائے تو اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے، نہ مسلمانوں کی قبروں میں دفن کیا جائے''۔

(کتاب مذکور، ص ۱۴۵)

اب بریلوی جواب دیں کہ ماقبل میں ہم نے جن بریلوی علماء کے فتوے مسلم لیگ کی مخالفت میں پیش کئے کیا ان لوگوں کو آپ نے گاندھی جی کی ارتھی کے ساتھ آگ لگا دی تھی یا یہودیوں، عیسائیوں کے قبرستان میں ان کو دفنایا؟

ضیاء الحامدی نقشبندی لکھتا ہے:

''تحریک پاکستان محض تقسیم ملک کا نام نہیں بلکہ احیائے اسلام کی ایک کوشش تھی''۔

(پاکستان اور کانگریسی علما کا کردار مندرجہ دیوبندیوں سے لاجواب سوالات، ص ۷۹۱)

معلوم ہوا کہ یہ سارے بریلوی اکابر احیائے اسلام ہی کے مخالف تھے تبھی تو پاکستان کے مخالف ہوئے۔ یہ آدمی مزید لکھتا ہے:

''مسلمان اکابرین نے محسوس کیا کہ ہندوؤں کے تیور صحیح نہیں ہیں چنانچہ حضرت قائد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں تحریک پاکستان کا آغاز ہوا ایک عظیم الشان اور انقلاب آفرین جدوجہد کے بعد مسلم لیگ نے پاکستان کی جنگ جیت لی۔ لیکن کفر اور اسلام کی جنگ میں کانگریسی مولویوں نے انتہائی شرمناک کردار ادا کیا''۔

(پاکستان اور کانگریسی علما کا کردار مندرجہ دیوبندیوں سے لاجواب سوالات، ص ۷۹۰)

پاکستان کی تحریک کو کفر و اسلام کی جنگ بتلانے سے معلوم ہوا کہ تحریک پاکستان اور قائد اعظم کی جتنے بھی بریلوی مولویوں نے مخالف کی وہ سب کے سب کافر ہو کر کافروں کے ساتھ مل کر کفر کی جنگ لڑ کر جہنم کا ایندھن بن چکے ہیں۔

بریلوی کبھی بھی پاکستان کے وفادار نہیں ہو سکتے

یہی موصوف لکھتے ہیں:

''یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ جو لوگ نظریہ پاکستان کے دشمن تھے اور جنہوں نے تحریک پاکستان کی مخالفت کی تھی وہ کبھی بھی پاکستان کے دوست اور وفادار نہیں ہو سکتے''۔

(پاکستان اور کانگریسی علما کا کردار مندرجہ دیوبندیوں سے لاجواب سوالات، ص ۸۱۹)

ماقبل میں ہم نے بریلوی اکابر کی پاکستان و نظریہ پاکستان کی مخالفت پر بیسیوں حوالہ جات پیش کر دئے اور چونکہ آج بھی تمام بریلوی اپنے ان پاکستان مخالف علماء و مشایخ کو اپنا اکابر تسلیم کرتے ہیں ان کے باطل نظریات کو اپنائے ہوئے ہیں لہذا معلوم ہوا کہ یہ ملک دشمن بریلوی کبھی بھی پاکستان کے دوست اور وفادار نہیں ہو سکتے۔

بریلوی صدر الافاضل نعیم الدین مراد آبادی اعلی حضرت کے فتوے کی زد میں

''جب ہندو اپنی حفاظت اس میں سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے محلوں سے علیٰحدہ ہو جائیں اور اپنے حدود علیٰحدہ کر لیں تو مسلمانوں کو یقیناً ان کے محلوں میں جانے اور ان کے ساتھ کاروبار رکھنے سے احتیاط رکھنا چاہیے۔ دونوں اپنے اپنے حدود جداگانہ قرار دیں اور اس نقطے کو ملحوظ رکھ کر سیاسی مباحث کو طے کر لیں، یعنی ہندوستان میں ملک کی تقسیم سے ہندو و مسلم علاقے جدا جدا بنا لیں تاکہ باہمی تصادم کا اندیشہ اور خطرہ باقی نہ رہے۔ ہر علاقے میں اسی علاقے والوں کی حکومت ہو، مسلم علاقے میں مسلمانوں کی اور ہندو علاقوں میں ہندوؤں کی''۔

(ماہ نامہ السواد الاعظم، مراد آباد، شعبان المعظم ۱۳۴۹ء/ جنوری ۱۹۳۱ء، بحوالہ تحریکِ پاکستان اور علماء کرام محمد صادق قصوری ص ۱۴۴)

تا ۱۴۵)

ماقبل میں اعلیٰ حضرت کا فتویٰ گزر چکا کہ ملک کو اس طرح تقسیم کرنا کہ ایک حصے میں کفار کا قانون ایک میں مسلم کا یہ کفر ہے۔

مسلم لیگ کی مخالفت کرنے والے دوزخی ہیں

''دبدبہ سکندری میں مسلم لیگ کو سواد اعظم اور اسکی پیروی و اتباع کو فرض اور اس سے علیحدہ رہنے والے کو دوزخی بتا کر اور آل انڈیا سنی کانفرنس کے مفتی جناب اشتیاق احمد صاحب بریلوی نے اپنے فتوے شایع شدہ وحدت دہلی میں مسلم لیگ کو اہلسنت کی جمہوریت عظمیٰ ٹھرا کر اور خود حضرت والا نے اس مضمون کے مقاصد کی تصدیق و تائید فرما کر ان سب غربائے اہلسنت کو جو غریب اسلام قدیم کا فدائی اور اہلسنت کے سچے مذہب کا قدیم شیدائی ہونے کے سبب کانگریس و مسلم لیگ دونوں سے علیحدہ و بیزار متنفر ہیں دوزخی جہنمی ناری گمراہ بدمذہب بتا دیا یا نہیں''۔

(ستر باادب سوالات،ص ۸۱)

اس فتوے میں جس پر نعیم الدین مراد آبادی کے بھی دستخط ہیں مسلم لیگ کی مخالفت کرنے والے جن میں نواب احمد رضا خان کے پیر و مرشد سے لیکر حشمت رضوی بمع مریدین سب شامل ہیں دوزخی ہوئے۔



بریلوی مولویوں کی انگریزوں سے وفاداری



بریلویت استعمار کی طرف سے ایجاد کردہ ایک سیاسی تحریک

قارئین کرام!!!! پیش نظر مضمون اس تحریک کی داستاں خو چکاں ہے جس نے ملت اسلامیہ کے قلب میں ایسا ناسور پیدا کر دیا جس کا اندمال بہ ظاہر اسباب تا قیامت مشکل ہی نہیں اشد محال ہے۔ میری مراد اس سے ''بریلوی تحریک'' ہے جو کسی بھی حال میں ابن سبا اور ابن صباح کی تحریک سے مختلف نہیں۔ جو بظاہر اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ایک خود ساختہ مذہب میں قوم کو الجھا کر انگریز ایسے دشمن اسلام کی سیاسی اغراض ومقاصد کو پورا کرنے کیلئے اٹھی تھی۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ دینی نزاع ہے حاشا وکلا! ایسا نہیں باللہ العظیم یہ ایک جاسوسی اور مخبری کرنے والی سیاسی جماعت وتحریک ہے جو انگریزوں نے سیاسی مقاصد حاصل کرنے کیلئے پیدا کی اور دامے درمے قدمے سخنے ہر طرح سے مدد کر کے پروان چڑھایا۔

چنانچہ خود انگریز مورخ سر فرانسس رابنس اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

''ان (احمد رضا خان صاح) کا معمول کا طریقہ کار حکومت کی حمایت کرنا تھا اور جنگ عظیم اول اور تحریک خلافت میں انھوں نے مسلسل حکومت کی حمایت جاری رکھی اور 1921ء میں بریلی میں ترک موالات کے مخالف علماء کی ایک کانفرنس منعقد کی ان کا عوام پر خاطر خواہ اثر تھا لیکن مسلمانوں کے پڑھے لکھے طبقے کی حمایت حاصل نہ تھی''۔

(سیپیرٹزم امنگ انڈین مسلم ص 443، کیمبرج یونیورسٹی 1947)

اسی طرح کانپور کے ایک بریلوی رسالے ''استقامت'' نے مفتی اعظم نمبر شائع کیا اس کے ص ۲۳ پر ہے کہ:

جن دنوں ہندوستان میں تحریک خلافت اور ہندو مسلم اتحاد اور انگریزوں کی حکومت کے خاتمہ کی تحریک زوروں پر تھی رجب ۱۳۳۹ھ کا واقعہ ہے کہ خادم آستان بریلی شریف حاضر ہوا اس وقت یہ عام تحریک چل رہی تھی کہ ہندوستان میں ایک قومی حکومت قائم ہوگی اور اس سلسلے میں ایک بہت بڑا اجلاس بریلی میں زیر صدارت ابو الکلام آزاد منعقد ہوا اس اجلاس میں اعلحضرت کو شرکت کی دعوت دی گئی تھی مگر انھوں نے اس جلسے میں شرکت نہیں فرمائی بلکہ اجلاس کے غیر شرعی ہونے پر ستر سوالات بھیج دئے''۔

(استقامت کانپور کا مفتی اعظم نمبر ص ۲۳، رجب ۱۴۰۳ھ، شمارہ ۴)

غور فرمائیں کہ انگریز کو نکالنے کی تحریک زوروں پر تھی اس تحریک میں حصہ نہ لینا بلکہ اس کے غیر شرعی ہونے پر فتوے دینا آخر کس کی نمک حلالی کے ثبوت دے رہے ہیں۔۔؟؟۔

انگریز مورخ سر فرانسس رابنس اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

-The Mashriq of Gorakhpur and all-bashir usually took not of the Pro The Separation Among India]. of Ahmed Raza Khan″"Fatwas Government [268.Page No.Muslim

مشرق اور البشیر اخبارات میں اکثر احمد رضا خان صاحب کے انگریز کے حق میں دئے گئے فتوے شائع ہوتے رہتے۔

یہی انگریز مورخ لکھتا ہے کہ

''ایک پڑھے لکھے اور بچیلے شخص احمد رضا خان بریلوی کے ایکشن اور کام ہمارے نتائج کو بہت اچھی طرح پیش کرتے ہیں۔انہوں نے ایک ہی وقت میں پوری قوت اور زور وشور کے ساتھ برطانوی نو آبادیاتی حکومت کو سپورٹ کیا، جنگ عظیم کے دوران خلافت تحریک، مہاتما گاندھی الائنس کی قوم پرست تحریک کے ساتھ دینے،اور برطانوی حکومت کے خلاف عدم تعاون کی تحریک کی مخالفت کی''۔

(علماء فرنگی محل اینڈ اسلامک کلچر صفحہ ۲۶۳)

The actions of One learned man,the very influcntional Ahmed Rada Khan (1855,1921(of barielly,present our conlusion yet more Clearly....at the same time he Support the colonial Government loudly and vigorousily through world warI,and through the khilafat Movement when he opposed mahatma Gnadhi allaince with tha nationalist movement and and non-Cooperation with the british(ulam farange Mehal and Islamic culture page 263(

اب ذرا اسی کتاب کے اینڈکس کی ایک سرخی بھی ملاحظہ فرمالیں

Khan ahmed rada of bareilly and Support for the British(Index37,37& 47,58,67,196ulma farangi,mehal and Islamic Culture page 263(

صرف یہی نہیں احمد رضا خان صاحب کا پورا خاندان انگریز کا نمک حلال تھا چنانچہ ان کے دادا کاظم علی نے حکومت کی پولیٹیکل خدمات انجام دیں اور بدلے میں کئی جاگیریں وصول کیں۔(بحوالہ اقبال کے ممدوح علماء ص ۱۸ او، اعلحضرت اعلی سیرت)

مولوی احمد رضا خان کے خسر شیخ فضل حسین،نواب کلب علی خان والی رام پور کے مشیروں میں سے تھے اور نواب صاحب انگریزوں کے نہایت معتمد اور خاص آدمی تھے۔احمد رضا خان نے دھوکہ دہی کر کے جب مکہ ومدینہ کے علماء سے اہلسنت کے خلاف کفر کے فتوے حاصل کئے تو نواب صاحب کے دربار سے ان کو ۵۰۰ روپے انعام دیا گیا۔

(ہفت روزہ چٹان لاہور،ص ۱۰، ۲۲ اکتوبر ۱۹۶۶)

ماہنامہ اعلحضرت منظر اسلام بریلوی کے ص ۴۲۳ پر ہے کہ سرکار عالی جا کی طرف سے مدرسہ کیلئے ۲۰۰ روپے ماہوار مقرر کیا گیا جس سے مدرسے کے جملہ اخراجات کی ایک مستقل صورت پیدا ہوگئی۔

غور فرمائیں یہ امداد یں اس وقت مل رہی تھیں جب گندم ڈیڑھ روپے من اور بکرے کا گوشت تین آنے سیر ملتا تھا۔

مولوی احمد رضا خان کا بیٹا اور بریلویوں کا مفتی اعظم ہند مولوی مصطفی رضا خان نے انگریز کے خلاف جہاد کے حرام ہونے کے متعلق ایک رسالہ لکھا اس میں انگریز کے خلاف جہاد کے ناجائز ہونے کے جواز میں پانچ مقدمات پیش کئے جس کے بعد لکھتے ہیں کہ:

ان مقدمات سے ظاہر ہوا کہ جو حکم انسانی قوت وطاقت بشری وسعت واستطاعت سے باہر ہو وہ ہر گز حکم شریعت مطہرہ کا نہیں جس حکم میں کوئی فائدہ نہ ہو عبث ولغو ہو وہ ہر گز ہماری پاک شرع کا حکم نہیں جس حکم میں بے فائدہ اتلاف جان واہلاک نفس ہو وہ اس شرع مبین کا حکم نہیں یونہی جس حکم سے فتنے جاگیں فساد برپا ہوں وہ کبھی مقدس اسلام کا حکم نہیں ہوسکتا اب یہ خود دیکھ لو کہ یہاں اس وقت حکم جہاد میں

تکلیف مالا یطاق ہے یا نہیں؟ اس میں کوئی فائدہ ہے یا سرا رمضرت؟ جانوں کی بے وجہ ہلاکت ہے یا حفاظت فتنہ وفساد کی اثارت ہے یا امانت؟ اس میں مسلمانوں کی عزت ہے یا ذلت؟ یہ حکم قبل از وقت ہے یا خاص وقت پر؟ ان امور پر غور کر لینے کے بعد مسئلہ بالکل صاف ہو جائے گا اصلا خفاء نہ رہے گا۔ (طرق الہدی والارشاد ص ۲۹)

غور فرمائیں کس دیدہ دلیری سے انگریز کے خلاف جہاد کو فتنہ وفساد کہا جا رہا ہے العیاذ باللہ۔

جب انگریز نے ترک خلافت اسلامیہ کو ختم کیا اور اس کے خلاف مسلمانوں نے تحریک خلافت کا آغاز کیا تو عین اس تحریک کے زمانے میں مولوی احمد رضا خان نے ''دوام العیش'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا جس میں فتوی دیا کہ ترکی خلافت، خلافت اسلامیہ نہیں ترکوں کو مسلمانوں پر حکومت وخلافت کرنے کا کوئی حق نہیں اور اس کے دفاع کیلئے مسلمانوں پر جہاد فرض نہیں۔ حالانکہ یہ وہی ترکی خلافت تھی جو چھ (۶) سو سال سے چلی آرہی تھی اس عرصہ میں سینکڑوں فقہاء علماء اور بزرگان دین گزرے کسی نے بھی اس قسم کا فتوی نہ دیا۔ اور سب نے اس خلافت کو خلافت اسلامیہ تسلیم کیا۔ اس خلافت کے خاتمہ کے تباہ کن نتائج آج پوری امت مسلمہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی کہ ہر جگہ امت مسلمہ کفار کے ہاتھوں ذلیل وخوار ہے۔ اس رسالے کے نام پر بھی غور فرمائیں ''دوام العیش''، یعنی ہمیں ہمیشہ کا چین وسکون اسوقت ملے گا جب ترکی خلافت ختم ہوگی اور انگریزی حکومت آئے گی۔

غرض ان حوالہ جات کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ بریلوی کوئی ''مذہبی جماعت یا گروہ یا فرقہ'' نہیں بلکہ خالص ''انگریزی تحریک'' ہے جسے انگریز نے اپنے مقاصد کیلئے چلایا اپنے خلاف لڑنے والے غیور مسلمانوں کو بدنام کرنے کیلئے پیدا کیا۔ انگریز کو بھی علم تھا کہ ہماری یہ سازش اس وقت تک عوام میں مقبول نہیں ہو سکتی جب تک اس کو مذہب اور عقیدت کا رنگ نہ دے دیا جائے چنانچہ اس خالص استعماری تحریک کو ''اہل السنت والجماعت'' کا نام دے کر عوام میں متعارف کروایا گیا کہ ایک طرف تو یہ ہماری کاسہ لیس ہوگی تو دوسری طرف مسلمانوں میں ایک مذہبی بھونچال پیدا کر دیا جائے گا اور اس مذہبی بھونچال کے سبب ہمارے مخالفین کا سارا دھیان سارا زور اور توانائیاں ان مذہبی جھگڑوں پر خرچ ہو جائیں گی خود مولوی احمد رضا خان کو بھی اس بات کا علم تھا کہ میری قائم کردہ یہ جماعت شائد میرے بعد زیادہ عرصہ نہ چل سکے اس لئے مرتے وقت اپنے متعلقین کو یہ وصیت کر گئے کہ

میرا دین ومذہب جو میری کتب سے ظاہر ہے اس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہر فرض سے اہم فرض ہے۔

(وصایا شریف ص ۹)۔

انگریز اور نواب احمد رضا خان صاحب بریلوی

ڈاکٹر اوشا سانیال لکھتی ہیں:

''حیات اعلی حضرت میں مولانا احمد رضا خان کے خاندان اور انگریزوں کے درمیان رشتے کے نسبتا چند حوالوں میں سے ایک حوالہ یہ ہے۔ سوانح کے مصنف اور مولانا احمد رضا خان کے معتقدین کی نگاہ میں یہ واقعہ مولانا رضا علی کی نیکی و پارسائی اور انگریزوں سے ان کی دوری اور نفرت کے رویے پر شاہد عدل ہے۔ بلاشبہ رضا علی ۱۸۵۷ کے انقلاب میں شامل نہیں تھے۔ دونوں فریقوں میں سے کسی بھی طرف سے ان کے اس میں شامل ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ بعد کے سالوں میں مولانا احمد رضا خان کے خاندان (خاندانی شجرے کیلئے دیکھیں

:ضمیمہ)لوگوں نے اگر چہ انگریزی حکومت کی ملازمت اختیار نہیں کی تاہم ایسا لگتا ہے کہ ان کے انگریزی اہل کاروں سے اچھے روابط تھے ۔ان کے دولت مندزمیندار والد کو ۱۸۵۷ کے بعد جائداد کا کم ہی نقصان اٹھانا پڑا۔مولانا احمد رضاخان کے بھتیجے حسنین رضاخان (م:۱۹۸۱)حسنی پریس بریلی کے مالک تھے ۔اس مکتبے سے مولانااحمد رضاخان کی متعدد کتابیں (دیکھئے باب سوم) شائع ہوئیں ۔انگریز ان کا خصوصی احترام کرتے تھے ۔۔۔یہ بات کہی جاتی ہے کہ وہ انگریزوں کیلئے پولیس ٹریبونل کی جانب سے چنگی وصول کیا کرتے تھے ۔۔۔مقامی باشندوں کیلئے انتظامیہ میں اپنے اثر ورسوخ کا استعمال کرتے تھے مولانااحمد رضاخان کے خسر شیخ فضل حسین رام پور ڈاک خانے میں حکومت کے افسر تھے اور نواب رام پور کے حاضر باشوں میں تھے“۔

(عقیدت پر مبنی اسلام اور سیاست،ص ۶۷)

یاد رہے کہ کاشف اقبال صاحب نے دیوبندیت کے بطلان کے انکشاف میں مولانا نانوتوی ؒ کے پولیس تھانے میں اثر و رسوخ کو انگریزی کی ایجنٹی پر محمول کیا ہے پس یہاں انتظامیہ میں اثر و رسوخ بھی احمد رضاخان صاحب اوران کے خاندان کے انگریز کے ایجنٹ ہونے کی مستقل دلیل بنے گی۔

ڈاکٹرنی صاحبہ کہتی ہیں کہ تحریک خلافت میں جب سب مسلمان آپس میں متحد تھے توان کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کیلئے :

”انگریزی حکومت کے اس مخالفانہ ماحول میں ۱۹۱۴ میں مولانا احمد رضاخان نے اذان کی بحث چھیڑ کر ایک مذہبی عمل میں تبدیلی پیدا کرنے کی کوشش کی۔۔۔اس نے عوامی بحث کی شکل اختیار کرلی اوراس میں کافی تلخی آگئی“۔

(عقیدت پر مبنی سیاست،ص ۳۰۲)

گویااس مسئلہ کو بھی خان صاحب نے انگریز کو سہولت پہنچانے کیلئے اچھالا۔نواب احمد رضاخان کی زندگی ہی میں ان پر انگریز کے ایجنٹ ہونے کاالزام لگ چکا تھا چنانچہ بریلوی اخبار:

”دبدبہ سکندری نے مولانااحمد رضاخان کے خلاف عائد کردہ اس الزام کی ایک تفصیلی تردید شائع کی کہ وہ انگریز حکومت کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں“۔

(عقیدت پر مبنی سیاست،ص ۳۰۴)

ڈاکٹرنی صاحبہ لکھتی ہیں:

”۱۹۱۳ میں مولانا عبد الباری لوگوں کو انجمن کارکن بنانے اوراس کیلئے چندہ اکٹھا کرنے میں مشغول رہے ۔مستقل تگ و دو، جدو جہد، احتجاج ،لوگوں کے ساتھ گفت وشنید اور اشتہارات اور پمفلٹ کی تقسیم کے نتیجے میں آٹھ ہزار سے زائد لوگوں نے انجمن کی رکنیت اختیار کی۔مولانااحمد رضاخان کی سرپرستی بھی حاصل کرنے کی کوشش کی گئی اس سلسلے میں مولانا بریلوی سے دوعلما نے خط وکتابت کی لیکن انہوں نے دو بنیادوں پر انجمن کی مخالفت کی: ایک تو یہ کہ اس کے دستور العمل کی زبان سے ان کی نظر میں حکومت کی ناجائز مخالفت مترشح ہوتی تھی اوراس قسم کی مخالفت مسلمانوں کے حق میں نہیں تھی۔مولانابریلوی کااشارہ بظاہر انجمن کی اس تجویز کی طرف تھا کہ مستقبل میں برطانوی حکومت کے خلاف جہاد کااقدام کیا جاسکتا تھا۔مولانااحمد رضاخان کی خواہش تھی کہ دستور العمل کی زبان میں تبدیلی لائی جائے ۔جیسا کہ اس کی وضاحت ماسبق صفحات میں آچکی ہے کہ مولانا بریلوی کے نزدیک برطانوی عہد کا ہندوستان دارالاسلام تھا۔انہوں نے اس تعلق سے اپنی

رائے میں تبدیلی نہیں کی۔ان کے بہت سے معاصر علما اس بات پر ان سے ناراض ہوئے لیکن انہوں نے جہاد کے نظریے کی حمایت نہیں کی"۔

(عقیدت پر مبنی سیاست،ص ۳۰۵،۳۰۶)

ڈاکٹر نی صاحبہ کی اس تحقیق کی تصدیق خود نواب احمد رضا خان صاحب کے اس بیان سے ہوتی ہے جس کو ان کے بیٹے نے قلم بند کیا:

ان مقدمات سے ظاہر ہوا کہ جو حکم انسانی قوت وطاقت بشری وسعت واستطاعت سے باہر ہو وہ ہرگز حکم شریعت مطہرہ کا نہیں جس حکم میں کوئی فائدہ نہ ہو عبث ولغو ہو وہ ہرگز ہماری پاک شرع کا حکم نہیں جس حکم میں بے فائدہ اتلاف جان واہلاک نفس ہو وہ اس شرع مبین کا حکم نہیں یونہی جس حکم سے فتنے جاگیں فساد برپا ہوں وہ کبھی مقدس اسلام کا حکم نہیں ہوسکتا اب یہ خود دیکھ لو کہ یہاں اس وقت حکم جہاد میں تکلیف مالا یطاق ہے یا نہیں؟ اس میں کوئی فائدہ ہے یا سراسر مضرت؟ جانوں کی بے وجہ ہلاکت ہے یا حفاظت فتنہ وفساد کی اثارت ہے یا اماتت؟ اس میں مسلمانوں کی عزت ہے یا ذلت؟ یہ حکم قبل از وقت ہے یا خاص وقت پر؟ ان امور پر غور کر لینے کے بعد مسئلہ بالکل صاف ہو جائے گا اصلا خفاء نہ رہے گا۔(طرق الہدی والارشاد ص ۲۹)

غور فرمائیں کس دیدہ دلیری سے انگریز کے خلاف جہاد کو فتنہ وفساد کہا جارہا ہے العیاذ باللہ۔

نواب احمد رضا خان صاحب کے معتقدین نے ایک جماعت "انصار الاسلام" بنائی اس کے متعلق ڈاکٹرنی صاحبہ لکھتی ہیں:

"انصار الاسلام کی قیادت میں مولانا بریلوی کے قریبی متعبین شامل تھے جیسے مولانا محمد میاں مارہروی،مولانا ظفر الدین بہاری،مولانا نعیم الدین مراد آبادی،مولانا دیدار علی الوری اور بعض دوسرے لوگ۔"انصار الاسلام" پر لوگوں پر یہ الزام عائد کیا کہ وہ برطانوی حکومت کی ایما پر تشکیل دی گئی ہے اور وہ ایک "حکومتی تنظیم" ہے۔اس کی مخالفت کرنے والے خلافت تحریک کے حامیان تھے اور ان کی یہ مخالفت نہایت شدید درجے کی تھی"۔

(عقیدت پر مبنی سیاست،ص۳۰۹)

موصوفہ مزید فرماتی ہیں:

"برطانوی حکومت کے تعلق سے انہوں نے خاموش رضامندی کا رویہ اختیار کیا اس کی کھل کر مخالفت نہیں کی"۔

(عقیدت پر مبنی سیاست،ص ۳۲۰)

"انہوں نے انگریز حکومت کو اپنی تنقید کا ہدف نہیں بنایا جس طرح انہوں نے معاصر مسلم تحریکات کو یا کسی حد تک ہندوؤں کو بنایا"۔

(عقیدت پر مبنی سیاست،ص ۳۲۰)

محققہ صاحب حیران و پریشان ہے وہ پوری کوشش کرتی ہیں کہ احمد رضا خان صاحب پر انگریز کی حمایت کے الزام کو صاف کیا جائے مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا اور لکھتی چلی جاتی ہیں کہ:

"مولانا احمد رضا خان پر بکثرت یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ وہ انگریز کی حکومت کے حامی تھے۔حقیقت یہ ہے کہ ۱۹۱۰ تا ۱۹۲۱ کے دورانئے میں اہم قومی مسائل جیسے تحریک خلافت،تحریک ہجرت،تحریک ترک موالات پر انہوں نے جو موقوف اختیار کیا وہ جمعیۃ علماء ہند کے استعمار مخالف موقف کے بالکلیہ برعکس تھا۔۔۔لیکن اس سے اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ وہ برطانوی حکومت کے مخالف نہیں

تھے۔میں اس پہلو سے بحث کرنا چاہوں گی کہ مولانا احمد رضا خان کو اس وقت تک قومی تحریکات اور سیاسی حق خود ارادیت سے کچھ لینا دینا نہیں تھا جب تک کہ مسلمانوں کو بلاکسی رکاوٹ کے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی حاصل نہ ہو۔اسلامی احکامات پر عمل کرنے کی مسلمانوں کو حاصل شدہ آزادی کی بنا پر ان کی نظر میں ہندوستان دارالاسلام تھا۔۔۔۔برطانوی حکومت کے تعلق سے انہوں نے خاموش رضامندی کا رویہ اختیار کیا اس کی کھل کر مخالفت نہیں کی اس بات کے بجائے انہوں نے اس بات کو ترجیح دی کہ وہ خود کو اس سے الگ رکھیں اور اپنی ایسی شناخت بنائیں جو اس کے جھمیلوں سے دور ہو۔۔۔۔انہوں نے انگریز حکومت کو اپنی تنقید کا ہدف نہیں بنایا جس طرح انہوں نے معاصر مسلم تحریکات کو یا کسی حد تک ہندوؤں کو بنایا''۔

(عقیدت پر مبنی اسلام،ص۳۱۹،۳۲۹)

اس اقتباس سے کیا ثابت ہو رہا ہے ہم اسے انصاف پسند قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

مصنفہ اور کتاب کا تعارف

ڈاکٹر اوشیا سیانیال نے یہ کتاب ''برطانوی ہندوستان میں عقیدت پر مبنی اسلام اور سیاست'' دراصل اعلیٰ حضرت اور ان کی تحریک کے متعلق ایک مقالہ کی صورت میں لکھا موصوفہ چونکہ اعلیٰ حضرت کی تحریک سے کافی متاثر ہیں اس لئے ان کی تحریک کے تعارف میں اس کتاب کو لکھا جسے پاکستان میں ''کتاب محل لاہور'' نے شائع کیا۔اس کتاب کی تیاری میں موصوفہ نے بریلوی مسعود ملت پروفیسر مسعود احمد اور یاسین اختر مصباحی سے خوب استفادہ کیا ان کے ہاں مہمان رہی بلکہ یاسین اختر مصباحی کے ہاں تک تو چار ماہ تک شاگردی میں رہی تاکہ بریلوی اصطلاحات کو اچھی طرح سمجھ سکے۔(عقیدت پر مبنی سیاست،ص۷)

لہذا اس کتاب کا مواد انہی مستند بریلوی علما کی طرف سے مہیا کیا گیا۔بالفرض ایسا نہ بھی ہوتا تو علمائے دیوبند کو بدنام کرنے کیلئے جب پاک و ہند کی تاریخ کے حوالے سے دیوبندیت کے بطلان کے انکشاف میں ہر قسم کے حوالے کو شامل کیا گیا حتی کہ سرسید احمد خان کو بھی ہمارے خلاف ڈال دیا گیا۔ایسی کتب کے حوالے بھی دئے گئے جو کھلم کھلا حضرت مدنیؒ اور علمائے دیوبند کے دشمن تھے تو یہ کتاب تو تمہارے اپنے لوگوں نے لکھوائی ہے۔تو اسی اصول سے ڈاکٹرنی صاحبہ کی یہ کتاب بھی اس باب میں خود بریلوی اصولوں سے مستند ہوں گی ورنہ پہلے اپنی کتاب کے اس حصہ کو آگ لگا کر اس سے اعلان برات کریں اس کے بعد ہم بھی ان حوالوں سے رجوع کر لیں گے۔

مزید حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

انگریز مورخ سر فرانسس رابنس اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ:

-The Mashriq of Gorakhpur and all-bashir usually took not of the Pro The Separation Among India]. of Ahmed Raza Khan″"Fatwas Government [268.Page No.Muslim

مشرق اور البشیر اخبارات میں اکثر احمد رضا خان صاحب کے انگریز کے حق میں دئے گئے فتوے شائع ہوتے رہتے۔

یہی انگریز مورخ لکھتا ہے کہ:

''ایک پڑھے لکھے اور چھیلے شخص احمد رضا خان بریلوی کے ایکشن اور کام ہمارے نتائج کو بہت اچھی طرح پیش کرتے ہیں۔انہوں نے ایک ہی وقت میں پوری قوت اور زور وشور کے ساتھ برطانوی نوآبادیاتی حکومت کو سپورٹ کیا، جنگ عظیم کے دوران خلافت تحریک، مہاتما گاندھی الائنس کی قوم پرست تحریک کے ساتھ دینے، اور برطانوی حکومت کے خلاف عدم تعاون کی تحریک کی مخالفت کی''۔

(علماء فرنگی محل اینڈ اسلامک کلچر صفحہ ۲۶۳)

The actions of One learned man,the very influcntional Ahmed Rada Khan (1855,1921(of barielly,present our conlusion yet more Clearly....at the same time he Support the colonial Government loudly and vigorousily through world warI,and through the khilafat Movement when he opposed mahatma Gnadhi allaince with tha nationalist movement and and non-Cooperation with the british(ulam farange Mehal and Islamic culture page 263(

اب ذرا اسی کتاب کے اینڈکس کی ایک سرخی بھی ملاحظہ فرمالیں

Khan ahmed rada of bareilly and Support for the British(Index37,37& 47,58,67,196ulma farangi,mehal and Islamic Culture page 263(

صرف یہی نہیں احمد رضا خان صاحب کا پورا خاندان انگریز کا نمک حلال تھا چنانچہ ان کے دادا کاظم علی نے حکومت کی پولیٹیکل خدمات انجام دیں اور بدلے میں کئی جاگیریں وصول کیں۔(بحوالہ اقبال کے ممدوح علماء ص ۸ او، اعلحضرت اعلی سیرت)

انگریز کے سخت ترین مخالف علمائے دیوبند پر فتوے انگریز کے حکم پر لگائے گئے

ماقبل کی تمام تر تفصیل سے یہ بات نکھر کر سامنے آجاتی ہے کہ علمائے دیوبند نے انگریز کی بھرپور مخالفت کی انگریز مخالف تحریکوں کو پروان چڑھایا اس کے مقابلے میں ایک طرف نواب احمد رضا خان صاحب نے ان تحریکوں کی نہ صرف مخالفت کی بلکہ ان تحریکوں کے صف اول کے قائدین حضرات علمائے دیوبند کو انگریز کے کہنے پر معاذ اللہ کافر وگستاخ کہا اور ان سے سلام وکلام کو حرام کہا ملاحظہ ہو اس سلسلے میں گھر ہی کی گواہی:

''دیوبندی بریلوی تنازعہ قدیمی نہیں ہے بلکہ یہ انیسویں صدی کے اواخر میں پیدا ہوا اور بیسویں صدی کے اوائل میں بڑھ کر اس نے ہندوستان ہی میں شہرت حاصل کی۔ یہ انگریزوں کے دور حکومت میں پیدا ہوا جو صرف اردو زبان علاقوں والوں ہی میں پھیلا تھا، اس لئے کہ جانبین نے اردو ہی میں بعض ایسی کتب تصنیف کر ڈالیں جن کی بعض عبارتوں کے الفاظ ہی کی وجہ سے اس نے شدت اختیار کی۔ان علاقوں کے مرکز دیوبند اور بریلی تھے۔دونوں مرکزوں نے علاوہ ہندوستان کے تمام عالم اسلام اور بین الاقوام کے دوسرے ممالک کو روشناس کرانا چاہا لیکن سو برس سے زائد گزر چکے پھر بھی ان کے وجوہ فکر کو عالم اسلام اور افریقہ ایشیا یورپ میں بسنے والے کروڑوں مسلمان نہ سمجھ سکے۔کیا ضرورت ہے اس وقت کے ارباب دین وملت کو کہ اس سے آگاہ ہوکر اختلافات کی دنیا الگ الگ بسائیں جب وہ اپنے اپنے دور میں بھی یہاں والوں کو اپنے اپنے ان خاص اختلافی مسائل سے

روشناس نہ کرا سکے۔۔۔عالم اسلام اور ایشیا،افریقہ،یورپ کے ممالک کی سیر وسیاحت کرنے والے حضرات اچھی طرح واقف ہیں کہ یہ سارے علاقے اس تنازعے کو جانتے تک نہیں،لہذا مسلمانان ہند جس طرح اب تک اس جھگڑے سے الگ رہے آئیندہ بھی الگ رہیں تو یہ ملت اسلامیہ کے واسطے نہایت مفید رہے گا،جیسا کہ عالم اسلام اور دنیا بھر کے ممالک میں بسنے والے کروڑوں مسلمان الحمدللہ اس سے نابلد ہیں بلکہ اس تنازعہ کا انہیں باوجود فریقین کی کوششوں کے علم تک نہیں ہے آخر یہ ہے کیا؟ **دراصل یہ انگریزوں کے دور میں پھیلایا ہوا فتنہ ہے کہ کسی طرح مسلمانوں میں باہمی اخوت ومحبت اور دینی وملی اتحاد کا شیرازہ بکھر جائے چنانچہ اس وقت کے نصاریٰ اور ہنود کی کوششیں کامیاب ہوگئیں**"۔

(مسلک ارباب حق،ص ۲۹۸،۲۹۹)

اس کتاب کو شیخ الحدیث پیر غلام رسول قاسمی ،بریلوی مناظر سعید اسد،ڈاکٹر ابو الخیر زبیر کی اجازت وایما پر شایع کیا گیا ہے۔اس میں واضح طور پر اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ یہ تکفیر کا فتنہ انگریز نے پھیلایا تاکہ مسلمانوں کے شیرازہ کو بکھیر دیا جائے اور نواب احمد رضا خان صاحب اس میں کس قدر کامیاب ہوئے اس کا اندازہ اس ایک حوالے سے لگالیں:

"مولانا احمد رضا خان ۵۰ سال مسلسل اسی جدوجہد میں منہمک رہے یہاں تک کہ مستقل دو مکتبہ فکر قائم ہوگئے بریلوی دیوبندی یا وہابی"۔

(سوانح حیات اعلیٰ حضرت۔ص:۸)

خان صاحب کی تحریک خلافت کی بھرپور مخالفت کرنا

تحریک خلافت اور تحریک موالات یہ دونوں تحریکیں انگریز کے خلاف چلائی گئیں تھیں خود بریلویوں کی زبانی سنیے۔

ڈاکٹر مسعود احمد بریلوی لکھتے ہیں:

پہلی جنگ عظیم کے بعد تقریباً 1919ء میں ترکوں پر انگریزوں کے ظلم واستبداد کے خلاف تحریک خلافت کا آغاز ہوا اور پورے ملک میں انگریز حاکموں کے خلاف ایک شورش برپا ہوگئی۔

(فاضل بریلوی اور ترک موالات ص 27)

آگے پھر لکھتے ہیں:

تحریک خلافت اور ترک موالات دونوں کی مشترکہ اساس انگریزوں کی مخالفت ومقاطعت تھی۔

(فاضل بریلوی اور ترک موالات ص 27)

پروفیسر محمد صدیق بریلوی لکھتے ہیں:

برصغیر میں تحریک خلافت اور تحریک ہجرت کے دوران جب 1920ء میں تحریک ترک موالات نے زور پکڑا تو یہ دور اسلامیہ کالج کی تاریخ کا نہایت نازک اور آزمائش کا دور تھا کیوں کہ اس تحریک کے پروگرام میں نہ صرف انگریزی عدالتوں،کونسلوں اور انگریزی ملازمتوں سے علیحدگی بلکہ یونیورسٹی سے ملحق تعلیمی درس گاہوں سے بھی مقاطعہ پر زور دیا گیا تھا سرکاری خطابات کی واپسی اور سرکاری امداد قبول نہ کرنا بھی اس کی ایک شق تھی۔(پروفیسر مولوی حاکم علی،ص 97)

قارئین حضرات!

آپ نے ڈاکٹر مسعود احمد اور پروفیسر محمد صدیق کی عبارتیں پڑھ لیں اور آپ یہ سمجھ گئے کہ یہ دونوں تحریکیں بریلویوں کے نزدیک بھی انگریزوں کے خلاف چلائی گئیں تھیں مگر مولوی احمد رضا نے ان دونوں تحریکوں کے خلاف فتوے بھی دیئے جو انگریزوں کے ایماء سے چھپوا کر لاکھوں کی تعداد میں تقسیم کیے گئے اور ان دونوں تحریکوں کی ڈٹ کر مخالفت کی گئی۔

ڈاکٹر مسعود احمد بریلوی لکھتے ہیں:

ترک موالات کا معاملہ اگر صرف انگریز حاکموں اور مسلمانوں محکوموں کے درمیان ہوتا تو اس کی نوعیت قطعاً مختلف ہوتی مگر ترک موالات کے نتیجے میں فوراً ہی بعد اور حصول آزادی کے بعد زندگی کے ہر شعبے میں جو عدم توازن متوقع تھا بحث اس سے تھی اور اسی بنا پر اس (تحریک ترک موالات) کی شدید مخالفت کی گئی جن متدین علماء نے مخالفت کی ان میں سرفہرست اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی (مولوی احمد رضا) کا نام نامی نظر آتا ہے

(فاضل بریلوی اور ترک موالات ص 27)

ڈاکٹر مسعود احمد بریلوی لکھتے ہیں:

1919ء میں مسئلہ خلافت پیش آیا امام احمد رضا کو شرعی بنیادوں پر اس سے اختلاف تھا امام رضا نے ایک استفتاء کے جواب میں مسئلہ خلافت پر محققانہ بحث کی اور اپنا مؤقف پیش کیا چونکہ اس جواب کی اشاعت سے انگریزوں کو فائدہ پہنچ سکتا تھا اس لیے اس کو شائع نہ کیا چنانچہ یہ جواب 1922ء میں امام احمد رضا کے انتقال کے بعد منظر عام پر آیا۔

(دوام العیش فی الائمۃ من قریش ص 23، 24 افتتاحیہ)

قارئین حضرات جب مولوی احمد رضا نے فتویٰ دیا تو یہ فتویٰ انگریزوں کے موافق تھا اس لیے ان کو فائدہ ہوا جس نے فتویٰ لینا تھا اس نے لے لیا، چھپوانا یا نہ چھپوانا ضروری نہ تھا کیونکہ فتویٰ لینے سے پتہ تو چل گیا کہ یہ فتویٰ انگریزوں کے فائدے کا ہے ڈاکٹر مسعود کو بھی اعتراف ہے کہ ان تحریکوں کی مخالفت کی وجہ سے انگریزوں کو فائدہ پہنچ سکتا تھا اور فائدہ پہنچا تب ہی تو فتوے انگریزوں کے ایماء سے چھپوا کر تقسیم ہوئے۔

محمد ہاشمی میاں بریلوی لکھتے ہیں:

''بات چلی رہی تھی مولانا تھانوی کی ناظرین اپنے ذہن کا رشتہ دوبارہ تھانوی صاحب سے جوڑ لیں تحریک خلافت کو کون نہیں جانتا انگریزوں نے اسے باغی جماعت قرار دیا وہ صرف اس لئے کہ تحریک خلافت متحدہ ہندوستان سے انگریز کو مار بھگانا چاہتی تھی اس کی سرگرمیاں ملک کے طول وعرض میں اتنی سرعت کے ساتھ پھیل گئیں کہ انگریز حکومت کو خطرہ لاحق ہوگیا۔ اس لئے انگریز کو ضرورت محسوس ہوئی ایسے علماء کی جو تحریک خلافت کو بے قاعدہ بے اصول اور بے ایمان قرار دیں''۔

(انوار رضا ص ۴۵۶)

اور ما قبل میں گزر چکا ہے کہ تحریک خلافت کی مخالفت میں نواب احمد رضا خان صاحب کا نام سرفہرست ہے لہذا اپنے ہی اصول سے ان کے اپنے امام کا انگریز کا ایجنٹ ہونا روز روشن کی طرح واضح ہوا۔

مولانا معین الدین اجمیری لکھتے ہیں:

ظاہر ہے کہ گورنمنٹ سے امداد لینا اس کو اپنا محسن بنانا ہے اور یہ انسان کا فطری جذبہ ہے کہ محسن کے ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے۔

(کلمۃ الحق۔ص 45)

تحریک مخالفت نے عوام میں انگریز کے خلاف کیسا غم وغصہ پیدا کیا تھا اس کا انداز اشتیاق احمد قریشی کے اس بیان سے ہوتا ہے:

''چونکہ مسلم رائے عامہ انگریزوں کی غایت درجہ مخالف ہو چکی تھی اس لئے مولانا احمد رضا خان کی اس سے الگ ہٹ کر آواز پر کسی نے بھی کان دھرنے کی کوشش نہیں کی''۔

(علماان پالٹکس،ص ۲۷۰ بحوالہ عقیدت پر مبنی اسلام،ص ۳۱۸)

جس تحریک نے عوام کو انگریز کے مخالف کر دیا ہو تو اب احمد رضا خان اسی تحریک کے خلاف کھڑے ہو جائیں تو کیا اسے انگریز کا ایجنٹ نہیں تو کیا مسلمانوں کی آزادی کا استعارہ کہیں؟ ایسی حرکت بریلی کے کسی احمق سے تو ہو سکتی ہے عقلمندوں سے اس کی توقع عبث ہے۔

مولانا احمد رضا کے نزدیک انگریزوں سے مدرسوں کے لیے

امداد لینا جائز ہے

(1) سوال:

10 محرم 1339ھ کو بنارس کچی باغ سے سوال آیا۔ مدرسہ اسلامیہ عربیہ جس میں پچیس سال سے گورنمنٹ (انگریزی) سے امداد ماہوار ایک سو روپیہ مقرر ہے جس میں کتب فقہ واحادیث وقرآن کی تعلیم ہوتی ہے ممبران خلافت کمیٹی نے تجویز کیا کہ امداد نہ لینا چاہیے پس استفسار ہے کہ یہ امداد لینا جائز ہے یا نہیں۔ مدرسہ ھذا میں سوا تعلیم دینیات کے ایک حرف کسی غیر ملت وغیر زبان کی تعلیم نہیں ہوتی۔

جواب:

اس کا جواب مطلق جواز ہوتا مگر پھر بھی احتیاطاً شکل شرط میں دیا گیا کہ جب کہ وہ مدرسہ صرف دینیات کا ہے اور امداد کی بنا پر انگریزی وغیرہ اس میں داخل نہ کی گئی تو اس کے لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں تعلیم دینیات کو مدد پہنچتی تھی اس کا بند کرنا محض بے وجہ ہے۔

(2) ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

جو مدارس ہر طرح سے خالص اسلامی ہوں اور ان میں وہابیت نیچریت وغیرہما کا دخل نہ ہو ان کا جاری رکھنا موجب اجر عظیم ہے ایسے مدارس کے لیے (انگریزی) گورنمنٹ اگر اپنے پاس سے امداد کرتی لینا جائز تھا نہ کہ جب وہ امداد بھی رعایا ہی کے مال سے ہو۔

(الحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ ص 92،شامل رسائل رضویہ جلد 2)

(3) ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

اور تعلیم دین کے لیے گورنمنٹ (انگریزی) سے امداد قبول کرنا جو نہ مخالفت شرع سے مشروط نہ اس کی طرف منجر ہو یہ تو نفع بے غائلہ ہے۔

(المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ ص 97)

بابر خاں لکھتے ہیں:

1914ء میں جنگ عظیم اول کی ابتدا کے بعد ترکی نے مغربی یورپ کی مسلسل بدعہدیوں اور ناانصافیوں سے عاجز آ کر جرمنی کے ساتھ اتحاد کر لیا تھا۔ برطانیہ (انگریزی حکومت) نے اس سلسلے میں اہل ہند کے بعض علماء سے جن میں مولانا احمد رضا بریلوی خاص طور پر شامل ہیں ترکی کے خلاف فتاویٰ بھی حاصل کر لیے تھے۔

(برصغیر پاک وہند کی سیاست میں علماء کا کردار ص136)

پیام شاہ جہاں پوری لکھتے ہیں:

یہ ہیں احکام اور فقیہان اسلام کے فتاویٰ جن کی بنیاد پر مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی نے فتویٰ دیا کہ مفلس پر اعانت مال نہیں۔ بے دست و پا پر اعانت اعمال نہیں بلکہ مسلمانان ہند پر حکم جہاد وقتال نہیں۔

(دوام العیش ص46)

محمد فاروق قریشی لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان کے مریدوں اور مقلدوں نے ان کے حکم وارشاد کے مطابق عمل کیا اور بریلوی مکتب فکر کے علماء و اکابرین نے بحیثیت جماعت آزادی کی تحریکوں سے کنارہ کشی اختیار کیے رکھی اس کی شدید مخالفت کی اور انگریزوں کے ساتھ تعاون کیا۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

جلیانوالہ باغ، تحریک خلافت اور ترک موالات میں ان کا تعاون برطانوی سرکار کو حاصل رہا۔ انہوں نے برطانوی سرکار سے یک جہتی کے اظہار کے لیے فتوے جاری کیے کئی کتب تصانیف کیں جن میں اپنے مریدوں کو ان میں حصہ لینے سے روکا گیا تھا ان تحریکوں کو فتنہ وفساد قرار دیا یا قومی تحریکوں اور جدو جہد کے بارے میں ان کا رویہ مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا۔

(ولی خان اور قرارداد پاکستان ص309)

ہندوستان کے دارالاسلام ہونے کا فتوی دینا

بریلوی مولوی غلام مہر علی لکھتا ہے:

''حضرت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا اس لئے کہ انگریز اس پر قابض تھے اس کے برخلاف حکیم امت دیوبند وقطب دیوبند یہ فتوی دے رہے تھے کہ ہندوستان کو اکثر دارالاسلام کہتے ہیں۔۔۔اور پھر تھانوی صاحب نے تو جہاد کو حرام کہہ کر ہندوستان کے دارالامان ہونے کی پکی ڈگری دے دی''۔

(دیوبندی مذہب، ص ۸۹)

بریلوی مناظر کے اس حوالے سے معلوم ہوا کہ ہندوستان کو دارالاسلام کہنا یا اس میں جہاد کو حرام کہنا گویا انگریز کی خیرخواہی کرنا ہے اور نواب احمد رضا خان نے عین تحریک خلاف کے وقت ایک پورا رسالہ ہندوستان کے دارالاسلام ہونے پر ''اعلام الاعلام بان ہندوستان دارالسلام'' کے نام سے لکھا۔ اور انگریز کے خلاف جہاد کرنے کو حرام حرام حرام سراسر حماقت لکھا۔ (ملاحظہ ہو طرق الہدی، ص ۳۰، ۳۱)

احمد رضا صابری کا دو ماہی الرضا مارچ، اپریل ۲۰۱۶ ص ۵۵ پر ایک مضمون ''انٹرنیٹ پر افکار رضا کے دریچے'' کے نام سے شایع ہوا ہے۔ جس میں عالمی دائرۃ المعارف ''وکی پیڈیا'' کو پیش کیا گیا ہے کہ اس میں احمد رضا خان کے بارے میں تسلی بخش معلومات ہیں۔ اب اسی وکی پیڈیا میں احمد رضا خان کے سیاسی افکار کے تحت لکھا ہے:

Khan declared that India was Dar al-Islam and that Muslims enjoyed religious freedom there

خان نے ہندوستان کو دارالاسلام قرار دیا کیونکہ یہاں مسلمان آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی رسومات ادا کر سکتے ہیں۔

https//:en.m.wikipedia.org/wiki/Ahmed_Raza_Khan_Barelvi#Political_views

نواب احمد رضا خان بریلوی عالمی یہودی خفیہ تنظیم فری میسن کے کارندے تھے

مشہور عالمی محقق کامران رعد نے اپنی کتاب میں مرزا غلام احمد قادیانی، آغا خان، فضل رسول بدایونی اور احمد رضا خان بریلوی کو فری میسنز کے آلہ کاروں میں شمار کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو ان کی انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ: فری میسنز اور دجال کا سترہواں باب، مطبوعہ لاہور)

خاندان بریلی حکومت انگریزی کا مشیر تھا

نواب احمد رضا خان کے بڑے بھائی حسن رضا خان بریلوی کے اخبار ''روز افزوں'' کا اشتہار ان الفاظ میں شایع کیا گیا:

''اخبار روز افزوں نے ملک میں اپنی روز افزوں ترقی ۱۹۰۲ سے نہایت مستعدی کے ساتھ حمایت مذہب اور پولیٹیکل معاملات پر اپنی آزادانہ ظاہر کر کے بڑا نام پیدا کیا۔ ہم اس کی نسبت ناظرین والاتمکین کی خدمت میں صرف اس قدر عرض کرتے ہیں کہ اگر آپ کو ایسا اخبار دیکھنے کا شوق ہو جو سچوں کا دوست، جھوٹوں کا دشمن، قوم کا خیر خواہ، **گورنمنٹ کا مشیر**، رعایا کے حقوق کا دستگیر ہو تو شہر بریلی کا مشہور اخبار روز افزوں ہفتہ وار دیکھئے''۔

(ماہنامہ سنی دنیا مولانا حسن علی رضوی نمبر، ص ۱۱، اگست ۱۹۹۴)

خط کشیدہ عبارت ''گورنمنٹ کا مشیر'' کے الفاظ ہی بتا رہے ہیں کہ خان صاحب کا سارا خاندان ہی حکومت انگلیشہ کا مشیر تنخواہ دار اور خیر خواہ تھا اس صورت میں ان کی طرف سے حکومت کی مخالفت کا سوال ہی عبث ہے۔

دیگر بریلوی اکابر کی طرف سے انگریز کی خیر خواہی

قارئین حضرات!

ڈاکٹر مسعود احمد بریلوی کو بھی اعتراف ہے کہ بریلوی مولویوں نے انگریوں سے وفاداری اور ان کی حمایت کی اور انگریزوں کی حمایت میں فتوے شائع کیے۔ جب انگریزوں سے وفاداری اور ان کی حمایت کی تو پھر بریلوی انگریز نواز ہوئے۔ ملکہ برطانیہ میری کی درگاہ خواجہ

غریب نواز پر حاضر یا اس کے بعد حضرت خواجہ معین الدین خواجہ غریب نواز کی درگاہ معلی پر رونق افروز ہوئیں۔خواجہ صاحب ایک پاکیزہ نفس بزرگ وعابد تھے۔جو بارہویں صدی (عیسوی) کے ابتداء میں غور سے یہاں تشریف لائے اور اپنے فیض صحبت سے اجمیر میں ترقی اسلام کا باعث ہوئے۔آپ کی درگاہ مرجع خواص وعوام ہے۔جہاں ہندوستان کے ہر حصہ سے زائرین آتے ہیں۔درگاہ مذکور میں وہ ڈھول وشمع دان اب تک موجود ہیں جوشہنشاہ اکبر فتح چتوڑ کے وقت اپنے ہمراہ لائے تھے۔داخلہ خانقاہ کے وقت لفٹنٹ کرنل ڈبلیو آرسٹرلیسٹن کمشنر پریزیڈنٹ وممبران درگاہ کمیٹی نے استقبال کیا اور یہیں ممبران درگاہ کمیٹی کی طرف سے سنہری ونقری تاروں کا ایک گلدستہ پیش ہوا جسے ہر میجسٹی نے بخوشی قبول فرمایا۔اس کے بعد درگاہ شریف میں تشریف لے جا کر پورے احترام ودلچسپی سے اس کا معائنہ فرمایا۔اور چلتے ہوئے یہاں بھی ایک سو پونڈ یعنی پندرہ سو روپیہ بطور نذر دیا۔

(یادگار دربار 1911ء حصہ اول ص 569)

بریلوی مولویوں نے ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت کو مضبوط کیا

جب انگریز ہندوستان میں آئے تو ان کی انگریزی حکومت مضبوط کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی کہ کس طرح انگریزی حکومت کو مضبوط کیا جاسکتا ہے تو انہوں نے تجویز سوچی کہ یہاں کے بڑے بڑے مولویوں کو انگریزی حکومت میں بڑے بڑے عہدے دے دیے جائیں تاکہ ان مولویوں کے ذریعے انگریزی حکومت کو مضبوط کیا جاسکے انگریز ان بریلوی مولویوں کے ذریعے اپنی حکومت مضبوط کرنے میں کامیاب ہو گیا کیونکہ ان مولویوں نے انگریزی حکومت کا پورا پورا ساتھ دیا اور بڑے بڑے عہدے انگریزوں سے حاصل کر لیے اور انگریزی حکومت کو خوب مضبوط کیا۔

مفتی انتظام اللہ شہابی اکبری آبادی کی زبانی سنیے لکھتے ہیں:

انگریزوں کو اس بات کی بڑی خواہش وجستجو رہتی تھی کہ مسلمانوں کے خاندانی اور ذی وجاہت اشخاص افتاء صدارت کے مناصب قبول کر لیں تاکہ شمالی ہند میں انگریزی حکومت عوام میں مقبول ہو سکے ہندوستانیوں کے لیے بڑے سے بڑا عہدہ صدر الصدور عدالت کا تھا اس لیے اکابر وافاضل کو یہی پیش کیا جاسکتا تھا دہلی چونکہ قدیم دار السلطنت اور اسلامی تہذیب کا مرکز تھا اس لیے یہاں کی صدارت کے لیے خصوصیت سے اہتمام کیا جاتا تھا چنانچہ مولانا فضل حق کے والد مولانا فضل امام صدر الصدور بنائے گے ان کے بعد ان کے شاگرد رشید مفتی صدر الدین خان آزردہ صدر الصدور دہلی مقرر ہوئے ان کے متعلق ریذیڈنٹ بادشاہ اکبر ثانی سے بھی مشورہ لیا کرتے تھے ایسے ہی سر رشتہ داری پر مولانا فضل حق مقرر کیے گئے تھے آخر میں یہ بھی لکھنؤ میں حکومت (انگریزی) کی طرف سے صدر الصدور کر دیے گئے۔

(حیات علامہ فضل حق خیر آبادی اوران کے سیاسی کارنامے ص 17)

ڈاکٹر مختار الدین احمد کی زبانی بھی سنیے، لکھتے ہیں:

جب انگریز نے اپنی سلطنت کا استحکام چاہا تو اس نے تجویز سوچی کہ یہاں کے اہل وجاہت اور بااثر ورسوخ اصحاب کو انتظام حکومت میں شامل کرنا چاہیے تاکہ لوگوں کی وحشت دور ہو اور ان کی نظروں میں اس کا وقار بڑھے چنانچہ شخصی مقدمات فیصل کرنے کے لیے علماء اور پنڈتوں کی خدمات حاصل کی گئیں اس منصوبے کے تحت مفتی (صدر الدین) صاحب بھی انگریزوں کے ملازم ہوئے ان کے (انگریز

افسر) جرنیل سر ڈیوڈ اختر لونی کے ساتھ بہت دوستانہ تعلقات تھے اور اسے ان پر کامل اعتماد تھا اس کی سفارش اور وساطت سے یہ انگریزی ملازمت میں داخل ہوئے۔ابتدائی زمانہ ملازمت میں بہت دن تک اختر لونی کے ساتھ بہت دوستانہ تعلقات تھے اور اسے ان پر کامل اعتماد تھا اس کی سفارش اور وساطت سے یہ انگریزی ملازمت میں داخل ہوئے۔ابتدائی زمانہ ملازمت میں بہت دن تک اختر لونی ہی کے ساتھ اجمیر اور نمیچ چھاؤنی اور جے پور میں مقیم رہے ان دنوں یہ چار سو روپے مشاہرہ پاتے تھے اس کے بعد انہیں 15 جون 1844ء کو دہلی میں صدر الصدور مقرر کیا گیا۔

(تذکرہ آزردہ مولفہ مفتی صدر الدین آزردہ، مرتبہ: ڈاکٹر مختار الدین احمد،ص6)

سید محمد ہاشمی میاں بریلوی ایک محقق کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

مولانا فضل امام خیر آبادی صدر الصدور دہلی مفتی صدر الدین آزردہ مفتی عنایت احمد کاکوری مصنف صدر امین کول و بریلی، مولانا فضل رسول بدایونی سر رشتہ دار کلکٹری صدر دفتر سہسوان، مفتی عنایت اللہ گوپاموی قاضی دہلی و سرکاری وکیل الہ آباد، مولانا مفتی لطف اللہ علی گڑھی سر رشتہ دار امین بریلی، علامہ فضل حق خیر آبادی سر رشتہ دار ریزیڈنس دہلی صدر الصدور لکھنؤ مہتمم حضور تحصیل اودھ مولوی غلام قادر گوپاموی ناظر سر رشتہ دار عدالت دیوانی و تحصیل دار گوڑگاؤں مولوی قاضی فیض اللہ کشمیری سر رشتہ دار صدر الصدور دہلی وغیرہ۔یہ سب اپنے وقت کے بے نظیر وعدیم المثال اکابر علماء تھے (انگریزی) حکومت کی باگ دوڑ انہی کے ہاتھ میں تھی۔

(انوار رضا ص436)

قارئین حضرات یہ تھے بریلوی اکابر علماء انگریزی حکومت کی باگ ڈور انہی کے ہاتھ میں تھی اس لیے تو انہوں نے انگریزوں کی حکومت کو مضبوط کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

بریلوی مولویوں کو انگریزوں سے ملازمتیں ملیں

پروفیسر محمد ایوب قادری بریلوی لکھتے ہیں:

جس وقت اللہ کے یہ فرماں بردار بندے (سید احمد بریلوی اور شاہ اسماعیل) دین وملت کی خاطر میدان جہاد میں اپنی جانیں نچھاور کر رہے تھے اس زمانے میں اس تحریک کے سب سے زیادہ مخالف مولانا فضل حق خیر آبادی 1278ھ ف 1861ء ایجنٹ دہلی کے محکمہ میں سر رشتہ دار اور مولوی فضل رسول بدایونی، ف 1289ھ۔1872ء کلکٹری بدایوں (سہسوان) میں سر رشتہ دار تھے۔حکومت برطانیہ کی دور اندیشی اور پالیسی ملاحظہ ہو کہ اس نے مسلمانوں کے ذہین اور صاحب علم وفضل طبقے کو سرکاری خدمات کے لیے حاصل کر لیا۔دہلی میں دبیر الدولہ فرید الدین) 1244ھ،1828ء) منشی زین العابدین (ف 1273ھ،1856ء)، مفتی صدر الدین آزردہ (ف 1285ھ، 1868ء)، مولوی فضل امام خیر آبادی (ف 1244ھ،1829ء)، مولوی محمد صالح خیر آبادی (برادر فضل امام خیر آبادی) منشی فضل عظیم خیر آبادی (فرزند اکبر فضل امام خیر آبادی) مولوی فضل حق خیر آبادی (ف 1278ھ، 1861ء) بدایوں میں مولوی فضل رسول (ف 1289ھ،1872ء) مولوی علی بخش صدر الصدور (ف 1303ھ،6۔1885ء) مراد آباد میں مولوی عبد القادر چیف رام پوری (ف 1265ھ،1849ء) الہ آباد میں مفتی اسد اللہ (ف 1300ھ،1882ء) وقاضی عطا رسول چریا کوٹی کلکتہ میں قاضی نجم الدین خاں

کاکوری (ف 1229ھ، 1813ء) اور ان کے صاحبزدگان۔قاضی سعید الدین (ف 1262ھ، 1846ء) مولوی حکیم الدین (ف 1269ھ،1854ء)اور قاضی علیم الدین (ف 1257ھ،1841ء)وغیرہ مدارس میں قاجی ارتضاء علی گوپاموی (ف 1270ھ، 4۔1853ء)اور تا سک میں خان بہادر مولوی عبد الفتاح مفتی وغیرہ برصغیر پاک وہند کے وہ اعاظم وافاضل ہیں جنہوں نے منصب افتاء اقضا اور صدر الصدوری کے ذریعے سرکار کمپنی کے انتظام واقتدار حکومت کو بحال اور مضبوط کیا۔

(جنگ آزادی 1857ء ص 55،56 حاشیہ)

پروفیسر ایوب قادری لکھتے ہیں:

جب 7۔1806ء میں دہلی میں انگریزی نظم ونسق قائم ہوا اور انگریزوں نے عدالتوں کی تنظیم کی تو اس وقت دہلی میں نامور علماء وفضلا موجود تھے۔شاہ عبد العزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبد القادر، شاہ محمد اسحاق، شاہ اسماعیل، مولانا عبد الخالق شاہ غلام علی نواب قطب الدین خان، مولوی محبوب علی، مولوی کرامت علی وغیرہ کے نام خاص طور سے ذہن میں آرہے ہیں ان میں سے کسی نے مفتی یا صدر الصدور کی حیثیت سے انگریزی ملازمت اختیار نہیں کی بلکہ خیر آباد کے رہنے والے مولانا فضل امام پہلے مفتی اور پھر صدر الصدور کے منصب پر دہلی میں فائز ہوئے۔حقیقت یہ ہے کہ اودھ کے دو خاندانوں نے مجموعی طور سے دولت انگلشیہ کے آغاز میں انگریزی ملازمت اختیار کی اور سرکاری (انگریزی) نظم ونسق کے قیام واستحکام میں مدد دی۔

(مولانا فضل حق خیر آبادی مجموعہ مقالات از افضل حق قریشی ص 16)

یہاں بریلوی اکابر مولوی فضل امام خیر آبادی کے خاندان کے سرکاری ملازموں کے نام بھی ملاحظہ فرمائیں جنہوں نے انگریزی حکومت کو مضبوط سے مضبوط تر کیا۔

پروفیسر ایوب قادری لکھتے ہیں:

دوسرا خاندان مولوی فضل امام خیر آبادی (بریلوی) کا ہے انہوں نے اور ان کے صاحبزدگان اور دوسرے اعزہ نے سرکاری خدمات باحسن وجوہ انجام دیں جیسا کہ ذیل کی فہرست سے ظاہر ہے۔

1۔مولانا فضل امام بن شیخ محمد ارشد فاروقی خیر آبادی (ف 1244ھ، 1829ء) دہلی میں مفتی عدالت اور بعد از اں صدر الصدور ہوئے رشوت کے الزام میں ملازمت سے برطرف ہوئے کچھ دنوں ریاست پٹیالہ سے وابستہ رہے۔

مولوی فضل امام کی رشوت کی بنا پر معطلی:

مولوی فضل امام رشوت لینے پر ملازمت سے معطل کیے گئے تھے مولوی عبد القادر نے لکھا ہے۔مولوی برکت اللہ دہلوی شاہجہان آباد کے صدر دفتر کے محافظ تھے چونکہ گوڈس صاحب بہادر کے وارد ہوتے ہی رشوت کی بنا پر مولوی فضل امام (خیر آبادی) ملازمت سے معطل ہو گئے۔

(علم وعمل ص 199 جلد دوم)

2۔مولوی محمد صالح بن شیخ محمد ارشد خیر آبادی:

مولانا فضل امام کے چھوٹے بھائی، سرکاری اخبار نویس، اکثر راجپوتانہ میں فرائض منصبی ادا کیے۔

3۔مولانا فضل الرحمن بن مولانا فضل امام خیر آبادی:

ریاست پٹیالہ میں اعلیٰ منصب پر فائز رہے۔ان کے دو بیٹے مولوی فضل حکیم اور فضل علیم تھے۔فضل حکیم کے بیٹے خان بہادر فضل متین سیشن جج پٹیالہ تھے۔

4۔مولوی منشی فضل عظیم بن مولانا فضل امام خیر آبادی:

ولیم فریزر کے خاص معتمد و منشی رہے اس لیے منشی فضل عظیم مشہور ہوئے جنگ گورکھاں میں خدمات انجام دیں تحصیل دار ڈپٹی کلکٹر کے عہدوں پر فائز ہوئے۔

5۔مولانا فضل حق بن مولانا فضل امام خیر آبادی:

سر رشتہ دار عدالت دیوانی (رزیڈنسی دہلی)

6۔منشی کرم احمد بن فضل احمد بن احمد حسین (برادر مولانا فضل امام خیر آبادی، جنرل آکٹرلونی کے منشی اور سرکاری اخبار نویس رہے بعد ازاں امجد علی شاہ (اودھ) کے وزیر نواب شرف الدولہ محمد ابراہیم خاں کے میر منشی رہے۔

7۔ برکت علی خان، مولانا فضل امام خیر آبادی کے حقیقی بھانجے:

جنرل آکٹرلونی کے میر منشی مختلف خدمات پر مامور رہے۔

8۔الٰہی بخش نازش ولد محمد صالح (ف 1289ھ) وکیل ریاست ٹونک (دراجمیسر ایجنسی ومیواڑ)

9۔تفصیل حسین بن محفوظ علی خاں، مولانا امام خیر آبادی کی بھانجی کے فرزند (ف 1270ھ) جنرل آکٹرلونی کے یہاں بحیثیت وکیل ریاست ٹونک رہے۔

10۔احمد بخش خیر آبادی، اخبار نویس کشن گڑھ من جانب سرکار۔(رشتہ دار)

11۔مولوی قادر بخش خیر آبادی، عدالت فوجداری پٹیالہ میں صدر الصدور تھے۔(رشتہ دار)

12۔مولوی غلام قادر گوپاموی (سبط مولانا فضل امام) ناظر سر رشتہ دار عدالت دیوانی وتحصیل دار گوڑگاؤں۔

مولانا فضل امام کے ارکان خاندان اور اعزہ مختلف سرکاری (انگریزی حکومت کے) عہدوں پر فائز رہے جس کی بدولت ان کو عزت و ناموری اور مرفہ الحالی اور فارغ البالی حاصل ہوئی۔انگریزی حکومت کو بھی اس کا احساس تھا چنانچہ مولانا فضل حق خیر آبادی کے مقدمہ میں اسپیشل کمشنر نے اپنے فیصلہ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔

”وہ (مولانا فضل حق) اودھ کا باشندہ ہے اور ایک ایسے خاندان کا فرد ہے جو انگریزی حکومت کا ساختہ پرداختہ ہے بلکہ ایک زمانہ میں وہ خود بھی سرکاری ملازمت میں اچھے بڑے عہدہ پر متمکن تھا لیکن گزشتہ کئی برس سے ملازمت ترک کر کے، اودھ، رام پور اور وغیرہ کے متعدد دیسی ریاستوں میں معقول عہدوں پر ممتاز رہا ہے۔اس کی ہمیشہ بہت شہرت رہی ہے۔

مولانا فضل حق خیر آبادی نے اس کی تائید کی ہے چنانچہ وہ اپنی درخواست بنام وزیر ہند (جنوری 1860ء) میں لکھتے ہیں:

”جیسا کہ اسپیشل کمشنر نے بھی اپنے فیصلہ میں ذکر کیا ہے کہ میرا خاندان اپنی دنیوی حیثیت کے لیے بہت حد تک سرکار انگریز کا مرہون

منت ہے ایک زمانہ میں خود بھی انگریزی ملازمت میں بہت اچھے عہدے پر متمکن تھا۔“

(مولانا فضل حق خیر آبادی مجموعہ مقالات از افضل حق قرشی،ص16 تا20)

(1857ء کا جہاد) کے مصنف لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں بریلوی اپنے مریدین باصفا اور بریلوی مکتبہ فکر کے اکابر و عوام کو جو فکر و نظر عطا کر گئے اور جس راستے کی طرف راہنمائی کر گئے ان کے مریدین و متبعین نے اس سے سر مو انحراف نہ کیا پیران طریقت نے ان کی نصیحت کو گرہ میں باندھ لیا کہ امام اہل سنت کی نصیحت تھی اور اس کی بنیاد فقہ اسلامیہ کی مستند کتب پر تھی جس کی رو سے ایک پر امن حکومت کے خلاف خواہ وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہو فتنہ وفساد حرام ہے۔ چنانچہ 1919ء کی جنگ عظیم اول ہو یا ترک موالات و مسئلہ خلافت ہو یا جلیانوالہ باغ کا سانحہ اہل طریقت نے ہر موقع پر حکومت سے تعاون کیا فتنہ وفساد سے اجتناب کیا اور سرکار برطانیہ سے وفاداری کا اظہار کیا۔

(1857ء کا جہاد ص143،144)

محمد فاروق قریشی لکھتے ہیں:

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان کے مریدوں اور مقلدوں نے ان کے حکم وارشاد کے مطابق عمل کیا اور بریلوی مکتب فکر کے علماء و اکابرین نے بحیثیت جماعت آزادی کی تحریکوں سے کنارہ کشی اختیار کیے رکھی اس کی شدید مخالفت کی اور انگریزوں کے ساتھ تعاون کیا۔

پھر آگے لکھتے ہیں:

جلیانوالہ باغ، تحریک خلافت اور ترک موالات میں ان کا تعاون برطانوی سرکار کو حاصل رہا۔انہوں نے برطانوی سرکار سے یک جہتی کے اظہار کے لیے فتوے جاری کیے کئی کتب تصانیف کیں جن میں اپنے مریدوں کو ان میں حصہ لینے سے روکا گیا تھا ان تحریکوں کو فتنہ وفساد قرار دیا یا قومی تحریکوں اور جدو جہد کے بارے میں ان کا رویہ مستحسن قرار نہیں دیا جا سکتا۔

(ولی خان اور قرارداد پاکستان ص309)

مولوی عبدالحکیم شرف قادری بریلوی 1857ء کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کی شکست کے متعلق لکھتا ہے:

سوء اتفاق کہ منظم تیاری نہ ہونے اور اپنوں کی غداری اور غفلت کی وجہ سے انگریز دہلی پر مسلط ہو گئے۔

(باغی ہندوستان ص20 حرف آغاز)

مولوی عبدالحکیم شرف قادری بریلوی کے اپنے کون تھے جنہوں نے مسلمانوں سے غداری کی۔ان کے اپنے بریلوی ہی تھے جنہوں نے مسلمانوں سے غداری کی جس کا اعتراف مولوی عبدالحکیم شرف قادری بریلوی کو ہے۔

حکیم محمود احمد برکاتی بریلوی لکھتا ہے:

دہلی کے مسلمانوں میں سے ایک گروہ انگریزوں کا مخالف اور دشمن ہے مگر دوسرا گروہ انگریزوں کی محبت میں اتنا بڑھا ہوا ہے کہ وہ باغی لشکر کو نقصان دینے اور مجاہدین کو ذلیل و رسوا کرنے میں کوئی کسر اٹھا کے نہیں رکھتا اور ان میں باہم پھوٹ ڈالنے میں مصروف ہے۔

(فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون ص34،35)

قارئین حضرات! 1857ء کی جنگ آزادی میں یہ بریلوی ہی تھے جنہوں نے مسلمانوں سے غداری کی اور انگریزوں سے وفاداری کی

اور مجاہدین کو ذلیل ورسوا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

مولانا فضل رسول بدایونی

حضرت عین الحق شاہ عبدالمجید بدایونی کے بڑے صاحبزادے فضل رسول نام ماہ صفر 1213ھ میں ولادت ہوئی، دادا بزرگوار حضرت شاہ عبدالحمید بدایونی نے ظہور محمدی تاریخی نام رکھا۔ صرف ونحو کی کتابیں دادا سے پڑھیں۔ بروز پنج شنبہ 2 جمادی الاول 1289ھ کو وصال ہوا۔ (تذکرہ علماء اہل سنت ص 208۔210)

مولوی فضل رسول بدایونی نے علم موسیقی بھی حاصل کیا تھا۔ پروفیسر محمد ایوب قادری بریلوی لکھتے ہیں:

مولانا فضل رسول بن مولوی عبدالمجید قادری 1213ھ میں پیدا ہوئے ان کے خاندان میں علم وفضل متورث تھا ابتدائی تعلیم بدایوں میں حاصل کی پھر لکھنؤ میں مولانا نورالحق فرنگی محل سے تحصیل عمل کی علوم دینیہ سے فروغ کے بعد دھول پور میں حکیم پیر علی موہانی سے عمل طب کی تکمیل کی اس زمانے میں عمل موسیقی میں کمال حاصل کیا۔

(اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ص 412)

مولوی فضل رسول بدایونی اپنے مسلک میں بہت زیادہ متعصب تھے اور وہابیوں کے بہت زیادہ مخالف تھے۔

مولوی محمود احمد قادری بریلوی لکھتا ہے:

حضرت نے وہابیت کے انسداد کے لیے بڑی کوشش فرمائی۔ مولوی رضی الدین بسمل بدایونی نے تذکرۃ الواصلین میں لکھا ہے کہ آپ حضرت قطب صاحب کے مزار شریف پر معتکف تھے عین مراقبہ میں دیکھا کہ حضور جناب خواجہ صاحب رونق افروز ہیں اور دونوں دست اقدس میں اس قدر کتب کا انبار ہے کہ آسمان کی طرف حد نظر تک کتاب پر کتاب نظر آئی ہے۔ آپ نے عرض کیا اس قدر تکلیف حضور نے کس لیے گوارا فرمائی؟ ارشاد مبارک ہوا کہ تم یہ بار اپنے ذمہ لے کر شیاطین وہابیوں کا قلع قمع کرو۔ بمجرد اس ارشاد کے آپ نے مراقبہ سے سر اٹھایا اور تعمیل ارشاد والا ضروری خیال فرما کر اسی ہفتہ کتاب مستطاب بوارق محمدیہ تالیف فرمائی۔

یہ حقیقت ہے کہ حضرت سیف اللہ المسلول صف اول کے ان ممتاز علماء ومشائخ میں سے تھے جنہوں نے فتنہ وہابیت کے سد باب کے لیے کوشش بلیغ فرمائی۔

(تذکرہ علماء اہل سنت ص 209،210)

محمد اسحاق بھٹی صاحب لکھتے ہیں:

مولانا فضل رسول بدایونی بہت بڑے فقیہہ اور مجادلہ ومناظرہ میں مشہور تھے اپنے مسلک اور نقطہ نظر میں سخت متعصب تھے علماء سے مخاصمت اور بحث وجدل میں بہت تیز تھے مولانا اسماعیل شہید دہلوی کی تکفیر کرتے تھے اور انہوں نے بدعات ورسوم کی جو تردید کی ہے اس کو غلط قرار دیتے تھے بعض مسائل کی وضاحت کے سلسلے میں حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو بھی ہدف تنقید بنا لیتے اور اس ضمن میں بہت آگے نکل جاتے۔

(فقہائے پاک وہند تیرہویں صدی ہجری جلد سوم ص 134)

مولوی خاص مقتدی خان شروانی (1868ء) لکھتے ہیں:

ان کے زمانے میں مولانا فضل رسول بدایونی (المتوفی 1289ھ) ایسے غالی حنفی تھے ''وہابی'' کو گالی کے طور پر استعمال کرتے تھے وہ مولوی سعدالدین صاحب کو اس درجہ تنگ اور دق کرتے تھے کہ ایک بار ان کا سقا بھنگی تک بند کر دیا تھا مگر مولوی سعدالدین صاحب اس پر بھی اپنی مساعی سے باز نہ آئے۔

(تحفۃ المسلمین ص 113، 114 بحوالہ اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ ص 380)

مولوی فضل رسول بدایونی کی انگریز نوازی:

مولوی فضل رسول بدایونی انگریزوں کے بڑے خیر خواہ اور انگریزوں کے تنخواہ دار ملازم تھے اور وظیفہ خوار اور انگریز نواز تھے۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں مولوی فضل رسول بدایونی کا کردار یہ ہے کہ اس نے انگریزوں کی حمایت کی۔ پروفیسر محمد ایوب قادری بریلوی لکھتے ہیں:

مولوی فضل رسول بدایونی حکومت انگریزی کی ملازمت میں اول مفتی عدالت اور پھر کلکٹری میں رشتہ دار رہے۔ اس زمانہ میں ضلع بدایون کا صدر مقام سہسوان تھا۔ بنارس میں راجہ انوپ سنگھ کے ملازم رہے۔ کچھ مدت بریلی میں مطب کیا جنگ آزادی 1857ء میں جب بدایون سے انگریزوں کا نظم ونسق اٹھ گیا تو جان پر کھیل کر چند روز بدایون کا انتظام کیا اور سرکاری عملے (انگریزوں کے ملازموں) کی حفاظت کی پھر حیدر آباد پہنچے سترہ روپیہ یومیہ کا وظیفہ حاصل کیا۔

(تذکرہ علماء ہند ص 381، 382، حاشیہ)

مولوی فضل رسول بدایونی نے 1857ء کی جنگ آزادی میں اپنی جان پر کھیل کر انگریزوں کے ملازموں کی حفاظت کی کیوں کہ وہ انگریزوں کے بڑے خیر خواہ تھے پروفیسر محمد ایوب قادری بریلوی کی کتاب جنگ آزادی 1857ء کے صفحہ نمبر 140، 141 کا فوٹو اگلے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

۱۴۰

بدایوں میں انگریزی حکومت ختم ہو جانے کے بعد عجیب افراتفری رہی مگر مولوی فضل رسول بدایونی نے کچھ انتظام برقرار رکھا اور لوگوں کی جان و مال بچانے کی کوشش کی۔ حبیب الاخبار بدایوں مورخہ ۲۵ جون ۱۸۵۸ء مطابق ۱۳ ذی قعدہ ۱۲۷۴ھ رقمطراز ہے۔

چونکہ مقدس عالم اور صوفی مولوی فضل رسول نے اعلیٰ انتظامات کئے لہٰذا کوئی ناقابل برداشت خاص واقعہ وقوع پذیر نہ ہوا انہوں نے اپنی جان پر کھیل کر لٹیروں اور غارتگروں کی غارت گری سے لوگوں کو بچانے میں اپنا اثر و رسوخ سے کام لیا اور سرکاری آدمیوں کی حفاظت اور امن کے لئے پوری کوشش کی۔

Because of the excellent arrangements made by the virtuous Divine and Mystic, Maulvi Fazal Rasul, no untoward Occurrence of any importance took place. He, to the risk of his own life, exerted himself to save the people from the ravages of the plunders and the dacoits and to ensure peace and security to the people of Government.

سرکاری ملازم بہاری لال سب ڈپٹی انسپکٹر ساکن بدایوں جو اس زمانے میں وہیں تھا، لکھتا ہے۔[۲]

حقیقت میں موضع کھنک کے ٹھاکروں اور شیر علی نے موضع کھیڑا نوادہ کے مسلمان چودھریوں کی

In fact the Thakurs of Mouza Khutak, (Khunak) and Sherali with Musalman-

بقیہ نوٹ صفحہ گزشتہ ۔ سید احمد شہید کی تیج تقویر (طبع لاہور ۱۹۶۸ء) ہے۔ ملاحظہ ہو ایل ملڈرمتھ آف انڈیا
حصہ اول از سر سید احمد خان (میرٹھ ۱۸۵۸ء) نیز بدایوں ۱۸۵۷ء میں ص۳۴
[۱] فریڈم اسٹرگل حصہ پنجم ص۲۰۰ [۲] فریڈم اسٹرگل جلد پنجم ص۳۱

۱۴۱

Chaudharis	ہمراہی یہ چاہا کہ شہر بدایوں
of Mauza Khera Nawada	کے شرفاء کو لوٹ لیں اور
wanted to plunder the gentry	اس کام کے سلسلے میں اپنے خبط
of the town and thus to satisfy	کو اس طرح تسکین بخشیں
their own craze for such a	لیکن مولوی فضل رسول کے
work. But Maulvi Fazal	اچھے انتظام نے بدایوں کو
Rasul's good administration	مصیبت سے بچا لیا۔ مذکورہ
saved Badaun from mishaps	مولوی ان نیک سیرت اور
The said Maulvi is one of	ولی صفت انسانوں میں سے
those good natured and saintly	ہیں جو آج کل نایاب
persons who are rare these days	ہیں ۔

مولانا فضل رسول بدایونی کے سوانح نگار نے بھی اس واقعہ پر کشف و کرامات کا پردہ ڈالا ہے۔[1] ورنہ حقیقت ظاہر ہے۔[2]

---

[1] اکمل التاریخ جلد دوم از مولوی یعقوب حسین ضیا قادری (بدایوں ۱۹۱۵ء) ص ۲۱۲ - ۲۱۳

[2] مولانا فضل رسول کے اس کارنامے کے بعد اس تحریک میں ان کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔ ان کے حقیقی برادرِ نسبتی غلام حیدر (ف ۱۲۹۲ھ) بن قاضی امام بخش نے اس زمانے میں سہارنپور کے تحصیلدار کی حیثیت سے وفاداری اور خیر خواہی دکھائی خان بہادری کا خطاب مع خلعت و جاگیر میں ملا۔ ڈپٹی کلکٹر ہوئے (بدایوں ۱۲۸۰ھ میں ص ۵۰) فضل رسول کے بھانجے اور داماد مولوی فیض احمد بدایونی اس تحریک میں شریک رہے۔ مولانا مولوی فیض احمد کو تلاش کرنے قسطنطنیہ تک پہونچے وہاں اعزاز و اکرام پایا۔ اس کے بعد حیدرآباد پہونچے وہاں ستر روپے یومیہ وظیفہ پایا موروثی جائداد کا معافی نامہ کمشنر مرادآباد سے مولانا نے حاصل کیا۔ مولانا فضل رسول کو رد وہابیت رسالے لکھنے کو

مولوی محمد سلیمان بدایونی لکھتا ہے:

مولانا کا وصال 1289ھ میں ہوا یہاں پر مناسب ہو گا کہ اکمل التاریخ حصہ اول ص 100 کے الفاظ بجنسہ نقل کر دیے جائیں دربار اودھ سے جائداد اور معافیات مصارف کے لیے نذر کی گئیں جس کے فرمان و اسناد اب تک موجود ہیں غدر (1857ء کی جنگ آزادی)

کے بعد سرکار برطانیہ (انگریزی حکومت) کی جانب سے من جملہ معافیات سابقہ عطیات شاہان سلف کے موجودہ جائداد معافی دوامی کا سار ٹیفکیٹ آپ کے ہی نام کمشنری مراد آباد سے صادر ہوا۔

(بدایوں 1857ء میں ص 53)

مولوی فضل رسول کی اکثر تصانیف سرکاری ملازمین کی مدد سے شائع ہوئی تھیں اور ریاست حیدر آباد سے سترہ روپے وظیفہ ملتا تھا۔

پروفیسر محمد ایوب قادری بریلوی لکھتے ہیں:

مولانا فضل رسول بدایونی کی تصانیف کی طباعت کے سلسلے میں ایک بات خاص طور سے ہم نے نوٹ کی کہ ان کی اکثر تصانیف کسی نہ کسی سرکاری ملازم کی اعانت سے شائع ہوئی ہیں۔شاید یہاں یہ ذکر بھی بے محل نہ ہو کہ مولوی فضل رسول بدایونی کو ریاست حیدر آباد سے سترہ روپے یومیہ وظیفہ دیا گیا جو بعد کو گیارہ روپے یومیہ ہو گیا اور 1915ء تک ان کی اولاد کو ملتا رہا جیسا کہ ان کے سوانح نگار نے لکھا ہے۔

(جنگ آزادی 1857ء ص 63)

مولانا غلام حیدر

مولوی غلام حیدر ولد امام بخش مولوی فضل رسول بدایونی کے حقیقی برادر نسبتی (سالا صاحب) تھے۔مولوی غلام حیدر انگریزوں کے بڑے وفادار اور خیر خواہ تھے۔انگریزوں سے وفاداری کے صلے میں ان کو انگریزوں سے خان بہادر کا خطاب اور جاگیر ملی تھی۔

مولوی محمد سلیمان بدایونی لکھتے ہیں:

مولوی غلام حیدر ولد امام بخش شیخ صدیقی حمیدی بدایونی 1266ھ میں مارہرہ ضلع ایٹہ میں سب انسپکٹر پولیس تھے اور سہارنپور میں تحصیل دار بھی تھے۔تحریک آزادی 1857ء بحیثیت تحصیل دار کے وفادار اور خیر خواہ (انگریزوں کے) رہے اس صلہ میں انگریز نے خاں بہادر کے خطاب کے علاوہ موضع بھڈ ولی ضلع بلند شہر میں جاگیر عطا کی ڈپٹی کلکٹر ہوئے۔

(بدایوں 1857ء میں ص 54)

مولانا فضل حق خیر آبادی

مولوی فضل حق خیر آبادی، عمری، حنفی، ماتریدی، چشتی 1212ھ 1797ء میں پیدا ہوئے اپنے والد مولوی فضل امام کے شاگرد تھے، حدیث مولانا عبدالقادر دہلوی سے پڑھی، قرآن مجید چار ماہ میں حفظ کر لیا تیرہ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گئے۔شاہ دھومن دہلوی کے مرید تھے۔(تذکرہ علمائے ہند ص 382)

مولوی فضل حق خیر آبادی اور انگریزی ملازمت:

سلمہ سیہول بریلوی لکھتی ہے:

علامہ نے سب سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی میں ملازمت کی اور انیس سال کی عمر میں 1231ھ 1816ء سے کچھ قبل سر رشتہ دار عدالت دیوانی (کچہری چیف) مقرر ہوئے سولہ سال تک یہ ملازمت کی اور پھر 1245ھ 1831ء کے اواخر میں پینتیس سال کی عمر میں مستعفی ہو گئے۔(علامہ فضل خیر آبادی ص 48)

پروفیسر ایوب قادری بریلوی لکھتے ہیں:

مولانا فضل حق کی زندگی کا آغاز رزیڈنسی (انگریزی ملازمت) دہلی کی ملازمت سے ہوا پھر وہ جھجر، سہارنپور، ٹونک نواب، رام پور، واجد علی شاہ (لکھنؤ) اور راجا الور کے یہاں ملازم رہے۔

(مولانا فضل حق خیرآبادی از افضل حق قرشی ص 12)

مولوی فضل حق خیرآبادی کے مشاغل:

مولوی فضل حق خیرآبادی شطرنج کے بڑے شوقین تھے۔ مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی لکھتے ہیں:

علامہ کو شطرنج کا بے حد شوق تھا اور حکیم مومن سے بازی رہتی تھی۔

(حیات علامہ فضل حق خیرآبادی اور ان کے سیاسی کارنامے ص 24)

مولوی رحمان علی لکھتے ہیں:

1264ھ 1848ء میں، میں ان کی خدمت میں لکھنؤ حاضر ہوا تو عین حقہ پینے اور شطرنج کھیلنے کی حالت میں ایک طالب علم کو افق المبین کا سبق دے رہے تھے۔ (تذکرہ علمائے ہند 383)

سلمہ سیہول بریلوی لکھتی ہے:

علامہ خالصتاً ذہانت سے تعلق رکھنے والے کھیل شطرنج کا نہ صرف علم رکھتے بلکہ پوری مہارت رکھتے تھے۔

(علامہ محمد فضل حق خیرآبادی ص 97)

نواب صدیق حسن خاں صاحب تاریخ قنوج میں لکھتے ہیں:

فقیر (نواب صدیق حسن) کو ان کی صحبت دہلی میں حضرت استاد کے مکان پر نصیب ہوئی۔ اس قدر علم و کمال اور علم و حکمت اور فلسفہ، ریاضی، عربی ادب اور لغت میں اتنی دستگاہ ہونے کے باوجود حسن اخلاق اور عالمانہ تواضع سے بہت دور تھے۔ ان کا مزاج امیرانہ تھا ان کی توجہ عیش و عشرت کی جانب تھی اور غیر شرعی لباس اور نرد اور شطرنج کی کھیلوں میں بے حد فخر محسوس کرتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ داڑھی چڑھی ہوئی اور لباس شاہانہ ہے۔

(تاریخ قنوج ص 36 بحوالہ علامہ فضل حق خیرآبادی اور جہاد آزادی ص 165)

شطرنج اور نرد کے متعلق حکم:

حضرت بریدہ اپنے والد رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے چوسر (نرد تیر) کو کھیلا اس نے گویا اپنے ہاتھوں کو خنزیر کے خون اور گوشت سے رنگ لیا۔ (شرح صحیح مسلم جلد نمبر 6 ص 636)

مولوی غلام رسول سعیدی بریلوی لکھتے ہیں:

شطرنج بھی چوسر کی طرح حرام ہے۔ البتہ چوسر کی حرمت زیادہ شدید ہے کیونکہ اس کی حرمت میں صریح نص وارد ہے۔ اور شطرنج کو چوسر (نرد تیر) پر قیاس کر کے حرام کہا ہے۔ قاضی ابوالحسین نے ذکر کیا کہ حضرت علی بن ابی طالب، حضرت ابی عمر حضرت ابن عباس رضی اللہ

عنہم سعید بن مسیب، قاسم، سالم، عروہ، محمد بن علی بن حسین، وراق اور امام مالک کے نزدیک شطرنج حرام اور یہی قول امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔(شرح صحیح مسلم ج6 ص636)

مولانا احمد رضا کا فتویٰ شطرنج کے متعلق:

مسئلہ: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ تاش وشطرنج کھیلنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: دونوں ناجائز ہیں اور تاش زیادہ گناہ وحرام کہ اس میں تصاویر بھی ہیں۔

ومسئلۃ الشطرنج مبسوط فی الدرر وغیرھا من الحظر والشہادات والصواب اطلاق المنع کما اوضحہ فی ردالمحتار۔ واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

(احکام شریعت حصہ سوم ص233)

مولانا فضل حق خیرآبادی اور کالا خضاب:

مفتی انتظام اللہ شہابی اکبرآبادی لکھتے ہیں:

مولانا بایں علم وفضل خشک طبیعت نہ رکھتے تھے، زندہ دلی، رفیق طبیعت تھی۔ مرحوم جس زمانہ میں انگریزی حکومت کے ملازم تھے، ڈاڑھی سفید ہونے کو آئی خضاب کا استعمال شروع کیا ان کے ایک مولوی دوست کو اس پر سخت اعتراض تھا اور وہ ہمیشہ مولانا سے کہا کرتے تھے آپ خضاب کیوں لگاتے ہیں؟ مولانا ہمیشہ اپنے مولوی دوست کا یہ اعتراض سن کر خاموش ہوجاتے تھے ایک دن ضبط نہ کرسکے کہنے لگے مولوی صاحب کوئی دنیا کمانے کے لیے مسجد میں مولوی بن کر بیٹھتا ہے کوئی پیری مریدی کرتا ہے کوئی لوگوں کو تعویذ لکھ کر دیتا ہے۔ میں بھی آخر دنیادار ہوں کھانے کے لیے مریدوں اور غریبوں کی جیب نہیں کاٹتا صرف اپنا ہی منہ سیاہ کرلیتا ہوں۔

(حیات علامہ فضل حق خیرآبادی اور ان کے سیاسی کارنامے ص33)

مولانا احمد رضا کا فتویٰ کالے خضاب کے متعلق:

مسئلہ 24 جمادی الاولیٰ 1338ھ۔ کیا حکم ہے علمائے اہل سنت کا کہ خضاب کالگانا جائز ہے یا نہیں بعض علماء جواز کا فتویٰ دیتے ہیں۔ بینوا توجروا۔

الجواب: سرخ یا زرد خضاب اچھا ہے۔ اور زرد بہتر اور سیاہ خضاب کو حدیث میں فرمایا کافر کا خضاب ہے۔ دوسری حدیث ہے۔ اللہ تعالیٰ روز قیامت اس کا منہ کالا کرے گا۔ یہ حرام ہے، جواز کا فتویٰ باطل ومردود ہے۔ ہمارا مفصل فتویٰ اس بارے میں مدت کا شائع ہو چکا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان (بالوں) کو کسی چیز سے تبدیل نہ کرو اور سیاہ رنگ سے اجتناب کرو۔

(شرح صحیح مسلم ج6 ص410)

نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں:

میں نے شیخ فضل حق کو اپنی طالب علی کے زمانہ میں مسجد دہلی میں دیکھا تھا اس وقت وہ بوڑھے ہوچکے تھے اور وہاں وہ جمعہ کی نماز

کے لیے آئے تھے ان کا لباس علماء کا نہیں بلکہ امراء کا تھا۔

(ابجد العلوم ص915 بحوالہ علامہ فضل حق خیر آبادی اور جہاد آزادی ص163، 164)

مولانا سید عبدالحیؒ لکھتے ہیں:

ان کی وضع قطع علماء کی سی نہیں تھی، امراء کی سی تھی، شطرنج کھیلتے اور مزامیر سنتے اور مجالس رقص میں شرکت اور دوسری ممنوع باتوں سے بھی پرہیز نہیں کرتے تھے۔

(نزہۃ الخواطر ج7 ص275)

حکیم محمود احمد برکاتی بریلوی، مولوی محمد حسین آزاد اور نواب سرور جنگ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

مولانا محمد حسین آزاد لکھتے ہیں: مولوی فضل حق صاحب مرزا (غالب) کے بڑے دوست تھے ایک دن مرزا ان کی ملاقات کو گئے ان (مولانا) کی عادت تھی کہ جب کوئی بے تکلف دوست آیا کرتا تو خالق باری کا یہ مصرع پڑھا کرتے تھے۔ ''بیا برادر آورے بھائی''۔ چنانچہ مرزا صاحب کی تعظیم کو اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ مصرع کہہ کر بٹھایا۔ ابھی بیٹھے تھے کہ مولوی فضل حق صاحب کی رنڈی (فاحشہ عورت، طوائف) بھی دوسرے دالان سے اٹھ کر پاس آن بیٹھی۔ مرزا نے فرمایا یاں صاحب اب وہ دوسرا مصرع بھی فرما دیجیے۔ ''بنشیں مادر بیٹھ ری مائی''۔

اس لطیفے کا صحیح واقعہ مرزا غالب کی بہن کے پوتے نواب سرور جنگ نے اپنی خودنوشت میں اس طرح درج کیا ہے۔ مرزا غالب کی مولانا فضل حق سے کمال دوستی تھی ہر شب کو معمولاً مرزا مولانا کے پاس جایا کرتے تھے۔ ایک شب کو مولانا جو سررشتہ دار ریزیڈنٹ تھے باہر صحن میں بیٹھے ہوئے کچھ مثلیں دیکھ رہے تھے۔ ایک رنڈی (فاحشہ عورت، طوائف) بھی اس امر کی منتظر کہ مولانا دیکھ لیں تو سلام کر کے بیٹھ جاؤں۔ کھڑی ہوئی تھی اس عرصے میں مرزا لالٹین لیے آگے آگے پہنچے مولانا نے سر اٹھا کر کہا: ''بیا برادر آورے بھائی''۔ مرزا نے کہا دوسرا مصرع بھی پڑھ دیجیے کہ دیر سے منتظر کھڑی ہے۔ دوسرا مصرع یہ ہے: ''بنشیں مادر بیٹھی ری مائی''۔

(آب حیات ص227، کارنامہ سروری ص37 بحوالہ غالب نام آورم

بحوالہ فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون 125، 126)

مولوی عبدالشاہد خان شروانی لکھتے ہیں:

ابتدا عمر ہی سے عیش وعشرت کے خوگر تھے۔ حکمران ہونے پر بھی عادت نے ساتھ نہ چھوڑا۔

(باغی ہندوستان ص84)

مولانا فضل حق خیر آبادی کی زبانی اور سنیے:

کس قدر افسوس ہے کہ میں اپنی عمر خواہشات میں برباد اور اپنی زندگی بداعمالی میں تباہ کرتا رہا اپنی عزت وتوقیر واہیات باتوں کی وجہ سے گراتا اور اپنی پونجی کی بڑی مقدار مٹاتا رہا، حیات کے خوش گوار دن اترائے میں اور بہترین ایام لہو ولعب میں گزارتا رہا۔

(باغی ہندوستان ص126)

مولانا فضل حق خیر آبادی بدعتی کہلاتا تھا:

مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی لکھتے ہیں:

علامہ فضل حق کو بھی یہ انداز ناگوار گزرا علامہ خود بھی بدعتی کہلاتے تھے۔

(حیات علامہ فضل حق خیرآبادی اوران کے سیاسی کارنامے ص20)

واقعہ ہنومان گڑھی اور مولانا فضل حق خیرآبادی کی انگریز سے خیرخواہی:

ہنومان گڑھی کے واقعہ میں مولوی فضل حق خیرآبادی نے انگریزوں کا ساتھ دیا تھا اور مولوی امیر علی کے قتل اور جہاد کے خلاف فتویٰ دیا تھا اس وقت مولوی فضل حق خیرآبادی انگریزوں کے ملازم تھے۔

سلمہ سیہول بریلوی لکھتی ہے:

علامہ فضل حق خیرآبادی ان دنوں وہاں صدرالصدور اور مہتمم کچہری حضور کے منصب پرفائز تھے۔

(علامہ فضل حق خیرآبادی ص331)

عبدالشاہد خاں شروانی لکھتے ہیں:

1848ء میں لارڈ ہارڈنگ گورنر جنرل ہند کی تنبیہ پر حضور کونسل قائم کی گئی تھی جس کے صدر مہتمم علامہ فضل حق خیرآبادی بنائے گئے تھے حکام کے مظالم اور رعایا کی ابتری کی ویسے ہی شکایت تھی اس عزم و جہاد اور شاہ صاحب کے اعلان پر مسلمانوں کے جوش وخروش نے ہوش و حواس گم کردیے شاہ صاحب (مولانا امیر علی) کے سمجھانے کے لیے علماء و امراء کو بھیجا علامہ نے بھی عہدے کی ذمہ داری اور بسہولت مطلب برآری کی بناء پر گفتگو میں حصہ لیا۔(باغی ہندوستان ص135)

پروفیسر محمد ایوب قادری قیصر التواریخ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

ہنومان گڑھی کا واقعہ واجد علی شاہ کے عہد کا ایک حادثہ کا حصہ ہے۔اجودھیا میں بابر کے عہد کی ایک مسجد اور چند دوسری مساجد بھی تھیں، ساتھ ہنومان گڑھی کے نام سے ہندوؤں کا ایک استھان اور مندر تھا، مسلمانوں کی قلت تعداد کی وجہ سے ہندو ہمیشہ ان مساجد کی بے حرمتی کرتے تھے۔واجد علی شاہ کے زمانے میں ہند تعلقہ داروں کی شہ پر گڑھی کے مہنت اور بھی خودسر ہو گئے انہوں نے مسجد کے ایک حصے کو نقصان پہنچایا، اذان دینے کی ممانعت کردی اور مسجد کی بے حرمتی کی۔جولائی 1855ء میں شاہ غلام حسین اور مولوی محمد صالح اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر ایک جماعت لے کر ہنومان گڑھی پہنچے بیراگیوں نے انہیں گھیر لیا، حکومت کے بعض افسر بھی رشوت لے کر ان سے مل گئے، بیراگیوں سے مل گئے، بیراگیوں سے مقابلہ ہوا 269 مسلمان مسجد میں ذبح کردیے گئے، قرآن کریم کو پیروں سے روندا گیا جوتے پہن کر مسجد میں سنکھ بجایا گیا یہ سب کچھ واجد علی شاہ کی حکومت اور علی نقی خان کی وزارت میں ہوا۔

(قیصر التواریخ جلد دوم ص112)

اس قومی حادثے اور ناموس اسلام کی ہتک پر مولوی امیر علی جہاد کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے ان کی تقریروں نے مسلمانوں میں آگ لگا دی اور ہیجان برپا کردیا رام پور، بریلی پیلی بیت، اضلاع روہیل کھنڈ سے مجاہدین پہنچنے لگے، واجد علی شاہ کی حکومت پریشان ہوگئی وزیر علی نقی کی بری حالت ہوئی امراء عمائد سمجھانے بجھانے کے لیے دوڑے حکومت کے عمال ہندو تعلقہ داروں سے مل گئے تھے۔مجتہدین اور علماء نے حکومت کی مدد کی مفتی سعد اللہ مراد آبادی ف 1294ھ، مولوی ابوالحسن فرنگی محل ف 1283ھ۔1866ء، مولوی حسین احمد ملیح آبادی

ف 1275ھ۔ 1859ء، مولوی محمد یوسف فرنگی محل ف 1286ھ۔ 1870ء، مولوی برہان الحق فرنگی ف 1286ھ۔ 1870ء، مولوی خادم احمد فرنگی محل ف 1271ھ۔ 1855ء، مولوی تراب علی ف 1281ھ اور مولانا فضل حق خیر آبادی وہ نامور علماء ہیں جنہوں نے حکومت اودھ کے نقطہ نظر کی تائید وتوثیق کی ظاہر ہے کہ اس سے مولوی امیر علی کی تحریک کو نقصان پہنچا مولوی فضل حق اور مفتی سعد اللہ تو خیر حکومت اودھ کے ذمے دار اور ملازم تھے اور وزیر علی نقی خان سے تعلق رکھنے والے تھے لہٰذا مجبور تھے۔

(مولانا فضل حق خیر آبادی ص 63،64 فضل حق قریشی)

یاد رہے کہ خود بریلویوں نے اقرار کیا ہے کہ پروفیسر ایوب قادری صاحب مرحوم ہمارے آدمی ہیں۔ چنانچہ پیرزادہ اقبال احمد اقبال جو بریلوی کے جید عالم ہیں وہ کہتے ہیں سید شرافت نوشاہی (مولف شریف التواریخ) محمد عالم مختار حق (دانشور) سید بشیر حسین طاہری مرحوم، مولانا غلام دستگیر نامی مرحوم، پروفیسر محمد اقبال مجددی، پروفیسر محمد اسلم (شعبہ تاریخ) پروفیسر محمد ایوب قادری کراچی غرضیکہ ہزاروں اہل علم ودانش حکیم محمد موسی امرتسری کی مجلس سے اپنے بنے۔

(مجالس علماء ص 449)

اب بتائیے کہ یہ دیوبندی ہے یا بریلوی؟

بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ڈاکٹر پروفیسر محمد ایوب قادری بریلوی نہیں کیونکہ اس نے اکابر دیوبند کی تعریف کی ہے۔تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ اگر یہی بات دیوبندی سنی ہونے کی دلیل ہے تو پھر پیر مہر علی شاہ، مفتی مظہر اللہ شاہ، پیر جماعت علی شاہ، پیر سیف الرحمن، پیرار چی، خواجہ قمر الدین سیالوی اور سینکڑوں تمہارے اکابرین دیوبندی ہوں گے بریلوی نہیں ہوں گے۔اگر اس پر کسی کو حوالے مطلوب ہوں تو ہم پیش کر دیں گے۔

پروفیسر ایوب قادری بریلوی قیصر التواریخ کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

مجتہدین لکھنو علمائے فرنگی محل اور دوسرے علماء نے بھی اس طرح فتوے دیے جس سے حکومت اودھ کے نقطہ نظر کی تائید ہوتی تھی ان میں بعض تو حکومت اودھ کے براہ راست ملازم تھے، قیصر التواریخ کا ہم عصر مولف لکھتا ہے۔

”اس عرصہ میں حسب الحکم بادشاہ اور فہمائش حضور عالم (علی نقی خان وزیر) سے سلطان العلماء (سید محمد) نے بھی اس باب میں کچھ تحریر کیا (خبر) مولوی (امیر علی) صاحب کو پہنچی لیکن اسے خلاف نفس الامر سمجھے، پھر سلطان العلماء نے کوئی فتویٰ بہ تصریح حکم سرکار سے دستخط نہ کیا بلکہ جواب دیا کہ ایک شخص نے غرض نفسانی رفع توہین اسلام پر کمر باندھی ہے، اور تن بمرگ دیا ہے۔سراسر اس کے حق بجانب ہے کیونکہ خلاف شریعت عزاے احمدی بخوف حاکم لکھوں، لیکن مقام حیرت یہ ہے کہ تمام ہندوستان میں لکھنؤ دار المومنین مشہور ہے۔ایک مسکین، ضعیف ونحیف نے ہمت مردانگی کی ہے۔مقام عبرت ہے علمائے فرنگی محل نے بھی اسی طریق سے تحریر کیا بلکہ راضی ہوئے اس امر پر حاکم وقت کو اپنے شہر میں رہنے دینے کا اختیار ہے۔کبھی ہم فتویٰ قتل اس شخص کا نہ دیں گے مولوی محمد اصغر کے نواسے نے بھی فتویٰ پر دستخط کیا، علماء ظاہر اہل سنت مثل مولوی محمد حسین احمد، غلام جیلانی وکیل عدالت انگریزی، مولوی محمد یوسف، مولوی فضل حق خیر آبادی، مولوی محمد سعد اللہ جو حج خانہ کعبہ سے مشرف ہو کر آئے تھے اور بعض علماء گمنام نے بھی محض بطمع دنیا بخوف حاکم حکم فتویٰ قتل عبارات مختلف سے رنگین کر کے دیا اور بعض علمائے شاہجہاں آباد نے بھی ایسی حجت وبرہان سے لکھا، یعنی جب اہل اسلام قلیل ہوں اور غلبہ کفار ہو اس وقت خلاف حکم اولی الامر یعنی حاکم

وقت صاحبان عالیشان یااہل اسلام جوان کے اعتبار میں ہوں، جہاد حرام ہے اور جوشخص مرتکب ایسے امر کا وہ طاغی و باغی ہے۔"
اس فتویٰ میں علماء نے انگریزوں کو اولی الامر تک کہا، سید امیر علی اور ان کے ساتھی شہید کر دیے گئے۔
(مولانا فضل حق خیر آبادی، افضل حق قرشی ص 153)

حکیم نجم الغنی رام پوری نے قیصر التواریخ سے نقل کر کے لکھا ہے:
لیکن بعض دنیا طلب علمائے اہل سنت نے جیسے مولوی حسین احمد اور مولوی غلام جیلانی وکیل عدالت انگریزی اور مولوی محمد یوسف اور مولوی فضل حق خیر آبادی۔(مولف ہدیہ سعیدیہ، حاشیہ قاضی مبارک وغیرہ)
اور مولوی سعد اللہ اور دوسرے علمائے گمنام نے محض بہ طمع دنیا مولوی امیر علی صاحب کے قتل کا فتویٰ عبارات مختلف سے رنگین کر کے دیا اور دلی کے بعض علماء نے بھی ایسی براہان اور حجت کے ساتھ لکھا کہ جب اہل اسلام قلیل ہوں اور کفار کا غلبہ ہو اس وقت خلاف اولی الامر یعنی حاکم وقت کے جن کے اختیار میں ہوں خواہ وہ انگریز ہوں یا مسلمان جہاد حرام ہے پس جو شخص ایسے امر کا مرتکب ہو وہ طاغی و باغی ہے۔
(تاریخ اودھ ج5 ص 202،203)
حکیم نجم الغنی رام پوری نے پہلے یہ فتویٰ دینے والوں کے نام لکھے پھر حکیم نجم الغنی رام پوری لکھتا ہے۔میں نے اس کے متعلق جو قلمی کاغذات کا مجموعہ دیکھا ہے اس میں مہنتوں کے بیانات موضع متنازعہ کا نقشہ اور ابھے رام بیراگی کے نام اگلے والیاں اودھ کے فرمان واجد علی شاہ کا شقہ علی نقی خان وزیر کے خطوط مجتہد کے نام مجتہد کے خطوط مولوی امیر علی کے نام اور مولوی صاحب کے جوابات دوسرے اہل کاران کے متعلقہ کی تحریریں علماء کے فتوے سب کچھ موجود ہیں ان میں مجتہد صاحب کی کوئی تحریر مولوی امیر علی کے موافق موجود نہیں بلکہ ان کے کام کے خلاف ہے۔

(تاریخ اودھ ج5 ص203)

مفتی انتظام اللہ شہابی لکھتے ہیں:
مولانا فضل حق خیر آبادی جو خالص سرکاری آدمی تھے ان دنوں صدر الصدور تھے کچھ دن ہوئے تھے کہ امیر علی شاہ کے خلاف فتویٰ مولوی عبدالرزاق فرنگی محل کی تائید میں دے چکے تھے۔

(ایسٹ انڈیا کمپنی اور باغی علماء ص 77)

مولانا فضل حق خیر آبادی اور 1857ء کی جنگ آزادی

مولوی فضل حق کو جنگ آزادی 1857ء کا ہیرو بنانے کے لیے بریلوی مولویوں کو جھوٹ بھی بولنا پڑا تو بولا جھوٹی روایات گھڑنی پڑیں تو گھڑیں کس طرح مولوی فضل حق خیر آبادی جنگ آزادی 1857ء کا ہیرو بن جائے لیکن جھوٹ جھوٹ ہی ہوتا ہے لیکن بریلوی مولویوں نے توزیرو کو ہیرو بنانے کی بڑی کوشش کی ہے۔
مولوی فضل حق خیر آبادی نے بھی 1857ء کی جنگ میں کوئی عملی جہاد نہیں کیا۔سلمہ سیہول بریلوی لکھتی ہے: تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ علامہ میدان جنگ میں لڑنے والے صاحب سیف نہ تھے۔

(علامہ فضل حق خیر آبادی ص356)

سلمہ سیہول بریلوی لکھتی ہے:
یہ بھی ثابت شدہ ہے کہ علامہ میدان جنگ میں لڑنے والے صاحب سیف مجاہد نہ تھے۔

(علامہ محمد فضل حق خیر آبادی ص 311 حاشیہ)

فتویٰ جہاد اور مولانا فضل حق خیر آبادی

محترم قارئین! مولوی فضل حق خیر آبادی کے فتویٰ جہاد پر دستخط نہیں ہیں بریلوی مولوی آج تک وہ فتویٰ پیش نہیں کر سکے جس پر مولوی فضل حق خیر آبادی کے دستخط ہوں۔

1......مولوی عبد الشاہد خاں شروانی کی کتاب باغی ہندوستان میں مولوی فضل حق خیر آبادی کے دستخط والا فتویٰ جہاد نہیں ہے۔

2......سلمہ سیہول کی کتاب علامہ محمد فضل حق خیر آبادی میں بھی مولوی فضل حق کے دستخط والا فتویٰ جہاد نہیں ہے۔

3......عبد الحکیم خاں اختر شاہجہانپوری کی کتاب برطانوی مظالم کی کہانی عبد الحکیم خاں اختر شاہجہانپوری کی زبانی میں بھی مولوی فضل حق کے دستخط والا فتویٰ جہاد نہیں ہے۔

4......مولوی مشتاق احمد نظامی کی کتاب خون کے آنسو میں بھی مولوی فضل حق کے دستخط والا فتویٰ جہاد نہیں ہے۔

5...... بریلویوں کی کتاب انوار رضا میں بھی مولوی فضل حق کے دستخط والا فتویٰ جہاد نہیں ہے۔

6......مولوی غلام مہر علی کی کتاب دیوبندی مذہب میں بھی مولوی فضل حق کے دستخط والا فتویٰ جہاد نہیں ہے۔

7......حکیم محمود احمد برکاتی کی کتاب فضل خیر آبادی اور سن ستاون میں بھی مولوی فضل حق کے دستخط والا فتویٰ جہاد نہیں ہے۔

8...... مفتی انتظام اللہ شہابی کی کتاب حیات علامہ فضل حق خیر آبادی اور ان کے سیاسی کارنامے میں بھی مولوی فضل حق کے دستخط والا فتویٰ جہاد نہیں ہے۔

اگر فتویٰ جہاد پر مولوی فضل حق خیر آبادی کے دستخط ہوتے تو ان آٹھ بریلوی کتابوں کے مصنف وفتویٰ ضرور نقل کرتے۔

سلمہ سیہول لکھتی ہیں:

جنگ آزادی اٹھارہ سو ستاون کے دوران کئی فتوے دیئے گئے تھے پھر آگے جا کر لکھتی ہے باغی ہندوستان میں بھی ایک فتوے کا ذکر ملتا ہے جو علامہ فضل حق خیر آبادی کا بتایا گیا ہے مگر ان میں سے صرف ایک فتویٰ اب تک دستیاب ہوا ہے سارے نہیں اور وہ فتویٰ چھبیس جولائی 1857ء کو صادق الاخبار میں چھپنے والا فتویٰ ہے، جس پر دہلی کے تینتیس علماء نے وجوب جہاد کی تصدیق میں دستخط کیے ہیں (اس فتویٰ پر مولوی فضل حق کے دستخط نہیں ہیں)

(علامہ محمد فضل حق خیر آبادی ص328۔329)

اب فتویٰ جہاد کے متعلق صحیح صورت حال سنیے:
جنگ آزادی کا آغاز 10 مئی (11 مئی) 1857ء کو ہوا۔

(علامہ محمد فضل حق خیر آبادی ص28)

اس وقت مولوی فضل حق خیر آبادی الور میں راجہ بنئے سنگھ کا ملازم تھا راجہ بنئے سنگھ کی وفات 15 جولائی 1857ء کے ایک مہینہ بعد مولوی فضل حق دہلی آیا مولوی فضل حق کا اپنا بیاں ملاحظہ فرمائیں۔

میں راجہ الور کے ہاں ملازم تھا اور بغاوت شروع ہونے کے زمانے میں اسی کے پاس تھا راجہ بنئے سنگھ کی وفات (15 جولائی 1857ء) کے بعد ایک مہینے تک میں الور میں رہا میں اگست 1857ء میں الور سے روانہ ہوا اور دہلی آیا۔

(علامہ محمد فضل حق خیر آبادی ص318)

مولوی فضل حق 16 اگست کو دہلی آیا اور فتویٰ جہاد صادق الاخبار دہلی مورخہ 26 جولائی 1857ء کو شائع ہو چکا تھا اس لیے فتویٰ جہاد پر مولوی فضل حق کے دستخط نہیں ہیں۔

کن کن حضرات کے قول کے مطابق مولوی فضل حق کے دستخط فتویٰ جہاد پر ثابت نہیں ہوتے۔

پروفیسر ایوب قادری بریلوی کی گواہی:

مولوی فضل حق خیر آبادی تو وسط اگست میں دہلی پہنچے تھے اس وقت تک یہ فتویٰ مشتہر ہو چکا تھا لہٰذا ان کے دستخط کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ (جنگ آزادی ص404)

سلمہ سیہول لکھتی ہیں:

صادق الاخبار والے فتویٰ پر علامہ کے دستخط نہ ہونے کی وجہ ان کا ان دنوں الور میں ہونا ہے۔ غالباً اسی لیے علامہ (مولوی فضل حق) لکھتے ہیں: ''یہ تو سب کچھ ہو ہی رہا تھا کہ بعض شہر و دیہہ سے بہادر مسلمانوں کی ایک جماعت علمائی، زہاد اور ائمہ اجتہاد سے جہاد کے وجوب کا فتویٰ لے کر جدال وقتال کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ (علامہ محمد فضل حق خیر آبادی ص329،330)

امتیاز علی عرشی لکھتے ہیں:

پچھلے صفحات میں صرف یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ مولانا خیر آبادی کا جہاد کا فتویٰ سے کوئی تعلق نہ تھا۔

(مولانا فضل حق خیر آبادی ص198 افضل حق قرشی)

مالک رام لکھتے ہیں:

جس فتوے میں ان کی شمولیت پر اصرار کیا جاتا ہے وہ ان کے آنے سے بہت پہلے جولائی ہی میں شائع ہو چکا تھا اس پر ان کے دستخط کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا

(مولانا فضل حق خیر آبادی ص114، افضل حق قرشی)

سید مبارک شاہ لکھتے ہیں:

سید مبارک شاہ جنگ آزادی 1857ء کے دوران دہلی کے کوتوال تھے وہ لکھتے ہیں فضل حق نے جہاد کے حق میں کوئی فتویٰ نہیں دیا یا کسی بھی طریقہ سے بادشاہ کو گمراہ نہیں کیا۔

(مولانا فضل حق خیر آبادی ص155، افضل حق قرشی)

مولانا فضل حق خیر آبادی اور جھوٹا مقدمہ بغاوت:

مولانا فضل حق کو 30 جنوری 1859ء کو گرفتار کر لیا گیا۔

(باغی ہندوستان ص 361)

اور ان پر بغاوت کا جھوٹا مقدمہ ڈال دیا گیا کیونکہ مولوی فضل حق نے بغاوت میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا جیسا کہ آگے جا کر ان کے اپنے بیان سے معلوم ہوگا۔

مالک رام لکھتے ہیں:

غرض پورے حالات کا بنظر غائر مطالعہ کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا فضل حق مرحوم نے 1857ء کی تحریک میں واقعی کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ (مولانا فضل حق خیر آبادی ص 148، افضل حق قرشی)

جب مولوی فضل حق خیر آبادی کو گرفتار کر لیا گیا تو پھر مولوی فضل حق نے نواب رامپور یوسف علی خاں کے نام (جو انگریزوں کا بڑا وفادار تھا) جو مولوی فضل حق کا شاگرد تھا ایک خط لکھا اس خط میں مولوی فضل حق نے نواب رامپور سے اپنی رہائی کے لیے سفارش کرنے کی درخواست کی تھی مولوی فضل حق نے خط میں لکھا کہ میں وہ فضل حق نہیں ہوں بلکہ وہ دوسرا فضل حق ہے جو شاہجہانپور کا رہنے والا ہے ہم نام ہونے کی وجہ سے مجھے گرفتار کر لیا گیا ہے حالانکہ میں اس الزام سے بری ہوں۔

رام پور کے نواب یوسف علی خان کے نام خط:

جناب عالی جناب نواب صاحب خداوند نعمت، فیاض زماں، الاف ومعاذ علمائے دوراں دام اقبالہ۔ بعز عرض می رساند کہ پیش ازیں دوتا عریضہ عقیدت مشتمل برابتلائے خویش ارسال عالی جناب کردہ ام بنظر اشرف گزشتہ کاشف فحاوی مندرجہ شدہ باشد، دم روبکاری ایں جا واضح شد کہ فدوی را بعلت نوکری خان بہادر خان ونظامت پیلی بھیت وچکلہ داری محمدی وافسری لشکر باغی ماخوذ کردہ اند، حال آنکہ فدوی ازیں ہر سہ امر محض بری است ومنشاء مواخذہ انست کہ شخصے میر فضل حق نام از سادات شاہجہانپور کہ قبل ازیں در سرکار ابد قرار بندگان عالی ملازم ماندہ بسر رشتہ داری پیلی بیت مامور شدہ، وزمانے تحصیل دار آنولہ پیلی بھیت ماندہ بود، دو رابتدائے غدر از طرف خان بہادر خان ناظم پیلی بھیت گردید وبعد فتح بریلی در ملک اودھ رسیدہ از طرف خان علی خان چکلہ دار محمدی شدہ۔ پس از زمانے بافسری کدامی لشکر باغی ہمراہ فیروز شاہ آن طرف جمن فرار کرو۔ عزیزان او در سرکار کمپنی بعہدہائے جلیلہ ماموراند، چنانچہ برادر حقیقی او مولوی مبین ڈپٹی کلکٹر سہارن پور بود۔

مہتمان اخبار خانہ خراب ناواقف ازیں تفصیل کہ او شخصے دیگر است وفدوی از شیوخ خیر آباد شخصے دیگر در اخبار نامہا حال نظامت پیلی بھیت ومحمدی وافسری لشکر وفرار او بافیروز شاہ آن طرف جمن نوشتہ بعض علامات فدوی افزودند کہ برادر حقیقی او در سرکار مہارراجہ پٹیالہ نوکر و برادر دیگرش در سہارنپور ڈپٹی کلکٹر است، وعاکمان ایں جذبہ اشتباہ ہماں مولوی فضل حق کہ ہمنام ودر بعضے علامات شریک فدوی است، فدوی را محض بے جرم مقید کردہ اند۔

لہٰذا عرض رسانست کہ اسماعیل خان رئیس مالا گڑھ دریں روہا وارد آن دیار اند۔ واز حال فدوی ومولوی فضل حق شاہجہان پوری مذکور بخوبی واقف۔ بایشاں ایمار ودتا ایشاں کیفیت تفصیلی مشار الیہ وحال عبور او دریائے جمن راہمراہ فیروز شاہ وحال بے جرمی فدوی نوشتہ مع عرضی

خود بنام ترب صاحب، کمان افسر بریلی متضمن درخواست ارسال کیفیت مذکور بذریعہ چٹھی خود محکمہ اسپیشل کمشنر لکھنؤ خدمت بترب صاحب موصوف روانہ دراند و در کیفیت تغائر بسیار میان فدوی وفضل حق شاہ جہانپوری ثابت سازند، ونو کر بنودن فدوی بسر کار کدامی باغی وافسر بنودنِ فدوی بکرامی لشکر وناظم نماندان فدوی بعلاقہ پیلی بھیت ومحدی ایں جملہ امور واقعی اوست، بوجہ احسن ثبت کنند، تا صاحب موصوف عرضی وکیفیت مرسلہ ایشاں را بہمبر ہ چٹھی خود دریں جاروانہ فرمایند وبواسطہ آں چٹھی وکیفیت اشتباہ حکام ایں جارفع شود ونمک خوار قدیم رہائی یافتہ بدعائے ترقی وجاہ (مشغول) گردو۔ از پرورشِ خاوندانہ ومواساتِ کریمانہ امیدوار است توجہ بسیار بحال زوال مبذول شود وبعجلت ہر چہ تمامتر اثر اجابت مسؤل ظاہر گرود، واجب بود عرض نمود۔

آفتاب ترقی جاہ وجلال ہموارہ تاباں باد

ترقی خواہ

18 فروری 1224ء عرضی مہر (فضل حق)

نمک خوار قدیم

(علامہ محمد فضل حق خیر آبادی ص 364،365)

سلمہ سیہول بریلویہ کی زبانی گرفتاری کی کہانی سنیے:

لکھتی ہیں فائل مقدمہ اور اس کے متعلقات اور تمام عرض داشتوں کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کو جن الزامات کے تحت گرفتار کیا گیا تھا وہ الزامات یہ تھے۔

1......نواب خان بہادر خان، نبیرہ حافظ رحمت بہادر نے جب انگریزوں کے خلاف بریلی میں بغاوت کی تو مولانا نے ان کا ساتھ دیا اور ان کی طرف سے نظامت پیلی بھیت کا کام انجام دیا۔

2......جب انگریزوں نے (5 مئی 1857ء کو) بریلی پر قبضہ کر لیا تو خاں بہادر وہاں سے بھاگ گیا اور مولانا بھی وہاں سے بھاگ کر اودھ پہنچے اور خان علی خان کی طرف سے ریاست محمدی کے چکلہ دار مقرر ہوئے۔

3......مولانا نے اس کے بعد ایک باغی لشکر کی کمان ہاتھ میں لی۔

علامہ کے مطابق وہ ان الزامات سے بری تھے انہیں ایک دوسرے شخص سے ہم نامی اور بہت سی دیگر مماثلتوں کی بنا پر گرفتار کر لیا گیا تھا چنانچہ علامہ نے اپنی گرفتاری پر نواب رامپور یوسف علی خاں کے نام فوری طور پر یکے بعد دیگرے تین عدد خط لکھے ان میں سے دو ناپید ہیں اور ایک خط 18 فروری کا تحریر کردہ رضا لائبریری رامپور میں محفوظ ہے اس خط میں انہوں نے نواب سے درخواست کی ہے کہ وہ رئیس مالا گڑھ اسماعیل خان جو کہ ہر دو فضل حق ان کی سرگرمیوں اور ان کے فرق سے بخوبی آگاہ ہے سے کہیں کہ وہ کمان افسر بریلی ٹرپ صاحب کے نام محکمہ سپیشل کمشنر لکھنؤ میں دوسرے شخص کی رپورٹ اور میری ان جرائم سے برأت کا حال تفصیل کے ساتھ اپنی درخواست کے ہمراہ بھیجیں تا کہ ان حاکموں کا شبہ دور ہو اور مجھے رہائی ملے۔

تنگی وقت یا غالباً انگریزوں سے وفاداری کے باعث نواب رامپور یوسف علی خاں نے ان کی کوئی مدد نہ کی اور بائیس فروری 1859ء سے مقدمے کی ابتدائی سماعت شروع ہوئی ہو گی وگواہوں اور ملزم (علامہ) کے بیانات ہوئے علامہ اور گواہان صفائی کے بیانات کا اہم

حصہ اس وضاحت میں تھا کہ علامہ وہ فضل حق نہیں جن کے شبہ میں ان کو گرفتار کیا گیا ہے دوسرے فضل حق کے بارے میں علامہ کے خط بنام نواب رامپور میں مذکور ہے کہ میر فضل حق شاہجہان پوری کے سادات سے ہیں وہ پہلے ''پیلی بھیت'' میں سر رشتہ داری کے عہدہ پر مامور ہوئے کچھ عرصہ آنولہ اور پیلی بھیت میں تحصیل دار رہے اور پھر بریلی کے خان بہادر خان کی طرف سے غدر کے آغاز پر پیلی بھیت کے ناظم ہو گئے اور بریلی پر قبضہ کے بعد سلطنت اودھ پہنچے اور خان علی خان کی طرف سے ''محمدی'' کے چکلہ دار ہو گئے کچھ عرصہ پہلے باغی لشکر کی قیادت کرتے ہوئے شہزادہ فیروز شاہ کے ساتھ چمن کی طرف فرار ہو گئے ان کے رشتہ دار ایسٹ انڈیا کمپنی میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں چنانچہ ان کا حقیقی بھائی مولوی مبین سہارن پور میں ڈپٹی کلکٹر تھا۔خانہ خراب اخبار والے اس تفصیل سے ناواقف ہیں کہ وہ کوئی دوسرا شخص ہے اور فدوی خیر آباد کے مشائخ سے ایک دوسرا شخص ہے اس لیے اخبار میں پیلی بھیت کی نظامت محمدی کی چکلہ داری، لشکر کی قیادت اور فیروز شاہ کے ساتھ چمن کی طرف فرار ہونے کی خبر لکھی ہے اور اس کے ساتھ کچھ علامات فدوی کی شامل کر دی ہیں کہ اس کا حقیقی بھائی سرکار مہاراجہ پٹیالہ کا ملازم ہے اور اس کا دوسرا بھائی سہارنپور میں ڈپٹی کلکٹر ہے اور یہاں کے حاکموں نے اسی مولوی فضل حق کے شبہ میں جو فدوی کا ہم نام ہے اور بعض علامات میں شریک ہے فدوی کو بغیر کسی جرم کے قید میں ڈال دیا ہے۔

(علامہ محمد فضل حق خیر آبادی ص338 تا340)

سلمہ سیہول لکھتی ہیں:

''دی گریٹ ریوولیوشن'' اور ''فریڈم سٹرگل'' کے مذکور بالا اقتباسات کے مندرجات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو لشکر کی قیادت کسی سپہ سالار کے زیر کمان ہونا میدان جنگ میں چستی وسرگرمی، فیروز شاہ و دیگر مجاہد قائدین کی ہمراہی محمدی میں سرگرمی جہاد جیسے نکات یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ یہ تمام کوائف فضل حق شاہجہان پوری کے ہیں کہ فضل حق خیر آبادی کے جو حکومت کے دشمن جان ہوتے اور اعزہ کے اعلیٰ مناصب پر فائز ہونے کی وجہ سے ان کے مماثل ہیں۔معلوم ہوا کہ جن الزامات کے تحت علامہ گرفتار ہوئے تھے وہ ان سے بری تھے۔

(علامہ محمد فضل حق خیر آبادی ص343)

ان تمام بیانات سے یہی ثابت ہوا کہ مولوی فضل حق نے بغاوت 1857ء میں کوئی حصہ نہیں لیا اور ان پر جھوٹا الزام لگایا گیا تھا اور یہ سارے کارنامے فضل حق شاہجہانپوری کے تھے نہ کہ مولوی فضل حق خیر آبادی کے۔

مولانا فضل حق کا عدالت میں بیان:

میں راجہ الور کے ہاں ملازم تھا بغاوت شروع ہونے کے زمانے میں اس کے پاس تھا راجہ بنئے سنگھ کی وفات کے بعد ایک مہینے تک میں الور میں رہا میں اگست 1857ء میں الور سے روانہ ہوا اور دہلی آیا۔وہاں میں پندرہ دن رہا اور پھر واپس الور چلا گیا میں نے اپنے اہل وعیال کو یہاں الور میں چھوڑا اور دسمبر 1857ء میں خیر آباد کی راہ لی جب سے میں اپنے مکان پر مقیم ہوں نہ میں نے کسی کی ملازمت کی نہ باغیوں میں شامل ہوا میر فتح حسین محمد حسین اور احمد علی خاں میرے گواہ ہیں نبی بخش اور قادر بخش و امام علی، علی محمد اور ممو خان خیر آباد کے رہنے والے میرے چال چلن سے واقف ہیں۔

میں خیر آباد سے اس لیے نکلا تھا کیونکہ یہاں کے تمام باشندے بیگم (حضرت محل) کے ساتھ بھاگ گئے تھے میں یہاں سے نکل کر چند

دن کھیڑی، ہرگاؤں، تیتول، سہور پور وغیرہ میں رہا۔ کچھ دن دریہ میں بھی گزارے۔ 26 دسمبر 1858ء کو میں نے کرنیل کلاک سے سیہا کے مقام پر ملاقات کی اس سے پہلے میں بریگیڈیر ٹروپ سے مل چکا تھا، بریگیڈیر ہی نے مجھے کرنیل کے پاس بھیجا تھا۔کرنیل کلاک نے ایک روبکار لکھی اور حکم دیا کہ اسے ڈپٹی کمشنر ضلع کی تحویل میں دے دیا جائے۔میں 30 دسمبر کو ڈپٹی کمشنر کے سامنے حاضر ہوا اور اپنے مکان ہی پر ٹھہرا رہا، 30 جنوری کو ڈپٹی کمشنر نے مجھے بلا بھیجا اور لکھنؤ روانہ کر دیا اور فضل حق ایک اور شخص کا نام ہے مجھے اس کی جگہ گرفتار کرلیا گیا وہ آج کل (شہزادہ) فیروز شاہ (بن بہادر شاہ ظفر) کے ساتھ ہے یہ (فضل حق) سابق میں آنولہ کا تحصیل دار تھا اور اس نے خان بہادر خان اور بیگم (حضرت محل) کی ملازمت بھی کی ہے وہ ذات کا سید اور شاہجہانپوری کا رہنے والا ہے۔

(علامہ محمد فضل حق خیر آبادی ص 344، 345)

مولانا فضل حق کے صفائی کے گواہوں کے بیان:

1......قادر بخش عدالت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا: میں نے نہیں سنا کہ ان مولوی فضل حق نے کسی شخص کو گمراہ کر کے اسے بغاوت پر آمادہ کیا ہو۔

2......نبی بخش عدالت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا:

میں نے نہیں سنا کہ ان مولوی فضل حق نے کسی شخص کو گمراہ کر کے اسے باغی بنایا ہو یا خود انہوں نے خان بہادر خان کی ملازمت اختیار کر لی ہو۔

ہاں میں نے سنا کہ ایک اور فضل حق شاہجہانپور کا رہنے والا تھا وہ خان بہادخان کا ملازم تھا اور فیروز شاہ کے ساتھ بھی گیا تھا

(مولانا فضل حق خیر آبادی ص 116، 117، افضل حق قرشی)

مولانا فضل حق خیر آبادی کو سزا:

مقدمے کی سماعت کے بعد 4 مارچ 1859ء کو حبس دوام بعبور دریائے شور اور تمام جائیداد کی ضبطی کا فیصلہ سنایا گیا۔مولانا نے وائسرے کے یہاں اپیل کی مگر وہ بھی مسترد ہوگئی اور مئی 1859ء میں مولانا کو لکھنؤ سے کلکتے روانہ کر دیا گیا اور وہاں سے 18 / اکتوبر کو انڈمان لے جائے گئے۔ یہاں پہنچ کر انہوں نے 9 جنوری 1860ء کی ایک درخواست وزیر ہند کے نام روانہ کی۔ادھر مولانا کے صاجزادے نے بھی اپنی طرف سے ایک اپیل کی جس کے جواب میں بقول ذکاء اللہ رہائی کا حکم ہوا مگر رہائی کا حکم نافذ ہونے سے قبل ہی 12 صفر 1278ھ مطابق 20 اگست 1861ء کو اس امام معقول اور مجاہد حریت نے انڈمان ہی میں وفات پائی۔

(فضل حق خیر آبادی اور سن ستاون ص 65)

مولانا فضل حق کی رہائی کے لیے درخواست:

درخواست بحضور جناب ارل کیننگ جی سی پی وائسرائے وگورنر جنرل با اجلاس کونسل چونکہ فوجی عدالت کے فیصلوں سے متعلق یہ قاعدہ ہے کہ ان کے خلاف مرافعہ (اپیل) نہیں ہوسکتا اس لیے کہ بالعموم تصدیق کے لیے حکام بالا کے پاس بھیج دیئے جاتے ہیں۔ چنانچہ جوڈیشل

کمشنر کی عدالت سے مولانا فضل حق کے مقدمے میں جو فیصلہ ہوا تھا اسے بھی تصدیق کے لیے گورنر جنرل با اجلاس کونسل کی خدمت میں کلکتے بھیج دیا گیا جب مولانا کو معلوم ہوا کہ ابھی امید ہے کہ شاید اس میں تبدیلی کرائی جاسکے تو انہوں نے وکلا مسرز سون ہوبیبی اینڈ لیزلی Swin Hoe Beeby Leslie کی وساطت سے گورنر جنرل کی خدمت میں یہ التماس کہ میرے ساتھ انصاف نہیں ہوا اور جوڈیشنل کمشنر کا فیصلہ رد کیا جائے جب اس پر جواب ملا کہ کمشنر کے فیصلے کی تصدیق کردی گئی ہے تو انہوں نے پھر حسب ذیل درخواست پیش کی۔

درخواست بحضور جناب ارل کیننگ جی سی پی وائسرائے وگورنر جنرل با اجلاس کونسل میرے خلاف جو مقدمہ چلایا گیا ہے اور اس میں جو فیصلہ ہوا ہے اور جو سزا مجھے دی گئی ہے، یہ حضور ملکہ معظمہ کے عام معافی کے اعلان کے خلاف ہے۔

1۔ مجھ پر بغاوت اور قتل کی ترغیب کا الزام لگایا گیا ہے۔ لیکن شاہی اعلان نے یہ تمام جرم معاف کردیئے ہیں۔ اس لیے اگر بفرض محال یہ خیال بھی کرلیا جائے کہ یہ فدوی ان جرائم کا مرتکب ہوا تھا، جب بھی اس اعلان شاہی کی موجودگی میں مجھ پر جو مقدمہ چلایا گیا اور جو سزا دی گئی ہے، یہ خلاف قانون ہے، اعلان نے عام معافی سے صرف ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا ہے جنہوں نے براہ راست برطانوی رعایا کے قتل میں حصہ لیا یا قاتلوں کو پناہ دی یا وہ لوگ جو بغاوت کے سرغنہ تھے یا جنہوں نے لوگوں کو بغاوت پر اکسایا، میں ان میں سے کسی جرم کا بھی بلاواسطہ یا بالواسطہ مرتکب نہیں ہوا۔

2۔ میرے خلاف پہلا الزام یہ ہے کہ میں باغیوں کا سرغنہ تھا اور میں نے انہیں بغاوت کی ترغیب دی لیکن سپیشل کمشنر نے جو فیصلہ صادر کیا ہے، اسی سے اس الزام کی تغلیط ہوسکتی ہے اس میں انہوں نے متضاد باتیں بیان کی ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ملزم (یعنی میں) باغیوں کا مشیر کار اور بغاوت کا سرگرم ترغیب دینے والا تھا، دوسری جگہ لکھا ہے کہ جب بغاوت شروع ہوئی تو ملزم الور میں ملازم تھا؟ لیکن بعد کو وہ خود بخود دہلی آیا اور اس کیبعد وہ باغیوں کے قدم بقدم چلتا رہا۔

مشیر کو بغاوت کی ترغیب دینے والا کہنا، لفظوں کو غلط معنی پہنانا ہے اور جو شخص محض باغیوں کے قدم بقدم چلتا رہا ہے اسے ترغیب دینے والا کہنا علت ومعلول کو بالعکس کردینے کے مترادف ہے۔

3۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح سپیشل کمشنر نے بیان کیا، میں ریاست الور میں ملازم تھا اور دہلی میں بغاوت شروع ہونے کے چار مہینے کے بعد اپنی بیوی کو وہاں سے نکالنے کے لیے آیا، میں بیوی کو ساتھ لے کر اپنے وطن خیر آباد چلا گیا اور مئی 1858ء میں احمد اللہ کے ظلم وستم سے جان بچانے کی خاطر بھاگ کو بوندی گیا، اس کے بعد مسیح الزماں نے مجھے پکڑ کر قید کردیا، کیوں کہ میں نے اس کے ساتھ بغاوت میں شریک ہونے سے انکار کردیا تھا۔ اور اب حالت یہ ہے کہ مسیح الزماں جو باغیوں کا سرغنہ تھا وہ تو آزاد دندناتا پھرتا ہے اور میں جس کا جرم صرف یہ بتایا جاتا ہے کہ میں نے باغیوں کو مشورہ دیا، باوجودیکہ خود بعض باغیوں نے مجھ پر ظلم توڑے تھے، مجھے حبس دوام بعبور دریائے شور کی سزا دی گئی ہے۔

4۔ سزا کے خلاف قانون ہونے کا ثبوت خود اسی فیصلے میں موجود ہے جو سپیشل کمشنر نے میرے مقدمہ میں دیا ہے لکھا ہے:

یہ بہت ہی خطرناک آدمی ہے اور کسی وقت بھی انتہائی نقصان پہنچاسکتا ہے اس لیے انصاف اور امن عامہ کا تقاضا یہ ہے کہ اسے ملک بدر کردیا جائے۔ اس سے ظاہر ہے کہ فدوی کو سزا اس لیے نہیں دی گئی کہ میں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے، بلکہ مجھے ملک بدر اس لیے کرنا چاہیے تا کہ میں کبھی نقصان پہنچانے کے قابل نہ رہوں۔ اگر چہ سمجھنا محال ہے کہ میرے جیسا پیرانہ سال شخص نقصان ہی کون سا پہنچا سکتا ہے سپیشل کمشنر

اس لیے مقرر ہوئے تھے کہ وہ ان لوگوں کے مقدمات کی سماعت کریں جن کے جرائم ملکہ معظمہ کے اعلان معافی سے مستثنیٰ کیے گئے تھے۔ فدوی کسی ایسے جرم کا مرتکب نہیں ہوا اگرچہ سپیشل کمشنروں نے مجھے سزا اس جرم کی دی ہے کہ میں نے لوگوں کو بغاوت کی ترغیب دی تھی لیکن خود ان کی اپنی رائے یہ بھی ہے کہ میں باغیوں کے قدم بقدم چلتا رہا یا زیادہ سے زیادہ میرا جرم صرف اتنا ہے کہ میں نے بعض سرغنوں کو مشورہ اور صلاح دی جو اعلان شاہی کے مطابق بہت خفیف جرم ہے لیکن میں نے ان کے فیصلے سے جو فقرے نقل کیے ہیں ان سے ان کا اصلی مدعا واضح ہو جاتا ہے یعنی وہ مجھے ملک سے باہر اس لیے بھیجنا چاہتے ہیں کہ میرا چال چلن ٹھیک رکھنے کی یہی ایک ضمانت ہے۔

5۔ جب یہ ثابت ہوگیا کہ یہ مقدمہ اس کی کاروائی اور اس میں جو سزا دی گئی ہے یہ سب کچھ ملکہ معظمہ کے اعلان کے خلاف بلکہ قانون اور انصاف ہی کے خلاف تھا تو کیا حضور والا اس کی حمایت کریں گے؟ اور یہ کس لیے؟ تاکہ ایک مسن شخص اپنے خاندان سے دور مرنے کو بھیج دیا جاوے؟ اور اس کے خاندان کو اس آذوقہ سے محروم کر دیا جائے جو ان کی زیست کا سہارا ہے۔

6۔ جب میں نے میسرز سون ہو، بیبی اینڈ لیزلی کی وساطت سے درخواست پیش کی، تو مجھے مطلع کیا گیا کہ میرے مقدمے پر با اجلاس کونسل غور کرنے کے بعد سپیشل کمشنروں کے فیصلے کی تصدیق کر دی گئی ہے، اگرچہ جو سرکاری جواب مجھے ملا ہے اس سے یہ ظاہر نہیں ہوتا تاہم مجھے یقین ہے کہ سپیشل کمشنروں کے فیصلے کا بہت غور اور توجہ سے مطالعہ کیا گیا ہوگا بہر حال اس سے ایک بات تو واضح ہے کہ جب ان کے فیصلے کی تصدیق میری درخواست موصول ہونے سے پہلے ہی کر دی گئی تھی تو اس میں جو دلائل میں نے پیش کیے تھے ظاہر ہے کہ ان پر غور نہیں کیا گیا۔

اس لیے اب میری عاجزانہ درخواست ہے کہ جو کچھ صدر میں اسپیشل کمشنروں کے فیصلے کے خلاف قانون ہونے سے متعلق لکھا گیا ہے اس پر غور کیا جائے۔ مجھے یقین ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خواہ شاہی اعلان کے مطابق انصاف کیا جائے یا ایک پیرانہ سال بوڑھے اور اس کے متعدد بے بس افراد خاندان پر رحم کو مدنظر رکھا جائے بہر حال میری رہائی اور مختصر جائیداد کی بحالی کے احکام صادر فرمائے جائیں۔

اس دوسری درخواست سے بھی کچھ حاصل نہ ہوا اور سزا بحال رہی البتہ گورنر جنرل نے معلوم ہوتا ہے، یہ حکم صادر کیا کہ ان سے مشقت نہ لی جائے نہ ان کے بڑھاپے کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان سے کسی طرح کی سختی کا سلوک کیا جائے، اس پر جوڈیشل کمشنر نے مئی 1859ء میں ڈپٹی کمشنر لکھنؤ کو ہدایت دی کہ اب اس سزا کا حکم نافذ کر دیا جائے۔

(مولانا فضل حق خیر آبادی ص126 تا129 ،افضل حق قرشی)

کلکتہ کے 150 بریلویوں کی طرف سے مولانا فضل حق کی رہائی کی درخواست:

پھر جب تک انڈیمان کے لیے جہاز کا انتظام نہیں ہو سکا مولانا کو یہاں کلکتے میں علی پور جیل میں رکھا گیا تھا، جب شہر کے معززین کو اس کی خبر ملی تو انہوں نے اپنے طور پر مندرجہ ذیل درخواست تیار کر کے حکومت کی خدمت میں روانہ کر دی۔

(قومی دفتر خانہ ہند، نئی دہلی، فارن، پولیٹکل، ستمبر 1860ئ، نمبر 558)

”بحضور رائٹ آنربیل گورنر جنرل ہند با اجلاس کونسل کلکتہ اور اس کے مضافات اور اضلاع کے دستخط کنندگان کی درخواست

ہم درخواست کنندگان نہایت ادب سے یہ کہنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ مولانا فضل حق (الور کے رہنے والے) جنہیں سپیشل کمشنر اودھ نے سزا دی ہے اور جو حبس دوام بعبور رشور کے قیدی کی حیثیت سے علی پور قید خانے میں لائے گئے ہیں محض بے گناہ آدمی ہیں اور ہم ان کے

صحیح حالات بیان کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ جس طرح کی سخت سزا انہیں دی گئی ہے وہ کسی طرح اس کے مستحق نہیں کیونکہ وہ نہ تو قاتل ہیں نہ باغی، نہ انہوں نے لوگوں کو بغاوت پر بھڑکایا، نہ انہیں اپنے ہاں پناہ دی، نہ ان کی ملازمت میں رہے، اودھ کے حکام نے بھی ان میں سے کوئی الزام ان پر نہیں لگایا، نہ کوئی ایسی بات ہی وہ ان کے خلاف ثابت کر سکے ہیں، نہ صرف یہ بلکہ وہ تو یہ بھی ثابت نہیں کر سکے کہ یہ وہی فضل حق ہیں جو اس سے پہلے تحصیل دار رہا تھا۔اور بغاوت کے آغاز کے زمانے میں چکلہ دار تھا۔ اس کے بالعکس یہ پوری طرح ثابت ہوگیا ہے کہ ان مولانا فضل حق کا بلا واسطہ یا بالواسطہ، بغاوت سے کوئی سروکار نہیں تھا۔
وہ الور میں تھے اور شورش کے شروع ہونے کے چار مہینے بعد اپنے اہل وعیال کو دہلی سے ساتھ لے کر اپنے وطن خیر آباد چلے گئے۔اور جب تک انگریزی تسلط اودھ پر دوبارہ قائم نہیں ہوگیا اور باغی وہاں سے فرار نہیں ہو گئے، یہ وہیں مقیم رہے اور جب خیر آباد کے متعدد باشندے اپنی جان اور ناموس کو بچانے کی خاطر وہاں سے بھاگے تو مولانا فضل حق نے بھی ان کا تتبع کیا، جب شاہی اعلان کے ذریعے عام معافی کا اعلان ہوا اور لوگ مقرر میعاد کے اندر حاضر ہونے لگے تو وہ بھی فوجی افسر اعلیٰ کے سامنے پیش ہوئے اور اس کی اجازت سے اپنے مکان پر رہنے لگے اور اس کے بعد انہیں یہاں گرفتار کیا گیا اور اگرچہ ان کے خلاف کوئی جرم ثابت نہیں ہو سکا اس کے باوجود محض شبہات کی بنا پر انہیں ایسی سخت سزا دی گئی ہے۔
اس سزا کی ایک اور وجہ یہ بھی معلوم ہوتی ہے کہ حکام کی نظروں میں وہ بہت ذہین اور قابل شخص ہیں، ہم حضور والا کی توجہ اسی امر کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں کہ وہ کبیر السن ہیں، ستر برس کے لگ بھگ اور اگرچہ وہ بے شک بہت قابل شخص ہیں لیکن ان کی ساری قابلیت صرف ایک بات یعنی علوم شرقیہ کی تعلیم میں محدود ہے۔اس کے علاوہ اگر وہ واقعی عقل منداور قابل ہیں تو یہ عقل سے قطع بعید ہے کہ کوئی شخص حکام وقت کے خلاف کھڑا ہو جائے جن کی طاقت اور تسلط یقینی اور مسلمہ ہے وہ نہ صرف بوڑھے اور کمزور ہیں بلکہ وہ اکثر مختلف بیماریوں کا شکار رہتے ہیں اور ہمیشہ کوئی نہ کوئی مرض ان کے لاحق رہا ہے۔اس سے بھی ظاہر ہے کہ کسی خطرناک اقدام کے لیے انہیں فرصت ہی کب ملی ہوگی۔
ہم درخواست کنندگان کی نہ قیدی سے کوئی رشتہ داری ہے نہ تعلق گو ہم میں سے بعض یا ان کے شاگرد ہیں یا ان کے شاگردوں کے شاگرد، لیکن چونکہ بے شبہ وہ قابل احترام اور بے گناہ شخص ہیں اور ان کا ان الزامات سے کوئی واسطہ نہیں، جو ان کے خلاف عائد کیے گئے ہیں۔اس لیے ہم حضور والا کی خدمت میں یہ التماس کرتے ہیں کہ یا تو انہیں رہا کر دیا جائے جس کے وہ طرح کے مستحق ہیں۔ یا انہیں بنگال کے کسی ضلع ہی میں قید کر دیا جائے یا پھر مکہ کو ہجرت یا حج کی اجازت مرحمت ہو۔
(دستخط) مولوی فضل الرحمن قاضی القضاۃ کلکتہ
حاجی محمد صدیق از عمائد کلکتہ
عبدالوحید تاجر
(اسی طرح ڈیڑھ سو اصحاب کے دستخط ہیں)
لیکن افسوس کہ یہ سعی بھی رائیگاں گئی اور حکومت نے اپنا فیصلہ بدلنے سے انکار کر دیا، آخر کار انہیں کلکتے سے فائرکوین Fire

Queen نامی جہاز پر سوار کر کے سمندر پار انڈیمان بھیج دیا گیا، جہاں اس عرصے میں تمام عمر قیدی بھیجتے جاتے تھے۔ان کا جہاز 8 اکتوبر 1859ء کو پورٹ بلیئر پہنچا، یہاں ان کا قیدیوں میں دفتری نمبر (3687) تھا۔
(فضل حق خیر آبادی ص131 تا134، افضل حق قرشی)

مولانا فضل حق کی رہائی کے لیے وزیر ہند کے نام درخواست

وہ یہاں کالے پانی پہنچنے کے بعد بھی ہمت نہیں ہارے اور انہوں نے ایک اور کوشش حکام سے دادرسی کی کی ہندوستان میں گورنر جنرل سے اپیل کر کے ناکام ہو ہی چکے تھے اب انہوں نے 9 جنوری 1860ء کو مندرجہ ذیل درخوات وزیر ہند کی خدمت میں ولایت بھیجی۔

درخواست بنام وزیر ہند:

1...... مجھے ملکہ معظمہ کے اعلان معافی کے خلاف حبس دوامی بعبور دریائے شور اور ضبطی جائیداد کی سزا دی گئی ہے، میں نے ہندوستان میں تمام حکام مجاز کی خدمت میں انصاف کی، یا کم از کم میری عمر کا خیال رکھتے ہوئے رحم کی درخواست کی ہے،لیکن بے سود، اب میں اپنے آپ کو دادرسی کے لیے آپ کے قدموں میں ڈالتا ہوں۔

2...... زیادہ تفصیل میں نہیں جاتا اور صرف سپیشل کمشنر کے فیصلے کی اور حکومت ہند سے اپنی درخواست کی نقلیں ملفوف کرتا ہوں، انہی سے معلوم ہو جائے گا کہ مجھ پر مقدمہ چلانے، میرا جرم ثابت کرنے اور پھر مجھے سزا دینے میں حضور ملکہ معظمہ کے اعلان کی منشاء کی خلاف ورزی کی گئی ہے، میں اس کے ساتھ ایک درخواست کی نقل بھی بھیج رہا ہوں جو کلکتہ کے مقتدر مسلمانوں نے حکومت ہند کی خدمت میں میری رہائی کے لیے دی تھی۔میں ذیل میں مختصراً چند باتیں بیان کر دیتا ہوں تا کہ میرے معاملے کی نوعیت واضح ہو جائے۔

3...... جیسا کہ سپیشل کمشنر نے بھی اپنے فیصلے میں ذکر کیا ہے، میرا خاندان اپنی دنیوی حیثیت کے لیے بہت حد تک سرکار انگریزی کا مرہون منت ہے۔ایک زمانے میں خود میں بھی انگریزی ملازمت میں بہت اچھے عہدے پر متمکن تھا،اس سے ظاہر ہے کہ میں انگریزی حکومت کے خلاف کسی تحریک میں حصہ نہیں لے سکتا تھا۔حقیقت یہ ہے کہ جب شورش کا آغاز ہوا ہے۔میں ریاست الور میں ملازم تھا۔میں اس کے چار مہینے بعد دہلی گیا تا کہ وہاں سے اپنی بیوی کو نکال لاؤں جو خطرے میں گھر گئی تھی، میں اسے ساتھ لے کر اپنے وطن خیر آباد چلا گیا اور مئی 1858ء تک وہاں رہا۔

وہاں سے ہمیں ایک شخص احمد شیخ کے تشدد مجرمانہ کی بدولت بھاگ کے بونڈی جانا پڑا، وہاں ہماری جان خطرے میں تھی، بونڈی میں دو شخص عبدالحکیم اور مرتضیٰ حسین میرے خلاف ہو گئے، یہ دونوں شیعہ تھے، مجھے نقصان پہنچانے کی خاطر ان دونوں نے بیان دیا کہ انہوں نے سنا تھا کہ میں ممو خان اور دوسرے باغیوں کے مشوروں میں شامل تھا اور قتل کے جواز کے فتوے دیتا تھا۔بات صرف اتنی ہے کہ جب ہم بھاگ کر بونڈی آ رہے تھے تو ایک باغی سرغنے مسیح الزماں نے ہمیں راستے میں گرفتار کر لیا،اس نے ہمارے ساتھ بہت سختی کا سلوک کیا اور ہمیں کھیڑی میں نظر بند کر دیا،خوش قسمتی سے کھیڑی کے باشندے مجھے جانتے تھے،ان لوگوں کے کہنے پر مسیح الزماں نے ہمیں رہا کر دیا۔اس سے معلوم ہو گا کہ اگر کسی طرح کا میرا باغیوں سے تعلق پیدا ہوا بھی تو میری مرضی کے خلاف تھا۔

ملکہ معظمہ کے اعلان میں آخری تاریخ دسمبر 1858ء مقرر کی گئی تھی، اس میعاد کے گزرنے سے پہلے ہی میں سیتا پور کے اعلیٰ فوجی افسر

کی خدمت میں حاضر ہوگیا اور ان سے اس مفاد کی سند بھی حاصل کرلی، اس کے بعد میں انہی کی زیر ہدایت اپنے مکان پر خیر آباد چلا آیا اور یہاں پہنچ کے میں نے وہ سند خیر آباد کے ڈپٹی کمشنر کے دفتر میں داخل کرادی، جنوری 1859ء میں مجھے زیر حراست لکھنؤ لائے اور یہاں مجھ پر مقدمہ قائم ہوا اور مارچ میں میرے خلاف فیصلہ ہوا، میں نے اس سلسلے میں درخواست حکومت ہند میں پیش کی تھی اس سے اس فیصلے کی غلطی ثابت ہوسکتی ہے۔ اس کی نقل لف ہذا ہے۔

4۔جب میں نے چیف کمشنر سے اس فیصلے کے خلاف اپیل کی تو مجھے 7/اپریل 1859ء کو اطلاع ملی کہ وہ اپیل کی سماعت نہیں کر سکتے بلکہ مقدمہ اس سے پہلے ہی حکومت ہند کے پاس بھیجا جاچکا ہے۔ اس پر جب میں نے اپنی اپیل حکومت کو بھیجی تو میرے وکیل مسٹر سون ہوبیبی ولیزلی کو خط مؤرخہ 11 مئی 1859ء کے ذریعے مطلع کیا گیا کہ یہ مقدمہ گورنر جنرل با اجلاس کونسل کی خدمت میں پیش ہوا تھا۔ جہاں سے سپیشل کمشنر نے جو سزا دی تھی، اس کی توثیق کردی گئی ہے اس سے ظاہر ہے کہ اس فیصلے کے خلاف جو دلائل میں پیش کرنا چاہتا تھا ان پر غور کیے بغیر ہی آخری فیصلہ میرے خلاف کردیا گیا، اس پر میں نے پھر درخواست ارسال کی، جس کا جواب مجھے 7/اکتوبر میں ملا کہ یہ رد کی جاتی ہے۔

5......کلکتہ کے معزز ترین مسلمانوں نے جن کی وفاداری سے متعلق کسی قسم کا شبہ نہیں، قاضی القضاۃ کی سرکردگی میں جو حکومت کا سب سے بڑا مسلمان افسر ہے، حکومت ہند سے اکتوبر 1859ء میں درخواست کی کہ میری بے گناہی کے علاوہ میری پیری اور ضعف جسمانی کے پیش نظر مجھے رہا کردیا جائے، لیکن حکومت نے اس درخواست پر بھی کوئی توجہ نہ دی۔

6......ان حالات میں اب میرے پاس اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں رہا کہ آپ سے درخواست کروں کہ میرے خلاف نفس مقدمہ، اس کے فیصلے اور سزا سے ملکہ معظمہ کے اعلان معافی کی خلاف ورزی ہوئی ہے، جس کی رو سے قاتلوں اور بغاوت کے سرغنوں اور محرکوں کے علاوہ اور سب کو معافی کا وعدہ دیا گیا تھا، میری حیثیت ہی کیا ہے۔

میں نہ باغی ہوں، نہ باغیوں کا ساتھی، کمشنر نے اپنے فیصلے میں لکھا ہے کہ میں بہت خطرناک آدمی ہوں اس لیے انصاف اور امن عامہ کا تقاضا یہ ہے کہ مجھے ملک سے باہر بھیج دیا جائے۔ بڑے بڑے سردار جو بغاوت کے سرغنے اور مشہور قاتل تھے وہ تو رہا کردیئے گئے، بلکہ ان میں سے بعض کو پنشن بھی مل رہی ہے لیکن برطانوی حکومت مجھ ناچیز بوڑھے سے ڈرتی ہے جو کہ قبر کے کنارے پہنچ چکا ہے۔

میری درخواست یہ ہے کہ اور انصاف کا بھی یہی تقاضا ہے کہ مجھے رہا کردیا جائے اور میری ضبط شدہ جائیداد بحال کردی جائے ورنہ کم از کم رحم ہی کے طور پر یہ کیا جائے۔

9 جنوری 1860ء

(مولانا فضل حق خیر آبادی از فضل حق قرشی ص 137 تا 141)

مولانا فضل حق اور دوسرے بریلویوں کے وہ حوالہ جات جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مولانا فضل حق کا جنگ آزادی 1857ء میں کوئی حصہ نہ تھا:

1۔مولوی فضل حق کا اپنا بیان جو انہوں نے عدالت میں دیا اور کہا نہ میں نے کسی کی ملازمت کی نہ باغیوں میں شامل ہوا۔

2۔مولوی فضل حق نے جو درخواست وائسرائے کو دی اس درخواست میں لکھا مجھ پر بغاوت اور قتل کی ترغیب کا الزام لگایا گیا ہے لیکن

شاہی اعلان نے یہ تمام جرم معاف کر دیئے ہیں اس لیے اگر بفرض محال یہ خیال بھی کرلیا جائے کہ یہ فدوی ان جرائم کا مرتکب ہوا تھا جب بھی اس اعلان شاہی کی موجودگی میں مجھ پر جو مقدمہ چلایا گیا اور سزا دی گئی ہے۔ برخلاف قانون اعلان نے عام معافی سے صرف ان لوگوں کو مستثنیٰ کیا ہے جنہوں نے براہ راست برطانوی رعایا کے قتل میں حصہ لیا قاتلوں کو پناہ دی یا وہ لوگ جو بغاوت کے سرغنہ تھے یا جنہوں نے لوگوں کو بغاوت پر اکسایا میں ان میں سے کسی جرم کا بھی بلاواسطہ یا بالواسطہ مرتکب نہیں ہوا۔

3۔وائسرائے کی درخواست میں مولوی فضل حق نے لکھا اس کے بعد مسیح الزماں نے مجھے پکڑ کر قید کر دیا کیوں کہ میں نے اس کے ساتھ بغاوت میں شریک ہونے سے انکار کر دیا تھا۔

4۔مولوی فضل حق کے بریلوی شاگردوں نے مولوی فضل حق کی رہائی کے لیے جو درخواست دی اس میں لکھا: حقیقت یہ ہے کہ جس طرح کی سخت سزا انہیں دی گئی ہے وہ کسی طرح اس کے مستحق نہیں کیونکہ وہ نہ تو قاتل ہیں نہ باغی نہ انہوں نے لوگوں کو بغاوت پر بھڑکایا نہ انہیں اپنے ہاں پناہ دی۔

5۔شاگردوں نے درخواست میں لکھا یہ پوری طرح ثابت ہوگیا ہے کہ ان مولانا فضل حق کا بلاواسطہ یا بالواسطہ بغاوت سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

6۔وزیر ہند کے نام جو درخواست لکھی گئی اس میں مولوی فضل حق نے لکھا جیسا کہ سپیشل کمشنر نے بھی اپنے فیصلے میں ذکر کیا ہے میرا خاندان اپنی دنیوی حیثیت کے لیے، بہت حت تک سرکار انگریز کا مرہون منت ہے ایک زمانے میں خود بھی انگریزی ملازمت میں بہت اچھے عہدے پر متمکن تھا اس سے ظاہر ہے کہ میں انگریزی حکومت کے خلاف کسی تحریک میں حصہ نہیں لے سکتا تھا۔

7۔وزیر ہند کے نام درخواست میں مولوی فضل حق نے لکھا اس سے معلوم ہوگا کہ اگر کسی طرح کا میرا باغیوں سے تعلق پیدا ہوا بھی تو میری مرضی کے خلاف تھا۔

پیام شاہ جہان پوری نے لکھا ہے:

علامہ فضل حق خیر آبادی کی اس عرضی کا غیر جانبدارا اور حقیقت پسندانہ تجزیہ کرنے سے مندرجہ ذیل نکات پیدا ہوتے ہیں۔

1۔علامہ مرحوم عرضی نواب رام پور کی سرکار میں ارسال فرماتے ہیں۔ یہ نواب انگریزوں کا بہت بڑا حامی و جاں نثار تھا۔اس نے اپنی فوجوں سے انگریزوں کی مدد کی۔ چند دوسی سے سنبھل تک ہر جگہ باغیوں کو کچل کر رکھ دیا۔ پھر مراد آباد میں باغی فوجوں کو شکست فاش دی اور انگریزوں کا اقتدار ان علاقوں میں از سر نو بحال کیا، اگر علامہ فضل حق دل سے سرکار انگریزی کی حکومت کے خلاف اور باغیوں کے حامی و ہی خواہ ہوتے تو ایسے نواب کی سفارش کا کبھی سہارا نہ لیتے جس کے دامن پر ہزاروں سرفروش باغیوں کا خون تھا اور جس نے ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا کر انگریزی اقتدار از سر نو بحال کیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان واقعات کے بعد بھی علامہ فضل حق نے نواب رام پور کے ان افعال پر کسی قسم کی نفرت کا اظہار تو کجا اسے اپنا ہم نوا و سفارشی بنایا۔اس کی حکومت کو ابد تک قرار کی دعا دی۔

2۔علامہ فضل حق خیر آبادی نے خود کو ان تمام جرائم سے بری ظاہر کیا جو ان پر عائد کیے گئے تھے اور یہ جرائم ایک دوسرے فضل حق سے منسوب کیے (جو بلا شبہ درست تھے) اگر علامہ واقعی دل سے باغیوں کے خیر خواہ ہوتے تو ایک ایسے شخص کی نشان دہی کر کے اسے مجرم ثابت نہ کرتے جس سے انگریزوں کی حکومت جڑے اکھیڑ پھینکنے میں بڑی جی داری کا ثبوت دیا۔

3۔علامہ فضل حق نے ان اخبارات کے مالکوں کو بھی بد دعا دی اور انہیں خانہ خراب کے خطاب سے نوازا جنہوں نے بغاوت کے جرم میں ملوث کیا۔

4۔علامہ فضل حق نے اپنی عرضی میں 1857ء کے ''جہاد'' کو ابتلا اور غدر کے الفاظ سے موسوم کیا،گویا وہ اسے جہاد یا آزادی کی جنگ قرار نہ دیتے تھے بلکہ فتنہ اور شورش وفساد سمجھتے تھے۔

5۔آخر میں نواب رام پور سے فریاد کی کہ انہیں بعض نام کی مشارکت کی وجہ سے دہلی کے انگریز حاکموں نے بے گناہ پکڑ لیا ہے۔

مولانا فضل حق کے اصل خط کی خط کشیدہ عبارت کا مطالعہ بیان حقائق کی تائید کرتا ہے،اس عرضی کے منظر عام پر آجانے کے بعد علامہ فضل حق کی جنگ آزادی میں شرکت اور آزادی کے لیے جدوجہد محض افسانہ بن کر رہ جاتی ہے۔اگر انہیں سزا ہوئی تو بقول ان کے جرم بے گناہی میں ہوئی اور نام کی مشارکت کی وجہ سے انہیں وہی فضل حق سمجھ لیا گیا جو سادات شاہ جہان پور سے تعلق رکھتے تھے اور جنہوں نے 1857ء کی بغاوت میں مردانہ وار حصہ لیا تھا،یہ بیان خود علامہ فضل حق کا ہے نواب رام پور کے نام ان کی عرضی اس کی تائید کرتی ہے۔

1857 میں سینکڑوں بلکہ ہزاروں بے گناہ افراد کو گولی مار کر یا پھانسی دے کر ختم کر دیا گیا اور ان کی جائیدادیں بحق سرکار ضبط کر لی گئیں۔انہی میں علامہ فضل حق بھی تھے جنہیں کالا پانی کی سزا ہوئی۔چونکہ انہیں انگریز حکام نے بے گناہ سزا دی تھی اور ایک اور شخص کے جرم ان کے سر تھوپ دیئے تھے اس لیے اس کا ردعمل ہوا اور انہوں نے جزائر انڈیمان میں اپنی اسیری کے دوران انگریزی حکومت کو خوب جلی کٹی سنائیں۔یہ ایک قدرتی امر تھا،اس کے باوجود ان کے فرزند مولانا عبدالحق جنہیں سرکار برطانیہ سے شمس العلماء کا خطاب عطا ہوا تھا علامہ فضل حق کی رہائی کے لیے کوشش بھی کرتے رہے۔اغلب ہے کہ وہ بے گناہی ثابت ہونے پر رہا بھی ہو جاتے مگر افسوس کہ موت نے مہلت نہ دی۔

(1857ء کا جہاد ص 136۔137)

ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ مولوی فضل حق کا جنگ آزادی 1857ء میں کوئی حصہ نہ تھا اب بھی اگر کوئی کہے کہ فلاں نے لکھا ہے کہ مولوی فضل حق مجاہد تھا اس نے جنگ آزادی 1857ء میں حصہ لیا تھا،اس نے یہ کیا،اس نے وہ کیا،تو وہ غلط کہتا ہے کیونکہ مولوی فضل حق کے ذاتی بیان کے مقابلہ میں کسی اور کی بات قابل قبول نہیں ہے اور مولوی فضل حق کا اپنا ذاتی بیان ہے کہ میں باغیوں میں شامل نہیں ہوا۔ جن لوگوں نے بھی لکھا کہ مولوی فضل حق نے 1857ء کی جنگ آزادی میں حصہ لیا ان لوگوں کو یہ حقائق معلوم نہ ہوں گے۔

مولانا عبدالحق خیرآبادی

مولوی عبدالحق خیرآبادی مولوی فضل حق خیرآبادی کے بیٹے اور مولوی فضل امام کے پوتے تھے۔مولوی فضل امام رشوت لیتے ہوئے پکڑے گئے تھے اس کی وجہ سے وہ ملازمت سے معطل کر دیے گئے۔

مولوی عبدالقادر رام پوری نے لکھا ہے:

مولوی برکت اللہ دہلوی شاہ جہاں آباد کے صدر دفتر کے محافظ تھے چونکہ گورنر صاحب بہادر کے وارد ہوتے ہی رشوت کی بنا پر مولوی فضل امام (خیرآبادی) ملازمت سے معطل ہو گئے۔ (علم وعمل ص 199 ج 2)

مولانا عبدالحق دربار قیصری میں:

عبدالشاہد خاں شروانی نے لکھا ہے:

خلد آشیان فرماں روائے رام پور (نواب علی خاں جو بہت بڑا انگریز نواز تھا) بیماری کی وجہ سے دہلی آنے اور دربار قیصری میں شرکت سے معذور رہے تھے پر چہ گزرنے پر ولی عہد بہادر (نواب مشتاق علی خاں) نے خلد آشیاں (نواب کلب علی خاں) کو اس واقعہ کی اطلاع تار پر دی تار ہی پر جواب آیا ہماری طرف سے (مولوی عبدالحق) کو گیارہ پارچہ کا خلعت اور نقد دو ہزار پیش کرو۔

شمس العلماء جو کسی بات پر مدارالمہام رام پور سے برہم ہو کر دہلی اس غرض سے آئے تھے کہ واپس نہ جائیں اور کسی ریاست میں ملازمت کر لیں اس قدر افزائی پر دربار قیصری کے بعد رام پور چلے آئے اور پھر کبھی خلد آشیاں سے جدا نہ ہوئے۔

(باغی ہندوستان ص 174)

مولانا عبدالحق خیر آبادی کو انگریزوں سے وظیفہ بھی ملتا تھا:

عبدالشاہد خاں شروانی نے لکھا ہے:

ہم امید کرتے ہیں کہ ہز ہائنس فرماں روائے رام پور اور اعلیٰ گورنمنٹ (گورنمنٹ انگریزی) نظام شمس العلماء مرحوم کے وظائف ان کے صاحبزادے مولانا اسدالحق صاحب کے نام منتقل فرما دیں گے کہ مقامات مختلف وممالک دور دراز کے طلبا بے آس نہ ہوں اور دارالعلوم خیر آباد دارالعلوم بنا رہے۔

(باغی ہندوستان ص 171)

مولانا عبدالحق کو انگریزوں سے شمس العلماء کا خطاب ملا:

پروفیسر ایوب قادری بریلوی نے لکھا ہے:

16 فروری 1887ء کو ملکہ وکٹوریہ کی تقریب جوبلی منعقد ہوئی ہندوستان میں مختلف مقامات پر دربار منعقد ہوئے اس موقع پر طے ہوا کہ علوم شرقی کی فضیلت کو سرکاری طور پر منایا جائے گورنمنٹ نے مسلمان علماء کو شمس العلماء اور ہندو پنڈتوں کو مہامہو کے خطابات دینے تجویز کیے اور اسی سال 1887ء سے اس کا اجراء عمل میں آیا جن لوگوں کو شمس العلماء کا خطاب دیا گیا ان میں مولانا عبدالحق خیر آبادی بھی تھے۔

(روزنامہ حریت کراچی 9 جولائی 1977ء)

مولوی عبدالحق کو انگریزوں کی طرف سے جو شمس العلماء کا خطاب ملا تھا اس کی فوٹو کاپی ملاحظہ فرمائیے۔



Sanad

To,

Maulvi AbdulHaque
of Khairabad in Oudh
I hereby Confer upon
you the title of Shamsul-
ulama as a personal
distinction

Dufferin
Viceroy & Governor
Fort William General of India
The 16th February 1887



(باغی ہندوستان ص:180-181)

☆ ☆ ☆

مولانا فضل عظیم خیرآبادی:

مولانا فضل عظیم خیرآبادی مولوی فضل امام خیرآبادی کے بیٹے اور مولوی فضل حق خیرآبادی کے بڑے بھائی تھے ۔مولوی فضل عظیم انگریز ریذیڈنٹ ولیم فریزر کا خاص اعتماد والا آدمی تھا۔انگریز ریذیڈنٹ ولیم فریزر کی مولوی فضل عظیم سے بڑی محبت تھی اور مولوی فضل عظیم کو بھی انگریز ریذیڈنٹ ولیم فریزر سے بڑی محبت تھی۔اس لیے مولوی فضل عظیم انگریز ریذیڈنٹ ولیم فریزر کو آقائے نامدار یا آقا کہہ کر پکارتا تھا۔ مولوی فضل عظیم انگریز ریذیڈنٹ ولیم فریزر کی بڑی تعریف کرتا تھا تعریف کیوں نہ کرتا کیونکہ مولوی فضل عظیم انگریز کا وفادار اور خاص اعتماد والا آدمی تھا۔

پروفیسر محمد ایوب قادری بریلوی لکھتے ہیں:

انیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں مولانا فضل حق کے برادر اکبر مولوی منشی فضل عظیم خیرآبادی سہارن پوری میں افسر مقرر ہوئے۔وہ ولیم فریزر (ف 12 مارچ 1835ء) کے معتمد خاص تھے اوران کی ترقی میں ولیم فریزر کا خاصا ہاتھ رہا ہے۔ہم عصر وقائع نگار مولوی عبدالقادر رام پوری لکھتے ہیں:

مولوی فضل امام کے بڑے بیٹے منشی فضل عظیم فارسی نظم ونثر میں مہارت رکھتے ہیں جو واقعہ پیش آئے اس کی کیفیت قلم برداشتہ لکھ دیتے ہیں ولیم فریزر (انگریز افسر) بہادر کی ان پر بے حد شفقت ہے۔

(علم عمل وقائع عبدالقادر خانی جلد اول ص 255)

15۔1814ء میں نیپال کے گورکھوں اور انگریزوں سے جنگ ہوئی اس مہم کا سربراہ ولیم فریزر تھا اور فضل عظیم اس کے خاص معتمد اور منشی تھے انہوں نے گورکھوں اور انگریزوں کی جنگ کی کیفیت کو وقائع کوہستان کے نام سے قلم بند کیا ہے۔یہ کتاب 1249ھ طبع مصطفائی دہلی سے شائع ہوئی اس وقت منشی فضل عظیم سہارن پور میں ڈپٹی کلکٹر تھے۔

وقائع کوہستان میں منشی فضل عظیم ولیم فریزر کی حیثیت اور اپنی کارگزاری کے متعلق لکھتے ہیں:

جنرل سرداؤد اختر لونی صاحب بہادر لدھیانہ اور کرنال میں متعینہ کمپو کے ساتھ امر سنگھ تھاپا کے مقابلہ کے لیے جو راجہ نیپال کا نائب اور اس محال کا مختار و مدار المہام تھا رام گڑھ اور بھاٹو وغیرہ کی طرف ماموراور روانہ ہوئے اور میرٹھ کا کمپو جنرل کلپی کی سرکردگی میں تھا کمشنر ومختار آقائے نامدار صاحب اقتدار مسٹر ولیم فریزر صاحب بہادر نے جو بہادری وشجاعت میں ضرب المثل اور مالی وملکی انتظام میں بے نظیر تھے اس وجہ سے وہ کپتان بھد راور کاجی رنجور کے اخراج اور تنبیہ وتادیب کے لیے کوہ گڑھوال اور کوہ سرمور کی فتح کے لیے مامور ومتعین ہوئے اور مسٹر کارنر صاحب بہادر فتح مندفوج موزوں ساز وسامان اور کثیر جمعیت کے ساتھ کوہ کمایوں کے تخلیہ کے لیے مامور ومقرر ہوئے۔

اس طرح دوسرے حمیدہ اوصاف کے مالک اور جنگ آزمودہ بہادر (انگریز) اطراف واجوانب سے ان باغیوں (گورکھوں) کے قتل واخراج کے لیے مقرر ونامزد ہوئے۔راقم الحروف کہ فضل عظیم کے نام سے مشہور ہے اس زمانہ آقا ولیم فریزر کی ہمراہی میں خطوط اور پروانہ جات کے لکھنے پڑھنے اور مہمات کے انتظام میں معروف اور اپنے آقا (ولیم فریزر) کی حاکمانہ عنایات سے بہرہ ور تھا (راقم الحروف) اس مہم میں ہر جگہ موجود تھا اور اس زمانہ کی سرگزشت اور سارے واقعات سے واقف لہٰذا جنگ وجدل کا حال فضل کے معرکوں کے واقعات اور اس بدقسمت گروہ (گورکھوں) کی خرابی وابتری کا کچھ حال بطور اختصار لکھتا ہوں۔

(وقائع کوہستان ص 4 بحوالہ مولانا فضل حق خیرآبادی ص 32۔34)

اس کتاب کے خاتمے پر منشی فضل عظیم لکھتے ہیں:

فتح مند فوجوں کا کمپو کہ جو اس بدنصیب قوم (گورکھوں) کی تنبیہ واخراج کے لیے اور قلعوں کے خالی کرانے کے متعین و مامور تھا پہاڑ سے اتر آیا اور منتشر ہوگیا ہر ایک پلٹن اپنی چھاؤنی کو چلی گئی اور جنگ کا قصہ ختم ہوگیا اور آقائے نامدار (ولیم فریزر) کوہستان کی سیر کے بعد ماہ اگست 1815ء میں واپس آئے فتح مندی اور خوشی بخشی کے ساتھ شہر دہلی میں داخل ہوئے اور یہ احقر العباد (فضل عظیم) شہر مذکور (دہلی) میں صاحب موصوف (ولیم فریزر) کے ہمراہ آیا۔

(وقائع کوہستان ص 72 بحوالہ مولانا فضل حق خیرآبادی ص 34،35)

نواب سید کلب علی خاں رام پوری:

نواب سید کلب علی خاں رام پوری مولانا فضل حق خیر آبادی اور ان کے بیٹے مولانا عبد الحق خیر آبادی کے شاگرد تھے۔
عبد الحکیم شرف قادری بریلوی نے لکھا ہے:
نواب یوسف علی خاں رام پوری اور نواب کلب علی خاں رام پوری مولوی فضل حق خیر آبادی کے شاگرد تھے۔

(باغی ہندوستان ص 13)

عبد الشاہد شروانی نے لکھا:
نواب کلب علی کے اصرار پر (مولوی عبد الحق خیر آبادی) رام پور تشریف لے گئے نواب نے شاگردی اختیار کی اور تعظیم وتکریم کا حق ادا کر دیا۔ (باغی ہندوستان ص 169)

نواب کلب علی خاں کا مذہب:

حکیم نجم الغنی نے لکھا ہے:
نواب صاحب سنی مذہب حنفی مشرب تھے اور اس مذہب کے نہایت حامی و پابند تھے۔

(اخبار الصادید جلد دوم ص 210)

نواب صاحب سلسلہ متبرکہ نقشبندیہ میں حضرت مولانا عبد الرشید صاحب قدس سرہما سے بیعت تھے۔

(اخبار الصادید جلد دوم ص 217)

مولوی عبد الرشید مجددی بریلوی، 1273ھ میں والد صاحب کے حکم سے نواب سید کلب علی خاں مرحوم کی بیعت کے لیے رام پور گئے اور ایک ماہ قیام کر کے دہلی واپس گئے

(تذکرہ علماء اہل سنت ص 138)

مولانا احمد رضا بریلوی کی نواب کلب علی خاں سے ملاقات:

ظفر الدین بہاری نے لکھا ہے:
نواب (کلب علی خاں) صاحب نے اول سے آخر تک ایک ایک سطر بغور پڑھا جب انہوں نے دیکھا کہ سب فتویٰ حضرت مولانا شاہ ارشاد حسین صاحب کی تائید وتصدیق میں ہیں صرف دو عالموں کی رائے اس کے خلاف ہے جناب شیخ فضل حسین (مولوی احمد رضا کا سسر) صاحب افسر ڈاک خانہ وہاں تشریف رکھتے تھے ان سے پوچھا کہ آپ جانتے ہیں یہ مولانا احمد رضا خاں صاحب کون شخص ہیں جناب شیخ صاحب موصوف نے فرمایا وہ حضور کا عزیز ہے۔ جناب شیخ صاحب موصوف ریاست رام پور میں گورنمنٹ (انگریزی حکومت) کی طرف سے ڈاک خانہ میں ملازم تھے اور نواب صاحب اور ریاست کے بہت ہمدرد تھے جس کی وجہ سے نواب صاحب کے دل میں ان کی بڑی وقعت تھی۔

جب نواب کو معلوم ہوا کہ یہ مفتی مولانا احمد رضا خاں صاحب شیخ صاحب کے خویش ہیں اور مصدق جناب مولانا نقی خاں صاحب شیخ صاحب کے سمدھی ہیں تو نواب صاحب نے فرمایا کہ آپ اپنے خویش کو بلوائیے ہم ان کو دیکھنا چاہتے ہیں چنانچہ حسب طلب و دعوت جناب شیخ صاحب اعلیٰ حضرت قبلہ رام پور تشریف لے گئے جناب شیخ صاحب اپنے ساتھ نواب صاحب کے یہاں اعلیٰ حضرت کو لے کر گئے جس وقت اعلیٰ حضرت نواب صاحب کے یہاں پہنچے چونکہ دبلے پتلے تھے نواب صاحب نے دیکھ کر بہت تعجب کیا اور اپنے ساتھ پلنگڑی پر بٹھالیا اور بہت لطف ومحبت سے باتیں کرنے لگے۔

(حیات اعلیٰ حضرت قدیم جلد نمبر 1 ص 135)

مولانا احمد رضا خان نواب صاحب کی ولایت کے قائل تھے

''مولوی عرفان علی قادری بیسلپوری کا بیان ہے کہ:

ایک مرتبہ اعلی حضرت کے سامنے والی ریاست رامپور نواب کلب علی خان صاحب علیہ الرحمۃ کا ذکر ہو رہا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ: ''مرحوم اہل دل سے تھے، پھر فرمایا کہ: ''میں ان کو ہر سال ایام حج میں مدینہ منورہ کی گلیوں میں فقیروں کی طرح پھرتا دیکھتا ہوں''۔

(حیات اعلی حضرت از مولانا ظفر الدین بہاری مکتبہ نبویہ لاہور ص ۹۶۴ بحوالہ فیضان اعلی حضرت ص ۳۸۵)

نواب کلب علی خاں رام پوری نواب یوسف علی خاں رام پوری کے بیٹے اور نواب محمد سعید خاں رام پوری کے پوتے تھے۔ نواب کلب علی خاں کے دادا نواب محمد سعید بڑے انگریز نواز اور انگریزوں کے بڑے وفادار اور خیر خواہ تھے جب نواب محمد سعید کے فوت ہونے کا وقت قریب آیا تو اس نے اپنے بیٹے نواب محمد یوسف خاں کو کچھ وصیتیں کیں جو یہ ہیں:

فرزند یوسف دنیا میں کسی کے ہمیشہ ماں باپ زندہ نہیں رہے ہیں اور میں جانتا ہوں کہ اب میرا زمانہ انتقال بہت قریب ہے اور مرض لاحقہ بہت ترقی پر ہے مگر اے فرزند میں تم کو جس قدر وصیتیں کرتا ہوں اس پر عمل کرنا تاکہ آرام سے ریاست کرو۔

ان میں سے ایک وصیت یہ تھی جس کا نمبر 3 ہے۔

برٹش گورنمنٹ اور احکام انگلشیہ کی اطاعت اپنا آئین بنانا اور ہر حال میں ان سے بدل دوستی رکھنا۔

(اخبار الصادید جلد دوم ص 23۔ 24)

نواب کلب علی خاں کی مسند نشینی:

نواب سید یوسف علی خاں بہادر نے اپنے انتقال سے قبل نواب سید کلب علی خاں بہادر کی ولی عہدی 1864ء میں انربیل ایڈمنڈ ڈرمنڈ صاحب لفٹنٹ گورنر ممالک متحدہ کے توسط سے لارڈ لارنس صاحب گورنر جنرل ہندوستان سے منظور کرا کر سندیں ان کو عطا کیں تھیں اور وصیت کی تھی کہ تمہارے دادا نے جو انتظام قائم کیا ہے اس میں کسی قسم کا تغیر و تبدل اور اہل کاروں کو حتی المقدور جدا مت کرنا رعایا کی فلاح اور آرام سے غافل نہ ہونا عیش وعشرت کی ممانعت نہیں مگر بالکل مصروف نہ ہو جانا کاروبار ریاست خود انجام دینا ہر ایک صیغے کی خبر گیری رکھنا دولت انگریزی (انگریزی حکومت) سے اتحاد بڑھانا جب ہمارا انتقال ہو تو فوراً خزانے کی کنجی لے کر ہتھیار لگانا اور مسند حکومت پر بیٹھ جانا اور ہماری تجہیز وتکفین چھوٹے صاحب کے سپرد کرنا۔ چنانچہ نواب سید کلب علی خاں نے تمام کاروائیاں نواب سید یوسف علی خاں کی وصیت کے

مطابق کیں اور فوراً مسند نشین ہو کر ارکان دولت کی نذریں لیں سلامی کی توپیں چلنا شروع ہوئیں شادیانے بجنے لگے۔

مزید لکھا ہے:

10 جون 1865ء کو مسٹر جان انگلس صاحب ایجنٹ ریاست و کمشنر روہیل کھنڈ رامپور آئے اور اسی روز چار گھڑی دن اپنے خاص دیوان خانے میں گورنمنٹ (انگریزی حکومت) کی جانب سے باضابطہ طور پر مسند نشین کیا۔

مزید لکھا ہے:

پھر ماہ رجب میں ملکہ معظمہ کی جانب سے مسند نشینی کا خلعت آیا گیارہویں رجب سے حکام کی آمد آمد ہوئی۔دعوت کے سامان مہیا ہونے لگے۔ 14 رجب 1282ھ بمطابق 4 دسمبر 1865ء کو مسٹر جان انگلس کمشنر روہیل کھنڈ ایجنٹ ریاست مع اور صاحبان انگریز کے آغا پور میں آئے۔ 15 رجب کو ایک ترپ سواروں کا اور دو کمپنیاں تلنگوں کی ساتھ لیے صاحب ایجنٹ وہیں ٹھہرے رہے اسی روز دس بجے دن کے نواب صاحب پہلے جریدہ آغا پور میں ملاقات کو گئے اور وہاں سے واپس آئے پھر قریب دو بجے دن کے سامان جلوس کے ساتھ ہاتھی پر سوار ہو کر بڑے تزک سے آہستہ آہستہ آغا پور کو روانہ ہوئے تین بجے سواری وہاں پہنچی لشکر سے ایک میٹر کے فاصلے پر دو انگریز پیشوائی کو کھڑے تھے اور صاحب ایجنٹ نے تیس صاحبان انگریز کے ساتھ درخیمہ پر استقبال کیا جب ڈیرے میں بیٹھ گئے تو صاحب ایجنٹ نے گورنمنٹ (انگریزی حکومت) کی طرف سے نواب صاحب کو خلعت مسند نشینی جس میں 22 پارچے تھے پہنایا ہاتھی اور گھوڑا بھی دیا۔

(اخبار الصادید ص 132۔135 ج 2)

نواب کلب علی خاں کو انگریزوں سے وفاداری کے صلے میں خطابات، اعزازات اور نشان قیصریٰ ملے:

نواب کلب علی خاں نے اپنے باپ کی وصیتوں پر پورا عمل کیا اور انگریز نوازی کا حق ادا کیا انگریزوں کے ہاں نواب کلب علی خاں کا بڑا وقار تھا اور نواب صاحب کو انگریزوں کی طرف سے بہت سے انعامات و اعزازات ملے۔

مولوی نجم الغنی نے لکھا ہے:

حکام انگریزی کی نظروں میں ان کا بہت بڑا وقار تھا انہوں نے اتحاد دولت انگلشیہ کو خوب ترقی دی۔

(اخبار الصنادید ص 227 ج 2)

نواب کلب علی خاں نے 1857ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا نواب کلب علی خاں کے والد نواب یوسف علی خاں جو انگریزوں کے بڑے وفادار اور خیر خواہ تھے اور 1857ء کی ہندوستان کی جنگ آزادی میں انگریزوں کا ساتھ دیا تھا، نے 1857ء کی جنگ آزادی میں انگریزوں کی مدد کے لیے ڈیوٹیاں لگائی تھیں جن کو کلب علی خان نے پورا کیا۔

مولوی نجم الغنی نے لکھا ہے:

نواب یوسف علی خاں نے ان قیدیوں (1857ء کے مجاہدین) کو سزا تجویز کرنے کے لیے اپنے ولی عہد نواب سید کلب علی خاں کے حوالے کر دیا جنہوں نے ان سب کو جیل خانے میں قید کر دیا۔

(اخبار الصنادید ص 33 ج 2)

نواب صاحب بہادر (نواب یوسف علی خاں) نے کچھ فوج اور اپنے خیر خواہ معتمدین ہم رکاب ولی عہد ریاست (نواب سید کلب علی خاں) کالا ڈھونگی کو بھیجے تا کہ صاحب کمشنر و دیگر یورپین (انگریزوں) کو بحفاظت تمام مراد آباد پہنچا ئیں اور خود نواب صاحب ڈرہال تک جو رام پور سے بیس بائیس میل کے فاصلے پر ہے مع فوج کے حفاظت اور انتظام کے لیے گئے۔

کالا ڈھونگی سے کل یورپین (انگریز) ہاتھیوں پر سوار ہو کر چلے اور ان کے ساتھ ساتھ نواب ولی عہد بہادر مع فوج کے تھے موضع ڈرہال سے نواب صاحب بھی شریک ہو گئے صاحب کمشنر اور ہر ایک انگریز نے نواب سید یوسف علی خاں بہادر سے کہا کہ نواب صاحب ہم ٹوپی سے موزے تک آپ کے بندہ بے دام ہیں ہماری جانیں آپ کے سبب سے قائم رہیں ہیں سب کو بخیریت تمام مراد آباد پہنچایا۔

(اخبار الصنادید ص90 ج2)

شاہزادہ ویلز بہادر (ایڈورڈ ہفتم کے ہاتھ سے تمغہ ستارہ ہند پانا:

مولوی نجم الغنی نے لکھا ہے:

(1)...... 11 اپریل 1873ء کو نواب صاحب الہ آباد جا کر سر ولیم میور صاحب لفٹنٹ گورنر ممالک متحدہ سے رخصتی ملاقات کی اور سر جان اسٹریچی صاحب جدید لفٹنٹ گورنر سے ملاقات کر کے ان کے تقرر پر مبارک باد دی۔

(2)...... 1875ء میں عالی جناب البرٹ ایڈورڈ پرنس ویلز بہادر ولی عہد ہندوانگلستان سے جو ہندوستان کی سیر کو آئے تھے آگرے میں ملاقات کی اور نواب صاحب کی علالت سنگ مثانہ کے واسطے شاہی ڈاکٹر مقرر ہوا۔ مگر آپ نے بلطائف الحیل عذر کیا اور شہزادہ موصوف نے ملکہ معظمہ کوئین وکٹوریہ کی جانب سے تمغہ گرینڈ کمینڈر سٹار آف انڈیا پہنایا بڑے لطف کے ساتھ ملاقاتیں ہوئیں۔ نواب سید کلب علی خاں نے رام پور واپس آ کر اس خوشی میں بڑا دربار کیا۔

(3)...... 17 اکتوبر 1883ء کو نواب سید کلب علی خاں سر الیفر ڈلائیل صاحب لفٹنٹ گورنر ممالک متحدہ کی ملاقات کو مراد آباد گئے۔ 18 کو ہزآنر موصوف اور نواب صاحب کی ملاقات ہوئی، 19 کو بازدید کی ملاقات اور دعوت کا جلسہ ہوا جس میں لفٹنٹ گورنر صاحب نے نواب صاحب کی تشریف آوری مراد آباد اور ان کے عمدہ انتظام اور ایام غدر کی خیر خواہیوں کا بڑی منت پذیری سے ذکر کیا۔ 20 اکتوبر کو لفٹنٹ گورنر مراد آباد سے نینی تال سدھارے 21 کو نواب صاحب رام پور میں داخل ہوئے۔

(اخبار الصنادید)

دربار قیصری اور نواب صاحب کے مراتب ومناقب میں ترقی:

1599ء میں ملکہ الزبتھ نے چند سوداگروں کو ہندوستان میں سوداگری کرنے کا ٹھیکہ دیا۔ انہوں نے اپنی تجارت شروع کی خدا نے اس تجارت میں وہ برکت دی کہ اس کے ساتھ سلطنت بھی قائم ہوتی گئی۔ اور بتدریج سارے ہندوستان میں ہمالیہ سے لے کر راس کماری تک پھیل گئے۔ جو رموز سلطنت سے ماہرین وہ اس بات کو خوب سمجھتے ہیں کہ یہ سلطنت اس قسم کی ہے کہ جس کا وجود پہلے دنیا میں نہ تھا یہ سلطنت انگریزوں کی عالی دماغی اور بلند نظری اور مغل بادشاہوں کی عیاشی، کاہلی اور والیان ملک کی باہمی پھوٹ اور غارت گری نے ایجاد کی ہے۔ اس ایجاد کا سلسلہ سوداگری سے شروع ہو کر قیصریٰ تک پہنچا ہے۔ 1599ء اور 1877ء اور ملکہ الزبتھ اور ملکہ محتشمہ وکٹوریہ کو دیکھنا

چاہیے کہ ایک ملکہ نے ایک سنہ میں تجارت کرنے کا ٹھیکہ دیا اور دوسری ملکہ نے دوسرے سنہ میں خطاب قیصری اختیار کیا۔

اس دربار قیصریٰ میں نواب سید کلب علی خاں بوجہ علالت شریک نہ ہوسکے مگر اپنی جانب سے ولی عہد سید مشتاق علی خان کو مع جنرل سید علی اصغر خاں کے اور مختصر ہمراہیوں کے دربار دہلی کو بھیجا۔ لارڈ لٹن صاحب وائسرائے نے نواب سید کلب علی خاں کا عذر قبول کیا اور نشان قیصریٰ جس پر نواب صاحب کا پورا نام مع خطاب لکھا ہوا تھا مرحمت کیا۔ بجائے تیرہ توپوں کے پندرہ توپوں کی سلامی مقرر ہوئی۔ اور 1878ء میں خطاب مشیر قیصرہ مزید ہوا۔ مگر یہ دونوں اعزاز آپ کی ذات سے متعلق رہے۔ 26 اگست 1878ء کو مسٹر ایڈورڈ صاحب کمشنر وایجنٹ ریاست بحکم سر جارج کوپر صاحب لفٹنٹ گورنر ممالک متحدہ رام پور میں آئے اور ایک دربار ترتیب دے کر تمغائے قیصرہ مرسلہ لارڈ لٹن صاحب وائسرائے کشور ہند پہنایا اور سند شاہی عطیہ جناب قیصرہ ہند دے کر آپ کے حسن انتظام کی تعریف کی۔

نواب کلب علی خاں کے انگریزوں سے وفاداری اور خیر خواہی کے اور کام

1......مارچ 1872ء کو نواب سید کلب علی خاں نے بتقریب صحت شاہزادہ ویلز بہادر ولی عہد ہند و انگلستان بڑا بھاری جشن کیا۔ جناب ملکہ معظمہ وکٹوریہ نے نہایت منت پذیری کے ساتھ اس کا شکریہ ادا کیا۔

2......15 جون 1879ء کو نواب صاحب نے فتح کابل کے متعلق ایک جشن کیا۔ ایک سوایک توپ کی شاہی سلامی سر ہوئی۔ اور بذریعہ تار جناب ملکہ معظمہ وکٹوریہ کو فتح کی مبارک باد دی۔ 4۔ اگست کو سر جارج کوپر صاحب لفٹنٹ گورنر ممالک متحدہ نے جناب ملکہ معظمہ وکٹوریہ کی جانب سے خوشنودی کا اظہار کیا۔

3......18 ستمبر 1882ء کو ایک ہزار بندوقیں مرسلہ لارڈ رپن صاحب وائسرائے کشور ہند صاحب ایجنٹ ریاست کے توسط سے رام پور میں پہنچیں یہ بندوقیں ٹوپی دار پرانی قطع کی اتری ہوئی تھیں گو کہ نواب صاحب نے پلٹن کے واسطے بقیمت طلب کی تھیں مگر وائسرائے نے نواب صاحب کی قیمتی خیر خواہیوں پر خیال فرما کر بلا قیمت عطا کیں۔

4...... 21 مارچ 1884ء کو ڈیوک کیناٹ صاحب بہادر ترائی کے جنگل میں شکار کھیلنے آئے نواب صاحب نے 25 ہاتھی اور دوسرا سامان شکار اور خیمے وغیرہ جنرل اعظم الدین خاں کے ہمراہ منڈیا گھاٹ بھیجے۔ جنرل صاحب نے بہت عمدہ طور پر شکار کھلایا۔ 28 مارچ تک آٹھ شیر مارے شہزادہ موصوف نواب صاحب اور جنرل صاحب کے کمال ممنون ہوئے اور عمدگی انتظام کی نسبت اپنی چٹھی مورخہ یکم اپریل 1884ء میں جو مقام میرٹھ سے نواب صاحب کے نام لکھی تھی اظہار توصیف کیا۔ بلکہ اس خوشنودی کے جلدو میں اپنی اور اپنی لیڈی صاحبہ کی تصویریں نواب صاحب کے واسطے صاحب ایجنٹ کی معرفت ارسال کیں۔

5......نواب صاحب نے ڈیوک البینی فرزند چہارم جناب ملکہ معظمہ وکٹوریہ کے قضا کرنے پر جن کا واقعہ 28 مارچ 1884ء کو ہوا تھا بذریعہ تار جناب ملکہ وکٹوریہ کی خدمت میں تعزیت ادا کی ایک روز تمام محکمہ جات ریاست اور بازاروں میں تعطیل اور ہڑتال رہی۔

6...... 16 فروری 1887ء کو نواب صاحب نے بہ تقریب جشن جوبلی جناب ملکہ وکٹوریہ دربار کیا شاہی سلامی سر ہوئی شادیانے بجے۔ روشنی ہوئی آتش بازی چھوٹی، دوروز تعطیل رہی 29 قیدی رہا کیے گئے۔ نواب صاحب کی تمام کاروائیوں میں جوبلی کا جشن آخری کام تھا۔

(اخبار الصنادید ص 160۔167 ج 2 مختصراً)

قارئین حضرات! آپ نے پڑھ لیا کہ نواب کلب علی خاں بریلوی انگریزوں کا کتنا خیر خواہ وفادار اور انگریز نواز تھا جس کے عوض میں نواب کلب علی خاں کو انعامات خطابات انگریزوں سے ملے۔

دین محمد نے لکھا ہے:

حکام گورنمنٹ بھی آپ کی قوت انتظام وحسن تدبیر کو مانتے اوران کی وفادارانہ دوستی کو قابل اعتماد سمجھتے تھے چنانچہ 1866ء میں آپ ایمپریل کونسل کے ممبر نامزد کیے گئے پھر 1870ء میں ڈیوک آف سدہرلینڈ کی ملاقات کے لیے آگرہ میں پورے اعزاز کے ساتھ مدعو کیے گئے پھر 1873ء میں حضور شہنشاہ ایڈورڈ ہفتم کے بزمانہ ولی عہدی ہندوستان میں تشریف آوری پرآگرہ میں ہزہائیتس کو''جی سی ایس آئی'' کا خطاب عطا ہوااور دربار قیصریٰ 1877ء میں مشیر قیصر ہند کے اعزاز سے ممتاز فرمائے گئے آپ کے عہد میں حضور وائسرائے و کمینڈر انچیف رام پور آکر مہمان ریاست ہوکر مسرور ہوئے نواب صاحب ایک پکے دین دار پابند صوم وصلوٰۃ ہی نہیں بلکہ عاشق اسلام اور شیدائے رسول رئیس تھے۔

(یادگار دربار 1911ء جلد دوم ص740،741)

پیر سید جماعت علی شاہ علی پوری:

حضرت پیر سید جماعت علی شاہ ابن سید کریم شاہ علی پوری 1841ء میں علی پور سیداں ضلع سیالکوٹ (پنجاب) میں پیدا ہوئے آپ نجیب الطرفین ہیں اور سادات شیرازے حضرت سید محمد مامون المعروف بہ قطب شیرازی کی اولاد امجاد سے تھے آپ کا سلسلہ نسب 38 واسطوں سے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ تک پہنچتا ہے۔ پیر سید جماعت علی شاہ قدس سرہ کا وصال 26 ذیقعدہ 26، 27 کی درمیانی شب 30 اگست 1951ء، 1370ھ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو ہوا۔

(تذکرہ اکابر اہل سنت ص 113۔117)

پیر سید جماعت علی شاہ نے انگریزی فوج کے مسلمان سپاہیوں کو فتح کے تعویذ دیے۔ پیر جماعت علی شاہ انگریزی خواں طبقہ کو پسند کرتے تھے پیر جماعت علی شاہ نے جو انگریزی فوج میں مسلمان سپاہی تھے اور ترک مسلمانوں کے خلاف لڑ رہے تھے ان کو فتح کے تعویذ دیے۔

مولوی محمود احمد قادری بریلوی لکھتے ہیں:

آپ کی نظر عنایت انگریزی خواں طبقہ کی طرف زیادہ تھی۔

(تذکرہ علمائے اہل سنت ص74)

انگریزی ڈگریاں ناموں کے ساتھ لکھا کرو:

حضرت قبلہ عالم (پیر جماعت علی) رحمۃ اللہ علیہ انگریزی خواں متوسلین کو حکم دیتے تھے کہ اپنے ناموں کے ساتھ انگریزی ڈگریاں اور عہدے ضرور لکھا کرو تاکہ لوگوں کو پتہ چلے کہ صوفیائے کرام کی جماعت میں جدید تعلیم یافتہ لوگ بھی شامل ہیں ورنہ انگریزی دان لوگ عام طور پر ہمیں دنیوی علوم سے ناواقف خیال کرتے ہیں ان کی ناواقفیت اور غلط فہمی دور کرنی بہت ضروری ہے۔

(سیرت امیر ملت ص235)

محمد فاروق قریشی نے لکھاہے:

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں کے مریدوں اور مقلدوں نے ان کے حکم و ارشاد کے مطابق عمل کیا اور بریلوی مکتب فکر کے علماء اکابرین نے بحیثیت جماعت آزادی کی تحریکوں سے کنارہ کشی اختیار کیے رکھی اس کی شدید مخالفت کی اور انگریزوں کے ساتھ تعاون کیا پہلی جنگ عظیم 1914ء میں جب مسلمانوں کے خلاف طاغوتی طاقتیں شمشیر بکف تھیں تو حضرت پیر جماعت علی شاہ نے انگریزی فوج کے مسلمان سپاہیوں کو تعویذ دیئے تھے جسے انگریزی افواج کے مسلمان سپاہی اپنے بازوں پر باندھتے تھے پیر صاحب کا دعویٰ تھا کہ تعویذوں کی برکت سے ترک افواج کی گولی برطانوی سپاہ پر اثر انداز نہیں ہوگی۔

(ولی خاں اور قرارداد پاکستان ص309)

ہفت روزہ الاعتصام لاہور 9 اگست 1957ء کے شمارہ میں لکھاہے:

یہ سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ علی پور کے پیر جماعت علی شاہ تک برابر چلتا رہا انہوں نے انگریزی فوج کے ان سپاہیوں کو فتح کے تعویذ دیئے جو ترکی کے مسلمانوں کے خلاف لڑ رہے تھے اور بغداد میں حضرت حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے روضہ پر بم باری کر رہے تھے۔ان کے عمل و کردار کی عجائب کاریاں ملاحظہ ہوں کہ یہاں تو یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئا للہ کا وظیفہ پڑھتے پڑھتے ان کی زبانیں خشک ہو ہو جاتی ہیں اور وہاں اس انگریزی سپاہ کو فتح و نصرت کے تعویذ دیتے ہیں جو حضرت شیخ کے روضہ پر بمباری کرتے ہیں۔

(الاعتصام 9 اگست 1957ء)

جانباز مرزا نے لکھاہے:

پہلی جنگ عظیم میں بھی کچھ مریدان باصفا نے ایسی ہی غلطی کی تھی کہ انگریز کی فوج میں بھرتی ہو کر ترکوں پر فتح حاصل کرنے کے لیے پیر کے آستانے سے اس نیت سے تعویذ حاصل کیے تھے کہ ہماری گولی ترکوں کے سینے پر لگے مگر ہم محفوظ رہیں اور فتح انگریز کی ہو۔نیز پنجاب کے پیران عظام نے دعائیں کیں کہ ”یااللہ! جرمن کی توپوں میں کیڑے پڑ جائیں۔“

(تحریک مسجد شہید گنج ص130،131)

پیر سید جماعت علی شاہ کی زبانی سنیے:

تحریک شہید گنج کے امیر منتخب ہونے کے بعد پیر جماعت علی شاہ صاحب نے 15 ستمبر کو پہلی مرتبہ لاہور میں ہزار ہا عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

انگریز کو ہمارے ملک میں آئے ہوئے چھیاسی سال کا عرصہ ہو چکا ہے اس عرصے میں مسلمانوں کی ایک درخواست بھی منظور نہیں کی گئی ہم نے حکومت سے ہمیشہ وفاداری کی اور کسی قسم کی بغاوت نہیں کی اور نہ ہم ایسا کرنا چاہتے ہیں۔ہم نے حکومت کی خاطر اپنے ترک بھائیوں پر گولیاں چلائیں اور انگریزوں کو فتح دلائی جس کا بدلہ ہمیں اس صورت میں دیا جارہا ہے کہ ہماری مسجدوں کو گرایا جاتا ہے۔بادشاہ والد کی جگہ اور رعیت بجائے اولاد ہوتی ہے،آج تک کسی باپ نے بیٹے کا گلہ نہیں کاٹا۔جو باپ ہو کر بیٹے کا گلہ کاٹے وہ بادشاہ نہیں ہوتا۔

(روزنامہ انقلاب لاہور 17 ستمبر 1935ء بحوالہ کاروان احرار جلد دوم ص271)

پیر جماعت علی شاہ کا انگریز کی فتح کیلئے تعویذات دینا

بریلویوں کی معروف خانقاہ چوراشریف والوں نے پیر جماعت علی شاہ کے بارے میں ایک عجیب تہلکہ خیز انکشاف کرتے ہوئے لکھا:

''جس وقت انگریزی افواج مسلمانوں پر حملہ آور تھیں تو اس وقت پیر جماعت علی شاہ بجائے اس کے کہ وہ مسلمانوں کی حمایت کرتے وہ انگریز فوجیوں کو مسلمانوں کی فوج کی گولیوں سے بچنے کیلئے تعویز دے رہے تھے کیا اب بھی لوگ پیر جماعت علی شاہ کو امیر ملت تسلیم کریں گے؟''۔

(اثبات النسب،ص ۱۶۰۔ ۱۶۱،ناشر مشائخ عظام چوراشریف)

پیر جماعت علی شاہ انگریز ایجنٹوں کے نرغے میں

''پیر صاحب کے گرد وپیش اس قسم کے لوگ جمع کردئے جو انہیں سرکار (انگریز کی) منشاء کے تابع رکھتے۔عام لوگ نہ صرف ان کے فرار سے بدظن ہو رہے تھے بلکہ مطالبہ کرنے لگے تھے کہ شہید گنج کی بازیابی کے سلسلہ میں پیر صاحب اپنا وعدہ پورا کریں لیکن ان کے کانوں تک کوئی لفظ پہنچنے ہی نہ پاتا وہ مریدوں کے نرغہ میں تھے۔میر مقبول محمود اور کرم الٰہی وکیل عموماً ان کے گرد وپیش رہتے یہ دونوں (انگریز) سرکار کی طرف سے مامور تھے۔ایک روز میں حاضر ہوا تو یہ دونوں بزرگ دوسرے حواریوں کے ساتھ وہاں موجود تھے حتی کہ ڈاکٹر شیخ محمد عالم بھی دو زانو بیٹھے تھے۔ہر کوئی اپنے داؤں پر تھا میں نے چاہا کہ پیر صاحب کو لوگوں کے جذبات سے مطلع کردوں مگر کرم الٰہی وکیل نے روک دیا ''حضور کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کرو جو ان کی طبیعت کے لئے بوجھ ہو'' پیر صاحب فرمارہے تھے کہ جہاد فرض ہے میر مقبول زور دے رہے تھے کہ حضور حج پر تشریف لے جائیں۔شہید گنج کا قضیہ تو ہر حال میں طے ہو جائے گا حضور نے آج تک حج کا ناغہ نہیں کیا''۔

(اثبات النسب،ص ۱۵۸)

چوراشریف والے اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہیں:

''اس عبارت کا ایک ایک لفظ پیر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی بے بصیرتی کا نوحہ کر رہا ہے۔اس پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ ہر بات واضح ہے کہ کون کس کے ہاتھوں میں کھیل کر مسلمانوں کے جذبات کا سودا کر رہا تھا۔اس تحریر نے پیر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کے تحریک پاکستان میں کردار کو بھی مشکوک بنا دیا ہے۔جس کا بہت چرچہ کیا جاتا ہے اور تحریک پاکستان میں ان کے کردار کو نمایاں کیا جاتا ہے''۔

(اثبات النسب،ص ۱۵۸)

''یہ عبارت پڑھ کر مجھے شدید حیرت ہوئی کہ جس کو آج تک ہم محدث علی پوری کے نام سے سنتے آئے ہیں وہ قرآن وسنت سے اس قدر بے بہرہ نکلا کہ وہ فرض جہاد پر نفلی حج کو ترجیح دینے لگا۔کیونکہ ملت اسلامیہ کے مقصد کیلئے جدوجہد کرنا بھی ایک جہاد ہی ہے جو اسلام کا ایک اہم رکن ہے۔لیکن درحقیقت یہ بے علمی کم اور بزدلی زیادہ نظر آتی ہے اور مسلمانوں کے موقف سے راہ فرار اختیار کرنے کا بہانہ بھی ہے۔کیا لوگ اب بھی پیر جماعت علی شاہ کو شہباز طریقت اور امیر ملت کا خطاب دیں گے؟ جو تحریک مسجد شہید گنج کو انگریزی گماشتوں کے ہاتھوں یرغمال بنا کر نفلی حج کرنے چلے گئے''۔(اثبات النسب،ص ۱۵۹)

پیر جماعت علی شاہ کی انگریز گماشتوں سے قریبی تعلقات:

چوراشریف والے پیر جماعت علی شاہ کی سوانح ''سیرت امیر ملت'' سے ایک اقتباس نقل کرنے کے بعد اس پر تبصرہ کرتے ہیں کہ:

''ان اقتباسات سے بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ مرزا معراج الدین جو کہ انگریز سرکار کا وفادار اور ملازم تھا اس کا اور پیر صاحب کے کتنے قریبی تعلقات تھے۔ یہ بات بھی باعث حیرانی ہے انگریزی حکومت کے ایک خفیہ پولیس آفیسر کو مسلمانوں کے مطالبات پیش کرنے کیلئے ان کا نمائندہ منتخب کیا گیا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا پیر جماعت علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں کوئی ایک بھی ایسا مسلمان رہنما نہیں تھا جو مسلمانوں کے مطالبات ان کی نمائندگی کرتے ہوئے حکومت کے سامنے رکھتا۔ ایک عام آدمی بھی جان سکتا ہے کہ انگریزوں کا ایک سرکاری ملازم کس کی حمایت کرے گا؟ اپنے آقاؤں کی یا انگریز مخالف مسلمانوں کی۔ یقیناوہ ان کا وفادار ہوگا جن کا وہ ملازم ہوگا اور ان کے ہی اشاروں پر چلے گا''۔

(اثبات النسب،ص ۱۶۳)

بریلوی مظہر اعلیٰ حضرت حشمت علی رضوی کے جدامجد انگریز کے ایجنٹ

مولوی محبوب رضوی بریلوی لکھتے ہیں:

''نسب یہ ہے: محمد حشمت علی خان ابن ابوالحفاظ محمد نواب علی خان قادری برکاتی نوری ہدایت رسول ابن محمد حیات خان ابن محمد سعادت خان ابن محمد خان علیہم الرحمۃ۔

والد ماجد علیہ الرحمۃ فرمایا کرتے تھے کہ ۱۸۵۷ کے غدر کے ہنگاموں میں دادی صاحبہ مرحومہ کے پاس سے سب کاغذات شجرہ،نسب و آراضی و معافیات ونقشہ جات تلف ہو گئے۔ محمد خان صاحب آفریدی درہ خیبر سے آئے اور فوجی آفسر ہوئے آپ نے کارہائے نمایاں کے صلہ میں معافیات کے حقدار ہوئے''۔

(سوانح شیر بیشہ سنت،ص ۳۴،۳۵،النوریہ الرضویہ لاہور)

غور فرمائیں! کس قدر فخر سے ان غداران وطن وغداران قوم وملت کے سیاہ کارناموں کو بیان کیا جارہا ہے کہ ۱۸۵۷ کی جنگ آزادی میں انگریزی فوجی آفسر ہونے کی وجہ سے مجاہدین کے خلاف معاذ اللہ کارہائے نمایاں سرانجام دیں جس کی وجہ سے آپ کو حکومت کی طرف سے عام معافیات کے پروانے ملے۔ یہ اسی غدار کے خون کا کرشمہ تھا کہ مولوی حشمت علی رضوی بریلوی ساری زندگی انگریزوں کے دشمنوں کو کافر بددین گستاخ کہتارہا۔

موصوف بھی اپنے جدامجد کے رستے پر

چونکہ حشمت علی خان صاحب کی رگوں میں بھی ''برائے فروخت'' خون دوڑ رہا تھا اس لئے موصوف انگریز حکومت کے خلاف کسی بھی قسم کی تحریک، ایجیٹیشن کے سخت مخالف تھے اور کھل کر یہ فتوی دیا کہ:

''ہڑتالیں کرنا غریب مسلمانوں کی روزی کو نقصان پہنچانا ہے، بیکس و بےبس اور بے دست و پا بے زور وزر نہتے مسلمانوں کو حکومت وقت کے مقابل گولیاں کھانے کا مشورہ دینا، ان کو کسی باغیانہ تحریر کیلئے اشتعال دلانا حکومت سے ٹکرا جانے پر اکسانا،

مسلمانوں کی بدخواہی وتباہ کنی ہے جوشرعا حرام ہے ۔سنی مسلمان بھائیوں کوعموما اور رضوی برادران کوخصوصا متنبہ کیا جاتا ہے کہ ہرقسم کے فتنہ و وشر وفساد سے قطعا علیحدہ رہیں ۔امن وامان کو مکمل طور پر قائم رکھیں ۔حکومت ِوقت (انگریز حکومت) کے خلاف ہرقسم کی مفسدانہ تحریکوں سے قطعا پرہیز کریں‘‘۔

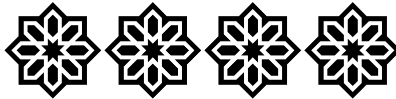
(فتاوی حشمتیہ،ص ۶۲۵)

خادم حسین رضوی اوران کی آئے روز دھرنا پارٹی بھی اس فتوے کوغور سے پڑھے اور جواب دے کہ اس فتوے کی رو سے وہ حرام کے کس درجے پراس وقت کھڑے ہیں؟

نوٹ: اس مقالے کی تیاری میں متکلم اسلام حضرت مولانا الیاس گھمن صاحب زید مجدہ کی کتاب’’فرقہ بریلویت پاک و ہند کا تحقیقی جائزہ‘‘ سے بھی استفادہ کیا گیاہے۔

الحمدللہ آج مورخہ ۲۵ جنوری ۲۰۱۹ مسودہ پرنظرثانی سے فراغت حاصل ہوئی۔اوراب جلدسوّم پرکام کا آغاز کیا جائے گاان شااللہ
ساجدخان نقشبندی

نوٹ: ادارے کی طرف سے پوری طرح کوشش کی جاتی ہے کہ کتاب اغلاط سے پاک ہولیکن بشر ہونے کے ناطے ایساممکن نہیں، لہٰذا اگراس کے باوجود بھی کہیں کوئی غلطی نظر آئے توادارہ کومطلع فرما کرمشکور فرمائیں۔



تکلمہ جلد اوّل

(کچھ باتیں جلد اوّل کے حوالے سے)



امام الموحدین عاشق رسول ﷺ حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی جائیداد پر قبضہ کرنے کی وضاحت

مولانا غلام مہر علی نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ایک الزام لگایا تھا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے قریب شاہ صاحب نے ان کی جائیداد پر معاذ اللہ قبضہ کرلیا تھا۔فقیر نے دفاع جلد اول میں اس کا جواب دیا کہ:

دوسرا الزام: مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اخیر عمر میں جائیداد ہبہ کردی تھی شاہ صاحب نے اس پر قبضہ کرلیا۔

جواب: یہ بھی مولوی غلام مہر علی چشتیاں کا سفید جھوٹ ہے اگر کسی بریلوی میں ہمت ہے تو کسی مستند تاریخی شہادت سے اس کا ثبوت دے کہ ایسا واقعہ ہوا ہے۔ یہ جھوٹ سب سے پہلے مولوی فضل رسول بدایونی نے سیف الجبار میں لکھا اور بریلوی بنا کسی تحقیق اسی کو نقل درنقل کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہ الزام لگانے والوں کو اتنی بھی حیا نہیں کہ شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ تو وہ ہستی ہیں اور وہ مرد مجاہد تھا جو گھربار اس کا عیش و آرام سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر میلوں دشوار گزار راستوں پر سفر کرتے ہوئے بالاکوٹ کی پہاڑیوں میں اس دین کی سربلندی کے لیے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کرگیا۔ظالمو!!! اس کو جائیداد کی حرص ہوتی تو سر کٹانے کے بجائے پیر اور چاچا کی قبر پر مزار بنا کر عیاشی کرتا پھرتا۔حیرت ہے کہ ایک طرف تو خود لکھتے ہو کہ سارا دہلی شاہ صاحب کا مخالف ہوگیا تھا تو اس مخالفت میں فرد واحد کو یہ جرأت کیسے ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے چچا کی جائیداد پر قبضہ کرلے اور نواسوں سمیت سارا دہلی ایک آہ بھی نہ کرے؟۔

(دفاع اہل السنۃ والجماعۃ، جلد اول، ص ۹۹، ۱۰۰)

کتاب کی اشاعت کے بعد حضرت مولانا نسیم احمد فریدی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مقالات کا مجموعہ ”مقالات فریدی“ مطبوعہ دہلی دستیاب ہوا۔جس کی جلد اول میں مولانا آزاد مرحوم کی بعض تاریخی غلطیوں پر ایک تحقیقی مقالہ بھی تھا۔حضرت نے اپنی شان کے مطابق انتہائی وقیع معلوماتی و پرمغز مقالہ لکھا جس میں مولانا منورالدین اور حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے درمیان جو خیالی تنازعات کا پلاؤ اہل بدعت پکاتے رہتے ہیں ان پر بھی کافی روشنی ڈالی گئی۔اسی مقالہ میں حضرت نے اس اعتراض کا بھی جواب دیا جو ہم قارئین کی معلومات کیلئے یہاں نقل کررہے ہیں:

”لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مولانا خیرالدین کو مولوی فضل رسول بدایونی کی بات پوری طرح یاد نہیں رہی تھی وہ تو یوں ”گل افشانی“ فرمارہے ہیں: (۱) شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے آخر عمر میں اپنا تمام مملوکہ منقولہ کہ ہر جنس کثرت سے تھی حرم اور نواسوں وغیرہ کو ہبہ کرکے خالص کرادیا مگر مولوی اسمٰعیل کو کچھ نہ دیا۔(سیف الجبار ص ۱۷، ۱۸)۔(۲)”جب شاہ صاحبؒ نے اپنی ساری مملوکات اوروں کو ہبہ کردی مولوی اسماعیل گھبرائے اور مولوی عبدالحئی شاہ صاحبؒ کے داماد۔۔۔موقوف ہوکر دہلی میں آئے دونوں نے مل کر سید احمد نام۔۔۔شاہ صاحب کے مرید کو پیر بنایا اور ساتھ لیکر شہروں میں پھیری شروع کی اور دربدر گھر بہ گھر قرآن وحدیث کے درس کو وسیلہ ٹھرایا۔“ (ص ۳۴)

کہانی میں اسماعیلیہ اور اسحاقیہ کے عنوان سے ص ۱۶۵ پر مولانا خیرالدین کی بے نظیر تحقیق پیش کی گئی ہے۔وہ بھی سیف الجبار ہی کے ص ۵۰، ۵۱ سے ناتمام طریقے پر ماخوذ ہے۔

اب میں بہتان عظیم کا مختصر جواب دینے سے پہلے میاں سید احمد علی بجنوری (شاگرد حضرت شاہ عبد العزیزؒ) کے خط کا اقتباس پیش کرتا ہوں جس میں شاہ صاحبؒ کی بیماری اور وفات کے چشم دید حالات بیان کئے گئے ہیں۔اس خط کا ترجمہ مولانا ذوالفقار احمد بھوپالیؒ نے اپنی کتاب الروض الممطور فی علما شرح الصدور میں درج کر دیا ہے۔اس خط کا فقط وہ حصہ جس سے مولانا خیر الدین کے''بہتان عظیم'' کی جڑ کٹ جاتی ہے یہاں پرنقل کیا جارہا ہے:

''(حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے) روز سہ شنبہ کہ دن درس کا تھا بکمال بے طاقتی منبر پر آرام کرکے آیہ ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم فرما کر بس کیا۔پہر دن باقی رہے۔فقیر کو طلب فرما کے کاغذ وصیت نامہ مشتمل بر ہبہ فروش وکتب خاص ذات خود بمولوی محمد اسحاق دام ظلہم و دیگر امورات کالکھوا کر مہر فقیر کی اس پر ثبت کرائی۔من بعد مولوی رشید الدین خان صاحب وغیرہ کو طلب کرکے ان کی مہریں ثبت کرائیں۔اس دن حال بہت متغیر تھا۔۔۔۔جمعہ کے دن چاہا کہ موافق معمول کے مدرسہ میں آئیں نہ آسکے۔درس موقوف ہوا مگر زیارت سب کو میسر ہوئی۔وقت شام کے تفسیر مدارک وتفسیر رحمانی سنی۔بعدہ جو کچھ نقدی تھی اس کو برادرزادوں اور ذوی الارحام حاضر و غائب کو تقسیم فرمایا۔(اس کے دو دن بعد) بعد نماز فجر ساتویں ماہ شوال روز یکشنبہ ۱۲۳۹ھ داعی اجل کو لبیک اجابت فرمائی اور اس دارفانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔انا للہ وانا الیہ راجعون''۔(الروض الممطور،ص۲۰۱)

دیکھئے معتبر ترین شاہد کا بیان ہے کہ شاہ صاحبؒ نے حاضر وغائب برادرزادوں اور ذوی الارحام کو۔۔۔۔جو کچھ نقدی ان کے پاس تھی تقسیم کردی تھی۔حضرت شاہ محمد اسمٰعیلؒ جو شاہ صاحبؒ کے برادرزاد تھے وفات شاہ صاحب کے وقت دہلی میں موجود نہ تھے مگر حصہ ان کو بھی دیا گیا۔ایسا نہیں ہوا کہ ان کو محروم کر دیا گیا ہو۔البتہ مولانا محمد اسحٰق صاحبؒ اپنے نواسے کو بحیثیت اپنے جانشین اپنی کتابیں اور فرش فروشی ضرور ہبہ کئے۔

اس میں مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ کی تخصیص نہیں۔مولوی محمد موسیٰ،مولوی مخصوص اللہ وغیرہما برادرزادگان کو بھی کچھ ہبہ نہیں کیا گیا۔علاوہ ازیں شاہ عبد العزیزؒ کے پاس جو ایک درویش صفت متوکلانہ زندگی بسر کرنے والے محدث تھے کونسے ایسے خزانے اور کونسا ایسا مال کثیر رکھا ہوا تھا جس کا یہ پروپیگنڈا کیا جارہا ہے اور اس کی بنیاد پر حضرت سید احمد شہیدؒ کی اصلاحی تحریک کو بدنام کرنے کی کوشش فرمائی جارہی ہے۔حضرت شاہ صاحبؒ کو کفن تک گاڑھے کا دیا گیا تھا اور وہ خود وصیت فرما گئے تھے کہ میرا کفن اس کپڑے کا ہو جو میں پہنتا ہوں۔

''کرتا آپ کو دھوتر کا اور گاڑھے کا پاجامہ ہوتا تھا''۔

(الروض الممطور و کمالات عزیزی)

اور یہ تو سب جانتے ہیں کہ مولانا اسماعیل شہیدؒ حضرت شاہ عبد العزیزؒ کے بھتیجے تھے مگر مولانا خیر الدین کے اس بہتان عظیم کو بیان کرتے ہوئے دو جگہ شاہ شہیدؒ کو نواسہ لکھا گیا ہے۔علاوہ ازیں مولانا عبد الحیؒ کی اس زوجہ سے جو شاہ عبد العزیزؒ کی صاجزادی تھیں کوئی اولاد نہیں ہوئی اور ان صاجزادی کا انتقال شاہ صاحبؒ کے سامنے ہی ہوگیا تھا۔پھر داماد کو شاہ صاحب کے مال میں آرزو کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے؟''۔

(مقالات فریدی،ج۱ص۲۴۶،۲۴۷،ادارہ ادبیات دلی)

مودودی کی تکفیر کے بارے میں وضاحت:

دفاع اہل السنۃ والجماعۃ جلد اول میں ایک عبارت یوں لکھی گئی:

''خصوصاً مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ (جو مودودی کی تکفیر کر چکے تھے)''

(ص ۲۳۸)

حضرت مولانا ابوایوب قادری صاحب زیدمجدہ نے اس طرف توجہ دلائی کہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے اگرچہ مودودی کی عبارت پرسخت گرفت کی ہے مگر ان کی تکفیر نہیں کی لہذا اس عبارت پر نظرثانی کی جائے۔

اللہ پاک حضرت قادری صاحب کو جزائے خیر دے کہ حق بات وہی ہے جو حضرت قادری صاحب نے کی ہے۔واقعۃ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے ''حق پرست علما کی مودودی سے ناراضگی کے اسباب'' میں مودودی کی عبارات پر انتہائی سخت گرفت کی انہیں ضال و مضل تو کہا مگر کافر و مرتد نہیں لکھا نہ ان کی تکفیر کی چنانچہ لکھتے ہیں:

اگر آپ کو گمراہی پھیلانے کا حق حاصل ہے تو کیا ہمیں سچے اسلام کا اخبار میں اعلان کرنے کا حق نہیں؟''۔

(حق پرست علماء کی مودودی سے ناراضگی کے اسباب،ص ۴۷ طبع دوم)

لہذا اصل عبارت میں ''تضلیل و تفسیق'' کے الفاظ تھے جو شاید کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے ''تکفیر'' ہوگیا۔بہرحال اب اس کی اصلاح کر دی جائے۔

عامر عثمانی کی توثیق پر حوالہ جات

ہم نے دفاع جلد اول میں عامر عثمانی کو اپنے اکابر میں سے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا اور اس کے رسالے تجلی کو حجت ماننے سے انکار کر دیا تھا۔(دیکھئے دفاع جلد اول،ص ۲۳۸)

بعد میں کسی ساتھی کے توسط سے ایک رضاخانی کی تحریر نظر سے گزری جو لکھتے ہیں کہ:''مولانا خورشید حسن قاسمی نے عامر عثمانی کو دیوبند کے مایہ ناز فضلا میں شمار کیا ہے۔(دارالعلوم دیوبند کی تاریخی شخصیات،ص ۱۲۴) نجم الدین دیوبندی نے گاڑھا دیوبندی لکھا ہے۔(زلزلہ در زلزلہ)۔سرفراز خان صفدر لکھتا ہے مولانا عامر عثمانی نسلا بعد نسل دیوبندی مسلک پر کاربند تھے۔(اہلسنت کی پہچان،ص ۱۵)،انور شاہ کشمیری کے داماد نے بھی عامر عثمانی کی جماعت اسلامی کے خلاف خدمات کا اعتراف کیا ہے(عمدۃ الاثاث،ص ۵)''۔

(ملخصا کنزالایمان اور مخالفین،ص ۲۶۴)

جواب: اس سلسلے میں گزارش ہے کہ عامر عثمانی نے جس قسم کی زبان اپنے رسالہ میں حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے خلاف استعمال کی جس کی تمام تر تفصیل سعید قادری کی کتاب ''بریلوی مذہب کی حقیقت جلد اول'' میں دیکھی جاسکتی ہے اس کے بعد ایک نہیں دس دیوبندی بھی عامر عثمانی کی توثیق کر دیں تب بھی بندہ عامر عثمانی جیسے آوارہ قلم آدمی کو اپنا تسلیم کرنے کو تیار نہیں۔عامر عثمانی کی توثیق میں ان حوالہ جات کو پیش کرنے والے یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ ان کے گھر ہی کا یہ اصول ہے جو کہ غلام نصیر الدین سیالوی اور احمد سعید کاظمی نے اپنی کتابوں ''عبارات اکابر کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ حصہ اول،الحق المبین'' میں لکھا کہ ہمارے جن اکابر نے علمائے دیوبند کی تائید کی تو وہ اس

واسطے کی کہ ان کو ان کے عقائد کا علم نہ تھا۔ (ملخصا) سیالوی صاحب لکھتے ہیں:

''اگر آپ کو علم نہ تھا تو ثابت ہوگیا کہ آپ سے جو حسن سلوک صادر ہوا ان کے عقائد سے عدم واقفیت کی بنا پر ہوا''۔

(عبارات اکابر کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ حصہ اول، ص ۶۵)

پس حضرت مولانا خورشید حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ ساری تحریر بھی حسن ظن اور عدم واقفیت پر محمول ہے۔

پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ خود لکھتے ہیں:

''اگرچہ مرحوم موصوف کے بعض نظریات وخیالات اور تحریرات سے علمی اعتبار سے اختلاف کیا جاسکتا ہے''۔

(دارالعلوم دیوبند کی تاریخی شخصیات، ص ۱۲۴ مطبوعہ دیوبند)

پس ہمارا اختلاف بھی عامر عثمانی سے انہی خیالات، تحریرات ونظریات کے متعلق ہے جس کی وجہ سے اس باب میں ہم ان کو نہ اپنے اکابرین سے تسلیم کرتے ہیں نہ ان کے خیالات ہمارے لئے حجت ہیں۔ رہی ان کی قلمی خدمات تو جہاں جہاں انہوں نے قرآن وسنت کی ترجمانی کی ہم اس سے اتفاق کرتے ہیں اور اس باب میں ان کی خدمات کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔

رہا کسی کو ''گاڑھا دیوبندی'' کہنا تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوگیا کہ اب وہ دیوبندی ہمارے اکابرین سے بھی اور اس کی بات ہم پر حجت بھی ہوگی؟ موصوف جواب دیں کیا اس وقت دنیا میں بسنے والے صحیح العقیدہ مسلمان اپنے دین وایمان میں ''گاڑھے'' ہیں یا نہیں؟ اگر ہاں اور یقینا ہاں تو کیا اب سارے جہاں کے مسلمان موصوف کی نظر میں ان کیلئے حجۃ اللہ فی الارض بن گئے؟ کیا دنیا کے سارے مسلمانوں کو موصوف اپنے اکابرین سے تسلیم کرے گا؟

اگر اسی کا نام توثیق ہے تو پھر اپنے ارشد القادری کو ملاحظہ فرمائیں جو عثمانی صاحب کی ان الفاظ میں توثیق کرتے ہیں:

''وسیع الالقاب۔۔۔مدیر تجلی زید کرمہ۔۔۔۔(زلزلہ ص ۱۹۲)

آپ کے قادری صاحب تو عثمانی صاحب کا ''کرم'' زیادہ ہونے کی دعائیں مانگ رہے ہیں۔ اب جواب دیں عثمانی صاحب آپ کے اکابر ہوئے یا ہمارے؟ اسی عامر عثمانی مودودی کی ایک عبارت کے متعلق لکھتے ہیں:

''کسی قبر پرست مجاور کی نہیں بلکہ نظام شریعت کے ایک عظیم محتسب کی ہے اور کتاب وسنت کو معیار بنانے والے وقت کے سب سے بڑے نقاد مولانا عامر عثمانی کی ہے''۔

(زلزلہ، ص ۱۹۸)

اب دو جواب عامر عثمانی آپ کے نزدیک نظام شریعت کا محتسب ہے کتاب وسنت کو معیار بنانے والا ہے۔ پس جہاں جہاں اس نے رضاخانیت پر تنقید کی یا مودودیت کی حمایت کی تو وہاں بھی نظام شریعت اور قرآن وسنت کو سامنے رکھ کر یہ سب کچھ کیا ہوگا لہذا اب اس سے انکار کفر ہونا چاہئے بصورت دیگر اپنے اس قادری صاحب کا کذاب ہونا تسلیم کرو۔

جہاں تک بات ہے امام اہلسنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''اہلسنت کی پہچان'' تو اس نام سے حضرت کی کوئی کتاب نہیں۔ ہم بھی اولا حیران ہوئے لیکن تلاش کے بعد پتہ چلا کہ یہ ایک مختصر رسالہ ہے جسے ''جماعت مبلغین اہل السنۃ والجماعۃ گوجرانوالہ'' نے حضرت امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ کے افادات کے نام سے شایع کیا ہے۔ اس کی عبارت نقل کرنے میں بھی معترض نے خیانت کا

ارتکاب کیا مکمل مع سیاق وسباق اس طرح ہے:

''ماہنامہ تجلی کے مدیر مولانا عامر عثمانی شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بھتیجے ۱۳۶۰ھ میں دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث شریف میں شامل تھے۔ان پر صاحبزادگی کا غلبہ تھا۔دل چاہتا تو سبق میں حاضر ہوجاتے ورنہ کئی کئی دن تک غیر حاضر رہتے علمی استعداد بھی چنداں نہ تھی البتہ گفتگو کا رنگ ڈھنگ خوب جانتے تھے اور مجمع لگانے میں تاک تھے۔جب سند فراغت حاصل کرلی تو دارالعلوم میں تدریس کیلئے کوشاں رہے لیکن سبھی حضرات بخوبی جانتے تھے کہ ایسے شخص کو مدرس رکھنے کا کیا فائدہ جو طلبا کو مطمئن نہ کرسکے۔بار بار مراجعت کے بعد بھی دارالعلوم کی طرف سے جواب نفی ہی میں ملتا جس کا انہیں خاصہ صدمہ تھا۔اردو ان کی مادری زبان تھی اور ذہانت اس پر مستزاد تھی انہوں نے دیوبند سے ''تجلی'' نامی ماہنامہ رسالہ نکالا چونکہ دارالعلوم کا کنٹرول حضرت مدنی ؒ کے ہاتھ میں تھا اور حضرت کے ساتھ سیاسی اختلافات کی وجہ سے بھی عامر عثمانی صاحب ان سے کھنچاؤ رکھتے تھے تو انہوں نے ان کے خلاف لکھنا شروع کردیا اور جماعت اسلامی نے یہ رسالہ ہاتھوں ہاتھ لیا کیونکہ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی ؒ اور حضرت شیخ الادب مولانا محمد اعزاز علی صاحب ؒ نے مودودی صاحب کی بعض صریح دینی غلطیوں کی وجہ سے انہیں ضال و مضل کہا تھا غرضیکہ جماعت اسلامی کے ماہنامہ ''تجلی'' کے ساتھ ہر قسم کے تعاون سے حضرت مدنی ؒ اور دارالعلوم کے بعض دیگر اکابر کے خلاف ''تجلی'' میں خوب خوب زہر اگلا گیا۔اور باوجود یہ کہ مولانا عامر عثمانی نسلا بعد نسل دیوبندی مسلک پر کاربند تھے پھر بھی ایسی ایسی باتیں انہوں نے تجلی میں شروع کردیں جو خود ان کے ضمیر کے بھی خلاف تھیں مگر جب کسی سے کسی کو ضد و کد اور پرخاش ہوجائے تو اس کیلئے ناگفتنی باتیں بھی گفتنی ہوجاتی ہیں''۔

(اہلسنت کی پہچان،ص ۱۴،۱۵)

حضرت امام اہلسنت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب رحمۃ اللہ علیہ تو اس کتاب میں عامر عثمانی کی حقیقت کو عیاں کررہے ہیں۔اس تفصیل کو جاننے کے بعد بھی اس آدمی کو ہمارے کھاتے میں ڈال کر ہم پر الزام لگانے والے کو خدا ہی ہدایت دے سکتا ہے۔باقی اسے نسلا بعد نسل دیوبندی کہنے سے بھی اس کا حجت ہونا کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے؟ کیا معترض خود نسلا بعد نسل بریلوی نہیں؟ اگر ہاں تو کیا وہ اپنی جماعت کیلئے حجت بن گئے ہیں؟ اور کیا ان کا شمار جماعت کے اکابر میں ہونے لگ گیا ہے؟ تصنیف و تالیف کے ساتھ ساتھ خدا سے کچھ عقل بھی مانگ لیا کریں۔

اور مولانا احمد رضا بجنوری رحمۃ اللہ علیہ نے عامر عثمانی کی جماعت اسلامی کے خلاف خدمات نہیں صرف طلاق ثلاثہ کے مسئلہ میں جماعت اسلامی والوں کی تردید کا ذکر کیا ہے۔

محض کسی ایک مسئلہ میں اگر وہ جماعت اسلامی کی تردید کردیں تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوگیا کہ اب وہ مودودیت زدہ نہ رہے؟ حقیقت یہ ہے کہ عثمانی صاحب کی طبعیت ہی ایسی تھی انہیں جو اپنے مزاج کے خلاف ملتا وہ اس پر نقد کردیتے۔اسی لئے تو آپ کے علامہ ارشد القادری نے انہیں وقت کا سب سے بڑا نقاد ہونے کا لقب دیا۔نیز کیا آپ کے بہت سے لوگوں نے خود آپ ہی کی جماعت بلکہ نواب احمد رضاخان کے خلاف نہیں لکھا تو کیا آپ اسے اب اپنے فرقے سے خارج قرار دیں گے؟۔

حیرت ہے کہ اگر جماعت اسلامی کے خلاف عامر عثمانی کچھ لکھ دیں تو ہمارے مخالف صاحب اسے اس باب میں پیش کریں کہ وہ مودودی نہیں تھے اس لئے کہ اگر مودودی ہوتے تو مودودیوں کے خلاف کیوں لکھتے؟ اور یہاں منہ پھاڑ پھاڑ کر عامر عثمانی دیوبندیوں

کے خلاف لکھ رہے ہیں ،لیکن موصوف پھر بھی بضد ہیں کہ انہیں دیوبندی ہی تسلیم کیا جائے ۔ یہ کہاں کا انصاف ہے؟ اس حوالے کے بعد تو خود موصوف کے اصول سے اس کا دیوبندی نہ ہونا ثابت ہوا۔

(اعتراض ۱۸۵):

عامر عثمانی کے حوالے سے حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ پر الزام کہ مرزا قادیانی کی نبوت کشید کرلی تھی معاذ اللہ

جس وقت دفاع اہل السنۃ والجماعۃ جلد دوم پریس بھیجی جا رہی تھی اس وقت بندے کے پاس عامر عثمانی مودودی کی تجلی کے شمارے نہیں تھے ۔اس لئے عامر عثمانی کے حوالے سے جو الزامات لگائے گئے ہم نے ان کا جواب اس لئے ضروری نہ سمجھا کہ جلد اول میں جب ہم نے وضاحت کر دی کہ اس کی تجلی کے ہم ذمہ دار نہیں تو اب مستقل جواب دینے کی ضرورت نہیں ۔

لیکن الحمدللہ اسوقت تجلی کے اکثر شمارے ہمیں حاصل ہو گئے ہیں ۔چونکہ کتاب کی سیٹنگ فائینل ہو چکی ہے لہذا ہم ان اعتراضات کو مع جوابات آخر میں نقل کر رہے ہیں ۔

معترض موصوف نے ایک اعتراض یہ کیا:

''دیوبندی شیخ شبیر احمد عثمانی کے بھتیجے عامر عثمانی نے دیوبندی شیخ التفسیر احمد علی لاہوری کا قول نقل کیا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی تو اصل میں نبی ہی تھے لیکن میں نے ان کی نبوت کشید کر لی۔

(ماہنامہ تجلی دیوبند جنوری ۱۹۵۷ ص ۲۱ بحوالہ دیوبندی مذہب، ص ۱۴۷)

(دیوبندیت کے بطلان کا انکشاف، ص ۱۳۱، ۱۳۲)

جواب: ان دونوں رضا خانیوں نے اپنی عادت کے مطابق یہاں بھی دھوکے سے کام لیا ہے ۔اصل ماخذ کو دیکھنے کے بعد ہماری حیرت کی انتہا نہ رہی ۔ہم نے اپنے اساتذوں سے سنا کہ امام اہلسنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ جب بھی تمہارے سامنے کسی رضا خانی کا کوئی اعتراض آئے تو اصل ماخذ کو دیکھ لیا کرو جواب بھی وہیں مل جائے گا۔ بلکہ مناظر اسلام حضرت مولانا ابوایوب قادری صاحب زید مجدہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے بیان کیا حضرت مولانا عبد القدوس قارن صاحب زید مجدہ نے وہ فرماتے ہیں کہ جس وقت خان محمد قادری کے ساتھ میری خط وکتابت ہو رہی تھی تو اباجی (حضرت امام اہلسنت رحمۃ اللہ علیہ) نے فرمایا کہ اس کا ہر حوالہ چیک کرو کیونکہ حلالی رضا خانی وہ ہے جو حوالے میں گڑبڑ کرے ۔جو حوالہ درست نقل کر دے وہ حلالی نہیں حرامی رضا خانی ہے ۔اور یہ بھی چونکہ حلالی رضا خانی ہے لہذا حوالہ نقل کرنے میں ضرور خیانت کرے گا۔

اور حقیقت بھی یہی ہے ۔اکابر دیوبند پر اعتراضات کے جوابات کی تیاری کے دوران یہ بات تو میرے نزدیک حق الیقین کے درجے تک پہنچ چکی ہے کہ نواب احمد رضا خان سے لیکر آج تک کوئی ایک ایسا رضا خانی مولوی پیدا نہیں ہوا جس نے علمائے دیوبند کی عبارات میں قطع و برید نہ کیا ہو یا ان پر الزام تراشی کرنے کیلئے جھوٹ نہ بولے ہوں اور مکر وفریب سے کام نہ لیا ہو۔

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ پر یہ جو الزام ہے وہ عامر عثمانی مودودی نے نہیں، بلکہ ان کے رسالے میں طنز و مزاح پر مشتمل مضمون لکھنے والے ''ملا ابن العرب مکی'' نے لگایا۔ مودودی کی حمایت میں مکی صاحب نے یہاں جس قسم کی آوارگی کا مظاہرہ کیا اور جس قسم کی

سوقیانہ زبان استعمال کی اس پر جتنا افسوس کیا جائے کم ہے۔ بہر حال موصوف نے حضرت لاہوری پر اتنا سنگین کفریہ الزام لگانے کیلئے جس قسم کی بودی دلیل پیش کی وہ خود مقام افسوس ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا قاری الحاج جناب ملا ابن العرب مکی دیوبندی قلندری مدظلہ العالی کا جناب احمد علی لاہوری کو چیلنج: اے لاہور کے مولوی صاحب میرے پیر شاہ بوقلندر علی نے جو کتاب لکھی ہے ''مراۃ الدجالین وغنیۃ الشیاطین'' اس کے ص ۹۳۔۔۔

پھر یہ الزام بھی بوعلی قلندر کی اس خود ساختہ کتاب سے نہیں لگایا بلکہ ایک اور جھوٹ گھڑا کہ مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ہی کی ایک کتاب ''وحی والہام'' ہے جس کے صفحہ ۴۲۹ پر لکھتے ہیں:

''مرزا غلام احمد قادیانی اصل میں تو نبی ہی تھے لیکن میں نے ان کی نبوت کشید کرلی اور یہ نبوت اب مجھے وحی کی منفعتوں سے نوازتی ہے''۔

(ماہنامہ تجلی ص ۲۱، جنوری ۱۹۵۷)

اس کے بعد ابن العرب مکی نے آگے خود لکھا کہ یہ کتاب مطبوعہ نہیں بلکہ اس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے۔

(ماہنامہ تجلی جنوری ۱۹۵۷، ص ۲۲)

اول تو بوعلی شاہ قلندر کی سن وفات ۷۲۴ھ ہجری ۱۳۲۴ء ہے۔ وہ انیسویں صدی کے ایک آدمی کا پیر و مرشد کیسے ہوسکتا ہے؟ اور اپنے سے سات سو سال بعد پیدا نے والے شخص کے اقوال کو سات سو سال پہلے ہی کس طرح اپنی کتاب میں لکھ سکتا ہے؟ پھر ان کی اس قسم کی کسی مضحکہ خیز کتاب یعنی ''مراۃ الدجالین وغنیۃ الشیاطین'' کا کوئی تذکرہ تاریخ میں نہیں ملتا۔ ان کے تذکرے میں صرف فارسی کا ایک دیوان ملتا ہے جو مطبوعہ ہے۔

ثانیاً حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی کتاب ''وحی والہام'' کے نام سے دنیا میں موجود نہیں۔ اس کا اقرار خود ابن العرب مکی کو بھی ہے چنانچہ وہ خود کہتا ہے کہ میرے پاس اس کا قلمی نسخہ ہے۔ (ماہنامہ تجلی ص ۲۱)

بھلا ایسی بے سروپا باتوں سے کیا کسی کا عقیدہ اور کفر ثابت ہوتا ہے؟ اہل بدعت آج تک حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کو گالیاں دیتے ہوئے نہیں تھکتے صرف اس جھوٹے الزام کی بنیاد پر کہ انہوں نے ان کے دادا مولوی نقی علی خان کی طرف جھوٹی کتابیں منسوب کردی تھیں۔ اب خود علمائے دیوبند کو بدنام کرنے کیلئے انہیں یہاں یہ حرکت کرتے ہوئے کچھ خدا کا خوف دامن گیر نہیں ہوتا؟

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک چیلنج دیا تھا کہ میں نے اپنے اشتہار میں مودودی کی جن عبارات کا حوالہ دیا ہے ان کو غلط ثابت کرنے والے کو اتنا انعام ملے گا۔ اب ابن العرب سے اس کا کوئی جواب تو نہ بن پڑا الٹا اپنی عادت کے مطابق طنز و تشنیع شروع کردی کہ چلو میں بھی ایک چیلنج دیتا ہوں کہ فلاں نے اپنی فلاں کتاب میں احمد علی لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں ایسا ایسا لکھا ہے۔ اسے غلط ثابت کرنے والے کو اتنا اتنا انعام۔ اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ آگے خود ابن العرب لکھتا ہے:

''لوگ شاید کہیں کہ مولوی احمد علی صاحب نے تو پانچ روپے فی حوالہ اعلان کیا اور ملا دس ہزار کا اعلان کرتا ہے شاید ملا گپ اڑاتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ملا غریب تو واقعی اتنا مفلس ہے کہ اپنے پاس سے دینے کا معاملہ ہوتا تو ڈھائی آنے فی حوالہ بھی ڈرتے ڈرتے اعلان کرتا لیکن یہاں معاملہ یہ ہے کہ امریکہ نے ایک لاکھ ڈالر اسی غرض سے بھجوائے ہیں کہ مولویوں کو اس طرح لڑاؤ جیسے

مرغ لڑاتے ہیں''۔

(ماہنامہ تجلی،ص ۲۱،جنوری ۱۹۵۷)

اس کے بعد بھی تفصیلی طنز ومزاح کرتے رہے۔ یہ اقتباس اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے چیلنج کا وزن کم کرنے کیلئے ملا ابن العرب نے اس قسم کی بے ہودہ گوئی کا ارتکاب کیا۔ نہ حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی کوئی بات کہی ہے اور نہ اس کا کوئی مستند ماخذ دنیا میں موجود ہے۔

اگر رضاخانی پھر بھی تسلیم نہیں کرتے تو ہمیں اس سوال کا جواب دیں کہ اگر کوئی رضاخانی جو اس بات کا مدّعی ہو کہ مجھے امریکا نے ایک لاکھ ڈالر مولویوں کو مرغوں کی طرح لڑانے کیلئے دیے ہیں، اس بات کا دعویٰ کرے اور کہے کہ آج سے آٹھ سو سال پہلے پیدا ہونے والے میرے مرشد نے اپنی قلمی کتاب میں لکھا ہے کہ احمد رضاخان **دجّال من الدجَاجِلہ** تھا اور نبوّت کا مدّعی تھا تو کیا کوئی رضاخانی اس کو تسلیم کرے گا؟



نوٹ: میری کتب و رسائل میں جو نظریہ یا مسئلہ اکابر علمائے دیوبند کے نظریہ و اجماعی موقف کے خلاف خدانخواستہ ملے تو اسے یک جنبشِ قلم کالعدم قرار دیا جائے، نیز میری وہ تحقیق جو میں نے خود مختلف کتب کے مطالعہ سے اخذ کی یا مختلف کتب و رسائل کے مطالعہ کے بعد میں جس نتیجے پر پہنچا اُسے میں نے اپنی کتب میں دیانۃً نقل کر دیا ہے، لہٰذا اگر کوئی ہم عصر عالم اس سے اختلاف کرنا چاہے تو اُسے اس کا پورا پورا حق ہے۔